ماہنامہ
تجلّی
دیوبند
خدا سے ڈرو
ہر دوسرے خوف سے نجات مل جائیگی
ایڈیٹر: حسن احمد صدیقی
تاریکیوں میں ایک چراغ
2.50

اس دائرہ میں سُرخ نشان ہے تو سمجھ لیجیے اس پرچہ پر آپ کی خریداری ختم ہے — یا منی آرڈر سے سالانہ قیمت بھیجیں یا وی۔پی کی اجازت دیں۔ آئندہ خریداری جاری نہ رکھنی ہو تب بھی اطلاع دیں۔ خاموشی کی صورت میں اگلا پرچہ وی۔پی سے بھیجا جائیگا جسے وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا۔ منی آرڈر بھیجکر آپ وی۔پی خرچ سے بچ جائیں گے۔

امریکہ۔ انگلینڈ، نائیجیریا۔ کنیڈا، فرانس۔ انڈونیشیا سے بذریعہ بحری ڈاک دو پونڈ، بذریعہ ہوائی ڈاک دس پونڈ۔

افریقہ۔ سعودی عرب۔ بحرین، قطر وغیرہ سے بذریعہ بحری ڈاک ایک پونڈ دس شلنگ۔ بذریعہ ہوائی ڈاک چھ پونڈ۔

ایڈیٹر
حسن احمد صدیقی (فاضل دارالعلوم دیوبند)

کیا اور کہاں

سالانہ	ششماہی	فی کاپی	آغاز
بائیس روپے ۲۲	بارہ روپے ۱۲	ڈھائی روپے	۱۹۴۹ء

پرنٹنگ پریس دیوبند

مُستقل

نقادِ اعظم مولانا عامر عثمانی

دستک

سائنس آج اتنی ترقی کر چکی ہے کہ ریلوے انجن کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہ گئی۔ پھر بھی آپ اس کے کل پرزوں کے بارے میں صرف ایسے ہی لوگوں کو اظہار خیال کا اہل قرار دے سکتے ہیں جو اس کی ساخت، اس کی سائنس اس کے میکنزم سے واقف ہوں۔ ایک آدمی اگر انجن پر نظر ڈال کر کہنے لگے کہ اس کا فلاں پرزہ ٹھیک نہیں کیونکہ وہ بدنما حد تک لمبا ہے اور فلاں پرزہ نہایت غیر موزوں ہے کیونکہ اس میں دندانے نظر آتے ہیں۔ تو آپ ہنس دیں گے اور آپ کی رائے یقیناً یہی ہو گی کہ یہ شخص یا تو احمق ہے یا مسخرہ۔

جب ایک معمولی سی ایجاد کا یہ حال ہے تو ظاہر ہے کہ ریڈیو، ٹیلی ویژن، راکٹ اور برقی دماغ جیسی ترقی یافتہ ایجادوں کے بارے میں تو اور بھی ضروری ہو گا کہ اظہار رائے کا حق ان لوگوں کو ہو جو ماہر فن ہوں، سائنس داں ہوں، تجربہ کار ہوں۔

اسی طرح دنیا کے ہر علم و فن کا معاملہ ہے یہاں تک کہ مٹی کے برتن بنانے کھیتی باڑی کرنے اور جوتا گانٹھنے تک کے معمولی فنون میں گفتگو اور محاکمے کا حق صرف ایسے ہی لوگوں کو پہنچتا ہے، جنھوں نے ان فنون کو سمجھا ہو اور کسی نہ کسی حد تک تجربات کے مراحل سے بھی گزرے ہوں۔

جب دنیاوی علوم کا یہ معاملہ ہے تو علم دین اور آئین شریعت کا معاملہ تو ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر ہونا چاہیے۔ ایک شخص اگر قرآن و رسالت پر ایمان رکھنے کے باوجود اسلام کے کسی قانون کے متعلق بدگمان یا شک میں مبتلا ہو تو اس کا فرض ہے کہ بدگمانی کا اظہار کرنے یا ذہنی طور پر اس پر جمنے سے قبل یہ معلوم کرنے کی جدوجہد کرے کہ اس قانون کی صحیح نوعیت ہے کیا۔ یہ کن مصالح کے طور پر بنایا گیا ہے، اس کے قیود و ضوابط کیا ہیں، اس کے منافع اور مضرات میں کیا نسبت ہے؟ لیکن ہمارے زمانہ میں یہ بات عام ہو گئی ہے کہ آدمی ذرا سی زحمت تحقیق اٹھائے بغیر لوگ بڑے بڑے مسائل پر بے محابا زبان کھولتے ہیں اور جو جی چاہے کہتے چلے جاتے ہیں، خصوصاً مذہب کے بارے میں تو امان بالکل ہی اٹھ گئی ہے جسے دیکھو مغربی فنکاروں کی دسیسہ کاری کا شکار ہو کر برملا ان دینی قوانین پر نہ صرف اظہار خیال کرتا چلا جاتا ہے بلکہ قطعی فیصلے دیتا چلا جاتا ہے جن کے بارے میں اس کی واقفیت صفر سے زیادہ نہیں۔

(تجلی مئی ۱۹۶۳ء)

نوّر اللہ مرقدہٗ

لیجئے مولانا عبدالماجد دریابادی بھی اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف ایک مدت سے بیمار چل رہے تھے۔ ایک مدت سے منتسبین کو ہر آن اس بات کا خدشہ لگا ہوا تھا کہ ہونہ ہو داغ مفارقت دے جائیں گے۔ اور بالآخر ۶ جنوری ۷۷ء کو وہ ساعتِ غم آپہونچی کہ جس کی آمد کا قوی اندیشہ ہونے کے باوجود نہ کوئی آنکھ اس کی آمد کی منتظر تھی اور نہ کوئی کان اس کی آمد کا تذکرہ سننے کے لیے تیار تھا۔

آنکھ کے آنسو، کان کا اضطراب، دل کی آہیں کب فرشتۂ اجل کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روک پاتی ہیں۔ فرشتۂ اجل آتا ہے اور اپنی ڈیوٹی ادا کر کے چلا جاتا ہے، خواہ خلقت رو رہی ہو، خواہ آہیں بھر رہی ہو، خواہ تڑپ تڑپ کر شدتِ افسوس کا اظہار کر رہی ہو۔

مولانا دریابادی کا وقت موعود آیا تو موت کے فرشتے نے حسبِ معمول اپنی ڈیوٹی انجام دی اور وہ مولانا عبدالماجد دریابادی جو ۵ جنوری تک ایک حقیقت تھے ۶ جنوری کے بعد ایک افسانہ بن کر رہ گئے۔

ان کے معتقدین کا حلقہ کافی وسیع تھا۔ ان کی وفات کی اطلاع نے اس حلقہ میں ایک کہرام مچا دیا۔ ہزاروں آنکھیں رو پڑیں۔ ہزاروں قلوب درد وغم کی تپش سے تڑپ اٹھے۔ اور ہزاروں صبر وضبط کی سلیں اپنے سینوں پر رکھ کر بھی اپنی زخمی برضا رہنے کا ثبوت دیا۔ آہ! یہ موت کتنی ٹھوس حقیقت ہے جو اس عبدالماجد پر بھی طاری ہو کر رہی جس نے کچھ عرصہ پہلے یہ تحریر ہدیۂ ناظرین کی تھی:۔

”قریب آرہا ہے وہ وقت جب آپ دوسروں کے مکان پر نہیں، دوسرے آپ کے مکان پر آپکی تعزیت کے لیے جمع ہوں گے۔ آپ کا بے حس و حرکت برف سے ٹھنڈا جسم کھرے تختے پر غسل کیلیے پڑا ہو گا۔ جب آپ اس درجہ بے بس ہو جائیں گے کہ خود بے کسی اور بے بسی کو بھی آپ پر رحم آجائے گا آپکے بچے آپ کو بلا بلا کر پکاریں گے اور آپ اشارہ تک نہ کر سکیں گے۔ آپ کی پیاری بیوی آپ کے غم میں روتی روتی دیوانی ہو جائے گی آپ اس کا ایک آنسو بھی خشک نہ کر سکیں گے۔ جب

آپ کے والدین پچھاڑ کھا کھا کر گریں گے۔ آپ انھیں مطلق تسلی نہ دے سکیں گے۔ جب آپ کا جسم چارپائی پر ڈال کر اٹھایا جائے گا۔ جب دوسرے آپ کی نماز پڑھیں گے۔ جب آپ ایک تنگ و تاریک گڑھے میں ڈال دیے جائیں گے۔ جب آپ منوں مٹی کے نیچے رہیں گے۔ قریب آرہا ہے وہ وقت۔ قریب آرہی ہے وہ گھڑی۔ آن پہنچی ہے وہ نہ مٹنے والی ساعت۔"

(صدق جدید۔ لکھنؤ)

اس موت سے کسی کو مفر نہیں۔ بڑے بڑے قلم کار بڑے بڑے مقرر۔ بڑے بڑے موسیٰ اور بڑے بڑے فرعون اس موت کے سامنے ہتھیار ڈال چکے ہیں اور اب اسی موت نے اس شخص کو بھی افسانہ بنا دیا ہے جو خوابوں اور افسانوں سے زیادہ میٹھی اور خوبصورت باتیں کرنے کا عادی تھا۔

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کی تحریروں کا مٹھاس بڑے بڑے دماغوں کو مسحور کرنے میں طاق تھا — وہ بڑی میٹھی میٹھی باتیں کرنے کے خوگر تھے۔ ان میں ایک منفرد اور نمایاں صفت یہ تھی کہ چند لفظوں میں بڑی بڑی حقیقتوں کو سمیٹ دیا کرتے تھے چھوٹے چھوٹے جملوں میں بات کرنے کا انداز شاید انھوں نے ہی ایجاد کیا تھا۔

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ بہت سی ایسی خوبیوں کے مالک تھے جو ان کی ذات کے علاوہ کسی اور میں موجود نہیں تھیں۔ بعض مسائل میں ہمیں مرحوم سے اختلاف تھا، بالخصوص قادیانیت کے سلسلہ میں ہماری رائے ان کی رائے سے قطعی مختلف تھی۔ لیکن اب جبکہ وہ اس دنیا سے جا چکے ہیں ہم ان کے بارے میں کلمۂ خیر کے ماسوا کچھ اور زبان سے نکالنا مناسب نہیں سمجھتے۔

ہماری ایک دعا تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ مرحوم کی بشری لغزشوں کو نظرانداز کر کے انھیں اپنی بارگاہ میں وہ مقام عُلیا عطا کرے جس کے وہ واقعتاً مستحق تھے —— اور ہماری دوسری دعا یہ ہے کہ حق تعالیٰ مرحوم کے پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے اور اس صدق جدید کو باقی رکھے جو مرحوم کی یادگار ہے۔

کچھ ایام قبل شیخ الہندؒ کی صاحبزادی کا بھی انتقال ہو گیا ہے مرحومہ کی عمر بھی عمر طبعی سے متجاوز ہو چکی تھی۔ مرحومہ کے اخلاق و کردار اور جذبۂ اخلاق و ملنساری سے سبھی متأثر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی وفات ہزاروں انسانوں کے لیے یکساں غم کی حیثیت رکھتی ہے۔

۳ر جنوری کو حافظ یعقوب صاحب سفیر دارالعلوم دیوبند بھی اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔ مرحوم مولانا عامر عثمانیؒ کے ہم زلف ہوا کرتے تھے۔ ان کی بعض خوبیاں بلاشبہ قابل ذکر ہیں، لیکن اختصار پیش نظر ہے اس لیے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہوں گا کہ مرحوم ایک اچھے مسلمان تھے۔

۱۸ر جنوری کو تجلی کے موجودہ ایڈیٹر کے چچازاد بھائی جناب مسعودالحسن بھی دنیا سے چل بسے۔ موصوف نے عمر کا آخری حصہ بڑی کشمکش اور پریشانیوں میں گزارا۔ لیکن قابل ذکر بات یہ ہے کہ ان کے ہونٹوں پر کبھی حرف شکایت نہیں آیا۔

ماہنامہ تجلی کے ایک کرم فرما جناب عبداللہ انوبے کے والد بھی اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔ باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا کہ موصوف صلوٰۃ صوم کے پابند اور اعلیٰ اخلاق کے مسلمان تھے۔ پروردگار عالم سے استدعا ہے کہ وہ تمام مرحومین کو اپنی بے کراں رحمتوں سے نوازے اور ان کے تمام پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا کرے

کچھ اور باتیں

نومبر و دسمبر کا شمارہ کافی تاخیر سے آپ کی خدمت میں پہنچا تاخیر کی دو وجہ تھیں۔ ایک وجہ تو یہ تھی کہ اکتوبر و نومبر میں ایڈیٹر تجلی کے بیس دن جودھپور میں گذرے۔ ایڈیٹر کی غیر موجودگی سے رسالے کے کاموں میں بڑا اختلال پیدا ہو جاتا ہے۔ اس پر ستم ظریفی یہ ہوئی کہ پریس والوں نے اس مرتبہ بڑی جفاکاری کا مظاہرہ کیا۔ یوں سمجھیے کہ ۱۸ر اکتوبر کو ایڈیٹر تجلی روانہ ہوا تھا۔ اور نومبر کے شمارہ کی کاپیاں پریس پہنچانے کے بعد ارباب پریس سے یہ معاملہ طے ہو گیا تھا کہ ایڈیٹر کی واپسی تک نومبر کا شمارہ تیار ہو جائے گا۔ ایڈیٹر کی واپسی ۱۰ر نومبر کو ہوئی تو ارباب پریس نے انتہائی مجبورانہ انداز میں یہ اطلاع بخشی کہ نومبر کے شمارہ کی ابھی تک کوئی ایک کاپی بھی نہیں چھپ سکی۔

اس کے بعد پھر طباعت آج اور کل پر ٹلتی رہی۔ یہاں تک کہ ۳۰ نومبر تک طباعت کا آغاز نہیں ہو سکا۔ مجبوراً نومبر کی کاپیاں پریس سے واپس منگالی گئیں اور پھر نومبر کے شمارہ کو "نومبر دسمبر" کا مشترکہ شمارہ بنا کر پیش کیا گیا۔

تاخیر کی دوسری وجہ یہ تھی کہ تقریباً مہینہ بھر پہلے مکتبہ تجلی کا کاروبار دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ حساب فہمی کے لیے ایڈیٹر تجلی کو بھی کافی وقت دینا پڑا۔ بعض دنوں میں تو تقسیم اور تفہیم کے سلسلہ کی ذمہ داریوں کے سوا کسی دوسرے کام کے بارے میں سوچنے کا موقعہ بھی نہ مل سکا۔ تقسیم کے بارے میں تفصیلی مضمون اگلے شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

بہر حال رسالہ میں جو کچھ تاخیر ہوئی وہ بلا وجہ نہیں تھی — پھر بھی قارئین سے معذرت کے طلبگار ہیں اور اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ آئندہ شمارے بر وقت منظرِ عام پر آجائیں۔ خدا ہمیں اپنے ارادوں میں کامیابی نصیب کرے وہ اگر کامیابی کی دولت سے نہ نوازے تو انسان کے ارادوں کی حیثیت ہی کیا ہے۔

ہماری کوتاہیاں

ذمہ داریوں کے ہجوم کی وجہ سے بسا اوقات تصحیح کے لیے وقت نہیں نکل پاتا مجبوراً تصحیح دوسروں سے کرانی پڑتی ہے جو قابل اطمینان نہیں ہوتی۔ کئی بار یہ ارادہ کیا کہ پورے رسالے کی تصحیح خود ہی کی جائے گی اور کوئی کاپی کسی کے حوالے نہیں کی جائیگی لیکن ہمہ جہت مصروفیت کی وجہ سے یہ ارادہ کبھی پورا نہیں ہو سکا آئندہ تصحیح کے لیے کسی بارِیک بیں شخص کو باقاعدہ ملازم رکھنے کا خیال ہے اور ایسے شخص کی تلاش جاری ہے۔

اس وقت مولانا عامر عثمانی رح کی کئی کتابیں کتابت کے مرحلہ سے گذر چکی ہیں لیکن قابل اعتماد مصحح نہ ملنے کی وجہ سے ابھی تک تصحیح کا اہتمام نہیں ہو سکا ہے۔ شرک و بدعت کے چور دروازے کی تصحیح دارالعلوم دیوبند کے ایک استاد سے کرائی تھی لیکن جو حشر اس کتاب کا ہوا ہے وہ قارئین سے پوشیدہ نہیں۔ آئندہ کتاب کو پریس کے حوالے کرنے سے قبل تصحیح کا بہتر سے بہتر انتظام کرنے کی ضرور کوشش کی جائے گی۔ اور جب تک تصحیح کا کوئی مناسب اور معقول انتظام نہ ہو جائے کتاب پریس کے حوالے نہیں کی جائے گی۔

تجلی میں بعض غلطیاں ایسی بھی ہو جاتی ہیں جنہیں نہ کاتب کے سر ڈالا جا سکتا ہے اور نہ مصحح کے یہ غلطیاں بذات خود مضمون نگار سے سرزد ہوتی ہیں۔

غالباً اکتوبر کے شمارہ میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے ایڈیٹر تجلی کے قلم سے یہ جملہ نکل گیا تھا کہ بریلوی حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو علم حاصل تھا وہ ذاتی تھا کسی کا عطا کردہ نہیں تھا۔

اس غلطی پر متنبہ کرنے کے لیے قارئین تجلی کے [illegible] خطوط ہمیں حاصل ہوئے ہیں۔ اور ہم سے اس بات کا ثبوت طلب کیا گیا ہے کہ کس کتاب میں کس بریلوی عالم نے یہ لکھا ہے کہ حضور کو جو علم حاصل تھا وہ عطائی نہیں ذاتی تھا۔

اس عرصہ میں ہم نے بریلوی لٹریچر کا بنظر غائر مطالعہ کیا اور پھر اس نتیجہ پر پہنچے کہ واقعی ہم سے ہی غلط بیانی ہو گئی ہے۔

کسی بھی فرقہ کی طرف غلط بات منسوب کر دینا انتہائی درجہ کی بے احتیاطی ہے۔ خدا ہماری اس بے احتیاطی کو معاف کرے نہ ہم نے کبھی کسی معاملہ میں ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا ہے اور نہ ہی اپنی غلطی ثابت ہونے کے بعد اس کے اعتراف میں عار محسوس کیا ہے۔ آج بھی ہم حسب معمول اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہیں اور بریلوی حضرات سے بھی معافی کے طلب گار ہیں۔ اور ان سے یہ گذارش کرتے ہیں کہ جہاں آپ ہماری غلطی ثابت کر دیں گے۔ وہاں ہم اپنی غلطی کا نہ صرف اعتراف کریں گے بلکہ اپنی غلط بیانی پر دست بستہ معافی بھی چاہ لیں گے۔ معاف کرنا نہ کرنا آپ کا کام ہے

ایک صاحب نے ہمیں ایک اور غلطی پر مطلع کیا ہے۔ وہ یہ کہ ہم نے کسی شمارہ میں "حولانِ حول" کا ذکر کرتے ہوئے مثال کے طور پر کہا تھا کہ اگر جنوری [illegible] کی فلاں تاریخ کو کوئی اثاثہ زید کے قبضہ میں آیا تو جنوری [illegible] کی اسی تاریخ کو زید پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

بات تو اپنی جگہ بالکل درست ہے لیکن یہاں ہم سے ایک چوک یہ ہو گئی تھی کہ ہم نے انگریزی تاریخوں کی مثال دیکر مسئلہ کو سمجھانے کی کوشش کی جبکہ زکوٰۃ وغیرہ کے وجوب اور ادائیگی میں معتبر قمری تاریخیں اور اسلامی مہینے ہوتے ہیں۔ شمسی تاریخوں اور انگریزی مہینوں کا اعتبار نہیں ہوتا۔ بہر کیف اس قسم کی کوتاہیاں جو ہم سے سرزد ہوئی ہیں ان کیلئے ہم شرمندہ ہیں اور ان حضرات کے شکر گزار ہیں جنھوں نے ہمیں ہماری کوتاہیوں پر متنبہ کر کے ہمارے ساتھ خیرخواہی اور ہمدردی کی۔ پروردگار ایسے تمام حضرات کو جزائے خیر دے۔ اور ہمیں آئندہ اس قسم کی غلطیوں سے محفوظ رکھے۔ [illegible]

مکہ مسجد کی حفاظت و دینی ضروریات کی تکمیل پر زور

۱۵ لاکھ روپے جمع کرنے کا نشانہ۔ عوام سے عطیوں کے لیے علماء دین کی اپیل

حیدرآباد ۱۶ر نومبر ۸۰ء مولانا شیخ احمد شطاری معتمد صدر مجلس علمائے دکن۔ پروفیسر قاری کلیم اللہ صدیقی۔ مولانا سید فرید شاہ۔ مولانا حبیب عمر حسینی فرزند شیخ الاسلام حضرت بادشاہ حسینی علیہ الرحمہ۔ سید العلما حضرت سید عباس شاہ منصوری۔ مولانا سید قطب الدین حسینی صابری۔ مولانا محمد جلال الدین حسامی کابلی۔ جانشین حضرت علامہ محمد حسام الدین فاضل علیہ الرحمہ بخاری)۔ پروفیسر محمد حامد صدیقی۔ جناب امیر علی خان صاحب۔ رکن مال۔ افضل العلماء سید شاہ عبدالوہاب۔ حضرت محمود پاشا قادری تخت نشین صدر جمعیۃ العلماء آندھرا پردیش۔ پروفیسر سید عبدالرزاق قادری —
پروفیسر غلام دستگیر رشید۔ حافظ ابو یوسف ایم۔ ایل۔ سی۔ اور جناب خواجہ محمد احمد سابق ناظم آثار قدیمہ نے حسب ذیل بیان جاری کیا ہے —

ہم اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے بہت مسرت محسوس کر رہے ہیں کہ مکہ مسجد کی حفاظت و ترقی کے لیے مسلمانوں کو ایسے کار خیر کی طرف سب سے پہلے اس ریاست کے قدیم عوامی خادم گزار محترم المقام نواب میر اکبر علی خان صاحب سابق گورنر اڑیسہ نے متوجہ فرمایا ہے جن کی بے لاگ اور مخلصانہ کوشش کی حالیہ نظیر جناب شریف یا آداروڈ کے لیے کثیر رقم جمع کر کے اس کام کی تکمیل کر دینا بھی۔ اور انھیں کی تحریک سے اب مکہ مسجد فنڈ کے لیے مسلمانوں سے عطیوں کی فراہمی کی مہم شروع کی گئی ہے جس کا آغاز انھوں نے اپنی طرف سے خود پانچ ہزار روپے کی گرانقدر رقم بطور عطیہ دے کر شروع فرمایا۔

اس اقدام کی اہمیت اس لیے قابل تسلیم ہے کہ مکہ مسجد ان عالمی شہرت رکھنے والی مسجدوں میں سے ایک ہے جو بلحاظ فن تعمیر اور بلند ترین چھت ہونے وغیرہ کی خصوصیات رکھتی ہے اور عظیم تر حیدرآباد کی مایہ ناز مسجد دل اور چار مینار کے ساتھ قدیم فن تعمیر کا لاثانی اور قابل فخر نمونہ ہے۔ جس کی حفاظت ہر مسلمان کے لیے ہر طرح سے ہر زمانہ میں ضروری ہے۔ اگرچہ مکہ مسجد کی اوقافی جائیداد سے متعلق ناگزیر پیچیدگیاں مکہ مسجد کے اخراجات کی پابجائی کے لیے رکاوٹ بنی ہوئی ہیں۔ مگر آج سے تقریباً ۲۵ پچیس سال پہلے مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی تحریک پر وزیراعظم جواہر لال نہرو نے مکہ مسجد کے ماہانہ اخراجات کے لیے دو ہزار روپے مقرر کیے اس سے کچھ کارروائی ہوئی پھر جناب ابراہیم علی صاحب انصاری وزیر اوقاف کی مساعی سے ویلفیئر اور وزارت نے ماہانہ اخراجات کے لیے مسجد کے شایان شان انتظامات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کم از کم پندرہ لاکھ روپوں کا سرمایہ ضرور جمع کریں اور مکہ مسجد کی دینی ضرورت کی تکمیل کریں۔ ہم پر امید نہیں کہ نہ صرف مسلمانان آندھرا پردیش بلکہ مہاراشٹرا اور کرناٹک اسٹیٹ کے ان مقامات کے مسلمان بھی جو سابق حیدرآباد میں رہ چکے ہیں ہماری اپیل پر فوری توجہ کر کے اندرون ایک سال مطلوبہ رقم یعنی پندرہ لاکھ جمع کر دیں۔ معلوم رہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا محتاج نہیں ہے بلکہ ہم اسکے محتاج ہیں کہ اپنے مال میں سے اس کے گھر کے لیے ضرور خرچ کر کے آخرت کا توشہ فراہم کر لیں۔ مکہ مسجد فنڈ کیلیے بنائی ہوئی سوسائٹی کے جناب ابراہیم علی انصاری وزیر اوقاف آندھرا پردیش اور نائب صدر آصف پاشا وزیر قانون آندھرا۔ جناب ہاشم علی خاں سکریٹری ہیں۔

اس سوسائٹی کا دفتر فی الحال مولانا ابوالکلام آزاد اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ باغ عامہ حیدرآباد میں قائم کیا گیا ہے۔ مخفی مبادا سوسائٹی ایکٹ کے تحت اسکی رجسٹری ہو چکی ہے اور اسٹیٹ بینک آف حیدرآباد میں اس کا کھاتہ بھی کھول دیا گیا ہے اور انکم ٹیکس سے عطیوں کو مستثنیٰ قرار دینے کی کارروائی شروع کر دی گئی ہے۔ عطیات کی وصولی کا کام شروع ہو چکا ہے۔ ارسال زر اور مراسلت کا پتہ یہ۔

مولانا ابوالکلام آزاد اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ باغ عامہ حیدرآباد۔ آندھرا پردیش (۵۰۰۰۰۴) 500004

طلب توجہ

آنے والے الیکشن میں ووٹ دیتے وقت یہ بات پیش نظر رکھیے کہ کسی جماعت کو ووٹ دینے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس جماعت کی اور اس جماعت کی تمام پالیسیوں کی تائید کی جارہی ہے اور اس کے اندازِ فکر سے اتفاقِ رائے ہونے کا خاموش اعلان کیا جارہا ہے۔

بعض نادان قسم کے مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ الیکشن بس میدانِ سیاست کا ایک کھیل ہے، اس کا تعلق نہ مذہب سے ہے اور نہ اسلامی روایات سے۔ اور الیکشن میں حصہ لینا یا اپنی رائے کسی جماعت کے سپرد کر دینا قطعاً مباح ہے یعنی اپنے ووٹ کے صحیح استعمال پر آخرت میں کوئی اجر مرتب ہوگا اور نہ اس کے غلط استعمال پر کسی قسم کی کوئی باز پرس اور دار و گیر ہوگی۔

نادان مسلمانوں کے اس تصور کو کہ الیکشن اور الیکشن کے نتائج کی انتہا دنیا ہی تک محدود رہتی ہے انجانی اور کم علمی کے ماسوا کیا نام دیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی ظالم جماعت کے ہاتھ مضبوط کرنے پر قیامت کے میدان میں باز پرس ہوگی اور لازماً ہوگی اور کسی انصاف پسند جماعت سے سرتابی کرنے پر آخرت کا عتاب برداشت کرنا ہی پڑے گا۔ خدا کے رحم و کرم اور اس کی بے نیازی کا معاملہ الگ ہے لیکن قانون کی رو سے ہر وہ شخص بھی سزا کا مستحق قرار پائے گا جس نے دنیا میں خود تو کسی پر ظلم نہیں کیے تھے لیکن ظالموں کے ہاتھ مضبوط کرنے کی کوشش کی تھی اور جذبۂ عدل رکھنے والے لوگوں کی ہر ممکن مخالفت کرکے انھیں دنیا میں نیست و نابود کرنے کا جذبہ اپنے دل و دماغ کی دنیا میں پروان چڑھایا تھا۔

تفصیلی گفتگو کرنے کا موقع نہیں۔ کہنا بس یہ ہے کہ کسی ایسی جماعت کی بذریعہ ووٹ حمایت و تائید کرنا جس نے آپ کی اور آپ کے مذہبی جذبات کی پرواہ نہ کی ہو بجائے خود ایک ظلم ہے، ناانصافی ہے۔ بد دیانتی ہے اور اس بد دیانتی کا خمیازہ آپ کو اس دنیا میں بھی بھگتنا پڑے گا اور اس دنیا میں بھی۔

یہ کہنے میں ہمیں کوئی تامل نہیں کہ اس وقت میدانِ سیاست میں ایک بھی جماعت ایسی نہیں ہے جسے مسلمانوں کی ہمدرد اور بہی خواہ کہا جاسکے۔ ہر جماعت اسلام اور ملتِ اسلامیہ سے بیزار دکھائی دیتی ہے اور ہر جماعت وقتاً فوقتاً اسلام اور مسلمانوں سے بیزاری و اختلاف کے ان گنت مظاہرے کر چکی ہے۔

ایسی ناگفتہ بہ صورت میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اپنی رائے کس جماعت کے حوالہ کی جائے۔؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر خدا نے آپ کو فکر و تدبر کی نعمتوں سے نوازا ہے تو غور و فکر کے بعد چند "شرور" میں سے کسی ایک شر کو اپنا لیجیے کہ اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ جب دو شر جمع ہو جائیں اور کسی وجہ سے ایک شر کو اپنانا ضروری ہو تو اربابِ نظر کی رائے ہمیشہ سے یہ رہی ہے کہ اس شر کو اپنا لیا جو نسبتاً ہلکا ہو اور اس شر سے پہلو تہی کی جائے جو خطرناک اور تباہ کن ہو۔ اگر آپ اسکی صلاحیت اپنے اندر نہیں رکھتے تو کسی باشعور او ر دیندار شخص سے مل کر اس سلسلہ میں سکونِ قلبی کے بعد اپنی رائے کا استعمال کریں۔ البتہ اپنی رائے کو استعمال کرتے وقت یہ ملحوظ رکھیں کہ آزمودہ را آزمودن حماقت است۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی پیشِ نظر رہے کہ مومن ایک سوراخ سے

مولانا عامر عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

کی

زیر ترتیب اور زیر کتابت چند تصانیف

تجلی کی ڈاک ——— (سوالات کے شرعی جوابات) ——— **عکسِ باطن** ——— (شعری مجموعہ) **شیشہ و سنگ** ——— (شعری مجموعوں اور ادبی کتابوں پر کیے گئے بے لاگ تبصرے) ——— **انبیاء اور صحابہ بنیادی عقائد کی روشنی میں** ——— **مسئلۂ سود** ——— (علم وعقل کی کسوٹی پر) وغیرہ وغیرہ

یہ تمام تصانیف "عامر عثمانی بورڈ" سے شائع ہوں گی۔

(ادارہ عامر عثمانی بورڈ سے متعلق تفصیلی مضمون اگلے شمارہ میں ملاحظہ فرمائیے)

آغاز سخن

گذشتہ شمارے میں مولانا قاری طیب صاحب کے بیان کی موافقت میں ہم جو کچھ عرض کر چکے ہیں وہ تمام قارئین کی نظروں سے گذر چکا ہوگا اس بارے میں ہمیں قارئین کے خطوط کا انتظار تھا لیکن ابھی تک صرف ایک ہی خط ہمیں موصول ہو سکا ہے۔ یہ خط بمبئی کے ایک کرم فرما نے تحریر کیا ہے۔ اس کا جواب بذریعہ ڈاک ہم دے چکے ہیں لیکن چونکہ یہ جواب افادیت عامہ سے خالی نہیں ہے لہذا اسے آغاز سخن کے کالم میں پیش کیا جا رہا ہے، اور جواب کی افادیت بڑھانے کیلیے اپنے کرم فرما کا مکتوب بھی ہم ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں۔ لیجیے پہلے خط ملاحظہ فرمائیے۔ اس کے بعد ہمارے قلم سے اس کا جواب۔

باسمہ تعالیٰ۔

مکرمی و محترمی حسن احمد صدیقی صاحب!

بعد سلام مسنون کے گذارش ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی [illegible]تعلق آپ نے صفحہ ۷ پر جو رائے پیش کی تھی وہی بہتر تھی [آ]پ نے اس کے برخلاف صفحہ ۲۵ پر جو بیان دیا ہے تعجب خیز [ک]ہ مسلمانوں کو خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کرنا چاہیے۔

مکرمی و محترمی! ناچیز حضرت نقاد اعظم مولانا عامر عثمانی رحمۃ کا [پر]ستار رہا ہے اور ان ہی کے زمودات کے پیش نظر ناچیز نے [ل]کھنے کی جرأت کی ہے۔ لہذا امید ہے کچھ توجہ فرمائیں گے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی اور نس بندی کے [ن]اجائز ہونے پر علماء کے اتفاق سے اعلان کیا جاتا تو بہتر [ب]نسبت اس اعلان کے جو انفرادی ہو۔ ملت کی پریشانی ایک حد تک ختم ہو جاتی۔

دوسری بات یہ ہے کہ جلیل القدر فقہاء یہ رائے ظاہر کرتے رہے ہیں کہ صرف ضروری حالتوں میں ضبط ولادت جائز ہے مثلاً بیوی اس قدر کمزور ہو چکی ہے کہ اب کسی بچے کو جنم دینا اس کے لیے مہلک حد تک مضر ثابت ہو سکتا ہے۔ دوم مستند ڈاکٹر اور اطباء پورے وثوق کے ساتھ یہ کہیں کہ عورت اپنی فلاں بیماری یا کمزوری کی بنا پر حمل یا وضع حمل کو برداشت نہ کر سکے۔ سوم مرجانے کا قوی اندیشہ ہو۔ تو ان حالتوں میں صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہو جاتا ہے کہ یا تو جماع سے پرہیز کیا جائے یا ضبط ولادت کی کوئی شکل نکالی جائے۔ بعض فقہاء نے یہ بھی کہا ہے کہ عورت کے عام صحت کے تحفظ کی خاطر بھی ضبط ولادت جائز ہے۔ البتہ آج ہمارے زمانے میں دنیا کی حکومتیں خاندانی منصوبہ بندی

مولانا عامر عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

کی

زیر ترتیب اور زیر کتابت چند تصانیف

تجلّی کی ڈاک ——— (سوالات کے شرعی جوابات) ——— **عکسِ باطن** ——— (شعری مجموعہ)
شیشہ و سنگ ——— (شعری مجموعوں اور ادبی کتابوں پر کیے گئے بے لاگ تبصرے) ——— **انبیاء اور صحابہ بنیادی عقائد کی روشنی میں** ——— **مسئلہ سود** ——— (علم و عقل کی کسوٹی پر) وغیرہ وغیرہ

یہ تمام تصانیف "**عامر عثمانی بورڈ**" سے شائع ہوں گی۔

(اور عامر عثمانی بورڈ سے متعلق تفصیلی مضمون اگلے شمارہ میں ملاحظہ فرمائیے)

آغازِ سخن

گذشتہ شمارے میں مولانا قاری طیب صاحب کے بیان کی موافقت میں ہم جو کچھ عرض کر چکے ہیں وہ تمام قارئین کی نظروں سے گذر چکا ہوگا اس بارے میں ہمیں قارئین کے خطوط کا انتظار تھا لیکن ابھی تک صرف ایک ہی خط ہمیں موصول ہو سکا ہے۔ یہ خط بمبئی کے ایک کرم فرما نے تحریر کیا ہے۔ اس کا جواب بذریعہ ڈاک ہم دے چکے ہیں لیکن چونکہ یہ جواب افادیت عامہ سے خالی نہیں ہے لہٰذا اسے آغاز سخن کے کالم میں پیش کیا جا رہا ہے اور جواب کی افادیت بڑھانے کیلئے اپنے کرم فرما کا مکتوب بھی ہم ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں۔ لیجیے پہلے خط ملاحظہ فرمائیے۔ اس کے بعد ہمارے قلم سے اس کا جواب۔

باسمہٖ تعالیٰ۔

مکرمی ومحترمی حسن احمد صدیقی صاحب!

بعد سلام مسنون کے گذارش ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کے متعلق آپ نے صفحہ ۷ پر جو رائے پیش کی تھی وہی بہتر تھی البتہ آپ نے اس کے برخلاف صفحہ ۲۵ پر جو بیان دیا ہے تعجب خیز ہے کہ مسلمانوں کو خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کرنا چاہیے۔

مکرمی ومحترمی! ناچیز حضرت نقادِ اعظم مولانا عامر عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا معتقد رہا ہے اور ان ہی کے زمودات کے پیش نظر ناچیز نے کچھ کہنے کی جرأت کی ہے۔ لہٰذا امید ہے کچھ توجہ فرمائیں گے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی اور نس بندی کے جائز یا ناجائز ہونے پر علماء کے اتفاق سے اعلان کیا جاتا تو بہتر ہوتا بہ نسبت اس اعلان کے جو انفرادی ہو۔ ملت کی پریشانی ایک حد تک ختم ہو جاتی۔

دوسری بات یہ ہے کہ جلیل القدر فقہاء یہ رائے ظاہر کرتے رہے ہیں کہ صرف ضروری حالتوں میں ضبط ولادت جائز ہے مثلاً بیوی اس قدر کمزور ہو چکی ہے کہ اب کسی بچے کو جنم دینا اس کے لیے مہلک حد تک مضر ثابت ہو سکتا ہے۔ دوم مستند ڈاکٹر اور اطباء پورے وثوق کے ساتھ یہ کہیں کہ عورت اپنی فلاں بیماری یا کمزوری کی بنا پر حمل یا وضع حمل کو برداشت نہ کر سکے۔ سوم مر جانے کا قوی اندیشہ ہو۔ تو ان حالتوں میں صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہو جاتا ہے کہ یا تو جماع سے پرہیز کیا جائے یا ضبط ولادت کی کوئی شکل نکالی جائے۔ بعض فقہاء نے یہ بھی کہا ہے کہ عورت کے عام صحت کے تحفظ کی خاطر بھی ضبط ولادت جائز ہے۔ البتہ آج ہمارے زمانے میں دنیا دی حکومتیں خاندانی منصوبہ بندی

کے عنوان سے برتھ کنٹرول کی جو تحریک چلا رہی ہے اس پر شدید اعتراض اس لیے ہے کہ اس کے پیچھے ایسے تصورات کام کر رہے ہیں جو اسلامی تصورات سے بالکل مختلف ہیں اور انسان کو شخصیت مادہ پرست اور خودغرض بناتے ہیں۔ اسلامی تصور یہ ہے کہ اللہ رزاق ہے اور جو ذی روح دنیا میں آتا ہے اس کا رزق بھی اللہ نے مقدر فرما دیا ہے۔ اس تصور کے تحت کسی بھی مسلمان کے لیے یہ اندیشہ کرنا درست نہیں کہ میرے چار سے پانچ بچے ہو گئے تو وہ کھائیں گے کہاں سے اور پہنیں گے کیا لیکن اسلام ہی نے تعلیم دی ہے کہ رزق حلال کے لیے بھرپور کوشش کرو دنیا دارالاسباب ہے لہٰذا وہ تمام چیزیں جسے اللہ نے مقدر فرما دیا ہے اسباب ہی کے تحت ظاہر ہوں گی۔ آج جو خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک چل رہی ہے اس کی پشت پر خدا کی رزاقی کا تصور سرے سے ہے ہی نہیں۔ بلکہ رزق کو تمام تر انسانی مساعی اور حساب کتاب میں منحصر کر دیا گیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ فقہ اسلامی کی روشنی میں بعض مخصوص حالات میں متعین شخص معذوریوں کے باعث "عزل" جیسی بعض مانع حمل تدابیر کو اختیار کرنا جائز ہے۔ اور ماضی میں اصحاب افتاء اس طرح کے ہر شخصی معاملہ کو اس کی مخصوص نوعیت پیش نظر رکھتے ہوئے فتویٰ دیتے رہے ہیں اور آج بھی فقہ اسلامی کی روشنی میں ایسے فتوے دیے جاتے ہیں۔ لیکن اس اجتماع کے نزدیک شخصی حالات میں دی گئی اس اجازت کا موجودہ اجتماعی قانون سازی اور جبر تعدی سے کوئی تعلق نہیں اور نس بندی جیسی تدبیر بہرحال شرع اسلامی کی رو سے قطعاً ناجائز ہے۔

مزید آپ کی اطلاع کے لیے" قرارداد اجلاس عاملہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ" [illegible] اپریل [illegible] کو بمقام درگاہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ دہلی زیر صدارت حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی دامت برکاتہم آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی مجلس عاملہ اور ملک کے ممتاز علماء، درس و افتاء، دانشوران اور قانون دانوں کا نمائندہ اجتماع منعقد ہوا تھا۔ اس اجتماع میں خاندانی منصوبہ بندی، آبادی کے بحران کا مسئلہ اور نس بندی کے طریق کار کو جبری قرار دینے کی وہ پالیسی زیر بحث آئی تھی جس کا اعلان حکومت نے کیا تھا۔ تفصیلی بحث و نظر کے بعد تجویز باتفاق رائے منظور ہوئی کہ شرع اسلامی کی رو سے تمام چیزیں قطعاً ناجائز ہیں۔ شرکاء کے اسم گرامی یہ ہیں :

قاری محمد طیب صاحب۔ مولانا مفتی برہان الحق صاحب مولانا سید کلب عابد صاحب۔ مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب مولانا سید منت اللہ صاحب۔

(بعض مصلحتوں کے پیش نظر مکتوب نگار کا نام و پتہ حذف کر دیا گیا)

میرے قابل احترام بھائی!

سلام و تحیۃ!!

گرامی نامہ موصول ہوا۔ یہ بات میرے لیے خوشی کا باعث ہے کہ میرا مضمون پڑھنے کے بعد آپ کے قلب و ذہن میں جو اضطراب پیدا ہوا ہے اس اضطراب کا اظہار آپ نے براہِ راست مجھ ہی سے کیا ہے اور یہ بات بھی خوشی اور مسرت کا موجب ہے کہ آپ نے میرے خیالات و نظریات سے جو بے اطمینانی ظاہر کی ہے وہ انتہائی شستہ الفاظ میں منتج ہوئی ہے، جو اس بات کی ضامن ہے کہ آپ کی تنقید برائے تنقید اور آپ کا اعراض منجملہ بیزاری نہیں، بلکہ آپ کی تنقید مومنانہ احساسات اور آپ کا اضطراب ایمانی کشاکش پر مشتمل ہے۔

میں کچھ عرض کرنے سے پہلے بخلوص دل خدا سے یہ دعا کروں گا کہ وہ مجھے برملا حق بات کہنے کی اور آپ کو اور میری تحریر کے تمام ناظرین کو بلا چون و چرا حق بات قبول کرنے کی توفیق و جرأت عطا فرمائے۔ دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی اس دعا کے بعد سب سے پہلے تو یہ گوش گزار کر دیجیے کہ خاندانی منصوبہ بندی کے سلسلہ میں مسلمانوں کو نرم پالیسی اختیار کرنے کا مشورہ تین وجوہات کی بنا پر دیا گیا تھا۔ منجملہ ان میں سے ایک وجہ تو یہ تھی کہ خاندانی منصوبہ بندی فی الواقع ہمارے نزدیک اس درجہ کی حرام شئی نہیں ہے کہ اس کو اپنانے کے بعد ایمان و اسلام ہمیشہ کے لیے مفقود اور بے نور ہو کر رہ جائیں۔ ہمارا اپنا خیال، اپنی تحقیق اور اپنے علم و فہم کے مطابق یہ تھا اور اب بھی یہی ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی پر

عمل کرنا زیادہ سے زیادہ مکروہات کی فہرست میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ ہم نے اپنے طالب علمانہ نظریہ اور اپنی محدود عقل و فہم اور تحقیق و تجسس کے لب ۔۔۔۔ کو ناظرین کے سامنے رکھ دیا تھا اور ساتھ ہی یہ گذارش بھی کر دی تھی کہ ہمارے اظہار خیال کی حیثیت فتوے اور فیصلہ کی نہیں ہے نہ ہی ہم ناظرین سے یہ اصرار کرنے کے مجاز ہیں کہ وہ ہمارے خیالات کی لسانی یا عملی تائید کر کے ہمارے قلم سے نکلے ہوئے الفاظ کو ٹھوس اور منضبط باور کرانے کی کوشش میں سرگرداں رہیں۔

اور ایک بار ہم پھر یہی بات دہراتے ہیں کہ ہم نے جو کچھ کہا ہے اگر وہ واقعتاً حق و صداقت اور ایمانیت سے ہم آہنگ نہیں ہے تو ہمارے فرمودات کو پیروں سے کچل دیجیے۔ دیوار پر دے ماریے۔ دیوانے کی بڑ سمجھیے۔ لیکن یہ سب کچھ کہنے سے پہلے یا کرنے کے بعد کچھ ایسے دلائل اور کچھ ایسی روایات ضرور مہیا کر دیجیے جو ہم جیسے گستاخوں اور کج فکروں کو مطمئن کر سکیں اور جن سے دو اور دو چار کی طرح یہ ثابت ہو جائے کہ خاندانی منصوبہ بندی صرف شخصی طور پر جائز ہو سکتی ہے اجتماعی طور پر نہیں۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ ہمارے دل و دماغ میں یہ یقین جاگزیں تھا کہ اگر کسی باطل تحریک کی تائید کی جائے تو علمائے حق ایک لمحہ کے لیے بھی خاموش نہیں بیٹھیں گے۔ وہ ہماری آواز کو بے جان اور بے اثر کرنے کے لیے اپنے مقدس دماغوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیں گے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے علم و ادب کی فضا حق و صداقت کی موسیقی سے گونج اٹھے گی۔ علماء کا ہمیشہ یہی سے یہ عالم رہا ہے کہ وہ نیک لوگوں کی اتنی حمایت نہیں کرتے جتنی مخالفت وہ برے لوگوں کی کر گزرتے ہیں۔ کسی بھی حق اور اچھی بات کہنے والوں کی راہوں میں تعریف کے پھول بچھاتے ہوئے انھیں سچ نہ سمجھتا مسل ہوتا ہے لیکن غلط اور باطل بات کہنے والے پر وہ تنقید کے پتھر ضرور اچھال دیتے ہیں۔ اور بلا کسی تاخیر اور بلا کسی تامل کے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ علمائوں میں بعض ایسے بھی گذرے ہیں اور بعض آج بھی موجود ہیں جو نیک باتوں سے متاثر ہو کر ان کے قائلین کی خدمت میں خراج تحسین پیش کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اور بری اور ناروا باتیں کرنے والوں کی کسی بات پر کان دھر کے اپنا قیمتی وقت ضائع کرتے ہیں۔ نہ ان کے خلاف کوئی فضا قائم کر کے انھیں رسوا کرنے کی مہم چلاتے ہیں۔ لیکن محترم آپ خود ہی بتائیے کہ ایسے اوصاف سے متصف علماء کی تعداد کتنی ہوگی۔ ظاہر ہے کہ چند در چند سے زیادہ نہیں۔

عالم بس یہی ہے کہ صحیح بات کہنے والے کی تعریف کر دیا نہ کرو لیکن غلط بات کہنے والے کے دو چار گھونسے ضرور رسید کر دو۔ اس حقیقت کے پیش نظر ہمارا یقین یہ تھا کہ خاندانی منصوبہ بندی کی مخالفت سے کہیں زیادہ سود مند اسکی موافقت رہے گی۔ اس لیے کہ اگر خاندانی منصوبہ بندی میں جواز کا کوئی پہلو نہیں ہے اور یہ کسی شجر ممنوعہ کی طرح مطلقاً حرام ہے تو اسکی حمایت کرنے سے علم کی چھاونیوں میں ایک طوفان برپا ہو جائیگا اور علماء کی وہ رگ پھڑک اٹھے گی جو کسی باطل بات کے برسرعام کہہ دینے سے پھڑک اٹھتی ہے۔

لیکن حیرت در حیرت اور افسوس فالافسوس کہ خاندانی منصوبہ بندی کے سلسلہ میں ہماری تائیدی سطریں پڑھنے کے بعد نہ کسی علم کی چھاؤنی میں آگ لگی نہ کسی فتاوی گاہ میں طوفان برپا ہوا اور نہ ہی کسی عالم حق نے ہماری تحریر پر نشتر تنقید چلانے کی زحمت گوارہ کی۔

اگر ہم یہ کہہ دیتے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کائنات کی کل اشیاء کا علم غیب حاصل تھا تو کم از کم دو درجن دیوبندیوں کی نیندیں اڑ جاتیں اور اس وقت تک انھیں سکون قلب حاصل نہیں ہو سکتا تھا جب تک کہ وہ ہمارے خلاف لفظوں کا کوئی محاذ قائم کر کے اپنے دل و دماغ کی بھڑاس نہ نکال لیتے۔

اور اگر ہم یہ لکھ مارتے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں تھے تو بریلویوں کی تمام تر صلاحیتیں حرکت میں آجاتیں اور لفظوں کی ایک نئی جنگ کا آغاز ہو جاتا۔

لیکن قابل ماتم بات یہ ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کے بارے میں حسن بہ کہتا ہے اور بیانگ دہل کہتا ہے کہ اسے اپناؤ اور اسے جائز سمجھو اور بقول کچھ افراد کے کہ خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک نہ دیوبندیوں کے نزدیک جائز ہے اور نہ بریلویوں کے نزدیک۔ گویا کہ یہ دونوں جماعتیں ایک دوسرے سے قطعی مختلف

عقائد رکھنے کے باوجود خاندانی منصوبہ بندی کے بارے میں بالکل متفق ہیں اور ان کی مشترکہ رائے یہ ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک سے جہاں تک ہوسکے بچو، اس کے باوجود حسن کی آواز داعلان کے خلاف کوئی آواز کہیں سے نہیں اٹھتی۔ کوئی ایسی علمی محفل منعقد نہیں ہوتی جس میں عوام سے یہ کہا جائے کہ حسن کی پوچ باتوں میں آنے کی ضرورت نہیں وہ قطعی طور پر بکواس کر رہا ہے۔ کسی رسالہ میں حسن کے خلاف کوئی مضمون نہیں چھپتا آخر یہ کیوں ہے؟ اس غیر معمولی سناٹے کی وجہ کیا ہے؟

کیا دیوبندیوں کا جذبۂ حق پرستی بریلویوں کے گلے گھونٹنے اور بریلویوں کا جذبۂ حق پرستی دیوبندیوں کو تہس نہس کرنے ہی تک محدود ہے؟ کیا ان ہر دو جماعتوں کی تمام تر شجاعت کا حدود اربعہ بس یہی ہے کہ ایک دوسرے کی پگڑیاں اچھالتی رہیں؟ آخر کہاں گئے وہ سورما جو وقتے بوقتے اختلافی مسائل پر موٹی موٹی کتابیں بے تکان لکھتے چلے جاتے ہیں، اور کہاں گئے وہ افلاطونِ زماں جو چھوٹے چھوٹے مسئلوں پر بڑے بڑے جلسے اور مناظرے منعقد کرگذرتے ہیں اور یہ باور کرنا چاہتے ہیں کہ ہم اپنے اندر باطل اور غلط باتوں کو برداشت کرنے کی تاب نہیں رکھتے۔؟

ہمارا گمان تو یہ تھا کہ اگر خاندانی منصوبہ بندی میں حلت اور نرمی کا کوئی پہلو فی الواقع نہیں ہوگا تو ہماری تحریر پڑھکر علماء چیخ اٹھیں گے اور بذریعہ زبان و قلم یہ ثابت کرنے میں مصروف ہوجائیں گے کہ حسن نے جو کچھ کہا ہے وہ جھوٹ، بکواس اور غلط در غلط ہے۔ لیکن ہمیں حیرت بھی ہوئی اور افسوس بھی کہ اب تک نہ کسی مذہبی رسالہ نے ہماری آواز کے خلاف کوئی آواز اٹھائی اور نہ ہی کسی عالم دین نے بذریعہ خط ہمیں متنبہ کرنے کی زحمت کی۔

بہر حال خاندانی منصوبہ بندی کے بارے میں حمایتی تحریر لکھنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ شاید ہمارے علماء کی منجمد رگ پھڑک اٹھے اور وہ ہمارے خلاف کوئی محاذ قائم کرکے یہ ثابت کرنے میں سرگرداں ہوجائیں کہ خاندانی منصوبہ بندی جائز نہیں ہے۔ اور حسن نے جو کچھ کہا ہے وہ بروئے شریعت درست نہیں ہے۔ لہذا عوام کو اس کی باتوں پر کان دھرنے کی ضرورت نہیں تیسری وجہ یہ تھی کہ قاری طیب صاحب نے ریڈیائی بیان سے قبل کتنی ہی محفلوں میں اور دوسرے مفتیان کرام نے متعدد بار کتنی ہی مجلسوں میں یہ ارشاد فرمایا تھا کہ خاندانی منصوبہ بندی کو بطیب خاطر اور برضاو رغبت اپنا لینا جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر کسی کے ساتھ جبر اور زبردستی سے کام لیا جائے تو پھر معذوری ہے جس کی ذمہ داری فاعل پر ہے مفعول پر نہیں۔ اس فرمودہ کا نتیجہ غلط ہوا۔

بعض علاقے کے مسلمانوں نے اپنے علماء اور مفتیوں کے فتووں پر عمل پیرا ہونے کے لیے نس بندی سے ہر ممکن طور پر بچنے کی کوشش کی اور حتی الامکان یہی چاہا کہ وہ اس تحریک کی لپیٹ میں نہ آنے پائیں۔ جبکہ علاقائی سربراہوں نے انھیں نس بندی پر مجبور کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال کر ڈالا۔ اس طنا طنی، اس کشاکش میں جو جو ناداد اور غریب غربا ے ہوئے ہیں اس سے آپ بے خبر نہیں ہوں گے۔

بلاشبہ حکومت بار بار اس بات پر زور دیتی رہی ہے کہ نس بندی کے سلسلہ میں جبر و اکراہ سے کام نہ لیا جائے بلکہ ایسی صورتیں نکالی جائیں کہ عوام و خواص خود ہی ہنسی خوشی اپنی نسوں کی قربانیاں پیش کرتے رہیں۔ لیکن حکومت اس تاکید کو علاقائی پولیس بے حیثیت سمجھ کر ایک کان سے سنکر دوسرے کان سے اڑاتی رہی۔

وزیر اعظم محترمہ اندرا گاندھی کا پے در پے یہ اصرار کہ نس بندی کے سلسلہ میں زور زبردستی سے کام نہ لیا جائے۔ بڑی حد تک قابل قدر ہے۔ ہم اس بارے میں اندرا گاندھی کی تعریف کیے بغیر نہیں رہیں گے لیکن ان حضرات کی عقلوں پر ہمیں ہنسی آتی ہے جو دن کی روشنی میں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ملک بھر میں کہیں کسی کی نس بندی بالجبر نہیں ہوئی۔ ہر ایک نے اپنی مرضی اور خواہش ہی سے کرائی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر نس بندی کے سلسلہ میں کسی ایک علاقہ میں جبر و اکراہ سے کام نہیں لیا جارہا تھا تو پھر شریمتی اندرا گاندھی کو بار بار یہ کہنے کی زحمت کیوں اٹھانی پڑ رہی تھی کہ نس بندی میں زور زبردستی مت کرو۔ لاٹھی اور بندوق سے کام مت لو۔

کیا اندرا گاندھی جیسی فہیم و عقیل عورت سے اس بات کی توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ بلا وجہ کسی بات کی رٹ لگاتی رہیں گی۔؟

بہر حال محترمہ اندرا گاندھی نس بندی کے سلسلہ میں بار بار یہ تاکید کرتی رہیں کہ نس بندی میں زور زبردستی سے کام مت لو۔ اس کے باوجود بعض علاقوں کے سربراہوں نے اپنے اقتدار اور

طاقت کا غلط فائدہ اٹھایا۔

یہ کہنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ جن لوگوں کی نس بندی انکی اپنی مرضی سے نہیں ہوئی تھی انھیں بڑی بڑی تکلیفیں اٹھانی پڑیں اور بعض تو اللہ ہی کو پیارے ہوگئے۔ اور جن علاقوں کے لوگوں نے نس بندی کو "خطرناک اور تباہ کن" حالات میں بھی مطلقاً حرام سمجھ رکھا تھا وہ سختی کے ساتھ اس بات پر اڑے رہے کہ گردن کٹ جائے بلا سے کٹ جائے لیکن نس نہیں کٹوائیں گے۔ اور ہٹ دھرمی کے نتیجہ میں بعض علاقوں کے اندر جو وارداتیں گذر گئی ہیں وہ در پردہ ہوتے ہوئے بھی کسی سے پوشیدہ نہیں رہیں ان گنت لوگ شہید ہوگئے۔ ان گنت عورتوں کا سہاگ اجڑ گیا ان گنت بچے یتیمی کے داغ سے داغدار ہوگئے۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ جن لوگوں نے موجودہ حالات اور موجودہ حکومت کی رعیت میں رہتے ہوئے اس بھارت میں مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ نس بندی نہ کرائیں خواہ کچھ بھی گذر جائے وہ مسلمانوں کے خیرخواہ اور ہمدرد نہیں ہیں۔ اس غلط مشورہ پر عمل کرتے ہوئے جو کچھ مسلمانوں پر گذر گئی ہے اس کی تمام تر ذمہ داری ان مشیروں ہی کی گردن پر عائد ہوتی ہے جو مشورے دیتے وقت اپنی آنکھیں بند کرلیتے ہیں اور انھیں اس بات کا قطعاً احساس ہی نہیں ہو پاتا کہ وہ مسلمانوں کو جذباتی مشورے کن حالات اور کس ملک میں دے رہے ہیں۔ کس حکومت کی رعیت میں رہتے ہوئے دے رہے ہیں۔ یہ کہہ دینا بہت آسان ہے کہ فلاں کام بالکل ناجائز ہے اس کے قریب بھی مت پھٹکو۔ لیکن پھر ارباب اقتدار کی تیز نظروں سے مسلمانوں کو بچالینا بہت مشکل ہے۔

مظفرنگر دیوبند سے سترہ اٹھارہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ خاندانی منصوبہ بندی کے سلسلہ میں چند ماہ قبل یہاں جو کچھ ہو چکا ہے وہ ہم سے پوچھیے جو مظفرنگر کی ناک کے نیچے رہتے ہیں۔ کتنے ہی لوگ گولیوں کا نشانہ بنے۔ کتنی ہی عورتیں اور بچے بے سہارا ہوکر رہ گئے۔ کتنے ہی گھروں کی رونقیں چھن گئیں محض اس وجہ سے کہ نس بندی کو حرام سمجھتے ہوئے مسلمان اس سے کترا رہے تھے اور علاقائی حاکم انھیں نس بندی پر مجبور کر رہے تھے۔

ہم ببانگ دہل یہ کہتے ہیں کہ اس انکار و اصرار کے نتیجہ میں بعض علاقوں میں جو دنگا فساد ہوا اس کی ذمہ داری نہ حکومت پر عائد ہوتی ہے نہ مسلمانوں پر بلکہ اس کی ذمہ داری مسلمانوں کے ان رہنماؤں پر عائد ہوتی ہے جو آنکھیں بند کرکے مسلمانوں کو غلط مشورے دے دیکر انھیں جذباتی بناتے رہے ہیں۔

محترم! عوام نے تو اپنی جانیں قربان کر دیں محض مذہب کی خاطر۔ لیکن مجھے یہ بتائیے کہ کیا خاندانی منصوبہ بندی کو گھر کی کوٹھریوں میں بیٹھ کر ناجائز کہنے والے لوگوں نے مرنے والے لوگوں پر دو آنسو بھی بہائے ہیں۔ کیا علماء حق کو ان گھروں میں جھانکنے کی توفیق ہوئی ہے جن کے کرتا دھرتا ان ہی کے فتووں پر عمل کرنے کی وجہ سے نیست و نابود ہوگئے ہیں۔

مسلمانوں کا کوئی رہنما ان محلوں کے قریب سے بھی نہیں گذرا جن محلوں میں مذہب کے دیوانوں نے مذہب کے نام پر اپنی جانیں قربان کر دی ہیں۔ جو لوگ جانیں نثار کر گئے انھیں شہید کہہ کر اس پہ مطمئن ہوجائیے کہ شہیدوں کو پروردگار اپنی بے کراں رحمتوں سے نوازتا ہے۔ لیکن ان عورتوں اور بچوں کی طرف سے کیسے مطمئن ہوجائیں جن کے سہارے اجڑ گئے ہیں اور جن کے چاروں طرف یاس و حرمان اور رنج و غم کے کالے اندھیرے اور درد و غم کی زرد دھوپ کے ماسوا اب کچھ بھی نہیں رہا۔ کیا مسلمانوں کے رہنماؤں نے ایسے لوگوں کا مستقل کوئی وظیفہ مقرر کر دیا ہے! کیا ہمارے علماؤں کو ایسے بے سہارا لوگوں کے سروں پر دست شفقت رکھنے کی توفیق نصیب ہوئی ہے۔؟

کیا ہمارے رہنماؤں نے اس دن ایک وقت کے لیے ہی اپنے گھروں کے چولہے ٹھنڈے کر دیے تھے جس دن سیکڑوں عوام نے ان ہی کے بتائے ہوئے راستوں پر چل کر اپنی زندگیاں داؤں پر لگا دی تھیں۔؟

نہیں محترم نہیں۔ فتوے دینے والوں نے فتوے دینے کے ماسوا کچھ نہیں کیا۔ کسی کے لیے کوئی وظیفہ مقرر نہیں کیا۔

کسی یتیم کے سر پر ہاتھ نہیں رکھا۔ کسی بیوہ کو تسلی نہیں دی۔ وہ تو بس ناجائز ہونے کا فتویٰ دیکر ایک طرف ہٹ گئے۔ اس کے بعد عوام پر جو کچھ گذر گئی بس گذر گئی۔ وہ جانیں ان کا خدا جانے — رہنماؤں کو تو اپنے شیش محلوں سے نکلنے کی بھی توفیق نہ ہوسکی۔ اور ان کے پیچھے آنکھیں بند کر کے چلنے والے راستے کا غبار بن گئے۔

محترم میں خود ان لوگوں میں سے ہوں جو خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک کو جائز نہیں سمجھتے۔ میں کھلے عام اس تحریک کو باطل اور ناجائز قرار دینے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمری یا مجھ جیسے چند لوگوں کی آواز سے کیا یہ تحریک دب جائے گی؟ ہمارے ناجائز کہدینے سے کیا حکومت اس تحریک کا گلا گھونٹ دے گی؟۔

خاندانی منصوبہ بندی کو پچھلے چند مہینوں میں جس شد و مد سے نافذ کرنے کی کوشش کی گئی ہے اسے کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بھی ناجائز ناجائز کی رٹ لگانا ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ جائز و ناجائز کی بحثیں تو وہاں اٹھتی ہیں جہاں مسلمانوں کو کسی کام کے کرنے نہ کرنے کا اختیار حاصل ہو، کہ تم مختار رہو فلاں کام کر دیا نہ کرو۔ ایسی جگہ اگر مسلمان کسی غلط تحریک سے ہم آہنگ ہوجائیں تو انھیں مطعون کرنا ہزار بار درست۔ لیکن جہاں مسلمانوں کو کسی کام کے کرنے پر مجبور کر دیا گیا ہو، وہاں جائز و ناجائز کی رٹ لگانا اور جو مسلمان کسی غلط تحریک کی لپٹ میں آجائیں انھیں ملامت کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔

اس وقت صرف فتوے دینے سے کام نہیں چلے گا بلکہ اس وقت یہ ضروری ہے کہ ملت کے تمام مذہبی اور سیاسی رہنما ایک جگہ سر جوڑ کر بیٹھیں اور مسلمانوں کے تحفظ کا کوئی طریقہ سوچیں۔ میں دعویٰ کرتا ہوں کہ اگر عوام المسلمین کو رہنماؤں کی صحیح معنوں میں پشت پناہی حاصل ہوجائے تو وہ شریعت سے ایک انچ بھی آگے پیچھے نہیں ہوسکتے۔ لیکن مسلمانوں کا تحفظ کیے بغیر ان سے یہ اصرار کرنا کہ یہ کرو یہ نہ کرو نادانی اور بدخواہی کے سوا کچھ نہیں۔ علماء کا عالم یہ ہے کہ وہ بند کمروں میں بیٹھ کر سرگوشی کرنے کے انداز میں خاندانی منصوبہ بندی کو ناجائز کہہ رہے ہیں ان میں اتنی جرأت نہیں کہ جس چیز کو خود غلط سمجھ رہے ہوں اسے بآواز بلند غلط کہہ ڈالیں۔

سوچیے تو سہی کہ جس لاٹھی سے وہ رہنما ڈرے ہوئے ہیں اسی لاٹھی سے اگر عوام سہم جائیں اور صاحب لاٹھی کے آگے اپنا سر جھکا دیں تو بے چارے عوام کا قصور ہی کیا ہے۔ ہمارا فرض ہے۔ یعنی ان سب کا فرض ہے جو عوام جنھیں اپنا بڑا سمجھتے ہیں کہ ملت کو اس کشمکش سے نکالنے کے لیے ہم اپنے فروعی اختلافات کو بھلا کر ایک جگہ بیٹھیں اور مسلمانوں اور ان کے دین و عقائد کی حفاظت کا کوئی مؤثر اور معقول ذریعہ سوچیں۔ اگر اب بھی غفلت اور لاپرواہی سے کام لیا گیا تو پھر یاد رکھیے کہ خاندانی منصوبہ بندی کو جائز سمجھنا بھی مصیبت ہوجائے گا اور ناجائز سمجھنا بھی۔ جائز سمجھنا تو اس لیے مصیبت ہوگا کہ بقول بعض حضرات کے یہ مطلقاً حرام ہے اس میں حلت کا کوئی پہلو نہیں خواہ حالات خطرناک ہوں یا تباہ کن اور ناجائز سمجھنا اس لیے مصیبت ہوگا کہ ناجائز سمجھنے کے بعد اس سے احتراز کرنا ضروری ہوگا اور احتراز کرنے کی صورت میں مسلمانوں کی وہ درگت بنے گی کہ زمین و آسمان دونوں ہی کانپ اٹھیں گے۔ اس سے پہلے کہ ایسا وقت آئے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے خیر خواہوں کو ایک جگہ بیٹھنے پر مجبور کریں اور خیر خواہ اگر بناوٹی اور خود ساختہ نہیں ہیں تو ان کا فرض ہے کہ وہ ایک دن ضائع کیے بغیر اس مسئلہ کا کوئی حل نکال لیں جو عارضی طور پر دب گیا ہے۔

اگر ہمارے علماء اور رہنماؤں کو اب بھی اس بات کی توفیق نہیں ہوگی کہ وہ مہتمم صاحب کے مشورہ کے مطابق ایک جگہ بیٹھیں اور اس سلسلہ میں غور و فکر کر کے کوئی معقول راہ تجویز کریں۔ اور مسلمانوں کے تحفظ کے لیے کوئی پروگرام بنائیں تو پھر ——— ہم یہی کہیں گے کہ خاندانی منصوبہ بندی کے سلسلہ میں نرم رہو۔ کمزور اور غیر محفوظ ہونے کی صورت میں خاندانی منصوبہ بندی کو اپنانے میں جتنی فلاح ہے اتنی فلاح اس سے بھاگنے میں اور اس کی مخالفت میں نصیب نہیں ہوگی

محترم جس راہ کو ہم نے مسلمانوں کے حق میں مفید اور بہتر سمجھا وہ بغیر جھجک اور تکلف کے بیان کر دی۔ اور

اور اگر ہم نے ٹھیک سوچا تو خدا مسلمانوں کو ہمارے مشورہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اگر ہمارا مشورہ غلط اور گمراہ کن ہے تو مسلمانوں کو اس سے محفوظ رکھے اور ہماری غلطی کو معاف کرے۔

نس بندی کی تحریک جب سے زور شور پر ہے اس وقت سے اب تک کسی بھی عالم و مفتی نے کھلے عام اس کی مخالفت نہیں کی ماسوا مولانا منت اللہ رحمانی کے، ان کی کھلی مخالفت سے ہمیں اتفاق ہے یا اختلاف، اس سے قطع نظر یہ کہے بغیر ہم نہیں رہ سکتے کہ انھوں نے ایسی جرأت سے کام لیا ہے جس جرأت سے "مولوی طبقہ" سو فیصدی محروم ہے۔ ہمارے اپنے علماء کا عالم یہ ہے کہ وہ بریلویوں سے ٹکرا سکتے ہیں، مودودیوں سے دو دو ہاتھ ہو سکتے ہیں، قادیانیوں کے گھونسے رسید کر سکتے ہیں، شیعوں سے متصادم ہو سکتے ہیں اور دوسرے مسلک کے مسلمانوں سے مناظرے اور مجادلے کر سکتے ہیں، لیکن کفر اور ارباب کفر، اقتدار اور ارباب اقتدار سے ٹکرانا تو درکنار آنکھیں ملانے کی جسارت بھی نہیں کر سکتے۔ بزدلی اور ایمانی کمزوری کے اس ناگفتہ بہ دور میں کسی منت اللہ نامی مسلمان کی آواز کھلے عام اگر ابھرے گی تو ہم جیسے لوگ جھومے اور تحمید کئے بغیر نہیں رہیں گے۔

مولانا منت اللہ بہاری کے جذبۂ صداقت اور مومنانہ جرأت کی ہم تہہ دل سے قدر کرتے ہیں، لیکن یہ معلوم کرنے کا ہمیں ان سے حق حاصل ہے (بایں وجہ کہ ہم ان سے چھوٹے ہیں اور بڑے آدمی کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے چھوٹوں کی بے چینی دور کرے) کہ اگر مسلمانوں نے دونوں ہاتھوں سے علماء کے دیے ہوئے فتوے کو پکڑے رکھا اور نس بندی کرانے کے لیے تیار نہیں ہوئے تو انھیں ارباب اقتدار کے قہر و عذاب سے کیسے بچایا جا سکتا ہے؟ کیا مولانا نے اس کی کوئی معقول راہ تجویز کر لی ہے؟ اگر کر لی ہے تو پھر مولانا کی جرأت ہزار بار دانشمندی کے قریب ہے لیکن اگر ابھی تک مسلمانوں کے تحفظ کے لیے کوئی طریقہ نہیں سوچا گیا ہے تو یہ جرأت اس نادان آدمی کی بہادری سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی جو خالی ہاتھ شیر کے سامنے جا کر کھڑا ہو جائے اس زعم میں کہ میں بہادر ہوں، ذی قوت ہوں۔

مولانائے محترم کو چاہیے تھا کہ وہ پہلے مسلمانوں کے تحفظ کا کوئی راستہ تجویز کر لیتے، اس کے بعد یہ اعلان کرتے کہ فلاں کام شریعت کی رو سے جائز اور فلاں ناجائز۔ اس وقت ان حالات میں ان کا جرأت مندانہ بیان ہندوستانی مسلمانوں کو مہنگا پڑے گا۔

جس طرح قاری طیب صاحب کا وہ بیان مہنگا پڑا تھا جس میں موصوف نے مسلمانوں سے یہ فرمایا تھا کہ خاندانی منصوبہ بندی کی یہ چالو تحریک حرام ہے۔ اور اگر کوئی زبردستی کرے تو تم معذور اور احتساب آخرت سے بری الذمہ ہو۔ اس بیان کا بہت غلط اثر پڑا اور بعض بے لگام قسم کے حاکموں نے بزعم اقتدار مسلمانوں کے ساتھ وہ زیادتیاں کی ہیں کہ ان زیادتیوں کو تاریخی زیادتیاں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔

ہم ابھی اعتراف کر چکے ہیں کہ محترمہ اندرا گاندھی کا بار بار یہ اصرار کرنا کہ نس بندی کے معاملہ میں جبر و سختی سے احتراز کیا جائے قابل تعریف ہے بلکہ ایک قسم کی نیکی ہے، لیکن یہ نیکی اسلیے بے روح اور بے حیثیت ہو کر رہ گئی ہے کہ نس بندی کے سلسلہ میں ظلم و طغیان کرنے والوں نے کسی قسم کی کوئی باز پرس نہیں ہوئی اگر دو چار ایسے حاکموں کو معطل کر دیا جاتا جنھوں نے نس بندی کے سلسلہ میں اندرا گاندھی کی تاکیدات کو نظر انداز کر کے صرف اپنے نفسوں کی غلامی کی تو پھر محترمہ اندرا گاندھی کا اصرار نیکیوں کی اس فہرست میں داخل کرنا ہی پڑتا جو جاندار اور ذی روح کہلاتی ہیں۔

بہرکیف مہتمم صاحب کے پہلے والے بیان کے نتائج غلط ہی نکلے اور بے لگام قسم کے سربراہوں نے مسلمانوں کے ساتھ ہر ممکن زیادتی کی، جو مسلمانوں کے حق میں بہرصورت تباہ کن اور خطرناک ثابت ہوئی، اور مسلمانوں کا زبردست جانی اور مالی نقصان ہوا۔ اور سب کچھ اس واسطے ہوا تھا کہ مہتمم صاحب کے معتقدین بخوشی نس بندی کے لیے آمادہ نہیں ہو رہے تھے۔ کہیں ایسا ہو کہ پھر صاف گوئی اور بہادری کی قیمت بیچاری جانوں اور اپنے خونوں سے ادا کرنی پڑے؟

محترم! خط کافی طویل ہو گیا ہے۔ آپ کی چند باتوں کا جواب دیتے ہوئے میں قلم کو روکنے کی اجازت چاہوں گا۔

آپ نے خود ہی اپنے خط میں یہ لکھا ہے۔

"اگر مستند ڈاکٹر اور اطبا پورے وثوق کے ساتھ یہ کہدیں کہ عورت اپنی فلاں بیماری یا کمزوری کی بنا پر حمل یا وضع حمل کو برداشت نہیں کر سکتی۔ یا مرجانے کا قوی اندیشہ ہو تو ان حالتوں میں صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہو جاتا ہے کہ یا تو جماع سے پرہیز کیا جائے یا ضبط ولادت کی کوئی شکل نکالی جائے"۔

حیرت ہے کہ شریعت ایک جان جانے کے اندیشے میں تو اس کو واجب قرار دیتی ہے کہ ضبط ولادت کا کوئی طریقہ اپنا لیا جائے ــــ اس صورت میں ضبط ولادت کی اجازت دینے کے لیے تیار نہیں ہوتی جس صورت میں ہزاروں جانیں جانے کا اندیشہ ہو۔ محترم جس شریعت نے ایک زندگی کے تحفظ کی تاکید کی ہے وہ شریعت ہزاروں زندگیوں کو خون میں نہلاتے ہوئے کیسے دیکھ سکتی ہے۔

جو شریعت معاشرے میں مطلقات اور بیواؤں کا ہجوم گوارہ نہیں کر سکتی محض اس بنا پر طلاق شدہ عورتیں اور بیوائیں عموماً غلط راہ روی کا شکار ہو کر معاشرہ کا ناسور اور کتنے ہی گھروں کو برباد کرنے کا سبب بن جاتی ہیں۔ وہی شریعت اس بات کی اجازت کیسے دیدے گی کہ آئے دن مرد اپنی جانیں دے دیکر اپنی عورتوں کو بیوہ کرتے رہیں۔ موت وقت پر آتی ہے۔ جو کچھ ہوتا ہے وقت متعینہ پر ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ ہم اسباب کے پابند ہیں اس لیے ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ سانپ کے بل میں انگلی دینے سے احتراز کریں۔ خواہ یہ یقین دل میں متمکن ہو کہ سانپ مشیت ایزدی کے بغیر اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکتا۔

میرے محترم بھائی! سوال فی نفسہ منصوبہ بندی کا نہیں بلکہ سوال تو یہ ہے کہ اگر حالات خطرناک اور تباہ کن ہو جائیں یعنی اگر زندگیاں خطرے میں آجائیں تو اس صورت میں منصوبہ بندی کو اپنانے میں خیر ہے یا رد کر دینے میں۔

آپ ایک اور بات کہہ گذرے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہر دور میں مفتیان کرام نے انفرادی طور پر "عزل" کی اجازت دی ہے۔

ہمارے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ انفرادیت کسے کہتے ہیں۔ اگر دنیا کی سو مختلف النام جماعتیں جھوٹ کو اپنا شیوہ بنالیں اور صرف ایک جماعت سچائی اور صداقت کی پرستار ہو تو کیا یہ جماعت منفرد نہیں ہے؟ ظاہر ہے کہ منفرد ہے اگرچہ ایک ہزار نفوس پر مشتمل ہو۔

اب ذرا سوچیے ایک طرف تو وہ مسلمان ہیں جن کے سربراہ مملکت مسلمان ہیں اور بڑی حد تک قرآن واسلام کے پابند ہیں پورا عالم عرب اور حکومت پاکستان اس میں شامل کی جاسکتی ہیں ایک طرف وہ مسلمان ہیں جو ان سربراہوں کے ماتحت زندگی بسر کر رہے ہیں جنھیں قرآن واسلام سے کوئی دلچسپی نہیں۔ کیا یہ مسلمان منفرد نہیں کہلائیں گے؟ کیا ان مسلمانوں کو ان مسلمانوں سے مستثنیٰ نہیں سمجھا جائے گا جو مذہب کے سلسلہ میں خود مختاری کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔؟

ہمارے اپنے خیال میں وہ تمام مسلمان منفرد کہلائیں گے جن کے قوانین کی باگ ڈور غیروں کے ہاتھ میں ہو اور جن کی حیثیت کٹھ پتلی سے زیادہ نہ ہو۔ ایسے مسلمان جہاں کہیں ہوں گے بالخصوص تباہ کن اور خطرناک حالات میں سراپا معذور ہوں گے۔ شریعت ایسے مسلمانوں کو بہرحال اپنی حدود میں رہنے کی تاکید کیسے کر سکتی ہے۔؟

محترم! مختصر سی بات یہ ہے کہ مہتمم صاحب نے جو مشورہ قوم کو دیا ہے وہی مصلحت وقت اور دور اندیشی سے ہمکنار ہے اسی پر قوم کو عمل کرنا چاہیے۔ اگر مہتمم صاحب کے مشورے کو صرف افواہوں اور بدگمانیوں کی نذر کر دیا گیا تو جلد ہی مسلمانوں کو بڑی بڑی مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑے گا اور اپنی افواہوں اور بدگمانیوں کی بھاری قیمت چکانی پڑے گی ــــ حاصل کلام یہ ہے کہ موجودہ حالات کے پیش نظر مہتمم صاحب کے ارشاد کے مطابق اپنا راستہ اور طریقۂ کار متعین کرنا چاہیے۔ رہی ان لوگوں کی بات جو صرف خوبصورت اور خوشنما الفاظ سے ڈرائنگ روم سجائے بیٹھے ہیں ان سے احتراز کرنا ضروری اور ناگزیر ہے۔ فقط والسلام

ــــ مخلص حسن احمد صدیقی

(مسلسل) (مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی)

دعوتِ حق کے لیے ہدایات

جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئیں

(۲)

سخت مخالفانہ ماحول میں دعوت الی اللہ

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا	اور اس شخص کی بات سے اچھی
مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ	بات اور کس کی ہوگی جس نے اللہ
وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ	کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا
اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ	اور کہا کہ میں مسلمان ہوں۔

(حٰم السجدہ - آیت ۳۳)

اس سے پہلے کی آیات میں اہل ایمان کو تسکین دینے اور ان کی ہمت بندھانے کے بعد اب ان کو ان کے اصل کام کی طرف رغبت دلائی جا رہی ہے۔ پچھلی آیات میں ان کو بتایا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی پر ثابت قدم ہو جانا اور اس راستے کو اختیار کر لینے کے بعد پھر اس سے منحرف نہ ہونا بجائے خود وہ بنیادی نیکی ہے جو آدمی کو فرشتوں کا دوست اور جنت کا مستحق بناتی ہے اب ان کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ آگے درجہ، جس سے زیادہ بلند کوئی درجہ انسان کے لیے نہیں ہے، یہ ہے کہ تم خود نیک عمل کرو، اور دوسروں کو اللہ کی بندگی کی طرف بلاؤ، اور شدید مخالفت کے ماحول میں بھی، جہاں اسلام کا اعلان و اظہار کرنا اپنے اوپر مصیبتوں کو دعوت دینا ہے، ڈٹ کر کہو میں مسلمان ہوں

اس ارشاد کی پوری اہمیت سمجھنے کے لیے اس ماحول کو نگاہ میں رکھنا ضروری ہے جس میں یہ بات فرمائی گئی تھی۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ جو شخص مسلمان ہونے کا اظہار کرتا تھا اسے یکایک یہ محسوس ہوتا تھا کہ گویا اس نے درندوں کے جنگل میں قدم رکھ دیا ہے جہاں ہر ایک اسے پھاڑ کھانے کو دوڑ رہا ہے۔ اور اس سے آگے بڑھ کر جس نے اسلام کی تبلیغ کے لیے زبان کھولی اس نے تو گویا درندوں کو پکار دیا کہ آؤ اور مجھے بھنبھوڑ ڈالو۔ ان حالات میں فرمایا گیا ہے کہ کسی شخص کا اللہ کو اپنا رب مان کر سیدھی راہ اختیار کر لینا اور اس سے نہ ہٹنا بلا شبہ اپنی جگہ بڑی اور بنیادی نیکی ہے لیکن کمال درجے کی نیکی یہ ہے کہ آدمی اٹھ کر کہے کہ میں مسلمان ہوں اور نتائج سے بے پرواہ ہو کر اللہ کی بندگی کی طرف خلق خدا کو دعوت دے، اور اس کام کو کرتے ہوئے اپنا عمل اتنا پاکیزہ رکھے کہ کسی کو اسلام اور اس کے علمبرداروں پر حرف رکھنے کی گنجائش نہ ملے

بدی کا مقابلہ بہترین نیکی سے

آگے چل کر فرمایا:-

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ اور نہیں، نیکی اور بدی یکساں نہیں

وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ

ہیں۔ تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو۔ تم دیکھوگے کہ تمہارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے۔

(آیت ۔ ۳۴)

اس ارشاد کی پوری معنویت سمجھنے کے لیے بھی وہ حالات نگاہ میں رہنے چاہئیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے واسطے سے آپ کے پیروؤں کو، یہ ہدایت دی گئی تھی، صورت حال یہ تھی کہ دعوت حق کا مقابلہ انتہائی ہٹ دھرمی اور سخت جارحانہ مخالفت سے کیا جا رہا تھا۔ ہر طرح کے ہتھکنڈے آپ کو بدنام کرنے اور آپ کی طرف سے لوگوں کو بدگمان کرنے کے لیے استعمال کیے جا رہے تھے۔ طرح طرح کے الزامات آپ پر چسپاں کیے جا رہے تھے۔ اور مخالفانہ پروپیگنڈہ کرنے والوں کی ایک فوج کی فوج آپ کے خلاف دلوں میں وسوسے ڈالتی پھر رہی تھی۔ ہر قسم کی اذیتیں آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو دی جا رہی تھیں جن سے تنگ آکر مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد ملک چھوڑ کر نکل جانے پر مجبور ہو گئی تھی۔

پھر آپ کی تبلیغ کو روک دینے کے لیے پروگرام یہ بنایا گیا تھا کہ ہلڑ مچانے والوں کا ایک گروہ ہر وقت آپ کی تاک میں لگا رہے اور جب بھی آپ دعوت حق کے لیے زبان کھولیں۔ اتنا شور برپا کر دیا جائے کہ کوئی آپؐ کی بات نہ سن سکے۔ یہ ایسے ہمت شکن حالات تھے جن میں بظاہر دعوت کے تمام راستے مسدود نظر آتے تھے۔ اس وقت مخالفتوں کا زور توڑنے کے لیے یہ نسخہ حضورؐ کو بتایا گیا۔

پہلی بات یہ فرمائی گئی کہ نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں یعنی بظاہر تمہارے مخالفین بدی کا کیسا ہی خوفناک طوفان اٹھا لائے ہوں) جس کے مقابلہ میں حق بالکل عاجز اور بے بس محسوس ہوتی ہو، لیکن بدی بجائے خود اپنے اندر وہ کمزوری رکھتی ہے جو آخر کار اس کا بھٹہ بٹھا دیتی ہے۔ کیونکہ انسان جب تک انسان ہے اس کی فطرت بدی سے نفرت کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔ بدی کے ساتھی ہی نہیں خود اس کے علمبردار تک اپنے دلوں میں یہ جانتے ہیں کہ وہ جھوٹے ہیں ظالم ہیں، اور اپنی اغراض کے لیے ہٹ دھرمی کر رہے ہیں۔ یہ چیز دوسروں کے دلوں میں ان کا وقار پیدا کرنا تو درکنار، انھیں خود اپنی نظروں سے گرا دیتی ہے اور ان کے اپنے دلوں میں ایک چور بیٹھ جاتا ہے جو ہر مخالفانہ اقدام کے وقت ان کی عزم و ہمت پر اندر سے چھاپا مارتا رہتا ہے۔ اس بدی کے مقابلہ میں اگر وہی نیکی جو بالکل عاجز و بے بس نظر آتی ہے، مسلسل کام کرتی چلی جائے، تو آخر کار وہ غالب آکر رہتی ہے کیونکہ اول تو نیکی میں بجائے خود ہی ایک طاقت ہے جو دلوں کو مسخر کرتی ہے، اور آدمی خواہ کتنا ہی بگڑا ہوا ہو، اپنے دل میں اس کی قدر محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پھر جب نیکی اور بدی آمنے سامنے مصروف پیکار ہوں اور کھل کر دونوں کے جوہر پوری طرح نمایاں ہو کر منظر عام پر آئیں، تو ایسی حالت میں ایک مدت کی کشمکش کے بعد کم ہی ایسے لوگ باقی رہ سکتے ہیں جو بدی سے متنفر اور نیکی کے گرویدہ نہ ہو جائیں۔

دوسری بات یہ فرمائی گئی کہ بدی کا مقابلہ محض نیکی سے نہیں بلکہ اس نیکی سے کرو جو بہت اعلیٰ درجہ کی ہو۔ یعنی کوئی شخص تمہارے ساتھ برائی کرے اور تم اس کو معاف کر دو۔ یہ محض نیکی ہے۔ اعلیٰ درجے کی نیکی یہ ہے کہ جو تم سے برا سلوک کرے تم موقع آنے پر اس کے ساتھ احسان کرو۔

اس کا نتیجہ یہ بتایا گیا ہے کہ بدترین دشمن بھی آخر کار جگری دوست بن جائے گا، اس لیے کہ یہی انسانی فطرت ہے گالی کے جواب میں آپ خاموش رہ جائیں۔ بے شک یہ نیکی ہوگی، مگر گالی دینے والے کی زبان بند نہ کر سکے گی۔ لیکن اگر آپ گالی کے جواب میں دعائے خیر کریں تو بڑے سے بڑا بے حیا مخالف بھی شرمندہ ہو کر رہ جائے گا اور پھر مشکل ہی سے کبھی اسکی زبان آپ کے خلاف بدکلامی کے لیے کھل سکے گی۔ کوئی شخص آپ کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا ہو اور آپ اس کی زیادتیاں برداشت کرتے چلے جائیں تو ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی شرارتوں پر اور زیادہ دلیر ہو جائے، لیکن اگر کسی موقع پر اسے نقصان پہنچ رہا ہو اور آپ اسے بچا لیں تو وہ آپ کے قدموں میں آ رہے گا۔ کیونکہ کوئی شرارت مشکل ہی سے

اِس نیکی کے مقابلہ میں کھڑی رہ سکتی ہے تاہم اس قاعدہ کلیہ کو اس معنی میں لینا درست نہیں ہے کہ اس اعلیٰ درجے کی نیکی سے لازماً ہر دشمن جگری دوست ہی بن جائے گا۔ دنیا میں ایسے خبیث النفس لوگ بھی ہوتے ہیں کہ آپ ان کی زیادتیوں سے درگذر کرنے اور ان کی برائی کا جواب بھلائی سے دینے میں خواہ کتنا ہی کمال کر دکھائیں، ان کے نیشِ عقرب کا زہریلا پن ذرہ برابر بھی کم نہیں ہوتا۔ لیکن اس طرح کے شر مجسم انسان قریب قریب اتنے ہی کم پائے جاتے ہیں جتنے خیر مجسم انسان کمیاب ہیں۔

دعوتِ حق میں صبر کی اہمیت

پھر ارشاد ہوا:۔

وَمَا يُلَقّٰهَاۤ اِلَّا الَّذِيْنَ	یہ صفت نصیب نہیں ہوتی مگر
صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَاۤ	ان لوگوں کو جو صبر کرتے ہیں اور
اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ	یہ مقام حاصل نہیں ہوتا مگر ان
(آیت ۳۵)	لوگوں کو جو بڑے نصیبے والے ہیں

یعنی یہ نسخہ ہے تو بڑا کارگر، مگر اسے استعمال کرنا کوئی ہنسی کھیل نہیں ہے۔ اس کے لیے بڑا دل گردہ چاہیے۔ اس کے لیے بڑا عزم، بڑا حوصلہ، بڑی قوت برداشت اور اپنے نفس پر بہت بڑا قابو درکار ہے۔ وقتی طور پر ایک آدمی کسی بدی کے مقابلے میں بڑی نیکی برت سکتا ہے۔ یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ لیکن جہاں کسی شخص کو سالہا سال تک ان باطل پرست اشرار کے مقابلے میں حق کی خاطر لڑنا پڑے جو اخلاق کی کسی حد کو پھاند جانے میں تامل نہ کرتے ہوں، اور پھر طاقت اور اختیارات کے نشے میں بھی بدمست ہو رہے ہوں، وہاں بدی کا مقابلہ نیکی اور وہ بھی اعلیٰ درجے کی نیکی سے کرتے چلے جانا، اور کبھی ایک مرتبہ بھی ضبط کی باگیں ہاتھ سے نہ چھوڑنا کسی معمولی آدمی کے بس کا کام نہیں ہے۔ یہ کام وہی شخص کر سکتا ہے جو ٹھنڈے دل سے حق کی سربلندی کے لیے کام کرنے کا پختہ عزم کر چکا ہو جس نے پوری طرح اپنے نفس کو عقل و شعور کے تابع کر لیا ہو، اور

جس کے اندر نیکی و راستی ایسی گہری جڑیں پکڑ چکی ہو کہ مخالفین کی کوئی شرارت و خباثت بھی اسے اس کے مقام بلند سے نیچے اتار لانے اور بے صبر کر دینے میں کامیاب نہ ہو سکتی ہو۔

اور یہ جو فرمایا کہ "یہ مقام حاصل نہیں ہوتا مگر ان لوگوں کو جو بڑے نصیبے والے ہیں" تو یہ قانون فطرت ہے بڑے ہی بلند مرتبے کا انسان ان صفات سے متصف ہوا کرتا ہے۔ اور جو شخص یہ صفات رکھتا ہو اسے دنیا کی کوئی طاقت بھی کامیابی کی منزل تک پہنچنے سے نہیں روک سکتی۔ یہ کسی طرح ممکن ہی نہیں ہے کہ گھٹیا درجے کے لوگ اپنی کمینہ چالوں، ذلیل ہتھکنڈوں اور رکیک حرکتوں سے اس کو شکست دے دیں۔

شیطان کی اشتعال انگیزی سے خدا کی پناہ

آخر میں فرمایا:۔

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ	"اور تم شیطان کی طرف سے کوئی
مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ	اکساہٹ محسوس کرو تو اللہ کی
فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ	پناہ مانگ لو"

(آیت ۳۶)

شیطان کو سخت تشویش لاحق ہوتی ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ حق و باطل کی جنگ میں کمینگی کا مقابلہ شرافت کے ساتھ اور بدی کا مقابلہ نیکی کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ کسی طرح ایک ہی مرتبہ سہی، حق کے لیے لڑنے والوں اور خصوصاً ان کے سربرآوردہ لوگوں، اور سب سے بڑھ کر ان کے رہنما سے کوئی ایسی غلطی کروا دے جس کی بنا پر عامۃ الناس سے یہ کہا جا سکے کہ دیکھیے صاحب برائی یکطرفہ نہیں ہے، ایک طرف سے اگر گھٹیا حرکتیں کی جا رہی ہیں تو دوسری طرف کے لوگ بھی کچھ بہت اونچے درجے کے انسان نہیں ہیں، فلاں رکیک حرکت تو آخر انھوں نے بھی کی ہے۔ عامۃ الناس میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ ٹھیک انصاف کے ساتھ ایک طرف کی زیادتیوں اور دوسری طرف کی جوابی کارروائی کے درمیان موازنہ کر سکیں۔ وہ جب تک یہ دیکھتے

ہیں کہ مخالفین ہر طرح کی ذلیل حرکتیں کر رہے ہیں، مگر یہ لوگ شائستگی و شرافت اور نیکی و راستی بازی کے راستے سے ذرا نہیں ہٹتے، اس وقت تک وہ ان کا گہرا اثر قبول کرتے رہتے ہیں۔ لیکن اگر کہیں ان کی طرف سے کوئی بیجا حرکت، یا ان کے دینے سے گری ہوئی کوئی حرکت سرزد ہو جائے، خواہ وہ کسی بہت بڑی زیادتی کے جواب ہی میں کیوں نہ ہو، تو ان کی نگاہ میں دونوں برابر ہو جاتے ہیں اور مخالفین کو بھی ایک سخت بات کا جواب ہزار گالیوں سے دینے کا بہانہ مل جاتا ہے۔ اسی بنا پر ارشاد ہوا کہ شیطان کے فریب سے چوکنے رہو۔ وہ بڑا درد مند اور خیرخواہ بن کر تمہیں اشتعال دلائے گا کہ فلاں زیادتی تو ہرگز برداشت نہ کی جانی چاہیے، اور فلاں بات کا تو منہ توڑ جواب دینا چاہیے۔ اور اس حملے کے جواب میں تو لڑ جانا چاہیے، ورنہ تمہیں بزدل سمجھا جائے گا اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ ایسے ہر موقع پر جب تمہیں اپنے اندر اس طرح کا کوئی نامناسب اشتعال محسوس ہو تو خبردار ہو جاؤ کہ یہ شیطان کی اکساہٹ ہے جو غصہ دلا کر تم سے کوئی غلطی کرانا چاہتا ہے، اور خبردار ہو جانے کے بعد اس زعم میں نہ مبتلا ہو جاؤ کہ میں اپنے مزاج پر بڑا قابو رکھتا ہوں، شیطان مجھ سے کوئی غلطی نہیں کرا سکتا۔ یہ اپنی قوت فیصلہ اور قوتِ ارادی کا زعم شیطان کا دوسرا اور زیادہ خطرناک فریب ہوگا۔ اس کے بجائے تم کو خدا سے پناہ مانگنی چاہیے کیونکہ وہی توفیق دے اور حفاظت کرے تو آدمی غلطیوں سے بچ سکتا ہے۔

اس مقام کی بہترین تفسیر وہ واقعہ ہے جو امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو بے تحاشا گالیاں دینے لگا۔ حضرت ابوبکرؓ خاموشی کے ساتھ اس کی گالیاں سنتے رہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم انھیں دیکھ کر مسکراتے رہے۔ آخر کار جناب صدیق کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا اور انہوں نے بھی جواب میں اسے ایک سخت بات کہہ دی۔ ان کی زبان سے وہ بات نکلتے ہی حضورؐ پر شدید انقباض طاری ہوا جو چہرۂ مبارک پر نمایاں ہونے لگا، اور آپؐ فوراً اٹھ کر تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکرؓ بھی اٹھ کر آپؐ کے پیچھے ہو لیے اور راستے میں عرض کیا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ وہ مجھے گالیاں دیتا رہا اور آپ خاموش مسکراتے رہے۔ مگر جب میں نے اسے جواب دیا تو آپؐ ناراض ہو گئے۔ فرمایا "جب تک تم خاموش تھے ایک فرشتہ تمہارے ساتھ رہا اور تمہاری طرف سے اس کو جواب دیتا رہا۔ مگر جب تم بول پڑے تو فرشتے کی جگہ شیطان آگیا۔ میں شیطان کے ساتھ تو نہیں بیٹھ سکتا تھا"

داعی حق کا اپنے کام میں بے غرض ہونا

دعوت حق میں داعی کا ہر ذاتی غرض سے پاک ہونا اس کے مخلص اور راستباز ہونے کی ایک نہایت اہم اور صریح دلیل ہے۔ قرآن پاک میں بار بار فرمایا گیا ہے کہ نبی دعوت الی اللہ کا جو کام کر رہا ہے اس سے خود اس کی کوئی غرض وابستہ نہیں ہے بلکہ وہ صرف خلق خدا کی بھلائی کے لیے اس کام میں اپنی جان کھپا رہا ہے اس سے خود اس کی کوئی غرض وابستہ نہیں ہے، بلکہ وہ صرف خلق خدا کی بھلائی کے لیے اس کام میں اپنی جان کھپا رہا ہے۔ سورۂ انعام میں فرمایا:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا، اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ۔ (آیت ۹۰)

"اے نبی کہہ دو کہ میں اس (تبلیغ و ہدایت کے کام) پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ یہ تو ایک عام نصیحت ہے تمام دنیا والوں کے لیے"۔

سورۂ یوسف میں فرمایا:

وَمَا تَسْئَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ، اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (آیت ۱۰۴)

"اور اے نبی، تم اس کام پر ان سے کوئی اجر نہیں مانگ رہے ہو۔ یہ تو ایک نصیحت ہے جو دنیا والوں کے لیے عام ہے"۔

اس خطاب کا رخ بظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے مگر اصل مخاطب کفار کا مجمع ہے اور اس کو یہ سمجھانا مقصود ہے کہ اللہ کے بندو، غور کرو، تمہاری یہ ہٹ دھرمی کس قدر بیجا ہے اگر پیغمبر نے اپنے کسی ذاتی مفاد کے لیے دعوت و تبلیغ کا یہ کام جاری

کیا ہوتا یا اس نے اپنی ذات کے لیے کچھ بھی چاہا ہوتا تو بے شک تمہارے لیے یہ کہنے کا موقع تھا کہ ہم اس مطلبی آدمی کی بات کیوں مانیں۔ مگر تم دیکھ رہے ہو کہ یہ شخص بے غرض ہے، تمہاری اور دنیا بھر کی بھلائی کے لیے نصیحت کر رہا ہے اور اس میں اس کا اپنا کوئی مفاد پوشیدہ نہیں ہے۔ پھر اس کا مقابلہ اس ہٹ دھرمی کے ساتھ کرنے میں آخر کیا معقولیت ہے؟ جو انسان سب کے بھلے کے لیے ایک بات بے غرضی کے ساتھ پیش کر رہا ہے اس سے کسی کو خواہ مخواہ کیوں ضد ہو؟ کھلے دل سے اس کی بات سنو، دل کو لگتی ہو تو مانو، نہ لگتی ہو تو نہ مانو۔

سورۂ مومنون میں فرمایا:

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ۔

"اے نبی، کیا تم ان سے کچھ مانگ رہے ہو؟ تمہارے لیے تمہارے رب کا دیا ہی بہتر ہے اور وہ بہترین رازق ہے۔"

(آیت ۷۲)

یعنی کوئی شخص ایمانداری کے ساتھ آپ پر یہ الزام نہیں لگا سکتا کہ آپ یہ سارے پاپڑ اس لیے بیل رہے ہیں کہ کوئی نفسانی غرض آپ کے پیش نظر ہے۔ اچھی خاصی تجارت چمک رہی تھی اب افلاس میں مبتلا ہو گئے۔ قوم میں عزت کے ساتھ دیکھے جاتے تھے، ہر شخص ہاتھوں ہاتھ لیتا تھا، اب گالیاں اور پتھر کھا رہے ہیں، بلکہ جان تک کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ چین سے اپنی بیوی بچوں میں ہنسی خوشی دن گزار رہے تھے۔ اب ایک ایسی سخت کشمکش میں پڑ گئے ہیں جو کسی دم قرار نہیں لینے دیتی۔ اس پر مزید یہ کہ بات وہ لے کر اٹھے ہیں جس کی بدولت سارا ملک دشمن ہو گیا ہے، حتیٰ کہ خود اپنے بھائی بند خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ ایک خود غرض آدمی کے کرنے کا کام ہے؟ خود غرض آدمی اپنی قوم اور قبیلے کے تعصبات کا علمبردار بن کر جوڑ توڑ سے سرداری حاصل کرنے کی کوشش کرتا، نہ کہ وہ بات لے کر اٹھتا، جو صرف یہی نہیں کہ تمام قومی تعصبات کے خلاف ایک چیلنج ہے، بلکہ سرے سے اس چیز کی جڑ ہی کاٹے دے رہی ہے جس پر مشرکین عرب میں اس کے قبیلے (قریش) کی چودھراہٹ قائم ہے۔

سورۂ سبا میں فرمایا:—

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ۔

"اے نبی، کہہ دو کہ اگر میں نے تم سے کوئی اجر مانگا ہے تو وہ تمہارے ہی لیے ہے۔ میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔"

(آیت ۴۷)

پہلے فقرے کے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ اگر میں نے تم سے کوئی اجر مانگا ہے تو وہ تمہی کو مبارک رہے۔ دوسرے یہ کہ اگر میں نے تم سے کوئی اجر مانگا ہے تو وہ تمہاری اپنی بھلائی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ آخری فقرے کا مطلب یہ ہے کہ الزام لگانے والے جو چاہیں الزام لگاتے رہیں، مگر اللہ سب کچھ جانتا ہے وہ گواہ ہے کہ میں ایک بے غرض انسان ہوں۔ یہ کام اپنے کسی ذاتی مفاد کے لیے نہیں کر رہا ہوں۔

سورۂ صٓ میں فرمایا:

قُلْ مَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ۔

"اے نبی، کہہ دو کہ میں تم سے کسی قسم کا اجر نہیں مانگتا اور نہ میں بناوٹی آدمیوں میں سے ہوں۔"

(آیت ۸۶)

یعنی میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو اپنی بڑائی قائم کرنے کے لیے جھوٹے دعوے لے کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور وہ کچھ بن بیٹھتے ہیں جو وہ نہیں ہوتے۔ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے محض کفار مکہ کی اطلاع کے لیے نہیں کہلوائی گئی ہے، بلکہ اس کے پیچھے حضورؐ کی وہ پوری زندگی شہادت کے طور پر موجود ہے جو نبوت سے پہلے انہی کفار کے درمیان چالیس برس تک گزر چکی تھی۔ مکہ کا بچہ بچہ جانتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک بناوٹی آدمی نہیں ہیں۔ پوری قوم میں کسی شخص نے کبھی ان کی زبان سے کوئی ایسی بات نہ سنی تھی جس سے یہ شبہ کرنے کی گنجائش ہوتی کہ وہ کچھ بننا چاہتے ہیں اور اپنے آپ کو نمایاں کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔

سورۂ طور اور سورۂ القلم میں فرمایا:—

اَمْ تَسْـَٔــلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ۔

"اے نبی کیا تم ان سے کوئی اجر مانگ رہے ہو کہ یہ زبردستی پڑی

(طور - آیت ۴۰ - القلم آیت ۴۶) ہوئی چٹی کے بوجھ تلے دبے جارہے ہوں

سوال کا اصل روئے سخن حضورؐ کی طرف نہیں بلکہ کفار مکہ کی طرف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر رسول تم سے کوئی غرض رکھتا اور اپنی کسی ذاتی منفعت کے لیے یہ ساری دوڑ دھوپ کر رہا ہوتا تو اس سے تمہارے بھاگنے کی کم از کم ایک معقول وجہ تو ہوتی۔ مگر تم خود جانتے ہو کہ وہ اپنی اس دعوت میں بالکل بے غرض ہے اور محض تمہاری بھلائی کے لیے اپنی جان کھپا رہا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم اس کی بات ٹھنڈے دل سے سننے تک کے روادار نہیں ہو؟ اس سوال میں ایک لطیف تعریض بھی ہے۔ ساری دنیا کے بناوٹی پیشواؤں اور مذہبی آستانوں کے مجاوروں کی طرح عرب میں بھی مشرکین کے پیشوا اور پنڈت اور پروہت کھلا کھلا مذہبی کاروبار چلا رہے تھے۔ اس پر یہ سوال ان کے سامنے رکھ دیا گیا کہ ایک طرف یہ مذہب کے تاجر ہیں جو علانیہ تم سے نذریں اور نیازیں اور ہر مذہبی خدمت کی اجرتیں طلب کر رہے ہیں۔ دوسری طرف ایک شخص کامل بے غرضی کے ساتھ بلکہ اپنے تجارتی کاروبار کو برباد کر کے تمہیں نہایت معقول دلائل سے دین کا سیدھا راستہ دکھانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اب یہ صریح بے عقلی نہیں تو اور کیا ہے کہ تم اس سے بھاگتے اور ان کی طرف دوڑتے ہو؟

اس سلسلے میں صرف ایک آیت ایسی ہے جس کے بارے میں کچھ بحث پیدا ہوتی ہے اور وہ یہ ہے:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (الشوریٰ - آیت ۲۳)

"اے نبی، کہو کہ میں اس کام پر تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا مگر قرابت کی محبت کے"۔

اس آیت میں لفظ قُربیٰ جو استعمال ہوا ہے اسکے معنیٰ میں مفسرین کے درمیان بڑا اختلاف ہو گیا ہے:

ایک گروہ نے اس کو قرابت (رشتہ داری) کے معنی میں لیا ہے اور آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ "میں تم سے اس کام پر کوئی اجر نہیں چاہتا، مگر یہ ضرور چاہتا ہوں کہ تم لوگ (یعنی اہل قریش) کم از کم اس رشتہ داری کا تو لحاظ کرو جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ تم میری بات مان لیتے۔ لیکن اگر تم نہیں مانتے تو یہ ستم تو نہ کرو کہ سارے عرب میں سب سے بڑھ کر تم میری دشمنی پر تل گئے ہو"۔

یہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیر ہے جسے بکثرت راویوں کے حوالہ سے امام احمدؒ، بخاری، مسلم، ترمذی، ابن جریر، طبرانی بیہقی اور ابن سعد وغیرہم نے نقل کیا ہے۔ اور یہی تفسیر مجاہد، عکرمہ، قتادہ، سُدّی، ابو مالک، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ضحاک، عطاء بن دینار اور دوسرے اکابر مفسرین نے بھی بیان کی ہے۔

دوسرا گروہ "قربیٰ" کو قرب اور تقرب کے معنیٰ میں لیتا ہے اور آیت کا مطلب یہ بیان کرتا ہے کہ "میں تم سے اس کام پر کوئی اجر اس کے سوا نہیں چاہتا کہ تمہارے اندر اللہ کے قرب کی چاہت پیدا ہو جائے" یعنی تم ٹھیک ہو جاؤ بس یہی میرا اجر ہے۔ یہ تفسیر حضرت حسن بصری سے منقول ہے اور ایک قول قتادہ سے بھی اس کی تائید میں نقل ہوا ہے بلکہ طبرانی کی ایک روایت میں ابن عباسؓ کی طرف بھی یہ قول منسوب کیا گیا ہے۔ خود قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر یہی مضمون ان الفاظ میں ارشاد ہوا ہے:-

قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا۔ (الفرقان - ۵۷)

"ان سے کہہ دو کہ میں اس کام پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا میری اجرت بس یہی ہے کہ جس کا جی چاہے وہ اپنے رب کا راستہ اختیار کر لے"۔

تیسرا گروہ "قربیٰ" کو اقارب "رشتہ داروں" کے معنیٰ میں لیتا ہے، اور آیت کا مطلب یہ بیان کرتا ہے کہ "میں تم سے اس کام پر کوئی اجر اس کے سوا نہیں چاہتا کہ تم میرے اقارب سے محبت کرو" پھر اس گروہ کے بعض حضرات اقارب سے تمام بنی عبدالمطلب مراد لیتے ہیں، اور بعض اسے صرف حضرت علیؓ و فاطمہؓ اور ان کی اولاد تک محدود رکھتے ہیں۔ یہ تفسیر سعید بن جبیر اور عمرو بن شعیب سے منقول ہے اور بعض روایات میں یہی تفسیر ابن عباسؓ اور حضرت علیؓ

بن حسین (زین العابدین) کی طرف منسوب کی گئی ہے. لیکن متعدد وجوہ سے یہ تفسیر کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہو سکتی. اول تو جس وقت مکہ معظمہ میں سورۂ شوریٰ نازل ہوئی ہے اس وقت حضرت علیؓ و فاطمہؓ کی شادی تک نہیں ہوئی تھی، اولاد کا کیا سوال. اور بنی عبدالمطلب میں سب کے سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہیں دے رہے تھے بلکہ ان میں سے بعض کھلم کھلا دشمنوں کے ساتھی تھے اور ابولہب کی عداوت کو تو ساری دنیا جانتی ہے. دوسرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار صرف بنی عبدالمطلب ہی نہ تھے آپؐ کی والدۂ ماجدہ، آپ کے والد ماجد اور آپ کی زوجۂ محترمہ حضرت خدیجہؓ کے واسطے سے قریش کے تمام گھرانوں میں آپ کی رشتہ داریاں تھیں اور ان سب گھرانوں میں آپ کے بہترین صحابی بھی تھے اور بدترین دشمن بھی. آخر حضورؐ کے لیے یہ کس طرح ممکن تھا کہ ان سب اقربا میں سے آپ صرف بنی عبدالمطلب کو اپنا رشتہ دار قرار دیکر اس مطالبۂ محبت کو انہی کے ساتھ مخصوص رکھتے. تیسری بات، جو ان سب سے زیادہ اہم ہے وہ یہ ہے کہ ایک نبی جس بلند مقام پر کھڑا ہو کر دعوت الی اللہ کی پکار بلند کرتا ہے، اس مقام سے اس کار عظیم پر یہ اجر مانگنا کہ تم میرے رشتہ داروں سے محبت کرو، اتنی گری ہوئی بات ہے کہ کوئی صاحب ذوق سلیم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اللہ نے اپنے نبی کو یہ بات سکھلائی ہوگی اور نبی نے قریش کے لوگوں میں کھڑے ہو کر یہ بات کہی ہوگی. قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے جو قصے آئے ہیں ان میں ہم دیکھتے ہیں کہ نبی پر نبی اٹھ کر اپنی قوم سے کہتا ہے کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو اللہ رب العلمین کے ذمہ ہے (یونس ۷۲، ہود: ۲۹-۵۱. الشعراء ۱۰۹-۱۲۷-۱۴۵-۱۶۴-۱۸۰) سورۂ یٰسین میں نبی کی صداقت جانچنے کا معیار یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اپنی دعوت میں بے غرض ہوتا ہے (آیت ۲۱) خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے قرآن پاک میں بار بار یہ کہلوایا گیا ہے کہ میں تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں جیسا کہ اوپر ہم نے نقل کیا ہے. اس کے بعد یہ کہنے کا آخر کیا موقع ہے کہ میں اللہ کی طرف بلانے کا جو کام کر رہا ہوں اس کے عوض تم میرے رشتہ داروں سے محبت کرو. پھر یہ بات اور بھی زیادہ بے موقع نظر آتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس تقریر کے مخاطب اہل ایمان نہیں بلکہ کفار ہیں. اوپر سے ساری تقریر انہی سے خطاب کرتے ہوئے ہوتی چلی آ رہی ہے، اور آگے بھی روئے سخن انہی کی طرف ہے. اس سلسلۂ کلام میں مخالفین سے کسی نوعیت کا اجر طلب کرنے کا آخر سوال ہی کیا پیدا ہوتا ہے. اجر تو ان لوگوں سے مانگا جاتا ہے جن کی نگاہ میں اس کام کی کوئی قدر ہو جو کسی شخص نے ان کے لیے انجام دیا ہو کفار حضورؐ کے اس کام کی کونسی قدر کر رہے تھے کہ آپ ان سے یہ بات فرماتے کہ یہ خدمت جو میں نے تمہاری انجام دی ہے اس پر تم میرے رشتہ داروں سے محبت کرنا. وہ تو الٹا اسے مجرم سمجھ رہے تھے اور اس کی بنا پر آپ کی جان کے درپے تھے.

آغاز دعوت میں عقیدۂ آخرت پر زیادہ زور دینا

مکہ معظمہ میں جب اول اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تبلیغ کا آغاز کیا تو اس کی بنیاد تین چیزیں تھیں ایک یہ بات کہ اللہ کے ساتھ کسی کو خدائی میں شریک نہ مانا جائے دوسری یہ کہ آپ کو اللہ نے اپنا رسول مقرر کیا ہے. تیسری یہ کہ اس دنیا کا ایک روز خاتمہ ہو جائے گا اور اس کے بعد ایک دوسرا عالم برپا ہوگا جس میں تمام اولین و آخرین دوبارہ زندہ کر کے اسی جسم کے ساتھ اٹھائے جائیں گے جس میں وہ کر انہوں نے دنیا میں کام کیا تھا. پھر ان کے عقائد اور اعمال کا حساب لیا جائے گا اور اس محاسبہ میں جو لوگ مومن و صالح ثابت ہوں گے وہ ہمیشہ کے لیے جنت میں جائیں گے اور جو کافر و فاسق ہوں گے وہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہیں گے.

ان میں سے پہلی بات اگرچہ اہل مکہ کو سخت ناگوار تھی، لیکن بہرحال وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کے منکر نہ تھے، اس کے رب اعلیٰ اور خالق و رازق ہونے کو بھی مانتے تھے اور یہ بھی تسلیم کرتے تھے کہ دوسرے جن جن کو وہ معبود قرار دیتے ہیں وہ اللہ ہی کی مخلوق ہیں، اس لیے جھگڑا صرف اس امر میں تھا کہ خدائی کی صفات و اختیارات اور الوہیت کی ذات میں ان معبودوں کی

کوئی شرکت ہے یا نہیں۔

دوسری بات کو مکے کے لوگ ماننے کے لیے تیار نہ تھے مگر اس امر سے انکار کرنا ان کے لیے ممکن نہ تھا کہ چالیس سال تک جو زندگی حضورؐ نے دعوائے رسالت سے پہلے ان ہی کے درمیان گزاری تھی۔ اس میں انہوں نے کبھی آپ کو جھوٹا یا فریب کار یا نفسانی اغراض کے لیے ناجائز طریقے اختیار کرنے والا نہ پایا تھا۔ وہ خود آپ کی دانائی، فرزانگی، سلامت روی اور اخلاق کی بلندی کے قائل و معترف تھے۔ اس لیے ہزار بہانے اور الزامات تراشنے کے باوجود انھیں دوسروں کو باور کرانا تو درکنار اپنی جگہ خود بھی یہ باور کرنے میں سخت مشکل پیش آرہی تھی کہ حضورؐ سارے معاملات میں تو راستباز ہیں مگر صرف رسالت کے دعوے میں معاذ اللہ جھوٹے ہیں۔

اس طرح پہلی دو باتیں اہل مکہ کے لیے دراصل اتنی زیادہ الجھن کی موجب نہ تھیں جتنی تیسری بات۔ اس کو جب ان کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے سب سے زیادہ اسی کا مذاق اڑایا۔ اسی پر سب سے بڑھ کر حیرانی اور تعجب کا اظہار کیا اور اسے بالکل بعید از عقل و امکان سمجھ کر جگہ جگہ اسے ناقابل یقین بلکہ ناقابل تصور ہونے کے چرچے شروع کر دیے۔ مگر اسلام کی راہ پر ان کو لانے کے لیے یہ قطعی ناگزیر تھا کہ آخرت کا عقیدہ ان کے ذہن میں اتارا جائے۔ کیونکہ اس عقیدے کو مانے بغیر یہ ممکن ہی نہ تھا کہ حق اور باطل کے معاملہ میں ان کا طرز فکر سنجیدہ ہو سکتا، خیر و شر کے معاملہ میں ان کا معیار اقدار بدل سکتا اور وہ دنیا پرستی کی راہ چھوڑ کر اس راہ پر ایک قدم بھی چل سکتے، جس پر اسلام ان کو چلانا چاہتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مکہ معظمہ کے ابتدائی دور کی سورتوں میں زیادہ تر زور آخرت کا عقیدہ دلوں میں بٹھانے پر صرف کیا گیا ہے۔ البتہ اس کے لیے دلائل ایسے انداز سے دیے گئے ہیں جس سے توحید کا تصور بھی خود بخود ذہن نشین ہوتا چلا جاتا ہے اور بیچ بیچ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے برحق ہونے کے دلائل بھی مختصراً دے دیے گئے ہیں۔

⁂ ⁂ ⁂

تجلّی کی ڈاک

تُف! اے جمعیۃ العلماء

سوال :- تابش پرتاب گڈھی (امروہہ)

جناب حکیم حافظ محمد یونس صاحب جمعیۃ العلماء امروہہ کے ناظم اعلیٰ بھی ہیں، جمعیۃ کے آرگن "الجمعیۃ" کے نامہ نگار بھی ہیں (مدرسہ) قیوم المدارس امروہہ کے مہتمم بھی۔ حافظ محمد حنیف صاحب ان کے سب سے بڑے اور ہونہار فرزند ہیں امروہہ کی جمعیۃ العلماء اور الجمعیۃ میں خبریں بھیجنے کی تمام تر ذمہ داریاں حافظ محمد حنیف صاحب ہی کو تفویض ہیں۔ اسلیے کہ حافظ صاحب موصوف کثرت کار کی بنا پر تمام ذمہ داریاں تنہا سنبھالنے سے قاصر ہیں — قیوم المدارس امروہہ کی نظامت بھی حافظ محمد حنیف صاحب انجام دیتے ہیں۔ پوسٹروں اور اشتہاروں میں ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے ان کا نام بھی شائع ہوتا ہے۔ جناب حافظ محمد یونس صاحب کو حضرت مدنیؒ سے اور جناب محمد حنیف صاحب کو حضرت مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیث اور حضرت مولانا محمد اسعد صاحب مدنی سے شرف ارادت بھی حاصل ہے۔ یعنی یوں سمجھیے شہر میں ان دونوں باپ بیٹوں کی خاصی عزت و شہرت ہے۔ سبھی دینی و علمی جلسوں میں ان کی شرکت ناگزیر سمجھی جاتی ہے۔ جہاں آباد میں ان کا ایک مخصوص حلقہ ہے۔

بہرحال قیوم المدارس کے سرپرست و امروہہ میونسپلٹی بورڈ کے چیرمین صاحب حافظ حاجی عبد القیوم صاحب نے اپنے کسی عزیز (نایاب احمد) کے نام سے ایک سنیما ہال تعمیر کرایا ہے۔ گذشتہ جمعہ یعنی ۵ نومبر ۷۵ء کو اسی سنیما ہال میں قرآن خوانی کرائی گئی جس کا اہتمام محترم حافظ محمد یونس صاحب نے فرمایا اور بعد قرآن خوانی جناب حافظ محمد حنیف و صاحبزادہ حافظ محمد یونس صاحب) نے سنیما ہاؤس کی ترقی و فروغ کی دعائیں مانگیں۔ شہر کے درجنوں حافظوں نے آمین بالجہر کہا۔ براہِ کرم آپ یہ تحریر فرمائیں کہ سینما بینی از روئے شریعت کیا حیثیت رکھتی ہے۔ یا ان دونوں حفاظ کا یہ فعل کس درجہ میں ہے — اگر آنجناب تجلی کی کسی قریبی اشاعت میں اس کی وضاحت فرمادیں تو ہم جیسے سیکڑوں قارئین تجلی کی معلومات میں اضافہ ہو جائے۔

الجواب :-

جہاں تک ضابطہ اور اصول کا معاملہ ہے تو یہ بات اپنی جگہ مسلّم اور طے شدہ ہے کہ نیکی کرنا عند اللہ جتنا مستحق اور باعث اجر ہے، نیک لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور انھیں مختلف طریقوں سے تعاون دینا بھی اتنا ہی مستحسن اور اجر و انعام کا موجب

اور گناہ کرنا جس درجہ قبیح اور مذموم ہے گناہگاروں کے ساتھ گناہوں کے سلسلہ میں نرمی اور اعانت کی راہیں اختیار کرنا اسی درجہ معیوب اور ملامت کے قابل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں بالفاظ صریح یہ بات ارشاد فرمائی گئی ہے کہ تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان نیکی اور تقویٰ کے معاملہ میں باہم ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ سرکشی کے معاملات میں ایک دوسرے کا ساتھ مت دو۔

اس طے شدہ اصول اور بیان کردہ اس آیت کے پیش نظر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جس طرح گناہ کا ارتکاب کرنا معیوب و معتوب ہے اسی طرح گناہ کی راہوں میں التفات و تعاون کے پھول بچھانا بھی معیوب اور معتوب ہی ہے اور آخری عدالت میں بازپرس صرف ان ہی لوگوں سے نہیں ہوگی جنھوں نے دنیا میں سرکشی کی راہیں اختیار کی تھیں بلکہ بازپرس ان لوگوں سے بھی ہوگی جنھوں نے دامے، درمے، سخنے ان لوگوں کی اعانت کی تھی جو دنیا میں سرکش تھے اور سرکش سمجھے جاتے تھے۔

عقل عامہ کی رائے بھی یہی ہے کہ صرف ظالم ہی لوگ معاشرے کا ناسور نہیں ہوتے بلکہ وہ لوگ بھی معاشرہ کا ناسور کہلائیں گے جو ظالموں کی مدد کرتے ہیں اور انھیں سراہتے ہیں۔ بہرکیف گناہگاروں کے ساتھ تعاون و حمایت کے انداز میں میل جول رکھنا اور ان کی بری حرکتوں کی کسی بھی انداز میں تائید کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے آدمی خود گناہوں کی پگڈنڈی پہ جا رہا ہو۔

گناہوں اور برائیوں سے احتراز جتنا ضروری ہے اتنا ہی ضروری گناہگاروں اور برے لوگوں سے ترک تعلق بھی ہے اور کم از کم ہر صاحبِ ایمان کے لیے تو یہ ضروری ہی ہے کہ ان لوگوں کی مجلسوں میں شریک ہونے سے حتی الامکان گریز کیا جائے جو کھلے عام برائیوں کا ارتکاب کرتے ہیں اور ان خرابیوں میں ملوث نظر آتے ہیں جن سے محترز رہنے کا اسلام نے بالتکرار حکم فرمایا ہے۔

ہم سب روزانہ نماز وتر میں پروردگار سے یہ اقرار کرتے ہیں کہ نخلع و نترک من یفجرک ہم ہر اس شخص سے بے تعلق اور منقطع ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں جو آپ کا نافرمان ہو۔

جو مسلمان اسلامی اقدار کی پرواہ نہ کرتے ہوئے فسق و فجور کی دلدل میں پھنس کر رہ جائے وہ فی الواقعہ اس لائق ہے کہ اس سے میل جول نہ رکھا جائے اور سارے مسلمان اس سے بالکل منقطع ہو کر رہ جائیں تاکہ اسے اپنی گراوٹ کا احساس ہو اور اس بات کا اندازہ ہو سکے کہ گناہوں کی سرزمین میں وہ اکیلا ہے۔ منفرد ہے اور اسی لیے معاشرہ میں وہ اچھوت اور نکو بنکر رہ گیا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر گناہگاروں سے ترک تعلق کا اور بائیکاٹ کا سلسلہ باقی رہتا تو معاشرہ میں گناہگاروں کی اتنی ریل پیل نظر نہ آتی جتنی فی زمانہ نظر آرہی ہے۔

عوام کی بات چھوڑیے، عوام تو عوام ٹھیرے خواص کا یہ عالم ہے کہ وہ گناہگاروں کی منعقد کردہ ہر جائز و ناجائز مجلسوں میں کھلے عام آتے جاتے اور کھاتے پیتے نظر آتے ہیں ہم نے اپنی آنکھوں سے کتنے ہی ایسے فضلاء مدرسہ کو ایسی تقریبات میں شامل ہوتے دیکھا ہے جن تقریبات کے موسس یا تو سودخور تھے یا دوسری ایسی برائیوں میں مبتلا تھے جنھیں کبائر کی فہرست میں شمار کیے بغیر چارہ نہیں۔ خود آپ نے بہتیرے متشرع اور باوضع علماء کو بچشم خود ایسی شادیوں میں شرکت کرتے دیکھا ہوگا جہاں بینڈ باجے اور رقص و سرود کو زندگی اور تقریبات طرب کا جزء لاینفک تصور کیا جاتا ہے۔ دنیا اس میل جول کو رواداری اور وسعت نظر کا نام دیتی ہے لیکن ہمارا خیال تو یہ ہے کہ یہ رواداری، اخوت اور وسعت نظر نہیں بلکہ یہ تو بے حسی ہے، جمود ہے، کھلا ہوا تعطل اور خوف خدا سے یکسر بے نیازی ہے۔

جب ملت کے خواص کا یہ عالم ہو جائے کہ انکی حس ہی فنا ہو کر رہ جائے اور انھیں اس بات کی پرواہ ہی نہ رہے کہ انھیں کن محفلوں میں جانا چاہیے اور کن میں نہیں تو پھر سوال و جواب اور اعتراض و انگشت نمائی کی تمام کوششیں فضول اور بے سود ہی سمجھی جائیں گی۔ تاہم آپ نے جو سوال کیا ہے اسکا جواب دینا ہماری ذمہ داری میں شامل ہے لہٰذا ہم اپنی ذمہ داری سے

سبکدوش ہونے کے لیے کچھ نہ کچھ تو ضرور عرض کریں گے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ آیا فلم بینی جائز ہے یا ناجائز۔ یہ مروجہ تفریح جو موجودہ صدی کے کروڑوں مسلمانوں کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہے، شرعًا کیا حیثیت رکھتی ہے؟

یہ سوال قائم کرنے کے بعد ہمارا خیال یہ ہے کہ مروجہ فلموں کے ناجائز ہونے میں کسی بھی صاحب علم اور صاحب ورع کو تأمل نہیں ہو سکتا۔ ہر عالم دین اور فاضل یا سند کی فلم بینی کے بارے میں ایک ہی رائے ہوگی کہ وہ ناجائز ہے اور مطلقًا ناجائز ہے۔ اس سلسلہ میں ہم بطور ثبوت معتمد اور قابل اعتبار علماء کے اقوال بھی پیش کر سکتے ہیں۔ اگر آپ کو فلم بینی کے ناجائز ہونے میں کوئی اشکال ہو لیکن ہمارا یقین یہ ہے کہ آپ بھی فلم بینی کو اسی طرح ناجائز تصور کرتے ہوں گے جس طرح وہ فی الواقعہ ناجائز ہے اور علماء حق کے نزدیک ناجائز سمجھی جاتی ہے۔ لہذا اس بات کی مطلقًا ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ سنیما کی قباحت کو مستند یا اور کرانے کے لیے علماء و صلحاء کے اقوال اور فتاویٰ نقل کرنے کی دردسری مول لی جائے۔

مشکل تو یہ ہے کہ مسئلہ ستند علماؤں سے تعلق ہی کہاں رکھتا ہے۔ مسئلہ کا تعلق تو بدنام زمانہ جماعت کے ان سربراہوں سے ہے جو جمعیۃ العلماء جیسی مقدس نما جماعت سے وابستہ ہوتے ہوئے بھی علم و عقل سے کوسوں دور دکھائی دیتے ہیں اور خدا ترسی اور شرم دنیا نام کی کوئی چیز اپنے دل میں نہیں رکھتے ——— عین ممکن ہے کہ فلم بینی کو یہ اسی طرح جائز سمجھتے ہوں جسطرح گیہوں کی روٹی کھانا بلا تأمل جائز ہے۔ لیکن ایسا بھی تو نہیں ہے۔ ہمیں یاد پڑتا ہے کہ کسی زمانہ میں مولانا مودودی نے فلم کے بارے میں یہ بات اپنی زبان سے نکال دی تھی کہ فلم فی نفسہ ناجائز نہیں ہے بلکہ ان مروجہ فلموں کا دیکھنا ناجائز ہے جن میں بازاری عشق و محبت کے مظاہرے کیے جاتے ہیں اور گندی تہذیبوں کا ننگا پن پیش کر کے عوام الناس کے ذہنوں کو عیاریوں کا غلام بنایا جاتا ہے۔ مولانا مودودی کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ جس طرح ریڈیو فی نفسہ ناجائز نہیں، جس طرح ریڈیو پر خبریں سنی جا سکتی ہیں۔ اور

لاؤڈ اسپیکر کو جائز ضرورتوں کے لیے استعمال میں لایا جا سکتا ہے بالکل اسی طرح فلموں سے بھی کچھ نہ کچھ سیکھا جا سکتا ہے بشرطیکہ فلمیں ان گندگیوں سے منزہ ہو جائیں جن میں وہ غلطیدہ نظر آتی ہیں۔ اتنی سیدھی سچی اور علم و عقل کے موافق بات کو سنکر جو قیامت گذر گئی تھی اور مدارس و فتویٰ گاہوں میں جو زلزلے برپا ہو گئے تھے ان کی یاد آج بھی ہمارے دل و دماغ میں تازہ ہے لطیفہ یہ ہے کہ اس وقت مولانا مودودی کے خلاف صف آرائی کرنے اور ان کی شخصیت کو مجروح کرنے میں سب سے زیادہ ذمہ داری کا ثبوت اسی بدنام زمانہ جماعت کے ایسے ہی کچھ افراد نے دیا تھا جن کا ذکر خیر آپ کی سوالیہ تحریر میں موجود ہے۔ بہر حال اس بیان کردہ حادثے سے یہ تو ثابت ہو ہی جاتا ہے کہ فلم بینی جمعیۃ علماء کے ناخداؤں کے نزدیک مطلقًا حرام ہے۔ اگر حرام نہ ہوتی تو مولانا مودودی پر حملہ آور ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر ایک نکتہ اور بھی ہے، وہ یہ کہ مولانا مودودی پر جس زمانہ میں گالیوں کی بوچھار ہو رہی تھی اس زمانہ میں ہمارا خیال جمعیۃ العلماء کے بارے میں یہ تھا کہ اس کا بھی اپنا ایک مذہب ہے، اس کے بھی اپنے کچھ عقائد ہیں۔ لیکن بعد کے کچھ حالات و واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ جمعیۃ العلماء تو وہ جماعت ہے جس کا کوئی مذہب نہیں، کوئی ازم نہیں کوئی عقیدہ نہیں۔

جمعیۃ العلماء چند برسوں میں جتنی حامی اسلام کی رہی ہے اس سے زیادہ حامی اور طرفدار وہ سوشلزم اور کمیونزم جیسی کھلی تحریکوں کی رہی۔ اسلامی اصولوں کو جس شد و مد کے ساتھ اس نے مستحسن باور کرایا اسی شد و مد کے ساتھ اس نے غیر اسلامی اصولوں کو خراج عقیدت پیش کیا ہے اور ان تحریکوں کی ابتدا و انتہا کو پرزور الفاظ میں سراہا ہے۔ جو تحریکیں براہ راست اسلام کی دشمن اور اس کے تقدس سے متصادم ہیں اور روح اسلام جنھیں بذات خود بھی گوارہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتی۔ کفر و اسلام کی لڑائی میں جمعیۃ العلماء نے کس فریق کا پارٹ لیا ہے یہ فیصلہ قیامت سے پہلے ممکن نہیں۔ کفر و اسلام کی بات چھوڑیے کفر و اسلام کے نام تو خواہ مخواہ زبان پر آ جاتے ہیں۔ آج کے مسلمان کو صحیح معنوں میں اسلام سے دلچسپی ہے اور نہ کفر سے بیزاری

دلچسپی ہے تو ان نظریات سے جنھیں اپنا نفس مرغوب قرار دے اور نفرت ہے تو ان نظریات سے جن سے اپنا نفس برات ظاہر کرے۔

ایک کٹر دیوبندی کو کسی پکے بریلوی سے جتنی نفرت ہوگی اس سے آدھی نفرت بھی وہ کسی کافر سے نہیں کرے گا۔ اور ایک بریلوی سورما جتنا مخالف کسی دیوبندی کا ہوگا اتنا مخالف وہ کفر و شرک کے کسی دیوتا کا نہیں ہو سکتا۔ آپ خود حالات و واقعات کا تجزیہ کر کے دیکھ لیجیے کہ دور رواں میں کفر و اسلام بحث و تمحیص کا محور نہیں بلکہ اپنے اپنے نظریات بحث و تمحیص کا محور ہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ اپنے اپنے نظریات ہی کو دنیا بھر کے فرقوں نے حاصل ایمان تصور کر رکھا ہے۔

آج کے دور میں کفر و اسلام کی کسوٹی پر شاید ہی کسی کو صحیح طور پر پرکھا جا سکے۔ کسی فرقے کی ذہنیت کو پرکھنے اور اس کے عقائد کا اندازہ کرنے کے لیے مروجہ نظریات کی میزان سے زیادہ کوئی دوسرا آلہ مناسب نہیں ہوگا۔

ہند و پاک میں دیوبندیت اور بریلویت دو ایسے جداگانہ نظریے ہیں جن کی کسوٹی پر ہزاروں مسلمانوں کو ناپا اور تولا جا سکتا ہے۔ غور کیجیے تو بعض حضرات آپ کو خالص دیوبندی نظر آئینگے بعض حضرات اپنے بعض افعال و اعمال کی بنا پر صاف بریلوی محسوس ہوں گے اور بعض حضرات ایسے بھی ملیں گے جنھیں دیوبندی کہنا جتنا غلط ہوگا اتنا ہی غلط انھیں بریلوی سمجھنا بھی ہوگا۔ ایسے لوگ نہ مقلد ہوتے ہیں نہ غیر مقلد۔ نہ حنفی ہوتے ہیں نہ شافعی — نہ سنی ہوتے ہیں نہ غیر سنی۔ ایسے لوگوں کا کوئی مذہب اور کوئی نقطۂ نظر نہیں ہوتا۔ ایسے لوگ وقت کی رفتار دیکھ کر ہر رنگ میں رنگ جانے کے خوگر ہوتے ہیں۔ منجملہ ان میں سے ہزاروں وہ حضرات بھی ہیں جن کا تعلق جمعیۃ العلماء سے ہے۔ جمعیۃ العلماء بھی بلاشبہ ایک ایسی ہی جماعت ہے کہ جس کا کوئی نصب العین نہیں۔ کوئی عقیدہ نہیں۔ کوئی نظریہ نہیں۔ جمعیۃ العلماء کے افراد کو نہ دیوبندی کہا جا سکتا ہے اور نہ بریلوی۔ یہ نرالی مخلوق کسی خاص عقیدہ کی حامل نہیں۔ بلکہ یہ مذہب و عقیدے کی تمام قیدوں سے یکسر آزاد دکھائی دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے دیوبندی فرقے کی ہمنوا قرار دینا جتنا غلط ہے اتنا صحیح بھی ہے۔ اور بریلوی فرقے کی موید قرار دینا جس درجہ صحیح ہے اسی درجہ غلط بھی ہے۔ کون شخص اس بات سے ناواقف ہوگا کہ جمعیۃ العلماء کی تولید دیوبندی حضرات کے مکانوں میں ہوئی۔ اور ان ہی نے اپنا لہو پلا پلا کر جمعیۃ العلماء کو پروان چڑھایا۔

مولانا حسین احمد مدنیؒ بے شک دیوبندی ہی تھے۔ مولانا حفظ الرحمن اور مولانا فخر الدین جیسے اکابرین کو ہمیں دیوبندی کہے بغیر چارہ نہیں۔

حسن اتفاق کہیے یا سوء اتفاق کہ جمعیۃ العلماء کے موجودہ کرتا دھرتا اور مولانا اسعد صاحب بھی دیوبندی ہیں اور خود کو دیوبندی کہلانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ بایں ہمہ عالم یہ ہے کہ جمعیۃ العلماء باقاعدہ ایک عرس کے موقعہ پر اجمیر میں اپنا ایک کیمپ قائم کر چکی ہے اور قبوری شریعت کے حاملین کو سہولتیں پہنچا کر ان کے دلوں پر یہ نقش چھوڑ چکی ہے کہ عرس میں ہونے والی ساری حرکتیں جائز و روا ہیں، اگر ناجائز ہوتیں تو جمعیۃ العلماء جیسی مشہور دیوبندی جماعت عرس کے موقعہ پر کیونکر اپنا کیمپ قائم کرتی اور زائرین کے قدموں میں کیوں اپنا دل نکال کر رکھ دیتی۔

اور اب ذرا یہ سطریں پڑھیے:

"درنگل بذریعہ ڈاک مالک اناربیڑی فیکٹری درنگل مولوی محمد حسین صاحب نائب صدر جمعیۃ علماء ضلع درنگل کی فاتحہ چہلم ۱۴ اکتوبر کو ہوئی — جس میں مقامی جمعیۃ کے قائدین کے علاوہ ممتاز شہریوں نے شرکت کی۔ اس موقعہ پر غریبوں کو کھانا کھلایا گیا۔ ۱۵ اکتوبر کی صبح کو درگاہ حضرت معشوق ربانی میں فاتحہ خوانی ہوئی"

(الجمعیۃ ۱۲ اکتوبر ۶۹ء)

آپ کے سوال کا جواب تحریر کرتے وقت یہ شمارہ نظروں کے سامنے موجود تھا جس کی چند سطریں ابھی آپ نے پڑھیں الجمعیۃ کے دوسرے شماروں سے اس قسم کی بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں جن سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ الجمعیۃ کے کرتا دھرتا لوگ بریلوی ازم کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں (باقی بر ص ۷۳)

بشکریہ البلاغ
کراچی

وصیت نامہ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

احقر کے وصیت نامے کے دو جز تھے ایک وہ جس میں اپنی اولاد و احباب کے ساتھ عام مسلمانوں کے لیے بھی وصیت ہے، دوسرا وہ جس کا تعلق اپنی ذاتی املاک اور خاص وارثوں سے ہے۔ اس دوسرے جز کی اشاعت کی ضرورت نہیں تھی صرف پہلے جز کو شائع کیا جاتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، اَمَّا بَعْدُ

بندۂ ناکارہ و آوارہ، سراپا تقصیر و خطا، سراپا جرم و گناہ محمد شفیع بن مولانا محمد یٰسین صاحب مرحوم سابق مدرس دارالعلوم عفا اللہ عنہما و الھما اللہ بلطفہ و کرمہ [illegible] کہ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

مَنْ مَّاتَ عَلٰی وَصِیَّۃٍ مَاتَ عَلٰی سَبِیْلٍ وَّسُنَّۃٍ وَّمَاتَ عَلٰی تُقًی وَّشَہَادَۃٍ وَّمَاتَ مَغْفُوْرًا لَّہٗ

یعنی جو شخص وصیت کر کے مرے وہ سیدھے راستے اور سنت پر مرا اور تقویٰ اور شہادت پر اس کی موت ہوئی، اور گناہوں کی بخشش کے ساتھ مرا

(مشکوٰۃ بحوالہ سنن ابن ماجہ)

اور ایک دوسری حدیث میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت صحیحین میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

مَا حَقُّ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ لَہٗ شَیْءٌ یُّوْصِیْ فِیْہِ یَبِیْتُ لَیْلَتَیْنِ اِلَّا وَوَصِیَّتُہٗ مَکْتُوْبَۃٌ عِنْدَہٗ۔

یعنی جس شخص کے ذمہ کوئی واجب ادا کرنا ہو جس کی وصیت کرنا اس کے لیے ضروری ہے اس کو حق نہیں کہ دو راتیں بھی اسی طرح گذارے کہ اس کی وصیت لکھی ہوئی اس کے پاس نہ ہو۔

(رواہ البخاری والمسلم)

ان روایات سے حقوق واجبہ کی وصیت کا وجوب اور غیر واجبہ کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔ بناءً علیہ احقر نے ۱۳۶۴ھ میں اپنا ایک وصیت نامہ لکھا تھا، جس کے بعد اپنے وطن اصلی دیوبند ضلع سہارنپور (بھارت) سے ہجرت کر کے ۱۳۶۸ھ ۱۹۴۸ء میں پاکستان کراچی منتقل ہونے کی نوبت آئی اور اکثر وصیتیں جو وطن اصلی

کے مکانات وغیرہ کے متعلق تھیں، منسوخ کرنا پڑیں۔ پاکستان بننے کے بعد بھی عرصۂ دراز تک کوئی استقرار نہ تھا تو بار بار وصیتوں میں تبدیلیاں کرنا پڑیں۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ اکتوبر ۱۹۷۲ء میں اتفاقاً احقر کو ایک شدید قلبی دورہ پڑا جس نے موت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کر دیا۔ دو ماہ شدید علالت میں گزرے۔ اس وقت اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اب وصیت نامہ از سر نو مرتب کیا جائے۔ فوری طور پر اسی سابق وصیت نامے میں کچھ ترمیمیں کر دی تھیں۔ اب کہ اللہ تعالیٰ نے صحت عطا فرما کر زندگی کو کچھ اور مہلت عنایت فرما دی ہے از سر نو وصیت کو مرتب کرتا ہوں اور پہلے وصیت نامے کو ختم کرتا ہوں۔

آج شعبان ۱۳۹۲ھ کی بیسویں تاریخ اور جنوری ۱۹۷۳ء کی ۱۷ تاریخ ہے۔ بحساب قمری اسلامی احقر کی عمر اٹھتر منزلیں ختم ہو کر اناسی واں سال شروع ہو رہا ہے۔ جب اس طرف دھیان گیا کہ رب العزت نے کتنی بڑی مہلت و فرصت اس ناکارہ گنہ گار کو اپنی اصلاح اور تلافی مافات کے لیے عطا فرمائی۔ اٹھتر سال کے نو سو چھتیس مہینے اور ان کے تقریباً ساڑھے ستائیس ہزار لیل و نہار ملے جن میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار غیر محدود نعمتیں بارش سے زیادہ برستی رہیں، اس طویل مہلت اور اس میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کی نعمتوں کا شکر کیا ادا کیا اور آخرت کے لیے کتنا سامان کیا تو حیرت اور حسرت کے سمندر میں ڈوب جاتا ہوں کہ زادِ آخرت کا صفر اور گناہوں کے انبار نظر آتے ہیں اور اِنَّہٗ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللّٰہِ اِلَّا اِلَیْہِ اور فضل و کرم کے سوا کوئی سہارا نظر نہیں آتا۔ وہی رحیم الرحماء ہیں کہ سئیات کو بھی حسنات سے بدل دیتے ہیں۔ اسی کے لطف و کرم سے مغفرت کی امید بندھتی ہے
یَا رَبِّ عَامِلْنِیْ بِمَا اَنْتَ اَھْلُہٗ وَلَا تُعَامِلْنِیْ بِمَا اَنَا اَھْلُہٗ۔

(۱) میں اپنی اولاد، اہل و عیال، احباب و اصحاب اور تمام مسلمانوں کو وصیت کرتا ہوں کہ اس زندگی کا ایک ایک لمحہ وہ گوہر نایاب ہے جس کی قیمت ساری دنیا و مافیہا نہیں ہو سکتی۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کی رضا جنت کی دائمی نعمتیں خریدی جا سکتی ہیں، اللہ تعالیٰ کی اس بھاری نعمت کو اسکی نافرمانیوں میں صرف کرنے سے بچیں اور اس میں اپنی پوری کوشش صرف کریں۔ کسی نفسانی غرض اور دنیوی راحت و نفع کو اس پر غالب نہ ہونے دیں۔ عمر کی جو مہلت اللہ تعالیٰ نے دے رکھی ہے اسکے ایک ایک منٹ کی قدر کریں۔ گذشتہ کا کفارہ توبہ استغفار سے اور آئندہ کی اصلاح عزم مصمم سے کرتے رہیں۔ فضول اور لا یعنی کلام، کام اور مجلسوں سے کلی احتراز کریں ؎

من نہ کردم شما حذر بکنید

عمر کے اوقات کو تول تول کر صحیح کاموں میں صرف کرنے کی کوشش کریں۔ ہر کام سے پہلے سوچیں کہ جس طرف قدم یا قلم اٹھ رہا ہے وہ اللہ جل شانہ کی مرضی کے خلاف تو نہیں خلاف نظر آئے تو سارے مصالح کو قربان کر کے پوری ہمت کے ساتھ اس سے بچنے کی کوشش کریں۔

(۲) علم دین کی تحصیل کو عمر کا اہم مقصد بنائیں۔ میری اولاد میں جنھوں نے علم دین کو باقاعدہ حاصل کیا ہے وہ بھی اس کا مشغلہ کسی وقت نہ چھوڑیں اور ہمیشہ اپنے آپ کو طالب علم سمجھ کر جہاں سے کوئی صحیح علم حاصل کیا جا سکتا ہو، اس کو نہ چھوڑیں اور جنھوں نے باقاعدہ علوم دینیہ کی تکمیل نہیں کی وہ بھی اپنے آپ کو اس مشغلہ سے یہ سمجھ کر فارغ نہ سمجھیں کہ علماء کی ذمہ داری ان پر نہیں ہے بلکہ حضرت سیدی حکیم الامت قدس سرہٗ اور دوسرے اکابر علماء کی تصانیف کا مطالعہ ایک معمول بنا کر روزانہ کرتے رہیں بلکہ سب گھر والوں کو جمع کر کے سنایا کریں تاکہ سب پر اثر پڑے اور اپنا ماحول دینی ہو جائے، ورنہ تجربہ یہ ہے کہ جب کسی کا ماحول (سوسائٹی) دینی نہ ہو تو اس کو دین پر قائم رہنا مشکل ہوتا ہے اور جس قدر دینی امور کا خود کو علم ہو وہ دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کریں خواہ خود عالم کامل نہ ہوں۔

(۳) ایسے علماء کی صحبت کو کیمیا اور غنیمت کبریٰ سمجھیں جو علمی تحقیق میں مشائخ ولی اللہی یا بہ عنوان دیگر علماء دیوبند کے مسلک پر ہوں، اور صرف کتابی علم کے حامل نہ ہوں بلکہ تمام معاملات میں خدا ترسی اور خوفِ آخرت اور تعلق مع اللہ ان کی

زندگی میں نمایاں ہو۔ اور بہتر یہ ہے کہ کسی ایسے بزرگ سے باقاعدہ بیعت ہو جائیں جو کسی متبع سنت بزرگ کا خلیفہ مجاز ہو۔ خصوصاً سیدی حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے خلفاء میں سے کسی بزرگ سے مناسبت ہو تو وہ زیادہ بہتر ہے۔

(۴) بچوں کو جب تک قرآن کریم ناظرہ مکمل اور دین کی ضروری معلومات سے پوری طرح واقفیت نہ ہو جائے کسی دوسرے کام میں نہ لگائیں۔ بچوں کی تربیت میں اس کا خاص اہتمام کریں کہ ان کے اعمال و اخلاق شریعت کے مطابق ہوں جھوٹ، فریب وبد معاملگی سے بچنے کی پوری کوشش کریں اور فرائض وواجبات اور سنن کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں۔

(۵) ایسے لوگوں کی صحبت اور زیادہ میل جول سے کلی احتراز کریں جو نماز روزہ حلال وحرام اور دینی معاشرت سے غافل ہوں اگر وہ رشتہ دار یا قدیم دوست ہیں تو صرف ادائیگی حقوق تک ان سے ملیں۔ دوستانہ تعلقات اور خصوصی صحبت صرف ایسے لوگوں کے ساتھ ہو جو دین میں تمہارے لیے معین ثابت ہوں اگر ایسے لوگوں میں کسی سے قلبی تعلق زیادہ ہے تو اس کو اپنے رنگ پر لانے کے لیے پوری کوشش کریں۔ اسلام نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سب مسلمانوں پر عائد کیا ہے۔ اس میں ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے کہ ہر انسان کا اپنا ماحول دینی ہو جائے اور دینی معاملات میں یہ صحبتیں رکاوٹ بننے کی بجائے معین و مددگار بنیں۔ بچوں کو بھی ابتدا ہی سے ایسی آزاد صحبتوں سے بچایا جائے۔

(۶) اس زمانہ کی سب سے بڑی افتاد جو شریف اور دینی گھرانوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے چکی ہے وہ عورتوں میں بے پردگی کے رجحانات، لڑکیوں میں جدید قسم کے نیم عریاں ملبوسات ہیں۔ جن گھروں میں پردے کا نام باقی بھی ہے وہاں بھی وہ شدت واحتیاط باقی نہیں جو ان کے بڑوں میں تھی۔ عزیزوں میں غیر محرم لڑکے لڑکیاں حدود شریعت کے پابند نہیں رہے۔ بے تکلف ایک دوسرے سے اختلاط رکھتے ہیں جو کسی طرح جائز نہیں اور اس کے نتائج پورے خاندان کے لیے نہایت خطرناک ہیں۔

(۷) عورتوں میں غیر شرعی رجحانات بھی زیادہ تر ایسی آزاد عورتوں کے اختلاط سے بڑھتے جاتے ہیں جو شرعی پردہ اور عبادات و معاملات میں شرعی حدود کی پابند نہیں۔ ایسی عورتوں سے زیادہ اختلاط کو زہر قاتل سمجھیں، جن سے تعلقات رکھنا ہوں ان کو کوشش کر کے اپنی راہ اور اپنے دینی رنگ پر لائیں، ورنہ یکسوئی اختیار کریں۔

(۸) ایسی کتابیں دیکھنے سے مرد و عورت ہر شخص اجتناب کرے جن میں خلاف شرع امور کا بار بار تذکرہ ہو کہ قلب و دماغ پر ان کا اثر ناگزیر ہو۔ عموماً ناول افسانے اور ایسی تصنیفات جو اس طرح کی چیزوں سے لبریز ہیں ان کا داخلہ گھروں میں ممنوع ہونا چاہیے۔ دینی کتابوں میں صرف محقق اور باخدا علماء کی تصانیف کا مطالعہ کیا جائے، جن کے علم صحیح اور دیانت و تقویٰ پر مکمل اعتماد ہو، جب تک مصنف پر اعتماد نہ ہو اس کی کتاب نہ دیکھی جائے۔ البتہ صرف اہل علم ہر کتاب دیکھ سکتے ہیں وہ بھی بقدر ضرورت، کیونکہ اہل فسق و فجور و اہل فساد و الحاد کی تصانیف بھی انسان پر ان کی بری صحبت کی طرح غیر شعوری طور پر اثر انداز ہوتی ہیں اس لیے بلا ضرورت شرعیہ ان سے اجتناب کرنا چاہیے۔

(۹) اپنے سب محبین و متعلقین اصاغر و اکابر سے عاجزانہ درخواست ہے کہ میری باقی زندگی میں بھی اور میرے بعد بھی جس وقت کبھی ناکارہ کا خیال آجائے، میرے لیے دعائے مغفرت فرمادیں۔

(۱۰) اپنے اقارب اور خاص احباب سے درخواست ہے کہ روزانہ اگر ہو سکے سورۂ یٰسین شریف ایک مرتبہ ورنہ تین مرتبہ سورۂ اخلاص (قل ھو اللہ) پڑھ کر ایصال ثواب کر دیا کریں، جس سے انشاء اللہ تعالیٰ وہ خود بھی اجر عظیم کے مستحق ہوں گے، باقی مالی صدقات کا ایصال ثواب طعام و لباس و دیگر ضروریات فقراء میں جس قدر ہمت ہو اخفاء کے ساتھ خالصاً لوجہ اللہ کر دیا کریں۔ نام و نمود اور رسمی دعوتوں سے ہمیشہ احتراز کریں کہ اس کا نہ میت کو کوئی فائدہ پہونچتا ہے

نہ خرچ کرنے والے کو۔

(۱۱) میرے سب [illegible] اس بات کا خاص طور پر خیال رکھیں کہ اپنے ہر کام میں اتباعِ سنت کو مضبوطی سے پکڑیں بدعات اور رسومِ جاہلیت سے کلی اجتناب کریں۔ آخرت کی فکر کو دنیا کی فکروں پر غالب رکھنے کی کوشش سے کبھی غافل نہ ہوں۔ متبعِ سنت علماء اور بزرگوں سے تعلق، ان کی صحبت و خدمت کو سرمایۂ سعادت سمجھیں۔ جن علماء اور مشائخ سے عقیدت و مناسبت ہو ان سے استفادہ کریں اور جن سے مناسبت نہ ہو ان کے بارے میں بھی بدگمانی اور بد زبانی کو زہرِ قاتل سمجھیں، خصوصاً وہ حضرات جو عبادات یا خدمتِ دین میں مشغول ہوں۔

(۱۲) اس وقت ہمارا پورا معاشرہ جس تیزی کے ساتھ دین سے منحرف اور سنت سے بیگانہ ہوتا جارہا ہے اس کی نظیر پچھلے کسی دور میں نہیں ملتی، معاشرے اور ماحول کی خرابی کا یہ لازمی اثر ہے کہ کوئی شخص اگر اپنی طبیعت سے عملِ صالح اور سنت پر قائم رہنا بھی چاہے تو گرد وپیش کے عوامل اور احباب و اعوان اسے سیدھے راستے پر نہیں رہنے دیتے اس لیے اسلامی تعلیمات میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو بنیادی اصول کی حیثیت دی گئی ہے۔ خصوصاً اپنے ماحول کے لوگوں کی اصلاح کی فکر کا وظیفہ ہر انسان پر اہمیت کے ساتھ عائد کیا گیا ہے وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ اور قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا وغیرہ ارشادات میں اسی کی تلقین کی گئی ہے۔

اس زمانہ میں جب کہ مغربی دہریت اور اباحیت کا طوفان پوری دنیائے اسلام پر چھایا چلا جارہا ہے۔ اپنے ایمان کی بھی اس وقت تک خیر نہیں جب تک اپنے ماحول اور معاشرے کی اصلاح پر پوری توجہ نہ دی جائے۔

بے پردگی، عریانی اور بے حیائی کے رجحانات نوجوان لڑکوں لڑکیوں میں اس درجہ عام ہوچکے ہیں کہ کسی شریف نیک لڑکے کو اس کے مناسب لڑکی اور نیک صالح لڑکی کے لیے اس کے مناسب لڑکا ملنا انتہائی دشوار ہوگیا ہے۔

بڑے سے بڑے دیندار گھرانے مجبور ہو کر رشتہ نکاح میں صرف مادی منافع کو دیکھنے لگے اور دینی و اخلاقی اقدار کو نظر انداز کردینے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں اس لیے میری آخری اور سب سے اہم وصیت اپنے عزیزوں کو خصوصاً اور عام مسلمانوں کو عموماً یہ ہے کہ اپنے ماحول کو دینی بنانے کی انتہائی فکر اور پورا اہتمام کریں۔

بہت سے گھرانوں میں ماں باپ دیندار ہیں مگر اولاد کی راہ دوسری ہے، شوہر کا ایک طرز ہے، بیوی اس سے متفق نہیں ہے۔ بعض جگہ بیوی دیندار ہے شوہر اس سے مختلف ہے۔ یہ بلا عام ہے اور اس وجہ سے پہلی نحوست تو عام حالات زندگی میں اختلاف رائے اور نفرت و بغض ہوتا ہے جس کا اثر نسلوں میں چلتا ہے، دوسری مصیبت یہ ہوتی ہے کہ جو شخص دین اور سنت پر قائم رہنا چاہے اس کی زندگی وبال ہوجاتی ہے اور قدم قدم پر اس کے لیے مشکلات حائل ہوتی ہیں۔ اور اگر کسی طرح وہ سب مشکلوں کو عبور کرکے اپنا عمل درست کر بھی لے تو دوسروں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا بلکہ دشمنی اور بغاوت کے جذبات ابھرتے ہیں۔

اس معاملہ میں اعزاء و احباب کو بہت تنگ پکڑنا بھی مناسب نہیں کہ وہ چل نہیں سکتا۔ میرے اس خیال میں اگر مندرجہ ذیل چیزوں کو اپنے خاندان کی ایسی خصوصیت بنالیا جائے کہ جو عزیز یا دوست اس سے منحرف ہو، پورا خاندان اس سے منحرف ہوجائے۔ مگر تشدد کا طرز ہرگز اختیار نہ کیا جائے کہ وہ مضر ہی مضر ہے بلکہ فہمائش اور خیرخواہی اور ہمدردی کے لہجے میں اس کو اپنے ماحول میں لانے کی مسلسل کوشش کرتے رہیں تو امید ہے کہ وہ معاشرے کے بگاڑ کو کسی حد تک روک دے گا۔ وہ امور یہ ہیں :-

(الف) خود اور اپنی اولاد و احباب کو نماز باجماعت کا پابند بنائیں۔ عورتیں اول وقت گھروں میں نماز ادا کرنے کی عادی بنیں۔ اذان ہوتے ہی سب کام موقوف کرکے نماز میں مشغول ہوں۔ خانگی نظام الاوقات میں پہلے سے اس کا خیال رکھا جائے۔

(ب) صبح کو نماز کے بعد جب تک ہر بچہ اور بڑا مرد اور عورت کچھ تلاوت قرآن نہ کرے کسی کام میں نہ لگے۔

(ج) بے پردگی اور عریانی کو اپنے معاشرے میں کسی حال میں برداشت نہ کیا جائے۔ رشتہ منگنی کرتے وقت ان چیزوں کی پوری دیکھ بھال کی جائے۔

(د) فیشن پرستی اور مغربی طرز زندگی کو ایک لعنت اور سمِ قاتل سمجھ کر پورے معاشرے کو سادہ زندگی اور بے تکلف ملاقاتوں کا عادی بنایا جائے۔

(ھ) شریعت کے کھلے ہوئے محرمات، سود، شراب، ناچنے گانے کی محفلوں سے جو اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو ایسا بچایا جائے جیسے زہر سے بچایا جاتا ہے۔

یہ چند امور ہیں جن کا ہر خاندان کے افراد کو آپس میں معاہدہ کرلینا چاہیے اور ان کی خلاف ورزی کو ایک جماعتی اور خاندانی عہد شکنی قرار دیکر نرم تدبیروں کے ساتھ اس کی اصلاح کی فکر لازم سمجھا جائے۔ بائیکاٹ اور قطع تعلق کے طریقوں سے قطعی اجتناب کیا جائے کہ اس کا نتیجہ تجربۃً اچھا نہیں ہوتا مگر کوشش مسلسل جاری رکھی جائے۔

وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِیْنُ

تاریخ دیوبند

دیوبند ایک قدیم بستی ہے۔ اس کی سرزمین نے انقلاب کا بے شمار کروٹیں دیکھی ہیں۔ اب دارالعلوم کی وجہ سے یہ بستی بین الاقوامی شہرت کی مالک بن گئی ہے۔

اس بستی کی دلچسپ اور محققانہ تاریخ جناب سید محبوب رضوی کے قلم سے ملاحظہ فرمائیے۔ تاریخ نگاری میں مصنف موصوف کی پہلے سے ایک امتیازی شہرت رکھتی ہے۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن چھپ کر ختم ہوگیا، اب دوسرا ایڈیشن فاضل مصنف کی نظر ثانی اور اضافوں کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

صفحات ۵۱۲ - قیمت مجلد دس روپے

ورق ورق روشن

اخلاقی اسباق اور علم و حکمت کا ایسا خزانہ جو ہر دل و دماغ کو روشن کرے گا۔ اس کتاب میں مولف نے قرآن، حدیث، تاریخ، آثار اور معیاری لٹریچر سے اللہ، رسول اور دنیا بھر کے دانشوروں، مصلحوں اور عالموں کے بہت ہی مفید و نفیس ارشادات حروف تہجی کی ترتیب سے جمع کیے گئے ہیں۔ مثلاً ایمان یا انصاف یا اعتقاد یا انتقام کے بارے میں آپ مواد ڈھونڈنا چاہیں تو الف کی فہرست میں یہ عنوان مل جائے گا۔ اسی طرح کسی بھی لفظ کو اس فہرست میں بآسانی ڈھونڈا جا سکتا ہے۔

بہت شاندار اور لاجواب کتاب ہے قیمت مجلد ۳۰/-

(صفحات ۸۴۴)، متوسط سائز۔

نہایۃ التحقیق اردو شرح مسند ابوبکر صدیق

یعنی جو کلام مبارک حضرت ابوبکر صدیق نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا وہ سب کا سب یکجا۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ دو ایک مستند اور دقیقہ رس عالم نے مسند احمد بن حنبل کی اردو شرح کا مفید سلسلہ شروع کیا ہے اور اسی سلسلہ کی پہلی کڑی نہایۃ التحقیق کے نام سے آپ کے سامنے ہے۔ یہ بڑے سائز کے (۲۴۷) صفحات پر مشتمل ہے۔ اور قیمت صرف بائیس روپے - ۲۲/- بڑی اہم بات یہ ہے کہ فاضل شارح نے شروع کتاب میں ایک طویل مقدمہ دیا ہے جو تقریباً سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں انھوں نے اردو خواں طبقہ کے لیے فن حدیث کی باریکیوں اور اصطلاحوں اور اصولوں کی پوری تحقیق کے ساتھ سپرد قلم کیا ہے۔ یہ کتابوں کا نچوڑ۔ فن حدیث کی معلومات کا بیش بہا خزانہ۔ امید ہے کہ شائقین اس تحفۂ نادرہ سے فائدہ اٹھائیں گے۔

قیمت مجلد بائیس روپے

عمدہ مفید مستند اور قابلِ مطالعہ کتابیں

معلوماتی

علم الحجاج ۱۰/۰
آپ حج کیسے کریں؟ ۴/۰
آسان حج ۲/۰
مناسک حج ۱/۲۵

تاریخی

تاریخ اسلام۔ اکبر نجیب آبادی مکمل در سہ جلد ۶۰/۰
حضرت آدم سے عہد صحابہ تک ۱۲/۰
حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ مکمل سیرت و سوانح ۶/۰
حضرت عثمان غنی رضؓ کا نظام عدل ۷/۵۰

سیر

سیرۃ النبی۔ شبلی نعمانی سید سلیمان ندوی۔ مکمل در چھ جلد سالم رکزین قیمت ۱۵۷/۵۰
رحمۃ للعالمین۔ سید سلیمان منصور پوری۔ مکمل در ۳ جلد ۳۶/-
سیرت رسالتمآب مفتی عزیز الرحمن ۳۰/-
اصح السیر۔ مولانا عبدالرؤف دانا پوری۔ مجلد مع کور ۲۴/۰
رحمت عالم۔ سید سلیمان ندوی۔ مجلد عکسی ۴/۵۰
نبی عربی۔ غیر مجلد مولانا رشید الوحیدی ۳/۵۰
سیرت ختم رسل ۵/۵۰
رسول اکرم کی سیاسی زندگی (ڈاکٹر حمید اللہ) ۱۲/۰
شمائل ترمذی مع خصائل نبوی ۱۵/-
سچے رسول کی سچی تعلیم

علمی مذہبی

غنیۃ الطالبین شاہ عبدالقادر جیلانیؒ ۳۰/۰
حصن حصین ۲۰/-
مسند امام اعظم اردو مع عربی ۱۶/۰
انتخاب صحاح ستہ اردو مع عربی ۹/۰
ئی عبدالحی مجلد ۲۰/۰
حکیم الاسلام کی مجالس مجلد ۱۱/-
خطبات غوث اعظم مجلد ۱۰/-
خطبات الحرمین شریفین مجلد ۱۲/-
خطبۃ الحنفیہ۔ مجلد ۱۰/۵۰
مکاتیب مولانا مناظر احسن گیلانیؒ۔ مجلد ۱۰/۰
تفسیر رشیدی مفتی عزیز الرحمن ۲/۵۰
البدائع۔ مولانا تھانویؒ ۱۸/۵۰
حدیث دفاع۔ مجلد (جنرل محمد اکبر خاں) ۱۲/۰

بدعت

شرک و بدعت کے چور دروازے۔ مجلد ۲/۵۰
رد بدعت ۲/۰
آداب زیارت قبور ۰/۸۰
تحریک وہابیت پر ایک نظر ۰/۷۵
بدعت کیا ہے؟ ۷/۰
بلاغ المبین مع سوانح شاہ ولی اللہؒ ۶/۵۰

واقعاتی

کیا ہم مسلمان ہیں۔ اول ۳/۵۰
کیا ہم مسلمان ہیں۔ دوم ۳/۵۰
" " سوم ۴/۰
تنو بڑے آدمی ۴/۰

تصوف

روح تصوف ۵/۵۰
تزکیۂ نفس۔ مکمل مجلد ۱۰/-
صحائف معرفت " ۹/-
صحیفۂ ابرار " ۲۵/۰
تبرکات " ۵/۰
تربیت السالک " ۴۵/-
صحبتے با اہل دل " ۸/۰
حکایات اولیاء " ۱۰/۰

قادیانیت

عشرۂ کاملہ ۶/۰
تحقیق لاثانی ۷/۰

سیرت و سوانح

شہدائے بدر ۱/۰
حضرت حسنؓ حضرت حسینؓ ۱/۰
ائمۂ اربعہ۔ مجلد ۱۰/-

مکتبۂ تجلی دیوبند

بشکریہ ایشیا

مولانا مودودی کی مجلس

مولینا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کا معمول ہے کہ وہ روزانہ نماز عصر کے بعد کچھ دیر تک عام ملاقات کے لیے باہر تشریف رکھتے ہیں اس وقت ہر شخص مولانا سے بلا روک ٹوک مل سکتا ہے اور جو بات چاہے پوچھ سکتا ہے۔ ایک ایسی ہی مجلس کی جھلک پیش کی جاتی ہے جو لاہور سے شائع ہونے والے ۳۰ ستمبر ۱۹۶۶ء کے ایشیا میں شائع ہوئی ہے۔

ایک صاحب کا سوال تھا:

"مولانا قربِ الٰہی حاصل کرنے کا طریقہ بتائیں"۔

مولانا نے فرمایا:

"اللہ کے دین کو سمجھ کر اس پر عمل کریں اور اسے قائم کرنے کی جدوجہد کریں۔ خدا کی رضا حاصل کرنے کی کوشش ہی قربِ الٰہی کے حصول کا راستہ ہے"۔

ان صاحب نے کہا:

"یہ تو بڑا وسیع پروگرام ہے۔ کیا..... کوئی مختصر نسخہ نہیں ہے"

مولانا نے فرمایا:

"اتنے بڑے انعام کے لیے آپ مختصر راستہ ڈھونڈتے ہیں —؟ قربِ الٰہی کوئی مذاق نہیں ہے۔ اس کے لیے ساری عمر جوکھی لڑائی لڑنی پڑتی ہے۔ اللہ کی جنت کوئی سستی چیز نہیں آپ یہاں ایک مکان بنانے کے لیے عمر بھر جدوجہد کرتے ہیں زندگی کا ایک بڑا حصہ اس آرزو کی نذر کر دیتے ہیں۔ ہزاروں لاکھوں روپے اس کے لیے خرچ کرتے۔ اب کیا اللہ کی جنت ہی کوئی ایسی معمولی جگہ ہے جس میں آپ بغیر کسی محنت کے مکان حاصل کر لیں۔

ایک صاحب نے کہا:

"مولانا اسلام کو دینِ فطرت بھی کہتے ہیں۔ پھر موسیقی پر کیوں پابندی لگائی جاتی ہے، وہ بھی تو ایک فطری چیز ہے"۔!

مولانا نے فرمایا:

"غالباً آپ یہ سمجھتے ہیں کہ انسان جو کام بھی کرتا ہے فطرت کے مطابق کرتا ہے۔ اس لیے موسیقی کو بھی آپ فطری چیز سمجھتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ انسانوں کے کچھ کام فطرت کے خلاف بھی ہوتے ہیں اور بعض کام فطرت سے جنگ کی حیثیت بھی رکھتے ہیں —— موسیقی میں انسان کا انہماک اور بڑھتا ہوا شغف اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری میں حائل ہو جاتا ہے۔ یہ چیز انسان کو ذکرِ الٰہی سے نہ صرف دور کر دیتی ہے بلکہ وہ ان کی طرف سے غافل ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ موسیقی انسان کو اس حالت کے قریب کر دیتی ہے جو شراب میں ہوتی ہے۔ اس چیز کو دینِ فطرت کے مطابق کیسے کہا جا سکتا ہے"۔

ایک نوجوان نے کہا:

جناب میں نے اقتصادیات کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ میں

بشکریہ "ایشین"

مولانا مودودی کی مجلس

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کا معمول ہے کہ وہ روزانہ نماز عصر کے بعد کچھ دیر تک عام ملاقات کیلئے باہر تشریف رکھتے ہیں اس وقت ہر شخص مولانا سے بلا روک ٹوک مل سکتا ہے اور جو بات چاہے پوچھ سکتا ہے۔ ایک ایسی ہی مجلس کی جھلک پیش کی جاتی ہے جو لاہور سے شائع ہونے والے ۳ ستمبر ۱۹۶۷ء کے ایشین میں شائع ہوئی ہے۔

ایک صاحب کا سوال تھا:

"مولانا قربِ الٰہی حاصل کرنے کا طریقہ بتائیں"۔

مولانا نے فرمایا:

"اللہ کے دین کو سمجھ کر اس پر عمل کریں اور اسے قائم کرنے کی جدوجہد کریں۔ خدا کی رضا حاصل کرنے کی کوشش ہی قربِ الٰہی کے حصول کا راستہ ہے"۔

ان صاحب نے کہا:

"یہ تو بڑا وسیع پروگرام ہے۔ کیا..... کوئی مختصر نسخہ نہیں ہے"

مولانا نے فرمایا:

"اتنے بڑے انعام کے لیے آپ مختصر راستہ ڈھونڈتے ہیں ــــ؟ قربِ الٰہی کوئی مذاق نہیں ہے۔ اس کے لیے ساری عمر جی کھی لڑائی لڑنی پڑتی ہے۔ اللہ کی جنت کوئی سستی چیز نہیں ہے۔ یہاں ایک مکان بنانے کے لیے عمر بھر جدوجہد کرتے ہیں زندگی کا ایک بڑا حصہ اس آرزو کی نذر کر دیتے ہیں۔ ہزاروں لاکھوں روپے اس کے لیے خرچ کرتے۔ اب کیا اللہ کی جنت ہی کوئی ایسی فالتو جگہ ہے جس میں آپ بغیر کسی محنت کے مکان حاصل کر لیں۔

ایک صاحب نے کہا:

"مولانا اسلام کو دین فطرت بھی کہتے ہیں۔ پھر موسیقی پر کیوں پابندی لگائی جاتی ہے، وہ بھی تو ایک فطری چیز ہے"۔؟

مولانا نے فرمایا:

"غالباً آپ یہ سمجھتے ہیں کہ انسان جو کام بھی کرتا ہے فطرت کے مطابق کرتا ہے ــ اس لئے موسیقی کو بھی آپ فطری چیز سمجھتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ انسانوں کے کچھ کام فطرت کے خلاف بھی ہوتے ہیں اور بعض کام فطرت سے جنگ کی حیثیت بھی رکھتے ہیں ــــ موسیقی میں انسان کا انہماک اور بڑھتا ہوا شغف اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری میں حائل ہو جاتا ہے۔ یہ چیز انسان کو فرائض سے نہ صرف دور کر دیتی ہے بلکہ وہ ان کی طرف سے غافل ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ موسیقی انسان کو اس حالت کے قریب کر دیتی ہے جو شراب میں ہوتی ہے۔ اس چیز کو دین فطرت کے مطابق کیسے کہا جا سکتا ہے"۔

ایک نوجوان نے کہا:

جناب میں نے اقتصادیات کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ میرا

اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مسلمانوں کے زوال، ان کی تباہی اور مسلمان ممالک کی تمام تزیر بادی کا سبب ان کی اقتصادی بدحالی ہے آج دنیا کی قومیں مالدار اور سربلند ہیں۔ مثلاً بدھ مت کے پیرو چینی اور جاپانی، عیسائیت کے علمبردار یورپ اور امریکہ اور اسی طرح دوسرے مذاہب سے تعلق رکھنے والے مثلاً یہودی وغیرہ سب دولت مند ہیں جب کہ مسلمان ممالک غریب اور دولت سے محروم ہیں۔ اسی لیے سربلندی ان کے لیے نہیں ہے"۔

مولانا نے فرمایا

"اگر سربلندی اور سرفرازی کے لیے دولت ہی کی شرط ہے تو دولت بعض مسلمان ممالک میں بھی کافی پائی جاتی ہے"۔

نوجوان نے کہا :

"پھر مسلمانوں کو سربلندی حاصل نہ ہونے کا سبب کیا ہے"؟

مولانا نے فرمایا۔

"مسلمانوں کی سربلندی اقتصادیات سے نہیں، اسلام سے وابستہ ہے۔ ان کی نجات اس میں ہے کہ وہ اسلام کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں۔ خود تاریخ کی گواہی موجود ہے کہ اسلام کی پیروی میں ہم نے سب کچھ پایا تھا۔ اور اس سے دور ہٹ کر سب کچھ کھو دیا ـــــ اقتصادی ترقی کا مقصد ہو یا ہمہ گیر سربلندی کا سوال ہو، مسلمان یہ مقاصد اسلام پر عمل پیرا ہو کر اور اسلامی اخلاق اپنا کر ہی حاصل کر سکتے ہیں۔ اس سے ہٹ کر ان کے لیے نجات کی کوئی راہ نہیں ہے"۔

اسی نوجوان نے تھوڑی دیر بعد کہا :-

"ایک مفلس رنادار آدمی کا کوئی اخلاق نہیں ہوتا، کیا ہمارے معاشرے میں اس بات کی مثالیں نہیں پائی جاتیں" ؟

مولانا نے فرمایا :

"آپ جس معاشرے کے مفلس کا ذکر کر رہے ہیں کیا اس معاشرے کا دولتمند اخلاق کی دولت رکھتا ہے" ؟

نوجوان نے کہا :

"نہیں ـــــ لیکن JOBLESS اور مفلس افراد اخلاقی پستی کے زیادہ ذمہ دار ہوتے ہیں"۔

مولانا نے فرمایا :

"اس مفروضے کو بھی اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر دولتمند اور خوشحال انسان کو اخلاق کا اعلیٰ اور عمدہ نمونہ ہونا چاہیے لیکن کیا آپ نہیں جانتے کہ ایسا نہیں ہے۔ یہ نیچے سے لے کر اوپر کی سطح تک رشوت کا جو کاروبار چل رہا ہے کیا اسے ـــــ JOBLESS لوگ چلا رہے ہیں۔ بڑی تنخواہوں اور ہر قسم کے معاشی تحفظ کے ہوتے ہوئے بدعنوانیاں کیوں ہوتی ہیں۔ اسی طرح دوسرے مفاسد کی سرپرستی کون کر رہے ہیں ...... تسلیم کرنا پڑے گا کہ سب سے پہلا اور سب سے اہم سوال اخلاق کا ہے۔ خود ایک قوم کی اقتصادی ترقی کا دارومدار بھی ان لوگوں کے کردار پر ہوتا ہے جو ملک کے دروبست پر قابض ہوتے ہیں۔ وہ اگر دیانت دار ہوں، تو قوم کو خوشحالی کی راہ پر چلنے سے کوئی روک نہیں سکتا اور یہ بات واضح ہے کہ جب ہم ایک مسلمان ملک اور مسلمان معاشرے میں اخلاق کے سوال کو لیتے ہیں۔ تو اس اخلاق سے مراد صرف اسلامی اخلاق ہوتا ہے"۔

ممتاز احمد سالک

ڈھونڈتی ہے ترے ایمان کی غیرت تجھکو
اپنی منزل کی طرف لوٹ کے آجا اب تو
کب تلک "ارموں کے مقتل" میں رہے گا غافل
کب تلک ظلم کے ویرانوں میں تو بھٹکے گا
وقت کے وحشیوں خونخوار درندوں کے حضور
کب تلک امن کا کشکول لیے گھومے گا
جھوٹ اور مکر کے نغمات کی موسیقی پر
کب تلک کان لگائے گا یونہی جھومے گا
راہ دکھلاتی ہے اسلاف کی عظمت تجھکو
اپنی منزل کی طرف لوٹ کے آجا اب تو
ہائے یہ بے بصری اور تری سادہ دلی
تو نے صحرا کے سرابوں کو بھی دریا سمجھا
کفر باطل کے نظاموں سے بھلائی چاہی
تیغ قاتل کو تو زخموں کا مداوا سمجھا
جن کی اغراض پہ لٹتا ہے غریبوں کا لہو
ایسے فرعونوں کو تو آج مسیحا سمجھا
لے کے ڈوبے نہ کہیں تیری حماقت تجھکو
اپنی منزل کی طرف لوٹ کے آجا اب تو
میرے معصوم مسافر تو ذرا غور تو کر
مکر و تزویر کی چکی میں پسے گا کب تک
"سامراجوں" کی دوکانوں کا اثاثہ بنکر
وقت و ماحول کی منڈی میں بِکے گا کب تک
کب تلک راہ نما سمجھے گا قزاقوں کو
بت پرستوں کے اشاروں پہ چلے گا کب تک
حق نے بخشی ہے حقیقت میں قیادت تجھکو
اپنی منزل کی طرف لوٹ کے آجا اب تو
فقر و افلاس کی دوزخ میں سلگنے والے
لوٹ آ دینِ محمد کی حسیں وادی میں
توڑ دے ذہنی غلامی کے سلاسل سارے
سرفرازی ہے تری دین کی آزادی میں
ساحلِ عزت و رفعت کا بلاوا ہے تجھے
غوطے یوں اور نہ کھا قلزم بربادی میں
آ! کہ مل جائے پھر اللہ کی نصرت تجھکو
اپنی منزل کی طرف لوٹ کے آجا اب تو
منتظر تیرا ہے ، اللہ کا دامانِ کرم
کفر و باطل کی سدا بیڑیاں توڑیں جس نے
سرکشوں، باغیوں، مغروروں، ستم کوشوں کی
گردنیں موت کے پنجوں سے مروڑیں جس نے
سیکڑوں بستیاں بھٹکے ہوئے انسانوں کی
زلزلہ خیز ہواؤں سے جھنجوڑیں جس نے
برملا دیتی ہے تاریخ یہ دعوت تجھکو
اپنی منزل کی طرف لوٹ کے آجا اب تو

○

بشکریہ "امین"

زمیں کو بھی عزت ہو عرشِ علی کی
دکھا جائے بندوں کو صورت خدا کی

احد اور احمد میں ہے بس میم کا پردہ
ظاہر میں محمد ہے تو باطن میں خدا ہے

حق محمدؐ ہے اور محمدؐ حق ⁂ دیکھو قرآن میں یہ بیان آیا
اگر کافر زبت آگاہ گشتے ⁂ بجے از سارکانِ راہ گشتے

یعنی کافر اگر بت کی حقیقت سے آگاہ ہوتا، اگر وہ یہ جانتا کہ بت کی صورت میں بھی اللہ ہی کا جلوہ ہے، بت کوئی غیر اللہ نہیں ——— تو وہ راہِ توحید کا ایک راہرو ہوتا۔

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ مذکورہ باطل عقائد و تصورات نہ ہمارے کوئی نئے انکشافات اور جدید تحقیقات ہیں اور نہ اہل بدعت اور حاملین قبوری شریعت پر جھوٹے الزامات۔ بلکہ یہ اوہام و خرافات اہل بدعت کے لٹریچر، ان کے رسالوں، کتابوں، تقریروں میں موجود ہیں جن کا وہ ہمیشہ اپنی تحریروں اور تقریروں میں دفاع بھی کرتے رہتے ہیں، اور جن کے تذکرے، تنقید و تبصرے، علمائے حق کی تحریروں اور تقریروں میں بھی اکثر پڑھنے اور سننے میں آتے رہتے ہیں۔ اور یہ عقائد گلی کوچوں کے پیروں، فقیروں، درویشوں اور ملنگوں اور تیسرے درجہ کے مولویوں، ملاؤں کے نہیں، بلکہ ان عقائد کے حامل و مبلغ وہ حضرات تھے (اور ایسے علماء اب بھی بکثرت موجود ہیں) جو علامۂ دہر، شیخ الاسلام، بحر العلوم، شمس المفسرین استاذ الاساتذہ، محدث دکن، دکن کے ابو حنیفہ جیسے بھاری بھرکم ناموں اور القابوں سے مشہور ہوئے۔

شرم تم کو مگر نہیں آتی!

یہ ہیں وہ مذکورہ عقائد باطلہ اور تصورات فاسدہ جن کے وہ علماء و مشائخ ذائل، حامل اور مبلغ ہیں، جو عشق رسولؐ کا دم بھرتے ہیں، اولیاء اللہ اور بزرگان دین کی عقیدت و محبت کا راگ الاپتے ہیں اور حضورؐ کو مافوق البشر، عالم الغیب، حاضر و ناظر، نافع و ضار اور متصرف کائنات مانتے اور کہتے ہیں۔ یہ ہیں وہ صوفیا جو دکو ہدایت یافتہ اور صراط مستقیم پر گامزن سمجھتے اور توحید خالص کے علمبرداروں کو گمراہ اور بدعقیدہ قرار دیتے ہیں۔ جو خود شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر ہیں پھینکتے
دیوار آہنی پہ حماقت تو دیکھیے

ان علماء سوء کا موقف اور طرز فکر و عمل مذکورہ شعر کے عین مطابق ہے۔

یہاں ہمیں دو اور دوچار کی طرح صاف و صریح گمراہیوں پر کوئی تعقب و تبصرہ کرنا نہیں ہے کہ یہ عقائد اس مضمون کے دائرہ موضوع سے باہر ہیں۔ ویسے بھی عامۃ المسلمین کا عقیدہ، دماغ اس حد تک بھی خراب نہیں ہوگیا کہ وہ ان ارذل و اسفل ترین گمراہیوں کو قبول کرسکیں، بلکہ عوام الناس کی اکثریت خواہ وہ کتنے ہی جاہل کیوں نہ ہوں ——— ان کفریات و خرافات کو قبول کرنے کے لیے قطعاً آمادہ نہیں اور وہ ان طاغوتی تصورات کے قائلین اور مبلغین کو گمراہ اور شرک زدہ ہی سمجھتے ہیں! لیکن پھر بھی یہاں ان عقائد سے متعلقہ تاریخ اسلام کے دو اہم واقعات کو پیش کر دینا نامناسب نہ ہوگا۔

اسوۂ حضرت علیؓ

حضرت علیؓ کے دورِ خلافت کا یہ ایک اہم اور مشہور واقعہ ہے کہ حضرت علیؓ کے مخالفین و معاندین نہیں بلکہ آپ سے عقیدت اور غایت درجہ محبت رکھنے والا ایک گروہ آپ کو خدا سمجھتا تھا۔ حضرت علیؓ نے اس "عقیدت" کی پاداش میں انھیں (یعنی حضرت علیؓ نے خود اپنے معتقدین اور محبین کو) ایک گڑھے میں ڈال کر آگ سے جلا دیا شیعہ حضرات اور تفضیلی مشائخ کا حضرت علیؓ کی افضلیت سے متعلقہ عقیدہ باطلہ کا ذکر گذشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔ اور شیعہ و سنی مسلمان حضرت علیؓ کے نام سے جو علَم بٹھاتے اور ان کے تعزیے پوجتے ہیں یہاں ہمیں وہ احادیث بے ساختہ یاد آرہی ہیں، جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان غالیانہ اور مشرکانہ اوہام و خرافات کی پیش گوئی فرمادی تھی جن میں ہمارے علماء صوفیاء اور مشائخ اور ان کے جاہل معتقدین کے لیے کافی سامان ہدایت، اسامۂ عبرت اور دعوت فکر موجود ہے۔ ملاحظہ ہو کہ ارشاد نبویؐ ہے:-

"اے علیؓ! تم حضرت عیسیٰؑ کی طرح ہو کہ یہود نے عیسیٰؑ کی دشمنی میں یہاں تک حد سے زیادہ بڑھ گئے کہ ان کی والدہ محترمہ پر زنا کی تہمت لگائی اور نصاریٰ نے ان کے ساتھ حد سے زیادہ دشمنی رکھ کر ایسے مرتبہ پر پہنچا دیا کہ جس کے وہ لائق نہ تھے"
(مسند امام احمد بن حنبلؒ)

خود حضرت علیؓ فرماتے ہیں :-
"میری وجہ سے دو قسم کے لوگ ہلاک ہوں گے ایک وہ جو مجھ سے حد سے زیادہ محبت کرنے والے ہوں گے، جو چیزیں مجھ میں نہیں وہ ثابت کریں گے ....."
(بحوالہ بلاغ المبین حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ)

یا علی، کل بلائی، یا علی المدد، علی مشکل کشا کے نعرے اور حضرت علیؓ کے منجانب اللہ نافع و ضار اور مشکل کشا ہونے کا تصوّر مذکورہ پیش گوئی کا مصداق ہے۔ ان ارشادات کی زد میں کون آتے ہیں اور کون نہیں؟ —— خود قارئین غور فرمائیں۔

تاریخ سے عبرت

تاریخ اسلام سے ایک اور مشہور واقعہ یہ ہے کہ منصور حلاّج نامی ایک شخص نے "انا الحق" کا نعرہ لگایا تھا۔ وقت کے تمام جید علماء نے اسے کافر و مرتد قرار دیا اور بادشاہ وقت نے اسے قتل کروا دیا۔ اس کے بعد کے تمام مشہور و مستند علماء نے منصور کی مذمت اور مخالفت کی، اور قتل کرنے والے بادشاہ کی تائید و حمایت کی۔ اگر آج کے یہ نام نہاد عاشقان انبیاء اور محبان اولیاء جو خدا کے ان برگزیدہ بندوں کو مافوق البشر خدا کا اوتار قرار دیتے اور حلول و اتحاد اور توحید وجودی کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اگر دور نبویؐ دور خلفاء یا کسی بھی ہدایت یافتہ اور راسخ العقیدہ حکمران کے زمانے میں ہوتے تو انھیں بھی اس شیطنت اور جاہلیت کی پاداش میں یقیناً کافر و مرتد قرار دیکر قتل کر دیا جاتا۔

علماء سوء کے عقائد کے مطابق جب رسولؐ بشر نہیں بلکہ مافوق البشر، نوری مخلوق اور انسانی روپ اور بشری صورت میں خدا ہیں - - - - تو ایسی صورت میں اگر ہم انبیاء اور اولیاء کی غیب دانی، حاجت روائی اور حاجت روائی کی نفی و تردید کرتے اور انھیں بے اختیار قرار دیتے ہیں تو گمراہ علماء و مشائخ اور ان کے اندھے مقلدین کا برافروختہ اور آگ بگولہ ہونا ایک فطری اور لازمی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی غیب دانی اور صفات حاجت روائی کی مخالفت پر صرف مسلمان ہی کو نہیں بلکہ غیر مسلموں اور اور خالص مشرکوں کو بھی برا لگتا ہے کہ اللہ بھی کہیں ہوتا ہے؟

عقل و فطرت کا ایک داعیہ

انسان جب بازار میں کوئی قیمتی شے خریدنے جاتا ہے تو یہ ضروری نہیں کہ اسے اشیاء کی صفات اور خصوصیات کا علم و آگاہی حاصل ہو۔ بلکہ کمپنی اور فروخت کرنے والوں کی شہرت، دیانت و قعت اور عزت وغیرہ کو دیکھ کر اسباب و مصنوعات کی خوبی کا اندازہ لگاتا ہے اور جب کبھی ان کی طرف سے علانیہ دھوکہ اور کھلا فریب واضح ہو جائے تو ان کی مصنوعات پر سے عوام کا اعتماد باقی نہیں رہتا کہ جب وہ واضح جھوٹ اور غلط باتیں کہہ رہے ہیں تو ان کے مال و اسباب میں بھی ضرور کوئی کھوٹ، فریب اور خرابی ہوگی۔

اگرچہ کہ عوام الناس علماء سوء کے پیش کردہ عقائد باطلہ اور دلائل فاسدہ کی حقیقت کو اپنی کم علمی، قلیل الفہمی اور ضعف الفکری کی وجہ سمجھ نہیں سکتے۔ لیکن وہ اتنی موٹی اور کھلی حقیقت سے تو بخوبی واقف ہیں اور ان کے یہ مسلمات ہیں کہ محمد خدا نہیں، خالق اور مخلوق، معبود و عابد اور انبیاء اور اولیاء میں بیّن فرق پایا جاتا ہے۔ جب اتنے واضح حقائق اور مسلمات کے خلاف اور متضاد ہرزہ سرائی اور یاوہ گوئی کرتا ہے، اس کے دین و ایمان اور پیش کردہ عقائد و دلائل پر کس طرح بھروسہ کیا جا سکتا ہے؟ اسی طرح بریلوی اور قبوری علماء کے توحید، رسالت، آخرت اور شفاعت سے متعلقہ عقائد اور دلائل کی صحت کا متذکرہ بالا اوہام و خرافات اور من گھڑت تصورات کی روشنی میں اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رسول خدا کو اور اپنے آپ کو بلکہ کائنات کے ذرہ ذرہ کو خدا سمجھنے اور اولیاء کو انبیاء سے فوق و برتر قرار دینے (اور پھر بھی عشق رسولؐ کا ڈھونگ رچانے) والوں کے پیش کردہ عقائد اور دلائل کس طرح مبنی برحق اور قابل قبول ہو سکتے ہیں؟ —
یہ طرز فکر اور انداز تحقیق عقل و فطرت اور ہندو مت کے تجربات

مشاہدات سے عین مطابقت رکھتا ہے۔

چنانچہ ایک عالم کا واقعہ ہے کہ انھوں نے ایک بزرگ کے تقوے اور خوف خدا کی بہت شہرت سنی اور ان سے کسب فیض حاصل کرنے کے لیے رخت سفر باندھا۔ جب وہ طویل مسافت طے کرنے کے بعد ان بزرگ کے پاس پہنچے تو لوگوں نے انھیں بتلایا کہ حضرت ابھی ابھی یہاں نماز پڑھ کر مکان تشریف لے گئے ہیں۔ عالم نے جائے نماز کو بغور دیکھا بزرگ نے مٹی پر نماز ادا فرمائی تھی جس پر ہاتھ اور پیر کے نقوش دیکھے ایسے نمودار تھے کہ ایسے نشانات سنت کے مطابق نماز پڑھنے سے نہیں بلکہ خلاف سنت نماز ادا کرنے سے ہی بنتے ہیں۔ چنانچہ عالم صاحب یہ کہتے ہوئے واپس لوٹ گئے کہ جو شخص سنت کے مطابق نماز نہیں پڑھتا وہ بزرگ اور متقی ہرگز نہیں ہو سکتا۔

ایک مشہور محدث کا واقعہ ہے کہ انھوں نے ایک حدیث کی تلاش میں نہایت طویل سفر کیا۔ جب وہ تھکے ماندے اس شخص کے پاس پہنچے جس سے حدیث سنی تھی۔ تو انھوں نے دیکھا کہ وہ اپنے گھوڑے کو خالی برتن دکھا کر اپنے پاس بلا رہا ہے۔ محدث نے خیال کیا کہ جب یہ شخص جانور کو دھوکا دے سکتا ہے تو اس کی بیان کردہ روایت کیسے صحیح تسلیم کی جا سکتی ہے؟ بہت ممکن ہے وہ حدیث کے معاملہ میں بھی جھوٹ اور فریب سے کام لے۔ چنانچہ وہ اس سے روایت لیے بغیر واپس لوٹ جاتے ہیں۔

وہ فرد یا گروہ جو قرآن، حدیث، اسوۂ صحابہ، ائمہ فقہ اور دنیا بھر کے مشہور و مستند علمائے سلف و خلف کے متفقہ اور مسلمہ عقائد و تصورات کے خلاف متضاد عقائد گھڑے۔ جھوٹ بولے اور بکواس کرے۔ ظاہر ہے کہ ان کے مذکورہ اوہام اور تصورات پر خرافات کا اطلاق ہوگا اور وہ اس لائق ہوں گے کہ انھیں کوڑے کرکٹ کی طرح اٹھا کر باہر پھینک دیا جائے۔

٭ ٭ ٭

داعیِ حق کی اخلاقی تربیت کا معیار

سید اسعد گیلانی صاحب

ایک داعی جو حق کی طرف دعوت دے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی بندگی کی طرف ہی دعوت دیتا ہے، اس لیے کہ اس کائنات کی سب سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ اس کا ایک خالق، مالک، آقا اور پروردگار ہے اور وہی اس کا مستحق ہے کہ اس کی بندگی اور پرستش کی جائے، اور اس کی مخلوق کا اس کے ساتھ سب سے زیادہ سچا اور حقیقی تعلق بھی یہی ہے کہ وہ اپنے مالک اور خالق کی بندگی و عبادت کرے۔ اس بات کو خالق و مالک نے خود بیان کیا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ.	میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی بندگی اور عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

بالفاظِ دیگر یہ مخلوق کے بہت سے کاموں میں سے ایک کام نہیں ہے، بلکہ یہی ایک کام اس کی پیدائش کا حقیقی مقصد ہے، اور انسانی کارناموں میں سے اصل اور برحق کارنامہ اگر کوئی ہے تو یہ کہ دنیا کے لوگوں کو مالک کے آگے جھک جانے اور اس کی بندگی بجالانے کی دعوت دی جائے۔

بندگیِ رب کی دعوت دینے والا دنیا والوں میں سب سے زیادہ محترم، معزز اور مقدس گروہ انبیاء کا گروہ تھا جس کے افراد اپنے اپنے دور اور اپنی اپنی قوموں میں مسلسل اور پیہم آتے رہے، اور ایک ہی بات کی طرف سارے انسانوں کو بار بار دعوت دیتے رہے۔

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ.	برادرانِ قوم! اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔"

اس طرح انبیاء علیہم السلام، جو نوعِ انسانی کے سب سے زیادہ معزز، معتبر، محترم اور مقدس افراد تھے، ان کے کام کا مرکزی نقطہ ہمیشہ خدائے وحدہٗ لاشریک کی بندگی کی طرف بلاتا رہا ہے۔ اور یہی دعوت انبیاء کے ساتھی اور ان کے راستے پر چلنے والے تمام صالحین بھی اپنے اپنے وقت میں دیتے رہے ہیں۔ اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ خدا کی نظر میں انسانیت کی ہدایت، رہنمائی اور بھلائی کے لیے سب سے مقدم کام یہی ہے کہ اس کے بندوں کو اس کی بندگی کی طرف بلایا جائے۔ سائنٹفک دریافتیں، مشینوں کی ایجاد، انسانی سہولتوں میں اضافے کے کام، محتاج اور پریشان حال انسان کی مدد، تعلیمی اور رفاعی ادارے، امن و سلامتی اور لوگوں کی بہبود کے سارے کام، دعوتِ دین کے اس کام کے آگے ہیچ، پست اور دوسرے درجے کے کام ہیں۔ خدا کی نظر میں سب سے اعلیٰ وارفع اور دنیا و آخرت میں انسانیت کی بھلائی اور بہبود کا عظیم ترین کام خدا کی بندگی کی طرف خدا کے بندوں کو دعوت دینا ہے۔ اس لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ بہترین صلاحیت کے لوگ اس کام کا بیڑا اٹھا کر ہمہ تن اس میں لگ جائیں اور دین و دنیا کے مختلف کاموں میں مصروف لوگ خدا کے اس کام میں اپنا اپنا

حصہ ادا کریں اور اپنا فریضۂ بندگی بجا لائیں۔

لیکن جس طرح ہر کام کے لیے ایک خاص صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح اللہ کے بندوں تک اللہ کی بندگی کی دعوت پہنچانے کے لیے بھی ایک مخصوص صلاحیت اور تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ انبیاء کی تربیت تو اللہ تعالیٰ براہ راست خود کرتا رہا ہے۔ کبھی انفس و آفاق میں آیاتِ الٰہی دکھا کر، کبھی فرعون کے گھر میں پال کر اور پھر بکریاں چرا کر، کبھی کنویں اور جیل کے راستے سے تختِ شاہی تک پہنچا کر، اور کبھی غار و ہجرت کے مراحل طے کرا کے غلبۂ نظامِ اسلامی تک پہنچا کر۔ انبیاء کے بعد جس کسی کو بھی دعوتِ حق کا کام کرنا ہو اسے ایک خاص نوعیت کی صلاحیت پیدا کرنے کے لیے ایک مخصوص طرز کی تربیت علمی بھی ہوگی اور عملی بھی۔ اس کے بغیر دعوتِ دین کا کام احسن طریقہ سے سرانجام دینا ممکن نہیں ہے۔

داعیِ حق کی علمی تربیت

کوئی شخص جب تک یہی نہ جانتا ہو کہ حق کیا ہے، اس کا معیار کیا ہے، اس کی شناخت اور اس کی پہچان کیا ہے، اس کے خد و خال اور اس کا حدودِ اربعہ کیا ہے، وہ کس چیز سے منع کرتا ہے اور کون سے کام کرنے کا حکم دیتا ہے، اس وقت تک اس کے لیے نہ خود یہ یقین کرنا ممکن ہے کہ وہ حق پر ہے اور نہ دوسروں کو باور کرانا ممکن ہے کہ وہ حق ہی پیش کر رہا ہے۔ حق کے نام پر کوئی اور چیز پیش نہیں کر رہا ہے۔ اس لیے دعوتِ دین کے لیے حق جوئی، حق شناسی جیسی ساری صفات ضروری ہیں۔ اس کے بعد جو شخص دعوتِ دین کا کام کر چکا ہے اسے مندرجہ ذیل اقدامات لازماً کرنے ہوں گے۔

احساس و شعور کی بیداری

ایک داعیِ حق میں پہلے ہی قدم پر یہ احساس و شعور پیدا ہونا انتہائی ضروری ہے کہ وہ جس دین کی دعوت لے کر اٹھ رہا ہے، اس کی اپنی زندگی بھی اس سے مطابقت رکھتی ہے یا نہیں جہاں جہاں بھی وہ اپنا بے لاگ جائزہ لے کر کوتاہی محسوس کرے اسے دور کرنا چاہیے۔ یہ اس سے اس دین کا سب سے پہلا تقاضا ہے۔ اگر وہ دین کے اس مطالبے کو پورا کرنے سے عاری ہے تو جس جس پہلو سے اس کی دعوت کا مخاطب بھی اس کی دعوت کی طرف سے غیر متاثر بے نیاز اور بے پروا رہتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی ذات کو حق کی ترازو میں لے اور ہر کسر کو پورا کرنے کی اپنی سی کوشش کرے۔ اپنی طرف دیکھنا اپنی ذات پر خود گرفت کرنا اور اپنی ذات کو لا کر اپنے ضمیر کے سامنے کھڑا کرنا اور ضمیر کی کسوٹی پر پرکھنا دعوتِ حق کا نقطۂ آغاز ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص جہاد پر جانے سے پہلے اپنی ہمت و طاقت اور اپنے اسلحہ کی جانچ پڑتال کرے۔ غرض اس کام کے لیے ایک باشعور اور بیدار ضمیر کی پہچان یہ ہے کہ وہ اپنی نیکی پر خوش ہوتا اور اپنی بدی پر آزردہ اور نادم ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ کا اپنی بہن فاطمہؓ سے مار پیٹ کا واقعہ ان کے اندر احساس و شعور کی کروٹ کا واقعہ تھا۔ جب انھوں نے دیکھا کہ ان کی کمزور بہن جو کبھی ان کی کسی بات کے سامنے اف نہیں کرتی تھی ایک خالص دینی معاملہ میں ان کے سامنے ڈٹ گئی اور یہ تک کہہ گذری کہ "عمرؓ جو چاہے کر لو لیکن اب اسلام دل سے نہیں نکالا جا سکتا" تو ان کی بہن کا یہ پرعزیمت جملہ اور ناقابل شکست رویہ ان کے اندر احساس خیر کی بیداری کا باعث بن گیا۔ عمر بن خطابؓ کے اندر عمر فاروقؓ نے کروٹ لی اور انہوں نے محسوس کیا کہ کوئی خاص چیز ضرور ہے جس نے ان کی بہن کو اتنا قوی کر دیا ہے کہ وہ اب اپنے بھائی کی پروا کرنے سے بھی بے نیاز ہے۔ اپنی بہن کی یہی جرأت آمیز بات ان کے اندر قبولِ حق کے لیے چنگاری کا کام کر گئی۔ اس کے علاوہ اگر کوئی شخص حضورِ اکرم کے ارشاد کے مطابق اول پانچ نکاتی جائزہ کا اہتمام کرے کہ وہ اپنی عمرِ عزیز کس کام میں صرف کر رہا ہے اپنا علم کس مقصد کے لیے کام میں لا رہا ہے، اپنی آمدنی کہاں سے حاصل کر رہا ہے اور کس کس راستے میں صرف کر رہا ہے، اس کی جسمانی اور ذہنی توانائیاں کس کس جگہ

کام آرہی ہیں ، اور یہ کہ ان سب چیزوں میں ان کے خدا کا حصہ کتنا ہے تو یہ جائزہ ہی اس کے اندر اخلاص نیت ، خشیتِ الٰہی اور دین کے لیے کام کرنے کا عزم پیدا کردے گا اور وہ دین حق کے داعی و مبلغ کی حیثیت سے کام کرنے کی خوبی سے آراستہ ہو جائے گا۔

(۲) نیت کی درستی

شعور و احساس کی بیداری کے بعد دوسرا مسئلہ اللہ کے دین کے لیے کام کرنے کی نیت اور عزم کا ہے ۔ جب تک آدمی صدق دل سے نیت کرکے خدا کے کام کی طرف رجوع نہ کرے اس کے خیالات اور ارادے اور اس کی توانائیاں سمت منزل اور ہدف سے محروم رہتی ہیں ۔ اسلام میں نیت خیر کا مسئلہ عمل خیر سے پہلے بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے ۔ نیت کی خوبی عمل خیر کو تقویت پہنچاتی ہے ، اس میں خلوص اور بے لوثی پیدا کرتی ہے ۔ اس کے کام کو بہتر انجام تک پہنچاتی ہے اور انسان میں عزم ، حوصلہ اور صبر پیدا کرتی ہے ۔ نیت کے بغیر کوئی نیکی بھی پایۂ تکمیل کو نہیں پہونچ سکتی ۔ اس لیے ایک مومن کو یہ طے کرنا بہت ضروری ہے کہ وہ اپنے اللہ کی بندگی کی دعوت اللہ کے بندوں تک پہنچانا چاہتا ہے اور اس کے اللہ کا اس کے ذمہ یہ حق ہے جسے ادا کیے بغیر اس کا فریضۂ بندگی ادا نہیں ہوتا۔ یہ وہ اجتماعی کام ہے جسے سرانجام دیے بغیر نیکی میں بھی استحکام اور استقلال پیدا نہیں ہوتا ۔ ایک داعیِ حق میں یکسوئی کے ساتھ یہ جذبہ بھی شدید ہونا چاہیے کہ وہ اپنے مالک کے دین کی دعوت اس کے تمام بے خبر ، گم کردہ راہ بندوں تک پہنچائیگا اور اس میں اپنی بہترین صلاحیتیں اور قوتیں بہترین انداز میں کھپائے گا ۔ اس راستے میں آنے والی مشکلات سے ہرگز نہیں گھبرائے گا ۔ اس لیے کہ مشکلات تو حق کے راستے کا زادِ راہ ہیں مصائب اس راستے کا توشہ ہیں اور مخالفتیں اس راستے کا دستور ہیں ۔

غرض داعی حق کی پہچان یہی ہے کہ وہ حق و صداقت کا پیغام لے کر خدا کے بندوں کی طرف جاتا ہے اور اگر انکی طرف سے مزاحمت و مخالفت ، گالی گلوچ ، مار پیٹ اور تیر و تبر کی بارش ہو تو ان سب کو برداشت کرتا ہوا نتائج کو اپنے مالک کے حوالے کر دیتا ہے اور اس کام سے کسی رکاوٹ کے سبب بھی کبھی باز نہیں آتا ۔

(۳) علم حق و صداقت کا حصول

علم حق و صداقت دین اسلام ہے ، اور اس کے حصول کے دو سرچشمے ہیں :-

قرآن اور سنت ۔ انسانوں کے مالک کی مرضی قرآن سے معلوم ہوتی ہے اور اس مرضی کو پورا کرنے کا طریقہ قرآن کے لانے والے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے سمجھ میں آتا ہے ۔ ہمارا مالک ہم سے کیا چاہتا ہے اور کس طرح چاہتا ہے یہ بات ہمیں قرآن اور رسول پاک کی تعلیمات کو جانے بغیر معلوم نہیں ہو سکتی ۔ اس لیے ایک داعی حق کے لیے قرآن سے تعلق جوڑے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے ۔ یہ ایک ہی واحد کتاب صداقت و ہدایت ہے اور اب ساری ہدایت اسی کے اندر ہے اس سے باہر کوئی ہدایت و صداقت نہیں ہے ۔ جو شخص ہدایت کا متلاشی اور صداقت کی پیروی کرنا چاہتا ہے وہ اس کتاب سے استفادہ کیے بغیر راہ حق نہیں پا سکتا ۔ زمین پر خدائے بزرگ و برتر کی تو یہ ایک ہی آواز ہے جس کی پکار پر قدم بڑھائے بغیر انسان فلاح کا راستہ نہیں پا سکتا ۔ اس لیے قرآن کا پڑھنا اس کے مضامین کو سمجھنا اور اس کی ہدایات کو زیادہ علم رکھنے والوں کی مدد سے اپنے اندر جذب کرنا ، اسے حفظ کرنا ، اسے اپنے سینے میں محفوظ کرنا اور اس کے سانچے میں ڈھل جانے کی کوشش کرنا نہایت ضروری ہے ۔ پھر اس قرآن کو لانے والے پاک اور معصوم انسان کے نقوش قدم پر چلنے کی سعی کرنا ہے ۔ اس لیے کہ وہی خدا کے مطلوبہ معیار کے کامل نمونے اور مکمل انسان ہیں اور جو شخص بھی خدا کی مرضی کو انسانی کردار میں منعکس دیکھنا چاہتا ہو وہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار اور اخلاق ہی میں دیکھ سکتا ہے اور جس کسی کو حق بولتے ہوئے اپنے کانوں سے سننا ہو وہ حضور اکرم کے ارشادات کو سن سکتا ہے غرض حق و صداقت کا سرچشمہ قرآن و سنت ہی ہیں ۔

۴۔ مطالعۂ سیرِ صحابہؓ و صالحین

خدا کے احکام اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل نمونے کو انسان جس بہترین انسانی سانچے میں ڈھلا ہوا دیکھ سکتا ہے وہ صحابۂ کرام اور سلف صالحین ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے کردار ہمارے لیے نمونہ ہیں، جنھوں نے اپنی زندگیاں دعوتِ دین اور اشاعتِ حق کے لیے صرف کر دیں۔ جو صداقت کے پیکر، ہدایت یافتہ اور نیکی کے علمبردار تھے جن کے کردار سے معروف نمایاں ہوتا اور منکر دبتا ہے۔ جن کے خصائل کے آئینے میں ہمیں معروف کے اہتمام اور منکر سے اجتناب کی بہترین مثالیں ملتی ہیں۔ جو حق کے لیے جہاد کرنے والے، حق کے لیے گھر بار چھوڑنے والے، حق کے لیے زندگیاں کھپانے والے اور حق کے لیے جہاد کرنے والے، حق کے لیے زندگیوں کی ساری مادی متاع لٹا دینے والے تھے، جن کے عمل سے ہمیں بھلائی کے راستے پر چلنے کے لیے رہنمائی ملتی ہے اور جن کے کام سے ہمیں اپنے کام میں مدد ملتی ہے۔ جنھوں نے حق ہم تک پہنچایا تو وہ ہم تک پہنچا اور جنھوں نے معروف و منکر کے فرق کو اپنے کردار سے عیاں کیا تو وہ ہم پر عیاں ہوا۔ ان کی ذاتِ گرامی، خشیتِ الٰہی، معاملات کی خوبی، عبادات کا انہماک، کردار کی بلندی، اللہ اور رسولؐ سے وفاداری اور دین کے لیے قربانی و ایثار سے ہمارے سامنے درخشاں مثالیں قائم ہوتی ہیں اور جن کے نقشِ قدم پر چل کر ہم ہدایت پاتے ہیں ایک داعیٔ حق کے لیے ان کی زندگیوں کا مطالعہ کرنا اور ان کی زندگیوں کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنانا بے حد ضروری ہے۔

۵۔ تعلق باللہ

ایک داعیٔ حق کے لیے سب سے مضبوط لنگر اپنے مالک کے ساتھ اس کا گہرا، جاندار، پائیدار اور مضبوط تعلق ہے۔ اس کا یہ احساس کہ وہ جس کا کام کر رہا ہے وہ اس کو دیکھ رہا ہے، اس کے فرشتے اس کی مدد کر رہے ہیں، اس پشت پناہی اسے حاصل ہے، وہ زندہ پائندہ، حی و قیوم، قادرِ مطلق اور مختارِ کل ہستی کا دامن تھامے اور اس سے وابستہ ہے، وہ ہستی قدم قدم پر اس کی دستگیری کرتی ہے۔ وہ فرد فرد کے دل میں اس پذیرائی کا جذبہ پیدا کرتی ہے وہ کھلے اور چھپے اندھیرے اور اجالے میں اس کی نگراں، محافظ اور پشت پناہ ہے، اس کے دل کے اضطراب کو بھی جانتا ہے، وہ ہستی اس کے ساتھ ہے جس پر ایمان لانا ہر ایمان سے مقدم ہے جس سے خوف کھانا ہر خوف سے مقدم ہے۔ جس کی رضا چاہنا دوسرے ہر کسی کی رضا سے مقدم ہے، جس کی عبادت میں انہماک دوسرے ہر انہماک سے مقدم ہے۔ جس سے گہرا تعلق ہر دوسرے تعلق سے مقدم ہے، وہی ہر دعوت کا مرکز، ہر جدوجہد کا محور اور ہر ایثار و قربانی کا مقصود ہے۔ اس کی رضا کا حصول ہمارا سرمایۂ زندگی ہے اور اس کی رضا کے لیے ہمارا سب کچھ حاضر اور قربان ہے۔

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي
لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۔

غرض داعیٔ حق میں یہ توانائی ہونی چاہیے کہ وہ اللہ کے لیے ہر محبت قربان کر سکے اور اس کی خاطر ہر غصہ برداشت کر سکے اس کے لیے ہر نقصان گوارا کرے اور اس کی خاطر ہر نفع ترک کر دے۔ جو اس کے دشمن ہیں وہ ان کا دشمن ہو جائے اور جو اس کے دوست ہیں وہ ان کا خادم بن جائے۔ اس طرح مالک کی صفات کے ایک ایک پہلو پر غور و فکر کر کے اس سے محبت بھی کرے اور اس سے خوف بھی کھائے۔ اس کے احکام کی خلاف ورزی کے مقابلے میں آگ میں گر جانا اسے قبول ہو اور اس کا ذکر اسے ہر ذکر سے محبوب ہو۔ اس کی بندگی کے لیے وہ نماز پڑھے اس کو خوش رکھنے کے لیے وہ روزہ رکھے اور اس کی رضا کے لیے وہ اس کی راہ میں خرچ کرے۔ بس اپنے مالک کے ساتھ جب اس کا تعلق درست ہو جائے تو پھر داعیٔ حق کے روحانی کردار کی بنیاد مضبوط ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے ضروری تقاضے پورے ہو جاتے ہیں۔

۶۔ محبتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)

اللہ کے بعد دوسری ہستی جس سے ایک داعیٔ حق کے لیے بے پناہ محبت جزو ایمان ہے۔ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

ذاتِ اقدس ہے جنھوں نے انسانیت کو دوزخ کے گڑھے سے بچا کر جنت کے راستے پر ڈالا۔ جنھوں نے انسانوں کو تباہی سے ہٹا کر سلامتی کی طرف رہنمائی کی جنھوں نے مصائب اٹھا کر ہمارے لیے ایمان و اسلام اور رضائے الٰہی کے حصول کے مواقع پیدا کیے۔ جنھوں نے ہجرت اختیار کر کے ہمارے لیے کفر سے ایمان کی طرف آنے کا راستہ ہموار کیا۔ جنھوں نے کفر سے ٹکرا کر حق و باطل کا امتیاز نمایاں کیا۔ جو انسانیت کا قافلہ سالار اور رحمۃ للعالمین ہیں۔ جو قیامت تک کے لیے قافلۂ انسانیت کے مستقل رہنما اور قائد برحق ہیں۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو تہذیب کا درس دیا۔ اس کو وحشت و درندگی سے شرافت و مدنیت کا سبق دیا۔ جہالت کے اندھیرے سے علم کی روشنی کی طرف رہنمائی کی۔ جنھوں نے ہمیں بہترین قانون عدل عطا فرمایا۔ انسانی مساوات دی۔ آقا و غلام کا فرق مٹایا۔ عورت کو بلند درجہ دیکر اسے مرد کا ساتھی اور رفیق بنایا اور ماں کے پاؤں کے نیچے جنت کا نشان بنایا۔ جنھوں نے چھوٹوں کو بڑوں کا ادب سکھایا اور بڑوں کو چھوٹوں پر مہربانی اور شفقت کی تعلیم دی جن سے بڑھ کر رحیم و کریم انسان نہ ان سے پہلے دنیا میں آیا اور نہ ان کے بعد آئے گا۔ جو سراپا رحمت، سراپا محبت و شفقت اور مظلوموں یتیموں مسکینوں اور پسماندہ انسانیت کے محافظ و سرپرست تھے۔ ہمارا انسے محبت کرنا صرف اعترافِ احسان ہی نہیں بلکہ جزو ایمان بھی ہے اور جس دل میں ان کی محبت نہیں ہے اس میں ایمان کی رمق بھی موجود نہیں ہے۔ ایک داعی حق کے لیے ان کی محبت مشعلِ راہ اور ان کی پیروی عزیمت و استقامت کا معیار ہے۔ یہی بات تھی جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضہ سے فرمایا تھا کہ اے عمر رضہ جب تک میں تمہارے لیے تمہاری اپنی جان سے عزیز نہ ہو جاؤں تمہارا ایمان مکمل نہیں ہو سکتا۔

۷۔ فکر آخرت

خدا اور رسول ص کی محبت کے ساتھ ہی فکر آخرت بھی مومن کا جزو ایمان ہے۔ آخرت کو ترجیح دینا اور دنیا کے مقابلے میں آخرت کو سنوارنے کی کوشش کرنا داعی حق کا فرض اولین ہے۔ وہ دنیا میں مگن لوگوں کو آخرت کی یاد دلاتا ہے۔ قرآن بتاتا ہے کہ حقیقی اور کامل زندگی آخرت کی ہے۔ دنیا اسکے مقابلے میں یوں ہے جیسے سمندر کے مقابلے میں شبنم ہوتی ہے دنیا تو اچھے اور برے دونوں قسم کے لوگوں کی مخلوط آبادی ہے۔ لیکن آخرت میں جاکر دونوں کی آبادیاں الگ الگ ہو جانے والی ہیں۔ بروں کے لیے دوزخ کی آبادی ہوگی اور اور وہ بڑی ہی ہولناک آبادی ہے۔ اور اچھوں کے لیے جنت ہوگی اور وہ بڑی ہی خوشگوار اور دلخوش کن آبادی ہے آخرت میں جاکر دنیا کی ساری آبادی ان دونوں آبادیوں میں تقسیم ہو جائے گی اور تقسیم آبادی کا اصول دنیا کی زندگی کا عمل ہوگا۔ کسی شخص نے دنیا میں کس طرح زندگی گزاری؛ خدا کا وفادار بندہ بن کر یا باغی اور سرکش انسان بن کر؟ اس کی زندگی اطاعت کی زندگی تھی یا بغاوت کی زندگی؟ یہی وہ فیصلہ کن سوال ہے جس پر آخرت کی کامیابی و ناکامی کا مدار ہے۔ دنیا میں اسی بات کا امتحان ہے کہ ایک شخص اپنے حقیقی مالک کو پہچانتا اور اس کی اطاعت کرتا ہے یا نہیں کرتا۔ یہ کام دنیا ہی میں ممکن ہے یہاں مالک حقیقی کی ذات آیات و علامات کے پردے میں پنہاں ہے اور اس کی طرف چلنے میں مصائب بھی آتے ہیں اور اس کی طرف جانے میں شیطان کے خوشنما جال بھی رکاوٹ بنتے ہیں۔ آخرت کا احساس تو صرف ضمیر کرتا ہے اور دنیا کی شیرینیوں کا احساس انسان کا ظاہری رونگٹا رونگٹا کرتا ہے۔ یوں انسان کو امتحان میں ڈالا گیا ہے اور ایک داعی حق کا کام یہ ہے کہ وہ حقیقت کو پہچانے اور راہ راست پر خود بھی چلے اور دوسروں کو بھی اس راستے پر چلنے کی دعوت دے۔

آخرت کے احساس کی پرورش کے مختلف اور متعدد ذرائع ہیں جن میں سب سے اہم ذریعہ قرآن مجید کی آیات انذار مناظر قیامت کا مطالعہ ہے۔ پھر احادیث میں کتاب الرقاق اور کتاب الفتن کا مطالعہ ہے۔ پھر بزرگوں کے

احساس آخرت کو بیدار کرنے والے واقعات و احوال ہیں ۔
پھر گاہے بگاہے گورِ غریباں میں جاکر آخرت کے سفر کی آخری نشانات قبروں کے درمیان کچھ وقت گزارتا ہے پھر کبھی کبھی ہسپتال میں جاکر بیماروں سے ملاقاتیں اور ان کے حالات سے آگاہی ہے ۔ اسی طرح ایک داعی حق آخرت کی فکر رکھنے والوں کے درمیان رہ کر فکر آخرت کا احساس زیادہ سے زیادہ پیدا کر سکتا ہے ۔

داعی حق کے کردار کا ایک قرآنی خاکہ

ہر مومن بنیادی طور پر تین شخصیتوں کا مجموعہ ہوتا ہے ۔ وہ مسلم ہوتا ہے کہ زندگی کے سارے ہی معاملات میں اللہ اور اس کے رسولؐ کا مطیع فرمان بن کر رہتا ہے ۔ وہ مبلغ ہوتا ہے کہ دین حق کو بخیل کی طرح چھپا کر نہیں رکھتا بلکہ ساری انسانیت کے سامنے اس راہ ہدایت کو احسن طریقے پر پیش کرتا ہے ۔ وہ سپاہی اور مجاہد ہوتا ہے اور ہر کام کو مستعدی اور چستی اور لگن سے کرتا ہے اور کسی کام میں کبھی تساہل نہیں کرتا ۔ اس لیے کہ اس کا تبلیغ دین کا عمل ایک مسلسل اور پیہم جہاد اکبر ہے ۔ حضورؐ نے غزوہ تبوک سے واپسی پر مدینہ کی طرف سفر کرتے ہوئے صحابہ کرامؓ سے فرمایا تھا کہ ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹتے ہیں ۔ اس لیے کہ نفس کو اللہ کا مطیع فرمان بنا کر رکھنا اور اسے اللہ کی رضا کا تابع کرنا بہت بڑا جہاد ہے اور جہاد ہی مومن کی ساری زندگی کا شعار ہے ۔

چنانچہ ایک مسلم مبلغ اور مجاہد یعنی داعی حق کی انفرادی زندگی کا جو نقشہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جا بجا پیش کیا ہے چند مقامات سے اس کی ایک ہلکی سی جھلک پیش خدمت کی جاتی ہے ۔ سورۃ الفرقان میں مالک الملک نے اپنے خاص بندوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ رحمان کے اصلی بندے تو وہ ہیں جو :-

یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا (وہ زمین پر نرم چال چلتے ہیں ۔

اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (جاہل ان کے منہ آئیں تو سلام کہہ کر گزر جاتے ہیں ۔

یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا (اپنے رب کے لیے سجدے اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں ۔

اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَكَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا (خرچ میں نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں ۔ بس دونوں کے درمیان اعتدال رکھتے ہیں ۔

لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ (خدا کے سوا کسی اور کو معبود بنا کر نہیں پکارتے ۔

لَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۔
(کسی جان کو ناحق قتل نہیں کرتے ۔

لَا یَزْنُوْنَ ۔ (زنا نہیں کرتے)

لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ (جھوٹ کے گواہ نہیں بنتے)

اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا (لغو چیز پر گذر ہو تو شریفانہ گذر جاتے ہیں)

پھر سورۂ مومنون میں ان کی علامات یہ بتائیں :-

هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ (اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں)

هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ (زکوٰۃ پر عامل ہوتے ہیں)

هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ (اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں)

هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ (اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کا پاس کرتے ہیں)

پھر سورۂ لقمان میں بتایا :-

لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ (لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کر ۔

لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا (زمین میں اکڑ کر نہ چل
وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۔
(اپنی چال معتدل رکھو اور اپنی آواز پست رکھو ۔

پھر سورۂ توبہ میں مزید خد و خال نمایاں کیے :-

اَلتَّآئِبُوْنَ (توبہ کرنے والے ۔

اَلْعٰبِدُوْنَ (عبادت کرنے والے)
اَلْحٰمِدُوْنَ (خدا کی حمد کرنے والے)
اَلسَّآئِحُوْنَ (خدا کی راہ میں سفر کرنے والے)
اَلرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ (رکوع و سجود کرنے والے)
اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
(نیکی کا حکم دینے والے اور بدی سے روکنے والے)
اَلْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ (حدود الٰہی کی حفاظت کرنے والے)

غرض اس طرح قرآن و حدیث کے صفحات میں جابجا داعیٔ حق مومن کے کردار کی حسین و جمیل جھلکیاں بکھری ہوئی ہیں جنھیں آسانی سے چن چن کر داعیٔ دعوت حق کے خوشنما کردار کا ایک عمدہ گلدستہ تیار کیا جا سکتا ہے

داعیٔ حق کی عملی تربیت

ایک داعیٔ حق صرف الفاظ کے طوطا مینا بنانے کے لیے نہیں اٹھتا بلکہ وہ انسانی زندگیوں میں خوشگوار اصلاحی انقلاب برپا کرنے کے لیے جد و جہد کرتا ہے۔ اس لیے اس کا حقیقی میدان، عمل کا میدان ہے۔ وہ انسانی زندگیوں کی کھیتی میں اپنی اصلاح کا بیج بوتا ہے اور خوشگوار اخلاق و کردار کی فصل اگاتا ہے۔ اس کے ذریعے انسانیت عملی طور پر فلاح کا راستہ اختیار کرتی ہے۔ وہ کوئی راہب نہیں ہوتا کہ خاموشی سے گوشہ نشینی کا راستہ اختیار کرے وہ کوئی جوگی نہیں ہوتا کہ کسی پہاڑ کی کھوہ میں بیٹھ کر شانتی کو تلاش کرتا رہے۔ وہ کوئی تارک الدنیا فقیر و درویش نہیں ہوتا کہ جس دنیا میں اس کے خدا نے اسے امتحان کی خاطر اتارا ہے اس امتحان گاہ سے خاموشی کے ساتھ کھسک کر ایک کونے میں جا لگے اور وہاں ساری زندگی گزار دے۔ وہ تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مخاطب ہوتا ہے کہ:۔

"تم میں جو کوئی بدی دیکھے تو لازم ہے کہ اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے، اور اگر اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو زبان سے ہی سہی، اگر اس کی بھی استطاعت نہ رکھتا ہو تو کم از کم دل میں اس کو برا سمجھے اور اسکو مٹانے کی خواہش رکھے کیونکہ یہ ایمان کا کم از کم درجہ ہے جس دل میں بدی کے خلاف یہ نفرت بھی نہ ہو اس میں رائی کے برابر بھی ایمان نہیں"۔

اس لیے قرآن نے صاف صاف حکم دیا ہے کہ:۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ	"تم میں سے ایک ایسی جماعت تو
يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ	ضرور رہنی چاہیے جو نیکی کی طرف
وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ	بلاتی ہو۔ اچھے کام کا حکم دیتی ہو
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ	اور برے کام سے روکتی ہو اور
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (آل عمران)	فلاح پانے والے یہی لوگ ہیں۔

یہ ہدایات ایک داعیٔ حق کو واضح طور پر میدانِ عمل میں کام کرنے کا حکم دیتی ہیں۔

۱۔ اصلاحِ خلق کی عملی جد و جہد

ایک داعیٔ حق کی تربیت کا پہلا عملی ذریعہ یہ ہے کہ وہ اس کام کو سرانجام دے جس کو وہ حق سمجھتا ہے۔ درحقیقت وہ اس وقت تک اپنی دعوت کے فطری نتائج سے دوچار نہیں ہوتا جب تک وہ میدان میں آکر بندگانِ خدا کے سامنے عملی طور پر دعوت حق پیش نہ کرے۔ اس اقدام کے ساتھ ہی اس سے تعاون کرنے والے دوستی کے ہاتھ بھی ہوں گے جو اس کے رفیق ہوں گے اور مزاحمت کرنے والے ظالم ہاتھوں سے بھی واسطہ پڑے گا جو اس کا راستہ روکیں گے۔ یوں عملی جد و جہد کے ساتھ ہی اسے رفاقت کے لطف اور مزاحمت کی اذیت سے دوچار ہونا پڑے گا اور یہی دونوں احوال اس کی تربیت کے لیے کافی ہوں گے۔ دوستوں سے مل کر وہ کام کا نقشہ بنا سکے گا اور مخالفوں کی مزاحمتوں کے توڑ کی تدبیر سوچے گا اور ان کے مظالم پر صبر کی مشق کرے گا۔ اس طرح اس کے اندر عزم و ارادہ پرورش پائے گا اور آزمائش کی بھٹی سے گذر کر وہ سونا ہو جائے گا۔

اس جد و جہد میں اس کے قریبی عزیز اور ہمدرد بھی اس کا راستہ روکیں گے تاکہ وہ اپنے دنیوی مستقبل کو خراب نہ کرے اور اس کے مخالف بھی اس کا راستہ روکیں گے تاکہ وہ اپنے عزائم میں کامیاب نہ ہو۔ یہ صورت حال اس کی تربیت کے لیے ماحول کا ایک عمدہ

تربیتی سانچہ فراہم کر دے گی جس میں ڈھل کر وہ ایک کامیاب داعیِ حق بن جائے گا۔

۲۔ صحبتِ صالح

داعیِ حق کی تربیت کا دوسرا اصلی ذریعہ صحبتِ صالح ہے۔ اسے بُرے لوگوں کی صحبت و رفاقت اور محبت و الفت سے دستکش ہو کر اچھے خدا ترس اور نیک لوگوں کی صحبت و ہم نشینی اختیار کر لینی چاہیے تاکہ اس پر باطل کی ہم نشینی کے ناگوار اثرات نہ پڑیں اور اس کو باطل باتوں اور لغو حرکات کو برداشت کرنے کی عادت نہ پڑ جائے اور اس میں مداہنت پرورش نہ پائے۔ وہ ہم خیال اور نیک لوگوں کی مجلس سے خود بھی مستفید ہوگا اور ان کو بھی حق کی پشت پناہی پر آمادہ کر سکے گا۔ اگر ایک نمازی آدمی بے نماز لوگوں کی مستقل رفاقت اختیار کرے تو وہ ضرور ہی آہستہ آہستہ نمازوں میں کوتاہی کا شکار ہوتا چلا جائے گا اور اس کے ہم نشین اس کے لیے نماز قائم کرنے میں مددگار ہونے کے بجائے کوتاہی کرنے کا باعث بنتے چلے جائیں گے۔ اس لیے ایک داعیِ حق کی اخلاقی تربیت کا ذریعہ نیک لوگوں کی مجلس و رفاقت ہے نہ کہ بُروں کی ہم نشینی اور جب نیکی ایک جماعت کی صورت اختیار کر کے کام کرتی ہے، اس صورت میں وہ زیادہ مؤثر اور نتیجہ خیز ہوتی ہے۔ ویسے بھی اسلام نے مسلمان کو نیکی کا حکم دینے والوں کی ایک جماعت بن کر کام کرنے کا حکم دیا ہے۔ جس طرح کوئلوں کے پاس بیٹھنے والا سیاہی سے نہیں بچ سکتا اور پھولوں کے درمیان بیٹھنے والا ان کی خوشبو اپنے لباس میں سمیٹ لیتا ہے، اسی طرح انسان پر صحبت نیک و بد کا اثر ہوتا ہے۔ نیک لوگوں کے اجتماعات میں شرکت نیکی کرنے کا ذریعہ اور نیکی کی دعوت پھیلانے کا باعث بن جاتی ہے اس کے علاوہ نیک لوگ باہم ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں۔ اس طرح اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ باہمی اصلاح کا عمل بھی جاری رہتا ہے اور اگر کوئی ان میں سے گرتا نظر آتا ہے تو دوسرا اسے سنبھالتا ہے ایک کے پائے استقامت میں اگر لغزش آتی ہے تو دوسرا آگے بڑھ کر اسے تھام لیتا ہے۔ ایک کے دامن کا دھبہ دوسرا صاف کر دیتا ہے اور اگر دوسرے کا دامن آلودہ ہو رہا ہو تو وہ اسے پاک کر دیتا ہے۔ ایک کی فلاح دوسرے کی رہنمائی کا باعث بنتی ہے، اور ایک اگر اپنی عاقبت سنوارنے کا اہتمام کرتا ہے تو دوسرا اس کی مدد کرتا ہے۔ اور اگر ایک کی کوئی بات دل کو کھٹکتی ہے تو دوسرا حسن و خوبی کے ساتھ اس کی توجہ دلا دیتا ہے۔ اس طرح آہستہ آہستہ پورا اجتماع باہمی خیر و خوبی کا تبادلہ کر کے حسن و خوبی کا مرقع بن جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر ایک داعیِ حق کسی صحابی یا بزرگ کو اپنا آئیڈیل بنا کر اس کی خوبیوں کو اپنے اندر پیدا کرنے کا اہتمام کرے تو اس سے بھی تربیت اور کردار کی اصلاح میں بڑی مدد ملتی ہے۔

۳۔ اپنے سے بہتر لوگوں پر نظر

تربیت و اصلاحِ کردار کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اپنے احباب و رفقاء میں جو شخص اخلاق و کردار اور دینداری اور تقویٰ میں اپنے سے بہتر ہو اس پر نظر رکھی جائے اور اس کی خوبیاں اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کی جائے۔ ایک داعیِ حق کو یہی حکم دیا گیا ہے کہ وہ دنیوی امور میں اپنے سے کمتر کی طرف دیکھے تاکہ ان نعمتوں اور بھلائیوں پر اللہ کا شکر ادا کر سکے جو اس نے دوسروں سے زیادہ اسے عطا کی ہیں اور دینی امور میں اپنے سے بہتر کی طرف دیکھے تاکہ اپنی کوتاہیوں کا احساس کرے اور اپنے اخلاق و کردار کا اس سے موازنہ کر کے نیکی کے راستے میں آگے بڑھ سکے۔ دوسروں کی خوبیوں کو اپنائے اور اپنے آپ کو سنوارنے کی تگ و دو کرے۔ اگر انسان غور سے دیکھے تو صاف دکھائی دے گا کہ اس کے چاروں طرف اس کے مختلف ساتھیوں میں اخلاق و کردار کے عمدہ عمدہ پھول کھلے ہوئے ہیں۔ کسی میں خدا ترسی ہے، کسی میں خوش خلقی ہے کسی میں خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے اور انفاق فی سبیل اللہ کرنے کا جذبہ ہے، کسی میں عبادت کا شغف ہے۔ کوئی ذکر و اذکار میں منہمک ہے، کوئی خلقِ خدا کی ہمدردی، خیر خواہی اور خدمتِ خلق میں آگے ہے۔ کوئی شفقت، نرم دلی، خوش خلقی اور خوش مزاجی میں منفرد ہے۔ کوئی راتوں کا تہجد گذار ہے اور کوئی دن کا مجاہد فی سبیل اللہ اور دعوتِ حق کی راہ میں

سرگرم و سبک رفتار رہے۔ ایک داعی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے آس پاس بکھری ہوئی ان خوبیوں کو سمیٹ سمیٹ کر اپنے کردار میں جمع کرتا جائے تاکہ وہ خود بھی ان ساری خوبیوں کا دل آویز گلدستہ بن جائے۔

(۴) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام

داعی حق کی تربیت کا یہ بھی ایک ذریعہ ہے کہ وہ خلق خدا کے اندر بالفعل نیکی کا حکم دے اور بدی سے روکے اور اس کام میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اور کسی خوف دلانے والے کے خوف سے نہ دبے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے؛ تم پر لازم ہے کہ نیکی کا حکم دو۔ بدی سے روکو اور بدکار کا ہاتھ پکڑ لو اور اسے حق کی طرف موڑ دو۔ ورنہ اللہ تمہارے دل کی برائیاں ایک دوسرے پر مسلط کر دے گا، یا تم پر اسی طرح لعنت کرے گا جس طرح اس نے بنی اسرائیل پر کی" (ترمذی)

اس سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ مسلمانوں میں خیر کی شمع کو روشن رکھنے اور شر کی ظلمت کو دفع کرنے کا اہتمام جاری رہنا اشد ضروری ہے۔ اگر یہ کام نہ کیا جائے تو پھر ایسے لوگوں کا اللہ کے عذاب سے بچ نکلنا سخت مشکل ہے۔

۵. معاشرہ۔ تربیت و اصلاح کا سانچہ

جب کوئی شخص دعوت حق لے کر اٹھتا ہے تو صرف یہی نہیں ہوتا کہ [illegible] ساتھ ہی معاشرے کی اصلاح کرتا ہے، بلکہ خود معاشرہ بھی اس کے اندر معمولی سے معمولی کمزوری اور لغزش کی نشاندہی کر کے اسے ٹھیک ٹھیک اصلاح و درستی کے معیار مطلوب پر قائم ہونے اور قائم رہنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ ایک داعی حق اس بات کی طرف معاشرے کو لانے میں کامیاب نہیں ہو سکتا جس بات کا وہ خود اہتمام نہ کرتا ہو اور اس خرابی سے کسی دوسرے کو بچا نہیں سکتا جس خرابی سے وہ خود بچنے کا اہتمام نہ کر رہا ہو۔ اسی طرح جوں ہی وہ اپنی دعوت لے کر اٹھتا ہے ہر طرف سے لوگوں کی نگاہیں اس کے ایک ایک کام اور اس کی ایک ایک حرکت پر لگ جاتی ہیں اور اگر اس میں ذرا بھی ٹیڑھ ہو تو اسے نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی داعی کے لیے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ وہ بہت سی خرابیاں اپنے اندر رکھ کر معاشرے کی اصلاح کے لیے نکل کھڑا ہو۔ معاشرہ اس کے قول و فعل کو یکسو کر کے چھوڑتا ہے۔ یا تو اسے اپنے قول کے مطابق خود ہی ڈھلنا پڑتا ہے یا پھر اسے اپنے قول سے ہی باز آجانا پڑتا ہے۔ اس لیے انسانی معاشرہ دعوت حق پیش کرنے والے کے لیے خود بھی ایک محتسب بن کر خود بھی اس کی درستی اور راستی کا ضامن بن جاتا ہے۔ کبھی معاشرے کی تنقید سے اور کبھی اسکی مزاحمت اور آزمائش سے داعی حق اپنے کردار کی ہر کجی کو دور کر دیتا ہے۔ اور بالآخر وہ اپنی دعوت کے لیے مخلص اور بے لوث ہو کر رہتا ہے۔ اس طرح داعی حق کے لیے معاشرہ ایک تربیتی ماحول اور اصلاح کا سانچہ فراہم کر دیتا ہے۔

۶. نظام حق کے غلبہ کی جدوجہد

تمام ذرائع تربیت میں داعی حق کی اخلاقی تربیت کا سب سے بڑا ذریعہ یہ ہے کہ وہ اس نظام حق کے غلبے کے لیے عملی طور پر جدوجہد کا آغاز کرے جس کی حقانیت کی گواہی وہ اپنے قول و فعل سے دیتا ہے حقیقت یہ ہے کہ حق کے علمبرداروں کی اخلاقی تربیت کے بھی مختلف مدارج ہیں۔ جس طرح حدیث کی رو سے ایمان کے مختلف درجے ہیں۔ اگر منکر کو قوت سے روکنا ایمان کا پہلا درجہ ہے تو منکر کو روکنے والی قوت کی فراہمی یعنی اقامت دین کی جدوجہد بھی ایک داعی حق کا پہلا اور مقدم فرض ہے جس سے پہلو تہی کر کے اس کے دوسرے اعمال کی قدر و قیمت گھٹ جاتی ہے۔ جب یہ نہیں ہے کہ خدا کا کلمہ بلند کرنا ہے اور جب تک پیش نظر یہ منزل نہ ہو کہ دین حق کو ساری دنیا میں غالب کرنا ہے اس وقت تک ایک داعی حق کی سیرت کا پورا پورا ظہور نہیں ہوتا اور اس کے سارے گوشے نکھر کر سیرت کی تکمیل نہیں ہوتی۔

بلاشبہ یہ ضروری ہے کہ ایک داعی حق میں ایمان کے سارے پہلو اور سارے مدارج موجود ہوں اور وہ اس کا اہتمام کرے جس طرح خدا پر ایمان، رسولوں پر ایمان، آخرت پر ایمان، اور ایمان کے دیگر تمام گوشوں کا ہمہ پہلو عمل کے بغیر ایمان کے حقیقی تقاضے

پورے نہیں ہوتے۔ اسی طرح زبانی ایمان کا اعتراف ہی کافی نہیں بلکہ اپنے آپ کو پورے طور پر اللہ و رسولؐ کا مطیع زمان بنا دینا اور ان کے احکام پر سر جھکا دینا، بلا چون و چرا چل پڑنا بھی اتنا ہی ضروری ہے ورنہ ایمان بلا عمل تو نفاق کا مظہر بن جاتا ہے۔ ایمان کے تقاضوں کے مطابق عمل کا نام ہی حقیقی اسلام ہے۔ یعنی عملی اطاعت کا زندگی کے ہر گوشے میں مظاہرہ کرنا ہی سچا اسلام ہے۔ پھر یہ مظاہرۂ اطاعت بھی ایسا ہو کہ جس میں احساس و شعور و ضابطہ و تقاضائے حکم کا پورا پورا التزام اہتمام موجود ہو۔ جس میں خدا کا صاف صاف جھلکتا ہوا دکھائی دے۔ جس میں رسول اکرمؐ کی محبت نمایاں طور پر موجود ہو۔ جس میں مومن اپنے پورے احساس ذمہ داری سے دین حق کی پیروی کا اہتمام کرے، اور پورے طور پر تابع فرمانِ الٰہی ہو جائے۔ جو حکم وہاں سے ملے اس پر چل پڑے جس چیز سے روک دیا جائے اس سے رک جائے۔ اور اس میں اس کی اپنی خواہش اور مرضی کا دخل نہ رہے بلکہ وہ پورے طور پر خدا اور رسولؐ کی مرضی کا تابع ہو جائے۔

پھر اتنا ہی کافی نہیں ہے کہ وہ ضابطہ کے مطابق مرضی الٰہی کا تابع ہو جائے۔ بلکہ اس میں اپنے مالک کے احکام اور اپنے آقا کے ارشادات کے ساتھ ایسا والہانہ لگاؤ پیدا ہو جائے کہ ان کے خلاف وہ کوئی دوسرا راستہ سوچ بھی نہ سکے۔ اس میں احکام الٰہی پر چلنے کے لیے والہانہ پن پیدا ہو جائے۔ جب تک اس کے مالک کا کلمہ بلند نہ ہو اس کے دل میں ایک بےچینی اور اس کے دماغ میں ایک مستقل اضطراب موجود رہے وہ خدا کے دشمنوں کے خلاف مسلسل اور پیہم تبلیغ و تلقین سے لیکر جان و مال کی قربانی تک ہمہ تن جد و جہد میں مشغول رہے جب یہ کیفیت پیدا ہو جائے تو پھر اس میں داعی حق کی وہ صفات نمودار ہوتی ہیں جو اس راستے میں مطلوب ہیں۔ پھر وہ کسی کے ابھارنے اور اکسانے کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ خود کار مشین کی طرح اپنے مالک کے راستے پر آگے ہی آگے بڑھتا چلا جاتا ہے اور اس [illegible] اللہ کی آیات میں سے ایک آیت بن جاتا ہے۔

کیا خوب کہا تھا ایک بزرگ نے کہ [illegible]

"جب میں اپنے مالک کی اطاعت سے ذرا بھی انحراف کرتا ہوں تو اس کا اثر اپنے بیٹے کی گستاخی، اپنی بیوی کی غفلت اور اپنی سواری کی سرکشی میں صاف دیکھ لیتا ہوں۔"

بلاشبہ تبلیغ دین ایک انسان سازی کا پرحکمت کام ہے اور اس میں کچھ ہر طریقے سے کام نہیں کیا جا سکتا۔ جو لوگ انسانی نفسیات کا لحاظ کیے بغیر صرف جبر و تشدد، طعن و تشنیع اور ملامت و نصیحت سے بگڑے دلوں کو سیدھا کرنا چاہتے ہیں وہ بالعموم دلوں کو توڑ دیتے ہیں لیکن انھیں سیدھا نہیں کر سکتے اس لیے کہ دل کا دروازہ اندر کی طرف ہے اور اسے جب تک گھر کا مکین خود اندر سے نہ کھولے باہر کے کسی جبر سے اسے کھولا نہیں جا سکتا۔ تبلیغ کا کام حکمت کا کام ہے اس کام کو احسن طریقہ سے ہی انجام دینے کا حکم دیا گیا ہے۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔

اللہ کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دو اور بحث و مباحثہ بھی احسن طریقہ سے کرو۔

البتہ ایک داعی حق کے لیے یہ جاننا بھی بہت ضروری ہے کہ انسانوں کی تربیت کو بگاڑنے والی اور تبلیغ کی تاثیر کو خراب کرنے والی کونسی چیزیں ہیں۔ اگرچہ وہ بہت سی باتیں ہیں، لیکن ان میں بے صبری سب سے زیادہ نقصان دہ ہے۔ جلد بازی اس سے بھی زیادہ مضر ہے۔ اور سخت کلامی اور درشتیٔ مزاجی اور ترش زبانی تو سب سے زیادہ مہلک ہے۔ اس طرح اسے یہ بھی جاننا چاہیے کہ کیسے لوگ ہوتے ہیں جو دعوت دین سے بے نیاز اور لاپروا ہوتے ہیں اور بالعموم حق کی علمبرداری کے لیے آگے بڑھنے کے لیے نہ تیار ہوتے ہیں نہ اس کی ضرورت کے قائل ہوتے ہیں۔ دنیا کی محبت میں اندھے لوگ، اقتدار کے نشے میں سرشار لوگ، مفاد پرستی میں مبتلا لوگ، آرام و راحت کے دلدادہ لوگ، اور خوف آخرت سے بے نیاز لوگ ان میں سر فہرست ہیں۔ یہ لوگ جن کے کسی کام کے نہیں [illegible] اور داعی حق [illegible] اللہ کا [illegible] کسی درجے میں بھی [illegible]

ثابت نہیں ہوتا۔ اسی طرح سے یہ بھی جاننا چاہیے کہ کیسے لوگ ہوتے ہیں جو انسانی معاشرے میں زیادہ آسانی سے دعوت حق کو قبول کر کے اس کے علمبردار بن جاتے ہیں اور حق کی پشت پناہی کے لیے اپنا سب کچھ لگانے کے لیے آمادہ ہوجاتے ہیں۔ ان میں وہ سعید الفطرت لوگ جو بات چیت سے ہی راہ راست قبول کرنے پر آمادہ ہوجائیں، وہ غور و فکر اور سوچ بچار کے عادی لوگ جو ہر بات کی گہرائی تک پہنچنا ضروری سمجھتے ہوں، وہ حساس لوگ جو حوادث سے عبرت پکڑنے والے ہوں، طالب حق اور راہ راست کے متلاشی لوگ آیات الٰہی پر غور و فکر کرنے والے لوگ، سچ بولنے والے لوگ، راست فکری کے عادی لوگ، باہمت جری اور بہادر لوگ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک داعیِ حق ان اقسام کے لوگوں میں اپنی اپنی دعوت پہنچا کر زیادہ تعداد میں اپنے ساتھی فراہم کر سکتا ہے۔

اگر ان علمی تربیت کے اصولوں کو داخلی اصلاح تیاری کے لیے اور عملی تربیت کے اصولوں کو خارجی تربیت/ اصلاح کے لیے استعمال کیا جائے اور ساتھ ہی بگاڑ کی بیشتر صورتوں سے مکمل اجتناب اور پرہیز بھی کیا جائے تو وہ مناسب اخلاقی اور روحانی تربیت حاصل ہوجاتی ہے جس کی مدد سے دین حق کی تبلیغ واشاعت اور اقامت وسربلندی کا کام آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس سے ہرگز یہ نہ سمجھا جائے کہ جب تک کوئی شخص یہ صفات اپنے اندر پیدا نہ کرے وہ تبلیغ کے میدان میں نہیں نکل سکتا۔ یہ تو ایک اصولی اور مثالی معیار ہے جو بیان کیا گیا ہے۔ ورنہ تبلیغ کے لیے نکلنا ہر مومن کے لیے فرض ہے اور فرض کی ادائیگی کے لیے ہر شخص اسی صلاحیت کا مکلف ہے جو اسے حاصل ہو، اس کی کوشش کو قبول کرنے والا مالک بے حد رحیم و کریم ہے۔ وہ تو اتنا مہربان ہے کہ اس کا جو بندہ اس کی طرف چل کر جاتا ہے تو وہ اس کی طرف دوڑ کر آتا ہے، اور جو بندہ اس کی طرف دوڑ کر جاتا ہے وہ اس کے درجات فرشتوں سے بھی زیادہ بلند و بالا کر دینے والا آقا و مولا ہے اس کی مہربانیوں اور بندہ نوازیوں کا بھلا کون احاطہ کر سکتا ہے۔ ⁂

بریلوی عقائد کے معکوسات

مولانا اشفاق حسین، حیدرآبادی

ملحہ فکر

ماخذ دین و شریعت اور سرچشمۂ نور و ہدایت ——— یعنی قرآن حدیث سے اخذ ہونے والا ہر عقیدہ و عمل مذہب و انسانیت کے لیے نہ صرف مفید ہے بلکہ ان میں باہم کوئی تضاد و ٹکراؤ نہیں پایا جاتا اور نہ الٰہی و نبوی عقائد و تعلیمات کے ذریعہ کسی فتنہ و گمراہی کی بنا رکھی جا سکتی ہے اور نہ ہی باطل کے لیے انھیں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ لیکن جو عقیدہ و عمل انسانی دماغ کی اختراع و ایجاد ہے وہ نہ صرف قرآن و حدیث اور مسلّمہ اور متفقہ عقائد سے متصادم ہے، بلکہ مسلمانوں کو بھی باہم ایک دوسرے سے ٹکراتا اور نت نئے جھگڑوں میں مبتلا کرتا ہے۔

ہر اختراعی و باطل فکر و عمل کے چند اسباب و محرکات ہوتے ہیں اور اس کا ایک مخصوص اور گھناؤنا پس منظر ہوتا ہے جس کا عقل و فطرت اور مسلمات سے دور دور تک کوئی ربط و تعلق نہیں ہوتا۔ جس طرح اخلاف کو ان کے اسلاف سے، انسان کو اس کے ماحول و سوسائٹی سے، اسباب کو ان کے بنانے والے اور مصنوعات کی حیثیت کو کارخانوں کی ساکھ سے پرکھا اور پہچانا جا سکتا ہے۔ اسی طرح عقائد و اعمال کو ان کے ماخذ، موجد، تاریخ اور ان کے حاملین اور مبلغین، ان کے اسباب و محرکات ماحول اور پس منظر سے بھی جانچا، پرکھا اور ان کی دینی و شرعی حیثیت کو پہچانا جا سکتا ہے کہ وہ حق ہیں یا باطل؟ اس لیے بریلوی، قبوری اور بدعتی عقائد و مسائل کی اسلامی حیثیت اور حقیقت سے بخوبی واقفیت کے لیے یہاں چند اہم اور بنیادی باتوں کی طرف توجہ مبذول کرائی جاتی ہے تاکہ ان کی روشنی میں قبوری شریعت کی اصلیت اور حقیقت بآسانی سمجھ میں آجائے۔ آئیے۔ ملاحظہ فرمائیے کہ بریلوی افکار اور قبوری تصورات کے مائی باپ اور جدِ اعلیٰ کون ہیں؟ یہ رسول اللہ کی غیب دانی، حیاتِ جاودانی اور انبیاء و اولیاء کی حاجت روائی وغیرہ مشرکانہ عقائد کا سلسلۂ نسبت کیا ہے؟ ——— ان اوہام و خرافات نے کس کوکھ سے جنم لیا؟ ——— اور یہ قبوری، دیومالائی اور الف لیلوی تصورات کس قسم کے دماغوں کی پیداوار اور اختراعات ہیں؟۔

یہ اوہام و خرافات

یہ بدعتی، قبوری اور بریلوی شریعت کے وہ تمام گمراہ علماء صوفیا اور مشائخ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کی صفت سے متصف، خدائی صفات و اختیارات کے حامل و مالک، حاضر ناظر، نافع و ضار اور متصرف کائنات سمجھتے ہیں اور شرک جلی میں مبتلا ہیں۔ ان میں (۱) تفضیلی شیعہ (۲) عقیدۂ وحدت الوجود کے قائل (۳) رسول اللہ کو عبد اور بشر نہیں بلکہ نوری، غیر بشری

وما فوق الفطری ہستی۔ اور (۴) خدا کا اوتار یا خدا بصورتِ محمدؐ سمجھتے اور حلول و اتحاد کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان میں سے بعض کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نہیں ہوئی بلکہ آپؐ زمین سے کسی اور عالم جیسے مریخ اور مشتری وغیرہ میں تشریف لے گئے۔!

۱. تفضیلی شعیت

"تفضیلی شعیت" سے مراد وہ علماء ہیں جو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ، حضرت عمر فاروق رضؓ اور حضرت عثمان غنی رضؓ پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فوقیت اور فضیلت دیتے ہیں جو شیعہ حضرات کا عقیدہ باطلہ ہے ۔۔ جب کہ اہل سنت والجماعت کا یہ تصور ہے کہ خلفاء راشدین کی جو ترتیب ہے اسی کے مطابق ان کی فضیلت ہے۔ امت محمدیہ میں سب سے افضل ترین مسلمان خلیفۂ اول، پھر دوم، اس کے بعد خلیفہ سوم حضرت عثمان رضؓ اور پھر حضرت علی رضؓ ہیں لیکن شیعہ حضرات اور بعض نام نہاد سنی مشائخ پر حضرت علیؓ کو افضل قرار دیتے ہیں۔ درحقیقت ان کے دل و دماغ پر حضرت علی کی عقیدت اور افضلیت نہیں بلکہ شعیت، شیطنت اور جاہلیت مسلط ہے۔!

ماضی قریب کے حیدرآبادی نامور علماء و شیوخ بی بی کے علم اور تعزیہ داری کو کبھی گمراہی قرار دینے سے نہ صرف گریز کرتے بلکہ دسویں محرم کو علم اٹھتے وقت الاوہ بی بی کے پاس موجود ہوتے تھے۔ یہ تصور تھا کہ ان تعزیوں اور علموں کو رسول اللہ م کے اہل بیت جیسے حضرت ابن عباسؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت بی بی فاطمہؓ۔ اور حضرت حسینؓ سے نسبت و تعلق ہے۔ بھلا انکی کیسے مذمت اور مخالفت کی جاسکتی ہے؟ اس گمراہی کا سب سے بڑا محرک نفس اور دنیائے دنی تھی ۔۔ کہ بادشاہ وقت پر شعیت غالب تھی۔ حیدرآباد کے مشائخ بادشاہ سے فکر و عمل کی ہم آہنگی کا ثبوت فراہم کرکے اس کا زیادہ سے زیادہ تقرب حاصل کرنا چاہتے تھے۔ گویا کہ یہ "تعزیہ داری" تقرب شاہی کا "وسیلہ" تھی۔! یہ وہ صوفیاء اور مشائخ ہیں جنھوں نے اپنے دین کو "تقرب شاہی" کی بھینٹ چڑھا دیا۔! آج بھی ایسے علماء حق موجود ہیں جو ان مشائخ سور کی شعیت نوازی تعزیہ داری اور جاہ طلبی کی داستان دلخراش سے بخوبی واقف ہیں۔ ان دنیا پرست صوفیوں، دین و ایمان کے بیوپاریوں، مزاروں کے تاجروں اور جاہ و حشمت کے لالچیوں کے ہاتھوں عرصہ دراز سے سادہ لوح مسلمانوں کا دین و ایمان لٹتا، پٹتا اور برباد ہوتا جارہا ہے اور نوبت یہ اینجا رسید کہ علمائے اہل سنت اور ان کے سنی و حنفی فکر و عمل کی نفی و تردید، مخالفت اور مذمت ایک مشہور خطیب اہل بیت مولانا عباس رضوی سے کرائی گئی اور تکلیف در تکلیف یہ بات ہوئی کہ یہ حرکت مکہ مسجد میں ہوئی جو سنی مسلمانوں کی مسجد سمجھی اور کہلائی جاتی ہے۔ اس سے ان علماء سور کی شعیت نوازی اور سنت دشمنی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے

۲. عقیدہ وحدۃ الوجود

عقیدہ وحدۃ الوجود، جس پر بریلوی، غالی اور حیدرآبادی علماء سوء کی اکثریت کا ایمان ہے۔ یہ ہے کہ خدا اور بندے خالق و مخلوق، معبود و عابد فریاد رس اور فریادی ۔ دو علیحدہ علیحدہ موجودات نہیں۔ بلکہ سب اللہ ہی اللہ، اور خداوند قدوس کی بدلی ہوئی صورتیں اور مختلف اشکال و روپ ہیں۔ ان میں سے کوئی خدا کا غیر نہیں۔ کائنات میں کسی غیر اللہ کا وجود نہیں پایا جاتا۔! جیسا کہ چاندی سے بنی ہوئی مختلف شکلوں اور نمونوں کی اشیاء "چاندی" ہی کے بدلے ہوئے مختلف روپ اور صورتیں ہیں جن پر "چاندی" ہی کا اطلاق ہوتا ہے۔ اسی طرح مختلف النوع جاندار اور بے جان مخلوقات پر خدا ہی کا اطلاق ہوتا ہے۔ دھاگے میں جو گرہیں لگائی جاتی ہیں ان کا وجود اگرچہ دھاگے سے ممتاز نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں دھاگے کے سوا گرہ کوئی زائد چیز نہیں۔ صرف صورت بدل گئی ہے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی عقیدہ وحدۃ الوجود کی یوں تشریح اور وضاحت کرتے ہیں:۔

"ابن عربی اور ان کے متبعین کا مسلک یہ ہے کہ

وجود ایک ہی ہے، وہ کہتے ہیں، مخلوق کا وجود خالق کا وجود ہے۔ وہ دو متغائر وجودوں کے قائل نہیں جن میں سے ایک دوسرے کا خالق ہو، بلکہ کہتے ہیں کہ خالق ہی مخلوق ہے اور مخلوق ہی خالق ہے.... وجود رب وعبد کی کوئی تفریق نہیں۔ وہاں نہ کوئی خالق ہے نہ کوئی مخلوق۔ نہ کوئی داعی ۔ نہ کوئی مجیب...... رب وعبد کے درمیان کوئی فرق نہیں۔"

(تاریخ دعوت وعزیمت ۔ حصہ دوم)

پروفیسر محمد اسلم صدر شعبۂ تاریخ پنجاب یونیورسٹی "اکبر کے دین الٰہی کے پس منظر" کے تحت رقمطراز ہیں :-

"بدقسمتی سے تاج العارفین کا تعلق صوفیہ کے اس گروہ سے تھا جولا موجود الا اللہ (وحدت الوجود) کے نعرے بلند کیا کرتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ جب اللہ کے علاوہ اور کوئی شے موجود ہی نہیں ہے تو پھر جو کچھ بھی ہمیں نظر آتا ہے وہ اللہ ہی تو ہے لہذا جب تاج العارفین اکبر کو دیکھتے تھے تو انھیں اللہ ہی نظر آتا تھا۔ ان کے نزدیک اس صورت میں اکبر کو سجدہ غیر اللہ کو سجدہ نہ تھا"۔

(دین الٰہی اور اس کا پس منظر صفحہ ۴۲)

قائلین وحدت الوجود میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو یہ کہتا ہے کہ ہم کلمہ شہادت میں خدا کی الوہیت کی شہادت دیتے ہیں اور یہ گواہی سر کی آنکھوں سے براہِ براہِ راست دیکھے بغیر صحیح نہیں ہوسکتی ۔! جب ان سے کہا جاتا ہے چلو پھر ہمیں خدا کو دکھا کر ہمارے کلمۂ شہادت کو درست کر دو تو جواب دیا جاتا ہے کہ بھلا خدا کو یوں ہی دکھایا جاتا ہے ؟ پہلے ہمارے مرشد کے مرید بنو، پھر خدا کو دکھایا جائے گا ۔! اور جب یہ شرط پوری کر دی جاتی ہے تو پیر ومرشد کہتے ہیں کہ دیکھ لو ـــــ میں ہی خدا ہوں ـــ! حالانکہ "وحدۃ الوجود" کا جو فلسفہ بیان کیا جاتا ہے اس کی وجہ سے "مرشد" ہی کیا ۔ ہر مرید بلکہ ہر مسلم و غیر مسلم تمام مخلوقات، انسان وغیر انسان سبھی پر (نعوذ باللہ) خدا کا ہوسکتا ہے ۔ وحدۃ الوجود کے اسرار و تعلیمات عموماً برسرعام نہیں پیش کی جاتیں، بلکہ مریدوں اور مخصوص حلقوں میں بھی اس کے رموز و اسرار بیان کیے جاتے ہیں ۔!

حیدرآبادی مشائخ کے حلقوں میں قرآن و سنت سے بُعد و بیزاری اور عقیدۂ وحدۃ الوجود سے شغف و تعلق کا اندازہ حضرت شاہ محمد یعقوب مجددیؒ کے درج ذیل بیان سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے :-

"جوانی میں جب میں حیدرآباد میں تھا تو مشائخ کے یہاں تصوف کی کتابیں پڑھی پڑھائی جاتی تھیں خاص طور پر فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم کا بڑا دور رہتا تھا اور مثنوی مولانا روم کا تو دن رات ورد تھا۔ وحدۃ الوجود کے نکتے بیان ہوتے تھے اور توحید وجودی کے بارے میں موشگافیاں ہوتی تھیں، لیکن میری آنکھیں قرآن کی تفسیر اور حدیث کا درس ڈھونڈھتی تھیں، اور کان ان کے سننے کے لیے بیتاب تھے ۔ جی چاہتا تھا کہ کم سے کم ایک ہی آیت کی تفسیر اور ایک ہی حدیث کی تشریح ہوتی لیکن ان مجالس میں ان کا کوئی ذکر نہ تھا ذوق وشوق، وجد و حال، نعرۂ آہ کی کمی نہ تھی مگر قرآن وحدیث کا سیدھا سادہ بیان مفقود تھا وجہ یہ ہے کہ قرآن "ہمہ دو شیخت" کو توڑتا ہے اور سب کو بندگی اور انسانیت کی سطح پر اتارتا ہے"

(صحبتے با اہل دل)

تمام مشہور و معروف اور مستند علمائے سلف وخلف اور بزرگانِ ملت نے عقیدہ وحدۃ الوجود کو ایک سنگین گمراہی اور فتنۂ عظیم قرار دیا ہے ۔ حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے مکتوبات میں اسکی شدت سے مخالفت فرمائی ۔ مفکر اسلام علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے اس عقیدہ کے بانی کو امت کا شیطان کہا ہے ۔ یہاں تفصیل کی گنجائش اور موقع نہیں ۔ اس لیے صرف امام غزالی اور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس سلسلہ میں تصریحات پیش کی جاتی ہیں ۔ ملاحظہ ہو کہ حضرت امام غزالیؒ رقمطراز ہیں کہ :- "منصور حلاج" عقیدۂ وحدۃ الوجود

عقیدہ اتحاد اور نعرۂ انا الحق کی وجہ سے سولی دی گئی۔ اس قسم کی باتوں سے فساد پھیل گیا اور عوام کو بڑا نقصان پہنچا۔ اس قسم کی جو کوئی بات کرے تو اس کو قتل کرنا۔ اللہ کے دین کے تعلق سے ان میں سے بیس آدمیوں کو زندہ رکھنے سے بہتر ہے۔

(ملاحظہ ہو احیاء العلوم)

حضرت مجدد الف ثانی" لکھتے ہیں :-

"حلاج کے متعلق لوگ نقل کرتے ہیں کہ اس نے "انا الحق" کہا تھا۔ اس نے وہم کی وجہ سے یہ غلطی کی۔ اگر حق پر ہوتا تو انا الحق نہ کہتا۔ لوگ اس کے کچھ اشعار بھی بیان کرتے ہیں، جس سے وحدت الوجود کا وہم ہوتا ہے۔ یہ باتیں اور اس قسم کی تمام باتیں باطل ہیں"

(مکتوبات دفتر اول۔ مکتوب نہم)

ایک اور مکتوب میں وہ لکھتے ہیں :-

"جان لو کہ وہ صوفیا جو وحدۃ الوجود کے قائل ہیں اور اشیا کو عین اللہ جانتے ہیں اور ہمہ اوست کا حکم لگاتے ہیں ...... وہ کافر، ملحد اور گمراہ ہیں"۔

(مکتوبات دفتر دوم ۲۴)

رسول اللہ خدا کے اوتار ہیں ؟

بریلوی اور حیدرآبادی علماء سوء اور گمراہ کن عقیدے کے حاملین کا رویہ ہم نے پہلے یہ بتلایا تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اوتار کہتے ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ محمد الرسول اللہ اللہ رب العلمین کے روپ میں بشر نہیں بلکہ وہ انسان کے قالب اور رسول کی صورت میں اللہ ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی انسان کے روپ میں بندوں کی اصلاح و ہدایت کے لیے اس دنیا میں تشریف لایا چنانچہ سورۂ کہف کی آیت" قل انما انا بشر مثلکم" کا ترجمہ "قصوری شریعت کے سرچشمے" ترجمہ وتفسیر یہ" میں یوں کرتے ہیں کہ" تم فرماؤ، بظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں" ..... گویا حقیقت میں خدا ہوں — ! سلسلہ نوریہ کے زیر اہتمام ماضی قریب میں منعقدہ" طریقت کانفرنس" حیدرآباد میں ایک پروفیسر دینیات کم مشائخ نے اپنی جوشیلی تقریر میں چائے پیتے، پان کھاتے اور منہ سے جھاگ اڑاتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کی صفات سے زیادہ محمد کی صفات ہیں اور اللہ کے کارناموں سے زیادہ حضور کے کارنامے ہیں اللہ تعالیٰ کا وجود لطیف ہے جو دکھائی نہیں دیتا اور انسان ایک کثیف شئے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود کو دکھانا چاہا۔ لیکن چونکہ کسی لطیف چیز کا نظر انسانی احاطہ اور مشاہدہ نہیں کر سکتی، اس لیے اللہ تعالیٰ، محمد کے کثیف وجود کے روپ میں اس دنیا میں نازل ہوا — !

ایک اور مشائخ نے جو محمد الرسول اللہ کو بلکہ شاید اپنے آپ کو بھی نوری کہلانا چاہتے ہیں۔ مکہ مسجد میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کو اس دنیا میں ہدایت اور تبلیغ دین کا کام انجام دینے کے لیے کوئی مناسب انسان نظر نہیں آیا تو خود ہی محمد الرسول اللہ کے روپ اور صورت میں بندوں کی اصلاح و ہدایت کے لیے نازل ہوا۔ ان کا خیال ہے کہ قرآن مجید میں رسول اللہ کو جو رحمۃ للعلمین فرمایا گیا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضور اس زمینی دنیا کے علاوہ مریخ اور مشتری وغیرہ کئی عالموں کے لیے بھی رحمت بنا کر بھیجے گئے۔ عالمین سے مراد متعدد عالم ہیں۔ جن میں اس دنیا کے علاوہ دیگر سیارے بھی شامل ہیں جہاں خدا کے بندے موجود ہیں ! ان کا یہ تصور ہے کہ رسول اللہ کی وفات نہیں ہوئی اور نہ آپ اس وقت عالم برزخ میں موجود ہیں — بلکہ حضور اس زمین میں منصب نبوت انجام دینے کے بعد کسی اور عالم میں بحیثیت رسول فریضۂ رسالت اور تبلیغ اسلام کا کام انجام دینے کے لیے تشریف لے گئے — ! اگر یہ کہا جائے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی اور اس وقت آپ قبر یا عالم برزخ میں تشریف فرما ہیں تو" رحمۃ للعلمین" کے یہ قرآنی الفاظ غلط قرار پاتے ہیں، اور آپ کی رحمت اور رسالت صرف "عالم زمین" کی حد تک محدود قرار پاتی ہے۔ اسی باطل اور من گھڑت تصور نے انھیں یہ کہنے پر مجبور کیا کہ چاند پر انسان کے اترنے اور وہ انسانوں کے وجود سے خالی ہونے کی خبر غلط ہے — !

جامعہ نظامیہ کے ایک مشہور و مجذوب مقرر نے بھی اپنی ایک تقریر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کی برملا تردید فرمائی۔ انھوں نے کہا کہ محمد صلعم کے اور بشری لباس میں درحقیقت اللہ ہی ہے، یہ ایسی ہی بات ہے جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوط علیہ السلام کے پاس انسانی صورت میں فرشتے آئے تھے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبریل امین ایک خوبرو صحابی رسول حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں آیا کرتے تھے۔ اور ایک بار حضرت جبریلؑ (حدیث احسان) کے مطابق صحابہ کرام کی بھری مجلس میں ایک مسافر کی صورت میں تشریف لائے تھے، جنھیں دیکھنے والا ان کی ظاہری صورت کے لحاظ سے انسان ہی سمجھتا تھا، حالانکہ درحقیقت وہ انسان نہیں بلکہ انسانی قالب میں فرشتہ تھے۔ موصوف کا خیال ہے کہ کوئی مسلمان شرک میں مبتلا نہیں ہو سکتا کہ کائنات کی ہر شئے اور ہر ذرہ ذرہ میں اللہ ہی اللہ اور خدا کا نور ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ نور السموات والارض فرمایا گیا ہے اس لیے کائنات کی ہر شئے سے ہم دعا و فریاد کر سکتے اور مدد و استعانت طلب کر سکتے ہیں۔

قبوری شریعت کے گروہ میں ایک یہ عقیدہ بھی پایا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے معراج میں عرش الٰہی پر دیکھا کہ وہاں خود آپؐ ہی جلوہ افروز ہیں! بریلوی اور قبوری حلقوں کا یہ عقیدہ بھی کافی مشہور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء اللہ عبادتیں اور ریاضتیں کرتے کرتے فنا فی اللہ ہو گئے اور باقی باللہ ہیں۔ جیسا کہ پانی کا قطرہ دریا میں گر کر یا شکر پانی میں گھل کر اپنا وجود کھو دیتی ہے۔ اسی طرح اللہ کے یہ مقرب اور محبوب بندے اپنی عبادتوں کے ذریعہ حق تعالیٰ میں ایسے گھل مل گئے کہ ان کا علیحدہ وجود باقی نہ رہا۔ اور وہ عین اللہ ہی ہو گئے۔ اس لیے انبیاء اور اولیاء کو مدد کو پکارنا درحقیقت اللہ ہی کو پکارنا ہے، اور اللہ سے دعا اور فریاد کرنا ظاہر ہے کہ شرک نہیں۔! کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیادی امور اور معاملات میں اپنی ذات کے لیے اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا و حاجت نہیں طلب فرمائی۔ گویا اللہ تعالیٰ سے مانگنا اور رب العالمین سے دعا و فریاد کرنا بھی عظمت رسالت کے

منافی اور ایک ذلت و رسوائی کی بات ہے! ممکن ہے اس عقیدہ کی پشت پر یہ تصور کارفرما ہو کہ جب محمدؐ ہی خدا ہیں تو، خدا کس سے اور کیونکر دعا مانگے۔؟

یہ مسلمان ہیں۔!

ہر عقیدہ و عمل، حق و باطل، پاکیزگی و عریانیت اور اچھے و برے جذبات، احساسات اور تصورات کو نثر کے علاوہ شعر و سخن کے ذریعہ بھی ظاہر اور واضح کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ مذکورہ عقائد کو جن کی وضاحت گذشتہ صفحات میں کی گئی ہے۔ ان کے حاملین نے نثر کے علاوہ نظم میں بھی بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ان کے وہ اشعار جو مذکورہ اوہام و خرافات کی عکاسی اور نمائندگی کرتے ہیں:-

محمد مصطفےٰ صلعم کی شانِ رفعت اور ہی کچھ ہے
بظاہر تو بشر ہیں، وہ حقیقت اور ہی کچھ ہے
نبی بندہ تو ہے لیکن خدا معلوم ہوتا ہے
بشر کی شکل ہونے سے جدا معلوم ہوتا ہے
احمد میں احد بن کے خدا بول رہا ہے
محو میم کے پردے کو خدا کھول رہا ہے
بت میں بھی ہیں یا رب جلوہ نظر آتا ہے
بت خانہ کے پردے میں کعبہ نظر آتا ہے
میں کس کا آئینہ ہوں، میں نہیں ہوں
کوئی مجھ میں چھپا ہے، میں نہیں ہوں
عرش اعظم پہ تمہیں ہو ؛ ساقی کوثر تمہیں ہو
اللہ کے پلّے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ مجھے لینا ہے، لے لوں گا محمدؐ سے
وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر
اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر ....
پردۂ میم ہٹ گیا، وصل حبیب ہو گیا
نور سے نور جب ملا، صلِّ علیٰ محمدا
میم سے تو نے چھپایا راز کو اپنے تمام
اے احد احمد کی صورت میں نہاں تو ہی تو تھا
[illegible] دو عالم کے مختار [illegible]

(باقی برصفحہ)

الایمان والاصلاح

شیخ یوسف القرضاوی

ترجمہ:- عبدالحمید صدیقی

قوموں اور جماعتوں کی اصلاح بغیر کسی اصول وضابطہ کے محض اتفاقات کے تھپیڑوں سے نہیں ہوجایا کرتی. جو قومیں گرنے کے بعد سنبھلنے اور اضمحلال کے بعد اپنے اندر قوت و توانائی پیدا کرنے کی آرزومند ہوتی ہیں وہ اپنے سامنے تربیت واصلاح کا واضح پروگرام اور عزم رکھتی ہیں جن پر عمل پیرا ہوئے بغیر وہ رفعت اور سربلندی کا کوئی مقام حاصل نہیں کرسکتیں۔ یہ اللہ کی سنت ہے. قرآن مجید میں اس اصول کی بڑے صاف الفاظ میں یوں نشاندہی کی گئی ہے :-

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ.

اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی حالت خود نہ بدلے.

مگر اپنی حالت کو بدلنے والی بات ہے بہت مشکل. دریاؤں کے رُخ بدلنے آسان ہیں، زمین کا سینہ شق کرنا اور پہاڑوں کے جگر چیر ڈالنا ممکن ہے. مگر قلوب و نفوس کے اندر تبدیلی بہت ہی مشکل ہے. اس ناممکن کو ممکن بنانے والی قوت صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے ایمان کی قوت. علمائے نفسیات کا کہنا ہے کہ انسان کی تربیت و اصلاح کا ایک معین وقت ہوتا ہے یعنی سن الطفولة۔ اگر یہ وقت گذر جائے تو پھر تکوین عادات اور تہذیب اخلاق کی کوشش رائگاں جاتی ہے۔ اسی طرح وہ اس امر کو بھی بہت اہمیت دیتے ہیں کہ آدمی جس ماحول میں پیدا ہوتا، بڑھتا اور پروان چڑھتا ہے وہ بھی اس کے بناؤ اور بگاڑ کا بہت حد تک ذمہ دار ہوتا ہے. لیکن ہم جس قوت ایمانی کا ذکر کر رہے ہیں اس معجزہ نمائی دکار زمائی ہر آن مسلّم ہے۔ چاہے آدمی عمر کے کسی مرحلے میں داخل ہو اور چاہے اس کے حالات اس کی تبدیلی کی راہ میں سنگِ گراں بنکر کھڑے ہوں، ایمان کی ایک لہر ہی اس کے دل و دماغ کو بدل کر رکھ دیتی ہے. دربار فرعون سے وابستہ جادوگروں کی قلب ماہیت کو دیکھ لیجئے :

قَالَ لِلْمَلَإِ حَوْلَهُ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ ۝ يُرِيدُ أَن يُخْرِجَكُم مِّنْ أَرْضِكُم بِسِحْرِهِ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ۝ قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ۝ يَأْتُوكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيمٍ ۝

فرعون اپنے گرد وپیش کے سرداروں سے بولا یہ شخص یقیناً ایک ماہر جادوگر ہے اور چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہارے ملک سے نکال دے. اب بتاؤ تم کیا حکم دیتے ہو. انہوں نے کہا اسے اور اس کے بھائی کو روک لیجئے اور شہروں میں ہرکارے بھیج دیجئے کہ ہر جادوگر کو آپ کے پاس لے آئیں. چنانچہ ایک مقررہ

فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ○ وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنتُم مُّجْتَمِعُونَ ○ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ إِن كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ○ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَئِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِن كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ○ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ○ قَالَ لَهُم مُّوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنتُم مُّلْقُونَ ○ فَأَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ ○ فَأَلْقَىٰ مُوسَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ○ فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سَاجِدِينَ ○ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ○ رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ○ قَالَ آمَنتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ○ لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَافٍ وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِينَ ○ قَالُوا لَا ضَيْرَ إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنقَلِبُونَ ○ إِنَّا نَطْمَعُ أَن يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطَايَانَا أَن كُنَّا أَوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ ○ (الشعراء ۳۸ تا ۵۱)

وقت پر جادوگر اکٹھے کرلیے گئے اور لوگوں سے کہا گیا تم اجتماع میں چلوگے شاید کہ ہم جادوگروں کے دین ہی پر رہ جائیں اگر وہ غالب رہے۔ جب جادوگر میدان میں آئے تو انہوں نے فرعون سے کہا ہمیں انعام تو ملے گا اگر ہم غالب رہے اس نے کہا ہاں اور تم تو اسی وقت مقربین میں شامل ہو جاؤ گے موسیٰ نے کہا پھینکو جو تمہیں پھینکنا ہے۔ انھوں نے فوراً اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پھینک دیں اور بولے فرعون کے اقبال سے ہی غالب رہیں گے۔ پھر موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا تو یکایک وہ ان کے جھوٹے کرشموں کو ہڑپ کرتا چلا جارہا تھا۔ اس پر سارے جادوگر بے اختیار سجدے میں گر پڑے اور بول اٹھے کہ مان گئے ہم رب العٰلمین کو۔ موسیٰ اور ہارون کے رب کو۔ فرعون نے کہا تم موسیٰ کی بات مان گئے قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دیتا۔ ضرور یہ تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے اچھا ابھی تمہیں معلوم ہوا جاتا ہے۔ میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹوا دوں گا اور تم سب کو سولی چڑھا دوں گا انھوں نے جواب دیا کچھ پروا نہیں۔ ہم اپنے رب کے حضور پہونچ جائیں گے اور ہمیں توقع ہے کہ ہمارا رب ہمارے گناہ معاف کر دے گا کیونکہ سب سے پہلے ہم ایمان لائے ہیں۔

غور کیجئے ان کی شخصیات کیسے بدل کر رہ گئیں۔ کتنا بڑا اصلاحی انقلاب آناً فاناً ان کے اندر برپا ہو گیا۔ کہاں ان کی سطح کا یہ انداز کہ أَئِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِن كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ (ہمیں انعام تو یقیناً ملے گا اگر ہم غالب رہے) اور کہاں یہ بلندیٔ فکر کہ لن نؤثرک علیٰ ما جاءنا من البینات (ہم تجھے ہرگز ترجیح نہیں دے سکتے ان روشن دلائل پر جو ہمارے پاس آچکے) اور پہلی نیازمندی کے مقابلے میں ذرا بعد کی جرأت ایمانی کے تیور دیکھیے۔ مَا أَنتَ قَاضٍ (تو ہمارے خلاف جو بھی فیصلہ کرنا چاہے کرلے۔

آج مغربی تاریخ داں حیران ہیں کہ باشندگانِ عرب جو بکریاں چرایا کرتے تھے قوموں اور ملکوں کے حکمران کیونکر بن گئے بادیہ نشین تمدن و حضارۃ کے رموز کیسے پا گئے اور انھیں فتح و نصرت کا کونسا گُر ہاتھ آگیا تھا کہ قیصر و کسریٰ کی باجبروت حکومتوں کے تختے الٹنے میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں اور وہ راز بھی زیادہ دیر تک راز نہیں رہا بلکہ سرِ عیاں ہو چکا ہے۔ عربوں کی کایا پلٹ دینے والی چیز اکسیرِ ایمان تھی جس کے ذریعے محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کی زندگیوں میں محیر العقول انقلاب پیدا کیا۔ اسی اکسیر کے بدولت ان کے حالات میں تغیر رونما ہوا۔ ان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کا پورا ڈھانچہ تبدیل ہوا۔ بتوں کے پوجنے والے خدا پرست بن گئے اور جاہلیت کی تاریکیوں میں ٹھوکریں کھانے والوں کے سینے نورِ ایمان سے منور ہو گئے۔

اقفالِ حیات کیلئے واحد کلید

حیات انسانی کا عظیم الشان قصر

ہر طرف سے مقفل تھا اور اس کے در وا ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ عقل انسانی مقفل تھی جسے حکما، وفلاسفر کھولنے سے عاجز تھے۔ ضمیر انسان مقفل تھا اور واعظین و مرشدین اس کا تالا توڑنے میں ناکام ہو چکے تھے۔ دل و دماغ مقفل تھے، جنھیں حوادث زمانہ کے تھپیڑے تک کھول نہ سکے تھے۔ مواہب و عطایا مقفل تھے اور کوئی تعلیم و تربیت ان پر اثر انداز نہ ہو رہی تھی۔ مدرسہ مقفل تھا جسے کھولنے پر اساتذہ و علماء قادر نہ تھے۔ خاندانی نظام مقفل تھا اور اس کے آگے مصلحین و مفکرین کی کوشش پیش نہ چلتی تھی۔ قصر حکومت مقفل تھا جسے مظلوم عوام، محنت کش کسان اور غریب مزدور اپنی متحدہ کوشش سے کھول نہ سکتے تھے۔ دولت مندوں کے خزانے مقفل تھے اور ان کے قفل غریبوں کی بھوک اور عورتوں اور بچوں کی برہنگی نہ توڑ سکتی تھی۔ عظیم مصلحین نے بارہا کوشش کی کہ ان تالوں کو توڑ دیا جائے تاکہ انسانیت کو زندگی کی حقیقی مسرتوں سے ہمکنار کیا جاسکے۔ مگر بارہا انھوں نے منھ کی کھائی۔

حیات انسانی کی اس مشکل کو بڑے بڑے دار العلوموں میں حل نہ کیا جاسکا۔ عظیم الشان یونیورسٹیاں اور درسگاہیں اس سے عاجز آگئیں تو اللہ کی رحمت کو جوش آیا اور ایک پہاڑ کی چوٹی پر ایک چھوٹی سی غار میں زرکش انسانیت کے ایک عظیم محسن کے ہاتھ پر اس مشکل کو آسان کر دیا گیا۔ اور تمام اقفالِ حیات کی کلید ان کی خدمت میں پیش کر دی گئی۔ یعنی ایمان باللہ والرسول والیوم الآخر کی شاہ کلید جس نے ایک ایک قفلِ حیات کو کھول دیا۔

اس کلید نے عقل انسانی کا قفل کھول دیا اور وہ انفس و آفاق میں اللہ کی بے شمار نشانیاں دیکھنے کے قابل ہو گئی اور شرک و بت پرستی کی برائی کو محسوس کرنے لگی۔ اس نے خوابیدہ ضمیر انسانی کا قفل کھول دیا اور وہ بیدار ہو گیا اور شعور حقیقت سے بہرہ ور ہو کر خوب و ناخوب میں امتیاز کرنے لگا۔ اس نے ان دلوں کے قفل کھول دیے جو کسی چیز سے عبرت پکڑتے تھے نہ زجر و توبیخ کا کوئی اثر ان پر ہوتا تھا اور نہ نرمی و رقت ان میں پیدا ہوتی تھی۔ مگر ایمان باللہ کی کلید کے استعمال سے ان کے اندر خشوع و خضوع پیدا ہوا اور وہ حوادث روزگار سے عبرت پکڑنے لگے۔ کسی مظلوم کو دیکھتے تو ان کے دل کے اندر ارتعاش پیدا ہو جاتا اور ضعیف و ناتواں پر نظر پڑتی تو جذبات رحم و شفقت سے مملو ہو جاتے۔ اس سے پہلے حیاتِ انسانی کا دامن اللہ کی عطا کردہ صلاحیتوں اور دیگر مواہبِ قوی سے معمور تو تھا مگر یہ تمام استعدادیں مقفل تھیں ایمان باللہ کی کلید نے یہ اعجاز دکھایا کہ انسان کی جملہ مخفی استعدادیں اجاگر کر دیں اور دیکھتے ہی دیکھتے بھیڑ بکریوں اور اونٹوں کے چرانے والے اقوام وملل کے پاسبان بن گئے۔ نیابت الٰہی سے ہمکنار ہو کر عالم پر حکمرانی کرنے لگے اور جو قبیلوں کے سردار تھے وہ ممالک و دول کی قیادت وسیادت پر فائز ہو گئے۔ اس کلید نے درسگاہوں اور دانشکدوں کے قفل کھول دیے اور دنیا کو علم کے شرف سے آگاہی نصیب ہوئی اور عالم و متعلم اور مربی و معلم کے فضل و تفوق پر رشک کرنے لگی۔ گھر گھر تدریس و تعلیم کی مسند بچھ گئی اور ہر بچے بوڑھے اور نوجوان کے لیے زیور علم سے آراستہ ہونا ضروری ٹھیرا۔ اس کلید نے عدل و انصاف کے مقفل ایوان تک اہل عالم کو رسائی بخشی۔ چنانچہ حکام و قضاۃ عدل و انصاف اور پوری احساس ذمہ داری کے ساتھ اپنے فرائض ادا کرنے لگے اور مظلوموں اور ستم کشوں کے دن پھر گئے اور ظلم و جور سے معمور خدا کی خدائی۔ رحمت الٰہی کا گہوارہ بن گئی۔ اس کلید کے ہاتھ لگنے سے پہلے خاندانی نظام تہ و بالا تھا۔ بیٹا باپ کے حقوق پر دست درازی کر رہا تھا اور بھائی بھائیوں کو لوٹنے کے درپے تھا۔ مزید برآں خاندانی نظام کا یہ فساد معاشرہ تک متعدی ہو چکا تھا۔ آقا خادموں پر ستم توڑ رہے تھے اور بڑے چھوٹوں پر۔ ان حالات میں ایمان باللہ کی کلید نے ہر ایک کو دوسرے کے حقوق یاد دلائے اور ان کا تحفظ کرنا سکھایا۔ باہمی رحمت ومودت پر تعلقات استوار کیے۔ خدا کا خوف اور آخرت کی فکر دلوں پر مسلط کی اور

اور اس حقیقت کا گہرا شعور بخشا کہ آدمیت انسانیت کے احترام اور انسانیت کی خدمت کا نام ہے۔ معاشرتی زندگی کی چولیں ڈھیلی ہوچکی تھیں انھیں پھر سے کس دیا اور معاشرہ میں عدل واخوت کی روح دوڑادی۔ خیرخواہی وہمدردی کے جذبات پیدا کر دیے۔ قوم کا سردار قوم کا خادم بن گیا اور امراء واغنیاء نے اپنی دولت کا رُخ غرباء، مساکین اور محروم لوگوں کی طرف پھیر دیا۔

قصہ مختصر یہ کہ افرادِ معاشرہ کی اصلاح کے لیے جتنا مؤثر کردار ایمان ادا کرتا ہے اور کوئی چیز نہیں کرتی۔ لہٰذا جس طرح کلیدِ ایمان سے سیکڑوں سال پہلے معاشرہ مبدل بہ اصلاح ہوگیا تھا اسی طرح دورِ جدید کے تمام مشکل مسائلِ حیات کو بھی ایمان کی بنیاد پر حل کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ بات بالکل غلط ہے کہ جدید مسائلِ حیات کے لیے یہ کلید کارآمد نہیں اصل بات یہ ہے کہ نہ مسائل جدید ہیں اور نہ ان کے حل کے لیے کسی جدید کلید کی ضرورت ہے کیونکہ ؎

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیلِ کم نظری قصۂ جدید و قدیم

زندگی کے مسائل جو آج سے ہزاروں سال پہلے تھے وہی آج بھی فکرِ انسانی پر تسلط جمائے ہوئے ہیں۔ فرق جو کچھ پڑا ہے وہ صرف یہ ہے کہ یہ مسائل نئے رنگ میں سامنے آئے ہیں۔ آج سے ہزاروں سال پہلے انسان کو امن کی ضرورت تھی اور آج بھی انسان اس کا بہ شدت ضرورت مند ہے آفاتِ ارضی وسماوی، دکھ تکلیفیں اور بیماریاں پہلے بھی انسانوں کو لاحق تھیں اور آج بھی ہیں۔ انسان ایک دوسرے کے حقوق پر پہلے بھی ڈاکے ڈالتا تھا اور آج بھی اس تہذیب وتمدن کے روشن دور میں بھی یہ ڈاکہ زنی عام ہے۔ جھوٹ، مکروفریب وعدہ خلافی وبدعہدی جیسے اوصافِ رذیلہ اس زمانے میں بھی انسان کے لیے مضر تھے، جب وہ اونٹوں اور گھوڑوں پر سواری کرتا تھا اور آج بھی جب کہ وہ کاروں اور جیٹ طیاروں میں سفر کرتا ہے۔ ان کی مضرت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی ظلم وجور، انسانوں کا انسانوں کے ہاتھوں استحصال پچھلے زمانے میں بھی ہوتا تھا اور آج جو ایٹم بم کا دور ہے استبداد واستحصال پر مبنی کارروائیاں جوں کی توں ہیں۔ خدا کے خوف سے عاری لوگوں اور انبیاء ورسل کی تعلیمات سے انحراف کرنے والے لوگوں کی پہلے بھی کمی نہ تھی اور آج بھی کمی نہیں مرد وعورت اور فرد ومعاشرہ کے تعلقات میں عالم انسانی افراط وتفریط کا پہلے بھی شکار رہا ہے اور آج بھی شکار ہے پس جب زندگی کے مسائل اپنی حقیقت کے اعتبار سے پرانے ہی ہیں تو کیا مضائقہ ہے کہ اگر ان کا علاج بھی وہی اختیار کرلیا جائے جو صدیوں سے شافی ثابت ہو رہا ہے۔ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔

صفت ایمان سے متصف افراد ہی درحقیقت اصلاح یافتہ افراد ہوتے ہیں جن سے صالح معاشرہ وجود میں آتا ہے اور صالح معاشرہ ہی اصلاحِ افراد کا بھی ضامن ہوتا ہے۔ اس طرح ایمان افراد ومعاشرہ کو بیک وقت صالح ومصلح حیثیت دے کر معاشرتی زندگی سے اردگرد ایک زبردست حصار قائم کر دیتا ہے جو اس میں سے ایمان واصلاح کے عنصر کو کبھی خارج نہیں ہونے دیتا۔

ان گزارشات کا ماحصل یہ ہے کہ نوعِ بشری کے لیے واحد اور منفرد راہِ نجات راہِ ایمان ہی ہے۔ مسلمانوں کے لیے تو اس کی حیثیت رگِ جاں سے بھی زیادہ ہے۔ اسی راہ پر چل کر وہ اپنے مقاصد کو حاصل کرسکتے ہیں اور اپنی امنگوں اور ارمانوں کو پورا کرسکتے ہیں۔ انھیں آخرت مطلوب ہو تو ایمان کی بدولت حاصل ہوسکتی ہے۔ دنیا مطلوب ہو تو اس کے حصول کا راستہ بھی یہی ہے۔ دولتوں کی طلب ہو تو ایمان اس کی بھی ضمانت دے سکتا ہے، جہاں تک ایمان کے ذریعے اخروی سعادت کے حصول کا تعلق ہے اس امر کی وضاحت ہم کسی دوسرے موقع پر اشعار کرتے ہیں۔

لیکن جہاں تک دنیا اور اس کے مآل کی تکمیل کا تعلق ہے اور جہاں تک دنیا میں حصولِ سعادت کا تعلق ہے اس مطالعہ کے دوران ہم پر حقیقت منکشف ہوچکی ہے کہ یہ سب کچھ ایمان ہی کی بدولت ممکن ہے۔ اس کے علاوہ اس کی کوئی سبیل نہیں۔

اگر ہم انفرادی زندگی کی سعادت وخوش بختی کے طالب ہیں تو وہ اطمینان قلب کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اور طمانیت قلب کا حصول ایمان کے بغیر کسی طرح بھی ممکن نہیں اگر ہمیں طہارت ونظافت مطلوب ہو تو معلوم ہے کہ یہ چیز استقامت کے بغیر میسّر نہیں ہوتی اور استقامت ایمان کے بغیر نہیں ملتی۔ اگر ہم اجتماعی احکام وہم آہنگی چاہتے ہیں تو اس استحکام کے لیے مواخات ضروری ہے اور مواخات کے لیے ایمان ناگزیر ہے۔ اگر دشمن پر غلبہ، استیلا، اور فتح ونصرت ہمارا مقصود ہو تو نصرت بہادری سے بہادری قربانی سے اور قربانی ایمان سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر ہمیں اقتصادی خوشحالی درکار ہے تو خوشحالی کی کوشش پیداوار کے بغیر اور پیداوار اخلاق کے بغیر اور اخلاق ایمان کے بغیر محض تشنہ وسراب ہے۔ اگر ہمیں صنعتی اور صنعیاتی ترقی مطلوب ہے تو ترقی اخلاص کے بغیر، اخلاص متعین مقصد کے بغیر اور زندگی کے کسی متعین مقصد کا ایمان کے بغیر تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ہم اپنی زندگی کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو اصلاح تزکیہ نفس کے بغیر، تزکیہ نفس عزم صمیم کے بغیر ممکن نہیں۔ اگر ہم حکومت عادل چاہتے ہیں تو عدل قانون کے بغیر، قانون زندہ قلوب وضمائر کے بغیر، اور زندہ قلوب وضمائر ایمان کے بغیر ممکن نہیں۔

ایمان ہی قوت اخلاق اور اخلاق قوت ہے۔ یہی روح حیات اور حیات روح ہے۔ سرّ عالم اور عالم اسرار، جمال دنیا اور دنیائے جمال، نورِ راہ اور راہ نور ایمان ہی ہے۔

ایمان مسافر کے لیے شگفتہ وشاداب وادی، ناخدا کے لیے روشن ستارہ، حیران وپریشان انسان کا رہنما کارگہ حیات میں جدوجہد کرنے والے کے لیے مؤثر ہتھیار غریب الدیار کا رفیق اور وحشت زدہ کا انیس ہے، ایمان قوی اور زور آور کے لیے لگام اور ضعیف وناتواں کے لیے سرمایۂ قوت ہے۔

ایمان جرأت وشجاعت پیدا کرنے والا، بند دروازوں کو کھولنے والا اور ہر چہار جانب رہنمائی کرنے والا روشن مینار ہے

ایمان ——— بجائے خود ایک کلمہ ہے لیکن حیات انسانی کے لیے شاہ رگ، فرد کے لیے اطمینان قلب کا واحد سہارا اور معاشرے کے لیے ایک مضبوط بنیاد واساس تاکہ اس میں سکون وقرار پیدا ہو۔ ضبط ونظم پیدا ہو اور انسان بہتر اور شادکام زندگی گذارنے کے قابل ہو۔

اور ایمان سے ہماری مراد دین اسلام کا پیش کردہ ایمان ہے، قرآن وسنت کا ایمان اور صحابہ وتابعین کا ایمان جو عرفان الٰہی، حسن نیت واعتقاد اور عمل صالح سے عبارت ہے وہ عقلی ایمان نہیں جو متکلمین کے ہاں ملتا ہے، نہ وہ روحانی ایمان جو اہل تصوّف کا خاصہ اور نہ وہ خشک ظاہریت پہ مبنی ایمان جو جمود پرست فقہاء کے ہاں پایا جاتا ہے۔

ہمارا مطلوبہ ایمان محض ایک شعار اور دعوت ہی نہیں بلکہ وہ ایک مکمل اسلوب حیات ہے، فرد کے لیے بھی اور قوم کے لیے بھی نہایت تیز روشنی ہے جو فرد کی دنیائے فکر وارادہ کو منور کرتی ہے اور جب اس کی شعاعیں معاشرہ پر پڑتی ہیں تو اس کی رگوں میں خونِ زندگی دوڑنے لگتا ہے۔ اس کے رگ وپے میں امن وعافیت سرایت کرتی چلی جاتی ہے۔ وہ مریض ہوتا ہے اور دوائے ایمان اسے شفایاب کر دیتی ہے بلکہ وہ مر چکا ہوتا ہے اور اکسیر ایمان اسے حیات نو بخش دیتی ہے۔ سچ ہے کہ ایمان رموز الٰہی کا رازداں ہوتا ہے وہ جب کسی چیز کو کہتا ہے تو وہ وجود میں آجاتی ہے۔

حقیقی ایمان پوری زندگی پر اپنے نقوش واثرات مرتب کرتا ہے اور اسے صبغۃ اللہ میں رنگ دیتا ہے۔ انسان کے افکار، نظریات، اس کے جذبات واطوار سب اطاعت الٰہی اور بندگی رب کا نقشہ پیش کرتے ہیں۔ زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہوتا جس پر یہ رنگ گہرا نہ ہو۔ صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ۔

وہ قوم جو ایمان سے منور زندگی بسر کرنا چاہتی ہے اسے اپنے جملہ اصول ومناہج تقاضائے ایمان کے مطابق بدلنا ہوں گے اور ہر اس چیز سے دست کش ہونا پڑے گا جو نور ایمان کا راستہ روکنے والی ہو۔ اگر کوئی قوم یہ قربانی نہیں دیتی مگر اسلام وایمان کا دعویٰ کرتی چلی جاتی ہے تو اس کے اس دعوے کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہ دعویٰ ہے

آمین انہ الحق آمین [illegible]

تذکرہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب تمیمی نجدی

آپ جانتے ہی ہیں کہ بدعتی حضرات اپنے سوا تمام مسلمانوں کو "وہابی" کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ یہ دراصل محمد بن عبدالوہابؒ کے نام نامی کی طرف نسبت ہے، اور اس نسبت کو گالی کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، اگر آپ سچائی کے متلاشی ہیں تو اس کتاب کا مطالعہ فرماکر حقیقت سے آگاہ ہوں کہ محمد بن عبدالوہابؒ کس قدر سنت کے شیدائی، بدعت کے دشمن اور دین و ملت کے خیر خواہ تھے، انگریزوں نے انھیں بدنام کیا اور بدعتی لوگوں نے اس بدنامی میں چار چاند لگائے اس کتاب کے مصنف "قطر کے محکمۂ شرعیہ کے قاضی احمد بن حجر ہیں اور ترجمہ صفی الرحمٰن الاعظمی نے کیا ہے۔ ترجمہ کے علاوہ فاضل مترجم نے بیش قیمت نوٹ بھی حواشی پر چڑھائے ہیں۔

قیمت ۴/۵۰

تاریخ دیوبند

دیوبند ایک قدیم بستی ہے۔ اس کی سرزمین نے انقلاب کی بے شمار کروٹیں دیکھی ہیں اور دارالعلوم کی وجہ سے یہ بستی بین الاقوامی شہرت کی مالک بن گئی ہے۔ اس بستی کے دلچسپ اور محققانہ تاریخ جناب سید محبوب رضوی کے قلم سے ملاحظہ فرمائیے۔ تاریخ نگاری میں مصنف موصوف کی بحیثیت ایک امتیازی شہرت رکھتی ہے۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن چھپ کر ختم ہوگیا۔ اب دوسرا ایڈیشن فاضل مصنف کی نظر ثانی اور اضافوں کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

صفحات ۵۱۲ قیمت مجلد دس روپے

تذکرۃ المصنفین اردو

یہ کتاب درس نظامیہ، درس عالیہ، نصاب ندوۃ العلماء اور سرکاری نصاب کی کتابوں کے مصنفین کا جامع اور نہایت مستند تذکرہ ہے جس کو مصنف کی عرق ریزی اور مساعی جمیلہ نے انسائیکلو پیڈیا بنا دیا ہے۔ مدارس عربیہ کے عظیم تبصرہ نگاروں نے اس کتاب کو تحسین کی نگاہوں سے دیکھا ہے۔

قیمت صرف ۔/۲

ورق ورق روشن

اخلاقی اسباق اور علم و حکمت کا ایسا خزانہ جو بھر دل و دماغ کو روشن کرے گا۔ اس کتاب میں مؤلف نے قرآن و حدیث، تاریخ آثار، اور معیاری لٹریچر سے اللہ، رسول اور دنیا بھر کے دانشوروں، مصلحوں اور عالموں کے بہت ہی مفید و نفیس ارشادات حروف تہجی کی ترتیب سے جمع کئے گئے ہیں۔ مثلاً ایمان یا انصاف یا اعتقاد یا انتقام کے بارے میں آپ مولود دیکھنا چاہیں گے تو الف کی فہرست میں یہ عنوان مل جائے گا۔ اسی طرح کسی بھی لفظ کو اس فہرست میں بآسانی ڈھونڈا جا سکتا ہے۔

بہت شاندار اور لاجواب کتاب ہے قیمت مجلد ۳/-
(صفحات ۲۸۴) متوسط سائز۔

نہایۃ التحقیق اردو شرح مسند ابوبکر صدیق

یعنی جو کلام مبارک حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا وہ سب کا سب یکجا۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ وہ ایک مستند اور دقیقہ رس عالم نے مسند احمد بن حنبل کی اردو شرح کا سلسلہ شروع کیا ہے اور اسی سلسلہ کی پہلی کڑی نہایۃ التحقیق کے نام سے آپ کے سامنے ہے۔ یہ بڑے سائز کے (۵۷۴) صفحات پر مشتمل ہے۔ اور قیمت صرف بائیس روپے ۔/۲۲

بڑی اہم بات یہ ہے کہ فاضل شارح نے شروع کتاب میں ایک طویل مقدمہ دیا ہے جو تقریباً سو صفحات پر مشتمل ہے اس میں انھوں نے اردو خواں طبقہ کے لئے فن حدیث کی باریکیوں اور اصطلاحوں اور اصولوں کو پوری تحقیق کے ساتھ سپرد قلم فرمایا ہے۔ بلند پایہ کتابوں کا نچوڑ۔ فن حدیث کی معلومات کا بیش بہا خزانہ امید ہے کہ شائقین اس تحفہ نادرہ سے فائدہ اٹھائیں گے۔

قیمت مجلد تیس روپے

مکتبہ تجلی دیوبند (یوپی)

دھوپ اور سائے

رسول اللہ ﷺ پر بنائی گئی فلم ہندوستان میں ریلیز نہ کی جائے

فلم "پیغمبر خدا محمد" جس کا نام بدل کر اب "پیغام" رکھا گیا ہے اس کے بارے میں یہ مشہور کیا گیا ہے کہ اس میں نہ تو حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شبیہ مبارک دکھائی گئی ہے اور نہ ہی آپ کی آواز سنائی دیتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ آخر اس فلم میں پھر کونسی بات ہے جو اس کو دوسری فلموں سے ممتاز کرتی ہے۔ اگر یہ فلم جیسا کہا جا رہا ہے پاک وصاف ہوتی اور کوئی قابل اعتراض بات نہ ہوتی تو سعودی عرب کی حکومت اس پر پابندی عائد نہ کرتی۔ کویت اس سے اپنی بے تعلقی کا اعلان نہ کرتا، لیبیا کے صدر قذافی خاموش نہ بیٹھتے۔ عالم اسلام کے بہت سے ممالک اعتراض نہ کرتے۔ جہاں تک شلم، ایران اور ایراق کا تعلق ہے وہاں گھر گھر میں حضرت رسول اللہ ﷺ، حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ حضرت حسنؓ اور حسینؓ کی تصاویر ہیں۔ ان ممالک میں بہت سی ایسی چیزیں جائز بن گئی ہیں یا بنا دی گئی ہیں جنھیں اسلام حرام قرار دیتا ہے۔ ان ممالک کی کسی بھی کارروائی کو نہ ہم جائز یا صحیح تصور کرتے ہیں اور نہ ہی اس کو نظیر بنا سکتے ہیں اگر یہ فلم ہندوستان میں ریلیز ہوئی تو نہ صرف یہ کہ زبردست ہنگامہ ہوگا بلکہ مسلمانوں میں شدید قسم کا جذباتی ہیجان پیدا ہوگا۔ اس کے بعد نہیں کہا جا سکتا کہ ملک بھر میں کیا کچھ ہوگا۔ مسلمانوں کے عقیدت و احساسات، نظم وضبط اور امن وامان کی بحالی کی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے حکومت کو چاہیئے کہ ہندوستان میں اس فلم کے داخلہ پر ہی پابندی عائد کر دے اور ان نام نہاد ترقی پسند اور الٹے دماغ کے لوگوں کی باتوں میں حکومت ہرگز نہ آئے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام کے پیغام کو پھیلانے کا موثر ذریعہ فلم ہی ہے۔ اسلام کا پیغام آفاقی اور ابدی ہے۔ دین اسلام کے پیغام، تعلیمات، عقائد وغیرہ کا محافظ اللہ ہے۔ اس دین کو ایک ہزار برس پہلے بھی اسی نے پھیلایا تھا جبکہ جدید ذرائع ابلاغ مفقود تھے اور آج بھی امریکہ اور یورپ میں جو لوگ مسلمان ہو رہے ہیں وہ کسی فلم کو دیکھ کر نہیں بلکہ اسلام کے نظریہ مساوات، اخوت اور انصاف پسندانہ طرز زندگی کو پڑھ کر اور سمجھ کر ہو رہے ہیں فلموں کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ کی بات وہی کرتے ہیں جن کو نہ تو اسلام سے کوئی تعلق رہا ہے اور نہ جنھوں نے اسلام کو سمجھا ہے۔

(ہفت روزہ نشیمن بنگلور)

پیشہ ور گداگر

ایک طرف حکومتیں گداگری کو ختم کرنے کی طرف متوجہ ہیں اور دوسری طرف گداگر اس پیشہ کو زیادہ سے زیادہ منظم کرنے اور منفعت بخش بنانے میں مصروف نظر آتے ہیں۔

گداگروں کی ۱۹۷۱ء کی مردم شماری کے مطابق مغربی بنگال ملک کی تمام ریاستوں سے آگے ہے جہاں مرد گداگروں کی تعداد ایک لاکھ سے کچھ زیادہ ہے اور عورت گداگروں کی تعداد ۸۲ ہزار سے کچھ زیادہ ہے اور گداگروں سے چھٹکارا حاصل کرنے کا مسئلہ کچھ ایسا الجھا ہوا ہے کہ حکومت مغربی بنگال اس مسئلے کو سلجھانے کے لئے جنگی سطح پر اقدام کرنے کے متعلق غور کر رہی ہے۔ کلکتہ میں ہاوڑہ اور سیالدہ ریلوے اسٹیشنوں کو گداگروں نے اپنی مستقل رہائش گاہ بنا رکھا تھا۔ لیکن ایمرجنسی کے نفاذ کے بعد یہ دونوں ریلوے اسٹیشن اب گداگروں سے پاک ہو چکے ہیں۔

ان گداگروں میں کچھ تو واقعی معذور ہیں۔ لیکن زیادہ تر ہٹے کٹے اور پیشہ ور گداگر ہیں جو جو رنگی پر اپنی کمائی میں مصروف نظر آتے ہیں۔ گداگروں کے گروہ کے ماہرین اکثر گداگر لڑکوں کو ہاتھوں، پیروں سے معذور بنا دیتے ہیں تاکہ ان کی حالت رحم طلب ہو جائے اور ان کو زیادہ بھیک ملے جو عورتیں دودھ پیتے بچوں کو بھوکا اور رد تا دکھا کر بھیک طلب کرتی ہیں۔ ان کی گود میں جو بچہ ہوتا ہے اکثر وہ بھی ان کا نہیں ہوتا اور وہ اس کو کرائے پر حاصل کرتی ہیں یا پھر اغوا کے اقدامات کئے جاتے ہیں۔ کم سے کم محنت مشقت کے ساتھ گداگری کے پیشے کو زیادہ سے زیادہ منفعت بخش بنانے کی کوشش کی جاتی ہے اور اکثر گداگر سڑکوں کی پٹڑیوں آرام سے لیٹ کر وقت گزارتے ہیں اور ان کا کشکول گداگری ان کے سینے پر رکھا ہوتا ہے جس میں لوگ بھیک کے پیسے ڈالتے ہیں۔

(ہفت روزہ نئی دنیا دہلی)

ہاتھی کے دانت

حکومت کی طرف سے گذشتہ ماہ ایک حکم جاری ہوا جس میں کہا گیا کہ اگر ریاست جموں وکشمیر کے وزراء، وزراء مملکت، نائب وزراء، قانون ساز اسمبلی کے اسپیکر اور قانون ساز کونسل کو چیئرمین اپنے ذاتی مکان میں رہیں اور اپنا فرنیچر استعمال کریں تو اس کے لئے ان کو کرایہ ملے گا۔

حکم کی رو سے مکان کے لئے زیادہ سے زیادہ ۱۲ ہزار روپے سالانہ کرایہ ادا کیا جائیگا۔ فرنیچر کے لئے وزیر اعلیٰ کو پچاس ہزار اور وزراء، چیرمین، قانون ساز کونسل اور اسپیکر قانون ساز اسمبلی کو ۳۵ ہزار روپے اور وزرا مملکت و نائب وزراء کو بیس ہزار روپے سالانہ بطور کرایہ ادا کیا جائے گا۔ اس حکم کو ۱۲ جولائی ۱۹۷۷ء سے لاگو کیا گیا تھا۔ اور اب ۷ ستمبر ۱۹۷۷ء کو ایک اور حکم جاری کیا گیا جس کی رو سے گزشتہ ماہ جاری کئے گئے حکم میں ترمیم کی گئی اور ترمیم یوں ہوئی کہ حکم کا اطلاق ۱۲ جولائی ۱۹۷۷ء کی بجائے یکم مارچ ۱۹۷۵ء سے جاری سمجھا جائے گا۔ یعنی اس دن سے جب موجودہ حکومت کو چارج لئے ہوئے تین دن ہوئے تھے۔ گویا نئے حکم کی رو سے وہ افراد بقایا کے طور پر ایک بڑی رقم حاصل کریں گے۔ جن پر یہ حکم نوازشوں کی بارش برسائے ہوئے ہے۔

حکومت کی طرف سے جاری ہوئے زیر بحث حکم پر غور کیجئے تو اندازہ ہوگا کہ اس کے پیچھے رکھ رکھاؤ، ٹھاٹ باٹ اور تصنع و بناوٹ کے مفروضے کے سوا کچھ بھی نہیں اور یہ حکم جن ذہنوں کی پیداوار ہے ان کے بارے میں یہ بات ہرگز نہیں جاسکتی کہ وہ صحتمند اور پائیدار لائنوں پر سوچ رہے ہیں خصوصاً جس وقت ریاست جموں وکشمیر اقتصادی لحاظ سے ایک خطرناک بحران گذر رہی ہے اس قسم کا حکم قطعی طور پر غیر منطقی اور نامعقول ہے اور کوئی بھی فہیم و فطین شخص موجودہ حالات کو پیش نگاہ رکھتے ہوئے اس حکم کو دانشمندانہ حکم نہیں کہہ سکتا کیونکہ اس حکم سے سرکاری خزانہ پر ہر سال لاکھوں روپے کا بوجھ پڑنا لازمی ہے۔

ہمیں یاد ہے کہ وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ نے اپنی حکومت سنبھالنے کے بعد ابتدائی ایام میں کئی افسروں کو اس بات پر زبردست ملامت کی کہ ان کے دفاتر اعلیٰ اور قیمتی فرنیچر سے آراستہ و پیراستہ ہیں اور ظاہری ٹھاٹ باٹ کے قائل ہیں آج ان کی سرکردگی میں ریاستی کابینہ نے جو حکم جاری کیا ہے وہ دوا اور دو چار کی طرح واضح کر رہا ہے کہ شیخ صاحب جو چیز دوسروں کے لئے حرام سمجھتے ہیں اسکو اپنے لئے حلال تصور کرتے ہیں اور ان کے پند و نصائح اوروں کے لئے ہوتی ہیں اپنے لئے نہیں۔ ہم صفائی سے کہیں گے کہ موجودہ حکومت زبانی دعووں کے پیش نظر مرجع امید بنی ہوئی تھی۔ لیکن افسوس ہے کہ مسلسل آزمائشوں نے "ہاتھی کے دانت" کی حقیقت کھولدی۔ گفتار کا غازی تو ایک نکھٹو اور غبی سے غبی آدمی بھی بن سکتا ہے۔ لیکن کردار کے غازی جرأت مند اور اہل ہمت ہوتے ہیں اور اس حیثیت سے کردار کا غازی بننا ایک کار سے دارد والا معاملہ ہے۔

۷ ستمبر کو جاری کئے گئے حکم کی رو سے وزراء کو تنخواہ کے علاوہ مکان اور فرنیچر کے لئے کرایہ کی صورت میں جو رقم ملے گی اس کی صرف نصف رقم سے ہی وہ محکمے چالو ہو سکتے ہیں جن کی بحث میں لاکر سیکڑوں گھرانوں کے چولہے ٹھنڈے کئے گئے ہیں۔

غزل

جناب طاہرؔ تلہری

کوئی تو سوغات اس کے شہر کی گھر لے چلو
کچھ نہیں تو جسم پر زخموں کی چادر لے چلو

پیار کے بوسیدہ پھولوں کی یہاں قیمت نہیں
شیش محلوں سے گزرنا ہے تو پتھر لے چلو

ہوں گے اربابِ تماشا میں کچھ اہلِ درد بھی
چند آنسو بھی تبسم میں چھپا کر لے چلو

رات جب بھیگی تو سائے نے مجھے آواز دی
میں ہی تنہائی کا ساتھی ہوں مجھے گھر لے چلو

دادخواہی کو یہ تنہا زخمِ سر کافی نہیں
منصفوں کے پاس پتھر بھی اٹھا کر لے چلو

جانے کیسے کیسے صحراؤں میں ہوا اپنا گزر
دوستو آنکھوں میں اشکوں کا سمندر لے چلو

دیر سے صبحیں کھڑی ہیں در پہ آئینہ بدست
زندگی کو اب ذرا خوابوں سے باہر لے چلو

مجرمِ حق شہر میں میرے سوا کوئی نہیں
سنگ اندازوں کی بستی میں مرا سر لے چلو

کچھ برے لوگوں میں بھی تبلیغ ہونی چاہیے
میکدے میں جبہ و دستار و منبر لے چلو

طاہرؔ اپنے سرکشی کا یہ بھی کیوں احساں رہے
اپنی گردن کے لیے خود اپنا خنجر لے چلو

غزل

طربؔ صاحب میرٹھی

اس راہ میں جس موڑ پہ بھی آنکھ کھلی ہے
سورج تو وہی، دھوپ وہی، پیاس وہی ہے

سوچو تو اکیلا ہے بہت آج کا انساں
دیکھو تو ہر اک شہر میں اک بھیڑ لگی ہے

اب جو بھی سمت رہے پشیمان ہے خود پر
کیا تشنہ لبی، تشنہ، تشنہ لبی ہے

اس تپتے ہوئے دور کا حاصل جسے کہیے
ہر شخص کے چہرے پہ وہ تحریر لکھی ہے

بادل بھی برس جائیں تو ہوگی نہیں تسکین
اک عمر سلگتے ہوئے صحرا میں کٹی ہے

دیکھے نہ چمکتے ہوئے چہروں کے اندھیرے
تصویر کے اک رخ پہ نظر سب کی پڑی ہے

روداد کہیں کس سے طربؔ آپ دکھوں کی
اس دورِ کشاکش میں جو زندہ ہے دکھی ہے

غزل

خوشترؔ صاحب مکرانوی

کھو کا انسان بلکتا ہے درِ انساں پر
کوئی بھرتا ہی نہیں اسکے شکم کی محراب

سوکھی دھرتی کی گھٹاؤں پہ نظر ہے لیکن
کون اس کانچ کے ٹکڑے پہ چڑھائے سیماب

کیوں نہ افکار کی چیلوں کو اڑایا جائے
کتنے ہی ہاتھ میں ماضی کے ابھی ہیں اسباب

زیست بوسیدہ مکانوں میں رہیگی کبتک
ہم نئے لوگ اسے اپنے سکھائیں آداب

کون پھیلائے گا پھر اپنے صدف کا دامن
کبھی پلکوں کی منڈیروں سے بہیگا تیزاب

میاں مُلّا ابن العرب مکی

مسجد سے میخانے تک

بعض حضرات کے مشورہ پر مسجد سے میخانے تک کا انداز بدل دیا گیا ہے۔ آئندہ اسی انداز پر مسجد سے میخانے تک کا کالم ملاحظہ فرماتے رہیے۔

اطلاع ہے کہ حکومت پاکستان نے آئین کی تیاری کے سلسلہ میں ایک انگریز ماہر کی خدمات حاصل کریں۔

[illegible] ! اسلامی قانون اور انگریز ماہر بلکہ سیلون سے [illegible] ایک ماہر صاحب کی خدمات [illegible] لی گئی ہیں۔ اس جودت طبع اور فنکاری پر مستقبل کا مورخ سر دھنتے ہوئے لکھے گا۔ کہ ایشیا میں خوابوں کا ایک جزیرہ تھا پاکستان۔ جس کے حاکم تھے اہل ایمان۔ انھوں نے چودھویں صدی کا سب سے حیرت ناک کارنامہ یہ انجام دیا کہ ایک کافر سے اسلامی آئین بنوا کر چھوڑا۔ یعنی اندھے سے پڑھوائے۔ گونگے سے نغمے سنوائے اندھیروں سے نور نچوڑا۔ سنکھیا سے اکسیر بنایا۔ وغیرہ وغیرہ۔

ہمارے خیال سے یہ پیمانۂ کفر میں ڈھالا ہوا آئین اسلام جب مسودہ کی صورت میں تیار ہو جائے تو اس کی چھپائی کے لیے کسی امریکی ماہر طباعت کو بلانا چاہیے اور جب چھپ چکے تو اس کی جلد بندی کے لیے روسی ماہر تجلید بلانے از بسکہ ضروری ہیں۔

پھر اس کے نفاذ اور صحیح انطباق کے لیے چاند اور مریخ کے کسی ماہر کو دعوت دینی چاہیے۔ کیونکہ اس وقت تک امریکہ والے چاند کی دنیا سے رابطے قائم کر چکے ہوں گے اور قرآن و سنت کی ترقی یافتہ صحیح ترین تعبیر و تعلیم کے لیے چاند سے ملا مولوی تشریف لایا کریں گے۔ جب سارے مرحلے طے ہو جائیں تو اس عظیم مقدس آئین کی حفاظت کے لیے شیطان کو صدر جمہوریہ بنا دینا چاہیے اور مملکت کا یہ نام ہونا چاہیے۔

"[illegible] آزاد [illegible] ترقی پسند، مہذب و [illegible] بین الاقوامی، وسیع النظر [illegible] جمہوریہ"

یہ کرنے کے بعد ان سارے قیدیوں کو رہا کر دینا چاہیے جو اسلامی حکومت قائم کرنے کی ضد میں جیل خانوں میں سڑ رہے ہیں۔ اور کہنا چاہیے کہ

"لو اب اسلامی حکومت قائم ہے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھاتے پھرو اور "اولی الامر" کی اطاعت سے ایک انچ نہ ہٹو۔"

آپ نے سنا ہوگا کہ خوفناک عمل پڑھتے وقت اپنے ارد گرد ایک حصار کھینچ لیا جاتا ہے جس کے اندر محترم جن صاحب داخل نہیں ہو سکتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے آج کے سیاسی عاملین بھی دائرۂ سیاست کو ایسا ہی طلسمی حصار سمجھ بیٹھے ہیں جس کے اندر اللہ میاں داخل نہیں ہو سکتے

(نعوذ باللہ)

ملاحظہ کیجیے کہ سہارنپور میں مختلف کمیٹیوں کی چیرمینی کے انتخاب کے سلسلہ میں پانچ مسلمان بھائی بلا تکلف جن سنگھی پارٹی میں شامل ہوگئے اور کچھ ہی روز پہلے انہوں نے دوسری پارٹیوں کی وفاداری کا حلف اٹھایا تھا۔

یہ ہے مکمل آزادی اور جاپانی قلابازی۔

حلف کو مذاق سمجھنے کی راہ تو انگریزوں نے عدالتوں کے ذریعہ کھول دی تھی۔ خدا رکھے ویسا ہی قانون آج بھی عدالتوں میں رائج ہے اور جب سیاست کے حصار میں اللہ میاں کا قانون چلتا ہی نہیں تو چیرمینی اور نقد نارائن کی خاطر حلف سے پھرجانا کونسی بڑی بات ہے۔

شاباش اے گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے والو تمہارے ہی لیے ایک چودھویں صدی کے بناسپتی نبی پر یہ وحی نازل ہوئی تھی کہ گرگٹ کا کاٹا پانی نہ مانگے۔ مگر یار چیرمینی تو تمہیں پھر بھی نہ ملی۔ ذرا ترقی کی طرف کچھ اور قدم بڑھاؤ۔ دھوتی اور چوٹی۔ پھر تو کام بن جائے گا تو پھر سینگ پوجا کی تقدیس پر دوچار بھاشن دیدینا اور دوچار سجدے روز مندر کی چوکھٹ پر کرلیا کرو۔ چوکھٹ پر اس لیے کہ اندر تو شاید تمہیں پھر بھی نہیں جانے دیا جائے گا، کیونکہ جن سنگھی حضرات کا خیال ہے کہ جو خدا سے غداری کرے گا وہ خدا کے بندوں سے بھی ضرور غداری کرے گا۔

میاں رمضانی خاں مسے میں کبھی کا تنگ آچکا۔ جب بھی حضرت میرے چبوترے کے سامنے سے گذرتے ہیں ذکاروں کی گونج میں یہ الفاظ سنائی دیتے۔

"یا اللہ تو ہی ہے۔ یا صابر یا خواجہ اجمیری رحم فرما۔ یا مولا غریب نواز"

یہ جملے وہ اس انداز سے کہتے ہوئے گذرتے جیسے گہری محویت میں غرق فنافی الجذب ہیں اور دنیا و مافیہا سے بے خبر روحانیت کے ساتویں آسمان پر اڑ رہے ہیں۔

بدھو، کلو، خیرو اور کھیڑو وغیرہ انھیں دیکھ کر ایک طرف کھڑے ہوجاتے ہیں۔ جمن کی بیوی دروازہ میں کھڑی سوچتی ہو یا نہ ہو خواجہ اجمیری نے اسے میری ہی مراد پوری کرنے کے لیے بھیجا ہے اور بھی بن پر خدا بخش وغیرہ نہ جانے کیا کیا سوچتے ہوں گے۔ مگر خاکسار ملا کا یہ حال ہوتا کہ جہاں دور سے ان کی ڈکار کانوں میں پڑتی اور لہکتے ہوئے حقہ کا دم بیچ میں رک گیا۔ چارپائی میں کھٹمل کاٹنے لگے۔ دماغ میں انگارے سے دہکنے لگے اور جی میں آیا کہ دوڑ کر ان کے منہ پر ہاتھ رکھدوں، مگر اپنے سوکھے ہوئے بازوؤں کا مقابلہ ان کے موسل جیسے پلے ہوئے بازوؤں اور لمبی سو چوڑے اتنی چوڑے سینے سے کرتا تو دل مسوس کر رہ جاتا۔

آخر سوچتے سوچتے یہ کیا کہ حضرت روزانہ بعد عشا اپنے چبوترے پر لیٹ جاتے ہیں، کلو خیرو وغیرہ پیر دباتے، کھوپڑی کی مالش کرتا خاکسار، بھولو پہلوان اور خیراتی پہلوان کو ساتھ لے کر ادھر سے گذرا تو دور ہی سے ایسی ڈکاروں اور یاحق کا نعرہ لگایا اور گلے کی پوری طاقت سے عرض کیا۔

"یا پیر دستگیر امریکہ کرم کر ——— یا خواجہ روس مدد فرما ایٹم بم بخش تو ———"

رمضان خاں چونک پڑے۔ خادموں نے بھی گردنیں ابھاریں۔ میں شان بے نیازی سے اپنا وظیفہ پڑھتے ہوئے گذر گیا۔

دوسرے دن پھر یہی کیا ——— وہ یقیناً میری ہڈیاں چبا جاتے اگر میرے پیدائشی دوست بھولو اور خیراتی ہاتھیوں کی طرح جھومتے ہوئے میرے ساتھ نہ ہوتے۔

آخر کار تیسرے دن رمضان خاں سے نہ رہا گیا۔ ٹوک ہی دیا۔

"ارے بھئی یہ کیا کفر بکتے ہو؟ ———"

میں نے ایک بار پورا وظیفہ دہرا کر کہا۔

"کفر کیسا؟ ———"

بولے ——— "پیر فقیروں کا مذاق اڑاتے ہو دوزخ میں سڑوگے ———"

بھولو پہلوان دھڑک اٹھا۔

"دوزخ میں جائے تو اور تیرا باپ"

میں نے روکا "چپ رہو بھیا۔ بات کو سمجھنے دو ———"

اس کے بعد میں اپنے پہلوان ساتھیوں سمیت رمضانی بابا کی چارپائی پر بیٹھ گیا۔ ان کے خدام بھی سنبھل گئے۔ آس پاس کے کچھ لوگ چبوترے کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ اچھا خاصا اجتماع ہو گیا۔

اب میں نے نرمی اور ادب کے ساتھ پوچھا۔

"آپ کا مطلب میں نہیں سمجھا رمضان بابا ——"

فرمایا —— "بھائی امریکہ اور روس کی دہائی تو کفر ہے، یہ سبق تمہیں کس پیر نے دیا؟ ——"

میں نے عرض کیا۔

"خدا کو پکارتے پکارتے تو تھک گیا ہوں سنتا ہی نہیں"

"توبہ کرو توبہ —— وہ ضرور سنتا ہے —— سب سنتا ہے —— سب کی سنتا ہے —— انھوں نے بلغمی آواز میں کہا ——"

"میں جھٹ سے بولا —— تو آپ روزانہ صابر پیا اور خواجہ اجمیر وغیرہ کو کیوں پکارتے ہیں —— ؟"

فرمایا۔

"ان کی کیا بات ہے، مولا کے مقرب ہیں۔ فیض والے ہیں، ذی قوت ہیں۔ حاضر و غائب ہیں —— وغیرہ وغیرہ"

"میں نے کہا —— بات یہ ہے کہ آپ سائنس کا زمانہ ہے۔ خدا کے سوا اب کسی اور سے اگر مانگنا اور مدد لینا ہے تو امریکہ سے زیادہ اس کا مستحق کون ہے۔ ڈالر ملیں گے کھنا کھن اور ایٹم بم کی حمایت بنا ہی نصیب ہو گی دنادن"

"واہیات —— ایک دم واہیات —— رمضان خاں بڑبڑائے ——"

بھولا پہلوان بولا۔

"دیکھیے اول فول نہ بکیے بات عقل کی ہونی چاہیے"

رمضانی بابا کا جوش بھولو کا جوش دیکھ کر بتاشے کی طرح بیٹھ گیا۔

خیر داستان تو بہت لمبی ہے —— مختصر یہ کہ اب جب کبھی رمضان بابا میرے چبوترے کے قریب سے گزرتے ہیں میرے منھ سے بے ساختہ نکل جاتا ہے :-

"یا امریکہ المدد —— یا روس حق تو ——"

فرانس کے ایک "ننگے کلب" کے سرگرم لیڈر نے ارشاد فرمایا۔

"جنسی معاملات میں شرم اور فطری جذبات و خواہشات میں حیاداری اور کسی خاص انسانی عضو کو چھپا کر رکھنے کی حماقت قدامت پرست لوگوں کی بے مغز منطق کا نتیجہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جھوٹے رسم و رواج اور مصنوعی اخلاقی قدروں سے بغاوت کر کے مرد یا عورت جب عین فطری زندگی گذارنے کے لیے ننگے رہنے لگتے ہیں تو فضول کی شرم و غیرت کا احساس رفتہ رفتہ قطعاً مٹ جاتا ہے اور نتائج نہایت خوشگوار نکلتے ہیں۔"

مرحبا صد مرحبا۔

اب کیا فرماتے ہیں علمائے نفسیات و فضلائے ہوس بیچ دریں مسئلہ —— ؟

پروردگار کے نام سے شروع کرتے ہیں —— مولا بخش جب سیٹھ صفدر بیگ کے گھر ملازم ہوا تو شروع شروع میں بڑا پریشان رہا۔ سیٹھ جی اسے دن میں دس پندرہ بار ماں بہن کی مغلظات گالیاں دیتے اور ہر دوسرے تیسرے دن دو چار جوتے بھی رسید کر دیتے۔ مولا بخش اگر بے روزگاری کے ہاتھوں لاچار نہ ہوتا تو کبھی کا یہ ملازمت چھوڑ چکا ہوتا۔ لیکن با دل نخواستہ جما رہا اور آخر کار اب اس کی یہ حالت ہے کہ فحش ترین گالیاں اور دو چار جوتے اس کی پیشانی پر ایک شکن بھی نہیں ڈالتے۔ میں نے پوچھا کیا حال ہے؟ —— بولا بہت اچھا۔ جوتوں اور گالیوں کی ایسی عادت پڑی ہے کہ کچھ خیال ہی نہیں ہوتا کہ یہ کوئی بری چیزیں ہیں۔

تو عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مغربی تہذیب کے فنکار جس منطقی راستہ پر چل رہے ہیں وہ ایک گدھے اور بیل سے لے کر ایک طوائف، ایک ڈاکو، ایک قاتل، ایک عادی [illegible] تک کی نفسیات [illegible] اور جمہوری مزاج کے عین مطابق [illegible] —— لہذا اب تو بہ خلوص دل یہ دعا کرنا ہی دانش مندانہ [illegible] کہ [illegible] ان کو [illegible] اور زیادہ

ملاحظہ کیجیے کہ سہارنپور میں مختلف کمیٹیوں کی چیرمینی کے انتخاب کے سلسلہ میں پانچ مسلمان تھا فنے بلا تکلف جن سنگھی پارٹی میں شامل ہو گئے اور کچھ ہی روز پہلے انہوں نے دوسری پارٹیوں کی وفاداری کا حلف اٹھایا تھا۔

یہ ہے مکمل آزادی اور جاپانی قلابازی۔

حلف کو مذاق سمجھنے کی راہ تو انگریزوں نے عدالتوں کے ذریعہ کھول دی تھی۔ خدا رکھے ویسا ہی قانون آج بھی عدالتوں میں رائج ہے اور جب سیاست کے حصار میں اللہ میاں کا قانون چلتا ہی نہیں تو چیرمینی اور نقد نارائن کی خاطر حلف سے پھرجانا کونسی بڑی بات ہے۔

شاباش اے گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے والو تمہارے ہی لیے ایک چودھویں صدی کے بناسپتی نبی پر یہ وحی نازل ہوئی تھی کہ گرگٹ کا کاٹا پانی نہ مانگے۔ مگر یار چیرمینی تو تمہیں پھر بھی نہ ملی۔ ذرا ترقی کی طرف کچھ اور قدم بڑھاؤ۔ دھوتی اور چوٹی۔ پھر تو کام بن جائے گا تو پھر سینگ پوجا کی تقاریب پر دو چار بھاشن دے دینا اور دو چار سجدے روز مندر کی چوکھٹ پر کر لیا کرو۔ چوکھٹ پر اس لیے کہ اندر تو شاید تمہیں پھر بھی نہیں جانے دیا جائے گا، کیونکہ جن سنگھی حضرات کا خیال ہے کہ جو خدا سے غداری کرے گا وہ خدا کے بندوں سے بھی غداری کرے گا۔

میاں رمضانی خاں سے میں کبھی کا تنگ آ چکا۔ جب بھی حضرت میرے چبوترے کے سامنے سے گذرتے ہیں ڈکاروں کی گونج میں یہ الفاظ سنائی دیتے۔

"یا اللہ تو ہی ہے۔ یا صابر یا خواجہ اجمیری رحم فرما۔ یا مولا غریب نواز"

یہ جملے وہ اس انداز سے کہتے ہوئے گذرتے جیسے گہری صوفیت میں غرق فنا فی المجذوب ہیں اور دنیا و مافیہا سے بے خبر روحانیت کے ساتویں آسمان پر اڑ رہے ہیں۔

بدھو، گل خیرا اور کھیرو وغیرہ انھیں دیکھ کر ایک طرف کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جمن کی بیوی دروازہ میں کھڑی سوچتی ہو یا نہ ہو خواجہ اجمیری نے اسے میری ہی مراد پوری کرنے کے لیے بھیجا ہے اور بھی بن، رحم بخش وغیرہ نہ جانے کیا کیا سوچتے ہوں گے۔ مگر خاکسار کا یہ حال ہوتا کہ جہاں دور سے ان کی ڈکار کانوں میں پڑی اور لپکتے ہوئے حقہ کا دم بیچ میں رک گیا۔ چارپائی میں کھٹمل کاٹنے لگے۔ دماغ میں انگارے سے دہکنے لگے اور جی میں آیا کہ دوڑ کر ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دوں، مگر اپنے سوکھے ہوئے بازوؤں کا مقابلہ ان کے موسل جیسے پلے ہوئے بازوؤں اور لمبی سو چوڑے اتنے چوڑے سینے سے کرتا تو دل مسوس کر رہ جاتا۔

آخر سوچتے سوچتے یہ کیا کہ حضرت روزانہ بعد عشا اپنے چبوترے پر لیٹ جاتے ہیں، گل خیرا وغیرہ پیر دباتے، تھوسر کی مالش کرتا خاکسار، بھولو پہلوان اور خیراتی پہلوان کو ساتھ لے کر ادھر سے گذرا تو دور ہی سے ایسی ڈکاروں اور ہو حق کا نعرہ لگایا اور گلے کی پوری طاقت سے عرض کیا۔

"یا پیر دستگیر امریکہ کرم کر ———— یا خواجہ روس مدد فرما ایٹم بم بخش تو ————"

رمضان خاں چونک پڑے۔ خادموں نے بھی گردنیں ابھاریں۔ میں شان بے نیازی سے اپنا وظیفہ پڑھتے ہوئے گذر گیا۔

دوسرے دن پھر یہی کیا ———— وہ یقیناً میری ہڈیاں چبا جاتے اگر میرے پیدائشی دوست بھولو اور خیراتی ہاتھیوں کی طرح جھومتے ہوئے میرے ساتھ نہ ہوتے۔

آخر کار تیسرے دن رمضان خاں سے نہ رہا گیا۔ ٹوک ہی دیا۔

"ارے بھئی یہ کیا کفر بکتے ہو؟ ————"

میں نے ایک بار پورا وظیفہ دہرا کر کہا۔

"کفر کیسا؟ ————"

بولے ———— "پیر فقیروں کا مذاق اڑاتے ہو دوزخ میں سڑو گے ————"

بھولو پہلوان دھڑوک اٹھا۔

"دوزخ میں جائے تو، سڑے تیرا باپ"

میں نے روکا "چپ رہو بھیا۔ بات کو سمجھنے دو ————"

اس کے بعد میں اپنے پہلوان ساتھیوں سمیت رمضانی خاں کی چارپائی پر بیٹھ گیا۔ ان کے خدام بھی سنبھل گئے۔ آس پاس کے کچھ لوگ چبوترے کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ اچھا خاصا اجتماع ہو گیا۔

اب میں نے نرمی اور ادب کے ساتھ پوچھا۔

"آپ کا مطلب میں نہیں سمجھا رمضان بابا ــــــ"

فرمایا ــــــ "بھائی امریکہ اور روس کی دہائی تو کفر ہے، یہ سبق تمہیں کس پیر نے دیا؟ ــــــ"

میں نے عرض کیا۔

"خدا کو پکارتے پکارتے تو تھک گیا ہوں سنتا ہی نہیں"

"توبہ کرو توبہ ــــــ وہ ضرور سنتا ہے ــــــ سب سنتا ہے ــــــ سب کی سنتا ہے ــــــ انھوں نے بلغمی آواز میں کہا ــــــ"

"میں جھٹ سے بولا ــــــ تو آپ روزانہ صابر پیا اور خواجہ اجمیر وغیرہ کو کیوں پکارتے ہیں ــــــ؟"

فرمایا۔

"ان کی کیا بات ہے، مولا کے مقرب ہیں۔ فیض والے ہیں۔ ذی قوت ہیں۔ حاضر و غائب ہیں ــــــ وغیرہ وغیرہ"

"میں نے کہا ــــــ بات یہ ہے کہ آپ سائنس کا زمانہ ہے۔ خدا کے سوا اب کسی اور سے اگر مانگنا اور مدد لینا ہے تو امریکہ سے زیادہ اس کا مستحق کون ہے۔ ڈالر ملیں گے کھنا کھن اور ایٹم بم کی پشت پناہی نصیب ہو گی دنادن"

"واہیات ــــــ ایک دم واہیات ــــــ رمضان خاں بڑبڑائے ــــــ"

بھولا پہلوان بولا۔

"دیکھیے اول فول نہ بکیے بات عقل کی ہونی چاہیے"

رمضانی بابا کا جوش بھولو کا جوش دیکھ کر بتاشے کی طرح بیٹھ گیا۔

خیر داستان تو بہت لمبی ہے ــــــ مختصر یہ کہ اب جب کبھی رمضان بابا میرے چبوترے کے قریب سے گزرتے ہیں تو میرے منہ سے بے ساختہ نکل جاتا ہے :-

"یا امریکہ المدد ــــــ یا روس تجی تو ــــــ"

فرانس کے ایک "ننگے کلب" کے سرگرم لیڈر نے ارشاد فرمایا۔

"جنسی معاملات میں شرم اور فطری جذبات و خواہشات میں حیاداری اور کسی خاص انسانی عضو کو چھپا کر رکھنے کی حماقت قدامت پرست لوگوں کی بے مغز منطق کا نتیجہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جھوٹے رسم و رواج اور مصنوعی اخلاقی قدروں سے بغاوت کر کے مرد یا عورت جب عین فطری زندگی گذارنے کے لیے ننگے رہنے لگتے ہیں تو فضول کی شرم و غیرت کا احساس رفتہ رفتہ قطعًا مٹ جاتا ہے اور نتائج نہایت خوشگوار نکلتے ہیں۔"

مرحبا صد مرحبا۔

اب کیا فرماتے ہیں علمائے نفسیات و فضلائے ہوس بیچ دریں مسئلہ ــــــ؟

پروردگار کے نام سے شروع کرتے ہیں ــــــ مولا بخش جب سیٹھ صفدر بیگ کے گھر ملازم ہوا تو شروع شروع میں بڑا پریشان رہا۔ سیٹھ جی اسے دن میں دس پندرہ بار ماں بہن کی مغلظات گالیاں دیتے اور ہر دوسرے تیسرے دن دو چار جوتے بھی رسید کر دیتے۔ مولا بخش اگر بے روزگاری کے ہاتھوں لاچار نہ ہوتا تو کبھی کا یہ ملازمت چھوڑ چکا ہوتا۔ لیکن بادل نخواستہ جما رہا اور آخر کار اب اس کی یہ حالت ہے کہ فحش ترین گالیاں اور دو چار جوتے اس کی پیشانی پر ایک شکن بھی نہیں ڈالتے۔ میں نے پوچھا کیا حال ہے؟ ــــــ بولا بہت اچھا۔ جوتوں اور گالیوں کی ایسی عادت پڑی ہے کہ کچھ خیال ہی نہیں ہوتا کہ یہ کوئی بری چیزیں ہیں۔

تو عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مغربی تہذیب کے فنکار جس منطقی راستہ پر چل رہے ہیں وہ ایک گدھے اور بیل سے لے کر ایک طوائف، ایک ڈاکو، ایک قاتل، ایک عاشق تک کی نفسیات پر صادق آتا اور ہر ہوس مزاج کے عین مطابق ہے ــــــ لہٰذا اب تو ہر مخلص دل یہ دعا کرتا ہی دانش مندانہ ہو گا کہ شیطان کرے زور ہوس اور زیادہ

ایک محفل میں جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں کچھ ضرورت سے زیادہ سمجھدار لوگ ایک بحث میں الجھے ہوئے تھے۔ موضوع تھا حضرت مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علمائے ہند ناظم اعلے ملت تم فدائے گورنمنٹ۔

بعض لوگ مولانائے موصوف کو ایشیا میں سب سے زیادہ بھاری بھرکم قرار دے رہے تھے اور بعض حضرات قبلہ مہتمم صاحب کو سب سے زیادہ عظیم باور کرانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ خاکسار خاموش بیٹھا جل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو کا وظیفہ پڑھ رہا تھا۔

کافی گرماگرمی کے بعد لوگ میری طرف متوجہ ہوئے اور برادرانہ لہجے میں بولے۔

"کیوں ملا بھائی آپ کی کیا رائے ہے؟"

"میری رائے یہ ہے کہ قاری طیب اور مولانا اسعد میں اگر عادلانہ مقابلہ ہو تو نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہوگا کہ ارباب طیب کو خفت کا سامنا کرنا پڑے۔ مولانا اسعد بلاشبہ مہتمم صاحب سے زیادہ طویل وعریض ہیں۔ اور اگر کوئی ترددہو تو لکڑی تولنے کی ترازو میں دونوں کو کھڑا کرکے دیکھ لو، ترازو کا وہی پلڑا جھکے گا جس میں حضرت فدائے ملت جلوہ گر ہوں گے۔"

"ہائیں ــــــ پوری مجلس نے میری طرف حیرت سے دیکھا۔ اور خاکسار کو ان کی حیرت پر حیرت ہوئی۔ کچھ دیر تو حیرت در حیرت میں گزر رہے۔ پھر ایک صاحب نے ہمت کرکے کہا۔

"ملا بھائی ــــــ ترازو میں کھڑا کرنے کا کیا مطلب؟"

دفعتاً میری کھوپڑی میں کچھ شعلے سے بھڑکے۔ پھر میں نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"مقابلہ تو جسموں ہی کا ہو رہا ہے نا؟"

"العیاذ باللہ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ ــــــ صوفی بلغم صاحب کے منہ سے بیک وقت دو آوازیں نکلیں۔

میں نے اپنی خفت مٹانے کے لیے کہا ــــــ میرے بھائی غلطی تو آپ ہی کی ہے۔ پہلے یہ تو واضح کردو کہ مقابلہ باعتبار جسم ہو رہا ہے یا باعتبار کچھ اور ــــــ میں نے تو بھاری بھرکم کا لفظ سن کر یہ سمجھا تھا کہ شاید دونوں کے اجسام کا مسئلہ زیر بحث ہے۔

آج معلوم ہوا کہ تمہارے اندر تدبر نام کی کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ صوفی معشوق صاحب نے مجھے مدبرانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے فرمایا۔

"ہاں ــــــ کسی زمانے میں تدبر ہمارے گھر کے اندر پانی بھرتا نظر آتا تھا۔ ایمرجنسی کے بعد وہ ارسطو کی قبر میں جاکر معتکف ہوگیا۔ خدا ہی جانے کیوں؟"

"تم جھکی ہو ــــــ بلکہ بوزم ہو ــــــ" صوفی تیزاب بھڑک کر بولے۔

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد منشی ذکاوت علی نے تجدید بحث کرتے ہوئے کہا کہ مولانا اسعد مدنی اس دور کی سب سے عظیم شخصیت ہیں۔

"بلاشبہ ــــــ اور جو اس حقیقت پر ایمان نہ لائے اس کے مودودی ہونے میں کوئی کلام نہیں"۔ میں لہرایا

لیکن ناچیز اس وقت تک مولانا اسعد کو اس کائنات کا سب سے بڑا بزرگ نہیں سمجھ سکتا جب تک بطور ثبوت ان کا کوئی معجزہ نہ پیش کیا جائے ــــــ صوفی آریار نے کہا۔

اس سے بڑا معجزہ اور کیا ہوگا ــــــ" میں بولا" ایک شخص ٹانڈہ میں پیدا ہوا اور مدنی کہلائے اور مدنی سمجھا جائے۔

ہاں ــــــ لو ــــــ کتنا شاندار معجزہ ہے۔ پروردگار نے اصلیت پر ایسا پردہ ڈالا کہ بس زندگی بھر واہ واہ کرتے رہیے کئی افراد نے ملے جلے انداز میں میرے خیال کی تائید کی۔ مولانا اسعد کے مخالفین کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

ابھی بات کچھ آگے بھی چلتی ــــــ لیکن دفعتاً مجھے یاد آیا کہ میں سودا سلف لینے کی غرض سے باہر نکلا تھا اور اہلیہ میرے انتظار میں باورچی خانے کی کڑیاں گن رہی ہوگی۔ لہذا میں اس علمی اور تحقیقی مجلس سے دم دبا کر بھاگا۔

نس بندی عوام کے لیے بہت ضروری ہے۔ ایک رائے۔
اور خواص کے لیے ــــــ؟
(ملا زندہ صحبت باقی)

(بقیہ از صفحہ ۳۰)

لیکن مشکل تو یہی ہے کہ یہ لوگ خالص بریلوی بھی نہیں اگر بریلوی ہی ہو جاتے تو صبر آ جاتا۔ ان کا معاملہ تو بس وہی ہے کہ دھوبی کا کتا گھر کا نہ گھاٹ کا۔

اے سائل محترم! جس جماعت کا کوئی مخصوص عقیدہ نہ ہو کوئی معین نقطۂ نظر نہ ہو، جو جماعت بریلوی ازم کو بھی محبوب رکھتی ہو اور دیوبندی عقیدہ کو بھی، منبر کی زبان سے فلم بینی کی مخالفت کرتی ہو اور عمل کی متأثر کن زبان سے اس کے جائز ہونے کے فتوے صادر کرتی ہو اس جماعت سے وابستہ کچھ من چلے اور بے راہ روی کا شکار حفاظ اگر کسی سینما ہال میں قرآن خوانی کے مظاہرے کر گذریں تو مجھے اور آپ کو حیرت کیوں ہو اور مجھے اور آپ کو کیا ضرورت ہے کہ ان کے خلاف آوازیں اٹھانے کی، اور فائدہ بھی کیا ہو گا میرے اور آپ کے داویلا کرنے سے۔ کیا ان نادانوں کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے گا، کیا یہ لوگ آئندہ ایسی شرمناک حرکتوں سے محفوظ رہنے کا عہد کر لیں گے۔

نہیں محترم! ہرگز نہیں جمعیۃ العلماء کے افراد عریاں جہالت اور نازیبا حرکات سے باز نہیں آسکیں گے خواہ انھیں ہزار بار آئینۂ حق دکھانے کی کوشش کی جائے۔

ہاں یہ ضروری ہے کہ آپ اپنے علاقے کے لوگوں پر یہ بات واضح کر دیجیے کہ فلم بینی بلا کسی اختلاف کے ناجائز ہے اور فلموں کے ذریعہ کمایا ہوا پیسہ بھی بلاشبہ اور بلا اختلاف ناجائز ہے۔ لہذا کسی ناجائز کاروبار کی ترقی کے لیے دعائیں مانگنا اور ختم قرآن کا اہتمام کرنا انتہائی درجہ کی جہالت اور سفاک قسم کی حرکت ہے۔ کیسا دل گردہ ہے ان حافظوں کا جنھوں نے سینما کی معیوب چہار دیواری میں قرآن خوانی کی جرأت کر ڈالی۔ ہمارے دل و دماغ تو اس تصور ہی سے لرز رہے ہیں۔

حیرت اس بات پر ہے کہ اس حرکت کا کوئی چرچا اخباروں میں نہیں ہوا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملت کس قدر بے حس ہو کر رہ گئی ہے۔ ایک ناجائز کاروبار کے ترقی کی دعائیں مانگی جائیں اور ببانگ دہل مانگی جائیں اور سینما ہال میں قرآن خوانی ہو اور کھلے عام ہو اس کے باوجود کہیں سے کوئی آواز ایسے بازاری حافظوں کے خلاف نہ اٹھے تو ایماندار دلوں کو جتنی بھی حیرت ہو کم ہے۔

ہمارا خیال یہ ہے کہ جمعیۃ العلماء کو اجتماعی طور پر متنبہ کیا جائے اور اسے اس کی غلطی کا احساس دلایا جائے۔ اگر اس وقت اس کو تنبیہ نہ کی گئی تو ہمیں یہ دن بھی دیکھنا پڑے گا کہ ایک مسلمان نے شراب خانہ کھولا اور اس میں باقاعدہ قرآن خوانی ہوئی اس غرض سے کہ شراب خانہ خوب چلے اور پھر یہ بھی ہو گا کہ ایک زرینہ نامی طوائف اپنے کوٹھے پر چند حافظوں کو مدعو کرے گی کہ جو ختم قرآن کے بعد اس بات کی دعا مانگیں گے کہ پروردگار اس طوائف کے کاروبار کو خوب خوب چلائے۔

اور پھر اسی پر بس نہیں ہو جائے گا بلکہ کچھ رنگیلے قسم کے مسلمان شراب خانہ تعمیر کرنے کے بعد برائے برکت شراب خانہ کی پیشانی پر موٹے لفظوں میں لکھوائیں گے "اسلامی شراب خانہ" اور کچھ سر پھرے مسلمان ایسے سینما ہال قائم کریں گے جن کے صدر دروازوں پر لکھا ہو گا:-

"محمدی پکچر ہاؤس"

اور پھر کچھ عرصہ کے بعد اندھی عقیدت کے مارے ہوئے مسلمان "حسینی کلب" اور "اشرفی قہوے خانے" قائم کرنے سے باز نہیں آئیں گے۔

پروردگار پناہ میں رکھے اور جمعیۃ العلماء کے ان من چلے اور بے لگام حافظوں کو نیک توفیق عطا فرمائے جن کی ایک عریاں جہالت اور فحش حرکت نے دل و دماغ کی سطح پر اندیشوں کی دھوپ بکھیر دی ہے۔

اس بار صفحات کی تنگ دامانی کی وجہ سے تجلی کی ڈاک کا کالم ایک ہی سوال کے جواب میں سمٹ کر رہ گیا ہے۔ بعض ضروری سوالوں کے جوابات جنکو اسی ماہ منظر عام پر آنا چاہیے تھا اگلے ماہ ملاحظہ فرمائیے۔

کمالین شرح اردو جلالین

از:- حضرت مولانا محمد نعیم صاحب استاذ تفسیر دارالعلوم دیوبند

تفسیر جلالین شریف کی اہمیت اور مقبولیت ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں کیا جا سکتا۔ عالم اسلام کا شاید ہی کوئی مدرسہ ہوگا جہاں یہ تفسیر داخل درس نہ ہو۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اب تک اس مقبول عالم تفسیر پر اردو زبان میں کسی درجہ پر کوئی کام نہیں ہوا الحمد للہ اب اس تفسیری کام کا سلسلہ شروع کر دیا گیا ہے جس میں سب سے مقدم متن جلالین شریف ہے۔ متن کے نیچے مکمل سلیس اردو ترجمہ ہے اور اس سے بعد تفسیر کی مکمل تشریح۔ یہ تفسیر عام مسلمانوں کے لیے احکام قرآنی کو سلیس اردو زبان میں سمجھانے والا ایک نیا تحفہ ہے۔ طلباء کے لیے بیش بہا علمی خزانہ ہے۔ تفسیر بذا اہم مستند تفاسیر سے ماخوذ مضامین، علوم قرآنی سے متعلق دور حاضر کی اچھوتی تحقیقات، علمی لطائف اور قرآنی نکات، مذہب حنفی کی تائید اور اس کے دلائل علماء دیوبند کے مسلک کی ترجمانی، عقائد سے متعلق قیمتی مسائل، شان نزول اور ربط آیات، بلاغت اور اسلوب۔ قرآن پر کامل تبصرہ۔ غرضیکہ یہ اہم تفسیری کتاب آج اردو تشریح کا لباس زیب تن کر کے بلاشبہ اردو زبان میں تفسیر کا نادر ذخیرہ بن گئی ہے۔

کمالین قسط ۱ تا ۴ ۵/۵۰ پارہ ۳ ۵/- پارہ ۴ و ۵ ۶/- پارہ ۶ تا ۱۴ ۵/- پارہ ۱۵ ۶/۷۵
پارہ ۱۶ تا ۱۹ ۵/- پارہ ۲۰ ۶/- پارہ ۲۱ ۶/۷۵

اشرفی عکسی بہشتی زیور مکمل و مدلل محشیٰ

مولانا تھانویؒ کی یہ شہرہ آفاق کتاب کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ مختصراً اتنا کافی ہے کہ یہ کتاب الف سے لے کر خطوط نویسی، عقائد، اعمال اخلاق، تہذیب و تربیت، نہایت ضروری مسائل، پیغمبروں اور اولیاء اللہ کے تذکرے، صنعت و حرفت، حساب و کتاب، عملیات، ہر وقت کے کار آمد طبی نسخے، طرح طرح کے کھانے پکانے و بنانے کی ترکیبیں درج ہیں۔

عکسی ایڈیشن کی چند اہم خصوصیات:-

(۱) اشرفی بہشتی زیور عکسی مسائل پر نظر ثانی۔ بعض مسائل میں نئی ترمیمات اور بہت سے مسائل کے اضافے کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔

(۲) اشرفیہ بہشتی زیور عکسی میں عربی حواشی عربی رسم الخط میں، اردو حواشی اردو رسم الخط میں لکھوائے گئے ہیں۔

(۳) اشرفیہ بہشتی زیور عکسی میں حواشی زیر متن لکھوائے گئے ہیں تاکہ جلد سازی میں خراب نہ ہوں۔

(۴) اشرفیہ بہشتی زیور عکسی میں عورتوں اور بچیوں کے لیے کشیدہ کاری کے نمونے بھی لکھوائے گئے ہیں۔

(۵) اشرفیہ بہشتی زیور عکسی کے ہر حصہ کے صفحات الگ ہیں اور فہرست مضامین بھی الگ الگ ہیں۔ نیز پوری کتاب پر مسلسل صفحات بھی الگ سے ڈلوا دیے گئے ہیں۔

ان تمام خوبیوں کے ساتھ ادارہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہے ـــ قیمت صرف ۳۵/- غیر مجلد

اشرفی عکسی تواریخ حبیب آلہ	۵/۵۰	اشرفی عربی بول چال دوم	۳/۵۰	اشرفی کتاب الصرف	۳/۵۰
اشرفی اشراق نوری۔ ترجمہ قدوری	۸/-	” گلستان بحاشیہ اردو	۶/-	” کتاب النحو	۲/۵۰
” عربی بول چال اول	۲/-	” بوستان ” ”	زیر طبع		

پروپرائٹر وقار علی۔ مکتبہ تھانوی دیوبند (یو۔پی)

عتیق احمد بستوی

کھرے کھوٹے

ماہنامہ تعمیر سیرت

ایڈیٹر جناب غلام محمد صاحب۔
مقام اشاعت: مدرسہ تعمیر سیرت، مالیرکوٹلہ (پنجاب)
قیمت فی شمارہ پچاس پیسے۔ سالانہ چندہ پانچ روپے۔
پتہ: ماہنامہ تعمیر سیرت ۲۷۴ دہلی گیٹ مالیرکوٹلہ ۱۴۸۰۲۳
ضلع سنگرور (پنجاب)

(یہ تبصرہ ماہنامہ کے دو شمارے ہمارے پیش نظر ہیں ایک شمارہ جون جولائی ۷۶ء کا مشترکہ شمارہ ہے، دوسرا پرچہ اگست کا ہے۔

مالیرکوٹلہ میں عرصہ سے ایک سرکاری دارالافتاء قائم ہے اس وقت سرکاری طور پر اس دارالافتاء کے ذمہ دار مولانا فضیل الرحمن صاحب ہلال عثمانی ہیں۔ انھوں نے وہاں پر منصبی فرائض انجام دینے کے ساتھ دوسری سرگرمیاں بھی شروع کر رکھی ہیں۔ مثلاً بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کے لیے ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی ہے جس میں فی الحال سات مدرس خدمت تدریس میں لگے ہوئے ہیں، مدرسہ کی طرف سے ایک ماہنامہ بھی جاری کیا ہے جس پر ہم تبصرہ کرنے کے ارادے سے قلم اٹھا رہے ہیں۔

تفصیلی تبصرہ کرنے سے پہلے ہم اتنا ضرور کہیں گے کہ آجکل جبکہ اردو زبان مٹتی جا رہی ہے۔ اس زبان کے اندر کسی اخبار یا رسالہ کا اجراء خواہ وہ کسی معیار کا ہو، اس زبان کی بڑی خدمت ہے۔ اس زبان کی کس مپرسی کے باوجود جو حضرات اس زبان میں کتب اور رسائل چھاپ رہے ہیں وہ پامردی کا ثبوت دے رہے ہیں۔ خصوصاً دینی موضوع کے رسائل اور کتابوں کی کھپت اور بھی کم ہے۔ مدرسہ تعمیر سیرت کے ذمہ داران قابل مبارکباد ہیں۔ جنھوں نے آہنی جذبہ کے ساتھ اس دینی ماہنامہ کا اجراء کیا۔

یہ ماہنامہ مجموعی اعتبار سے سہل اور آسان زبان میں ہے۔ اس ماہنامہ کا مقصد زیادہ تر عوام کو دینی و مذہبی معلومات بہم پہنچانا ہے۔ مضامین ہلکے پھلکے اور مختصر ہیں۔ کاغذ اوسط درجہ کا ہے۔ کتابت گھٹیا درجہ کی ہے۔ کتابت کی غلطیاں بھی کچھ کم نہیں۔ اگر کتاب پر تبصرہ ہوتا تو ہم غلطیوں کی کچھ نشاندہی کرتے تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کر لی جاسکے لیکن اخبار و رسائل کی کتابتی اغلاط شمار کرانے میں تجلی کے صفحات بھر دینا سودمند نہیں ہے اس لیے بطور نمونہ آخر میں چند اغلاط کی نشاندہی کرنے پر اکتفا کریں گے۔

جون و جولائی کے مشترکہ شمارہ میں جناب فاروق خاں صاحب کا مضمون "مجھے اپنا مذہب کیوں پیارا ہے" معلوماتی اور دلچسپ ہے۔ "الفاظ کے پردے میں" مضمون دلچسپ ہونے کے ساتھ نتیجہ خیز ہے۔ چند دیگر مضامین بھی کم و بیش قابل قدر ہیں۔ ناقدانہ نگاہ ڈالتے وقت اس شمارہ کے اندر چند باتیں نگاہ میں کھٹکیں وہ حسب ذیل ہیں:-

(۱) "حاصل مطالعہ" کے عنوان سے مولانا فضیل الرحمن

صاحب ہلال عثمانی کا ایک مضمون چھپا ہے۔ مضمون کا مطالعہ کرنے سے پہلے صاحب مضمون کے نام پر نگاہ گئی۔ نام اس طرح درج ہے "حضرت مولانا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی مفتیٔ اعظم پنجاب مالیر کوٹلہ"

قارئین تعمیر سیرت جانتے ہیں کہ "تعمیر سیرت" کے اصل کرتا دھرتا جناب مولانا فضیل الرحمٰن صاحب ہی ہیں۔ غالباً تمام چیزیں ان کے علم میں لانے کے بعد چھپتی ہیں۔ ایسی صورت میں ان کے نام کے آگے پیچھے اتنے لمبے چوڑے القاب آداب کا درج کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔ مفتی اعظم دیکھ کر مطالعہ کرنے والے کا ذہن فوراً اس طرف جاتا ہے کہ وہاں پر مفتیوں کی ایک پوری جماعت کام کر رہی ہوگی جس کی سربراہی اور دیکھ بھال موصوف کر رہے ہوں گے۔ حالانکہ ہماری معلومات کی حد تک ایسی صورت حال نہیں ہے۔ بلکہ جناب فضیل الرحمٰن صاحب تنہا افتاء کا کام انجام دے رہے ہیں۔ اب انھیں کہ چاہے مفتی اعظم کہیے یا مفتی ......
غرضیکہ رسالہ کے کسی ذمہ دار اور سرپرست کے ساتھ اس قسم کے القاب و آداب بلکہ قصیدۂ مدحیہ کا لگانا کسی طرح موزوں نہیں۔ امید ہے کہ ایڈیٹر صاحب آئندہ اس قسم کی باتوں سے احتراز کریں گے۔

اب کچھ اس مضمون کے بارے میں سنیے۔

مضمون نگار اس مضمون کا محرک ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں "پچھلے دنوں مالیر کوٹلہ میونسپل کمیٹی کی لائبریری سے چند کتابیں مطالعہ کرنے کا موقعہ نکل آیا۔ ان میں ایک کتاب مولانا ابوالکلام آزادؒ کی مشہور تصنیف تذکرہ بھی تھی ...... کتاب کے صفحہ ۵۴ سے لے کر صفحہ ۶۰ تک کے سات صفحے گویا پوری کتاب کی جان ہیں۔ دل چاہا کہ یہ حصہ تعمیر سیرت کے ذریعہ پڑھنے والوں کے کانوں تک پہنچ جائے۔ شاید دلوں تک بھی اتر سکے۔ مگر لکھنے والے ابوالکلام ہیں جن کی زبان کا معیار بہت اعلیٰ اور اونچا ہے۔ جوں کا توں نقل کر دیا جائے تو تعمیر سیرت عام پڑھنے والے پورا فائدہ نہ اٹھا سکیں گے۔ لہٰذا زبان میری ہے بات ان کی"۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ کی کتاب تذکرہ کے جن صفحات کو مضمون نگار نے کتاب کی جان قرار دیا ہے ان کو کتاب کی روح اور روح کہنے کا بلاشبہ مضمون نگار کو اختیار ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ کوئی کتاب یا مضمون پڑھتے وقت اس کا جو حصہ پڑھنے والے کو پسند آتا ہے اس کو کتاب کی جان قرار دیتا ہے اس بارے میں قارئین کے اندر اختلاف ہوتا ہے۔ تمام قارئین کا ایک رائے پر متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ مضمون نگار نے تذکرہ کے جن صفحات کو روح قرار دینے کی کوشش ہے وہ صفحات تذکرہ کے اصل موضوع سے ہٹ کر ایک ضمنی چیز سے متعلق ہیں۔ تذکرہ جس موضوع پر لکھی گئی ہے اس سے متعلق چند صفحات کو اتنی اہمیت دینا اور روح کتاب قرار دینا تو صحیح تھا لیکن کتاب کے موضوع سے غیر متعلق چند باتوں کو جان کتاب قرار دینا کم از کم میرے لیے حیرت انگیز ضرور ہے۔

اچھا آئیے اب مضمون کو دیکھیں۔ اس بات کو دھیان میں رکھیے کہ مضمون نگار اپنی طرف سے کوئی مضمون لکھنے نہیں بیٹھے ہیں بلکہ مولانا ابوالکلام آزادؒ کی کتاب تذکرہ کے چند صفحات کو آسان زبان میں پیش کرنے جا رہے ہیں۔ اس قسم کے مضمون کے اندر ضروری ہوتا ہے کہ مضمون کے الفاظ سے مضمون نگار کی شخصیت نہ جھلکے۔ بلکہ جس شخص کے مضمون کو آسان زبان میں لایا جا رہا ہے اسی کی شخصیت چھائی رہے۔ ہمارے خیال میں محترم مضمون نگار اس معیار پر پورے نہیں اترے ہیں اور مولانا ابوالکلام آزاد رح کی شخصیت کافی حد تک دبی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

مولانا آزاد مرحوم کی ایک بات کو واضح کرنے کے لیے صاحب مضمون نے امام بخاری اور مسلم کے ایک علمی اختلاف کا تذکرہ کیا ہے۔ ایک عام پڑھنے والا اس مثال سے کچھ سمجھنے کے بجائے اور الجھ جائے گا۔ اس بات کی وضاحت کے لیے دوسری ہلکی پھلکی عام فہم مثالیں مل سکتی تھیں۔ اس اختلاف کی تفصیلی روداد دیکھنے کے لیے مضمون نگار نے اپنی کتاب تفہیم المسلم کا حوالہ دیا ہے ایک عام قاری اس حوالہ کو دیکھ کر یہ تاثر لے سکتا ہے کہ شاید مضمون نگار نے اپنی کتاب کی تشہیر کرنے کے لیے ہلکی پھلکی مثال

کے بجائے ایک مثال کا تذکرہ کیا ہے۔ اس قسم کی باتوں سے مضمون میں احتراز ضروری تھا۔

(۳) صفحہ ۳ پر مدرسہ کے چندہ دہندگان کی ایک فہرست پیش کی گئی ہے۔ اس کا عنوان ہے "جنت کے خریدار" اس طرح کے مبالغہ آمیز عنوان قائم کرنا انتہائی خوش فہمی اور رجائیت پر دلالت کرتا ہے۔ آخر اس کا ثبوت کیسے فراہم ہو گیا ہے کہ تعمیر سیرت میں چندہ دینا خواہ کسی جذبہ و نیت سے ہو جنت خریدنے کے مرادف ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص جنت کا ٹکٹ بانٹنا شروع کر دے۔ ایسے عنوان حقیقت پسندی سے بہت دور اور موہوم امیدوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ غالبًا ایڈیٹر صاحب کو اس عنوان کی قباحت کا احساس ہو گیا ہے۔ اس لیے اگست کے شمارہ میں چندہ دینے والوں کے لیے یہ عنوان قائم کیا ہے (ہمارے معاونین)۔

اگست سنہ ء کا شمارہ بھی اپنے اندر رنگا رنگی اور بہت افادہ لیے ہوئے ہے (کیا تمام مذاہب ایک ہیں؟) اس عنوان سے جناب محمد فاروق خاں صاحب کا ایک مضمون ہے۔ موصوف کا یہ مضمون بھی معلوماتی ہے "شب برات"۔ اور "ایک خبر بے خبروں کے لیے" یہ دونوں مضمون بھی عام پڑھے لکھے لوگوں کے لیے بہت مفید ہیں۔

اس شمارہ میں کتابت کی غلطیوں کے علاوہ چند باتیں اور بھی قابل اعتراض ہیں۔

(۱) "احکام و مسائل" کے عنوان سے دو استفتاء کے جوابات لکھے گئے ہیں۔ پہلا سوال شطرنج کے متعلق ہے۔ اس وقت ہم اس مسئلے پر اظہار خیال کر کے تفصیل میں جانا نہیں چاہتے بس اس وقت یہ گذارش کریں گے کہ فتویٰ نویسی کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ جواب لکھتے وقت غیر متعلق بات نہ چھیڑی جائے۔ فتویٰ معلوم کرنے والے نے جو سوال بھیجا ہے اسی کو پیش نظر رکھ کر جواب لکھا جائے۔ ہاں اگر استفتاء کے اندر ہی غیر متعلق بات چھیڑی گئی ہے اور اس کی عبارت سے سائل کی کسی خاص ذہنیت کا پتہ چلتا ہے تو اس سوال کے منشا پر تھوڑا بہت اظہار خیال کرنا اور اس کا ... کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

شطرنج کے بارے میں جو سوال کیا گیا ہے وہ بالکل ہی سادہ اور بے غبار ہے۔ اس کے اندر کسی قسم کی کج فہمی اور کٹ حجتی نہیں معلوم ہوتی ہے۔ پھر معلوم نہیں کیوں مفتی صاحب سائل پر بری طرح برس پڑے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ سائل نے سوال کر کے مفتی صاحب کی حمیت و غیرت کو للکارا ہے۔ جواب کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

"شطرنج کے مسئلے کو یہاں مالیرکوٹلے میں خاصی ہلچل پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کم علم اور کم فہم لوگ جو مسئلہ اور اس کی حقیقت کو سمجھ نہیں پاتے الٹی سیدھی باتیں بنانے لگے ہیں۔ کسی مسئلے کو واضح کرنے کے لیے اس کے تمام گوشوں کو سمیٹنا ہوتا ہے۔ اب جو لوگ بقول شخصے عقل کے پیچھے لٹھ لیے پھرتے ہیں یا جن کی عقلوں کے ساتھ نیتوں میں بھی فتور ہے اور بعض عادات نے ان کو اندھا کر رکھا ہے اس کو اور ہی رنگ دینا چاہتے ہیں"۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ اس شعلہ باری سے ایک فقہی مسئلہ کس طرح حل ہو سکتا ہے؟

(۲) دوسرا سوال اس بارے میں ہے کہ امام کے لیے کسی خاص مقتدی کا انتظار کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟

مفتی صاحب نے مسئلہ کا جو حکم لکھا ہے اس سے تو اختلاف نہیں لیکن جو دلائل پیش کیے ہیں وہ سو فیصدی محل نظر ہیں۔ موصوف نے پہلے یہ حدیث پیش کی ہے فان کان بلالؓ یؤذن ثم یمہل فاذا رای النبیؐ قد خرج اقام الصلوٰۃ - ابوداؤد۔

یعنی حضرت بلالؓ اذان کہنے کے بعد ٹھہر جاتے تھے جب دیکھتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں تو اقامت و تکبیر کہتے تھے۔

ظاہر بات ہے کہ اس حدیث سے مقتدیوں کے انتظار کا جواز معلوم نہیں ہوتا ہے چہ جائیکہ کسی خاص مقتدی کے انتظار کی گنجائش نکلے۔ زیادہ سے زیادہ اس حدیث سے امام کے انتظار کی گنجائش نکلتی ہے۔

حدیث شریف کے علاوہ مفتی صاحب نے عالمگیری کی عبارت پیش کی ہے "وینتظر المؤذن الناس۔ یعنی (مؤذن عام لوگوں کا انتظار کرے گا) اس عبارت سے بھی زیر بحث مسئلہ پر کوئی روشنی نہیں پڑتی' کیونکہ اس میں مؤذن کے انتظار کرنے کا تذکرہ ہے۔ امام کے انتظار کرنے کا حکم نہیں ہے۔ نیز اس سے صرف اتنی بات سمجھ میں آتی ہے کہ مؤذن عام نمازیوں کا انتظار کرے اس سے کسی خاص مقتدی کے انتظار کرنے کی گنجائش نہیں نکلتی۔

اس مختصر نقد کے بعد مفتی صاحب کی ابتدائی عبارت ملاحظہ فرمائیے "امام کے لیے کسی مقتدی کا انتظار کرنا دو شرطوں کے ساتھ درست ہے۔ ایک شرط تو یہ ہے کہ وقت میں گنجائش ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ دوسرے نمازیوں کو تکلیف نہ ہو۔

ابوداؤد میں حضرت جابرؓ بن سمرہ سے روایت ہے کہ قال کان بلال یؤذن ثم یمہل فاذا رأی النبیؐ قد خرج اقام الصلوٰۃ۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت بلالؓ اذان دینے کے بعد ٹھہر جاتے تھے۔ جب دیکھتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں تو اقامت وتکبیر کہہ دیتے۔ اس سے فقہاء نے یہ نتیجہ نکالا کہ انتظار درست ہے۔ چنانچہ عالمگیری میں ہے "وینتظر المؤذن الناس" اور مؤذن لوگوں کا انتظار کرے لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ جماعت میں ہر فرد کی رعایت اور اس کا انتظار ممکن نہیں ہے"۔

(۳) سرِ ورق میں کسوٹی عنوان قائم کرکے یہ عبارت لکھی گئی ہے "کوئی مصلح تو درکنار کوئی نبی بھی ایسا نہیں تھا کہ اس نے دین کی دعوت دی ہو اور وقت کے اقتدار نے اسے برداشت کر لیا ہو"۔

معلوم نہیں اس عبارت میں کس چیز کی کسوٹی بیان کی گئی ہے؟ اگر حقانیت کی کسوٹی یہی رہی کہ اس دعوت و تحریک کو وقت کے اقتدار نے برداشت نہ کیا ہو تو دین کے نام پر قائم بیسیوں باطل تحریکوں کو حق ماننا پڑے گا مثلاً اعتزال، باطنیت، خارجیت، بہدویت، شیعیت قرامطہ کی تحریک۔ کیونکہ وقت کے اقتدار نے ان باطل تحریکوں کو تہس نہس کر دیا۔ نیز اصلاح وتجدید کی چند وہ کوششیں جن کی پشت پناہی وقت کے اہل اقتدار نے بھی کی۔ وہ کوششیں اس کسوٹی پر پوری نہ اتر کر غلط اور باطل ٹھیریں گی۔

تبصرہ کچھ طویل ہو گیا۔ اب ہم نمونہ کے طور پر چند کتابتی اغلاط درج کرکے تبصرہ کو ختم کرتے ہیں۔

جون وجولائی کے مشترکہ شمارہ میں چند غلطیاں یہ ہیں
صفحہ ۲ پر کرم کو کرام لکھدیا ہے۔ اسی صفحہ پر ہے "رسالہ جاری کر دیے جائیں"۔ صحیح یہ تھا "رسالے جاری کر دیے جائیں" یا "رسالہ جاری کر دیا جائے"۔
صفحہ ۵ پر لفظ "حل" بالکل مہمل لفظ بن گیا ہے۔
صفحہ ۱۱ پر "نے" کو "کے" لکھدیا ہے۔
صفحہ ۱۴ پر "برداشت" کی یا پر تین نقطے لگا دیے ہیں۔
"دکھ کے ساتھ" میں "کے" چھوٹ گیا ہے۔
صفحہ ۱۶ پر ہے "کر لگے" صحیح یہ ہے "کرنے لگے"
صفحہ ۱۷ پر "کر" کو "کسر" لکھدیا ہے۔
صفحہ ۱۸ پر "کے ساتھ" مکرر آگیا ہے۔
صفحہ ۱۹ پر "بے چین" کو "بےچین" لکھا ہے۔
صفحہ ۲۱ پر ہے "یہ بات بڑی الجھن پیدا ہوا کرتی ہے" اس عبارت میں "ہوا" کا لفظ زائد معلوم ہوتا ہے۔
صفحہ ۲۲ پر "جو" چھوٹ گیا ہے۔
اگست ۷۶ء کے شمارہ کی بھی چند غلطیاں ملاحظہ فرمائیے۔
صفحہ ۲ پر "جولی" کتابت یا طباعت میں چھوٹ گیا ہے
صفحہ ۷ میں "مبنی" کے بعد سے چھوٹ گیا ہے۔
صفحہ ۱۸ پر آیت کریمہ لکھتے وقت "والانصاب" چھوٹ گیا ہے۔
صفحہ ۲۲ پر "اختیار" کے بعد "کرنے" چھوٹ گیا ہے
مجموعی طور پر رسالہ معلوماتی اور مفید ہے انشاء اللہ

اس کے ذریعہ پنجاب میں دین کی اچھی خدمت ہوگی، بشرطیکہ ایڈیٹر صاحب زبان و بیان اور معلومات کے اعتبار سے اس کا معیار بلند کرتے رہیں اور جن خامیوں کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے ان سے محترز رہنے کی حتی الامکان کوشش کریں۔

(عتیق احمد بستوی)

جام و سنداں

مصنف ماجد بستوی۔

ناشر، حامد بک ڈپو لہرولی بازار دودھارا بستی

صفحات ۳۲ - کاغذ و کتابت غنیمت۔

یہ کتاب ماجد صاحب کی نعتوں، غزلوں اور قطعات کا مجموعہ ہے۔ ماجد صاحب ابھی نوخیز و نوآموز شاعر ہیں بچپن سے شعر و سخن کے دلدادہ رہے ہیں۔ اگر وہ زیادہ نہیں ہیں تو کم بھی نہیں ہیں۔ متوسط درجے کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے ؎

حیات چند روزہ پا کے یہ مغرور ہے اتنا
ہمیں تو ابن آدم پر ہنسی معلوم ہوتی ہے
مقدر کے بدلتے ہی نظام زیست بھی بدلا
وہی دنیا ہے لیکن اجنبی معلوم ہوتی ہے

تمنا تھی وہ سن لیتے ہماری داستاں ہم سے
جو ٹھیرا بدگماں رہنا تو رہتے بدگماں ہم سے

فغاں کرتا ہوں، آہیں بھرتا ہوں آنسو بہاتا ہوں
ہزاروں صورتوں سے میں شب غم کو سجاتا ہوں
مری موجودگی سے گر تجھے تکلیف ہوتی ہے
تو اچھا اے ستم پرور تری محفل سے جاتا ہوں
مرے شکووں سے تم ناراض ہو کر روٹھ جاتے ہو
مجھے دیکھو تمہاری ہر جفا پر مسکراتا ہوں

سنبھالو ہمت و جرأت سے اٹھ کر نظم میخانہ
یہ آخر بادہ نوشو شکوۂ تشنہ لبی کب تک

کچھ ایسا عام ہے دنیا میں ذوق پیرہن ساقی
نظر آتا ہے مشکل امتیاز مرد و زن ساقی
نہیں ہے یہ میری ہی رسوائی اک ترک تعلق سے
زمانہ ہو گا تم پر بھی یقیناً خندہ زن ساقی

بہرحال ماجد صاحب کی یہ شاعرانہ کوششیں قابل قدر ہیں، لیکن نوآموزی کی بنا پر ابھی کلام میں پختگی نہیں ہے۔ مطالعہ کے دوران جو چیزیں ہمیں کھٹکی ہیں ہم ان کو مختصرانداز میں بیان کرتے ہیں تاکہ ماجد صاحب آئندہ اس قسم کی شاعرانہ خامیوں سے بچ جائیں۔

کتاب کے ابتدائی چودہ صفحات نعتوں پر مشتمل ہیں۔ نعت بہت نازک صنف سخن ہے۔ نعت کی وادی سے صحیح سلامت گذر جانا انھیں حضرات کا کام ہے جو زبان پر قادر ہونے کے ساتھ ساتھ شریعت کے رمز شناس بھی ہوں۔ اسی لیے نعت گو شعراء دو چار ہی ملیں گے جن کو کامیاب کہا جاسکے۔ اکثر شعراء کا یہ عالم ہے کہ نبی امی جناب محمد مصطفیٰ ؐ کے منصب و مقام کا لحاظ نہیں کر پاتے بلکہ افراط کی وادی میں بھٹک جاتے ہیں۔ ماجد صاحب کے نعتیہ کلام میں بھی جا بجا اس قسم کا غلو موجود ہے۔ مثلاً

(۱) جسے کہتے ہیں جنت وہ مدینے کی کیاری ہے
وہیں جلوہ فگن ماہ عرب محبوب باری ہے

(۲) قلم عاجز ہے ماجد اب مرا توصیف احمد سے
خدا کے بعد دنیا میں کوئی اس کا نہ ثانی ہے

(۳) جسکو جانا ہے جنت میں جائے، میں مدینہ کی جانب چلا ہوں
کیا سمجھتے ہیں خواہانِ جنت، فرش پر عرش والا نہیں ہے

پہلے شعر میں جنت کو مدینہ میں کیاری کہنا۔ دوسرے شعر میں خدا، رسول کو ایک دوسرے کا ثانی قرار دینا۔ تیسرے شعر میں جنت سے اس قدر بیزاری کا اظہار اور بے اعتنائی کا لہجہ میرے خیال میں کھلی غلو پسندی اور افراطیت ہے۔

کچھ اشعار ایسے ہیں جن کے اندر زبان و بیان کی خامیاں ہیں۔ اسی طرح ترکیب میں پیچیدگی اور الجھاؤ ہے۔

(۱) شاید کہ تو آئی ہے مدینہ سے پلٹ کر
ہم عکس گنبد ہر تجھ میں صبا دیکھ رہے ہیں

ہوا میں عکس نہیں آیا کرتا۔ عکس تو آئینہ میں آتا ہے۔ ہاں ہوا میں خوشبو آسکتی ہے۔

(۲) فرشتے چومتے ہیں آ کے جالی عرشِ اعظم سے
شہِ کونین کا روضہ وہ پرانوار کیا کہیے

روضہ اور پرانوار کے درمیان "وہ" لانا بالکل غلط ہے صفت موصوف کے بیچ میں کوئی فاصلہ نہیں ہونا چاہیے۔ "وہ" کو "روضہ" سے پہلے آتے۔ لیکن اس صورت میں شعر غیر موزوں ہو جائے گا۔

(۳) رضواں کو رشک ہے کبھی دیارِ حبیب پر
دیدار کو وہ آیا ہے دار السلام سے

"کبھی" بہت بے محل آگیا ہے۔ جس کی بنا پر مضمون ہی غلط ہو گیا۔ غالباً اس طرح شعر درست ہو جائے گا

رضواں کو بھی ہے رشک دیارِ حبیب پر
دیدار کو وہ آیا ہے دار السلام سے

(۴) وہ جائے سکونِ دیدۂ و دل سوگن محبت والوں کی
بیمارِ محبت کا اس جا ہر درد کا درماں ہوتا ہے

"اس جا" جیسی غیر مانوس ترکیب کا استعمال اردو میں قریب قریب ختم ہو گیا ہے۔ شعر اس طرح بھی ہو سکتا تھا:-

طیبہ میں محبت والوں کے ہر درد کا درماں ہوتا ہے۔

(۵) ہے تجلی طور کی جس کی اداؤں پر نثار
کوچۂ طیبہ کو کچھ ایسا درخشاں کر دیا

دونوں مصرعے بے ربط معلوم ہو رہے ہیں — پہلے مصرعے کا "جس" جن چیزوں کا تقاضا کرتا ہے وہ چیزیں دوسرے مصرع میں موجود نہیں۔

(۶) منازلِ عشق کے طے ہو چکے سجدوں سے کیا حاصل
عروضِ سنگِ در کب تک زدرغ بندگی کب تک

دوسرے مصرع میں "عروض" سمجھ میں نہیں آیا۔ غالباً یہاں "عروج" ہوگا۔ "فروغ" کے ساتھ عروج ہی کا جوڑ معلوم ہوتا ہے۔

(۷) جبہاء پیہم ہیں کبھی پاؤں سے جھماڑے نہ گئے
مقصدِ زیست مگر دل سے نکالے نہ گئے

"مقصد" واحد ہے۔ اس کے ساتھ "نکالے نہ گئے" جمع کا جوڑ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

(۸) ہماری آرزوؤں نے خود آرار کر دیا ماجد
وہ لیتے بھی کہاں تک امتحاں پر امتحاں ہم سے

"خود آرار" شاید اردو کے اندر بالکل نئی ترکیب ہے اس کا مفہوم کیا ہے؟ اور یہاں کس معنی میں استعمال ہوا ہے؟ اس بارے میں جناب ماجد صاحب ہی سے براہ راست تحقیق کرنا مناسب ہوگا۔

(۹) ہے نگاہوں میں کعبہ کا منظر ÷ اور دل نور احمدی سے نیر ہے

"نور" سے روشنی کا ہونا تو معلوم تھا، لیکن تری کا پیدا ہونا پہلی بار کانوں میں داخل ہوا ہے۔ دور از کار تاویلوں سے نور سے تری کا پیدا ہونا ثابت کر بھی دیا جائے تو اس جھمیلے میں پڑنے کی ذمہ داری شاعر کے ماسوا کس پر عائد ہوگی۔ اس قدر دور کی کوڑی لانے سے شعر، شعر ہونے کے بجائے فلسفہ او معمہ بن جاتا ہے۔

(۱۰) گم ہیں دل و نگاہ کسی کے خیال میں
چھیڑوں نہ کوئی بات غزل کہہ رہا ہوں میں

"چھیڑوں" نون کے ساتھ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ "چھیڑو" ہونا چاہیے تھا۔

(۱۱) وہ بھی اک وقت تھا روشن تھا جہاں جسکے سبب
وہ نہیں ہے، نہ سہی، چاہنے والے نہ گئے

شاید اس شعر میں "وقت" کی جگہ "ہر شخص" زیادہ فٹ بیٹھتا ہے

اس مجموعۂ کلام میں ہمیں ایسے اشعار بھی ملے ہیں جن کے دونوں مصرعوں یا تو ربط ہی نہیں یا اگر ربط ہے تو ہماری عقل ناقص کی رسائی وہاں تک نہ ہو سکی۔ نیچے چند اسی قسم کے اشعار درج کیے جا رہے ہیں۔ ہم نہیں کہتے کہ ان اشعار میں بالکل ربط ہی نہیں ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ ان کا سمجھنا ہماری فہم ناقص کی سرحدوں سے باہر ہے۔

(۱) کیا خبر ہے میرے احساسات کا ذوقِ جنوں
کوئے طیبہ کس قدر ہے مجھ کو پیاری کچھ نہ پوچھ

(۲) نورِ خدا وہ گنبدِ خضرا کے تاجدار
بادِ صبا دکھلائے ہے ان کے پیام سے

(۳) درخورِ فخر وہ دلکشی ہے کھینچ لے جو دلوں سے کدورت
ہم نے کہ پتھر ہے لیکن کون کہتا ہے کالا نہیں ہے

(۴) تیرگی کے ہیں ہر سمت پہرے روشنی کا نہیں کچھ ٹھکانا
دین کا یہ دیا دل سے ماجد اب کبھی بجھنے والا نہیں ہے

(۵) وہ جن کا نام سن کر قیصر و کسریٰ لرزتے تھے
انھیں کی فقیری میں بھی شانِ تاجداری ہے

جام و سبو میں اس قسم کے اشعار بھی ہیں جن کا وزن صحیح نہیں بیٹھتا ہے۔ بعض اشعار میں کتابت و طباعت کی بنا پر بھی بھدا پن آگیا ہے۔

(۱) کملی میں ہم بھی نورِ خدا دیکھ رہے ہیں
پھیلی ہوئی ہر سو ضیا دیکھ رہے ہیں

اگر "سو" کے بجائے "سمت" لاتے تو شعر کا وزن صحیح ہوتا۔

(۲) شمع فاروں جو کبھی جلی تھی روشنی اسکی اب بھی ہے باقی
دیکھنے کے لیے درحقیقت، اب کوئی آنکھ والا نہیں ہے

پہلے مصرع کے اندر "فاراں" کو "فاروں" لکھنا غالباً کاتب صاحب کی کرامت ہے۔

(۳) بنیں کے راستے میں جانے کتنے کانٹے دالے ہم سے
اس مصرع میں کاتب صاحب نے "گئے" کو "کے" لکھ دیا ہے۔

(۴) گر دل میں لگن ہے چبھن اور بڑھے گی
جب آگ یہ سلگے گی گھٹن اور بڑھے گی

اس شعر میں "ہے" اور "چبھن" کے درمیان "تو" چھوٹ گیا ہے۔ جس کی وجہ سے شعر غیر موزوں ہو گیا۔

کتاب کے آخری چار صفحات میں ماجد صاحب کے چند قطعات شامل ہیں۔ کہتے ہوئے کچھ تکلف تو ہو رہا ہے لیکن ایک تبصرہ نگار کی حیثیت سے ذرا انصاف کو بھی کام لینا پڑ رہا ہے کہ قطعات کے اندر ماجد صاحب ابھی ناکام ہیں۔ بلا نقد و تبصرہ کے دو قطعات نقل کیے جا رہے ہیں۔

(۱) جہاں میں کتنے غریبوں کا خون سستا ہے
امیر چھینتا ہے ہر صبح و شام کرتا ہے
وہ ایک ٹکڑے کو نانِ جویں کے اے ہمدم
تمام خاک بجز بن ہو کے بھی ترستا ہے

(۲) نہ رکتے کتنے ہو گئے سیلاب کے دیوار و در
دم زدن میں بہہ گئے انسان لاکھوں بے نور
کچھ سکوں ملنے کی تھی امید پر ساجد نہ پوچھ
عید بھی آئی تو بس کر جنگ کا پیغام ہے

ماجد صاحب کی یہ پیش کش قابل قدر ہے — ابھی ابتدائی مرحلہ ہے۔ اگر ماجد صاحب نے مشق سخن جاری رکھی اور کسی رہنما کا سہارا لے کر شعر و شاعری کی ڈگر پر چلتے رہے تو دھیرے دھیرے ان کے وجدان و شعور میں رعنائی آجائے گی اور ان کا ذہن تخیلات کی پگڈنڈی پر تیز گامی اور ندرت بیانی کا مظاہرہ کرنے لگے گا (عتیق احمد بستوی)

ایڈیٹر
حسن احمد صدیقی (فاضل دارالعلوم دیوبند)

کیا اور کہاں

سالانہ بائیس ۲۲ روپے
ششماہی بارہ ۱۲ روپے
فی کاپی ڈھائی روپے
آغاز ۱۹۴۹ء

محمدی پرنٹنگ پریس دیوبند

نقادِ اعظم مولانا عامر عثمانی نوّر اللہ مرقدہٗ

مستقل

دستک

ہمارے نزدیک سیوک سنگھ ہو یا جن سنگھ، ہندو مہاسبھا ہو یا کوئی اور جماعت۔ اسے صرف اس بنیاد پر فرقہ پرست اور خاطی و مجرم قرار نہیں دیا جا سکتا کہ وہ زندگی، سماج اور سیاست کے باب میں اپنے کچھ مخصوص نظریات رکھتی ہے اور چاہتی ہے کہ ملک و قوم اسی کے پسندیدہ سانچے میں ڈھل جائیں۔ یہ نظریات چاہے مذہبی نوعیت کے ہوں یا عام اخلاقی نہج کے، مذہب و اخلاق سے وابستگی جرم نہیں۔ جرم اور فرقہ واریت کی سرحدیں تو وہاں سے شروع ہوتی ہیں جہاں کوئی جماعت اپنے موقف و مسلک کو مسلط کرنے کے لیے علم و استدلال اور ابلاغ و تبلیغ کے معروف و محمود وسائل استعمال کرنے کے عوض دھاندلی، ظلم و جبر، مکاری، سازش اور جارحانہ سرگرمیوں پر اتر آئے۔ دوسروں کے حقوق پامال کرے اور امن و عافیت کو محال بنا دے۔ جن سنگھ یا ہندو مہاسبھا اگر یہ تمنا رکھتی ہیں کہ ملک میں ہندو دھرم کا راج ہو، ویدوں کے احکام جاری ہوں، ہندو کلچر کا سکہ چلے تو یہ تمنا فرقہ پرستی نہیں ہے، جرم نہیں ہے، فسطائیت نہیں ہے۔ انھیں بجا طور پر حق ہے کہ اپنی تمنا کو علمی و عقلی استدلال سے سجا کر عوام پر پیش کریں، خطبے دیں۔ اپنے موقف کی خوبیاں سمجھائیں۔ محاسن کھول کر رکھیں اور موازنہ کرکے بتلائیں کہ دوسرے ہر موقف و مسلک سے ہمارا ہی موقف و مسلک بہتر ہے، مبنی بر انصاف ہے۔ پھر مسلسل ابلاغ و تبلیغ سے ملک کی کثیر آبادی ان کی ہمنوا ہو جائے تو امن و قانون کی راہ سے حکومت کی مسند پر جا بیٹھیں۔ یہ جمہوری طریق ہے، سیکولرازم اس کی نفی نہیں کرتا۔ علم و عدل بھی اس کے مؤید ہیں۔ ایسے فرقہ پرستی اور فسطائیت کہنا بس انھیں لوگوں کا کام ہو سکتا ہے جو ذہنی طور پر مذہب و اخلاق سے بیزار ہو چکے ہوں۔ جن سنگھ یا کوئی بھی جماعت اگر اس طریقے کو اپناتی اسے فرقہ پرست ہرگز نہیں کہنا چاہیے تھا۔ لیکن کہا اسلیے جاتا ہے کہ اس نے یہ معقول و محمود طریق نہیں اپنایا بلکہ اسکے برعکس مجرمانہ طریقے اختیار کیے۔ اپنے عزائم کو بہتر ثابت کرنے کی بجائے اس نے دوسروں کے مذہب اور تاریخ کو مسخ کرکے پیش کرنے کی شرارت کی۔ افترا اور کذب پر مشتمل خطبے دیے، جہل اور بددیانتی پر مبنی تحریریں لکھیں۔ پڑوسیوں کے انسانی حقوق پر چھاپہ مارا ہم وطنوں کی زندگی حرام کی، افواہیں گھڑیں، فساد پھیلائے۔ تعصبات کی توپیں داغیں۔ مکر و فن کے ترکش خالی کیے۔ جمہوریت کا نام لے کر جیاری و قہاری کے کھیل کھیلے۔ سیکولرازم کا لبادہ پہن کر سامراجی سرگرمیوں کو اوڑھنا بچھونا بنایا۔ یہ ہیں وہ بد اطواریاں جو فسطائیت اور فرقہ پرستی کے مفہوم کی تشریح کرتی ہیں۔ اگر جماعت اسلامی نے بھی ان سے ناطہ جوڑا ہو تو یقیناً وہ بھی فرقہ پرست ہے، بدکار ہے۔ لیکن اگر نہیں جوڑا اور عدل و دیانت کے دائرے سے قدم باہر نہیں نکالا تو کوئی معقولیت نہیں کہ اسے فرقہ پرست جماعتوں کے خانے میں رکھا جائے۔

(ادارہ)

پچھلے دنوں صدر محترم فخرالدین علی احمد بھی جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے۔ زندگی کے آخری لمحات میں کچھ اقدامات انھوں نے ایسے بھی کیے تھے جو مسلمانوں کی ناراضگی کا ذریعہ و سبب ثابت ہوئے لیکن پھر بھی مسلمانوں کو ان کی اچانک اور دفعتاً موت سے غیر معمولی قلق ہوا ہے۔

فخرالدین علی احمد مرحوم نے خاندانی منصوبہ بندی کے سلسلہ میں جو پالیسی اختیار کی تھی مسلمانوں کا ایک بڑا حلقہ اس سے خوش نہیں تھا۔ مسلمانوں کا یہ حلقہ اس بات کا آرزو مند تھا کہ فخرالدین یا تجبر نس بندی کی روک تھام کرنے کی کوشش کریں لیکن فخرالدین خدا ہی جانے مجبوریوں اور مصلحتوں کی کونسی بھاری زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے کہ وہ اس سلسلہ میں زبانی جمع خرچ کے ماسوا کچھ نہ کر سکے اور مسلمانوں کی خفگی ان کی زندگی میں دور نہ ہو سکی۔

اس کے باوجود ان کی موت نے مسلم گھرانوں اور مسلم سوسائیٹیوں کو رنج و غم کی گہرائیوں میں ڈبو دیا ہے۔ بلاشبہ وہ کئی اعتبار سے رفیع المرتبت تھے۔ کئی اعتبار سے اس قابل تھے کہ ان کی راہوں میں عقیدت و احترام کے پھول بچھائے جائیں۔ لیکن تھے وہ انسان ہی ـ اور انسان، انسان ہوتے ہوئے خطاؤں اور غلطیوں سے محفوظ اور مبرا کیسے ہو سکتا ہے۔ ان سے بھی کچھ لغزشیں ہو گئی ہوں گی ـ جن کا ذکر اب ان کی موت کے بعد غیر مناسب ہی ہو گا۔

گذشتہ سال مارچ کے مہینہ میں دارالعلوم دیوبند کی دعوت پر وہ دیوبند تشریف لائے تھے۔ ان کے آگے پیچھے بیسیوں کاریں ان کے تحفظ کے لیے دوڑ رہی تھیں۔ بے شمار سرکاری اور غیر سرکاری لوگ ان کے استقبال کے لیے صف در صف دارالعلوم کے اردگرد بکھرے ہوئے تھے جہاں چند گز زمین پر پیدل چل کر انھیں اسٹیج تک جانا تھا، وہاں مخمل بچھا دیا گیا تھا تاکہ چلنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ ایک چھوٹا سا ہسپتال ایک دن کے لیے دارالعلوم کے اندر قائم کیا گیا تھا محض اس بنا پر کہ انھیں جسمانی کوئی شکایت ہو تو ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر وہ شکایت دور کرنے کی کوشش کی جا سکے۔

کس قدر اہتمام کیا گیا تھا ان کے لیے۔ قابلِ رشک احترام بلکہ قابلِ حسد احترام ـ

اور جب وہ اس دنیا سے رخصت ہو کر قبر کی آخری عدالت میں پہنچے تو وہاں انھیں تنہا ہی جانا پڑا۔ کوئی اہتمام نہیں تھا۔ کوئی استقبال نہیں تھا۔ قبر کی کچی زمین پر مخمل تو مخمل ٹاٹ کے گدے بھی بچھے ہوئے نہیں تھے۔

وہی کھری زمین ——— وہی ہیبتناک اندھیرا ———
وہی لامتناہی خاموشی ———

اگر کوئی چیز ساتھ تھی تو نامۂ اعمال　　یا خدا کی رحمت۔

اب یہ باتیں کریدنے کی ضرورت نہیں کہ ان میں کیا اچھائی تھی اور کیا برائی۔ اب تو ہمیں ایک ہی بات زبان سے نکالنی چاہیے کہ وہ ایک اچھے اور نیک فطرت انسان تھے۔ خدا ان کی مغفرت کرے اور قبر کے اس گڑھے میں ان پر اپنی رحمتیں برسائے جہاں انسان انتہائی مجبور اور انتہائی قابلِ رحم ہوتا ہے۔

اور خدا عابدہ بیگم اور ان کے بچوں کو صبرِ جمیل کی توفیق بخشے۔ تاکہ ان کے آنسو صدر محترم کی روح کے لیے کوئی مصیبت ثابت نہ ہوں۔

ایک اور سانحہ

مولانا عبدالماجد دریابادی جیسے مکمل ادیب اور صاحبِ فن و کمال کی

وفات کو ابھی اتنا عرصہ بھی نہیں گذرا تھا کہ چشم دل کی پلکوں پر بکھرے ہوئے معنوی آنسو قریباً خشک ہو جائیں کہ اخبارات و رسائل کی زبان نے ایک غمناک اطلاع اور دی اور وہ یہ کہ اردو زبان کے تاجدار جناب پروفیسر رشید احمد صدیقی کا انتقال ہو گیا ہے ——

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

رشید احمد صاحب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی روح رواں اور اردو زبان کی آبرو تھے۔ وہ ایک ذی ہنر اور باکمال ادیب تھے ان کی تحریریں ایسی شہ پارت تھی وہ ہر ادیب و فنکار کی تحریروں کا مقدر نہیں بنتی۔ رشید احمد صدیقی کی تحریروں کو پڑھنے کے بعد ہمیشہ ہی راقم الحروف کو ایسا محسوس ہوا ہے جیسے کہ وہ زعفران کے کسی کھیت میں کھڑا ہوا ہے اور ہر طرف فن کی خوشبو اور ادب کی چاندنی بکھری ہوئی ہے۔

رشید احمد صدیقی کے انداز بیان اور طرز گفتگو میں جو شگفتگی اور انوکھا پن تھا وہ کسی دوسرے ادیب کی تحریروں میں شاذ و نادر ہی سے ملتا ہے۔ ان کے قلم سے نکلی ہوئی ہر ہر سطر روانی اور سلاست کے نور سے منور ہوتی تھی۔ ہمارا خیال ہے کہ کیف اور شائستگی کا امتزاج دیکھنا ہو تو رشید احمد صدیقی کی تصانیف پڑھی جائیں۔

ان کی تحریروں کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے، اور ان کے قلم سے نکلے ہوئے آبدار موتیوں کی قدر و قیمت واضح کرنے کے لیے الفاظ کے جس قیمتی سرمایہ کی ضرورت ہے، وہ سرمایہ تو ہمارے دامن ذہن میں موجود نہیں۔ ہم تو بس اتنا ہی کہنے پر اکتفا کیے لیتے ہیں کہ رشید احمد صدیقی جیسے باصلاحیت فنکار کبھی کبھی پیدا ہوتے ہیں۔ ان کی وفات اردو زبان۔ اردو پسند اور اردو نواز طبقہ کے لیے ناقابل تلافی نقصان ہے۔

پروردگار مرحوم کی بشری غلطیوں سے اغماض برتے اور ان کی قبر میں اپنی رحمتوں کے ان بجھ چراغ جلائے۔

ایک اور غمناک اطلاع

پچھلے دنوں راقم الحروف کے ایک مشفق دھملہ دجناب منشی حمید عثمان صاحب بھی رحلت فرما گئے۔ موصوف انتہائی شریف الطبع اور نیک قسم کے انسان تھے۔ نہ کسی سے دشمنی نہ کسی سے بیر۔ نہ کسی سے حسد نہ کسی سے نفرت۔ یہ تھا ان کی زندگی کا مذہب۔ موصوف صوم و صلوٰۃ کے پابند ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی قدروں کے بھی سختی سے پابند تھے۔ ان کی وفات ہمارے لیے بھی ایک جان لیوا غم ثابت ہوئی۔ اس وجہ سے کہ وہ راقم الحروف سے ایسی ہی ہمدردی رکھتے تھے جیسے کوئی باپ اپنے بیٹے سے رکھ سکتا ہے۔

حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ موصوف کی تمام خطاؤں سے درگذر کرے اور انھیں جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے۔

کچھ ضروری باتیں

ہمیں اس بات کا احساس ہے کہ تجلی کافی تاخیر سے آپ کی خدمت میں پہونچ رہا ہے۔ پورے ایک مہینہ کی تاخیر سے پرچہ شائع ہو رہا ہے۔ یہ غیر معمولی تاخیر آپ کو جتنی بھی کھلے اور آپ کے جلنے بھی شکایتی خطوط آئیں کم ہی کم ہیں۔

تجلی کا انتظار قارئین تجلی جس شدت کے ساتھ کرتے ہیں اس کا بھی ہمیں احساس ہے اور ان کیفیات و تموّج کا بھی اندازہ ہے جو تجلی کے لیٹ در لیٹ ہو جانے کی وجہ سے قارئین کے سطح دل پر کروٹیں لینے لگتی ہیں۔ لیکن خالی احساسات اور اندازے اس کا مداوا نہیں، جب تک اس تاخیر اور بے ترتیبی کو دور کرنے کے لیے کوئی ٹھوس قدم نہ اٹھایا جائے، اور ٹھوس اقدام سے بھی کیا ہو سکتا ہے اگر قدرت خداوندی ہی تجلی کو وقت پر شائع ہونے کے حق میں نہ ہو۔ یقین کیجیے بعض مرتبہ تو یہاں تک ہوا کہ ایڈیٹر تجلی کی بے تحاشہ بھاگ دوڑ سے پرچہ مہینے کی پہلی دوسری تاریخ کو چھپ چھپا کر تیار ہو گیا۔ اور ایڈیٹر کے ذہن میں یقین کے سیکڑوں چراغ جل اٹھے کہ لو اب تاخیر کا سلسلہ ختم ہوا، اس مرتبہ تجلی صحیح وقت پر قارئین کے ہاتھوں میں پہونچ جائے گا اور اگلی اشاعتوں میں باقاعدگی پیدا ہو جائے گی۔

لیکن پھر —— پھر وہی مشیت ایزدی کسی نہ کسی روپ میں دیوار بن کر کھڑی ہو گئی۔ اور ہمیں اس بات کا قائل ہونا پڑا کہ انسان کی تگ و دو اور اس کے آہنی ارادوں کی کوئی حیثیت نہیں اگر انھیں قدرت خداوندی کی پشت پناہی حاصل نہ ہو،

غیر قابلِ شکر بات یہ ہے کہ تجلی کو خوش نصیبی سے ایسے
قارئین نصیب ہوئے ہیں جن کا صبر، صبرِ ایوبی کی یاد دلاتا ہے
تجلی کئی بار دو دو مہینے لیٹ ہو کر منظرِ عام پر آیا اور کارکنانِ فتر
کے ذہنوں میں اندیشوں کے ان گنت کیڑے کلبلانے لگے۔
بس اب تجلی سے لوگ منھ موڑ لیں گے —— اب قارئین
بگڑ اٹھیں گے —— اور —— اب تجلی گیا —— لیکن
قارئین تجلی نے ہمارے خواب وہم وگمان کو شرمندۂ تعبیر نہ ہونے دیا۔
اور تجلی لیٹ شائع ہونے کے باوجود بھی ان کو محبوب رہا۔ انھ
وہ ہماری کوتاہیوں کو انتہائی صبر وتحمل سے برداشت
کرتے رہے ہماری لغزشوں، خطاؤں اور مجبوریوں کو مسلسل برداشت
کرتے رہے۔ اس پر ہم تجلی کی قسمت پر جتنا بھی ناز کریں کم ہے۔ اور
تجلی کے پروانوں کے اس بے مثال جذبے پر جتنا بھی فخر وغرور
کریں وہ کم ہی کم ہوگا۔

اس موقعہ پر ہمیں شاہ انبیا رحمۃ للعالمین جناب رسول
مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی یاد آیا کہ منہ پر تعریف کرنا
قتل کر دینے کے مترادف ہے۔ اسلام مکھن بازی کا قائل
نہیں، وہ بس سچی اور پرخلوص تعریفوں کی اجازت دیتا ہے وہ
بھی اس کی قائم کردہ کچھ حدود میں رہتے ہوئے۔ جو تعریفیں تمرد و
سرکشی کو جنم دیں۔ جو تعریفیں دل ودماغ کی فصیلوں پر غلط فہمیوں
کا کہرا بکھیر دیں۔ جو تعریفیں رعونت اور گھمنڈ کا پیش خیمہ ثابت
ہوں۔ وہ تعریفیں اخلاص وراستی پر مشتمل ہوتے ہوئے بھی اسلام
کی نگاہ میں قابلِ احتراز ہیں —— اس لائق ہیں کہ ان سے
دور بھاگا جائے۔

ہم جانتے ہیں کہ ہمارے قارئین اپنی تعریف سنکر آپے سے
باہر نہیں ہو جائیں گے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہمارے قارئین کا
بڑا حلقہ سنجیدہ اور بڑے پن کا حامل ہے۔ اس کے باوجود ہم
ان کے کانوں میں تعریف کا رس گھول کر انھیں کسی قسم کی
خوش فہمی یا غلط فہمی میں مبتلا نہیں کریں گے۔ ہاں یہ کہے بغیر
ہم زبان بند نہیں کرسکتے کہ قارئین کے صبر وتحمل اور تجلی کے
ساتھ ان کے بے لوث تعلق نے ہمارے دلوں اور حوصلوں
میں اک نئی روح پھونک دی ہے اور اب ہم تجلی کو اور زیادہ
پرکشش اور بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں
پروردگار ہماری کوششوں کو کامیابی سے ہمکنار کرے اور تجلی کو
پرکشش بنانے اور وقت پر پیش کر دینے کی ہمیں توفیق و
صلاحیت عطا فرمائے۔ اور وافر مقدار میں عطا فرمائے۔ تاکہ
وافر مقدار میں پھیلی ہوئی بدنظمی کو ہم کنٹرول کی چادر میں سمیٹ سکیں

ایک اور ضروری اطلاع

جنوری ۷۶ء کے اوائل میں مکتبۂ تجلی کا کاروبار دو حصوں
میں تقسیم ہوگیا ہے۔ تقسیم درستی اور اپنائیت کی فضا میں ہوئی۔
حساب فہمی کے دوران مجادلے اور غلط فہمی کی نوبت نہ آسکی، نہ ہی
کوئی ایسی صورت سامنے آئی کہ جسے گڑبڑ یا بد دیانتی سے تعبیر کیا جاسکے
اب تقسیم کے بعد بھائی فاروق صاحب نے اپنا کاروبار الگ کر لیا
ہے "عظیم بک ڈپو" کے نام سے۔ مکتبہ تجلی مولانا عامر عثمانی رحؒ کے
بچوں کے حصے میں آگیا ہے۔ علاوہ ازیں ایک معقول قیمت ادا کر کے
"دار الفیض رحمانی" کو بھی مولانا مرحوم کی اہلیہ اور ان کے بچوں
نے اپنی طرف لے لیا ہے۔

اب جو حضرات عمر فاروق عثمانی صاحب سے تجارتی رابطے پیدا
کرنا چاہیں وہ عظیم بک ڈپو کے پتے پر خط وکتابت کریں۔ اور جو
مولانا مرحوم کے بچوں کی تجارت کو فروغ دینے کا جذبہ رکھیں وہ مکتبہ
تجلی کے پتے پر خط وکتابت کریں۔

مکتبۂ تجلی کی طرف جن حضرات کی رقمیں ہیں وہ قطعاً مطمئن
رہیں کہ ان کی پائی پائی ادا کر دی جائے گی۔ کسی کا کوئی پیسہ مکتبۂ تجلی
کی گردن پر رہنے نہیں دیا جائے گا۔ لیکن یہ واضح رہے کہ بیرونِ
دیوبند کی جتنی پارٹیاں ہیں ان کی پچھلی رقوم یکم مئی تک
ادا نہیں کی جائے گی۔ اس کے بعد ادائیگی کا سلسلہ شروع ہوگا
اور ہر پارٹی کو ادارہ خود بذریعہ خط آگاہ کر دے گا کہ اس کی رقم
کتنی قسطوں اور کتنے وقفوں کے بعد ادا کی جائے گی۔

اس عرصہ میں یہ ضروری ہے کہ بیرون دیوبند کی تمام
پارٹیاں اپنے رقموں سے بقلم خود آگاہ کر دیں۔ علاوہ ازیں
یہ بھی ضروری ہے کہ جن پارٹیوں کا ادارہ سے کوئی مخصوص معاہدہ
تھا وہ اپنے اس معاہدہ کی تجدید کرلیں۔ جو پارٹیاں اپنے معاہدہ کی

تحدید کریں گی، رقم کی ادائیگی کے وقت اولیت ان ہی کو دی جائے گی۔

تقسیم کے بعد ادارہ اس بات کا ذمہ دار تو یقیناً ہے کہ جو رقم اس کی طرف نکل رہی ہے اسے کبھی نہ کبھی ادا کر دے لیکن ادارہ رقم کی ادائیگی کے سلسلہ میں سابقہ منیجر کی کسی معینہ تاریخ کا پابند نہیں ہے۔ نیا نظام آیا ہے تو نئے پروگرام کے تحت کاروبار چلایا جائے گا۔ مکتبہ تجلی کی ساکھ اور اس کی تجارتی پوزیشن کو تباہی سے بچانے کے لیے فی الوقت یہ عزم کر لیا گیا ہے کہ یکم مئی سے پہلے کے تمام مطالبات کو مسترد کر دیا جائے۔

تمام پارٹیاں مطمئن رہیں کہ ان کی رقم بالکل محفوظ ہے اور انشاء اللہ یکم مئی کے بعد کسی مقررہ پروگرام کے تحت ان کی رقم ادا کر دی جائے گی۔

اسی طرح مکتبہ تجلی کی بھی ایک کثیر رقم دوسرے بیرونی کتب خانوں کی طرف نکل رہی ہے۔ ان کتب خانوں سے گذارش ہے کہ وہ بھی رقم کی ادائیگی کے سلسلہ میں کوئی پروگرام مرتب کر کے فوراً ہمیں آگاہ کریں۔ تاکہ ان کی نیت پر کسی قسم کا کوئی شبہ نہ کیا جا سکے۔

جو مقروض پارٹیاں از خود ہم سے رابطہ قائم نہیں کریں گی۔ ان سے رقم کا مطالبہ بذریعہ تجلی کیا جائے گا۔

امید کہ ہماری اس گذارش کے بعد تمام ہی تاجر حضرات بطور خاص توجہ فرماتے ہوئے ہمارے موجودہ حالات کو صحیح طور پر سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ اور ادارہ کے ساتھ ہر ممکن تعاون فرمائیں گے ـــــ قوم کی ادائیگی میں باہمی سہولت کا لحاظ رکھنا بھی ایک اخلاقی اور انسانی فریضہ ہے۔ خدا کرے ہماری طرح تمام تاجرین اس بات کے قائل ہوں ـــــ فقط والسلام

سیرت کے موضوع پر ایک مؤثر اور دل آویز خطاب

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی زبانی

اگلے شمارہ میں ملاحظہ فرمائیے

تبلیغی جماعت سے متعلق ایک طویل مضمون ـــــ!

مضمون نگار ـــــ حسن احمد صدیقی ـــــ اگلے شمارہ میں آ رہا ہے

بریلی سے ایک پرچہ نکلتا ہے "اعلیٰ حضرت" فروری میں اس کا خاص نمبر نکلا ہے۔ جو تمام تر مولانا احمد رضا خاں کی شخصیت پر مشتمل ہے۔ میاں ملا ابن العرب مکی اس پر تبصرہ کرنے کی ضد کر رہے ہیں۔ شاید ان کی یہ ضد اگلے ہی شمارہ میں پوری ہو جائے۔

اگلے شمارہ میں مولانا عامر عثمانی نمبر کی تیسری قسط کی کچھ خاص جھلکیاں پیش کی جائیں گی

بہرحال اگلا شمارہ کئی اعتبار سے جاذبیت کا حامل ہوگا

منیجر مکتبہ تجلی

خاندانی منصوبہ بندی کی خاطر مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے گئے ہیں اور جو افراتفری پھیل چکی ہے اس کے پیش نظر ہمارا اپنا خیال یہ تھا کہ علمائے کرام اب چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ وہ بے چین اور مضطرب رہیں گے تاوقتیکہ کوئی ایسا اجلاس منعقد نہ کرلیں جس میں مذہبی روایات کے بچاؤ اور اپنے شخصی قانون کا مسئلہ درپیش ہو۔

مگر ہائے یہ جمود اور ہائے یہ بے حسی کہ کوئی اجتماعی مجلس نہیں کوئی محفل مشورہ نہیں۔ کوئی ذہنی تڑپ نہیں۔ ہر طرف وہ سناٹا بکھرا ہوا ہے جو بزدلی اور تعطل کے ملے جلے خمیر سے وجود پاتا ہے اور جس کے پس پردہ شکست وریخت اور حرمان و یاس کی گہری دھند کے ماسوا کچھ نہیں ہوتا۔

اب خدا ہی جانے کہاں گئے قوم ملت کے وہ شیدائی جو امت مسلمہ کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھا کر خود کو مسلمانوں کا واحد نمائندہ اور واحد خیرخواہ ثابت کیا کرتے تھے۔ اور مسلمانوں کے اذہان و قلوب میں اپنا سکہ جمانے کے لیے دھوکہ و فریب کی اندھی سڑکوں پر آنکھیں بند کرکے دوڑا کرتے تھے۔

خدا ہی جانے بزدلی کے کونسے بلوں میں جا گھسے وہ مردانِ جواں ہمت جو دن کی روشنی میں اس بات کے دعویدار تھے کہ بس ہم ہی ہیں مسلمانوں کے مسیحا اور بدنِ ملت کی روح۔

اب کوئی نہیں۔ اب کچھ بھی نہیں۔ کوئی اجلاس نہیں کوئی آوازہ نہیں۔ کوئی ہل چل نہیں۔ کوئی ہیجان نہیں۔ اور انتہا یہ ہے کہ اب کہیں کوئی شورِ تنقید اور اب کہیں کوئی آہ و فغاں بھی نہیں۔

مدارس خاموش ہیں۔ فتاویٰ گاہیں خود اپنے اندر سمٹی ہوئی ہیں اور علمائے کرام شاید مصلحت اور دوراندیشی کی تاریک گپھاؤں میں جاکر گہری نیند سو گئے ہیں۔

کی تقدیس و طہارت کو جو زبردست ٹھیس پہونچی ہے وہ کسی صاحبِ نظر سے پوشیدہ نہیں۔ علماء اور مفتیانِ کرام کا وقار جس کثیر انداز میں مجروح ہوا ہے وہ بھی کسی سے مخفی نہیں علماء کو اپنا اعتماد اور اپنی پالادستی بحال کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اک نئی لگن اور ایک نئی جد وجہد کے ساتھ اپنی آرام گاہوں سے اٹھیں اور مسلم پرسنل لا کے ان باقی ماندہ دیواروں کی حفاظت کیلیے کمربستہ ہوجائیں کہ خاندانی منصوبہ بندی کی بعد آلف کے بعد ب کی طرح جن کا نمبر آنے والا ہے اور جن کو منہدم اور تہس نہس کرنے کی سازشیں سیاست کے بندکمروں میں متعدد بار ہوچکی ہیں اور اب اور شدت و ہما ہمی کے ساتھ ہوں گی۔

علماء کرام نے اگر تقدیر اور وقت کی دی ہوئی مہلت سے فائدہ نہ اٹھایا اور اپنے اس اعتماد و وقار کو بحال کرنے کی کوشش نہیں کی جو آخری حد تک زخمی ہوچکا ہے تو پھر وہ وقت بھی آئیگا کہ علماء کے دامن زندگی میں سب کچھ ہوگا لیکن متاعِ عزت نہیں ہوگی۔ اور ایسا وقت آنے کے بعد پھر اگر ہمارے علماء اپنی صلاحیتوں کا کشکول اٹھائے در در عزت کی بھیک مانگنے کے لیے سرگرداں پھریں گے تو بھی انھیں عزت کی بھیک میسر نہیں ہوگی اور عوام کا وہ پرخلوص اعتماد اور بے لوث عقیدت انھیں پھر کبھی حاصل نہیں ہو سکے گی۔ جو اب بھی یعنی ان ایام میں بھی حاصل ہے جب وہ جمود اور بے حسی کی چادر تانے پڑے ہیں۔

٭ ٭ ٭

خاندانی منصوبہ بندی کی متشدد تحریک کے دوران فتاویٰ

مولانا عامر عثمانی مرحوم کی یادگار میں ایک نشریاتی ادارہ قائم کیا جا رہا ہے

عامر عثمانی بورڈ

یہ ادارہ مختلف موضوعات پر ہر تین مہینے کے بعد علمی، ادبی، تنقیدی اور تحقیقی کتابیں پیش کرتا رہے گا۔

عامر عثمانی "بورڈ" علم و تحقیق کے شائقین اور کتابوں کے تاجرین کیلئے ایک نعمتِ عظمیٰ ثابت ہوگا۔ عامر عثمانی "بورڈ" کے نشریاتی پروگرام کی جملہ تفصیلات اور عامر عثمانی "بورڈ" کا دستوری خاکہ عامر عثمانی نمبر کی تیسری قسط میں ملاحظہ فرمائیے۔ عامر عثمانی "نمبر" کی تیسری قسط ایک اندازے کے مطابق اپریل کے آخر میں ہدیہ ناظرین کر دی جائے گی۔

منیجر۔ مکتبہ تجلی۔ دیوبند

افسوس کی بات یہ ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کے بارے میں مفتیان کرام کی ابھی تک کوئی مضبوط رائے سامنے نہیں آسکی ہے کہ آیا ان کا موقف اس بارے میں کیا ہے۔

حالات میں لچک اور دگرگونی پیدا ہو جانیکے باوجود فتوے گول مول دیے جا رہے ہیں۔ سچ کہنے اور صاف کہنے کی جرأت کسی میں موجود نہیں ہے۔ وہ حضرات جن کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے واحد نمائندے ہیں، اب بھی بزدلی کے بلوں میں سمٹے ہوئے ہیں۔

خاندانی منصوبہ بندی کے بارے میں مفتیانِ کرام کا جو بھی اجتماعی فیصلہ اور متفقہ رائے ہو فوراً اسے سامنے آنا چاہیے۔ بزدلی مرعوبیت اور جمود و تعطل کے برف خانوں سے نکل کر اور ایسے علماء کو وہ کردار ادا کرنا چاہیے جس میں حرارت ہو، پامردی ہو، جوش و خروش ہو۔

خاندانی منصوبہ بندی کے بارے میں ہماری ذاتی رائے یہ ہے کہ جو شخص اسے اپنائے اسے ملامت کرنے اور جو شخص اس سے احتراز کرے اس کے ساتھ زور زبردستی کرنے کی ضرورت نہیں۔ رہی نس بندی تو اس کے بارے میں ہم کہہ ہی چکے ہیں کہ یہ ایک غیر انسانی طرزِ عمل ہے جو شرعی اعتبار سے تو ہے ہی ناجائز، انسانی نقطۂ نظر سے بھی اس قابل نہیں کہ اسے اپنایا جائے۔

یہ شمارہ جب آپ کے ہاتھوں میں پہنچے گا ہونے والا الیکشن نمٹ چکا ہوگا۔ لہٰذا پیشِ نظر شمارہ میں قارئین سے یہ گذارش کرنا کہ ووٹ کسے دیا جائے کسے نہ دیں بے فائدہ بات ہوگی۔ گذشتہ شمارہ کے توجہ طلب میں ہم نے مختصراً یہ لکھدیا تھا کہ ووٹ کسی ایسی پارٹی کو دینا مناسب نہیں جس نے ماضی قریب ہی میں آپ کے احساسات و جذبات کا قتلِ عام کر کے آپ کے بنیادی حقوق تک سلب کر لیے ہوں اور ہر وہ ظلم کر ڈالا ہو جس سے ہٹلر و چنگیز خاں کی سنگین داستانیں بھی شرمسار نظر آتی ہیں ـــ مومن ایک سوراخ سے دوبارہ نہیں ڈسا جاتا۔ آنحضورؐ کے اس قول کے پیشِ نظر بھی اسی جماعت کی حمایت و

طرفداری کرنا غیر مناسب فعل نہ ہوگا، جس جماعت نے اقتدار کے ڈنڈے سے ڈرا کر عوام و خواص سے بیہودہ حرکت کرا ڈالی ہو کہ بغیت خود جس کے قریب پھٹکنے کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

نس بندی کے سلسلہ میں حکومت کانگریس نے جو رول ادا کیا ہے وہ ہندوستان کے چہرے پر ایک بدنما داغ ہے ایک ایسا داغ کہ حکومت کے اقدامات حسنہ کا کوئی پوڈر اس داغ کو نہیں مٹا سکتا۔ نس بندی کی تحریک تو فی نفسہٖ بھی قابل تنبیہہ اور قابلِ مذمت تھی۔ پھر جبری نس بندی تو ظلمت بر ظلمت اور گناہ بر گناہ والی بات ہوئی۔

بعض خیر مشیر فنکاروں کا دعویٰ یہ ہے کہ جبری نس بندی حکومت کی مرضی سے نہیں ہو رہی تھی، نہ ہی حکومت کو اس بات کی خبر تھی کہ نس بندی کے سلسلہ میں زور زبردستی سے کام لیا جا رہا ہے۔

خوشامدیوں کے اس دعوے کو اگر صدق و صداقت پر محمول سمجھ لیا جائے تو پھر یہ کہنا پڑے گا کہ جس حکومت کو یہ تک خبر نہ ہو کہ ہماری رعایا اور عوام پر کیا گذر رہی ہے اور ملک کے کس حصہ میں کیا ہو رہا ہے۔ وہ حکومت قطعاً اس قابل نہیں ہے کہ الیکشن کے موقعہ پر اس کی کمر تھپکی جائے اور اس کی کمزوری کو معصومیت کا لباس پہنا کر حقائق کو چھپانے کی کوشش کی جائے۔

پھر چلیے جب تک وہ حالات سے بے خبر اور لاعلم تھی، اس وقت تک اسے معذور سمجھ لیا گیا لیکن جب کہ وہ حالات سے اور انکی تباہ کاریوں سے پوری طرح باخبر ہوگئی، تب ہی اس نے کونسا ایسا اقدام کیا جسے انصاف، دیانتداری اور عوام نوازی کا نام دینا درست ہو سکے۔

کیا اس نے ان بیواؤں کے آنسو پونچھنے کی کوشش کی جن کے شوہر نس بندی کی جبری تحریک کی زد میں آ کر ہمیشہ کے لیے خاک کا پیوند بن گئے۔؟ کیا اس نے ان یتیم بچوں کی بچوں کی کفالت و تربیت اور بود و باش کے لیے کوئی معقول انتظام کیا کہ جن کے والدین ان کی نظروں کے سامنے نس بندی کی جبری تحریک کا دفاع کرتے ہوئے پولیس کی گولیوں کا نشانہ بن گئے؟ کیا اس نے ان جابر و ظالم افسران کے خلاف کوئی ایسا قدم اٹھایا جس سے مقتولین کے پس ماندگان کے کلیجے ٹھنڈے ہو گئے ہوں؟ کیا کسی پولیس افسر یا اعلیٰ عہدہ پر فائز کسی ذمہ دار کے خلاف تحقیقات کی گئیں کہ اس نے یہ انسانیت سوز غیر قانونی اور غیر اخلاقی اقدام کیوں کیا؟

حکومت اگر واقعی اس درجہ بے خبر ناواقف اور بے خطا اور معصوم ہے جیسا کہ وہ خود کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش میں مصروف ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ ان معصوموں اور بیواؤں کی ذمہ داری لے جو بے سہارا ہو کر اپنی ہی حکومت کی چلائی ہوئی تحریک کی لپیٹ میں آ کر موت کی وادی میں پہونچ گئے ہیں۔

زمانے کے یہ بے لگام مقرر کتنا ہی زور لگا کر حکومت کی بے گناہی ثابت کرتے پھریں۔ کتنی ہی خوبصورت تاویلیں اور حکایات بیان کرتے پھریں۔ لیکن یہ لوگ اور خود حکومت وقت اپنی پیشانیوں سے ان بدنما داغوں کو کھرچ نہیں سکتی جو کتابِ وقت کے سیاہ باب میں ثبت ہو چکے ہیں۔

یہ الگ بات ہے کہ حکومت اور اس کے حامیوں کی ڈکشنریوں میں دھونس کے معنی جذبۂ التفات۔ تشدد کے معنی عین کرم اور لاقانونیت کے معنی قانون اور عدل لکھے ہوئے ہوں۔

جس وقت نس بندی کی تحریک پورے زور شور کے ساتھ ملک بھر میں جاری تھی، اس وقت ہم نے جس طرف بھی نظر اٹھائی، تشدد، شرارت، دھاندلی، دھونس، انانیت، قہرمانی استبداد، لاقانونیت اور مطلق العنانی کے ماسوا کچھ نظر نہیں آیا ہر طرف زور زبردستی تھی، پکڑ دھکڑ تھی، تاناشاہی تھی حکومت کے دل و دماغ اقتدار کے نشہ میں چور تھے۔ اسلیے وہ یہ بھول ہی گئی تھی کہ حالات جب کروٹ بدلتے ہیں تو منٹوں میں انقلاب آ جاتا ہے اور ہر چیز تہہ و بالا ہو جاتی ہے امارت، غربت میں اور تخت تختہ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ حکومت اقتدار کے نشہ اور اپنی طاقت کے زعم میں یہ حقیقت بھی فراموش کر بیٹھی تھی کہ اصل طاقت اس پروردگار ہی کی ہے جس نے حکومت کو اقتدار بخشا، وہی پروردگار اگر چاہے تو حکومت کا ملیامیٹ کر کے اس کے دماغ درست کر سکتا ہے۔

جبری نس بندی کی وحشیانہ تحریک کے دوران بعض سنجیدہ مسلمانوں نے حکومت سے اس بات کی گذارش کی کہ نس بندی کے معاملہ میں جبر سے کام نہ لیا جائے۔ اس گذارش کو سن کر حکومت تو چلیے خاموش ہی رہی لیکن میاں سنجے آپے سے باہر ہو گئے اور انھوں نے سینہ تان کر فرمایا کہ جو مذہبی جنونی ہماری تحریک میں رکاوٹ بنے گا ہم ان کو اپنے قدموں سے کچل دیں گے۔

سنجے میاں آپے سے باہر ہوتے وقت یہ بھول گئے تھے کہ ان کا سارا گھمنڈ اور ساری بہادری امی جان کے اقتدار کی مرہونِ منت ہے۔ امی جان کی بھیجی ہوئی پولیس اگر سنجے میاں کا قدم بہ قدم ساتھ نہ دے تو سنجے میاں میں تو شاید اتنی قوت وجرأت کبھی نہ ہو کہ وہ انسانوں کی تو کیا کسی مچھر کی ٹانگیں توڑ سکیں۔ آدم زادوں کو کچل دینا تو دور کی بات ہے۔

نس بندی کی تحریک کو ترغیب و تلقین کے ساتھ چلانے میں کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ کرانے والے کرا ہی رہے تھے جس میں ہندو اور مسلمان دونوں ہی طبقوں کے افراد شامل تھے۔ اور وہ وہی لوگ تھے جنھیں مذہب سے اتنا بھی تعلق نہیں تھا جتنا کسی کو اپنے جوتوں سے ہوتا ہے۔ نس بندی کی تحریک اگر اسی نہج پر چلتی رہتی تو کبھی کسی مولوی اور مفتی کو احتجاج و احتجاجات کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ احتجاجی صدائیں تو اسی وقت بلند ہوئیں جب نس بندی کے سلسلہ میں ظلم و استبداد اور عیاری و مکاری سے کام لیا جانے لگا۔ ملازمین کی تنخواہیں روک لی گئیں۔ مزدوروں سے مزدوری کا حق چھین لیا گیا۔ اسلامی اداروں میں تالے ڈال دینے کی دھونس دی۔ قبلہ مہتمم صاحب کو بزور طاقت اس بات کے لیے مجبور کیا کہ وہ اس سلسلہ میں بیانات دیں۔ مظفر نگر کے ایک امام کو مار پیٹ کر یہ کہلوا لیا کہ نس بندی شرعی نقطۂ نظر سے جائز ہے۔

ملک کا کوئی کونا اور گوشہ ایسا نہیں تھا جہاں حیوانیت و درندگی اور بربریت کا یہ ننگا ڈرامہ حکومت وقت کے مہذب اداکاروں نے اسٹیج نہ کیا ہو۔

دہلی میں رکشہ چلانے والوں پر اس بات کی پابندی عائد کر دی گئی کہ وہ چاندنی چوک میں داخل نہیں ہو سکتے جب کہ وہاں کی سب سے بڑی مارکیٹ چاندنی چوک ہے اور رکشہ والوں کو آمدنی کا بیشتر حصہ چاندنی چوک کی آمد و رفت سے حاصل ہوتا ہے۔ اس پابندی کے کچھ ہی دنوں بعد مقامی سربراہوں کی طرف سے یہ اعلان ہوا کہ وہ رکشہ پولر چاندنی چوک میں آمد و رفت کر سکتے ہیں جن کی نس بندی ہو چکی ہے۔

دہلی سے باہر تو جو کچھ ہوا اسے ہم یہ سمجھ لیتے ہیں کہ حکومت کی مرضی سے نہیں ہوا۔ حکومت بے خبر تھی۔ اور بے خبر اسی لیے تھی کہ اسے ہندوستانی عوام سے [illegible] کوئی ہمدردی و تعلق ہے ہی نہیں۔ اس کا منشا تو اقتدار حاصل کر کے اپنا الّو سیدھا کرنا ہے۔ اسے اس سے کوئی غرض نہیں کہ ملک کے کس حصہ میں کون کس پر کیسے کیسے ظلم ڈھا رہا ہے اور یہ ظلم کیوں ڈھائے جا رہے ہیں اور مظلوموں پر کیا [illegible] ہے۔ لیکن جو حرکتیں دہلی میں ہوتی ہیں ان کے بارے میں یہ کیسے مان لیا جائے کہ وہ حکومت کی مرضی سے نہیں ہوئیں۔ یا حکومت ان سے بے خبر تھی۔

جہاں جس سرکاری محکمہ میں اپنی کوئی غرض لے کر پہنچے وہاں ایک ہی مطالبہ تھا کہ کیس لاؤ۔ دو چار کیس نہیں لاؤ گے تو کام نہیں ہوگا۔ یہ نس بندی عذاب خداوندی بن کر رہ گئی۔ ہندوستان کا کوئی باشندہ ایسا نہیں تھا جو اس کالی تحریک سے پریشان نہ ہو۔

ہم سے ہمارے قارئین نے متعدد بار دریافت کیا ہے کہ نس بندی کی شرعی نقطۂ نظر سے کیا حیثیت ہے؟ ہم نے جوابی خطوں کے ذریعہ صاف صاف یہ بات لکھی کہ نس بندی شرعاً جائز نہیں ہے۔ آپ اگر کسی مجبوری کے تحت اپنائیں گے تو بہ گناہِ کبیرہ سمجھ کر اپنائیں۔ یہ سوچ کر نس بندی کرانا کہ شریعت اس کی اجازت دیتی ہے دوہری غلطی ہوگی۔ ایک گناہ کرنے کی اور ایک گناہ کو جائز سمجھنے کی۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کے بارے میں مفتیان کرام کی ابھی تک کوئی منصبط رائے [illegible] نہیں آسکی ہے کہ آیا ان کا موقف اس بارے میں کیا ہے۔

حالات میں لچک اور دگرگونی پیدا ہوجانے کے باوجود فتوے گول مول دیے جارہے ہیں۔ سچ کہنے اور صاف صاف کہنے کی جرأت کسی میں بھی نہیں ہے۔ وہ حضرات جن کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے واحد نمائندے ہیں' اب بھی بزدلی کے بلوں میں سمٹے ہوئے ہیں۔

خاندانی منصوبہ بندی کے بارے میں مفتیان کرام کی جو بھی اجتماعی فیصلہ اور متفقہ رائے ہو اسے سامنے آنا چاہیے بزدلی، مرعوبیت اور جمود و تعطل کے برف خانوں سے نکل کر اور اب علماء کو وہ کردار ادا کرنا چاہیے جس میں حرارت ہو' پامردی ہو، جوش و خروش ہو۔

خاندانی منصوبہ بندی کے بارے میں ہماری ذاتی رائے یہ ہے کہ جو شخص اسے اپنائے اسے ملامت کرنے اور جو شخص اس سے احتراز کرے اس کے ساتھ زور زبردستی کرنے کی ضرورت نہیں۔

رہا نس بندی تو اس کے بارے میں ہم کہہ ہی چکے ہیں کہ یہ ایک غیر انسانی طرز عمل ہے جو شرعی اعتبار سے تو ہے ہی ناجائز انسانی نقطۂ نظر سے بھی اس قابل نہیں ہے کہ اسے اپنایا جائے۔

اس موضوع پر ہم نے ایک مفصل مضمون مارچ ۷۶ء کے شمارے کے لیے قلم بند کیا تھا لیکن افسوس اس مضمون کو چھاپنے کی اجازت نہیں مل سکی تھی اور پھر بادل ناخواستہ اس کو ردی کی ٹوکری کی نذر کرنا پڑا تھا۔

بہرکیف نس بندی کو نافذ کرنے کے لیے جو جو ہتھکنڈے استعمال کیے گئے ہیں ان کو سامنے رکھتے ہوئے یہ سمجھنا اور کہنا پڑ رہا ہے کہ حکومت کانگریس اس بات کی مستحق نہیں ہے کہ ووٹ دیکر اس کی کمر مضبوط کی جائے۔ ظالم کی راہوں میں ہمدردی و تعاون کے پھول بچھانا اگر حماقت ہے تو پھر یہ بھی حماقت اور دیوانگی ہی ہوگی کہ ہم اس حکومت کو نئی زندگی عطا کرنے کی کوشش کرنے لگیں جس نے چند دن پہلے ہم پر ہر وہ ستم توڑ ڈالا ہو جس کی نظیر تاریخ کی سنگین وارداتوں میں بھی نظر نہیں آتی۔

آجکل مولانا اسعد میاں شہر در شہر دورے کرتے پھر رہے ہیں اور ایڑی چوٹی کا زور لگا کر یہ ثابت کرنے کی فکر میں ہیں کہ کانگریس سے کبھی کوئی قصور نہیں ہوا اور کوئی قصور ہوا بھی ہے تو وہ اس کی معافی مانگنے کے لیے تیار ہے لہٰذا ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم کانگریس کو معاف کر کے اسے سینہ سے لگالیں۔

دیوبند کے آس پاس دیہاتوں میں مولانا اسعد مدنی کو تقریر کرنے کی اجازت نہیں ملی۔ بعض دیہاتوں میں مولانا اسعد میاں پر گندے فقروں کی بوچھار ہوئی۔ بعض دیہاتوں میں رمح بین کی نوبت آئی۔ لیکن مولانا اسعد میاں یہ تمام ذلتیں ہنسی خوشی برداشت کرتے رہے ہیں اور ان کے دورے تادم تحریر برابر جاری ہیں۔

۹ مارچ ۷۷ء کو دیوبند میں بھی ان کی تقریر کا پروگرام تھا۔ دیوبند میں بھی انھوں نے یہی فرمایا کہ کانگریس کا کوئی قصور نہیں۔ نس بندی کے سلسلہ میں جو کچھ ہوا ہے وہ آفیسروں اور مقامی سربراہوں کے اشاروں پر ہوا ہے، حکومت کی اس میں کوئی سازش نہیں تھی۔ اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ جو کچھ ہوا وہ حکومت کی مرضی سے ہوا تو پھر حکومت کی غلطی کو معاف کر دینا چاہیے۔ یہی اعلیٰ ظرفی کی بات ہوگی۔ یہی انسانیت کا تقاضا ہوگا۔

دیوبند میں بھی ان کے اوپر فقروں کی بوچھار ہوتی رہی دوران تقریر میں پتھراؤ بھی ہوا۔ اور یہ پتھراؤ دیوبند کے مسلمانوں ہی کی طرف سے ہوا تھا۔ مولانا کی تقریر کے اگلے روز ان ہی کی پارٹی کی طرف سے ایک پوسٹر چھاپ کر تقسیم کیا گیا۔ اس میں بھی مولانا کے اوپر اچھالے گئے ڈھیلوں کا ذکر ہے۔ ملاحظہ ہو کہ مولانا اسعد نے۔

> "جلسہ میں شرانگیز حرکات پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ دیوبند میں آجکل جو میں دیکھ رہا ہوں یہ دیوبند کے پچھلے تیس سال کے جلسوں۔ میٹنگوں اور دیوبند کے دستار پر ایک بدنما دھبہ ہے۔ فقرہ کسی نعرے بازی۔ ہلڑ بازی سنگ ریزی جیسی مذموم حرکات ہو رہی ہیں۔"

آگے چل کر پوسٹر مرتب کرنے والے نے تجویز کیا ہے کہ

"ایک پتھر حضرت کے رُخِ روشن کی طرف پھینکا گیا. جو کانگریس کے نائب صدر سید حسن چھمن کے سر پر پڑا. اور دوسرا پتھر کانگریس کے صدر حاجی ظہور احمد انصاری کی کمر پر پڑا. تیسرا پتھر پھلستے سکٹ چند نیاگی کی کمر پر پڑا. دوسرے لوگوں کے بھی کافی چوٹیں آئیں"۔
(شائع کردہ کانگریس چناؤ دفتر دیوبند۔ مطبوعہ محبوب پریس دیوبند)

اسی پر بس نہیں بلکہ تقریر کے اختتام پر عوام نے ایک بار پھر حملہ کیا اور اسٹیج پر بیٹھے ہوئے لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی. کہنے والوں کا کہنا ہے کہ مولانا اسعد کو بھی جوتے چھوڑ کر بھاگنا پڑا.

جہاں تک بھاگنے کا سوال ہے تو وہ ہزاروں آنکھوں نے مولانا کو بھاگتے ہوئے دیکھا تھا. اب یہ یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ بھاگتے وقت ان کے پیروں میں جوتے تھے یا نہیں یہ یہ درگت بنی ہے مولانا اسعد کی. خدا ہی جانے کہ مولانا اسعد ایسی نازک صورت حال میں کانگریس کے پلیٹ فارم سے کیوں تقریریں کرتے پھر رہے ہیں اور کیوں عوام کی گالیوں اور پتھروں کا نشانہ بن رہے ہیں.

بعض لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ مولانا کو حکومت نے اپنی حمایت کرنے کا بھاری معاوضہ دیا ہے. اس لیے مولانا حقِ مزدوری ادا کرتے پھر رہے ہیں.

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ مولانا اسعد کے دل و دماغ پر بذریعہ الہام یہ بات منکشف ہوئی ہے کہ کانگریس ہی مسلمانوں کی اصل خیرخواہ ہے اگرچہ کہ وہ مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کا جذبۂ پلید دل میں رکھتی ہے.

بعض کہنے والوں کی رائے یہ ہے کہ مولانا اسعد کے سامنے بھی پرکاش نرائن کے گردوں کا حشر ہے اور یہی حشر انھیں حکومت کے اشاروں پر ناچنے کے لیے مجبور کر رہا ہے. انھیں اپنے گردوں کی حفاظت کرنی ہے اور یہ حفاظت ضمیر فروشی کے بغیر چونکہ ممکن ہی نہیں اس لیے انھیں قدم قدم پر اپنے ضمیر کو نیلام کرنا پڑ رہا ہے.

ہمیں ان تینوں باتوں میں سے کسی ایک سے بھی اتفاق نہیں. ہمارا اپنا خیال یہ ہے کہ مولانا اسعد کو کانگریس کی حمایت کرنی چاہیے. اس لیے کہ کانگریس نے وقتاً فوقتاً انکی ذات پر بہت سے احسانات کیے ہیں، ان احسانات کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ کانگریس کی راہوں میں جھاڑو دیتے پھریں۔ یہی احسان شناسی ہے اور یہی نمک حلالی. دوسری بات یہ ہے کہ مولانا اسعد مسلمان ہیں. اور مسلمان کبھی نمک حرام نہیں ہوتا وہ جس کا کھاتا ہے اسی کا گاتا ہے. کسی مسلمان سے اس بات کی توقع نہیں کرنی چاہیے کہ وہ کھا پی کر آنکھیں بدل لے گا. مولانا اسعد نے جو کچھ کیا ہے، نمک حلالی کے نقطۂ نظر سے ٹھیک کیا ہے. ہم ان کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتے ہیں. اب رہا ان لوگوں کا اعتراض جو موجودہ دور میں اس بات کے خواہشمند ہیں کہ مولانا اسعد ہمیشہ سچ ہی بولیں، ہمیشہ مسلمانوں ہی کا ساتھ دیں. خطرناک حالات میں بھی حق کا ہی دامن پکڑے رکھیں تو ان لوگوں کی بات اگرچہ غلط نہیں. لیکن ایسے لوگوں کو ہم عقل سے پیدل ہی قرار دیں گے. یہ لوگ اعتراضات کی بندوق چلاتے وقت یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ مولانا اسعد کوئی فرشتہ تو نہیں ہیں جو تسبیح و تہلیل سے اپنا پیٹ بھر لیں گے. ان کا شکم بھی ان سے کچھ مطالبات کرتا ہے. ان کے بھی کچھ مسائل ہیں، کچھ اغراض ہیں. کچھ خواہشیں ہیں. وہ اپنے ذاتی مقاصد اور ذاتی ضرورتوں سے یکسر غافل ہو کر صرف اسلام اور مسلمانوں ہی کے بارے میں کیوں سوچنے لگیں؟ انھیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ مسلمانوں کی الجھنوں اور آفتوں کا تجزیہ کرنے میں اپنا چین و سکون برباد کریں اور حکومت کی نظروں میں نکّو بن کر رہ جائیں۔

پھر جب ہندوستان کے نادار مسلمانوں کی اکثریت انھیں "فدائے ملت" تصور کرتی ہے بغیر کسی خدمت اور بغیر کسی قربانی کے تو ان کو ضرورت کیا ہے کہ وہ ملت میں اپنا مقام بنانے کے لیے فدائیت کا کوئی ثبوت فراہم کرنے کی فکر میں مارے مارے پھریں۔ آخر جیسے ملیے یوں وہ کھیتی کیوں کیجے!

مولانا اسعد جیسے لوگوں کو اعتراضات کی سولی پر چڑھانے سے کہیں بہتر اور مفید بات یہ ہے کہ ہم پہلی فرصت میں کسی ایسے مذہبی بورڈ کی تشکیل کریں جو وقتِ احتیاج ہماری دستگیری کر سکے اور ہمیں "کالی تحریکوں" کی زد میں آنے سے بچا سکے۔ جب تک ہم اپنے ایمانوں کی حفاظت از خود نہیں کر سکیں گے اس وقت تک ہمارے ایمان مصائب کے زلزلوں سے محفوظ نہیں رہ سکتے، خواہ رہنماؤں کی ہزار ٹولیاں ہمارے آگے پیچھے گشت کرتی پھر رہی ہوں۔

کسی حکیم الامت اور فدائے قوم پر بھروسہ کرنا گناہ کی بات نہیں لیکن صرف رہنماؤں کے بھروسہ پر اپنے ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جانا حماقت و نادانی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

جملۂ معترضہ کے طور پر یہ کچھ باتیں قلم سے نکل گئیں۔ گزارش تو یہ کی جا رہی تھی کہ مولانا اسعد صاحب ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اس کوشش میں سرگرداں ہیں کہ اندرا گاندھی کے قصور اور خطاؤں کو معاف کر دیا جائے اور اپنے ووٹوں کا گلوکوس دم توڑتی ہوئی ادھ مری کانگریس کے جسم میں چڑھا کر اس کے ہاتھ پیر پھر سے مضبوط کیے جائیں۔

ہم جانتے ہیں کہ مولانا اسعد ایک ایماندار آدمی ہیں۔ وہ اس کانگریس کی مخالفت کبھی نہیں کر سکیں گے جس نے انھیں ہندوستان بھر میں نمایاں ہونے کی عزت عطا کی۔ اس کے باوجود ہم یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ اس وقت مولانا کی دوڑ دھوپ اخلاص و دیانتداری پر مشتمل ہے۔ بلکہ ہماری اپنی ناقص رائے یہ ہے کہ مولانا کو کانگریس کی حیاتِ طیبہ سے کہیں زیادہ اپنے اور جمعیۃ العلماء کے وجود کی فکر ستا رہی ہے وہ جانتے ہیں کہ کانگریس کے ہارنے کے بعد ہندوستان کی سیاست کا پانسا پلٹ جائے گا۔ اور پھر جماعتِ اسلامی جیسی جماعتیں جیلوں سے باہر ہوں گی اور جمعیۃ العلماء جیسی جماعتیں جیلوں کی زینت بنیں گی ——— کچھ جماعتوں کو سلامی دی جائے گی اور کچھ جماعتوں کے پوسٹ مارٹم کیے جائیں گے۔

خدا ہی جانے کہ حالات کا اونٹ کس کروٹ بیٹھے۔ فتح کسے نصیب ہو اور شکست کس کے حصے میں آئے۔

۲۲ مارچ سے پہلے یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا ہاں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اگر اندرا گاندھی جیت گئیں تو اسے بیسویں صدی کا سب سے بڑا معجزہ قرار دیں گے۔ لیکن اس معجزہ کے باوجود بھی اس مسلمہ حقیقت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوگا کہ اندراجی ہندوستان کے ساٹھ کروڑ انسانوں کے جسموں پر حکومت کرتی ہیں، ان کے دلوں پر نہیں۔ ۹ مارچ ۷۷ء

رہائی مبارک

یہ آخری کاپی پریس جا رہی تھی کہ یہ خبر کانوں میں آئی کہ جماعتِ اسلامی کے ان تمام افراد کو باعزت رہا کیا جا رہا ہے جو مدت سے بے خطا جیلوں کی صعوبتیں برداشت کر رہے تھے جن حالات میں انھیں گرفتار کیا گیا تھا اس وقت ہماری زبانوں پر آہنی قفل چڑھا دیے گئے تھے جس کی وجہ سے ہم ان کی لفظی حمایت بھی نہ کر سکے۔

آج جب ان کی رہائی کی خبر سنی تو ہمارا دل سجدۂ شکر میں گر پڑا۔ اور ذہن کے ہر ہر گوشہ میں یہ صدائیں بلند ہونے لگیں کہ اے حق پرست جماعت کے حق پرست دیوانو تمہیں آزادی مبارک ہو اور ہزار بار مبارک ہو۔

آؤ کہ مذہب کی خاموش اور سنسان راہیں کب سے کاروانِ حق شناس کے لیے بے چین اور منتظر تھیں۔ اور جن اسلامی کاموں میں خلل اور تعطل پیدا ہو گیا تھا انھیں ایک نئے جذبہ و جوش کے ساتھ لیکر آگے بڑھو۔ راہِ حق تمہارے قدموں میں آنکھیں بچھائے ہوئے تمہارا انتظار کر رہی ہے (ایڈیٹر)

حسن احمد صدیقی

تفہیم الحدیث

احسان اور اس کا بدلہ

عن جابر بن عبد اللہ انصاری قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من صنع الیہ معروف فلیجزہ فان لم یجد ما یجزہ فلیثن علیہ فانہ اذا اثنی علیہ فقد شکرہ وان کتمہ فقد کفرہ ومن تحلی بما لم یعط فکانما لبس ثوبی زور۔

(الادب المفرد)

ترجمہ: — حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ راوی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ جس کے ساتھ کوئی نیکی کی گئی تو اسے چاہیے کہ اس کا بدلہ دیدے اور اس کے پاس بدلہ دینے کو کچھ نہ ہو تو وہ لوگوں کے سامنے (اس کی) تعریف و توصیف کردے۔ اس کی یہ تعریف ہی اس کی شکر گذاری ہوگی۔ اور اگر اس کے احسان کو چھپایا (اور تعریف و تحسین سے کام نہیں لیا) تو بے شک (یہ حرکت) ناشکری پر محمول کی جائے گی۔ اور جو شخص خود کو حقیقت کے خلاف ظاہر کرے وہ ایسا ہے جیسے اس نے جھوٹ کا لباس اپنے اوپر ڈال لیا۔

اس روایت میں بالفاظ صریح اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ دنیا میں اگر کوئی شخص تمہارے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرے تو تمہارے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ جواباً تم بھی اس کے ساتھ حسن سلوک اور اچھے برتاؤ کا مظاہرہ کرو۔ احسان کا اصلی شکریہ تو یہ ہے کہ احسان کرنے والے کے ساتھ احسان ہی کیا جائے۔ لیکن بعض لوگ دنیا میں ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ دوسروں کے احسانات میں تو دب جاتے ہیں لیکن اپنے حالات اچھے نہ ہونے کی وجہ سے کسی پر احسان کرنے کی اہلیت و وسعت نہیں رکھتے۔ ایسے لوگوں کو اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ وہ اپنے محسنوں کا ذکر ذرا تعریف و تحسین کے ساتھ کر دیا کریں۔ تاکہ اس بات کا اندازہ ہو سکے کہ ان کے دل میں بھی احسان کرنے کا جذبہ موجود ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ فی الوقت اور فی الحال وہ لفظوں کے پھول پیش کرنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔

محسنین کی تعریف کرنے کا ایک نقد صلا تو دنیا میں یہ حاصل ہوتا ہے کہ احسان کرنے والے کے دل میں تعریف کرنے والے کی قدر و قیمت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ ایک نئے جذبے کے ساتھ ایک بار پھر احسان کرنے کے لیے بیتاب ہو جاتا ہے اور اس طرح احسان و تعریف کا سلسلہ جاری و ساری رہتا ہے۔ جو امن و عافیت اور اخوت و ارتباط کا ضامن ہے۔ ہر آدمی کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ جس پر وہ احسان کر رہا ہے وہ اس کے احسان کی قدر و قیمت کو سمجھے اور اس کی تمجید کرے۔ یہ خواہش ناجائز اور غیر فطری نہیں اگر حدود میں ہو۔

حدود کا مطلب یہ کہ اگر احسانات میں دب کر بھی کوئی شخص تعریف کے دو لفظ زبان سے نکالنے کے لیے تیار نہیں ہوتا تو اسے احسان جتلا جتلا کر تعریف و تحسین پر مجبور بھی نہیں کرنا چاہیے۔ احسان

نہ ماننا اور محسن کی قدر و قیمت نہ پہچاننا بے شک ایک برائی ہے جو اسی کی گردن پر رہے گی، احسان کرنے والے کو تو آخرت میں اس کے احسان کی مکافات مل کر رہے گی خواہ دنیا میں اس کی تعریف ہو یا نہ ہو۔

اس دنیا میں ایسے لوگوں کی بہتات ہے کہ آپ ان کے ساتھ قدم قدم پر احسانات کرتے رہیے لیکن وہ نہ تو آپ کے اس احسان کا بدلہ چکانے کی فکر میں رہیں گے۔ نہ تعریف کے دو لفظ زبان سے نکال کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کریں گے کہ ان کے دل میں جذبۂ امتنان اور جذبۂ تشکر نام کی بھی کوئی چیز موجود ہے۔ ایسے لوگوں کو اس بات پر مجبور کرنا کہ وہ احسان کی قدر و قیمت کو پہچانیں اور آپ کے حسن برتاؤ کی تعریف کر کے رہیں قطعاً غلط ہے اسلام اس کی بھی مذمت کرتا ہے۔

حدیث کے آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی جتنا احسان کرے اتنا ہی بیان کرے اور اتنی ہی تعریف سننے کا خواہشمند ہو۔ کسی تھوڑا سا احسان کرنے کے بعد اسے کھینچ تان کر بیان کرنا اور جتنا احسان کیا ہو اس سے دوگنی تگنی تعریف کی خواہش رکھنا انتہائی غلط بات ہے۔ روایت میں اس کی مذمت کی گئی ہے۔

ایسے لوگوں کی بھی ہمارے معاشرے میں کوئی کمی نہیں کہ تھوڑے سے احسان کی توفیق ہوئی اور اب اس پر حاشیے چڑھا کر دنیا بھر میں گاتے پھر رہے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ انھوں نے کذب و فریب کا لباس اپنے اوپر تان لیا ہے تاکہ لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو کر ان کی تعریف شروع کر دیں۔

اسی سلسلہ کی ایک روایت یہ ہے :-

حضرت عمرؓ راوی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا جو اللہ کے واسطے پناہ مانگے اس کو پناہ دو۔ جو اللہ کے نام پر کچھ مانگے اس کا سوال پورا کرو اور جو تمہارے ساتھ احسان کرے اس کا بدلہ دو اور اگر تم بدلہ دینے کے قابل نہ ہو تو اس کے لیے دعا کرو۔ اس طرح کہ اسے علم ہو جائے کہ تم نے اس کے لیے دعا کی ہے۔

اس حدیث سے بھی وہی بات ثابت ہوتی ہے جو پہلے والی حدیث سے ثابت ہوتی تھی۔ اس موضوع کی ایک حدیث یہ ہے:

عن ابی هریرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یشکر اللہ من لا یشکر الناس۔ (الادب المفرد)	حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگوں کا شکرگزار نہیں ہوتا وہ اللہ کا بھی شکرگزار نہیں ہوتا۔

مطلب یہ ہے کہ پروردگار اپنے بندوں کو جو کچھ بھی دیتا ہے وہ براہ راست نہیں دیتا بلکہ بالواسطہ دیتا ہے۔ جو لوگ اس واسطہ کی قدردانی نہیں کر سکتے جو کھلی آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے وہ اس پروردگار کا شکر کیسے ادا کر سکیں گے جو کچھ دیتا ہوا نظر ہی نہیں آتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ سخی کو سخاوت کی توفیق نہیں ہو سکتی اگر خدا توفیق نہ دے۔ زید نے اگر بکر کو بیس روپے اپنی جیب سے نکال کر دیے ہیں تو یہ توفیق خدا ہی نے دی ہے۔ خدا اگر توفیق نہ دیتا تو زید کی مجال ہی کیا ہو سکتی تھی خدا کی راہ میں کچھ خرچ کرنے کی۔ یا اس کے بندوں پر کچھ بخشش کر دینے کی۔

اب زید کی ناشکری کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ خدا کی ناشکری کی جا رہی ہے۔ اس لیے کہ زید نے جو کچھ کیا تھا وہ خدا ہی کی توفیق سے کیا تھا۔ اسی بات کو حدیث میں فرمایا گیا کہ جو لوگ انسانوں کا شکر ادا نہیں کر سکتے ان لوگوں سے اس بات کی توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ خالق اکبر کے شکرگزار ثابت ہوں گے۔

بہرحال اسلام اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ مسلمان احسان کا بدلہ چکانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ اور جو لوگ احسانات کا بدلہ چکانے کی اہلیت نہ رکھتے ہوں وہ شکر و تعریف کے ذریعہ ہی اپنے محسنوں کو خوش کر دیں کہ ان کی خوشی میں خدا کی خوشی مضمر ہے۔

وَاَحْسِنْ كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ

(احسان کر جس طرح اللہ نے تم پر احسان کیا ہے)

(ارشاد باری)

دعوتِ اسلامی کی حقیقی نوعیّت

مشرکین کی عداوت کے اسباب اور اُن کی ناکامی کے وجوہ

اب ہمیں اس بحث کے دوسرے حصے کو لینا ہے جو گذشتہ باب میں چھیڑی گئی تھی۔ پچھلے باب میں ہم یہ بتا چکے ہیں کہ حضورؐ کو اور آپ کے ذریعہ سے آپ کے ساتھیوں کو اسلام کی دعوت پھیلانے کے لئے کیا ہدایات دی گئی تھیں تاکہ وہ جاہلیت کے علمبرداروں کی مخالفت کا مقابلہ ہتھیاروں سے کریں، دلوں کو حکمت، عالی ظرفی اور صبر و تحمل سے مسخر کریں، ہٹ دھرمی تعصب اور ضد کی چٹانوں کو معقول اور دل لگتے دلائل سے توڑ کر دعوت حق کو آگے بڑھانے کے لئے راستہ نکالیں، اور انسانوں کے جھرمٹ میں سے اُن لوگوں کو چھانٹ چھانٹ کر اپنے ساتھ ملاتے جائیں جن کے اندر حق پسندی و حق پرستی کا جوہر پایا جاتا ہو۔

اس کے بعد ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم جو دعوت لے کر اٹھے تھے اس کی حقیقی نوعیت کیا تھی، اس کے امتیازی اوصاف کیا تھے۔ وہ کیا اسباب تھے جن کی بناء پر سب سے پہلے قریش اور پھر عرب کے دوسرے لوگ اس کی مخالفت پر تل گئے، اور پھر اس دعوت میں وہ کیا قوت تھی جس نے بالآخر تمام مخالفین کو بے بس کر کے وہ عظیم کامیابی حاصل کی جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔

یہ بحث چونکہ بڑی تفصیل چاہتی ہے، اس لئے ہم سات فصلوں میں اسے بیان کریں گے۔

(۱) توحید کی تعلیم اور شرک کی تردید

(۲) رسالتِ محمدیہؐ پر ایمان کی دعوت۔

(۳) قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے پر ایمان کی دعوت

(۴) آخرت پر ایمان کی دعوت۔

(۵) اخلاقی تعلیمات

(۶) عالمگیر امتِ مسلمہ کی تاسیس۔

(۷) نبی اور غیر نبی کے طریق کار کا فرق۔

فصلِ اوّل

توحید کی تعلیم اور شرک کی تردید

دعوت اسلامی کے نکات میں سے اوّلین، سب سے اہم اور بنیادی نکتہ توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال تھا۔ اگرچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خود بھی نبوت سے قبل توحید کے قائل اور شرک کے منکر تھے، اور آپ کے ہمعصروں میں بھی آپ کے دور سے پہلے گذرے ہوئے اہل عرب میں بھی اس عقیدہ کے لوگ پائے جاتے تھے۔ مگر بہت فرق ہے اس بات میں کہ کوئی شخص اقرارِ توحید و انکار شرک کا محض عقیدہ رکھتا ہو یا زیادہ سے زیادہ بس اس کا اظہار کر دینے پر اکتفا کرتا ہو، اور اس بات میں کہ کوئی شخص لوگوں کے اندر اس عقیدے کے پھیلانے کے لئے اُٹھ کھڑا ہو اور عام دعوت دے کہ لوگ شرک چھوڑ دیں اور توحید کو تسلیم کرلیں۔ پھر اس سے بھی بڑھ کر جو چیز اُس سادہ عقیدے اور اس کھلی تبلیغ و دعوت کے درمیان فرق عظیم پیدا کر دیتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جو شخص اس کام کا بیڑا اٹھائے

وہ بار بار بڑے زوردار دلائل کے ساتھ شرک کے ایک ایک پہلو کی تردید کرے اور نہایت مفصل طریقے سے خدا کی محض وحدانیت کے معنی و مفہوم اور اس کو ماننے کے مقتضیات بھی بیان کر کے لوگوں کو پیہم دعوت دے کہ وہ اس تفصیل کے ساتھ اللہ کی توحید پر ایمان لائیں۔

یہی کام تھا جو منصب رسالت پر مامور ہونے کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا [illegible] سے آپ کی نزاع کا پہلا سبب بنا کیونکہ اس کا ہر جز اُن کے عقائد [illegible] ات اور صدیوں کے جمے ہوئے تصورات سے ٹکراتا تھا۔

توحید کی صاف صاف اور بے لاگ تعلیم [illegible] کے مشرک معاشرے میں اصل مسئلہ اللہ تعالیٰ کے وجود کو نہیں [illegible] وحدانیت کو تسلیم کرانے کا تھا۔ مشرکین اللہ کی ہستی کے منکر نہ تھے۔ وہ اُسی کو اپنا اور ساری کائنات کا خالق مانتے تھے۔ اُنھیں اُس کے رب اور رازق ہونے کا بھی انکار نہ تھا، اور اس کی عبادت کے بھی وہ مخالف نہ تھے، البتہ جس گمراہی میں وہ مبتلا تھے وہ یہ تھی کہ وہ اُلوہیت اور رُبوبیت کو اللہ تعالےٰ کے لیے مخصوص نہیں سمجھتے تھے، بلکہ اس کے بھی قائل تھے۔ اس معاملہ میں ان کی شدت کا حال یہ تھا کہ :-

وَاِذَا ذَکَرْتَ رَبَّکَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَہٗ وَلَّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِھِمْ نُفُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل : ۴۶)

اور اے نبی جب تم قرآن میں اپنے ایک ہی رب کا ذکر کرتے ہو تو وہ نفرت سے منہ موڑ کر پلٹ جاتے ہیں۔

"یعنی انھیں یہ بات سخت ناگوار ہوتی ہے کہ تم بس اللہ ہی کو قرآن دیتے ہو، اُن کے بنائے ہوئے دوسرے ارباب کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔ اُن کو یہ "وہابیت" ایک آن پسند نہیں آتی کہ آدمی بس اللہ ہی اللہ کی رٹ لگائے چلا جائے۔ نہ بزرگوں کے تصرفات کا کوئی ذکر، نہ آستانوں کی فیض رسانی کا کوئی اعتراف۔ نہ ان شخصیتوں کی خدمت میں کوئی خراج تحسین، جن پر ان کے خیال میں، اللہ نے اپنی خدائی کے اختیارات بانٹ رکھے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ عجیب شخص ہے۔ جس کے نزدیک علم غیب ہے تو اللہ کو، قدرت ہے تو اللہ کی، تصرفات و اختیارات ہیں تو بس ایک اللہ ہی کے، آخر یہ ہمارے آستانوں والے بھی کوئی چیز ہیں یا نہیں جن کے ہاں سے ہمیں اولاد ملتی ہے۔ بیماروں کو شفا نصیب ہوتی ہے، کاروبار چمکتے ہیں اور منہ مانگی مرادیں بر آتی ہیں ؟"

دوسری جگہ قرآن میں اُن کی توحید سے بیزاری اور شرک میں اُن کے استغراق کا حال اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

وَاِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَحْدَہُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ وَاِذَا ذُکِرَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِہٖٓ اِذَا ھُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ (الزمر : ۴۵)

اور جب اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے دل کڑھنے لگتے ہیں اور جب اُس کے سوا دوسروں کا ذکر ہوتا ہے تو یکایک وہ خوشی سے کھل اٹھتے ہیں۔

" یہ بات قریب قریب ساری دنیا کے مشرکانہ ذوق رکھنے والوں میں مشترک ہے۔ زبان سے کہتے ہیں کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں لیکن حالت یہ ہے کہ اکیلے اللہ کا ذکر کیجئے تو ان کے چہرے بگڑنے لگتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ شخص ضرور بزرگوں اور اولیاء کو نہیں مانتا، جبھی تو بس اللہ ہی اللہ کی باتیں کیے جاتا ہے۔ اور اگر دوسروں کا ذکر کیا جائے تو ان کے دلوں کی کلی کھل جاتی ہے اور بشاشت سے ان کے چہرے دمکنے لگتے ہیں۔ اس طرز عمل سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان کو اصل میں دلچسپی اور محبت کس درجہ سے ہے۔

(تفہیم القرآن، جلد چہارم، الزمر حاشیہ ۶۴)

اِنَّھُمْ کَانُوْٓا اِذَا قِیْلَ لَھُمْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یَسْتَکْبِرُوْنَ ۝ وَیَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِکُوْٓا اٰلِھَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۝ (الصّٰفّٰت : ۳۵-۳۶)

ان کا یہ حال تھا کہ جب ان سے کہا جاتا اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے تو گھمنڈ میں آجاتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا ہم ایک دیوانے شاعر کی خاطر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں۔

اُن کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر سخت اعتراض تھا کہ :-

اَجَعَلَ الْاٰلِھَۃَ اِلٰھًا وَّاحِدًا اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝ (ص : ۵)

کیا اس شخص نے سارے خداؤں کی جگہ بس ایک خدا قرار دے دیا ؟ تو بڑی ہی عجیب بات ہے۔

اس معاشرے اور ان خیالات کے لوگوں میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اٹھ کر بار بار بتکرار اور پورے زور کے ساتھ اعلان کیا

کہ اللہ ہی ایک الٰہ اور رب ہے، اور کسی دوسرے کا الوہیت و ربوبیت میں کوئی حصہ نہیں۔

إِنَّمَا إِلَٰهُكُمُ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝ (طٰہٰ: ۹۸)

تمہارا خدا تو بس اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ ہر چیز پر اس کا علم وسیع ہے۔

بَل رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الَّذِي فَطَرَهُنَّ (الانبیاء: ۵۶)

بلکہ تمہارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور جس نے اُن کو پیدا کیا ہے۔

إِنَّ إِلَٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۝ رَّبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ (الصّٰفّٰت: ۴-۵)

درحقیقت تمہارا خدا صرف ایک ہے، آسمانوں اور زمین کا اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب اور سارے مشرقوں کا رب۔

یعنی جو کائنات کا مالک و فرمانروا (رب) ہے وہی انسانوں کا خدا (الٰہ اور معبود) ہے اور وہی درحقیقت معبود ہو سکتا ہے اور اسی کو معبود ہونا چاہیے۔ یہ بات قطعی غلط ہے کہ کائنات اور تم سمیت کائنات کی ہر چیز کا رب (یعنی مالک اور حاکم اور مربی اور پروردگار) تو کوئی ہو اور الٰہ (عبادت کا مستحق) کوئی اور ہو جائے۔

(تفہیم القرآن، جلد چہارم، الصّٰفّٰت، خلاصہ حاشیہ ۴)

قُلْ إِنَّمَا أَنَا مُنذِرٌ ۖ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ ۝ قُلْ هُوَ نَبَأٌ عَظِيمٌ ۝ أَنتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ ۝ (صٓ: ۶۵ تا ۶۸)

اے نبی، کہو کہ میں تو بس خبردار کرنے والا ہوں اور کوئی خدا اُس ایک اللہ کے سوا نہیں جو سب پر غالب ہے، جو آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا رب ہے جو زبردست اور بڑا درگذر کرنے والا ہے۔ اے نبی، کہو کہ یہ ایک بڑی خبر ہے جس سے تم منہ موڑے ہوئے ہو۔

وَقَالَ اللَّهُ لَا تَتَّخِذُوا إِلَٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۖ إِنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ فَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ ۝ (النحل: ۵۱)

اور اللہ نے فرمایا کہ الٰہ (خدا اور معبود) نہ بناؤ، خدا تو بس وہ ایک ہی ہے، لہٰذا تم مجھی سے ڈرو۔

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ۝ (الزخرف: ۸۴)

اور وہی ایک آسمان میں بھی خدا ہے اور زمین میں بھی خدا، اور وہی حکیم اور علیم ہے۔

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ۘ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ (القصص: ۸۸)

اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ ہر چیز ہلاک ہو جانے والی ہے اس ذات کے سوا۔ فرمانروائی اسی کی ہے اور اسی کی طرف تم سب پلٹائے جانے والے ہو۔

+ + +

مشرکین نے حضورؐ سے پوچھا کہ جس رب کی طرف تم ہمیں دعوت دیتے ہو اس کا نسب ہمیں بتاؤ، وہ کس چیز سے بنا ہوا ہے، کس سے اس نے دنیا کی وراثت پائی ہے، اور کون اس کے بعد وراثت پائے گا؟ اس کے جواب میں توحید کی ایسی واضح، جامع اور مختصر تعریف بیان کی گئی جو دلوں میں تیر کی طرح پیوست ہو جانے والی تھی، جس کے ساتھ شرک کا شائبہ تک دماغ میں جگہ نہ پا سکتا تھا، جس کا ایک ایک لفظ توحید کے تصور کو نکھار کر پیش کر رہا تھا اور اس کے ساتھ کمال یہ تھا کہ چار مختصر اور بلیغ فقروں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے کسی سننے والے کے بس میں یہ نہ تھا کہ اسے اپنے حافظے سے نکال دے اور وہ زبانوں پر چڑھے بغیر رہ جائے۔ ارشاد ہوا۔

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝ (الاخلاص)

اے نبی، کہو وہ اللہ ہے یکتا۔ اللہ سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد، اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے۔

پہلے فقرے کا مطلب یہ ہے کہ میرے جس رب کے متعلق تم مجھ سے پوچھتے ہو، اور جس کو میں ربِّ واحد ماننا اور منوانا چاہتا ہوں، وہ کوئی نیا اور نرالا اور میرا گھڑا ہوا رب نہیں ہے، بلکہ وہی ہے جس کو تم خود اپنی زبان میں اللہ کہتے ہو، جس نے اس گھر (کعبہ) کو بیت اللہ کہا ہے، جس سے ابرہہ کے حملے کے وقت تم نے ابھی چالیس بیالیس برس پہلے دعائیں مانگی تھیں کہ وہ تم کو بچائے اور اس وقت اپنے دوسرے رب الٰہوں کو تم بھول گئے تھے جس کے متعلق تم خود مانتے ہو کہ

اور زمین و آسمان کا اور دنیا کی ہر چیز کا خالق وہی ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے متعلق فرمایا گیا کہ وہ احد ہے۔ہر عرب اس بات کو جانتا تھا کہ یہاں اللہ کو واحد کہنے کے بجائے اَحَد کہنے کے معنے کیا ہیں۔ واحد (ایک) کا لفظ عربی زبان میں ہر اس چیز کے لئے بولتے ہیں جو محض کسی خاص حیثیت سے ایک ہو، خواہ دوسری بے شمار حیثیتوں سے اس کے اندر طرح طرح کی کثرتیں پائی جاتی ہوں۔ مثلاً ایک گھر، ایک آدمی، ایک خاندان، ایک قوم، ایک ملک، ایک دنیا۔ اس کے برعکس اَحَد کے لفظ کو وصف کے طور پر کسی ہستی کے لئے بولنا عربی زبان میں کسی کی وحدانیت بیان کرنے کے لئے ایک غیر معمولی استعمال تھا جس کی کوئی نظیر سورۂ اخلاص کے نزول سے پہلے لغتِ عرب کے استعمالات میں نہیں پائی جاتی تھی[1]۔ پس اللہ کو احد کہنا خود یہ ظاہر کرتا تھا کہ وہ ہر لحاظ سے یکتا و یگانہ ہے۔ وہ خداؤں کی کسی جنس کا فرد نہیں ہے کہ اس کے ہم جنس دوسرے افراد بھی خدا ہوں بلکہ وجود میں وہ فرد فرید اور خدائی میں وہ بالکل اکیلا ہے۔ اس کے اندر کسی حیثیت سے بھی کوئی کثرت نہیں ہے وہ اجزاء سے مرکب وجود نہیں ہے جو قابلِ تجزیہ و تقسیم ہو، جو کوئی شکل و صورت رکھتا ہو، جو کسی جگہ میں رہتا ہو، جس سے کوئی چیز نکلتی ہو یا کوئی چیز اس کے اندر داخل ہوتی ہو، جس کا کوئی رنگ ہو، جس کے کچھ اعضا ہوں جس کی کوئی سمت اور جہت ہو اور جس کے اندر کسی قسم کا تغیر و تبدل ہوتا ہو۔ تمام اقسام کی کثرتوں سے پاک اور منزّہ اور وہ ایک ہی ذات خداوندی ہے جو ہر لحاظ سے احد ہے اور جب وہ احد ہے تو الوہیت اور ربوبیت میں کوئی اس کا شریک نہیں ہوسکتا، اس کی ذات، صفات، اختیارات اور حقوق میں کوئی اس کا حصہ دار نہیں ہوسکتا، موجوداتِ عالم میں سے کوئی اس کے مشابہ اور مماثل نہیں ہوسکتا۔

پھر فرمایا کہ وہ الصّمد ہے۔ لفظ صمد عربی میں کثرت سے مستعمل تھا اور ہر عرب اس کے معنے جانتا تھا۔ وہ ہر اس شخص کے لئے بولا جاتا تھا جو دوسروں کا محتاج نہ ہو اور لوگ جس کی طرف اپنی حاجات میں رجوع کرتے ہوں، جو دوسروں سے برتر ہو اور کوئی اس سے بالاتر نہ ہو، جس کی اطاعت نہ کی جاتی ہو اور جس کے بغیر کسی معاملہ کا فیصلہ نہ کیا جاتا ہو۔ جس میں کوئی کمزوری نہ ہو، جو بے عیب ہو، جس پر کوئی آفت نہ آتی ہو جو اپنی مرضی سے جو چاہے فیصلہ کرے اور کوئی اس کے فیصلے پر نظرثانی کرنے والا نہ ہو اور جو سرداری کی صفات میں کامل ہو۔ پھر یہ لفظ ایسی چیز کے لئے بھی بولا جاتا تھا جو ٹھوس ہو جس میں کوئی خول اور جھول نہ ہو، جس سے نہ کوئی چیز نکلتی ہو اور نہ جس کے اندر کوئی چیز داخل ہوتی ہو۔ جو اَتم اور بلند و بالا ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے محض صمد نہیں بلکہ الصّمد کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ تھا کہ دوسری تمام ہستیاں اور اشیاء تو کسی ایک لحاظ سے صَمَد ہیں اور دوسرے بہت سے لحاظوں سے صمد نہیں ہیں، مگر ہر لحاظ سے کامل طور پر الصّمد صرف اللہ ہی ہے۔

پھر فرمایا کہ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد۔ یہ فقرہ ان تمام مشرکانہ خیالات کی جڑ کاٹ دیتا تھا جن کی بنا پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ خداؤں کی بھی کوئی جنس ہے جس میں اُسی طرح توالُد و تناسُل کا سلسلہ چلتا ہے جس طرح انسانوں میں چلتا ہے، اس تصور کی بیخ کنی کر کے لوگوں کو بتا دیا گیا کہ وہی اکیلا خدا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ نہ اس سے پہلے کوئی خدا تھا جس سے وہ پیدا ہوا ہو، اور نہ اس کے بعد کوئی خدا ہے یا ہوسکتا ہے جو اس سے پیدا ہو۔

آخر میں ارشاد ہوا کہ کوئی اس کا کُفُو نہیں ہے۔ کُفُو کے معنی ہیں نظیر، مشابہ، مماثل، ہم رتبہ، ہمسر، مُساوی۔ پس یہ فقرہ ارشاد فرما کر لوگوں کو بتا یا گیا کہ ساری کائنات میں کوئی نہیں ہے، نہ کبھی تھا اور نہ کبھی ہوسکتا ہے جو اللہ کے مانند، یا اس کا ہم رتبہ ہو، یا اپنی صفات افعال اور اختیارات میں اس سے کسی طرح کی مشابہت رکھتا ہو۔

توحید کے دلائل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مشرک معاشرے کے سامنے توحید کے اس صاف اور خالص تصور کو پیش کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ بڑے مضبوط اور ناقابلِ انکار دلائل کے ساتھ ثابت بھی کیا ہے

---

[1] واضح رہے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ کے لئے تنہا لفظ واحد کہیں استعمال نہیں کیا گیا بلکہ اس کے ساتھ دوسرا لفظ لگا کر اللہ کے ایک ہونے کی حیثیت کو دنیا کی دوسری اشیاء میں سے کسی کے ایک ہونے کی حیثیت سے الگ کر دیا گیا ہے۔ مثلاً اِلٰهًا وَّاحِدًا یا اللہ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔ لیکن سورۂ اخلاص میں [illegible] اللہ کے لئے مطلقاً بطور وصف استعمال کیا گیا ہے اور یہ استعمال ذاتِ الٰہی کے لئے خاص ہے۔

(۱) تمام انبیاء توحید کی تعلیم دیتے تھے اس سلسلے میں ایک نہایت وزنی دلیل یہ تھی کہ آپ سے پہلے جتنے انبیاء بھی دنیا میں آئے ہیں ان سب نے توحید ہی کی تعلیم دی تھی اور شرک سے منع کیا تھا۔ چنانچہ قرآن میں پہلے مجموعی طور پر تمام انبیاء کے متعلق فرمایا گیا:-

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ (النحل: ۳۶)

ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا اِس تعلیم کے ساتھ کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت[1] کی بندگی سے بچو

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ۝ (الانبیاء ۲۵)

اور اے نبی ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا جس کی طرف ہم نے یہ وحی نہ کی ہو کہ میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے لہٰذا تم لوگ میری ہی بندگی کرو۔

اور پچھلی تمام اُمتوں کے متعلق بتایا گیا کہ:-

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ ۝ (البیّنۃ: ۵)

اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں اپنے دین کو اس کے لئے خالص کر کے بالکل یکسو ہو کر، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔ یہی نہایت صحیح و درست دین ہے۔

پھر ایک ایک نبی کے متعلق بتایا کہ اس کی تعلیم یہی تھی۔ حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت شعیبؑ میں سے ہر ایک اپنی قوم کو سب سے پہلے یہی تلقین کرتے ہیں کہ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ - اے میری قوم کے لوگو۔ اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا کوئی تمہارا خدا نہیں ہے (الاعراف ۵۹۔۶۵۔۷۳۔۸۵، ہود ۵۰، ۶۱۔ ۸۴۔ المومنون ۲۳۔۳۲)۔ حضرت یعقوبؑ مرتے وقت اپنی اولاد سے پوچھتے ہیں کہ میرے بعد تم کس کی بندگی کروگے؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ "ہم اُس ایک ہی خدا کی بندگی کریں گے جو آپ کا اور آپ کے باپ دادا ابراھیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ کا معبود رہا ہے"۔ (البقرہ۔۱۳۳)

حضرت یوسفؑ اپنے قید خانے کے ساتھیوں سے کہتے ہیں۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَأَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ مَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءً سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا أَنزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِن سُلْطٰنٍ ط إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ ط أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ط ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ (یوسف: ۳۹-۴۰)

اے قید خانے کے ساتھیو، بہت سے متفرق رب اچھے ہیں یا ایک اللہ جو سب پر غالب ہے؟ اُس کو چھوڑ کر تم جن کی بندگی کر رہے ہو وہ کچھ نہیں ہیں مگر چند نام جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں۔ اللہ نے ان کے لئے کوئی سند نازل نہیں کی ہے فرمانروائی کا اقتدار اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں ہے۔ اُس کا حکم ہے کہ خود اس کے سوا تم کسی کی بندگی نہ کرو یہی صحیح دین ہے۔ مگر اکثر لوگ جانتے نہیں۔

⁂

حضرت موسیٰؑ پر وحی نازل ہوئی کہ:-

إِنَّنِي أَنَا اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِي ۝ (طٰہٰ ۱۴)

میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی خدا نہیں، پس تو میری ہی عبادت کر اور میری یاد کے لئے نماز قائم کر۔

پھر جب بنی اسرائیل نے گوسالہ پرستی کی تو حضرت موسیٰ ان پر سخت غضبناک ہوئے اور ان کے بنائے ہوئے معبود کو جلا کر خاک کر ڈالا اور فرمایا:-

إِنَّمَا إِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ (طٰہٰ ۹۸)

تمہارا حقیقی معبود تو صرف وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے بار بار کہا:

إِنَّ اللّٰهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ط هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ۝ (آل عمران ۵۱)

در حقیقت اللہ ہی میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی، پس اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا

---

[1] علم تفسیر کے مشہور امام ابن جریر طبری نے طاغوت کی تشریح یہ کی ہے: "ہر وہ ہستی جو اللہ کے مقابلے میں سرکشی کرے اور اللہ کے سوا جس کی بندگی کی جائے خواہ بندگی کرنے والا، اس کے جبر سے مجبور ہو کر اس کی بندگی کرے یا اپنی رضا و رغبت سے ایسا کرے، وہ طاغوت ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ کوئی انسان ہو یا شیطان یا بُت یا اور کوئی چیز" (جامع البیان فی تفسیر القرآن، ج ۳ صفحہ ۱۳)

مریم ۳۶- الزخرف ۶۴) راستہ ہے۔

يٰبَنِيٓ اِسْرَآئِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ط اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۵ (المائدہ: ۷۲)

اے بنی اسرائیل، اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کیا اس پر اللہ نے جنت حرام کردی اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے، اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

مشرکین قریش کے لئے خصوصاً اور مشرکین عرب کے لئے عموماً سب سے زیادہ زبردست دلیل وہ بھی جو قرآن مجید میں حضرت ابراھیم علیہ السلام کے قصّے سے پیش کی گئی کیونکہ تمام مشرکین عرب اُن کو اپنا پیشوا تسلیم کرتے تھے، اپنے دین کو اُن کا دین قرار دیتے تھے، اور قریش کا تو سارا فخر وناز اور نفوذ واثر ہی اُن سے نسبی تعلق اور ان کے تعمیر کردہ بیت اللہ کی مجاوری پر تھا۔ قرآن میں بڑی تفصیل کے ساتھ قریش اور اہل عرب کو بتایا گیا کہ نمرود کی سلطنت (عراق) سے تمہارے باپ اور پیشوا کا نکلنا اسی جھگڑے کی بناء پر تو ہوا تھا کہ اُن کا باپ اور ان کی قوم اور وہاں کے ملک کی حکومت، سب کے سب مشرک تھے۔ انھوں نے اس شرک کی کھلم کھلا تردید کی، قوم کو توحید کی علی الاعلان دعوت دی، بتوں کو توڑا اور اس کی پاداش میں اُن کو آگ سے بھرے ہوئے الاؤ میں پھینک دیا گیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے زندہ سلامت نکال دیا۔ آخر کار وہ ملک چھوڑ کر ارض کنعان کی طرف نکل گئے، پھر مکہ پہونچ کر یہ خانۂ کعبہ اسی لئے بنایا کہ یہاں خدائے واحد کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے، اور اپنی اولاد کے لئے دعا کی وہ بت پرستی کی گمراہی میں مبتلا نہ ہوتے۔ اس قصّے کی تفصیلات قرآن میں مختلف مقامات پر زور دار اور اثر انگیز طریقے سے بیان کی گئی ہیں اُن کو پڑھ کر آدمی اندازہ کرسکتا ہے کہ جب مکہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے انھیں سنایا ہوگا تو قریش اور عام مشرکین کس طرح ہل کر رہ گئے ہوں گے۔ طوالت سے بچنے کے لئے ہم یہاں پوری آیات نقل کرنے کے بجائے صرف ان کا ترجمہ درج کرتے ہیں

"ابراھیم کا واقعہ یاد کرو جبکہ اُس نے اپنے باپ آزر سے کہا تھا کیا تو بتوں کو خدا بناتا ہے؟ میں تو تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں پاتا ہوں۔ ..... ابراہیم نے کہا اے میری قوم کے لوگو میں اُن سب سے بیزار ہوں جنھیں تم خدا کا شریک ٹھیراتے ہو۔ میں نے تو یکسو ہو کر اپنا رُخ اس ہستی کی طرف کرلیا جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور میں ہرگز شریک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ اُس کی قوم اُس سے جھگڑنے لگی۔ اُس نے کہا کیا تم اللہ کے معاملہ میں مجھ سے جھگڑتے ہو حالانکہ اس نے مجھے صحیح راہ دکھادی؟ اور میں تمہارے ٹھیرائے ہوئے شریکوں سے نہیں ڈرتا، ہاں اگر میرا رب کچھ چاہے تو وہ ضرور ہوسکتا ہے۔ میرے رب کا علم ہر چیز پر حاوی ہے، پھر کیا تم ہوش میں نہ آؤگے؟ اور آخر میں تمہارے ٹھیرائے ہوئے شریکوں سے کیسے ڈروں جبکہ تم اللہ کے ساتھ اُن چیزوں کو شریک بناتے ہوئے نہیں ڈرتے جن کے (شریک خدا ہونے کے) لئے اس نے تم پر کوئی سند نازل نہیں کی ہے؟ پھر بتاؤ، اگر تم کچھ علم رکھتے ہو کہ ہم دونوں فریقوں میں سے کون زیادہ بے خوفی اور اطمینان کا مستحق ہے؟" (الانعام - ۷۴ تا ۸۱)

اور اے محمدؐ، اس کتاب میں ابراھیم کا ذکر کرو، بے شک وہ ایک راستباز انسان اور نبی تھا (انھیں اس موقع کا حال سناؤ) جب اُس نے اپنے باپ سے کہا اباجان، آپ کیوں ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں نہ دیکھتی ہیں اور نہ آپ کا کوئی کام بناسکتی ہیں۔ اباجان، میرے پاس ایک ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا۔ آپ میرے پیچھے چلیں میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا۔ اباجان، آپ شیطان کی بندگی نہ کریں، شیطان تو رحمان کا نافرمان ہے۔ اباجان مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ رحمان کے عذاب میں مبتلا نہ ہوجائیں اور شیطان کے ساتھی بن کر رہیں۔ باپ نے کہا ابراھیم، کیا تو

میرے معبودوں سے پھر گیا ہے ؟ اگر تو باز نہ آیا
تو تجھے سنگسار کردوں گا ۔ بس تو ہمیشہ کے لئے
مجھ سے الگ ہوجا ۔ ابراہیمؑ نے کہا اسلام ہے آپ
کو، میں اپنے رب سے دعا کروں گا کہ آپ کو معاف
کردے، میرا رب مجھ پر بہت مہربان ہے ۔ میں
آپ لوگوں کو بھی چھوڑتا ہوں اور ان ہستیوں کو بھی
جنھیں آپ لوگ اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے ہیں،
میں تو اپنے رب ہی کو پکاروں گا ۔ امید ہے کہ میں
اپنے رب کو پکار کر نامراد نہ رہوں گا ۔ (مریم ۴۱ تا ۴۸)

اور ابراہیمؑ کو اپنے باپ کے لئے مغفرت
کی دعا کرنا صرف اس وعدے کی بنا پر تھا جو اس نے
اس سے کیا تھا، مگر جب اس پر یہ بات کھل گئی
کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بری الذمہ
ہوگیا۔" (التوبہ ۱۱۴)

اس سے پہلے ہم نے ابراہیمؑ کو اس کی ہوشمندی
بخشی تھی اور ہم اس کو خوب جانتے تھے ۔ یاد کرو
وہ موقع جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے
کہا یہ کیسی مورتیں ہیں جن کے تم لوگ گرویدہ ہورہے
ہو؟ انھوں نے جواب دیا ہم اپنے باپ دادا کو
ان کی عبادت کرتے پایا ہے ۔ اس نے کہا
تم بھی گمراہ ہو اور تمہارے باپ دادا بھی کھلی
گمراہی میں پڑے ہوئے تھے انھوں نے کہا کیا
تو ہمارے سامنے اپنے اصلی خیالات پیش کررہا ہے
یا مذاق کرتا ہے ؟ اس نے کہا نہیں بلکہ تمہارا رب
اصل میں وہی آسمانوں اور زمین کا رب ہے
جس نے ان کو پیدا کیا ہے، اور میں اس موقع پر
تمہارے سامنے گواہی دیتا ہوں ۔ اور خدا کی قسم
میں تمہاری غیر موجودگی میں ضرور تمہارے بتوں کی
خبر لوں گا ۔ چنانچہ اس نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے
کردیا اور صرف ان کے بڑے کو چھوڑ دیا تاکہ
شاید وہ اس کی طرف رجوع کریں (ان لوگوں
نے آکر اپنے بتوں کا یہ حال دیکھا تو) بولے کون
تھا جس نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت
کی ہے ؟ بڑا ہی کوئی ظالم تھا وہ (بعض لوگ) کہنے
لگے کہ ہم نے ایک نوجوان کو ان کا ذکر کرتے سنا
تھا جسے ابراہیم کہتے ہیں ۔ انھوں نے کہا تو پکڑ لاؤ
اسے سب کے سامنے تاکہ لوگ دیکھ لیں (کہ اس
کے ساتھ کیا کیا جاتا ہے) ۔ (ابراہیمؑ کے آنے
پر) لوگوں نے کہا، ابراہیم کیا تو نے ہمارے
خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے ؟ اس نے
کہا بلکہ یہ ان کے اس سردار کا کیا دھرا ہے، انہی
سے پوچھ لو اگر یہ کچھ بولتے ہیں ۔ یہ بات سن کر
وہ اپنے ضمیر کی طرف پلٹے اور (اپنے دلوں میں)
کہنے لگے کہ واقعی تم خود ہی ظالم ہو (کہ ان بے بس
خداؤں کو پوجتے ہو) پھر ان کی مت پلٹ گئی ۔
اور کہنے لگے کہ تو جانتا ہے کہ یہ بولتے نہیں ہیں ۔
ابراہیمؑ نے کہا، اچھا تو تم اللہ کو چھوڑ کر
ان کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نہ کوئی نفع پہنچا سکتے
ہیں نہ نقصان ۔ تف ہے تم پر اور تمہارے ان
معبودوں پر جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر پوجا کر رہے
ہو ۔ انھوں نے کہا جلادو اس کو اور حمایت
کرو اپنے خداؤں کی اگر تمھیں کچھ کرنا ہے ۔ ہم نے
کہا اے آگ ٹھنڈی ہوجا اور سلامتی بن جا ابراہیمؑ
پر ۔ وہ چاہتے تھے کہ ابراہیمؑ کے ساتھ برائی کریں
مگر ہم نے انھیں کو ناکام و نامراد کردیا ۔
(الانبیاء ـ ۵۱ تا ۷۰)

" اور انھیں ابراہیمؑ کا قصہ سناؤ ۔ جب
اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا یہ تم کن چیزوں
کی عبادت کررہے ہو؟ انھوں نے جواب دیا یہ کچھ
بت ہیں جن کی ہم پوجا کرتے ہیں اور انہیں کی سیوا
میں ہم لگے رہتے ہیں ۔ اس نے کہا کیا یہ تمہاری سنتے
ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو؟ یا یہ تمہیں کچھ نفع

یا نقصان پہونچاتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا (یہ سب کچھ تو ہم نہیں جانتے) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا ہے۔ ابراہیمؑ نے کہا کبھی تم نے (آنکھیں کھول کر) دیکھا بھی کہ یہ چیزیں ہیں۔ کیا جن کی بندگی تم اور تمہارے پچھلے باپ دادا بجا لاتے رہے میرے تو یہ سب دشمن ہیں۔ بجز رب العالمین کے جس نے مجھے پیدا کیا، پھر وہی میری رہنمائی فرماتا ہے، جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے، اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے، جو مجھے موت دے گا اور پھر دوبارہ مجھ کو زندگی بخشے گا اور جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ روز جزا میں وہ میری خطا معاف فرمائے گا۔"

(الشعراء ۶۹ تا ۸۲)

"اور ہم نے ابراہیمؑ کو بھیجا۔ جب اس نے اپنی قوم سے کہا اللہ کی بندگی کرو اور اسی سے ڈرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔ اللہ کو چھوڑ کر جنھیں تم پوج رہے ہو وہ تو محض بت ہیں اور تم ایک جھوٹ گھڑ رہے ہو۔ درحقیقت تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی پرستش کرتے ہو وہ تمہیں کوئی رزق بھی دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔ اللہ سے رزق مانگو اور اسی کی بندگی کرو اور اُس کا شکر ادا کرو، اسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو ..... تو اُس قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ قتل کر دو اسے یا جلا ڈالو اس کو۔ مگر اللہ نے اس کو آگ سے بچا لیا۔ یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ایمان لانے والوں کے لئے۔ اور ابراہیمؑ نے کہا کہ تم لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو دنیا کی زندگی میں تو آپس کی محبت کا ذریعہ بنا لیا ہے مگر قیامت کے روز تم ایک دوسرے کا انکار کروگے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے، آگ تمہارا ٹھکانا ہوگی اور تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ پھر لوطؑ نے ابراہیمؑ کو مانا اور ابراہیمؑ نے کہا کہ میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں، وہی زبردست اور حکیم ہے۔ (العنکبوت ۱۶ تا ۲۶)

"اور نوحؑ ہی کے طریقہ پر چلنے والا ابراہیمؑ تھا۔ جب وہ اپنے رب کے حضور کھوٹ سے پاک دل لے کر آیا۔ جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ کن چیزوں کی عبادت تم کر رہے ہو؟ کیا اللہ کو چھوڑ کر جھوٹے گھڑے ہوئے معبود چاہتے ہو؟ آخر رب العالمین کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے؟ پھر اس نے تاروں کی طرف ایک نگاہ ڈالی اور (قوم کے لوگوں سے کہا) میری طبیعت خراب ہے۔ چنانچہ وہ لوگ (اسے چھوڑ کر اپنے میلے) میں چلے گئے۔ ان کے پیچھے وہ چپکے سے ان کے معبودوں کے مندر میں گھس گیا اور بولا "آپ لوگ کھاتے کیوں نہیں؟ آپ کو کیا ہو گیا، بولتے بھی نہیں؟" اس کے بعد وہ ان پر پل پڑا اور سیدھے ہاتھ سے خوب ضربیں لگائیں (واپس آ کر قوم کے لوگ) بھاگے بھاگے اس کے پاس آئے اس نے کہا کیا تم اپنی ہی تراشی ہوئی چیزوں کو پوجتے ہو؟ حالانکہ اللہ ہی نے تم کو بھی پیدا کیا ہے اور ان چیزوں کو بھی جنھیں تم بناتے ہو۔ انہوں نے کہا اس کے لئے ایک الاؤ تیار کرو اور اسے دہکتی آگ کے ڈھیر میں پھینک دو۔ انہوں نے اس کے خلاف ایک کارروائی کرنی چاہی تھی مگر ہم نے اُنہی کو نیچا دکھا دیا۔ اور ابراہیمؑ نے کہا میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں (یعنی ہجرت کرتا ہوں، وہی میری رہنمائی کرے گا۔" (الصّٰفّٰت ۸۳ تا ۹۹)

حضرت ابراہیمؑ کو ملک کے بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا کیونکہ وہ رب ہونے کا مدعی تھا اور آپؑ اللہ کے سوا کسی کو رب ماننے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اُس سے اُن کی جو گفتگو ہوئی اسے قرآن اس طرح نقل کرتا ہے۔

"جب ابراہیمؑ نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو زندگی بخشتا اور موت دیتا ہے تو اس نے کہا کہ زندگی اور موت میرے اختیار میں ہے۔ ابراہیمؑ نے

کہا، اچھا تو اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکال لا۔ یہ سُن کر وہ کافر ششدر رہ گیا۔" (البقرہ - ۲۵۸)

اس طرح جب شرک کی مخالفت اور توحید کی دعوت کے باعث حضرت ابراھیمؑ کے لئے وطن کی سرزمین تنگ ہوگئی اور وہ اپنا ملک، اپنی قوم، اپنے خاندان، حتیٰ کہ اپنے باپ کو بھی چھوڑ کر ہجرت کے لئے نکل کھڑے ہوئے تو چلتے ہوئے انھوں نے اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں نے صاف صاف اپنی قوم سے کہہ دیا کہ :-

"ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو، قطعی بیزار ہیں ہم نے تم سے کفر کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت ہوگئی اور بیر پڑ گیا جب تک تم اکیلے اللہ پر ایمان نہ لاؤ" (الممتحنہ - ۴)

اس کے بعد قرآن مجید بتاتا ہے کہ حضرت ابراھیمؑ نے مکہ اگر جب اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی جگہ پر اس خانہ کعبہ کی تعمیر کی تو اس لئے نہ تھی کہ اسے بت خانہ اور مشرکین کا تیرتھ بنایا جائے اور یہاں غیر اللہ کی عبادت ہو اور غیر اللہ کے لئے قربانیاں کی جائیں۔

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ

اور یاد کرو وہ وقت جب ہم نے ابراھیمؑ کے لئے اس گھر (خانہ کعبہ) کی تجویز کی تھی (اس ہدایت کے ساتھ) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام و رکوع و سجود کرنے والوں کیلئے پاک رکھنا اور لوگوں کو حج کے لئے اذنِ عام دے دینا کہ وہ تمہارے پاس ہر دور دراز مقام سے پیدل اور دبلے اونٹوں پر سوار آئیں تاکہ وہ فائدے دیکھیں جو یہاں اُن کے لئے ہیں۔ اور چند مقرر دنوں میں اُن جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے انھیں بخشے ہیں۔

(الحج : ۲۶-۲۸)

نیز قرآن بھی یاد دلاتا ہے کہ مکہ کی آبادی اور اپنی آئندہ نسل کیلئے حضرت ابراھیمؑ نے جو دعا مانگی تھی وہ یہ تھی :-

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اے میرے رب، اس شہر کو امن کا شہر بنا اور مجھے اور میری اولاد کو اس سے بچا کہ ہم بتوں کی پرستش کریں اے میرے رب، ان بتوں نے بہتیرے لوگوں کو گمراہی میں ڈالا بس، جو میری پیروی کرے وہ میرا ہے اور جو میرے خلاف طریقہ اختیار کرے تو تو درگذر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

(ابراھیم : ۳۵-۳۶)

حضرت ابراھیمؑ کی یہ مثال قریش اور مشرکین عرب کے مذہب کی کمر توڑ دینے والی تھی جس پر وہ بلبلا تو سکتے تھے مگر اس کا انکار نہ کرسکتے تھے، کیونکہ ان کے ہاں یہ بات مسلّم تھی کہ حضرت ابراھیمؑ مشرک و بُت پرست نہ تھے، کعبہ انہوں نے صرف اللہ کی عبادت کے لئے بنایا تھا۔ شرک ان کے بہت بعد اہلِ عرب میں شروع ہوا، اور ان کے ہاں کی روایات میں یہ بات محفوظ تھی کہ وہ کب شروع ہوا اور کونسا بُت کب، کہاں سے، کون لایا اس لئے قرآن نے ہانکے پکارے لوگوں کو دعوت دی کہ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ "پس یکسو ہوکر ابراھیمؑ کے طریقہ کی پیروی کرو، اور وہ مشرکین میں سے نہ تھا" (آلِ عمران : ۹۵)

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ ابراھیمؑ سے نسبت رکھنے کے سب سے زیادہ حقدار وہ لوگ ہیں جنھوں نے اس کے طریقہ کی پیروی کی اور نبی (محمد صلے اللہ علیہ وسلم) اور اس کے ماننے والے ہیں۔ اللہ ایمان لانے والوں ہی کا حامی و ناصر ہے -

(آلِ عمران - ۶۸)

تجلّی کی ڈاک

خواہ مخواہ کا اشکال

سوال:- احمد حسین میسور

کہا جاتا ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ سود کھانا ماں سے زنا کرنے سے بدتر ہے، کیا واقعی یہ حدیث ہے؟ کیا واقعی حضور ﷺ کی زبان مبارک سے ایسے کلمات نکلے تھے! دراصل ماں سے زنا کا تصور ہی بڑا بھیانک ہے، ازراہ کرم تجلی میں اس پر بحث کرکے ممنون فرمائیں۔

الجواب:-

سود کی قباحتیں سود کی خرابیاں اور سود کو کن وجوہات کی بناپر حرام قرار دیا گیا ہے وہ وجوہات اگر آپ کے پیش نظر ہوتیں تو پھر اشکال و تردد کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا تھا

کسی تفسیر کا اگر مطالعہ کرتے تو آپ کو اندازہ ہوتا کہ سود خدا کو کس درجہ ناپسند ہے۔ اور کس درجہ سخت انداز میں اس نے سود خوروں سے خطاب کیا ہے۔

زنا، شراب خوری اور دیگر کبائر پر متنبہ کرتے ہوئے بھی ایسا سخت انداز اختیار نہیں کیا گیا۔ جتنا سخت انداز سود خوری کی مذمت کرتے وقت اختیار کیا گیا ہے۔

یوں فرمایا۔ فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ اگر سود نہیں چھوڑتے تو پھر اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہوجاؤ۔

دیکھا۔ کتنا سخت انداز ہے کتنا ہولناک چیلنج ہے کیسی خوف انگیز تنبیہ ہے۔ اور بس اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ خدا کے نزدیک سود خوری انتہائی درجہ کی غلیظ اور ناپاک چیز ہے۔

ہمیں اس کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ سود خوری کی وجۂ قباحت جاننے کے لئے عقل وخرد کے گھوڑے دوڑاتے پھریں اور یہ سراغ لگانے کی دھن میں سرگرداں رہیں کہ آیا سود خوری کو اس درجہ ملعون اور معیوب کیوں قرار دیا گیا ہے۔ ہماری فرمانبرداری کا تقاضا تو یہ ہے کہ جس چیز کو ہمارے پروردگار نے سب سے زیادہ قبیح کہہ دیا ہو اسے سب سے زیادہ قبیح ہی تصور کریں۔ خواہ ظاہراً وہ دوسرے جرائم سے زیادہ قبیح محسوس نہ ہو۔

اب رہا اس حدیث کا معاملہ جسکے بارے میں آپ نے تحقیق کی ہے تو وہ حدیث بالکل برحق ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رض راوی ہیں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

الربوا سبعون بابًا ادناها کالذی یقع علی امّہٖ (رواہ البیہقی)	سود میں ستر غلاظتیں ہیں اور ان میں سے ادنی درجہ کی غلاظت اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنے کے برابر ہے

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ماں کے ساتھ زنا کرنے کا تصور بڑا بھیانک تصور ہے لیکن جن لوگوں پر سود کی حرمت و قباحت دو اور چار کی طرح واضح ہو جائے اور اس نقصانِ عظیم کا ادراک ہو جائے جو سود خوری سے معاشرے میں سرا بھارتا ہے تو ان لوگوں کے لئے ماں کے ساتھ کرنے والا تصور اس درجہ بھیانک محسوس نہیں ہوگا۔ جتنا بھیانک ان لوگوں کو محسوس ہوتا ہے۔ جو سود کی حرمت اور وجہِ حرمت سے قطعاً بے خبر ہیں۔

ماں کے ساتھ زنا کرنے والی مثال کا مطلب یہ ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اگر خالد سود خوری کے عادی ہیں اور محمود .... ماں کے ساتھ زنا کرنے کے تو ان میں خالد بدتر ہیں اور محمود بہتر۔ بلکہ اس مثال کا مطلب یہ ہے کہ جو ماں کے ساتھ زنا کرنے سے جو گناہ لازم آتا ہے اور جو اثرات دل و دماغ پر پڑتے ہیں اس سے کہیں زیادہ گناہوں کی تاریکی اس وقت آدمی کی روحِ ایمانی پر طاری ہو جاتی ہے۔ جب وہ سود کا لین دین شروع کر دیتا ہے۔

ذہنی عیاشی کا ایک نمونہ

سوال:- ڈاکٹر سہیل احمد اعظمی جونپور

تبلیغی جماعت کے ایک مقرر نے دوران تقریر یہ فرمایا

مولانا الیاسؒ کے والد دلی کی کھجور والی مسجد میں امام تھے انتقال کے بعد بے انتہا لوگ شریک جنازہ ہوئے۔ نظام الدین بستی تک پہونچکر جگہ کم ہونے سے بہت وقت تک باری باری مختلف جماعتیں جنازہ کی نماز پڑھتی رہیں اچانک مرحوم اٹھکر بیٹھ گئے۔ اور فرمایا کہ تم یہاں میری نماز جنازہ اتنی دیر سے پڑھ رہے ہو اور قبر میں رسول اللہ اور چاروں خلفا میرا انتظار کر رہے ہیں۔ جلدی کرو!

میں نے مقرر صاحب سے بعد میں دریافت کیا کہ یہ واقعہ کس کتاب میں ہے۔ میں اس کو پڑھنا چاہوں گا مقرر صاحب نے فرمایا کہ ہمارے امیر جماعت اس وقت دوسری بستی میں عورتوں کو خطاب کرنے چلے گئے ہیں وہ آکر بتائیں گے۔ مگر بدقسمتی سے دوبارہ امیر صاحب سے ملنے کا موقع نہ مل سکا

کیا ایسا کسی اور بزرگ کے بارے میں کبھی ہوا ہے کہ مرنے کے بعد بیٹھ کر کلام کریں؟ اس کی کوئی دلیل یا ثبوت کہیں ملتا ہے؟ یا آپ کے علم میں ہے؟ کہ مولانا الیاسؒ کے والد کے متعلق اس روایت کی حقیقت کیا ہے؟

میرا خیال ہے کہ تجلی میں اظہار خیال فرمانا زیادہ مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

الجوابؒ:-

دنیا میں واقعات کا اگر کوئی عجائب خانہ قائم ہو جائے تو وہاں ان واقعات کی کچھ قدر و قیمت ہو سکتی ہے جنھیں ماننے سے پہلے عقل و فہم اور علم و عقیدے کو قتل کر دینا ضروری ہو۔ لیکن کسی ایسے معاشرے میں ان واقعات کو کیا پوزیشن حاصل ہو سکتی ہے کہ جہاں علم و عقل کا سورج نصف النہار پر ہو اور جہاں ہر بات کو پرکھنے کیلئے کوئی نہ کوئی میزان اور کوئی نہ کوئی کسوٹی موجود ہو

اس قسم کے من گھڑت واقعات اگر کسی دیہات میں بیان کئے جائیں تو بھی اس بات کا امکان ہے کہ لوگ عش عش کر اٹھیں گے اور مقرر کا دامنِ سماعت واہ واہ کی دولت سے بھر جائے گا۔ لیکن شہر کی فضا میں اور پڑھے لکھے لوگوں کے روبرو اس قسم کے خود ساختہ واقعات بیان کر کے لوگوں کو بے وقوف بنانے کی کوشش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی خود ہی بے وقوف اور احمق ہے۔

ہمارے سمجھ میں نہیں آتا کہ اس قسم کے واقعات بیان کرنے سے تبلیغی جماعت کو کیا فیض پہونچتا ہے۔ مولانا الیاس کے والد محترم کی بزرگی کے ہم منکر نہیں .... ان بزرگی مسلم لیکن ان کے مسلسل اور شب و روز اللہ کی عبادت کرنے کی وجہ سے نہ کہ صرف اس قسم کے الٹے سیدھے واقعات کی وجہ سے جن سے تبلیغی جماعت کا

ہرا سٹیج گونج رہا ہے۔

اس میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ غلط بیانی کے معاملات میں تبلیغی جماعت والے بے مثال ہو کر رہ گئے ہیں۔ جو اپنے دماغ میں آیا وہ کسی نبی یا کسی بزرگ سے منسوب کر کے بیان کر دیا۔ اس سے قطع نظر کہ اس غلط بیانی کے نتائج اچھے ہوں گے یا بُرے ہمارے نزدیک تو اس طرح کے بے سروپا واقعات بیان کرنا ذہنی عیاشی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ جس طرح بازاری شاعر مفروضات و توہمات کا سہارا لیکر اپنے دل و دماغ کو تسکین پہونچانے اور عوام کی ذہنیتوں پر اپنا سکہ جمانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں بالکل یہی عالم تبلیغی جماعت والوں کا بھی ہو گیا ہے۔ من گھڑت واقعات بیان کر کے ہی انھیں سکون ملتا ہے۔ اور من گھڑت اور کچے پکے واقعات کا سہارا لے کر ہی یہ سامعین کو ہکا بکا کرنے میں اپنی کامیابی سمجھتے ہیں۔ اب انھیں یہ بات کون سمجھائے کہ یہ چیزیں ذہنی عیاشی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

یہ بیچارے ہزاروں سچے واقعات اور ہزاروں سچی روایات کو چھوڑ کر وہ کہانیاں اور وہ قصے اپنے کشکول میں لئے پھر رہے ہیں کہ جن کی صداقت و واقعیت کسی طرح بھی مسلم نہیں۔

خدا ہی جانے اس قسم کے من بھاتے واقعات بیان کرنے سے تبلیغ اسلام کو کیا تقویت مل جاتی ہے؟ اور بیان کرنے والوں کو کون سا عروج حاصل ہو جاتا ہے۔

ایک غلطی آپ سے بھی ہو گئی ہے۔ آپ نے مقرر صاحب سے یہ کیوں پوچھا کہ بیان کردہ واقعہ کس کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ ....

.... گویا کہ اگر وہ آپ کو کوئی کتاب دکھا دیتے تو پھر آپ اس واقعہ پر ایمان لے آتے۔

محترم کتابیں آسمان سے نازل نہیں ہوتیں بلکہ زمین پر رہنے والوں کے دماغوں ہی کا کرشمہ ہوتی ہیں۔ ذرا سوچیئے تو سہی کہ اگر مقرر موصوف کے ہاتھ میں قلم آجائے اور وہ بیان کردہ واقعہ کو اپنی کسی تصنیف میں لکھ دیں پھر یہ تصنیف آپ کی نظروں سے گذرے اور آپ وہی واقعہ از خود پڑھ لیں۔ جس کو آپ نے بزبان مقرر سنا تھا۔ تو آپ اس کی تصدیق کرنے پر مجبور ہو جائیں گے اس لئے کہ آپ نے کتاب میں پڑھ لیا ہے اور کتابیں آپ کے خیال میں فرشتے مرتب کرتے ہیں۔

محترم۔ کچی پکی کتابوں ہی نے تو سارا فساد پھیلا رکھا ہے۔ یا اناڑی مقرر جو کچھ اگلتے ہیں اُن ہی کچی پکی کتابوں کو ہضم کر کے اگلتے ہیں۔

آپ کو مقرر سے یہ کہنا چاہیئے تھا کہ جب تک کسی مستند کتاب میں مذکورہ واقعہ ہم بچشم خود نہیں پڑھ لیں گے۔ اس واقعہ پر ایمان نہیں لائیں گے اور یہ بات پلّے باندھ لیجیئے کہ کتاب مستند وہی کہلائیگی کہ جس کے مؤلف نے قرآن واحادیث اور عقیدۂ اسلامی کو پیش نظر رکھکر قلم چلایا ہوگا۔ سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ بھائی لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جو بات اپنے اکابرین سے منسوب کی جائے وہ بس سچ ہی سچ ہے خواہ عقیدۂ اسلامی اس پر صاد کرے یا نہ کرے۔ اور خواہ قرآن وحدیث اس کے سر پر دست تصدیق رکھیں یا نہ رکھیں۔

جواب کا خلاصہ یہ سمجھئے کہ اگر بیان کردہ واقعہ بہ حسن اتفاق مبنی برصحت بھی ہو تو بھی ہم اسے ذہنی عیاشی ہی قرار دیں گے۔ اس لئے کہ اس قسم کے واقعات بیان کرنے سے تبلیغ اسلام کو کوئی فائدہ نہیں پہونچتا اور اس کے واقعات پر پردہ ڈالدینے سے قلعۂ اسلام پر کوئی مصیبت واقع نہیں ہو سکتی اور جب یہ بات مسلم ہے اور اس کے ساتھ یہ بات بھی مسلم ہے کہ کرامات ہی بزرگی کی دلیل نہیں ہوتیں تو اس قسم کے واقعات بیان کرنے کا منشا کیا ہوتا ہے۔ کیوں ایسے واقعات سامعین کے کانوں میں اُنڈیلے جاتے

جاتے ہیں۔ جو الجھن اور تذبذب کی بنا ثابت ہوں۔ اور پھر ڈاکٹر سہیل احمد اعظمی جیسے لوگ ایڈیٹر تجلّی کی کنڈی کھٹکھٹاتے پھریں۔

پرہیز گاری یا وہم کاری

سوال ۱۵:۔ از عبدالمجید بٹ مدراس

مسلمانوں کے اکثر علماء سرکاری ملازمت کو جائز قرار دیتے ہیں اور کچھ علماء تو خود بھی سرکاری ملازم ہیں۔ لیکن اس معاملے میں میرے چند شکوک و شبہات ہیں مہربانی کر کے ان میں کچھ حل کرنے کے لئے تدبیر کیجئے

۱۔ سرکار غیر اسلامی ہے۔ اور غیر اسلامی و غیر اخلاقی طریقوں سے اپنا پیسہ جمع کرتی ہے۔ جیسے شراب پر ٹیکس شراب کی آمدنی۔ سینما کی آمدنی وغیرہ وغیرہ غور سے دیکھا جائے تو یہ سب رقم جمع کرلی جاتی ہے۔ اور پھر بجٹ بن جاتا ہے یعنی تمام آمدنی اکٹھا کر کے پھر خرچ کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان غیر اسلامی سے کمائی ہوئی آمدنی کبھی کبھی نصف بھی ہوتی ہے۔ فرض کیجئے کہ کم سے کم یہ آمدنی ۱۰٪ ہو یعنی دس حصّوں میں سے ایک حصّہ تو کیا جس آدمی کے پیٹ میں یہ چلا جائے۔ (یعنی مسلمان) احادیث کی رو سے اس کا جسم دوزخ میں نہ ہو جل جائے گا۔ جس کے لئے ہم ہر قسم کی تدبیریں (روزہ، نماز، کلمہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ) کیا کرتے ہیں۔ کیونکہ حدیث میں ہے جس کا جسم حرام مال سے بنا وہی جہنم میں جل جائے گا؛ نیز اس کی نماز قبول ہی نہ ہوتی۔

۲۔ اب اگر کسی طریقہ سے آدمی سرکاری ملازم بن گیا تو وہاں اُسے اپنے اصولوں کو ختم کرنا پڑتا ہے اور دوسرے غیر اسلامی اصولوں کو اپنانا پڑتا ہے۔

پولیس کے آدمی کو اسلامی اصول چھوڑ کر غیر اسلامی اصول پر عمل کرنا ہے۔ استاد بچوں کے لئے وہ غیر اسلامی نصاب پڑھانے پر مجبور ہے کہ جس سے بچے خراب ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی (اور آجکل اکثر) تو خدا و ندان سرکار کے اشاروں پر بھی عمل کرنا پڑتا ہے۔ اب اگر ایسا نظام رائج ہو اور انسان کے لئے سب کچھ صاف صاف نظر آتا ہوگا۔ تو کیا ایسی صورت میں سرکاری نوکری اختیار کرنے کو اسلام جائز قرار دیتا ہے

الجواب:۔

وہم اور تقوے میں اگر فرق مبین نہ ہوتا تو پھر ہم آپ کے خیالات کی تائید کرنے پر مجبور ہوتے لیکن چونکہ وہم اور تقویٰ دو متضاد حقیقتیں ہیں۔ اس لئے ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ آپ نے جو کچھ سوچا اور جو کچھ کہا ہے یہ شرعی اور فقہی اعتبار سے "لایعنی کہلانے کا مستحق ہے۔

سرکاری ملازمتیں اختیار کرنا احتیاط و پرہیزگاری کے منافی اگر مان بھی لیا جائے تو یہ بات پھر بھی ثابت نہیں ہو سکے گی کہ سرکاری ملازمتوں کو اپنا لینا ناجائز، اس لئے کہ جائز و ناجائز اور تقویٰ اور خلاف تقویٰ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ بعض چیزیں تقویٰ کے خلاف ہوتے ہوئے بھی بلا تامل جائز ہوتی ہیں۔

بیڑی، سگریٹ پینا، انگریزی بال رکھنا، غیر اسلامی لباس پہننا شرعاً حرام اور ناجائز نہیں ہے لیکن تقویٰ اور پرہیز گاری کے نقطۂ نظر سے ان گنت اکابرین نے ان چیزوں کو معیوب اور قابل ترک سمجھا ہے۔ رہی آپ کی عقلی دلیل تو وہ انتہائی ناقص اور کمزور ہے ہم نے مان لیا کہ حکومت ناجائز طریقے سے پیسہ بٹورتی ہے اور پھر ان جمع شدہ پیسوں میں ہی سے ملازمین کی تنخواہ ادا کرتی ہے۔ یہ ماننے اور تسلیم کرنے کے بعد بھی یہ تصور خام تصور کہلائے گا کہ جو لوگ حکومت کے ملازم ہیں وہ سب ناجائز پیسہ کھانے میں مصروف ہیں۔

جمع شدہ پیسہ حکومت کے حق میں ناجائز سہی ملازمین کے حق میں کیسے ناجائز ہوسکتا ہے؟

سود خوری بلاشبہ اور متفقہ طور پر حرام ہے لیکن سود خور کا مکان بنانے کے بعد راجوں اور مزدوروں کو جو پونجی ہاتھ

لگی ہے اُسے کسی بھی معتبر مفتی نے ناجائز نہیں کہا ہے اس لئے کہ زہ پونجی تو مزدوں کا حق المحنت ہے ان کے خون پسینہ کی کمائی ہے۔ ان کی جدوجہد کا صلہ ہے۔

ذرا سوچئے تو سہی کہ اگر کسی سود خور کی موت کے بعد اس کی کمائی سے بنایا ہوا مکان آپ اپنی حلال اور پاکیزہ رقم دیکر خرید لیں تو یہ مکان آپ کے لئے کیسے ناجائز ہوسکتا ہے اور اس مکان میں آپ کی رہائش کیونکر قابلِ تردد ہوسکتی ہے، احتیاط، پرہیزگاری، تقوے اور تدیّن کا معاملہ الگ ہے لیکن شرعی نقطۂ نظر سے سود خور سے خریدا ہوا مکان آپ کیلئے قطعًا جائز و مباح ہے۔

سود خور کی زمین میں اُگا ہوا اناج اگر بازار میں بکنے آئے اور کوئی شخص اپنی محنت کی کمائی کے عوض اسے خرید لے تو یہ اناج بلا کسی قباحت اور بلا کسی ریب کے خریدنے والے کے حق میں جائز ہی ہوگا۔ اور اسے حرام کی روزی تعبیر کرنا وہم و حماقت کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔

محکمۂ پولیس کی ملازمت ہو یا محکمۂ تعلیم کی۔ اگر ملازمت اختیار کرنے والے نے اپنے مذہبی اصولوں کا گلا گھونٹ کر رکھدیا ہے۔ اسی کے اپنے مذہبی احساسات فنا ہوچکے ہیں تو ظاہر ہے کہ یہ اس کی اپنی خطا ہے۔ اپنا قصور ہے۔ کوئی بھی محکمہ ایسا نہیں ہے ماسوا محکمۂ وکالت اور محکمۂ بینک کاری کے جہاں آدمی اپنے مذہبی جذبات کا خون کردینے پر مجبور ہو۔ تاہم اگر کسی محکمہ میں ملازمت کرتے وقت اسلامی اصولوں کی خونریزی یقینی ہو تو پھر تو ایسی ملازمت سے احترازو اجتناب کرنا ہی منجملۂ سلامتی ہوگا۔ اور ملازمت اختیار کرلینا منجملۂ خودکشی۔ اور اگر اسلامی اصولوں کی خونریزی کا اندیشہ نہ ہو تو پھر کسی سرکاری ملازمت کو ناجائز سمجھنا وہم اور طفلانہ تردد سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

سوال ۲: (ایضاً) داڑھی کی شرعی حیثیت

داڑھی کی شرعی حیثیت اور حقیقت کے بارے میں مختصر طور پر لیکن مکمل خلاصہ ذرا بتائیے۔ آجکل تو اکثریت داڑھی نہ رکھنے والے مسلمانوں کی ہے۔ عرب میں بھی داڑھی نہ رکھنے کا دستور عام ہوکر رہ گیا ہے۔

الجواب:-

شرعی اور فقہی نقطۂ نظر سے داڑھی رکھنا واجب ہے اور داڑھی صاحب کرانا حرام ہے۔ اسی لئے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ

جزوالشوارب وارخوا اللحی و خالفوا المجوس — مونچھ کترواؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ اور مجوس کی مخالفت کرو۔

اس ارشادِ گرامی میں حکم پنہاں ہے جو فقہاء کے نزدیک وجوب پر دلالت کرتا ہے اور کسی بھی وجوب سے اعراض و انحراف کرنا بلاشبہ ناجائز اور مستوجب تنبیہ ہے۔

رہی یہ بات کہ مسلمانوں کی اکثریت داڑھی صاف کرا رہی ہے اور وہ لوگ داڑھی صاف کرانے کو اپنا شعار بنا چکے ہیں جو مذہب اسلام کے صحیح معنوں میں امین تھے۔ تو اس کا سیدھا سادھا جواب یہ ہے کہ قرآن و احادیث اور تعاملِ صحابہ کے ماسوا کسی کا قول و فعل حجت اور کسی کا طرز و عمل کسوٹی نہیں بن سکتا۔ جس چیز کو خدا اور اس کے رسول نے ناجائز قرار دے دیا وہ ناجائز ہی رہے گی خواہ دنیا بھر کے تمام مسلمان اس چیز کو اپنی زندگی کا جزو لاینفک بنا ڈالیں اور جس چیز کو خدا اور اس کے رسول نے قابلِ اختیار کہا ہے وہ چیز شرعًا قابلِ قبول اور قابلِ اختیار رہے گی۔ خواہ زمانہ کی روش اور مسلمانوں کی بھیڑ اس کے خلاف شعلے برسانے میں مصروفِ عمل ہو۔

سوال ۳:- کوکا کولا کی شرعی حیثیت

کوکا کولا میں شراب کی ملاوٹ بہت ہوتی ہے تو کیا یہ ناجائز نہیں ہے اسکے علاوہ لوگ کہتے ہیں کہ بیر شراب نہیں اور اس کے پینے میں کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں کیونکہ اس سے نشہ وغیرہ نہیں چڑھتا ہے۔

الجواب :-

بیر کو جائز کہنے والے تو علم شریعت سے کورے ہیں - البتہ کوکا کولا کی حُرمت میں ہمیں اشکال ہے اس لئے کہ ہماری اپنی تحقیقات کے مطابق کوکا کولا میں کسی ایسے مشروب کی ملاوٹ نہیں کی جاتی جو نشہ آور ہو - اور جب تک یہ بات پایۂ ثبوت کو نہ پہنچ جائے کہ اس میں نشہ آور اشیاء کی شمولیت کی جاتی ہے اس وقت تک کوکا کولا کو ممنوع قرار نہیں دیا جا سکتا -

سوال :- محرم کی رسمیں

(الف) محرم میں تعزیہ رکھنا مسئلہ کی رد سے کیسا ہے کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ یہ تعزیہ یادگار حسین رض منانے کے لئے رکھا جاتا ہے تو کیا یادگار حسین رض منانے کیلئے تعزیہ مسئلہ سے رکھا جا سکتا ہے -

(ب) محرم میں ڈھول باجا وغیرہ کا بجانا علم وغیرہ کا اٹھانا آگ پر ماتم کرنا سینہ زنی کرنا - چاقو، چھری یا کوئی اور دوسری دھار دار اسلحہ سے ضرب دیکر ماتم کرنا ہرا کالا کپڑا کا پہننا مسئلہ سے کیسا ہے -

(ج) محرم منانے کا صحیح طریقہ کیا ہے - جس سے تمام شہیدان کربلا والوں کے ارواح پاک کو ثواب پہنچے قرآن و حدیث کی روشنی میں تجلی کے ڈاک مطلع فرمائیں

الجواب :-

یہ تمام چیزیں بدعات سے تعلق رکھتی ہیں - اور منجملہ حرام ہیں - شہیدان کربلا کی روحوں کو ثواب پہونچانے کا جائز طریقہ یہ ہے کہ محرم کے مہینہ میں زیادہ سے زیادہ قرآن کی تلاوت اور زیادہ سے زیادہ روزے رکھنے کی کوشش کی جائے - اس لئے کہ اس مہینہ میں کسی ایک دن روزہ رکھنے مسلسل ایک ماہ تک روزہ رکھنے کا ثواب ملتا ہے اور یوم عاشورہ کا روزہ تو سال بھر کے تمام صغیرہ گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے - یادِ حسین رض کسی خاص تاریخ میں منانے سے کہیں زیادہ بہتر اور مفید بات یہ ہے کہ آدمی حسن و حسین رض اور ان کے نانا کے طرز زندگی کو مستقبل طور پر اپنا لے اور خود اپنی زندگی کو ایسے سانچے میں ڈھال لے کہ جو اس سانچے کو دیکھے اسے خود بخود حسن و حسین رض کی یاد آ جائے -

باقی رہا ان رسموں کا معاملہ جو محرم کے مہینہ میں یار لوگوں نے ایجاد کر لی ہیں تو ان کی حیثیت، ہفوات و خرافات سے زیادہ نہیں - ماتم بازی اور نوحہ کنی کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کی نظر سے دیکھا ہے - اور یہ فرمایا ہے کہ لیس منا من لطم الخدود و شق الجیوب وہ شخص ہم میں سے نہیں جس نے ماتم کیا اور گریبان پھاڑا -

بخاری جلد اول ص۱۷۲

ایک روایت میں آپ نے ان لوگوں پر لعنت فرمائی ہے جو ماتم بازی اور نوحہ کنی کے چکر میں لگے رہتے ہیں - حیرت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسوں کی محبت میں بعض لوگ اتنے اندھے ہو گئے ہیں کہ انھیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کا بھی کوئی احساس نہیں -

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ -

---

عامر عثمانی نمبر کی پہلی قسط میں مولانا عامر عثمانی کی تاریخ وفات مولانا عامر عثمانی عفی عنہ شائع ہوئی تھی - جن صاحب نے یہ تاریخ نکال کر بھیجی تھی ان صاحب کا نام و پتہ درکار ہے -

خدا کرے یہ اعلان ان کی نظروں سے گذر جائے

ایڈیٹر تجلی

مولانا عامر عثمانیؒ

بُرائیوں کو مٹاؤ اور بھلائیوں کو پھیلاؤ

قرآن کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکیمانہ ارشادات کا علم کس قدر ضروری ہے۔ اسکی ایک مثال ذیل کی حدیث میں ملاحظہ فرمائیے :۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اے ایمان والو اپنی فکر کرو
عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ	تم اگر راہِ راست پر ہو تو کوئی
مَنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ	گمراہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا
اِلَی اللّٰهِ مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعًا	تم سبھی کو اللہ کی طرف لوٹ کر
فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ	جانا ہے۔ پھر وہ تمہیں جتلائیگا
(سورۂ مائدہ - آیت ۱۰۵)	کہ تم (دنیا میں) کیا کرتے رہے ہو

اس آیت سے بظاہر یہ مطلب نکلتا ہے کہ دوسرے کچھ بھی کرتے رہیں تم اس کی فکر نہ کرو تمہیں تو اپنی فکر کرنی چاہیے اپنے اعمال کو درست کرو بس یہی کافی ہے۔ ارد گرد، آس پاس جو بھی ہوتا رہے ہوا کرے۔ تم پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں جو برا کرے گا وہ خود بھگتے گا۔ کسی اور کا غلط راستے پر چلنا تمہارے لیے ضرر رساں نہیں ہو سکتا۔

عین ممکن ہے آپ نے بعض واعظوں اور صوفیوں سے اس آیت کا یہی مطلب سنا بھی ہو۔ بہتیرے لوگ ہیں جو یہی تصور رکھتے ہیں کہ ہر مسلمان کو بس اپنا روزہ نماز درست کرنا چاہیے اپنے دامنِ کردار کو گناہ کے داغ دھبوں سے بچانا چاہیے۔ پھر دنیا میں جو بھی ہوتا ہے اس کی جنت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ بہرحال اپنے اعمال نیک کی وجہ سے نجات اور انعامِ آخرت کا مستحق قرار پائے گا۔ آخرت میں اس سے یہ سوال نہیں کیا جائے گا کہ تو نے دوسروں کو ہدایت کا راستہ دکھلانے کی کیا کوشش کی۔ کتنی برائیوں کو اپنے ماحول سے مٹایا اور کتنی بھلائیوں کو اپنے ماحول میں پھیلایا۔

حضورؐ کی رحلت کے بعد خلافتِ صدیقی میں بھی کچھ لوگ اسی طرح سوچنے لگے تھے اور آیت کا مطلب انھوں نے یہی سمجھا تھا کیونکہ انھوں نے حدیثِ رسولؐ کا پورا علم نہیں تھا حضرت ابوبکر صدیق رضؓ ایک دن منبر پر خطبۂ وعظ کے لیے کھڑے ہوئے۔

فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰی عَلَیْهِ	پھر آپ نے اللہ کی حمد و ثنا کی اور
ثُمَّ قَالَ یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّکُمْ	فرمایا کہ اے لوگو تم قرآن کی یہ
تَقْرَءُوْنَ هٰذِهِ ۔ الآیۃ۔	آیت پڑھتے ہو۔

اور پھر کہا :۔

وَاِنَّکُمْ تَضَعُوْنَهَا عَلٰی غَیْرِ مَوْضِعِهَا۔

اور تم لوگ اسے بے محل استعمال کرتے ہو۔

وَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ	حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ
صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ	علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے
النَّاسَ اِذَا رَاَوُا الْمُنْکَرَ	کہ لوگ جب خلافِ شرع امور کو دیکھیں
وَلَا یُغَیِّرُوْهُ اَوْشَکَ	اور انھیں مٹانے کی جدوجہد
اللّٰهُ اَنْ یَّعُمَّهُمْ	نہ کریں تو وہ دن دور نہیں ہے
بِعِقَابِهٖ۔	جب اللہ تعالیٰ ان پر عام عذاب
(مسند امام احمد جلد اوّل)	بھیجدے۔

اللہ کے رسول کی اس تفسیر و تصریح سے معلوم ہوا کہ عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ کا صحیح مطلب کیا ہے اور ظاہرا جو مطلب سمجھ لیا گیا تھا وہ کس قدر غلط ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جو یہ فرمایا کہ تم لوگ اسے بے جگہ استعمال کرتے ہو تو اس کا منشا یہی تھا کہ بعض لوگ غلط مطلب لے رہے ہیں اور ظاہر الفاظ کے حقیقی مفہوم کو سمجھ نہیں رہے ہیں۔

اب دیکھیے کہ اللہ کے رسولؐ نے کیا مفہوم بیان فرمایا۔

مُنْکَر کی اصطلاح بڑی جامع اور وسیع الاطلاق ہے۔ ہر وہ چیز جو شریعت کی نگاہ میں ناپسندیدہ ہو منکر ہے خواہ وہ مثبت ہو یا منفی۔ مثلاً بدعات و معاصی کا ارتکاب ہو رہا ہے یہ بھی منکر ہے اور اسلامی اخلاق کی کسی تعلیم کو ترک کر دیا گیا ہے یہ بھی منکر ہے۔ زندگی کا کوئی شعبہ ہو۔ عبادت۔ سیاست تجارت۔ صنعت و حرفت۔ تحریر و تقریر۔ نجی معاملات گھریلو مسائل۔ کوئی بھی اسلامی احاطے سے باہر نہیں اور ان میں جہاں کہیں بھی مُنْکَر پایا جا رہا ہو اس سے چشم پوشی کرنا عذاب الٰہی کو دعوت دینا ہے۔ بات فقط اعمال کی نہیں افکار و عقائد کی بھی ہے۔ ایک شخص سودی کاروبار کرتا ہے یہ بھی مُنکر ہے دوسرا شخص قربانی کو ضروری نہیں سمجھتا یہ بھی منکر ہے۔ اور پھر حرمت سے لے کر کراہت تک کے تمام ہی مدارج میں اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔

منکر سے روکنا اور معروف کا حکم دینا اللہ کی طرف سے مسلمان کی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے۔ معروف منکر کی ضد ہے۔ ہر وہ شے جسے شریعت پسند کرتی ہو معروف ہے۔ حدیثِ رسولؐ قطعیت کے ساتھ بتا رہی ہے کہ مسلمان کی اپنی عافیت اور نجات کا مدار بھی صرف اپنی ہی ذات تک محدود ہو کر رہ جانے میں نہیں بلکہ جو برائیاں اس کے ارد گرد پھیل رہی ہیں انھیں اپنی مقدرت اور گنجائش کے مطابق مٹانے کی جدوجہد کرنا اور ان کی جگہ معروف کو لانے کی کوشش کرنا بھی اس کی اپنی ہی عافیت اور نجات کے لیے ضروری ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا بلکہ ارد گرد کی حالت سے بے نیاز ہو کر اپنی ہی ذات میں گم رہے گا تو وہ وقت دور نہیں جب اللہ اس بے حسی اور غفلت کے نتیجے میں اپنا عذاب عام بھیج دے اور یہ عذاب جہاں بدکاروں کو نشانہ بنائے گا وہیں وہ نکوکار بھی اس کا نشانہ بن جائیں گے جو اگرچہ عبادتوں میں تو طاق ہیں لیکن آس پاس پھیلی ہوئی برائیوں کے خلاف اپنی ممکنہ طاقت استعمال نہیں کرتے ہیں۔

صاف ظاہر ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (بھلائیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا) اگر ہر مسلمان کے لیے بجائے خود ایک فریضہ نہ ہوتا تو اس سے غفلت برتنا جرم قرار نہ پاتا اور جرم قرار نہ پاتا تو اللہ اس کی سزا بھی نہ دیتا۔ وہ منصف ہے بغیر خطا کے سزا دے ہی نہیں سکتا۔

ابن ماجہ کی ایک حدیث اسی مضمون کو ان الفاظ میں بیان کرتی ہے:-

مَا مِنْ قَوْمٍ يُعْمَلُ فِيهِمْ بِالْمَعَاصِي هُمْ أَعَزُّ مِنْهُمْ وَأَمْنَعُ لَا يُغَيِّرُونَ إِلَّا عَمَّهُمُ اللَّهُ بِعِقَابٍ۔ (ابواب الفتن)

جس قوم میں بدکاریاں عمل میں آرہی ہوں اور جو بھلے لوگ بدکاروں سے زیادہ طاقتور ہوں وہ ان بدکاریوں کا راستہ نہیں روکتے تو اللہ تعالیٰ سب کو نشانۂ عذاب بنائے گا۔

یہ بات اصولی طور پر طے ہے کہ انسان اپنی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں۔ لہٰذا کسی بھی شخص سے اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ سوال نہیں ہوگا کہ فلاں برائی کو تم مٹانے میں کامیاب کیوں نہیں ہوئے۔ بلکہ دیکھا یہ جائے گا کہ تم نے اپنی پوری قوت صرف کی یا نہیں۔ اگر کی ہے تو پھر تم بری الذمہ ہوئے خواہ یہ برائی مٹی یا نہیں مٹی۔ اور اگر تم نے اپنی پوری قوت صرف کرنے کے عوض تساہل برتا۔ غفلت دکھائی اور بس اپنے نماز روزے میں کھوئے رہے تو یہ بجائے خود ایک بڑا جرم ہے جس کے نتیجے میں اللہ کی طرف سے وبال نازل ہوگا اور جماعت کی جماعت عذاب کا ہدف بن جائے گی۔

یہاں حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی اس روایت کو بھی تازہ کر لیا جائے جو اکثر کتب حدیث میں موجود ہے اللہ کے سچے رسول نے فرمایا:-

"تم میں سے جو شخص شریعت کے خلاف کسی شے
کو دیکھے تو اس پر لازم ہے کہ طاقت کے ذریعہ
اسے مٹادے۔ اور اگر طاقت نہ ہو تو زبان سے
اس کی مذمت کرے اور لوگوں کو سمجھائے کہ
اسے ترک کر دیں اور اگر کسی مجبوری سے زبان کھولنا
بھی ممکن نہ ہو تو پھر کم سے کم دل سے تو اسے مکروہ
سمجھتا ہی رہے۔ یہ ایمان کا کم سے کمتر
تقاضا ہے۔"

اب اگر آپ ذرا دیدۂ بینا سے اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالیں
اس نتیجے تک پہنچنے میں کچھ دیر نہیں لگے گی کہ امت مسلمہ
آج پوری دنیا میں جس ذلت، ضعف، ادبار، تباہی اور
بدحالی کا شکار ہے۔ اس کی ایک بہت بڑی وجہ غالباً یہی
ہے جسے احادیث بالا میں بیان کیا گیا ہے۔ مسلمان جگہ جگہ
برائیوں کو مٹانے کے عوض ان کی پرورش کر رہے ہیں۔
انھیں ترقی دے رہے ہیں۔

دنیا داروں اور مغرب پرستوں کا تو کہنا ہی کیا۔ اپنے
وطن میں خود اس جماعت کا حال دیکھ لیجیے جسے "جمعیۃ علماء"
کہا جاتا ہے۔ کتنا مقدس نام۔ کیسے کیسے پر نور چہرے اور مقدس
ہیئت والے بزرگ اس میں شامل ہیں۔ کیسے کیسے خوبصورت
وعظ اور لچھے دار خطبے دیے جاتے ہیں۔ ابھی ۲۴ مارچ
۷۲ء کے روزنامہ "الجمعیۃ" میں صفحہ ۵ پر چند بزرگوں کی
تقریریں اس عنوان سے شائع ہوئی ہیں:-

"جمعیۃ علماء مسلمانوں کی کتاب و سنت کی روشنی میں
رہنمائی کرتی رہے"۔

لیکن یہی اخبار الجمعیۃ ہے جس میں مدت سے بلا تکلف
سٹہ اور جوے اور ضبط تولید اور سینما تھیٹر کے مصور اشتہارات
شائع ہوتے ہیں۔

یہ اخبار الجمعیۃ علماء ہی کا تو آرگن ہے اور اس کے نیک و
بد کی ہر ذمہ داری دنیا اور دین کے ہر قاعدے سے اکابر جمعیۃ
پر ہی جاتی ہے۔ وہ یقیناً محنت رکھتے ہیں کہ اخبار میں کیا چھپے اور
کیا نہ چھپے۔ لاٹری، سوزی کا روبار، تھیٹر، سینما اور تصویریں ان کے
نزدیک بھی منکرات ہی ہیں معروفات نہیں۔ بہت سے بہت
وہ ضبط تولید اور تصویر کے معاملہ میں تاویلات کی ڈھال استعمال
کر سکتے ہیں لیکن جوے اور سود اور ننگے کھیل تماشوں کے لیے تو
ایسی بھی کوئی ڈھال ان کے پاس نہیں۔

اب سوچیے۔ اللہ کا رسولؐ تو یہ کہتا ہے کہ دوسروں کی
پھیلائی ہوئی برائیوں سے غفلت برتنا ہی قابل سزا جرم ہے
جو عذاب عام کا موجب بنتا ہے۔ یہاں اس سے دو قدم آگے
بڑھ کر علماء کرام اور شیوخ محترم خود منکرات کی اشاعت فرما رہے
ہیں۔ ان سے روزی کما رہے ہیں۔ انھیں کاروباری معمولات میں
شامل فرما رکھا ہے۔ کیسے کیسے شیوخ۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا
زکریا صاحب۔ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا فخرالدین صاحب۔ بھلا
ان سے بڑھ کر حدیث رسولؐ کا جاننے والا کون ہوگا۔ مگر اس
عجوبے کو عبرت کی آنکھوں سے دیکھیے کہ جمعیۃ علماء کی یہ سرپرستی
اور پرورش فرماتے ہوئے بھی یہ بزرگ پورے اطمینان سے یہ عیب
برداشت کیے جا رہے ہیں کہ ان منکرات کی ترویج و اشاعت سے
کچھ پیسے ان کی جماعت کو مل جاتے ہیں۔

بتائے کوئی! آخر کیا ہے یہ سب۔ ٹھیک ہی کہا تھا
کہنے والے نے:-

متاع دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی

سوچیے خدا کے لیے جانب داری اور اندھی عقیدت
سے بلند ہو کر خالص دینی انداز میں سوچیے کہ کیا تنہا جمعیۃ علماء ہی
کا یہ اسوہ ایسا نہیں جو ہندوستان کی امت مسلمہ پر نازل شدہ
وبال اور نحوست کا بہت بڑا ذمہ دار ہو۔ کیا اللہ کے رسولؐ
غلط فرما سکتے ہیں۔ کیا انھوں نے جو کچھ فرمایا اس کا مصداق اس
سے زیادہ صریح بھی کچھ ہو سکتا ہے جسے آپ جمعیۃ علماء کے سرکاری
آرگن الجمعیۃ کے آئینے میں ملاحظہ فرما رہے ہیں۔

شاباش ہے ان بزرگوں کو جو اپنے اس المناک اسوے پر
شرمانے کے عوض بڑے طمطراق اور فخر کے ساتھ تقریریں کرتے
ہیں کہ جمعیۃ علماء قرآن و سنت کی روشنی پھیلا رہی ہے۔

الجمعیۃ کے فاضل ایڈیٹر[1] بڑی دلسوزی کے ساتھ آئے
دن اپنے شذرات میں رنج و غم کا اظہار کرتے رہتے ہیں کہ ملت

---

[1] مراد مولانا عثمان فارقلیط

ن کی بات نہیں سنتی، جمعیۃ علماء کو خاطر خواہ مدد نہیں دیتی۔ پھر
ربار وہ جمعیۃ کے شاندار کارنامے گنواتے ہیں — مگر حیرت
ور ہزار بار حیرت ہے کہ وہ یہ سامنے کی حقیقت ملاحظہ نہیں فرماتے
منکرات کے شیوع سے پیسے کمانے کا حیا سوز عمل بجائے خود
تنا بڑا اور اجتماعی گناہ ہے کہ زہد و تقویٰ کی ساری کہانیاں اس
س کے آگے ہیچ اور وبال و نحوست کا ہر نزول اس کی پاداش
یں برحق۔

جس حدیث رسولؐ پر گفتگو ہو رہی ہے کیا اس کا حاصل
س کے سوا بھی کچھ ہے کہ مسلمان اپنی ذات کی حد تک چاہے کتنا
ی عبادت گذار اور تقویٰ شعار ہو لیکن اگر وہ ان منکرات کے
لاف اپنی استطاعت کے مطابق جدوجہد نہیں کرتا جو گرد و
یش میں پھیلی ہوئی ہیں تو یہی غفلت اور سستی اس کا اتنا بڑا
جرم ہے کہ اللہ اس کی پاداش میں عذاب عام بھیجے گا۔ افراد
کے لیے جب اللہ اور رسولؐ کا یہ فیصلہ ہے تو جماعتوں کے
لیے تو بدرجۂ اولیٰ اس کی اہمیت ظاہر۔ جماعتیں افراد کی
بہ نسبت زیادہ قوت و قدرت رکھتی ہیں۔ اب اگر مسلمانوں
کی ——— بلکہ شیوخ و علماء کی ایک طاقتور اور نیک نام جماعت
خود ہی فواحش و منکرات کی نقیب، منّاد اور دلال بن جائے
تو اس سے بڑھ کر عتاب الٰہی کو دعوت دینے والی اور کس چیز
کا آخر انتظار کیا جائے۔

کاش مولانا زکریا اور حضرت مولانا فخر الدین اور مولانا
ابوالوفا جیسے بزرگ غور فرما سکیں کہ آخرت میں انھوں نے
اپنے لیے کیا جواب تیار کر رکھا ہے۔ کیا خدانخواستہ وہ
اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ زہد و تقویٰ اور عبادت و
ریاضت اور خدمت ملک و وطن کا جو بہت بڑا ڈھیر انھوں
نے جمع کر رکھا ہے اس کے بعد اللہ کی مجال نہیں جو ان سے یہ
سوال کر سکے کہ اے قرآن و سنت کا علم رکھنے والو! تم
نے چند پیسوں کی خاطر بڑی خوش دلی سے یہ گوارہ کیا کہ اپنے اخبار
میں ان فواحش و منکرات کی تبلیغ و ترویج کرتے رہو جنھیں
تم خود خلاف شرع جانتے اور مانتے تھے۔

ہمیں بے اختیار حضرت عمرؓ کا وہ واقعہ یاد آتا ہے
کہ بیت المال کے کچھ اونٹ گم ہو گئے ہیں اور آپ چلچلاتی
دھوپ میں حیران و پریشان انھیں ڈھونڈتے پھر رہے
ہیں۔ دل اس خوف سے لرزاں ہے کہ عمرؓ تو مسلمانوں کے
اموال کا نگراں ہے۔ ذمہ دار ہے۔ کوئی اونٹ گم ہو گیا تو
کیا ہوگا۔

اور یہی عمرؓ پرسوز آواز میں فرمایا کرتے تھے کہ اگر
نہر فرات کے کنارے بکری کا ایک بچہ بھی بھوکا پیاسا مر گیا تو عمر
خدا کے روبرو کوئی عذر نہ لا سکے گا۔

اور قریب قریب ان ہی کے نام عمرو بن العاصؓ کا وہ
واقعہ بھی یاد کیجیے جب اسکندریہ میں کسی نے حضرت
عیسیٰ کے مجسمے کی آنکھ پھوڑ دی تھی تو عیسائیوں نے احتجاج
کیا۔ حضرت نے اعلان فرمایا کہ ہم انصاف کریں گے
اگلے دن اہل شہر میدان میں جمع کیے گئے۔ آپ نے
فرمایا:-

"نہیں معلوم آنکھ کس نے پھوڑی ہے۔ مگر یہ حرکت
خود عیسائی نہیں کر سکتے کسی مسلمان ہی کی شرارت
ہے۔ لہٰذا بدلے میں کسی مسلمان کی آنکھ پھوڑی
جائے"۔

اور پھر فرمایا:-

"میں حاکم اور سالار ہوں۔ میں نے اہل شہر کو تحفظ
کی ضمانت دی ہے۔ میری ہی ذمہ داری تھی کہ
عیسائیوں کی یہ شدید دل آزاری یہاں ہرگز نہ
ہوتی۔ لہٰذا انصاف یہ ہے کہ خود میری آنکھ
پھوڑی جائے"۔

اور پھر اللہ کا یہ بندہ ——— رسولؐ کا صحابیؓ
اسکندریہ کا فاتح، حاکم شہر اپنے ہاتھ سے خنجر عیسائیوں کی طرف
بڑھاتا ہے کہ لو میری آنکھ نکال لو۔

سوچیے آخر یہ کیا تھا؟ ——— کیا وہ دین جس نے
ابن العاص کو انصاف اور ذمہ داری کے یہ حدود سمجھائے تھے
اس دین کے علاوہ کوئی دین تھا جس کے ہم آج پیرو ہیں۔
کیا قرآن و حدیث اب فکر و عقیدے کے وہ پیمانے اور معیار

عطا نہیں کرتے جو پہلے کرتے تھے۔ اللہ بتاؤ۔ اگر اللہ کی کتاب اور رسولؐ کی حدیث بدلی نہیں۔ گم نہیں ہوئی تو آخر یہ کیسی ڈھٹائی، کیسی مبہوت کن جسارت، کیسی عجیب و غریب جرأت ہے کہ روزانہ قال اللہ وقال الرسولؐ کہنے والے۔ تہجد اور اشراق پڑھنے والے، ہزاروں لاکھوں کو رشتۂ بیعت میں پروے، بات بات میں فردوس و جہنم کے حوالے دینے والے، نورانی چہرے اور زاہدانہ وضع و ہئیت والے۔ ذرا احساس نہیں فرماتے کہ جمعیۃ علماء کا یہ "اشتہاری اسوہ" کس وعید کا کھلا دروازہ ہے۔ عام وبال و نحوست کا کیسا دافع سرچشمہ ہے۔ اگر یہ علانیہ معصیت خود ان بزرگوں کی اجازت سے نہیں ہو رہی ہے تو کم از کم ان کی چشم پوشی اور درگذر تو اسے جواز دے ہی رہی ہے۔ وہ اتنا اقتدار رکھتے ہیں کہ جمعیۃ علماء کے سرکاری آرگن کو اس سے باز رکھ سکیں۔ اور اگر ان کے امتناع کے باوجود اخبار کا عملہ باز نہیں آرہا ہے تو آخری درجے میں انھیں جمعیۃ علماء سے بے تعلق ہونے کا اعلان بہر حال کر دینا چاہیے۔ کیونکہ دل سے برا سمجھنے کا ثبوت اس کے بغیر مہیا نہیں ہو سکتا اور یہ کم سے کم تر تقاضائے ایمان ہے

اللہ کے جو سادہ لوح بندے آج بھی جمعیۃ علماء سے عقیدت رکھتے ہیں اور ان کو خوش فہمی ہے کہ جمعیۃ علماء دین و ملت کے مخلص خادم ہیں ان سے بڑی دلسوزی کے ساتھ عرض ہے کہ خدا کے لیے ایک مسلمان کی حیثیت سے سوچیے۔ خطوط لکھ کر۔ اور موقعہ ملے تو آمنے سامنے بزرگان جمعیت سے سوال کیجیے کہ آخر اس فسق جلی اور تضاد قول و عمل کا جواز انھوں نے کیا ذہن نشین کر رکھا ہے۔ کیا نا دہل ہے جو ان کے اس افسوسناک اسوے کی کی جائے۔ کھلے منکرات کی اشاعت کر کے مخلوق خدا سے یہ کہنا کہ ہم قرآن و سنت کی روشنی پھیلا رہے ہیں، ایسا ہی ہے جیسے زید بازار میں الف ننگا ہو جائے اور دوسروں کو نصیحت کرے کہ ستر پوشی فرض ہے۔ عریانی سے اجتناب کرو۔

منکرات کے بارے میں تساہل و غفلت کی ایک نظیر یہ ہے کہ شادی بیاہ اور اسی نوع کی سماجی تقریبات میں مسلمانوں کے یہاں بہتیرے منکرات جزو لازم بن گئے ہیں۔ اسراف عام ہے۔ نمائش اور جذبۂ مسابقت کی مارا ماری ہے۔ لیکن علماء نے ایسا کوئی اعلان نہیں فرمایا کہ جس تقریب میں فلاں فلاں منکرات موجود ہوں گے وہاں ہم ہرگز شرکت نہیں کریں گے ۔ نکاح کوئی نہ کوئی مولوی ہی پڑھاتا ہے۔ اسے بالکل پروا نہیں کہ گانا بجانا ہو رہا ہے۔ فضول رسموں میں پیسہ پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے۔ لاؤ میں اتنا ہی کر دوں کہ حاضری سے معذرت کر دوں تاکہ ان کی حوصلہ شکنی ہو۔ توبہ توبہ۔ حاضری تو در کنار آپ ارباب علم و زہد کو دسترخوان پر ہاتھ مارتے دیکھیں گے۔ حالانکہ اگر علماء طے کرلیں کہ منکرات سے آلودہ تقریبات سے علانیہ کنارہ کش رہیں گے تو ناممکن ہے کہ بہت سے منکرات دم نہ توڑ دیں اور بڑھتی ہوئی خرافات کی گاڑی میں بریک نہ لگ جائے۔

سچ یہ ہے کہ برائیوں سے چشم پوشی اور ان کے معاملہ میں نرمی و درگذر کی روش اختیار کرنا برائیوں سے ایک قسم کی مفاہمت ہے، جو فطری طور پر برائیوں کی ہمت افزائی کرتی ہے اور برائی کا برائی ہونا بھی مشکوک ہوتا چلا جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ اور رسولؐ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے غفلت کوشی کو بڑا جرم قرار دیا ہے اور اس کی پاداش بتادی ہے کہ عذاب الیم بھیجیں گے اور قوم کی قوم نحوست و ادبار کے پنجے میں تڑپا کرے گی۔

تجلیاتِ ربّانی (حصہ اوّل)

تلخیص و ترجمہ :- مولانا نسیم احمد فریدی امروہی۔

پورے اسلامی ادب میں حضرت مجدد الف ثانی کے مکاتیب کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ ان مکاتیب میں احسان، تصوف تعمیر باطن، حق و باطل میں امتیاز، جہاد فی سبیل اللہ اور اقامت دین کی ترویج، شریعت کی ترغیب اور امت مسلمہ کی عام رہنمائی کا وہ سامان موجود ہے جس کی صدائے بازگشت نے گذشتہ تین چار صدیوں میں امتِ مصطفویہ کے حق میں اکسیر کا کام انجام دیا ہے۔ ساتھ ہی مولانا موصوف نے حاشیہ پر مکتوب الیہم کے حالات بھی کسی قدر تفصیل سے بیان کیے ہیں جس نے اس کی اہمیت اور عظمت کو دو بالا کر دیا ہے۔ معیاری کتابت و طباعت۔ دیدہ زیب گرد پوش سے مزین۔ مجلد ۵۰/۱۳

تاریخ دیوبند

دیوبند ایک قدیم بستی ہے۔ اس کی سرزمین نے انقلابات کی بیشمار کروٹیں دیکھی ہیں۔ اور اب دار العلوم کی وجہ سے یہ بستی بین الاقوامی شہرت کی مالک بن گئی ہے۔ اس بستی کی دلچسپ اور محققانہ تاریخ جناب سید محبوب رضوی کے قلم سے ملاحظہ فرمایئے تاریخ نگاری میں مصنف موصوف کی بصیرت ایک امتیازی شہرت رکھتی ہے۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن چھپ کر ختم ہو گیا۔ اب دوسرا ایڈیشن فاضل مصنف کی نظر ثانی اور اضافوں کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ صفحات ۵۱۲ - قیمت مجلد -/۱۰

تذکرۃ المصنفین (اردو)

یہ کتاب درس نظامیہ، درس عالیہ، نصاب ندوۃ العلماء اور سرکاری کتابوں کے مصنفین کا جامع اور نہایت مستند تذکرہ ہے جس کو مصنف کی عرق ریزی اور مساعی جمیلہ نے شاہکار بنا دیا ہے۔ مدارس عربیہ کے اساتذہ و طلباء کے لیے یکساں مفید ہے۔ ملک کے عظیم تبصرہ نگاروں نے اس کتاب کو تحسین کی نگاہوں سے دیکھا ہے۔ قیمت -/۷

ورق ورق روشن

اخلاقی اسباق اور علم و حکمت کا ایسا خزانہ ہے جو ہر دل و دماغ کو روشن کرے گا۔ اس کتاب میں مؤلف نے قرآن و حدیث، تاریخ، آثار اور معیاری لٹریچر سے اللہ اور رسولؐ اور دنیا بھر کے دانشوروں، مصلحوں اور عالموں کے بہت ہی مفید و نفیس ارشادات حروف تہجی کی ترتیب سے جمع کیے گئے ہیں۔ مثلاً ایمان یا انصاف یا اعتقاد یا انتقام کے بارے میں آپ مواد دیکھنا چاہیں گے تو الف کی فہرست میں یہ عنوان مل جائے گا۔ اسی طرح کسی بھی لفظ کو اس فہرست میں بآسانی ڈھونڈا جا سکتا ہے۔
صفحات (۴۸۷) قیمت مجلد -/۳۰

شاہ اسمٰعیل شہید اور معاندین اہل بدعت کے الزامات

از مولانا منظور نعمانی۔ حضرت شاہ شہید جیسی مقدس ہستی پر جس نے اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے خون کا کفن پہنا۔ معاندین اہل بدعت نے خوف خدا سے بے نیاز ہو کر جو گندے الزامات لگائے ہیں ان کا تشفی بخش اور مدلل جواب۔ قیمت صرف ۵۰/۲

حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت

تالیف :- مولانا سید ابو الحسن علی ندوی۔
تبلیغی تحریک کے بانی حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی مکمل سوانح حیات۔
مولانا کی شخصیت، ان کے عادات و اخلاق، ان کے امتیازی اوصاف، ان کے خاص ذکار و نظریات، ان کی دینی دعوت کا پس منظر، اس کا ارتقاء اور اس کے اصول و طریق کار کو سمجھنے کے لیے یہ واحد کتاب ہے۔ قیمت ۵۰/۴

ملنے کا پتہ

مکتبہ تجلی دیوبند

۲۴ سوالوں کے
۲۴ جوابات

سید ابوالاعلیٰ مودودی

ٹورانٹو (کینیڈا) میں ایک مجلس

اگست ۷۴ء میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی بغرض علاج امریکہ تشریف لے گئے تھے ان کا قیام کچھ دن بفیلو میں بھی رہا جس سے کینیڈا کا شہر ٹورانٹو کم و بیش سو میل کی دوری پر واقع ہے اس شہر کی کل ۲۱۷۰۰۰ کی آبادی میں مسلمانوں کی تعداد لگ بھگ ۲۵ ہزار ہے۔

وہاں کے مسلمانوں نے اصرار کیا کہ امریکہ چھوڑنے سے قبل مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ان کے یہاں ضرور حاضر ہوں اور ان کے دل و دماغ میں پیدا ہونے والی الجھنوں کو سلجھائیں۔ چنانچہ ۵ اگست ۷۴ء کی شام کو انھوں نے وہاں کے مسلمانوں کی فرمائش پوری کر دی اور اسلامی سنٹر کے ہال میں ایک بڑے مجمع کو خطاب کیا اور لوگوں کے سوالات کے جواب دیے۔

بات دو سال پرانی ہے لیکن چونکہ سوالات اہم ہیں اور پھر تجلی کے قارئین کے لیے تو نئے اور تازہ ہی ہیں اس لیے انھیں تجلی میں پیش کیا جا رہا ہے۔ لیجیے سوال و جواب سے پہلے مولانا مودودی کی زبانی یہ چند جملے بھی ملاحظہ فرمائیے:۔

بھائیو اور بہنو!

میں تہ دل سے اس محبت کے لیے شکریہ ادا کرتا ہوں جس کے ساتھ مجھے یہاں آنے کی دعوت دی گئی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں امریکہ اور کینیڈا کے سفر پر آیا بھی تو بیماری کی حالت میں آیا۔ اگر صحت کی حالت میں آتا اور میرے اندر طاقت ہوتی تو میں مختلف شہروں میں خود جاتا اور ہر جگہ اپنے مسلمان بھائیوں سے ملتا، ان کے حالات معلوم کرتا، ان کے سوالات کے جوابات دیتا اور جو کچھ مشورے ان کو دے سکتا تھا وہ دیتا۔ لیکن افسوس ہے کہ میں زیادہ محنت کرنے کے قابل نہیں ہوں۔ سفر کرنے کے قابل نہیں ہوں۔ بہت مشکل سے یہاں پہنچا ہوں ـــ میں سب سے پہلے آپ کے سوالات کے جوابات دوں گا۔ پھر جو کچھ مجھے کہنا ہے وہ چند منٹوں میں عرض کر دوں گا۔ سوال و جواب کے طریقہ کو میں نے اس لیے پسند کیا ہے کہ جو باتیں آپ کے دل میں کھٹکتی ہیں پہلے وہ مجھے معلوم ہو جائیں اور میں ان کا جواب دے کر آپ کی تشفی کرنے کی کوشش کروں۔

سوال نمبر ۱ ـ سود کا مسئلہ

"کیا آپ سمجھتے ہیں کہ موجودہ زمانے کے بینکوں کا سود وہی چیز ہے جسے ربا کہا جاتا ہے؟ کیا مکان کا کرایہ سود پر قرض دینے سے مختلف کوئی چیز ہے؟ ایک ملک کی معیشت، مثلاً افراطِ زر، نفر ایلز زر اور قیمتوں وغیرہ کو سود کے تصور کے بغیر کنٹرول کیا جا سکتا ہے؟"

جواب :- سب سے پہلے آپ کو یہ جان لینا چاہیے کہ قرآن سود کا کیا تصور پیش کرتا ہے۔ اس میں بالکل واضح طور پر یہ بتا دیا گیا ہے کہ جو رقم کسی شخص نے قرض لی ہو اس سے زائد کوئی رقم اگر قرض دینے والا بطور شرط وصول کرتا ہے تو وہ "ربا" ہے۔ ایک اصولی بات ہے جو قرآن میں بیان کر دی گئی ہے اور یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ قرض دینے والے کو "راس المال" یعنی اپنے دیے ہوئے اصل مال سے زیادہ ایک پیسہ تک لینے کا حق نہیں ہے۔ اس معاملہ میں یہ بات خارج از بحث ہے کہ جو شخص سود پر قرض لے رہا ہے وہ آیا غریب ہے یا قرض اس غریب کے پیٹ سے رہا ہے کہ اس کو کاروبار میں لگائے یا صنعت میں یا کسی اور کام میں لگائے۔ ان حیثیتوں سے قرآن قطعی بحث نہیں کرتا بلکہ وہ اصل راس المال سے زیادہ وصول کرنے کو بجائے خود قطعی حرام قرار دیتا ہے۔ اس سلسلے میں مزید بات یہ سمجھ لیجیے کہ جو شخص قرض دیتا ہے وہ آخر پیشگی کیسے اندازہ لگا سکتا ہے کہ قرض لینے والا اس سے کتنا فائدہ اٹھائے گا، بلکہ کوئی فائدہ اٹھائے گا بھی یا نہیں یا الٹا نقصان اٹھائے گا۔ اس کو ان باتوں سے کوئی بحث نہیں ہے، وہ ایک مقررہ منافع اور قانونی طور پر محفوظ منافع لینے کا ہر حال میں حقدار ہے۔ قرض لینے والے نے مثلاً اگر کسی مُردے کو دفن کرنے کیلیے قرض لیا تھا، تب تو سود اس کے لیے خسارہ ہی خسارہ ہے۔ لیکن اگر اس نے کاروبار میں لگانے کے لیے لیا تھا تو اس کے لیے منافع ہی کو نہیں نقصان سے بچنے کی بھی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ محنت، ذہانت اور وقت سب کچھ وہ صرف کرتا ہے لیکن کاروبار کا سارا خطرہ (RISK) اس کے ذمہ ہے اور قرض دینے والے کے لیے ایک مقررہ منافع کی پوری ضمانت ہے۔ اس کو انصاف کون کہہ سکتا ہے؟۔

اب میں سوال کے دوسرے حصے کو لیتا ہوں۔ یعنی یہ کہ مکان کا کرایہ لینے اور قرض دیے ہوئے مال پر سود لینے میں کیا فرق ہے؟ اس سوال کو آپ صرف مکان کے کرایہ تک محدود کیوں رکھتے ہیں؟ اگر کوئی شخص ٹیکسی چلا رہا ہے اور اس کا کرایہ لے رہا ہے تو اس پر بھی یہی سوال کیجیے کہ کیا وہ روپیہ جو اس نے ٹیکسی خریدنے اور اس کے چلانے میں لگایا ہے وہ اس کا سود وصول نہیں کر رہا ہے؟ اسی طرح آپ ان تمام چیزوں کے بارے میں یہی سوال کر سکتے ہیں جو کرایہ پر دی جاتی ہوں، مثلاً فرنیچر وغیرہ۔ لیکن روپیہ قرض دینے اور مکان یا کسی دوسری چیز کو کرایہ پر دینے میں صریح فرق ہے۔ جو نقد روپیہ کسی کو دیا جاتا ہے وہ تو خرچ ہو جاتا ہے۔ اس نقد روپے میں کوئی ٹوٹ پھوٹ یا فرسودگی نہیں ہوتی۔ اس کی وصولی طلب تک جوں کی توں قائم رہتی ہے۔ لیکن مکان ہو یا کوئی اور چیز اس میں ٹوٹ پھوٹ بھی ہوتی ہے، استعمال سے فرسودگی بھی لاحق ہوتی ہے، مرمت کی ضرورت بھی پیش آتی ہے اور جس حالت میں کرایہ دار کوئی چیز لیتا ہے وہ اسی حالت میں اسے مالک کو واپس نہیں کرتا بلکہ کسی نہ کسی نقصان کے ساتھ واپس کرتا ہے۔ اس لیے چیز کا مالک اس پر کرایہ لینے کا جائز حقدار ہے۔ اس نوعیت کے کرائے کو روپے کے کرائے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے شریعت میں سود اور استعمالی اشیاء کے کرایے میں واضح فرق کر دیا گیا ہے۔

سوال کا آخری حصہ یہ ہے کہ سود کے بغیر ایک ملک کی معیشت کو کس طرح کنٹرول کیا جا سکتا ہے؟ یہ سوال ایک غلط فہمی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جب کسی غلط طریقہ پر دنیا کا نظام چل پڑتا ہے تو پھر آدمی کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے بغیر نظام کیسے چل سکتا ہے؟ اس طرح کے نظام میں خرابی بس یہی ہے ورنہ اسلام نے صدیوں تک دنیا کے بڑے حصہ پر حکومت کی ہے۔ صدیوں تک اس کے تحت اندرونی تجارت چلتی رہی ہے۔ مالی معاملات چلتے رہے ہیں صنعتیں چلتی رہی ہیں ہر قسم کا لین دین ہوتا رہا ہے۔ مگر کبھی سود لینے یا دینے کا سوال پیدا نہیں ہوا۔ یہ سودی نظام جس طرح موجودہ نظام مالیات پر مسلط ہوا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے یورپ میں یہودیوں نے سودخواری شروع کی۔ کلیسا ابتداء میں

خرابیاں پیدا کر رہے ہیں۔ یہ خرابیاں کس طرح سوسائٹی کا
یاناس کر رہی ہیں۔ جرائم بڑھا رہی ہیں۔ خاندانی نظام کو
کر رہی ہیں۔ نئی نسلوں کو بگاڑ رہی ہیں۔ اخلاقی قدروں کا
کر رہی ہیں اور بدکرداری کا طوفان برپا کر رہی ہیں —
فی نظام کو تباہ کر رہی ہیں۔ نئی نسلوں کو بگاڑ رہی ہیں۔
قدروں کا خاتمہ کر رہی ہیں اور بدکرداری کا تازہ طوفان
رہی ہیں جو اس سے پہلے بہت سی تہذیبوں کو غارت
ہے۔ یہ ساری چیزیں اب اس قدر عیاں ہو چکی ہیں کہ
نشاندہی کرنے میں آپ کو کوئی مشکل پیش نہیں آسکتی
پیش کرکے آپ انھیں گردوپیش کے لوگوں کو سمجھا سکتے ہیں
کی اصل وجہ خدا سے اور اس کی بھیجی ہوئی ہدایت سے اور
ت کی جوابدہی کے احساس سے غافل ہوجانا ہے۔ اس
ت کو جب آپ معقول دلائل و شواہد کے ساتھ پیش کریں گے
سا کچھ لوگ آپ کو ایسے مل جائیں گے جو ان کی صداقت کو تسلیم کریں گے
یں بھی اسی طرح ہوا تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
ی کی طرف دعوت دی تو پہلے چند آدمیوں ہی نے اس کو مانا تھا
آدمی جب آپ کو مل جائیں تو انھیں ایک منظم جماعت بنائیے
ن کے ذریعے سے دعوت کو مزید پھیلائیے۔ جتنے لوگ اس
ت کو قبول کرتے جائیں گے وہ اس جماعت میں شامل
تے چلے جائیں گے۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آئے گا
س سوسائٹی کو عملاً تبدیل کر دینا ممکن ہوگا۔ اس کے لیے
چاہیے مسلسل محنت چاہیے۔ عقلمندی کے ساتھ کام کرنا
یے ———— اور اس بات کی فکر
چاہیے کہ ہم کو اس میں کامیابی ایک صدی میں ہوگی یا دو
میں ہوگی۔

ال نمبر ۳۔ حرام مال سے خیرات

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جس نے جمع کیا مال
سے اور پھر اس کو صدقہ دیا تو اس کے لیے کوئی اجر نہیں
کا اجر اس کو جائے گا جس کا مال اس شخص نے چرالیا اور
دقہ کر دیا"۔

اس حدیث کی رو سے یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ وہ بینک
سے سود لے اور پھر غریبوں میں تقسیم کر دے؟ میں سمجھتا ہوں
کہ شاید آپ نے اس فعل کو کسی عارضی حل کے طور پر پیش کیا ہوگا
کیا آپ اس کی وضاحت فرمائیں گے؟"

جواب :- میں بارہا اس بات کو واضح کر چکا ہوں
کہ بینک کے سودی اکاؤنٹ میں اس غرض سے روپیہ رکھنا کہ جو
سود اس سے وصول ہوگا اس کو غریبوں میں تقسیم کر دیا جائے گا
بالکل ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص جیب اس لیے کاٹے کہ جو روپیہ
اسے ملے گا اس کو وہ کسی یتیم یا کسی بیوہ کو دے دیگا۔ جس طرح
جیب کاٹ کر خیرات کرنا غلط ہے اسی طرح بینک سے سود لے کر
خیرات کرنا بھی غلط ہے۔ میری جس بات کا حوالہ آپ دے رہے
ہیں وہ دراصل یہ ہے کہ اگر آپ غلطی سے بینک کے سودی
حساب میں روپیہ رکھ چکے ہوں اور اس پر آپ کو سود مل گیا ہو
تو اس کو خود نہ استعمال کیجیے بلکہ غریبوں کو دیدیجیے۔ یہ بات
میں اس وجہ سے کہتا ہوں کہ سود کے ذریعے سے جو روپیہ آتا
ہے وہ صرف اسی شخص کے لیے حرام ہے جس نے سودی حساب
میں روپیہ رکھا اور اس کو وصول کیا۔ لیکن اگر وہ شخص کسی اور
آدمی کو یہ روپیہ ہبہ کر دیتا ہے۔ یا کسی چیز کی اجرت یا قیمت میں
دے دیتا ہے تو اس شخص کے لیے یہ حرام نہیں ہے۔ کیونکہ
اس کو جائز طریقہ سے یہ روپیہ ملا ہے اور سود لینے والے کے
پاس یہ ناجائز طریقہ سے آیا تھا۔ مثال کے طور پر سود لینے والا
آدمی اگر کسی ٹیکسی پر سوار ہوتا ہے اور ٹیکسی والے کو اجرت دیتا
ہے تو وہ روپیہ ٹیکسی والے کے لیے حرام نہیں ہے۔ البتہ اس
شخص کے لیے حرام ہے جس نے سودی روپے سے ٹیکسی پر سفر
کیا۔ اسی طرح اگر وہ کسی کو ہبہ کر دیتا ہے یا صدقہ کر دیتا ہے
تو یہ ایک شخص سے دوسرے کی طرف منتقل ہونے کی جائز
صورتیں ہیں۔ اس لیے صدقہ یا ہبہ لینے والے کے لیے یہ روپیہ
حرام نہیں ہے۔

سوال نمبر ۴۔ جماعت اسلامی جمہوری طریق کار کیوں اختیار کرتی ہے؟

— "پاکستان کی جماعت اسلامی

نے اقتدار کی منزل تک پہنچنے کے لیے جمہوری طریقہ اختیار کیا ہے، یعنی ایک مغربی طرز کے جمہوری نظام میں مغربی طرز کے انتخابات کے ذریعہ سے اکثریت حاصل کرنا۔ دعوت اسلامی کے لیے اس طریقہ کے موافق و مخالف دلائل کیا ہیں! کیا جماعت نے اس سے پہلے کی تحریکوں کے تجربات سے اس معاملہ میں کوئی فائدہ اٹھایا ہے اور کس طرح؟ ایسے حالات میں دعوت کے لیے کیا طریق کار مناسب ہوگا جہاں کے حکمران بالکل مطلق العنان ہیں اور بنیادی انسانی حقوق تک کا کوئی لحاظ نہیں کرتے۔"

جواب:- یہ بھی ایک بڑی تفصیل طلب بحث ہے مگر میں اختصار کے ساتھ آپ کے سوال کا جواب دوں گا۔ جماعت اسلامی جس ملک میں کام کر رہی ہے اس کے حالات کے لحاظ سے اس نے اپنا طریق کار اختیار کیا ہے۔ کوئی دوسرا آدمی جو اسلامی دعوت کے لیے کسی اور ملک میں کام کر رہا ہو اس کے لیے ضروری نہیں کہ وہ ہمارے طریقے کی پیروی کرے وہ اپنے ملک کے حالات کے لحاظ سے کوئی دوسرا طریق کار اختیار کر سکتا ہے۔ ہم اس کے لیے یہ لازم نہیں کر سکتے کہ وہ ہمارے ہی طریقے کی پیروی کرے۔ ہم اپنی جگہ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی حکومت قائم کرنے کے لیے کسی قسم کی خفیہ تحریک کا طریقہ اختیار کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے نتائج اچھے نہیں ہوتے۔ ہم اس کو بھی صحیح نہیں سمجھتے کہ کسی طرح کی سازشیں کرکے کوئی فوجی انقلاب لانے کی کوشش کی جائے اور اس طریقے سے اسلامی حکومت قائم کی جائے کیونکہ اس کا نتیجہ پھر یہ ہوگا کہ جس طرح ایک سازش کے نتیجے میں اسلامی حکومت قائم ہوگی، اسی طرح ایک دوسری سازش کے نتیجے میں اس کا تختہ الٹ کر کوئی اور حکومت قائم ہو جائے گی۔ ہمارے نزدیک صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ایک کھلی اور علانیہ دعوت سے اپنا ہم خیال بنائیں اس میں وقت کی حکومت خواہ کتنی ہی رکاوٹیں ڈالے، ہر طرح کی تکلیفوں کو، ہر طرح کے نقصانات کو، ہر طرح کی سزاؤں کو برداشت کر لیا جائے اور اپنی دعوت کو برابر جاری رکھا جائے یہاں تک کہ زیادہ سے زیادہ لوگ ہمارے ہم خیال ہو جائیں جب لوگ ہمارے ہم خیال ہو جائیں گے تو ہم انشاء اللہ جمہوری طریقے سے ہی اپنے ملک میں اسلامی انقلاب لے آئیں گے۔

سوال نمبر ۵۔ کیا زکوٰۃ انکم ٹیکس ہے؟

"کیا زکوٰۃ ایک طرح کا انکم ٹیکس ہے؟ کیا ہم زکوٰۃ کو فلاح عامہ کے کاموں مثلاً مدارس اور ہسپتالوں کے لیے استعمال نہیں کر سکتے؟"

جواب:- زکوٰۃ کو ٹیکس قرار دینا سرے سے ہی غلط ہے۔ وہ تو اس طرح ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے جس طرح نماز ایک رکن ہے، حج ایک رکن ہے، روزہ ایک رکن ہے۔ زکوٰۃ انہی عبادتوں کی طرح ایک عبادت ہے اور اس عبادت کو مقرر کرنے کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اس کے مصارف بھی متعین کر دیے ہیں جن کے سوا کسی اور مصرف میں اسے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ آپ جتنے ٹیکس دیتے ہیں خواہ وہ انکم ٹیکس ہو یا کسی اور قسم کا ٹیکس، ہر ایک کا نفع آپ کی طرف پلٹ کر آتا ہے۔ لیکن زکوٰۃ ایک ایسی چیز ہے جس کا نفع آپ کی طرف آخرت میں پلٹ کر آئے گا۔ اس دنیا میں کسی طور پر بھی اس کی منفعت حاصل ہونے کی امید پر آپ زکوٰۃ دیں گے تو اسے ضائع کر دیں گے۔ اس دنیا میں آپ بس خدا کے بتائے ہوئے حق داروں کو زکوٰۃ دے دیجیے اور سمجھ لیجیے کہ یہ نیکی خدا کے دفتر میں درج ہوگئی۔ اگر آپ اس سے سڑکیں بنائیں گے یا ریلیں بنائیں گے یا مدرسے اور ہسپتال بنائیں گے تو ان سے امیر اور غریب سب فائدہ اٹھائیں گے۔ درانحالیکہ زکوٰۃ غریبوں کے لیے ہے، امیروں کے لیے نہیں ہے۔ ان چیزوں سے آپ خود بھی فائدہ اٹھائیں گے، درانحالیکہ زکوٰۃ سے آپ کو خود فائدہ اٹھانے کا حق نہیں پہنچتا۔ اس لیے زکوٰۃ کو صرف عبادت سمجھ کر ادا کیجیے۔

کہ کن اسلام سمجھیے۔ انکم ٹیکس نہ سمجھیے۔ ٹیکس کی خاصیت
تی ہے کہ خواہ کتنے ہی انصاف کے ساتھ لگایا جائے
تنی ہی ایمانداری سے وصول اور خرچ کیا جائے، بہرحال
لوگوں پر اس کا بار پڑتا ہے وہ کبھی اس کو خوش دلی سے
ں دیتے بلکہ اس سے بچنے کی بے شمار راہیں تلاش کرتے
۔ اب کیا خدا کی فرض کی ہوئی ایک عبادت کو بھی
س سمجھ کر اس کے ساتھ آپ یہی سلوک کرنا چاہتے ہیں؟
مرزِ عمل آپ زکوٰۃ کے ساتھ اختیار کریں گے تو اپنے
ں کے ساتھ اپنے ایمان کو بھی کھو دیں گے۔ یہ تو وہ چیز
ے جو خوش دلی سے دینی چاہیے۔ جتنی آپ پر واجب ہو
اس سے بھی کچھ بڑھ کر دینا چاہیے تاکہ خدا کی خوشنودی
زیادہ حاصل ہو سکے۔

وال نمبر ۶ ۔ انشورنس

”کیا آپ صحت، زندگی، یا حادثات سے بیمے کو ایک طرح کا بیت المال نہیں سمجھتے؟ اس میں تو ہر شخص جو اپنے آپ کو انشور کراتا ہے وہ ایک طرح کا چندہ دیتا ہے، اور حاجت مند اس کا فائدہ حاصل کرتے ہیں۔“

جواب:- آپ نے تو انشورنس کا کاروبار کرنے
وں کو بالکل جنت ہی میں پہنچا دیا۔ یہ غلط فہمی آپ کو کہاں
ے لاحق ہو گئی کہ یہ ایک بیت المال ہے جس میں مالدار
چندہ دیتا ہے اور حاجت مند لوگ اس کا فائدہ اٹھاتے
ں؟ حالانکہ یہ ایک باقاعدہ کاروباری بزنس ہے جس کو
رمایہ دار اپنے فائدہ کے لیے چلاتے ہیں نہ کہ آفت رسیدہ
وں کے فائدہ کے لیے۔ سرمایہ داروں نے سارے
اشرے کی بچتیں (SAVINGS) کھینچ کر اپنے قبضہ
مالے لینے کے لیے دو طریقے اختیار کیے ہیں۔ ایک بینک
ود کا لالچ دے کر لوگوں سے بچے ہوئے مال (SAVINGS)
ے قبضہ میں لیتا ہے اور دوسرے انشورنس کمپنی، جو لوگوں کو
صانات کی صورت میں مدد دینے کا لالچ دے کر پریمیم کی صورت
میں ان کا سرمایہ اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ ان دو طریقوں سے تمام قوم کے بچے ہوئے مال ان سرمایہ داروں کے پاس جمع ہو جاتے ہیں اور پھر یہ اپنی شرائط پر اس ساری دولت کو معاشرے کے ان کاموں میں لگاتے ہیں جو ان کے لیے زیادہ سے زیادہ مفید ہوں بینک کی طرح انشورنس کمپنی بھی کوئی فلاح عام کا ادارہ نہیں ہے کمپنی والے پورا حساب لگا کر دیکھتے ہیں کہ جتنے لوگ ہم سے انشور کراتے ہیں ان سے ہم کو پریمیم کتنا وصول ہوگا اور کتنے نقصانات کی تلافی کرنے کے لیے ہم کو کتنی رقم دینی ہوگی۔ اس حساب سے وہ یہ اندازہ کر لیتے ہیں کہ کتنا نفع ہم کو حاصل ہوگا۔ جب تک انھیں بھاری نفع کی امید نہ ہو وہ انشورنس کا کاروبار ہرگز نہیں کر سکتے۔ اب آپ خود بتائیے کہ اگر وہ آپ کے ایسے ہی خیرخواہ ہیں اور خدمت خلق ہی کے لیے کام کر رہے ہیں تو اتنے بھاری منافع کیسے کماتے ہیں؟ اتنی عظیم الشان کوٹھیاں کیسے بناتے ہیں؟ اتنے عالی شان دفتر کیسے قائم کرتے ہیں؟ اتنی بڑی بڑی تنخواہوں والے ملازم اور ایجنٹ کیسے رکھتے ہیں؟ کیا یہ سب کچھ اپنی جیب سے خیرات کے طور پر ہو رہا ہے۔ آپ کی جیب سے وصول کیا جاتا ہے؟ یہ بیت المال نہیں ہے، محض ناجائز نفع اندوزی ہے۔

سوال نمبر ۷۔

امریکہ اور کینیڈا میں مسلمان بچوں کی تعلیم کا مسئلہ

”جماعت اسلامی امریکہ اور کینیڈا میں ہمارے بچوں کی تعلیم کے لیے نصابی کتابیں کس طرح فراہم کر سکتی ہے؟“

جواب:- جماعت اسلامی اس خدمت کی خواہشمند ہے۔ آپ اس کو بتائیں کہ آپ کس قسم کے لٹریچر کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ میں تو اب واپس جا رہا ہوں۔ آپ اپنی ضروریات سے مرکز جماعت اسلامی لاہور کو آگاہ کریں اور تفصیل سے بتائیں کہ آپ کو کس طرح کا لٹریچر درکار ہے۔ انشاء اللہ ہم اسے فراہم کریں گے۔ یا اگر وہ موجود نہ ہوگا تو تیار کرائیں گے اور یا تو خود چھپوائیں گے یا آپ کو بھیج دیں گے تاکہ آپ خود چھپوا لیں۔

سوال نمبر ۸
ترقی یافتہ قوموں کے لیے اسلام میں کشش کیا ہے؟

"ایک غیر مسلم کے لیے اسلام میں کیا کشش ہے جب کہ
اچھے کیریکٹر کے لوگ غیر مسلموں میں بھی پائے جاتے ہیں
اور مسلمان تو آج کی دنیا میں ایک شکست خوردہ قوم
سمجھے جاتے ہیں"۔

جواب: — ایک غیر مسلم کے سامنے اسلام بحیثیت ایک دین کے آئے تو اس کو یہ دیکھنا چاہیے کہ پیش کیا چیز کی جا رہی ہے اور آیا وہ حق ہے یا نہیں؟ اگر وہ مطمئن ہو جائے کہ جو چیز میرے سامنے پیش کی جا رہی ہے وہ حق ہے تو اسے قبول کرنا چاہیے اور افسوس کرنا چاہیے۔ اس شخص کے حال پر جو حق اس کے سامنے پیش کر رہا ہے مگر خود اس کی پیروی نہیں کر رہا۔ اسے پیش کرنے والے کو اس بات پر شرم دلانی چاہیے اور خود اس چیز کی پیروی اختیار کرنی چاہیے جسے وہ حق سمجھتا ہے۔ یہ کوئی بات نہیں ہے کہ ہم مسلمان چونکہ ایک شکست خوردہ قوم ہیں، اس لیے ہماری پیش کردہ وہ اسلامی تعلیمات کو دنیا قبول نہیں کرے گی۔ مسلمان آج اتنے شکست خوردہ تو نہیں ہیں جتنے تاتاری حملے کے وقت ہوئے تھے۔ ان وحشیوں نے اس وقت ہمارے بڑے بڑے مراکز تہذیب و تمدن کو برباد کر دیا تھا۔ بڑی بڑی لائبریریاں تباہ کر دی تھیں۔ لاکھوں مسلمانوں کو قتل کر دیا تھا۔ اور ماوراء النہر سے لے کر مصر کے قریب تک ساری اسلامی دنیا کو تہس نہس کر ڈالا تھا۔ لیکن وہی تاتاری جنھوں نے مسلمانوں پر اس طرح سے غلبہ حاصل کیا تھا، آخر کار خود مسلمان ہو گئے۔ انھوں نے اسی شکست خوردہ قوم کے دین کو قبول کر لیا جس نے ان کے ہتھیار ڈالے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا ایک شکست خوردہ قوم ہونا اس امر میں مانع نہیں ہے کہ آپ دنیا کے سامنے اسلام پیش کریں۔ اسلام کو معقول طریقے سے پیش کیجیے کہ آپ کی زندگی بھی اس کے مطابق ہو تاکہ لوگوں کے سامنے آپ اپنی بری مثال پیش نہ کریں۔ لیکن اگر فرض کیجیے کہ آپ اپنی زندگی نہیں بدلتے تو پھر بھی اسلام کو اس کی اصل صورت میں اللہ کے بندوں تک پہنچانے میں کوتاہی نہ کیجیے۔ کوئی معقول آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں ایک حق بات کو اس لیے قبول نہیں کرتا کہ اس کا پیش کرنے والا خود اس پر نہیں چل رہا ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی لوگوں کے سامنے حفظانِ صحت کے اصول بیان کر رہا ہو اور یہ بتا رہا ہو کہ تمہاری صحت ان اصولوں کی پیروی کرنے سے ٹھیک رہ سکتی ہے، اور سننے والا یہ دیکھے کہ یہ شخص خود حفظانِ صحت کے اصولوں کی خلاف ورزی کر کے اپنی صحت خراب کر رہا ہے، تو وہ یہ دلیل نہیں دے سکتا کہ چونکہ تم خود ان اصولوں کی خلاف ورزی کر کے اپنی صحت بگاڑ رہے ہو اس لیے میں بھی حفظانِ صحت کے یہ اصول قبول نہیں کرتا۔ معقول آدمی تو ایسی بات کبھی نہ کہے گا۔

سوال نمبر ۹
اسلام کی ابتدا غربت سے ہونے کا مطلب

"اس حدیث کا کیا مطلب ہے قال رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم بدأ الاسلام
غریبًا وسیکون غریبًا فطوبیٰ للغرباء
اسلام کی ابتدا غربت سے ہوئی اور پھر ایک وقت
آئے گا کہ وہ پھر غریب ہو جائے گا۔ پس خوشخبری
ہو غرباء کے لیے"۔

جواب: — اس حدیث کو سمجھنے میں لوگوں کو جو مشکل پیش آتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ لفظ غریب کو اردو محاورے کے مطابق مفلس کے معنی میں لے لیتے ہیں۔ حالانکہ غریب کا لفظ عربی زبان میں اجنبی اور نامانوس چیز کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اردو میں بھی جب ہم عجیب و غریب بولتے ہیں تو اس کے معنی قریب قریب وہی ہوتے ہیں جو عربی میں لفظ غریب کے ہیں۔ ہر وہ شخص یا کام یا چیز غریب ہے جس سے لوگ آشنا نہ ہوں۔ جسے نرالا سمجھ کر لوگ اس سے گھبراتے ہوں، جو ان کے ذوق اور پسند کے مطابق نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اسلام جو پہلی بار اول پیش کیا گیا تو عموماً لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ ایک نرالی بات کہی جا رہی ہے۔ ہم تو بالکل اس سے مانوس نہیں ہیں۔ ہمارے باپ دادا اسنے

کبھی ایسی باتیں نہیں سنی تھیں۔ پس اسلام ابتدا میں بالکل اجنبی تھا اور لوگ اس کو ایک نرالی اور ناموافق مزاج چیز سمجھتے تھے۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ اسلام ہی مقبول عام ہوگیا اور ہر وہ چیز اجنبی ہوگئی جو اسلام کے خلاف تھی۔ اس کے بعد ایک وقت پھر ایسا آئے گا جب اسلام دنیا میں غریب ہو جائے گا۔ یعنی اسی طرح سے غیر مانوس اور اجنبی ہوگا جس طرح وہ ابتدا میں تھا، اور وہ وقت یہی ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ آج ایک مسلمان لوگوں کے سامنے نماز پڑھتے ہوئے شرماتا ہے۔ اپنے اسلامی لباس میں چلتے پھرتے شرم محسوس کرتا ہے۔ ایک مسلمان عورت اسلامی احکام کی اطاعت میں زندگی بسر کرتے ہوئے شرم محسوس کرتی ہے۔ گناہ کرنے والا آج جری اور بے باک ہے اور ایک صالح مسلمان کی سی زندگی بسر کرنے والا اپنی جگہ خوف زدہ بیٹھا ہوا ہے کہ معلوم نہیں کہ میں سوسائٹی میں کیسے قبول کیا جاؤں گا۔ اس کا جینا مشکل ہے۔ ہر چیز اس کے مزاج کے خلاف ہے۔ ہر چیز ان اصولوں کے خلاف ہے جن کو وہ حق مانتا ہے۔ وہ سب کچھ دنیا میں دھڑلے سے ہو رہا ہے جس کے متعلق اس کا عقیدہ ہے کہ یہ بے حیائی ہے، فحش ہے، بے شرمی ہے، گناہ ہے، حرام ہے۔ جن چیزوں کو وہ سمجھتا ہے کہ یہ فرض ہیں ان کو بجا لانا مشکل ہو رہا ہے اور جن چیزوں کو وہ سمجھتا ہے کہ یہ حلال ہیں ان کا استعمال اس کے لیے دشوار ہو رہا ہے یہی وہ وقت ہے جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ اسلام ایک دفعہ پھر غریب اور نامانوس ہو کر رہ جائے گا اور ایسے ہی حالات کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا ہے کہ خوشخبری ہے غریبوں کے لیے، یعنی ان لوگوں کے لیے جو ایسے حالات پیدا ہو جانے کے بعد بھی اسلام کے اصولوں پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیں اور اس کی کچھ پروا نہ کریں کہ دنیا کیا کہتی ہے۔ دنیا ان کا مذاق اڑائے یا ان پر ہنسے، یا ان کی تذلیل و تحقیر کرے، وہ بہرحال اسلام کے اصولوں سے نہ ہٹیں اور اجنبی بن کر رہ جانا قبول کر لیں۔ ان کے لیے حضورؐ نے جو خوشخبری دی ہے وہ آخرت میں کامیاب ہونے کی بشارت تو بہرصورت ہے، خواہ دنیا میں وہ کامیاب ہوں یا نہ ہوں۔ مگر یہ دنیا میں بھی کامیاب ہونے کی بشارت ہو سکتی ہے، اگر ایسے "غریب" لوگ مل کر ایک مضبوط اور منظم جماعت بن جائیں اور اسلام کے اصولوں کو غالب کرنے کے لیے اسی طرح جان لڑا دیں جس طرح ابتدائے اسلام میں اہل ایمان نے اپنی جانیں لڑائی تھیں۔ اس صورت میں ان کے لیے خوشخبری یہ ہے کہ آخر کار اسلام کی غربت ختم ہو جائے گی اور وہ پھر دنیا میں ایک غالب قوت بن جائے گا اس تشریح سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اسلام کی غربت کے زمانے میں غریب بن کر رہ جانے والوں کے لیے ہر حال میں بشارت ہی بشارت ہے، خواہ وہ دنیا میں اکیلے غریب رہ جائیں یا اس غربت کی حالت میں منظم ہو کر دنیا کی غالب جاہلیت سے لڑیں اور اس پر اسلام کو غالب کرنے کے لیے اپنی تمام کوششیں صرف کر دیں، یا اس کوشش میں لڑتے لڑتے شہید ہو جائیں۔

سوال نمبر ۱۔ ترقی کا صحیح مفہوم

"اگر ہم زمانے کا ساتھ نہ دیں تو ترقی کیسے کر سکتے ہیں، اس صورت میں تو ہم دنیا سے پیچھے رہ جائیں گے"

جواب: ۔ اس سے پہلے ایک حدیث کی تشریح میں جو کچھ میں نے کہا ہے اس میں اس سوال کا جواب پوری طرح آگیا ہے۔ ایک بگڑی ہوئی سوسائٹی کے اندر شراب اور زنا اور جوا تو حلال و طیب ہو جاتے ہیں کہ علی الاعلان ان کے ارتکاب میں بھی کوئی قباحت محسوس نہیں کی جاتی بلکہ ان پر اعتراض کرنے والا الٹا نکو بن جاتا ہے۔ ان سے بھی آگے بڑھ کر ایسے گھناؤنے افعال بھی جن کا نام لیتے ہوئے شرم آتی ہے، کھلے بندوں کیے جاتے ہیں، یہاں تک کہ پوری بے باکی کے ساتھ ان کو جائز کر دینے کا مطالبہ صرف کیا ہی نہیں جاتا بلکہ مان بھی لیا جاتا ہے۔ ایسے حالات میں ایک مسلمان کا یہ کام نہیں ہے کہ غلط قسم کی ترقی (PROGRESS) میں اپنے آپ کو بھی شامل کر لے۔ ترقی یافتہ قوموں کا ہر فعل ترقی نہیں ہے۔ ترقی دراصل ایک اضافی اصطلاح (TERMRELATIVE) ہے۔ ہر شخص یا گروہ اپنے سامنے جو ہدف (GOAL) رکھتا ہے، اس کی طرف پیش قدمی کو وہ

ترقی [illegible] ہے۔ ضروری نہیں کہ وہی ہدف ہمارا بھی ہو جو اس کا ہے ہم اگر اس ہدف کو غلط سمجھتے ہیں تو اس کی طرف جتنی پیش قدمی بھی ہم کریں گے وہ ہمارے لیے ترقی نہیں ہوگی بلکہ الٹی رجعت ہوگی اور ہم اپنے ہدف سے دور تر ہوتے چلے جائیں گے۔ اب آپ خود دیکھ لیں کہ کیا مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا بھی وہی ہدف ہے جس کی طرف دنیا کی یہ بگڑی ہوئی قومیں چلی جارہی ہیں؟ اگر ہمارا یہ ہدف نہیں ہے تو اس کی طرف پیش قدمی ہمارے لیے ترقی کیسے ہو سکتی ہے۔ ہم ایک خدا اور ایک رسول اور ایک کتاب [illegible] ماننے والے ہیں اور ہمارا ہدف نیکی اور تقویٰ کی زندگی ہے جو آخرت میں ہم کو فلاح و سعادت سے ہمکنار [illegible] ہمارے دین نے ہم کو مستقل قدریں (S[illegible]ERMANT VALUES) دی ہیں جو کبھی بدل نہیں سکتیں۔ جو کچھ حرام ہے وہ ہمیشہ کے لیے حرام ہے، اسے حلال نہیں کیا جا سکتا۔ ہم ان قوموں کی طرح نہیں ہیں جن کی قدریں روز بدلتی ہیں۔ آج جو نیکی ہے کل [illegible] بدی بن جاتی ہے، اور آج جو حرام ہے کل وہ حلال ہو جاتا ہے ایسی ناپائیدار قدروں کو ہم کیسے قبول کر سکتے ہیں۔ ہمارا یہ کام نہیں ہے کہ دنیا جس طرف جارہی ہو ہم بھی اسی طرف جائیں ہمارا کام یہ ہے کہ اگر دریا غلط راستہ کی طرف بہہ رہا ہو تو ہم اس کا رخ [illegible] دیں، یا اگر اس کا رخ پلٹ نہ سکیں تو اس کی رو کے خلاف چلیں۔ اس کی رو کے خلاف چل کر اپنے ہاتھ پاؤں توڑ لیں [illegible] دراس کے بھنور میں آکر ڈوب جانا اس سے بہت [illegible] ہم اس کے ساتھ بہتے ہوئے اپنی منزل سے دور ہوتے چلے جائیں۔

سوال نمبر ۱۱ - پردہ مغربی معاشرے میں۔

"پردے کے اصطلاحی پہلو کے بارے میں اسلام کا قاعدہ کیا ہے؟ آپ مغربی دنیا میں اس پر کیسے عمل کر سکتے ہیں؟ مردوں اور عورتوں کے مخلوط اجتماعات کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟"

جواب: - آپ لوگ اس بارے میں میرے خیالات جانتے ہوں گے، میری کتاب پردہ اردو، عربی اور انگریزی میں شائع ہو چکی ہے۔ تفسیر سورۂ نور میں بھی اس کی پوری وضاحت کر چکا ہوں اور یہ بھی اردو اور عربی میں شائع شدہ موجود ہے۔ سورۂ احزاب کی تفسیر اگرچہ دوسری کسی زبان میں شائع نہیں ہوئی مگر اردو میں تو شائع ہو چکی ہے، اس کے بعد میں نہیں سمجھ سکا کہ یہاں یہ سوال کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی۔ یہ بات سب لوگوں کو معلوم ہونی چاہیے کہ اسلام عورتوں اور مردوں کے آزادانہ میل جول [illegible] اور مخلوط سوسائٹی (SOCITY MIXED) کا قطعی قائل نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ [illegible] عورتوں نے یہ چاہا کہ انھیں مسجد نبوی میں [illegible] پڑھنے کی اجازت دی جائے تو آپ نے انھیں منع نہیں کیا مگر فرمایا کہ تمہارا اپنے گھر میں نماز پڑھنا میری مسجد میں آکر پڑھنے سے بہتر ہے۔ اور تمہارا اپنے گھر کے اندر کسی حجرے میں پڑھنا اپنے گھر کے دالان میں پڑھنے سے بہتر ہے۔ پھر جب عورتوں نے اس شوق کا اظہار کیا کہ وہ آپ کے پیچھے نماز باجماعت میں شریک ہوں تو آپ نے صرف صبح اور عشاء کے وقت آنے کی اجازت دی۔ ان کے آنے جانے کے لیے الگ دروازہ مخصوص کر دیا، اور ان کے لیے مردوں کی صفوں کے پیچھے کی صفیں [illegible] فرمائیں۔ اس زمانے میں صبح کی نماز ایسے وقت ختم ہوتی تھی جب نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے واپس جاتے وقت بھی اتنا اندھیرا ہوتا تھا کہ ایک دوسرے کو پہچانا نہیں جا سکتا تھا۔ عشاء کی نماز میں شریک ہونے کی اجازت بھی اس لیے دی گئی تھی کہ اس زمانے میں بجلی کی روشنی نہیں ہوتی تھی اس لیے پیچھے کی صفوں میں کھڑی ہونے والی عورتیں چھپی رہتی تھیں پھر حکم یہ تھا کہ نماز ختم ہونے کے بعد مرد بیٹھے رہیں اور جب عورتیں چلی جائیں اس وقت اٹھیں۔ جس مذہب کی یہ تعلیمات ہوں اس کے متعلق آپ یہ سوچتے ہیں کہ وہ عورتوں اور مردوں کے مخلوط اجتماعات کی اجازت دیتا ہے؟ اب اگر آپ ایسی جگہ آگئے ہیں جہاں اس غلط طریقے کا رواج عام ہے تو خدا کے لیے جو کچھ آپ کو کرنا ہے کریں، اس کو اسلامی تعلیمات [illegible] ثابت کرنے کی کوشش نہ کریں۔ شریعت کے تابع آپ نہیں رہ سکتے تو شریعت کو اپنا تابع تو نہ بنائیے۔ جو کچھ آپ کرتے جائیں شریعت بھی اس کی اجازت دیتی چلی جائے [illegible] مغرب کی اس سوسائٹی کے رنگ ڈھنگ [illegible] اختیار کر [illegible] گمراہ آپ کو گناہگار

سمجھ کر کیجیے۔

اسی پچھلے سوال کے سلسلہ میں ایک اور بات آپ سے کہنا چاہتا ہوں۔ اگر یہ سوال کوئی شخص مجھ سے پاکستان میں یا کسی دوسرے مسلمان ملک میں کرتا تو اس کی وجہ کچھ سمجھ میں بھی آسکتی تھی۔ لیکن یورپ، امریکہ یا کینیڈا میں جو لوگ رہتے ہیں ان کا ایسے سوال کرنا بہت ہی عجیب معلوم ہوتا ہے۔ آپ آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اختلاط مرد وزن کیا رنگ دکھا رہا ہے، کیسی کیسی اخلاقی خرابیاں یہاں امنڈ رہی ہیں۔ کس طرح خاندانی نظام تباہ ہو رہا ہے، کس طرح اسقاط حمل (ABORTION) کا رواج بڑھ رہا ہے، اسے قانونی جواز عطا کیا جا رہا ہے اور کہا جا رہا ہے کہ عورت کو اس کا ویسا ہی حق ہے جیسا ایک دانت نکلوانے کا اسے حق ہے۔ کس طرح نوبت یہاں تک پہونچ گئی ہے کہ خواہشات نفس کو پورا کرنے کی جو طبعی صورتیں تھیں ان سے لوگوں کے دل بھر گئے ہیں اور اب وہ طرح طرح کے گھناؤنے خلاف فطرت افعال (PERVERSIONS) کی طرف مائل ہوتے جا رہے ہیں، بلکہ اس قسم کے افعال بھی بے تحاشا وبا کی طرح پھیل رہے ہیں۔ عریانی کس شدت سے بڑھ رہی ہے۔ نیم برہنہ نوجوان جوڑے کس بے شرمی کے ساتھ بر سر عام بوس وکنار کر رہے ہیں۔ حرامی بچوں کی تعداد کس رفتار سے بڑھ رہی ہے اور حلالی بچوں کی پیدائش کو کس طرح روکا جا رہا ہے۔ یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد تو آپ کو سمجھنا چاہیے تھا کہ آپ کے اوپر خدا اور رسول کا یہ احسان عظیم تھا کہ اس نے اخلاقی تباہی کے اس گڑھے میں گرنے سے پہلے ہی اس راستے کے اولین قدم پر آپ کو روک دیا جو اس گڑھے کی طرف لے جانے والا تھا۔ یہاں جو شخص اختلاطِ مرد وزن کے جواز کا فتویٰ پوچھتا ہے، مجھے اس پر سخت حیرت ہوتی ہے۔

سوال نمبر ۱۲۔ فلاحی ریاست کا اسلامی تصور

"اسلام میں محاصل (TAXATION) کا کیا تصور ہے؟ ایک فلاحی ریاست اسلام کا معاشی نظام اختیار کرنے کے بغیر نہیں بن سکتی۔ مگر جماعت اسلامی نے کبھی اس کو نمایاں کر کے پیش نہیں کیا۔"

جواب:- میں نہیں سمجھتا جن صاحب نے یہ سوال کیا ہے انہوں نے میری اور جماعت اسلامی کی شائع کردہ کتابوں اور جماعت کے منشور کو کبھی دیکھا ہے اگر انھوں نے یہ چیزیں دیکھی ہوتیں تو شاید یہ بات نہ کہتے کہ جماعت نے اسلام کے معاشی نظام کو پیش نہیں کیا ہے اور نہ یہ بتایا ہے کہ اسلام کس طرح ایک فلاحی ریاست (STATEWELFARE) بناتا ہے ان کی غلط فہمی رفع کرنے کے لیے میں عرض کر ہم نے وضاحت کے ساتھ یہ بیان کیا ہے کہ اسلام ہی ایک صحیح قسم کا ویلفیر سٹیٹ تو وہ ہوتا ہے جس میں لوگوں کو کسی قسم کی اخلاقی تعلیم و تربیت نہیں دی جاتی۔ ان کو کسی قسم کی صحت مند روحانی غذا نہیں ملتی ان کو صحیح معنوں میں انسان بنانے کی کوشش نہیں کی جاتی البتہ اس امر کی کوشش کی جاتی ہے کہ ان کی تمام ضروریات کو سٹیٹ پورا کرے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگیا ہے کہ جب ان کی تمام ضروریات سٹیٹ پوری کر دیتا ہے تو اس کے بعد ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اب وہ اور کیا کریں۔ پھر وہ بے مقصد عیش کی زندگی سے اکتا کر طرح طرح کی بدراہیوں اور بدکرداریوں پر اتر آتے ہیں۔ اور جب ان سے بھی دل بھر جاتا ہے تو نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ وہ خودکشی کرنے لگتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ آج جو بڑے بڑے ویلفیر سٹیٹ ہیں ان میں خودکشی کی شرح کیا ہے؟ اگر یہ ویلفیر سٹیٹ واقعی آدمی کو مطمئن کر دیتا ہے تو تو اس کو خودکشی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ محض دنیاوی سامان عیش کی فراوانی انسان کو اطمینان نہیں بخش سکتی۔ انسان صرف روٹی سے نہیں جی سکتا۔ اس کے قلبی اطمینان کے لیے اور اس کے ذہنی سکون کے لیے مادی خوش حالی کے علاوہ بھی کوئی چیز چاہیے جو یہ ویلفیر اسٹیٹ پیش نہیں کرسکتا۔

پھر یہ ویلفیر اسٹیٹ آدمی کو کام چور بنا دیتا ہے۔ وہ کم سے کم کام کر کے زیادہ سے زیادہ معاوضہ لینا چاہتا ہے۔ وہ کہتا ہے ہفتہ وار تعطیل کے لیے دو دن بھی کافی نہیں ہیں۔ تین دن ہونے

اہئیں۔ بلکہ وہ ہفتے میں تین دن ہی کام کرنا چاہتا ہے۔ دفتروں
درکارخانوں میں جاتا ہے تو ہر پہلے کام سے بچنے کی کوشش کرتا
ہے۔ اخلاق کی بنیاد کے بغیر جس ویلفیر سٹیٹ کی تعمیر کی جاتی
ہے وہ بالآخر اسی طرح کی خرابیوں سے دوچار ہو کر رہتی ہے
اس کے برعکس اسلام پہلے انسان کا اخلاق درست کرتا
ہے، اسے حق شناس اور فرض شناس بناتا ہے، اس میں
خدا ترسی اور پرہیزگاری پیدا کرتا ہے، اور پھر اس کے لیے دنیوی
خوش حالی کا پورا سروسامان بہم پہنچاتا ہے۔ ایسے ویلفیر سٹیٹ میں
نہ انسان کام چور بنتا ہے نہ بدکردار، اور نہ اسے کبھی خودکشی کی ضرورت
پیش آتی ہے۔ اس کی تمام جائز خواہشات اور ضروریات
جب پوری کر دی جاتی ہیں تو وہ آگے بڑھ کر انسانیت کی فلاح
کا کام کرتا ہے اور اپنے اوقات و وسائل زیادہ سے زیادہ
نیکیوں اور بھلائیوں کے پھیلانے میں کرتا ہے۔

سوال نمبر ۱۳۔ حلال و حرام گوشت کا مسئلہ

"حلال گوشت کا کیا تصور ہے؟ کیا جانور کو ذبح کرتے
وقت اللہ اکبر کہنا ضروری ہے؟ اور سور کیوں حرام
ہے؟ جھٹکے کا گوشت مکروہ ہے یا حرام؟ کن حالات
میں مجبوری کے باعث جھٹکے کا گوشت کھایا جا سکتا
ہے؟ اگر کوئی غیر مسلم اللہ اکبر کہہ کر اسلامی طریقہ
سے ذبح کرتا ہے تو گوشت حلال ہوتا ہے یا حرام؟
بہت سے مسلمان جھٹکے کا گوشت کھاتے ہیں اور تاویل
فرماتے ہیں کہ لقمہ کھانے سے پہلے "اللہ اکبر" کہنے
سے یہ گوشت حلال ہو جاتا ہے۔ یہ بات صاف
طور پر عیاں ہے کہ اگر وہ جھٹکے کا گوشت پر قرآن
شریف بھی ختم کر لیں تو وہ گوشت جھٹکے ہی کا گوشت
رہے گا۔ راقم الحروف نے اپنے ایک بھائی کے
ذریعے مفتی محمد شفیع صاحب سے دریافت کرایا تھا
کہ جھٹکے کا گوشت مکروہ ہے یا حرام؟ جواب وصول
ہوا، حرام ہے اور صرف اس حد تک کھایا جا سکتا
ہے کہ حیات باقی رہے۔"

جواب:- میں اس مسئلے کی وضاحت اردو میں کر چکا
ہوں اور عربی میں بھی جو اصحاب اس مسئلے کو تفصیل کے ساتھ سمجھنا
چاہیں وہ اردو یا عربی میں میرے اس مضمون کو پڑھ لیں۔ اردو
میں میری کتاب تفہیمات حصہ سوم میں یہ مضمون موجود ہے، اور عربی
میں پہلے اس کو "المسلمون" نے شائع کیا تھا اور بعد میں وہ کتابی
شکل میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ جہاں تک میں نے قرآن اور حدیث
کا مطالعہ کیا ہے میرے علم میں ایک گوشت کے حلال ہونے کے
لیے تین شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ جانور حلال قسم کا ہو نہ کہ ایسا
جانور جسے شریعت میں حرام کیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ جانور کا گلا
اس حد تک کاٹا جائے کہ اس کے دماغ کا پچھلا حصہ منقطع نہ ہو جائے
کیونکہ اگر وہ کٹ جائے تو جانور کی موت فوراً واقع ہو جائے گی اور
اس کے جسم کا پورا خون باہر نہ آ سکے گا بلکہ اندر ہی گوشت کے
ساتھ جم کر رہ جائے گا۔ لیکن اگر آدھا گلا کاٹا جائے اور پچھلے
حصہ کا تعلق جسم کے ساتھ باقی رہے تو جانور تڑپے گا اور اس کے
تڑپنے سے خون پورا کا پورا باہر آ جائے گا اور اس کی موت خون بہنے
سے واقع ہوگی۔ اس طرح کا گوشت خون سے پاک ہو جائے گا۔
تیسری شرط یہ ہے کہ ذبح کرتے وقت جانور پر اللہ کا نام لیا جائے
اللہ کا نام لیے بغیر ذبح کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ قرآن مجید میں
فرمایا گیا ہے وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ
جانور پر اللہ کا نام لینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جانور کھڑا ہے اور
اس پر اللہ کا نام لے لیا جائے بلکہ ذبح کرتے وقت اس پر
اللہ کا نام لینا مقصود ہے۔ ان شرطوں سے ذبیحہ حلال ہوتا ہے
یہ شرطیں اگر نہ پائی جائیں تو میرے نزدیک اور علماء کی اکثریت کے
نزدیک وہ حلال نہیں ہوگا۔

سور کیوں حرام کیا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ
نے دنیا میں ہر چیز کھانے ہی کے لیے پیدا نہیں کی ہے ۔ جو
لوگ سور کے متعلق یہ سوال کرتے ہیں وہ آخر دوسرے بہت سے
جانوروں کے متعلق بھی کیوں نہیں پوچھتے؟ انہیں پوچھنا چاہیے
کہ چوہا، بلی، گدھا، کتا، چیل، کوا، گدھ، کنکھجورے وغیرہ کیوں
کھائے جاتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ دنیا کی ہر چیز کھانے کے لیے
نہیں ہے۔ رہا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر [illegible]

کا حکم کیوں دیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا میں بعض چیزیں تو ایسی ہیں جن کے نقصانات کو ہم خود جان سکتے ہیں اور ان کو جاننے کے لیے ہمارا علم و تجربہ کافی ہے۔ ایسی چیزوں کے استعمال سے منع کرنے کی اللہ اور رسول کو کوئی ضرورت نہ تھی۔ لیکن جن چیزوں کا نقصان ہم نہیں جان سکتے ان کے متعلق حکم دینا اللہ اور رسولؐ نے اپنے ذمہ لیا ہے وہ ہمیں بتاتے ہیں کہ انہیں کھانے سے پرہیز کرو۔ اب جسے اللہ اور رسولؐ پر اعتماد ہو وہ ان سے پرہیز کرے اور جسے ان پر اعتماد نہ ہو وہ جو کچھ چاہے کرے۔

جھٹکے کے گوشت کے متعلق چونکہ حرمت کا حکم خود قرآن مجید میں ہے اس لیے اسے محض مکروہ کہنا صحیح نہیں ہے بلکہ وہ حرام ہے۔ اسے اور دوسری حرام چیزوں کو صرف ایسی حالت میں کھایا جا سکتا ہے جب کہ آدمی کی جان پر بن رہی ہو اور صرف وہ حرام چیز ہی بھوک مٹانے کے لیے موجود ہو۔ ایسی حالت میں صرف جان بچانے کی حد تک استعمال کیا جا سکتا ہے۔

اگر کوئی مشرک اللہ اکبر کہہ کر اسلامی طریقہ پر ذبح کرے تو اس کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔ صرف اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے جب کہ وہ خدا کا نام لے کر ذبح کریں اور اسلامی طریقہ پر ذبح کریں۔

سوال نمبر ۱۴۔ جماعت اسلامی نے مشرقی پاکستان میں فوج کی مدد کیوں کی؟

"جماعت اسلامی نے مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی کی مدد کی، پاکستان کی فوجوں نے وہاں بہت سے مظالم کیے، اس بنا پر کیا جماعت کو ان کے رویّہ کی اخلاقی ذمہ داری قبول نہیں کرنی چاہیے؟"

جواب: ہمارے پیش نظر یہ تھا کہ مشرقی پاکستان کے مسلمان جو دو سو برس تک انگریز اور ہندو کے ہاتھوں کچلے جاتے رہے تھے کہیں وہ پھر .... غلامی میں نہ چلے جائیں۔ لہٰذا ان کو بچانے کے لیے ہم نے جنگ کی۔ اور آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ جنگ ہماری جماعت کے بنگالی کارکنوں ہی نے لڑی تھی۔ مغربی پاکستان سے جماعت کا کوئی آدمی نہ گیا تھا۔ مشرقی پاکستان میں عملاً جو صورت پیش آئی وہ یہ کہ بنگالی قوم پرست مسلمان اور ہندو مل کر ایک قوم بن گئے تھے اور انھوں نے .... مدد لے کر پاکستان کے خلاف بغاوت کی تھی۔ اب آپ ہی بتائیں کیا ہم سے یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ ہم آنکھوں دیکھتے اس بات کو گوارا کر لیتے کہ ایک طرف اندر سے ہندو اور مسلمان بنگالی قوم پرست مل کر بغاوت کریں اور دوسری طرف باہر سے ہندوستان کے ہندو پیہم اور پے در پے ان باغیوں کی مدد کو آ جائیں اور ہم ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھے بس تماشہ دیکھتے رہیں۔ یہ بغاوت مشرقی پاکستان کے عام مسلمانوں کی نہ تھی بلکہ صرف بنگالی قوم پرست مسلمانوں اور ہندوؤں کی تھی، اور ہندوستان کی مداخلت اس کو طاقت پہنچا رہی تھی۔ اس کے کامیاب ہونے کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ وہاں سات کروڑ مسلمانوں کی آبادی غلامی کے جوئے میں کس دی جائے۔ کیا آپ کی رائے میں ہمیں اس المناک نتیجے کو رونما ہونے سے روکنے کے لیے کچھ نہ کرنا چاہیے تھا۔ اب آپ خود جا کر وہاں دیکھ لیں کہ اس نام نہاد بنگلہ دیش کی عام مسلمان آبادی کا کیا حال ہو رہا ہے۔ ان کے مذہبی مدارس تباہ کر دیے گئے۔ بکثرت بنگالی مسلمان علماء قتل کر دیے گئے۔ دینی تعلیم کے لیے قاعدے اور سیپارے تک نہیں مل رہے ہیں۔ معاشی بدحالی کا یہ عالم ہے کہ ایک مزدور کو آٹھ روپیہ روزانہ اجرت ملتی ہے۔ مگر بیس روپے سے کم میں ایک دن کا کھانا میسر نہیں آتا۔ حالانکہ ایک زمانہ میں جب پاکستان تھا تو تین روپے ایک مزدور کو ملتے تھے اور وہ پیٹ بھر کے دو وقت کھانا کھاتا تھا۔ اب جا کر اہل بنگال کو اور خود قوم پرست مسلمانوں کو معلوم ہوا ہے کہ ناجائز استحصال (EXPLOITATION) جس کا رونا وہ پاکستان کے زمانے میں روتے تھے، اصل میں کس چیز کا نام ہے اور اب انہیں کون لوٹ کھسوٹ رہا ہے۔ ہندوستان کی فوجوں نے وہاں داخل ہو کر ملک کو بے تحاشا لوٹا ہے۔ ہندو والے کارخانے اکھاڑ اکھاڑ کر لے گئے۔ لوگوں کے گھروں سے ریفریجریٹر

اور ائیر کنڈیشنر تک نکال لے گئے، موٹریں چھین چھین کر لے گئے۔ اور اب اتنے بڑے پیمانے پر وہاں کا خام مال ہندوستان اسمگل ہو رہا ہے کہ اس نے مشرقی پاکستان کی معیشت کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ جو نام نہاد آزادی مشرقی پاکستان کے لوگوں کو ملی ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان جب چاہے وہاں اپنی فوجیں داخل کر سکتا ہے، ہندوستان کی مرضی کے خلاف یہ نام نہاد بنگلہ دیش کوئی فوج، کوئی ایئر فورس اور کوئی بحری بیڑہ نہیں رکھ سکتا۔ اپنے بنگالی مسلمان بھائیوں کو اسی انجام سے بچانے کے لیے جماعت اسلامی کے کارکنوں نے اپنی جانیں لڑا دیں اور اپنے چھ سات ہزار سے زیادہ آدمی شہید کرا دیے۔ جو لوگ مشرقی پاکستان میں پاکستانی افواج کے مظالم کی دہائی دیتے ہیں ان کو معلوم نہیں ہے کہ بنگالی قوم پرست مسلمانوں نے ہندوؤں کے ساتھ مل کر نہ صرف غیر بنگالی مسلمانوں پر بلکہ خود دیندار بنگالی مسلمانوں پر بھی کیسے کیسے خوفناک مظالم ڈھائے تھے۔ انھوں نے مردوں، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو بلا امتیاز لاکھوں کی تعداد میں قتل کیا، عورتوں کے ننگے جلوس نکالے اور باپوں، بھائیوں، شوہروں اور بیٹوں کے سامنے ان کو بے حرمت کیا۔ حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کیے۔ بچوں کو قتل کر کے ان کی ماؤں کو مجبور کیا کہ ان کا خون پئیں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ جس سرزمین میں مسلمان کافروں کے ساتھ مل کر مسلمانوں پر ظلم ڈھائیں وہ سرزمین خدا کے عذاب سے کبھی نہیں بچ سکتی آفریں ہے مغرب کے جھوٹے پریس پر کہ اس نے پاکستانی فوجوں کے جھوٹے سچے مظالم کا تو ڈھول خوب پیٹا، مگر بنگالی قوم پرستوں کے ان مظالم کا کبھی ذکر تک نہ کیا۔

سوال نمبر ۱۶ - اہل کتاب کا ذبیحہ

"یہودی یا مسیحی اہل کتاب کا ذبح کیا ہوا گوشت حلال ہے یا حرام؟"

جواب: - قرآن مجید میں آپ سورۂ مائدہ کا پہلا رکوع پڑھیے۔ اس میں سب سے پہلے مسلمانوں سے یہ کہا گیا ہے کہ تمہارے لیے طیبات (پاک چیزیں) حلال کی گئی ہیں۔ اس کے بعد یہ کہا گیا ہے کہ تمہارے لیے اہل کتاب کا کھانا حلال ہے اس کے معنی یہ ہوئے کہ اہل کتاب کا طیب کھانا ہمارے لیے حلال کیا گیا ہے نہ کہ ان کا خبیث (ناپاک) کھانا۔ اور اسی سورہ میں طیبات کی یہ تشریح بھی کر دی گئی ہے کہ جانور حلال قسم کا ہو، اس کو صحیح طریقہ سے ذبح کیا گیا ہو، اور اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ انہی شرائط کے ساتھ اہل کتاب کا کھانا ہمارے لیے حلال کیا گیا ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے ساتویں آٹھویں صدی تک عیسائی کم از کم شرق اوسط میں اسی طرح ذبح کرتے تھے جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ اس لیے ان کا ذبیحہ حلال تھا۔ مگر اب چونکہ انھوں نے اس طریقہ کی پابندی چھوڑ دی ہے اس لیے ان کا ذبیحہ حلال نہیں رہا۔ البتہ مذہب کے پابند یہودیوں کے متعلق مجھے معلوم ہوا ہے کہ ان کے ہاں ذبح کرنے کا طریقہ تقریباً وہی ہے جو ہمارے ہاں رائج ہے اور وہ ذبح کرتے وقت اللہ کا نام بھی لیتے ہیں۔ اب یہ آپ لوگ خود تحقیق کر لیں کہ وہ یہاں اس طریقہ پر عمل کرتے ہیں یا نہیں۔ میں نے پاکستان میں ان کے ایک عالم سے پوچھا تھا تو اس نے مجھے بتایا تھا کہ ہمارے ہاں بھی یہی حکم ہے کہ ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا جائے اور ہمارے ہاں ذبح کا طریقہ بھی وہی ہے جو آپ کے ہاں ہے۔ اسی بنا پر میں ان کے ذبیحہ کو حلال سمجھتا ہوں۔ مگر میں آپ سے یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر یہودیوں نے دنیا بھر کے ملکوں میں منتشر ہو جانے کے باوجود اپنے لیے کوشر (KOSHER) گوشت کا انتظام کیا اور اپنے اس حق کو تسلیم کرایا کہ وہ اپنے لیے جانور اپنے طریقہ پر ذبح کریں گے تو آخر آپ ہزاروں کی تعداد میں یہاں رہتے ہوئے اپنے لیے حلال گوشت کا انتظام کیوں نہیں کرتے اور خواہ مخواہ کی تاویلوں سے جھٹکے کے گوشت کو اپنے لیے حلال کرنے کی کوشش کیوں کرتے ہیں؟

سوال نمبر ۱۷ - اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کا مسئلہ

"کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس زمانے کے یہودی اور عیسائی اہل کتاب میں شمار ہو سکتے ہیں؟ کیا ایک مسلمان

اس زمانے کی ایک یہودی عیسائی عورت سے شادی کرسکتا ہے؟ اگر نہیں تو آپ قرآن کی اس آیت کی کیا توجیہہ کریں گے جو اہل کتاب کی عورتوں سے شادی کا کرنے کو جائز قرار دیتی ہے؟"

جواب: - اس زمانے کے یہودیوں اور عیسائیوں کے مذہب میں کوئی نئی بات ایسی نہیں پائی جاتی جو نزول قرآن کے زمانے میں ان کے اندر موجود نہ رہی ہو۔ اس وجہ سے یہ اب بھی اہل کتاب ہی ہیں۔ رہا ان سے شادی کرنے کا تعلق تو اس کے بارے میں آپ تین باتوں کو ملحوظ رکھیں۔

ایک یہ کہ قرآن میں اجازت دی گئی ہے حکم نہیں دیا گیا ہے۔

دوسرے یہ کہ جن عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت دی گئی ہے ان کے لیے ایک شرط تو یہ لگائی گئی ہے کہ وہ محصنات (یعنی باعصمت) ہوں۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ ان سے خفیہ یا علانیہ ناجائز تعلقات پیدا نہ کیے جائیں اور شادی کر کے ان کی خاطر اپنے ایمان اور اپنی آخرت کو خطرہ میں نہ ڈالا جائے۔

تیسری بات یہ ہے کہ جو کام شرعاً جائز ہیں ان پر عمل کرنے سے پہلے آدمی کو اپنے زمانے کے حالات اور ماحول پر نگاہ ڈال کر یہ ضرور دیکھ لینا چاہیے کہ آیا اس زمانے اور اس ماحول میں یہ کام کرنے سے کوئی قباحت تو پیدا نہیں ہوگی۔ اب آپ دیکھیے کہ امریکہ، کینیڈا، اور یورپ میں جو عورتیں پائی جاتی ہیں، وہ اصطلاحاً (TECHNICALLY) تو اہل کتاب ضرور ہیں لیکن ان میں بہت کم تعداد ایسی عورتوں کی ہے جو صحیح معنوں میں اہل کتاب ہوں۔ یعنی خدا اور رسول اور کتابوں اور آخرت پر ایمان رکھتی ہوں۔ پھر جو ایسی ہیں بھی ان پر محصنات ہونے کا اطلاق مشکل ہی سے ہو سکتا ہے۔ اب رہا زمانے اور حالات کا معاملہ تو ان ممالک میں رہتے ہوئے کسی یہودی یا عیسائی عورت سے شادی کرنے کے معنی یہ ہیں کہ آدمی اپنے آپ کو نہیں تو اپنی آئندہ نسل کو غیر مسلم معاشرے میں بالکل جذب ہو جانے کے خطرے میں مبتلا کر رہا ہے۔ اور اگر وہ بالفرض اس عورت کو اپنے مسلم معاشرے میں لے بھی جائے تو اس طرح کی عورتوں میں شاذ ہی

ایک فیصد عورت ایسی ملے گی جو اپنے آپ کو، اپنے گھر کو، اور اپنے بچوں کو اسلامی معاشرے کے آداب اور طرز زندگی میں ڈھال لے۔ اس کے برعکس خود شوہر صاحب اس کی خاطر اپنے پورے گھر کو ایک مغربی گھر کا نمونہ بنا لیتے ہیں اور ان کی یہ مثال صرف اپنے ہی گھر کو نہیں بلکہ شوہر کے خاندان اور رشتہ داروں کو بھی اسلامی طرز زندگی اور اسلامی افکار سے ہٹانے کی موجب بن جاتی ہیں۔ ایسی صورت میں جذبات سے مغلوب ہو کر محض جواز کے حیلے سے عیسائی یا یہودی عورتوں سے شادی کر لینا دینی مصلحت کے بالکل خلاف ہے۔

سوال نمبر ۱۸ - کیا اسلامی اصول حالات اور زمانے کے مطابق ڈھالے جا سکتے ہیں؟

"کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ بعض اسلامی اصول حالات اور زمانے کے مطابق ڈھالے جا سکتے ہیں؟ آپ کا ان لوگوں کے معاملہ میں کیا طرز عمل ہوگا جو ہیں تو مسلمان مگر اسلامی تعلیمات کا مذاق اڑاتے ہیں؟"

جواب: - آپ نے دراصل دو سوالات کیے ہیں:

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ حالات اور زمانے پر اسلامی اصولوں کو منطبق کرنے کا کام بچوں کا کھیل نہیں ہے بلکہ اسلامی قانون میں گہری مجتہدانہ بصیرت رکھنے والے ہی ایسا کام کر سکتے ہیں۔ اور اکثر صورتوں میں زمانے اور ماحول کے حالات پر ان کو منطبق کرنے کی شکل وہ نہیں ہو سکتی جو علم دین کے بغیر اس طرح کے انطباق کی باتیں کرنے والے چاہتے ہیں۔ اگر حالات اور زمانے میں اسلام کے اصولوں کے خلاف بگاڑ پیدا ہو گیا ہو تو اسلام میں بصیرت رکھنے والا آدمی اسلامی اصولوں میں ڈھیل پیدا کرنے کے بجائے اور زیادہ سختی برتنے کی ضرورت محسوس کرے گا۔ مثلاً ابھی اہل کتاب سے شادیاں کرنے کے متعلق جو سوال مجھ سے کیا گیا تھا اس میں میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ حالات اور زمانے کی رعایت سے اس دور کی یہودی یا عیسائی لڑکیوں سے شادی کرنے کی اجازت میں نرمی برتنے کے بجائے الٹی سختی برتنے کی ضرورت ہے۔

آپ کے دوسرے سوال کا جواب قرآن مجید ہی میں دیا گیا ہے۔ سورۂ نساء آیت ۱۴۰ میں فرمایا گیا ہے کہ :۔

" جب تم سنو کہ اللہ کی آیات سے کفر کیا جارہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جارہا ہے تو ایسے لوگوں کے پاس ہرگز نہ بیٹھو جب تک کہ وہ گفتگو کا موضوع بدل نہ دیں — اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم بھی ان ہی جیسے ہوگے "۔

سوال نمبر ۱۹ - کیا شادی سے پہلے لڑکی سے تخلیہ میں ملاقات کی جاسکتی ہے ؟

" کیا ایک مسلمان اس لڑکی سے ملاقات کرسکتا ہے جس سے وہ شادی کرنا چاہتا ہو ؟ اگر یہ جائز ہے تو کیا وہ تخلیہ میں اس سے مل سکتا ہے اور اس کے سرپرستوں کی اجازت کے بغیر بھی مل سکتا ہے ؟ "

جواب :۔ اسلام میں کورٹ شپ کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ جس بات کی اجازت حدیث میں دی گئی ہے وہ صرف اتنی ہے کہ لڑکی کے سرپرستوں کی موجودگی میں اس کی شکل دیکھ لی جائے۔ تخلیے کی ملاقاتیں اور وہ بھی سرپرستوں کے علم و اجازت کے بغیر، اسلامی طریقہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ رنگ ڈھنگ امریکہ اور کینیڈا اور یورپ کے لوگوں کو ہی مبارک رہیں۔ آپ لوگ اگر یہاں اپنی معاشی ضروریات کی خاطر آئے ہیں تو اپنے اوپر کم از کم اتنا کرم کیجیے کہ اپنی اسلامی اقدار کو یہاں کے طور طریقوں کے مطابق ڈھالنے کی کوشش نہ کریں۔

سوال نمبر ۲۰ -

کیا سودی قرض لیکر مکان خریدا جاسکتا ہے ؟

" اس ملک میں مکان بہت مہنگے ہیں اور کرائے پر اگر آدمی لے تو وہ بھی بہت زیادہ گراں ہوتا ہے اس حالت میں کیا مکان بینک کے پاس رہن رکھکر سودی قرضہ کے ذریعہ خریدا جاسکتا ہے ؟ "

جواب :۔ حرام و حلال کے اختیارات اگر میرے ہاتھ میں ہوتے تو میں آپ کے لیے کسی چیز کو حرام نہ رہنے دیتا لیکن یہ اختیارات تو اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھے ہیں، اور میں اس کے مقرر کیے ہوئے حلال و حرام کے احکام میں کوئی ردوبدل کرنیکا مجاز نہیں ہوں۔

رہی یہ بات کہ آپ یہاں کے حالات میں اپنے آپ کو سودی ذرائع سے مکان خریدنے پر مجبور سمجھتے ہیں تو اپنی اس مجبوری کا فیصلہ آپ اپنی ذمہ داری پر خود کریں۔ مجھے اس ذمہ داری میں شریک نہ کریں۔ آپ کو دنیا میں کم از کم مکان تو مل جائے گا لیکن آخرت میں آپ کے ساتھ میری بھی شامت آئے گی۔

سوال نمبر ۲۱ - سرکاری بانڈز کا حکم

" کیا گورنمنٹ کے بانڈز پر دیا جانے والا منافع بھی سود میں شمار ہوتا ہے ؟ "

جواب :۔ اس کے سود ہونے میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔

سوال ۲۲ - ایسی کمپنی کی ملازمت جو حلال و حرام دونوں قسم کے کام کرتی ہو۔

" کیا کسی حالت میں ایک مسلمان کسی ایسی تجارتی کمپنی میں ملازمت کرسکتا ہے جو حلال و حرام دونوں قسم کی چیزیں تیار کرتی ہو یا ان کا بیوپار کرتی ہو ؟ "

جواب :۔ ایک غیر مسلم معاشرے اور حکومت میں رہ کر مسلمان افراد کے لیے حلال و حرام کی تمیز کرنا اور حرام سے ہر حالت میں بچنا بلاشبہ ایک سخت مشکل کام ہے، لیکن جہاں تک آپ کے امکان میں ہو آپ اپنے آپ کو حرام سے بچانے کی انتہائی کوشش کریں۔ بالفرض اگر ایسی کسی کمپنی میں نوکری کرنی ہی پڑجائے جو حلال و حرام دونوں قسم کے کاروبار کرتی ہو تو شریعت کی رو سے آپ کے ساتھ یہاں کے حالات میں زیادہ سے زیادہ جو رعایت ہوسکتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ اسکے کسی ایسے شعبے میں ملازمت کریں

جو حلال قسم کا کاروبار کرتا ہو۔

سوال نمبر ۲۳ ۔ مولود شریف اور قیام کا مسئلہ

" آپ کی رائے میں کیا مولود شریف پڑھنا جائز ہے اور کیا اس میں تعظیماً کھڑا ہونا بھی جائز ہے ؟ "

جواب :۔ مولود شریف جس چیز کا نام ہے دراصل اس سے مراد ذکر رسول صلی اللہ علیہ علی آلہ وسلم اور سیرت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بیان ہے ، اس کے جائز ہی نہیں کار ثواب ہونے میں بھی کسی کلام کی گنجائش نہیں ہے ۔ البتہ ہمیں غلط اور موضوع روایات بیان کرنا درست نہیں ، اور مولود کی محفلوں پر اگر اعتراض ہو سکتا ہے تو اسی پہلو سے ہو سکتا ہے ۔

رہا سلام کے لیے تعظیماً کھڑا ہونا تو نہ یہ فرض و واجب ہے کہ ہر آدمی کو اس پر مجبور کیا جائے ۔ کوئی شخص اگر عقیدت کی بنا پر کھڑا ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ۔ لیکن اس کے لازم اور ضروری نہ ہونے کا ثبوت تو ہم روز پنج وقتہ نمازیں دیتے ہیں تشہد میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ کھڑے ہو کر آخر کون صاحب پڑھا کرتے ہیں سب اس کو بیٹھ کر ہی پڑھتے ہیں اور یہ تشہد خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سکھایا ہوا ہے ۔ اس لیے جو لوگ اس کے ضروری ہونے پر زور دیتے ہیں ان کو بھی اپنے مبالغے سے باز آجانا چاہیے کیونکہ شریعت میں اس کے لزوم کا کوئی ثبوت نہیں ۔

سوال نمبر ۲۴ ۔ کیا ہر اسلامی اصول منطقی دلائل سے صحیح ثابت کیا جا سکتا ہے ؟

" کیا ہر اسلامی اصول کی خالص منطقی طریقہ سے توجیہہ کی جا سکتی ہے ؟ اگر نہیں تو کیا بعض اسلامی اصول محض اندھے ایمان کی بنا پر ماننے کے لیے ہیں ؟ آپ منطقی طریقہ سے آخر تقدیر کی کس طرح تشریح کریں گے ؟ "

جواب :۔ اسلام کا کوئی اصول یا عقیدہ یا حکم غیر معقول نہیں ہے ، ہر ایک کو عقلی اور خالص منطقی طریقہ سے سمجھایا جا سکتا ہے ۔ ہمیں مسلمان ہونے کے لیے کہیں بھی اندھے ایمان کی ضرورت پیش نہیں آتی ۔ آپ نے تقدیر کا مسئلہ اپنے نزدیک یہ سمجھتے ہوئے چھیڑا ہے کہ اس مسئلہ میں منطق بالکل نہیں چل سکتی ، لیکن براہ کرم میری کتاب " جبر و قدر " اور میری تفسیر تفہیم القرآن کی ہر جلد کے انڈکس میں لفظ " تقدیر " نکال کر وہ تمام مقامات دیکھ لیجیے جہاں میں نے اس مسئلہ کی تشریح کی ہے ۔ اس کے بعد آپ مجھے ضرور بتائیے گا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کی پیشگی تقدیر کا طے ہونا زیادہ معقول ہے کیا آپ ایسے خدا پر ایمان لا سکتے ہیں جس کو اپنی خدائی میں پیش آنے والے کسی واقعہ کا ایک لمحہ پہلے تک بھی علم نہ ہو اور جب کوئی واقعہ پیش آ جائے تب اسے پتہ چلے کہ میری خدائی میں یہ کچھ ہو گیا ! کیا واقعی ایسا خدا اس عظیم کائنات پر حکومت کر سکتا ہے ؟

خطاب

میں آپ کے سوالات کے جوابات دے چکا ہوں ۔ اب میں اختصار کے ساتھ خود بھی کچھ آپ سے عرض کرنا چاہتا ہوں اگرچہ آپ اس سرزمین میں مختلف مقاصد کے لیے آئے ہیں ۔ کوئی آپ میں سے علم حاصل کرنے یا کوئی فن سیکھنے کے لیے آئے ہیں ۔ کوئی اپنی معاش کی فکر میں آیا ہے ۔ اور کچھ ایسے لوگ ہیں جو یہیں رہ بس گئے ہیں ۔ لیکن ان سب چیزوں کے ساتھ آپ کی ایک حیثیت اور بھی ہے اور وہ ہے آپ کے مسلمان ہونے کی حیثیت ۔ اس دوسری حیثیت میں آپ لامحالہ جہاں بھی رہیں گے اور جہاں بھی جائیں گے آپ کو اسلام کا نمائندہ ہی سمجھا جائیگا خواہ آپ کو اس کا احساس ہو یا نہ ہو ۔ ایک غیر مسلم جب بھی آپ کو دیکھے گا یہی سمجھے گا کہ مسلمان ایسا ہوتا ہے ۔ اب اگر آپ نے اپنے آپ کو ایک بُرے انسان کی حیثیت سے پیش کیا ، اپنے اخلاق اپنے معاملات اور اپنے رہن سہن کا برا نمونہ لوگوں کو دکھایا ، یا یہاں کے عوام وخواص کو یہ تاثر دیا کہ جیسے وہ ہیں ویسے ہی آپ بھی ہیں ، تو آپ اسلام کی غلط نمائندگی کریں گے اور اس صورت میں

(بقیہ بر صفحہ ۶۶)

مجیب: حسن احمد صدیقی

ایک مراسلہ

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ تجلی کا تازہ شمارہ نظر نواز ہوا آغاز سخن میں آپ نے جناب مولانا قاری طیب صاحب مدظلہ کی خوب خوب وکالت فرمائی ہے۔ حالات کی تباہ کنی اور تشویشناکی کا آپ کو بھی محترم قاری محمد طیب صاحب کی طرح احساس تھا۔ حالات کی تبدیلی کا نہ آپ کو خیال تھا نہ قاری صاحب کو۔

محترم قاری صاحب نے یہ انٹرویو آل انڈیا کے نامہ نگار صاحب کو کن حالات میں دیا اس کے بارے میں علم ہوتے ہوئے بھی اکثر ذہنوں میں یہ خیال پیدا ہونا ناگزیر ہے کہ آیا آکاشش وانی کے نامہ نگار نے قاری صاحب کو اس درجہ مجبور کیسے کر دیا تھا کہ وہ قرآن و حدیث سے اخذ کردہ منصوص و محکم مسئلہ میں مثبت پہلو تلاش کرنے لگے۔

محترم قاری صاحب کی علوئے شان اور علمی عظمت و فضیلت اپنی جگہ بالکل درست، مگر ہم جیسے عامی افراد یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ قاری طیب صاحب یا مولانا ابوالحسن فاروقی صاحب یا مسجد فتحپوری مدرسہ کے مدرسین کرام نے اس مسئلہ کو کچھ عرصہ پہلے محسوس کر کے حل کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔ آج یہی علماء خاندانی منصوبہ بندی اور نس بندی وغیرہ کی حمایت میں بیانات جاری کر رہے ہیں، کتابچے اور پمفلٹ شائع کر رہے ہیں۔ کچھ عرصہ قبل یہی مقدس گروہ تھا جو نس بندی کے عدم جواز میں پیش پیش تھا

یہی تو وہ لوگ تھے جو نس بندی کو حرام اور اولاد کو کسی بھی ذریعے سے روکنے کو قتل اولاد اور نس بندی کرا لینے والے امام کی امامت کو مکروہ تحریمی باور کرایا کرتے تھے۔ اور آج ہمارے یہی علمائے کرام حالات کی تباہ کنی سے متأثر ہو کر نس بندی کی حلت کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔

ہمارے موجودہ علمائے کرام کا حال بنی اسرائیل کے علماء سے کچھ مختلف نہیں۔ وہ اپنی خواہشات نفسانی سے مجبور ہو کر ان کے مذہب کے ثابت شدہ اور اٹل مسائل کو متغیر کر دیا کرتے تھے جب کہ ہمارے یہ علماء حکومت وقت کی خوشنودی اور اپنی ذاتی منفعت کی بنا پر یہ تمام کام کرنے کو بے نیاز ہیں۔ عوام الناس نے اس مسئلہ کی حرمت کے پیش نظر اپنے سینے پر گولیاں کھائیں اور ہمارے علمائے کرام دارالعلوموں کے سقف و محراب کے زیر سایہ اس مسئلہ کے جواز کیلئے کتابچے لکھتے رہے اور انٹرویو دیتے رہے۔

جب خاندانی منصوبہ بندی کو آڑ بنا کر مسلم و غیر مسلم تجدد اور دانشور قرآن شریف اور احادیث مقدسہ پر تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے تو ایسے نازک موقع پر عزل کے مسئلے کو سامنے لا کر اور حملہ آوروں کی آواز میں آواز ملا کر ان کے ہاتھوں کو مضبوط کیا گیا۔ اس عزل کے مسئلہ میں بھی خدا بے خوفی اور آخرت فراموشی نے

وہ وہ غیورت فراہم کیے کہ عقل و ثقاہت دانتوں تلے انگلی دبائے بغیر نہیں رہ سکے۔ عزل کا مسئلہ خالص لونڈیوں سے متعلق تھا، مگر اس کو عام منکوحہ بیویوں پر فٹ کرنے کی کوشش کی، احادیث مقدسہ میں عزل سے متعلق جتنے بھی واقعات آئے ہیں ان میں تمام میں لونڈیوں کا تو ذکر ہے عام منکوحہ بیویوں کا ذکر نہیں لونڈیوں کا مسئلہ اس وقت عربوں کے لیے ذاتی فائدے کا مسئلہ تھا۔ اولاد ہونے کے بعد لونڈی کو فروخت کرنا اس سے بھی زیادہ مشکل تھا، جیسا کہ اپنی بیوی کو طلاق دیدینا اسلامی شریعت کی اس سختی کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ لوگ اپنی لونڈیوں سے عزل کرتے تھے تاکہ لونڈی سے متمتع ہونے کے بعد بھی اس کی مالی منفعت سے فائدہ حاصل کیا جا سکے۔

اس عزل اور لونڈیوں کے مسئلہ کو عام بیویوں پر فٹ [illegible] رانی منصوبہ بیت [illegible] جواز پیدا کرنا، حق و صداقت [illegible] اور علمی خیانت کی [illegible] ترین مثال نہیں تو اور کیا ہے؟

جبری نس بندی کا حل تلاش کرنے کے سلسلہ میں اس خاکسار کو اور دیگر پانچ افراد کو سفر کرنے کا اتفاق ہوا۔ یہ چھ رکنی وفد دہلی میں مفتی عتیق الرحمٰن صاحب، عبداللہ بخاری صاحب اور تبلیغی جماعت کے نائب امیر صاحب سے ملا اور اس سلسلہ میں ان حضرات سے گفتگو ہوئی۔ عبداللہ بخاری صاحب کے علاوہ اس مسئلہ میں کسی نے بھی دلچسپی نہیں لی بلکہ سب یہ کہہ کر خاموش ہو گئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عذاب ہے۔ اس کا کوئی حل اس وقت ہمارے پاس موجود نہیں۔

جناب مفتی عتیق الرحمٰن صاحب نے تو اس مسئلہ کے بارے میں مسلمانوں کو ملعون کیا اور کہا کہ مسلمانوں کو نس بندی نہیں تو کینہ بندی کو ضرور اپنا لینا چاہیے۔ کینہ بندی سے جناب مفتی عتیق الرحمٰن صاحب کی کیا مراد تھی یہ تو وہی بہتر جانیں۔

جناب مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی، جناب مولانا قاری محمد طیب، جناب ابوالحسن فاروقی دہلوی اور مسجد فتحپوری مدرسہ کے مدرس حضرات نے ان تباہ کن اور تشویشناک حالات سے متاثر ہو کر ہی یہ کام کیا ہے۔ یہ ہے ہمارے ان علمائے اسلام کا کیرکٹر اور کردار۔ اس کو اگر حضرت فراموشی اور عمداً بے عملی کا نام نہیں دیا جائے تو آخر کیا کہا جائے۔

آپ نے موجودہ گورنمنٹ کو اس طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ وہ ایسا ہی بیان علمائے بریلوی سے بھی حاصل کرے مگر شاید آپ کو یہ جان کر مایوسی ہوگی کہ علمائے بریلوی نے اس سلسلہ میں حالات کی تباہ کنی اور تشویشناکی کے باوجود کسی بھی قسم کا بیان نس بندی کے موافق نہیں دیا اور یہ سعادت صرف علمائے دیوبند کے حصہ میں آکر رہ گئی۔

جناب قاری طیب صاحب اور آپ کے اس خیال کی میں بھی حمایت کرتا ہوں اور ہر شخص حمایت کرے گا کہ اس مسئلہ کے حل کے لیے ہمارے علماء کو ایک جگہ مل بیٹھ کر کوئی نہ کوئی حل تلاش کرنا چاہیے۔ مگر اس میں تھوڑا سا اضافہ کروانا چاہتا ہوں کہ یہ مسئلہ صرف ہندوستانی مسلمانوں کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ پورے دنیا کے مسلمانوں کا مسئلہ ہے اس لیے تمام علمائے اسلام کنونشن یا کانفرنس کی صورت میں ایک جگہ جمع ہوں اور قرآن و حدیث کی روشنی میں اس مسئلہ کا غیر متغیر اور ثابت شدہ حل تلاش کریں تاکہ عامۃ المسلمین کو مزید پریشانی سے اس مسئلہ میں دوچار ہونا نہ پڑے۔

اس عریضہ کا اگر تجلی میں جواب عنایت فرمائیں تو نوازش ہوگی۔ بصورت دیگر آپ سے کوئی شکایت نہیں۔

نیازمند سعید احمد [illegible]

(کوٹہ۔ راجستھان)

تجلّی

آپ جیسے مسلمانوں کا جذبۂ اسلام اور جوشِ ایمانی قابلِ قدر ہے کہ آپ بہرصورت یہ رٹ لگائے ہوئے ہیں کہ خاندانی منصوبہ بندی کی حرمت میں کسی بھی دور اور کسی بھی حال میں کوئی لچک اور ہلکا پن پیدا نہیں ہو سکتا۔ خواہ شہر در شہر اور گاؤں در گاؤں قتل و کشت کی داردائیں ہو رہی ہوں، خواہ مذہبی عمارتیں خطروں کی زد میں ہوں، خواہ ہر گھر کے دروازہ پر جبر و استبداد کے دیوتا اس نقطۂ نظر سے کھڑے ہوں کہ اگر اس مکان کے

لیکن نے ہمارے اصولوں کے خلاف کوئی لفظ بھی زبان سے نکالا تو ہم ایک ہی وار میں اسے تحت الثریٰ میں اتار دیں گے۔ یہ جوش اور یہ ہٹ دھرمی چلیے قابل ستائش۔ لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی سن لیجیے کہ خالی جوش کسی آئی ہوئی آسمانی آفت کو نہیں ٹال سکتا۔ ہاتھ میں صرف جوش کی لاٹھی لیکر آپ اپنے کسی بھی مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ذرا تاریخ اٹھا کر دیکھیے، تاریخ اسلام پر ایک سرسری سی نظر ڈالنے کے بعد آپ کو بخوبی اس بات کا اندازہ ہو جائے گا کہ ہمارے اسلاف نے ایمان کے جوش کے ساتھ ساتھ ایمان کے ہوش کو بھی بہرحال برقرار رکھا ہے اور جہاں جہاں ازراہ بشریت جوش ہی جوش کارفرما رہا تھا وہاں وہاں ہمارے اسلاف کو زبردست نقصانات برداشت کرنے پڑے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ جیسے لوگوں نے نہ اسلاف کے مزاج کو سمجھا ہے نہ اپنی قوم کے مزاج کو سمجھا ہے نہ اپنی حکومت کے مزاج کو سمجھا ہے اور انتہا تو یہ ہے کہ آپ جیسے لوگوں نے کبھی خدا اور اس کے رسولؐ کے مزاج کو بھی سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ ادنیٰ درجے کے غور و فکر اور ادنیٰ درجہ کی زحمتِ تحقیق اٹھائے بغیر بس وہ ہی سب کچھ کہتے رہے جو ادھر ادھر سے اپنی خام عقل میں سمٹ آیا اور جو اپنی محدود نظروں میں بھلا محسوس ہوا۔

اسلام کیا چاہتا ہے، قوم کس چیز کی ضرورت محسوس کر رہی ہے، حکومت وقت کا منشا کیا ہے، خدا اور اسکے رسولؐ کو کیا چیز مطلوب ہے۔ ان تمام باتوں سے بیگانہ و بے نیاز ہو کر آپ ہر اس چیز کو محبوب و مستحسن سمجھتے ہیں جو آپ کی نگاہوں میں خوشگوار محسوس ہوئی اور ہر اس چیز کو آپ نے مبغوض اور قابل ترک تصور کیا جو آپ کو بچشم خود ناگوار لگی۔ آپ نے تو یہ تک سوچنے کی زحمت گوارہ نہیں کی کہ آپ کے غلط اقدامات خود آپ کے حق میں مصیبت اور عذاب ثابت ہوں گے اور آپ کو ہوش سے محروم جوش کی بھاری قیمت چکانی پڑے گی اور یہ قیمت آپ کو اپنی جانوں مالوں، عصمتوں۔ اور رسولؐ و مساجد کو فسادات کی بھینٹ چڑھا کر ادا کرنی پڑے گی۔ آپ نے جو کچھ اپنی زبانوں سے نکالا عقل و مصلحت سے ماورا رہو کر نکالا اور جو کچھ اقدامات کیے حالات و حادثات سے بے پرواہ ہو کر کیے۔ ملک بھر میں فسادات و افراتفری کی جو آگ بھڑکی ہے اور جو زندگیاں اس آگ کی لپیٹ میں آکر بھسم ہو گئی ہیں ان کی تمام تر ذمہ داری آپ جیسے لوگوں کے اندھے جوش کی گردن پر عائد ہوتی ہے۔

اسلام کا مزاج یہ ہے کہ وہ امن و سلامتی کا خوگر ہے اور امن و سلامتی کی اشاعت چاہتا ہے۔ اس نے لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ کہہ کر اس بات کی تاکید کی ہے کہ زمین پر فسادات مت پھیلاؤ۔ اور فطری امن و سکون کو غارت مت کرو۔ اس نے اشاعت حق پر زور تاکید کرتے ہوئے یہ بھی کہا ہے کہ اگر تم کافروں اور مشرکوں کے سامنے حق و صداقت کو پیش کرتے وقت ہٹ دھرمی اور اعراض و انحراف کی خو بو محسوس کرو تو جواباً تمہیں ہٹ دھرمی اور اعراض و انحراف کے تھپیڑ مارنے کی ضرورت نہیں بلکہ امن و سلامتی کا تقاضا یہ ہے کہ تم ان سے ہمدردی و انسانیت سے بھرے ہوئے لب و لہجہ میں یہ کہو لکم دینکم ولی دین ہمارے لیے ہمارا دین اور تمہارے لیے تمہارا دین۔ حساب کی گھڑی آنے والی ہے، اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ ہمارا مذہب سچا مذہب تھا یا تمہارا مذہب سچا مذہب تھا۔ اسی اسلام نے مسلمانوں کے سامنے دعوت حق پیش کرتے وقت اس بات کی تاکید کی ہے کہ اگر مسلمان کج فکری اور طناطنی کا مظاہرہ کریں تو تمہیں اسی سطح پر آنے کی قطعاً ضرورت نہیں بلکہ تمہیں یہ کہہ کر معاملہ کو رفع دفع کر دینا چاہیے کہ لنا اعمالنا ولکم اعمالکم ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے اعمال۔ ہم اپنی قبر میں جا کر سوئیں گے اور تم اپنی قبر میں جا کر سوؤ گے۔ ہم گمراہی اختیار کریں گے تو ہم بھگتیں گے اور تم گمراہی میں پڑو گے تو تم بھگتو گے۔

اس اسلام کے مزاج کو صحابہ کرام نے خوب خوب پہچانا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے اپنے آپ کو اس رنگ کا پابند رکھا جو ہمرنگ حق کہلاتا ہے اور جو اسلام کے مزاج پر پورا اترتا ہے صحابہ کرام کے اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے قرآن حکیم نے ان کی ایک صفت یہ بھی بیان کی ہے اذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاماً جب ان سے جاہل لوگ جہالت و حماقت کی باتیں کرتے ہیں

تو وہ یہ کہہ کر بٹ جاتے ہیں کہ بھائیو تم پر سلامتی ہو۔

دیکھا آپ نے۔ یہ ہے اسلام کا مزاج اور اسی مزاج کے تحمل اور جسنر کو صحابہ کرام اپنے مزاج میں ڈھال چکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ لفظی مجادلوں، عملی افتراقوں اور جسمانی خونریزیوں سے صحابہ کرام کا مقدس طبقہ بڑی حد تک محفوظ و مصؤن رہا کرتا تھا اور آجکل کے مسلمان چونکہ اسلام کے مزاج سے واقف ہی نہیں اس لیے ہر مکتب فکر کا اسٹیج مناظروں اور تقریری جھگڑوں کی آوازوں سے گونج رہا ہے۔ مسلمان امن وسلامتی سے اس درجہ محروم ہو کر رہ گئے ہیں کہ بس خدا کی پناہ۔ اور اسکی مختلف وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی بیان کی ہے کہ آجکل مسلمان جس مذہب کو مانتے ہیں، جس مذہب کی خاطر مجادلے کرتے ہیں۔ اسی مذہب کے مزاج کا حدود اربعہ انھیں نہیں معلوم کہ کیا ہے اور کیا نہیں۔

قوم کے عام افراد کا مزاج یہ ہے کہ اسے اسلام سے حقیقی معنوں میں اتنا تعلق بھی نہیں جتنا کسی کو اپنے جوتوں سے ہوتا ہے۔ البتہ اسلام کے نام پر یہ لوگ لڑنے مرنے کے لیے ہمہ وقت اور ہمہ تن تیار رہتے ہیں۔ انھیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ ان کا کونسا اقدام ان کے مذہب کے لیے رسوائی کا سبب بنے گا اور ان کا کونسا فعل وعمل اسلام کے حق میں زہر قاتل ثابت ہوگا۔ وہ نوبس اسلام کے نام پر دوسری قوموں سے دو دو ہاتھ ہو سکتے ہیں۔ حرام وحلال اور ناجائز وجائز سے انھیں کیا نسبت۔ یا حرام وحلال اور جائز وناجائز کی پرواہ وہ اس وقت کرتے نظر آئیں گے جب ان کے کسی دنیاوی مفاد کو یا اپنے بتائے ہوئے کسی خاص عقیدے کو ٹھیس پہونچنے کا اندیشہ ہو۔ قوم مسلم کے افراد عامہ کے دماغوں میں جو کجی اور ہٹ دھرمی پیدا ہو چکی ہے اور دن بدن بڑھ رہی ہے اس کے پیش نظر یہ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ ان کے سامنے مسائلِ مختلفہ کا حل تلاش کرتے وقت ایسے پہلو رکھیں جائیں جن سے ان کے دماغوں میں سلامت روی کا نور اور ان کے قلوب میں نرمی کے گوشے پیدا ہوں۔ نہ یہ کہ ان کے سامنے ایسی بحثیں اٹھائی جائیں کہ وہ حسب عادت آپے سے باہر ہو کر جذبات در ہٹ دھرمی کی دلدل میں چھلانگ لگانے پر مجبور ہو جائیں اور مدتوں اس دلدل میں پڑے ہاتھ پیر مارتے رہیں اور پھر اس دلدل سے وہ نکلنا چاہیں تو بھی نہ نکل سکیں۔

حکومت کا مزاج قطعًا غیر مسلمانہ ہے۔ اسے اسلام اور مسلمانوں سے ہمدردی ہو تو کیوں ہو۔ اور وہ مسلمانوں کے مذہبی احساسات کی پرواہ کرے تو کیوں کرے۔ پھر جو حکومت ملک میں کمیونزم پھیلانے کی خواہش مند ہے اس سے اس بات کی توقع رکھنا کہ وہ اسلامی قدروں کی پرواہ کرے گی اور ایسے اقدامات کرنے سے گریز کرے گی جو ناگوار خاطر محسوس ہوں، کھلی حماقت کے سوا کیا کہلائے گا۔

حکومت کا مزاج قوم کے عام افراد سے کسی درجہ مختلف نہیں ہے۔ جو حال قوم کا ہے وہی حال حکومت کا بھی ہے اس لیے کہ پارلیمنٹ کے ممبران آسمان سے نازل نہیں ہوتے بلکہ اسی دھرتی کی پیداوار ہیں جس دھرتی پر قوم نے جنم لیا ہے۔ ان کی زندگیاں اسی ماحول وفضا میں گذر رہی ہیں جس ماحول وفضا میں قوم پروان چڑھ رہی ہے۔

لہذا اگر حکومت اور افراد حکومت کے دماغوں میں بھی کجی متمکن ہو تو کوئی تعجب خیز بات نہیں، کوئی امر حیرت نہیں۔

خدا اور اس کے رسول کا مزاج یہ ہے کہ انھوں نے فطرتوں سے کہیں آنکھیں بند نہیں کیں۔ انسانی جذبات، انسانی ضروریات انسانی مجبوریوں اور انسانی اغراض کا انھوں نے ہر جگہ خیال رکھا ہے اور کسی بھی جگہ اپنے ماننے والوں کو کسی ایسے حکم کی تعمیل پر مجبور نہیں کیا ہے جو کسی فطرت سے ٹکرا رہا ہو۔

نماز پڑھنے کی تاکید کی گئی۔ اور زبردست تاکید کی گئی۔ بلکہ تاکید کرتے وقت یہ تک کہدیا گیا کہ کفر اور اسلام کے درمیان نماز ہی حد فاصل ہے۔ اس کے باوجود بعض صورتوں میں نماز میں تخفیف اور بعض حالتوں میں نماز کو قضا کر دینے کی اجازت دی۔ محض اس وجہ سے کہ ان صورتوں اور حالتوں میں نماز کا پڑھنا بڑی حد تک مشقت طلب ہوا کرتا ہے اور یہ مشقت انسانی ابدان پر فی الواقع گراں گذرتی ہے۔

خدا اور اس کے رسول نے روزہ رکھنے کی تاکید کی لیکن جن ایام اور جن حالات میں روزہ رکھنا دشوار ہو ان حالات وایام میں

روزے کو ترک کر دینے کا اذن مرحمت فرمایا کہ اس وقت روزہ ترک کر دیا جائے اور پھر کبھی اس کی قضا کر لی جائے۔

خدا اور اس کے رسول نے بعض چیزوں کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے اور اس بات کی تاکید کی ہے کہ ان چیزوں کے قریب بھی نہ پھٹکا جائے۔ لیکن معذوری اور اضطرار کی حالتوں میں ان حرام چیزوں سے فائدہ اٹھا لینے کی اجازت عطا کر دی ہے مثلاً سور کے گوشت کو حرام قرار دیا گیا لیکن اگر کہیں کوئی مسلمان ایسی مجبوری سے دوچار ہو جائے کہ کھانے کو کچھ پاس نہ ہو اور ماسوا سور کے گوشت کے کوئی دوسری چیز حاصل نہ ہو۔ نہ مستقبل قریب میں حاصل ہونے کی توقع ہو اور زندگی شدت بھوک کی وجہ سے خطرہ کی زد میں ہو تو خدا اور اس کے رسولؐ نے اس حالت میں اس گوشت کو کھانے کی اجازت دے دی ہے جس کو خود ہی حرام قرار دیا تھا۔

اس جیسے اور سیکڑوں مسائل ہیں جن میں خدا نے، خدا کے رسولؐ نے بعض ایسی چیزوں سے منفعت حاصل کرنے کی کھلی اجازت دی ہے جن چیزوں کی حرمت و قباحت کو اس نے خود ہی واضح کیا تھا۔

ان تمام باتوں سے یکسر بے پرواہ ہو کر، انتہائی خطرناک اور تباہ کن حالات میں ایک ہی بات کی رٹ لگانا کہ فیملی پلاننگ حرام اور ناجائز ہے دانش مندی کہلا سکتا ہے اور نہ خدا اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری۔

دانش مندی تو یہ ہے کہ آدمی کوئی بھی بات زبان سے نکالتے وقت اور کسی بھی سلسلہ میں کوئی بھی اقدام کرتے وقت حالات و ماحول کو پیش نظر رکھے۔ اور خدا و رسولؐ کی فرمانبرداری کا تقاضا یہ ہے کہ جہاں جہاں انھوں نے خود جھک جانے کی تعلیم دی ہے، وہاں وہاں جھک جانا ضروری سمجھے خواہ اپنا نفس جھکنے کے لیے آمادہ نہ ہو رہا ہو، اور جہاں جہاں انھوں نے ڈٹے رہنے کا اصرار کیا ہے وہاں وہاں ثابت قدم رہنا لازمی خیال کرے اگرچہ جان کے لالے پڑنے کا اندیشہ ہو۔

محترم آپ اپنے مکتوب پر خود ہی نظر ثانی کر لیتے تو بہتر ہوتا۔ کم از کم آپ بلا وجہ کی شرمندگی سے بچ جاتے جو آپ کو کبھی نہ کبھی ہو کر رہے گی اور میں ان غلطیوں کی نشاندہی کرنے سے بچ جاتا جن پر انگلی نہ رکھنا علمی اور مذہبی نقطۂ نظر سے بددیانتی ہی ہوگا۔

آپ کے مکتوب گرامی میں کئی جملے قابل گرفت ہیں۔ کئی سطریں آپ کے قلم سے ایسی نکل گئی ہیں کہ ان پر ڈٹ کر گفتگو کرنے کو دل چاہتا ہے لیکن وقت اور مہلت کی کمیابی طویل مضمون لکھنے کی اجازت نہیں دے رہی ہے۔ تاہم اجمال و اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے کچھ نہ کچھ تو عرض کرنا ہی ہے۔

آپ کئی جگہ کافی بھٹک گئے ہیں۔ اور ایک جگہ تو آپ کی سلامت روی دریائے جوش میں کسی تنکۂ بے جان کی طرح بہتی چلی گئی ہے۔

آپ نے تمام علماء کو علمائے بنی اسرائیل کی صف میں لیجا کر کھڑا کر دیا ہے اور انھیں اس انداز میں نتارا ہے جیسے وہ علماء نہیں بلکہ محلہ کے بد اطوار لونڈے ہوں۔

خیر علماء پر تنقید کے ڈھیلے اچھالنا تو اس دور کا فیشن ٹھیرا۔ مروجہ فیشن کی لپیٹ میں اگر آپ بھی آ گئے ہوں تو اس میں حیرت و استعجاب کی کوئی بات نہیں۔ لیکن یہ بات آپ اپنے ذہن میں بٹھا لیجیے کہ علماء پر لعن و طعن کرنے سے دنیا و آخرت کا کوئی مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔ زیادہ سے زیادہ آپکے نفس کی بھڑاس نکل سکتی ہے اور بس۔

خاندانی منصوبہ بندی جیسے مسائل میں علماء نے خاموشی کی جو روش اپنا رکھی ہے اس سے ہمیں بھی چاول بھر اتفاق نہیں۔ ہم پر زور الفاظ میں اس کی مذمت کر چکے ہیں۔ اسی ماہ کے توجہ طلب میں بھی ہم نے علماء کو جھنجھوڑنے کی کوشش کی ہے لیکن تمام علماء کو علمائے بنی اسرائیل کی صف میں کھڑا کر دینے کے لیے جس دل گردے کی ضرورت ہے وہ شاید ہمارے پاس ہے ہی نہیں۔ اس لیے ہم نے انھیں علمائے بنی اسرائیل کے مشابہ قرار دینے کی کوشش بھی نہیں کی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے علماء میں بہت سی ایسی خرابیاں اور برائیاں پیدا ہو گئی ہیں کہ جن سے جتنی بھی بیزاری و نفرت کا اظہار کیا جائے کم ہے۔ لیکن انھیں ایسے علماء کے مساوی قرار دے دینا انصاف نہیں ہوگا جن علماء کے ہر ہر اقدام کا مطلب

دنیا طلبی کے ماسوا کچھ نہ تھا ہی نہیں۔ ہمارے علماء میں ہزاروں خرابیوں کے باوجود اب بھی بعض صفتیں ایسی ہیں جن کی قدر وستائش ہمیں کرنی ہی چاہیے۔ رہا انھیں ان کی غلطیوں پر متنبہ کرنے کا مسئلہ تو اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ جو کچھ کہا جا رہا ہو، سوچ سمجھ کر اور ناپ تول کر کہا جا رہا ہو۔ سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانک دینے اور آنکھیں بند کر کے ہانک دینے کا طرز عمل سنجیدگی اور دانش مندی سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔

ہمیں نہیں معلوم کہ فیملی پلاننگ سے متعلق بیان دیتے وقت قاری طیب صاحب کی نیت کیا تھی۔ انھوں نے ڈر کر بیان دیا ہے، یا حکومت کو خوش کرنے کے لیے یا کسی اور غرض سے ہمیں یہ تحقیق وتجسس کرنے کی بھی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ ان کے بیان دینے کا اصل مقصد کیا تھا۔ ہمیں تو صرف ان کے بیان سے غرض ہے اور ان کے بیان میں کوئی بات خلاف شرع اور قابل گرفت محسوس نہیں ہوئی۔ ان سے صرف ایک ہی لغزش ہو گئی تھی کہ انھوں نے ضبط تولید کے مسئلہ کو غیر منصوص کہہ دیا تھا۔ اور ان کی اس لغزش کو ہم نے نومبر ودسمبر کے شمارہ میں لغزش ہی قرار دیا ہے۔ لیکن اس کے علاوہ ان کے بیان میں کوئی بھی بات ایسی نہیں ہے جسے قابل گرفت کہا جا سکے انھوں نے تمام علماء کو یہی مشورہ دیا تھا کہ وہ ایک جگہ بیٹھیں اور اس مسئلہ کا کوئی حل نکالنے کی کوشش کریں جو افراتفری کی لپیٹ میں آیا ہوا ہے۔

افسوس اس بات کا ہے کہ یار لوگوں نے مہتمم صاحب کے خلاف لفظوں کے ان گنت محاذ تو ضرور قائم کیے۔ انھیں صلواتیں تو ضرور سنائیں لیکن ضبط تولید کا کوئی معقول حل نکالنے کی توفیق نہ کسی مفتی کو ہو سکی نہ کسی دارالافتاء کو۔ وہ مسئلہ اپنی جگہ جوں کا توں رہا۔ گویا کہ اگر پھر کبھی اگر زور زبردستی اور پکڑ دھکڑ ہی ہو تو تحفظ وبچاؤ کا کوئی پہلو ہمارے سامنے موجود نہیں ہے۔ چار مسلمان کہیں گے کہ فیملی پلاننگ ناجائز ہے، چار مسلمان کہیں گے کہ جائز ہے اور باقی زبانوں پر خاموشی کے قفل چڑھے نظر آئیں گے اور حکومت صرف ان مسلمانوں کی بات کو ترجیح دے گی جو فیملی پلاننگ کو جائز باور کرائیں گے۔ نتیجہ پھر وہی نکلے گا۔ یعنی مار دھاڑ اور دھونس وگھر بانی کا بازار اور ایک بار پھر گرم ہو جائے گا۔

محترم مکتوب نگار ہمیں تو آپ سے سب سے بڑی شکایت یہ ہے کہ آپ نے ہمارے مضمون کو گہری نظر سے نہیں دیکھا نہ ہی مضمون پڑھنے کے بعد غور وفکر کرنے کی کوشش کی۔ بس ایک اعتراض نامہ لکھ مارا۔

نومبر ودسمبر کے شمارے میں چھپے ہوئے ہمارے مضمون سے جو فائدہ ہوا اس پر آپ کی نظر نہیں گئی۔ ایک بڑا فائدہ تو یہی ہوا کہ جو لوگ مہتمم صاحب کے بیان کو فتویٰ سمجھ بیٹھے تھے۔ ان کی غلط فہمی دور ہو گئی اور ہمارا مضمون پڑھنے کے بعد انھیں اس بات کا اندازہ ہوا کہ مہتمم صاحب کا بیان نہ فیملی پلاننگ کی موافقت میں ہے نہ مخالفت میں۔ اس میں تو فقط یہ گذارش کی گئی ہے کہ اس مسئلہ کا کوئی حل نکالا جائے۔

دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ لوگوں پر یہ بات بخوبی عیاں ہو گئی کہ مہتمم صاحب نے جو کچھ بھی کہا ہے اس کا تعلق خاندانی منصوبہ بندی سے ہے نس بندی سے نہیں۔ اکثر لوگوں کا عالم یہ ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی اور نس بندی کو ایک ہی نظر سے دیکھ رہے ہیں۔ حالاں کہ خاندانی منصوبہ بندی اور نس بندی میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ اسلام جس چیز کو جائز سمجھے وہ اس کے حصول کے ہر ہر ذریعہ کو جائز ہی قرار دے۔ اسلام گوشت خوری کو بالکل جائز سمجھتا ہے لیکن جانور کے ذبح کرنے کے ہر طریقہ اور ہر ذریعہ کو وہ جائز تصور نہیں کرتا۔ مثلاً وہ جھٹکے کے ذریعہ کاٹے ہوئے جانور کے گوشت کو کھانے سے منع کرتا ہے جب کہ اسی جانور کا گوشت صحیح معنوں میں ذبح کرنے سے اسلام کی نگاہوں میں قطعاً جائز اور حلال ہے۔

تیسرا فائدہ ہمارے مضمون سے یہ بھی ہوا کہ ایمرجنسی کے دوران میں فیملی پلاننگ سے متعلق جتنے کتابچے اور مضامین شائع ہوئے ہیں ان میں ایک طرفہ دلائل نقل کرنے کی روش اختیار کی گئی ہے۔ کسی کو بھی اس بات کی توفیق نہیں ہو سکی کہ ان لوگوں کے دلائل بھی نقل کرے جو ضبط تولید کو جائز نہیں سمجھتے۔ ہم نے دونوں ہی جماعتوں کے موقف اور ان کے دلائل کو اپنے مضمون میں

سپریٹ دیا تھا، تاکہ قارئین کو اس بات کا اندازہ ہو جائے کہ جو لوگ ضبط تولید کو جائز نہیں سمجھتے ان کا دامن بھی دلائل سے خالی نہیں۔ کچھ نہ کچھ علمی ہتھیار وہ بھی رکھتے ہیں۔ قابل افسوس بات ہے کہ آپ کی کسی بھی فائدے پر نظر نہیں گئی اور اس سے زیادہ قابل افسوس بات یہ ہے کہ آپ نے ہمارے مضمون کو سرسری نظروں سے پڑھنے کے بعد اعتراض نامہ گھسیٹ مارا اور یہ غور و فکر کی زحمت بھی گوارا نہیں کی کہ ہمارے مضمون لکھنے کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔

ہم نے اپنی گورنمنٹ سے اس بات کی گذارش کی تھی کہ دوسرے طبقہ کے علماء سے بھی ایسے ہی چند بیانات نشر کرائے تاکہ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ مل سکے کہ ہم قاری طیب صاحب کے مرید نہیں ہیں جو ان کے بیان پر آنکھیں بند کر کے ایمان لے آئیں افسوس کہ آپ اس سیدھی سی بات کا مطلب بھی نہیں سمجھ سکے اور اعتراض کر بیٹھے۔

محترم ہمارا مقصد تو یہ تھا کہ گورنمنٹ نے صرف دیوبندیوں ہی سے بیان نشر کرا کر مسلمانوں کے درمیان افتراق و انتشار پھیلانے کی کوشش کی ہے۔ اس لیے کہ مسلمانوں کا عالم یہ ہے کہ وہ اپنے مخالف کسی بھی شخص کی بات سننے اور ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ خواہ وہ شخص تقرب اور پرہیزگاری کی آخری چوٹی پر ہی فائز کیوں نہ ہو۔ ایک طبقہ کے فرد واحد سے بیان دلانے کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا نکلتا کہ مسلمانوں کے اختلافات میں دُگنا اور چوگنا اضافہ ہو جائے اور وہ اور زیادہ شدت و قوت کے ساتھ ایک دوسرے پر گالیوں کی بوچھار کرنے لگیں ـــــ ایک مقصد ہمارا اور بھی تھا اور وہ یہ کہ چونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بموجب ان کی امت گمراہی پر کبھی مجتمع نہیں ہو سکتی۔ اس لیے ہم نے اجتماعی بیانات نشر کرانے کی گذارش کی اور اس یقین کے ساتھ کہ امت کے تمام علماء فیملی پلاننگ کے جواز میں بیان دے ہی نہیں سکتے۔ اگر فی الواقعہ وہ ناجائز اور حرام ہے۔ نہ ہی حکومت تمام طبقہ کو اس بات پر مجبور کر سکتی ہے کہ وہ فیملی پلاننگ کی موافقت میں بیانات دیتے پھریں۔ آپ نے ہمارے مضمون کو صرف پڑھا ہے اور اس پر غور و فکر کرنے کی اصلاح کی کوشش نہیں کی۔ جس طرح قاری طیب صاحب کے بیان کو لوگوں نے صرف سن لیا تھا سننے کے بعد اس پر سنجیدگی سے غور و فکر کرنے کی توفیق تو کسی کو بھی نہیں ہو سکی تھی اور جسے غور و فکر کی توفیق نصیب ہوئی تھی اسے یہ یقین ہو گیا تھا کہ قاری طیب صاحب کا بیان فیملی پلاننگ کی موافقت میں نہیں ہے۔

رہا تباہ کن اور خطرناک حالات کا معاملہ تو اس میں ہماری وہی رائے ہے جو پہلے تھی کہ اگر جانیں خطرے میں پڑ جائیں۔ روزگار چھین لینے کی دھمکیاں دی جائیں۔ تنخواہیں ضبط کی جائیں اور ان کا کوئی مداوا مسلمانوں کے دامن میں موجود نہ ہو تو پھر مسلمانوں کا جھک جانا ہی عقل و مصلحت کے قریں ہے۔ اس صورت میں مسلمان معذور سمجھے جائیں گے اور انشاء اللہ ان سے آخرت میں کوئی حساب کتاب نہیں ہوگا۔

اگر حکومت وقت فیملی پلاننگ کی تحریک کو ترغیب و تلقین کے ذریعہ پھیلانے کی کوشش کرے تو اس تحریک کی عملی تائید کرنا بے شک غلط ہوگا لیکن جب اس تحریک کو ڈنڈے کے زور سے پھیلانے کی سعی کی جائے گی تو اس کی لپیٹ میں آ جانا منجملہ معصیت کیسے ہو سکتا ہے۔؟

حکومت وقت سے ٹکرانا اس حالت میں کہ بچاؤ کا کوئی پہلو نہیں۔ کوئی اپنا مخلص نہیں۔ سب پریٹ کے پجاری ہیں۔ آخر جہالت اور بے وقوفی کے سوا کیا ہے۔ پہلے اپنے تحفظ کا کوئی ذریعہ سوچ لیتے پھر جنگ و جدال کے لیے میدان میں آتے۔ آ بیل مجھے مار والی پالیسی پر عمل کرنا جاہلوں کا شیوہ ہو سکتا ہے عقلمندوں کا نہیں۔

جذبات سے مسائل حل کرنے کی ناکام کوشش دیوانگی اور صرف دیوانگی ہے۔ ہوش و خرد سے محروم انسانوں کی ایک بھیڑ عقل و خرد سے حل ہونے والے ایک ادنیٰ سے ادنیٰ مسئلہ کو حل نہیں کر سکتی چہ جائیکہ کسی بڑے مسئلہ کو حل کرنے کی ٹھانی جائے۔

ہم مولانا عامر عثمانی کے اس ذومعنی شعر پر بات کو ختم کرتے ہیں

رہِ طلب میں ساتھ دے جنوں کو بھی خرد کو بھی
جنوں امام ہی سہی خرد بھی رائگاں نہیں

(والسلام ـ محمد احسن صدیقی)

آپ کو دیکھ کر جو شخص بھی اسلام کے متعلق بری رائے قائم کریگا اس کی ذمہ داری آپ پر ہوگی۔ اس کے برعکس اگر آپ نے اپنے قول و عمل سے اپنے اخلاق اور معاملات سے اپنے طرز زندگی سے اسلام کی صحیح نمائندگی کی تو بعید نہیں کہ بہت سے لوگوں کے دل اسلام کے لیے کھل جائیں گے خواہ آپ باقاعدہ تبلیغ کا کام کریں یا نہ کریں، لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ ہر مسلمان جو یہاں رہتا ہے اپنی اس حیثیت اور اس ذمہ داری کو محسوس کرے۔ آپ کی زندگی اگر ایک سچے اور پورے عملی مسلمان کی سی زندگی ہو تو آپ کا وجود ایک جیتا جاگتا اور چلتا پھرتا مبلغ بن جائے گا۔

دوسری بات میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ میں سے جو لوگ یہاں رہ پڑے ہیں وہ اپنی آئندہ نسل کی فکر کریں۔ آپ یہاں ایک مسلمان ملک اور مسلمان معاشرے سے نکل آئے ہیں، آپ نے مسلمان ماں باپ کے گھر میں آنکھیں کھولی ہیں۔ آپ نے خواہ اسلام کی تعلیم حاصل نہ بھی کی ہو تو زندگی کا ایک خاصا حصہ مسلم معاشرے میں گزارا ہے جس کے اندر رہ کر ہر شخص کچھ نہ کچھ اسلام کے متعلق ضرور جان لیتا ہے اس کو سرسری ہی سہی، بہرحال اتنا ضرور علم ہوتا ہے کہ اسلامی عقائد کیا ہیں، اسلامی عبادات کیا ہیں، اسلام کی نگاہ میں کیا چیز بری ہے اور کیا چیز اچھی۔ اور مسلمان کا طرز زندگی کیا ہے۔ لیکن آپ کی اولاد جو یہاں پرورش پا رہی ہے وہ بالکل نہیں جانتی کہ اسلام کیا ہے اور اسلامی زندگی کیا ہوتی ہے۔ اس کو اسلام کی کوئی تعلیم نہیں ملتی، اور نہ مسلم معاشرے کے طور طریقوں سے وہ واقف ہوتا ہے۔ یہاں آنکھیں کھول کر ایک بچہ ہر وقت ایک غیر مسلم معاشرے کو چلتا پھرتا دیکھتا ہے یہاں کے مدارس میں جاتا ہے تو وہی تعلیم و تربیت اسے ملتی ہے جو یہاں کے بچوں اور نوجوانوں کو دی جاتی ہے۔ اس حالت میں آپ چاہے کتنا ہی زور لگائیں اپنی اولاد کو یہاں کے معاشرے یہاں کے اخلاق و تہذیب اور یہاں کے غلط نظام زندگی میں جذب ہونے سے نہیں بچا سکتے۔ اس لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ جہاں بھی مسلمان کافی تعداد میں آباد ہیں وہاں وہ اپنے بچوں کی اسلامی تعلیم و تربیت کا خود انتظام کریں۔ اگر وہ اس کی ضرورت اور اہمیت کو محسوس کر لیں گے تو یہ کچھ مشکل نہیں ہے کہ مل جل کر ایک تنظیم قائم کریں، ایک تعلیمی فنڈ قائم کریں جس میں ہر شخص باقاعدگی کے ساتھ اپنی استطاعت کے مطابق چندہ دے اور اس فنڈ سے مسلمان بچوں کے لیے مدارس کھولے جائیں جن میں تعلیم اس معیار کی ہو جو موجودہ اس ملک کا نظام تعلیم چاہتا ہے، مگر اس کے ساتھ دینی تعلیم و تربیت بھی دی جائے اور مسلمان بچوں کو یہاں کے نظام تعلیم کی گندگیوں مثلاً جنسی تعلیم اور مخلوط تعلیم سے محفوظ رکھا جائے، ان مدرسوں کے ساتھ ایسے ہوسٹل بھی قائم کیے جائیں جن میں ایسے مقامات کے لوگ اپنے بچے بھیج سکیں جہاں مسلمانوں کی تعداد اتنی کم ہے کہ وہ اپنے مدرسے قائم نہیں کر سکتے۔ میرے نزدیک کوئی وجہ نہیں ہے کہ آپ کے مدارس کو تسلیم نہ کیا جائے۔ اگر آپ یہ ثابت کر دینگے کہ کینیڈا یا امریکہ میں تعلیم کا جو معیار ہے آپ کے مدارس اس معیار پر پورے اترتے ہیں اور آپ اس معیار کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے بچوں کو اپنے مذہب کی تعلیم دینا چاہتے ہیں تو میں نہیں سمجھتا کہ آپ کے اس حق کو تسلیم کرنے سے کوئی حکومت انکار کر دے گی۔ اگر یہاں دوسرے مذہبی یا نسلی گروہوں کو اپنے مخصوص (PAROCHIAL) مدارس قائم کرنے کی اجازت دی جا سکتی ہے تو آخر آپ کو کیوں نہیں دی جا سکتی؟ شرط بس یہ ہے کہ آپ بھی اپنا حق منوانے کے لیے اس طرح کی کوشش کریں جس طرح دوسروں نے کی ہے اور اسے منوا کر چھوڑا ہے۔ میں صاف صاف عرض کرتا ہوں کہ اگر آپ نے اس کام میں غفلت سے کام لیا تو آپ کی پہلی نسل کو تو شاید یہ یاد بھی رہ جائے کہ ان کے باپ دادا مسلمان تھے لیکن دوسری اور تیسری نسل تک پہنچتے پہنچتے وہ بالکل یہاں کی تہذیب و معاشرے میں گم ہو جائیں گے اور ان کے اندر اسلام کی رمق تک باقی نہ رہیگی خدا نہ کرے کہ اس حد تک نوبت پہنچے۔ اس لیے میں بڑی دلسوزی کے ساتھ آپ کو اس کام کی ضرورت و اہمیت کا احساس دلاتا ہوں مجھے امید ہے کہ کینیڈا اور امریکہ میں رہنے والے مسلمان اس میں کسی تساہل اور تاخیر سے کام نہ لیں گے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

غزل

(کیف نوگانوی)

تشنگی سب کی بجھاتے رہے کوثر کی طرح
ہم زمانے میں جیے شیشہ و ساغر کی طرح

قلبِ الحاد میں چبھتے رہے نشتر کی طرح
ہم رگِ کفر پہ چلتے رہے خنجر کی طرح

کل تراشی تھیں چٹانوں سے جنھوں نے راہیں
آج حائل ہیں وہی راہ میں پتھر کی طرح

سوزِ پنہاں نے کہیں چین سے رہنے نہ دیا
رہے گردش ہی میں پیمانہ و ساغر کی طرح

درحقیقت ہیں وہی راہزنوں کے سردار
بھیس بدلے جو نظر آتے ہیں رہبر کی طرح

خار ہیں کوچۂ دلدار کے پھولوں جیسے
رہِ الفت کے ہیں ذرے مہ و اختر کی طرح

ہو گئے گردشِ ایام کے ہاتھوں معدوم
دبدبہ جنکا تھا دارا و سکندر کی طرح

عزم کی آنچ سے پتھر بھی پگھل جاتے ہیں
اگر نہ ہو عزم تو ہے موم بھی پتھر کی طرح

اہلِ حق کو کبھی باطل نے گوارا نہ کیا
چشمِ باطل میں کھٹکتے ہیں یہ کنکر کی طرح

حاصلِ زیست ہیں اے کیفؔ کچھ ایسے لمحات
رگِ احساس میں چبھتے ہیں جو نشتر کی طرح!

مسجد سے میخانے تک

ہمارا مقدس ملک بھی ماشاء اللہ ایسا بے مثال ہے جیسا کہ حق ہے بے مثال ہونے کا۔ یہاں ایسا ایسا مفکر اور مدبر پڑا ہے کہ سقراط و بقراط کے فرشتے بھی اس کی گرد کو نہیں پاسکتے۔ پھر مزا یہ ہے کہ جو مفکرین مرجاتے ہیں ان کی روحیں نہایت پابندی کے ساتھ عوام کے سروں پر ہی منڈلاتی رہتی ہیں اور آواگون کے قاعدے سے وہ دوبارہ لیڈر وزیر کے روپ میں جنم لے لیتے ہیں - پھر بات یہیں ختم نہیں ہوجاتی بلکہ قسمت انہیں حکومت و اقتدار کی ان کرسیوں پر لا بٹھاتی ہے جہاں عقل کو چاہے معدے سے ضرب دو یا پھیپھڑے سے تقسیم کرو حاصل ہمیشہ "جمہوریت" ہی کا نکلے گا۔

اس سو فیصدی صوفیانہ تمہید کے بعد اب آپ کو ایک نکتۂ عارفانہ سناؤں کہ جس کو سنتے ہی آپ کی چودہ پشتوں کی عاقبت روشن ہوجائے گی۔

سنئے — تجویز پیش کردی ہے ہماری حکومت عالیہ کے کئی مستند عقلمندوں نے — بالکل صاف صاف اور کھری اردو میں — کہ

> اُن عورتوں اور مردوں کو جن کے دو سے زیادہ
> بچے ہوں آپریشن کے ذریعے ناکارہ بنانے پر
> رضامند کیا جائے۔

اور انہیں زیادہ سمجھداروں کے بقول ناکارہ بننے پر مجبور کیا جاتا۔

کیا سمجھے؟ — میرا خیال ہے کہ آپ نہیں سمجھے ابھی حضور یہ جو روپے کا سیر گیہوں بک رہا ہے اس کا علاج آخر اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ عورتوں کو بانجھ بنا کر ان گرہستوں کو تولید سے روک دیا جائے جو تولید ہوتے ہی جانوروں کی طرح گیہوں چرنا شروع کردیتے ہیں - یاد کیجئے کہ کسی زبردست شاعر نے ٹھیک ایسا ہی علاج پہلے بھی بتایا تھا

> مگس کو باغ میں جانے نہ دینا
> کہ ناحق خون پروانے کا ہوگا

آپ شاید مذاق سمجھ رہے ہیں لیکن یقین کیجئے کہ آجکل عاجز اتنا ہی سنجیدہ ہے جیسا کہ حق ہے سنجیدہ ہونے کا۔ روپے سیر کا گیہوں اور روپے سیر کا چنا بک رہا ہو تو مذاق کس کا فر کو سوجھ سکتا ہے۔ یہ شاندار تجویز ظاہر ہے کہ غذائی قلت کو دور کرنے ہی کے لئے سوچی گئی ہے اس تجویز کا حشر کچھ بھی ہو یا اس تجویز پر عمل کرنے کے بعد عوام کا حشر کچھ بھی ہو لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ اس تجویز کے شمال و جنوب سے دانشمندی کے ایک ہزار چشمے پھوٹ رہے ہیں۔

بعض سمجھدار لوگ کہتے ہیں کہ ملک میں اناج کی کوئی کمی نہیں اور بعض بے وقوف لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ [illegible] اناج سرے سے پیدا ہی نہیں ہو رہا - زمینیں بالکل بنجر ہو چکی ہیں۔ جو کچھ اناج پیدا ہوتا نظر آرہا ہے وہ نظر کا فریب ہے اور راقم الحروف کی بیوی کا کہنا یہ ہے کہ جیسا اناج

آج کل مل رہا ہے ایسا تو کبھی چشمِ فلک نے دیکھا ہی نہیں
میں اس سے عرض کرتا ہوں کہ اے نیک بخت تجھے چشمِ فلک
کا خوفناک لفظ کس نے بتایا — تیری زبان پر یہ لفظ
نہیں کھپتا ۔ کتنا بھاری بھرکم کیسا وحشتناک ہے — وہ
بڑبڑاتی ہے کہ تم پر خدا کی مار ۔ کیسی بکواس کرتے ہو ۔
چشمِ فلک جیسا نازک لفظ غالب جیسے معصوم عن الخطا
شاعر نے ایجاد کیا تھا ۔

میں کہتا ہوں ۔ تم بکتی ہو ۔ بکواس کرتی ہو — خدا
تمہیں بے حساب بچے دے گا ۔ پریشان ہو جاؤ گی ۔

وہ جھلا کر ادھر ادھر چلی جاتی ہے ۔ اور میرے پردۂ
ذہن پر تصورات کا ایک رنگین فلم چلنے لگتا ہے ۔ جس میں
ہر شخص کے بس تین ہی بچے نظر آتے ہیں اور فلم میں صاف
صاف یہ نظر آتا ہے کہ جیسے ہی تیرا بچہ پیدا ہوا عورت ہسپتال
میں جا پہونچی اور مودبانہ الفاظ میں ڈاکٹروں سے کہنے لگی ۔
کہ میں آگئی ہوں ۔ واسطے کروانے آپریشن کے ۔ کرنے خوش
اپنی گورنمنٹ کو بوجہ خالص ہندوستانی ہونے کے ۔ گورنمنٹ
قبول کرلے میری قربانی تو اطمینان حاصل ہو میری روح کو
اور سکون ملے مجھے دراں حیات وابعد الممات ۔

اس کے بعد تیسرا کی فلم میں یہ بھی نظر آتا ہے کہ عورتیں
ہمیشہ کے لئے بچوں سے نجات پا جانے کی خوشی میں سیب
کے مربے کھانے کے بعد گنے کا رس پی رہی ہیں ۔ اور یہاں
پھر ایک سین میں یہ بھی نظر آتا ہے کہ موت کا فرشتہ اگر
پیدا شدہ تینوں بچوں میں سے کسی کی روح قبض کرنے
کے لئے آگے بڑھتا ہے تو حکومتِ عالیہ کے نمائندے
اسے وہیں روک دیتے ہیں اور خالص عبرانی زبان میں
فرماتے ہیں کہ خبردار یہ بچہ لیمیٹیڈ ہے — مزید یہ بھی فرماتے
ہیں کہ بھائی صاحب پہلے کی بات اور تھی کہ ایک مرا تو دو
آئے ۔ لیکن اب موت وحیات پنج سالہ منصوبوں کی پابند ہے
لہذا اُلٹے پاؤں لوٹ جاؤ ۔ اور بھگوان سے کہو کہ ہندوستانی
اب آپ کی ڈکٹیٹر شپ برداشت نہیں کریں گے ۔ پھر میں نے
دیکھا کہ فرشتہ گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا ۔ کچھ دیر سوچ کر

وہ بھگوان کے پاس پہونچا اور اس نے کہا کہ ہندوستان
میں تو سب کا بیمہ ہو چکا ہے — ماروں تو کسے ماروں؟
بھگوان کہتے ہیں ۔ صبر کرو ۔ ہندوستان میں جیسی جمہوریت
ہے ویسی جمہوریت کے خلاف ہم سوچنے کیلئے تیار نہیں ۔

صوفی حماقت علی اس غم میں پچھاڑے کھا رہے تھے
کہ پاکستان میں بے چاری جمہوریت کا قیمہ کرکے رکھ دیا گیا
ہے وہاں کی نومولود قیادت کو نئو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے
گالیاں دیتے ہوئے انھوں نے نصف درجن پان کھائے
اور دو درجن سگریٹ منہ میں لگائیں دھوئیں کو تو خیر برداشت کرلینا کوئی مشکل
نہ تھا ۔ لیکن ہر فقرے کے ساتھ منہ سے اڑتی ہوئی رنگین
اور بدبودار چھینٹیں آخر کیسے برداشت ہوسکتی تھیں ۔ لیکن
صوفی تحمل بدن کی خدمت میں رہکر کم و بیش سو سال میں
نے کسر نفسی کی مشق کی ہے اور میں اس میں سو فی صد کامیاب
رہا ہوں ۔ یہ مشق نہ کی ہوتی تو میں صوفی حماقت علی پر برس
پڑتا —

میں نے برادرانہ انداز میں پوچھا ۔
حضرت آپ نے وہ خبر بھی پڑھی ہے جو روزنامہ جل تو
جلال تو کے سہ روزہ ایڈیشن میں چھپی ہے ۔
کیسی خبر ؟
خبر ہے کہ اب حکومتِ پاکستان عربی مدارس کو
قومیانے کا ارادہ کر رہی ہے ۔ جماعتِ اسلامی جیسی فرقہ
پرست جماعتوں کا تو اس نے کچومر نکال دیا ہے ۔
اب بھٹو میاں اسلام ہی کو مٹانے کا خواب دیکھ
رہے ہیں اور یہ کام عربی مدارس پر چھاپے مارے
بغیر ممکن نہیں ہوگا ۔
بھٹو نا سمجھ ہے ۔ انھوں نے برجستہ کہا ۔ اسے کیا
خبر کہ اسلام کا محافظ تو خدا ہے ۔ اس کا تو باپ بھی
اسلام کو نہیں مٹا سکتا ۔
آپ جیسے لوگ ضرورت سے زیادہ سادہ لوح
ہیں آپ کو نہیں معلوم بھٹو جیسے لوگ کتنا بڑا فتنہ

ہوتے ہیں

خدا کا قہر جس دن ذرا سی کروٹ لے گا ایسے ایسے ہزاروں فتنے ہواؤں میں تحلیل ہوجائیں گے وہ ٹھیک ہے۔ پھر بھی ہمیں بھٹو جیسے لوگوں سے نمٹنے کے لئے کوئی محاذ ضرور قائم کرنا چاہیئے۔ اگر ایسا ہی کوئی سورما ہندوستان کی زمین سے گود پڑا تو کیا ہوگا؟

میاں تمہارا مطلب کیا ہے؟

میرا مطلب یہ ہے کہ پاکستان کی جمہوریت کا جنازہ نکل چکا ہے لہٰذا ایصال ثواب کی کوئی محفل منعقد ہونی چاہئے

تم ٹھیک کہتے ہو، لیکن وہ تمہارے مودودئے کہاں ہیں سُنا ہے کہ انھوں نے قوم سے وعدہ کیا تھا کہ چند سال کے اندر اندر اسلامی حکومت قائم کرکے دکھائیں گے۔

بھائی۔ اسلامی حکومت قائم ہونے سے مولویوں کی سلطنتوں کو ٹھیس پہونچے گی اس لئے مولوی لوگ کسی بھی قیمت پر اسلامی حکومت قائم نہیں ہونے دیں گے۔

بات سمجھ میں نہیں آتی۔ انھوں نے پان کی پیک سے زمین کو سُرخ کرنے کے بعد کہا۔

بات سمجھ میں آئے گی بھی نہیں ــــ ڈالڈا گھی نے عقلوں کو کنار کرکے رکھدیا ہے اس لئے میں سمجھانے کی کوشش بالکل نہیں کروں گا۔

ہندوستان کی جمہوریت کے بارے میں تمہاری کیا رائے؟ وہی رائے ہے جو پاکستان کی جمہوریت کے بارے میں ہے یعنی ــــ کھلی دھاندلی اور کورے فریب کا نام جمہوریت رکھ چھوڑا ہے۔

لیکن ہماری رائے تمہاری رائے سے بالکل مختلف ہے اس لئے کہ ہمارے شیخ کی یہ تاکید ہے کہ ہندوستان کو کبھی بُرا مت کہنا ــــ ہندوستان کو بُرا کہنے والوں کی بخشش نہیں ہوسکتی۔ خواہ پیغمبروں کے سیر در سیر شفاعت نصیب ہوجائے۔

تو آپ کیا ہندوستان کے بارے میں کیا رائے ہے؟

وہی جو اقبال کی تھی۔ سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا۔

تم واقعی پکّے جمعیۃ العلمائی ہو

بے شک ــــ ہم اپنے اصولوں کے ایک اینچ اِدھر اُدھر نہیں ہوتے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا تمہارے ایمان کی اور شیطان تمہاری منافقت کی برابر حفاظت کرتا رہتا ہے

کیا بکواس کرتے ہو۔ انھوں نے آنکھیں نکالیں۔ پھر تھرکتے ہوئے بولے مجھے تمہارے ایمان کی گہرائی سے مودودیت کی بو آرہی ہے۔ چلو ہمارے شیخ کے پاس وہ تمہارے ایمان کی مرمت کردیں گے ورنہ سمجھ لو کہ ہوگا تمہارا حشر ہامان اور قارون کے ساتھ

چلو یہ تو اچھا ہی ہوگا۔ اسلئے قارون جیسے کروڑپتی کو قریب سے دیکھنے کی مجھے آرزو ہی ہے

انھوں نے مجھے جھڑکی دیتے ہوئے کہا۔ بس بس زبان بند کرو۔ ہمیں تم سے والہانہ تعلق ہے ہم تمہیں دوزخ میں نہیں جانے دیں گے ویسے تم ہو دوزخ میں جانے ہی کے مستحق۔ قارون تمہیں ہمارے شیخ کے طفیل سے جنت ہی میں کہیں ٹہلتا ہوا مل جائے گا۔

چلو یہ تو بہت ہی اچھا ہی رہے گا ــــ لیکن وہ پاکستان والی رل گئی کہ بھٹو جیسے لوگوں سے کیسے نمٹا جائے۔

اماں چھوڑو بھٹو کو ــــ جیسا کرے گا ویسا بھریگا ہم اس کی قبر میں تھوڑے جائیں گے۔

لیکن وہ جمہوریت۔

جمہوریت جمہوریت کی رٹ مت لگاؤ۔ بیسوی صدی میں جمہوریت کا کیا کام۔

لیکن جمہوریت کے بغیر اقلیت کے مذہبی احساسات کا تحفظ ممکن نہیں ہے۔

ضرورت ہی کیا ہے احساسات کے تحفظ کی

تو کیا ہم اپنی اسلامی قدروں کا خون ناحق ہوتے ہوئے

چپ چاپ دیکھتے رہیں۔

میں نے تو سُنا تھا کہ تم ترقی پسند مولوی ہو۔ لیکن آج اندازہ ہوا کہ تمہاری رگوں میں تو دقیانوسیت کے آسیب گردش کر رہے ہیں۔

آپ کا مطلب یہ ہوا کہ اسلامی قدروں کی حفاظت کے لئے غور و فکر کرنا بھی دقیانوسیت کا درجہ رکھتا ہے۔

یار ہم نے بڑے بڑے مولویوں کو سب کچھ کرتے دیکھا ہے کیوں باتیں بنا رہے ہو۔ اسلامی اصول، اقلیت کا تحفظ، نیک نیتی جیسی باتیں اسٹیج پر اچھی لگتی ہیں۔ ورنہ ان باتوں میں دھرا ہی کیا ہے۔ اس دور میں مسلمان اُسے کہتے ہیں جو ہٹ دھرم نہ ہو ہمارے شیخ کی طرح۔ جو لوگ ہٹ دھرمی کا اظہار کرتے ہیں وہ ملک فساد اور انتشار کے سوا دے ہی کیا سکتے ہیں۔ ہماری برادرانہ نصیحت ہے کہ تم جمعیۃ العلماء کے اصولوں کو اپناؤ۔ پھر تمہارا ضمیر بالکل پوتر ہو جائے گا۔ کچھ بھی کرتے پھرنا پھر یہ وسوسہ دل میں پیدا ہو ہی نہیں سکتا کہ کیا بُرا ہے اور کیا اچھا —— ہر چیز بھلی محسوس ہوگی —— تنقید و اعتراض کا جذبہ اپنی موت آپ مر جائے گا۔

اچھا تو میں چلوں —— میں نے گھبرا کر کہا۔

ضرور جاؤ۔ لیکن یہ پلّے باندھ لو جب تک تم جمعیۃ العلماء کے اصولوں کو نہیں اپناؤ گے تمہارے ایمان کے اندر سکون اور ٹھہراؤ پیدا نہیں ہو سکتا۔ ہمیں دیکھو ہم کچھ بھی کر گذریں لیکن ہمارا ضمیر ہمیں ملامت نہیں کرتا ——

میرا دماغ ان کی منطق کو ہضم کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ انھیں تانگے میں جاتے ہوئے ان کے شیخ نظر آ گئے اور یہ کہتے ہوئے بھاگے۔ حضرت حضرت

اور میں سوچنے لگا —— کس قدر خوش نصیب ہیں جمعیۃ العلماء کے مسلمان کہ دنیا بھی اپنی —— آخرت بھی اپنی —— کوئی وسوسہ نہیں کوئی تردد نہیں —— دل و دماغ میں سکون ٹھاٹھیں مارتا رہتا ہے اور بے ایک ہم ہیں —— ہر وقت یہی ہتوڑے کہ کیا اسلامی ہے اور کیا غیر اسلامی۔ خیر ان کی دنیا تو اپنی ہے ہی نہیں آخرت کا خدا ہی حافظ ہے کہ وہاں کیا گذرے۔

دیوبند کے ایک الیکشنی جلسے میں ایک ہندو دوست نے ووٹ حاصل کرنے کے سلسلہ میں بڑی ایمان افروز تقریر کی —— حاضرات کرنے والوں کا کہنا ہے کہ دیوبند بھر کے کراماً کاتبین فرطِ بے خودی میں اعمالنامے لکھنے بھول گئے۔ ان کا مطلب یہ کہ جس طرح صوفی حضرات قوالی سنتے ہوئے حال کرتے ہیں۔ اسی طرح اعمال نامے لکھنے والے فرشتوں کو یہ ایمان افروز تقریر سن کر حال آ گیا۔

تقریر کے بعد ایک ہوٹل میں جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں ایک صاحب فرما رہے تھے۔ کہ کیسا دیندار ہندو ہے یہ شخص اور کس قدر فراخ دل اور وسیع النظر، قرآن و حدیث کا کتنے احترام سے نام لے رہا تھا —— مندر یہ مسجد کی حرمت و حفاظت کو مقدم سمجھنا بڑے ہی دل گردے کی بات ہے۔

میں مسکرایا —— میری مسکراہٹ سے عام طور پر لوگ بدظن ہو چکے ہیں —— چنانچہ انھیں برخوردار نے مشکوک لہجہ میں پوچھا۔ کیا بات ہے مُلّا صاحب؟

میں نے کہا کچھ نہیں۔ یوں ہی ایک کہانی یاد آ گئی۔

بولے ہمیں بھی سنائیے۔

میں نے عرض کیا —— کہانی کیا۔ یوں ہی ایک معمولی سی بات ہے۔

اصل میں ایک نواب کے یہاں کوئی شکاری مہمان ٹھہرے تھے تیتر سے لیکر مچھلی اور بٹیر تک کا شکار کھیلتے تھے۔ ادھر نواب صاحب شکار کے اصولوں سے قطعاً نابلد تھے۔

ایک دن شکاری صاحب شیر کے شکار کے لئے بکرا خرید کر لائے نواب صاحب نے بکرا لانے کی وجہ پوچھی تو انھوں نے سادگی کے ساتھ وجہ بتا دی کہ شکار میں ضرورت

پڑے گی

اگلے دن شکاری صاحب مچھلی کے شکار کے لئے کیچوے جمع کر کے لائے نواب صاحب نے پھر وجہ پوچھی تو انھوں نے پھر وہی جواب دیا کہ شکار میں ضرورت پڑے گی۔

تیسرے دن شکاری نے اپنے نوکر سے باجرا لانے کیلئے کہا۔ نواب صاحب نے پوچھا۔ باجرا کس لئے؟ شکاری نے جواب دیا۔ شکار کیلئے۔

اب تو نواب صاحب جھلا گئے۔ شکار۔ شکار شکار۔ آخر شکار ہے یا مذاق۔ بکرا بھی شکار کے لئے۔ کیچوے بھی شکار کے لئے۔ باجرا بھی شکار کے لئے شکاری صاحب ہنسے خوب ہنسے پھر بولے۔

نواب صاحب شکاری کا کام ہے شکار کرنا جیسا شکار ویسا چارہ۔۔ اتنا کہہ کر

میں نے کہا۔ بس کہانی ختم ——

برخوردار چیخ کر بولے یہ کیا کہانی ہوئی۔ یہ تو اتنی سیدھی سی بات ہے کہ ہر شخص جانتا ہے۔

یہی تو مجھے بھی حیرت ہے" میں نے کہا" ہر شخص جانتا ہے۔ مگر آپ نہیں جانتے۔ دیکھئے نا شکاری شکار کی نوعیت دیکھکر چارا لگاتا ہے۔ دیوبند خدا کے فضل سے مرکز دین ہے۔ یہاں کے تالابوں سے اگر کسی کو مچھلیاں پکڑنی ہوں تو کیچوے کیساتھ تعویذ باندھنا مفید ہوگا۔

برخوردار اب بھی کچھ نہ سمجھے۔ کترا کے بولے۔ خیر آپ کی کہانی اک دم تھوتی ہے۔ بھلا کوئی نواب بھی شکار سے ناواقف ہو سکتا ہے —— ہوں۔

میں نے کہا۔ یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں کہ جس شہر کے باشندوں کو سب سے زیادہ فراست علمی کا حامل ہونا چاہئے تھا وہی سب سے زیادہ کورے نظر آرہے ہیں۔

عامر عثمانی نمبر

کی تیسری قسط

ایک نہیں کئی اعتبار سے مفید، دلچسپ اور رنگا رنگ ثابت ہوگی۔ یہ قسط اگست و ستمبر ۵۶ء کے مہینوں پر مشتمل ہوگی اور اپریل ۶۰ء کے آخری ہفتہ میں پیش کیجائیگی اپریل کے تجلی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ وہ الگ سے پیش کیا جائے گا۔

نمبر کی تیسری قسط کی قیمت

—— چار روپے ہوگی ——

ایجنٹ حضرات

جتنی تعداد میں منگانا چاہیں پہلے آرڈر دیدیں تاکہ مطلوبہ تعداد کے مطابق نمبر کی اس تیسری قسط کو چھپوایا جاسکے۔

منیجر مکتبۂ تجلی

حسن احمد صدیقی

اظہارِ حقیقت

مرتب :- مولانا شریف الدین ترمذی۔
ناشر :- مجلس علمیہ حیدرآباد۔
صفحات ۳۲ - قیمت ایک روپیہ۔

بریلوی مذہب کا عدود اربعہ اور حاملین قبوری شریعت کے عادات و اطوار بیان کرنے کے لیے سیکڑوں کتابیں وجود پذیر ہو چکی ہیں۔ ارشد القادری کی تصنیف "زلزلہ" کے بعد تو اس موضوع پر طبع آزمائی کرنے کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو گیا ہے اور اس موضوع سے متعلق پمفلٹ اور کتابچے تھوڑے وقفے کے بعد منظرِ عام پر آتے ہی رہتے ہیں۔

اظہارِ حقیقت بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس کتابچہ کے آغاز میں پہلے تو مرتب نے "تمہیدی باتیں" عنوان کے تحت مختصر طور پر مسلمانوں کے جزوی اور اعتقادی اختلافات کا تذکرہ کیا ہے۔ پھر اسی عنوان کے تحت بتایا ہے کہ دیوبندی اور بریلوی اختلافات کی اصل بنیاد کیا ہے اور یہ اختلاف کب، کیوں اور کیسے شروع ہوا۔

کچھ آگے چل کر مرتب نے ایک عنوان قائم کیا ہے ــــــ "تکفیری شہ پارے" اور اس عنوان کے تحت کفر کے وہ فتوے درج کیے گئے ہیں جو علمائے بریلوی کی طرف سے علمائے عرب، علمائے دیوبند، علمائے ندوہ اور علمائے اہلِ حدیث وغیرہ پر وقتاً فوقتاً شائع کیے جاتے رہے ہیں۔

"بریلوی مغلظات بیک نظر" کا عنوان دے کر بریلوی علم کلام اور اس کی جولانیوں کا تعارف کرایا گیا ہے۔

اس کتابچہ میں مرتب نے اپنی طرف سے کچھ کہنے کی کوشش نہیں کی بلکہ مختلف تحریروں کو مختلف کتابوں سے اٹھا کر ایک جگہ کر دیا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ مرتب اپنا سکّہ جمانے کے خواہش مند نہیں ہیں بلکہ فی الحقیقت ان کا منشا یہ ہے کہ بریلوی مذہب کا جغرافیہ دو اور دو چار کی طرح واضح ہو جائے خواہ اس کا سہرا ان کے سر بندھے یا کسی اور کے۔

اس کتابچہ کی سب سے اہم چیز وہ سوالنامہ ہے جو ۱۳۲۳ھ میں علمائے حرمین کی طرف سے موصول ہوا تھا۔ یہ سوال نامہ چھبیس (۲۶) سوالوں پر مشتمل تھا۔ ان سوالوں کے جواب علمائے دیوبند کی طرف سے دیے گئے تھے۔

ان جوابات پر سرسری سی نظر ڈالنے سے یہ بات مترشح ہو جاتی ہے کہ دیوبندی مسلک سلامت روی اور صلابتِ کردار کا حامل ہے۔ اور علمائے بریلوی نے ان کے بارے میں جو کچھ زبان سے خارج کیا ہے وہ خود ساختہ الزامات اور من چاہی تہمتوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

ان سوالوں کے جواب میں ایک جگہ ہمیں کچھ تردد بھی ہوا سائل نے یہ پوچھا تھا کہ قبروں سے باطنی فیض پہنچتا ہے یا نہیں اور اہلِ طریقت کی روحانیت سے مریدین کو کوئی منفعت حاصل ہوتی ہے یا نہیں؟ اس سوال کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا گیا:

" رہا اہلِ طریقت کی روحانیت سے استفادہ اور

ان کے سینوں اور قبروں سے باطنی فیوض کا حصول ہو
یہ بات درست ہے اور عملاً یہ طریقہ رائج ہے لیکن
اس کے حاصل کرنے کا وہ طریقہ نہیں جو عوام میں
متعارف ہے بلکہ وہ ہے جو خواص اہل دل میں پایا
جاتا ہے صلا"۔

اب تک تو ہم یہی سنتے آئے تھے کہ قبروں سے استفادہ کرنا بدعت ہے لیکن یہ جواب پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ہم نے جو کچھ سنا تھا غلط ہی سنا تھا۔ قبروں سے تو استفادہ کیا جا سکتا ہے، اب یہ بات تو اہل اللہ ہی بتا سکتے ہیں کہ استفادہ کرنے کا کونسا طریقہ عام اور ناجائز ہے اور کونسا طریقہ خاص اور جائز۔ ہم تو دنیادار ٹھیرے۔ ہمارا بولنا تو اس موضوع پر گستاخی کے سوا اور کیا ہوگا۔ لہٰذا ہم صرف یہی کہنے پر اکتفا کیے لیتے ہیں کہ خدا ہمیں اپنے اکابرین کی متضاد باتیں سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

صفحہ ۱۸ پر محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کے بارے میں جو رائے ظاہر کی گئی ہے وہ سراسر غلط فہمی پر مبنی ہے۔ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کے بارے میں اب تک جو کتابیں لکھی گئی ہیں انھیں پڑھ کر یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وہ ایک توحید پرست مسلمان تھے۔ بدعات و خرافات سے انھیں سخت نفرت تھی اور ہر اس چیز سے نفرت تھی جو یار لوگ مذہب کے نام پر ایجاد کر لیتے ہیں۔ اور پھر جس کی حیثیت فرض و واجب سے زیادہ بڑھا دی جاتی ہے۔ اہل بدعت اور ارباب غرض نے ان کی اصل شخصیت کو غبار آلود کرنے کے لیے غلط فہمیوں کی گرد اڑائی۔ اور اس طرح وہ اپنے مقصد میں کسی نہ کسی حد تک کامیاب بھی ہو گئے۔ انکی شخصیت پر چند کتابیں اور چند مضامین پڑھ کر ہمیں تو یہ یقین ہو گیا ہے کہ ابن عبدالوہاب نجدیؒ کے بارے میں جو رائے بریلوی علماء نے قائم کی تھی وہ بھی غلط تھی اور جو رائے دیوبندی بزرگوں نے قائم کی وہ بھی غلط ہے۔ بہتر ہوتا اگر اس کتابچہ سے اس تحریر کو حذف کر دیا جاتا جس کو پڑھ کر محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ جیسے تابع سنت اور توحید پرست مسلمان کے بارے میں بدظنی کا پیدا ہو جانا ناگزیر ہے۔

اس کتابچہ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ہر ہر سطر میں لب و لہجہ کی شائستگی اور زبان قلم کی شرافت کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور اس سطح پر اترنے کی کوشش نہیں کی گئی، ہمیشہ جس سطح سے بریلوی لیڈر اور کبھی کبھی بعض دیوبندی من چلے بھی خطاب فرما جاتے ہیں۔

کتاب کے آخری صفحہ پر جلی لفظوں میں یہ عنوان قائم کیا گیا ہے۔ "دیوبندیت کیا ہے؟" اس کے ذیل میں مولانا منظور نعمانی کے قلم سے نکلی ہوئی یہ عبارت نقل کی گئی ہے:-

(۱) فقہ حنفی پر اطمینان اس کے مطابق فتویٰ اور عمل کے ساتھ حدیث و سنت سے خاص تعلق و شغف نیز دوسرے ائمہ و مجتہدین اور حضرات محدثین کا ادب و احترام اور دل میں سب کی عظمت"۔

(۲) "اس فقہی اور علمی خصوصیت کے ساتھ حضرات صوفیاء کی نسبت کی طلب و تحصیل یا کم از کم دل میں ان کی عظمت و محبت"۔

(۳) "ان سب کے ساتھ اتباع سنت اور شرک و بدعت سے نفرت اور اس معاملہ میں ایک خاص صلابت و حمیت"۔

(۴) "پھر اس سب کے ساتھ اعلاء کلمۃ اللہ کا جذبہ اور اس میں مر مٹنے کا شوق"

یہ پڑھنے کے بعد دل سے ایک آہ نکل گئی کہ کاش نئے دیوبندی بھی ان ہی اوصاف کے حامل ہوتے جن اوصاف سے متصف پرانے دیوبندی تھے۔

مغرب اقصیٰ (مراکش) میں دو ہفتے

مؤلف: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔
کاغذ عمدہ۔ کتابت و طباعت مناسب۔
صفحات ۱۲۸۔ قیمت چھ روپے۔
ناشر: مکتبہ فردوس۔ مکارم نگر لکھنؤ۔

یہ کتاب مولانا ابوالحسن ندوی کے ایک یادگاری سفر کی دلچسپ روداد ہے۔ لفظ دلچسپ ہم نے خواہ مخواہ استعمال نہیں کیا بلکہ فی الواقعہ کتاب میں چند مقامات ایسے بھی

آتے ہیں کہ جہاں دل و دماغ کو یک گونہ فرحت و انبساط محسوس ہوتی ہے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی کا قلم ان کی وسعتِ مطالعہ اور ان کا طرزِ گفتگو کسی تعارف و تعریف کا محتاج نہیں۔ ہر پڑھا لکھا اور علم دوست آدمی ان کی حلاوتِ گفتگو اور سلاستِ تحریر کا اعتراف کر چکا ہے۔ لہٰذا جس کتاب کے سرورق پر موصوف کا نام لکھا ہو اس کتاب کو دلچسپ کہہ دینا کوئی خلافِ روایت بات نہیں ہوگی۔

ہمیں تاریخ و جغرافیہ کے تصور سے بھی وحشت ہوتی ہے تاہم تبصرہ کے لیے جو کتابیں ہمیں موصول ہوتی ہیں انھیں ہضم کرنا ہی پڑتا ہے۔ اس کتاب کو بھی ہضم کرنا ہی پڑا ــــ ورنہ موضوع کے اعتبار سے یہ ہمارے لیے ثقیل ہی تھی۔

بلاشبہ کتاب اپنی نوعیت کے اعتبار سے مفید اور پرکشش ہے۔ تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے تو یہ ایک تحفہ ہی ثابت ہوگی۔ لیکن کتاب میں وہ ندرت اور ٹھاٹ محسوس نہیں ہوا جو مولانا ابوالحسن ندوی کو قلمکاروں کی بھیڑ میں یکتا اور منفرد بناتا آیا ہے۔ نہ جانے کیوں اندازِ تحریر کچھ بجھا بجھا سا ہے۔ کئی جگہ تو فقرے بے جان ہو کر رہ گئے ہیں جو کسی ذوقِ سلیم کو ناگوار بھی گذرے ہیں تو کوئی بعید نہیں۔

مثلاً ص۵۸ پر یہ جملہ موجود ہے جسے مفلوج قرار دیے بغیر چارہ نہیں۔

"میں نے رسالت کی اہمیت، خدا کی ذات و صفات کی صحیح معرفت کے تعلیماتِ نبوت پر انحصار کے موضوع پر تقریر کی۔"

ص۶۴ پر ایک جگہ یوں فرمایا گیا:

"بعد نمازِ مغرب ڈاکٹر الہراس کے مکان پر چلائے تھی۔ ظاہر ہے کہ "کھانے چائے کی تھی" نے جملہ کا مزا کرکرا کر دیتا ہے"۔

بعض مقامات پر کاتب کا قلم بھی بہک گیا ہے مثلاً:-

ص۳۸ دیکھیے، صفحہ کے آخر میں یہ جملہ نظر آئے گا

"مگر اس میں خودداری کا پہلو ہاتھ سے نہیں دیتے"

نہیں کے بعد "جانے" کا لفظ ہونا ضروری تھا۔

ص۶۲ پر ہے:-

"دیر تک دمشق کے خوشگوار دنوں کی یاد تازہ رہی جو ہر حیثیت سے مبارک تھے"۔

لفظ جو کی مناسبت سے خوشگوار سے پہلے لفظ اُن ضرور ہوگا جو کتابت کی زد میں آکر مسمار ہو گیا۔

ص۶۳ پر:

"تو کوئی ہفتہ چاہیے تھے"

ہفتہ کی بجائے ہفتے ہونا چاہیے تھا۔

ص۶۵ پر "تبلیغی جماعت سے مانوس اور اس کی رفاقت کر چکے ہیں"

یہ جملہ بھی بیمار ہی معلوم ہوتا ہے۔

اس قسم کی فروگذاشتیں کتاب میں کئی مقامات پر نظر آئیں۔ ایک جگہ عربی کا یہ ناقص جملہ نظر سے گذرا:-

"فی الھند لنا اخوان فی اللہ ص۸۹"

اس جملہ میں سے کوئی لفظ کتابت کی زد میں آکر غائب ہو گیا ہے جس کی وجہ سے جملہ اپنا مفہوم کھو بیٹھا ہے۔

ص۵۱ پر یہ بے ربط جملہ نظر سے گذرا۔

"وہ ایک ممتاز ازہری عالم بھی اور اخوان کے حلقہ کے اس وقت سب سے بڑے مصنف، نقیب و ترجمان اور الحاد و تجدد کے جو اخوان کی تحریک کو کچل دیے جانے کے بعد سر اٹھاتے اور اسلام کے عقائد و حقائق سے شوخیاں کرنے لگا تھا۔ دینی حلقہ میں سب سے بڑے حریف اور مدمقابل تھے"۔

بعض مقامات پر مؤلف نے اپنا مدعا کچھ ایسے الفاظ میں بیان کیا ہے کہ جنھیں غیر معقول اور نامناسب کہہ دینا غلط نہیں ہوگا۔ مثال کے طور پر ص۵۸ دیکھیے۔ فرماتے ہیں:-

"زوال ہوتے ہی خطبہ کی اذان شروع ہو گئی کسی کو سنتیں پڑھتے نہیں دیکھا۔ غالباً اس ملک میں

اس کا رواج نہیں۔

رواج کا لفظ رسم کے ہم معنی مراد لیا جاتا ہے۔ گویا کہ بزبان دیگر سنتیں پڑھنا بھی رسم ہے جو کہیں ان کا رواج ہے اور کہیں نہیں۔ مؤلف کو یہاں سنتوں کے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور کہہ دینا چاہیے تھا لیکن مؤلف نے دو لفظ لکھنے کی بھی زحمت گوارہ نہیں کی۔ اس لیے یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ آیا مؤلف کے نزدیک جمعہ سے پہلے پڑھی جانے والی سنتوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

ص۵۵ پر یوں فرمایا:-

"مسلمان اب بھی دنیا کی ساری قوموں سے فائق ہیں۔ اگر ان کا ایمان ترازو کے ایک پلہ میں رکھا جائے اور دنیا کی ساری قوموں کا ایمان دوسرے پلہ میں رکھا جائے تو یقیناً ان کا پلہ (مسلمانوں کا تجلی) جھک جائے گا۔"

پلڑے کو پلہ بنا دینے کا سہرا تو کاتب کے سر، البتہ جملہ میں جو معنوی غلطی موجود ہے اس کی ذمہ داری کاتب پر عائد نہیں کی جا سکتی۔ یہ بات کہنا تو اس وقت درست ہوتا جب دنیا کی ساری قومیں دولتِ ایمان سے بہرہ ور ہوتیں۔

ص۵۷ پر مؤلف نے یہ فرمایا:-

"اس طرح جب میں اخلاق کا نام لیتا ہوں تو میری مراد ظاہری اخلاق و معاملات نہیں ہوتی اس کی تو مسلمانوں میں کمی نہیں بلکہ زیادتی ہے۔"

خدا ہی جانے مؤلف نے کس زمین کے مسلمانوں کا ذکر کیا ہے آئے دن کا مشاہدہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے اخلاق و معاملات تو انتہائی خراب ہو چکے ہیں اور ان روایات کی تو مٹی پلید ہو چکی ہے جو اسلاف سے ہمیں ورثہ میں نصیب ہو گئی تھیں۔ پھر یہ کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں میں اخلاق و معاملات کی کمی نہیں بلکہ زیادتی ہے۔

کتاب کے شروع میں مراکش کا تاریخی جائزہ بھی لیا گیا ہے۔ یہ جائزہ شمس تبریز خاں کے قلم کا مرہون منت ہے تاریخی طور پر اس جائزہ کی کوئی بھی حیثیت ہو۔ لیکن ادبی طور پر اس میں کوئی ندرت اور دل کشی موجود نہیں ہے۔

تبصرہ کا حاصل یہ ہے کہ کتاب تاریخی اور جغرافیائی اعتبار سے مفید سہی لیکن جو لوگ اس کتاب کے اندر مولانا ابوالحسن علی ندوی کا معروف انداز گفتگو تلاش کرنے کی کوشش کریں گے انھیں مایوسی کے سوا کچھ نہیں ملیگا۔

گلدستۂ حدیث (حمائل سائز)

مرتب:- محمد یوسف اصلاحی۔
کتابت و طباعت روشن۔ کاغذ عمدہ۔
صفحات (۱۲۶) قیمت ڈھائی روپے۔
ناشر:- مکتبہ ذکری۔ رامپور۔

گلدستۂ حدیث عنوان دیکر چالیس احادیث کو ایک کتاب کی صورت میں ڈھال دیا گیا ہے۔ جن موضوعات کے تحت احادیث نقل کی گئی ہیں، وہ موضوعات یہ ہیں:-

(۱) خدا کی سب سے بڑی نعمت (۲) اللہ پر ایمان (۳) ایمان کا مزا (۴) توحید کا صلہ (۵) توحید کا پاس و ادب (۶) غیرتِ حق (۷) محبت رسولؐ (۸) اتباع رسولؐ (۹) آسان حساب (۱۰) یوم عظیم کا ایک منظر (۱۱) تین نازک گھڑیاں (۱۲) موت کے لمحات میں (۱۳) ارکانِ اسلام (۱۴) اسلامی آداب (۱۵) دانا رسول کی نظر میں (۱۶) اللہ والے (۱۷) نیک نیک بیویاں تین صلے (۱۸) خدا کی تین نعمتیں (۱۹) مسلم کی مثال (۲۰) دین کی مزاج شناسی (۲۱) رضائے الٰہی چاہنے والے کا صلہ (۲۲) مومن کی کیفیت (۲۳) استخارہ (۲۴) تکبر (۲۵) ہدایت کے دو سرچشمے (۲۶) تلاوتِ قرآن (۲۷) حلال روزی (۲۸) لین دین میں نرمی اور فراخدلی (۲۹) قرض دینے کی ترغیب (۳۰) ادائے قرض سے غفلت بدترین گناہ (۳۱) اطاعت والدین کا درجۂ کمال (۳۲) اولاد کے ساتھ حسن سلوک (۳۳) سب سے اچھی عورت (۳۵) سب سے اچھا مرد (۳۶) ایمانی رشتہ (۳۷) مسلم معاشرہ کا بہترین گھر (۳۸) خدمتِ خلق (۳۹) اقامتِ دین (۴۰) نفاق اور جہنم سے محفوظ بندہ۔

کتاب، کتابتی خامیوں اور مفہوم و بیان کی غلطیوں سے

بڑی حد تک منتزہ ہے۔ عربی عبارتوں میں اعراب کی تصحیح بھی درجۂ کمال تک پہنچی ہوئی ہے۔ تشریح و توضیح کا انداز پُرخلوص اور پُراثر ہے۔

مجموعی طور پر چہل احادیث کا یہ مجموعہ چہل احادیث کے ان تمام سابقہ مجموعوں سے بہتر اور مفید ثابت ہوگا جو اب تک منظرِ عام پر آچکے ہیں۔

محسنِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم)

از: مولانا ابوالحسن علی ندوی۔
کتابت و طباعت عمدہ۔ کاغذ معیاری۔
صفحات (۳۶) قیمت ۸۵ پیسے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی نے ۲ مئی ۱۹۷۵ء کو "اسلامک اسٹڈی سرکل" کے ذمہ داروں کی فرمائش پر گنگا پرشاد میموریل ہال لکھنؤ میں کی تھی۔ اسی تقریر کو مجلس تحقیقات و نشریات نے محسنِ عالم کے عنوان سے چھاپ دیا ہے۔

کتاب سیرت کے موضوع پر ایک نیا پن رکھتی ہے اور اس عامیانہ لب و لہجہ سے ماوری ہے جسے سنکر سماعتیں بیزار ہو گئی ہیں۔

کہیں کہیں کتابت کی معمولی غلطیاں باقی رہ گئی ہیں۔ ص۳ پر لَحَافِظُوْنَ کی بجائے لِحَافِظُوْنَ لکھدیا گیا ہے۔ لام کے کسرہ کے ساتھ۔

ص۳۵ پر آپ کی امنیوں کی بجائے، آپکے امنیوں لکھدیا گیا ہے۔ امت مؤنث ہے لہذا لفظ کے کی جگہ کی آنا چاہیے تھا۔

اس قسم کی دوچار غلطیاں نظروں سے گذریں جنھیں قابلِ گرفت نہیں کہا جا سکتا اور جن کی اصلاح نظرِ ثانی کرتے وقت ناشر خود بھی کر سکتا ہے۔

ص۴ پر ایک جگہ یہ فرمایا گیا

"دنیا کا ایک مشہور اور قدیم مذہب یہودیت ہے اس کا حال یہ ہے کہ وہ خدا کا تصور بھی جو کائنات اور تمام مخلوقات کا خدا ہے۔ زیادہ تر بنی اسرائیل کے خدا کی حیثیت سے کرتا ہے"۔

اس جملہ میں لفظ تصور کی جگہ لفظ اقرار آنا چاہیے تھا اور اگر مقرر محترم اس بات کو یہودیت کے بجائے یہودیوں سے منسوب کرتے تو زیادہ بہتر ہوتا اس لیے کہ یہودیت فی نفسہ بُری نہیں بلکہ وہ یہودی بُرے ہیں جنھوں نے یہودیت پر اپنا قبضہ جما رکھا ہے

ص۱۵ پر یوں فرماتے ہیں:-

"ہمارے مؤرخوں اور سیرت نگاروں کا خدا بھلا کرے ان سے جاہلیت کی تصویر پورے طور پر نہ کھینچ سکی، وہ نہ صرف قابلِ معافی بلکہ ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ ادب و زبان کا ذخیرہ ساتھ نہیں دیتا"۔

یہاں لفظ شکریہ استعمال کرنے کا محل نہیں تھا۔ آئندہ ایڈیشن میں اس جملہ میں مناسب تبدیلی کر لی جائے۔

کتاب اچھی ہے اور اس لائق ہے کہ اس کو ہندی میں ترجمہ کرا کے غیر مسلموں میں تقسیم کیا جائے۔ امید کہ مؤلف یا کوئی صاحبِ خیر مسلمان اس طرف توجہ دیں گے۔

مسلمانانِ ہند سے کچھ صاف باتیں

از: مولانا ابوالحسن علی ندوی۔
لکھائی چھپائی غنیمت۔ کاغذ متوسط۔
صفحات (۳۲) قیمت ۵۰ پیسے۔

ہفت روزہ ندائے ملت میں مولانا ابوالحسن علی ندوی کا ایک مضمون شائع ہوا تھا جسے گوناگوں افادیت کے پیشِ نظر کتابچہ کی شکل میں چھاپ دیا گیا ہے۔

اس کتابچہ میں مولانا ابوالحسن علی ندوی نے مسلمانوں کو زندگی کے نشیب و فراز کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اس بات کی تعلیم دینے کی کوشش کی ہے کہ فسادات و حادثات کا ذمہ دار دوسروں کو قرار دینے کی بجائے خود اپنے ہی حالات اور اپنی عادات و اطوار کا جائزہ لیں۔ اور دیکھیں

غور و فکر کریں کہ آیا خرابی اپنے اندر موجود ہے یا دوسروں میں دشمن اپنے جسم کے اندر ہے یا اپنے جسم سے باہر۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اس کتابچہ کے آغاز میں جو کچھ فرمایا ہے وہ مبنی بر صداقت ہے۔ اور اس لائق ہے کہ اس پر ہندوستان بھر کے مسلمان خصوصی توجہ مبذول کریں۔

لیکن کتابچہ کے ختم پر ہمیں اس بات پر حیرت ہوئی کہ مولانا نے مسلمانوں کی غلط راہ روی پر در پردہ مذمت تو ضرور کی ہے مگر کوئی ایسا لائحۂ عمل تجویز نہیں کیا کہ جسے اپنا کر آئے دن کے فسادات و حادثات سے محفوظ رہا جاسکے۔

صرف مرض کی تشخیص کر دینا کسی مریض کے لیے کافی نہیں ہوتا، تاوقتیکہ کوئی دوا تجویز نہ کی جائے۔

بہتر ہوتا اگر مولانا مدبرانہ صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے ہندوستانی مسلمانوں کے سامنے کوئی ایسا پروگرام بھی رکھتے کہ جس کو اپنانے کے بعد مسلمانوں کی زندگیاں آئے دن کی تباہ کاریوں کی زد میں آنے سے بچ جاتیں۔

کتابچہ میں سب سے بڑی کمی یہی ہے کہ وہ مکمل نہیں معلوم ہوتا پڑھ کر تشنگی باقی رہ جاتی ہے۔ یہ کتابچہ مکمل اسی وقت کہلائیگا جب مولانا مسلمانوں سے صاف صاف باتیں کہتے وقت کچھ ایسے نسخے بھی صاف صاف تجویز کر دیں جن کو استعمال میں لانے کے بعد مسلمانوں کی جان و مال کی حفاظت ہو سکے۔

ویسے ہمیں یہ یقین ہے کہ مسلمانوں کو اپنی حفاظت کے لیے کوئی ٹھوس اور مضبوط طریقۂ کار اپنانے کی توفیق نہیں ہوگی۔ اور اگر خلاف توقع توفیق ہوگئی تو جمعیۃ العلماء جیسی فساد پرست جماعتیں مسلمانوں کو کوئی ایسا اقدام کرنے نہیں دے سکتیں۔ جو ان کے لیے فائدہ مند ثابت ہو۔ ہندوستان میں اگر فرقہ وارانہ فسادات ہونے بند ہو جائیں تو پھر جمعیۃ العلماء چند سال سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکے گی۔ جمعیۃ العلماء فساد زدہ مسلمانوں کے لیے جو چندہ کرتی ہے اس کا بیشتر حصہ اس کے اپنے کارکنان کی تنخواہوں پر صرف ہوتا ہے۔ ایک ایسی جماعت کہ فسادات جس کے لیے روٹی روزی کا ذریعہ ثابت ہوں۔ یہ کیسے گوارہ کرلے گی کہ مسلمان کوئی ایسا اقدام کر گزریں جو فسادات کے لیے آہنی قفل ثابت ہو سکے۔

تبصرہ کا حاصل یہ سمجھیے کہ کتابچہ کامل و اکمل کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس میں صرف مسلمانوں کو غور و فکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے، از خود کوئی لائحۂ عمل تجویز نہیں کیا گیا۔ اور کوئی معقول لائحۂ عمل تجویز کیا بھی نہیں جا سکتا اس لیے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے لیے ایک ہی لائحۂ عمل معقول اور مفید ہو سکتا ہے اور یہ وہی لائحۂ عمل ہے جس کی مخالفت انتہائی شد و مد کے ساتھ مولانا ابوالحسن ندوی اور مولانا منظور نعمانی جیسے لوگ ایک طویل مدت سے کر رہے ہیں۔

اگر آپ بیجا تعریف و توصیف سننے کے خواہشمند ہوں تو اپنی کتابوں پر تبصرہ مت کرائیے۔ اس لیے کہ تجلی اپنی قدیم روش کے مطابق آج بھی تبصرہ کرتے وقت تعلقات اور رشتہ داریوں کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ کسی شخصیت یا ادارہ کی چھاپ نے بھی اسے کبھی مرعوب نہیں کیا تجلی کی یہی امتیازی خصوصیت آج بھی اپنی تمام تر تابانیوں کے ساتھ قائم ہے۔

اگلے شمارہ میں مندرجہ ذیل کتابوں پر تبصرہ متوقع ہے:-

روداد چمن (ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ جشن کی روداد) دینی خدمات پر معاوضہ جب ایمان کی بہار آئی۔ اصلاح العباد فی رسم المیلاد۔ اسلام اور قوالی۔ سلفر وغیرہ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
ہائے کہ یہی وہ چراغ ہے جسے الحاد و بدعت کی ہر تیرہ تاریکیوں میں مولانا عامر عثمانیؒ نے اپنے خونِ جگر سے روشن رکھا تھا
ماہنامہ
تجلّی
دیوبند
ایڈیٹر:- حسن احمد صدیقی (فاضلِ دیوبند)
اگر
اس دائرہ میں سرخ نشان ہے تو سمجھ لیجیے اس پرچہ پر آپ کی خریداری ختم ہے۔ یا منی آرڈر سے سالانہ قیمت بھیجیں یا وی۔ پی کی اجازت دیں آئندہ خریداری جاری نہ رکھنی ہو تب بھی اطلاع دیں۔ خاموشی کی صورت میں اگلا پرچہ وی۔ پی سے بھیجا جائیگا جسے وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا۔
امریکہ۔ انگلینڈ نائجیریا۔ کنیڈا فرانس۔ انڈونیشیا سے بذریعہ بحری ڈاک دو پونڈ۔ بذریعہ ہوائی ڈاک دس پونڈ
افریقہ سعودی عرب۔ بحرین قطر وغیرہ سے بذریعہ بحری ڈاک ایک پونڈ دس شلنگ۔ بذریعہ ہوائی ڈاک چھ پونڈ
کیا اور کہاں
سالانہ بائیس روپے ۲۲
ششماہی بارہ روپے ۱۲
فی کاپی ڈھائی روپے
آغاز ۱۹۴۹ء

نقادِ اعظم مولانا عامر عثمانی نور اللہ مرقدہ

مستقل

دستک

اکثر اساتذہ کے قلوب و اذہان میں یہی تصور ہے کہ سیاست تو فقط دنیاداری ہے اور دین تمام کا تمام تسبیح و مصلّی اور یکسر غیر سیاسی معاملات ہی تک محدود ہے۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ جذبے اور فکر و احساس کی تمام پہنائیوں پر گھنگھور گھٹاؤں کی طرح دین کا ایسا تصور مستولی ہو چکا ہے جس کے مزاج و طبیعت کے تعارف کے لیے شاید "خانقاہیت" سے بہتر کوئی لفظ نہیں۔ خدا کے فضل سے رسولؐ کی محبت، صحابہؓ کی عقیدت، نماز روزے کی لگن اور فضائل اعمال کا شغف علماء کے دائرے میں خاص مقدار میں موجود ہے۔ اپنی دنیا اور آخرت سنوارنے کا فکر، اپنے اہل و عیال کے آرام و راحت کا داعیہ اپنے ارد گرد کی عقیدتوں سے استکراہ، اپنی مساجد، اپنے اوقاف، اپنی درسگاہوں اور اپنے قومی و ملکی حقوق کا خیال و احساس بھی مُردہ نہیں ہوا ہے لیکن وہ انمول جوہر جو خال خال بھی نہیں ملتا جسے تاریخ کی چشم بصیرت پیغمبر اور صحابہ کی زندگیوں میں ایک تپیدہ و بے تاب روح کی طرح جاری و ساری دیکھتی ہے۔ یہ جوہر کیا تھا — اسلام کا غم۔ صرف اسلام کا غم۔ جان و مال، ماں باپ اور اہل و عیال کی محبت کو ثانوی درجے میں ڈال دینے والا وہ جنون جس کے سیلِ رواں میں ان بندگانِ اسلام کا ہر جذبہ، ہر احساس، ہر خیال و تصور تنکے کی طرح بہہ گیا تھا۔ وہ دیوانے تھے تو اسلام کے۔ وہ جیتے اور مرتے تھے تو اسلام کے لیے۔ اسلام کے تنِ مقدس پر ہلکی سی خراش بھی پہنچے تو وہ اس طرح تڑپ اٹھتے تھے جیسے ایک شفیق باپ اکلوتے بیٹے کو مجروح دیکھ کر تڑپ اٹھتا ہے۔ انھیں خواہش تھی تو یہ کہ اسلام کا کلمہ بلند ہو۔ اسلام غالب و معزز رہے۔ انھیں لگن تھی تو یہ کہ عزت و اقتدار کی ہر مسند اسلام کے قدموں میں لا ڈالیں —— بتاؤ کہ کیا آج بھی کسی جنید وقت اور علامۂ زماں کو تم اس درد سے تڑپتا دیکھتے ہو کہ اسلام مغلوب و مقہور ہے، کیا کسی آنکھ میں آنسو فقط اس لیے بھی نہیں تیرتے کہ اسلام کی مظلومیت سے کلیجہ منہ کو آگیا تھا۔ دوزخ کے ڈر اور جنت کی طلب میں پیشانی کو ... سجدوں اور راتوں کو ذکر و تسبیح سے منور کر لینا اور بات ہے لیکن نفسِ اسلام کی محبت کو رگ و پے میں اس طرح سمو لینا جس طرح اپنی جان اور مال اور اولاد کی محبت نس نس میں سمائی ہوتی ہے، بالکل دوسری بات ہے۔

ادارہ

(الف) پیشانی پر مارچ و اپریل لکھا ہوا دیکھ کر بعض قارئین جھلا اٹھیں گے کہ پھر دہی مشترکہ پرچہ کی مصیبت نمودار ہوئی۔ قارئین کی یہ جھلاہٹ برمحل بلکہ برحق ہے۔ اس لیے کہ کئی سال سے مسلسل یہ ہو رہا ہے کہ سال بھر میں بارہ پرچے نہیں چھپ پاتے۔ اس سال یہ ارادہ تھا کہ کچھ بھی ہو سال بھر میں پورے بارہ پرچے قارئین کی خدمت میں پہنچا کر رہیں گے۔ لیکن شاید تجلی کی تقدیر اس سلسلہ میں ناقابل رحم ہی واقع ہوئی ہے۔ ہمارا ارادہ پورا نہ ہو سکا اور اس سال بھی بارہ مہینوں کے بارہ پرچے قارئین کی خدمت میں نہیں پہونچ سکیں گے۔

قارئین کی جھلاہٹ کی ایک وجہ اور بھی ہے اور وہ یہ کہ انھیں سال بھر میں بارہ پرچے نہ ملنے سے اپنا نقصان محسوس ہوتا ہے اور فی الواقع ان کا نقصان ہے بھی۔ اس لیے کہ ان کا چندہ بارہ ہی پرچوں کے لیے آتا ہے دوماہی پرچہ اگر ضخیم ہو تو پھر تو ان کا غصہ اور جھلانا بے معنی سی بات ہے۔ لیکن دوماہی پرچہ اگر عام اشاعت کے بقدر ہو تو پھر ان کا جھلانا نہ باعث حیرت ہوگا نہ موجب شکایت۔ اس ماہ بھی پرچہ دوماہی ہونے کے باوجود عام اشاعت پر مشتمل ہے۔ لہٰذا قارئین کی خفگی بلا وجہ تو نہیں۔ مگر ہمارے قارئین مطمئن رہیں کہ یہ مشترکہ پرچہ ان کی خریداری کے حساب میں ایک ہی مہینہ کا شمار ہوگا۔ اور جن کا چندہ مئی میں ختم ہونے والا تھا ان کی مدت خریداری مئی کے بجائے جون کے مہینہ تک برقرار رہے گی۔ دو مہینے کا پرچہ نکال کر خود ہمیں بھی کوفت ہی ہو رہی ہے۔ لیکن کیا کریں تجلی کافی تاخیر سے شائع ہو رہا تھا، پورے ڈیڑھ مہینہ کے توقف سے۔ دوماہی پرچہ نکالے بغیر اس غیر معمولی تاخیر کا گلا گھونٹ دینا ممکن نہیں تھا۔ تاخیر کا گلا تو پوری طرح اب بھی نہیں گھٹ سکا ہے۔ لیکن مشترکہ پرچہ کے اقدام نے تاخیر کو ادھ مرا تو کر ہی دیا ہے۔ انشاء اللہ آئندہ کسی اشاعت میں اس کا پوری طرح صفایا ہو جائے گا۔ اور آپ کا محبوب تجلی ٹھیک وقت پر آپ کی خدمت میں پہنچنے کی سعادت حاصل کرے گا۔

(ب) اس ماہ سے ایک نئے عنوان کا اضافہ کیا جا رہا ہے "آفتاب ہدایت کی ایک کرن" امید ہے کہ قارئین کے لیے اس عنوان کے تحت دیے گئے مضامین فائدہ مند ثابت ہوں گے۔ (ج) صفحات کی کمی وجہ سے اس ماہ تفہیم الحدیث شائع نہیں ہو رہی ہے۔ جن ناظرین کا ہمیشہ یہ اصرار رہا ہے کہ تفہیم الحدیث کا عنوان ضرور شامل اشاعت رہے ان سے معذرت چاہنے کے سوا اور کیا کریں۔ آئندہ کوشش کی جائے گی کہ تفہیم الحدیث کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہو (د) نس بندی اور زبان بندی کی وحشیانہ تحریک کی موت واقع ہو جانے پر ہم اپنے قارئین کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ گذارش بھی ہے کہ آئندہ کے لیے اپنے بچاؤ اور تحفظ کا کوئی ٹھوس پروگرام ضرور مرتب کر لیجیے۔ اس لیے کہ جب تک ابلیس اور اسکی ذریات

توجہ طلب

ظلم و ستم اور جبر و استبداد کے بھیانک صحراؤں سے نجات پاکر آپنے اپنے اندر کیا تبدیلی محسوس کی؟ —— تہرمانی اور بربریت کے تباہ کن طوفانوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے بعد آپ کس نتیجہ پر پہنچے؟ —— کیا آپ پر یہ بات واضح نہیں ہوگئی کہ آپ کمزور اور بہت کمزور ہیں اور کفرو ضلالت کے پرستار طاقتور اور بہت ہی طاقتور ہیں؟ —— اور کیا یہ بات واضح نہیں ہے کہ بہ اعتبار طاقت اور بہ اعتبار اختیارات آپ کی حیثیت مخالفین اسلام کے مقابلہ میں صفر سے زیادہ نہیں؟ —— کیا آپنے کوئی ایسی قوت حاصل کرنیکی فکر کی ہے جو آپکی دین و دنیا کا تحفظ کرنے میں معین ثابت ہو؟ —— کیا آپ نے مستقبل کیلیے کوئی ایسا لائحہ عمل تجویز کرلیا ہے جسے حفظِ ماتقدم کا نام دیا جاسکے؟ —— برسات آنے سے پہلے اپنے مکانوں کی مرمت کرلینا کیا سمجھداری کی بات نہیں ہے؟ —— اور کیا یہ بیوقوفی نہیں کہ آدمی ہزاروں چوٹیں کھاکر اور ہزاروں طرح ذلتیں اٹھاکر —— بھی خواب غفلت ہی میں پڑا رہے؟ —— کیا آپ کو اپنے عقیدے کی سلامتی مطلوب نہیں؟ —— کیا آپ سرخرو ہوکر جینا نہیں چاہتے؟ کیا آپ اپنے مذہب اور اپنے شخصی قانون کی حفاظت کرنے کا جذبہ نہیں رکھتے؟ کیا آپ کو اپنی مسجدوں اور اپنی درسگاہوں سے پیار نہیں؟ —— اگر آپ کا جواب اثبات میں ہے تو پھر آپنے آئندہ کے لیے جو کچھ پروگرام بنایا ہے اس سے مطلع کیجیے شاید اس سلسلہ میں ہم آپ کو کوئی مفید مشورہ دے سکیں اور اگر آپ کا جواب نفی میں ہے تو پھر یہ بات ذہن نشین کرلیجیے کہ جو قوم ایک مرتبہ ٹھوکر کھاکر سنبھلنے کا عزم نہیں کرتی تو اسکے قدم ہر آن لڑکھڑاتے ہیں اور ٹھوکریں اسکی زندگی کا مقدر بن جاتی ہیں وہ ذلت کے انگاروں پر لوٹتی رہتی ہے اور زمانہ اس کی پسپائی اور اس کے انحطاط کا مذاق اڑاتا ہے ٭

حسن احمد صدیقی

آغاز سخن

ہم نے جس وقت فروری کے شمارہ کا آغاز سخن قلم بند کیا تھا۔ اس وقت الیکشن کی تیاریاں ہو رہی تھیں —— کانگریس اور جنتا دونوں ہی پارٹیاں اپنی کامیابی و سرفرازی کے لیے مستقل جدوجہد میں لگی ہوئی تھیں۔ ہر پارٹی کے حلق سے ایک ہی آواز نکل رہی تھی کہ ووٹ ہمیں دو۔ ووٹ کے مستحق ہم ہیں۔ ہم ہی اس بات کے حق دار ہیں کہ اقتدار کی مسند ہمیں سونپی جائے۔

سیاسی مدبرین کا کہنا تھا کہ یہ الیکشن اپنی نوعیت کا واحد الیکشن ہے جس کے نتیجہ وانجام کے بارے میں انتہائی غور وخوض کے بعد بھی کوئی صحیح رائے قائم نہیں کی جاسکتی کہ فوز و فلاح کی دولت کس کے حصے میں آئے گی اور شکست و ریخت کس کا نصیب بنے گی۔ عزت و عظمت کسے ملیگی اور ذلت و منکبت کسے۔ آباد کون ہوگا اور برباد کون۔

سیاسی مدبرین نے یہ بات حالات و واقعات کا گہرا جائزہ لینے کے بعد ہی کہی تھی۔ دونوں ہی پارٹیاں مضبوط تھیں مستحکم تھیں۔ طاقت ور تھیں۔ ایک پارٹی کے پاس اقتدار کی طاقت تھی۔ ایک پارٹی کے پاس عوام کی۔ ایک پارٹی کے پاس کرسی تھی، غیر محدود سرمایہ تھا۔ انسانی جسموں کو ختم کردینے والے بھیانک ہتھیار اور خوف وہراس پھیلانے والے مؤثر ذرائع تھے، اور ایک پارٹی کے پاس عوامی رائے کی کثرت تھی اتحاد تھا۔ اعلیٰ دماغ رکھنے والے مدبروں کی بے لوث رہنمائی اور مظلومین کی پرخلوص دعائیں تھیں۔ دونوں پارٹیوں کا پلّہ بھاری تھا۔ دونوں کے پاس وہ سب کچھ تھا جو فتح و کامرانی حاصل کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔

الیکشن کے دوران بعض احمق اور فاطر العقل قسم کے لوگوں کا تصور یہ تھا کہ کچھ بھی ہو اور حالات کیسے بھی ہوں جیت بہرحال کانگریس ہی کی ہوگی۔ فتح اور کامیابی کا سہرا کانگریس ہی کے سر پر رکھا جائے گا۔ جنتا پارٹی ہارے گی اور کثیر ووٹوں سے ہارے گی۔

حیرت وافسوس کی بات یہ ہے کہ لکھنؤ اور بنگلور کے بعض مسلم اخباروں کی بھی خوش گمانیاں یہی تھیں کہ کامیابی تو بہرحال کانگریس کے دامن میں سمٹے گی، خواہ بظاہر جنتا پارٹی مضبوط اور با اثر ہو۔ اور خواہ بظاہر کانگریس لاوارث بنکر رہ گئی ہو۔

ہمیں نہ سیاسی مدبرین کی رائے سے اتفاق تھا اور نہ فاطر العقل لوگوں کی خام خیالی سے۔ اور نہ ہی ہمیں لکھنؤ اور بنگلور سے نکلنے والے ان اخباروں کی خوش گمانی قرین فہم معلوم ہوتی تھی جن کے مدیران با صفا صرف حق نمک خواری ادا کرنے کے لیے بہرحال اور بہرصورت کانگریس گورنمنٹ کو یہ یقین دلانے کے عادی ہو گئے تھے کہ مضبوط آپ ہی ہیں۔ جیت کے مستحق آپ ہی ہیں۔ عوام آپ ہی کے متوالے ہیں۔ جیت اور کامیابی آپ ہی کے گھر کا طواف کرے گی۔

ہمارا اپنا نظریہ یہ تھا۔ اور دنیا کے ہر مسلمان کا نظریہ یہ ہے اور یہی ہونا بھی چاہیے کہ ظلم کی نیا زیادہ دیر تک نہیں چلتی۔ وہ ایک نہ ایک دن قہر خداوندی کے طوفان میں ڈوب کر رہتی ہے۔ خواہ اس کے بچانے کے لیے پوری دنیا اپنی طاقت کیوں نہ

صرف کر دے۔ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ان اللہ لا یحب الظالمین۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ظالموں اور متکبروں کا تخت ایک نہ ایک دن تختہ میں بدل کر رہ جاتا ہے۔ تاریخی کتابوں میں لکھے ہوئے ہزاروں واقعات اور حکومتوں کے ادلتے بدلتے نظام اس بات کی گواہی پیش کرتے ہیں کہ قرآن حکیم کا فرمودہ عین صداقت ہے۔ کسی حکومت نے اور کسی حاکم نے ظلم اور آمریت کی راہیں جب کبھی اپنائی ہیں اس کی طاقت واختیارات کا شیرازہ بکھر کر رہا ہے۔ اس کی عزت ذلت میں، اور اس کی شہرت گمنامی میں بدل کر رہی ہے۔ ہزاروں واقعات ہیں، ہزاروں مثالیں ہیں جو قرآن حکیم کی مذکورہ آیت کی تصدیق کرتی ہیں۔ پاکستان میں صدر ایوب مصر میں صدر ناصر، بنگلہ دیش میں مجیب الرحمٰن کے مفقود ہو جانے والے دور کے اقتدار کی مثالیں بالکل تازہ مثالیں ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے، ایک زمانہ میں جن کا طوطی بولتا تھا۔ جو بڑا شبہ ذی اثر اور صاحب قوت تھے۔ جن کے اشاروں پر ایک دنیا ناچتی تھی۔ دنیائے سیاست میں جن کی دھوم تھی جن کا شہرہ شہر در شہر تھا اور جن کی عزت و رفعت کے چراغ سلطنت سیاست کی ہر فصیل پر روشن تھے۔ لیکن جب ان لوگوں نے جبر واستبداد اور تشدد و بربریت کی راہیں اختیار کیں تو دیکھتے ہی دیکھتے ان کی عزتوں کا موم پگھلنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کا نام ونشان دنیائے ہست وبود سے اس طرح مٹ کر رہ گیا کہ جیسے شہرت و نیک نامی کی سلطنت سے ان کا کبھی گذر ہی نہ ہوا ہو۔ جیسے شہر سیاست میں کبھی انھوں نے جنم ہی نہیں لیا تھا۔

اخوان المسلمین پر ظلم ڈھانے والوں کی عقوبت، اسلام پسند لوگوں پر تشدد اور قہرمانی کے پتھر برسانے والوں کا انجام بنگلہ دیش کی سرزمین پر ظلم وطغیان کے شعلے بھڑکا دینے والی ہستیوں کا واقعاتی نتیجہ اندرا گاندھی کے لیے ایک سبق بن سکتا تھا اگر اندرا گاندھی کے سر پر اقتدار کا بھوت سوار نہ ہوتا اور اگر سنجے میاں کو یہ خوش فہمی نہ ہوتی کہ ہندوستان ہماری جاگیر ہے۔ حکومت ہماری ورثہ ہے۔ عوام ہماری لاٹھی کے سامنے مجبور و بے بس ہیں۔ ہماری "تانا شاہی" خدائی کے ہم پایہ ہے۔ مگر ہمیں یقین تھا کہ کانگریس ہار ے گی۔ اندرا حکومت کو ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا اور سنجے میاں کے ناجائز تسلط کا خاتمہ ہو کر رہے گا۔ انقلاب آئے گا اور ایمرجنسی کی لعنت اس انقلاب میں کسی بے جان تنکہ کی طرح بہہ جائے گی۔

اور یہ یقین ہمیں اس لیے تھا کہ خدا جھوٹ نہیں بولتا خدا نے جب خود ہی یہ کہہ دیا ہے کہ ہم ظلم کرنے والے لوگوں کو پسند اور برداشت نہیں کرتے۔ اور ماضی قریب وبعید کے ان گنت واقعات نے جب اس بات کی تصدیق کر دی ہے کہ فی الواقع خدا کا کہا سچ ہے۔ ظالموں کا حشر برا ہوتا ہے ظالمین ہلاک ہو کر رہتے ہیں۔ خدا کے دعوے پر جب دنیاوی واقعات کے ان گنت دلائل موجود ہوں تو پھر ہمیں یہ کہنے کی جسارت ہوتی بھی کیسے کہ جیت کانگریس کی ہوگی، جنتا پارٹی کی نہیں۔

آپ گہرائی میں جائیں تو اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہیں گے کہ یہ لڑائی کانگریس اور جنتا پارٹی کی لڑائی نہیں تھی بلکہ یہ لڑائی مشیت اور کانگریس کی لڑائی تھی —— حق اور ناحق کی لڑائی تھی۔ ایک جنتا ہی کیا اگر اس وقت دنیا کی کوئی سی بھی کمزور سے کمزور پارٹی کانگریس سے ٹکرا جاتی تو جیت اسی کمزور پارٹی کی ہوتی، کانگریس کی نہیں۔

جنتا پارٹی اس لیے کامیاب نہیں ہوئی ہے کہ وہ طاقت ور تھی، اتحاد کی دولت سے بہرہ ور تھی، قابل تعریف نظم وضبط کی حامل تھی۔ کامیابی اس لیے بھی نہیں ہوئی کہ جے پرکاش نرائن جیسے رہبر اور امام عبداللہ بخاری جیسے مخلص لوگ جنتا پارٹی کے ہمدرد وہمنوا تھے بلکہ جنتا پارٹی کو کامیابی محض اس بنا پر نصیب ہوئی ہے کہ خدا کی رحمتیں اس کی پشت پناہی کر رہی تھیں۔ اور خدا کی رحمتیں ہر اس جماعت کی پشت پناہی کرنے کی عادی ہیں جو جماعت کسی ظالم وسفاک گروہ کے مقابلہ میں صف آرا ہو جائے۔ اس وقت کانگریس کے مقابلہ میں جماعت نہیں اگر کوئی فرد واحد

بھی کھڑا ہو جاتا تو سرخروئی اسی فردِ واحد کا مقدر بنتی۔ کانگریس کو
تو بہر حال ہارنا ہی تھا اس لئے اس کو شکست دینے کا فیصلہ
زمین پر نہیں آسمان پر ہو چکا تھا اور آسمانی فیصلوں کو مسترد کرنے
کی قوت کس میں ہو سکتی ہے۔؟

سوچنے کی بات ہے کہ جو خدا ایک لنگڑے مچھر کے ذریعہ
نمرود جیسے زور آور کا وجود مٹا سکتا ہے وہ خدا جنتا پارٹی کے
ذریعہ کانگریس کا ملیامیٹ کیوں نہیں کر سکتا۔

جن حضرات کی خوش گمانی یہ تھی کہ کانگریس کسی نہ کسی فریب
اور دھاندلی کا سہارا لے کر جیت ہی جائے ان لوگوں کو خدا کے
اختیارات کا صحیح علم نہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ خدا جس حکومت
کا تختہ پلٹنا چاہتا ہے کوئی طاقت کوئی ہتھیار کوئی ڈسپلن
کوئی ذریعہ اس حکومت کو فنا کے گھاٹ اترنے سے نہیں بچا سکتا
جس حکومت کے چہرے پر خدا خود کالک ملنا چاہے اس حکومت
کو دنیا بھر کی ساری طاقتیں اور مقربین و بریں کی ساری صلاحیتیں
حرکت میں آکر بھی دولت تحمل عطا نہیں کر سکتیں۔

کانگریس کی ہلاکت و تباہی کی ظاہری بہت سی وجوہات
ہیں۔ ہمارے نزدیک سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اندرا گاندھی کا
کا دماغ ماؤف ہو چکا تھا۔ ان کی ذہنی صلاحیتیں تمنا کے سیلاب
میں بہہ گئی تھیں۔ اندرا گاندھی جب تک دماغ سے سوچتی رہیں
انھیں اپنے مقاصد میں کامیابی نصیب ہوتی رہی اور لوگوں نے
ان کی صلاحیتوں کی خدمت میں خراج تحسین پیش کیا، انکی ذہانت و
فراست کا اعتراف ان کے مخالفین نے بھی کیا۔ اور ان کی حکمت و
تدبر کا شہرہ ہندوستان سے باہر تک پہنچا۔ لیکن یہ اس وقت
کی بات ہے جب وہ دماغ سے سوچنے کی عادی تھیں۔ لیکن
دفعتاً انھوں نے دل سے سوچنا شروع کر دیا۔ ان کے دماغ
کی صلاحیتیں زنگ آلود ہو کر رہ گئیں۔ ان کا تدبر کا سر سے
ہجرت کر گیا۔ اور اب ان کے سامنے صرف ایک ہی مسئلہ تھا
اور وہ تھا مسئلہ "ابن" بیٹے کا مسئلہ کہ کسی طرح میرا بیٹا ہندوستان
کی باگ ڈور سنبھال لے۔ وہ دماغ سے سوچتیں تو بہ آسانی
اور بہ جلد اس نتیجہ پر پہونچ سکتی تھیں کہ ان کے بیٹے میں کسی ملک پر
تو کیا کسی محلہ پر حکومت کرنے کی اہلیت بھی نہیں ہے۔ وہ سیاست
سے کورا ہے۔ عقل و خرد سے نابلد ہے۔ ضبط و تحمل سے بے بہرہ
ہے۔ اور سیاست کی نزاکتوں سے وہ واقف نہیں۔ فریب
دھاندلی اور شرارت کے نشیب و فراز پر بھی وہ مطلع نہیں۔ اسے
یہ تک خبر نہیں کہ از خود ہندو مسلم فساد کرا کے ہندو اور مسلمان
دونوں سے خراج عقیدت کس طرح وصول کر لیا جاتا ہے۔ اسے
یہ تک خبر نہیں کہ مسلمانوں کے گلے گھونٹ کر، ان کی عبادتگاہوں
میں آگ لگا کر۔ ان کی مسلم یونیورسٹی کا قتل عام کر کے بھی ان کے
لیڈر مولانا اسعد جیسے لوگوں کی ہمنوائی حاصل کرنے کے ذرائع
کیا ہیں۔ اسے تو یہ بھی پتا نہیں تھا کہ جرائم کرنے کے بعد بے گناہی
کی سند کس طرح وصول کی جاتی ہے۔ ایک ہی شخص جو سیاست
و تدبیر کے اعتبار سے جاہل مطلق ہو اس کے بارے میں یہ خواب
دیکھنا کہ ہندوستان جیسے بڑے ملک پر مسلط ہو جائے، کوری
حماقت کے سوا اور کیا تھا اور اندرا گاندھی جیسی ذہین عورت
اس کوری حماقت کا شکار اس لیے ہو گئی تھی کہ اس نے دماغ سے سوچنا
بند کر دیا تھا۔ وہ دل سے سوچ رہی تھی اور مسلسل دل سے سوچ رہی
تھی۔ اس کے سامنے ایک مسئلہ تھا کہ میرے بیٹے میاں ہندوستان
کے سربراہ بن جائیں خواہ اہلیت ان میں اپنا گھر چلانے کی بھی نہ ہو، ان
اپنی پچھلی خطاؤں پر پردہ ڈالنے اور اپنے لخت جگر کو ہندوستان
پر مسلط کرنے کے چکر میں ہندوستان کے عوام پر جو جو مظالم انھوں
نے توڑے ہیں ان کا تصور بھی دل اور احساس کی کائنات کو لرزا
دیتا ہے۔

نظام آباد سے رانچی تک، راجستھان سے پنجاب تک
دہلی سے راؤڑ کیلا تک خون کے چھینٹے بکھرے ہوئے تھے۔ در و دیوار
پر ظلم و ستم کی داستانیں کندہ تھیں۔ نس بندی کی وحشت ناک تحریک کو
زندہ رکھنے کے لیے کشمیر سے کنیا کماری تک جو عدوان و استبداد کی
کالی آندھیاں چلائی گئی تھیں اور اس کے نتیجہ میں انسان جذبات و
احساسات کا جو خون ہوا تھا تاریخ اسے کبھی فراموش نہیں کر سکے گی
شریف لوگوں کی شرافت، معززوں کی عزت، مقدس لوگوں کا
تقدس، مومنوں کا ایمان، ظلم و ستم کا شکار ہو کر رہ گیا اور وہ پاکباز
لوگ بھی نس بندی کے لیے بالجبر ننگے کر دیے گئے جن کے خفیہ

اعضا پر کبھی خود ان کی نظر بھی نہیں پڑی تھی۔ ایسی ظالمانہ اور سفاکانہ حرکات کی گئیں کہ الامان والحفیظ۔

اور یہ سب کچھ ایک انتقام تھا۔ اور انتقام اس وجہ سے کیا جا رہا تھا کہ بعض انصاف پسند لوگوں نے اندراجی کے کچھ گناہوں سے پردے ہٹا دیے تھے اور بعض حق گو انسانوں نے یہ کہہ دیا تھا کہ ان کا بیٹا ایوان مملکت میں منشی اور چپراسی بننے کا بھی اہل نہیں چہ جائیکہ اسے ایوان مملکت کا مہتمم بنا دیا جائے۔

اندراجی سے انصاف و حق کی ضابطگی برداشت نہ ہو سکی انھوں نے نس بندی، ناجائز ٹیکس، ماسٹر پلان اور توڑ پھوڑ جیسے ناجائز اقدامات کا سہارا لے کر ملک میں ہراس پھیلانا شروع کر دیا۔ اور اس خوش گمانی میں مبتلا ہو گئیں کہ انکی حکومت صرف خدا کے بندوں پر نہیں بلکہ خدائی پر بھی ہے۔

انھیں یقین ہو گیا کہ دنیا کے سارے مسائل لاٹھی کے ذریعہ سے حل کیے جا سکتے ہیں۔ اور میری لاٹھی کے سامنے خدا بھی اسی طرح مجبور اور بے بس ہو سکتا ہے جس طرح اس کے بندے مجبور اور بے بس ہو کر رہ گئے ہیں۔

مگر دفعتاً حالات بدلے، انقلاب آیا اور خدا نے ایک جھٹکے میں اندرا پر یہ ثابت کر دیا کہ اصل اقتدار تمہارا نہیں ہمارا اقتدار ہے۔ ہمارا زور تمہارے زور سے طاقت ور ہے۔ ہمارے اختیارات تمہارے اختیارات سے وسیع ہیں۔ ہم نے جب تک ڈھیل دی تم ماں بیٹے من مانی کرتے رہے اور جب ہم نے تمہیں اوندھے منہ گرانے کا فیصلہ کر لیا تم سنبھل نہ سکے اور زمین پر چاروں خانے چت ہو کر رہے۔

اگر اندراجی دل سے سوچنے کی بجائے دماغ سے سوچتیں تو زمین پر گرنے اور ذلت و رسوائی کی خاک میں مل جانے کی نوبت نہیں آ سکتی تھی۔

بہرکیف ظلم کی بنا ڈوب گئی۔ استبداد کے بادل چھٹ گئے۔ جبر و ستم کی زنجیریں ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگیں۔ قیدیوں کو رہائی نصیب ہوئی۔ زبانوں کو متحرک ہونے کی اجازت ملی۔ شرارت، سرکشی، لاقانونیت، زبردستی، دھونس، قہرمانی ڈھٹائی، مطلق العنانی، تاناشاہی، تمرد اور طنطنے کا دور ضلالت رخصت ہوا۔ اب ہر طرف جمہوریت اور آزادی کی فصلیں لہرا رہی ہیں۔ ہر فصیل پر امن و امان کے دیپ جل رہے ہیں۔ ہر شہر اور ہر گلی میں محبت و اتحاد کی خوشبو بکھری ہوئی ہے۔ ہندو مسلمان دونوں اس طرح گلے مل رہے ہیں جیسے دو بچھڑے ہوئے بھائی مدت کے بعد ایک دوسرے کے قریب آتے ہیں۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان کانگریس حکومت نے افتراق و نفرت کی جو دیواریں اپنے سیاسی مزدوروں سے چنوا دی تھیں وہ اب گر چکی ہیں اور پورا ملک اتحاد و ارتباط کی پاکیزہ روشنی سے منور ہو چکا ہے۔

خدا کرے اب کبھی وہ دور ضلالت لوٹ کر نہ آئے۔ خدا کرے مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان نفرت و کشاکشی کی وہ لکیریں کبھی نہ کھنچ سکیں جو سیاست کے ماہرین نے اپنا الو سیدھا کرنے کے لیے دجل و فریب کی پنسل سے کھینچ دی تھیں۔

جنتا پارٹی اگر زندگی بھر دماغ سے سوچتی رہی تو وہ اقتدار کی کرسی پر متمکن رہے گی۔ دماغ سے سوچنے کے نتیجہ میں اس کے دل و دماغ پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ ہندوستان پر جتنا حق ہندوؤں کا ہے اتنا ہی حق مسلمانوں کا بھی ہے۔ اور مسلمانوں کی اقلیت اس بیلنس کی حیثیت رکھتی ہے جس کو اپنی طرف جھکائے بغیر کوئی الیکشن نہیں جیتا جا سکتا۔ اگر جنتا پارٹی نے بھی اندراجی کی طرح دل اور جذبات سے کام لینا شروع کر دیا اور اپنے اقتدار کو باقی رکھنے کے لیے وہی اوچھے ہتھیار استعمال کرنا شروع کر دیے جو اندرا اور سنجے نے استعمال کیے تھے تو چند ہی سالوں میں جنتا پارٹی کا حشر بھی وہی ہو گا جو کانگریس کا ہوا ہے۔ اور آج جس جنتا پارٹی کی خدمت میں ہم ہدیۂ مبارکباد پیش کرنے کے لیے بیتاب ہیں۔ کل اسی کے خلاف ہم اعلان بغاوت کرنے پر مجبور ہوں گے۔ اس لیے کہ ظلم ظلم ہے خواہ کانگریس کرے یا جنتا اور ظلم کا انجام ایک ہی ہے —— ذلت۔ تباہی۔ کس مپرسی۔

دعوتِ اسلامی کی حقیقی نوعیت

(۲)

توحید کی تعلیم اور شرک کی تردید

(۲) مشرکین کے اپنے نفس کی شہادت سے استدلال توحید کے لئے دوسری زبردست دلیل یہ پیش کی گئی کہ مشرکین پر جب کوئی سخت وقت آتا ہے اور انھیں موت یا تباہی سامنے کھڑی نظر آنے لگتی ہے تو وہ اپنے سب بناوٹی معبودوں کو بھول جاتے ہیں۔ اور صرف اللہ تعالیٰ سے مدد کی دُعا مانگنے لگتے ہیں۔ قرآن مجید میں ان کی اس کیفیت کو نہایت مؤثر طریقے سے بیان کرکے انھیں یہ احساس دلایا گیا کہ تمہارے اپنے نفس میں شرک کے باطل اور توحید کے برحق ہونے کی یہ شہادت موجود ہے جو آزمائش کے وقت علانیہ ابھر آتی ہے اور...... وقت گذر جانے کے بعد تم اس پر غفلت کا پردہ ڈال دیتے ہو۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ	اے نبیؐ! ان سے کہو ذرا غور کرکے
اَتٰكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ	بتاؤ، اگر کبھی اللہ کا عذاب تم پر آجائے
اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ	یا آخری گھڑی تمہارے اوپر آجائے
اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ	تو کیا اللہ کے سوا تم کسی اور کو پکارتے
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝	ہو؟ بلکہ اُس وقت تم اللہ ہی کو
بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ	پکارتے ہو، پھر اگر وہ چاہتا ہے
فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ	تو اس مصیبت کو ٹال دیتا ہے جس
اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ	بچانے کیلئے تم دُعا کر رہے تھے اور اس
مَا تُشْرِكُوْنَ	وقت تم اسکو بھول جاتے ہو جنھیں تم

(الانعام - ۴۰-۴۱) (خدائی میں) شریک کرتے تھے۔

"ابو جہل کے بیٹے عکرمہؓ کو اسی نشانی کے مشاہدے سے ایمان کی توفیق نصیب ہوئی جب مکہ معظمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر فتح ہوگیا تو عکرمہؓ جدّہ کی طرف بھاگے۔ اور ایک کشتی پر سوار ہو کر حبش کی راہ لی۔ راستہ میں سخت طوفان آیا اور کشتی خطرے میں پڑ گئی اوّل اوّل تو دیویوں اور دیوتاؤں کو پکارا جاتا رہا۔ مگر جب طوفان کی شدت بڑھی اور مسافروں کو یقین ہوگیا کہ اب کشتی ڈوب جائیگی تو سب کہنے لگے کہ یہ وقت اللہ کے سوا کسی کو پکارنے کا نہیں ہے، وہی چاہے تو ہم بچ سکتے ہیں۔ اُس وقت عکرمہؓ کی آنکھیں کھلیں اور اُن کے دل نے آواز دی کہ اگر یہاں اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں تو قابلِ عبادت دوسرا کیوں ہو؟ یہی تو وہ بات ہے جو اللہ کا وہ نیک بندہ ہمیں بیس۲۰ برس سے سمجھا رہا ہے اور ہم خواہ مخواہ اس سے لڑ رہے ہیں یہ عکرمہؓ کی زندگی میں فیصلہ کن لمحہ تھا۔ انھوں نے اسی وقت خدا سے عہد کیا کہ اگر میں اس طوفان سے بچ گیا تو سیدھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤں گا اور

ان کے ہاتھ میں ہاتھ دے دوں گا۔ چنانچہ انھوں نے اپنے اس عہد کو پورا کیا اور بعد میں آکر نہ صرف مسلمان ہوئے بلکہ اپنی بقیہ عمر اسلام کے لئے جہاد کرتے گزار دی۔"

یہ استدلال قرآن مجید میں جگہ جگہ کیا گیا ہے طوالت سے بچنے کے لئے یہاں ہم آیات کے بجائے صرف اُن کا ترجمہ دینے پر اکتفا کرتے ہیں:۔

"وہ اللہ ہی ہے جو تم کو زمین اور سمندر میں چلاتا ہے۔ چنانچہ جب تم کشتیوں میں سوار ہو کر بادِ موافق پر فرحاں و شاداں سفر کر رہے ہوتے ہو اور پھر یکایک بادِ مخالف کا زور ہوتا ہے اور ہر طرف سے موجوں کے تھپیڑے لگتے ہیں اور مسافر سمجھ لیتے ہیں کہ طوفان میں گھر گئے اُس وقت سب اپنے دین کو اللہ ہی کے لئے خالص کر کے اس سے دُعائیں مانگتے ہیں کہ اگر تو نے ہم کو اس بلا سے بچا لیا تو ہم شکر گزار بندے بنیں گے۔ مگر جب وہ ان کو بچا لیتا ہے تو پھر وہی لوگ حق سے منحرف ہو کر زمین میں بغاوت کرنے لگتے ہیں" (یونس - ۲۲ - ۲۳)۔

"تمہارا حقیقی رب تو وہ ہے جو سمندر میں تمہاری کشتی چلاتا ہے تاکہ تم اس کا فضل (یعنی رزق) تلاش کرو، حقیقت یہ ہے کہ وہ تمہارے حال پر نہایت مہربان ہے۔ اور جب سمندر میں تم پر مصیبت آتی ہے تو اُس ایک کے سوا دوسرے جن جن کو تم پکارتے ہو وہ سب گم ہو جاتے ہیں۔ مگر جب وہ تم کو بچا کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو تم منہ پھیر جاتے ہو۔ انسان واقعی بڑا ناشکرا ہے"
(بنی اسرائیل ۶۶-۶۷)

"۔۔۔ لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب انہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کی طرف رجوع کر کے اُسے پکارتے ہیں۔ پھر جب وہ کچھ اپنی رحمت کا ذائقہ انھیں چکھا دیتا ہے تو یکایک اُن میں سے کچھ لوگ اپنے رب کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنے لگتے ہیں (یعنی دوسرے معبودوں کی نذریں اور نیازیں چڑھانی شروع کر دیتے ہیں) تاکہ ہمارے کئے ہوئے احسان کی ناشکری کریں" (الروم - ۳۲ - ۳۴)

"اور جب انسان پر کوئی آفت آتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کر کے اسے پکارتا ہے، پھر جب اس کا رب اپنی نعمت سے اس کو نواز دیتا ہے تو وہ اس مصیبت کو بھول جاتا ہے جس پر وہ پہلے پکار رہا تھا اور اللہ کے ساتھ دوسروں کو ہمسر ٹھہرانے لگتا ہے، تاکہ اس کی راہ سے گمراہ کرے" (الزمر - ۸)۔

"یعنی خود گمراہ ہونے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ دوسروں کو بھی یہ کہہ کہہ کر گمراہ کرتا ہے کہ جو آفت مجھ پر آئی تھی وہ فلاں حضرت، یا فلاں بزرگ یا فلاں دیوی یا دیوتا کے صدقے میں ٹل گئی۔ اس سے دوسرے بہت سے لوگ بھی ان معبودانِ غیر اللہ کے معتقد ہو جاتے ہیں اور ہر جاہل اپنے اسی طرح کے تجربات بیان کر کر کے عوام کی اس گمراہی کو بڑھاتا چلا جاتا ہے۔

یہ مشرکین کی دکھتی ہوئی رگ تھی جس کو قرآن مجید میں جگہ جگہ چھیڑ کر اُن کے اندر سوئے ہوئے احساسِ توحید کو جگایا گیا عرب کی زمین آفات سے بھری ہوئی تھی۔ ملک کی عام بدامنی ہر شخص کے لئے خطرات سے پُر تھی۔ بیماریوں میں دُور دُور تک کہیں دوا علاج کا انتظام نہ تھا۔ صحرا کی خوفناک طوفانی آندھیوں میں لوگوں کے حواس باختہ ہو جاتے تھے۔ ان حالات میں ہر مشرک کو اپنی زندگی میں کبھی نہ کبھی کسی ایسی مصیبت سے سابقہ پیش آجاتا تھا۔ جب وہ ہر طرف سے مایوس ہو کر اللہ وحدہٗ لاشریک کے آگے دعا کے لئے ہاتھ پھیلا دیتا تھا اور سمجھتا تھا کہ اس وقت اُس ذات پاک کے سوا کوئی اس کی

مدد نہیں کرسکتا۔ خصوصاً بحری سفروں میں تو اس طرح کے مواقع اکثر پیش آتے رہتے تھے۔ خود قریش پر ابرہہ کے حملے کے وقت یہی کیفیت گزر چکی تھی کہ سارے بناوٹی خداؤں کو چھوڑ کر صرف ایک اللہ کو انھوں نے مدد کیلئے پکارا تھا اور نزولِ قرآن کے زمانے میں بہت سے وہ لوگ زندہ موجود تھے جو اس واقعہ کے عینی شاہد تھے۔ اسی کی طرف سورۂ فیل میں اُن کو توجہ دلائی گئی ہے کہ اُس وقت تمہارے اصلی اور حقیقی رب کے سوا اور کون تھا جس نے ۶۰ ہزار حملہ آوروں کا قلع قمع کرکے تمہیں تباہی سے بچا لیا؟ اور اسی کی طرف سورۂ قریش میں ان کو توجہ دلائی گئی کہ اس خدائے بزرگ برتر کی بندگی کرو جس کے گھر کی پناہ میں آکر تم تباہی سے محفوظ ہوئے اور تم کو عرب میں یہ امن، یہ بے خوفی اور یہ خوشحالی نصیب ہوئی اس نعمت کا دینے والا وہی اللہ ہے، نہ کہ وہ معبود جنھیں تم نے اس کے گھر میں جمع کر رکھا ہے اور جن کے متعلق تم خود جانتے ہو کہ وہ تمہیں تباہ ہونے سے نہ بچا سکتے۔

(۳) نظامِ کائنات سے استدلال اوپر کی دو دلیلوں کے ساتھ قرآن مجید میں جگہ جگہ بڑی تفصیل کے ساتھ کائنات کے پورے نظام سے اس بات پر نہایت پُرزور دلائل پیش کئے گئے کہ اس سارے عالمِ ہست و بود کا خدا ایک ہی ہے اور ایک ہی ہو سکتا ہے۔ یہاں بھی طوالت سے بچنے کے لئے آیات نقل کرنے کے بجائے صرف ان کے ترجمے نقل کرنے پر اکتفا کریں گے۔

" لوگو! بندگی کرو اپنے اس رب کی جس نے تم کو اور ان سب لوگوں کو پیدا کیا ہے جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ توقع ہے کہ تم (دوسروں کی بندگی کے انجام سے) بچ جاؤ گے، وہ رب جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی برسایا، پھر اس سے ہر طرح کی پیداوار نکالی کہ تمہارے لئے رزق بنے۔ پس جانتے بوجھتے دوسروں کو اللہ کا مدمقابل نہ ٹھہراؤ " (البقرہ ۲۱-۲۲)

" اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر یکایک تم بشر ہو کر زمین میں پھیلتے چلے جارہے ہو۔ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو۔ اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کردی یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں علم رکھنے والوں کے لئے۔ اور ان کی نشانیوں میں سے تمہارا رات اور دن کا سونا اور اس کے فضل (رزق) کو تلاش کرنا ہے۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو (غور سے بات کو) سنتے ہیں۔ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تم کو بجلی کی چمک دکھاتا ہے خوف کے ساتھ بھی اور طمع کے ساتھ بھی۔ اور آسمان سے پانی برساتا ہے اور اس کے ذریعہ سے زمین کو اس کی موت کے بعد زندگی بخشتا ہے۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں عقل رکھنے والوں کے لئے۔ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔ پھر جونہی کہ اس نے تمہیں زمین سے پکارا، بس ایک ہی پکار میں تم اچانک نکل آؤ گے۔ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں اس کے بندے ہیں۔ سب اُسی کے تابع فرمان ہیں۔ وہی ہے جو تخلیق کی ابتدا کرتا ہے پھر وہی اس کا اعادہ کرے گا۔ اور یہ اس کے لئے زیادہ آسان ہے آسمانوں اور زمین میں اس کی صفت سب سے برتر ہے اور وہ زبردست اور حکیم ہے "
(الرّوم - ۲۰ تا ۲۷)۔

" درحقیقت تمہارا رب وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر عرش (کائنات کے تختِ سلطنت) پر جلوہ فرما ہوا۔ جو رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے اور پھر دن رات کے پیچھے دوڑا آتا ہے۔ جس نے سورج

اور چاند اور تاروں کو پیدا کیا سب اس کے فرمان کے تابع ہیں - خبردار رہو، خلق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کا - بڑا بابرکت ہے اللہ، سارے جہانوں کا مالک و پروردگار " (الاعراف، ۵۴)

" پاک ہے وہ ذات جس نے جملہ اقسام کے جوڑے پیدا کیے زمین سے اگنے والی چیزوں میں بھی، اور تمہارے اپنے نفوس (یعنی نوع انسانی) میں بھی، اور ان چیزوں میں بھی جن کو لوگ نہیں جانتے، اور لوگوں کے لئے ایک نشانی رات ہے جس کے اوپر سے ہم دن کو ہٹا دیتے ہیں تو ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے - اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے، یہ زبردست علم رکھنے والے کا باندھا ہوا حساب ہے - اور چاند کیلئے ہم نے منزلیں مقرر کردی ہیں یہاں تک کہ وہ پھر کھجور کی سوکھی شاخ کے مانند رہ جاتا ہے نہ سورج کے بس میں یہ ہے کہ چاند کو جا لے اور نہ رات دن پر سبقت لے جا سکتی ہے سب ایک فلک میں تیر رہے ہیں - اور لوگوں کیلئے یہ بھی ایک نشانی ہے کہ ہم نے اُن کی نسل کو بھری ہوئی کشتی (کشتیٔ نوحؑ) میں سوار کر دیا اور (بعد میں) ویسی ہی کشتیاں اور پیدا کردیں جن پر یہ سوار ہوتے ہیں - اگر ہم چاہیں تو ان کو غرق کر دیں - پھر کوئی اُن کی فریاد سننے والا نہ ہو اور نہ یہ کسی طرح بچائے جا سکیں - بس ہماری ہی رحمت ہے جو انھیں پار لگاتی ہے اور ایک وقت خاص تک زندگی سے متمتع ہونے کا موقع دیتی ہے " یٰسٓ (۳۶ تا ۴۴)

" اس کا کام تو بس یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اسے حکم دیتا ہے کہ ہو جا اور ہو جاتی ہے - پس پاک ہے وہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا مکمل اقتدار ہے - اور اسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو " یٰسٓ - ۸۲ - ۸۳) -

" اے محمدؐ، کہو کیا اللہ کے سوا میں کوئی اور رب تلاش کروں حالانکہ ہر چیز کا رب تو وہی ہے " (الانعام - ۱۶۴)

زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمے نہ ہو اور جس کے متعلق وہ نہ جانتا ہو کہ وہ کہاں رہتا ہے اور کہاں (مرکر) وہ سونپا جاتا ہے - سب کچھ ایک صاف دفتر میں درج ہے " (ہود ۶)

" وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور پھر عرش پر جلوہ فرما ہوا اس کے علم میں ہے جو کچھ زمین میں جاتا ہے - اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے، اور جو کچھ آسمانوں سے اترتا ہے - اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی تم ہو اور جو کام بھی تم کرتے ہو اسے وہ دیکھ رہا ہے - آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کا وہی مالک ہے اور اللہ ہی کی طرف سارے معاملات رجوع کئے جاتے ہیں - رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے، اور وہ دلوں کے حال تک خوب جانتا ہے " (الحدید - ۴ تا ۶)

" وہ آسمان سے زمین تک دنیا کے معاملات کی تدبیر کرتا ہے پھر اس کی روداد اُوپر اُس کے حضور جاتی ایک ایسے دن میں جاتی ہے جس کی مقدار تمہارے حساب سے ایک ہزار برس ہے وہی ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا، زبردست اور رحیم، جس نے ہر چیز جو بنائی خوب ہی بنائی اور انسان کی تخلیق کی ابتدا مٹی سے کی پھر اس کی نسل ایک ایسے سَت سے جاری کی جو حقیر پانی کی طرح کا ہے " (السجدہ ۵ تا ۸)

" دانے اور گٹھلی کو (زمین کی تہوں میں)

پھاڑنے والا اللہ ہی ہے۔ وہی زندہ کو مردہ میں سے نکالتا ہے اور وہی مردہ کو زندہ میں سے نکالنے والا ہے۔ یہ سارے کام کرنے والا تو اللہ ہے۔ پھر تم کدھر بہکائے جا رہے ہو؟ پردۂ شب کو چاک کرکے وہی صبح نکالتا ہے، اور رات کو اس نے سکون کا وقت بنایا ہے اور اس نے سورج اور چاند کے طلوع و غروب کا حساب مقرر کیا ہے۔ یہ سب اس زبردست قدرت اور علم رکھنے والے کے ٹھہرائے ہوئے اندازے ہیں۔ اور وہی ہے جس نے تاروں کو صحرا اور سمندر کی تاریکیوں میں تمہارے راستے معلوم کرنے کا ذریعہ بنایا ہے۔ دیکھو، ہم نے نشانیاں کھول کر بیان کر دی ہیں اُن لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔ اور وہی ہے جس نے تم کو ایک متنفس سے پیدا کیا، پھر ہر ایک کے لئے ایک جائے قرار ہے اور ایک اس کے سونپے جانے کی جگہ۔ یہ نشانیاں ہم نے واضح کر دی ہیں ان لوگوں کے لئے جو سمجھ بوجھ سے کام لیتے ہیں
(الانعام - ۹۵ تا ۹۸)۔

"اے نبیؐ، ان سے کہو کون تمہارے معاملہ میں اللہ کے فیصلے کو رد کر دینے کا کچھ بھی اختیار رکھتا ہے اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے یا نفع بخشنا چاہے؟ (الفتح - ۱۱)

"اور اگر اللہ تجھے کسی مصیبت میں ڈالنا چاہے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو اس مصیبت کو ٹال دے۔ اور اگر وہ تیرے حق میں بھلائی کرنا چاہے تو اس کے فضل کو پھیر دینے والا بھی کوئی نہیں" (یونس - ۱۰۷)

"اللہ جس رحمت کا راستہ بھی لوگوں کے لئے کھول دے اُسے کوئی روک دینے والا نہیں اور جسے وہ بند کر دے اُسے اللہ کے بعد پھر کھول دینے والا بھی کوئی نہیں۔۔۔۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق بھی ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہو؟ کوئی خدا اس کے سوا نہیں، پھر تم کہاں سے دھوکا کھا رہے ہو
(فاطر - ۲ - ۳)

"اے نبیؐ، ان سے پوچھو کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اقتدار ہے۔ اور کون ہے وہ جو پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دی جا سکتی؟ بتاؤ اگر تم جانتے ہو۔ وہ ضرور کہیں گے کہ یہ بات تو اللہ ہی کے لئے ہے۔ کہو پھر کہاں سے تم دھوکا کھا رہے ہو؟" (المومنون - ۱۹۰)

"اللہ حکومت کر رہا ہے اور کوئی اسکے فیصلوں پر نظر ثانی کرنے والا نہیں ہے"
(الرعد - ۱۳۴۱)

"اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا دوسرے خدا بھی ہوتے تو زمین و آسمان کا نظام بگڑ جاتا پس پاک ہے اللہ، عرش کا مالک، ان باتوں سے جو یہ لوگ بنا رہے ہیں۔ وہ اپنے کاموں کے لئے کسی کے آگے جواب دہ نہیں ہے اور سب جواب دہ ہیں۔ کیا ان لوگوں نے اُس کے سوا دوسرے خدا بنا رکھے ہیں؟ ان سے کہو لاؤ اپنی دلیل" (انبیاء، ۲۲ تا ۲۴)

"اللہ نے کسی کو اپنی اولاد نہیں بنایا ہے اور نہ اس کے ساتھ دوسرا کوئی خدا ہے اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی خلق کو لیکر الگ ہو جاتا اور پھر وہ ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتے پاک ہے اللہ اُن باتوں سے جو یہ لوگ بناتے ہیں۔ (المومنون - ۹۱)

"اے نبیؐ، ان سے کہو اگر اس کے ساتھ دوسرے خدا بھی ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں

تو وہ مالک عرش کے مقام پر پہنچنے کی ضرور کوشش کرتے۔ پاک ہے وہ اور بہت بالا و برتر ہے اُن باتوں سے جو یہ لوگ کہہ رہے ہیں "۔ (بنی اسرائیل ۴۲ - ۴۳)

یہ اُن بہت سی آیات میں سے چند ہیں جن میں توحید کے ایسے مضبوط دلائل دیئے گئے ہیں کہ کوئی شخص ذرا سی عقل بھی رکھتا ہو تو یہ مانے بغیر نہیں رہ سکتا کہ زمین سے آسمانوں تک اس کائنات کا عظیم الشان نظام ایک خدا کے بغیر نہیں چل سکتا۔ اُسی کے بنائے یہ بنا ہے اور اسی کے چلائے یہ چل رہا ہے۔ اس میں جو حکمت، جو علم، جو قدرت جو شانِ رحمت و ربوبیت، جو ضبط و نظم اور باقاعدگی اور کائنات کی بےحد و حساب اشیاء میں جو ہم آہنگی و مناسبت پائی جاتی ہے، وہ صاف بتارہی ہے کہ یہ سب کچھ ایک خدا کی خدائی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس میں کسی دوسرے کے پاس ذرہ برابر بھی خداوندانہ اختیارات کے ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ ورنہ یہ نظام اس باقاعدگی کے ساتھ اور اتنی حکمتوں اور مناسبتوں کے ساتھ کبھی نہ چل سکتا۔ اب ظاہر ہے کہ جب خالق بھی وہ ہے۔ رازق بھی وہ، نفع و نقصان پہنچانے کا مختار بھی وہ۔ اور سارے اختیارات کا مالک بھی، تو دوسرے کون ہیں جن کو معبود ہونے کا حق پہنچتا ہو۔ اور اس کی خلق میں کسی دوسرے کا حکم کیسے چل سکتا ہے؟ انسان اگر کسی کی بندگی کرتا ہے تو یہی سمجھ کر کرتا ہے کہ وہ کسی قسم کے اختیارات رکھتا ہے اور اس کو نفع یا نقصان پہنچانے کی قدرت حاصل ہے مگر جب اسے معلوم ہو جائے کہ اسے کوئی قدرت و اختیار حاصل نہیں ہے تو کوئی شخص اتنا احمق نہیں ہو سکتا کہ خواہ مخواہ اس کی بندگی بجا لائے

(۳) شرک کی تردید کے دلائل | جس قوت کے ساتھ قرآن میں توحید کو ثابت کیا گیا۔ اسی قوت کے ساتھ شرک کی تردید میں بھی ایسے دلائل دیئے گئے جو اس کو بالکل پاش پاش کر کے رکھ دیتے ہیں۔ یہاں بھی ہم آیات کے بجائے صرف ان کے تراجم درج کریں گے۔

"آگاہ رہو، آسمان کے بسنے والے ہوں یا زمین کے، سب اللہ کے مملوک ہیں۔ اور جو لوگ اللہ کے سوا کچھ دوسرے شریکوں کو پکار رہے ہیں۔ وہ نرے وہم و گمان کی پیروی اور محض قیاس آرائی کر رہے ہیں" (یونس - ۶۶)

"اُس کو چھوڑ کر جن کی تم بندگی کر رہے ہو وہ کچھ نہیں ہیں مگر چند نام جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں۔ اللہ نے اُن کے (معبود یا شریک خدائی ہونے) کی کوئی سند نازل نہیں کی"

(یوسف - ۱۴۰)

"پس تم ان معبودوں کی طرف سے کسی شک میں نہ ہو جن کی یہ لوگ عبادت کر رہے ہیں۔ یہ تو بس لکیر کے فقیر بنے ہوئے، اُسی طرح پوجا پاٹ کیے جارہے ہیں جس طرح پہلے اِن کے باپ دادا کرتے تھے"

(ہود - ۱۰۹)

"اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ پیروی کرو اس چیز کی جو اللہ نے نازل کی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو اس چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ کیا یہ (باپ دادا ہی کی تقلید کرتے رہیں گے) خواہ شیطان اُن کی بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب ہی طرف بلاتا رہا ہو؟" (لقمان - ۲۱)

"کیا اس سے پہلے ہم نے کوئی کتاب اِن کو دی تھی جس کی سند (اپنی ملائکہ پرستی کے لئے) یہ اپنے پاس رکھتے ہوں؟ نہیں، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم انھیں کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں اسی طرح، اے محمد (ص)، تم سے پہلے جس بستی میں بھی ہم نے کوئی متنبہ کرنے والا [illegible]

کھاتے پیتے لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم انہی کے نقشِ قدم کی پیروی کر رہے ہیں۔ ہر نبی نے اُن سے پوچھا کیا تم اُسی ڈگر پر چلے جاؤ گے خواہ میں اُس راستے سے زیادہ صحیح راستہ تمہیں بتاؤں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے؟ انھوں نے سارے رسولوں کو یہی جواب دیا کہ جس دین کی طرف بلانے کے لئے تم بھیجے گئے ہو اس کے ہم منکر ہیں" الزخرف - ۲۱ تا ۲۴)

" اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان کی بندگی کر رہے ہیں (جن کے معبود ہونے کی) اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی ہے اور نہ اِن کے پاس (اُن کے خدائی میں حصّہ دار اور عبادت کے مستحق ہونے کا) کوئی علم ہے" (الحج - ۷۱)

ان آیات اور ایسی ہی دوسری آیات میں صاف یہ بتادیا گیا کہ مشرکین کے پاس دوسروں کو خدا کا شریک اور عبادت کا مستحق ٹھہرانے کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے، وہ صرف باپ دادا کی اندھی تقلید کر رہے ہیں اور اپنی جگہ محض قیاس وگمان سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ فلاں فلاں ہستیوں کو خدائی کے اختیار میں سے کوئی حصّہ ملا ہوا ہے جس کی وجہ سے وہ اُن کی مرادیں برلاتی ہیں، حالانکہ خدا نے کبھی کسی ذریعہ سے انھیں یہ نہیں بتایا ہے کہ میں نے اپنے اختیارات کا فلاں حصّہ فلاں ہستی کو دیدیا ہے، نہ اس کے پاس براہِ راست اس کا کوئی علم ہے کہ فلاں حضرت یا فلاں بزرگ یا دیوی یا دیوتا کو خدائی کے اختیارات میں سے یہ یہ اختیارات حاصل ہیں۔ اس کے بعد قرآن میں پے درپے شرک کے غلط اور بے حقیقت ہونے کے دلائل دیئے گئے :۔

" بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعہ سے وہ خوشنما باغ اگائے جن کے درختوں کا اگانا تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعہ سے وہ خوشنما باغ اُگائے جن کے درختوں کا اُگانا تمہارے بس میں نہ تھا؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا بھی (ان کاموں میں شریک) ہے؟ نہیں، بلکہ یہی لوگ راہِ راست سے ہٹ کر چلے جا رہے ہیں۔ اور وہ کون ہے جس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اسکے اندر دریا رواں کئے اور اس میں (پہاڑوں کی) میخیں گاڑ دیں اور پانی کے دو ذخیروں، (کھاری اور میٹھے) کے درمیان پردے حائل کر دیئے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی (ان کاموں میں شریک) ہے؟ نہیں بلکہ ان میں سے اکثر لوگ بے علم ہیں۔ کون ہے جو بے بس کی دُعا سنتا ہے جبکہ وہ اسے پکارے؟ اور کون اس کی تکلیف کو دور کرتا ہے؟ اور کون تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی (یہ کام کرنے والا) ہے؟ تم لوگ کم ہی سوچتے ہو۔ کون ہے جو تم کو صحرا اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ دکھاتا ہے؟ اور کون ہواؤں کو اپنی رحمت (بارش) سے آگے خوشخبری لے کر بھیجتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا بھی (یہ کام کرتا) ہے؟ اللہ بہت بالاتر ہے اُس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ کون تخلیق کی ابتدا کرتا اور پھر اس کا اعادہ کرتا ہے؟ اور کون تمہیں آسمان و زمین سے رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی (ان کاموں میں حصّہ دار) ہے؟ اے نبیؐ، ان سے کہو کہ لاؤ اپنی دلیل اگر تم (اپنے شرک میں) سچے ہو" (النمل ۶۰ تا ۶۴)

" نہایت مبارک ہے وہ جس نے یہ فرقان اپنے بندے پر نازل کیا تاکہ دُنیا جہاں والوں کیلئے

خبردار کرنے والا ہو، وہ جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے۔ جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا ہے، جس کے ساتھ بادشاہی میں کوئی شریک نہیں ہے، جس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر اس کی ایک تقدیر مقرر کر دی۔ لوگوں نے اُسے چھوڑ کر ایسے معبود بنالئے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کئے جاتے ہیں، جو اپنے لئے کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے، جو نہ مار سکتے ہیں نہ جِلا سکتے ہیں نہ مرے ہوئے کو پھر اٹھا سکتے ہیں۔" (الفرقان- ۱-۳)

سورۂ نحل میں میں آیت ۳ سے ۱۶ تک اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے بہت سے کرشمے بیان کرنے کے بعد فرمایا:

"پھر کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اور وہ جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے دونوں یکساں ہیں؟ کیا تم ہوش میں نہیں آتے؟" (آیت ۱۷)

"اے نبیؐ، ان سے پوچھو آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے؟ کہو اللہ۔ پھر ان سے کہو کیا اسکو چھوڑ کر تم نے دوسروں کو اپنا کارساز ٹھہرالیا جو خود اپنے نفع و نقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتے؟ ان سے کہو کیا اندھا اور آنکھوں والا دونوں برابر ہوا کرتے ہیں؟ کیا روشنی اور تاریکیاں یکساں ہوتی ہیں؟ ان لوگوں نے جن کو اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے کیا انھوں نے بھی کچھ اللہ کی طرح پیدا کیا ہے جس کی وجہ سے ان کے لئے تخلیق کا معاملہ مشتبہ ہو گیا؟ ان سے کہو اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ یکتا ہے، سب پر غالب" (الرّعد- ۱۶)

"اے نبیؐ، اِن سے کہو کبھی تم نے دیکھا بھی ہے اپنے ان شریکوں کو جنھیں تم خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو؟ مجھے بتاؤ انھوں نے زمین میں کیا پیدا کیا ہے؟ یا آسمانوں میں ان کی کوئی شرکت ہے؟ یا ہم نے اِن کو کوئی کتاب دی ہے جس کی بنا پر یہ (اپنے شرک کے لئے) کوئی صاف سند رکھتے ہوں؟ کچھ نہیں بلکہ یہ ظالم ایک دوسرے کو محض فریب کے جھانسے دے رہے ہیں؟" (فاطر- ۴۰)

"اور اگر تم اِن سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔ ان سے کہو، پھر تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر اللہ مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو کیا یہ تمہاری دیویاں جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو مجھے ......

...... مجھے اس کے پہنچائے ہوئے نقصان سے بچالیں گی؟ یا اللہ مجھ پر مہربانی کرنا چاہے تو کیا یہ اس کی رحمت کو روک دیں گے؟ (اگر وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ ایسا کر سکتی ہیں تو) ان سے کہہ دو کہ میرے لئے بس اللہ ہی کافی ہے۔ بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ (الزّمر- ۳۸)

مشرکین کہتے تھے کہ ہمارے معبود اللہ کے ہاں ہمارے لئے ذریعۂ تقرب اور ہماری سفارش کرنے والے ہیں۔ اس لئے ہم ان کی عبادت کرتے ہیں، ان سے دُعائیں مانگتے ہیں، ان کو مدد کیلئے پکارتے ہیں۔ تاکہ وہ ہمارے پشتیبان ہوں، ہمیں نفع پہنچائیں اور نقصان سے بچائیں۔ ان کے اس خیال کی بھی مفصل تردید قرآن میں کی گئی ہے۔

"یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر اُن کی عبادت کرتے ہیں جو انھیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع، اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ اے نبیؐ، ان سے کہو کیا تم اللہ کو اس چیز کی خبر دے رہے ہو جسے وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے نہ زمین میں؟ پاک ہے وہ

اور بالاتر ہے۔ اُس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔" (یونس - ۱۸)

" اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا کچھ اپنے دوسرے سرپرست بنا رکھے ہیں (وہ کہتے ہیں کہ) ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تک ہماری رسائی کرا دیں۔ اللہ یقیناً اُن کے درمیان اُن تمام باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔ اللہ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا اور منکر حق ہو"
(الزمر - ۳)

اِن لوگوں نے اللہ کے سوا کچھ اور خدا بنا رکھے ہیں تاکہ وہ اِن کے پشتیبان ہوں۔ کوئی پشتیبان نہ ہوگا۔ وہ سب ان کی عبادت کا انکار کریں گے۔ اور (آخرت میں) الٹے اِن کے مخالف بن جائیں گے۔ (مریم - ۸۱ - ۸۲)

" ان لوگوں نے اللہ کے سوا کچھ دوسرے خدا بنا رکھے ہیں اور یہ امید رکھتے ہیں کہ ان کی مدد کی جائے گی۔ وہ ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے بلکہ یہ لوگ الٹے اُن کے لئے حاضر باش لشکر بنے ہوئے ہیں۔ (جن کی بدولت اُن کی خدائی چل رہی ہے)" (یٰسین - ۷۴ - ۷۵)

"کون ہے جو اللہ کے ہاں اُس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے" (البقرہ - ۵۵)

" (اے نبیؐ ان مشرکوں سے) کہو کہ پکار دیکھو اُن کی جنہیں تم اللہ کے سوا اپنا معبود سمجھے بیٹھے ہو۔ وہ ذرہ برابر کسی چیز کے مالک نہیں ہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں، نہ زمین و آسمان کی خدائی میں ان کی کوئی شرکت ہے، اور نہ اُن میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔ اور اللہ کے حضور کوئی شفاعت کوئی فائدہ نہیں دیتی سوائے اس کے جسے (شفاعت کرنے اور جس کے حق میں شفاعت کرنے کی) اللہ نے اجازت دی ہو"
(سبا - ۲۲ - ۲۳)

" اور اس شخص سے زیادہ بہکا ہوا انسان اور کون ہوگا۔ جو اللہ کو چھوڑ کر اُن کو پکارے جو قیامت تک اسے کوئی جواب نہیں دے سکتے بلکہ وہ اس سے بھی بے خبر ہیں کہ یہ لوگ اُن سے دُعا مانگ رہے ہیں۔ اور جب لوگ حشر میں جمع کیے جائیں گے۔ اس وقت وہ اپنے پکارنے والوں کے دشمن اور ان کی عبادت کے منکر ہوں گے
(الاحقاف - ۵ - ۶)

" اللہ ہی کو پکارنا برحق ہے۔ رہیں وہ دوسری ہستیاں جنہیں ان کو چھوڑ کر یہ پکار رہے ہیں وہ ان کی دُعاؤں کا کوئی جواب نہیں دے سکتیں انھیں پکارنا تو ایسا ہے جیسے کوئی شخص ہاتھ پھیلا کر پانی سے درخواست کرے کہ تو میرے منہ تک پہنچ جا۔ حالانکہ پانی اس تک پہنچنے والا نہیں۔ بس اسی طرح کافروں کی دُعائیں بھی کچھ نہیں ہیں مگر ایک تیر بے ہدف"
(الرعد - ۱۴)

" جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے سرپرست بنا لیے ہیں ان کی مثال مکڑی جیسی ہے جو اپنا ایک گھر بناتی ہے اور سب گھروں سے زیادہ کمزور گھر مکڑی کا گھر ہی ہوتا ہے۔ کاش یہ لوگ کچھ علم رکھتے" (العنکبوت - ۴۱)

" لوگو، ایک مثال دی جاتی ہے ذرا اُسے غور سے سنو۔ اللہ کو چھوڑ کر جن کو تم پکارتے ہو انھوں نے ایک مکھی بھی پیدا نہیں کی ہے۔ چاہے وہ سب مل کر ایسا کرنا چاہیں۔ بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو وہ اسے چھڑا بھی نہیں سکتے۔ مدد چاہنے والے بھی کمزور اور جن سے مدد چاہی جاتی ہے وہ بھی کمزور

ان لوگوں نے اللہ کی قدر پہچانی ہی نہیں جیسا کہ اس کی قدر پہچاننے کا حق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قوت والا اور زبردست تو اللہ ہی ہے"
(الحج ۷۳-۷۴)

"کیا یہ لوگ اُن کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو بھی پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کئے جاتے ہیں؟ جو نہ ان کی مدد کرتے ہیں نہ آپ اپنی مدد کرنے پر قادر ہیں"
(الاعراف۔ ۱۹۱-۱۹۲)

سورۂ نحل میں آیت ۶۵ سے ۷۲ تک انسان پر اللہ تعالیٰ کے احسانات اور اس کی نعمتوں کو بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوا:۔

"تو کیا یہ لوگ (یہ سب کچھ دیکھتے اور جانتے ہوئے بھی) باطل کو مانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احسان کا انکار کرتے ہیں۔ اور اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جن کے اختیار میں نہ آسمانوں سے اِن کو کوئی رزق دینا ہے نہ زمین سے اور نہ وہ یہ کام کر ہی سکتے ہیں"
(النحل۔ ۷۲-۷۳)۔

"کیا اللہ کو چھوڑ کر ان لوگوں نے کچھ ہستیوں کو شفیع بنا رکھا ہے؟ ان سے کہو، کیا وہ شفاعت کریں گے خواہ ان کے اختیار میں کچھ بھی نہ ہو اور وہ سمجھتے بھی نہ ہوں؟ کہو شفاعت ساری کی ساری اللہ کے اختیار میں ہے۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کا مالک وہی ہے، پھر اسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو" (الزمر۔ ۴۳-۴۴)

"تمہارے گرد و پیش بہت سی بستیوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں، ہم نے آیات بھیج کر طرح طرح سے ان کو سمجھایا کہ شاید یہ پلٹ آئیں۔ پھر کیوں نہ اُن ہستیوں نے اُن کی مدد کی جنہیں اللہ کو چھوڑ کر انھوں نے تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھتے ہوئے معبود بنا لیا تھا؟ بلکہ

(عذاب آنے کے وقت) وہ اُن سے گم ہو گئے اور یہ تھا اُن کے جھوٹ اور اُن بناوٹی عقیدوں کا انجام جو انھوں نے گھڑ رکھے تھے" (الاحقاف۔ ۲۷-۲۸)

سورۂ فاطر میں آیت ۱۱ سے ۱۳ تک اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کرشمے بیان کرنے کے بعد فرمایا:۔

"وہی اللہ (جس کے یہ سارے کام ہیں) تمہارا رب ہے۔ بادشاہی اسی کی ہے۔ اسے چھوڑ کر جن دوسروں کو تم پکارتے ہو وہ پرکاہ کے برابر بھی کسی چیز کے مالک نہیں ہیں۔ اگر تم انھیں پکارو تو وہ تمہاری دُعائیں سُن نہیں سکتے۔ اور سن بھی لیں تو تمہیں ان کا کوئی جواب نہیں دے سکتے اور قیامت کے روز وہ تمہارے شرک کا انکار کریں گے" (فاطر۔ ۱۳-۱۴)

"اللہ ہی حق کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔ رہے وہ جن کو (یہ مشرکین) اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہیں وہ کسی چیز کا بھی فیصلہ نہیں کرتے سو حقیقت اللہ ہی سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے"۔
(المومن۔ ۲۰)

پھر لوگوں کو بتایا گیا کہ جو کوئی عزت (کسی ہستیاں طاقت کی مدد) چاہتا ہو اسے کوئی سفارشی اور ذریعۂ تقرب الی اللہ تلاش کرنے اور اس کے آگے دعائیں اور التجائیں اور نذر و نیاز پیش کرنے کی حاجت نہیں اس کا ذریعہ صرف ایک ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ	جو کوئی عزت چاہتا ہو تو
فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا	(اسے معلوم ہونا چاہئے کہ)
اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ	عزت ساری کی ساری اللہ کی ہے
الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ	اسکی طرف جو چیز اوپر چڑھتی ہے
الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ	وہ صرف پاکیزہ قول ہے اور نیک

(فاطر۔ ۱۰) عمل اُسے چڑھاتا ہے۔

مشرکین اللہ کے لئے اولاد بھی تجویز کرتے تھے اور ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے اور ان کی عبادت بجا لاتے تھے۔ اس پر

قرآن میں بڑی سخت تنقید کر کے اس عقیدے کی لغویت ثابت کی گئی ہے۔

"ان لوگوں نے جنوں کو اللہ کا شریک بنا دیا حالانکہ اس نے انھیں پیدا کیا ہے اور انھوں نے اس کے لئے بے جانے بوجھے بیٹے اور بیٹیاں تصنیف کر دیں پاک ہے وہ اور بالاتر ہے اُن باتوں سے جو یہ لوگ بناتے ہیں۔ وہ تو آسمانوں اور زمین کا موجد ہے۔ اس کی کوئی اولاد کیسے ہو سکتی ہے۔ جبکہ اسکی کوئی شریک زندگی ہی نہیں ہے۔ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ یہ ہے اللہ تمہارا رب، کوئی خدا اس کے سوا نہیں، ہر چیز کا خالق لہٰذا تم اُسی کی بندگی کرو اور وہ ہر چیز کا کفیل ہے"

(الانعام۔ ۱۰۰۔ ۱۰۲)

"یہ کہتے ہیں کہ رحمان اولاد رکھتا ہے۔ سبحان اللہ وہ (یعنی فرشتے) تو بندے ہیں جنہیں عزت دی گئی ہے۔ اس کے حضور بڑھ کر نہیں بولتے اور بس اسکے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ جو کچھ ان کے سامنے ہے اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو ان سے اوجھل ہے اس سے بھی وہ باخبر ہے۔ وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے سوائے اس کے جس کے حق میں سفارش سننے پر اللہ راضی ہو اور وہ اسکے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور کہیں ان میں سے کوئی کہہ بیٹھے کہ اللہ کے سوا میں بھی خدا (یا معبود) ہوں تو اس کو ہم جہنم کی سزا دیں۔ ایسی ہی ہم ظالموں کو دیا کرتے ہیں" (الانبیاء ۲۶ تا ۲۹)

"ان لوگوں نے اللہ کے بندوں میں سے بعض کو اس کا جُز بنا ڈالا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کھلا احسان فراموش ہے کیا اپنی مخلوقات میں سے اُس نے خود تو بیٹیاں لیں اور تمہیں بیٹوں سے نوازا؟ اور حال یہ ہے کہ جس اولاد کو یہ لوگ اس خدائے رحمان کی طرف منسوب کرتے اس کی ولادت کا مژدہ جب خود ان میں سے کسی کو دیا جاتا ہے۔ تو اس کے منہ پر کلونس چھا جاتی ہے اور وہ غم سے بھر جاتا ہے۔ کیا اللہ کے حصے میں وہ اولاد آئی جو زیوروں میں پالی جاتی ہے اور بحث و حجت میں اپنا مدعا پوری طرح ادا بھی نہیں کر سکتی؟ اور ملائکہ کو جو رحمان کے بندے ہیں انھوں نے عورتیں قرار دے لیا۔ کیا اُن کے جسم کی ساخت انھوں نے دیکھی ہے؟ ان کی شہادت لکھ لی جائے گی۔ اور ان کو اس کی جواب دہی کرنی ہوگی

(الزخرف۔ ۱۵۔ ۱۹)

"پھر ذرا ان سے پوچھو کیا (ان کے دل کو یہ بات لگتی ہے کہ) تمہارے رب کے لئے تو ہوں بیٹیاں اور ان کے لئے ہوں بیٹے؟ کیا ہم نے فرشتوں کو عورتیں بنایا ہے اور یہ آنکھوں کی دیکھی بات کہہ رہے ہیں؟ خوب سُن رکھو، دراصل یہ لوگ اپنی من گھڑت سے یہ بات کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے اور فی الواقع یہ جھوٹے ہیں۔ کیا اللہ نے بیٹوں کے بجائے بیٹیاں اپنے لئے پسند کر لیں؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کیسے حکم لگا رہے ہو؟ کیا تمہیں ہوش نہیں آتا؟ یا پھر تمہارے پاس اپنی ان باتوں کے لئے کوئی صاف سند ہے تو لاؤ اپنی وہ کتاب (جس میں یہ لکھا ہو) اگر تم سچے ہو" (الصّٰفّٰت ۱۴۹۔ ۱۵۷)

"تم نے کبھی اس لات اور عُزّیٰ اور تیسری ایک اور دیوی مَنات کی حقیقت پر کچھ غور بھی کیا؟ کیا بیٹے تمہارے لیے ہیں۔ اور بیٹیاں اللہ کیلئے؟ یہ تو بڑی دھاندلی کی تقسیم ہوئی۔ دراصل یہ کچھ نہیں ہیں مگر بس چند نام جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں۔ اللہ نے ان کے لئے کوئی سند نازل نہیں کی (جس میں اس نے خود کہا ہو کہ یہ میری بیٹیاں ہیں) حقیقت یہ ہے کہ لوگ محض وہم و گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور خواہشاتِ نفس کے مرید بنے ہوئے ہیں۔ حالانکہ

ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آچکی ہے

(النجم - ۱۹ تا ۲۳)۔

شرک کے ایک ایک پہلو کی تردید کرتے ہوئے مشرکین کو قرآن میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ تمہارے معبودوں کا مصرف اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ تم اُن کے آگے نذر و نیاز چڑھاتے اور پرستش کی مراسم بجالاتے رہو اور ان سے یہ دُعائیں مانگتے رہو کہ وہ دنیا میں تمہارے کام بناتے رہیں۔ تمہارا کوئی معبود بھی ایسا نہیں ہے جو تمہیں یہ ھدایت دیتا ہو کہ زندگی بسر کرنے کے لئے صحیح اصول کون سے ہیں اور غلط کون سے، کون سا طریقہ برحق ہے۔ اور کونسا باطل۔ حالانکہ عبادت کا مستحق اگر کوئی ہو سکتا ہے تو وہ جو اپنے بندوں اور پرستاروں کی رہنمائی بھی کرتا ہو۔

"اِن سے پوچھو تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ایسا بھی ہے۔ جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہو؟ اِن سے کہو وہ تو صرف اللہ ہے جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ پیروی کا زیادہ حق دار ہے یا وہ جو خود راہ نہیں پاتا الاّ یہ کہ اس کی رہنمائی کی جائے؟ پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسے حکم لگاتے ہو؟ درحقیقت اِن میں سے اکثر لوگ گمان و قیاس کے پیچھے چلے جارہے ہیں۔ حالانکہ گمان حق کی ضرورت کو کچھ بھی پورا نہیں کرتا۔" (یونس - ۳۶)

اِس طرح دلائل سے شرک کا پوری طرح قلع قمع کر کے لوگوں کو صاف صاف خبردار کر دیا گیا کہ شرک وہ گناہ ہے جس کی معافی خدا کے ہاں کبھی نہیں ہو سکتی جب تک آدمی اس سے توبہ نہ کرے۔ اور اس گناہ کے ساتھ آدمی اپنے زعم میں خواہ کتنے ہی نیک اعمال کرتا رہے وہ سب ضائع ہو جائیں گے:

"اللہ اِس بات کو ہرگز معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کیا جائے۔ اِس کے سوا دوسرے جس قدر گناہ ہیں وہ جس کے لیے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔ اللہ کے ساتھ جس نے کسی اور کو شریک ٹھہرایا اس نے تو بہت ہی بڑا جھوٹ گھڑا اور بڑے سخت گناہ کی بات کی" (النساء - ۴۸)

"اے محمدؐ! اِن سے کہو، پھر کیا اے نادانو تم اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے کے لئے مجھ سے کہتے ہو؟ حالانکہ تمہاری طرف اور تم سے پہلے گزرے ہوئے نبیوں کی طرف یہ وحی بھیجی گئی تھی کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارا سارا عمل ضائع ہو جائے گا۔ اور تم نامراد ہو کر رہو گے۔ لہٰذا تم اللہ ہی کی بندگی کرو اور شکر گزار بندوں میں شامل رہو (الزمر - ۶۴ - ۶۶)

(باقی)

ورق ورق روشن

اخلاقی اسباق اور علم و حکمت کا ایسا خزانہ ہے جو ہر دل و دماغ کو روشن کرے گا۔ اس کتاب میں مؤلف نے قرآن و حدیث۔ تاریخ، آثار اور معیاری لٹریچر سے اللہ اور رسول اور دنیا بھر کے دانشوروں، مصلحوں اور عالموں کے بہت ہی مفید و نفیس ارشادات حروف تہجی کی ترتیب سے جمع کئے گئے ہیں مثلاً ایمان یا انصاف یا اعتقاد یا انتقام کے بارے میں آپ مواد دیکھنا چاہیں گے۔ تو الف کی فہرست میں یہ عنوان مل جائیگا۔ اسی طرح کسی بھی لفظ کو اس فہرست میں بآسانی ڈھونڈا جا سکتا ہے۔ صفحات (۳۸۴) قیمت مجلد -/۸

تاریخ دیوبند

دیوبند ایک قدیم بستی ہے۔ اس کی سرزمین نے انقلابات کی بیشمار کروٹیں دیکھی ہیں۔ اور اب دارالعلوم کی وجہ سے یہ بستی بین الاقوامی شہرت کی مالک بن گئی ہے اس بستی کی دلچسپ اور محققانہ تاریخ جناب سید محبوب رضوی کے قلم سے ملاحظہ فرمائیے۔ تاریخ نگاری میں مصنف معصوف کی بصیرت ایک امتیازی شہرت رکھتی ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن چھپ کر ختم ہو گیا اب ایڈیشن فاضل مصنف کی نظر ثانی اور اضافوں کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ صفحات ۵۱۲ - قیمت مجلد -/۱۰

مستقل عنوان　　حسن احمد صدیقی

آفتاب ہدایت کی ایک کرن

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ

اللہ تمہیں عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے

قرآن حکیم کی اس آیت کو سمجھتے وقت یہ بات ذہن میں رکھیے کہ موسیٰ علیہ السلام کو جو کتاب دی گئی تھی اس میں جگہ جگہ اس بات کی تاکید موجود تھی کہ باہمی معاملات میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھو۔ کسی کے ساتھ زیادتی اور ناانصافی نہ ہو۔ اور عیسیٰ علیہ السلام پر جو کتاب نازل کی گئی تھی اس میں جگہ جگہ اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ معاملات طے کرتے وقت اخلاق و احسان کو پیش نظر رکھو اور اس بات کی کوشش کرو کہ دوسرے لوگ تمہاری ذات سے فائدے کے سوا کوئی دوسری چیز حاصل نہ کریں۔

یہ دونوں ہی کتابیں آسمانی ہونے کے باوجود قرآن حکیم کے مقابلہ میں کامل و اکمل کہلانے کی مستحق نہیں تھیں۔ قرآن حکیم آسمانی کتاب ہونے کے ساتھ جامع، مانع، ہمہ گیر اور وسیع الاطراف کتاب ہے جس میں زندگی کے تمام نشیب و فراز اور انسانی مزاج کی تمام نزاکتوں اور کیفیتوں کو ملحوظ رکھ کر اوامر و نواہی کے پیغامات جاری کیے ہیں۔

اس تفصیل کے بعد یہ بات ذہن نشین کر لیجیے کہ معاشرے کے اندر پھیلی ہوئی خرابیاں دو ہی طریقے پر دور کی جا سکتی ہیں۔ قانون کا سہارا لے کر یا اخلاق کا سہارا لیکر دو طریقوں کے استعمال کی ضرورت بھی اس لیے پڑتی ہے کہ ہر معاشرے میں زندگی گذارنے والے انسان دو قسم کا مزاج رکھتے ہیں۔ بعض لوگ اقتدار کی لاٹھی سے ڈر کر برائیوں سے بچتے ہیں اور بعض لوگ احسان و مروت سے متاثر ہو کر برائیوں سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں۔ یا یوں سمجھیے کہ کچھ لوگ تو معاشرہ میں ایسے ہوتے ہیں کہ جب تک اپنے اوپر کی ہوئی زیادتیوں کا بدلہ اور انتقام نہیں لے لیتے انھیں چین ہی نہیں آتا۔ وہ مستقل گھات میں رہتے ہیں کہ جب کبھی موقعہ ملے گا اپنے حریف کو گزند پہنچا کر رہیں گے اور اپنے اوپر ڈھائے ہوئے مظالم کا بدلہ لے کر رہیں گے۔ اس کے برعکس بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کے مزاج میں نرمی، تحمل، عفو و درگزر کی صفت وافر مقدار میں موجود ہوتی ہے۔ ایسے لوگ اپنے حریفوں کو معاف کر کے ہی قلبی سکون محسوس کرتے ہیں انھیں بدلہ لیکر نہیں معاف کر کے طمانیت حاصل ہوتی ہے۔

ان مزاجوں کو پیش نظر رکھ کر آسمانی کتاب نے برائیوں کی روک تھام کے دو ہی طریقے تجویز کیے ہیں۔ ایک قانون اور دوسرا اخلاق۔ قانون عدل و انصاف کا متقاضی ہوتا ہے اور اخلاق ایثار و احسان کا۔ اور عدل و انصاف اور ایثار و احسان اپنی اپنی جگہ دونوں ہی معاشرہ پر یکساں اثر انداز ہوتے ہیں۔ اور دونوں ہی طریقے معاشرہ میں پھیلی ہوئی خرابیوں کو

دور یا کم کرنے کے لیے بہترین رول ادا کرتے ہیں۔ حقائق و واقعات پر نظر رکھنے والا انسان اس بات کا کیسے انکار کر سکتا ہے کہ جرائم کا انسداد کبھی مجرم کو سزا دے کر ہوتا ہے اور کبھی مجرمین کو معاف کرکے۔ جس معاشرے میں صرف سزا ہی سزا ہو وہاں خوف وہراس اور افراتفری کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ اور جس معاشرے میں صرف احسان و ایثار کی ریل پیل ہو وہاں بے خوفی، لاپرواہی اور غفلت و جمود کے بجز کچھ نہیں ہو سکتا۔ غور کیا جائے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ قانون ہی اپنے اندر اکمال رکھتا ہے اور نہ اخلاق بلکہ ان دونوں میں محسوس ہونے والی ایک کمی ہے اور ان میں سے ہر ایک کی کمی کو دوسرا جزء پورا کر دیتا ہے۔ قانون کا کام صرف برائیوں کو روک دینا ہے اور وہ اپنی یہ ڈیوٹی بخوبی انجام دیدیتا ہے۔ جہاں قانون کار فرما ہوگا تو وہاں برائیوں کی بہتات نہیں ہوگی لیکن قانون کے اندر یہ صلاحیت بالکل نہیں ہوتی کہ وہ اور گناہوں کی کراہیت انسانی دل و دماغ پر واضح کردے۔

اس کے برعکس احسان و اخلاق ایک ایسی قوت کا نام ہے جو جسموں کو نہیں دلوں کو جھنجھوڑنے کی اہلیت رکھتی ہے قانون سے اجسام و ابدان متاثر ہوتے ہیں اور اخلاق سے ارواح و قلوب۔

قانون سے خائف ہو کر گناہ ترک گناہ کرنے والے سکونِ قلب کی دولت سے کبھی بہرہ ور نہیں ہوتے۔ وہ یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ کاش کوئی داروغہ ہم پر مسلط نہ ہوتا تو ہم خوب اپنی من مانی کیا کرتے۔

لیکن جو لوگ احسان و ایثار سے متاثر ہو کر گناہوں سے منہ موڑتے ہیں ان کا دل طمانیت کے سرمائے سے مالا مال ہوتا ہے ان کے دماغ میں اس تصور کی پرچھائیں بھی کبھی نہیں ابھر سکتی کہ کاش فلاں گناہ ہم کر ہی لیتے۔ وہ گناہ کو اس انداز میں چھوڑتے ہیں کہ پھر اس کے چھوڑنے کا ملال انھیں بھول کر بھی نہیں ہوتا۔ وہ دل میں بہ حسرت یہ نہیں بھرتے کہ کاش فلاں گناہ کرنے کا ہمیں موقعہ مل جاتا اور فلاں ناجائز لذت و منفعت ہمیں حاصل ہو جاتی۔

ہر معاشرہ میں بیک وقت قانون اور اخلاق کا ہونا لازمی ہے۔ یہ دونوں چیزیں بیک وقت جہاں نہیں ہوں گی وہاں سکون و قرار نام کی کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

اس تفصیل کو اب قرآن کی روشنی میں سمجھ لیجیے۔ سورۂ بقرہ میں یوں ارشاد فرمایا گیا:-

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ	اے ایمان والو! تم پر یہ بات لازم کی گئی کہ تم مقتولین سے برابری کا بدلہ لو (یعنی ظلم زیادتی نہیں ہونی چاہیے۔ آزاد کے بدلے آزاد۔ غلام کے بدلے غلام عورت کے بدلے عورت۔

اس آیت میں صراحتاً اس بات کی تاکید کی گئی کہ قصاص لیتے وقت عدل و انصاف کی خون ریزی مت کرو۔ بلکہ قصاص عادلانہ طور پر لیا جائے اور کسی قوم کا آزاد آدمی قتل کیا گیا ہے تو قاتل کی قوم میں بطور قصاص آزاد آدمی کو قتل کیا جا سکتا ہے اسی طرح غلام کے بدلے میں غلام اور عورت کے بدلے میں عورت قتل کی جا سکتی ہے۔ غلام کے بدلے میں آزاد یا عورت کے بدلہ میں مرد کو قتل کرا دینا انصاف نہیں ہو سکتا۔ یہ صریح ظلم ہوگا اور ظلم و زیادتی خدا کو پسند نہیں ہے۔

اسی آیت میں آگے چل کر یہ بھی فرما دیا گیا ہے کہ اگر مقتولین کے پسماندگان قاتل کو معاف کر کے معاملہ کو رفع دفع کر دیں تو یہ اور بھی بہتر ہے اور یہ اپنے مسلمان بھائی کے حق میں ایک طرح کی بھلائی ہے۔

قرآن میں ایک اور جگہ یوں ارشاد فرمایا گیا:

وَ كَتَبْنَا عَلَیْهِمْ فِیْهَاۤ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَ الْعَیْنَ بِالْعَیْنِ وَ الْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَ الْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَ السِّنَّ بِالسِّنِّ وَ الْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ	اور ہم نے بنی اسرائیل پر یہ بات لازم کر دی تھی کہ وہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور دوسرے زخموں میں برابری کا قصاص

فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ.

لے سکتے ہیں۔ اور جو معاف کرے تو یہ اس کے حق میں کفارہ ہے۔ اور جس نے خدا کے اتارے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہیں کیا تو وہی لوگ زیادتی کرنے والے ہیں۔

اس آیت میں اور زیادہ صراحت کردی گئی ہے اور یہ بات ثابت ہو گئی کہ کان کے بدلے آنکھ پھوڑ دینا اور ناک کے بدلے دانت توڑ دینا اور کسی چھوٹے یا بڑے زخم کے لیے کسی آدمی کی جان لے لینا جائز نہیں ہو سکتا۔ معاف کر دینا تو اعلیٰ درجہ کی بات ہے جو دونوں ہی کے حق میں کفارہ بن سکتی ہے۔ قاتل کے لیے تو اس طرح کہ صاحب معاملہ نے اسے معاف کر دیا تو کسی طرح کا اس سے مواخذہ ہونے کا کوئی سوال نہیں اور مقتول کے حق میں اس طرح کہ خدا ان لوگوں پر رحم کرتا ہے جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں۔ ان لوگوں کی خطاؤں کو بخش دیتا ہے جو دوسروں کی غلطیوں کو نظر انداز کر دینے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔

ایک جگہ یوں ارشاد فرمایا گیا:

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ ۖ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ (نحل)

اگر تم سزا دو تو اتنی ہی سزا دو جتنی تم کو تکلیف پہنچائی گئی ہے اور اگر تم صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہتر ہے۔

اس آیت سے بھی دونوں باتیں ثابت ہوئیں کہ جن لوگوں نے تمہارے ساتھ زیادتیاں کی ہیں تم ان کے ساتھ اسی طرح کی زیادتیاں کر سکتے ہو جس طرح کی تمہارے ساتھ کی گئی تھیں لیکن اگر تم ان زیادتیوں کو نظر انداز کر دو اور برے لوگوں کو زیادتیوں کے باوجود سینے سے لگا لو تو یہ بات تمہارے حق میں انتقام لینے سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔

یہ کہنے کی اب کوئی ضرورت نہیں کہ عمل اور ردِ عمل میں، عمل قابل مواخذہ ہے۔ رد عمل نہیں۔ رد عمل کی اجازت دی گئی ہے بشرطیکہ وہ عمل اور اثرات عمل سے متجاوز نہ ہو

زید اگر بکر کے ایک گھونسہ رسید کرتا ہے تو بکر جواباً ایک ہی گھونسہ مارنے کا حق دار ہے اگر وہ دو گھونسے مارے گا تو زیادتی ہوگی اور اسی زیادتی قرآن میں جگہ جگہ جس سے روکنے کی کوشش کی گئی ہے۔

عمل کے بعد رد عمل کا ہونا ضروری نہیں صرف جائز ہے۔ اگر زید بکر کے گھونسہ رسید کرے اور بکر زید کو معاف کر دے تو یہ روش رد عمل کے مقابلہ میں کہیں بہتر اور کہیں زیادہ قابل تعریف ہے۔

عدل اور احسان دو ایسی وسیع صفتیں ہیں جو عمل اور رد عمل ہی پر محیط نہیں بلکہ زندگی کا کوئی ایسا گوشہ اور کوئی ایسا شعبہ نہیں ہے جہاں ان دونوں صفتوں کو کارفرمائی کرنے کا موقع نہ مل سکے۔

دکانداروں کو اس بات کی تاکید کی گئی:

وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ

اور انصاف کے ساتھ ناپو اور پورا پورا تولو۔

یہ آیت تجارت کرنے والوں کو عدل و انصاف اور ایمانداری و دیانت داری کا سبق دیتی ہے۔ کم تولنا، کم ناپنا، ظلم اور زیادتی کے ضمن میں آتا ہے۔ پورا پورا تولنا عدل کے ضمن میں آتا ہے اور زیادہ تولنا ایثار و احسان کے ضمن میں آتا ہے۔ گویا کہ جو دکاندار تولنے اور ناپنے میں دھاندلی بازی سے کام لیتے ہیں ان کا شمار تو ظلم اور زیادتی کرنے والوں میں ہوگا، جو لوگ پورا پورا ناپتے ہیں اور پورا پورا تولتے ہیں ان کا شمار عدل کرنے والوں میں ہوگا۔ اور جو دکاندار گاہک کو اس کے حق سے کچھ زیادہ ہی دینے کے عادی ہوں ان کا شمار احسان کرنے والوں میں ہوگا۔

اسی طرح زندگی کے ہر ہر معاملہ میں قرآن حکیم کی تعلیم و تاکید یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ ایثار و احسان کا معاملہ کرو انھیں ان کے حق سے زیادہ دو، وہ سزا کے مستحق ہوں تو بھی ان کو معاف کر دو۔ اور اگر اس اعلیٰ ظرفی اور اس وسیع النظری سے تم محروم ہو تو پھر یہ تو ضروری ہے ہی کہ دین و دنیا کے ہر ہر معاملہ میں انصاف اور دیانتداری کو ملحوظ رکھا جائے اور

حسن احمد صدیقی

تجلی کی ڈاک

موزوں پر مسح کرنے کا مسئلہ

سوال : عبدالحفیظ صدیقی ۔ سرینگر

پچھلے کچھ دنوں سے ہمارے محلہ میں ایک موضوع زیر بحث رہا ہے اور جواب مطمئن طریقہ پر نہ ملنے کی وجہ سے لوگوں میں ایک بے چینی کی لہر سی دوڑ رہی ہے۔ چونکہ ہمارے محلہ میں دو مسجدیں ہیں۔ ایک میں امامت کے فرائض ایک مولانا انجام دے رہے ہیں ——— جو فاضل دیوبند بھی ہیں۔ اور دوسری مسجد میں میرے والد صاحب امام ہیں۔ دوسرا امام جو فاضل دیوبند بھی ہیں — زیر بحث موضوع یعنی کہ "موزے پر مسح کا بیان" کے متعلق فرماتے ہیں کہ چونکہ کسی کتاب میں بھی اس کے متعلق کوئی بیان نہیں آیا۔ اس لیے مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ اور دوسری طرف میرے والد صاحب جو کہ اس مسئلہ پر قطعی مطمئن ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ موزوں پر مسح جائز ہے۔ دلیل میں وہ مولانا مودودی کی ایک تحریر پیش کرتے ہیں۔ اور مولانا کبیر صاحب نے ——— نے میرے والد صاحب سے بذات خود یہ فرمایا ہے کہ "چونکہ ہم مفتی ہیں اس لیے اگر اس بارے میں غلط بیانی سے کبھی کام لیا تو آخرت میں جواب ہمیں ہی دینا پڑے گا اور ہم اللہ کے سامنے اس کے قصور وار ہوں گے نہ کہ تم جو تم سے کہا جاتا ہے تم تو وہی کرو"

اس لیے براہ مہربانی کم از کم میری تسلی ہی کے لیے فرمائیے کہ کیا موزوں پر مسح جائز ہے یا ناجائز۔ اگر جائز ہے تو کیوں اور کس موزے پر۔ چمڑے کے موزے یا بغیر چمڑے کے موزوں پر) اور اگر ناجائز ہے تو کیوں۔ اگر کسی کتاب میں اس کا بیان ہے تو حوالہ ضرور دیجیے گا۔ امید ہے پوری تفصیل اور دلائل سے معلوم فرما کر مشکور فرمادیں گے۔

جواب :-

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو صاحب مسجد میں امامت کے فرائض انجام دے رہے ہیں انھوں نے محض اپنا اثر اور رعب جمانے کے لیے خود کو فاضل دیوبند بتلا رکھا ہے، ورنہ دارالعلوم دیوبند کی نوا انھیں ہوا بھی نہیں لگی۔

انھوں نے کسی اخبار وغیرہ میں پڑھ لیا ہوگا کہ ہندوستان میں ایک بستی دیوبند نام کی بھی ہے جہاں مولوی تیار کیے جاتے ہیں اور وہاں کے فارغین و فاضلین کو قدر و منزلت کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ بس یہ معلوم ہو جانے کے بعد انھوں نے مسجد میں اپنا سکہ جمانے اور مقتدیوں کے اذہان و قلوب پر اپنے اثرات قائم کرنے کے لیے ایک نقلی لیبل دارالعلوم دیوبند کا چسپاں کر لیا ہوگا اور انھیں اس بات کا غالب گمان ہوگا کہ مقتدیوں میں کوئی

ایسا سرے سے موجود نہیں جو ان کے بارے میں اس بات کی تحقیق کرتا پھرے کہ فی الواقعہ انھوں نے دارالعلوم میں تعلیم پائی بھی ہے یا نہیں۔

تاہم اگر کسی معتبر روایت سے یہ ثابت بھی ہو جائے کہ فی الواقعہ امام موصوف دارالعلوم دیوبند سے سند یافتہ ہی ہیں تو پھر ہمیں یہ کہنے میں کوئی تأمل نہیں کہ انھوں نے دارالعلوم دیوبند میں گھاس کھودنے کے ماسوا کچھ نہیں کیا۔

موزوں پر مسح کرنے کا بیان ایک نہیں احادیث کی متعدد کتابوں میں موجود ہے اور دارالعلوم دیوبند میں اس موضوع پر بڑی مفصل اور مؤثر تقریریں کی جاتی ہیں۔

حیرت ہے کہ دارالعلوم دیوبند کا ایک فاضل اس مسئلہ کا انکار کرنے پر کمربستہ ہو جائے جو مسئلہ احادیث کی کئی کتابوں میں موجود ہے اور جس پر دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ گھنٹوں مغز پاشی کرتے ہیں۔

محدثین میں سے کسی نے بھی اس مسئلہ پر خطِ تنکیر پھیرنے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ بعض محدثین کا دعویٰ تو یہ رہا ہے کہ موزوں پر مسح کرنے کے سلسلہ میں جو روایات احادیث کی متعدد کتب میں وارد ہوئی ہیں وہ متواتر کا درجہ لیے ہوئے ہیں۔ یہ بتانا تو شاید غیر ضروری ہی ہو کہ متواتر کا اطلاق ان روایات پر ہوتا ہے کہ جن کے نقل کرنے والوں کی تعداد ہر دور میں اتنی زیادہ ہو کہ جتنے بہت سارے افراد کے کسی جھوٹ اور باطل بات پر متفق و مجتمع ہو جانے کو عقل عامہ تسلیم نہ کر سکے۔

احادیث کی کتابیں ٹٹولنے سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ جن صحابہ سے مسح علی الخفین (موزوں پر مسح) کی روایات مروی ہیں ان کی تعداد اسّی سے متجاوز ہے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ راویوں میں عشرہ مبشرہ تک موجود ہیں۔ معتبر اور کثیر روایات کے پیش نظر اہل سنت والجماعت کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ موزوں پر مسح کرنا نہ صرف جائز بلکہ سنت رسول کا ایک جزو ہے اور بعض عرفاء تو یہ تک کہہ گذرے ہیں کہ مسح العقیدہ اور اہل سنت والجماعت ہونے کی بہت سی نشانیوں میں سے تین نشانیاں یہ بھی ہیں کہ آدمی تفضیل شیخین رض، حُبِّ ختنین رض

اور مسح علی الخفین کا قائل ہو۔

روافض و خوارج موزوں پر مسح کرنے کو جائز نہیں سمجھتے لیکن اہل سنت والجماعت کے کسی فرد نے کبھی موزوں پر مسح کرنے کی مخالفت نہیں کی۔

علمائے اہل سنت والجماعت کا اس مسئلہ میں اختلاف ضرور ہے لیکن وہ اختلاف جواز اور عدم جواز میں نہیں بلکہ فضیلت اور عدم فضیلت میں ہے۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ موزوں پر مسح کرنا بمقابلہ پیر دھونے کے افضل ہے اور بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ پیر دھونا نسبتاً افضل ہے اور مسح کرنا نسبتاً غیر افضل۔

امام احمد ابن حنبل رح وغیرہ کی رائے ہے کہ موزوں پر مسح کرنا اولیٰ ہے، اس وجہ سے کہ اس میں روافض و خوارج کے مسلک کی تردید ہوتی ہے اور شریعت اسلامی کا مزاج یہ ہے کہ وہ باطل پرستوں کے عقائد اور اطوار کی تردید کرنے کو فرمانبرداری خداوندی کا ایک جزو تصور کرتی ہے۔ چنانچہ داڑھی رکھنے کی تاکید کرتے وقت شارع نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ داڑھی بڑھاؤ مونچھیں کترواؤ اور مجوسیوں کے اطوار کی عملی مخالفت کرو۔

یہ ایک مثال تھی اور اس قسم کی اور بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شریعت غلط کار لوگوں کے مسالک سے رُوگردانی کرنے کو ضروری قرار دیتی ہے، تاکہ دونوں مسلک کے مابین ضد پیدا ہو اور در اصل یہی ضد حدِ فاصل ہوتی ہے حق اور باطل کے مابین۔

بہرحال شریعت کا مزاج سمجھتے ہوئے امام احمد حنبل رح جیسے حضرات نے مسح علی الخفین کو اولیٰ اور غسل الرجلین کو غیر اولیٰ قرار دیا ہے تاکہ ان لوگوں کے مسلک کی بھرپور تردید ہو سکے جو بہ اتفاق فرقۂ باطلہ میں شمار کیے گئے ہیں۔

شارح مسلم علامہ نووی رح وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ احادیث متواترہ کے پیش نظر موزوں پر مسح کرنا دائرۂ جواز میں تو ضرور داخل ہو جاتا ہے لیکن موزوں پر مسح کرنے کو اولیٰ و افضل باور کرانا درست نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ اولیٰ اور افضل وہ عمل ہوتا ہے جس کے کرنے میں عامل کو عزیمت کا سامنا کرنا پڑتا ہو

مسح کرنے میں دشواری اور عزیمت نہیں ہوتی بلکہ دشواری پیر دھونے میں پیش آسکتی ہے۔ لہٰذا مسح کرنے کا عمل بمقابلہ پیر دھونے سے افضل نہیں ہو سکتا۔

بہر حال اس تفصیل سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ موزوں پر مسح کرنے کو تمام ہی علمائے صحیح العقیدہ نے جائز سمجھا ہے اور جائز کہا ہے۔ ان کے مابین اگر اس باب میں کچھ اختلاف ہوا ہے تو وہ فضیلت اور عدم فضیلت میں ہے۔ جواز اور عدم جواز میں نہیں۔ ضرورت تو نہیں تھی لیکن چلیے لگے ہاتھوں دو چار روایتیں بھی ملاحظہ فرمایئے۔

ابن امیۃ الضمری عن ابیہ انہ رأی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم توضأ ومسح علی الخفین۔	ابن امیہ نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو بنایا اور موزوں پر مسح کیا۔

(نسائی)

دوسری روایت ملاحظہ ہو:

عن اسامۃ ابن زید قال دخل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وبلال الا سوف فذھب لحاجتہ ثم خرج قال اسامۃ فسالت بلالاً ما صنع فقال بلال ذھب النبی صلے اللہ علیہ وسلم لحاجتہ ثم توضا فغسل وجھہ ویدیہ ومسح براسہ ومسح علے الخفین ثم صلی۔	اسامہ ابن زیدؓ راوی ہیں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بلالؓ داخل مجلس ہوئے پھر تشریف لے گئے قضائے حاجت کے لیے پھر واپس آئے۔ اسامہ کہتے ہیں کہ میں نے بلالؓ سے پوچھا کہ آنحضور کیا کرنے گئے تھے تو بلالؓ نے جواب دیا کہ آنحضورؐ قضائے حاجت کے لیے گئے تھے۔ پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا، اپنے چہرے کو دھویا، اپنے ہاتھوں کو دھویا سر کا مسح کیا موزوں پر مسح کیا پھر نماز ادا کی۔

(نسائی)

اس روایت سے بھی واضح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے مسح علی الخفین پر اکتفار کیا اور پاؤں دھونے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اگر موزوں پر مسح کرنا جائز نہ ہوتا تو پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے کہ آپ مسح علی الخفین پر اکتفار کرکے نماز ادا کرلیتے۔

ایک روایت یہ بھی ہے:۔

عروۃ بن المغیرۃ عن ابیہ المغیرۃ بن شعبۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ خرج لحاجتہ فاتبعہ المغیرۃ باداوۃ فیہا ماء فصب علیہ حتی فرغ من حاجتہ فتوضاء ومسح علے خفیہ	عروہ ابن مغیرہ اپنے والد مغیرہ ابن شعبہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے پس مغیرہ بھی آپ کے پیچھے پیچھے ایک برتن لیکر گئے جس میں پانی تھا۔ پس آپ نے وہ برتن آنحضورؐ کو پیش کردیا یہاں تک کہ آپ اپنی حاجت سے فارغ ہوگئے۔ پھر آپ نے وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا۔

(نسائی)

یہ تمام روایتیں فعلی تھیں، آئیے اب دو چار روایتیں ایسی بھی ملاحظہ فرمایئے کہ جن میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لب کشائی فرماکر سائلین و ناظرین کو اس مسئلہ کے بارے میں مطمئن کردیا۔ اور یہ بات ثابت کردی کہ موزوں پر مسح کرنا خاص طور پر آپ ہی کے لیے جائز نہیں تھا بلکہ پوری امت کے لیے جائز تھا اور جائز ہے۔

عن سعد بن ابی وقاصؓ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المسح علی الخفین انہ لا باس بہ۔	سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسح علی الخفین کے بارے میں تحقیق کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ موزوں پر مسح کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(نسائی)

بس ایک روایت اور ملاحظہ فرمایئے:۔

عن المغیرۃ قال مسح رسول اللہ صلی اللہ	مغیرہ ابن شعبہ راوی ہیں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم عن الخفین فقلت یا رسول اللہ نسیت قال بل انت نسیت بھذا امرنی ربی۔ (ابوداؤد)

علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کیا تو میں نے کہا یا رسول اللہ آپ بھول گئے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ تم خود ہی نسیان کا شکار ہو گئے ہو مجھے تو میرے رب نے ایسا ہی حکم دیا ہے۔

راوی نے جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا اور یہ دیکھا کہ آپؐ نے پاؤں نہیں دھوئے تو انھیں یہ خیال پیدا ہوا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ پاؤں دھونا بھول گئے ہیں۔ اس لیے انھوں نے فوراً رسول اللہؐ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ آپ پاؤں دھونا بھول ہی گئے۔ آنحضورؐ نے جواباً فرمایا کہ بھول مجھ سے نہیں ہوئی بلکہ بھول تم سے ہوئی ہے۔ تم یہ بھول گئے ہو کہ میں رسول ہوں اور رسول کسی بھی امر شریعت میں نسیان کا شکار نہیں ہوتا، وہ بہرحال وہی کرتا ہے جس کا اس کے رب نے اس کو حکم دیا ہو۔

یہ اور ان جیسی بہت سی روایات کے ہوتے ہوئے یہ دعویٰ کرنے کی حماقت تو کوئی بیوقوف ہی کرسکتا ہے کہ مسح علی الخفین کا مسئلہ تو ہوائی مسئلہ ہے اس کا ذکر تو کسی کتاب میں موجود ہی نہیں۔ فاضلِ موصوف کا یہ فرمانا بھی کورے فریب اور کھلی مغالطہ دہی سے کم نہیں کہ ہم مفتی ہیں ہم جو کہیں وہ مان لو، بات غلط ہوگی تو اس کے ذمہ دار ہم ہی ہوں گے ماننے والے نہیں۔ اسے کہتے ہیں ستم بالائے ستم۔ پہلے تو دعویٰ یہ کیا گیا ہے کہ میں فاضلِ دیوبند ہوں۔ اس کے بعد یہ دعویٰ زبان پر آیا کہ میں مفتی ہوں اور مفتی جو کہے وہ مان لینا چاہیے۔ ایں و آں اور چون و چرا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ مفتی کا مقام مولوی سے بلند ہوتا ہے۔ مولوی صرف شرعی سوالوں کے جوابات دے سکتا ہے اسے اس بات کا اختیار نہیں ہوتا کہ حالات زمانہ کی رعایت کرتے ہوئے کسی مسئلہ میں نرمی یا سختی پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ جب کہ مفتی کو اس بات کا استحقاق حاصل ہوتا ہے کہ وہ زمانہ کی روش، حالات کے نشیب و فراز اور تہذیب تمدن کی دھوپ چھاؤں کو پیش نظر رکھتے ہوئے مسائل میں کم تخفیف کر ڈالے، لیکن وہ ان مسائل میں اپنی ماہرانہ رائے کو ترجیح دے سکتا ہے جن مسائل میں قرآن و حدیث نے کوئی سبیل متعین نہ کی ہو۔ جن مسائل میں قیاس واجتہاد کے بغیر کوئی راہ مشخص نہیں کی جاسکتی، ان مسائل میں تو مفتی ہی کی بات کو ترجیح دینا قرین فہم ہے لیکن جن مسائل میں قرآن و حدیث کی رہنمائی موجود ہو ان مسائل میں مفتی ہی کے مشوروں پر عمل کرنا اور قرآن و حدیث کی رہنمائی سے آنکھیں بند کرکے بیٹھ جانا دانش مندی اور ایمانیت کی کونسی قسم ہو سکتی ہے۔

کوئی مفتی وقت اگر یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ روزہ ایک مشقت طلب عبادت ہے، لہٰذا روزہ رکھنے کی بجائے ہر شخص فدیہ ادا کرکے روزہ کی فرضیت سے سبکدوش ہو سکتا ہے تو ظاہر ہے اس دعوے کو دیوار پر دے مارنا ہی درست ہوگا۔ اس دعویٰ کو برحق سمجھ لینا مومنانہ سمجھداری نہیں ہو سکتی۔ موزوں پر مسح کرنا احادیث سے ثابت ہے۔ یہ کوئی اجتہادی مسئلہ نہیں ہے جس کی بنیاد تدبّر محض یا قیاس محض پر قائم ہو۔ بلکہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کی بنیادیں مضبوط ہیں اور جو احادیث رسولؐ سے مستنبط کیا گیا ہے۔ ایسے ٹھوس مسئلے کے بارے میں انکار وانحراف کی روش اختیار کرتے وقت کسی مفتی کا یہ فرمانا کہ ہم جو کہہ رہے ہیں اسے بے تحقیق مان لو۔ برائی بھلائی کے ذمہ دار تو ہم ہی ہیں۔ احمقانہ اور بچکانہ دعوے داری سے زیادہ قطعاً کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

اب رہی یہ بات کہ مسح کرنا کس قسم کے موزوں پر جائز اور کس قسم کے موزوں پر جائز نہیں تو اس سلسلہ میں یہ ضروری بات نوٹ کر لیجیے۔

کہ موزے چمڑے کے ہوں۔ یا اگر کپڑے کے ہوں تو اتنے دبیز ہوں کہ صرف انھیں پہن کر پانچ سات میل چلا جائے تو ان میں پھٹن پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ اور اگر ان کے اوپر کی سطح پر پانی ڈالا جائے تو ان کے نیچے کی سطح میں تری پیدا ہونے کا امکان نہ ہو۔ موزے ایسے ہوں کہ بغیر باندھے پنڈلی پر ٹکے رہیں

اور پیر اس حصہ کو ڈھانپ لیں جن کا وضو میں دھونا ضروری ہو۔

یہ بات بھی ذہن نشین کر لیجیے کہ موزوں پر مسح کرنے کی مدت وضو کرنے کے بعد مسافر کے لیے تین دن اور تین رات اور مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات ہے۔ اس کے بعد جائز نہیں۔ اس کے بعد پھر وضو کی جائے گی اور پھر پاؤں دھوکر موزے پہنے جائیں گے۔ یہ مدت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متعین کردہ ہے بطور ثبوت کے یہ روایت ملاحظہ فرمائیے۔

عن شریح بن ھانی قال سألت عائشۃؓ عن المسح علی الخفین فقالت ایت علیاً فانہ اعلم بذالك منی فاتیت علیاً فسالتہ عن المسح فقال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یامرنا ان یمسح المقیم یوماً ولیلۃً والمسافر ثلثاً۔ (نسائی)

شریح بن ھانی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضؓ سے مسح علی الخفین کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ علی رضؓ کے پاس جاؤ وہ اس بارے میں مجھ سے زیادہ واقف ہیں۔ پس میں حضرت علی رضؓ کے پاس پہنچا اور ان سے مسح علی الخفین کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیا کرتے تھے کہ مسح کرے مقیم ایک دن اور ایک رات۔ مسافر تین دن اور تین رات۔

اسی روایت کو مسلم نے مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:-

عن شریح بن ھانی قال سالت علی ابن ابی طالب عن المسح علی الخفین فقال جعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثۃ ایام ولیالیھن للمسافر ویوماً ولیلۃ للمقیم (مسلم)

شریح بن ہانی فرماتے ہیں کہ میں نے علی رضؓ سے مسح علی الخفین کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ آنحضورؐ نے مدت متعین کر دی تھی مسافر کے لیے تین دن تین رات اور مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات۔

یہ واضح رہے کہ مدت کا شمار وضو کرنے کے وقت سے نہیں بلکہ وضو ٹوٹنے کے وقت سے ہوگا۔ مثلاً زید نے پیر کے دن صبح آٹھ بجے وضو کر کے موزے پہن لیے اور پھر بارہ بجے اس کا وضو ٹوٹ گیا۔ اب اگر وہ مسافر ہے تو اس کے لیے یہ جائز ہوگا کہ وہ جمعرات کے دن بارہ بجے تک پیر دھونے کی بجائے مسح علی الخفین پر اکتفا کرے اور اگر وہ مقیم ہے تو منگل کے دن بارہ بجے تک مسح علی الخفین پر اکتفا کر سکتا ہے۔

اس تفصیل کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسح موزوں کی سطح اعلیٰ پر کیا جائے یا سطح اسفل پر۔ اس بارے میں ائمہ کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام مالک اور امام شافعی وغیرہم کی رائے یہ ہے کہ مسح موزوں کی باطنی سطح یعنی نچلے حصہ میں کرنا چاہیے۔ اور امام ابو حنیفہ رحؒ کی رائے یہ ہے کہ مسح موزوں کے ظاہری سطح پر یعنی اوپر والے حصہ پر کرنا چاہیے۔ اس سلسلہ میں حضرت علی رضؓ کا ارشاد گرامی یہ ہے کہ اگر دین محض قیاس و رائے کا تابع ہوتا تو میں موزوں کے اسفل حصہ پر مسح کرنا بہتر کہ یہی قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ لیکن میں اس کا قائل نہیں اس لیے کہ میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں کے ظاہری حصہ پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ حضرت علیؓ کا قول امام ابو حنیفہ رحؒ کی رائے میں تیقن پیدا کرتا ہے طریقہ مسح یہ ہے کہ ہاتھ کی انگلیاں پانی میں بھگو کر تین انگلیاں کھینچی جائیں۔ انگلیاں پوری ہی رکھی جائیں۔ صرف انگلیوں کے سرے رکھنا کافی نہیں ہوگا۔ فقط۔

اعتراض - مگر سنجیدہ

سوال ۲ :- از رعنا زاری۔ سہری نگر۔

تجلی کی ڈاک سوال علم غیب صفحہ [illegible] پر آپ آنحضور کے علم غیب کے ذاتی یا عطائی ہونے کے سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ اگر حضورؐ کا علم غیب ذاتی ہوتا تو بچپن میں اس کے کچھ اثرات یا مظاہر دیکھنے میں آتے۔ بچپن میں ایسے [illegible] ہی معجزات ظہور پذیر ہوتے رہے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ محمدؐ

کوئی معمولی ہستی نہیں بلکہ کوئی بڑی اور غیر معمولی ہستی ہیں۔ کوئی عظیم المرتبت انسان ہیں لیکن کہیں کوئی مثال ایسی نظر نہیں آتی جس کا سہارا لے کر یہ ثابت کیا جاسکے کہ دیکھو یوم پیدائش ہی سے حضورؐ دنیا بھر کی تمام اشیاء سے واقف تھے۔ کوئی حقیقت ان سے ڈھکی چھپی نہیں تھی"۔

اس سلسلے میں کچھ عرض کرنے سے پہلے اپنے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ میں خود بھی اہل سلاسل سے وابستہ ہوں اور کشمیر ہی کے ایک شیخ سے بیعت ہوں۔ پھر بھی میلاد، عرس، بزرگان سلف کی قبر پرستی جیسے خرافات سے دور ہوں۔ نہ ہی ہمارے شیخ کبھی خانقاہوں کا طواف کرتے ہیں۔ نہ ہی دیگر خرافات مروجہ میں ملوث ہیں۔ احتیاطاً ہم زیارت قبور کی سنت کے بھی تارک ہیں، محض اس لیے کہ کہیں قبر پرستی سے تشبہ نہ ہو جائے۔

اب آگے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر لڑکپن کے معجزات کو دلیل بنا کر علم غیب کو پیغمبروں کا معجزہ تسلیم کیا جاسکتا یا ایسا ممکن ہوتا کہ ایسے دلائل سے راہ حق کے متلاشی اذہان و قلوب مطمئن ہو جاتے تو عیسیٰؑ سے بیک وقت دو معجزے ظہور میں آئے تھے۔ اول شیر خوار بچے کا گہوارہ میں بولنا، ثانیاً اپنے پیغمبر ہونے کی خبر دینا۔ اس طرح سے تو ان کا عالم الغیب ہونا ثابت ہو جاتا اور وہ آنحضورؐ سے افضلیت پاتے۔ حالانکہ وہ خود آنحضورؐ کی فضیلت کا اعتراف کرتے ہیں۔ احقر کا خیال ہے کہ اگر پیغمبروں سے لڑکپن کے بجائے ماں کے پیٹ میں سے ہی معجزات کا صدور ہوتا۔ پھر بھی ایسے معجزات کو ان کے علم غیب کے ذاتی ہونے یا تمام مغیبات پر مطلع ہونے پر دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔ یہ تو اللہ کی عطا ہے۔ اس کی قدرت سے پتھر بھی گویا ہو سکتے ہیں۔ پہاڑ ہوا میں معلق ہو سکتے ہیں تو کیا ان کی گویائی یا معلق ہونا ان کے ذاتی اوصاف تصور کیے جاسکتے ہیں؟

جواب:-

پہلی بات تو یہ ہے کہ محض معجزات کی بنا پر ایک پیغمبر کو دوسرے پیغمبر پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوتی۔ معجزات نہ اصل نبوت ہوتے ہیں نہ اصل کمالات۔ معجزات تو نبوت کا ایک ادنیٰ ساجز و ہوتے ہیں جو نہ بھی ہوں تو نبی کی نبوت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے انبیاء پر جو تفوق اور فضیلت حاصل ہے وہ گوناگوں معجزات کی بنا پر نہیں ہے بلکہ وہ اس بنا پر ہے کہ جو کمال اخلاق، کمال انسانیت، کمال بندگی اور کمال نبوت و رسالت آنحضورؐ کی ذات گرامی میں موجود تھا وہ کسی دوسرے پیغمبر کی ذات میں نظر نہیں آتا۔

عیسیٰ علیہ السلام کو محض اس وجہ سے حضورؐ پر کوئی درجۂ فضیلت حاصل نہیں ہو سکتا کہ وہ طفولیت کے زمانہ میں باتیں کر لیا کرتے تھے۔ جب کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شیر خوارگی کی حالت میں کبھی کلام نہیں فرمایا تھا۔

اب رہی وہ بات جسے آپ نے اعتراض کا نشانہ بنایا ہے تو اس بارے میں دو باتیں گذارش کرنی ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ نے صرف ہماری تحریر پڑھ ڈالی ہے مقصد تحریر پر غور و فکر کرنے کی ادنیٰ کوشش بھی نہیں کی۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ نے بریلوی علماء کے ان کچے دعووں کو بھی پیش نظر نہیں رکھا جن کا کھوکھلا پن ثابت کرنے کے لیے ہم نے علم غیب کے موضوع پر کاغذ سیاہ کیا تھا۔

ہمارے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ علم حاصل تھا وہ عطائی تھا اور عطائی دولت نہ سدا سے نصیب ہوتی ہے نہ سدا برقرار رہتی ہے۔

ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان گنت چیزوں کا علم غیب حاصل تھا۔ لیکن یہ علم عطائی تھا ذاتی بالکل نہیں۔

اگر چیکہ بریلوی حضرات کا زبانی دعویٰ تو یہی ہوتا ہے کہ آنحضورؐ کا علم عطائی تھا ذاتی نہیں لیکن اسی دعویٰ کی حیثیت چرب زبانی اور فریب دہی سے زیادہ نہیں ہے اس لیے کہ درپردہ بریلوی حضرات کا دعویٰ ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ حضورؐ کو جو علم حاصل تھا وہ ذاتی تھا عطائی نہیں۔

سب مانتے ہیں کہ بریلوی حضرات کا مسلمہ عقیدہ یہ ہے

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کائنات کی کل اشیاء کا علم غیب حاصل تھا۔ ہر چیز ہر وقت ان کی نگاہوں کے سامنے رہتی تھی۔ یہ عقیدہ بجائے خود یہ ثابت کرتا ہے کہ بریلوی حضرات اس بات کے دعویدار ہیں کہ آنحضورؐ کا علم، علمِ ذاتی تھا علمِ عطائی نہیں۔

ذرا سوچیے تو سہی کہ جو اوصاف یا جو چیزیں کسی کی عطا کردہ ہوتی ہیں وہ کامل و مکمل کیسے ہو سکتی ہیں۔ اور کامل و مکمل ہوں گی تو صرف اس صورت میں ہوں گی جب عطا کرنے والے نے عطا کرتے وقت اپنا دامن ہی جھاڑ دیا ہو۔

عالم الغیب ہونا خداوند قدوس کی ایک صفت ہے۔ یعنی علم غیب کی کل دولت اگر حاصل ہے تو وہ خدا ہی کو حاصل ہے۔ اب یہ بات تو ممکن ہے کہ خداوند قدوس اپنے علم میں سے کچھ حصہ کسی پیغمبر کو عطا کر دیں اور اس پیغمبر میں بھی اس صفت کا کچھ انعکاس پیدا ہو جائے۔ لیکن یہ بات کیسے ممکن ہے کہ خدا علم غیب کی کل دولت کسی پیغمبر کے حوالے کر کے بھی عالم الغیب رہے۔ جب سارا کا سارا علم آنحضورؐ کو بخش دیا گیا تھا تو پھر خدا کے پاس رہ ہی کیا گیا تھا؟ ماسوا الاعلمی کے (العیاذ باللہ) بریلوی حضرات رسول خدا کی عقیدت میں اتنے پاگل ہو گئے ہیں کہ انھیں زیادتی عقیدت میں ہو جانے والی خدا کی توہین کا بھی کوئی احساس نہیں۔

بہر حال ہم تو ایک بات جانتے ہیں کہ عطائی دولت اسی صورت میں کامل و مکمل ہو گی جب عطا کرنے والے نے اپنے پاس کچھ بھی باقی نہ رکھا ہو۔ زید کے پاس ہزار روپے ہیں۔ زید بکر کو اگر اس میں سے پانچسو روپے دیدیے تو بھی زید کا دامن خالی نہیں ہوا اگرچہ کہ بکر کے دامن میں کچھ نہ کچھ پہنچ گیا اور وہ بھی ایک اعتبار سے دولت مند کہلانے کا مستحق ہو گیا۔ لیکن اگر زید اپنی کل جائداد بکر کے حوالے کر دے تو بلاشبہ بکر کے تو وارے کے نیارے ہو ہی گئے لیکن حضرت زید تو بالکل مفلس قلاش ہو کر رہ گئے ہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ انھیں کلی طور پر علم غیب حاصل تھا تو پھر دو باتوں میں سے ایک بات لازماً ماننی پڑے گی۔ یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ آنحضورؐ کا علم، علم ذاتی تھا علم عطائی نہیں۔ یا یہ ماننا پڑے گا کہ آنحضورؐ کو حق تعالیٰ نے اپنا علم کل عطا کر دیا تھا اس لیے کہ علم کل عطا کیے بغیر علم کلی کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔

ہمارا اپنا عقیدہ تو یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم عطائی ہونے کے ساتھ ساتھ اختیاری نہیں غیر اختیاری تھا یہ عمر کے شروع حصہ میں انھیں حاصل نہیں تھا۔ پھر خدا کے عطا کر دینے سے آنحضورؐ کو ملا۔ یہ علم مل جانے کے بعد بھی بعض اوقات آنحضورؐ کو قریبی اشیاء کے بارے میں کوئی خبر نہیں ہوتی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آنحضورؐ کو کبھی کبھی پیش آنے والی حقیقتوں کے بارے میں پہلے ہی سے لوگوں کو مطلع کر دیا کرتے تھے اور آپ کی پیش گوئیاں من و عن برحق ثابت ہوتی تھیں۔ لیکن اس میں بھی شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ بعض اوقات آپ کو قریب ترین چیزوں کے بارے میں بھی کچھ پتہ نہیں چل سکا حضرت عائشہؓ کا ہار کھو جاتا ہے تو اس کی تلاش مشرق و مغرب میں ہوتی ہے حالانکہ وہ اسی اونٹ کے نیچے موجود تھا جس پر عائشہؓ سوار تھیں۔ ایک اسی واقعہ سے اندازہ لگا لیجیے کہ حضورؐ کا علم صرف معجزاتی حیثیت رکھتا تھا اور معجزاتی قوت گاہ بگاہ ظاہر ہوتی ہے، ہمیشہ نہیں۔

بچپن کی بات چھوڑیے، آنحضورؐ کو نوجوان اور باشعور ہو کر بھی اس بات کا ادراک نہیں ہو سکا تھا کہ میں کوئی خاص انسان ہوں اور مجھے آگے چل کر نبوت و رسالت کی بیش بہا دولت نصیب ہونے والی ہے۔ اگر آپ کو اپنی عظمت اور خدا کی طرف سے ملنے والی دولتوں کا ادنیٰ سا ادراک ہو جاتا تو پھر غار حرا میں جبرئیل کے آنے پر آپ کے مضطرب ہو جانے اور پھر آکر حضرت خدیجہ کے پاس پہونچ جانے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔

ہر صحیح العقیدہ مسلمان اس بات کو مانتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے بعد سب سے عظیم ہستی ہیں۔ آپ کا مقام کل مخلوقات سے زیادہ رفیع ہے۔ لیکن یہ رفعت و عظمت محدود ہے، غیر محدود نہیں۔ جہاں اس رفعت و عظمت کی حدیں ختم ہو جاتی ہیں وہاں سے خدائی عظمتوں کا آغاز ہوتا ہے۔ کسی پیغمبر کی تعریف و ثنا میں

اتنا مبالغہ کرنا کہ خدا اور رسول کی صفتوں میں التباس پیدا ہو جائے جذبۂ عقیدت نہیں، جذبۂ حماقت ہے جو قابلِ مذمت ہے سزا وار انعام نہیں۔

میری یہ تحریر پڑھنے کے بعد بھی اگر آپ میرا مقصد و منشا نہ سمجھ سکیں تو پھر میں آپ کے دل میں اپنی بات اتارنے سے قاصر ہی رہوں گا۔

نکاح شغار

سوال ۳ :- از مفتی رضوان صاحب۔

"نکاح شغار" کو قرآن و حدیث کی روشنی میں واضح فرمائیے۔

الجواب ۳ :-

نکاح شغار کی تعریف یہ سمجھیے کہ دو شخص دو عورتوں سے شادی کریں بایں شرط کہ ہر عورت دوسرے مرد کا مہر قرار پائے اور مہر دینے کی ذمہ داری سے نکل جائے۔ مثلاً زید اپنی بہن سلمہ کی شادی بکر کے ساتھ کر دے اور بکر اپنی بہن خالدہ کی شادی زید کے ساتھ کر دے اور دونوں کے مابین یہ بات طے ہو جائے کہ ہم میں سے کسی کو بھی مہر ادا نہیں کرنا ہے اس لیے کہ ہم میں سے ہر ایک نے اپنی بہن کو بطور مہر، دوسرے کے نکاح میں دیدیا ہے۔ نکاح کا یہ طریقہ شغار کہلاتا ہے اور شریعت اسلامی کی نگاہ میں نکاح کا یہ طریقہ جائز نہیں ہے۔

زید کی شادی بکر کی بہن کے ساتھ ہو اور بکر کی شادی زید کی بہن کے ساتھ ہو۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں اسے ٹھیٹ اردو میں آٹا ساٹا کہا جاتا ہے جو بلا شبہ جائز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ زید اور بکر بوقت نکاح باقاعدہ مہر متعین کریں اور اگر مہر متعین نہ کریں تو یہ یقین دل میں جمائے رکھیں کہ مہر کا ذکر ہو یا نہ ہو شوہر کے اوپر مہر کی ادائیگی فرض اور لازم ہو جاتی ہے قاضی اگر مہر کا تعین کرنا بھول جائے تو پھر شوہر پر مہر فاطمی کے برابر مہر ادا کرنا ضروری ہے۔ اپنی بہن دوسرے کا اور دوسرے کی بہن اپنا مہر قرار نہیں پا سکتی۔

وراثت سے متعلق ایک سوال

سوال ۴ :- (ایضاً)

زید کی سات بیٹیاں اور ایک بیٹا بکر ہے۔ زید اپنی بیٹیوں کو اپنی سسرال میں آسودہ حال ہونے کی بنا پر اپنی تمام جائیداد منقولہ و غیر منقولہ اپنے اکلوتے بیٹے بکر کو ہبہ کرنا چاہتا ہے۔ زید کی یہ حرکت مجرمانہ ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو زید کے مرنے کے بعد بکر کو کیا کرنا چاہیے؟

جواب ۴ :-

اخلاق و مروت کے اعتبار سے یہ حرکت قابلِ تحسین قرار نہیں پائے گی کہ زید اپنی ساری جائیداد اپنے بیٹے کے حوالے کر دے اور اپنی تمام بیٹیوں کو اپنی جائیداد سے محروم کر ڈالے۔ لیکن شرعی نقطۂ نگاہ سے زید کی یہ حرکت قابلِ تنبیہ نہیں ہو سکتی۔

ہر شخص کو اپنی جائیداد کے بارے میں مکمل اختیارات حاصل ہیں کہ وہ جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے محروم کرے شریعت وصیت نامہ کے ذریعہ کی گئی غیر شرعی تقسیم کو تو قبول نہیں کرتی اگر وہ پچھلے سے زمانہ میں ہو لیکن اپنی زندگی میں اگر کوئی شخص اپنی ساری جائیداد از راہ عطیہ کسی کے حوالے کر دے تو شریعت اس طرزِ عمل کو ناجائز قرار نہیں دیتی۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اسے قابلِ تعریف تصور نہ کرتی ہو۔

زید اپنی زندگی میں اگر کل جائیداد بکر کو بخش دیتا ہے پھر کچھ عرصہ کے بعد مر جاتا ہے تو کمالِ اخلاق اور کمالِ ظرف کا تقاضہ تو یہ ہے کہ بکر اپنی بہنوں کو اپنی باپ کی جائیداد سے کلیتہً محروم نہ کرے کچھ نہ کچھ انھیں بھی دے لیکن اگر بکر ایسا نہیں کرتا اور ساری جائیداد کو اپنی دسترس میں لے لیتا ہے تو وہ گنا ہگار کہلانے کا مستحق نہیں۔

خدمت اور مزدوری کا فرق

سوال ۵ :۔ (ایضاً)

زید اور عطیقہ میاں بیوی ہیں۔ دونوں کا پیشہ زمینداری ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ شانہ بشانہ زمینداری کا کام کرتے ہیں۔ بڑھاپا آن پہنچا۔ دونوں کے مابین اختلافات رونما ہوئے آخرکار زید نے عطیقہ کو طلاق دیدی۔ واضح رہے زمیندار لوگ ماہ اپریل سے ماہ اکتوبر تک مل جل کر کام کرتے ہیں اور زمین میں بیج بوتے ہیں۔ عطیقہ بے وسیلہ اور لاولد ہے۔ کوئی ذریعۂ معاش نہیں۔ ماہ اکتوبر میں جب زمین کی کاشت کرکے پیداوار حاصل ہوئی تو اس کو طلاق دی گئی (مہر اور دورانِ عدت کا نفقہ) کے علاوہ عطیقہ پیداوار زمین سے کوئی حصہ پانے کی مستحق ہے یا نہیں؟

الجواب ۵ :۔

اخلاق وانسانیت کا تقاضا تو یہی ہے کہ زید کھیتی کاٹتے وقت اس عطیقہ کو بھی حقدار سمجھے جو زراعت کے دوران زید کے ہمراہ کھیت میں جتی ہوئی تھی۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس وقت عطیقہ زید کی ملازمہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ زید کی بیوی کی حیثیت سے کھیت میں کام کرتی تھی۔ لہٰذا اس کی محنت پر مزدوری کا اطلاق کسی طرح نہیں ہوسکتا۔ عطیقہ کی محنت منجملۂ خدمت تھی اور شوہر کی خدمت کرنا خواہ کسی بھی طرح اور کسی بھی نوعیت کی ہو ہر شریف عورت کا فرض ہے۔

طلاق کے بعد اگر زید نان ونفقہ اور مہر کی رقم کے علاوہ کھیتی سے حاصل ہونے والی پونجی کا کچھ حصہ عطیقہ کے حوالہ کردے تو بلاشبہ یہ اعلیٰ ظرفی کی بات ہوگی۔ اور پرہیزگاری کے عین مطابق۔ لیکن اگر زید نان ونفقہ اور مہر کے علاوہ کچھ دینے کے لیے تیار نہ ہو تو زید کو سزاوارِ ملامت کہنا درست نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ عطیقہ نے کھیتی میں جو کچھ دوڑ دھوپ اور جدوجہد کی تھی وہ شوہر کی تھی اور شوہر کی خاطر کیے ہوئے کام خدمات میں شمار ہوتے ہیں، مزدوری میں نہیں۔ خدمات پر انعام کا ترتب تو ہوسکتا ہے اجرت کا نہیں۔ اور یہ بات تو آپ بھی جانتے ہی ہوں گے کہ اجرت کی ادائیگی منجملۂ فرائض ہے جب کہ انعام کی ادائیگی منجملۂ فرائض نہیں بیوی نے جو خدمات حالتِ زوجیت میں کی تھی ان پر الگ کوئی صلہ یا انعام شوہر طلاق کے بعد بیوی کو دیدے تو یہ عنایت ومہربانی کے قبیل سے ہوگا۔ لیکن اگر نہ دے تو شوہر پر کوئی تنقید نہیں کیجاسکتی۔

البتہ اگر دونوں کے مابین یہ بات طے تھی کہ کاشت کاری سے حاصل ہونے والے نفع میں ہم دونوں برابر کے شریک رہیں گے خواہ نفع زیادہ ہو یا کم تو اس صورت میں عطیقہ کو خدمت گذار نہیں شریک کار تصور کیا جائے گا اور شریک کار نفع ونقصان میں چونکہ برابر کا حصہ دار ہوتا ہے اس لیے عطیقہ کو کاشت کاری سے حاصل ہونے والی منفعت سے کچھ نہ کچھ دینا ضروری ہوگا۔

زلزلہ کے بارے میں ایک سوال

سوال ۶ :۔ از عبدالمجید آنیکل۔ بنگلور

زلزلہ شرعی نقطۂ نظر سے کیا حیثیت رکھتا ہے؟

الجواب ۶ :۔

اس بارے میں بس اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ زمین کی باگ ڈور پروردگار کے دستِ قدرت میں ہے وہ جب چاہے پوری زمین کو تھرتھرا سکتا ہے۔ مشہور ہے کہ ایک گائے ہے اس کے سینگ پر زمین رکھی ہوئی ہے۔ جب یہ گائے زمین کو ایک سینگ سے دوسرے سینگ پر بدلتی ہے تو زمین پر تھرتھراہٹ پیدا ہوتی ہے اسی کو زلزلہ کہتے ہیں۔

یہ بات جتنی معروف ومشہور ہے اتنی ہی بے بنیاد بھی ہے۔ گائے وائے کچھ نہیں۔ سیدھی سادی بات وہی ہے کہ کائنات کی ہر چیز پروردگار کے اشاروں پر ناچتی ہے۔ وہ چاہیں تو زمین ساکت رہتی ہے، وہ چاہیں تو زمین دہل جاتی ہے۔ اتنی بڑی زمین متحرک و مضطرب کیسے ہوجاتی ہے اس بارے میں غور وفکر کرنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ کیوں ہم اس کی صحیح نوعیت جاننے کے لیے اپنا وقت ضائع کریں۔

ہمیں تو اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ جب زمین

گناہ زیادہ ہونے لگتے ہیں تو وہ بحکم خدا اکثر تھرا اٹھتی ہے۔ ایک بار آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں زلزلہ آیا تو آپؐ نے صحابۂ کرام سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ تمہارا پروردگار تم سے توبہ چاہتا ہے، لہٰذا تم توبہ کا اہتمام کرو۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں پہنچا اور میں نے ان سے زلزلے کے بارے میں پوچھ تاچھ کی۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ کہ جب لوگ زنا کو فعل مباح کی حیثیت دے دیں۔ شراب نوشی عام ہو جائے۔ گانا بجانا زندگی کا جزو بن جائے تو اس وقت پروردگار کو غیرت آتی ہے اور وہ زمین کو ہلنے اور تڑپنے کا حکم دیتا ہے تاکہ لوگ ڈریں اور اپنے گناہوں سے توبہ کریں۔

ایک بار حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد مبارک میں زلزلہ آیا تو آپ نے مختلف شہروں کے قاضیوں کو یہ بات لکھ کر بھیجی کہ زلزلہ پروردگار کا ایک عتاب ہے جو گناہوں کی کثرت کی وجہ سے نازل ہوتا ہے، محض اس وجہ سے کہ لوگ تائب ہوں اور اپنے پروردگار کی طرف رجوع کریں۔

بہرکیف جب گناہوں کی کثرت ہو جاتی ہے زلزلے آتے ہیں اور زلزلوں کے نتیجہ میں تباہیاں آتی ہیں۔ ایسے موقعوں پر ہر شخص کو اپنے گناہوں کی معافی طلب کرنی چاہیے۔ بس اس سے زیادہ اس موضوع پر اور کیا لکھا جائے۔

مرنے کے بعد والی رسمیں

سوالؔ:۔ از ملک غلام شاہ۔ ٹیچر ویری ناگ (کشمیر)

یہاں ہماری بستی میں ابھی حال ہی میں ایک شخص کی موت واقع ہوگئی۔ ایک مولوی صاحب نے جو عالم ہیں اور نئے نئے اس بستی میں وارد ہوئے ہیں۔ کچھ خلاف معمول اور دستور باتیں عمل میں لائے جس پر یہاں کے لوگ بہت ہی سخت برہم ہوئے اور باضابطہ ایک ایجیٹیشن کھڑا کیا گیا۔ ہر طرف سے مولوی صاحب موصوف پر اعتراضات کی بوچھار کی گئی — بہرحال جو قابل اعتراض باتیں مولوی صاحب عمل میں لائے وہ یہ ہیں :۔

(۱) کفن پر عہد نامہ نہیں لکھا گیا (۲) مردے کو قبر میں اتارتے وقت تلقین نہیں کہی گئی بلکہ سورہ بقرہ کی چند ابتدائی آیات تلاوت کی گئیں (۳) نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد دعا نہیں مانگی گئی (۴) مُردے کو دفن کرنے کے بعد یہاں پر رواج ہے کہ قبر پر پہلے بیٹھ کر پھر کھڑے ہوکر، پھر ذرا دور ہٹ کر قبر کی طرف منھ کرکے کھڑے اور اس کے بعد میت کے اہل خانہ کے صحن میں جاکر میت کے لیے دعائے مغفرت و رحمت مانگی جاتی ہے۔ لیکن مولوی صاحب نے صرف ایک بات پر عمل کیا۔ میت کی قبر پر ہی چند دعائیہ کلمات ادا کیے اور بس باقی اور باتیں انھوں نے نہیں کیں (۵) کفن میں سے دو ڈھائی گز کا ایک ٹکڑا (یعنی ایک چادر سی) جو پہلے سے کفن کے ساتھ ہی زائد لیا ہوا ہوتا ہے تابوت پر نہیں چڑھایا گیا۔ یعنی کفن کی چادر نہیں چڑھائی گئی تاکہ تابوت ڈھاپ لیا جائے

جب مولوی صاحب سے اس سب کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا کہ جو کچھ کیا گیا وہی سنت ہے باقی محض بدعات ہیں جن کی دین میں کوئی اصل نہیں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آپ براہِ کرم قرآن و سنت اور مسلک حنفی کے مطابق میت کو دفنانے اور اس سلسلہ کے دیگر امور پر بالتفصیل روشنی ڈالیں اور یہ بھی واضح فرمائیں کہ مولوی صاحب مذکور کا طرز عمل و گفتگو کہاں تک درست اور مطابق اسلام ہے۔ بینوا توجروا۔

جوابؔ:۔

جن علاقوں میں بدعتیں مذہبی زندگی کا جزو لازم بنکر رہ گئی ہیں ان علاقوں میں کسی سنت کو پیش کر دینا بالکل ایسا ہی ہے جیسے چند آدمیوں کی بھیڑ میں کسی فردِ اجنبی کو لاکر کھڑا کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ وہ آدمیوں کی بھیڑ اس فردِ اجنبی کو حیرت سے دیکھے گی اور یہ سوچے اور کہے بغیر نہیں رہے گی کہ یہ ہے کون اور ہمارے درمیان کہاں سے آٹپکا ہے۔

افسوس کی بات ہے کہ جو چیزیں اصل دین کی حیثیت

رکھتی تھیں۔ اب انھیں حیرت و تردد کی نگاہوں سے دیکھا جانے لگا ہے۔ اور جن چیزوں کو شرعاً کوئی حیثیت حاصل نہیں انھیں اجزائے دین تصور کر لیا گیا ہے۔ اور اب تو یہ عالم ہو چکا ہے کہ بدعات وخرافات میں ڈوبے ہوئے لوگوں کے آس پاس سے اگر اتفاقاً کسی سنتِ رسول کا گذر ہو جاتا ہے تو وہ لوگ چونک پڑتے ہیں تلملا اٹھتے ہیں اور صرف یہ ہی نہیں بلکہ سنتِ رسول کو بہ یک اپنے علاقے سے دھکیل نہیں دیتے انھیں سکونِ قلب ہی حاصل نہیں ہوتا۔

اور افسوس در افسوس کی بات یہ ہے کہ سنتوں سے کوئی نفرت بھی نہیں۔ بلکہ از راہِ جہالت و حماقت سنت کو بدعت سمجھ کر دھکیلا جا رہا ہے اور بدعت کو سنت سمجھ کر اپنے گلے کا ہار بنا لیا گیا ہے۔

اس ضروری تمہید کے بعد اب آپ اپنی باتوں کے جواب ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) کفن پر کسی بھی قسم کی عبارت لکھنے کا رواج ہمارے فن کاروں کی ایجاد ہے، سنت و روایت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ نہ ہی اس قسم کی باتوں سے مردے کو کوئی فائدہ پہونچ جانے کی توقع کی جا سکتی ہے۔

(۲) عمل تلقین بھی رسم و رواج سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا اور رسم و رواج کے ارتکاب پر اجر و ثواب کی امید رکھنا حماقت کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔

(۳) نمازِ جنازہ کے بعد دعا مانگنا عقلی اور نقلی دونوں ہی اعتبار سے غلط ہے۔ نقلی اعتبار سے تو اس لیے غلط ہے کہ کسی ایک روایت سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کی نمازِ جنازہ پڑھانے کے بعد دعا مانگنے کی سنت جاری فرمائی ہو۔ آپؐ کی زندگی میں ازواجِ مطہرات میں سے حضرت خدیجہؓ، حضرت زینبؓ اور صاحبزادیوں میں سے حضرت رقیہؓ، ام کلثومؓ اور حضرت زینبؓ۔ چچاؤں میں کے حضرت حمزہؓ اور احباب و متعلقین میں سے ان گنت صحابۂ کرامؓ کی وفات واقع ہوئی اور اب سب کی نمازِ جنازہ آپؐ ہی نے پڑھائی لیکن ایک بار بھی تو ایسا نہیں ہوا کہ نمازِ جنازہ ادا کرنے کے بعد آپؐ نے ہاتھ اٹھا کر یا بغیر ہاتھ اٹھائے مردے کے لیے کوئی دعا مانگی ہو یا دعا مانگنے کا حکم صادر فرمایا ہو۔

عقلی اعتبار سے اس لیے غلط ہے کہ نمازِ جنازہ میں درود شریف وغیرہ پڑھنے کے بعد جو کچھ پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے وہ بجائے خود منجملہ دعا ہے اور دعا بر دعا والی حرکت ز رینِ عقل کیسے ہو سکتی ہے۔

(۴) نمازِ جنازہ میں چند کلمات تو یہ پڑھے جاتے ہیں جنھیں دعا یہ کلمات کہے بغیر چارہ نہیں۔

اللّٰھم اغفر لحینا ومیتنا	اے اللہ بخش دے ہمارے زندوں
وشاھدنا وغائبنا	اور مُردوں کو ہمارے حاضرین و
وصغیرنا وکبیرنا وذکرنا	غائبین کو اور چھوٹوں اور بڑوں کو
وانثانا اللّٰھم من احییتہ	اور اے اللہ ہم میں سے تو جسے
منا فاحیہ علی الاسلام	زندہ رکھے اسلام پر زندہ رکھ
ومن توفیتہ منا فتوفہ	اور ہم میں سے جسے موت دے
علی الایمان۔	اسے ایمان پر موت دے۔

بعض روایات میں یہ کلمات وارد ہوئے ہیں:

اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ	اے اللہ اس میت کو بخش دے
وعافہ واعف عنہ	اس پر رحم کر اس کی خطاؤں کو
واکرم نزلہ و	معاف کر دے۔ اس کو معزز
وسع مدخلہ واغسلہ	و اعلیٰ مقام عطا فرما۔ اس کو
بالماء ونقہ من	پانی سے غسل دے اور صاف
الخطایا کما ینقی الثوب	کر دے اس کو گناہوں سے
الابیض من الدنس	جس طرح صاف ہو جاتا ہے
الیٰ آخرھا۔	سفید کپڑا میل سے۔

یہ کلمات اور اس قسم کے دوسرے کلمات جن کو نمازِ جنازہ میں پڑھنے کی تلقین کی گئی ہے جب بجائے خود اک دعا ہیں تو پھر نمازِ جنازہ کے بعد دعا مانگنے کی ضرورت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے۔ نمازِ جنازہ کے بعد دعا مانگنا تحصیلِ حاصل کے ماسوا کچھ نہیں۔

(۵) مُردے کو دفنانے کے بعد قبر پر بیٹھ کر، پھر کھڑے ہو کر پھر ذرا ہٹ کر اور پھر میت کے صحن میں جا کر دعا مانگنا مسخرے پن سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ بعض بدعتیں ایسی ہوتی ہیں جن میں کچھ

…گی ہوتی ہے۔ اگرچہ شرعی اعتبار سے وہ غلط در غلط ہی
…ہو لیکن مردے کو قبر میں اتارنے کے بعد یہ چل پھر کر دعا
…والی حرکت تو قرین متانت بھی نہیں شرعی نقطۂ نظر سے تو
…غلط اور بے بنیاد۔

(۶) مردے کو کفن پہنانے کے بعد اس بات کی کوئی ضرورت
…ہیں رہتی کہ تابوت پر بھی کپڑا لپیٹا جائے تاہم یہ ایسا طریقہ ہے
…کے خلاف آواز اٹھانے کو ہم ضروری خیال نہیں کرتے البتہ
…وت پر کپڑا چڑھانے کو ضروریات کے قبیل سے سمجھ لیا گیا
…اور یہ عقیدہ بن چکا ہو کہ اگر تابوت پر کپڑا نہیں چڑھے گا تو
…پر کوئی مصیبت نازل ہو جائے گی تو پھر اس طریقہ کے بھی
…کرنی پڑے گی۔

اس تفصیل کے بعد یہ کہنے کی تو کوئی ضرورت ہی باقی نہیں
…مولوی صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے وہ مبنی بر حقائق ہے
…بنیاد کھڑا کرنے والوں نے جو طریقے اپنا رکھے ہیں وہ بدعات
…ات کا معجونِ مرکب ہیں جن سے دامن بچائے بغیر ایمان و
…ے کی سلامتی ممکن نہیں۔

البتہ تدفین کی شرعی ضرورتوں پر ہم مختصر انداز میں گفتگو
…روری سمجھتے ہیں تاکہ عوام کو یہ معلوم ہو سکے کہ لوازماتِ تدفین
…ے سنت کیا ہے اور بدعت کیا۔

نمازِ جنازہ درحقیقت میت کے حق میں ایک دعا ہے
…نمازِ جنازہ کی نیت بایں الفاظ باندھی جائے:
میں نماز کی نیت باندھتا ہوں خدا کے لیے اور اس میت
…کے جو سامنے موجود ہے۔

نمازِ جنازہ کے شرائط و ارکان بعینہ وہی ہیں جو دوسری
…کے ہیں۔ فرق بس اتنا ہے کہ دوسری نمازوں میں رکوع و
…لازم کی حیثیت رکھتے ہیں جب کہ نمازِ جنازہ رکوع و سجود سے
…ہے۔ عقل کا تقاضا تو یہی ہے کہ اس نماز میں رکوع و سجود
…افہ کر لیا جائے۔ لیکن یہ اضافہ اس لیے نہیں کیا جا سکتا
…ضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ جنازہ بغیر رکوع اور سجدوں
…ادا کی اور مذہبی امور میں آپ کے طریقہ کے خلاف کوئی اقدام
…عمل بدعت اور عمل مذمت کے ماسوا کچھ نہیں۔ اگرچہ اقدام

عقل و فہم کی کسوٹی پر کھرا اسکتہ ہی کیوں نہ ثابت ہو۔

میت کا نجاستِ حقیقیہ سے پاک ہونا بھی ضروری ہے
اور نجاستِ حکمیہ سے بھی۔ حقیقی نجاستوں کا اطلاق ان نجاستوں
پر ہوتا ہے جو نظر آنے والی ہوں۔ مثلاً بول و براز یعنی پیشاب
پاخانہ وغیرہ۔ اور حکمی نجاستوں کا اطلاق ان نجاستوں پر ہوتا ہے
جو دکھائی نہ دیتی ہوں جیسے غسل جنابت کا لاحق ہونا۔ عورت
سے ہمبستری کرنے کے بعد آدمی ناپاک ہو جاتا ہے اگرچہ کسی
قسم کی کوئی نجاست و غلاظت اس کے جسم پر موجود نہیں
ہوتی۔

میت کو غسل دینا اس لیے ضروری ہے تاکہ وہ دونوں
قسم کی نجاستوں سے پاک و صاف ہو جائے۔

میت کے واجب الستر جسم کا نظروں سے پوشیدہ ہونا
بھی امورِ ضروریہ سے تعلق رکھتا ہے۔ میت کے واجب الستر
جسم کا کوئی حصہ اگر عریاں ہوگا تو نمازِ جنازہ درست نہیں ہوگی۔

احناف کے نزدیک میت کا نماز پڑھنے والوں کے سامنے
موجود ہونا بھی لازمی ہے اگرچہ کہ اہلِ حدیث وغیرہ کا مسلک
یہ ہے کہ نمازِ جنازہ غائبانہ طور پر بھی ادا ہو جاتی ہے۔

یہ ضروری بات بھی نوٹ کر لیجیے کہ نمازِ جنازہ ادا کرنے
کے لیے کوئی خاص وقت متعین نہیں ہے۔ جنازہ جس وقت بھی
تیار ہو کر سامنے آئے اسی وقت ادا کر لی جائے۔ البتہ آفتاب
نکلنے اور ڈوبنے کے وقت اور زوال کی ساعتوں میں نمازِ جنازہ
پڑھنا اسی طرح ناجائز ہے جس طرح ان اوقات میں دوسری
نمازیں پڑھنے کو ناجائز کہا گیا ہے۔

نمازِ جنازہ میں دو باتیں فرض ہیں۔

(۱) چار مرتبہ اللہ اکبر کہنا۔ دراصل یہ چاروں تکبیریں چار
رکعتوں کے قائم مقام تصور کی جاتی ہیں۔

(۲) قیام نمازِ جنازہ میں ضروری ہے، بیٹھ کر نمازِ جنازہ
پڑھنا درست نہیں۔

تین باتیں نمازِ جنازہ میں سنت کی حیثیت رکھتی ہیں۔

(۱) حق تعالیٰ کی حمد کرنا۔

(۲) نبی کریم پر درود بھیجنا۔

(۳) میت کے لیے دعا کرنا۔

دعا سے مراد وہی دعا ہے جس کا ذکر ہم پیچھے کر آئے ہیں اور جو نماز جنازہ میں درود شریف کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ اگر کسی کو یہ دعا پوری یاد نہ ہو تو اس کے لیے درود شریف کے بعد صرف ان کلمات کا ادا کر دینا کافی ہے۔

اللھم اغفر	اے اللہ تمام مسلمانوں مردوں
للمومنین و	اور مسلمان عورتوں کی مغفرت
المومنات۔	فرما۔

میت کو قبر میں اتارتے وقت جن امور کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہیں :-

میت کو قبر میں اتارنے والے لوگ دیندار و صالح ہوں عورت کی میت کو قبر میں اتارنے والے اس کے محرم ہوں۔ غیر محرموں کو اس بات کا حق نہیں دیا جائے گا کہ وہ کسی عورت کو قبر میں اتارنے کی خدمت انجام دیں اگرچہ وہ متقی اور دیندار آدمی کیوں نہ ہوں۔

میت کو قبر میں اتارتے وقت یہ دعا مانگی جائے :

بسم اللہ وعلی ملت رسول اللہ۔

میت کو قبر میں اتار دینے کے بعد ان تینوں بندوں کو کھول دیا جائے جو کفن پہناتے وقت سر پاؤں اور وسط جسم میں باندھے گئے تھے۔

مٹی دیتے وقت قرآن حکیم کی یہ آیت پڑھی جائے۔

منھا خلقنٰکم	اس مٹی سے قوم کو پیدا کیا گیا اسی
وفیھا نعیدکم ومنھا	مٹی میں تم کو لوٹا دیا جائے گا اور
نخرجکم تارۃ	پھر اسی مٹی سے تم کو دوبارہ نکالا
اخری۔	جائے گا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ میت کی تدفین کے بعد ایک ہری بھری شاخ قبر پر رگاڑ دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جب تک یہ شاخ ہری بھری رہے گی اللہ تعالیٰ مردے کو عذاب کی سختی سے محفوظ رکھے گا۔

امور تدفین سے فارغ ہو جانے کے بعد چاروں قل پڑھ کر ایصال ثواب کر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

جو باتیں اس وقت ذہن میں مستحضر تھیں انھیں بیان کر دیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ بھی کچھ امور ایسے ہیں جنھیں مندوب و مستحب قرار دیا گیا ہے لیکن جو طریقے آپ نے بیان کیے ہیں وہ تو بعض لوگوں کی پیدا کردہ ہیں۔ جن سے محترز رہنا ضروری ہے اس لیے کہ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ مذہبی امور میں صرف ان طریقوں کی پابندی کرتا ہے جو روایات صحیحہ سے ثابت ہوں اور ان طریقوں سے دامن بچاتا ہے جو بندوں کی ایجاد ہوئی ہیں اور جنھیں بدعات و خرافات کی لسٹ میں شامل کیے بغیر دیانتداری، سلامت روی، حقائق پسندی کا ثبوت فراہم کرنا ممکن نہیں ہو سکتا۔

بہ سلسلۂ فاتحہ خوانی

سوال :- از نوریہ بیگم۔ انگم پیٹھ۔

یہاں میرے دادا جان گیارہویں کی فاتحہ بڑی دھوم سے کرتے ہیں یہ بکرا ذبح کر کے سب رشتہ داروں کو دعوت دیتے ہیں پانچ فقیروں کو اس میں شامل کرتے ہیں اور باقی سب کے لیے ان کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ فاتحہ نام کے اس دھندے میں اور بھی کئی برائیاں ہوتی ہیں۔ یہ کام صرف میرے دادا ہی کی حد تک منحصر نہیں ہے، پورے گاؤں میں پورے ضلع گلبرگہ میں ہی نہیں بلکہ شاید ہندوستان کے کونے کونے میں ایسا کیا جاتا ہے۔ جب اس کام کی برائی سے انھیں آگاہ کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تو بڑے پیران پیر ہیں۔ گھر کے پیر ہیں۔ پہلے سے ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے۔ ہم تو یہ نہیں چھوڑیں گے۔ ذرا اس موضوع پر کچھ تحریر کیجیے :

جواب :-

یہ تو مبالغہ ہے۔ یا کم علمی کہ ہندوستان کے کونے کونے میں فاتحہ خوانی اور بکرے خوری کا سلسلہ جاری و ساری ہے دیوبند بھی ہندوستان ہی میں ہے۔ یہاں کسی محلہ اور کسی گھر میں فاتحہ کے نام پر شکار نہیں کھیلے جاتے۔ اور ایک دیوبند ہی کیا ہندوستان کے ان گنت علاقوں میں فاتحہ کے نام پر

ہونے والی بدعات وخرافات کی جو بو بھی موجود نہیں ہے ۔ یہ ضرور ہے کہ بدعتیں نسبتاً سنتوں سے زیادہ رائج ہو چکی ہیں اور عموماً مسلمانوں کو سکونِ قلب بدعتوں کو اپنا کر ملنے لگا ہے سنتوں کو اپنا کر نہیں ۔ لیکن یہ کہنا درست نہیں ہوگا کہ اب ہندوستان کا کوئی خطہ اور کوئی گلی ایسی نہیں بچی ہے جہاں بدعتوں کا رواج نہ ہو ۔

آپ کے دادا جان قابلِ رحم ہیں کہ اہلِ بدعت کی کھینچی ہوئی ان لکیروں پر دوڑ رہے ہیں جن سے اگرچہ تحفظ وسلامتی کی کوئی سبیل نہیں ۔ ہر طرف گناہوں کی خاردار جھاڑیاں ہیں ہر طرف ابلیس لعین کے جال بکھرے ہوئے ہیں اور افسوسناک بات یہ ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے مذہب کے نام پر ہو رہا ہے اس خوش فہمی کے ساتھ ہو رہا ہے کہ خدا کی رحمتیں اور رسولؐ کی عنایتیں ہمارے لیے وقف ہو چکی ہیں ۔

محترمہ ! اہلِ بدعت کی ایک نہیں ساری ہی حرکتیں مشرکین عرب کی یاد دلاتی ہیں ۔ آپ کو یاد ہوگا کہ جب مشرکین عرب کے سامنے توحید کے موضوع پر گفتگو کی جاتی تھی اور ان کے سامنے بت پرستی کی قباحت ومعصیت کے ان گنت پہلو رکھے جاتے تھے تو ان کے چہرے فرطِ غضب میں سرخ ہو جاتے اور چیخ اٹھتے کہ انا وجدنا آبائنا ۔ ہم نے اپنے باپ داداؤں کو اسی راہ پر چلتے ہوئے دیکھا اور سنا ہے جس راہ پر چلنے کو تم غلط قرار دے رہے ہو ۔ ان کے چیخنے چلانے کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ اگر بت پرستی کی روش بری روش ہوتی تو ہمارے باپ دادا اس کو اپنانے کی غلطی کیسے کر سکتے تھے ۔

بالکل یہی حال اہلِ بدعت کا بھی ہے ۔ جب ان کے سامنے بدعتوں کی قباحت پر کچھ عرض کیا جاتا ہے تو وہ آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر فاتحہ خوانی ، قبر پرستی ، شرک نوازی اور مزاروں پر میلے ٹھیلے گناہ اور خطاکاری کے قبیل سے ہوتے تو پھر ہمارے باپ دادا ان چیزوں کے پرستار کیوں ہوتے ۔ ؟

گویا کہ اہلِ بدعت کے باپ داداؤں کی عقل وفہم خدا اور رسولؐ کی عقل وفہم سے بھی بلند تھی کہ جسے ان کے باپ دادا قابلِ اختیار قرار دیں وہ عمل قابلِ اختیار اور جسے خدا اور اس کا رسولؐ قابلِ اختیار قرار دے وہ عمل قطعاً قابلِ اجتناب ۔

اپنے دادا کو سمجھائیے کہ کیوں اپنی دنیا بھی تباہ کرتے ہو بکرے ذبح کر کر کے ۔ جو پیسہ وہ فاتحہ خوانی کے بھینٹ چڑھا رہے ہیں ۔ اس پیسے سے وہ اپنی دنیا بھی سنوار سکتے ہیں اور اپنی آخرت بھی ۔ اگر کسی مناسب جگہ اس کو کھپا یا جائے ۔ ورنہ وہ یاد رکھیں جن پیسوں کا بکرا خرید کر فاتحہ خوانی میں رنگینی پیدا کی گئی ہے وہ پیسے تو گئے ہاتھ سے لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ آخرت بھی مخمصہ میں پڑ جائے ۔

مرہونہ زمین کا سلسلہ

سوال ۹ :- از محمد سلیم صدیقی ۔ عطا گنج ۔ رائے بریلی

ایک سوال حاضر خدمت ہے ۔ جواب مرحمت فرمائیں ۔ ایک شخص اپنی ضرورت کے تحت کسی صاحب ثروت سے کچھ رقم لیتا ہے اور اس کے عوض وہ اپنی زمین رہن رکھ دیتا ہے ۔ مرتہن اس زمین سے اس وقت تک مستفید ہوتا ہے جب تک کہ مرتہن کو اپنی رقم واپس نہیں مل جاتی ۔ دوران انتفاع زمین پر پڑنے والا لگان اور آب پاشی کے اخراجات مرتہن ہی برداشت کرتا ہے ۔ کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے ۔ ؟

جواب ۹ :-

ایک سے زائد بار تجلی میں یہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ مرہونہ چیز سے فائدہ حاصل کرنا قطعی طور پر ناجائز ہے ۔ مرہونہ زمین سے منفعت حاصل کرنا اگرچہ کہ لگان اور مالگذاری وغیرہ مرتہن ہی کو ادا کرنی پڑتی ہو حرام ہے ۔ اس لیے کہ قرض دینے کے بعد قرضدار سے کسی بھی قسم کی افادیت حاصل کرنا سود کے دائرے میں آتا ہے ۔ اور سود کی قباحت سے انکار کرنے کی جرأت کس صاحب ایمان کو ہو سکتی ہے ؟

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر راہن اجازت دیدے تو پھر مرتہن کو مرہونہ چیز سے فائدہ حاصل کر لینے میں کوئی

مضائقہ نہیں۔ یہ تصوّر جہالت و نادانی کی پیداوار ہے۔ فریقین کی رضامندی سے کوئی معصیت نیکی میں تبدیل نہیں ہو سکتی۔ ایک زانی عذاب آخرت سے یہ کہہ کر نہیں چھوٹ سکتا کہ میں نے تو جو کچھ کیا تھا وہ فلانی کی اجازت و مرضی سے کیا تھا۔ زور زبردستی نہیں۔ لہٰذا میں قصوروار نہیں ہوں۔

سیدھی سی بات تو یہ ہے کہ سود کا مسئلہ ہو، زناکاری کا مسئلہ ہو یا مرہونہ شئی سے منفعت حاصل کرنے کی بات ہو ان تمام مسائل میں ہمیں صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ خدا اور رسول نے کی تعلیم کیا ہے۔ اگر خدا اور رسول نے ان چیزوں سے بچنے کی تاکید کی ہو تو پھر ایک دوسرے کو راضی و خوش کر کے بھی اس سلسلوں میں جو قدم اٹھایا جائے گا وہ منجملہ تقصیر ہی ہوگا منجملہ مباح نہیں۔

ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہ بات ذہن نشین کر لیجیے کہ [illegible] زمین میں کاشت کاری کرنا حرام ہے خواہ [illegible] کی اجازت بھی مرحمت فرما دی ہو اور خواہ زمین کے تمام اخراجات مرتہن برداشت کر رہا ہو۔

اس وضاحت کے بعد بھی اگر کچھ لوگوں میں [illegible] سے استفادہ حاصل کرنے کا جذبہ موجود ہو تو انھیں چاہیے کہ وہ اس عاصیانہ حرکت سے باز رہنے کی ہر ممکن کوشش کریں ہم نے مسئلہ کی وضاحت کر دی ہے، اور اس سے زیادہ ہم کر بھی کیا سکتے ہیں۔ ہم یہی تو کر سکتے ہیں کہ داڑھی [illegible] پر وضاحتی گفتگو کر کے یہ بات ثابت کر دیں کہ داڑھی [illegible] مسلمان کے لیے واجب و لازم ہے لیکن [illegible] مسلمانوں کو داڑھیاں عطا کر دینا ہمارے بس سے باہر ہے

رضاعی بہن اور رضاعی بھانجی کا مسئلہ

سوال:۔ از اقبال احمد [illegible] صاحب

آپ نے مارچ ۱۹۷۵ء صفحہ ۲۹ کالم ۲ پر فرمایا ہے کہ نسب جن رشتوں کو حرام کر دیتا ہے رضاعت بھی ان رشتوں کو حرام کر دیتی ہے۔

اور پھر صفحہ ۳۰ کالم ۲ پر آپ نے فرمایا ہے "جس طرح سگے پھوپھی بھتیجے کے مابین نکاح حرام ہے اسی طرح رضاعی پھوپھی بھتیجے کے مابین بھی نکاح حرام ہے"۔

اب اسی طرح کا ایک مسئلہ حل طلب ہے۔ زید اور بکر دو بھائی تھے۔ ان کے بچے ہوئے۔ محمد شفیع نے عالم شیرخوارگی میں بکر کی بیوی یعنی اپنی چاچی کا دودھ پیا۔ اسی طرح روبینہ نے بھی عالم شیرخوارگی میں محمد شفیع کی ماں کا دودھ پیا۔ اب آپ بتائیے کہ کیا محمد شفیع کے ماموں کا روبینہ سے [illegible] کا [illegible] سے نکاح جائز ہے یا نہیں۔

الجواب:۔

نکاح جائز نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ محمد شفیع نے روبینہ کی ماں کا دودھ پی لیا تو روبینہ محمد شفیع کی رضاعی بہن بن گئی اور رضاعی بہن سے نکاح حرام۔ اور جس طرح رضاعی بہن سے نکاح حرام ہے اسی طرح رضاعی بہن کی سگی بہن سے بھی نکاح حرام ہوگا۔

روبینہ کی شادی محمد شفیع کے ماموں سے بھی نہیں ہو سکتی اس لیے کہ روبینہ محمد شفیع کی رضاعی بہن ہے گویا کہ ایک اعتبار سے [illegible] محمد شفیع کے ماموں کی بھانجی ہوئی اور بھانجی سے ماموں کا نکاح درست نہیں ہوتا۔

کیوں کا مرض

سوال:۔ از محمد سلیم صدیقی۔ ڈومریا گنج بستی۔

سورج گہن اور چاند گہن اسلامی اور قرآنی نقطہ نظر سے کیوں [illegible]؟

جواب:۔

محترم یہ کیوں والی بیماری تو بڑی خطرناک ہوتی ہے اللہ اس سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے۔ جیسے یہ بیماری لگ جاتی ہے

اس کا ایمان تذبذب کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے اور اس طرح اس کے دل و دماغ پر ہر وقت اس طرح منڈلانا شروع کر دیتے ہیں جس طرح ساون کے مہینے میں آسمان پر بار بار گھٹائیں منڈلاتی ہیں۔

جیسے یہ مرض لاعلاج لگا ہے اس کا حال برا ہی ہوا۔ ہزاروں چیزوں کی حقیقت معلوم ہو جانے کے بعد بھی اس کے دل و دماغ مطمئن نہ ہو سکے وہ اور دوسری چیزوں کی کنہ معلوم کرنے کے چکر میں پریشان رہنے لگا۔ اطمینان حاصل ہوتا تو کیسے حاصل ہوتا۔

سورج گہن کا مسئلہ ہو یا چاند گہن کا۔ زلزلہ کی بات ہو یا آندھی اور طوفان کی ان تمام چیزوں کی اصل حقیقت و ماہیت سوائے خدا کے کسی کو نہیں معلوم۔ اور ہمیں معلوم کرنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ ہمارے لیے تو بس یہی علم و واقفیت کافی ہے کہ سورج گہن اور چاند گہن قدرت خداوندی کا عبرتناک کرشمہ ہیں۔ ایسے موقعوں پر ہمارے لیے کسی بچکانہ بحث میں الجھنے سے کہیں زیادہ بہتر یہ ہے کہ ہم نماز کسوف ادا کرنے میں منہمک ہو جائیں، جس کی تاکید سرور کونین آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے اور خود اس پر عمل کر کے اپنی امت کیلیے نمونہ چھوڑا ہے۔

بیوی کے نام سے قربانی

سوال[۱۲]:۔ (ایضاً)

کیا بیوی کے نام سے قربانی کرنا شوہر کو جائز نہیں ہے اور اگر جائز ہے تو کیا بیوی کو اس کا ثواب نہیں ملے گا؟

جواب[۱۲]:۔ بیوی کے نام سے قربانی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ بیوی کے نام سے قربانی کرنے پر بیوی کو تو ثواب ملے ہی گا شوہر بھی کسی نہ کسی درجہ میں اجر و جزا کا حقدار ہوگا۔ اس لیے کہ بیوی کے نام سے قربانی کرنا ایک طرح کا ایثار ہے اور ایثار بجائے خود ایک نیکی ہوتا ہے جس پر ثواب کا مترتب ہونا کوئی امر مستبعد نہیں۔

ثبوت نسب کا مسئلہ

سوال[۱۳]:۔ (ایضاً)

اگر کسی بیوی کا شوہر کسی ملک بیرون چلا جائے اور دو سال دس دن بعد آئے اور اپنی بیوی کے پاس ایک لڑکا پا دے اور اسے یہ پتا ہو کہ ابھی دو روز ہوئے یہ لڑکا پیدا ہوا ہے تو وہ لڑکا حرامی ہے یا حلالی۔ شرعی لحاظ سے اور زمانے کے لحاظ سے وضاحت کے ساتھ جواب دینے کی زحمت گوارا کریں۔ مین کرم ہوگا۔

جواب[۱۳]:۔

حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت ڈھائی برس ہے۔ اس مدت میں جو بچہ پیدا ہوگا وہ حلالی ہی تصور کیا جائے گا۔ خواہ شوہر خود بیوی کی طرف سے بدگمانی میں مبتلا ہو۔ اور اگر شوہر بچہ کے نسب کا منکر نہیں ہے تو پھر بچہ کو بہر حال حلالی ہی سمجھنا پڑے گا اگرچہ شوہر پانچ برس کے بعد سفر سے لوٹا ہو۔

دراصل شریعت اسلامی کا مزاج یہ ہے کہ وہ معاشرے میں مجرمین کا وجود برداشت کر لیتی ہے لیکن یہ برداشت نہیں کرتی کہ بے قصور لوگ خواہ مخواہ سزا کی لپیٹ میں آ جائیں۔ اسے یہ گوارہ ہے کہ ایک عورت زناکاری کے بعد بھی معاشرے میں سرخرو رہے، لیکن یہ ہرگز ہرگز گوارہ نہیں کہ سزا و تنبیہ کے سلسلہ میں جلد بازی کی بنا پر کوئی عفیف اور پاکدامن عورت الزامات کا شکار ہو کر بدنامی و رسوائی کے دوزخ میں جا گرے۔

اسے یہ گوارہ ہے کہ کوئی حرامی بچہ عزت نسب لے بھاگے لیکن یہ ہرگز ہرگز گوارہ نہیں کہ کسی حلالی انسان کو حرامی سمجھا جانے لگے اور ذلت و اہانت کے طوق ہمیشہ کے لیے اس کی گردن حیات میں پڑ کر رہ جائیں۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی قانون کسی فرد واحد کی گواہی پر زید و بکر کو بدکار تصور کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا خواہ وہ فرد واحد تقوی اور پرہیزگاری کی اعلیٰ چوٹی پر فائز کیوں نہ ہو۔ کسی کو زانی سارق اور شرابی، کبابی او کرانے کے لیے چند در چند (باقی ص۴۷)

بشکریہ آئین

سیرت کا پیغام

محترم وائس چانسلر صاحب اور صدر انجمن اتحاد طلبہ
مجھے آپ کے اس عظیم ادارے میں حاضر ہو کر دلی مسرت حاصل ہوئی ہے۔ اگرچہ میں اٹھائیس۲۸ سال سے لاہور میں مقیم ہوں۔ لیکن یہ پہلا موقع ہے کہ میں پنجاب یونیورسٹی کے طلبہ کے اس اجتماع سے خطاب کر رہا ہوں۔ میرے عزیز عبدالشکور صاحب نے میرے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے، ان کے بارے میں مجھے صرف یہی کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے میرے ان عزیزوں کے حسنِ ظن کے مطابق بنا دے اور میری ان ناچیز خدمات کو خود قبول فرمائے جواب تک میں اس کے دین کے لئے انجام دے سکا ہوں۔ کیونکہ اگر میں اس کے ہاں مقبول ہوں اور دنیا بھر میں نامقبول ہوں تو یہ اصل کامیابی ہے لیکن اگر ساری دنیا میں مقبول ہوں اسکے یہاں نامقبول تو سراسر ناکامی ہے

مجھے اس اجلاس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے پیغام پر کچھ عرض کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اس سلسلے میں اگر باضابطہ طریقے سے (SYSTEMATICALLY) گفتگو کی جائے۔ تو آدمی کو سب سے پہلے اس سوال سے سابقہ پیش آتا ہے کہ سیرت النبی کا پیغام کیوں، کسی اور کا پیغام کیوں نہیں؟ —— چنانچہ سب سے پہلے اختصار کے ساتھ میں اسی چیز کے بارے میں کچھ عرض کروں گا تاکہ ذہن اس معاملے میں پوری طرح مطمئن ہو جائیں کہ ہمیں صرف نبوت کے پیغام اور اس میں سے بھی صرف سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پیغام کی ضرورت ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ علم کا حقیقی سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کیونکہ اسی نے اس کائنات کو بنایا ہے اور اسی نے انسان کی تخلیق کی ہے۔ اس کے سوا کائنات کی حقیقتوں کا اور خود انسان کی فطرت اور حقیقت کا علم اور کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا، خود مخلوق کو اپنی حقیقت کا علم صرف خالق کے بتانے ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔

جن چیزوں کا تعلق عالمِ محسوسات سے ہے اور جو ہمارے مشاہدے اور تجربے میں آتی رہتی ہیں ان کے متعلق عالمِ بالا سے کوئی تعلیم آنے کی ضرورت نہیں۔ یہ انسان کے اپنے تجربات مشاہدات اور تحقیقات کا دائرہ ہے اس میں انسان خدا کی بخشی ہوئی صلاحیتوں سے کام لے کر اور اپنی معلومات کے مطابق تحقیقات کر کے دنیا میں ترقی کر سکتا ہے لیکن زندگی کی بنیادی اور آخری حقیقتوں ..... ULTIMATE-REALITIES- کا علم انسان کی دسترس سے باہر ہے۔ ان کا علم انسان کو خود اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔

بڑے بڑے فلسفی جو مابعد الطبیعی مسائل پر فلسفے اور نظریات پیش کرتے ہیں اور آخری حقیقتوں کی کنہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان سے بھی اگر دریافت کیا جائے تو وہ یہی کہتے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی براہِ راست ذریعۂ علم نہیں ہے بلکہ ہم تو غور و فکر سے کام لیتے ہیں، ذہنی کاوشیں کرتے ہیں۔ اور منطقی

طریقے سے استدلال کرکے زندگی کی آخری حقیقتوں تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے غور وفکر سے حاصل کردہ نتائج کے بارے میں حتمی طور پر دعویٰ نہیں کرسکتے کہ یہ قطعی اور آخری حقیقتیں ہیں - امر واقعہ یہ ہے کہ وہ خود بھی ان پر ایمان نہیں لاتے اور اُن کو یہ یقین نہیں ہوتا کہ فی الواقع انھوں نے ULTIMATE REALITIES کو پا لیا ہے۔

جیسا کہ میں عرض کرچکا ہوں حقیقی علم کا سرچشمہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، وہی حقائق کا عالم اور صرف اسی کے ذریعے سے انسان کو حقیقتوں کا علم حاصل ہو سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ علم دینے کے لئے کوئی کتاب چھاپ کر نازل نہیں فرمائی جس میں یہ درج کر دیا ہو کہ تمہاری اور اس کائنات کی یہ حقیقت ہے اور اس کائنات کے اندر زندگی بسر کرتے ہوئے تمہیں ان اصولوں کی پیروی کرنی چاہیئے بلکہ اس نے یہ علم انبیاء علیہم السلام کو عطا فرمایا اور ان کے ذمہ یہ کام لگایا کہ وہ یہ علم انسانوں تک پہنچائیں ـــ

یہ علم انسان کی ایک بنیادی ضرورت ہے - حقیقت یہ ہے کہ یہ سب سے بڑا بنیادی علم ہے جو انسان کو حاصل ہونا چاہیئے اور اس علم کے لئے وہ آغازِ آفرینش سے برابر تلاش و تحقیق کرتا آیا ہے - انسان تک یہی علم ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ کے نبی پہنچاتے رہے ہیں جن کی تعداد حدیث شریف میں ایک لاکھ چوبیس ہزار بیان کی گئی ہے اور قرآن مجید میں بھی ارشاد ہوا ہے کہ وَ لِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ ط یعنی ہر قوم میں ہدایت دینے والے بھیجے گئے ہیں -

لیکن یہ ایک واقعہ ہے کہ جن انبیاء علیہم السلام کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے - ان میں سے کسی کی تعلیم آج پوری طرح محفوظ نہیں ہے اور نہ ان کی سیرت و سوانح ہی کسی قابلِ اعتماد اور معتبر ذریعے سے ہم تک پہنچی ہیں جن سے ہم یہ جان سکیں کہ فی الواقع وہ کیا ہدایت لے کر آئے تھے اور ان کی تعلیمات اور سیرت و کردار کا عملی نمونہ کیا تھا جس کی ہم پیروی کریں - اگر کوئی شخص ان سارے انبیاء علیہم السلام کی سیرت لکھنا چاہے تو وہ گنتی کے صفحات میں اسے لکھ سکتا ہے کیونکہ

ان کے بارے میں زیادہ معلومات ہی موجود نہیں ہیں علاوہ بریں قرآن مجید کے بیان کو چھوڑ کر دنیا میں کوئی ایسا ذریعہ معلومات نہیں ہے - جس کو بطور سند پیش کیا جاسکے کہ اس ذریعے سے ہم تک ان کے حالات اور تعلیمات پہنچی ہیں ـــ کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد انبیاء کی تعلیمات بائبل میں موجود ہیں لیکن خود بائبل سے اور تاریخ بنی اسرائیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بائبل جو عبرانی زبان میں تھی - اور جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء سے بنی اسرائیل کو پہنچی تھی وہ چھٹی صدی قبل مسیح میں ناپید ہو چکی تھی - جب بابل والوں نے یروشلم پر حملہ کرکے اُسے تباہ و برباد کیا اور یہودیوں کی عبادت گاہ (ہیکل سلیمانی) کو بھی مسمار کر دیا تو وہاں کوئی چیز باقی نہ رہی اس کے کہیں تین چار سو برس کے بعد پھر علمائے بنی اسرائیل نے بنی اسرائیل کی تاریخ مرتب کی جس میں وہ تعلیمات بھی درج کیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بعد کے انبیاء کو بذریعہ وحی ملی تھیں - لیکن آج عبرانی زبان میں تورات اور وہ کتبِ سابقین بھی جو بعد میں مرتب ہوئیں دنیا سے ناپید ہیں - صرف ان کے یونانی تراجم بعد والوں کو پہنچے ہیں اور پھر ان سے مزید تراجم ہو کر دنیا کے اندر پھیلے ہیں - کچھ نہیں معلوم کہ ان کتابوں کو مرتب کرنے والے کون لوگ تھے اور انھوں نے کس زمانے میں یہ کتب مرتب کیں - کچھ نہیں معلوم کہ بعد کی نسلوں تک کس سند اور کن واسطوں سے یہ چیزیں پہنچیں - بالفاظ دیگر ان میں سے کوئی چیز مصدّقہ اور معتبر نہیں ہے اس بات سے میرا مقصد کسی کے جذبات کو ٹھیس پہنچانا نہیں ہے بلکہ صرف ایک واقعہ کا اظہار کرنا ہے جو علمی اعتبار سے ناقابلِ تردید ہے -

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کو لیجیے - ان کی زندگی میں ان پر جو کچھ الہام ہوا اور ان کو بذریعہ وحی جو علم عطا کیا گیا اس میں سے کوئی چیز انھوں نے اپنی زندگی میں کسی کو نہیں لکھوائی یہاں تک کہ ان کے پیروؤں نے اس کو زبانی یاد بھی نہیں کیا - آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے کافی مدّت بعد کچھ لوگوں نے

اپنے طور پر ان کے حالات زندگی (BIOGRAPHY) لکھنے
شروع کئے۔ یہ سب لوگ یونانی بولنے والے تھے حالانکہ حضرت
عیسی علیہ السلام اور ان کے پیروؤں کی زبان "آرامی" .....
(ARAMAIC) تھی۔ ان یونانی مصنفین کو "آرامی" بولنے
والوں سے جو روایات حاصل ہوئیں - ان کو انھوں نے حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کے حالات اور اقوال کن ذرائع سے
حاصل ہوئے اور ان کی سند کیا ہے —— پھر خود یہ بات
بھی معلوم نہیں کہ یہ کتابیں لکھنے والے کون تھے اور ان کا
زمانہ حیات کون سا ہے؟ —— اس کے علاوہ یہ
بھی ایک واقعہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ان سوانح
عمریوں کی تعداد ستر کے لگ بھگ ہے لیکن عیسائی کلیسا
نے ان میں سے صرف چار کو قبول کیا اور باقی کو رد کر دیا
مگر آج تک یہ نہیں بتایا گیا کہ اس رد و قبول کی بنیاد کیا
تھی؟ — پھر اس وقت جو چار انجیلیں موجود ہیں ان پر صاف
لکھا ہے کہ یہ متی کی انجیل ہے۔ یہ مرقس کی انجیل ہے۔ یہ لوقا
کی انجیل ہے اور یہ یوحنا کی انجیل ہے۔ یعنی ان میں سے
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل کوئی نہیں ہے۔

اسی طرح آپ دنیا کے دوسرے پیشوایان مذاہب کو دیکھ
لیجئے۔ ان میں سے بھی کسی کے حالات اور تعلیمات ہم تک محفوظ
اور مفصل طریقے سے نہیں پہنچے۔ مثلاً سب سے قدیم زرتشت
ہے۔ اس کی کتاب زند واوستا دنیا سے ناپید ہے۔ بلکہ زیادہ
صحیح بات یہ ہے کہ اصل زبان میں یہ کتاب کبھی پائی نہیں
گئی۔ اس کا جو ترجمہ پاژند کی شکل میں تفسیر کے ساتھ
کیا گیا تھا۔ اس کے بھی چند منتشر اجزاء ہی آج پائے جاتے
ہیں۔ اور یہ جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ کہ اس کتاب
کے یہ منتشر اجزاء بھی کن ذرائع سے بعد کے لوگوں کو پہنچے
ہیں۔ پھر ان سے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ زرتشت کی تعلیمات
کیا تھیں۔ اس کے حالات زندگی کیا تھے۔

کچھ ایسا ہی معاملہ اس سے بھی زیادہ مشہور شخصیت بودھ
کا ہے۔ بودھ نے سرے سے اپنے پیچھے کوئی کتاب ہی نہیں
چھوڑی، بلکہ دراصل کوئی کتاب دنیا کے سامنے پیش ہی نہیں
کی۔ اس کے پیروؤں نے اس کی وفات کے کئی سو سال بعد
اس کے حالات اور اقوال و تعلیمات کو جمع کرنا شروع کیا
اور صدیوں تک اس جمع و ترتیب کا سلسلہ چلتا رہا۔ پھر
بودھ مذہب جو اصل کتابیں آج تسلیم کی جاتی ہیں۔ ان
میں سے کسی کے اندر اس بات کی کوئی سند درج نہیں
ہے کہ ان کتابوں کے مرتبین کو بودھ کی تعلیمات اور
احوال و اقوال کن ذرائع سے حاصل ہوئے تھے تاکہ اندازہ
ہو سکے کہ ان کتابوں میں بودھ کی حقیقی تعلیمات کس حد تک
صحت کے ساتھ ہم تک منتقل کی گئی ہیں۔

اسی پر دیگر پیشوایان مذاہب کے حالات و تعلیمات
کے بارے میں بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اگر ہم علم
حقیقت اور ہدایت و رہنمائی کی تلاش میں انبیاء علیہم السلام
کی زندگیوں کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ہمارے لئے اس کے
سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم کسی ایسے نبی کی طرف رجوع کریں
جس نے کوئی مستند و معتبر اور قابل اعتماد کتاب اپنے پیچھے چھوڑی
ہو۔ ایسی کتاب جس میں کسی قسم کی تحریف یا آمیزش نہ کی گئی
ہو۔ مزید برآں یہ کہ اس نبی کے مفصل اور معتبر حالات بھی ہم
تک پہنچے ہوں تاکہ ہم ان سے رہنمائی حاصل کر سکیں کیونکہ
جس چیز کے بارے میں ہمیں اعتماد حاصل نہ ہو کہ وہ ہمیں معتبر
ذرائع سے ملی ہے۔ اس کی طرف رہنمائی کے لئے کیسے رجوع
کیا جا سکتا ہے۔

اس نقطۂ نظر سے دیکھئے تو صرف نبی آخر الزماں حضرت
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہی وہ شخصیت ہے جس
کی طرف ہم پورے اطمینان و اعتماد اور شرح صدر کے ساتھ
رہنمائی کے لئے رجوع کر سکتے ہیں حضورؐ نے قرآن مجید کو
اس حیثیت سے ہمارے سامنے پیش کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام
ہے۔ جو آپؐ پر نازل ہوا ہے۔ اس کلام کو تمام چیزوں کی
آمیزش سے پاک رکھا گیا خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی
قول اس کتاب میں شامل نہیں ہے۔ جس قوم میں آپ مبعوث ہوئے
اس کی کوئی تاریخ اس میں پیش نہیں کی گئی ہے۔ اس کتاب
کے نزول کے زمانے میں حضورؐ کو جن حالات سے سابقہ

پیش آرہا تھا۔ ان کا کوئی تفصیلی تذکرہ اس کتاب میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔ چنانچہ بعض آیات اور سورتوں کی شانِ نزول اور پس منظر معلوم کرنے کے لئے دوسرے ذرائع سے تحقیق وجستجو کرنی پڑتی ہے۔ اس طرح اس کتاب میں کلام الٰہی کو بالکل خالص شکل میں جمع اور محفوظ کیا گیا۔ یہ اس کتاب کی پہلی خصوصیت ہے جو اس کو تمام دوسری مذہبی کتب سے ممتاز کرتی ہے۔

قرآن مجید کی دوسری عظیم خصوصیت یہ ہے کہ اس کے آغاز نزول سے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لکھوانا شروع کر دیا تھا۔ جب آپ پر وحی آتی تھی آپ ؐ اسی وقت کسی کاتبِ وحی کو بلاتے تھے اور اس کو املا..... (DICTATE) کرا دیتے تھے۔ لکھنے کے بعد وہ آپ کو پڑھ کر سناتا تھا۔ جب آپ اطمینان کر لیتے تب اسکو محفوظ کر لیتے تھے۔ پھر جو چیزیں آپ لکھواتے تھے۔ ان کے بارے میں ہدایت فرمادیتے کہ اس سورت کے اندر یا فلاں آیت کے بعد رکھو۔ اس طرح آپ اس کو ترتیب بھی دیتے جاتے تھے اور یہ کام آپ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق سرانجام دیتے تھے۔ علاوہ بریں نماز کے متعلق یہ حکم دیا کہ نمازوں میں قرآن مجید لازماً پڑھا جائے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی پر یہ لازم ہوگیا کہ وہ قرآن مجید کا کوئی نہ کوئی حصہ ضرور یاد کریں اس طرح قرآن مجید حافظے میں بھی محفوظ ہوتا گیا۔ پھر جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کی تعلیم پائی تھی۔ ان میں سے بعض نے اسے اپنے طور پر لکھنا بھی شروع کر دیا۔ اس طرح ایک طرف تو کاتبینِ وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و نگرانی میں اس کو لکھ کر محفوظ کر رہے تھے اور دوسری طرف بعض پڑھے لکھے صحابہ رضی اپنے طور پر اس کو لکھتے جا رہے تھے۔ گویا اوّل روز سے کتابت اور حافظہ، دونوں ذریعوں سے قرآن مجید کو محفوظ کرنے کا اہتمام کیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے پہلے قرآن مجید کے نزول کی تکمیل پر اس کو مکمل طور پر لکھ بھی لیا گیا تھا۔ اور حافظہ میں بھی وہ محفوظ ہو چکا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں سرکاری طور پر اسی قرآن کریم کی مستند جلدیں تیار کرا کر دنیائے اسلام کے مراکز میں بھیجی گئیں۔ اس وقت کے نسخوں میں سے دو آج بھی موجود ہیں اور ان کے متعلق یہ پورا اطمینان ہے کہ یہ حضرت عثمان رضی ہی کے اپنے اہتمام میں لکھوائے ہوئے نسخے ہیں۔ ایک نسخہ تاشقند میں ہے۔ اور ایک استنبول میں۔

اسی طرح یہ بھی ایک حیرت انگیز واقعہ ہے کہ جرمنی کی میونخ یونیورسٹی میں ایک انسٹی ٹیوٹ اس غرض کے لئے قائم کیا گیا کہ وہ قرآن کے بارے میں تحقیق کرے۔ چنانچہ دنیائے اسلام کے مختلف حصوں سے مختلف زمانوں کے لکھے ہوئے قرآن مجید کے بیالیس ہزار قلمی نسخے اس انسٹی ٹیوٹ میں جمع کئے گئے پچاس سال تک ان پر تحقیقی کام کیا گیا۔ ان ساری تحقیقات کی آخری رپورٹ یہ تھی کہ ان ہزاروں نسخوں کے متن میں کہیں کوئی اختلاف اور تغیر نہیں پایا گیا جبکہ یہ ہزاروں نسخے پہلی صدی ہجری سے لے کر موجودہ زمانے تک سے تعلق رکھتے تھے یہ سب کے سب نسخے بالکل یکساں پائے گئے ان میں کسی قسم کا ردوبدل نہیں ہوا تھا۔ سوائے اس کے کہ کہیں کوئی کتابت کی غلطی پائی گئی ہو۔ افسوس ہے دوسری جنگ عظیم میں جرمنی پر بمباری کے دوران میں وہ انسٹی ٹیوٹ تباہ ہوگیا لیکن اس کی مرتب کردہ رپورٹ۔ جس میں اس کے نتائج تحقیق پیش کئے گئے تھے۔ دنیا سے ناپید نہیں ہوئی ہے۔

چنانچہ یہ بات مسلمانوں ہی کے اندر نہیں بلکہ کفار میں بھی مسلم ہے کہ قرآن مجید جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پیش کیا تھا، آج بھی جوں کا توں بغیر کسی ادنیٰ تغیر کے اپنی حقیقی ترتیب کے ساتھ موجود ہے۔ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی پیش کردہ الہامی اور مذہبی کتب میں سے صرف قرآن مجید ہی وہ واحد کتاب ہے جو آج تک اپنی صحیح شکل میں محفوظ ہے۔ دنیا کی کسی زبان اور کسی کتاب میں اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی اصل ہدایت موجود نہیں ہے۔ اس لئے قرآن مجید ہی وہ واحد ذریعۂ ہدایت ہے جس کی طرف انسان پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ رجوع کر سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش کردہ کتاب کے بعد اب آپ حضورؐ کی سیرت کو دیکھئے۔ آغاز نبوت سے لیکر آپ کی زندگی کی آخری ساعت تک ان گنت لوگوں نے آپ کو دیکھا آپ کے حالات زندگی کا مشاہدہ کیا۔ آپ کے اقوال اور آپ کی تقریریں اور خطبے سُنے۔ آپ کو کسی چیز کا حکم دیتے سنا اور کسی چیز سے منع کرتے دیکھا۔ ان میں سے ایک عظیم تعداد نے، جن کی تعداد بعض محققین کے نزدیک ایک لاکھ تک پہنچی ہے۔ حضورؐ کے حالاتِ زندگی اور تعلیمات کو بعد کی نسلوں تک منتقل کیا ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں بعض احکام لکھوا کر باہر کے مقامات میں بھجوائے تھے جو بعد میں آنے والوں کو تحریری شکل میں ملے۔ حضورؐ کی زندگی میں کم سے کم چھ اصحاب ایسے تھے جنھوں نے آپ کے حالات اور ارشادات قلمبند کر لئے تھے۔ اور حضورؐ کو سنا کر ان کی صحت کا اطمینان بھی کر لیا تھا یہ چیزیں بھی بعد کے لوگوں کو ملیں ـــــ حضورؐ کی وفات کے بعد کم از کم پچاس صحابہؓ ایسے ہیں جنھوں نے آپ کے حالاتِ زندگی اور اقوال وارشادات جمع کئے تھے اور وہ بعد کے لوگوں تک پہنچے۔ یہ ایسے لوگوں کی شہادت تھی جنھوں نے تمام حالات کا خود مشاہدہ کیا تھا۔ پھر جن لوگوں نے زبانی اس علم کو بعد کی نسلوں تک منتقل کیا ان کی تعداد جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا کم وبیش ایک لاکھ تک پہنچی تھی اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری حج یعنی حجۃ الوداع کے موقعہ پر حج میں شامل ہونے والے لوگوں کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی۔ اتنی کثیر تعداد میں آدمیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس موقع پر دیکھا۔ آپؐ کے ایک ایک فعل کا، جو آپ نے حج میں ادا کیا، بچشم خود مشاہدہ کیا۔ آپ کے وہ خطبات سُنے جو آپ نے اس موقع پر ارشاد فرمائے۔ یہ ساری چیزیں ان لوگوں تک پہنچیں اور پھر انھوں نے اپنے بعد میں آنے والوں تک پہنچائیں۔ پھر آگے چل کر ان روایات کو بڑی حزم واحتیاط، تحقیق وجستجو اور محنت وجانفشانی کے ساتھ یکجا کیا گیا اور اس میں یہ اصول اختیار کیا گیا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے کوئی بات کہتا تھا کہ حضورؐ نے ایسا کیا، یا ایسا فرمایا، تو اسے یہ بتانا پڑتا تھا کہ اس نے وہ بات کس سے سُنی تھی اور اس کو بتانے والے نے کس سے سُنی تھی۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صحیح طور پر منسوب کی جارہی ہے یا نہیں۔ اگر تمام کڑیاں متصل پائی جاتیں تو وہ روایت قابلِ اعتماد قرار پاتی ورنہ اسے رد کر دیا جاتا روایت کی صحت کو جانچنے اور پرکھنے کے لئے بعض دوسرے طریقے بھی اختیار کئے گئے۔

مثلاً کسی راوی کی روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہونے کے باوجود یہ دیکھا جاتا کہ جن راویوں کے واسطے سے وہ روایت پہنچ رہی ہے۔ ان کے حالات کیا تھے۔ اپنی سیرت، اخلاق اور اخذ وحافظہ کے اعتبار سے وہ لوگ کس درجہ قابلِ اعتماد تھے۔ پھر یہ کہ جن راویوں کے واسطے سے وہ روایت پہنچ رہی ہے کیا فی الواقع وہ راوی آپس میں ملے بھی یا نہیں۔ یا ان کا ملنا قرینِ قیاس ہے یا نہیں اس طرح خود ان راویوں کے حالاتِ زندگی پر کتابیں لکھی گئیں اور بڑے وسیع پیمانے پر ان کے متعلق تفصیلی معلومات جمع کر دی گئیں۔ جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ رسولِ خدا کی طرف منسوب کرکے جو شخص کوئی بات کہہ رہا ہے وہ خود کس حد تک قابلِ اعتماد ہے۔ اس طریقے سے فراہم شدہ معلومات کی روشنی میں ہم آج بھی ایک ایک حدیث کے بارے میں یہ تحقیق کر سکتے ہیں کہ آیا وہ اپنی صحت کے اعتبار سے کس مرتبے کی ہے ـــــ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ زندگی اور آپ کی تعلیمات ہم تک اس درجہ معتبر اور قابلِ اعتماد طریقے سے پہنچی ہیں۔

علاوہ بریں یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ جس قدر تفصیل اور جامعیت کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات محفوظ کئے گئے ہیں۔ انسانی تاریخ میں اس کی کوئی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ قریب ترین زمانے میں جبکہ تحریر و

طباعت اور دوسرے ذرائع سے لوگوں کے حالات محفوظ
کرنے کی بہت زیادہ سہولتیں انسان کو حاصل ہو چکی ہیں
کسی بڑی سے بڑی شخصیت کے حالاتِ زندگی کے بارے
میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ پوری تفصیل کے ساتھ جمع
ہوئے ہیں لیکن یہ صرف نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی
اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا اعجاز ہے کہ ان کی زندگی کا
ایک ایک مرحلہ اور ایک ایک پہلو پوری تفصیل اور جامعیت
کے ساتھ تحریری طور پر محفوظ کیا گیا۔ اور اس زمانے
میں کیا گیا جب کہ تحریر و طباعت کی سہولتیں آج کے
مقابلے میں تقریباً نہ ہونے کے برابر تھیں۔

جس تفصیل کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ
زندگی ہم تک پہنچے ہیں۔ ان کو بھی ایک نظر دیکھئے۔ آپ
کی کتب سیرت میں جہاں ایک طرف آپ کی نبوت کے
بعد کی زندگی کے حالات پوری تفصیل کے محفوظ ہیں۔
وہاں آپ کی ابتدائی زندگی کے حالات بھی خاصی جامعیت
کے ساتھ ملتے ہیں۔ قبل نبوت اور بعد نبوت کی زندگی کے
تمام مراحل کی تفصیل محفوظ ہے ان حالات کا مطالعہ کرتے
ہوئے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آپ تجارت کرتے تھے۔ تو کس طرح
کرتے تھے۔ گھر میں رہتے تھے تو کس طرح رہتے تھے۔ اور اپنی
ازواجِ مطہرات اور بچوں کے ساتھ آپ کا برتاؤ کیا تھا۔
اپنے محلے والوں کے ساتھ آپ کا سلوک کیسا تھا۔ لوگوں
سے عام لین دین اور معاملت کیسی تھی۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے
کہ آپ نے لوگوں کو کن عقائد اور کن اعمال واخلاق کی
تعلیم دی۔ کس چیز کو ہوتے دیکھا اور اس سے منع فرمایا اور
کس چیز کو ہوتے دیکھا اور اس سے منع نہیں فرمایا ـــــ
آپ لڑائیوں میں تشریف لے گئے تو وہاں آپ کا اخلاق
وکردار کیا رہا اور دشمن کے ساتھ اور جنگی قیدیوں کے ساتھ
آپ کا سلوک کیا تھا۔ حاکم کی حیثیت سے بھی آپ کی
حکومت کے تمام حالات تفصیل کے ساتھ پائے جاتے ہیں
قاضی کی حیثیت سے آپ کے فیصلے اور مقدمات کے نظائر بھی
کتابوں میں درج ہیں۔ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی
خاص مقدمہ کیا تھا، اس کے لئے کیا شہادتیں پیش ہوئیں
اور آپ نے کیا فیصلہ فرمایا۔ مزید برآں یہ بھی کہ مقدمہ کا
طریق کار کیا تھا ـــــ روزمرہ کی زندگی کا عالم یہ
تھا کہ آپ بازار میں نکلتے تھے تو دیکھتے تھے کہ لوگ خرید و
فروخت کے معاملات کس طرح انجام دیتے ہیں۔ اگر کوئی
کام غلط ہوتے دیکھتے تو اس سے منع فرماتے اور جو کام
صحیح ہوتا اس کی توثیق فرماتے۔ غرض یہ کہ زندگی کا
کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کے متعلق آپ نے تفصیل
ہدایات نہ دی ہوں اور وہ پوری طرح محفوظ نہ ہوں۔

اس طرح ہم ایک ایسے انسان کی زندگی کا مطالعہ کرتے
ہیں جس نے ہمیں زندگی کے ہر معاملے اور ہر شعبے کے بار
میں رہنمائی دی ہے ـــــ اس بنا پر ہم یہ کہتے ہیں کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا دنیا کی کوئی ہستی ایسی نہیں
ہے جس کی طرف ہم ہدایت کیلئے رجوع کریں اور جس ک
پیغام ہم تلاش کریں۔ کیونکہ صرف وہی ایک ہستی ہے جس
کی پیش کردہ کتاب ہدایت قرآن مجید کا ایک اور امتیا
بڑی اہمیت رکھتا ہے ـــــ چودہ سو برس پہلے قرآن
جس زبان میں نازل ہوا تھا، عربی زبان آج بھی اس
مقام پر ہے۔ ان چودہ صدیوں میں نہ اس کی گرامر بدلی
نہ اس کے الفاظ ومحاورات بدلے اور نہ اس کے دوسرے
اسالیب میں کوئی تغیر واقع ہوا۔ دنیا کی تاریخ میں
پہلی اور واحد مثال ہے کہ چودہ سو برس گزر جانے
باوجود کسی زبان میں کوئی اہم تغیر واقع نہ ہوا ہو۔ یہ قرآن
کی مضبوط گرفت ہے کہ اس نے عربی زبان کو باندھ کر رکھ
ہے۔ چنانچہ آج بھی جو شخص عربی جانتا ہے وہ اسی آسا
سے قرآن مجید کو سمجھ سکتا ہے۔ جس آسانی سے رسو
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگ اس کو سمجھتے
قرآن کی زبان اتنا طویل عرصہ گذر جانے کے باوجود اسی
زندہ اور توانا ہے جس طرح وہ چودہ سو سال پہلے تھی۔
اس سے میں آپ کو اس امر کا اطمینان دلانا چاہتا ہوں
ہم جس ذریعۂ ہدایت سے ہدایت حاصل کرنا چاہتے ہیں

وہ انتہائی قابل اعتماد ہے صرف یہی نہیں کہ اس کتاب کے اندر کوئی تغیر واقع نہیں ہوا بلکہ اس کا اعجاز یہ بھی ہے کہ اس نے اس زبان کو بھی اپنا پابند کر لیا ہے، جس میں کہ وہ نازل ہوئی ہے، کہ اس کے اندر بھی کسی قسم کا انقلاب نہیں آسکا۔

حضرات ـــــ اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں کیا ہدایت ملی ہے اور آپ کا کیا پیغام ہم تک پہنچا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا مطالعہ کرتے ہوئے ہمیں اولین چیز یہ نظر آتی ہے کہ حضورؐ کا خطاب صرف انسان سے ہے اور آپ کے پیغام میں۔ قوم، وطن، نسل، رنگ یا زبان کسی چیز سے بحث نہیں کی گئی ہے آپ انسان کو بحیثیت انسان کے مخاطب کرتے ہیں۔ اور اسے یہ بتاتے ہیں کہ وہ کیا اصول ہیں جن کی پیروی کرنا اس کے لئے دنیا میں خیر و فلاح اور آخرت میں نجات کا ذریعہ ہے۔ ان اصولوں پر جو بھی ایمان لے آئے حضورؐ اسے ایک امت بنا دیتے ہیں۔ اس عالمگیر امت میں ہر انسان شامل ہو سکتا ہے خواہ اس کا تعلق کسی رنگ نسل، زبان اور قوم سے ہو اور خواہ وہ دنیا کے کسی خطے کا رہنے والا ہو۔ ان اصولوں کو تسلیم کر لینے کے بعد سب ایک ہی امت ہیں۔ اس امت میں شامل ہونے والے کسی غیر عرب کے ہو سکتے ہیں یا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے خاندان کے ہیں کسی کے لئے کوئی امتیاز نہیں ـــــ غور فرمایئے کہ فلاح انسانیت کے لئے یہ تعلیم کس قدر اہمیت رکھتی ہے۔ انسان کو انہی امتیازات نے تباہ کیا ہے جو انسان نے انسان اور انسان کے درمیان قائم کئے ہیں۔ کہیں انسان کو نجس قرار دے کر اچھوت بنا دیا گیا ہے۔ اور اس کو ان حقوق سے محروم کر دیا گیا ہے جو اعلیٰ خاندان کے برہمنوں کے لئے مخصوص ہیں۔ کہیں کچھ انسانوں کو اس لئے فنا کر دینے کے قابل سمجھ لیا گیا تھے کہ وہ امریکہ میں ایسی حالت میں پیدا ہوئے کہ جس زمین میں وہ پہلے سے رہتے تھے، اس کی کچھ دوسرے لوگوں کو ضرورت تھی۔ ریڈ انڈینز کے ساتھ امریکیوں نے جو معاملہ کیا وہ سب کے سامنے ہے دس کروڑ کالے افراد افریقہ سے پکڑ پکڑ کر امریکہ اور ویسٹ انڈیز لائے گئے اور اس حال میں لائے گئے کہ ان میں سے بمشکل ڈھائی تین کروڑ زندہ بچے، باقی سب راستے میں تباہ ہو گئے۔ اس وقت ان کے ساتھ جو غلاموں کا سا سلوک کیا گیا وہ تو کیا گیا لیکن آج بھی آپ جا کر دیکھ سکتے ہیں کہ اس مہذب دور میں ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے۔ اُن کے حقوق کس طرح غصب کئے گئے ہیں اور اُن کے ساتھ شدید لونی اور نسلی تعصب کی بنا پر کیا کچھ ظلم وستم روا نہیں رکھا جا رہا ـــــ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نوع انسانی کے لئے قوم، وطن رنگ اور نسل کے اختلافات کتنی بڑی مصیبت کا ذریعہ بنے رہے ہیں اور انھوں نے انسانوں کو کتنی ناانصافیوں اور مصیبتوں سے دوچار کیا۔ انہی اختلافات اور امتیازات کی بنا پر لڑائیاں ہوتی رہی ہیں۔ ایک ملک دوسرے ملک پر چڑھ دوڑا ہے۔ انہی کی بنیاد پر پوری پوری نسلیں اور قومیں تباہ کر دی گئیں ـــــ لیکن اللہ تعالیٰ کے آخری رسولؐ نے ان تمام غیر حقیقی امتیازات کو ایک قلم ختم کر دیا اور ان کا ایسا علاج کیا کہ دشمنان اسلام بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ رنگ و نسل، وطن اور قوم کے امتیازات کو جس کامیابی کے ساتھ اسلام نے حل کیا ہے۔ ایسی کامیابی اور کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔

میلکم ایکس، جو امریکہ کے ایک مشہور نیگرو لیڈر تھے اور شدید لونی اور نسلی تعصب میں مبتلا تھے۔ جب حج کے لئے گئے اور وہاں انھوں نے دیکھا کہ دنیا بھر سے ہر رنگ، ہر نسل اور ہر قوم کے لوگ ایک ہی لباس احرام میں چلے آرہے ہیں ان کے درمیان کوئی فرق وامتیاز نہیں ہے اور سب کا ایک دوسرے کے ساتھ برادرانہ سلوک ہے، تو وہ بے اختیار پکار اٹھے کہ رنگ اور نسل کے مسئلے کو جس طرح اسلام نے حل کر دیا ہے اس طرح کسی اور مذہب یا نظریئے نے حل نہیں کیا۔

ان تعصبات علاج اسلام کے سوا کسی اور پاس نہیں ہے۔ ان کے یہ تاثرات ان کی خود نوشت سوانح عمری میں شائع شدہ موجود ہیں۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو جو پیغام دیا ہے وہ کسی قوم یا نسل یا قبیلے کے مفاد کیلئے نہیں ہے۔ بلکہ وہ تمام بنی نوع انسان کے مفاد کیلئے ہے ـــــ وہ کسی ایک زمانے کے ساتھ بھی مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ وہ ہر زمانے کیلئے ہے اور تمام انسانوں کیلئے ہے اس میں کوئی ایسی علامت نہیں پائی جاتی جس کی وجہ سے اسے کسی ایک عہد، کسی ایک علاقے یا کسی ایک نسل یا قوم کے لئے مخصوص تصور کیا جا سکے ـــــ اسی وحدتِ انسانی کی بنیاد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام میں سب سے پہلی بات جس کی طرف انسان کو دعوت دی گئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اور اس کی وحدانیت کو تسلیم کرو۔ اس معنیٰ میں نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اور اس کی وحدانیت کو تسلیم کرو اس معنی میں نہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے بلکہ اس معنی میں کہ اس کائنات کا خالق، مالک مدبر، حاکم اور فرمانروا صرف اللہ تعالیٰ ہے اس ساری کائنات میں دوسری کوئی ہستی ایسی نہیں ہے جس کے پاس حاکمیت یا اقتدار ہو اور جسے انسانوں پر اقتدار اعلیٰ (SOVEREIGNITY) حاصل ہو جسے حکم دینے اور منع کرنے کا حق ہو۔ جس کے حرام کرنے سے کوئی چیز حرام اور حلال کرنے سے کوئی چیز حلال ہو۔ ان میں سے کوئی حق کسی کو حاصل نہیں ہے کیونکہ جو خالق اور مالک ہے یہ مقام اس کا ہے کہ اپنی مخلوق کے لئے احکام جاری کرے ـــــ اللہ تعالیٰ کو اس حیثیت سے ایک مانو کہ ہمارا مرنا اور جینا اس کے ہاتھ میں ہے۔ ہماری تقدیر اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ جس وقت چاہے ہمیں موت دے سکتا ہے اور جس وقت تک چاہے زندہ رکھ سکتا ہے۔ اگر اس کی طرف سے موت آئے تو دنیا کی کوئی طاقت بچا لینے والی نہیں ہے اور اگر وہ زندگی عطا کرے تو دنیا کی کوئی طاقت ہلاک کرنے والی نہیں ہے ـــــ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا یہ تصور انسان کو دینے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی آدم کو یہ بات سمجھائی کہ تمہارا کام صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا ہے۔ اس کے سوا کسی کی اطاعت تمہارے لئے روا نہیں، وہی تمہارا خالق، مالک اور حاکم ہے اور تم صرف اُسی کے بندے ہو۔ یہ ساری کائنات اسی کی اطاعت کر رہی ہے اور تمہیں بھی اسی کی اطاعت کرنی چاہئے۔ جب ساری کائنات خدا کے حکم کے مطابق چل رہی ہو اور تم خدا کی اطاعت سے نکل کر کسی دوسرے کے حکم کی اطاعت کرنے لگو یا خود اپنی مرضی سے خود مختار بن جاؤ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری زندگی کائنات کی زندگی کے ساتھ ایک مستقل تصادم کو ختم کرنے کی واحد صورت یہ ہے کہ تمہاری زندگی کا قانون اور ضابطہ وہی ہو جو ساری کائنات کا ہے جس طرح کوئی بیل کسی بیل کا مالک نہیں ہے۔ اسی طرح کوئی انسان بھی کسی انسان کا مالک نہیں ہے۔ سارے انسان صرف اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ اور ان کو صرف اسی کے قانون کی پابندی کرنی چاہئے۔

دوسری بات جس کا اثبات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول اور عمل سے فرمایا وہ یہ ہے کہ جو قانون اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے واسطے سے بنی نوع انسان کو عطا فرمایا ہے، حضورؐ خود بھی اس قانون کے پابند ہیں۔ اور اس کے اندر خود اپنی مرضی سے ترمیم نہیں کر سکتے۔ آپ نے فرمایا کہ میں بھی اس قانون کی اسی طرح پیروی کرنے پر مامور ہوں، جس طرح باقی انسان ہیں میں بھی اس کی پابندی کروں گا۔ اور تم بھی اس کی پابندی کرو۔ چنانچہ تمام انسانوں پر یہ لازم کیا گیا کہ وہ اسی قانونِ الٰہی کی پیروی کریں جو کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی شکل میں ان کو دیا گیا ہے۔ اور اس کے سوا باقی تمام قوانین کو رد کر دیں ـــــ اس طرح اسلام انسان کو باقی تمام غلامیوں سے نکال کر صرف خدائے واحد کی غلامی میں دیتا ہے اور دراصل اس کو حقیقی آزادی کا پروانہ عطا کرتا ہے یہ اس خدائے واحد کی بندگی کی طرف دعوت ہے جس کے ہم فی الواقع بندے پیدا ہوئے ہیں جس کی ہم پیدائشی رعیت ہونے سے انکار نہیں کر سکتے۔

تیسری بات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو بتائی وہ یہ ہے کہ تم اپنے ہر فعل کے معاملے میں اور فی الجملہ اپنی پوری زندگی کے معاملے میں خدا کے سامنے جواب دہ ہو تم اس دنیا میں شتر بے مہار نہیں ہو کہ اپنی مرضی سے جو چاہو کرتے پھرو۔ اور جس کھیت سے چاہو چرتے پھرو۔ تمہیں کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ مرنے کے بعد تمہیں اٹھنا ہے اور اپنے ایک ایک فعل کی جوابدہی کرنی ہے۔ یہ عقیدہ ایک زبردست اخلاقی قوت انسان کے اندر پیدا کرتا ہے اور گویا ایک ایک انسان کے ضمیر کے اندر ایک محاسب کھڑا کر دیتا ہے جو اسے برائی سے روکتا اور نیکی کا حکم دیتا ہے آدمی ایسے مقامات پر بھی برائی سے باز رہتا ہے جہاں کوئی آنکھ اسے دیکھنے والی اور کوئی ہاتھ اسے روکنے والا نہ ہو۔ انسانی اصلاح و تربیت اور تعمیر اخلاق کا اس سے بڑھ کر موثر ذریعہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس کو چھوڑ کر دوسرے جن ذرائع سے بھی آپ انسانی اخلاق کی تعمیر کی فکر کریں گے ان میں سے بڑی سے بڑی بات اگر کوئی ہو سکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ: HONESTY IS THE BEST POLICY: یعنی ایمانداری بہترین پالیسی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اگر یہ پالیسی کے اعتبار سے بے ایمانی کی ضرورت ہو تو بے جھجک کرو۔ گویا اگر آپ ایماندار ہیں تو وہ محض پالیسی کی بات ہے۔ لیکن اسلام کی تعلیم یہ نہیں ہے۔ اسلام کے نزدیک ایمانداری پالیسی نہیں ہے بلکہ وہ تمہارے عین وجود میں شامل ہے۔ وہ تمہارے لئے عین لازم ہے۔ اگر تم ایمانداری کے بجائے بے ایمانی کی روش اختیار کرتے ہو تو گویا اپنے آپ کو انسانیت کے مرتبے سے گرا کر حیوانیت کے مقام پر بلکہ اس سے بھی بدتر مقام پر لے جاتے ہو جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ أَسْفَلَ سَافِلِيْنَ۔

کسی جانور کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا گیا لیکن اگر انسان جھوٹ بولتا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ جانور سے بھی بدتر ہے۔

اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق کے لئے ایسی بنیاد فراہم کی جو کبھی متزلزل ہونے والی نہیں ہے۔ جس پر انسانی سیرت و کردار کی ایسی عمارت تعمیر ہوتی ہے جس کے اندر کوئی چیز رخنہ اندازی نہیں کر سکتی۔ اس اخلاق کی بنیاد پر ایسا انسان وجود میں آتا ہے جس کو سیدھی راہ پر قائم رکھنے کیلئے کسی پکڑنے والی پولیس اور سزا دینے والی عدالت کی ضرورت نہیں ہے۔

چوتھی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو یہ بتائی کہ اخلاق پاکیزگی اور بلندئ کردار صرف رہبانیت کے گوشوں کے لئے نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس تمام اخلاقی ضابطے دنیا کی زندگی میں برتنے کے لئے ہیں۔ تم اگر دنیا میں تجارت کرتے ہو تو اس میں وہ اخلاق ملحوظ رکھو جن کو پہلے صرف گوشۂ عزلت کے اندر برتنا ضروری سمجھا جاتا تھا۔ اور تجارت کا اخلاق ایمانداری اور راست بازی ہے۔

آپ نے ہدایت فرمائی کہ اگر تمہارے مال میں عیب ہے تو خریدار سے پہلے بیان کر دو کہ تمہارے مال میں یہ عیب ہے ورنہ تم خدا کے ہاں حرام خور قرار پاؤگے۔ اسی طرح مثلاً عدالت کا معاملہ ہے۔ جو اخلاق لوگ پہلے خانقاہوں اور راہب خانوں میں ڈھونڈتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ اخلاق عدالتوں میں رائج فرمائے اور یہ بتایا کہ جو قاضی انصاف کے مطابق فیصلے کرتا ہے۔ وہ جنت میں جائے گا اور جو بے انصافی کے ساتھ فیصلے کرتا ہے وہ جہنم میں جائے گا۔

اسی طرح آپ نے فوج، پولیس، معلمین، میاں بیوی اور باپ بیٹوں کو، غرض زندگی کے ہر دائرے اور ہر شعبے کے متعلق اخلاق کی پابندی سکھائی۔ اسی چیز کا فیض تھا کہ جن لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آمد کے وقت ڈاکو پایا تھا۔ ان کو اس حالت میں چھوڑا کہ وہ امانت دار اور لوگوں کی جانوں، زبانوں اور آبروؤں کے محافظ بن چکے تھے۔ جو لوگ اعلانیہ بے انصافیاں کرنے والے اور دوسروں کے حق مارنے والے تھے۔ ان کو اس حالت میں چھوڑا وہ لوگوں کے حقوق ادا کرنے والے اور ان کی حفاظت کرنے والے بن چکے تھے۔

دنیا اُن فوجوں سے تو واقف ہے جو کسی شہر میں فاتحانہ داخل ہوتی ہیں۔ تو وہاں کے باشندوں کا قتل کرتی ہیں۔ بے دریغ آگیں لگاتی، توڑ پھوڑ کرتی اور لوٹ مار مچاتی ہیں۔ اور شہریوں کو جتنا ذلیل و خوار کرسکتی ہیں کرتی ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فوج تیار فرمائی اس کے قائد و سالار کی حیثیت سے آپ کی شان یہ تھی کہ جب فتح مکہ کے موقع پر آپ اونٹ پر سوار ہو کر مکہ میں داخل ہوئے۔ تو آپ کا سر خدا کے سامنے جھکا جا رہا تھا۔ کسی قسم کے فخر و غرور کا وہاں کوئی شائبہ تک نہ تھا۔ پھر اپنے مفتوحین کے ساتھ آپ نے جو معاملہ کیا وہ انسانی عظمت و رافت کی عظیم ترین شان ہے۔ وہ لوگ جو آپ کو تیرہ برس تک طرح طرح سے تکلیفیں اور ایذائیں دیتے رہے یہاں تک کہ آپ اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ دراصل وہ لوگ آپ کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے اور جن لوگوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ آپ کے مدینہ تشریف لے جانے کے بعد بھی آٹھ برس تک آپ کے ساتھ جنگیں کرتے رہے جب آپ فاتح کی حیثیت سے اُن کے شہر میں داخل ہوئے تو آپ نے اُن کے ساتھ عفو و درگزر کا معاملہ کیا۔ آپ نے اُن سے پوچھا۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا۔ انھوں نے جواب دیا: آپ کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں ــــــ آپ نے فرمایا اچھا جاؤ، تم سب آزاد ہو، آج کے روز تم سے کوئی مواخذہ نہیں لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ!

یہ تھے آپ کے اخلاق کریمانہ اور انہی اخلاق کی آپ نے اپنے متبعین کو تعلیم دی۔ کیا ایسا کوئی فاتح دنیا میں کبھی دیکھا گیا ہے؟ ـــ اس کے برعکس ایسے فاتح ضرور دیکھے گئے ہیں جنھوں نے قوموں اور ملکوں پر فتح پا کر لاکھوں انسانوں کو تباہ و برباد کیا۔ اسلامی تاریخ میں یہ منظر محفوظ ہے کہ جب عیسائیوں نے بیت المقدس کو فتح کیا تو اتنا قتل عام کیا کہ مقتولوں کا خون گھوڑوں کے گھٹنوں تک پہنچ گیا۔ لیکن جب اسی بیت المقدس میں صلاح الدین ایوبی فاتح ہو کر پہنچا تو کسی ایک آدمی کو بھی بے جا طریقے سے قتل نہیں کیا گیا۔ ان لوگوں کے سوا کہ جو لڑ کر قتل ہوئے عام آبادی کے قتلِ عام کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا خود عیسائی مورخین نے اس واقعے کی صداقت اور ... صلاح الدین کی برتری کو تسلیم کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ صلاح الدین میں یہ برتری کہاں سے آئی۔ اگر یہ خدا کے آخری نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کا فیض نہ تھا تو اور کس چیز کا فیض تھا کہ جس نے صلاح الدین کے اندر کردار اور اخلاق پیدا کیا ــــ

پھر آپ دیکھیے کہ سپین پر مسلمانوں نے آٹھ سو برس تک حکومت کی۔ لیکن وہاں کبھی کوئی قتلِ عام نہیں ہوا اس کے برعکس جب عیسائی سپین میں داخل ہوئے۔ تو انھوں نے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کا بے دریغ قتلِ عام کیا بلکہ تقریباً تیس لاکھ مسلمانوں کو سپین سے نکال باہر کر دیا باقی لوگوں کو زبردستی عیسائی بنایا گیا اور تمام مسجدوں کو کلیساؤں میں تبدیل کر دیا گیا ـــ یہ دونوں اخلاقی رویے اور ان کا فرق آپ کے سامنے ہے۔ یہ آخر کس چیز کا نتیجہ ہے۔ مسلمانوں سے جو اعلیٰ اخلاق ظاہر ہوئے وہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اور تعلیم اور آپ کے اُسوۂ حسنہ کی پیروی کا نتیجہ تھے۔ جب کہ عیسائیوں سے جو اخلاق ظاہر ہوئے ...... اس کی وجہ یہ تھی کہ ان تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صحیح تعلیم پہنچی ہی نہ تھی وہ یا تو اپنے نفس کے پیرو تھے یا ان پادریوں کی دی ہوئی ہدایت کے پیچھے چل رہے تھے جو بزعم خود یہ سمجھتے تھے کہ جو کچھ ہم زمین پر باندھتے ہیں وہ خدا آسمان پر باندھتا ہے درآنحالیکہ جس شریعت کی وہ پیروی کر رہے تھے وہ ان کی خود ساختہ تھی وہ نہ حضرت مسیح علیہ السلام کی لائی ہوئی تھی اور نہ خدا کی بنائی ہوئی تھی۔

حضرات ـــــ اب میں اپنی بات کو مختصر کرتا ہوں۔ میں نے بیمار ہونے کے باوجود اپنی طاقت سے بہت زیادہ وقت صرف کر دیا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا

کرتا ہوں کہ جو کچھ میں نے عرض کیا ہے وہ آپ کے دلوں میں اتار دے اور آپ کو اس بات پر مطمئن کردے کہ ہمارے لئے ہدایت اگر ہے تو صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی کتاب اور آپ کی سیرت اور سنت میں ہے باقی دنیا میں نہ تو کوئی قدیم شخصیت ایسی ہے اور نہ جدید، کہ جس کی طرف ہم ہدایت کے لئے رجوع کریں اور جس کی رہنمائی کو قبول کریں ــــ

نہایت نادان اور بدقسمت ہیں وہ لوگ جو مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوئے جن کے پاس قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ موجود ہے اور وہ ہدایت اور رہنمائی کے لئے دنیا بھر میں ایسے لوگوں کے پیچھے بھاگتے پھر رہے ہیں کہ جن کو نہ ہدایت الٰہی سے کوئی حصہ ملا ہے اور نہ جن کے پاس کوئی کتاب منیر موجود ہے

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط

چند مفید اور اہم کتابیں

کتاب	قیمت
سیرت رسالت مآب ﷺ (اُردو) از مفتی عزیز الرحمٰن	۳۰/-
حیاتِ امام اعظم ابو حنیفہ رح " "	۹/-
تذکرہ حضرت علاؤ الدین صابر کلیری رح "	۳/-
ولی کامل (سوانح مولانا زکریا " "	۶/-
مقبولِ نماز (مکمل مترجم) سب سے زیادہ ضخیم "مجلد زرگزین	۱۶/۵۰
" سفرِ آخرت ۔ مجلد (از صوفی محمد اسمٰعیل	۴/-
" قبر کی پہلی رات " "	۱/۵۰
" دنیا کی حقیقت	۱/-
" قیمتی باتیں	۱/-
" نصیحت کی باتیں	۱/-
" فریب تمدن (مغربیت کی حقیقت جاننے کے لئے)	۱۰/-
صحیفۂ ابرار (تصوف و سلوک پر)	۲۵/-
صحائف معرفت (" ")	۸/
سیرتِ حضرت بلال رض (مجلد مع کور)	۲/-
تجلیات ربانی (مجدد الف ثانی رح کے خطوط کا خلاصہ)	۱۳/۵۰
تعزیہ (علمائے اسلام کی نظر میں)	-/۵۰
عورت کیا کچھ کر سکتی ہے؟ (خدیجہ نوید) مجلد	۳/-
مخزن المعلومات (اردو زبان میں پہلی مرتبہ) اہم اقسام کی معلومات کا خزانہ مجلد	۳۰/-
بلاغ المبین (اردو) مع سوانح شاہ ولی اللہ رح مجلد	۶/۵۰

کتاب	قیمت
روحِ تصوف (مع آدابِ شیخ و مرید) از حضرت تھانوی رح	۵/۵۰
سو بڑے آدمی (۱۰۰ مشہور افراد کی سوانح اور ان کے مختصر حالات) مجلد	۹/-
قرآن اور حدیث ۔ ان دونوں کا آپس میں کیا ربط ہے؟	۴/-
تلاشِ راہِ حق (خطوط کی زبان میں) مجلد	۴/-
پریشانیوں کا شرعی علاج	۲/۵۰
پردہ اور اسلام	-/۷۵
مسئلہ قربانی علم و عقل کی روشنی میں	-/۹۰
فرعون و کلیم کی داستانِ کشمکش	-/۹۰
تقلید کیا ہے؟	-/۸۰
شہادت امام حسین رض (مولانا مودودی)	-/۵۰
حسین رض و یزید (از امام ابن تیمیہ رح)	۱/-
تاریخ غلافِ کعبہ	-/۵۰
ایمان و آزمائش	-/۵۰
اپنی اصلاح آپ	-/۵۰
بیمۂ زندگی	-/۶۰
اللہ نور السمٰوٰت والارض (اُردو) مجلد	۳۰/-
بہشتی زیور معرّیٰ (ربانی والا) اردو مجلد	۱۸/۵۰
بہشتی زیور مدلل و مکمل اشرفی "	۴۰/-
" " " " مجلد در ۲ جلد	۴۵/-
" " " اختر " "	۴۵/-

درج بالا کتابوں کے علاوہ اُردو، عربی، فارسی، ہندی اور انگریزی زبان میں ۔ نیز درسی و غیر درسی کتابیں، قرآن پاک اور قاعدے، پارے رکھنے والا اپنی نوعیت کا عظیم کتب خانہ جسکو عمر فاروق عثمانی نے قائم کیا

عظیم بک ڈپو (جامع مسجد) دیوبند (یو، پی)

حسن احمد صدیقی

شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

تبلیغی جماعت

مارچ کے شمارے میں محترم عبدالمجید آنیکل کے مراسلے کا جواب دیتے ہوئے اس بات کا وعدہ کیا گیا تھا کہ عام عثمانی نمبر کے بعد تبلیغی جماعت سے متعلق مفصل گفتگو کریں گے لیکن عام عثمانی نمبر کے بعد ہمیں اس موضوع پر لکھنے کی نہ مہلت ہی مل سکی نہ توفیق۔

اب تقریباً ایک سال کے بعد ہم نے اس موضوع پر کچھ عرض کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ گزشتہ شمارہ میں ہم نے اس بات کا اعلان کیا تھا کہ آئندہ شمارہ میں تبلیغی جماعت سے متعلق تفصیلی گفتگو کی جائے گی۔ لیکن یہ وعدہ بھی پورا ہوتا نظر نہیں آ رہا ہے۔ اس لیے کہ مختلف قسم کی ذاتی اور کاروباری الجھنوں کی وجہ سے فی الوقت یہ بات ممکن نہیں ہے کہ تبلیغی جماعت کے موضوع پر بسط و تفصیل کے ساتھ خامہ فرسائی کی جائے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ تجلی کے مستقل عنوانات رسالہ کے اکثر صفحات کو گھیر لیتے ہیں اور کسی مفصل مضمون کی گنجائش نہیں نکل پاتی۔ خیر وعدے کے مطابق کچھ نہ کچھ تو عرض کرنا ہی ہے۔ یہ تو ہماری بدنصیبی ہے کہ بعض لوگ ہمیں تبلیغی جماعت کا مخالف سمجھتے ہیں۔ حالانکہ تبلیغی جماعت سے ہمیں اتنی ہی ہمدردی ہے جتنی کسی شخص کو کسی اہم اور مناسب پروگرام سے آخری حد تک ہو سکتی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہم سیاہی کو سفیدی، بدنمائی کو خوش نمائی اور قابل مذمت باتوں کو قابل تعریف کہنے اور ثابت کرنے کے فن سے واقف نہیں ہیں۔ ہم نے تو اپنے بزرگوں سے ایک ہی بات سنی اور سیکھی ہے کہ خامی بہرحال خامی ہے خواہ وہ کسی ذات کا جزو ہو۔ اور حسن بہرحال حسن ہے خواہ کسی جماعت کے چہرے میں نظر آتا ہو۔ تبلیغی جماعت کو ہم نے فرشتوں کی جماعت کبھی نہیں سمجھا۔ اگر یہ گستاخی ہے تو ہم اپنے گستاخ محض ہونے کا اعتراف کیے لیتے ہیں۔ لیکن برائی کو برائی، نقص کو نقص اور عیب کو عیب کہنے کی روش ہم چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔

تبلیغی جماعت کی کچھ خامیاں گنوانے سے پہلے ہم یہ اعتراف کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے کہ تبلیغی جماعت سے بعض فائدے ایسے بھی حاصل ہوئے کہ جن فائدوں کا حصول کسی اور جماعت کی خدمات سے متوقع نہیں تھا۔ دیہاتوں کے اندر دین و عقیدے میں جو نکھار پیدا ہوا ہے اس کا سہرا تبلیغی جماعت کے سر باندھے بغیر چارا نہیں۔ دھوپ سے تپتی ہوئی پگڈنڈیوں سے گذر کر خشک دیہاتوں میں پہنچ کر تبلیغ کرنا بڑے دل گردے کی بات ہے اور یہ کام تبلیغی جماعت کے علاوہ شاید ہی کوئی دوسری جماعت انجام دے سکے۔ راجستھان کے دیہاتوں میں تبلیغی جماعت نے جد و جہد کی ہے۔ وہ عہد صحابہ کی یاد دلاتی ہے۔ اور بے اختیار یہ کہنے کو دل چاہتا ہے کہ تبلیغی جماعت ہی وہ واحد جماعت ہے

کہ جو راجستھان کے خشک و گرم علاقوں میں پہنچکر تبلیغ دین بہا پسینہ بہا سکتی ہے۔ [illegible] جماعت میں یہ ہمت نہیں کہ وہ موسم کی سختی اور [illegible] برداشت کر کے تبلیغ اسلام کی خاطر دیہاتوں میں مارے [illegible] پھریں۔ تبلیغی جماعت نے ایک نہیں کئی خدمتیں ایسی انجام دی ہیں جن کی تعریف نہ کرنا بخل و رعونت ہوگا۔ لیکن یہ تصور دل میں جمالینا کہ بس تبلیغی جماعت ہی وہ واحد جماعت ہے جو دنیا میں اسلام کی اشاعت و ترویج کے لیے کوشاں ہے اور تبلیغی جماعت ہی وہ واحد جماعت ہے جو فی زمانہ حق پرستی کی ڈگر پر قائم ہے۔ اور تبلیغی جماعت ہی وہ واحد جماعت ہے کہ جس کی وجہ سے دنیا میں مذہب اسلام زندہ ہے، حماقت و جہولیت کے سوا کچھ نہیں۔

کسی شخص کا یہ دعویٰ کرنا غلط ہی ہوگا کہ تبلیغی جماعت اب بھی ان ہی خصوصیات کی حامل ہے جس کی بنا پر دنیا میں اسے عزت و ناموری حاصل ہوئی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تبلیغی جماعت میں اب وہ خصوصیت کشش اور کھرا پن باقی نہیں رہا جو پہلے اس کی ذات کا منفرد حصہ تھا اور جس کی بنا پر یہ دوسری مذہبی جماعتوں سے مختص سمجھی جاتی تھی۔

اس نے مولانا الیاسؒ کی ان ہدایات کو پس پشت ڈال دیا ہے کہ تبلیغی جماعت میں جن کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی سے کم نہیں تھی۔

یہ کہنے کی جسارت تو ہم نہیں کر سکتے کہ تبلیغی جماعت کے لوگوں کو مولانا الیاسؒ سے کوئی تعلق و عقیدت نہیں۔ لیکن یہ کہنے پر ہم مجبور ہیں کہ تبلیغی جماعت کے لوگوں کی حیثیت ان شوہروں کی سی ہے جو اپنی بیویوں کو صرف لفظوں سے خوش کرنے کی فکر میں رہتے ہیں اور جنھیں بیوی کی ضروریات و خواہشات پورا کرنے کی کبھی توفیق ہی نہیں ہوتی۔

مولانا الیاس صاحبؒ سے عقیدت و محبت کا تقاضا اگر اتنا ہی ہے کہ ان کی طرف دو چار کرامتیں منسوب کر دی جائیں اور انھیں "حضرت جی" کہہ کر پکار لیا جائے تو پھر بلا شبہ تبلیغی جماعت اس تقاضے کو انتہائی اہتمام اور پابندی کے ساتھ پورا کر رہی ہے۔ لیکن محبت و عقیدت کے تقاضوں میں اگر اطاعت اور فرمانبرداری کی شمولیت لازم و ضروری کی حیثیت رکھتی ہے تو پھر یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ تبلیغی جماعت محبت و عقیدت کے تقاضوں کو پورا کرنے سے بھاگتی ہے اور من مانیوں کو عین عقیدت تصور کر کے مطمئن ہو جاتی ہے۔

کیا مولانا الیاسؒ محض اس بات سے خوش اور مطمئن ہو جائیں گے کہ لوگ انھیں "حضرت جی" کے گراں قدر خطاب سے یاد کرتے ہیں؟۔

کیا مولانا الیاسؒ کی روح کو تسکین محض اس لیے مل جائیگی کہ تبلیغی جماعت کے شہزادے عجائب و غرائب قسم کے واقعات ان کی طرف منسوب کر کے انھیں بیسویں صدی کا سب سے بڑا بزرگ قرار دینے کی فکر میں کھپے ہوئے ہیں۔

کیا مولانا الیاسؒ کی روح آجکل اپنی قبر میں اس لیے خوش و خرم ہوگی کہ اب تبلیغی جماعت کی حیثیت بین الاقوامی ہو چکی ہے اور وہ ہندوستان سے باہر کتنے ہی ملکوں کے چکر لگانے میں مصروف عمل ہے۔؟

نہیں اور ہرگز نہیں۔ مولانا الیاس کی روح خوش نہیں غمگین ہوگی۔ مطمئن نہیں مضطرب ہوگی۔ اس لیے کہ تبلیغی جماعت کے لوگوں نے مولانا الیاس کی ان تمام ہدایات کو اپنے ہی قدموں سے روند ڈالا ہے جو تبلیغی جماعت کے حق میں اساس و بنیاد کی حیثیت رکھتی تھیں اور جن کو اپنائے رکھنے کا مولانا مرحوم نے قدم بہ قدم اصرار فرمایا تھا۔

تبلیغ اس وقت کامیاب نہیں ہے جب کہ وہ بین الاقوامی حیثیت کی حامل ہو چکی ہے، بلکہ تبلیغی جماعت اس وقت فلاح و کامرانی سے بہرہ ور تھی جب اس کے ساتھ گنے چنے افراد تھے، لیکن وہ سب کے سب اس سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے جس سانچے میں انھیں مولانا الیاسؒ نے ڈھالنے کی کوشش کی تھی، وہ سب کے سب ایثار و اخلاص سے مالامال تھے اختلافی مسائل سے انھیں نفرت تھی۔ کسی جماعت پر تنقید کرنے کو وہ جائز نہیں سمجھتے تھے۔ جو لوگ ان کا ساتھ دیتے وہ ان کی راہوں میں جھاڑو لگانے کے لیے تیار رہتے تھے اور جو لوگ ان کے مشن کی مخالفت کرتے یا دو قدم ان کے

ساتھ چلنے کے لیے تیار نہ ہوتے انھیں بھی وہ رحم وکرم کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ کسی مخالف جماعت یا منحرف جماعت پر انھوں نے اعتراض وتنقید کے کچے پکے ڈھیلے اچھالنے کی کوشش کبھی نہیں کی۔ علماء کو قدر ومنزلت کی نظروں سے دیکھنا بھی ان کا شیوہ تھا۔ اور اس سے انھیں ایک خاص قسم کی انسیت تھی۔

مولانا الیاسؒ کو صرف حضرت جی کہہ کر وہ حق محبت اور حق عقیدت کی ذمہ داری سے خود کو سبکدوش تصور نہیں کرتے تھے بلکہ انھوں نے راہِ تبلیغ میں ہر اس مشورے کو اپنانے کی ہر ممکن کوشش کی جو مولانا الیاسؒ سے منسوب تھا۔ مولانا الیاسؒ سے تعلق وعقیدت کا عین تقاضا یہی ہے کہ دوران تبلیغ میں ان اصولوں اور ہدایتوں کو پیش نظر رکھا جائے جن کو اپنائے رکھنے کی مولانا مرحوم نے زبردست تاکید کی تھی اور جن اصولوں سے ایک انچ بھی ادھر ادھر ہونا مولانا مرحوم کی عملی مخالفت کے ہم معنی ہے۔

افسوسناک بات یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے موجودہ افراد نے اپنے عمل سے تبلیغی جماعت کے چہرے کو مسخ کر کے رکھدیا ہے اور اب اس جماعت میں وہ حسن وجمال اور کشش و جاذبیت باقی نہیں رہی ہے جو پہلے تھی۔ اب تو عالم یہ ہے کہ وقتاً فوقتاً تنقید وتعریض سے علماء کی تواضع کی جاتی ہے۔ اختلافی مسائل کو کُریدا جاتا ہے۔ جماعت اسلامی جیسی جماعت پر فقرے کسے جاتے ہیں۔ جو لوگ تبلیغی کاموں میں تعاون نہیں کرتے، انھیں بددعائیں تک دے دی جاتی ہیں۔ ان تمام حرکتوں کے باوجود یہ دعویٰ اپنی جگہ بدستور قائم رہتا ہے کہ تبلیغی جماعت نہ کسی کی مخالفت کرتی ہے نہ کسی سے الجھتی ہے نہ کسی پر اعتراضات کی کیچڑ اچھالتی ہے اور نہ تبلیغ دین کے سلسلہ میں زور زبردستی اور اکراہ واستکراہ سے کام لیتی ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے موجودہ حاملین کے قول وعمل میں زبردست تضاد واقع ہو چکا ہے۔ ان کا عمل ان کے زبانی دعووں اور لفاظیوں سے بالکل مختلف ہے۔ تبلیغی جماعت کی بہت سی خامیوں کا ہمیں علم ہے۔ ہم اس پر مستند گفتگو کر سکتے ہیں لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کی خامیوں کی نشاندہی کرنے سے کہیں زیادہ بہتر صورت یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے لیے کچھ مشورے پیش کریں۔ ممکن ہے کہ ہمارے مشوروں کی کچھ شنوائی ہو جائے اور تبلیغی جماعت کے افراد اپنی اصلاح کر کے تبلیغی جماعت کے چہرے سے ان دھبوں کو کھرچ دیں جو ان ہی کے عمل سے چہرۂ جماعت پر نمودار ہو گئے ہیں۔ اور جن کی موجودگی تبلیغ جماعت سے بیزاری کا سبب بنی ہوئی ہے

(۱) سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے لوگ امیر کسی ایسے شخص کو بنائیں جو علم اور تقریر کی صلاحیت میں فوقیت رکھتا ہو۔ یا کم از کم دانشمند ہونے کے ساتھ ساتھ متحمل بھی ہو۔ محض چلّوں کی تعداد پر کسی شخص کو فوقیت دینا مناسب بات نہیں ہے صلاحیت ہو یا نہ ہو اگر دس چلے دے رکھے ہیں تو امیر اسی شخص کو بنا دیا جائے اور ذی علم اور ذی صلاحیت لوگ اسی علم وخرد سے محروم امیر کی تقریر سنتے جائیں گے۔

اب بہت سے فاضلین مدرسہ تبلیغی جماعت کے ساتھ لگے ہوئے ہیں ان کی موجودگی میں جاہلوں کو امیر جماعت بنانا نہ عقلاً درست ہو سکتا ہے نہ شرعاً۔ کوئی عالم اور با صلاحیت موجود ہی نہ ہو تو پھر تو مجبوری ہے کسی کو بھی تقریر کے لیے کھڑا کر دیا جائے لیکن کسی عالم اور با صلاحیت آدمی کے ہوتے ہوئے تقریر و گفتگو کی ذمہ داری کسی جاہل کے سپرد کر دینا سمجھداری کی بات نہیں۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ جو لوگ پنج وقتہ نماز کی پابندی اختیار کرتے ہوئے اپنے روزگار میں لگے ہوئے ہیں انھیں اس بات پر مجبور کرنا کہ چلو دو چار مہینے کا چلہ دو۔ انتہائی غیر معقول بات ہے۔ حلال طریقہ سے دنیا کمانا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے۔ جو لوگ کچھ نہیں کرتے وہ معاشرے کے سینہ پر ایک بوجھ بن جاتے ہیں۔ ان کا دست سوال ہر ایک کے آگے دراز ہوتا ہے۔ ایسے لوگ صرف اپنی ذات اور اپنے خاندان ہی کو نہیں بلکہ اپنے مذہب اور اپنے عقیدے کو بھی بدنام کرتے ہیں۔ بے روزگار آدمی نکما تصور کیا جاتا ہے خواہ

متقی اور پرہیزگار ہی کیوں نہ ہو۔ اور یا وہ کتنا ہی عالم دین ہی کیوں نہ ہو۔ عزت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔

ہم بہتیرے ایسے لوگوں سے واقف ہیں کہ جن کے ہاتھ سے تسبیح کبھی جدا نہیں ہوتی۔ ہر وقت ذکر خداوندی جاری ہے لیکن ہیں حضرت فالتو۔ کوئی کام نہیں، اور کام کی کوئی فکر و تلاش بھی نہیں۔ بیوی بچے پریشان ہیں۔ لیکن حضرت والا کا عالم یہ ہے کہ تسبیح پڑھ پڑھ کر اور تبلیغی جماعت میں چلے دے دیکر یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم پکے مسلمان ہو چکے ہیں۔ ہمارے ایمانوں میں کوئی نقص نہیں۔

ایسے لوگوں کے کانوں تک یہ بات کیسے پہنچائی جائے کہ اپنی ضروریات زندگی کے لیے جد و جہد کرتا اور اپنے بچوں کے لیے کھانا اور کپڑا مہیا کرنے کی فکر کرنا بھی ایک عبادت ہی ہے جو لوگ صرف فرائض پر اکتفا کرنے کے بعد اپنے بیوی بچوں کی ضروریات پورا کرنے کی فکر میں سرگرداں رہتے ہیں بلا شبہ ان کا مقام اور مرتبہ ان سے بڑھا ہوا ہے جنھیں اپنے بیوی بچوں کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی اور تسبیح لیے ادھر سے ادھر ٹہلتے رہتے ہیں۔ اور جن کی تسبیح مستقل ایک اشتہار ہوتی ہے اس بات کا کہ ہم اللہ کے ذکر میں لگے ہوئے ہیں۔

اسلام کی نگاہوں میں فی الحقیقت ان لوگوں کا مقام جو اپنے ماتحت لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے بھی وقت نکال لیتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ پکے مسلمان کہلانے کے مستحق ہیں ایسے لوگوں کو ان کے روزگار سے ہٹا کر کسی چلے وغیرہ میں لے جانا خدا ہی جانے کہ کیسے جائز ہو سکتا ہے۔

اس وقت تو ضرورت اس بات کی ہے کہ تبلیغی جماعت لوگوں کو اس بات کا درس دے کہ وہ اپنی دنیا کو مضبوط کر لیں اس لیے کہ اس دور میں جس کی دنیا مضبوط نہیں، اس کا دین بھی مضبوط نہیں ہے اور جس کی دنیا مضبوط ہے اس کا دین بھی مضبوط ہے اور اس درجہ مضبوط ہے کہ اس کے دین کی طرف کوئی آنکھ اٹھانے کی جسارت بھی نہیں کر سکتا۔ ابھی حال ہی میں نس بندی کی کالی اور وحشیانہ تحریک چلی۔ اس تحریک کا مقابلہ نہ تبلیغی جماعت کا خلوص کر سکا نہ ہی علمائے حق کی دینداری سب کی زبانوں پر تالے پڑ گئے۔ اور ان گنت ایسے لوگوں نے نس بندی کو اپنا لیا جن کے دل و دماغ اس وحشیانہ طرز عمل کے جواز پر صاد نہیں کر سکتے تھے۔ مسلمانوں نے اس تحریک کے خلاف آواز اٹھائی تو اس آواز کو کچل دیا گیا۔ اور پھر علمائے حق کی بھیڑ اور تبلیغی جماعت کے مجاہدوں کی اکثریت اپنے ہی جسموں میں سمٹ کر رہ گئی۔ کوئی اعلان بغاوت کرنے کی جرأت نہ کر سکا کسی کو ایک کالی تحریک کے خلاف محاذ قائم کرنے کی جرأت نہ ہو سکی اور علماء کی بھیڑ اور تبلیغی جماعت کے مخلص مجاہدوں کی اکثریت سے نس بندی کی کالی تحریک کے باقی مبانی خائف نہ ہو سکے۔ ان کی وحشیانہ تحریک اور ننگا پروگرام تشدد و مار کے ساتھ برابر جاری رہا۔ اور اسی دوران ایک قوم تھی۔ سکھوں کی قوم نے اپنی یہ آواز حکومت تک پہنچا دی کہ ہمارے مذہب میں کسی جگہ بھی لوہے کا لگانا جائز نہیں ہے۔ لہٰذا ہم نس بندی کرانے کے لیے تیار نہیں ہو سکتے۔ اس آواز کو نہ صرف سنا گیا بلکہ آواز لگانے والوں کو حکومت نے یہ اطمینان دلایا کہ تمہارے ساتھ معاملہ جداگانہ رہے گا اور وہ یہ کہ تم بچوں کی روک تھام کے لیے دواؤں وغیرہ کا استعمال کر سکتے ہو تمہاری نس بندی نہیں ہوگی۔

ایسا کیوں ہوا تھا؟ محض اس وجہ سے کہ سکھوں کے پاس دو غیر معمولی طاقتیں تھیں۔ ایک طاقت تھی اتحاد کی اور دوسری طاقت تھی پیسے کی۔ ان لوگوں کی دنیا مضبوط تھی۔ اور جن لوگوں کی دنیا مضبوط ہوتی ہے ان کی آواز سنی جاتی ہے۔ ان کے مطالبات مانے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کے بارے میں حکومت جانتی تھی کہ ان میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جن کے اقتصادی حالات قابل رحم ہیں۔ جو مفلس و قلاش ہیں اور ایسے لوگوں کا مذہب فقط ایک گیند کی حیثیت رکھتا ہے جسے جس طرف چاہے لڑھکا دو بھلا مسلمانوں کی آواز کیسے سنی جا سکتی تھی۔ مسلمانوں کے پاس نہ اتحاد تھا نہ دولت۔ اور دنیا کی حکومتیں دو ہی چیز سے ڈرتی ہیں اتحاد کی لاٹھی سے یا پیسے کی افراط سے۔ جن قوموں کے پاس یہ دونوں چیزیں نہ ہوں ان قوموں کو معاشرے میں نہ سرخروئی حاصل ہو سکتی ہے اور نہ ہی ان کی آواز پر لبیک کہا جا سکتا ہے (باقی)

ایمان بحیثیت اساسِ اخلاق

شیخ یوسف القرضاوی ——— ترجمہ :- عبدالحمید صدیقی

نفس انسانی کی گہرائیوں میں ایک مخفی قوت موجود ہوتی ہے جسے نہ خوردبین سے دیکھا جاسکتا ہے نہ علم الطبیعات اس کا ادراک کرسکتا ہے، اس کا کام فرائض و واجبات کی طرف انسان کی رہنمائی کرنا ہے اور خیر و صلاح کی طرف اسے اس طرح کھینچ لینا جیسے مقناطیس قطب نما کی سوئی کو کھینچے رکھتا ہے اور شر و فساد سے اسے بچانا جیسے باپ بیٹے کو غلط حرکات سے بچاتا ہے یا جیسے استاد اپنے تلامذہ پر نظر رکھتا ہے۔ یہ باطنی قوت جو تاریکی میں روشنی کا کام دیتی ہے فضائل پر آمادہ کرتی اور رذائل سے باز رکھتی ہے، معروف کا حکم دیتی اور منکر سے منع کرتی ہے۔ علمائے اخلاق اسے ضمیر اور وجدان سے تعبیر کرتے ہیں اور اسلام نے ان کا نام القلب یعنی دل رکھا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے نیکی اور گناہ کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا "ہر وہ کام نیکی ہے جسے کرکے باطن سکون محسوس کرے اور دل مطمئن ہو اور گناہ وہ کام ہے جس کے ارتکاب سے نہ نفس کو سکون حاصل ہو اور نہ دل کو اطمینان۔ اگرچہ مفتی حضرات تجھے اس کے جواز کا فتویٰ دے ڈالیں" اور ایک دوسری حدیث میں ہے آپؐ نے فرمایا "اگرچہ لوگ تجھے فتویٰ دیں تاہم اپنے دل سے فتویٰ طلب کر"

قلب و ضمیر اخلاق کا بنیادی ستون ہے، اس کے بغیر اخلاق کی عظیم الشان عمارت قائم نہیں رہ سکتی۔ زندہ ضمیر اخلاق کی تعمیر و تشکیل کا باعث بھی ہوتا ہے اور ایک مستعد دربان کی طرح اس کی حفاظت بھی کرتا ہے۔ کوئی معاشرہ محض قوانین اور آئینی ضوابط کے بل بوتے پر یا پولیس اور فوج کی قوت سے ترقی و تنظیم اور سعادت و خوش بختی سے ہمکنار نہیں ہوسکتا۔ حصولِ سعادت کے لئے بیدار ضمیر اور زندہ قلوب کا وجود ضروری ہے اور یہ کلمۂ حکمت تو آپ نے سنا ہی ہوگا کہ عدل و انصاف قانون کے الفاظ میں نہیں بلکہ قاضی اور حاکم کے ضمیر میں ہوتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح عامۃ الناس کی نظر میں قانون کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ ایک شاعر نے ان کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا :-

لن یصلح القانون فینا رادعًا
حتیٰ تکون ذوی ضمائر تروع

ترجمہ :- قانون کی سرزنش ہمارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی جب تک کہ ہم خوف سے لبریز دلوں کے حامل نہ بن جائیں۔

پس جب اخلاق کے نشو و ارتقاء میں ضمیر اس درجہ دخیل ہے تو آیئے اس امر کا جائزہ لیں کہ خود ضمیر کی تخلیق کا راز کس چیز میں مضمر ہے؟

ضمیر اور ایمان

ضمیر کی تعمیر و تخلیق میں ایمان بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ اسے زندگی عطا کرنے، اس کی آواز کو زیادہ موثر بنانے اور ہر قدم پر اس کی محرک اور فعّال حیثیت برقرار رکھنے کے لئے ایمان ناگزیر ہے۔ اللہ پر ایمان انسان کے اندر یہ اعتقاد راسخ کر دیتا ہے کہ وہ جہاں بھی ہو اللہ اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ سفر میں، حضر میں، خلوت میں، جلوت میں اللہ سے اس کی کیفیت چھپی نہیں رہ سکتی۔ وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ انسان کے نہاں خانۂ دل و دماغ کے اسرار و رموز، اس کے پوشیدہ اعمال اور اس کی ظاہری حرکات ہر ایک سے اللہ پوری طرح باخبر ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔

(المجادلہ - ۷)

کیا تمکو خبر نہیں ہے کہ زمین اور آسمانوں کی ہر چیز کا اللہ کو علم ہے؟ کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ تین آدمیوں میں کوئی سرگوشی ہو اور انکے درمیان چوتھا اللہ نہ ہو یا پانچ آدمیوں میں کوئی سرگوشی ہو اور انکے اندر چھٹا اللہ نہ ہو۔ خفیہ بات کرنے والے خواہ اس سے کم ہوں یا زیادہ جہاں کہیں بھی وہ ہوں اللہ انکے ساتھ ہوتا ہے، پھر قیامت کے روز وہ ان کو بتا دیگا کہ انھوں نے کیا کچھ کیا ہے اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

⁂ ⁂

وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ۔

(یونس : ۶۱)

اے نبی تم جس حال میں بھی ہوتے ہو اور قرآن میں سے جو کچھ بھی سناتے ہو اور لوگو! تم بھی جو کچھ کرتے ہو اس سب کے دوران ہم تمکو دیکھتے رہتے ہیں کوئی ذرّہ برابر چیز آسمان میں اور زمین میں ایسی نہیں ہے نہ چھوٹی نہ بڑی جو نہ رب کی نظر سے پوشیدہ ہو اور ایک صاف دفتر میں درج نہ ہو۔

⁂ ⁂

ایمان باللہ کے بعد ضمیر انسان کو جو چیز مزید سنوار اور نکھار دیتی ہے وہ یوم آخرت پر ایمان ہے، یوم آخرت پر ایمان در اصل اس حقیقت کا شعور ہے کہ مرنے کے بعد رب العزت کی بارگاہ میں انسان کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہے ہر اچھے عمل کی جزا وصول کرنی ہے اور ہر برائی کا خمیازہ بھگتنا ہے اس وقت اس کی زندگی کا لمحہ بہ لمحہ تفصیل اس کے سامنے رکھدی جائے گی۔

اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ۔

(ق - ۱۸)

دو کاتب اسکے دائیں اور بائیں بیٹھے ہر چیز ثبت کر رہے ہیں کوئی لفظ اسکی زبان سے نہیں نکلتا جسے محفوظ کرنے کے لئے ایک حاضر باش نگران موجود نہ ہو۔

اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ۔

(الزخرف - ۸۰)

کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ باتیں اور سرگوشیاں نہیں سنتے ہیں ہم سب کچھ سنتے ہیں اور ہمارے فرشتے ان کے پاس ہی ہر چیز لکھتے جاتے ہیں۔

حیات انسانی کا یہ سارا ریکارڈ ——— جسے اللہ کے فرشتوں نے پوری جزئیات اور تفصیلات کے ساتھ مرتب کیا ہوگا اور جس کے مطابق انسان سے مواخذہ و محاسبہ کیا جائے گا ——— ایک ایسی ناقابل تردید دستاویز ہوگی کہ جس کا ذرا سا احساس ہی قلب کی زندگی کا ضامن اور ضمیر کی بیداری کا باعث ہے۔

اللہ کے بارے میں یہ اعتقاد اور یوم آخرت پر اس نوعیت کا ایمان ہی انسان کو ہر آن اللہ کی نگرانی کا احساس دلاتا ہے اور اپنے نفس کے محاسبہ پر مجبور کرتا ہے چنانچہ وہ کھلی آنکھوں سے اپنے افعال و اعمال کا جائزہ لیتا ہے، نتائج و عواقب پر نظر رکھتا ہے، نہ ظلم و ستم کرتا ہے نہ خیانت و بدعہدی کا مرتکب ہوتا ہے نہ ڈینگیں مارتا ہے اور نہ تکبر کرتا ہے نہ اپنے فرائض کا انکار کرتا ہے اور نہ دوسروں کے حقوق کا دعویدار ہوتا ہے نہ وہ کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس کے محاسبے سے کل خائف ہو۔ نہ چھپ کر کوئی ایسی حرکت کرتا ہے کہ جس سے منصۂ شہود پر آنے سے اسے ندامت

لاحق ہوسکتی ہو۔ خدا کے حاضر و ناظر ہونے کا یقین کامل اُسے راہِ صواب سے ذرہ برابر اِدھر اُدھر نہیں ہونے دیتا۔ کما قال شاعر صوفی ؎

اِذا ما خلوت الدھرَ یوماً فلا تقل
خلوتُ ولٰکن قُل علیَّ رقیب
ولا تحسبن اللّٰہ یغفل ساعۃ
ولا ان ما تخفیہ عنہ یغیب

(ترجمہ) اگر تو کبھی ایک دن کے لئے بھی خلوت نشین ہو تو یہ نہ کہہ کہ میں اب تنہا ہوں بلکہ یہ کہہ کہ مجھ پر ایک علیم و خبیر نگراں ہے اور اللہ کے بارے میں کبھی یہ گمان نہ کر کہ وہ ایک لحظہ کے لئے غافل ہو جاتا ہے یا جو کچھ تو اُس سے چھپانا چاہتا ہے وہ اس کی نظر سے فی الواقع چھپ جاتا ہے۔

صوفیاء اور احتساب نفس

ایک اہل اللہ سے سوال کیا گیا کہ اس ارشادِ الٰہی کا کیا مطلب ہے:-

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّہٗ۔ — اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے اور یہ مقام اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو اپنے رب سے ڈر جائے۔

انھوں نے فرمایا کہ رب سے ڈر جانے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو رب کی نگرانی میں محسوس کرنا، اپنے نفس کا محاسبہ کرنا اور آخرت کے لئے توشۂ حسنات جمع کرنا۔

محمد بن علی الترمذیؒ نے فرمایا: اپنے آپ کو اُس ذات کی نگرانی میں دیدے کہ جس کی نظر سے تو کبھی چھپ نہیں سکتا۔ اپنے شکر و سپاس کو اس کے لئے خاص کر دے کہ جس کے انعامات کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوتا صرف اُس کی فرمانبرداری اختیار کر کہ جس سے تو کبھی بے نیاز نہیں ہو سکتا اور اپنے خشوع و خضوع کا مستحق اُس کو گردان کہ جس کی سلطنت سے قدم باہر رکھنا ممکن نہیں۔

حضرت ذوالنونؒ مصری سے پوچھا گیا: بندہ جنت کیسے حاصل کر سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا پانچ چیزوں سے:- استقامت سے جو ہر شائبہ مکر و انحراف سے پاک ہو۔ کوشش سے جس میں سہو و نسیان نہ ہو۔ خوفِ خدا سے جو ظاہر بھی ہو اور باطن بھی۔ موت کی تیاری کرنے کے بعد اُس کے انتظار سے اور محاسبۂ نفس سے بیشتر اس کے کہ اس کا حساب لیا جائے۔

بلاشبہ وہ ضمیر جس کی تربیت ایمان کرتا ہے ——— خوفِ خدا اور حسابِ آخرت سے سرشار ایمان ——— بیدار، توانا اور شدید الحس ہو جاتا ہے۔ وہ عمل سے بیشتر ہی انسان کا احتساب کرتا ہے۔ کیا کرنا چاہتا ہے؟ کیوں کرنا چاہتا ہے؟ کس لئے کرنا چاہتا ہے؟ پھر اسی پر اکتفا نہیں وہ عمل کے بعد بھی محاسبہ جاری رکھتا ہے تو نے کیا کیا ہے؟ کیوں کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ نورِ ایمان سے منور ضمیر بڑا مستعد قاضی ہوتا ہے جو جزا یا سزا پر مشتمل اپنا فیصلہ فوراً صادر کر دیتا ہے اور اس کا فیصلہ باطنی طعن و ملامت ہی کی صورت نہیں اختیار کرتا بلکہ کبھی کبھی مادی و جسمانی سزاؤں کا باعث بھی بن جاتا ہے۔

حضرت حسن بصریؒ نے "وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَۃِ" کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: کہ مومن جب بھی اپنے گریبان میں مُنہ ڈالتا ہے نفس کو معتوب کرنے لگتا ہے۔ میری اس بات سے تیری مراد کیا تھی؟ میرے کھانے میں تیرا کیا ارادہ مضمر تھا؟ میرا پینا کس مقصد کے تحت تھا؟ مگر فاسق و فاجر کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے وہ معصیت میں آگے ہی بڑھتا جاتا ہے اور کبھی پلٹ کر نفس پر عتاب بھیجنے کی اسے توفیق نہیں ہوتی۔

حضرت مالک بن دینار نے فرمایا: اللہ اس بندے پر رحم فرمائے جس نے اپنے نفس کو سرزنش کرتے ہوئے کہا ——— کیا تو اُس چیز کا مالک نہیں؟ کیا تیرے پاس وہ چیز نہیں؟ اللہ کی نعمتیں یاد دلانے کے بعد پھر نفس کو لگام دی اور نکیل ڈال دی اور کتاب اللہ کی پیروی پر اسے مجبور کر دیا۔

حضرت ابراہیم التیمی نے فرمایا: میں عالمِ تصور میں اپنے نفس کو جنت میں لے گیا اور اس کے پھل کھانے لگا۔ اس کی صاف شفاف نہروں کا پانی پیا اور وہاں کی حسین و جمیل دوشیزاؤں سے بغل گیر ہوتا رہا۔ بعد ازاں اپنے نفس کو دوزخ میں لے آیا جہاں اس کے کڑوے کسیلے پھل کھائے، اس کے بدکرداروں کا لہو اور پیپ پینے کی کوشش کی اور طوق و سلاسل پہنے مبتلائے مصیبت رہا۔ پھر میں نے اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہا ان میں سے کونسا مقام تجھے مطلوب ہے؟ نفس نے جواب دیا: میں سرِ دست دنیا ہی میں رہ کر کچھ اعمالِ صالح کرنا چاہتا

ہوں اس پر آنجناب نے فرمایا ؛ تیری مراد پوری ہوگئی اب عمل ہی کئے جا۔

مذکورہ بالا احوال و واقعات یہ ثابت کرتے ہیں کہ ایمان ضمیر کو جھنجھوڑتے اور بیدار کرنے کی کیا کیا صورتیں اختیار کرتا ہے؟ جناب احنف بن قیس اس مقصد کے لئے ایک اور طریقہ اختیار فرمایا کرتے تھے۔ آپ چراغ کے پاس چلے جاتے اور چراغ کی لو پر انگلی رکھدیتے جب آگ اسے جلانے لگتی تو آپ اپنے نفس سے کہتے۔ اے احنف گناہوں کی سزا یہی آگ ہے۔ فلاں دن تو نے جو (گناہ) کیا تھا تجھے اسپر کس چیز نے اکسایا؟ اور فلاں دن تو نے جو کچھ کیا اس پر کس چیز نے مجبور کیا؟ کیا اُس وقت آگ کا خوف نہ تھا۔

محاسبۂ نفس کا ایک اور اسلوب وہ ہے جو توبتہ الصمۃ سے مروی ہے آپ نے نفس کا محاسبہ کرتے ہوئے اپنی عمر کا حساب لگایا تو وہ ساٹھ سال بنی پھر آپ نے ان سالوں کے دن گنے تو وہ اکیس ہزار پانچ سو ہوئے۔ اس پر آپ چیخ اٹھے اور گویا ہوئے افسوس ۲۱۰۰۰ گناہوں کو لے کر خدا کے دربار میں حاضر ہوں گا۔ پھر خیال آیا کہ گناہوں کی یہ تعداد تو اس صورت میں ہے اگر روزانہ ایک ہی گناہ کیا ہو۔ لیکن اپنا حال تو یہ ہے کہ ایک ایک دن میں ہزاروں گناہ سرزد ہوتے ہیں۔

اوپر ہم نے کہیں ذکر کیا ہے کہ ضمیر کے فیصلے کے نتیجے میں کبھی کبھی مادی سزا بھی آدمی کو مل جاتی ہے اور بیدار ضمیر انسان اسے بخوشی اور بلا تاخیر قبول کر لیتا ہے تو اس کی مثال حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ واقعہ ہے کہ ایک روز اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ خوشگوار ماحول میں نماز پڑھتے وقت آپ کی توجہ شاخ شجر پر بیٹھے ہوئے ایک پرندے کی طرف مبذول ہوگئی اور آپ کو تھوڑی دیر کے لئے احساس نہ رہا کہ آپ حالتِ نماز میں ہیں۔ بعد میں جب خیال آیا کہ بجائے اللہ کے دل پرندے کی طرف مائل رہا ہے تو آپ نے اس نقصان کا کفارہ یوں ادا کیا کہ پورے باغ ہی کو صدقہ کر ڈالا اور آئندہ کے لئے ایسے ہر نقصان سے محفوظ ہوگئے۔

نفس کُشی کے بغیر

کسی مقام بلند تک پہنچنا امر محال ہے (ایک بزرگ کا قول)

(بقیہ صفحہ ۶۶ کا مضمون) اور اب بھی درج ہے۔ جبکہ ہماری معافی تلافی اسے بلیک لسٹ سے خارج کر سکتی ہے مگر ہم نے کوئی معافی نہیں مانگی انتہا یہ ہے کہ ہم نے گورنمنٹ کا کوئی اشتہار نہیں چھاپا۔ جبکہ الحسنات اور الفرقان جیسے ٹھیٹ مذہبی پرچے۔ دونوں ہاتھوں سے گورنمنٹ کی رحمتوں کو سمیٹنے کی برابر کوشش کرتے رہتے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ آپ جیسے لوگوں نے ازخود اپنی عقلوں پر نا سمجھی کی چادریں تان رکھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو ٹھوس حقائق کا روادار نہیں ہو پاتا۔ تجلی کا ایڈیٹر اگر کوئی مضمون لکھ بھی دیتا تو اس سے حاصل ہی کیا ہوتا جب کہ ہندوستان کا کوئی پریس فیملی پلاننگ کی مخالفت میں ایک حرف بھی چھاپنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

خدا کا شکر ہے کہ اب حالات نارمل ہیں۔ ظلم کی دھوپ پگھل گئی ہے لیکن حالات میں تبدیلی واقع ہوتے ہوئے دیر نہیں لگتی اگر آئندہ بھی کسی عنوان کے تحت یہی ہونے لگا جو ماضی قریب میں ہو چکا ہے تو تجلی صاف صاف ظلم و ستم کے خلاف آواز اٹھائے گا۔ لیکن اس آواز کو دنیا میں پھیلانے کی ذمہ داری آپ کے سر ہو گی جبھی تو یہ ثابت ہو سکے گا کہ بزدل ہم ہیں یا آپ؟ جیل کی سلاخوں سے ہم خوف کھاتے ہیں یا آپ؟ یا بالفاظ دیگر حالات کے ساتھ ہم ہی بے بس ہو جاتے ہیں یا آپ بھی۔

مراسلہ

مجیب :- حسن احمد صدیقی

پالی گنج پٹنہ

۱۱ر مارچ ۱۹۷۷ء
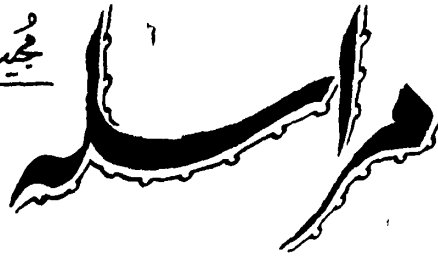
محترم مولانا صدیقی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

تجلی کے نومبر دسمبر ۷۶ء کے مشترکہ شمارہ کا آغازِ سخن پڑھ کر ۸ر فروری ۱۹۷۷ء کو میں نے ایک خط آپ کو تحریر کیا تھا لیکن مصروفیت کے باعث اسے صاف کر کے سپرد ڈاک نہ کرسکا اور وہ پڑا رہ گیا۔

جنوری ۷۷ء کا شمارہ پرسوں ۹ر مارچ کو ملا، آغاز سخن پڑھ کر پھر خط لکھ رہا ہوں پہلے ۸ر فروری کی تحریر پڑھ لیں۔

امید ہے مزاج بخیر ہوگا، تجلی کے نومبر دسمبر ۷۶ء کے مشترک شمارہ کا آغاز سخن پڑھا اور بے اختیار حضرت مولانا عامر عثمانی رحمۃ اللہ علیہ یاد آ گئے اور خیال آیا کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو کبھی بھی ایسی تحریر نہیں لکھتے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت سے نوازے۔

اس سلسلے میں آپ سے کچھ باتیں کہنی ہیں۔ امید ہے اس پر غور فرمائیں گے اور مناسب سمجھیں تو جواب سے سرفراز فرمائیں گے۔

ایک بات سمجھ لیجئے کہ خاندانی منصوبہ بندی کا واحد مقصد آبادی کو کم کر کے غذائی مسائل حل کرنا ہے بچوں کی تعلیم و تربیت تو اس کے ضمن میں آتی ہے حرف دم چھلا۔ مقصد کو خوشنما اور دلکش بنانے کے لئے آبادی بڑھے گی تو لوگوں کو پیٹ بھر کھانا نہیں ملے گا۔ آبادی کم ہوگی تو سارے لوگ پیٹ بھر کھائیں گے (اگرچہ سارے لوگوں کے پیٹ بھرنے کا نظریہ بھی غلط ہے) حکومت کا مقصد خاندانی منصوبہ بندی کے ذریعہ غربت دور کرنا ہی ہے۔ صدر جمہوریہ ہند جناب فخر الدین علی احمد صاحب مرحوم نے سلطان پور (اتر پردیش) میں ایک جلسہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ

"ہمارے ملک میں جتنی ترقی ہو رہی ہے اس سے زیادہ لوگ ہمارے ملک میں پیدا ہو رہے ہیں۔ جس وقت ہمارا ملک آزاد نہیں ہوا تھا اور پاکستان کے لوگ بھی ہمارے ساتھ شامل تھے۔ اس وقت سارے ہندوستان کی آبادی بیالیس کروڑ کے قریب یا اس سے کم تھی اس کے بعد ہندوستان آزاد ہوا۔ پاکستان بنا اس وقت ہمارے ملک کی آبادی ساٹھ کروڑ سے اوپر ہوگئی۔ میں آپ سے خاص طور پر کسانوں اور مزدوروں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے بیچ جو بڑے بڑے لوگ ہیں اور جو اپر مڈل کلاس کہلاتے ہیں، جو بڑی خوشحالی کے ساتھ رہتے ہیں۔ ذرا ان کی طرف بھی تو نگاہ اٹھا کر دیکھئے کسی کے ہاں دو تین بچوں سے زیادہ نہیں ہوں گے۔ زیادہ تر بچے اس وقت گاؤں میں ہوتے ہیں۔ ذرا غور ر

ہے کہ مڈل کلاس کے لوگوں کی تو خوشحالی
بڑھتی چلی جارہی ہے اور آپ لوگوں کی
غربت بڑھتی چلی جارہی ہے۔ اس لئے
آپ کو دیکھنا ہے کہ کس طرح سے فیملی پلاننگ
کے ذریعہ سے آپ اس غربت کو، اس بیکاری
کو کم کرنے کی کوشش کریں۔"

یہ تقریر اخبارات میں غالباً ۲۷، ۲۸ جولائی ۱۹۷۶ء
یا اس کے لگ بھگ تاریخوں میں شائع ہوئی تھی۔ میرے
پیش نظر کٹنگ ہے۔ یہ تقریر صاف طور پر آبادی کو کم کرکے
غربت دور کرنے کی ہدایت کررہی ہے۔

مجھے شبہ ہے کہ آپ نے خاندانی منصوبہ بندی
کو سمجھا نہیں ہے یا دانستہ طور پر مغالطہ دینے کی کوشش
فرمائی ہے اسی لئے آپ نے لکھا ہے کہ:

"لیکن خاندانی منصوبہ بندی کو اس خیال
سے اپنا لینے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ بچوں
کے درمیان ایک مناسب فصل واقع
ہوجائے تاکہ بچوں کی تعلیم و تربیت پہ
معقول انداز میں توجہ دی جاسکے" صفحہ ۲۵

محترم! یہ خاندانی منصوبہ بندی مانع حمل ادویات
کے ذریعہ نہیں بلکہ آپریشن کے ذریعہ نس کو کاٹ دینا
ہے۔ بچہ یا بچوں کے درمیان فصل واقع ہونے کی
صورت ہی نہیں ہے۔ نس بندی کے بعد ہمیشہ کیلئے
بچہ کی پیدائش بند۔ معاف کیجئے گا مغالطہ کا لفظ اس
لئے لکھا ہے کہ آپ کو علم ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی
دواؤں کے ذریعہ نہیں۔ بلکہ نس بندی کے ذریعہ ہورہی
ہے آپ نے لکھا ہے کہ

"خبریں نشر کرنے والے ہر ادارے
اور ہر ذریعے کا عالم یہ ہے کہ وہ باواز
صریح یہ کہہ رہا ہے کہ نس بندی کے سلسلے
میں جبر و اکراہ سے قطعاً کام نہیں لیا جا
رہا ہے۔" صفحہ ۹

اور آپ باواز صریح کو سنکر بھی خود اس خوش
فہمی میں مبتلا ہیں اور دوسروں کو بھی باور کرانا چاہتے ہیں۔
کہ خاندانی منصوبہ بندی کے ذریعہ اپنی خواہش کے مطابق
بچوں کے درمیان فصل اختیار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں
اور "نرم" ہونے کی تلقین ہی نہیں کررہے ہیں۔ بلکہ
ببانگ دہل مسلمانوں کو اس پر عمل کرنے کا مشورہ دے
رہے ہیں۔ جب کہ نس بندی میں بچوں کے درمیان فصل
واقع ہونے کی کوئی شکل ہی نہیں ہے۔ آپ نے لکھا
ہے کہ

"ہماری رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کو بھی
منصوبہ بندی پر عمل کرنا چاہئے" صفحہ ۱۲

شاید آپ نے نس بندی سے پیدا شدہ نقصانات
پر غور نہیں فرمایا۔ نس بندی سے دو نقصان ہیں۔ ایک
یہ کہ نس بندی کرانے کے بعد اگر بچہ یا بچے مرجائیں
تو پھر آئندہ بچہ ہوگا ہی نہیں۔ دوسرا سب سے
بڑا نقصان یہ ہے کہ زنا کی چھوٹ مل جائے گی کیونکہ
نس بندی کے بعد بچہ ہوتا ہی نہیں ہے آج کے مذہب
بیزار دور میں بھی حرامی بچے کا خوف معاشرے میں موجود
ہے نس کے بعد یہ خوف جاتا رہے گا اور اس طرح
زنا کا مرض پھیلے گا۔

آپ نے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب
مدظلہ کے دو الفاظ "تباہ کن مشکلات" اور "بدترین
حالات" کو ہوا بنا دیا ہے لیکن اس کی کوئی تفصیل
پیش نہیں کی ہے کہ وہ کیا حالات تھے؟ اور ہندوستان
کی فضا "ناگفتہ بہ" کیا تھی؟ مولانا موصوف نے وہ
الفاظ جس معنی میں بھی استعمال کیے ہوں وہ جانیں۔ آپ ذرا
غور کیجئے کہ کیا خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک نہ چلتی
تو ہندوستان پر پہاڑ ٹوٹ پڑتا، آسمان زمین
پر آرہتا، دشمنوں کا حملہ شروع ہوجاتا اور لوگ
بھوک سے سسک سسک مرنے لگ جاتے؟
اور یہ تحریک چلی تو سارے خدشے اور خطرناک ماحول

ختم ہو گئے؟ بالکل مہمل اور واہی خیال ہے۔ یہ سب کچھ نہ تھا، بالکل نہ تھا، اور قطعی نہ تھا بلکہ صرف یہ تھا کہ اس تحریک کے خلاف زبان کھولی تو جیل میں سڑنا ہوگا۔ یہاں ایک بہت ہی مشہور شعر یاد آگیا ؎

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

لیجئے ایک شعر اور ذہن میں آگیا ؎

سستی ایمان کا کچھ باعث ہے ورنہ
آتشِ نمرود کو بھی گلستاں سمجھا تھا میں

ابھی تک میری نظروں سے بہار کے دو شخص کی کی تحریر خاندانی منصوبہ بندی کی مخالفت میں نظر سے گذری ہے ایک مولانا سید محمد عثمان غنی صاحب صدر دینی تعلیمی بورڈ بہار کی تحریر جو روزنامہ راہ رو پٹنہ اور رسالہ المجیب پھلواری شریف پٹنہ میں شائع ہوئی ہے اور دوسرے مولانا منت اللہ صاحب رحمانی کی کتاب۔ ممکن ہے اور بھی کسی کی تحریر منظر عام پر آئی ہو مگر وہ میری نظروں سے نہیں گذری۔

آپ نے یہ بالکل صحیح لکھا ہے کہ

"اس تصوّر کے پیشِ نظر مانع حمل چیزوں کا استعمال کرتا کہ اگر بچے زیادہ ہوں گے تو کھائیں گے کہاں سے بلا شبہ ناجائز ہے" صفحہ ۲۵

۸ رفروری کا خط ختم۔

جنوری ۷۸ء کے آغازِ سخن پر کچھ باتیں ملاحظہ کیجئے۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ

"ہمارا اپنا خیال، اپنی تحقیق اور اپنے علم و فہم کے مطابق یہ تھا۔ اور اب بھی یہی ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کرنا زیادہ سے زیادہ مکروہات کی فہرست میں شامل کیا جا سکتا ہے" صفحہ ۱۲-۱۳ کالم ۲-۱

"محترم میں خود ان لوگوں میں سے ہوں جو خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک کو جائز نہیں سمجھتے میں کھلے عام اس تحریک کو باطل اور ناجائز قرار دینے کیلئے تیار ہوں" صفحہ ۱٦ کالم ۱

آپ نے خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک کو باطل اور ناجائز سمجھتے ہوئے بھی گذشتہ شمارہ میں تحریک کی حمایت کی اور اب حمایت کی وجہ بتاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

"دوسری وجہ یہ تھی کہ ہمارے دل و دماغ میں یہ یقین جاگزیں تھا کہ اگر کسی باطل تحریک کی تائید کی جائے تو علمائے حق ایک لمحہ کے لئے بھی خاموش نہیں بیٹھیں گے" صفحہ ۱۳ کالم ۱

"اس حقیقت کے پیشِ نظر ہمارا یقین یہ تھا کہ خاندانی منصوبہ بندی کی مخالفت سے زیادہ سودمند اس کی موافقت ہوگی" صفحہ ۱۳ کالم ۱

"بہر حال خاندانی منصوبہ بندی کے بارے میں حمایتی تحریک لکھنے کی ایک وجہ یہ تھی کہ شاید ہمارے علماء کی مخصوص رگ پھڑک اٹھے اور وہ ہمارے خلاف کوئی محاذ قائم کر کے یہ ثابت کرنے میں سرگرداں ہو جائیں کہ خاندانی منصوبہ بندی جائز نہیں ہے۔ صفحہ ۱۴ کالم ۱

گویا آپ نے باطل اور ناجائز تحریک کی حمایت اس لئے کی کہ اس پر آپ کو کوئی ٹوکے، انتہائی غلط اور گمراہ کن خیال ہے۔ باطل اور ناجائز کو باطل اور ناجائز سمجھتے ہوئے، حق اور جائز کہہ کر بڑا بھونڈا خیال آپ نے پیش کیا ہے صحیح مشورہ دینے کے متعلق آپ کو احادیث یاد ہوں گی۔ اور پھر کتمان

حق کہتے کس کو ہیں ؟

اس تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ باطل کو باطل سمجھتے ہوئے بھی حق ظاہر کرتے ہیں اور حق کو حق سمجھتے ہوئے باطل قرار دیتے ہیں۔ اب آپ بتائیے کہ آپ کی تحریر پر کیسے اعتماد ہوسکتا ہے اس تحریر نے تو دل لرزا کر رکھدیا ہے۔ سخت الفاظ کے لئے معذرت خواہ ہوں امید ہے کہ ذہن کو جھٹکا لگا ہے اسے جواب سے دور فرما کر ممنون فرمائیں گے فقط والسلام آپ کا خیر اندیش

نعمان غنی

تجلی ایسا معلوم ہوتا ہے آپ کسی تہہ خانے میں زندگی بسر کرتے ہیں جب ہی تو آپ کو اس بات کا اندازہ نہیں ہوسکا۔ کہ مہتمم صاحب نے اپنے بیان میں خطرناک اور تباہ کن کے الفاظ کیوں استعمال کئے اور حسن نے ان الفاظ پر حاشیہ آرائی کیوں کی۔

عالم یہ ہوچکا تھا کہ گھروں سے نکال نکال کر مردوں کو لے جایا جاتا تھا۔ اور زبردستی ان کی نسیں کاٹ دی جاتی تھیں، جس شہر میں نس بندی کی مخالفت کی گئی وہاں پولیس نے گولیاں چلاکر سینکڑوں زندگیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ سرکاری ملازموں کا تو ناک میں دم کر دیا گیا تھا۔ ان کی تنخواہیں روک لی گئی تھیں۔ ان کے بیوی بچے بھوکے مرنے لگے تھے۔ غیر سرکاری حضرات بھی کچھ کم پریشان نہیں کئے گئے۔ تجلی کے کوٹے کا کاغذ ختم ہوا تو ہم نے کوٹے کی درخواست دی اطلاع ملی کہ پہلے نس بندی کراؤ۔

نس بندی کے مستحق نہیں ہو تو دو چار کیس لاؤ ورنہ کاغذ نہیں ملے گا۔ یہی حال ہر طرف تھا۔ اس قسم کی افراتفری اور دھاندلی بازی ملک کے ہر حصہ میں پھیلی ہوئی تھی ہر شخص پریشان ہو کر رہ گیا تھا خواہ ملازم پیشہ ہو یا سوداگر۔ امیر غریب سب ایک ہی مصیبت کا شکار تھے ایک ہی عذاب میں مبتلا تھے۔ یہ تھے وہ خطرناک اور تباہ کن حالات جن کی طرف مہتمم صاحب نے اشارا کیا تھا اور جسے ہم نے تجلی لپنے مضمون میں اہمیت دینے کی کوشش کی تھی۔

ان حالات میں ہم نے مسلمانوں کو بے تکلف یہ مشورہ دیا تھا کہ خاندانی منصوبہ بندی کی مخالفت نہ کریں۔ اس لئے کہ مخالفت کے نتیجہ میں گورنمنٹ کی طرف سے جو مصائب نازل کئے جا رہے ہیں وہ امتِ مسلم کے لئے بہرحال نقصان دہ ہوں گے۔

اب حالات بدل چکے ہیں۔ ظلم وستم کی وارداتوں نے دم توڑ دیا ہے۔ اخبار ورسائل سے پابندیاں اٹھا لی گئیں۔ اب ہماری ہر تحریر کو پریس چھاپنے کے لئے تیار ہے لہذا ہماری حتمی رائے ایک ہی ہے کہ نس بندی حرام ہے اس سے جہاں تک ہوسکے دامن بچانے کی کوشش کی جائے۔

خدانخواستہ اگر حالات پھر بدلے۔ پھر گھروں سے نکال نکال کر نس بندی کی جانے لگی۔ پھر راہ چلنے والوں کو اٹھا اٹھا کر کیمپوں میں پہونچایا جانے لگا پھر نس بندی کی مخالفت کرنے والوں کی عزت وناموس پر ڈاکے ڈلنے لگے تو ہم پھر یہی مشورہ دینے کیلئے مجبور ہوں گے کہ مسلمان نرم پالیسی اپنائے رکھیں۔ اور جذبات کی رَو میں بہہ کر کوئی ایسا اقدام نہ کریں۔ جس کا خمیازہ ہزاروں مسلمانوں کو بھگتنا پڑے۔ آپ نے اور آپ جیسے کئی قارئین نے ہم پر یہ الزام عائد کیا ہے کہ ہم جیل میں جانے سے ڈرتے ہیں۔ اس لئے نس بندی کی کھلی مخالفت نہ کر سکے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ایمرجنسی کی انیس ۱۹ مہینوں میں ایک بار نہیں ان گنت بار نالائق حسن کو قانونی پیچیدگیوں سے گذرنا پڑا ہے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ تجلی کا نام بہرحال "بلیک لسٹ" میں کل بھی درج تھا (باقی صفحہ ۶۲ پر)

حسن احمد صدیقی

ظرافت

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پہلو

بعض لوگ کہتے ہیں کہ بزرگی انتہا سے زیادہ سنجیدگی، ترش
رئی اور اکھڑ پن کا نام ہے۔ ایسا خام عقیدہ رکھنے والے لوگ ادنیٰ
رجہ کے ہنسی مذاق اور معمولی سی خوش طبعی کو بھی بزرگی اور تقدس
ے منافی سمجھتے ہیں۔ ہمیشہ تیوری چڑھائے رکھنا ان کا معمول بن
تا ہے۔ خدوخال سے ہمیشہ ترشی اور بیزاری ہی کے آثار
سایاں رہتے ہیں۔

عوام اور جاہلوں کے دماغوں میں تو ہمیشہ ہی یہ تصور رہا کرتا
ہا ہے کہ متقی اور اللہ والے لوگ خشک طبیعت، غمگین اور روتی
ورت ہوتے ہیں۔ لیکن بعض تعلیم یافتہ اور ہوش مند حضرات
ی اس قسم کا خام اور راہبانہ تصور اپنے ذہنوں میں بسائے ہوئے
یں۔ وقار اور سنجیدگی بے شک بزرگی اور ولایت کا زیور ہیں۔ جو شخص
ر وقار و سنجیدگی سے محروم ہوگا وہ قطعی طور پر بزرگ کہلانے کا
ستحق نہیں ہو سکتا۔ حقیقی بزرگ وہی ہوتے ہیں جن کی شخصیت
قار و سنجیدگی اور متانت و یکسوئی کے زیورات سے آراستہ ہو۔
ن کے شخص پر حلم و بردباری اور سادگی و سنجیدگی کی گہری
ھاپ ہو۔

لیکن ہلکے پھلکے ہنسی مذاق کو بھی بزرگی اور عبدیت کے منافی
مجھنا نادانی اور کم علمی کی بات ہے۔ ایک واہی اور خام تصور ہے۔
طائبہ و مزاح اگر بزرگی کے حق میں زہر قاتل ہوتے تو آں حضور

(صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات گرامی سے اس کی توقع کبھی نہیں کی جا سکتی
تھی۔ اگر خوش طبعی شجر ممنوعہ ہوتی تو صحابہ کرامؓ کبھی اس کے
قریب نہ پھٹکتے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ پُر وقار اور متین
کون ہو سکتا ہے۔ صحابہ کرامؓ سے زیادہ متین اور متقی بڑے سے
بڑے ولی میں بھی ممکن نہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تو خیر بات ہی کیا ہے۔ آپ تو
سراپا دین تھے۔ آیات قرآنیہ میں ڈھلا ہوا زندہ و جاوید پیکر تھے
آپ کی نوک رگ میں دین اسلام تحلیل تھا۔ صحابہ کرامؓ کا یہ عالم
تھا کہ ہمہ وقت خدا کی یاد میں ڈوبے رہتے تھے۔ ہر قدم اسلام
کی منشا کے مطابق اٹھاتے تھے۔ ہر آن اور ہر گھڑی ان کے اذہان و
قلوب پر خدا کا خوف اور رعب طاری رہا کرتا تھا۔ جو خضوع، خشیت
اور پرہیزگاری صحابہ کرام کی فطرتوں میں رچی ہوئی تھی۔ دنیائے
اسلام میں اس کی نظیر نہیں ملتی، بلکہ بڑے بڑے ولی اور اونچے سے اونچے
امام وقت بھی صحابہ کرامؓ کے تقدس و ورع کا عشر عشیر بھی نظر نہیں
آتا۔ انھوں نے سرور کائنات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ آپؐ
کی مبارک صحبت میں بیٹھ کر دین کی دولت براہ راست حاصل کی تھی
شب و روز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و افعال کا مشاہدہ
کر کے بزرگی کے نشیب و فراز سمجھتے تھے۔ اسی لیے ان کا ایمان دنیا
کے تمام مسلمین و مومنین کی بہ نسبت قوی اور خالص تھا۔ ان کے

اعمال و معتقدات اسلامی نقطۂ نظر سے قابل قدر و جزا اور لائق تحسین و آفریں تھے۔ ان کا عقیدہ مستحکم اور ان کا یقین غیر متزلزل تھا ہمارے یقین کی طرح کھوکھلا اور بے روح نہیں تھا۔

لیکن یہی حضرات (جو ہر وقت اور ہر لمحہ ہر سانس خدا کی یاد میں غرق رہتے تھے۔ جن کے قلوب درد و محبت کی بیش بہا نعمت سے بہرہ ور تھے۔ جو خوف خدا رکھنے میں اپنی مثال آپ تھے) گاہ بہ گاہ ظرافتاً اور خوش طبعی کے طور پر ایک دوسرے کے ساتھ ہنسی مذاق بھی کر لیا کرتے تھے۔ ان کی مجلسوں میں وقتاً فوقتاً لطیف اور پر متانت مزاح کی چاندنی بھی بکھرتی رہتی تھی۔ بعض صحابہ تو کبھی کبھی خوش طبعی اور ظرافت کو ضروری اور لازمی قرار دیتے تھے۔ اور اس کی اولین وجہ یہ تھی کہ ان حضرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بارہا خوش طبعی فرماتے دیکھا تھا۔ اور آنحضورؐ کی ہر بات اور ہر ادا اور ہر طریقہ کو اپنا لینا صحابہؓ کی فطرت بن چکا تھا۔

کون نادان یہ کہنے کی جسارت کر سکتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز زندگی قابل اتباع نہیں ہے۔ یا آپ کے نقش قدم پر چلنا ضروری نہیں ہے۔

بے شک اور لاجرم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ذاتی، ہر طبعی میلان، ہر طریقۂ زندگی امت کے لیے معیار ہے، جو بہترین کسوٹی اور لاجواب آئیڈیل ہے۔ ہمیں ہر معاملہ میں آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی روش ہمیشہ نظر رکھنی چاہیے۔ آں حضورؐ جیسے تمام عادات واطوار اپنائے بغیر ایمان واحسان کی تکمیل ممکن نہیں ہے۔

کتابوں کی ورق گردانی کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کا مزاج نہایت شگفتہ تھا اور آپ انتہائی زیادہ خوش اخلاق اور شیریں مقال تھے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی ظرافت اور خوش طبعی کے ان گنت واقعات تاریخ کے ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔ ہم نمونے کے طور پر چند واقعات آپ کی خدمت میں پیش کریں گے لیکن ان واقعات کو آپ کے سامنے لانے سے قبل یہ گزارش کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اسلام نے ہر جائز و ناجائز مذاق کی اجازت نہیں دی، اور نہ ہر قسم کے مزاح کو مستحسن قرار نہیں دیا جو مذاق بیہودگی، بے حیائی اور پھکڑپن کے قبیل سے ہو۔ اسلام اس سے محترز رہنے کی تاکید کرتا ہے۔ اس طرح اس مذاق کو بھی قابل ترک واجتناب قرار دیا گیا ہے جس سے کسی کی دل شکنی، دل آزاری اور اہانت ہوتی ہو۔ جسے عرف عام میں تمسخر کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا	اے ایمان والو! آپس میں
لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ	ایک دوسرا کا مذاق مت اڑاؤ
عَسَى أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا	نہ مرد، مردوں کو مذاق کا نشانہ
مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِنْ	بنائیں نہ عورتیں عورتوں کو۔
نِسَاءٍ عَسَى أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا	ممکن ہے کہ جن کو مذاق کا نشانہ
مِنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا	بنایا جا رہا ہو وہ مذاق اڑانے
أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا	والوں سے بہتر ہوں۔ اور
بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ	باہم الزام تراشی مت کرو۔ اور
الِاسْمُ الْفُسُوقُ	نہ ایک دوسرے کو برے القاب
بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ	سے یاد کرو۔ ایمان کے بعد
لَمْ يَتُبْ فَأُولَئِكَ	ناموں میں بگاڑ پیدا کرنا بری
هُمُ الظَّالِمُونَ۔	روش ہے اور جو لوگ اس طرز
(سورۂ حجرات رکوع ۳	عمل سے باز نہ آئیں وہی ظالم
آیت ۱۰)	ہیں۔

اس آیت میں صراحۃً تمسخر و تضحیک سے باز رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ یہ مذموم صفت عورتوں میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔ بعض مرد بھی اس بری عادت کا شکار ہوتے ہیں۔ دوسروں پر پھبتیاں اور آوازے کسنا، دوسروں کی سادہ لوح چال ڈھال اور سیدھے پن کا مذاق اڑانا، ان کی دل لگی میں داخل ہوتا ہے۔ اسلام انسانوں کی تذلیل و اہانت کو پسند نہیں کرتا۔ وہ اس دل لگی اور مذاق سے مجتنب رہنے کا اصرار کرتا ہے جس سے دوسروں کی تحقیر و تنقیص ہوتی ہو۔ نیز اس آیت میں الزام تراشی اور بہتان زنی جیسے خبیث امراض سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اسی طرح لوگوں کے لیے غلط اور برے نام تجویز کرنا

معیوب قرار دیا گیا ہے۔ اور اس قسم کی تمام حرکتوں سے پہلو تہی کرنے کی فہمائش کی گئی ہے۔

بہر حال اسلام ہرگز ہرگز اس مذاق کی اجازت نہیں دیتا جو دوسروں کو حقیر و ذلیل کرنے کے لیے عمل میں آتا ہو اور جو دوسروں کی ہتک و تحقیر کا باعث بنتا ہو اور جس سے دوسروں کی شخصیت مجروح ہونے کا امکان ہو۔

ترمذی میں ایک حدیث حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں:-

قال رسول الله صلى الله	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
عليه وسلم لا تمارك	نے فرمایا تو اپنے بھائی سے
اخاك ولا تمازحه	مباحثہ مت کر اور نہ اس سے
ولا تعده موعدا	بیہودہ مذاق اور نہ اس سے
فتخلفه۔	وعدہ کر کے اس کی خلاف ورزی کر

اس حدیث میں اس مذاق سے روکا گیا ہے جس پر سخریہ و تمسخر کا اطلاق ہوتا ہے اور اسلام میں معیوب اور قابل ترک و مذمت ہے۔

اجمالی طور پر یہ بات ذہن نشین کر لیجیے کہ اسلام صرف اس مذاق کی اجازت دیتا ہے جو از راہ شگفتگی اور مخاطبین کو خوش کرنے کے لئے ہو اور اس میں کذب، توہین، تمسخر اور تضحیک کے عناصر شامل نہ ہوں۔ آئیے اب سرسری طور پر ان واقعات کا جائزہ لیں جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش طبعی، ظرافت اور زندہ دلی کا اعلان کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اور گزارش کی۔ حضور میرے لیے دعا کر دیجیے کہ حق تعالیٰ شانہ مجھے جنت میں داخل کر دیں۔

حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ پھوپھی جان! کوئی بڑھیا جنت میں داخل نہیں ہوگی۔

یہ سن کر حضرت صفیہ کے آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ اداس ہو گئیں اور بوجھل قدموں سے واپس جانے لگیں۔ حضور صحابہ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا۔ ان سے کہہ دو کہ کوئی بڑھیا بڑھاپے کی حالت میں جنت میں داخل نہیں ہوگی بلکہ خدا تعالیٰ ہر بوڑھی عورت کو جوانی اور بانکپن عطا کر کے جنت میں داخل فرمائے گا۔

آنحضورؐ نے کچھ دیر مذاقاً انھیں حیرانی اور پریشانی میں مبتلا کیا اور پھر اس کے بعد حقیقت واضح کر دی۔ بات تو صحیح ہی تھی لیکن آپ نے کچھ انداز سے کہی کہ اس میں مذاق اور خوش طبعی کا عنصر شامل ہو گیا۔

بالکل اسی انداز کا ایک واقعہ ہے۔ اس میں بھی آپ نے ایک سچی اور صحیح بات کو کچھ اس طرح ارشاد فرمایا کہ بجائے خود ایک مزاح بن گئی۔

ہوا یوں کہ ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں ایک صاحب آئے اور عرض کیا۔

یا رسول اللہؐ! مجھے ایک اونٹ عنایت فرما دیجیے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہم تمہیں اونٹنی کا بچہ دیں گے۔ ان صاحب نے عرض کیا مجھے سواری کے لیے پورے اونٹ کی ضرورت ہے، اونٹ کا بچہ بوجھ برداشت نہیں کر سکتا، آپ مجھے اونٹ عطا فرمائیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ہم تمہیں اونٹنی کا بچہ ہی دیں گے۔ وہ صاحب خاموش ہو گئے۔ تب آپ متبسم انداز میں گویا ہوئے کہ ہر اونٹ کسی نہ کسی اونٹنی کا بچہ ہی ہوتا ہے۔

دوستوں میں مذاق کے طور پر یہ بھی چلتا ہے کہ ایک صاحب دبے دبے پاؤں آئے اور دوسرے صاحب کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ تاکہ وہ پلٹ کر دیکھ نہ سکیں۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ بغیر دیکھے بتاؤ میں کون ہوں۔ چنانچہ وہ صاحب پہچاننے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے سب دوستوں کے نام لینا شروع کر دیتے ہیں۔ بعض سمجھ دار لوگ ہاتھوں کے لمس وغیرہ ہی سے صحیح اندازہ کر لیتے ہیں کہ کون ہو سکتا ہے۔ اور پہلی ہی مرتبہ میں صحیح نام بتا دیتے ہیں۔ بات تو یوں ہی سی ہے، لیکن مذاق میں داخل ہے اور واقعاتی دنیا میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔

کچھ اسی قسم کا ایک واقعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے وابستہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک صحابی تھے جن کا نام زاہر تھا۔ یہ دیہات کے رہنے والے تھے۔ دیہاتیوں کا رہن سہن تھا۔ لباس عموماً میلا اور بے ترتیب رہا کرتا تھا شکل و صورت سے بھی اچھے نہیں تھے۔ لیکن حضورؐ کو ان سے بہت محبت تھی

زاہرؓ گاؤں سے سبزیاں لاکر فروخت کیا کرتے تھے۔ یہی ان کا ذریعۂ معاش تھا۔ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم بازار پہنچے حضرت زاہرؓ پر نظر پڑی وہ اپنی دوکان لگائے بیٹھے تھے۔ اور سودا فروخت کرنے میں منہمک تھے۔ حضورؐ کو یہ انہماک بہت پسند آیا آپ آہستہ آہستہ پشت کی جانب سے ان کے قریب پہنچے اور ان کی دونوں آنکھوں پر مضبوطی کے ساتھ اپنا دست مبارک رکھدیا زاہرؓ تڑپ کر بولے کون ہے؟ چھوڑو مجھے۔

آنحضورؐ نے نہیں چھوڑا۔ کچھ لمحوں کے بعد زاہرؓ نے محسوس کرلیا کہ یہ تو محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اب کیا تھا اب تو انھوں نے خود کو چھڑانے کی بجائے حضورؐ سے چمٹنا شروع کردیا۔ حضورؐ بھی سمجھ گئے کہ زاہرؓ نے تاڑ لیا ہے۔ اب حضورؐ نے ہنس کر فرمایا۔

اس غلام کا خریدار کون ہے؟

زاہرؓ بولے کہ خدا کی قسم! یہ مال تو بہت کھوٹا ہے۔

حضورؐ نے پرشفقت لہجہ میں کہا۔ لیکن تم خدا کے نزدیک نہایت قیمتی ہو۔ سبحان اللہ کیسا انوکھا مذاق تھا اور کتنی پاکیزہ گفتگو۔

جب پانچ سات یا دس بیس آدمی ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں تو تھوڑی بہت دل لگی اور تفریح بازی لازماً عمل میں آتی ہے بلکہ ایسے لوگوں میں خوش طبعی کا پھلکا مزاح تہذیب و شائستگی کا مظہر سمجھا جاتا ہے۔ بالعموم وہ مجلس جہاں چند بے تکلف احباب موجود ہوں خوش طبعی اور ظرافت کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہیں۔ انسان کتنا بھی سنجیدہ اور خاموش طبیعت کیوں نہ ہو لیکن یار دوستوں کے جھرمٹ میں بے اختیار ہنسی مذاق اور مسکراہٹ و تبسم کے تبادلہ پر مجبور ہو جاتا ہے۔

ایک دعوت خاص میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم، عمر فاروقؓ اور حضرت علیؓ موجود تھے اور کھجوریں تناول فرما رہے تھے — آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور عمر فاروقؓ کھجوریں کھا کر گٹھلیاں ازراہِ مذاق حضرت علیؓ کے آگے ڈالتے جا رہے تھے حضرت دانستہ انجان بنے رہے اور کچھ نہیں بولے۔ جب کھجوریں ختم ہو گئیں تو حضرت عمر فاروقؓ نے مزاحاً کہا:

اے علی! تم نے ہم سے زیادہ کھجوریں کھائی ہیں — اور یہ گٹھلیاں اس بات کی شہادت دے رہی ہیں۔

مطلب یہ تھا کہ ہم نے کم کھائی ہیں اس لیے ہمارے آگے گٹھلیاں بھی کم ہیں اور تم نے کھجوریں زیادہ کھائی ہیں اس لیے تمہارے آگے گٹھلیاں زیادہ ہیں۔

حضرت علیؓ، عمر فاروقؓ کی بات سنکر مسکرائے، پھر دھیمے لہجے میں بولے۔

دیکھیے صاحب! کھجوریں تو ہم لوگوں نے برابر ہی کھائی ہیں، ہاں فرق اتنا ہے کہ آپ نے گٹھلیوں سمیت کھائی ہیں اور میں گٹھلیاں تھوکتا رہا ہوں۔

حضرت علیؓ کے اس برجستہ اور ذو معنی جواب پر آنحضورؐ بھی بے ساختہ ہنس پڑے۔

بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بات اپنی نوعیت کے اعتبار سے لطیف اور شگفتہ نہیں ہوتی لیکن کہنے والے کا انداز اتنا دلنشیں اور خوش لہجہ ہوتا ہے، کہ سامع اور مد مقابل ہنسے بغیر نہیں رہتا

حضرت انسؓ کو ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص مذاق کے انداز میں یا ذالا ذنین کہہ کر آواز دی۔ یعنی اے دو کان والے۔ ظاہر ہے کہ ہر انسان دو کان والا ہی ہوتا ہے۔ ایک کان تو کسی انسان کا دیکھنے میں نہیں آیا۔ بس ایک عام سی حقیقت کو آپؐ نے اس انداز میں بیان کیا کہ حضرت انسؓ مسکرانے پر مجبور ہو گئے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بچوں سے بڑا لگاؤ تھا۔ بچوں میں دلچسپی لینا اور ان کے ساتھ ہنسی مذاق کرنا ان کی عادتِ ثانیہ تھی۔ بچوں کو خوش کرنے اور انھیں بہلانے کے لیے آپؐ اکثر بے ترتیب اور بے معنی الفاظ بولا کرتے تھے۔ مثلاً کہا کرتے تھے خرقة فی عین عل بقة کھینچ تان کر اس کے معنی یہ نکالے جاسکتے ہیں: "ہر مچھر کی آنکھ میں مکڑی کا جبڑا ہوتا ہے" ظاہر ہے کہ ایک بے معنی جملہ ہے۔ لیکن آپؐ بچوں کی نفسیات سے واقف تھے۔ آپ جانتے تھے کہ بچے اس قسم کے فقروں سے خوش ہوتے ہیں۔ اس لیے آپؐ جب بچوں کی مجلس میں ہوتے تو خود بھی بچے بن جاتے اور بچوں کی طرح بے ربط اور بے معنی کلمات زبان سے نکالتے تھے۔ بچے آپؐ کی ان باتوں سے بیحد

مسرور اور محظوظ ہوا کرتے تھے۔

حضرت انسؓ کے بھائی ابو عمیرؓ نے سرخ رنگ کی ایک چڑیا پال رکھی تھی۔ عربی زبان میں اس کو نغیر کہا جاتا ہے اور ہمارے ملک میں اس کو "لال" کہتے ہیں۔ ابو عمیر اس چڑیا کو ہر وقت اپنے ساتھ لیے پھرتے تھے۔ اگر اتفاقاً کبھی چڑیا ان کے ساتھ نہ ہوتی۔ تو حضورؐ پر مذاق لہجہ میں کہا کرتے —

یا ابا عمیر ما فعل النغیر۔ اے ابو عمیر تمہاری چڑیا کیا کر رہی ہے؟

یہ جملہ ادا کرتے وقت آپ کا لب و لہجہ اتنا دلکش اور پیارا ہوتا کہ ابو عمیر کے ذہن میں ایک کیفیت نشاط موجزن ہو جاتی اور وہ معصومانہ انداز میں ہنس پڑتے۔

ہماری دنیا میں جو لوگ بڑے کہلاتے ہیں اور با عظمت سمجھے جاتے ہیں عموماً ان کی داخلی اور خارجی زندگی میں بڑا بُعد ہوتا ہے۔ سماجی زندگی کا رنگ کچھ اور ہوتا ہے اور [illegible] رنگ کچھ اور۔ گھر سے باہر نکلتے ہیں تو نہایت شفیق، کریم، منکسر ہنس مکھ اور خوش اخلاق نظر آتے ہیں۔ گھر میں آتے ہیں تو انتہائی بدخو، بدمزاج اور بدزبان بن جاتے ہیں۔ گھر سے باہر قدم نکالتے ہیں تو انگ انگ سے سادگی ٹپکتی ہے۔ گھر میں [illegible] ہوتے ہیں تو تصنع اور نمائش کا ایک [illegible] بات بات پر جھلاتے ہیں، تیوری چڑھاتے ہیں، آپے سے باہر ہوتے ہیں۔ دراصل ہمارے معاشرے کا ہر بڑا اور اونچی سطح کا آدمی ایک روایتی ہاتھی ہوتا ہے جس کے کھانے کے دانت کچھ اور ہوتے ہیں اور دکھانے کے کچھ اور۔

جو لوگ حقیقی طور پر بڑے اور صاحب کردار ہوتے ہیں ان کی سماجی اور ذاتی زندگی بالکل ایک طرح کی ہوتی ہے۔ انکی پبلک لائف اور پرائیویٹ زندگی میں کسی قسم کا تفاوت اور تضاد نہیں ہوتا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ فطری طور پر بڑے معظم اور صاحب کردار انسان تھے اس لیے آپؐ کی خارجی اور اندرونی زندگی بالکل یکساں تھی۔ آپ جتنے شفیق اور مہربان باہر نظر آتے تھے ایسے ہی گھر میں دکھائی دیتے تھے۔ آپ جس طرح اپنے اصحاب کے ساتھ کبھی کبھی ہنسی مذاق کیا کرتے تھے اسی طرح اپنے اہل خانہ کے ساتھ بھی خوش طبعی فرمایا کرتے تھے۔ آپ کا ہر وصف حقیقی تھا۔ آپ کی تمام عادتیں یکسانیت رکھتی تھیں ان میں نہ تضاد تھا نہ دو رنگا پن۔ آپ جتنے اپنے دوستوں پر مہربان تھے، اتنے ہی مہربان اپنی ازواج مطہرات پر بھی تھے۔ آپ جس قدر محسن باہر والوں کے لیے تھے اسی قدر محسن گھر والوں کے لیے بھی تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ حقیقی اوصاف و محاسن سے متصف ہوتے ہیں ان کی عادات و اطوار اور طرز عمل میں کسی قسم کی تبدیلی اور تغیر واقع نہیں ہوتا خواہ وہ گھر میں ہوں یا گھر سے باہر۔ ان کا رویہ سب کے ساتھ ایک جیسا رہتا ہے۔ وہ فطری طور پر سب کے لیے خوش اخلاق اور نرم خو ہوتے ہیں [illegible] چہرے پر تصنع دریا کا ایک [illegible] ہوتا ہے جس کا [illegible] وقت اتر [illegible] ہے اور اس کے بعد کردار کا چہرہ پہلے کی طرح سیاہ اور گھناؤنا ہو جاتا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہمیں کسی قسم کا تضاد دکھائی نہیں دیتا۔ آپ کی داخلی اور خارجی زندگی ایک ہی رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ آپ جتنے ہنس مکھ اور خوش مزاج احباب و اصحاب کے لیے تھے۔ اتنے ہی ہنس مکھ اور خوش اخلاق اپنی ازواج کے لیے بھی تھے۔

ایک مرتبہ لوگوں نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ حضورؐ جب گھر میں ہوتے ہیں تو طرز عمل کیسا ہوتا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ سب سے زیادہ نرم خو، خندہ جبیں اور ہنس مکھ۔

اور اس لینت و نرمی کی انتہا یہ تھی کہ کبھی کسی کو جھڑکا نہیں، کبھی کسی پر [illegible] ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی۔

ایک مرتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہؓ کے مابین اپنائیت کی خوشگوار جھڑپ ہو رہی تھی، جو لازماً ہر میاں بیوی میں ہوا کرتی ہے۔ ابھی یہ تکرار جاری ہی تھی کہ اچانک ابوبکرؓ تشریف لے آئے۔ ابوبکر صدیقؓ نے جب حضرت عائشہؓ کو حضورؐ کے ساتھ زبان چلاتے دیکھا

تو ان کا چہرہ تمتما اٹھا۔ انھیں اپنی بیٹی کی یہ حرکت بہت ناگوار گزری۔ وہ غصہ کی حالت میں آگے بڑھے تاکہ حضرت عائشہ رضؓ کو زدوکوب کریں۔ لیکن ایک دم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم آڑے آگئے اور عائشہؓ کو بچا لیا۔ کچھ دیر بعد جب حضرت ابوبکر صدیقؓ چلے گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر کہا۔ اگر ہم نہ بچاتے تو آج آپ کی خیر نہیں تھی ــــ حضرت عائشہ رضؓ حضورؐ کا یہ جملہ سنکر مسکرا دیں اور تکرار محبت میں بدل گئی۔

بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ خود تو اپنی بیوی کے ساتھ ہر قسم کا ہنسی مذاق کر لیتے ہیں لیکن جب بیوی چھیڑ چھاڑ اور مذاق کرنا چاہتی ہے تو ان کا منھ چڑھ جاتا ہے ــــ پیشانی پر بل پڑ جاتے ہیں۔ جیسے بیوی نے کوئی سفاک جرم کر دیا ہو۔ جیسے اس کو دل لگی، اور ہنسنے ہنسانے کا کوئی حق نہ ہو۔ آنحضورؐ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ خود بھی اپنی ازواج کے ساتھ خوش طبعی فرمایا کرتے تھے۔ اور اگر ازواج میں سے کوئی آپ کے ساتھ ہنسی مذاق کرتیں تو آپ غصہ نہیں کرتے تھے بلکہ ان کے ہنسی مذاق میں دلچسپی لیا کرتے تھے، ان کی باتوں سے مسرور اور محظوظ ہوا کرتے تھے

ایک بار ــ خاص موڈ کی حالت میں آنحضورؐ نے اپنی محبوب شریک حیات عائشہ رضؓ سے کہا:

اے عائشہ! اگر تم مجھ سے پہلے مر جاؤ تو اس میں تمہارا کیا نقصان ہے؟ بلکہ فائدہ ہی فائدہ ہے۔ میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے غسل دوں گا۔ اپنے ہاتھوں سے کفناؤں گا۔ جنازہ کی نماز پڑھاؤں گا اور اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتاروں گا۔

حضرت عائشہ رضؓ حضورؐ کے اس سنجیدہ اور لطیف مذاق پر ذرا بناوٹی غصہ سے بولیں۔ جی ہاں یہ سب تو آپ کریں گے ہی۔ مگر یہ بھی تو ہوگا کہ اسی دن میرے حجرے میں آپ اپنی دوسری بیوی کے ساتھ آرام فرما رہے ہوں گے۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میں آپ پر دوبھر ہو گئی ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضؓ کی اس پر مزاح اور نازو بھری خفگی پر ہنس دیے۔

ازواج مطہرات نے بخوبی آپ کے مزاج کو پرکھ لیا تھا آپ سب کو اندازہ ہو گیا تھا کہ حضورؐ جائز بے تکلفی اور پاکیزہ مذاق سے خوش ہوتے ہیں۔ چنانچہ کبھی کبھی وہ آنحضورؐ کی موجودگی میں باہم ہنسی مذاق اور چھیڑ چھاڑ کرتی رہا کرتی تھیں۔

حضرت عائشہ رضؓ نے ایک مرتبہ کوئی خاص چیز پکائی۔ اس وقت حضرت سودہ رضؓ بھی موجود تھیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کے درمیان موجود تھے۔ بے تکلفی کا ماحول تھا۔ حضرت عائشہ رضؓ نے حضرت سودہ سے کہا۔ کھاؤ۔ انھوں نے انکار کیا۔ انھوں نے پھر اصرار کیا کہ کھاؤ۔ حضرت سودہ رضؓ نے پھر انکار کیا اب حضرت عائشہ رضؓ نے وہ حریرہ لے کر ان کے منھ پر لیپ دیا۔ اس بے تکلفی پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خوب ہنسے اور حضرت سودہ رضؓ سے کہا کہ تم عائشہ کے منھ پر مل دو تاکہ بدلہ اتر جائے۔ حضرت سودہؓ نے حضورؐ کے کہنے پر عمل کیا۔ اور حضور ایک بار پھر مسکرا دیے۔

انسان کی فطرت ہے کہ وہ فرط محبت، اظہار خوش طبعی یا خاص موڈ کی حالت میں اپنی بیوی کے نام کو مخفف کر کے پکارتا ہے۔ مثلاً نام اگر شمیمہ ہو تو شمّو کہہ کر۔ نجمہ ہو تو نجّو کہہ کر۔ زینب یا فرزانہ ہو تو زیبی اور فرو کہہ کر۔ وغیر ذلک۔

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بے شک ایک جلیل القدر پیغمبر تھے شاہ امم تھے۔ لیکن آپ کی رگ رگ میں وہی خون گردش کرتا تھا جو تمام بنی نوع انسان کی رگ و پے میں رواں ہے۔ آپکی عادات مبارکہ اور اطوار مطہرہ بے شک تمام انسانوں سے فائق اور عالی تھیں۔ لیکن آپ کی فطرت اور جبلّت وہی تھی جو تمام انسانوں کی ہوتی ہے۔ جو ہر مرد کی ہوتی ہے۔ آپ بھی اپنی بیوی کو فرطِ محبت میں اور ظرافت کے طور پر فرضی اور تخفیف شدہ ناموں سے پکارا کرتے تھے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ آپؐ بسا اوقات حضرت عائشہ رضؓ کو "عائش" کہہ کر آواز دیتے تھے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ظرافت اور خندہ جبینی کی وجہ سے صحابہ کرامؓ اتنے مانوس اور بے تکلف ہو گئے تھے کہ کبھی کبھی خود آپؐ کے ساتھ مذاق کر لیا کرتے تھے۔ اور اس قسم کے جملے اور کلمے زبان پر لایا کرتے تھے جو مزاح اور شگفتگی سے پُر ہوں۔ صحابہؓ بے ادب نہیں تھے۔ ان کے قلوب آنحضورؐ کی عظمت و توقیر سے بھرے ہوئے تھے۔ بلکہ جو ادب اور احترام

ان حضرات نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ہے اس کی نظیر اور مثال تیرہ سو سال کی تاریخ بھی پیش نہیں کر سکی۔ اس غایت درجہ کے ادب و احترام کے باوجود صحابہؓ وقتاً فوقتاً ظریفانہ فقرے اپنی زبانوں پر لے آیا کرتے تھے جن سے بے تکلفی اور دوستی ٹپکتی تھی۔

غزوۂ تبوک کے موقعہ پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک چھوٹے سے خیمہ میں تشریف فرما تھے۔ اس خیمہ کا دروازہ بھی بہت چھوٹا تھا۔ ایک عام قد اور جسم کا آدمی اس میں جھک اور سمٹ کر ہی داخل ہو سکتا تھا۔ اتفاقاً اس وقت عوف ابن مالک اشجعیؓ آپ سے ملنے کے لیے تشریف لائے۔ عوف ابن مالک اشجعیؓ کے بارے میں اتنی بات نوٹ کر لیجیے کہ یہ صحابی غیر معمولی موٹے اور بڑے اونچے قد کے تھے۔ جسم کی طوالت اور پھیلاؤ غیر معمولی طور پر وسیع تھا۔ بڑے نحیم و شحیم آدمی تھے۔ انھوں نے خیمے کے دروازے پر پہونچکر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ آنحضورؐ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا ــــــ اندر آجاؤ۔

انھوں نے پہلے خیمے کی لمبائی چوڑائی دیکھی پھر دروازے پر سرسری نظر ڈالی۔ پھر مسکراتے ہوئے بولے۔

سرکارؐ! کیا میں پورا کا پورا آجاؤں ؟

مقصد یہ تھا کہ اگر میں اپنے موجودہ بدن کے ساتھ زور لگا کر گھس بھی گیا تو اتنی جگہ کہاں ہے کہ خیمہ میں زیادہ لوگ بیٹھ سکیں۔ پھر میرا بدن بھی غیر معمولی فربہ اور طویل و عریض ہے جو کئی آدمیوں کی جگہ گھیرے گا۔ ان کا یہ ذومعنیٰ اور مزاحیہ جملہ سن کر حضورؐ بے ساختہ خندہ زن ہو گئے۔

ظرافت اور شگفتہ مزاجی چونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا ایک جزو تھا۔ لہٰذا صحابہ کرامؓ بطور اتباع وقتاً فوقتاً آپس میں ہنسی مذاق کرتے رہا کرتے تھے۔ اور خوش طبعی کا سلسلہ آنحضورؐ کی غیر موجودگی میں جاری رہتا تھا۔

چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علیؓ ایک ساتھ کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ دائیں بائیں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور بیچ میں حضرت علیؓ تھے۔ پرلطف بات یہ تھی کہ عمر فاروقؓ اور ابوبکر صدیقؓ دونوں ہی دراز قد تھے اور حضرت علیؓ پست قد تھے۔ کچھ دور چلنے کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے کہا۔ علی ہمارے درمیان ایسے ہیں جیسے "لنا" کے درمیان نقطہ لنا میں ایک لام شروع میں ہے اور ایک الف بشکل لام آخر میں ہے۔ درمیان میں نقطہ ہے۔

بہرحال صورت واقعہ کے پیش نظر عمر فاروقؓ نے ہنس کر یہ چوٹ کی کہ "علی بیننا کالنون فی لنا"

حضرت علی بے حد ذہین اور حاضر جواب انسان تھے فوراً اور برجستہ بولے۔ ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن اگر "لنا" کے درمیان سے نقطہ کو جدا کر دو تو "لا" رہ جائے گا اور لا تو مہمل ہوتا ہے یا حرف نفی ہوتا ہے۔ دونوں ہی صورتوں میں اس کے کوئی معنی نہیں ہوتے۔

مقصد یہ تھا کہ اگر لنا میں کوئی معنی پیدا ہوتے ہیں تو وہ نقطہ کا فضل و کرم ہے۔ نقطہ کو صاف کر دو تو معنی بھی صاف ہو جاتے ہیں اور باقیماندہ لفظ مہمل ہو کر رہ جاتا ہے۔ حضرت عمر اس جوابی طنز کو سنکر مسکرا دیے۔

اس قسم کے ہزاروں واقعات تاریخ کی کتابوں میں ریکارڈ ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ظرافت و خوش طبعی سیرت طیبہ کا ایک جزو لازم ہے۔ اس کے بغیر سیرت طیبہ پر عمل کرنے کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔

خوش طبعی اگر اعتدال کے دائروں سے باہر ہو جائے تو یہ بھی معیوب اور قبیح بن جاتی ہے۔ اور اسے بھی قابل ترک کہنا پڑتا ہے۔ افراط یہاں بھی جائز نہیں۔ ظرافت اور خوش طبعی کی مقدار آٹے میں نمک کے برابر ہونی چاہیے۔ اس سے زیادہ آگے بڑھنا اور اعتدال کے دائروں سے تجاوز کرنا غیر مناسب اور قابل تنبیہ ہے۔

ہر مستحسن اور محمود چیز اعتدال و تناسب کا رنگ ڈھنگ ضائع کر کے معیوب اور مذموم ہو جاتی ہے ہر وقت کا ہنسی مذاق، ہر وقت کے قہقہے اور چہچہے انسان کی عارفانہ سنجیدگی اور مردانہ شخصیت کو ٹھیس پہنچائے بغیر نہیں رہتے۔

(بقیہ از ص ۴۲) ازادی گواہی کو ناگزیر اسی لیے قرار دیا گیا ہے کہ تحقیق و احتیاط کا حق پورا ہو جائے اور کوئی بے قصور مسلمان خواہ مخواہ سزا کی سان پر نہ چڑھ جائے۔

پس محتاط قانون شوہر کے طویل مدت تک غائب ہو جانے کے بعد پیدا ہونے والے بچہ کو آنکھ بند کر کے حرامی قرار نہیں دیدیتا بلکہ وہ یہ کہتا ہے کہ اگر مدت حمل کی آخری حدوں کے بعد بچہ تولد ہوا ہے تو شوہر کی اس بات کا اختیار دیا جائے گا کہ وہ اس بچے کے بارے میں اپنے فطری فیصلے سے آگاہی بخشے اگر مرد اس بچے کو اپنا ہی سمجھتا ہے تو پھر کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہوگا کہ اس بچے کو شک و شبہات کی نظروں سے دیکھے اور اس بچے کی تذلیل کرے۔

اور اگر بچہ شوہر کے باہر چلے جانے کے دو ڈھائی برس بعد پیدا ہوا ہو تو شریعت اس بات کی گذارش کرتی ہے کہ مرد اس نومولود کو اپنا ہی بچہ سمجھے اور بغیر کسی ٹھوس ثبوت کے اپنی شریک حیات کی طرف سے بدگمان نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

نس بندی کی شرعی حیثیت

سوال [۱۴] :۔ (ایضاً)

نس بندی جائز ہے یا ناجائز، صاف لفظوں میں جواب دیں، ہیر پھیر کی ضرورت نہیں ہے۔

جواب [۱۴] :۔

لیجیے صاف صاف لفظوں میں ہمیشہ کے لیے نوٹ فرمالیجیے کہ نس بندی شرعی نقطۂ نظر سے قطعی طور پر حرام ہے۔ اپنی مرضی سے نس بندی کرانے والے لوگ آخرت کے احتساب سے بچ نہیں سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے۔ البتہ وہ لوگ معذور سمجھے جائیں گے جن کے ساتھ زور زبردستی کی گئی ہے اور جنھیں بندوق اور اقتدار کے زور سے نس بندی پر مجبور کیا گیا ہے۔

ہمیشہ کے لیے نوٹ فرمانے کی گذارش ہم نے اس لیے کی ہے کہ ممکن ہے کہ حالات پھر کروٹ لیں اور ہماری زبانوں پر پھر اسی طرح تالے ڈال دیے جائیں جس طرح اندرا حکومت نے ڈال دیے تھے اور ہمیں دو لفظ کہنے اور لکھنے کے لیے بھی اجازت حاصل نہیں تھی۔

خدا نہ کرے اگر نس بندی کی منحوس تحریک پھر ہندوستان میں چلائی گئی تو اس وقت کے لیے یہ بات ذہن نشین کر لیجیے کہ نس بندی بہر صورت حرام ہے۔ شریعت نس بندی کرانے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ ان لوگوں کو ہم مستثنیٰ قرار دے چکے ہیں جنھیں طاقت کا سہارا لے کر خصی کر دیا گیا ہو۔ مجبور و بے بس لوگوں کا کوئی قصور نہیں۔ اللہ ان پر اپنا رحم فرمائے۔

عامر عثمانیؒ

غزل

ستم ہی سے نمایاں ایک دن رنگِ کرم ہو گا
ہجومِ غم ابھی تک ہے کہ دل مانوسِ غم ہو گا

نہ یوں تو بے اثر اے دوست یہ ربطِ بہم ہو گا
جو ہم چھپ چھپ کے روئیں گے تو دامن بھی نم ہو گا

عبادت گاہِ الفت میں وہی غم محترم ہو گا
جو باطن میں فزوں ہو گا مگر ظاہر میں کم ہو گا

مسلسل ضبط سے اتنا تو حاصل کم سے کم ہو گا
بقدرِ انتقامِ غم خوشی میں رنگِ غم ہو گا

مکاں سے لامکاں تک دسترس ہے دل کی نظروں کو
نہ دل ہی جامِ جم ہو گا تو پھر کیا جامِ جم ہو گا

مذاقِ غم بقدرِ وسعتِ غم بخشنے والے
ہمیں دنیا سے جا کر بھی تری دنیا کا غم ہو گا

نہ ہو گی جس کو نسبت پائے جاناں کے تصور سے
وہ سجدہ باعثِ رسوائی دیر و حرم ہو گا

دماغ و دل کو غم کی لذتوں سے آشنا کر لے
ستم ہی ایک دن منجملۂ لطف و کرم ہو گا

مرے افکار موجِ بے خودی میں غرق ہیں عامرؔ
وہ کوئی اور ہو گا جن کو فکرِ مدح و ذم ہو گا

غزل

از: تابشؔ عامری پرتاب گڈھی

جرم کیا اس کے سوا میں نے کیا ہے یارو — ایک صیاد کو صیاد کہا ہے یارو

جس کی قندیلِ وفا سے ہے زمانہ روشن — آج ہر شخص اسے بھول گیا ہے یارو

آپ خود وقت کے چوراہے پر جاکر دیکھیں — لاشۂ جذبۂ ایثار پڑا ہے یارو

طنز ہم اہلِ جنوں پر نہ کرو ہنس ہنس کر — ہم نے ویرانوں کو آباد کیا ہے یارو

میری مظلومی و بربادی کے افسانے کو — اپنے ذہنوں میں پڑھو صاف لکھا ہے یارو

یہ مرے خون کی سرخی سی نظر آتی ہے — دامنِ وقت پہ جو داغ لگا ہے یارو

مدتوں ڈوبا ہے، ابھرا ہے سفینہ اپنا — جب کہیں ساحلِ مقصد سے لگا ہے یارو

پھر کوئی شمع جلاؤ کہ اجالا ہو جائے — دیپ اخلاص و مروت کا بجھا ہے یارو

تابشِؔ زار پہ تنقید کے پتھر کیسے
یہ تو آئینۂ اخلاص و وفا ہے یارو

غزل

عمر فاروق عاصمؔ

دیکھی یہ اتحاد میں تاثیر دوستو! — کھلنے لگے ہیں حلقۂ زنجیر دوستو!

آندھی ہے سخت شمعِ محبت بجھا نہ دے — مل جل کے کوئی سوچ لو تدبیر دوستو

ظلم و ستم کے رنگ تعصب کے برش سے — اس دور کی بنائی ہے تصویر دوستو

لب سل گئے تو کیا ہوا خوف و ہراس کی — لکھی ہوئی ہے چہروں پہ تحریر دوستو

دیکھے تھے خواب عیش و طرب کے بہار کے — کانٹوں پہ کھینچ لائی ہے تعبیر دوستو

اس دورِ ابتلا میں تو عاصمؔ کے واسطے
زہرابِ غم بھی بن گیا اکسیر دوستو

میاں مُلّا ابن العرب مکی

مسجد سے میخانے تک

اگر کوئی دیوبندی بُرا نہ مانے

بہت دنوں سے اس بات کی آرزو دل و دماغ میں کروٹیں لے رہی تھی کہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت مقدسہ پر کوئی پھڑکتی ہوئی تصنیف منظر عام پر آئے۔ کئی بار خیال ہوا کہ میں خود قلم و کاغذ کے میدان میں کود پڑوں اور اعلیٰ حضرت کی شخصیت پر دو چار ہزار صفحات کی کوئی کتاب قلم بند کر ڈالوں لیکن عدیم الفرصتی اور بیوی کی دعا برکت ہمیشہ اس نیک کام میں رکاوٹ بنتی رہی اور میری آرزو دل کی دیواروں سے ٹکرا کر مسلسل اپنی کس مپرسی کا ماتم کرتی رہی۔

کئی بار خدا کے حضور میں یہ دعا مانگی کہ اے خالقِ کون و مکاں اعلیٰ حضرت پر کوئی جامع تصنیف آسمان سے نازل فرما دے کہ جس کا ٹائٹل ہی دیکھ کر شہر دیوبند کا ہارٹ فیل ہو جائے اور دیوبندی حضرات بغلیں جھانکنے پر مجبور ہو جائیں۔ خدا کے ہاں دیر تھی اندھیر نہیں تھا لیکن میں خدا کے یہاں کی دیر سے اکتا کر مایوس ہو گیا اور مجھے یہ یقین ہو گیا کہ اعلیٰ حضرت جیسے باکمال مجدد پر کوئی منضبط کتاب کبھی منظر عام پر نہ آسکے گی۔ اور وہ خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکے گا جو دل کے دیہات میں ایک مدت سے آوارہ گردی کرتا پھر رہا ہے۔

پچھلے دنوں جب میرے کانوں کو یہ خبر سننے کی سعادت نصیب ہوئی کہ ماہنامہ اعلیٰ حضرت کا اعلیٰ حضرت نمبر چھپنے والا ہے تو میری روح تھرک اٹھی۔ اور میرے جسم کے در و دیوار سے وہ والہانہ شہنائیاں پھوٹنے لگیں جو زنانِ عاشقانِ اولیاء کی پازیب کے تحرک سے جنم لیتی ہیں۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ عالم تصور میں مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں آسمان کی چھت پر کھڑا ہوں اور جنت کی حوریں مصافحہ کر رہی ہیں اور خالص عربی زبان میں مبارکباد دیتے ہوئے کہہ رہی ہیں کہ لو میاں تمہاری آرزو بر آئی۔ تمہارا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا۔ اعلیٰ حضرت کی شخصیت پر ایک ایسا رسالہ منظر عام پر آگیا ہے جسے پڑھ کر کافر مسلمان اور مسلمان منافق ہوئے بغیر نہیں رہے گا۔

ہائیں — یہ کیا بات ہوئی — میں جنت کی حوروں سے بھڑ جانے کی سوچ رہا تھا کہ عالم تصور حقیقت کے پتھروں سے ٹکرا کر چھناک چھناک ہو گیا۔ اہلیہ میرے سامنے کھڑی تھی میں اسے دیکھ کر تلملا گیا۔

حقیقت بیگم ——— تمہارے اس آتش فشاں وجود نے تصورات کے شیش محل میں آگ لگا دی۔

کیسے تصورات؟

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں اس وقت آسمان کی چھت پر کھڑا حورانِ بہشت سے بغل گیر ——— نہیں نہیں

ہ ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اہلیہ مجھے اس طرح گھور رہی تھی جیسے اسے میری صحیح الدماغی پر شک ہو۔

"تم پاگل تو نہیں ہو گئے"؟

"بیگم زبان کو لگام دو۔ شوہر کے بارے میں ایسے نازیبا الفاظ استعمال کرنے والی مؤنثات بے حساب دوزخ میں جاتی ہیں"۔

"یہ مؤنثات کیا بلا ہے؟"۔

"سرتاپا عبرانی لفظ۔ کئی سالوں سے نایاب تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ آج کہیں سے میرے قلب پر نازل ہوا ہے"۔

بکواس بند کیجیے ———— اس نے اکتاہٹ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"یہ بتائیے کہ کس ہوشربا کے تصورات میں گم تھے"؟

"ایک ایسے ہوشربا انسان کے تصور میں غرق تھا جس کے سر پر پٹے بال تھے۔ چہرے پر شرعی داڑھی تھی اور جو سرتاپا ایک "اسلامی حکومت" اور "فقہ محل" محسوس ہوتا تھا۔"

یعنی کہ کون؟

"مجدد اکبر، شہنشاہِ فقہ، سلطان التصوف، تاجدارِ ملت، ناموس ہندوستان اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی" ———— رحمہ اللہ تعالیٰ۔

خیریت تو ہے۔ یہ آج صبح ہی صبح اعلیٰ حضرت کیوں دماغ میں گھس بیٹھے۔

تم دماغ کی بات کرتی ہو۔ حضرت میری رگ رگ میں سمائے ہوئے ہیں۔ میرے وجود میں تحلیل ہیں۔

تو تم ایک خوشخبری سنو۔ خوشخبری یہ ہے کہ بریلی شریف سے ایک رسالہ نکلتا ہے نا اعلیٰ حضرت۔ اس نے اعلیٰ حضرت نکالنے کا اعلان کیا ہے۔

"خوب ———— ویسے یہ اعلیٰ حضرت ہیں تو وہی جنھوں نے بریلی میں سنتیں بنانے کا کوئی کارخانہ قائم کیا تھا اور جنھوں نے موت سے پہلے اپنے مریدوں سے وصیتاً یہ فرمایا تھا کہ مرغ کی بریانی، مچھلی کے کوفتے، مٹر کا پلاؤ۔ شامی کباب اصلی گھی کے پراٹھے۔ گوشت بھری کچوریاں۔ ہرن کے دودھ کی فیرنی۔ سوڈے کی بوتل اور منجن وغیرہ وغیرہ میری قبر میں پہنچاتے رہنا"۔

بیگم یہ سب الزامات ہیں جو بعض مودودیوں اور بعض وہابڑوں نے خیار کرکے ادھر ادھر پھیلائے تھے۔ اعلیٰ حضرت کو کھانے پینے سے کوئی دلچسپی ہی نہیں تھی۔ میں نے ایک معتبر کتاب میں پڑھا تھا کہ اعلیٰ حضرت دو دو ہفتے کھانا نہیں کھاتے تھے ۔ وہ فطری ولی تھے۔ اور فطری اولیا کو ماکولات و مشروبات سے کوئی ربط نہیں ہوتا۔ وہ بغیر کھائے پیے زندگی گذار دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں ہفوات بکنا کہ انھوں نے فلاں فلاں چیزوں کی وصیت کی، شرمناک قسم کی تہمت ہے۔ تم اپنی زبان سے ان باتوں کو مت دہرانا ورنہ تمہاری زبان میں چھالے پڑ جائیں گے اور پھر مکہ اور مدینہ کا بھی کوئی ڈاکٹر تمہاری زبان کو صحت عطا نہیں کر سکے گا۔

شاید میری باتیں اہلیہ کے پلّے نہیں پڑیں۔ وہ جھنجھلا کر کمرہ سے نکل گئی اور میں سوچنے لگا کہ اعلیٰ حضرت جیسے مجدّد پر کیچڑ اچھالنے والے ٹونا رے عذاب خداوندی سے کیسے محفوظ رہ سکیں گے۔

اور ایک دن شدید انتظار کے بعد ماہنامہ اعلیٰ حضرت کا اعلیٰ حضرت نمبر منظر عام پر آ ہی گیا۔ یہ نمبر کتابی سائز میں ہے اور ۱۳۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس نمبر کو مرتب کیا ہے عبدالنعیم نام کے ایک باصلاحیت ہستی نے۔ اس نمبر کے ایک ایک لفظ سے عقیدت کی خوشبو پھوٹتی محسوس ہوتی ہے۔ اور قاری کے دل و دماغ پر طرب و انبساط کے گل بوٹے کھلنے شروع ہو جاتے ہیں۔ عبدالنعیم صاحب کو اعلیٰ حضرت سے جو تعلق ہے اس کا صحیح اندازہ کرنے کے لیے یہ سطریں بہت کافی ہیں:۔

"اعلیٰ حضرت دل میں بسے ہیں۔ ذہن میں سمائے ہوئے ہیں یہ اور بات ہے کہ میں نہ بتا سکوں کہ وہ کیا ہیں۔ کس قدر عظیم۔ کس قدر البیلے نرالے اور انوکھے ہیں۔ بس میں تو اتنا جانتا ہوں کہ

پھول کو پھول کہہ دو اس کی تعریف ہو جائے گی۔
بھلے یہ نہ بتا پاؤں کہ اس کی رنگت و نکہت میں کیسی کشش اور کیسی عطر بیزی ہے" صٹ
صٹ پر:- وہ گفتگو کا آغاز اس والہانہ انداز میں کرتے ہیں:-
"اعلیٰ حضرت آفتاب علم و حکمت آیۃٌ من آیۃ اللہ معجزہٌ من معجزات، رسولِ ہدا، فنائے مرضیٔ شہ دولہا، وارث انبیاء، امام الاتقیاء، تاج الاصفیاء۔ مظہر غوث اعظم۔ علامۂ فاضل دل کامل۔ استاد ماہر عظیم شاعر۔ مسلمانوں کا یاور۔ شہسوار نامور۔ راہ یابوں کا نگہبان بلند ہمت انسان۔ گردن وہابیت پر تیغ براں۔ کثیر الاحسان، نادر روزگار۔ خلاصۂ لیل و نہار۔ پیشوا و سردار۔ بحر ناپیدا کنار علامۂ دہر۔ یگانۂ عصر۔ پیکر عقل و عمل۔ صاحب عدل۔ بسیار فضل۔ قبلۂ اہل دل۔ بلند مضمون۔ باریک فہموں والا۔ علموں کی مشکلات۔ ظاہر و باطن کا کھولنے والا۔ باریکیوں کا خزانہ۔ استاد زمانہ۔ زبان کا دھنی۔ دل کا غنی۔ اکابر علماء کی آنکھوں کی ٹھنڈک۔ صاحب تصانیف مشہورۂ رسائل کثیرہ۔ روشن ستارہ۔ مسلمانوں کا سہارا صاحب تحقیق و تنقیح۔ قلب وقت۔ آفتاب معرفت۔ معرفت و طریقت۔ ماہتاب شریعت علمبردار حق و صداقت۔ قاطع ظلمت۔ ماحی بدعت۔ امام اہل سنت۔ دین کو زندہ رکھنے والا۔ شیخ الاسلام والمسلمین۔ مجدد مائۃ حاضرہ مویدِ ملتِ طاہرہ۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خاں بریلوی رضی المولیٰ عنہ کی شخصیت آسمان پر جگمگاتے ہوئے اس سورج کی مانند ہے جو دور سے دیکھنے میں صرف ایک ہی رنگ میں جلوہ گر نظر آتا ہے لیکن اگر اس کی کرنوں کا سائنسی طریقہ سے تجزیہ کیا جائے تو وہ قوس و قزح کا منظر پیش کرتا ہے۔ اسی طرح آفتاب علم و معرفت کے مہر درخشاں امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کی شخصیت کا تجزیہ کیا جائے تو وہ مختلف رنگوں میں جلوہ گر نظر آتے ہیں۔ جس کی آب و تاب کے آگے آفتاب کی چمک ماند نظر آتی ہے اور دھنک کے رنگ پھیکے"۔

اللہ اللہ! ——— کیسا والہانہ انداز ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وادی لکھنؤ میں دریائے گومتی بہہ رہا ہو۔ تحریر کیا علم خانوں کا نچوڑ ہے۔ اس تحریر میں بہوست نعیم صاحب کی عقیدت ہزار بار قابل مبارکباد۔ لیکن مجھے ان سے شکایت ہے کہ انھوں نے اعلیٰ حضرت کے بعض ایسے القاب کا ذکر نہیں کیا جن کا ہونا از بسکہ ضروری اور لازمی تھا۔ مثلاً:-

" تصویر شرافت۔ گھونسۂ صداقت۔ زلف ریاضت جبل نور۔ وہابیوں کا قاتل۔ شمشیر تحریر۔ دوائے درد دل نمائندۂ بہشت۔ معراج معاشرہ۔ امام وفا۔ حقدار غلمان روح تہذیب۔ مشہور زمانہ۔ دشمن ریا و نمود۔ توریت خلوص انجیل اخوت۔ دھڑکن مذہب۔ آبروئے منطق۔ فلسفہ کی جان۔ کوتوال تنقید۔ صرف و نحو کا دولہا۔ جرأت کی قبیل معصومیت کا طمانچہ عشق رسول کی مینا۔ ہزار داستان حقانیت کی ڈھولک۔ دین کا پالنہار۔ اخبار صاف گو۔ کبوتر شعر و ادب وغیرہ جیسے بارہ ہزار القاب نظر انداز کر دیے گئے" جو اعلیٰ حضرت کے ساتھ بلا تکلف فٹ کیے جا سکتے تھے۔ اور جن کا نظر انداز کرنا اعلیٰ حضرت کے ساتھ کھلی ناانصافی کے مترادف ہے۔ اور یہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ نعیم صاحب نے بخل سے کام لیا ہے۔

صٹ ۱۳ پر ان الزامات کو نقل کیا گیا ہے جو اعلیٰ حضرت پر لگائے گئے تھے:—

" باطل پرست، متعصب، تنگ نظر،
سخت مزاج، شدت پسند، مسلمانوں کو
کافر کہنے میں بے حد بے باک"۔

اور پھر آگے چل کر یہ وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ جس طرح چور کو چور اور قاتل کو قاتل کہنا کوئی حرج نہیں، اسی طرح دین و ایمان کے رہزنوں کو یعنی کافروں کو کافر کہنا کوئی حرج نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ان کے کفر پر پردے ڈالنا جرم ہے۔

بات تو درست ہی ہے۔ لیکن اب دیوبندی حضرات کو یہ شور مچانے کا حق حاصل ہو گیا کہ لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا ـــ وہ بہانگ دہل اب یہ کہتے پھریں گے کہ جب چور کو چور کہنا غلط نہیں تو پھر اعلیٰ حضرت جیسے باطل پرست اور تنگ نظروں کو باطل پرست اور تنگ نظر کہنا کیوں غلط قرار پائے گا ـــ یہاں نعیم صاحب سے ایسی فاش غلطی ہو گئی ہے کہ جس پر اجمیر اور بریلی شریف کے سارے ہی "سنت نواز" حضرات بھی آنسو بہائیں تو اس غلطی کی تلافی نہیں ہو سکتی۔

ص۱۳ پر مندرجہ ذیل سطریں پڑھ کر روح وجد میں آ گئی۔ حق تعالیٰ اگر ان لفظوں کو قبول فرما لیں تو پھر نعیم صاحب کو جنت میں جانے سے کون روک سکتا ہے۔

ملاحظہ ہو کہ فرمایا گیا ہے:

"اعلیٰ حضرت کا یہ احسان عظیم ہے کہ انھوں
نے دینِ سنت کو تھانوی اور گنگوہی جیسے
رہزنوں اور قاتلوں سے لٹنے اور قتل ہونے
سے بچایا۔ اور پوری قوم کو ظلمت سے نکال کر
روشنی میں کھڑا کر دیا"۔

مرحبا اور ہزار بار مرحبا۔ نعیم صاحب پر اس گل افشانی پر جنت کی ساری حدیں قربان۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

ص۱۴ پر فرمایا گیا:ـــ

"(۱) غلام احمد قادیانی (۲) اعجاز احمدی
(۳) رشید احمد گنگوہی (۴) قاسم نانوتوی
(۵) خلیل امبیٹھوی (۶) اشرف علی تھانوی
پر کفر کا فتویٰ صادر فرمایا"۔

یہاں معلومات کی زبردست کمی معلوم ہوتی ہے ہماری معتبر تحقیق کے مطابق اعلیٰ حضرت نے کم و بیش ایک ہزار جلیل القدر علماء پر اور تمام مسلم تحریکوں پر کفر کا فتویٰ صادر فرمایا تھا۔ اور اگر نعیم صاحب کے زمانے کے مطابق انھوں نے اپنی پوری زندگی میں صرف چھ سات آدمیوں ہی کو کافر بنایا تو پھر یہ کوئی ایسا کارنامہ نہیں ہے کہ جسے فخریہ انداز میں بیان کیا جا سکے۔ دو چار کافر تو مجھ جیسا "چھوٹا مولوی" بھی بنا دے۔

"حضور کا پیدائشی اسم گرامی "محمد" ہے۔
والدہ ماجدہ محبت میں امّن فرمایا کرتی تھیں
اور والد ماجد و دیگر اعزہ "احمد میاں"
کے نام سے یاد فرمایا کرتے تھے۔ جدّ امجد
نے آپ کا اسم مبارک "احمد رضا" رکھا
اور تاریخی نام "المختار" ہے۔ خود سرکار نے
اپنے نام کے اول میں "عبدالمصطفیٰ" لکھنے
کا التزام فرمایا"۔

یہاں مبالغہ کا محل تھا۔ اور ضروری تھا کہ عبارت کے اندر روح پیدا کرنے کے لیے "احمد میاں" کے آگے علیہ السلام کا لفظ ٹانک دیا جائے۔ لیکن حیرت ہے کہ یہاں نعیم صاحب نے اپنی فن کاری کا مظاہرہ نہیں کیا اور اس طرح اعلیٰ حضرت کے نام کو تنہا چھوڑ دیا گیا جیسے یہ کسی معمولی درجہ کے انسان کا نام ہو۔

ص۱۳ پر:ـــ

"حضور اعلیٰ حضرت چھ سال کی عمر شریف میں
ربیع الاول کے مبارک مہینہ میں منبر پر
جلوہ افروز ہوئے اور بہت بڑے مجمع کے سامنے
پہلی تقریر فرمائی جس میں لگ بھگ دو گھنٹے
تک علم و معارف کے دریا بہائے"۔

جھوٹ۔ اور ایک دم جھوٹ میں نے بریلی سے نکلنے والے ماہنامہ "پچھونا در" میں بچشم خود یہ متبرک خبر پڑھی تھی کہ اعلیٰ حضرت نے سوا مہینے کی عمر میں سیرت پر کامل تین گھنٹے خطاب فرمایا تھا۔ چھ سال کی عمر میں تو بعض دیوبندی لوگ بھی بہت کچھ بکواس کر گذرے ہیں اعلیٰ حضرت اگر کچھ فرما بیٹھے تو کیا انفرادیت ہوئی۔

مندرجہ ذیل عبارت سے دیوبندی لوگ جتنی بھی عبرت پکڑیں کم ہے۔

ایک بزرگ کے بارے میں تحریر کیا گیا ہے کہ انھوں نے فرمایا:-

"اے لوگو! تم احمد رضا خاں کے بارے میں کیا جانو۔ قیامت کے دن جب رب العزت ارشاد فرمائے گا کہ اے آل رسول تو دنیا سے کیا لایا تو میں احمد رضا کو پیش کر دوں گا" ص۳۷

اور یہ جملہ بھی اس قابل ہے کہ اس سے عبرت حاصل کی جائے۔

"کتنے ہی علماء رحمہا نے اعلیٰ حضرت سے سنا ر اجازت طلب فرمائی جو انھیں مرحمت کی گئی" ص۴۳

یہ پڑھ کر تو بے اختیار یہ کہنے کو دل چاہتا ہے کہ

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مولوی کے واسطے یہ مرتبہ کہاں

اس صفحہ پر آگے چل کر جو کچھ فرمایا گیا ہے اسے پڑھکر اعلیٰ حضرت کی قسمت پر رشک آتا ہے۔ کہ کاش یہ مقام ہمیں یا ہمارے والدین کو بھی مل جاتا۔

"مولانا عبدالحق مہاجر مکی اعلیٰ حضرت کی تکریم و تعظیم کا آنکھوں دیکھا حال یوں بیان کرتے ہیں کہ میں کئی سال سے مدینہ منورہ میں مقیم ہوں۔ برصغیر کے ہزاروں اہل علم آتے ہیں ان میں علماء، صلحاء، اتقیا سب ہوتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ وہ شہر کی گلی کوچوں میں مارے مارے پھرتے ہیں اور کوئی انھیں مڑکر بھی نہیں دیکھتا۔ مگر فاضل بریلوی کی شان عجیب ہے کہ یہاں کے بزرگ ان کی تعظیم میں ایک دوسرے سے سبقت لیجانا چاہتے ہیں"۔

یہ عبارت پڑھ کر میری اہلیہ جیسی پکی وہابن بھی یہ کہے بغیر نہ رہی کہ واقعی روئے زمین پر جو مرتبہ اعلیٰ حضرت کو نصیب ہوا اس کا عشر عشیر بھی کسی قطب و قت کو نہیں مل سکا۔ میں نے کہا بھلی مانس اگر تم اعلیٰ حضرت کی ولایت پر دل کی گہرائی سے ایمان لے آؤ تو تمہاری ساری اولاد فطرت اسلام پر پیدا ہو۔ ایک سطر پڑھ کر میری اہلیہ کو ہنسی آئی۔ مجھے رونا آیا۔ لکھا تھا:-

"اعلیٰ حضرت۔ سوتے وقت جسم مبارک کو لفظ محمد کی شکل میں کر لیا کرتے تھے" ص۳

یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ جسم کو لفظ محمد کی شکل میں کس طرح کر لیا جاتا ہے۔ میں اور میری اہلیہ پسینے جمع کر رہے ہیں۔ کچھ دنوں بعد نعیم صاحب کی دعوت کریں گے وہی آکر بتا سکیں گے کہ جسم کو لفظ محمد کی شکل میں کس طرح ڈھالا جا سکتا ہے۔ ہم دونوں میاں بیوی نے اپنی پوری ایک دوپہر اسی کوشش میں صرف کر دی لیکن نتیجہ صفر ہی نکلا۔

صفحہ ۱۷، دیکھیے:-

"اکثر ناواقف حضرات اعلیٰ حضرت کو حافظ بھی لکھ دیا کرتے تھے۔ اس پر سرکار فرمایا کرتے تھے کہ میں اس منصب کا اہل نہیں ہوں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اگر کوئی قاری صاحب کلام پاک کا رکوع پڑھ کر سنا دیا کرتے تھے تو دوبارہ مجھ سے سن لیتے۔ چنانچہ یہ طے پایا اور عشاء کا وضو فرمانے کے بعد جماعت سے قبل یہ نشست شروع کر دی۔ تیسویں روز میں آپ نے تیسوں پارے حفظ کر کے سنا دیے"

مجھ نالائق کو تعجب ہے کہ نعیم صاحب نے اس واقعہ کو اہمیت کیوں دی ہے۔ تیس دن میں قرآن پاک حفظ کر لینا کوئی مشکل بات نہیں۔ تیس دن تو بہت ہوتے ہیں۔ ہمارے

دیوبند میں صوفی زمزم نام کے ایک "اولیاء" رہتے ہیں۔ ان کے خسر کے بڑے بھائی کی چھوٹی سالی کے منجھلے داماد نے ڈھائی روز میں پورا قرآن حفظ کر کے سنا دیا تھا۔ اور کائنات تصوف کے جہانگیر صوفی شہتوت کے برادر خورد میاں چھمن علی نے چھ دن میں پوری صحاح ستہ ازبر کر لی تھیں۔ گویا یہ ایک کتاب روز کا اوسط رہا۔ ان جلیل القدر واقعات کی موجودگی میں کسی کا تیس دن میں قرآن حفظ کر لینا کوئی حیرت انگیز کارنامہ محسوس نہیں ہوتا۔

صفحہ ۹۷ پر مندرجہ ذیل کلمات پڑھ کر دل و دماغ فرط عقیدت میں رقص کرنے لگے۔

"حضور نے باضابطہ مدرس بن کر کسی مدرسہ میں تعلیم نہیں دی۔ دبیسے سرکار کی ذات خود ایک یونیورسٹی تھی کہ جس نے آپ کی صحبت میں ایک لمحہ گذار لیا وہ بارش علم سے اس قدر سیراب ہو گیا کہ لہکتا ہوا گلشن بن گیا"۔

ان کلمات کو پڑھ کر دو چار دیوبندیوں کا ہارٹ فیل ہو جانا یقینی ہے۔ اللہ اپنا رحم فرمائے۔ مجھے بڑی فکر ہو گئی ہے۔

صفحہ ۱۹۱ پر یہ حیرت انگیز واقعہ تحریر ہے کہ جسے پڑھ کر ایمان میں سیروں اضافہ ہو گیا:۔

"ایک بدمذہب امیر کی بیگم بیمار ہوئی اس نے اعلیٰ حضرت سے دریافت کرایا کہ اسکی بیوی کی موت کب اور کہاں ہو گی۔ اسوقت اپنے شہر رامپور کی بجائے نینی تال میں مقیم تھے۔ حضرت نے جواب میں بتایا کہ اسکی موت اپنے شہر ماہ محرم میں ہو گی۔ اس امیر نے بڑی کوشش کی کہ اس کی بیگم کی موت اپنے شہر کے علاوہ کہیں بھی ہو۔ اس لیے نینی تال چلے گئے مگر اللہ کو منظور یہی تھا کہ اس کی موت رامپور ہی میں ہو — ہوا ایسا کہ کانپور کی مسجد شہید گنج کے ہنگامے میں گورنر صاحب نے اس امیر کو تار دیا کہ میں رامپور آرہا ہوں۔ جلد آکر ملو۔ نواب اکیلا رامپور آنے کو تیار ہوا تو بیگم نے ساتھ چلنے کی ضد کی اور دونوں ماہ محرم میں جیسے ہی رامپور پہنچے بیگم کا انتقال ہو گیا"۔

سبحان اللہ! اس واقعہ سے نہ صرف ایمان میں اضافہ ہوا بلکہ یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ قرآن کا ہر دعویٰ قابل تسلیم نہیں ہو سکتا۔ تجلی کے ایڈیٹر حسن احمد صدیقی نے چند ماہ قبل کسی شمارہ میں قرآن کے حوالہ سے لکھا تھا کہ یہ بات خدا ہی کو معلوم ہے کہ کس کی موت کب آئے گی اور کس مقام پر آئے گی۔

لیکن مذکورہ واقعہ پڑھنے کے بعد اندازہ ہوا کہ حسن احمد صدیقی بکواس کرتے ہیں، انھیں اعلیٰ حضرت جیسے اولیاء کرام کی قدرت کاملہ کے بارے میں کچھ پتا ہی نہیں۔ بنے پھرتے ہیں ایڈیٹر۔ خدا ایسے جاہل اور بد عقیدہ ایڈیٹروں سے امت کو نجات عطا فرمائے۔

ص۱۰۲ پر یوں تحریر فرمایا گیا:۔

"یوں تو ۶۵ علوم و فنون پر سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی لگ بھگ ایک ہزار دو سو پچاس تصنیفات ہیں لیکن اب تک لگ بھگ ۵۵۰ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتب کی فہرست مل سکی ہے جو اس طرح ہے"۔

اس کے بعد ۶۵ علوم و فنون کی فہرست دی گئی ہے یہاں مجھے پیران کلیر کے سردں اور زنان عاشقان اولیاء کے پیروں کی قسم کھا کر یہ عرض کرنا ہے کہ نعیم صاحب نے اعلیٰ حضرت کی تصنیفات کا ذکر کرتے ہوئے انتہائی خساست سے کام لیا ہے۔ اعلیٰ حضرت کی ایک ہزار تصانیف تو عربی زبان میں ہیں، پانچ سو اردو زبان میں ہیں اور مختلف زبانوں میں دو ہزار سے کم تصانیف نہیں۔ خدا نعیم صاحب کی عاقبت پر رحم فرمائے۔ اعلیٰ حضرت کے ساتھ

نھوں نے جو زیادتی کی ہے وہ بظاہر قابل معافی معلوم نہیں ہوتی۔

صفحہ ۱۰۰ پر بہت سی کرامات کا ذکر کیا گیا جنھیں پڑھکر اعلیٰ حضرت کی بزرگی روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔ ایک واقعہ تو اس قابل ہے کہ تعویز بنا کر ہر مسلمان اپنے گلے میں لٹکا لے۔ بطور تبرک ملاحظہ ہو:-

"حاجی کفایت اللہ صاحب مرحوم بیان کرتے تھے کہ آپ کی ایک مریدہ جن کے شوہر ڈاکخانہ میں ملازمت کرتے تھے غلط منی آرڈر تقسیم ہو جانے کے جرم میں ان کو سزا ہو گئی تھی لیکن پھر الٰہ آباد میں اپیل دائر کی تھی۔ فیصلے کی تاریخ سے چند روز پہلے وہ مریدہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت عالی میں حاضر ہوئیں اور اپنا واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا "حسبنا اللہ ونعم الوکیل" کثرت سے پڑھو۔ وہ چلی گئیں۔ پھر درمیان میں کئی بار حاضر ہوئیں لیکن ہر مرتبہ ان کو پہلا ہی جواب ملا۔ یہاں تک کہ فیصلہ تاریخ معین آ گئی۔ حاضر ہو کر عرض کی میاں آج تاریخ ہے بتا تو دیا کہ وہی حسبنا اللہ ونعم الوکیل پڑھے جاؤ کیا میں خدا سے لڑوں۔ وہ مریدہ یہ کہتی ہوئی چل دی کہ جب اپنا پیر ہی نہیں سنتا تو کون سنے گا۔

جب آپ نے ان کا یہ حال دیکھا تو فوراً آواز دیکر فرمایا کہ "پان تو کھالو" جواب ملا میرے منھ میں ہے۔ غرض کہ وہ بڑی مشکل سے پلٹیں۔ زمین پر بیٹھ گئیں۔ آپ نے ہر چند فرمایا اوپر بیٹھ جاؤ۔ مگر وہ اوپر نہ بیٹھیں۔ آپنے ان سے پان منگوا کر بڑی بی سے کہا لیجیے پان کھا لیجیے بولیں میرے منھ میں ہے۔ کئی بار کہنے کے بعد بھی جب انھوں نے نہ کھایا تو اعلیٰ حضرت نے پان میں چھالی ڈالی اور انھیں دیدیا اور فرمایا — چھوٹ تو گئے۔ پان کھالو۔ اس جملے سے بڑی خوشی ہوئی اور وہ پان کھا کر اپنے گھر کی طرف چل پڑیں۔ جب گھر کی طرف پہنچیں تو بچے دوڑے ہوئے آئے اور ان سے کہنے لگے تم کہاں تھیں، تار والا ڈھونڈھتا پھر رہا ہے۔ پھر جب ملا اور ان سے پڑھوایا تو معلوم ہوا کہ شوہر بری ہو گئے۔ اللہ والوں کی نگاہوں میں قریب تو قریب بعید بھی قریب ہو جاتا ہے"۔

اس قسم کے کئی نادر اور ایمان افروز واقعات بیان کیے گئے ہیں جنھیں پڑھ کر فاروی کا ایمان آسمان کی طرف اڑتا ہوا محسوس ہوا۔ ان واقعات سے تو میری وہ دہابن بیوی بھی متأثر ہوئے بغیر نہیں رہی۔ جس کے بارے میں ماہرین نجوم کا کہنا یہ ہے کہ اس کا سینہ محبت رسول سے بالکل خالی پڑا ہے۔ بوجہ بھانجی ہونے ایڈیٹر تجلی کے۔ لیکن مذکورہ واقعہ کو پڑھ کر وہ جھوم گئی اور ایک ہزار ادائیں بکھیرتے ہوئے بولی

" واللہ آج معلوم ہو کہ اعلیٰ حضرت اپنی نوعیت کے بے مثال بزرگ تھے۔

ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔ ان کی بعض خوبیاں تو میدانِ حشر میں نظر آئیں گی۔

"کیوں؟ ——" اس نے بڑی معصومیت سے پوچھا"۔

اس لیے کہ ان کے بعض کمالاتِ عالیہ پر قدرت نے گمنامی کے پردے ڈالدیے تھے۔ ان سے فتنے پھیلنے کا اندیشہ تھا۔ دراصل اعلیٰ حضرت میں بعض خوبیاں ایسی بھی تھیں جو پیغمبروں کے علاوہ کسی میں نہیں ہوتیں۔ ان خوبیوں کی تشہیر اعلیٰ حضرت کو معمہ بنا دیتیں کہ یہ بزرگ ہیں یا پیغمبر۔ اس لیے خداوند قدوس نے ان کے وہ کمالات مخلوق کی نظروں سے اوجھل کر دیے جو پوری دنیا کو دعوت استفہام دیتے اور جنپر غور کرنا ہر شہر میں ایک دیوبند کی تخلیق کر دیتا۔ میں

پتہ نہیں عالم مدہوشی میں کب تک بولتا رہا۔ جب ہوش آیا تو دیکھا کہ اکیلا ہی زبان چلا رہا ہوں۔ اہلیہ تو کبھی کی بور ہو کر کمرے سے دفع ہو گئی تھی۔

ماہنامہ: اعلیٰ حضرت کے بارے میں تبصرہ کرتے وقت غوث اعظم کے صدقے سے یہ بات میرے قلب پر وارد ہوئی ہے کہ اعلیٰ حضرت کی شخصیت کو جتنا نقصان دوستی اور عقیدت کے پردے میں بریلوی لوگوں نے پہنچایا ہے اس کا ½ حصہ بھی دیوبندی فتنہ پروری نے نہیں پہنچایا۔ نعیم صاحب نے اعلیٰ حضرت کے ہزاروں اوصاف اور لاکھوں کمالات پر بڑی خوبصورتی سے پردہ ڈال دیا ہے جو مجھ جیسے پکے سنی اور "خالص رضائی" مومن کے لیے انتہائی تکلیف دہ ہے

مگر اعلیٰ حضرت کا یہ خاص نمبر ناقص نمبر اور ادھورا ہوتے ہوئے بھی اس قابل ضرور ہے کہ اسے بیمار لوگ گھول کر پییں۔ صحت مند اسے حفظ ما تقدم کے لیے گلے میں لٹکائیں۔ اصحاب علم اس کے ایک ایک نقطہ پر غور و فکر کریں اور ارباب جہل اسے سینے سے لگا کر اپنے اہل سنت والجماعت ہونے کا ثبوت دیں۔

ناچیز نے اس کی چار کاپیاں خرید کر اپنے گھر کے چاروں کونوں میں گڑوا دی ہیں تاکہ میرا کاشانہ وہابیت اور مودودیت کی گندگی سے محفوظ رہے۔

اللھم احفظنا من الوھابیت ومن المودودیت ومن التصورات العامر والحسن۔

قوالی اور اسلام • سلفر • جب اسلام کی بہار آئی

حسن احمد صدیقی

کھرے کھوٹے

گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے کھرے کھوٹے کا کالم اس ماہ "برائے نام" ہی شامل اشاعت کیا گیا ہے، محض خانہ پری کی غرض سے۔

پچھلے شمارہ میں اگر اس بات کا اعلان نہ کیا جاتا کہ مندرجہ بالا کتابوں پر تبصرہ متوقع ہے تو اس ماہ اس کالم کو حذف ہی کر دیا جاتا۔ لیکن اعلان عام کے بعد یہ بات غیر مناسب معلوم ہوئی کہ مذکورہ کتابوں پر اس ماہ تبصرہ نہ ہو۔

ستم یہ ہے کہ یہ مہینہ انتہائی مصروفیت و استغراق میں گذرا۔ تبصرہ طلب کتابوں کا مطالعہ کرنے کی نوبت نہیں آسکی، اور بغیر پڑھے کتابوں پر تبصرہ کرنا ایک معجزہ ہے اور معجزہ کی توقع ہم جیسے نااہلوں سے بے سود ہی ہوگی۔

چند گھنٹوں کی فرصت نکال کر تبصرہ طلب کتاں کے بارے میں جو کچھ لکھا جا رہا ہے اسے "تعارف" سمجھ کر ہضم کر لیجیے۔ تبصرہ کہنا تو تبصرہ کی کھلی توہین ہوگی (ایڈیٹر)

قوالی اور اسلام

از: محمد اشفاق حسین۔
صفحات ۲۱۶ - کتابت و طباعت غنیمت
قیمت چار روپے۔
ناشر: اہل سنت والجماعت ۴۹/ سیتا رام پیٹھ۔ روبرو گیان باغ - حیدرآباد۔

موضوع تو نام ہی سے ظاہر ہے۔ لہٰذا موضوع کتاب کا باقاعدہ تعارف کرانے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی یہ کتاب کچھ عرصہ قبل حیدرآباد کے مشہور و معروف میگزین "ماہنامہ الحق" میں ایک عنوان اور مقالے کی حیثیت سے شائع ہوئی تھی، افادیت کے پیش نظر ضروری اضافوں کے ساتھ اسے کتابی شکل میں پیش کر دیا گیا ہے۔

کتاب کے پہلے ہی صفحہ پر مندرجہ ذیل عبارت لکھی ہوئی ہے جس کی صداقت و واقعیت میں کوئی شبہ نہیں۔

"اس کتاب میں قوالی، راگ، گانا، موسیقی وجد و حال اور شاعری وغیرہ کے بارے میں قرآن و حدیث، اسوۂ صحابہ، ائمۂ فقہ اور جلیل القدر علماء، سلف و خلف کی روشنی میں مفصل، مدلل، اور فیصلہ کن بحث کی گئی ہے"۔

فی الواقعہ اور فی الحقیقت یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے صرف مفید ہی نہیں بلکہ جامع بھی ہے اور مانع بھی۔ وسیع بھی ہے اور ہمہ گیر بھی۔ تحقیقی بھی ہے اور مؤثر بھی۔ سب سے بڑی خوبی اس کتاب میں یہ ہے کہ مصنف کا انداز بیان مخلصانہ ہے۔ جو یہ ثابت کرنے کے لیے

کافی ہے کہ مصنف موصوف ایک ٹھوس عقیدے کے حامل ہیں اس سے پہلے مصنف موصوف کی ایک کتاب "عُرس کی حقیقت" نام کی منظرِ عام پر آ چکی ہے۔ یہ کتاب بھی اگرچہ مفید تھی۔ لیکن اس میں کہیں کہیں تشدد کی آمیزش تھی اور اسی وجہ سے کتاب کے حسن میں تھوڑا سا میل پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن زیرِ نظر کتاب تشدد سے بڑی حد تک مبرا ہے۔ گو بعض خامیاں اس میں بھی ہیں لیکن اس نوعیت کی نہیں کہ فہم و سنجیدگی جن سے برأت ظاہر کرنے پر مجبور ہوں۔

بلاشبہ اشفاق حسین صاحب اچھا لکھتے ہیں اور صائب زاویوں سے سوچنے کے عادی ہیں۔ بڑی بات یہ ہے کہ ان کی قلمی کاوشیں مبنی بر خلوص محسوس ہوتی ہیں۔ اس کتاب کا انداز بیان بھی قطعاً مسلمانہ اور مخلصانہ ہے جو قاری کو متاثر کیے بغیر نہیں رہتا۔ اگر اشفاق حسین صاحب اردو ادب کا تھوڑا سا لحاظ کر لیا کریں تو ان کی مخلصانہ تحریروں میں اور زیادہ کشش پیدا ہو جائے اور اس طرح ان کی تحریریں پرخلوص اور پراثر ہونے کے ساتھ پرکشش اور پرکیف بھی ہو جائیں۔ اشفاق صاحب کے جملے کہیں کہیں بہت طویل ہو جاتے ہیں جو ذوقِ سماعت پر گراں ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ کتنے ہی مقامات پر جملہ بجائے خود ختم ہو جانے کی خواہش کرتا ہے لیکن اشفاق صاحب اس کی یہ خواہش پوری نہیں ہونے دیتے:۔

مثلاً ص ۲۵ پر ایک جملہ اس صورت میں نظر آیا:

"اس سلسلہ میں جو ہدایات و رہنمائی کی گئی ہے اسے ملحوظ رکھا اور ان ہی خطوط پر غور و تحقیق کی جائے"۔

اس جملہ میں رکھا کے بعد لفظ "جائے" بڑھا کر پہلے جملہ کو پورا کر دینا چاہیے تھا۔ یعنی کہ دونوں جملوں کا انداز یوں ہوتا۔

"اس سلسلہ میں جو ہدایت و رہنمائی کی گئی ہے اسے ملحوظ رکھا جائے اور ان ہی خطوط پر غور و تحقیق کی جائے"۔

یا مثلاً ص ۱۷ پر یہ جملہ دیکھیے:۔

"آخرت اور شفاعت وغیرہ سے راست طور پر ٹکراتے اور مشرکانہ اوہام و خرافات سے بھرپور ہوتے ہیں"۔

یہ بھی دراصل وہی جملے ہیں جنھیں زبردستی ایک کر دیا گیا ہے۔ ٹکراتے کے بعد ہیں بڑھانے سے پہلا جملہ پورا ہو جاتا لیکن حسبِ عادت اشفاق حسین صاحب نے "ہیں" کو فنا کر کے دو جملوں کو ایک بنا دیا۔ دونوں جملے اس طرح ہوتے تو بہتر ہوتا۔

"آخرت اور شفاعت وغیرہ سے براہِ راست ٹکراتے ہیں اور مشرکانہ اوہام و خرافات سے بھرپور ہوتے ہیں"

ایسے جملے کتاب میں کئی جگہ نظر آئے جن کی طوالت و بے ربطی نے تحریر میں بدمزگی پیدا کر دی ہے۔

کتاب میں بعض غلطیاں کتابت کی بھی ہیں۔

ص ۳۵ پر: قلابازیوں کی جگہ خلابازیوں چھپ گیا ہے۔

ص ۴۵ پر ایک جگہ واقع کی جگہ واقعہ لکھ دیا گیا ہے

ص ۴۷ پر پہلی ہی سطر میں چل دیے کی جگہ چلا گئے لکھ دیا گیا ہے۔

ص ۵۵ پر ایک روایت کا ترجمہ ان الفاظ میں نقل کیا

"حضرت ام علقمہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ کے بھتیجوں کا ختنہ ہوا"۔

ختنہ مؤنث ہے۔ لہٰذا ختنہ ہوا کی بجائے ختنے ہوئیں ہونا چاہیے تھا۔

ص ۵۷ پر: آخری سطر میں لکھا ہے کہ

"جنھیں ہم طوالت و تکرار کے پیش نظر اس باب میں نقل نہیں کر رہے ہیں"۔

اس جملہ میں پیش نظر کا محل نہیں تھا۔ جملہ یوں ہونا چاہیے تھا:

"جنھیں ہم طوالت اور تکرار کے خوف سے اس باب میں نقل نہیں کر رہے ہیں"۔

ص۶۶ پر یہ جملہ نظر آیا :

"حرمتِ دف پر ان کی یہ تصریحات ہم نے علمائے حق کے بیانات کے تحت نقل کیا ہے"۔

یہاں تصریحات کی مناسبت سے نقل کی ہیں ہونا چاہیے تھا۔

ص۶۶ پر ایک حدیث کا ترجمہ بایں الفاظ نقل کیا گیا ہے:

"حلال اور حرام میں فرق یہ ہے کہ نکاح میں صوت اور دف ہے"۔

طے بات ہے کہ جملہ ادھورا ہے۔ یہاں بات کسی قاری کی سمجھ میں نہیں آئے گی تاوقتیکہ اس کی تصحیح نہ کی جائے۔

ص۴۳ پر تحریر ہے :

"قوالی شریعت کی دین ہے اور نہ حقیقی بزرگوں کا عطیہ بلکہ یہ نفس و شیطان کی اختراع کردہ ہے"

اختراع کے بعد کردہ کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

ص۱۰۶ پر بانسری کو بانسلی لکھا گیا ہے اور ایک دفعہ نہیں دو دفعہ۔

ص۱۵۷ پر یہ جملہ پڑھنے کو ملا :

"اسلام اس شاعری سے منع کرتا ہے جس میں شرک کا نہ غلو آمیزی، خلاف شرع، خلاف اسلام اور مخرب اخلاق باتوں کا ذکر نہ ہو"۔

ہو کی جگہ نہ ہونے۔ جملہ کا ستیاناس کر دیا ہے۔

ص۱۶۹ پر عربی عبارت میں لحون کی بجائے کاتب نے لمون لکھ دیا ہے۔ جس سے مفہوم ملیامیٹ ہو کر رہ گیا۔

ص۱۷۱ پر آخری دو سطروں میں صاف محسوس ہونے والا جھول موجود ہے۔

اس قسم کی کچھ اور فروگذاشتیں کتاب میں موجود ہیں جو نفس موضوع پر اگرچہ کوئی اثر نہیں ڈالتیں لیکن پھر بھی یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ اگر یہ نہ ہوتیں تو بہتر ہوتا۔ اور کتاب اور زیادہ پرکشش اور پر جمال محسوس ہوتی۔

ص۲۵ پر مشکوٰۃ وغیرہ کے حوالہ سے ایک حدیث کا ترجمہ نقل کیا گیا ہے جو نظر ثانی کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔

ص۱۲۹ پر "گدھوں کی موسیقی سے لگاؤ" عنوان کے تحت جو خبر نقل کی گئی ہے یہ بے سود اور فالتو قسم کی چیز ہے خدا ہی جانے اس کو نقل کرنے میں اشفاق صاحب نے کیا افادیت محسوس کی۔ اس خبر کا نتیجہ یہ نکالا گیا ہے ——

اس سے پتہ چلتا ہے کہ گدھوں کو بھی موسیقی سے لگاؤ ہے

بعض عوام الناس کو تو ہے ہی لگاؤ، ماشاءاللہ گدھوں کو بھی ہے۔ یہ جملہ اگر منجملہ لطیفہ نہیں تو پھر نفس موضوع کے خلاف پڑ رہا ہے۔ اور اگر منجملہ لطیفہ ہے تو پھر اس سنجیدگی کے خلاف جو نفس کتاب کے ارد گرد بکھری ہوئی ہے۔

ص۱۹۴ پر اشفاق صاحب نے جوش تحریر میں یہ لکھ ڈالا ہے کہ لیکن جب دف ہی حرام ہے تو جدید سازوں کو کیسے جائز کہا جا سکتا ہے۔

ہم ان مسلمانوں میں سے ہیں جو دف کو حرام نہیں سمجھتے یہ الگ بات ہے کہ دف کو مسنون و مستحب تصور نہ کرتے ہوں دف کو حرام کہنا ہمارے نزدیک درست نہیں۔ اشفاق صاحب نے دف کے حرام ہونے کی ایک دلیل بھی بیان کی ہے بایں الفاظ :-

"احادیث سے واضح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں خوشی اور مسرت کے موقعوں پر نابالغ بچیاں دف بجایا کرتی تھیں اور جب بھی ایسا ہوا صحابہ کرام نے اس پر اعتراض اور اختلاف کیا اس لیے کہ انھوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ دف بجانا حرام ہے"۔

دوسرے قارئین اسے دلیل سمجھیں یا نہ سمجھیں ——

یہ وہ جانیں۔ ہم تو یہاں مصنف کو یہ مشورہ دیے بغیر نہیں رہیں گے کہ جو چیزیں عام طور پر مباح تصور کی جاتی ہوں ان کو حرام باور کرنے کے لیے صرف یہ کہہ دینا کافی نہیں ہو سکتا کہ صحابہ کا ارشاد ہے کہ اسے حضورؐ نے اسے حرام قرار دیدیا تھا۔ ممکن ہے کہ عوام آپ کی دلیل صحیح مان کر دف کو حرام سمجھ بیٹھیں لیکن ہم حرام نہیں سمجھیں گے تاوقتیکہ آپ کسی ایسی آیت کی نشاندہی نہ کریں

جو بہر اعتبار قابلِ اعتماد ہو اور جس پر بھروسہ کرنا جلد بازی کے قبیل سے نہ ہو۔

صفحہ ۳۸ پر ایک عالم حنفی ظہیر الدینؒ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

"جو شخص ہمارے زمانہ کی قرأت پڑھنے والے کی قرأت سنکر کہے کہ خوب پڑھا وہ کافر ہو جاتا ہے"۔

یہ قول تاریخی طور پر درست سہی لیکن اس میں شدت اور غلو ہے اور اس قسم کی شدید اور غلو آمیز باتیں مفید نہیں ہمیشہ نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں۔

غلطیوں سے کوئی کتاب مبرا نہیں ہوتی۔ خواہ وہ کسی علامۂ وقت کی لکھی ہوئی کیوں نہ ہو۔ قوالی اور اسلام میں اگر کچھ خامیاں باقی رہ گئی ہوں تو کوئی قابلِ حیرت بات نہیں۔

اس کتاب کی سب سے حیران کن چیز مولانا احمد رضا خاں صاحب کا یہ جواب ہے جو مندرجہ ذیل سوال کے نیچے درج کیا جا رہا ہے:

"آپ سے سوال کیا گیا کہ لوگ جمع ہوتے ہیں اور ڈھول اور سارنگی کے ساتھ چند قوال پیران دستگیر کی شان میں اشعار گا رہے ہیں کیا اس فعل سے رسول اور اولیا خوش ہوتے ہوں گے۔ اور ایسی قوالی جائز ہے یا نہیں"۔

خاں صاحب نے جواب دیا:-

"ایسی قوالی حرام ہے۔ حاضرین سب گناہگار ہیں"۔ الیٰ آخرہٖ۔

ہمارا خیال یہ ہے کہ خاں صاحب مرحوم کا یہ جواب ہر درگاہ کی پیشانی پر رقم کر دیا جائے۔

تبصرہ کا حاصل یہ ہے کہ قوالی اور اسلام کچھ خامیوں کے باوجود انتہائی مفید، مؤثر اور ہمہ گیر کتاب ہے اور اس لائق ہے کہ ہر دیوبندی اور بریلوی مسلمان اس کا مطالعہ کرے۔ یہ کتاب حیدرآباد میں کوثر ایجنسی چھتہ بازار حیدرآباد سے دستیاب ہو سکتی ہے۔ اور دیوبند میں مکتبہ تجلی سے۔

جب ایمان کی بہار آئی

از مولانا سید ابوالحسن ندوی۔
کاغذ و طرح کا عمدہ اور غنیمت۔
کتابت و طباعت قابلِ تعریف۔ صفحات ۲۷۲۔ قیمت مجلد بارہ روپے۔
ناشر:- مکتبہ فردوس، لکھنؤ۔

مولانا ابوالحسن ندوی کی یہ تصنیف اسلامی جد و جہد کی ایک ایسی ولولہ خیز داستان پر مشتمل ہے جو دل و دماغ میں جہاد اور ذوقِ شہادت کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔

تیرہویں صدی ہجری کے آغاز میں سید احمد شہیدؒ اور ان کے جانباز رفقاء نے ملک بھر میں توحید اور تجدید دین کا جھنڈا بلند کرنے اور اسلامی روایات کو پھیلانے کا تہیہ کیا۔

ہندوستان کا شمال مغربی حصہ ان دعوت و جہاد کا مرکز بنی اور بقول مصنف ان کا منصوبہ دراصل یہ تھا کہ آگے چل کر وہ پورے ملک میں انگریزوں کو بے دخل کرنے کی کوشش کریں گے اور کتاب و سنت کی بنیاد پر حکومتِ شرعیہ قائم کرنے کی کوشش کریں گے۔

ان کی دعوت کا انجام کیا رہا۔ وہ مغلوب ہوئے یا مفتوح۔ انھیں اپنے مقاصد حسنہ میں کامیابی حاصل ہوئی یا نہیں۔ یہ تفصیلی اندازہ تو کتاب کا مطالعہ کرنے ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ بات تو اپنی جگہ بہرحال مسلم ہے کہ اللہ کے راستہ میں جد و جہد کرنے والے لوگ ناکام کسی صورت میں نہیں ہوتے۔ وہ مر جاتے ہیں تو شہید کہلاتے ہیں اور اگر غالب آجاتے ہیں تو غازی سمجھے جاتے ہیں۔

کتاب کے شروع میں حضرت سید احمد شہیدؒ کی سوانح حیات بھی دیدی گئی ہے جو بجائے خود ایک

مؤثر کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔

اس کتاب میں مولانا ابوالحسن ندوی کے قلم کا معروف انداز بیان برقرار رہا ہے۔ اور اس کتاب کے مطالعہ سے دل و دماغ کو وہی فرحت حاصل ہوتی ہے جو بالعموم ان کی کتابیں دیکھنے کے بعد ہوتی ہے۔ تبصرہ تو تبصرہ ہی ہوتا ہے۔ تعارف کا حاصل یہ سمجھیے کہ یہ کتاب فی الواقعہ اس قابل ہے کہ ہر اردو داں مسلمان اس کا مطالعہ کرے اور ان یادوں کو تازہ کرے جو واقعات خیر القرون سے وابستہ ہیں۔

سلفر

از: ڈاکٹر عبدالحمید (سی۔ ایچ۔ پی)
لکھائی چھپائی متوسط۔ کاغذ متناسب۔
صفحات ۲۸۰۔ قیمت دس روپے۔
ناشر: حسیب احمد ہومیوپیتھ۔ مانجن پور بارہ بنکی۔

ہومیوپیتھک سے متعلق یہ کتاب ایک مفرد دوا کی تعریف و تعارف پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں مشاہدات، تجربات، تماثیل اور محاورات کا سہارا لیکر سلفر کی تشخیص اس کی خصوصیات اور اس کی انتہاؤں کا حاردار لعہ بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

یہ کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں سلفر سے متعارف کرایا گیا ہے۔ نیز انسانی جسم کی بناوٹ پر اجمالی روشنی ڈالی گئی ہے۔

دوسرے باب میں سلفر کے خواص، بصورت نظم بیان کیے گئے ہیں۔ تیسرے باب میں سلفر کی کچھ علامتیں ذکر کی گئی ہیں۔ چوتھے باب میں مٹیریا میڈیکا پر گفتگو کی گئی ہے پانچویں باب میں امراض مختلفہ کے علاج پر کلام کیا گیا ہے چھٹے باب میں سلفر کے کرشمات کا طول و عرض پیش کیا گیا ہے۔ نویں باب میں سلفر کے علامات کی تشریح کی گئی ہے۔ دسواں باب اس بات کے لیے وقف ہے کہ علاج کے دوسرے معروف طریقوں میں سلفر کی حیثیت کیا ہے۔

کتاب بلاشبہ اپنے موضوع کے اعتبار سے وقیع اور بامقصد کہلانے کی مستحق ہے۔ ہومیوپیتھک سے تعلق اور دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ کسی تحفہ سے کم نہیں۔

اس واجبی تعریف کے بعد یہ عرض کرنے میں ہمیں کوئی تأمل نہیں۔ چہرۂ کتاب پر بعض داغ دھبے ایسے بھی باقی رہ گئے ہیں کہ جن کی موجودگی کتاب کے حسن کو ٹھیس پہنچائے بغیر نہیں رہے گی۔

ص۳ پر سلفر کی خصوصیات بیان کرنے کے لیے ۳۷ شعروں کی ایک منقبت پیش کی گئی ہے جس کی حیثیت تک بندی سے زیادہ نہیں۔ اس منقبت کے چند ٹکڑے یہ ہیں:

خدایا زور دے اپنے کرم سے
لکھوں اوصاف سلفر میں قلم سے

مریضوں کے لیے اکسیر اعظم — یہ گن رکھتا ہے جیسے سلفر کہیں ہم
شفائے مرض ناہنجار ہے یہ — سکون قلب کا معیار ہے یہ

یہ تک بندی ۳۷ شعروں پر مشتمل ہے۔ خدا ہی جانے مؤلف کو یہ "مناجات مقبول" لکھنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔؟

کتابت کی غلطیاں بے شمار ہیں جن کی نشاندہی کے لیے طویل وقت اور کثیر کاغذات کی ضرورت ہے جو فی الحال ہمیں میسر نہیں۔

نمونۃً چند غلطیوں کی نشاندہی کی جارہی ہے۔

ص۴۸ دیکھیے:

"اس کے جسم سے ایک خاص کی بدبو آتی ہے"

اس جملہ میں لفظ خاص کے بعد لفظ "قسم" چھوٹ گیا ہے اور آتی بانتکرار کتابت ہوگیا ہے۔

ص۱۳۹ پر ایک جگہ جلی قلم سے لکھا ہے "کمر کی درد" اگر یہ کتابت کی غلطی نہیں تو پھر مؤلف کو معلوم ہونا چاہیے۔ کہ درد مذکر ہے نہ کہ مؤنث۔ کمر کی درد غلط ہے "کمر کا درد" ہونا چاہیے تھا۔

بعض غلطیاں دوسری نوعیت کی ہیں۔ مثلاً:

صہ ۱۲۴ پر لکھا ہے "خنازیری مزاج والوں میں"

بہتر ہوتا اگر یہاں "خنازیر" کی وضاحت کردی جاتی۔ اس لیے کہ خنازیر خنزیر کی جمع ہوتی ہے اور خنزیر سور کو کہتے ہیں۔

اگر مؤلف کا مطلب یہی ہے کہ سور جیسا مزاج رکھنے والے تو یہ تشبیہ گالی کے ہم معنی ہے خواہ حقیقت سے قریب تر کیوں نہ ہو۔ یہاں کسی دوسری تشبیہ کے ذریعہ بھی اپنا مدعا بیان کیا جاسکتا تھا۔ اور اگر خنازیر سے مراد کوئی اور چیز ہے تو اس کی وضاحت ضروری ہے۔

صہ ۱۲۵ پر سلسل بول جلی قلم سے لکھ کر اس کی تشریح یا یں الفاظ کی گئی ہے:

"رات کو پیشاب زیادہ آتا ہو"

ہماری اپنی معلومات کے مطابق سلسل بول اور کثرت بول میں فرق ہے۔ سلسل بول کا اطلاق نقاطرِ پیشاب پر ہوتا ہے۔ یعنی اگر کسی کو پیشاب کے قطرے ٹپکنے کا مرض لاحق ہو جائے تو اسے سلسل بول کا مریض کہنا درست ہو گا کثرت پیشاب ایک دوسری چیز ہے۔

اس قسم کی فروگذاشتیں کتاب میں متعدد مقامات پر نظر آئیں جن میں کوفت کا سامان کافی مقدار میں موجود تھا ادب و انشاء نام کی کوئی چیز کتاب میں موجود نہیں ہے۔

سنا ہے کہ گورنمنٹ نے اس کتاب کے مؤلف کو بطور انعام کچھ رقم عطا کی ہے۔ ضرور کی ہوگی، خوشی کی بات ہے لیکن تبصرہ نگار کی نظروں میں گورنمنٹ کے انعام کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہ انعام تو بعض نا اہل بھی لے بھاگتے ہیں۔ کبھی ازراہِ سیاست، اور کبھی ازراہِ کرامت۔

تبصرہ نگار اس لیے اس کتاب سے متاثر نہیں ہوا کہ یہ انعام یافتہ کتاب ہے۔ بلکہ متاثر ہونے کی وجہ فی الواقعہ کتاب ایک نادر موضوع سے تعلق رکھتی ہے اور کئی اعتبار سے مفید ہے۔

رہا خامیوں کا معاملہ تو وہ ہر کتاب کا مقدر ہوتی ہیں خامیوں سے بالکل محفوظ رہنا بشری تقاضوں کے خلاف ہے اور کتنا ہی ہمیشہ نوع بشر تر تیب دیتی ہے فرشتوں کی قوم نہیں۔

کتاب کے خاتمہ پر مؤلف نے ایک مؤدبانہ درخواست کا عنوان جما کر مندرجہ ذیل سطور ہدیۂ قرطاس کی ہیں۔

"میں اپنی بے بضاعتی وکم مائیگی کا اعتراف
کرتے ہوئے اہل فن سے معذرت خواہ ہوں
اگر اس کتاب کی ترتیب میں کچھ خامی رہ گئی
ہو تو مجھے مطلع فرمائیں"

مؤلف کی اس درخواست کو قبول کر کے ہم عرض کرتے ہیں کہ کتاب میں کتابت وطباعت کی غلطیاں خاصی مقدار میں موجود ہیں جو نظر ثانی کا تقاضہ کرتی ہیں اور کہیں کہیں دوسری نوعیت کی غلطیاں بھی پائی جاتی ہیں جنھوں نے کتاب کے تجمل کو مجروح کردیا ہے۔

بعض مقامات پر موضوع معمہ بن گیا ہے۔

شروع کے ابواب پر گہری نظر ڈالنے کی زحمت گوارہ کیجیے۔

اس کتاب کی سب سے زیادہ نمایاں خامی یہ ہے کہ اس کی قیمت ضخامت کے اعتبار سے بہت زیادہ ہے۔ اس قیمت میں اگر کتاب کا موجودہ ایڈیشن صاف ہو گیا تو تبصرہ نگار آپ کی تقدیر پر رشک کیے بغیر نہیں رہے گا۔

اگر ○ اس دائرہ میں سُرخ نشان ہے تو سمجھئے
اس پرچہ پر آپ کی خریداری ختم ہے
... منی آرڈر سے سالانہ قیمت بھیجیں یا وی۔ پی کی اجازت
دیں۔ آئندہ خریداری جاری نہ رکھنی ہو تب بھی اطلاع دیں
خاموشی کی صورت میں اگلا پرچہ وی۔ پی سے بھیجا جائے گا جسے
وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا۔ منی آرڈر بھیجکر آپ وی۔ پی خرچ ...

[illegible] امریکہ ... [illegible]
[illegible] ۱۲ ... [illegible]
بذریعہ بحری ڈاک دو پونڈ ... [illegible]
ہوائی ڈاک دس پونڈ۔ افریقہ ... [illegible]
بحرین۔ قطر و عدن کے لئے بذریعہ بحری ڈاک
ایک پونڈ دس شلنگ۔ بذریعہ ہوائی ڈاک ... پونڈ

کیوں اور کہاں

کبھی کسی کو جو دیواریں اور نصیحتیں نظر کتنے ہوئے بھی اپنے اندر جس [illegible] اور اس دیوار اس کے ماسوا کچھ نہ رکھتی ہو

لوگ اپنے گھروں کے اندر بھی خائف اور ہراساں رہتے تھے — اس لیے پورا ہندوستان ایک جیل بن کر رہ گیا تھا۔ قیدی تو تھے ہی قیدی [illegible] [illegible] قیدی سی محسوس ہوتے تھے۔ مجبور صرف وہی نہیں [illegible] سلاخوں کے پیچھے مقید تھے بلکہ مجبور اور بے بس وہ بھی تھے جو بظاہر آزاد نظر آتے تھے اور جن کی زبانوں پر نظر آنے والا کوئی تالا پڑا ہوا نہیں تھا۔

ایسے ناگفتہ بہ حالات میں عامر عثمانی نمبر نکالنے کی جرأت ہمیں ہو ہی نہیں سکتی تھی اگر خدا ہمارے ہوش و حواس کو [illegible] قائم نہ رکھتا۔ اس کا احسان ہے کہ اس نے [illegible] عامر عثمانی نمبر نکالنے کی توفیق بھی بخشی اور ہمت بھی۔

نمبر کی تیسری قسط کو [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] گیا [illegible] ان میں سے ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ تیسری قسط میں جماعت اسلامی کا ذکر بھی بکھرا ہوا ہے جسے کانگریس [illegible] گوارا نہیں کر سکتی کیونکہ اسلام اگر تدبیر و مصلحت کا مخالف ہوتا تو تیسری قسط بھی شائع کر دیتے گزشتہ سال اگست و ستمبر ہی میں پیش [illegible] تھے لیکن [illegible] [illegible] مصلحت کو پیش نظر رکھنے کا [illegible] [illegible] ہے [illegible] [illegible] مصلحت سے روگردانی کرنے کو گوارا نہیں کیا۔ [illegible] [illegible] [illegible] اگر نمبر کی تیسری قسط نکال دیتے تو عین ممکن تھا کہ اس کے ذریعہ اسلام کی جو ٹوٹی پھوٹی خدمت ہو رہی تھی وہ بھی مفقود ہو جاتی۔

حالات بدلتے ہی نمبر کی تیسری قسط کو ہدیۂ ناظرین کر دینے کا خیال تھا لیکن بجلی کے نازنخروں نے ارباب پریس کو [illegible] مجبور بنا دیا ہے، کہ کتنی ہی خوشامد کرتے رہیے ان کی رگ احساس میں کوئی حرکت پیدا نہیں ہوتی۔ کام زیادہ دو پیسے کم۔ پھر ستم یہ کہ بجلی صاحبہ کبھی کبھی تشریف لاتی ہیں اور جلد ہی روٹھ جاتی ہیں۔ ایسی صورت میں پریس والے اگر [illegible] [illegible] منہ پھاڑ کر برس پڑیں تو انھیں کس دفعہ کے تحت مجرم قرار دیا جا سکتا ہے۔ ان سے ان حالات میں کچھ اندازہ کر لیجیے تو زرہ تار [illegible]

ہو جاتے ہیں اور پریس والوں کا ناراض ہو جانا ایڈیٹروں کے حق میں کسی قیامت صغریٰ سے کم نہیں ہوتا۔ ہمیں خوشی اس بات کی ہے کہ قارئین کو بھی ہماری مجبوریوں کا احساس ہے اور پرچہ لیٹ ہونے کی شکایت یا تو کرتے ہی نہیں یا کرتے ہیں تو اس انداز میں کہ انھیں پڑھ کر تجلی کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے اور ہمارے جذبوں میں اک نئی زندگی کروٹ لینے لگتی ہے۔ اِکّا دُکّا ہی چند قارئین غصہ کا اظہار کرتے ہیں جو بجائے خود قابل قدر ہے۔ دراصل ہمارے نزدیک غصہ اس بات کی علامت ہے کہ تجلی کا باقاعدگی کے ساتھ انتظار کیا جاتا ہے۔ اگر تجلی میں کسی قسم کی کشش موجود نہ ہوتی تو انتظار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اور انتظار کی حالت میں غصہ اور جھنجھلاہٹ کا پیدا ہونا کوئی امر حیرت نہیں۔

عذر کی داستان کافی لمبی ہو گئی۔ اور کافی بور کن بھی۔ قارئین معاف کریں اور یہ یقین اپنے دلوں میں جمالیں کہ آئندہ کے لیے ہم برابر اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ تجلی وقت پر آئے اور ایک مہینے کی اشاعت پر مشتمل ہو۔ ماسوا خاص نمبروں کے۔ اب تک کی بدنظمی کو بھول جائیے اور یاد کیجیے تو ہماری مجبوریوں کو سامنے رکھتے ہوئے۔

عامر عثمانی نمبر کے بعد جلد ہی "جماعت اسلامی نمبر" نکالنے کا خیال ہے۔ اس سلسلہ میں تفصیلی بات آئندہ کسی شمارہ میں ملاحظہ فرمائیے۔ قارئین سے دعائے خیر کی درخواست کے بعد ہم اپنی زبان بند کرتے ہیں —— خدا حافظ۔

"عامر عثمانی نمبر" کے بعد

ادارہ تجلی "جماعت اسلامی نمبر" نکالنے کی جدوجہد میں لگا ہوا ہے۔

باقاعدہ اعلان عنقریب ہی کر دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ۔

(منیجر)
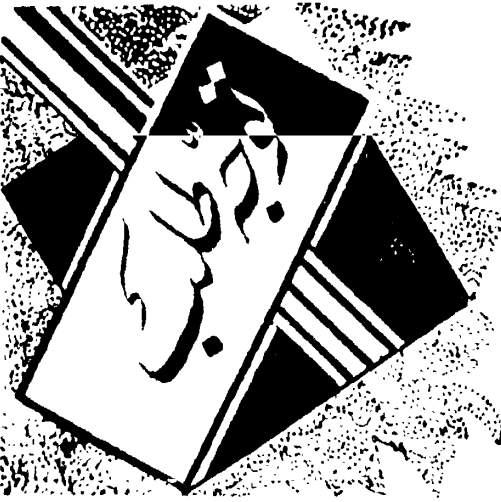
پاکستان میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ قارئین سے پوشیدہ نہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ پاکستان بربادی کے دہانے پر کھڑا ہوا ہے تو اسے کسی طرح بھی جھوٹ اور مبالغہ نہیں کہا جا سکتا۔ ذوالفقار علی بھٹو کے ہاتھوں پاکستان کا جو کچھ حشر ہو رہا ہے وہ افسوسناک ہی نہیں قابل عبرت بھی ہے۔

ہمارا اپنا خیال ہے کہ پاکستان کے مسلمانوں نے اسلام سے جو کھلے عام روگردانیاں کی ہیں یہ سب کچھ اسی کی سزا ہے۔ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم اس بات کے قائل ہیں کہ جو مصائب کسی ملک یا شہر پر نازل ہوتے ہیں وہ بلا وجہ نہیں ہوتے بلکہ ان کی وجہ ہوتی ہے اور وجہ صرف ایک ہی ہوتی ہے کہ جب کوئی قوم مذہب اسلام اور حق و دیانت کی راہوں سے اعراض و انحراف کا مظاہرہ کرتی ہے اس وقت اسے جھنجھوڑنے کے لیے مشیت مختلف انداز اختیار کرتی ہے۔

کبھی قحط مسلط کر دیا جاتا ہے۔ کبھی دوسری پریشانیاں نازل ہونے لگتی ہیں۔ کبھی ظالم حکومت مسلط کر دی جاتی ہے۔ کبھی طاعون پھیل جاتا ہے۔ کبھی نس بندی کے دریا بہتے ہیں۔ کبھی زلزلے آنے لگتے ہیں۔ کبھی دوسری قسم کی بربادیاں تعاقب کرنے لگتی ہیں۔ غرضیکہ عذاب خداوندی کے ہزار روپ ہیں۔ ہزار انداز ہیں۔

پاکستان میں ان دنوں جو کچھ ہو رہا ہے وہ بھی عذاب خداوندی ہی کی ایک قسم ہے۔ اس موقع پر پاکستانی مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اسی طرح حق تعالیٰ کی طرف توجہ کریں جس طرح ہندوستان کے مسلمانوں نے ابھی ماضی قریب میں کانگریس کے جبر و تشدد سے نجات پانے کے لیے حق تعالیٰ کی طرف توجہ کی تھی۔ یہ توجہ اکارت نہیں گئی۔ بلکہ مفید ثابت ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے ہندوستان کے عوام نے اس حکومت سے چھٹکارا حاصل کر لیا جو ۲۴ سال سے ہندوستان کے تخت پر اپنا ڈیرہ جمائے بیٹھی تھی اور جس کے قدموں کو لڑکھڑا دینا بظاہر ممکنات میں نہیں تھا۔

اندرا گاندھی ہو یا ذوالفقار علی بھٹو۔ ان کی گردنیں خدا کے دست قدرت میں ہے، وہ جب چاہے انھیں شہرت کی دنیا سے گمنامی کے گڑھے میں دھکیل سکتا ہے۔ وہ بلاشبہ ہر چیز پر قادر ہے وہ مختار کل ہے۔ وہ جن لوگوں کو عزت دے سکتا ہے انھیں منٹوں میں ذلیل و رسوا بھی کر سکتا ہے۔ اس کے ارادوں میں کوئی طاقت کوئی سیاست، کوئی زور حائل نہیں ہو سکتا۔

پاکستان کے عوام اگر اپنی حرکات و سکنات پر نادم و شرمندہ ہو کر اس بات کی دعا کریں کہ خدا انھیں بھٹو جیسے مرکز و پیر الظلم سے نجات عطا فرمائے تو ناممکنات میں سے ہے کہ خدائے رحیم و کریم ان کی دعاؤں کو رد کر دے —— اور ان کے گڑگڑانے کا کوئی اثر نہ لے۔

ہندوستان کے مسلمانوں سے بھی ہماری یہ گذارش ہے کہ وہ پاکستان میں دعائے خیر کریں اس لیے کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنایا گیا تھا اور جو چیز اسلام کے نام پر وجود پذیر ہوگی وہ ہماری ناک کہلائے گی خواہ ظاہراً ہمارا اس سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اس حقیقت کے پیش نظر پاکستان کی بربادی ہماری ناک کٹنے کے مترادف ہوگی۔ اور کیا ہندوستان کے مسلمان اپنی ناک کٹوانے کو گوارہ کر سکتے ہیں؟ اور کیا یہ برداشت کر سکتے ہیں کہ پاکستان کی ہلاکت کی صورت میں ذلت و رسوائی کے تھپیڑے ان کے دامن حیات میں سمٹ جائیں؟ اگر یہ سب کچھ گوارہ نہیں کیا جا سکتا تو پھر پاکستان کے حق میں دعائے خیر کرنا ہندوستانی مسلمانوں کے لیے ناگزیر ہو گا —— اور دعا سے بے پرواہی اختیار کرنا بیوقوفی اور مغفل پن کہلائے گا۔

(حال ہی میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے نام حیدرآباد دکن۔ (بھارت) سے ایک صاحب کا خط آیا ہے جس کا ایک حصہ ذیل میں دیا جا رہا ہے۔ یہ خط ۲۲ مارچ ۷۷ء کو لکھا گیا۔

یہاں ہندوستان میں مسز اندرا گاندھی نے بہت ہی صاف ستھرے انتخابات کروائے۔ عوام نے اندرا گاندھی صاحبہ کی اور ان کے فرزند سنجے گاندھی کی ہٹ دھرمیوں اور ظلم و زیادتیوں کو مسترد کر دیا ہے۔ مسز گاندھی نے شکست قبول کرتے ہوئے وزارت عظمیٰ سے استعفیٰ بھی دے دیا ہے۔ آج ہی جماعت اسلامی کے سارے قائدین جیلوں سے باہر ہو گئے ہیں۔ جماعت پر سے پابندی بھی ختم ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں اور اس ملک کے عوام کے لیے اس ملک کی تبدیلی کو سازگار بنا دے۔ اس کے لیے آپ کی بھی دعاؤں کی خاص ضرورت ہے۔

ایمرجنسی کے مہینوں نے جماعت کے کارکنوں کے ساتھ جیلوں میں بند ہونے والے راشٹریہ سیوک سنگھ اور دوسری سیاسی قیدیوں کے ذہن و دماغ میں اسلام اور اہل اسلام سے متعلق بے شمار غلط فہمیوں کو رفع کرنے میں بہت بڑی مدد دی ہے۔ یہ کام اس پیمانے پر باہر رہتے ہوئے کبھی نہ ہو سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ شر بڑی خیر کا موجب بن گیا۔

دوسری طرف پاکستان کے انتخابات کا انداز اور وہاں کے حالات اخبارات میں پڑھ کر گردن شرم سے جھک جاتی ہے اور غیر مسلم سے آنکھ ملا کر بات کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ وہ جب مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ کیا اسی لیے آپ لوگوں کو ہم سے الگ اپنا ملک بنانے کی ضرورت تھی تو کوئی جواب بن نہیں پڑتا۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اسلامی ملک دنیا کو کیا اخلاقی اور روحانی ہدایت دے سکے گا۔ جب کہ خود اس کے اندر اخلاق و دیانت کی دھجیاں اڑائی جا رہی ہیں۔ کی گئی ہے

— شیخ نصیر الدین حیدرآباد دکن۔

جماعت اسلامی کی مخالفت میں مخلص نہیں۔ سو فیصدی منافق ہیں۔ ان کا قلم جماعت اسلامی کے خلاف محض اسلیے اٹھتا ہے کہ اگر وہ جماعت کے خلاف زہر اگلنا چھوڑ دے گا تو جمیل صاحب لکھنؤ سے دیوبند واپس آجائیں گے۔ اس دیوبند میں جہاں جمیل مہدی صاحب کی قدر و قیمت کسی کھوٹے سکے سے زیادہ نہیں ہے۔

بلاشبہ دلیپ راورکا اسے کے صحافیوں نے سیاست و صحافت کو جو نقصان پہنچایا ہے وہ کسی بھی معقول آدمی کی نظروں سے اوجھل نہیں۔ بکنے والے اپنے مفادات کی خاطر اول فول بک جاتے ہیں اور انھیں اس بات کا ذرہ برابر بھی احساس نہیں ہو پاتا کہ ان کی گھٹیا تحریروں اور پوچ باتوں سے امت مسلمہ کو [illegible] ہرگز نہ پہونچ رہا ہے۔ اصلیت تو یہ ہے کہ آج کے اس دور ضلالت میں [illegible] اور بلیٹ کے مسائل اگر دنیا میں موجود رہتے تو یہ نہ جماعت اسلامی جیسی دینی جماعتوں کے خلاف کوئی [illegible] قائم ہوتا اور نہ عزائم جیسے چوتھے نمبر کے اخباروں میں ایسی جنونانہ [illegible] شائع ہوتے [illegible] آج [illegible] اپنی گہرائیوں میں کوئی مقصد رکھتی ہیں نہ کوئی نصب العین۔ کوئی اسلام کش طبقہ اگر کسی [illegible] جماعت کی جس نہیں کرنے کی فکر میں [illegible] لیکن جب مسلمانوں کی کوئی [illegible] اسلام پر [illegible] جماعتوں کے خلاف زہر اگلنی [illegible] یہ سمجھتے اور کہے بغیر چارہ نہیں کہ یہ شخص کوئی [illegible] ہے اور اپنے اخلاص و قلاشی کو رفع دفع کرنے کے لیے اسلام سے نابلد [illegible] کی خدمت انجام دے رہا ہے۔

"[illegible] منحوس اور [illegible] زر رہتے ہوئے کبھی جماعت [illegible] جیسی اسلام پرست جماعتوں کو کالیاں دیتے ہوئے دیکھے گئے ہیں۔ یہ [illegible] بیچارے وہ لوگ ہیں جو مفلس و [illegible] تو نہیں [illegible] عزت اور عہدے کے بھوکے [illegible] اور اقتدار کی خاطر [illegible] سلامت اور پاکی میں بھی امتیاز نہیں کر پاتے شرافت کا قتل کر [illegible] ان [illegible] کی نظروں میں کوئی اہمیت نہیں [illegible] مقتل [illegible]

ہیں کہ انھیں کوئی ایک بار "مولانا" یا "حضرت جی" کہہ کر آواز [illegible]

پھر طرفہ تماشہ یہ ہے کہ یہ شخص خود کو عقل کل اور مظاہری اور قاسمی خود کو جنت کا ٹھیکیدار سمجھنے لگا ہے۔ اسی طرح کی خوش فہمیاں، نادانیاں اور حماقتیں ایسے مضامین کو جنم دیتی ہیں جو گاہ بگاہ عزائم جیسے گمنام اور گھٹیا پرچوں میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

اس وقت ۲۸ اپریل کا عزائم ہمارے سامنے ہے اس میں جمیل مہدی نے حسب عادت اپنی کارستانیوں کا مظاہرہ کیا ہے۔ انھوں نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے پہلے تو یہ بتایا ہے کہ آر۔ ایس۔ ایس کے سنچالک بالا صاحب دیورس ۱۳ اپریل کو دہلی آئے تھے اور مختلف لوگوں نے ان کا استقبال کیا تھا۔ استقبال کرنے والوں میں کئی وزراء بھی تھے اور بعض پارٹیوں کے کرتا دھرتا بھی۔ اور استقبال کرنے والوں میں جماعت اسلامی کے کچھ رہنما بھی شامل تھے۔ استقبال کے وقت بطور اعزاز جماعت اسلامی کے امیر مولانا محمد یوسف اور اخبار دعوت کے ایڈیٹر مولانا محمد مسلم صاحب نے بالا صاحب دیورس کو ہار پہنائے۔ اسی بات کو جمیل مہدی صاحب نے طنزیہ لہجہ میں یوں بیان کیا ہے:

> "جن لوگوں کو ان کی حضوری اور ملاقات کی عزت حاصل ہوئی ان میں جماعت اسلامی کے ایسان [illegible] رہنما اور اقامت دین کے علمبردار مولانا محمد یوسف اور مولانا محمد مسلم بھی تھے۔ انھوں نے نہ صرف بالا صاحب دیورس کو ہار پہنا کر اتباع سنت کی ایک قابل تقلید مثال پیش کی بلکہ ان کے واسطے سے آر۔ ایس۔ ایس کو خراج عقیدت پیش کرنے کا فرض بھی بحسن و خوبی انجام دیا۔"

اس سے قطع نظر کہ مولانا یوسف اور مولانا مسلم صاحب نے بالا صاحب کے گلے میں جو گجرے ڈالے تھے وہ ازراہ سیاست

راہ حقیقت۔ ہم جمیل صاحب کو یہ یاد دلانے کا حق رکھتے ہیں
اسلامی تحریک کے سربرآوردہ حضرات کو ہار پہنانا شرعاً
معیوب اور بری بات نہیں ہے۔ لیکن ہمارے بعض من
بزرگوں نے تو کانگریسی عہدیداروں کے لیے ایسی ایسی حرکتیں
یں کہ شریعت نے شرمندگی سے اپنا منھ نوچ لیا ہوگا۔
انا فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے پنڈت جواہر لال نہرو
لیے دعائے مغفرت فرمائی تھی اور عالی مقام جناب مولانا
ن صاحب مدظلہ العالی نے پنڈت جواہر لال نہرو کے
مبارک پر کھڑے ہو کر دسیوں حاشیہ برداروں کے ساتھ
فاتحہ خوانی کا اہتمام کیا تھا۔ یہ دونوں حرکتیں شرعاً غلط
قابل مذمت تھیں۔ لیکن تم جیسے ہزاروں کرائے دار
ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم والے خاموش وظیفہ پر
کرتے رہے اور زبان و قلم کسی خاص مصلحت اور مفاد
پیش نظر متحرک نہ ہو سکے۔ اس وقت تو بعض مولاناؤں
یر معمولی حرکت کو آپ برضا و رغبت برداشت کر گئے
اور آج مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا محمد مسلم صاحب
ایک معمولی سی حرکت کو ہوّا بنانے کی کوشش میں ہاتھ پیر مار رہے
۔ یہ تو بالکل ایسا ہی ہوگا جیسے آپ اپنے استادوں کو شراب
دیکھ کر بھی خاموش رہیں اور ہمارے کسی استاذ کے لبوں پر
پیٹ لگی دیکھ کر چیخ اٹھیں۔ بھائیو! دیکھو یہ ایک مکروہ فعل
رتکاب کر رہا ہے۔ کر دو اس پر تنقید اور سمجھوا سے نابکار۔

آگے چل کر جمیل صاحب رقمطراز ہیں:

> "انھوں نے (بالا صاحب نے) اس بات پر
> بھی اطمینان کا اظہار کیا کہ جماعت اسلامی نے
> آر۔ ایس۔ ایس کے بارے میں اپنی رائے تبدیل
> کر لی ہے۔ اور اب وہ اس بات کو تسلیم کرتی ہے
> کہ آر ایس ایس مسلم کش تنظیم نہیں ہے"۔

یہاں جمیل مہدی صاحب کو اس بات کی وضاحت کر دینی
یے تھی کہ جماعت اسلامی نے آر ایس ایس کے ممبران
جماعت اسلامی والوں کے کردار اور کیرکٹر کو دیکھا
س بات کا اندازہ لگا لیا کہ اسلام ایک سچا اور امن پسند
مذہب ہے۔ اور سچے مسلمانوں کے اخلاق اور طور طریقے یہ ثابت
کرنے کے لیے کافی ہیں کہ سچے مسلمانوں کی قوم فساد و انتشار
اور تصادم و خونریزی کو بالکل پسند نہیں کرتی۔

آر ایس ایس بلا شبہ مسلم کش جماعت تھی۔ اس نے
جماعت اسلامی کے بھی کتنے ہی ہمنواؤں کو موت کے گھاٹ
اتارا تھا۔ لیکن جب اسی جماعت نے جماعت اسلامی والوں کو
قریب سے دیکھا اور ان کی عادات، ایثار، امن پسندی، جذبۂ
اخوت اور دوسرے بہت سے مسلمانہ اوصاف کا قریب سے مشاہدہ
کیا تو اسے اپنے نظریات و خیالات بدلنے پڑے۔ اس نے
جماعت اسلامی سے مفاہمت کرنے میں پہل کی اور پھر جماعت
اسلامی نے اس کی خطائیں نظر انداز کر دیں بالکل اسی طرح
جس طرح ان کے محسن اعظم نے فتح مکہ کے موقعہ پر اپنے تمام
دشمنوں اور باغیوں کے قصور معاف کر دیے تھے۔ اور کفر کے
دل و دماغ میں اسلام کی طرف سے کچھ نرم گوشے پیدا کر دیے
تھے۔ آر ایس ایس کے نرم ہو جانے کے بعد اگر جماعت اسلامی
نے یہ یقین کر لیا ہے کہ اگر اب آر ایس ایس کے ممبران مسلمانوں کے
ساتھ وہ سلوک نہیں کریں گے جو وہ اس وقت کر چکے ہیں
جب انھیں مسلمانوں کے مزاج و اخلاق کا حدود اربعہ معلوم
ہی نہیں تھا۔ خبر نہیں تھی کہ مسلمان کتنے صلح پسند ہیں تو اس میں
کونسی گناہ کی بات ہے۔ اور اس یقین کو اگر آر ایس ایس کے لوگ
کچھ انداز بدل کے یہ کہہ گزریں کہ جماعت اسلامی نے بھی آر ایس
ایس کے بارے میں اب اپنے خیالات کو تبدیل کر دیا ہے تو
اس میں کونسی ایسی قباحت ہے جو جمیل مہدی جیسے لوگوں کی
نیندیں حرام کیے ہوئے ہے۔

آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے کہ:

> "جماعت اسلامی کے رہنماؤں کی سب سے
> بڑی مشکل یہی ہے کہ وہ نہ صرف اسلامی عقائد
> و احکامات و مقاصد کی سمجھ کے بارے میں
> اپنے آپ کو زیادہ فہم و فراست کے مالک اور
> حق کا اجارہ دار ثابت کرتے ہیں۔ بلکہ اس سلسلہ میں

وہ خود اپنے پروپیگنڈہ کا شکار ہو کر اپنے آپ کو
اصل مسلمان بھی سمجھنے لگتے ہیں"۔

ہمیں جمیل مہدی صاحب مسلمانوں کے کسی ایسے گروہ کا نام و پتہ بتائیں جو اسلامی عقائد و احکامات کے سلسلہ میں خود کو فہم و فراست کا واحد مالک اور حق و صداقت کا ٹھیکہ دار تصور کرنے کے خبط میں مبتلا نہ ہو۔ دیوبندیوں کا دعویٰ یہ ہے کہ اسلام کو صرف ہم نے سمجھا ہے اور دین حق پر صرف ہم ہی قائم ہیں۔ بریلویوں کی حالت یہ ہے کہ وہ صرف اپنے آپ کو حق کا متوالا سمجھتے ہیں اور ان کا گمان یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کے طول و عرض پر ان کے سوا کسی کی دسترس نہیں۔ تبلیغی جماعت مدت سے اس خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ روئے زمین پر اگر کوئی جماعت حق پرست موجود ہے تو وہ بس ہماری جماعت ہے۔ قادیانیوں کی رائے یہ ہے کہ حق و صداقت کے تنہا ٹھیکیدار ہم ہیں۔ اور ذرا آگے بڑھیے تو جمعیۃ علماء جیسی فرقہ پرست جماعت اور فرعونیت پسند جماعتوں کو گھمنڈ یہ ہے کہ مسلمانوں کے واحد نمائندے فقط ہم ہی ہیں۔ اور جمیل مہدی صاحب جیسے کوتاہ فہم لوگو بر زبانِ عمل دن کی روشنی میں یہ نعرے لگاتے نظر آتے ہیں کہ دیکھا لوگو! قدرت نے عقل و شعور کی اجارہ داری صرف ہمیں ہی سونپی ہے لہٰذا بس ہم ہی ہیں دانشور اور افلاطونِ وقت۔

ایسی صورت حال میں صرف جماعت اسلامی کے بارے میں یہ گل افشانی کرنا کہ وہ کس معاملہ میں خود کو یکتا اور بے مثال تصور کرتی ہے۔ ایسا کونسا انوکھا انکشاف ہے کہ پڑھنے والے محفل حیرت منعقد کر بیٹھیں اور انکشاف کرنے والے کو اس محفل کا دولہا بنا دیں۔ بالخصوص اس صورت میں جب کہ انکشاف کرنے والا اپنے پاس کوئی ٹھوس ثبوت بھی نہ رکھتا ہو بلکہ صرف چرب زبانی اور مغالطہ دہی سے کام لے رہا ہو۔

ایک جگہ عقل و خرد کے ہمالیہ پہاڑ پر چڑھ کر یہ گل افشانی کی گئی ہے :-

" آر ایس ایس اور جماعت اسلامی کے درمیان مذہبی فرق و امتیاز اور عقائد کے اختلاف کے باوجود فکری اور عملی سطح پر ان میں حیرتناک مشابہت پائی جاتی ہے تو اس میں ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا ——— دونوں جماعتیں جمہوری روایتوں پر یقین نہیں رکھتیں نہ ہی اپنی ممبرشپ کو عام کرنے پر آمادہ ہوتی ہیں۔ دونوں جماعتوں کے لوگ کھل کر سطح پر آنے کے بجائے مختلف بھیسوں اور پردوں کی آڑ میں مقصد برآری پر یقین رکھتے ہیں"۔

دو متضاد نظریے رکھنے والی جماعتوں کے مابین چند چیزوں میں مشابہت اور یکسانیت کا پایا جانا نہ حیرانی کا باعث ہو سکتا ہے اور نہ ان دونوں جماعتوں کے اندرونی طور پر متحد ہو جانے کا۔ دو مختلف نظریات کے زمروں اور دو مختلف ذہنیت کے انسانوں کی چند ملتی جلتی حرکتوں کو سند بنا کر یہ دعویٰ کرنا کہ یہ دونوں زمرے اور یہ دونوں انسان ایک ہی حیثیت اور ایک انداز فکر کے حامل ہیں، کوری حماقت اور برہنہ جہالت کے سوا کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔

دنیا میں دو نظریے سب سے زیادہ مضبوط کہلا سکتے ہیں۔ ایک اسلام کا نظریہ اور دوسرے کفر کا نظریہ۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں نظریے قطعًا ایک دوسرے سے مختلف اور جداگانہ ہیں۔ ان کے ماننے والے بھی قطعی طور پر ایک دوسرے سے مختلف اور جداگانہ ذہنیت رکھتے ہیں۔ سچا مسلمان ہر وقت اس فکر میں رہتا ہے کہ کسی طرح پوری دنیا میں اسلام پھیل جائے اور معاشرے کے ہر گوشے میں اسلامی رنگ نظر آنے لگے، وہ اسلام کو عام کرنے کی فکر میں مختلف طریقوں سے تبلیغ کرتا ہے۔ کبھی ایک مجاہد کے روپ میں، کبھی ایک مبلغ کے روپ میں، کبھی ایک مؤذن کے روپ میں۔ پھر اس کی جد و جہد کے انداز بھی مختلف ہوتے ہیں پرستوں کے سامنے اس کی تبلیغ کا انداز کچھ اور ہوتا ہے۔ توہم پرستوں کے سامنے وہ اپنے دین کو کسی اور انداز میں پیش کرتا ہے۔ جھگڑالو اور بات بات میں میم میخ نکالنے والوں کو وہ دوسرے انداز میں

(باقی ص ۱۷)

(بقیہ آغاز سخن)

مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے برعکس ایک سچا کافر ہمہ وقت اس کوشش میں سرگرداں نظر آتا ہے کہ دنیا کے کسی گوشے میں اسلام باقی نہ رہے اور جدھر دیکھو وہاں اسلام بیزاری کے چشمے پھوٹنے لگیں۔ وہ اسلام کے خلاف مختلف طریقوں سے بدظنی پھیلاتا ہے۔ کبھی کھلے عام اور کبھی نفاق کی راہ اختیار کرکے دوستی کے پردوں میں اسلام کے خلاف اس کی جدوجہد کبھی مختلف طریقوں اور مختلف نوعیتوں کی حامل ہوتی ہے۔ گویا کہ مسلمان اور کافر کے مابین تین باتوں میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ دونوں اپنے نظریوں میں سخت اور متشدد ہوتے ہیں۔ دونوں مختلف انداز اور مختلف طریقوں سے اپنے احساسات کی تبلیغ کرتے ہیں۔ دونوں اپنے مدمقابل سے کلیتہً مفاہمت کرلینے کو جائز تصور نہیں کرتے وغیرہ۔

ان چند در چند باتوں میں مشابہت اور یکسانیت پائی جانے کی وجہ سے اگر کوئی جمیل مہدی جیسا دانشور جون کی سی دوپہر میں یہ نعرہ لگا بیٹھے کہ اسلام اور کفر ——

ایک دوسرے سے متضاد ہونے کے باوجود عملی دنیا میں حیرتناک حد تک ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہیں تو اس نعرے کی حیثیت کسی نابالغ بچے کے بے مقصد شور مچانے سے زیادہ اور کیا ہوگی۔

جماعت اسلامی اور آر ایس ایس کے مابین جو مشابہت پائی جاتی ہے وہ اس بات کی علامت ہے کہ دونوں ہی جماعتیں اپنی جدوجہد میں مخلص ہیں۔ آر ایس ایس اسلام کو پیسا کرنے میں اخلاص کی حامل ہے۔ اور جماعت اسلامی اسلام کو پھیلانے میں اخلاص و بے ریائی کی حامل ہے۔ دونوں جماعتیں عملی دنیا میں ایک سی دوڑ دھوپ کر رہی ہیں۔ اور یہ ایک سا اخلاص اور ایک سی جدوجہد ہی اس بات کا ثبوت فراہم کرنے کے لیے کافی ہے کہ آر ایس ایس کفر کی متوالی ہے اور جماعت اسلامی اسلام کی شیدائی۔ عوام اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ دونوں جماعتوں میں کونسی جماعت قابل تعریف ہے اور کونسی قابل تنقیص۔ اس سلسلہ میں ہمیں اور کسی جمیل مہدی کو ہدایت دینے کی ضرورت نہیں۔ لیکن ان کی کوششوں میں تشابہ پائے جانے کی وجہ سے انھیں ایک ہی صف میں کھڑا کردینا نہ انصاف پرستی ہوگا نہ دیانتداری اور نہ دانشمندی۔

ایک سڑک پر اگر دو آدمی بھاگے جا رہے ہوں۔ ایک آگے اور ایک پیچھے۔ آگے والا چور ہو، پیچھے والا سپاہی۔ اب کوئی نیم فلسفی ان دونوں کو دیکھ کر عوام سے یہ کہنے لگے کہ یہ دونوں مفرور حضرات ایک دوسرے سے مختلف ذہنیت رکھنے کے باوجود عملاً ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ دونوں بھاگ رہے ہیں۔ بھاگتے وقت دونوں پیچھے مڑ کر دیکھنے کے قائل نہیں۔ اور یہ حیرتناک مشابہت چور اور سپاہی کے بارے میں ایک ہی انداز سے سوچنے کا تقاضا کرتی ہے۔ نیم فلسفی صاحب کی یہ بات جمیل مہدی صاحب کے لیے کچھ بھی حیثیت رکھتی ہو۔ ہمارے نزدیک اس کا مقام پاگل پن سے زیادہ نہیں ہے۔

جمہوری قدروں پر یقین نہ رکھنا، اپنی ممبرشپ کو عام نہ کرنا، کھل کر میدان میں آنے کے بجائے کسی دارالحرب میں در پردہ اپنے دین کو پھیلانا اور حکمت عملی سے کام لینا کسی طرح بھی جرائم کی فہرست میں نہیں آسکتا کہ اس کا سہارا لے کر عوام کو ورغلانے کی کوشش کی جائے۔

چند سطروں کے بعد ارشاد فرمایا گیا ہے:

"دین دھرم کے فروغ اور وسعت کے دل کش نعروں کے پیچھے آمریت کے خطرناک منصوبوں کے حامل مٹھی بھر افراد کے تنگ حلقے رکھتی ہے۔ دونوں جماعتوں کے کارکن ہمدرد، مخلص اور ایثار پسند ہیں۔ اور لیڈر چالاک اور ریاکار ——"

اس دعوے کا اگر آپ سے ثبوت طلب کرایا جائے تو آپ یقیناً بغلیں جھانکنے نظر آئیں گے۔ ہم آپ کو کسی

پریشانی سے دوچار کرنا نہیں چاہتے۔ لہذا ہم نے آپ کے
دعوے کو بغیر کسی ثبوت اور بغیر دلیل ہی کے تسلیم کر لیا ہے
لیکن اب ہمیں آپ یہ بتا دیجیے کہ آزادی کے ۲۰ برسوں
میں کوئی نعرہ ایسا بھی بلند ہوا ہے جس کے پیچھے دھاندلی
نہیں واقعیت تھی۔ دھینگا بازی نہیں صداقت وحقیقت کارفرما
تھی۔ ہمارے ملک میں جمہوریت اور سیکولرازم کے دلکش اور
دلفریب نعرے لگے اور ہزار بار لگے اور دیکھنے والوں نے
ہمیشہ یہی دیکھا کہ ان نعروں کے پیچھے تشدد اور آمریت آپس
میں ایک دوسرے کے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہے ہیں
اور بس ـــــ نعروں کے پیچھے نہ کبھی سچائی نظر آئی اور نہ
حقیقت کا وجود۔ ہندو مسلم بھائی بھائی کے نعرے اچھلے اور
ان نعروں کے عقب میں مسلمانوں کی لاشیں، عبادت خانوں
کے ڈھیر کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیا۔ غریبی ہٹاؤ کا حسین و
جمیل نعرہ تخلیق کیا گیا ہے اور اس کے پیچھے غریبوں کے
احساسات کا جو قتل عام کیا گیا ہے وہ کسی بھی صاحب بصارت
سے پوشیدہ نہیں۔ نعرے تو ہمیشہ ہی سے دلکش اور
دل رُبا ہوتے ہیں اور ان نعروں کے بعد ملک وقوم کو غیر معمولی
استفہام اور لامتناہی سناٹوں کے ماسوا اور ملتا ہی کیا ہے
دلکش اور دل آویز نعروں کے پس پردہ ہمیشہ ہی سے یہ
چیزیں جلوہ گر رہی ہیں۔ تشدد، آمریت، غارت گری۔
سیاسی نعرے کانگریس لگائے یا مسلم لیگی۔ آر ایس ایس
بلند کرے یا جمعیۃ العلماء۔ ظاہرًا اپنے اندر کتنی ہی کشش کیوں
نہ رکھتی ہوں ان کے پیچھے سیاہ کارناموں کے بجز کچھ
نظر نہیں آتا۔

جماعت اسلامی نہ سیاسی جماعت ہے نہ اس کے
نعرے سیاسی ہوتے ہیں۔ لہذا ہمیں سو فیصد یقین ہے کہ
جمیل مہدی صاحب کو سجدۂ سہو کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا۔
اگر ان سے یہ ثبوت طلب کر لیا جائے کہ جماعت اسلامی نے
کب اور کس وقت نعروں کی آڑ میں آمریت کے طوفان برپا
کیے۔ کب اور کس زمانے میں تباہ کاریوں کے پلان بنائے
رہی یہ بات کہ جماعت اسلامی کے لیڈر چالاک اور
ریاکار ہیں۔ تو اس سلسلہ میں ہم یہی عرض کریں گے کہ اول تو
پہلے ثبوت لاؤ۔ ورنہ نام لے کر بتاؤ کہ جماعت کا کونسا لیڈر
چالاکی اور ریاکاری میں مبتلا ہے اور اگر آپ کو یہ ضد ہو کہ
بغیر ثبوت کے آپ کی بات مان لی جائے تو پھر کسی
بھی جماعت کے ایسے لیڈروں کی نشاندہی کرو جو چالاک
اور ریاکار نہ ہوں اور جن کا مخلص اور ایماندار کہنا مبنی بر صداقت
ہوسکے۔ ہم ہی اگر کسی موقعہ پر یہ دعویٰ کر بیٹھیں کہ عزائم کے
پڑھنے والے مخلص اور ہمدرد ہیں لیکن عزائم کے ایڈیٹر
انتہائی چالاک اور انتہائی ریاکار ہیں تو اس میں کونسی غلط
بات ہو جائے گی۔

محترم! لیڈر کسی جماعت کے ہوں، وہ سیدھے سادے
نہیں ہوتے۔ بلکہ لیڈروں کا تھوڑا سا چالاک اور کچھ ریاکار
ہونا ضروری ہے کہ اس کے بغیر کسی صالح مقصد میں
کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔

مضمون ختم نہیں ہوگیا۔ اور بھی بہت کچھ فرمایا گیا ہے
لیکن قارئین نے چند نمونے دیکھنے کے بعد سارے مضمون کی
حقیقت کا اندازہ بخوبی لگا لیا ہوگا۔ لہذا مزید مغز زنی سے
کوئی مفید نتیجہ نکلنے کی قطعًا توقع نہیں ہے۔

آخر میں ہم یہ کہنے پر اکتفا کیے لیتے ہیں کہ امت مسلمہ کو
پیشہ ور صحافیوں کی بے مغز اور لاحاصل لن ترانیوں سے جو زبردست
نقصان ہو رہا ہے اس میں جمیل صاحب کا مضمون چار چاند
لگا دے گا۔ اس مضمون کو پڑھنے کے بعد کتنے ہی اذہان و
قلوب پر وساوس کے بادل چھائیں گے۔ مخمصے جنم لیں گے
مباحثے ہوں گے اور چند لفظی تصادم وتکرار کے بعد
مسلمانوں کے درمیان افتراق وانتشار کی کچھ دیواریں اور قائم
ہو جائیں گی۔ مسلمانوں میں بدظنی پھیلانا اگر خدمت خلق ہے
تو پھر قوم کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ پہلی فرصت میں جمیل مہدی
جیسے لفاظوں کے سر پر کامیابی کا سہرا کس دے ـــــ
اور انھیں بیسویں صدی کا مہدی قرار دیدے۔ اس لیے کہ وہ
اس طرح کی خدمات میں بڑا اہم رول ادا کر رہے ہیں۔

مستقل عنوان　　　　حسن احمد صدیقی

آفتابِ ہدایت کی ایک کرن

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ رہو

سچائی ایک ایسی صفت کا نام ہے جو انسان کے باطن میں
اور ظاہر میں ایسی کشش اور وجاہت پیدا کر دیتی ہے کہ دیکھنے
آنکھیں جس سے متاثر اور پرکھنے والے قلوب جس کے
روح ہوئے بغیر نہیں رہتے۔

صداقت سچائی کا حامل انسان ہر محفل، ہر تقریب اور
سوسائٹی میں نہ صرف یہ کہ سرخرو اور قابل احترام سمجھا جاتا ہے
ہر محفل کے افراد و اشخاص، ہر تقریب کے بانی مبانی۔ اور
سوسائٹی کے شرکاء و منتظمین اس کے آگے سرنیاز جھکانے
اس کی زبان سے نکلی ہوئی ہر بات کی بلا تامل تصدیق و
دیب کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

سچا آدمی سر اٹھا کر اور مدمقابل کی آنکھوں میں آنکھیں
کر بات کرنے کا حق رکھتا ہے۔ وہ اس بات کا مستحق سمجھا جاتا
ہے کہ غلط باتوں پر روک ٹوک کرے اور زندگی کے مختلف
مراحل میں جو طرز عمل اس کے نزدیک مناسب ہو اس کی نشاندہی
کرے۔ سننے والے اس کی بات بخوشی سنتے ہیں اور اس کے
مشوروں کی عملی قدر کرتے ہیں۔

جو لوگ اس کے مشوروں کو قابل قبول تصور نہیں کرتے
ان کے اندر بھی جرأت نہیں ہوتی کہ اس کے مشوروں اور اس کے
خیالوں کو رد کر کے اس کے خلاف لفظوں کا کوئی محاذ قائم
کرنے کی کوشش کریں۔ سچائی صرف ایک صفت ہی نہیں، بلکہ
ایک ایسی طاقت بھی ہے کہ جس کا مقابلہ کرنے اور جس سے ٹکرانے
کی جسارت ہر کس و ناکس میں نہیں ہوتی۔ راست باز آدمی راست
باز آدمی ہی سے دو دو ہاتھ ہو سکتا ہے۔ سچے آدمی سے کسی بھی محاذ
پر کوئی جھوٹا آدمی متصادم ہونے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اور اگر
از راہِ نادانی کرے گا تو بالآخر جیت اور فتح اسی آدمی کا مقدر
بنے گی جو بہر حال اور بہر صورت سچائی کی پگ ڈنڈی پر چلنے کا
عادی ہے، اور جھوٹے آدمی کو بہر کیف شکست و رسوائی کا
سامنا کرنا پڑے گا۔

سچ کی ضد ہے جھوٹ۔ جو لوگ سچے نہیں ہوں گے وہ
لامحالہ جھوٹے ہوں گے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے اندھیرا اور
روشنی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ جہاں اندھیرا ہوگا وہاں روشنی
نہیں ہوگی اور جہاں روشنی ہوگی وہاں اندھیرا نہیں ہوگا۔ یہی حال
جھوٹ اور سچ کا سمجھیے۔ جو آدمی جھوٹ بولنے کا عادی ہو جائے
اس سے سچ کی توقع کرنا بے سود ہوگا اور جو سچ بولنے کی خو اختیار
کرلے اس سے کسی معاملہ میں دروغ بافی کی توقع رکھنا غلط فہمی کے
سوا کچھ نہیں ہوگا۔

جو آدمی سچائی کی راہ چھوڑ کر کذب و دروغ کی راہیں اختیار کر لیتا ہے وہ صرف کاذب و دروغ گو ہی نہیں رہتا بلکہ اور دوسرے گناہوں میں ملوّث ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور جو شخص جھوٹ سے کنارہ کش ہو جاتا ہے اس کا دامن حیات خود بخود ان گنت خرابیوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ جھوٹ بہت سے گناہوں کی بنیاد ہوتا ہے اور بہت سی خرابیوں کی وجہ۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا یا رسول اللہ مجھ میں چار خصلتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ میں بدکار ہوں۔ دوسری یہ کہ چوری کرتا ہوں۔ تیسری یہ کہ شراب پیتا ہوں۔ چوتھی یہ کہ جھوٹ بولتا ہوں۔ ان میں سے جس ایک خصلت کو آپ فرمائیں وہ میں آپ کی خاطر چھوڑنے کے لیے تیار ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا جھوٹ بولنا چھوڑ دو۔ اس نے اس بات کا عہد کر لیا کہ آئندہ جھوٹ نہیں بولوں گا۔ اس کے بعد رات آئی تو اس کی طبیعت نے شراب پینے کا تقاضا کیا اور اس کے دل میں بدکاری کے ارادے سر ابھارنے لگے۔ لیکن معاً اسے اس بات کا خیال آیا کہ اگر میں نے شراب پی لی اور بدکاری کا مرتکب ہو گیا تو میں ایک معصیت میں گرفتار ہو جاؤں گا۔ وہ اس لیے کہ صبح کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پوچھیں گے کہ رات تم نے شراب پی تھی یا نہیں اور کسی کے ساتھ منہ کالا کیا تھا یا نہیں؟ اب اگر میں اثبات میں جواب دوں گا تو مجھے شراب نوشی اور زناکاری کے جرم میں کوڑے لگائے جائیں گے۔ اور اگر میں نے انکار کیا تو یہ صاف جھوٹ ہوگا جس سے بچنے اور بچے رہنے کا میں پختہ عہد کر چکا ہوں۔ اگلی رات اس کے قدم بے اختیار چوری کے لیے اٹھے۔ لیکن راستہ ہی میں اس کے دماغ میں پھر وہی بات آئی کہ اگر صبح کو آنحضورؐ نے پوچھا کہ رات چوری تو نہیں کی تھی تو میں کیا جواب دوں گا اگر میں نے اعتراف کیا تو اسلامی قانون کے مطابق میرا ہاتھ کٹ جائے گا اور اگر میں منکر ہوا تو یہ سراسر جھوٹ ہوگا جو اس عہد کے خلاف ہے جو میں اللہ کے رسول سے کر چکا ہوں۔ چنانچہ وہ چوری سے بھی باز رہا۔ اور اس طرح جھوٹ سے کنارہ کش ہوتے ہی وہ خود بخود دوسرے کبائر سے محترز ہو گیا۔

یہ روایت بہت زیادہ مستند نہ سہی لیکن حقیقت اور نتیجہ کے اعتبار سے بالکل صحیح اور درست ہے۔ آپ خود تجربہ کر کے دیکھ لیجیے جھوٹ کی راہ اختیار کرنے کے بعد آدمی دوسرے جرائم میں ملوث ہوئے بغیر نہیں رہتا اور جھوٹ سے دامن بچانے کے بعد آدمی ان خطاؤں سے خود بخود رک جاتا ہے جن کو ترک کر دینا کوشش بسیار کے بعد بھی ممکن نہیں ہوتا۔

یہ بات بھی ذہن نشین رکھیے کہ سچائی تین قسم کی ہوتی ہے۔ زبان کی سچائی، دل کی سچائی اور عمل کی سچائی۔

زبان کی سچائی کا مطلب یہ ہے کہ آدمی جو کچھ اپنی زبان سے نکالے وہ حقیقت اور واقعہ کے اعتبار سے بالکل درست ہو۔ اس میں جھوٹ اور من گھڑت باتوں کی ذرہ برابر بھی آمیزش نہ ہو۔ قائل کسی واقعہ کو نقل کرنے میں اگر حزم و احتیاط سے کام نہ لے اور واقعہ بیان کرتے وقت کچھ حاشیہ اپنی طرف سے چڑھا دے اور کچھ کاٹ چھانٹ کر ڈالے تو وہ جھوٹا اور کاذب سمجھا جائے گا۔ اور ظاہر ہے کہ کذب و جھوٹ کا یہ طرز صداقت و سچائی کے منافی ہوگا۔

وعدوں اور معاہدوں کی پابندی بھی زبان کی سچائی کے ضمن میں آتی ہے کہ آدمی جو وعدہ کرے پورا کرے اور معاہدہ کر کے اسے نبھانے کی ہر ممکن کوشش کرے۔ وعدے معاہدے کاروباری ہوں یا غیر کاروباری۔ خاص قسم کے ہوں یا عام نوعیت کے سب یکساں حیثیت رکھتے ہیں ان سب کو پورا کرنا صادق القول ہونے کی علامت ہے ان سب کو پورا نہ کرنا کاذب اللسان ہونے کی نشانی ہے۔

اگر آپ کسی بچے کو دس پیسے دینے کا وعدہ کریں پھر اس وعدے کو پورا نہ کریں تو یہ بھی کھلا جھوٹ ہوگا۔ سچائی اور راست بازی کے منافی۔ یہ سمجھیے کہ وعدے معمولی ہوں یا غیر معمولی، سب کی ایک ہی حیثیت ہے اور سب کو پورا کرنا اسلامی نقطۂ نظر سے ضروری ہے۔ یاد دہانی کے طور پر عرض ہے کہ اسلام نے سچائی کو ایمان کی علامت قرار دیا ہے اور جھوٹ کو نفاق کی۔ آپ نے کتنی ہی بار مقررہ

یہ روایت سنی ہو گی کہ :۔

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا مسلمان نامرد بھی ہو سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا ہو سکتا ہے پوچھنے والے نے پوچھا کیا بخیل بھی ہو سکتا ہے؟ جواب دیا کہ ہو سکتا ہے۔ پھر دریافت کیا کہ جھوٹا بھی ہو سکتا ہے آپ نے جواب دیا کہ نہیں (مؤطا امام مالک)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس میں تین عیب ہوں وہ پکا منافق ہے اور جس میں ان تینوں میں سے کوئی عیب پایا جائے تو وہ پکا منافق کہلانے کا مستحق تو نہیں البتہ منافقین کے کچھ نہ کچھ اثرات اس میں موجود ہوں گے اور اس کی بعض حرکات منافقین کی حرکات سے ملتی جلتی ہوں گی۔

وہ تین عیب یہ ہیں کہ جب امانت رکھوائی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے جب معاہدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے اور جب کسی سے الجھے تو حق کے خلاف کہے اور گالی گلوچ پر اتر آئے یہ روایت احادیث کی کتابوں میں مختلف الفاظ کے ساتھ بیان ہوئی ہے اور مسلم شریف والی روایت میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں۔ کہ مذکورہ بالا عیوب رکھنے والا انسان منافق ہے اگرچہ وہ خود کو نمازی، روزہ دار اور صاحبِ ایمان کیوں نہ کہتا پھرتا ہو۔

یہ روایتیں اس بات کا اندازہ لگانے کے لیے کافی ہیں کہ سچائی ایمان کا ایک جزو ہے اور سچائی سے ایمان میں نکھار پیدا ہوتا ہے اور جھوٹ نفاق کا ایک حصہ ہے اور جھوٹ سے دل و دماغ میں کفر و نفاق کی تاریکیاں جنم لیتی ہیں۔

دل کی سچائی کا مطلب یہ ہے کہ آدمی جو کچھ اپنی زبان سے نکالے وہ اس کے اپنے ضمیر کی آواز ہو۔ ازراہِ سیاست یا ازراہِ مصلحت ضمیر کے خلاف باتیں کرنا اس جھوٹ کے مثیل قرار پائے گا جو دل کی سچائی سے براہِ راست متصادم ہوتا ہے۔

آپ کسی شخص کو دل کی گہرائی سے پاپی اور بدکار تصور کرتے ہوں لیکن اپنے کسی مفاد یا اپنی کسی غرض کی وجہ سے منہ پر اس کی تعریفوں کے پل باندھ رہے ہوں تو سب کچھ منجملہ کذب ہی سمجھا جائے گا۔ اس لیے کہ تعریفوں کے یہ پل کذب اور جھوٹ کی بنیاد پر قائم ہیں۔ دو رُخی اور دوسرے لفظوں میں دوغلی پالیسی اختیار کرنے والا انسان کاذب تصور کیا جائے گا، بلکہ کذاب۔ اس لیے کہ یہ شخص اس جھوٹے آدمی سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے جس کا جھوٹ حقیقت اور عدم حقیقت تک محدود رہے جس شخص کی زبان پر کچھ ہو اور دل میں کچھ وہ شخص اس شخص سے کہیں زیادہ خطرناک ہے جو ازراہ عادت یا اپنے نفس کو تسکین دینے کی خاطر جھوٹ بول دے۔ یہ جھوٹ اول قول کے ضمن میں آتا ہے جب کہ وہ جھوٹ مستقل ایک سازش کا درجہ رکھتا ہے جو دو رخی پالیسی سے ہمکنار ہو۔

عمل کی سچائی کا مطلب یہ ہے کہ آدمی جو کچھ عمل کرے اس میں حقیقت اور اخلاص موجود ہو۔ ایسا نہ ہو کہ صرف دنیا کو دکھانے کے لیے کوئی عمل کیے جا رہا ہو اور اس کے عمل میں نہ حقیقت کی جان ہو نہ اخلاص کی روح۔ اخلاص سے محروم عمل عملی جھوٹ کے دائروں میں آتا ہے کہ آدمی زبان بند رکھتے ہوئے بھی جھوٹ بولنے میں مصروف عمل ہو۔ مثلاً: آدمی نماز میں خشوع و خضوع کی ایکٹنگ کر رہا ہے ـــ محض دوسروں کو دکھلانے کے لیے تو ایسا آدمی زبان نہ بھی ہلائے تو بھی جھوٹا قرار پائے گا۔ اس لیے کہ اس کا عمل حقیقت کے مخالف ہے۔ ایکٹنگ کے ساتھ دوسروں کو دکھلانے کی قید ہم نے اس لیے لگا دی ہے کہ اگر دورانِ نماز خشوع و خضوع کی ایکٹنگ کسی بند کمرے میں کی جا رہی ہو تو معیوب نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ ایکٹنگ بھی صرف خدا ہی کے لیے ہو گی اور اس تعلیم کے دائروں میں آ جائے گی کہ اگر خدا کو پکارتے وقت تم رو نہیں سکتے تو رونے کی صورت ہی بنا لو ـــ لیکن اگر خشوع و خضوع کی اداکاری کسی مجمع کے درمیان ہو رہی ہو تو اسے عملی جھوٹ اور کھلا فریب قرار

دیے بغیر چارا نہیں۔ جن کے عمل کی بنیاد اخلاص پر نہیں جھوٹ اور فریب پر ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ قیامت کے میدان میں تین شخص اعلیٰ درجہ کی خوش فہمی میں مبتلا سینہ پھلائے اور دندناتے ہوئے خدا کے سامنے حاضر ہوں گے اور ان میں سے ایک شخص کہے گا کہ میں ایک عالم ہوں، میں نے دنیا میں ان گنت کتابیں لکھ کر اور بے شمار وعظ بیان کرکے آپ کی مخلوق کو سیدھے راستہ پر آنے کی دعوت دی تھی اور میں اس دعوت میں بڑی حد تک کامیاب بھی رہا۔

دوسرا شخص کہے گا میں شہید ہوں، میں نے آپ کے نافرمانوں سے لڑتے ہوئے اپنی جان قربان کر ڈالی تھی۔

تیسرا شخص کہے گا کہ میں ایک دولت مند ہوں، میں نے زندگی بھر آپ کی غریب ونادار مخلوق کا خیال رکھا ہے اور اس کی تمام ضروریات کی کفالت کی ہے۔

یہ تینوں جو کچھ بیان کریں گے اپنے ظاہر کے اعتبار سے وہ مبنی برصداقت ہوگا۔ یعنی ان میں ایک نے واقعی دنیا میں دین پھیلانے کی جدوجہد کی ہوگی۔ دوسرے نے فی الواقعہ اللہ کی راہ میں جان عزیز قربان کی ہوگی۔ اور تیسرے نے فی الحقیقت اللہ کے بندوں پر بے شمار روپیہ بہایا ہوگا۔ لیکن چونکہ ان کے عمل کی عمارت اخلاص اور حسن نیت کی بنیادوں پر قائم نہیں ہوگی اس لیے انھیں دھتکار دیا جائے گا اور اللہ کی جانب سے فرمایا جائے گا کہ تم میں سے جو عالم دین ہے اس نے ناموری کی خاطر دین کی تبلیغ کی تھی۔ جو شہید ہے اس نے شہرت کی خاطر اپنی جان دی تھی اور جو سخی ہے اس نے دنیا دکھاوے کے لیے پیسہ لٹایا تھا اور تمہیں اپنے مقصد میں بھرپور کامیابی نصیب ہو چکی ہے۔ تم میں سے ایک زندگی بھر بہترین عالم کہلایا۔ دوسرا شہید کے لقب سے یاد کیا گیا اور تیسرا سخی کے نام سے پکارا جاتا رہا اب تم کیا لینے کے لیے آئے ہو۔

اس سے اندازہ ہوا کہ جو عمل صرف خدا کی خوشنودی کے لیے ہو وہی عمل سچا عمل کہلاتا ہے اور اس پر اجر وثواب کی امید کی جا سکتی ہے۔ جو اعمال نہ اخلاص کی بنیادوں پر قائم ہوں نہ ان کے ظاہر و باطن میں یکسانیت ہو وہ اعمال جھوٹے اعمال ہیں۔ اخروی نقطۂ نظر سے ان میں کوئی وقعت نہیں ہوتی کوئی وزن نہیں ہوتا۔

بہرحال سچائی تین طرح کی ہوتی ہے۔ زبان کی سچائی دل کی سچائی۔ عمل کی سچائی۔ ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان تینوں ہی سچائیوں کو اپنی زندگی کا جزو بنالے۔ ان تینوں سچائیوں میں سے کسی ایک سچائی سے انحراف اختیار کرنا جھوٹ کی راہ اپنا لینے کے مترادف ہوگا۔ اس لیے کہ سچائی کے راستہ سے ہٹ جانے والے لوگ لازماً جھوٹ کے راستوں پر گامزن ہو جاتے ہیں۔

سچ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ آدمی کو دوسری نیکیوں کی طرف چلنے کی ہدایت کرتا ہے۔ اور جھوٹ کا سب سے بڑا وبال یہ ہے کہ آدمی کو گناہوں کی طرف چلنے پر مجبور کرتا ہے اسی بات کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ بیان کیا ہے۔

ان الصدق یهدی	بلاشبہ سچائی نیکی کی طرف
الی البر وان البر	لے جاتی ہے اور نیکی جنت
یهدی الی الجنة	کی طرف لے جاتی ہے۔ اور
وان الرجل لیصدق	آدمی سچ بولتا رہتا ہے یہاں
حتی یکتب عند الله	تک کہ اللہ کے نزدیک سچا
صدیقاً (بخاری ومسلم)	لکھ لیا جاتا ہے۔

اور جھوٹ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وان الکذب	اور جھوٹ برائیوں کی طرف
یهدی الی الفجور	رہنمائی کرتا ہے اور برائیاں
وان الفجور یهدی	کھینچ کر دوزخ کی طرف لے
الی النار وان	جاتی ہیں اور آدمی جھوٹ
الرجل لیکذب	بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ
حتی یکتب عند الله	اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹا
کذاباً (بخاری ومسلم)	لکھ لیا جاتا ہے۔

ان روایات کا مفہوم ومنشا ظاہر و باہر ہی ہے لہٰذا حاشیہ آرائی کی کوئی ضرورت نہیں۔ البتہ یہ واضح رہے کہ اوپر دی ہوئی آیت میں اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ اپنا اٹھنا بیٹھنا صادقین کے ساتھ رکھو تاکہ صادقین کی صحبت کے اثرات

دعوت اسلامی کی حقیقی نوعیت

(۳)

توحید کی تعلیم اور شرک کی تردید

(۵) توحید کے تقاضے توحید کو حق اور شرک کو ہر لحاظ سے باطل ثابت کرنے ساتھ قرآن میں یہ بھی کھول کھول کر بیان کر دیا گیا کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کو رب اور معبود ماننے کے بعد لازم کیا آتا ہے :-

(۱) اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت اور پرستش نہ کی جائے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ
(الذاریات - ۵٦)

میں نے جن اور انسانوں کو (کسی اور کی عبادت کیلئے نہیں بلکہ) اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔

❖ ❖ ❖

لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ[1]
(حٰمٓ السجدہ، ۳۷)

نہ سورج کو سجدہ کرو نہ چاند کو بلکہ اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے انھیں پیدا کیا ہے اگر فی الواقع تم اس کی عبادت کرنے والے ہو۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ
(الزمر ۲-۳)

اے محمدؐ! ہم نے یہ کتاب تمہاری طرف برحق نازل کی ہے لہٰذا تم اللہ ہی کی عبادت کرو دین کو اس کے لئے خالص کرکے خبردار رہو دین خالص اللہ ہی کا حق ہے۔

قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
(المومن - ٦٦)

کہدو کہ مجھے اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ ان کی عبادت کروں جنھیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو۔

(۲) اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی سے دعا نہ مانگی جائے، SUPERNATURAL طور پر حاجت روا اور کارساز سمجھ کر اس سے اپنی حاجات میں مدد مانگی جائے۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝
(الفاتحہ)

اے اللہ، تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں[2]

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ
(یونس ۱۰٦)

اور اللہ کے سوا کسی اور کو مدد کو نہ پکارو جو نہ تمہیں فائدہ پہونچا سکتا ہے نہ نقصان۔

---

[1] یہ آیت سجدہ ہے، اسے پڑھ کر سجدہ کر لیا جائے۔

[2] ایک مدد وہ ہے جو دنیا کے مادی قوانین کے تحت ایک شخص کسی دوسرے شخص یا چیز سے مانگتا ہے۔ یہ توحید کے خلاف نہیں۔ توحید کے خلاف یہ ہے، کہ خدا کے سوا کسی اور کے متعلق یہ سمجھا جائے کہ وہ غیبی طور پر ہماری دعائیں سنتا ہے اور یہ خیال کرتے ہوئے اس سے مدد مانگی جائے کہ عالم اسباب پر اس کی حکمرانی ہے یا حکمرانی میں اس کا کوئی حصہ ہے اور عام مادی اسباب سے بالاتر طریقے پر وہ ہماری حاجتیں پوری کر سکتا ہے۔

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ (القصص ۸۸)

اور اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو مدد کیلئے نہ پکارو۔ کوئی حقیقی معبود اس کے سوا نہیں۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ (المومن - ۶۰)

اور تمہارا رب کہتا ہے مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا،[1] جو لوگ گھمنڈ میں آکر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں وہ ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (البقرہ ۱۸۶)

اور جب میرے بندے تم سے میرے متعلق پوچھیں تو ان سے کہو میں قریب ہی ہوں،[2] دعا مانگنے والا جب مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا کا جواب دیتا ہوں۔[3]

(۳) اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ اللہ کے سوا عالم الغیب کسی کو نہ مانا جائے۔ کسی دوسرے کے متعلق یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ کائنات کی تمام پوشیدہ اور ظاہر حقیقتوں کو جانتا ہے اور ماضی سے مستقبل تک ہر چیز کا اسے علم ہے۔

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اللّٰهُ (النمل ۶۵)

کہو، آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں ان میں سے کوئی بھی غیب کا علم اللہ کے سوا نہیں رکھتا۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۔ (الانعام ۵۹)

اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا خشکی اور سمندر میں جو کچھ ہے اسے وہ جانتا ہے۔ کسی درخت کا ایک پتہ بھی نہیں جھڑتا ہے تو اسے وہ جانتا ہے۔ زمین کی تاریکیوں کوئی دانہ ایسا نہیں اور نہ کوئی خشک و تر ایسا ہے جو ایک واضح دفتر میں موجود نہ ہو۔

(۴) اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کے نام پا کسی آستانہ پر کوئی جانور ذبح یا قربان نہ کیا جائے اور ہر ایسا جانور حرام ہو جسے ذبح کرتے ہوئے اللہ کا نام نہ لیا جائے، یا اللہ کے ساتھ کسی اور کا نام بھی لیا جائے۔ قرآن میں چار مقامات پر صاف صاف الفاظ میں فرمایا گیا ہے کہ جس جانور کو ذبح کرتے وقت اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو [illegible] البقرہ ۱۷۳۔ المائدہ ۳۔ الانعام ۱۴۵۔ النحل ۱۱۵۔ سورہ مائدہ میں یہ بھی تصریح ہے کہ غیر اللہ کے لئے نذر کے طور پر قربانیاں چڑھانے کے لئے جو آستانے مشرکوں نے بنا رکھے تھے ان پر ذبح کیا ہوا جانور بھی حرام ہے (آیت ۳) پھر سورۂ انعام میں صراحت کے ساتھ فرمایا گیا:

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۔ (آیت ۱۱۸)

پس کھاؤ اس جانور کے گوشت میں سے جس پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ (آیت ۱۲۱)

اور نہ کھاؤ ایسے جانور کے گوشت سے جس پر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ کیونکہ یہ فسق ہے

(۵) اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ جو خدا کی ساری کائنات کی حاکمیت و اقتدار کا لاشریک مالک ہے اسی خدا کی حاکمیت اور اس کے اقتدار اعلیٰ کو جملہ انسانی معاملات (اخلاق، تہذیب، تمدن، معاشرت، معیشت، سیاست، قانون، عدالت اور صلح و جنگ وغیرہ) میں تسلیم کیا جائے۔ اسی کا قانون، قانون ہو کر کسی دوسرے کو اس کے مقابلے میں قانون سازی کا اختیار نہ ہو۔ اسی کا حرام کیا ہوا حرام اور اسی کا حلال کیا ہوا حلال ہو، کسی کو یہ حق نہ ہو کہ بطور خود حلال و حرام کرے۔ انسان بحیثیت فرد اور بحیثیت جماعت نہ خود مختار بن کر مرضی چلائے، اور نہ خدائے واحد کے سوا کسی اور کی مرضی کا قانون قاعدہ تسلیم کرے۔ انسانی معاملات میں فیصلہ کا اختیار اللہ کو ہو، بندوں کو۔

[1] اس آیت سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ دعا اور عبادت کی حقیقت ایک ہی ہے جو شخص کسی سے دعا مانگتا ہے وہ درحقیقت اس کی عبادت

[2] یعنی مجھ سے دعا مانگنے کے لئے کسی واسطے کی ضرورت نہیں میں براہِ راست دعا سنتا ہوں۔

[3] جواب سے مراد ایسا جواب نہیں ہے جو دعا مانگنے والا بھی سنے۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ تمام درخواستوں پر جوابی کارروائی میں ہی کرتا ہے۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ
(الشوریٰ ۱۰)
تمہارے درمیان جس چیز میں بھی اختلاف ہو، اس کا فیصلہ کرنا اللہ کا کام ہے

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ
(الشوریٰ - ۲۱)
کیا یہ لوگ کچھ ایسے شریک خدا رکھتے ہیں جنھوں نے ان کیلئے دین کی نوعیت رکھنے والی ایسی شریعت مقرر کردی ہے جس کا اللہ نے اذن نہیں دیا ہے

"اس آیت کے الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں شریکوں سے مراد وہ شریک نہیں ہیں جن سے لوگ دعائیں مانگتے ہیں، جن کی نذر و نیاز چڑھاتے ہیں، جن کے آگے پوجا پاٹ کے مراسم ادا کرتے ہیں، بلکہ لامحالہ ان سے مراد وہ انسان ہیں جن کو لوگوں نے شریک فی الحکم ٹھیرا لیا ہے جن کے سکھائے ہوئے افکار و عقائد اور نظریات اور فلسفوں پر لوگ ایمان لاتے ہیں، جن کی دی ہوئی قدروں کو مانتے ہیں جن کے پیش کئے ہوئے اخلاقی اصولوں اور تہذیب و ثقافت کے معیاروں کو قبول کرتے ہیں، اور جن کے مقرر کئے ہوئے قوانین اور طریقوں اور رواجات کو اپنے مذہبی مراسم اور عبادات میں، اپنی شخصی زندگی میں، اپنی معاشرت میں، اپنے تمدن میں، اپنے کاروبار اور لین دین میں، اپنی عدالتوں اور اپنی سیاست اور حکومت اس طرح اختیار کرتے ہیں کہ گویا یہی وہ شریعت ہے جس کی پیروی ان کو کرنی چاہیئے۔"
(تفہیم القرآن جلد چہارم۔ الشوریٰ، حاشیہ ۳۸)

اِتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا وَاحِدًا لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ
(التوبہ: ۳۱)
انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا اور اسی طرح مسیح ابن مریم کو بھی۔ حالانکہ ان کو ایک خدا کے سوا کسی کی بندگی کا حکم نہیں دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی بندگی کا مستحق نہیں۔ پاک ہے وہ اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عدیؓ بن حاتم، جو پہلے عیسائی تھے جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر مسلمان ہوئے تو انھوں نے منجملہ اور سوالات کے ایک سوال یہ بھی کیا تھا کہ اس آیت میں ہم پر اپنے علماء اور درویشوں کو خدا بنالینے کا جو الزام عاید کیا اس کی اصلیت کیا ہے۔ جواب میں حضورؐ نے فرمایا کہ یہ واقعہ کہ جو کچھ یہ حرام قرار دیتے ہیں اسے تم حرام مان لیتے ہو اور جو کچھ حلال قرار دیتے ہیں اسے حلال مان لیتے ہو؟ انھوں نے عرض کیا یہ تو ضرور ہم کرتے رہے ہیں۔ بس یہی ان کو خدا مان لینا ہے۔ سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کی سند کے بغیر جو لوگ انسانی ز کے لئے جائز و ناجائز حدود مقرر کرتے ہیں وہ دراصل خدائی کے م بزعم خود متمکن ہوتے ہیں، اور جو ان کے اس حق شریعت سازی ک کرتے ہیں وہ انہیں خدا بناتے ہیں۔"

قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا قُلْ آللَّهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللَّهِ تَفْتَرُونَ
(یونس - ۵۹)
اے نبیؐ، ان سے کہو تم نے کبھی کہ سامانِ زیست اللہ نے تمہا لئے نازل کیا تھا اس میں سے تم ہی کسی کو حرام اور کسی کو حلال ان سے پوچھو کیا اللہ نے تم کو اجازت دی تھی یا تم اللہ پر افتر

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ
(النحل - ۱۱۶)
اور یہ جو تمہاری زبانیں احکام لگاتی ہیں کہ یہ حلال ہے حرام، تو اس طرح کے حکم لگاکر جھوٹ نہ باندھا کرو۔ جو لوگ جھوٹے افترا باندھتے ہیں فلاح نہیں پایا کرتے۔

وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ..... هُمُ الظَّالِمُونَ ..... هُمُ الْفَاسِقُونَ۔
(المائدہ۔ ۴۴-۴۵-۴۷)
اور جو لوگ اللہ کے ناز قانون کے فیصلے کے مطابق کریں وہی کافر ہیں ..... وہی ..... وہی فاسق ہیں۔

⁂ ⁂ ⁂

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ۔
پھر تم نے دیکھا اس شخص کو جس اپنی خواہشِ نفس کو اپنا خدا خود مختار بن گیا اور اپنے نف بندگی کرنے لگا)

⁂ ⁂

اس طرح وہ توحید جس کی تعلیم رسول اللہ صلے اللہ علیہ

پیش کر رہے تھے اس کا تقاضا صرف یہی نہ تھا کہ لوگ کہ خدائے واحد کے سوا کسی کی پرستش نہ کریں، کسی سے دعا نہ مانگیں، کسی کے لیے نذر و نیاز نہ کریں بلکہ یہ بھی تھا کہ لوگ اپنے تمام رسمی اور رواجی قاعدوں، اور تمام خود ساختہ یا دوسروں کے بنائے ہوئے قوانین اور ضوابط کو چھوڑ کر صرف ایک اللہ کو قانون دینے والا مانیں اور اسی کے دیئے ہوئے قانون کی پیروی کریں۔ اس معاملہ میں خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی کوئی استثنا نہ تھا۔ آپ کو بھی یہ حکم تھا کہ اللہ کے نازل کردہ قانون کا اتباع کریں اور اپنی مرضی سے خود کسی چیز کو حلال یا حرام نہ کریں۔

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ۔ (الانعام ۱۰۶)	اے محمدؐ، پیروی کرو اس چیز کی جو بذریعہ وحی تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے بھیجی گئی ہے۔
یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ (التحریم۔ ۱)	اے نبیؐ، تم کیوں اس چیز کو حرام کرتے ہو جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہے؟

یہ گویا ایک ہمہ گیر انقلاب کی دعوت تھی جو صرف مذہب ہی کو نہیں بلکہ پورے نظام زندگی کو بدل ڈالنا چاہتی تھی اس سے مشرکین عرب میں تو کھلبلی مچنی ہی تھی، مگر خاص طور پر قریش کے مفاد پر اس کی جو شدید ضرب پڑتی تھی اس پر تلملا اٹھے، کیونکہ خود ان کے قبیلے اور ان کے اپنے شہر سے اس دعوت کے اٹھنے میں اُن کو اپنی صریح تباہی نظر آتی تھی۔

قریش کی مخالفت کی بڑی اور بنیادی وجہ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے کہ قریش کے لوگوں کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کرنے میں جو خطر نظر آتا تھا وہ یہ تھا۔

وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا۔ (القصص ۔ ۵۷)	وہ کہتے ہیں اگر ہم تمہارے ساتھ اس ہدایت کی پیروی اختیار کریں تو اپنی زمین سے اُچک لیے جائیں گے

اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قریش کے کفر و انکار کا سب سے اہم بنیادی سبب یہی تھا۔ اس بات کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لئے ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ تاریخی طور پر اُس زمانے میں قریش کی پوزیشن کیا تھی جس پر ضرب پڑنے کا انہیں اندیشہ تھا۔

قریش کو ابتداءً جس چیز نے عرب میں اہمیت دی تھی وہ یہ تھی کہ ان کا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہونا انساب عرب کی رو سے بالکل ثابت تھا اور اس بناء پر ان کا خاندان عربوں کی نگاہ میں پیرزادوں کا خاندان تھا۔ پھر جب قصی بن کلاب کے حسن تدبیر سے یہ لوگ کعبے کے متولی ہو گئے اور مکہ ان کا مسکن بن گیا تو ان کی اہمیت پہلے سے بہت زیادہ ہو گئی اس لئے کہ اب وہ عرب کے سب سے بڑے تیرتھ[1] کے مجاور تھے۔ تمام قبائل عرب میں ان کو مذہبی پیشوائی کا مقام حاصل تھا اور حج کی وجہ سے عرب کا کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جو اُن سے تعلقات نہ رکھتا ہو۔ اس مرکزی حیثیت سے فائدہ اٹھا کر قریش نے بتدریج تجارتی ترقی شروع کی اور خوش قسمتی سے روم و ایران کی سیاسی کشمکش نے ان کو بین الاقوامی تجارت میں ایک اہم مقام عطا کر دیا۔ اس زمانے میں روم و یونان اور مصر و شام کی جتنی تجارت بھی چین، ہندوستان، انڈونیشیا اور مشرقی افریقہ کے ساتھ تھی اس کے سارے ناکے ایران نے روک دیئے تھے۔ آخری راستہ بحر احمر کا رہ گیا تھا۔ سو یمن پر ایران کے قبضے نے اسے بھی روک دیا اس کے بعد کوئی صورت اس تجارت کو جاری رکھنے کے لئے اس کے سوا نہیں رہ گئی تھی کہ عرب کے تاجر ایک طرف رومی مقبوضات کا مال بحر عرب اور خلیج فارس کے بندرگاہوں پر پہنچائیں اور دوسری طرف انہی بندرگاہوں سے مشرقی اموال تجارت لے کر رومی مقبوضات میں پہنچیں۔ اس صورت حال نے مکہ کو بین الاقوامی تجارت کا ایک اہم مرکز بنا دیا۔ اُس وقت قریش ہی تھے جنہیں اس کاروبار کا اجارہ حاصل تھا۔ لیکن عرب کی طوائف الملوکی کے ماحول میں یہ تجارتی نقل و حرکت اس کے بغیر نہ ہو سکتی تھی کہ تجارتی شاہراہیں جن قبائل کے علاقوں سے گزرتی تھیں ان کے ساتھ قریش کے گہرے تعلقات ہوں۔ سرداران قریش اس غرض کے لئے صرف اپنے مذہبی اثر پر اکتفا نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے کہ انہوں نے تمام قبائل کے ساتھ معاہدات کر رکھے تھے۔ تجارتی منافع میں سے بھی وہ اُن کو حصہ دیتے تھے شیوخ قبائل اور با اثر سرداروں کو تحائف و ہدایا سے بھی خوش رکھتے تھے اور سودی کاروبار کا بھی ایک جال انہوں نے پھیلا رکھا تھا جس میں تقریب قریب تمام ہمسایہ قبائل کے تجار اور سردار جکڑے

[1] مراد یہ ہے کہ قریش نے اللہ کے مقدس گھر کو ایک بت خانے اور تیرتھ کی شکل دے رکھی تھی (مرتبین)

ہوئے تھے۔

ان حالات میں جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ توحید اٹھی تو دینِ آبائی کے تعصب سے بھی بڑھ کر جو چیز قریش کے لیے اُس کے خلاف وجہِ اشتعال بنی وہ یہ تھی کہ اس دعوت کی بدولت انھیں اپنا مفاد خطرے میں نظر آرہا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ بتوں سے شرک و بت پرستی غلط اور توحید صحیح بھی ہو تو اُس کو چھوڑنا اور اسے قبول کر لینا ہمارے لیے تباہ کن ہے۔ ایسا کرتے ہی تمام عرب ہمارے خلاف بھڑک اٹھے گا۔ ہمیں کعبہ کی تولیت سے بے دخل کر دیا جائیگا بت پرست قبائل کے ساتھ ہمارے وہ تمام معاہدانہ تعلقات ختم ہو جائیں گے جن کی وجہ سے ہمارے تجارتی قافلے رات دن عرب کے مختلف حصوں سے گذرتے ہیں اس طرح یہ دین ہمارے مذہبی رسوخ واثر کا بھی خاتمہ کر دے گا اور ہماری معاشی خوش حالی کا بھی۔ بلکہ بعید نہیں کہ تمام قبائل عرب ہمیں سرے سے ہی مکہ چھوڑنے پر مجبور کر دیں۔

یہاں پہنچکر دنیا پرستوں کی بے بصیرتی کا عجیب نقشہ انسان کے سامنے آتا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم باربار انھیں یقین دلاتے تھے کہ یہ کلمہ جو میں تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں اسے مان لو تو عرب وعجم تمہارے تابع ہو جائیں گے۔ مگر انھیں اس میں اپنی موت نظر آتی تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ جو دولت اثر، رسوخ ہمیں آج حاصل ہے یہ بھی اس دعوت کے ماننے سے ختم ہو جائے گا کجا کہ عرب وعجم ہمارے تابع ہوں۔ ان کو اندیشہ تھا کہ یہ کلمہ قبول کرتے ہی ہم اس سرزمین میں ایسے بے یار و مددگار ہو جائیں گے کہ چیل کوے جس طرح گوشت اُچک لے جاتے ہیں اسی طرح ہم اس سرزمین سے اُچک لیے جائیں گے اور ہمارا کہیں ٹھکانا نہ رہے گا۔ ان کی کوتاہ نظری وہ وقت نہ دیکھ سکتی تھی جب چند ہی سال بعد تمام عرب محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے ماتحت ایک مرکزی سلطنت کا تابع فرمان ہونے والا تھا، پھر اسی نسل کی زندگی میں ایران، عراق، شام، مصر سب ایک ایک کر کے اس سلطنت کے زیرنگیں ہو جانے والے تھے اور اس قول پر ایک صدی گذرنے سے بھی پہلے قریش ہی کے خلفاء سندھ سے لے کر اسپین تک اور قفقاز سے لے کر یمن کے سواحل تک دنیا کے ایک بہت بڑے حصے پر حکمرانی کرنے والے تھے۔

ان کے اس عذر پر قرآن کا جواب قرآن مجید میں ان کے اس عذر کا جو مفصل جواب اس سورۂ قصص میں دیا گیا اُسے دیکھئے کہ وہ کتنا اثر انگیز تھا۔ فرمایا:۔

اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰۤى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ. (القصص۔ ۵۷)

کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہم نے ایک امن حرم کو ان کے لیے ایک جائے قیام بنا دیا جس کی طرف ہر طرح کے ثمرات کھچے چلے آتے ہیں ہماری طرف سے رزق کے طور پر؟ مگر ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے عذر کا پہلا جواب ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حرم جس کے امن وامان اور جس کی مرکزیت کی بدولت آج تم اس قابل ہوئے ہو کہ دنیا بھر کا مال تجارت اس وادیٔ غیر ذی زرع میں کھچا چلا آرہا ہے، کیا اس کو یہ امن اور یہ مرکزیت کا مقام تمہاری کس تدبیر سے دیا ہے؟ ڈھائی ہزار برس پہلے چٹیل پہاڑوں کے درمیان اس بے آب وگیاہ وادی میں ایک اللہ کا بندہ اپنی بیوی اور شیر خوار بچہ کو لے کر آیا تھا۔ اس نے یہاں پتھروں پر پتھر رکھ کر ایک حجرہ تعمیر کر دیا اور پکار دیا کہ اللہ نے اِسے حرم بنایا ہے آؤ اس گھر کی طرف اور اس کا طواف کرو۔ اب یہ اللہ کی دی ہوئی برکت نہیں تو اور کیا ہے کہ ۲۵ صدیوں سے یہ جگہ عرب کا مرکز بنی ہوئی ہے، سخت بدامنی کے ماحول میں ملک کا صرف یہی گوشہ ایسا ہے جہاں امن میسر ہے، اس کو عرب کا بچہ بچہ احترام کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ہر سال ہزارہا انسان اس کے طواف کے لیے چلے آتے ہیں۔ اسی نعمت کا ثمرہ تو ہے کہ تم عرب کے سردار بنے ہوئے ہو اور دنیا کی تجارت کا ایک بڑا حصہ تمہارے قبضے میں ہے۔ اب کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ جس خدا نے یہ نعمت تمہیں بخشی ہے اس سے منحرف اور باغی ہو کر تو تم پھلو پھولو گے، مگر اس کے دین کی پیروی اختیار کرتے ہی برباد ہو جاؤ گے؟

پھر فرمایا:۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۗ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ... (القصص)

اور کتنی ہی بستیاں ہم تباہ کر چکے ہیں جن کے لوگ اپنی معیشت پر اتر گئے تھے سو دیکھ لو، وہ ان کے مسکن پڑے ہوئے ہیں جن میں ان کے بعد کم ہی کوئی بسا ہے آخر کار ہم ہی وارث ہو کر رہے۔

یہ اُن کے عذر کا دوسرا جواب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس مال و دولت اور خوش حالی پر تم اِترائے ہوئے ہو اور جس کے کھوئے جانے کے خطرے سے تم باطل پر جمنا اور حق سے منہ موڑنا چاہتے ہو یہی چیز کبھی عاد و ثمود اور سبا اور مدین اور قوم لوط کے لوگوں کو بھی حاصل تھی۔ پھر کیا یہ چیز ان کو تباہی سے بچا سکی؟ آخر معیارِ زندگی کی بلندی ہی تو ایک مقصود نہیں ہے کہ آدمی حق و باطل سے بے نیاز ہو کر بس اُسی کے پیچھے پڑا رہے اور راہ راست کو صرف اس لئے قبول کرنے سے انکار کر دے کہ ایسا کرنے سے یہ گوہرِ مقصود ہاتھ سے جانے کا خطرہ ہے۔ کیا تمہارے پاس اس کی کوئی ضمانت ہے کہ جن گمراہیوں اور بدکاریوں نے پچھلی خوش حال قوموں کو تباہ کیا۔ انہی پر اصرار کر کے تم بچے رہ جاؤ گے اور ان کی طرح تمہاری شامت کبھی نہ آئے گی۔

آگے فرمایا:-

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ۔ (القصص۔ ۵۹)

اور تیرا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہ تھا جب تک کہ ان کے مرکز میں ایک رسول نہ بھیج دے جو اُن کو ہماری آیات سنائے۔ اور ہم بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہ تھے، جب تک کہ ان کے رہنے والے ظالم نہ ہو جاتے۔

یہ اُن کے عذر کا تیسرا جواب ہے۔ پہلے جو قومیں تباہ ہوئیں اُن کے لوگ ظالم ہو چکے تھے، مگر خدا نے ان کو تباہ کرنے سے پہلے اپنے رسول کو بھیجکر اُنھیں متنبہ کیا، اور جب ان کی تنبیہ پر بھی وہ اپنی کج روی سے باز نہ آئے تو انھیں ہلاک کر دیا۔ یہی معاملہ اب تمہیں درپیش ہے تم بھی ظالم ہو چکے ہو، اور ایک رسول تمہیں بھی متنبہ کرنے کے لئے آگیا ہے اب تم کفر و انکار کی روش اختیار کر کے اپنے عیش اور اپنی خوشحالی کو بچاؤ گے نہیں بلکہ الٹا خطرے میں ڈالو گے۔ جس تباہی کا تمہیں اندیشہ ہے وہ ایمان سے نہیں بلکہ انکار کرنے سے آئے گی۔

اس کے بعد ارشاد ہوا:

وَمَا أُوتِيتُم مِّن شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَزِينَتُهَا وَمَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝

تم لوگوں کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے وہ محض دنیا کی زندگی کا سامان اور اس کی زینت ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ اس سے بہتر اور باقی تر ہے کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے؟

أَفَمَن وَعَدْنَاهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيهِ كَمَن مَّتَّعْنَاهُ مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الْمُحْضَرِينَ ۔ (القصص آیت ۶۰۔۶۱)

بھلا وہ شخص جس سے ہم نے اچھا وعدہ کیا ہو اور وہ اسے پانے والا ہو کبھی اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جسے ہم نے صرف حیاتِ دنیا سر و سامان دے دیا ہو اور پھر قیامت کے روز سزا کیلئے پیش کیا جانے والا ہو؟

یہ ان کے عذر کا چوتھا جواب ہے۔ اس جواب کو سمجھنے کیلئے پہلے .... دو باتیں اچھی طرح ذہن نشین ہو جانی چاہئیں۔

اول یہ کہ دنیا کی موجودہ زندگی، جس کی مقدار کسی کے لئے بھی چند سالوں سے زیادہ نہیں ہوتی، محض ایک سفر کا عارضی مرحلہ ہے۔ اصل زندگی جو ہمیشہ قائم رہنے والی ہے۔ آگے آنی ہے۔ موجودہ عارضی زندگی میں انسان خواہ کتنا ہی سر و سامان جمع کر لے اور چند سال کیسے ہی عیش کے ساتھ بسر کرے، بہرحال اسے ختم ہونا ہے اور یہاں کا سب سر و سامان آدمی کو یونہی چھوڑ کر اُٹھ جانا ہے۔ اِس عیش کے مقابلے میں ایک عقلمند اس کو ترجیح دے گا کہ یہاں چند سال مصیبتیں بھگت لے، مگر یہاں سے وہ بھلائیاں کما کرلے جائے جو بعد کی دائمی زندگی میں اس کے لئے ہمیشگی کے عیش کی موجب بنیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ کا دین انسان سے مطالبہ نہیں کرتا کہ وہ اس دنیا کی متاعِ حیات سے استفادہ نہ کرے اور اس کی زینت کو خواہ مخواہ لات ہی مار دے۔ اس کا مطالبہ صرف یہ ہے کہ وہ دنیا پر آخرت کو ترجیح دے، کیونکہ دنیا فانی ہے اور آخرت باقی۔ اور دنیا کا عیش کمتر اور آخرت کا عیش بہتر۔ اس لئے دنیا کی وہ متاع اور زینت تو آدمی کو ضرور حاصل کرنی چاہیئے جو آخرت کی باقی رہنے والی زندگی میں سُرخ رُو کرے، یا کم از کم یہ کہ اسے وہاں کے ابدی خسارے میں مبتلا نہ کرے لیکن جہاں معاملہ کا مقابلہ آ پڑے یعنی دنیا کی کامیابی اور آخرت کی کامیابی ایک دوسرے کی ضد ہو جائیں وہاں دینِ حق کا مطالبہ انسان سے یہ ہے، اور یہی عقلِ سلیم کا مطالبہ بھی ہے، کہ آدمی دنیا کو آخرت پر قربان کر دے اور اس دنیا کی عارضی متاع و زینت کی خاطر وہ راہ ہرگز اختیار نہ کرے جس سے ہمیشہ کے لئے اس کی

عاقبت خراب ہوتی ہو۔

ان دو باتوں کو نگاہ میں رکھ کر دیکھئے کہ اللہ اوپر کے فقروں میں کفار مکہ سے کیا فرما رہا ہے، وہ یہ نہیں فرماتا کہ تم اپنی تجارت چھوڑ دو، اپنے کاروبار ختم کردو اور ہمارے پیغمبر کو مان کر فقیر ہوجاؤ بلکہ وہ یہ فرماتا ہے کہ یہ دنیا کی دولت جس پر تم ریجھے ہوئے ہو، بہت تھوڑی دولت ہے اور بہت تھوڑے دنوں کے لئے تم اس کا فائدہ اس حیاتِ دنیا میں اٹھا سکتے ہو۔ اس کے برعکس اللہ کے ہاں جو کچھ ہے وہ اس کی بنسبت کم و کیف QUALITY اور QUANTITY) میں بھی بہتر ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا بھی ہے اس لئے تم سخت حماقت کرو گے گر اس عارضی زندگی کی محدود نعمتوں سے متمتع ہونے کی خاطر یہ روش اختیار کرو۔ جس کا نتیجہ آخرت کے دائمی خسارے کی شکل میں تمہیں بھگتنا پڑے۔ تم خود مقابلہ کرکے دیکھ لو کہ کامیاب آیا وہ شخص ہے جو محنت و جانفشانی کے ساتھ اپنے رب کی خدمت بجالائے اور پھر ہمیشہ کے لئے اس کے انعام سے سرفراز ہو یا وہ شخص گرفتار ہوکر مجرم کی حیثیت سے خدا کی عدالت میں پیش کیا جانے والا ہو اور گرفتاری سے پہلے محض چند روز حرام کی دولت سمیٹنے لوٹ لینے کا اس کو موقع مل جائے۔

آخر میں فرمایا:-

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ (القصص - ۶۲)	اور (بھول جائیں یہ لوگ) اس دن کو جبکہ وہ ان کو پکاریگا اور پوچھے گا "کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کا تم گمان رکھتے تھے"

یہ تقریر بھی اسی چوتھے جواب کے سلسلہ میں ہے، اور اس کا تعلق اوپر کی آیت کے آخری فقرے سے ہے اس میں یہ بتایا جارہا ہے کہ محض اپنے دنیوی مفاد کی خاطر شرک و بت پرستی اور انکارِ نبوت کی جس گمراہی پر یہ لوگ اصرار کر رہے ہیں، آخرت کی ابدی زندگی میں اس کا کیسا برا نتیجہ انھیں دیکھنا پڑے گا۔ اس سے یہ احساس دلانا مقصود ہے کہ فرض کرو دنیا میں تم پر کوئی آفت نہ بھی آئے اور یہاں کی مختصر سی زندگی میں تم حیاتِ دنیا کی متاع و زینت سے خوب بہرہ اندوز بھی ہو لو۔ تب بھی آخرت میں اس کا انجام یہی کچھ ہونا ہے۔ تو خود سوچ لو کہ یہ نفع کا سودا ہے جو تم کر رہے ہو یا سراسر خسارے کا سودا؟

ماہنامہ تجلی دیوبند کے عظیم شاہکار
عامر عثمانی نمبر
کی
تیسری قسط بہت جلد منظرِ عام پر آرہی ہے
نمبر کی اس تیسری قسط میں
تعزیتی ناموں، مرثیوں، اخبار و رسائل کے تعزیتی مضامین کے علاوہ
مولانا عامر عثمانیؒ کی زبانی پچاس سوالات کے جوابات ملاحظہ فرمایئے۔
یہ سوالات دارالعلوم دیوبند، جماعتِ اسلامی، تبلیغی جماعت، جمعیۃ العلماء، فقہ، تعزیراتِ اسلامی وغیرہ وغیرہ
سے متعلق ہوں گے ـــــ علاوہ ازیں
اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور والا حضرت مولانا گنبد قضا خاں رکھیلوی
کے حاشیہ برداروں میں جو
زبردست مباحثہ چل رہا تھا اس کا قطعی فیصلہ بھی اس قسط میں ملاحظہ فرمائیں۔
قیمت: چار روپے ۴/
مکتبہ تجلی، دیوبند (یوپی)

حسن احمد صدیقی

تجلی کی ڈاک

بہ عنوان دودھ شریک بہن بھائی

سوال :- محمد بشیر احمد صاحب ۔ آٹونگر وجے واڑہ

تجلی پچیسویں سال کا چھٹا شمارہ تجلی کی ڈاک کے تحت مولانا عامر عثمانی رح نے لکھا تھا کہ فاطمہ اور زید کو الگ کر دیا جائے۔ میاں بیوی جیسا تعلق قائم رکھنا انتہائی غلط ہے۔ مگر زید اور فاطمہ ایک دوسرے کو چھوڑ کر زندگی گذارنا نہیں چاہتے۔ مگر دونوں کو شریعت کا ڈر ہے۔ دونوں میں اتنی محبت ہے کہ زبردستی الگ کر دیا جائے تو نتائج خطرناک ہونے کا اندیشہ ہے۔ بے شک وہ پیر گنہ گار ہے جس نے ان کے رشتہ کو جائز قرار دیا تھا۔ گذارش یہ ہے کہ مندرجہ بالا حالات کو مدنظر رکھ کر زید اور فاطمہ کے درمیان خوشگوار زندگی کی راہ بتائیں۔

جواب :-

ہمیں امور شریعت میں اگر رد و بدل کرنے کا اختیار حاصل ہوتا تو ہم زید اور فاطمہ کی محبت کے پیش نظر یہی صورت تجویز کرتے کہ وہ ایک دوسرے کے شریکِ حیات ہی رہیں۔ لیکن ہمیں امور شریعت میں حبہ برابر بھی تبدیلی کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہے لہذا ہم قطعی مجبور و بے بس ہیں۔ یاد رکھیے کہ کچھ مسائل ایسے ہوتے ہیں جن کی تحدید نص قطعی سے نہیں ہوتی بلکہ اجتہاد و قیاس کے ذریعہ ان کی حدبندی کی جاتی ہے اور عقل و فہم کے ذریعہ ان کا حدود اربعہ متعین کیا جاتا ہے۔ ایسے مسائل میں مفتیان کرام کو اس بات کا اختیار ہوتا ہے کہ وہ حالات و واقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے مسائل میں کچھ اونچ نیچ پیدا کرلیں۔ لیکن جن چیزوں کو نص قطعی نے حرام قرار دیا ہے انھیں حلال اور جنھیں حلال قرار دے دیا ہے انھیں حرام بنا دینے کا اختیار کسی پیغمبر کو بھی نہیں مفتی اور مولوی کی تو حیثیت ہی کیا ہے۔

دودھ شریک بہن بھائی کو قرآن حکیم نے حقیقی بہن بھائی کے مثل قرار دیا ہے۔ اور حقیقی بہن بھائی کے مابین نکاح چونکہ حرام ہے اس لیے دودھ شریک بہن بھائی کے درمیان بھی نکاح حرام ہی ہوگا۔ زید اور فاطمہ کے درمیان طلاق کے ذریعہ تفریق کرنے کی ضرورت نہیں اس لیے کہ طلاق کی ضرورت تو اس وقت پڑتی ہے جب نکاح منعقد ہو گیا ہو زید اور فاطمہ کے مابین تو نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں بوجہ بہن بھائی ہونے کے لہذا ان کے درمیان بس جدائی کرا دی جائے یہی ان کے لیے طلاق کے قائم مقام ہوگا۔ ہمیں زید اور فاطمہ کے جذبات کا پورا پورا احساس ہے لیکن ہم خدا کے بنائے ہوئے قانون کی خلاف ورزی نہیں کرسکتے۔ اگرچہ زید اور فاطمہ کی تفریق کے تصور سے خود ہمارا دل بھی ملول و رنجیدہ ہو رہا ہے۔

ہمارا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارک میں ایک مسلمان
عورت نے چوری کی تو حضورؐ نے قرآن حکیم کے فیصلہ کے مطابق
اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا، لیکن حکم صادر فرمانے کے بعد آپؐ
رونے لگے۔ صحابہ کرامؓ نے آپؐ کی آنکھوں میں آنسوؤں کے قطرے
دیکھ کر فرمایا یا رسول اللہؐ! اگر آپ فرمائیں تو ہم اس عورت کو
بغیر سزا دیے چھوڑ دیں۔ آنحضورؐ نے جواباً فرمایا کہ نہیں میں خدا سے
زیادہ رحیم و کریم ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ یہ سزا تو اسی رحیم و کریم
مالک کی تجویز کردہ ہے جس کے ایک ایک حکم کی تعمیل کے لیے میں بھی
اسی طرح مجبور ہوں جس طرح تم مجبور ہو۔

خدا کا حکم ہے کہ چوری کرنے والا مرد ہو یا عورت اس کا
ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ اور میں خدا کے کسی حکم کی خلاف ورزی
نہیں کر سکتا۔

کسی نے پوچھا پھر حضورؐ رونے کی وجہ کیا ہے؟ تو آپؐ نے
جواب دیا کہ میری امت کی کسی عورت کا ہاتھ کاٹا جائے اور
مجھے اذیت نہ ہو یہ کیسے ممکن ہے۔

اب سوچیے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا اختیار
حاصل نہیں تھا کہ وہ کسی عورت کو چوری کی سزا دیے بغیر چھوڑ دیں اور
خدائی حکم کی پرواہ نہ کریں تو ہماری کیا مجال ہو سکتی ہے کہ ہم زید
اور فاطمہ کے لیے کسی حرام طریقہ کو حلال قرار دیں۔

اب زید اور فاطمہ کے لیے بس ایک ہی راہ ہے اور وہ ہے
قربانی کی راہ۔ انھیں اپنے مذہب اور امر خداوندی کی خاطر قربانی
دینی چاہیے اور بلا کسی تامل کے ایک دوسرے سے جدا ہو جانا چاہیے۔
اگر وہ اس قربانی کے لیے تیار نہیں تو انھیں یہ بات پلے باندھ لینی
چاہیے کہ ان کی زندگی بدکاری میں گذر رہی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ
اللہ ان دونوں کو قربانی اور سلامت روی کی توفیق دے۔

طلاق کا ایک مسئلہ

سوال ۲ :۔ از محمد عارف خاں عارف تمرکی۔

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر و خوبی ہوں گے۔ پہلی مرتبہ
آنجناب کو تکلیف دے رہا ہوں، امید ہے کہ مصروفیت کے
باوجود جواب سے سرفراز فرمائیں گے۔

پچھلے ماہ ۱۷ مارچ ۸۰ء کو ایک ازدواجی زندگی میں
جدائی واقع ہو گئی۔ میاں بیوی میں خلش اور لڑائی پرانی چلی
آ رہی تھی۔ لیکن پچھلے چند سال سے خاوند نے نشہ۔ جوا۔ سٹہ
شروع کر دیا تھا۔ خاوند ایک میل میں مزدور ہے اور اپنے کام
کی آمدنی مندرجہ بالا عادتوں میں صرف کر دیتا ہے۔ بیوی کو یہ شکایت
ہمیشہ سے رہی ہے کہ ان عادتوں سے اس کو روحانی اور جسمانی
دونوں قسم کی تکلیف ہے۔ دوسرے گذارا کرنا ایسی حالت میں
ناممکن ہو گیا تھا۔ پھر ان کی اس بیوی سے ایک لڑکی بھی ہے جس کے
تین بچے ہیں۔ لیکن خاوند کی اس حالت کو دیکھتے ہوئے غریب ماں
بیٹی محنت مزدوری کر کے اپنا گذر اوقات کیا کرتی ہیں اور خاوند کی
یہ حالت ہے کہ وہ تنخواہ ختم کر کے بیوی سے لڑتا ہے اور بھوک کو
مٹانے کے لیے بیوی سے ہی بضد رہتا ہے کہ مجھے کھانا دو۔ آخر
بیوی کھانا کہاں سے لائے۔

۱۶ مارچ کی رات کو نشہ میں غرق بیوی کو تکلیف پہنچائی
اور خود کے تمام کپڑے پھاڑ کر شور و غل مچایا اور رات ہی کو بیوی سے
ضد کرنے لگا کہ ابھی چند لوگوں کو جمع کر دیں تم کو ابھی طلاق دیتا
ہوں۔ بیوی بھی ضد پر آ گئی اور صبح ہونے پر انھوں نے آس پڑوسیوں
کو کہہ دیا کہ آپ سب تھوڑی دیر کے لیے حاضر ہو کر میرا فیصلہ
کر دیں۔ خاوند چونکہ دیر رات سونے کا عادی ہے اور دن کے
ایک بجے سو کر اٹھا اور ادھر بیوی نے محلہ کے پانچ چھ لوگوں کو
جمع کر دیا۔ خاوند نے بستر سے اٹھ کر نہ ہاتھ منہ دھویا اور نہ
فراغت سے فرصت ملی بلکہ سب سے پہلے اس نے فوراً ہی
تین طلاق لکھ کر دے دی اور حال یہ تھا کہ محفل کے تمام لوگوں نے
اسے سمجھایا کہ اور سوچ لو لیکن اس نے یہی ضد کی کہ میں طلاق
دیکر ہی سکون حاصل کر سکوں گا کیونکہ جب تک یہ میری بیوی رہیگی
تب تک میں نہ اپنی عادتیں چھوڑوں گا اور نہ ہی کچھ دوسری
ترقی کر سکوں گا۔ اس بیوی نے مجھے بے حد تکلیف پہنچائی ہے
طلاق دیکر خاوند محفل کو سلام کر کے چلا گیا۔

طلاق کے چند دنوں بعد خاوند نے یہ کہنا شروع کر دیا
کہ میں نے نشہ کی حالت میں طلاق دی ہے اور ایسی حالت میں

جب کہ میں بستر پر سے سو کر اٹھا ہی تھا کہ بیوی نے چند لوگوں کو جمع کر دیا۔ ان لوگوں کو دیکھ کر یا تو دباؤ یا لحاظ سے میں نے طلاق دیدی اور ادھر سے بیوی کی آواز بھی کانوں میں مسلسل یہی آرہی تھی کہ مجھے طلاق چاہیے۔ یہ تمام باتیں خاوند سے طلاق دینے کے بعد احباب کو بتلائیں۔ جب کہ طلاق والے دن اس شخص کا بیان یہ ہے کہ میں اب کہیں جا کر کماؤں گا۔ بلکہ دوگانہ ادا کرنے کو کہنے لگا۔

اب تھوڑا سا حال بیوی کا بھی سنیے۔ طبعی یا فطری طور پر بیوی نہایت ہی جلد باز ہے۔ ہر کام کا فیصلہ فوراً کر دینا اس کی عادت ہے۔ طلاق کے بارے میں بھی اس نے بہت ہی جلدی کی اور خاوند کو منہ ہاتھ دھونے کا بھی موقع نہیں ملا کہ لوگوں کو جمع کر کے طلاق لے لی۔ اب دونوں رجوع ہونا چاہتے ہیں۔ آپ از راہ کرم یہ جواب دیں گے کہ آیا طلاق ہوئی یا نہیں۔ اور اگر ہو گئی تو کیا رجوع ہونے کا کوئی شرعی راستہ ہے کہ نہیں۔ تفصیلی جواب دیکر ممنون و مشکور فرمائیں۔

جواب ۲ :-

آپ کا سوال غیر معمولی طوالت لیے ہوئے ہے۔ طویل سوال پڑھنا ہمارے لیے باعث کوفت ہو جاتا ہے۔ اس بار تو ہم نے آپ کے سوال کو جوں کا توں شائع کر دیا۔ آئندہ کے لیے یہ گذارش ہے کہ سوالات بھیجتے وقت اختصار کو ملحوظ رکھیں اگر اختصار کو ملحوظ نہیں رکھیں تو بعض اوقات آپ کو اپنے سوال کا جواب نہیں مل سکے گا۔

آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ طلاق واقع ہو چکی ہے اور چونکہ طلاقیں تین دی گئی ہیں لہذا یہ عورت طلاق دینے والے شوہر سے اس وقت تک نکاح نہیں کر سکتی جب تک کسی دوسرے مرد سے نکاح میں دیکر اس سے طلاق نہ پالے۔

مان لیا شوہر نے طلاق حالت نشہ میں دی تھی۔ حالت ہوش و حواس میں نہیں۔ اور یہ بھی مان لیا کہ بیوی جلد باز تھی اس نے شوہر کے ارادۂ طلاق پر ہی پورے محلہ کو جمع کر لیا تھا۔ اس کے باوجود طلاق کا وقوع ہو چکا ہے اور عورت کا جسم اپنے شوہر پر اس وقت تک کے لیے حرام ہو گیا ہے جب تک مطلقہ عورت کسی سے نکاح کر کے بذریعہ طلاق اس سے چھٹکارا حاصل نہ کرلے۔ اور طلاق کے بعد عدت کے ایام پورے نہ کرلے۔

قرآن کو بوسہ دینا

سوال ۳ :- از متین احمد صدیقی (نانا رٹر)

قرآن شریف کو کھولتے ہی چوما جاتا ہے اس لیے کہ یہ بہت مقدس کتاب ہے۔ تلاوت کرنے کے بعد بھی اسے چوما جاتا ہے اب یہ بتائیے کہ یہ تلاوت سے پہلے اور تلاوت کے بعد چومنا شرعاً کیا قیمت رکھتا ہے اور اگر نہ چوما جائے تو اس میں کیا گناہ ہے؟

جواب ۳ :-

قرآن شریف کو فرط عقیدت میں چومنا کوئی حرج کی بات نہیں۔ لیکن اسے ضروری نہیں سمجھنا چاہیے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ جن کی طرف عقیدت سے دیکھنا بھی باعث ثواب ہے۔ بیت اللہ کی طرف۔ ماں باپ کی طرف اور قرآن حکیم کی طرف۔

اور جب کسی کتاب کی طرف عقیدت سے دیکھنا باعث ثواب ہو سکتا ہے تو اس کو عقیدت سے چومنا باعث ثواب کیوں نہیں ہوگا۔ لیکن بس یہ بات پیش نظر رہے کہ قرآن حکیم کو بوسہ دینا واجبات کے قبیل سے نہیں کہ اگر کوئی نہ چومے تو تو گنہ گار کہلائے۔

وضو کے بعد آسمان کی طرف انگلی اٹھانا

سوال ۴ :- (ایضاً)

وضو کرنے کے بعد شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھا کر دعا پڑھتے ہیں یہ کہاں تک درست ہے؟

جواب ۴:-

آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر دعا مانگنے والی روایت تو ہماری نظروں سے نہیں گزری، البتہ یہ ضرور ہم نے پڑھا ہے کہ وضو سے فارغ ہونے کے بعد آسمان کی طرف دیکھ کر یہ دعا اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین استحبابی امور سے تعلق رکھتی ہے۔ آسمان کی طرف دیکھ کر دعا مانگنے کا صاف مطلب تو یہ ہے کہ آدمی خدا سے مخاطب ہو کر دعا مانگ رہا ہے۔ لیکن انگلی اٹھا کر دعا مانگنے کا مطلب ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔

پرانی بدعت نیا سوال

سوال ۵:- (ایضاً)

میں ایک مسجد میں عرصہ دراز سے نماز پڑھا کرتا تھا بلکہ اب بھی وہیں پڑھتا ہوں۔ اس مسجد کے پیش امام نماز ختم ہو جانے کے بعد الفاتحہ کہہ کر درود شریف پڑھتے ہیں پھر دعا مانگتے ہیں۔ دعا کے ختم ہونے ہی پھر درود شریف پڑھ کر اٹھ جاتے ہیں۔ ایک ہفتہ قبل دوسری مسجد میں نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا وہاں ہر نماز ختم ہونے کے بعد امام صاحب بغیر درود وغیرہ کے دعا مانگ کر اٹھ گئے۔ وہ گھر واپس جانے لگے تو میں نے ان کو روک کر دریافت کیا کہ میں ایک عرصہ سے فلاں مسجد میں نماز پڑھتا ہوں اور وہاں کے امام صاحب اس انداز میں دعا مانگتے ہیں۔ وہ یہ سن کر ہنسنے لگے کہ الفاتحہ کہنا تو بہت بڑا گناہ ہے۔ البتہ درود شریف قبل دعا اور دعا کے پڑھنے سے دعاؤں کی تاثیر میں اضافہ ہوتا ہے اور دعائیں بہت جلد قبول ہوتی ہیں۔ اب آپ مہربانی فرما کر ان دونوں امام صاحبان کے بارے میں صحیح و مستند حدیثوں کے حوالے سے جواب دیجیے۔

جواب ۵:-

نماز کے بعد الفاتحہ کی صدا بلند کر کے دعا مانگنا بندوں کی ایجاد ہے۔ سنت رسول اور طریقۂ فقہاء سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اہل بدعت نے عبادات میں بہت سے طریقے گھڑے ہیں، ان ہی میں سے ایک یہ بھی ہے۔

کسی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابہ کرام میں سے کسی نے نماز کے بعد دعا سے پہلے الفاتحہ کا نعرہ بلند کیا ہو۔ صحیح بات یہ ہے کہ اہل بدعت کو روایات سے کیا لینا ان کے مذہب کی بنیاد تو توہمات پر ہے یا ایسی روایتوں پر جو بعد کے فنکاروں نے تخلیق کی ہیں۔ اگر احادیث کی صحیح اور معتبر کتابوں کا مطالعہ ان کے مشاغل میں داخل ہوتا تو یہ بات ان سے پوشیدہ نہ رہتی کہ نماز کے بعد الفاتحہ کا نعرہ کسی حدیث سے ثابت نہیں۔ یہ بعد کے ان ذہنوں کی سوغات ہے جو مذہب اسلام کو مکمل تصور نہیں کرتے تھے، اور جن کے نزدیک اس مذہب کی تکمیل اس وقت تک ممکن نہیں تھی جب تک اس میں کچھ اضافے نہ کیے جائیں۔

دوسری مسجد کے امام صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے وہ من وعن صحیح ہے۔ دعا کے شروع و آخیر میں درود شریف پڑھنا روایات سے ثابت ہے۔ دوسری مسجد کے امام صاحب کا یہ کہنا بھی ٹھیک ہی ہے کہ الفاتحہ کہنا تو بڑے گناہ کے مرادف ہے۔ ظاہر ہے کہ دعا کے بعد الفاتحہ کہنے کا طریق بدعت ہے اور بدعت کو بڑے گناہ کا نام دینا غلط نہیں ہوگا۔

سوال ۶:- (ایضاً)

میری دو لڑکیوں کی شادی مقرر ہو چکی ہے۔ ضروریات پوری کرنے کے لیے کچھ رقم کی کمی محسوس ہوئی۔ میں نے اپنے ایک قریبی دوست کے سامنے اپنی مجبوری رکھ کر ان سے کچھ رقم کی مدد چاہی۔ انھوں نے مجھے تین ہزار روپے لاکر دے دیے یہ رقم لینے کے کچھ دن بعد مجھے پتہ چلا کہ وہ تو سود سے حاصل کی ہوئی رقم ہے۔ اس رقم میں سے تقریباً آدھی خرچ بھی ہو چکی تھی جب میں نے یہ سنا تو مجھے بڑی تکلیف پہنچی۔

میں سودی لین دین، سودی کاروبار کا سخت مخالف بھی ہوں۔ دوسروں کو بھی اس سے بچے رہنے کی سخت تاکید کرتا ہوں۔ جس طرح قرآن شریف میں بھی اس کی سخت ممانعت

آئی ہے۔ اور سود کے لینے والے اور سود کے دینے والے اور سود کے گواہوں پر لعنت فرمائی گئی ہے۔ اب میں کیا کروں۔ آپ ہی بتلائیے میں سخت پریشان ہوں۔ باقی جو رقم بچی تھی وہ تو واپس کر دی گئی ہے۔ اب اس کی تلافی میں کیسے کروں۔ آئندہ ماہنامہ تجلی میں کسی طرح مجھے دلی تسلی و تشفی بخش جواب دیجیے۔ میں عمر بھر آپ کا مشکور رہوں گا۔

جواب :- (ایضاً)

آپ کو خواہ مخواہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپکو جب اس کا علم ہی نہیں تھا کہ جو رقم آپ کے دوست نے آپ کو جو رقم مہیا کر کے دی ہے وہ سود پر مہیا کر کے دی ہے تو پھر شریعت کی نگاہوں میں خطاوار نہیں ہو سکتے۔ آپ کے لیے وہ رقم جائز تھی۔ اس لیے کہ آپ اس کی حقیقت سے لاعلم تھے اور از راہ لاعلمی جو غلطیاں ہو جاتی ہیں شریعت ان پر کوئی مواخذہ نہیں کرتی۔

علم ہو جانے کے بعد بھی اگر آپ رقم فی الحال واپس نہ کرتے اور رفتہ رفتہ وعدے کے مطابق ادا کرتے تو بھی آپ گنہ گار نہیں کہلا سکتے تھے۔ اس لیے آپ نے اس رقم پر سود دینے کا از خود کوئی وعدہ نہیں کیا تھا اور نہ ہی آپ کے دوست نے سود کی رقم ادا کرنے کی ذمہ داری آپ کی گردن پر ڈالی تھی۔ ظاہر ہے سود کی زائد رقم آپ کے دوست ہی ادا کرتے گویا کہ آپ نے تو اپنے دوست سے روپیہ لیا تھا۔ گویا قصور وار آپ نہیں آپ کے دوست ہی رہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ چونکہ سود پر روپیہ حاصل کرنے کی غلطی آپ کے دوست نے آپ کی خاطر کی تھی اس لیے آپ کا اخلاقی، انسانی اور ایمانی فرض یہی تھا کہ آپ اس رقم کو واپس کر دیں اور اس طرح اپنے دوست کو بھی سود کی لعنت سے بچا لیں۔ جس طرح آپ خود اس لعنت سے بچنے کے قائل ہیں۔ جب آپ نے اپنا فرض نبھا دیا ہے اور رقم کی حقیقت کھلتے ہی رقم لوٹا دی ہے تو پھر آپ کا پریشان ہونا خواہ مخواہ ہی کے قبیل سے ہے۔ لیکن آپ کا اضطراب احتیاط ایمان سے تعلق رکھتا ہے۔ لہٰذا بہ خواہ مخواہ والی حیثیت کا حامل ہوتے ہوئے بھی قابل تعریف ہی ہے۔ کوشش یہ کیجیے کہ جو رقم آپ کے دوست نے سود پر حاصل کی تھی اس پر سود آپکے دوست کو بھی نہ دینا پڑے۔ انشاء اللہ آپ کی رقم لوٹا دینے کے اثرات اچھے ہی مرتب ہوں گے۔ انشاء اللہ آپکے دوست کو بھی آئندہ احتیاط و پرہیز گاری کی توفیق نصیب ہوگی۔

سوال :- (ایضاً)

نس بندی کا آپریشن حدیث و آیت کی رو سے کہاں تک درست ہے؟۔

جواب :-

مرد کی نس بندی قطعی طور پر حرام ہے۔ عورت کا آپریشن صرف اس صورت میں جائز ہو سکتا ہے جب بچہ کی ولادت سے عورت کی جان جانے کا اندیشہ ہو۔ یہ اندیشہ نہ ہو تو عورت کا آپریشن کرا دینا بھی جائز نہیں ہوگا۔ رزق کی تنگی کی وجہ سے مرد اور عورت اگر اپنے آپریشن کرائیں گے تو بلاشبہ گنہگار سمجھے جائیں گے اور آخرت میں فرشتے ان سے یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ جب دنیا کی کل مخلوقات کو رزق دینے کی ذمہ داری خدا نے اپنے سر رکھی تھی تو آپ کا آپریشن کرانا اور بچوں کو دنیا میں آنے سے روکنے کی کوشش کرنا خدائی وعدوں خدا کی صفتوں اور خدا کی ذمہ داریوں سے اظہار بیزاری اور لایقینی نہیں تھا تو کیا تھا۔

ابھی ماضی قریب میں نس بندی کے لیے جن لوگوں کو مجبور کیا گیا تھا۔ یا جن لوگوں کی نس بندی بالجبر کر دی گئی تھی، وہ تو معذور ہی سمجھے جائیں گے اور انشاء اللہ آخرت میں ان سے کوئی محاسبہ نہیں ہوگا۔ لیکن جن حضرات نے نس بندی ہنسی خوشی کرالی تھی اور جو اسے فی نفسہ برا تصور نہیں کرتے تھے وہ احتساب آخرت سے نہیں بچ سکتے۔ اللہ ان پر اپنا کرم کرے۔

⁂

ایک فتنہ گر درویش

سوال :-

ہمارے اس ملک میں یوں تو درویش پرستی عام ہے اور خدا پرستی محدود. مگر آج سے چند سال قبل ایک شخص نمودار ہوا جو کہ شریعت کی حدوں سے بالکل واقف نہیں تھا اور نہ ہی اب ہے. وہ بے علم ہے اور بے عمل بھی. نہ قرآن کی تلاوت کر سکتا ہے نہ شریعت کے نشیب و فراز سے. نہ وہ کسی کی تبلیغ میں حصہ لیتا ہے. اس نے اپنے داماد کے ذریعہ ایک ایک دو دو کر کے چند افراد کو پھانس لیا ہے. اس کا کہنا ہے کہ جسمانی عبادات سے زیادہ روحانی عبادات سے خدا کی رضا کو حاصل کیا جا سکتا ہے، اور اس سلسلہ میں وہ ہر ایک اس فرد کو جو کہ خدا کی رضا چاہنے کے لیے وہاں جاتا ہے، چالیس دنوں کا چلہ کاٹنے کیلیے کہتا ہے. اور یہ چلہ کاٹتے ہی بقول ان کے ان کو صاف خدا کا جلوہ دکھائی دیتا ہے. اس کا کہنا ہے کہ نماز کیا ہے، روزہ وغیرہ یہ سب ظاہرداریاں ہیں. ورنہ قرآن کہتا ہے کہ "الصلوٰۃ معراج المومنین" اور ہم یہ معراج کر کے دکھلاتے ہیں. اس گروہ میں جو بھی فرد جاتا ہے پھر وہ واپس نہیں آتا. کیونکہ وہ خدا کو پالیتا ہے. ہم نے دیکھا ہے کہ یہ شخص نمازوں کا قائل نہیں، نا ہی یہ مسجد میں باضابطہ طور پر نماز ہی پڑھتا ہے. کہتا ہے کہ علماء کی مثال دکانداروں کی سی ہے جو کہ سودا فروخت کرتے ہیں. اور وہ جگہ جگہ گھومتے پھرتے ہیں. کیونکہ وہ کچا سودا ہے. ہمارے یہاں پکا سودا ہے. ہم کو کیا ضرورت ہے کہ کسی کے پاس جائیں. اس طرح سے اس کے اس گروہ میں مرد اور عورتیں جو کہ نمازوں کے پابند نہیں اور ناہی شریعت اسلامی کے. مہربانی فرما کر شرعی طور سے واضح کریں کہ یہ دعویٰ کہاں تک درست ہے.

جواب :-

اس شخص کا ڈاکٹری معائنہ کرائیے ممکن ہے کہ اس کے دماغ کی رگیں سڑ گئی ہوں اور اسی وجہ سے وہ سڑی ہوئی باتیں کرنے کا عادی بن گیا ہو۔ اگر ڈاکٹروں کی رائے یہ ہو کہ دماغی طور پر یہ شخص ٹھیک ہے اور اس کے دماغ میں کوئی مرض پیدا نہیں ہوا تو پھر یہ یقین کر لیجیے کہ یہ شخص کسی ایسی بستی سے نازل ہوا ہے جس بستی کی باگ ڈور ذریات ابلیس کے ہاتھوں میں ہے. اسے شیاطین نے اپنا نمائندہ بنا کر آپ کے علاقے میں بھیجا ہے تاکہ بعض بھولے بھالے اور سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے پھندے میں پھانس کر یہ انھیں ایمان کی راہ سے ہٹا دے اور ان کے اندر دوزخ میں جانے کی اہلیت پیدا کر دے.

غنیمت ہے کہ وہ صرف روزہ وغیرہ ہی کو ظاہرداری کہتا ہے، اگر وہ لفظ اسلام ہی کو ظاہرداری اور کتاب اللہ کو افسانوں کی کتاب قرار دیدے تو میں اور آپ اس کا کیا بگاڑ لیں گے.

اور یہ بھی غنیمت ہے کہ اس نے نماز کو مومنوں کی معراج سمجھ لیا ہے اگر وہ نماز کو گمراہی کا ذریعہ ہی کہہ بیٹھے تو اس کی زبان بند کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی حربہ نہیں.

آج اسلام اقتدار سے محروم ہے. اس لیے اس قسم کے ہزاروں شعبدہ گر پیر و فقیر اور بازاری مولوی اسلام کے چہرے کو مسخ کرنے کی خدمت انجام دینے میں مصروف ہیں اور بیچارا اسلام اپنے پاس ایسی کوئی طاقت نہیں رکھتا کہ ان درویشوں اور پیروں کے ہاتھ پیر توڑ کر انھیں جہنم رسید کر سکے اور خدا کی بھولی بھالی مخلوق کو ان کے ہتھکنڈوں سے محفوظ کر سکے.

اگر آپ کے پاس کچھ طاقت ہو تو اس درویش کو اپنے علاقے سے نکال دیجیے. ورنہ کچھ دنوں کے بعد اس جگہ گمراہیاں حشرات الارض کی طرح جنم لیں گی جس جگہ وہ جوگی جمائے ہوئے بیٹھا ہے. ہم ایسے شخص کو کسی پاگل سے کم نہیں سمجھتے اور اگر وہ پاگل نہیں ہے تو پھر اس کے گمراہ گر ہونے میں کوئی شبہ نہیں ــ اور گمراہ گری کی خدمت شیطان کے چیلوں کے ماسوا کوئی انجام نہیں دے سکتا.

امانت، تقویٰ اور داڑھی کی صفائی

سوال ۹ :-

فتاوی آستانہ میں ایک سوال اس طرح ہے:
"ایک شخص پرہیزگار پابند صوم وصلوٰۃ اور نیک ہے لیکن داڑھی نہیں ہے۔ کیا اس کے پیچھے نماز جائز ہے؟"
مفتی کا جواب کچھ یوں ہے:-
"جب اس کے بشرے پر داڑھی نہیں ہے تو وہ نیک کیسے ہے" وغیرہ وغیرہ۔
کیا باقی سب خوبیوں کے باوجود محض داڑھی نہ ہونے کی وجہ سے ایک شخص کو نیک نہیں کہا جا سکتا ہے۔ جواب سے مطلع فرمادیں۔

جواب ۹ :-

پرہیزگار بچنے والے کو کہتے ہیں۔ اگر فرائض وواجبات سے دامن بچانا بھی منجملہ تقوی ہو تو پھر اس شخص کے پرہیزگار ہونے میں کوئی شک نہیں ہوگا جو داڑھی جیسے واجب سے دامن بچانے کو ضروری سمجھے۔ اور پابندی کے ساتھ داڑھی صاف کرنا اس کی عادت ثانیہ میں داخل ہو۔

لیکن اگر پرہیزگار اس شخص کو کہتے ہیں جو منہیات سے بچے سنن وواجبات کا سختی کے ساتھ پابند رہے تو پھر داڑھی منڈانے والے کو پرہیزگار سمجھنا مفہوم پرہیزگاری کے ساتھ زیادتی ہی ہوگی۔

یہ حقیقت ہے کہ کوئی شخص داڑھی رکھکر متقی کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ متقی اور صاحب تدین تو کہتے ہی اس کو ہیں جو مکروہات سے بھی اپنے دامنِ ایمان کو محفوظ رکھے۔ جو شخص داڑھی منڈانے جیسے فعل حرام میں مبتلا ہوا سے متقی کہنا اور متقی سمجھنا اتنا ہی غلط ہوگا جتنا کسی نابالغ کو بالغ کہنا غلط ہو سکتا ہے۔

داڑھی منڈانے والے کو امامت کا استحقاق صرف اس صورت میں پہنچتا ہے جب مجمع میں کوئی بھی داڑھی والا موجود نہ ہو۔ یا اگر ہو تو وہ قرآن پڑھنے پر قادر نہ ہو۔ ورنہ داڑھی منڈانے والے کے پیچھے نماز کراہت سے خالی نہیں۔ مگر یہ بات واضح رہے کہ داڑھی کی لمبائی چوڑائی میں بحث کرنا اور چھوٹی داڑھی والوں کو بھی داڑھی منڈوں کے برابر قرار دیدینا اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھنا بھی زیادتی ہی ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح داڑھی منڈوں کو پرہیزگار سمجھنا زیادتی ہے۔

سلام کے قائم مقام الفاظ کی حیثیت

سوال ۱۰ :- از محتشم محمد شعیب۔ رحیمہ۔ سعودی عربیہ۔

یہاں پر سعودی عرب میں ایک رواج پایا جاتا ہے۔ یعنی جیسا کہ یورپ میں گڈ مورننگ۔ گڈ نائٹ کہنے کا رواج ہے۔ یہاں عربوں میں بھی اس طرح صباح الخیر، امساء الخیر کہنے کا رواج ہے۔ اکثر لوگ سلام کہنے سے قبل صبح کو صباح الخیر کہتے ہیں اور بعض سلام کہتے ہیں۔ کیا یہ اسلامی شعار ہے؟ جواب سے مطلع کریں آپ کی بڑی عنایت ہوگی۔

جواب ۱۰ :-

ہمارے لیے یہ اطلاع افسوسناک ہے کہ اب وہ لوگ بھی مغربیت نواز اور نتیجہ دبسند ہو گئے جو بجا طور پر صحیح معنوں میں اسلام کے امین و وارث تھے۔ صباح الخیر اور امساء الخیر کے الفاظ نہ اسلامی روش سے مطابقت رکھتے ہیں نہ ان میں وہ وسعت اور معنویت ہے جو "السلام علیکم" کے الفاظ میں صاف محسوس ہوتی ہے۔ السلام علیکم کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک مسلمان اپنے مخاطب سے یہ کہہ رہا ہے کہ خدا تمہیں سلامتی کے ساتھ زندہ رکھے اور سلامتی کے ساتھ موت دے۔ سلامتی ایک ایسا وسیع اور ہمہ گیر لفظ ہے کہ اس میں دنیا و آخرت کی ساری بھلائیاں سمٹی ہوئی ہیں۔ جسم کی سلامتی، عقیدے کی سلامتی، عزت کی سلامتی وغیرہ۔ گویا کہ تم پر سلامتی ہو کہہ کر ایک مسلمان اپنے بھائی کو دو ہی لفظ میں ڈھیروں دعائیں

دیا بنتا ہے۔ یہ وسعت اور ہمہ گیریت صباحکیر اور امساحکیم جیسے الفاظ میں قطعاً موجود نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ امساحکیر اور صباحکیر جیسے الفاظ میں بھی وہی معنویت اور توسع موجود ہے جو "السلام علیکم" میں پایا جاتا ہے تو بھی اس روش کو قابل تنبیہ ہی قرار دیں گے کہ کوئی مسلمان ان الفاظ سے تو راہ انحراف اختیار کرے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تجویز کردہ تھے اور ان الفاظ کو صبح شام کا وظیفہ بنالے جو مغربی تہذیب سے مرعوب ہو کر گھڑے گئے ہیں اور اس میں اس معنویت کا عشر عشیر بھی موجود نہیں ہے جو السلام علیکم کے الفاظ میں پیوست ہے۔

الفاظ بھی اپنی جگہ ایک اہمیت رکھتے ہیں۔ اسلام کی کسی بھی تعلیم پر عمل کرنے وقت ان الفاظ کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل ہوتے چلے آرہے ہیں اسی معنی و مفہوم کے دوسرے الفاظ اپنا لینے والا عامل سنت قرار نہیں دیا جا سکتا۔

نماز کے اندر رکوع اور سجود میں جاتے وقت اور ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہوتے وقت اللہ اکبر کہنے کی روش جانی پہچانی روش ہے۔ اللہ اکبر کے معنی ہوتے ہیں اللہ بڑا ہے۔ اب اگر کوئی شخص اللہ اکبر کی جگہ اللہ اعظم، اللہ رفیع ہے جیسے الفاظ ادا کرکے ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے کو اپنی عادت بنالے تو اس عادت کو قابل مذمت ہی کہا جائے گا خواہ شرعاً نماز میں قباحت ہونے کا امکان نہ ہو۔ بہر حال اسلام کے کسی رکن اور حضور کی کسی سنت پر عمل کرتے وقت ان الفاظ کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے جو روایات صحیحہ سے ثابت ہیں۔ محض فیشن کی وجہ سے طاہر و طیب الفاظ سے کنارہ کشی اختیار کر لینا اور ان کی جگہ دوسرے الفاظ کے ذریعہ اپنا مدعا بیان کرنے کی روش اپنا لینا یا ان الفاظ کو مؤخر کر دینا اور فیشن زدہ الفاظ کو مقدم رکھنا قابل افسوس روش ہے۔

* * *

وہ جوابات جن کے سوالات حذف کر دیے گئے

حالت غصہ میں دی ہوئی طلاق

(کشمیر کے نیاز الدین مخاطب ہوں)

اس سے پہلے بھی تجلی میں یہ بات لکھی جا چکی ہے کہ طلاق غصہ اور نشہ کی حالت میں بھی واقع ہو جاتی ہے۔ اسے غلط فہمی اور لاعلمی کے سوا کچھ نہیں کہیں گے کہ آدمی غصہ میں دی ہوئی طلاق کو قابل نفاذ تصور نہ کرے۔

ایک ہی مسئلہ کے بارے میں بار بار تفصیلی جواب دینا ہمارے لیے باعث کوفت ہے۔ ابھی چند ماہ قبل ہم اس مسئلہ کا جواب تفصیل سے دے چکے ہیں۔ لہٰذا اس وقت تفصیلی جواب کی ہم سے توقع مت رکھیے۔

انشورنس

(حیدرآباد کے کبیر احمد مخاطب ہوں)

شرعی نقطۂ نظر سے انشورنس ناجائز ہے۔ اس کی تفصیل اگر مطلوب ہو تو بیمہ زندگی نام کی کتاب پڑھیے۔ یہ مکتبہ تجلی سے مل سکتی ہے۔

تعداد رکعات تراویح

(احمد آباد کے نسیم بیگ مخاطب ہوں)

اہل حدیث کا مسلک یہی ہے کہ تراویح آٹھ سے زائد نہ پڑھو۔ ہمیں اس سلسلہ میں ان سے کوئی شکایت نہیں ہونی چاہیے۔ لیکن اگر کوئی اہل حدیث یہ کہتا نظر آئے کہ احناف نے تراویح کے سلسلہ میں بیس رکعات کا تعین از خود کیا ہے اور اس سلسلہ میں ان کے پاس کوئی دلیل موجود نہیں تو اسے آپ جھوٹا، چرب زبان سمجھیے اور بس۔

نور و ظلمت کا تجزیہ

قرآن اور تصور توحید

اسلام میں توحید کا تصور اور عقیدۂ الوہیت بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ دین کا سارا نظام اسی اساس پر قائم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اس مسئلہ کی توضیح و تشریح میں بڑی تفصیل سے کام لیا ہے اور بے شمار پہلوؤں سے اس قدر اس کی وضاحت کردی ہے کہ اس سے زیادہ ممکن ہی نہیں۔ اس ساری تفصیل و تفہیم کا مقصد یہی ہے کہ اب کوئی بھی انسان توحید کے نام پر فریبِ توحید میں مبتلا نہ ہو۔ لیکن سخت افسوس ہے کہ اہل زمانہ کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ کی بڑی تعداد توحید الوہیت کے نام پر فریبِ توحید اور شرک فی الالوہیت میں مبتلا ہے۔ اور قرآن سے ہدایت و رہنمائی کی مدعی بھی!

دعوت انبیاء کا نچوڑ

تمام پیغمبروں کے پیغام کا یہی نچوڑ اور یہی وصیت تھی کہ — اے قوم۔ تم اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی اور رب و معبود نہیں" تم اللہ ہی کی عبادت اختیار کرو اور اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرو،" حضرت نوح ؑ نے اپنی قوم کو خطاب کر کے یہی فرمایا۔ حضرت ہود ؑ، حضرت صالح ؑ اور حضرت شعیب ؑ نے لوگوں کو یہی پیغام پہونچایا۔ حضرت ابراہیم ؑ نے اپنی قوم کے سامنے یہی دعوت پیش کی اور شرک اور مشرکین سے اپنی برات ظاہر فرمائی "میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو مگر ہاں۔ جس نے مجھکو پیدا کیا پھر وہی میری رہنمائی کرتا ہے (پ ۲۵ ع ۹)

حضرت یعقوب ؑ نے اپنی اولاد کو یہی وصیت کی "اللہ نے اس دین کو تمہارے لئے منتخب فرمایا ہے سو تم بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جان مت دینا (پ ۱ ع ۱۶)

حضرت یوسف ؑ نے مصر کے جیل خانہ میں اسی کا درس دیا حضرت یونس ؑ نے مچھلی کے پیٹ میں بھی اس کا نعرہ بلند کیا حضرت لوط ؑ نے اپنی قوم کو اسی کی طرف بلایا۔ حضرت موسیٰ ؑ نے فرعون اور قوم فرعون کو یہی دعوت پہنچائی اور حضرت عیسیٰ ؑ نے شام و فلسطین کے صحراؤں میں اسی کی تعلیم دی۔ اور اسی دعوتِ توحید کے ساتھ خدا کے آخری پیغمبر ؐ مبعوث ہوئے جن پر تعلیم توحید کو مکمل اور محفوظ کر دیا گیا اور مجموعی حیثیت سے سارے انسانوں کو یہی دعوت پیش کی گئی۔

> اے لوگو! میں تم سب کی طرف اسی اللہ کا بھیجا ہوا ہوں۔ جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے سو ایمان لاؤ اللہ پر۔
>
> (پ ۹ ع ۹)

اس طرح دعوتِ توحید پر اگلے پچھلے سارے پیغمبروں کا اجماع ہے۔ قبل و ما بعد تاریخ کے ہر دور میں ان کے ذریعہ انسانوں کو یہی دعوت پیش کی گئی۔ اور دین پر

پر چلنے پر فلاح وکامرانی کی بشارت دی گئی

"ہم نے آپ سے پہلے کوئی ایسا پیغمبر نہیں
بھیجا جس کے پاس ہم نے یہ وحی نہ بھیجی ہو کہ
میرے سوا کوئی معبود نہیں بس میری ہی عبادت
کا رویہ اختیار کرو"۔ (پ ۱۷ رکوع ۲)

عبادت کی قسمیں

عبادت کی تفصیل۔ قرآن کے آئینہ میں حسب ذیل انداز میں کی جا سکتی ہے۔

(۱) عبادت اعتقادی —— یہ عبادت کی سبھی قسموں کی اصل ہے۔ اسی کو "توحید الوہیت" کہتے ہیں قرآن کے محاورہ عبادت کے معنی اسی توحید کے ہیں۔ یہ اس امر کا اعتقاد ہے کہ اکیلا اللہ ہی الٰہ معبود اور رب احد ہے، وہی خالق ہے اور خلق اور امر سب اسی کا ہے، وہی مالک ہے، وہی حاکم ہے اور اسی کے ہاتھ میں نفع وضرر ہے، وہی مولیٰ ہے۔ لہذا دعا، ندار، استقامۃ، استعانت ومدد طلبی، التجاء، رجا خوف، سب صرف اللہ ہی سے ہوں۔ غیر اللہ سے نہ ہوں

(۲) عبادت لفظی — یعنی کلمۂ توحید کا زبان سے اقرار

(۳) عبادت بدنی — جیسے قیام ورکوع اور سجدہ نماز میں

(۴) عبادت صوم اور افعال حج جیسے طواف، ذبح، نحر وغیرہ

(۵) عبادت مالی۔ جیسے زکوٰۃ وصدقہ اور انفاق وغیرہ

کلی طور پر عبادت کی تعریف یوں کی جا سکتی ہے "غیبی نفع کے حصول اور ضرر سے بچنے کے لئے مخلوق جو کام کرتی ہے وہ عبادت ہے۔ قرآن خود اس کی تصریح کرتا ہے کہ اگر اس کی اجازت اللہ نے دی ہے تو وہ اللہ کی عبادت ہے۔ اور اگر اللہ نے اس کی اجازت نہیں دی ہے تو وہ غیر اللہ کی عبادت یعنی شرک ہے۔

شرک افعال عبادت کی راہ سے داخل ہوتا ہے۔

عبادت کے ان ہی افعال و عقائد میں اکثر شرک واقع ہوتا ہے۔ دنیا کے اکثر انسان (جن میں بہت سے مسلمان بھی شامل ہیں) عبادت ہی کے معاملے میں شرک میں گرفتار ہوتے رہے ہیں۔ یعنی انھوں نے غیر اللہ ہی کو اپنا معبود قرار دیا، کیوں کہ انھوں نے انھیں (غیر اللہ کو) نافع وضار سمجھا) اسی کے تصور کے تحت ان کی تعظیم کی۔ اپنی حاجتوں میں انھیں سے فریاد رسی چاہی۔ ان سے استعانت کی۔ انھیں کو پکارا۔ انھیں سے التماو استغاثہ کیا۔ اور انھیں کی نذر و نیاز میں اپنا مال صرف کیا اور جانوروں کو انھیں کے نام ذبح کر کے ان کا تقرب چاہا۔ لیکن پیغمبروں نے ایسے لوگوں کو "صرف خدا کی عبادت کی عبادت کی دعوت دی تو ان کا جواب ہمیشہ کچھ اسطرح رہا

"کیا تم اس لئے آئے ہو کہ ہم سے یہ کہو کہ ہم صرف
ایک اللہ ہی کی عبادت کریں اور اپنے باپ دادا
(پوروجوں) کے معبودوں کو چھوڑ دیں"

(پ ۸ ع ۱۶)

قرآن میں دیکھا جا سکتا ہے کہ اس طرح کے لوگوں نے اللہ کا انکار نہیں کیا تھا۔ وہ اللہ کے قائل تھے۔ اس ذات پر ایمان رکھتے تھے۔ ان کو اس بات کا اقرار تھا کہ اللہ ہی ہمارا خالق ہے۔ (پارہ ۲۵ رکوع ۱۳)

انھیں اعتراف تھا کہ زمین وآسمان کو بھی اللہ ہی نے پیدا کیا ہے وہ رازق بھی اسی کو مانتے تھے۔ زندگی اور موت کا دینے والا اور مدبر امر بھی اسی کو تسلیم کرتے تھے۔

(پ ۱۱ ع ۹)

ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ اسی کے ہاتھ میں تمام چیزوں کا اختیار ہے اور وہی ہر شے کا پناہ گاہ ہے (پ ۱۸ ع ۵) اور وہی آسمانوں کا اور عرش عظیم کا مالک اور رب ہے (پ ۱۸ ع ۵)

جن پر قرآن نے شرک ہونیکا جرم عائد کیا ہے انھیں کے یہ افکار وعقائد نقل کئے گئے ہیں۔

اصل جرم

اب سوال یہ ہے کہ ایسے عقیدے رکھنے والوں کا اصل جرم کیا تھا؟

صاف ظاہر ہے کہ ان مشرکین کا اصل جرم "ذات باری تعالیٰ میں کسی کو شریک کرنا" نہیں تھا۔ وہ خدا کے برابر کسی ہستی کو ازلی وابدی نہیں مانتے تھے۔ مشرکین مکہ، جیسا کہ اوپر حوالوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ توحید ربوبیت تک کے قائل تھے۔ وہ حق تعالیٰ کی خالقیت ورزاقیت وحاکمیت کا نتے تھے اور

دوسروں کو خدا ہی کا مربوب، مخلوق و مملوک جانتے تھے۔
لیکن ان عقائد و اعتراف کے باوجود انھیں کافر و مشرک کیوں ٹھہرایا گیا۔ ان کے نیک اعمال برباد کیوں قرار دئے گئے، ان کو جہنم کی وعید کیوں سنائی گئی اور ان کا یہ ایمان باللہ کیوں ان کے کام نہ آیا؟ انھیں چوپایوں (کالانعام) تک کے زمرے میں کیوں شامل کیا گیا؟

سخت قابل غور مقام ہے —— مشرکوں کے ان سارے اعتقاد و اعتراف کے باوجود ان کا اصل جرم قرآن نے یہی "شرک فی العبادات" بتایا ہے جس کی وجہ سے وہ مشرک اور جہنمی ٹھہرائے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا نے ہر قوم اور ہر امت میں جو نبی بھی مبعوث فرمایا ان سب نے لوگوں کو توحید فی العبادت کی دعوت دی کہ صرف اللہ ہی کو معبود تسلیم کیا جائے۔ اس کے سوا کسی کو نہ پکارا جائے۔ عبادت کے سارے مظاہر و انوار اللہ ہی کے لئے خاص کئے جائیں۔ استعانت ہو یا استغاثہ، ذبح ہو یا نذر اور دعا ہو یا طواف، عبادت کی ہر شکل صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص کی جائے۔

(پ ۱۹ ع ۹)

قرآن نے اس توجیہ کو بھی تسلیم نہیں کیا ہے کہ "ہم بتوں یا اولیاء وغیرہ کو محض اپنا "شفیع" جانتے ہیں اور ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ اپنے بلند مرتبے کی وجہ سے خدا کے حضور ہماری سفارش کریں گے" یا یہ کہ "ان کی عبادت ہمیں اللہ کی ناراضگی سے چھڑا کر اس کا قرب عطا کر سکتی ہے"۔ (دیکھئے پ ۱۱ ع ۵ اور پ ۲۲ ع ۱۵)

اسطرح ہم نے دیکھا کہ قرآن کی نظر میں اس طرح کی "صالح پرستی یا ولی پرستی" یا "نبی پرستی" اور ان کے پرستار کوئی وزن نہیں رکھتے۔ یہ سب شرک اور گمراہی ہے۔ ہدایت اور توحید کی راہ نہیں۔

امام رازیؒ کی وضاحت

امام رازیؒ کی تشریح سے یہ بات اور بھی واضح ہو جاتی ہے۔ انھوں نے اپنی تفسیر کبیر میں سورہ یونس کی آیت نمبر ۱۸ کے تحت لکھا ہے:-

"بت پرستوں نے یہ اصنام اور تصویریں اپنے پیغمبروں اور ولیوں کی صورتوں پر تراشے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ جب ہم ان کی عبادت میں مشغول ہوں گے۔ تو یہ بزرگ اللہ کے پاس ہماری شفاعت کریں گے۔ اس کی نظیر اس زمانہ میں اکثر لوگوں کی اپنے بزرگوں کی قبروں سے مشغولیت ہے اس عقیدے سے کہ اگر ان قبروں کی تعظیم ہم کریں گے تو یہ اللہ کے نزدیک ہمارے شفیع ہوں گے۔"

لازمی نتائج

شرک اور توحید سے متعلق قرآن کی روشنی میں جو کچھ کہا گیا ہے اس سے چند باتیں لازم آتی ہیں:-

(۱) نزول قرآن کے وقت یا اس سے پہلے کے بت پرست حقیقت میں انبیاء پرست اور اولیاء پرست تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں مشرک قرار دیا۔

(۲) وہ خود اس امر کے قائل تھے کہ بت ہمارے مستقل معبود نہیں ہیں بلکہ ہمارا حقیقی اور مستقل معبود اللہ ہی ہے اور یہ صرف ہمارے سفارشی ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کسی کو شفیع یا سفارشی جان کر بھی اس کی عبادت کرنا شرک ہے

(۳) عبادت کے جو کام ان مشرکین سے صادر ہوئے (مثلاً غیر اللہ سے دعاء، استمداد و استعانت، نذر و نیاز کا معاملہ نفع و ضرر کے اعتقاد کے ساتھ ان کی تعظیم اور رجاء خوف کا تعلق، ان کے ساتھ فقر و ذلت کی نسبت جوڑنی وغیرہ) اگر کسی کلمہ گو سے بھی صادر ہوں تو اس پر بھی شرک کا حکم ہوگا۔ اور اسکا دعوئے ایمان و اسلام بے وزن ہوگا آپ اوپر امام رازیؒ کی تحریر دیکھ ہی چکے ہیں کہ انھوں نے قبر پرستوں کو بت پرستوں کا نظیر قرار دیا ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بھی لات اور عزیٰ کی پرستوں کو قبر پرستوں کے مماثل قرار دیا ہے (التفہیمات الٰہیہ جلد ۲ ص ۴۵)

(۴) قرآن کی رو سے جب غیر اللہ کو شفیع جان کر ان کی عبادت کرنا شرک ٹھہرا تو پھر ان کو مستقلاً عالم میں تصرف کرنے والا

جان کران کے ساتھ عبادت کا رویہ اختیار کرنا تو بدرجہ اولیٰ شرک ہوگا۔ مثلاً انبیاء و اولیاء سے اولاد مانگنا، روزی میں کشادگی چاہنا یا دیگر ضروریات میں دُعا کرنا۔

جیساکہ اس سے پہلے کیا گیا، ندا، دُعا، استغاثہ، استعانت نذر، قربانی، طواف، عجز کا اظہار اور فریاد رسی وغیرہ لوازم عبودیت ہیں اور ان سب کا افعال عبادت ہونا قرآن سے ثابت ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ اللہ ہی واحد معبود اور واحد رب ہے تو پھر ان افعال عبادت کا تعلق بھی صرف اسی سے ہونا چاہیے کہ غیر سے نہیں۔ اور جنھوں نے ان امور کا تعلق اور سے روا رکھا ان پر قرآن میں تنبیہ کی گئی اور مشرک قرار دیا گیا اور صاف لفظوں میں یہ بھی سنا دیا گیا ہے کہ اس طرح تم دوسروں کو اللہ تعالیٰ کا ہمسر ٹھہرا رہے ہو جو قطعاً باطل اور صریحاً کفر و شرک ہے اور یہ حرکتیں نہ تمہیں اللہ سے قرب عطا کریں گی اور نہ تمہاری سفارشی بن سکیں گی۔

اس سلسلے میں قرآن کے حسب ذیل مقامات کا مطالعہ خصوصاً کسی معتبر تفسیر کی مدد سے بہت مفید ثابت ہوگا۔

قرآن پارہ ۵ رکوع ۳، پ ۸ ع ۱۴، پ ۹ ع ۱۴، پ ۱۱ ع ۱۶، پ ۱۳ ع ۸، پ ۱۷ ع ۱۷، پ ۱۹ ع ۹، پ ۱۹ ع ۱۶، پ ۲۳ ع ۱۵، پ ۲۹ ع ۱۱،

ویسے پورا قرآن دعوتِ توحید ہے اور شرک کو "ظلم عظیم" قرار دیتا ہے۔ غیر خدا کو پکارنا اور ان سے اپنی حاجتیں طلب کرنا ہمیشہ سے مشرکین کا شیوہ رہا ہے اور اس کے برعکس مومنوں کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ہی مانوس ہوتا ہے، درد و غم اور رنج و الم اور ساری حاجتوں میں اسی کو پکارتا ہے، اسی لئے امیدیں وابستہ کرتا ہے اور اسی سے لو لگاتے ہیں قلبی سکون حاصل کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"ایسے صابرین کو بشارت سنا دیجیے کہ ان پر جب
کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ
تعالیٰ ہی کی ملک ہیں اور ہم سب اللہ تعالیٰ ہی
کے پاس جانے والے ہیں۔ (پ ۲ ع ۳)

دعائے موسوی اس آیت کی بہترین تشریح ہے "اے حق تعالیٰ

آپ ہی کے لئے تمام تعریف سزاوار ہے۔ آپ ہی کی طرف ہماری شکایت ہے اور آپ ہی سے فریاد ہے۔ اور آپ ہی مدد میں۔ ہمیں کوئی دوسرا نہ بچا سکتا ہے اور نہ سوائے آپ کے نہ کسی میں حرکت ہے نہ قوت"[1]

مندرجہ بالا آیت میں صابروں کو جو بشارت دی گئی ہے اس کی تفصیل میں آگے مزید ارشاد فرمایا جاتا ہے۔

"انھیں لوگوں پر خاص خاص رحمتیں ہیں ان کے
پروردگار کی طرف سے اور عام رحمت بھی ہے
اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں"۔

قابل غور ہے کہ اس کے برعکس طرز عمل اختیار کرنے والے نہ خاص رحمتوں کے لائق ہیں اور نہ عام رحمت کے مستحق اور نہ ہدایت کے قابل۔ یعنی درد و غم میں غیر اللہ کی طرف شکایت لے جانے والے۔ انھیں کو اپنی جان و دل کی پناہ گاہ سمجھنے والے حق تعالیٰ کی نفرین کے لائق، غضب کے قابل اور ضلالت میں گرفتار اور گمراہ ہیں قرآن میں پیغمبروں کی سیرت دیکھی جا سکتی ہے جنھوں نے ہر درد و تکلیف اور ہر حاجت و موقع پر صرف اللہ ہی کو پکارا ہے اور اسی سے فریاد کی ہے اور اپنی امت کو یہی تعلیم دی ہے۔ اور یہی بنیادی اور اصولی تعلیم حضور اکرم ﷺ کی بھی ہے۔

دعوتِ توحید اور شرک سے اجتناب کا مسئلہ اتنا اہم ہے کہ قرآن نے مختلف پیرائے میں بار بار اس کی تاکید کی ہے۔ دل و دماغ کو جھنجھوڑا ہے اور فطرتِ انسانی کو دستک دی ہے۔

"کیا تم سچ مچ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ
کچھ اور معبود بھی ہیں؟ آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ میں
تو یہ گواہی نہیں دیتا۔ آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ وہ
تو بس ایک ہی معبود ہے اور میں تمہارے
شرک سے بیزار ہوں" (الانعام رکوع ۲)

---

[1] بحوالہ قرآن اور تعمیر سیرت صفحہ ۶۶

۲

اس سے پہلے عبادت کے اہم پہلوؤں پر بحث کی جا چکی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن نے جن لوگوں پر شرک میں ملوث ہونے کا الزام لگایا ہے وہ غیر اللہ کو مقرب و شفیع اور نفع و نقصان پہنچانے کا مالک جان کر ان سے اپنی حاجتوں کے وقت فریاد رسی چاہتے تھے۔ اور مدد و دعا کیلئے انھیں کو پکارتے تھے۔ یہی ان کا شرک تھا "اشراک فی التصرف" تھا۔ اس طرح کا طرز عمل جو بھی اختیار کرے گا۔ اسی پر شرک کا اطلاق کیا جائے گا۔ خواہ وہ کلمہ گو ہی کیوں نہ ہو۔

اگر آپ غور کریں تو اس شرک میں "اشراک فی العلم" بھی لازماً شامل ہے، کہ درد و مصیبت کے وقت غیر اللہ کو پکارنے والا اس یقین کے ساتھ ہی پکارتا ہے کہ وہ اس کے استغاثہ اور پکار کو ہر وقت اور ہر جگہ سے سُن بھی سکتے تھے، اور اپنی قدرت سے تصرف بھی کر سکتے ہیں۔ پکارنے والوں کو اسطرح کا یقین نہ ہو تو وہ یہ رویہ اختیار ہی نہیں کر سکتے اسطرح وہ غیر اللہ کے لئے علم غیب بھی ثابت کرتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی کسی معبود یا پکار سننے والے کا تصور کیا گیا ہے۔ علم غیب تصور الوہیت و معبودیت کا لازمی جز مانا گیا ہے۔ اس طرح اس مسئلہ میں بھی انسانوں کی اکثریت فریب توحید یعنی شرک فی العلم میں مبتلا ہوتی رہی ہے اس فریب اور جہالت سے بچنے کے لئے قرآن نے پوری وضاحت سے کام لیا ہے۔ صاحب تفسیر انوار التنزیل کے الفاظ میں غیب وہ امر ہے جس پر نہ عقلی دلیل قائم ہو سکتی ہے۔ نہ وہ بدیہی ہو اور نہ اس تک حواس کی رسائی ہو" قرآن کا کہنا ہے کہ علم غیب خصائص الٰہیہ میں سے ہے اور غیر اللہ سے قطعاً مسلوب ہے۔ علم غیب خاصہ حق تعالیٰ ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور کو مکمل اور تفصیلی علم غیب حاصل نہیں ہے۔ اس سلسلے کی ضروری آیتیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) آسمانوں اور زمینوں میں جتنی غیب کی باتیں ہیں اُن کا علم خدا ہی کو ہے اور سب امور اسی کی طرف رجوع ہوں گے"۔ (پ ۱۲ ع ۱۰)

(۲) "اے نبی آپ فرما دیجئے کہ جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں موجود ہیں کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا بجز اللہ تعالیٰ کے اور ان کو یہ خبر نہیں کہ کب دوبارہ زندہ کئے جائیں گے" (پ ۲۰ ع ۱)

(۳) "تمام آسمانوں اور زمین کا علم غیب اسی کو ہے اور وہی دیکھنے والا اور سننے والا ہے" (پ ۱۵ ع ۱۷)

(۴) "اے نبی آپ کہہ دیجئے: غیب کی خبر صرف خدا کو ہے۔ (پ ۱۱ ع ۱۷)

حسب ذیل آیاتِ قرآنی میں علم غیب کی غیر اللہ سے مطلق نفی کر دی گئی ہے۔

(۵) "اور اللہ کے پاس کنجیاں ہیں تمام مخفی اشیاء کی، اس کے علاوہ وہ انھیں کوئی نہیں جانتا۔ (پ ۷ ع ۱۳)

(۶) "اے نبی آپ کہہ دیجئے: میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس میرے پروردگار کے خزانے ہیں، نہ میں علم غیب رکھتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو بس جو کچھ وحی میرے اوپر ہوتی ہے اسی کی پیروی کر رہا ہوں" (الانعام ع ۵)

(۷) آپ فرما دیجئے: میں خود اپنی ذات خاص کے لئے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا مگر اتنا ہی جتنا خدا نے چاہا ہو اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو میں صرف بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہوں انھیں جو ایمان لائے ہیں۔ (پ ۹ ع ۲۳)

نمبر ۵ کے تحت جس میں "تمام مخفی اشیاء کی کنجیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے حضور اکرم نے اس کی مزید تشریح ان آیات سے فرمائی ہے:-

" بیشک اللہ ہی کو قیامت کی خبر ہے اور وہی پانی

برساتا ہے اور وہی جانتا ہے جو کچھ رحم میں ہے،
کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا
اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں
مرے گا۔ بلاشبہ اللہ سب باتوں کا جاننے
والا باخبر ہے" (پ ۲۱ ع ۱۳)

ان آیات میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ زمین و آسمان کے سارے حوادث اور وقائع ان امور غیب میں شامل ہیں اور تمام خزائن غیب کی کنجیاں خدا ہی کے پاس ہیں اور ظاہر ہے کہ جب خزانہ کی کنجی ہی کسی کو نہ ملے تو وہ اس میں سے کچھ بھی نہیں پا سکتا۔ ان امور غیب میں قیامت کے واقع ہونے کا علم بھی ہے اور سارے ہی انبیاء اس کی خبر دیتے رہے ہیں لیکن اس کے باوجود قرآن نے وقت وقوع قیامت کے علم کی نفی ہر پیغمبر سے کی ہے اور خود پیغمبروں سے بھی اس کی تصدیق کرائی ہے۔

"یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے
ہیں کہ کب واقع ہوگی؟ آپ کہہ دیجئے کہ اس
کا اس کا علم تو میرے رب ہی کے پاس ہے
اس کے وقت پر بجز اللہ کے کوئی ظاہر نہ کریگا"

اس سلسلے میں مزید ارشاد ہوتا ہے۔

"یہ آپ سے اس طرح سوال کرتے ہیں گویا
آپ اس کی تحقیقات (حفی) کر چکے ہیں۔ آپ کہہ
دیجئے کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے"
(الاعراف ع ۲۳)

"...... یہ علم تو اللہ ہی پر منتہی ہوتا ہے اور آپ
تو بس اسے ڈرانے والے ہیں جو اس سے ڈرتا ہو"
(نازعات)

"........ مجھے علم نہیں کہ جس چیز کا تم سے وعدہ
کیا جاتا ہے آیا وہ نزدیک ہے یا میرے رب
نے اس کے لئے کوئی مدت دراز مقرر کی ہے
غیب کا جاننے والا بس وہی ہے (جن ع ۲)

"........ آپ کہہ دیجئے کہ اس کی خبر تو بس
اللہ ہی کے پاس ہے۔۔۔ اور آپ کیا جانیں
عجب نہیں کہ قیامت قریب ہی واقع ہو جائے
(الاحزاب ع ۸)

ظاہر ہے کہ جب دعوتِ اسلام کے اس اہم ترین جز سے متعلق بھی تفصیلی علم عطا نہیں فرمایا گیا تو پھر دنیا بھر کی اور باتوں کا معلوم ہونا کیسا۔ ڈاکٹر میر ولی الدین لکھتے ہیں کہ خود سے علم غیب کی نفی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بطور تواضع اور ادب نہیں فرما رہے ہیں بلکہ بطریق اعتقاد قلبی پیش فرما رہے ہیں کیوں کہ علم غیب حق تعالیٰ ہی کی خصوصیت خاصہ ہے۔ جب حق تعالیٰ چاہتے ہیں کسی نبی یا رسول کو بذریعہ وحی کسی غیب پر مطلع فرما دیتے ہیں (سورہ جن آیات ۲۶، ۲۷) انبیاء سے علم غیب کی نفی عقائد اسلام میں داخل ہے۔ اور کافۂ اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے۔ یہ عقائد خود انبیاء ؑ کے تعلیم کردہ ہیں لہذا انبیاء سے علم غیب کی نفی کرتے ہیں۔ ان کی کسی طرح تحقیر نہیں ہوتی۔ ایسا سمجھنے والا مجنوں ہے کتاب وسنت سے جاہل! دیکھو سورہ نمل میں حق تعالیٰ ہُد ہُد کا قول نقل فرما رہے ہیں یعنی ہُد ہُد حضرت سلیمان ؑ سے مخاطب ہو کر کہہ رہا ہے "میں ایسی بات معلوم کر کے آ رہا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں ہوئی" اس آیت کو سن کر کوئی ہُد ہُد کا بچہ بھی ایسی بیوقوفی نہ کرے گا کہ انبیاء اور اولیاء کو علم غیب سے متصف سمجھ کر دور دور سے استعانت کے لئے پکارے اور سمجھے کہ وہ اس کی پکار کو سن لیتے ہیں، آدمی کے بچے کا تو کیا ذکر ہے [۵]!

اس سلسلے میں چند حدیثیں بھی پڑھ لیں جن سے غیر اللہ سے علمِ غیب کی کلّی نفی ہوتی ہے۔

(۱) "باوجود اس کے کہ میں خدا کا نبی ہوں پھر
بھی نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ پیش
آئیگا۔ اور تمہارے ساتھ کیا معاملہ پیش آئے"
(بخاری میں ام العلاء سے روایت)

۵؎۔ قرآن اور تعمیر سیرت ص۷۶۔

(۲) حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ "جو تجھ سے یہ کہے کہ آنحضرت ﷺ وہ پانچ باتیں جانتے تھے جن کا اللہ نے ذکر کیا ہے (آخر سورہ لقمان میں) تو اس نے بڑا طوفان باندھا" (بخاری)

(۳) ربیع بنت معوذ کی شادی کے موقع پر جہاں حضور اکرم ﷺ بھی تشریف فرما تھے کچھ لڑکیوں نے گانے میں یہ مصرع بھی جوڑا (——" .... ہم میں ایک ایسا نبی ہے جو جانتا ہے کہ کل کیا ہوگا" اس پر آپ ﷺ نے فرمایا ایسا مت کہو بلکہ جو پہلے گا رہی تھیں وہ گائے جاؤ۔"

(بخاری)

ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نظام ہدایت کی بزرگ ترین اور کامل ترین ہستی اپنی ذات مقدس سے علم غیب کی نفی فرما رہی ہے۔ پھر بھی نبی اکرم ﷺ کی جانب علم غیب کی نسبت کرنا حقیقتاً بہت بڑی جسارت ہے حق تعالیٰ نے اس بات کی خبر نہیں دی ہے کہ زمین و آسمان میں جتنے حوادث و واقعات ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ ان کی اطلاع کسی نبی یا ولی کو اس نے دے رکھی ہے۔ لہٰذا کسی نبی یا ولی کے لئے ان کے علم کا دعویٰ کرنا بے دلیل بھی ہے اور آیات قرآنیہ کا صریح انکار بھی۔

عبدالماجد دریابادی تحریر فرماتے ہیں کہ قدرت کامل کی طرح علم کامل کی صفت بھی خاصۂ خداوندی ہے اسلام میں پیغمبر کا بھی علم ہر دوسرے بشر کی طرح محدود ہی ہوتا ہے، گو اسکا دائرہ عام بشری علم سے کہیں زیادہ وسیع ہو۔ یہ پیغمبری دائرہ علم وسیع ہونا بھی ہو۔ بہرحال محدود ہی ہوگا۔ اور اسی کے لئے بھی ایک عالم غیب کا ہوگا۔ اسلام اس عقیدے کے شائبہ کا بھی روادار نہیں کہ رسول بھی کوئی حاضر و ناظر ہوتے ہیں یا کسی معنی میں بھی عالم کل ہستیاں ہیں۔

اس سلسلے کی متعدد آیات پہلے پیش کی جا چکی ہیں۔ ذیل کی آیت میں ملاحظہ ہو کہ علم غیب کی نفی مجموعی حیثیت

سے ساری نبیوں سے کی جا رہی ہے!

(میدان حشر کے ایک منظر کے سلسلے میں)

"وہ دن بھی یاد کرو جب اللہ سارے رسولوں کو اکٹھا کرے گا اور ان سے سوال کرے گا۔ کہ تمہیں اپنی اپنی امتوں کی طرف سے کیا کیا جواب ملا۔ وہ عرض کریں گے ہمیں کوئی علم نہیں، غیب کی باتوں کا تو بس تو ہی خوب والا ہے" (مائدہ ع ۱۵)

"پیغمبر کا کام تو صرف پیغام کا پہونچا دینا ہے۔ اس کے بعد تم جو ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو اسکا علم تو اللہ ہی کو ہے۔"

(مائدہ ع ۱۳)

ان بالواسطہ طریقوں کے علاوہ قرآن نے فرداً فرداً بھی بہت پیغمبروں سے علم غیب، علم کامل اور کامل قدرت کی نفی پُرزور الفاظ میں کر دی ہے تاکہ ان کی امتیں اور بالخصوص امت محمدیہ شرک و گمراہی کے ہر شائبہ سے محفوظ رہ سکے کیوں کہ پچھلی بہت ساری توہیں یا امتیں دین و اعتقاد حق میں غلو کر کے گمراہ ہوئیں ہیں۔

حضرت نوح ؑ سے ایک موقع پر ارشاد فرمایا جاتا ہے۔

"ایسی چیز کا سوال مجھ سے نہ کرو جو تمہارے دائرہ علم سے باہر ہے۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم نادان نہ بن جاؤ" (ہود ع ۴)

اور قوم کو دعوت حق دینے سے پہلے دینی پوزیشن ان کے ساتھ رکھ دیتے ہیں۔

"میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں علم غیب ہی رکھتا ہوں

(ہود ع ۳)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک بندۂ مقرب کے پاس بھیجا گیا تو آپ نے اُن سے عرض کیا۔

"کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں؟ آپ مجھے بھی اس علم میں سے کچھ سکھا دیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے"

(کہف ع ۹)

حضرت عیسٰی کے ذکر میں ہے کہ جب حشر میں ان سے سوال ہوگا کہ کیا تم اپنی امت کو مسیح پرستی اور مریم پرستی کی تعلیم دے آئے تھے تو وہ جواب میں عرض کریں گے "

" میں کس طرح ایسی بات کہہ سکتا ہوں جو میرے لئے درست نہ تھی، اگر میں نے کہا ہوتا تو آپ کے علم میں ہے۔ غیبوں کے جاننے والے تو بس آپ ہی ہیں " (مائدہ ع ۱۶)

اسی طرح حضرت ہودؑ سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے۔ (الاحقاف ع ۳) حضرت یعقوبؑ سے اسکی نفی کی گئی ہے۔ (یوسف رکوع ۸) حضرت زکریاؑ سے اسکی نفی کی گئی ہے۔ (مریم رکوع ۱) حضرت ابراہیمؑ سے اس کی نفی کی گئی ہے (توبہ ع ۱۴) پیغمبر کے لئے علمی استعداد اور علوم وفنون میں مہارت بھی ضروری نہیں دیکھئے سورہ عنکبوت آیت نمبر ۴۸، خود حضور اکرمؐ کو اس کا علم نہ تھا کہ آپ کو نبوت اور کتاب ملے گی دیکھئے سورۂ قصص رکوع ۹ "۔۔۔۔ آپ کو توقع نہ تھی کہ یہ کتاب آپ پر نازل ہوگی، مگر یہ صرف آپ کے پروردگار کی رحمت ہے "۔

خلاصہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ ہی عالم کامل وعالم غیب ہیں، ان کے علاوہ مخلوقات میں کوئی ہستی عالم غیب نہیں ہے ان ہی کے علم عطا فرمانے پر انبیاء واولیاء کو غیب کے بعض واقعات کا علم ہوتا ہے، یہ اُن کی اختیاری چیز نہیں بلکہ یہ حق تعالیٰ کا اختیاری فعل ہے کہ جب چاہا، جتنا چاہا کسی نبی ورسول کو بذریعہ وحی غیب پر مطلع کر دیا۔ اسی بات کی قرآن کے صریح الفاظ میں وضاحت کی ہے، اسی حقیقت کو رسول اکرمؐ نے خوب کھول کر بیان کر دیا ہے اور اسی کی تائید آپ کی زندگی کے واقعات سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد بھی کوئی غلو فی الدین اور گمراہی میں مبتلا ہو تو اس کا وبال اسی کے سر ہے۔

" اے نبیؐ ہم نے سب انسانوں کے لئے یہ کتاب برحق تم پر نازل کردی ہے۔ اب جو سیدھا راستہ اختیار کرے گا اپنے لئے کرے گا۔ اور جو بھٹکے گا۔ اس کے بھٹکنے کا وبال اسی پر ہوگا تم ان کے ذمہ دار نہیں ہو "

(سورہ زمر آیت ۴۱)

اشراک فی التصرف اور اشراک فی العلم کی وضاحت کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ :-

(۱) درد یا مصیبت کے وقت نبی یا اولیاء اللہ کو اس عقیدے سے پکارنا کہ ہر جگہ سے یہ ہماری پکار سن لیتے ہیں اور ہماری اعانت کر سکتے ہیں یہ توشرک فی العلم اور شرک فی التصرف ہے، تمام فقہاء نے اس کی تکفیر کی ہے کیونکہ یہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے

(۲) اولیاء اللہ کی قبروں پر جاکر ان کو پکارنا۔ اسکی دو صورتیں ہیں (۱) ان سے یہ کہنا کہ "آپ میری فریاد کو سنئے میری بلا کو ٹال دیجئے۔ میری حاجت پوری کیجئے" اسطرح کی دعا یا استغاثہ سراسر شرک اور کفر ہے۔ یا یوں کہنا کہ (۲) "آپ میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ میری بلا کو ٹال دے اور میری حاجت پوری کردے" یہ قطعًا بدعت ہے۔ اسلام کے قرونِ خیر میں کسی نے ایسا نہیں کیا۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ نے ایک شخص کو دیکھا جو صالحین کی قبروں پر موخر الذکر انداز میں کہہ رہا ہے تو آپ نے عتاب آمیز لہجہ میں اس سے فرمایا ـــ "پھٹکار ہو تجھ پر! خاک آلود ہوں تیرے دونوں ہاتھ! ایسے جسم کیسے بات کر سکتے ہیں جو جواب کی طاقت ہی نہیں رکھتے، جو کسی شے کے مالک ہی نہیں۔ جو کوئی آواز بھی نہیں سن سکتے [1] "

امام اعظمؒ کے اس عتاب سے دو باتیں واضح ہو رہی ہیں:-

(۱) اولیاء وصالحین کی قبروں پر آکر ان سے خطاب کسی طرح جائز نہیں آپ نے ایسے لوگوں کو یہ دعا دی ہے جو اہل قبور سے دعا کے طالب ہوتے ہیں۔ اور اگر ان لوگوں کا حال آپ کے سامنے آتا جو اہل قبور سے رزق، صحت واولاد مانگتے ہیں۔ اور ان کے تصرف پر اعتقاد رکھتے ہیں یقینًا وہ ایسے لوگوں کو کافر ومشرک اور ملعون قرار دیتے اور گردن مارنے کا حکم دیتے

(۲) مردے نہ سن سکتے ہیں۔ نہ جواب دے سکتے ہیں۔ پھر بلاؤں اور مصیبتوں کا دور کرنا ان سے کیا ہو سکتا ہے!۔

(۳)

اسی ذیل میں شفاعت کے متعلق بھی اکثر لوگ افراط وتفریط یا غلط فہمی کا شکار ہیں، لہٰذا عقیدۂ توحید کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے شفاعت کا صحیح طور پر علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ شفاعت یا سفارش سے متعلق قرآن نے جتنی وضاحت کی ہے اگر سب کو دھیان میں رکھا جائے تو یہ تصور بالکل فطری اور حقیقی انداز میں سامنے آتا ہے اور پھر کوئی غلط فہمی باقی نہیں رہتی۔

شفاعت سے متعلق قرآن کی تصریحات :۔

۱۔ شفاعت کے بارے میں سب سے اہم اور اصولی بات یہ سمجھ لینی چاہئے کہ وہ حق تعالیٰ کی اجازت سے ہی ممکن ہوسکے گی ان آیات سے اس کی توضیح ہوتی ہے۔

(۱) "اس روز شفاعت نفع نہ دے گی مگر اس شخص کے لئے جس کے لئے اللہ نے اجازت دے دی ہو اور اس شخص کے واسطے بولنا پسند کرلیا ہو" (پ ۱۶ ع ۱۵)

(۲) "ایسا کون ہے جو اللہ کی بارگاہ میں سفارش کرسکے بلا اس کی اجازت کے" (پ ۳ ع ۲)

(۳) "اُن کی سفارش ذرا بھی کام نہیں آسکتی مگر اس کے بعد ہی کہ اللہ جس کے لئے چاہے اجازت دیدے اور راضی ہو" (پ ۲۷ ع ۶)

ان آیات میں یہ حقیقت ظاہر کردی گئی ہے کہ سفارش کرنے والا سفارش کرنے میں نہ خود مختار ہوگا اور نہ خود رائے کہ جس کے حق میں چاہا سفارش کردی۔ کفار ومشرکین کی بنیادی گمراہی وغلط فہمی یہ رہی ہے کہ وہ اپنے معبودوں کے بارے میں سفارشی ہونے کا ایسا ہی تصور رکھتے رہے ہیں کہ وہ جسے چاہیں خدا سے قرب عطا کردیں اور اس کے عذاب سے نجات دلادیں۔ کچھ اس قسم کا تصور شفاعت عموماً مسلمانوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ لیکن آپ دیکھیں کہ قرآن اس طرح کے تصور شفاعت کی جڑ ہی کاٹ دی ہے، وجہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے جو اس کے دربار میں بزور سفارش کرسکے۔ بلکہ حق تعالیٰ جس کو شفاعت کی اجازت مرحمت ف گے وہی زبان کھول سکے گا۔ علامہ ابن قیمؒ کے قول کے مطابق وہ ذ پاک خود اپنے نفس سے سفارش کرے گی یعنی اپنے آپ بندہ پر رحم کرنا منظور ہوگا۔ آیات کریمہ "شفاعت سا کی ساری اللہ کے لئے ہے" اور اللہ کے سوا نہ کوئی ولی اور نہ شفیع" کے یہی معنیٰ ہیں اور جس نے اللہ کے علاوہ ک اور کو اپنا ولی یا شفیع ٹھہرایا، اس کی مثال مکڑی کی ہے جس نے ایک گھر بنایا لیکن وہ سب سے زیادہ کمزور او بودا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

"آپ فرما دیجئے کہ جن کو تم خدا کے سوا سمجھ رہے ہو ان کو پکار دیکھو، وہ ذرہ برابر اختیار نہیں رکھتے۔ نہ آسمانوں میں اور نہ زمینوں میں، اور نہ اُن کی ان دونوں میں کوئی شرکت ہے اور نہ اُن میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔ خدا کے سامنے سفارش کسی کی کام نہیں آتی مگر اس کے لئے جس کی نسبت وہ اجازت دیدے — یہاں تک کہ جب لوگوں کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوگی تو وہ (سفارش کرنیوالے سے) پوچھیں گے کہ تمہارے رب نے کیا جواب دیا۔ وہ کہیں گے ٹھیک جواب دیا ہے اور وہ بزرگ وبرتر ہے"۔ (سورہ سبا آیات ۲۲، ۲۳)

ان آیات کا مطالعہ ذرا غور سے کریں۔ یہاں اسوقت کا نقشہ کھینچا گیا ہے جب قیامت کے روز کوئی سفارش کرنے والا کسی کے حق میں سفارش کی اجازت طلب کرے گا۔ اس نقشے میں یہ کیفیت ہمارے سامنے آتی ہے کہ طلب اجازت کی درخواست بھیجنے کے بعد شافع اور مشفوع دونوں نہایت بے چینی کے عالم میں ڈرتے اور کانپتے ہوئے جواب کے منتظر..... ہیں آخرکار جب اوپر سے اجازت آجاتی ہے، اور شافع کے چہرے سے مشفوع بھانپ جاتا ہے کہ معاملہ کچھ اطمینان بخش ہے تو اس کی جان میں جان آتی ہے۔ اور وہ آگے بڑھ کر شافع

سے پوچھتا ہے کہ "کیا جواب آیا؟" - شافع جواب دیتا ہے "ٹھیک ہے اجازت مل گئی ہے"۔ اس بیان سے جو بات ذہن نشین کرنی مقصود ہے وہ یہ ہے کہ نادانو! جس دربار کی شان یہ ہے اس کے متعلق تم کس خیال خام میں پڑے ہوئے ہو کہ وہاں کوئی اپنے زور سے تم کو بخشوالے گا۔ یا کسی کی یہ مجال ہوگی کہ وہاں مچل کر بیٹھ جائے اور اللہ سے کہے کہ یہ میرے متوسل ہیں انھیں تو بخشنا ہی پڑے گا۔ (تفہیم القرآن ۴/ ص۲۰)

اسی آیت کی تشریح میں علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ شرک کا رویہ اختیار کرنے والوں نے خدا کے علاوہ جسے اپنا معبود قرار دے رکھا ہے، وہ اسی لئے کہ انھیں اس سے نفع و شفاعت کی امید ہے، حالانکہ نفع اسی سے پہنچ سکتا ہے جس میں کم از کم حسب ذیل چار صفات میں سے ایک صفت پائی جاتی ہو۔

(۱) یا تو وہ اس شے کا مالک ہو جسکی امید یہ عابد کر رہا ہے اور جس کے لئے دعا کر رہا ہے۔

(۲) اگر مالک نہ ہو تو مالک کا "شریک" ہو۔

(۳) اگر شریک بھی نہ ہو تو کم از کم اسکا ظہیر و مددگار ہو۔

(۴) اگر مددگار بھی نہ ہو، مالک کے نزدیک شفیع ہو۔

اللہ تعالیٰ نے آیت زیر بحث میں ان چاروں امکانات کی ترتیب وار نفی فرما دی ہے۔ اعلیٰ صفت سے شروع کرکے ادنیٰ صفت کی طرف رجوع کرتے ہوئے ملک، و شرکت و مددگاری و شفاعت کی کلی نفی فرما رہے ہیں اور اثبات محض شفاعت کی اس صورت کا کیا گیا ہے جس سے شرک کرنے والوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اور یہ شفاعت حق تعالیٰ کی اجازت سے ہی ہوگی۔ یہ آیت ایک نور ہے، برہان و حجت ہے۔ اس سے توحید کا اثبات ہوتا ہے اور شرک کی ساری جڑیں کٹ جاتی ہیں۔

۲- شفاعت سے متعلق سب سے اہم بات، اوپر جس کی وضاحت کی گئی، وہ یہ ہے کہ بغیر حق تعالیٰ کی اجازت کے شفاعت ممکن ہی نہ ہو سکے گی۔ اس سلسلے میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ یہ اجازت صرف اسے مرحمت فرمائی جائے گی جس کے قول و فعل کو اللہ تعالیٰ پسند فرمائیں گے۔ فرشتوں کی اصل حیثیت بتلاتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:-

"اسی کے حضور کسی کی سفارش نہیں کی جا سکتی مگر اس شخص کی جس سے خدا خوش ہو" (۲۱: ۲۸)

۳- شفاعت کے متعلق تیسری اہم بات یہ ہے کہ کسی کا قول و عمل پسند نہ ہوگا سوائے توحید و اتباع رسول کے

اس تیسری شرط کو احادیث میں بیان فرمایا گیا ہے۔

ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ "دو باتوں کا تمام اولین و آخرین سے سوال کیا جائے گا:- تم کس کی عبادت کرتے تھے اور تم نے رسولوں کی کن کن باتوں پر عمل کیا" حدیث ابوہریرہؓ میں جسے امام احمد اور مسلم نے روایت کیا ہے، آیا ہے کہ انھوں نے حضور اکرمؐ سے پوچھا: آپ کن کن لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے۔ جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا: "جس نے صدق دل سے لا الٰہ الا اللہ کہا" اس سے معلوم ہوا کہ شفاعت اہل اخلاص کے لئے ہوگی۔ جنھوں نے کسی طرح کے شرک کا رویہ اختیار نہ کیا ہوگا۔ بخاری نے حضرت ابوہریرہؓ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں اور بھی وضاحت موجود ہے "میری شفاعت ہر اس شخص کے لئے ہوگی جس نے لا الٰہ الا اللہ کی زبانی بھی اور قلبی بھی، اخلاص کے ساتھ تصدیق کی ہوگی" مسلم کی روایت میں مزید یہ فقرہ بھی آیا ہے! "جس نے خدا کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ ٹھہرایا ہوگا"

شفاعت سے متعلق مندرجہ بالا تینوں اصولوں کو سمجھ لینے کے بعد شرک کے ہر شائبہ سے بچا جا سکتا ہے، قرآن و حدیث کی اس وضاحت کا منشا بھی یہی ہے۔ یعنی جس نے یہ سمجھ لیا کہ شفاعت اللہ ہی کے حکم و اجازت سے ہوگی اور اسی کے لئے ہوگی جس کے قول و فعل کو وہ پسند کرتے ہوں گے اور وہی قول و فعل اُن کو پسند ہوگا۔ جو شرک و بدعت سے پاک اور توحید و سنت کے مطابق ہو۔ وہ شفاعت سے متعلق کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہو سکتا۔ اس علم و یقین کے ہوتے ہوئے وہ مشرکین کی طرح کب اسکا قائل ہو سکتا ہے کہ

"ہم ان کی عبادت محض اس لئے کرتے ہیں کہ وہ خدا کے نزدیک ہمارے سفارشی ہوں گے" حدیثوں میں تفصیل موجود ہے کہ حضور انورؐ بارگاہِ خداوندی میں سجدہ ریز ہوں گے۔ خداوند قدوس کی حمد و ثنا کر رہے ہوں گے لیکن سجدے سے سر نہ اٹھائیں گے اور شکایت کے لئے اسوقت تک زبان نہ کھول سکیں گے جب تک کہ حق تعالیٰ کی اجازت نہ ہوگی۔" کہتے ہیں کہ کہا جائیگا شفاعت کیجئے: قبول کیجائے گی۔ مانگئے عطا فرمایا جائے گا" پھر آپ نے تصریح فرمادی کہ " میرے لئے ایک حد مقرر کر دی جائے گی" یعنی آپ شفاعت انھیں کی فرمائیں گے جن کا قول و فعل حق تعالیٰ کو پسند ہوگا ـــــ جس نے صدق دل سے توحید الوہیت کا اقرار کیا ہوگا۔ خدا کی ذات، صفات، حقوق اور اختیارات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہوگا۔ اسی کے لئے شفاعت کی اجازت ہوگی۔ اسی کی شفاعت کی جائے گی۔ اور اسی پر حق تعالیٰ رحم کرنا منظور فرمائیں گے۔ اور اسی کی بالآخر نجات ہوگی۔ اسی لئے قرآن نے بطور حقیقت نفس الامری یہ ارشاد فرمایا ہے " شفاعت ساری کی ساری اللہ ہی کے لئے ہے، اسی کے اختیار میں ہے۔ اے نبی آپ اسکا اعلان کر دیجئے" دیکھئے سورہ زمر آیت نمبر ۴۴۔ اور اسی آیت مبارکہ میں اس تخصیص کی بنیادی وجہ بھی ظاہر کر دی گئی ہے۔ "کیا خدا کے سوا دوسرے شفاعت کریں گے خواہ ان کے اختیار میں کچھ نہ ہو اور وہ سمجھتے بھی نہ ہوں (کہ دنیوی زندگی میں کس کا کارنامہ اور ریکارڈ کیسا رہا")

غیر اللہ کیلئے نذر

توحید کے نام پر فریب توحید میں مبتلا ہونے والوں کی بڑی تعداد ہمیشہ نذر و نیاز کے معاملہ میں بھی افراط و تفریط اور گمراہی میں مبتلا ہوتی رہی ہے۔ اسی لئے قرآن و سنت میں اس مسئلہ کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے۔

لغت کے لحاظ سے نذر و نیاز کے معنی وعدہ کرنا ہے خواہ نیکی کا ہو یا بدی کا۔ اور شرع میں نذر کا مطلب کسی عبادت کا اپنے اوپر لازم کر لینا ہے۔ جو لازم نہیں تھی چنانچہ تفسیر ابو المسعود میں اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ " نذر دل میں کسی چیز کا ارادہ کرنا اور اسکو لازم کر لینا ہے" تمام فقہاء نے اسی امر کی تصریح کی ہے کہ " "نذر اللہ کی قربت اور عبادت ہے"

چنانچہ سورہ بقر آیت ۲۷۰ سے بھی اس کی طرف اشارہ ملتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ " تم لوگ جب کوئی چیز خرچ کرتے ہو یا کسی طرح کی نذر مانتے ہو تو حق تعالیٰ کو یقیناً اس سب کی اطلاع ہے" آیت کا آخری ٹکڑا ہے" اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں" یعنی جن لوگوں نے خدا کی راہ کے علاوہ دوسری راہوں میں خرچ کیا ہوگا یا نذر اللہ کے سوا غیر اللہ کے لئے مانی ہوگی اس کی نیت خدا سے چھپی نہیں رہ سکتی پھر ایسے لوگوں کو ظالم قرار دیا گیا ہے۔

وجہ یہی ہے کہ نذر چونکہ عبادت ہی میں شامل ہے اس لئے غیر اللہ کے لئے اس کا بجالانا شریعت کی نظر میں شرک ہے۔ قرآن نے اہل عرب کے جن لوگوں کے طرز عمل پر گرفت کی ہے وہ نذر سے متعلق بھی شرک میں مبتلا تھے۔ انھیں مشرک کیوں قرار دیا گیا۔ قرآن کا بیان ملاحظہ ہو۔

" اللہ نے جو کھیتیاں اور مویشی پیدا کئے ہیں۔
ان لوگوں نے ان میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کیا
اور بزعم خود کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے۔
اور یہ ہمارے معبودوں کا"
(انعام: آیت ۱۳۷)

" یہ لوگ ہماری دی ہوئی چیزوں میں ان کا
حصہ لگاتے ہیں جن کے متعلق ان کو کچھ علم نہیں
قسم ہے خدا کی۔ تم سے تمہاری ان افترا
پردازیوں کی ضرور بازپرس ہوگی"
(نحل آیت ۵۶)

اسی آیت کی توضیح میں شاہ عبد القادرؒ فرماتے ہیں کہ

کا فر اپنی کھیتیوں اور مویشیوں کے بچوں میں اور تجارت میں سے اللہ کی نیاز نکالتے اور بتوں کی بھی نیاز نکالتے تھے۔ جنھیں اپنی جہالت اور بے خبری سے معبود یا مالک نفع و ضرر سمجھتے تھے۔ حق تعالیٰ ان کے اس ظلم اور بے انصافی اور افترا پردازی کی مذمت فرما رہے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اگر یہی طرز عمل ہم خود اختیار کریں تو قرآن کی نظر میں ہم ظالم اور مشرک کیوں نہ ٹھہریں گے؟

جو لوگ بزرگوں کی نذر کرتے ہیں ان کے قول و فعل کا تجزیہ کرکے دیکھئے کیا کچھ سامنے آتا ہے،

۱- تقرب اور عبادت؟ — یہ صریحاً شرک ہے

۲- مقصود برآری اور حاجت برائی؟ — یہ عقیدہ شرک و حرمت دونوں پر مشتمل ہے۔

۳- ایصال ثواب —؟ — یہ جائز ہے، لیکن یہاں نیت کے صحیح ہونے کی سخت ضرورت ہے، غور کیجئے۔

آپ کو خود اپنی نجات کی زیادہ فکر ہونی چاہیئے۔ خود ثواب کمانے پر زیادہ مائل ہونا چاہیئے۔ اس کو چھوڑ کر دوسروں کو ثواب پہنچانے کی فکر آپ کو زیادہ دامن گیر معلوم ہوتی ہے۔ پھر آپ کے آبا و اجداد اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ انھیں ثواب پہنچاؤ، اسکا آپ کو زیادہ خیال نہیں ہوتا۔ پیروں اور شہیدوں کی نیاز اور فاتحہ التزام کے ساتھ کرتے ہو۔ ذرا ایمان کی روشنی میں اپنا جائزہ لو کیا آپ کی غرض یہ تو نہیں کہ ایسا کرنے سے آپ کے مال میں برکت ہوگی۔ بال بچے تندرست اور عافیت سے رہیں گے تجارت میں نقصان نہ ہوگا۔ اور دوسری برکتیں یوں تے ملیں گی اور وہ آپ کے سفارشی ہوں گے — اگر آپ ان اغراض اور جذبوں سے بزرگوں کی نیاز کرتے ہیں (مثلاً حضرت پیر رحؒ کی گیارہویں) تو مشرکین کی طرح انھیں آپ اپنا معبود بنا رہے ہیں، ان کو نفع و ضرر کا مالک سمجھ رہے ہیں — کتاب و سنت کی رو سے یہ کھلا ہوا شرک ہے، ایک بزرگ شارح درر علامہ شامی رحؒ کے اس بیان پر غور کیجئے۔

وہ نذر جو عوام کرتے ہیں مثلاً کہتے ہیں کہ اے میرے بزرگ (کسی ولی یا نبی کو مخاطب کرکے) اگر میرا غائب واپس آجائے یا بیمار اچھا ہو جائے یا میری فلاں حاجت پوری ہو جائے تو آپ کے لئے اتنا سونا یا چاندی یا کھانا و شربت یا تیل بطور نذر پیش کروں گا۔ ایسی نذر بالاجماع باطل ہے کیونکہ یہ مخلوق کی نذر ہے اور نذر چونکہ عبادت ہے اس لئے یہ مخلوق کیلئے جائز نہیں۔ پھر جس کے لئے نذر مانی ہے وہ میت ہے اور میت کسی چیز کا مالک نہیں۔ اور اگر نذر ماننے والا یہ بھی خیال کرے کہ میت کو اختیار و تصرف حاصل ہے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر اس طرح کہا جائے کہ "یا اللہ! میں نے تیری نذر کی کہ اگر تو میرے ساتھ یہ معاملہ کرے تو میں فقیروں کو کھانا کھلاؤں گا۔ یا امام شافعی کے دروازے والوں کو کھانا دوں گا تو یہ جائز ہے کیونکہ اس میں نذر اللہ کی مانی گئی ہے۔

نذر سے متعلق اس وضاحت کا خلاصہ حسب ذیل ہے:-

۱- اپنی حاجت پوری ہونے کی خاطر عوام جو نذر اپنے پیروں اور بزرگوں کی مانتے ہیں وہ بالاجماع باطل اور شرک ہے

۲- مخلوق کی نذر کسی حال میں جائز نہیں، اس لئے کہ وہ عبادت ہے اور عبادت خدا کے علاوہ کسی کیلئے جائز اور روا نہیں ہے۔

(۳) عوام کی غرض بزرگوں کی نذر و نیاز سے یہی ہوتی ہے کہ وہ آفات اور پریشانیوں سے محفوظ رہیں، مال و دولت میں اضافہ ہو، صحت و عافیت حاصل ہو اگرچہ وہ اسکا اقرار نہیں کرتے اور اپنے اس جذبہ پر ایصال ثواب کا پردہ حائل رکھتے ہیں اس لئے ہر ایک کو اپنے نفس کا محاسبہ کرنا اور فریب نفس سے بچنا چاہیئے۔

۴- یہ کہنا بھی درست نہیں کہ یہ فلاں نبی یا ولی کی نذر ہے بلکہ صاف صاف کہنا چاہیئے کہ یہ اللہ کی نذر ہے اور اسکا ثواب فلاں کو پہنچے[۵]

[۵] مزید تفصیل اور وضاحت کیلئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد ۲ ص۱۹۱ تا ص۱۹۷ اس مضامین کی تیاری میں جناب میر ولی الدین صاحب کی کتاب "قرآن اور تعمیر سیرت" سے مدد لی گئی ہے)

(۴)

اس سے پہلے کی عبارتوں میں ہم نے توحید و شرک سے متعلق قرآن و حدیث کی ضروری تفصیلات پیش کی تھیں اور اس صورت حال کو سامنے لانے کی کوشش کی تھی جن میں اسلام کے نام لیواؤں کی بڑی تعداد توحید کے نام پر فریب توحید میں مبتلا ہے۔ اسی سلسلے میں شرک و توحید سے متعلق بزرگان دین کی مزید وضاحتیں پیش کی جارہی ہیں۔

وہ تصور توحید جو تمام آسمانی دعوتوں کا سنگ بنیاد تھا جس کی تعلیم و تبلیغ خدا کے ہر پیغمبر کی بعثت کا اولین مقصد تھا، اور جس کی طرف قرآن نے تمام بنی آدم کو دعوت دی حیرت و افسوس ہے کہ آج اسلام کے نام لیوا اور توحید کے سب سے بڑے علمبردار، اسی توحید سے غافل اور تہ در تہ غلط فہمیوں کا شکار ہیں!۔

کوئی اپنے تصور پیر میں مگن اور سجدہ ریز ہے۔ کوئی کسی بزرگ کی قبر کا طواف کر رہا ہے۔ کوئی کسی درگاہ کے سامنے سجدہ میں پڑا اپنی متاع ایمان کا نذرانہ پڑھا رہا ہے۔ گویا ہر درگاہ اور قبر میں ایک کارساز خدا بیٹھا ہوا ہے، کوئی تعزیوں میں اپنی عرضی باندھ رہا ہے۔ کوئی امام حسینؓ سے اولاد مانگ رہا ہے۔ کوئی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو قاضی الحاجات اور دافع بلیات سمجھتا ہے، کسی نے حضرت سالار مسعود غازیؒ کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ رکھا ہے اور وہ ہر مہم اور ہر مصیبت میں انھیں ہی پکارتا ہے، کسی نے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کو کارخانۂ عالم کا مالک و مختار سمجھ لیا ہے اور کوئی حضرت مخدوم شرف الدین بہاریؒ کو مشکل کشا بنائے بیٹھا ہے غرض اسطرح مسلمانوں میں مخلوق پرستی و بدعت کا ایک جال سا پھیلا ہوا ہے حالانکہ اس سے دامن بچانے کی سخت تاکید قدم قدم پر موجود ہے۔ مخلوق پرستی شرک کی اتنی واضح قسم ہے کہ غیر مسلموں کے سنجیدہ حضرات تک نے اس کی مذمت کی اور اس کا نوٹس لیا ہے۔ امریکہ

کا مشہور مصنف ڈاکٹر لوتھر اسلامی تنزل کے اسباب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "بزرگوں کے مزاروں پر زیارت کو جاتے ہیں اور ان کی پرستش بارگاہِ ایزدی کے شفیع کے طور پر کی جاتی ہے کیونکہ ان جاہلوں کا خیال ہے کہ خدا ایسا برتر ہے کہ وہ اسی کی فرماں برداری براہِ راست اور ادا نہیں کر سکتے۔ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ دنیا میں آتے تو اپنے پیروؤں کے ارتداد اور بت پرستی پر بیزاری کا اظہار فرماتے"۔ (از تاریخ نجد)

فرانس کے مشہور محقق لی بان لکھتے ہیں"..... ہند میں بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہوگئے۔ لیکن اسلامی مذہب اس درجہ سادہ تھا کہ وہ اس ہزار ہا دیوتا پوجنے والی قوم کی تشفی نہ کر سکا..... بہت سے مسلمان پیغمبرؐ کا درجہ خدا کا سمجھتے ہیں اور اسی خدائی کو وہ حضرت علیؓ سے بھی منسوب کرتے ہیں۔ نیچے طبقے کے لوگ کثرت سے ولیوں کو بھی مانتے ہیں جن کو انھوں نے برہمنی دیوتاؤں کے طبقے میں شامل کر لیا ہے [۱]

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں! "وہ اسلام جو اسوقت ہند میں رائج ہے اسکی حالت بھی بالکل ویسی ہی ہوگئی ہے جیسی ہند کے اور مذاہب کی..... ہند کے مسلمانوں میں بھی یہی ذات کا تفرقہ داخل ہوگیا ہے۔ اگر الفاظ میں نہیں تو عملاً یہ پوری طرح جاری ہے۔ ہند کے اسلام میں کچھ باتیں بدھ مذہب سے بھی اختیار کرلی گئی ہیں جن میں تبرکات کی پرستش شامل ہے..... بعض نشانِ قدم ایسے ہیں جن کو اپنے اعتقاد کے مطابق ہندو بدھ اور برہمن اور مسلمان برہما، شاکیہ منی اور حضرت رسول اللہؐ کا قدم سمجھ کر پرستش کرتے ہیں [۲]۔

اسطرح قبر پرستوں، تعزیہ پرستوں اور اسی قسم کے مشرک نما مسلمانوں نے مذہب مقدس کو خالص سناتنی دھرم کے رنگ میں رنگ دیا ہے اور اسلام کی پاکیزہ توحید کا حلیہ ایسا بگاڑ دیا ہے کہ دوسرے مذاہب سے اس کا امتیاز کرنا سخت دشوار ہوگیا ہے۔

پھر یہی نہیں کہ صرف عوام سے یہ مشرکانہ افعال سرزد ہو رہے ہوں بلکہ بدقسمتی سے ان حرکات کو بے شمار گمراہ بدعتی علماء اور پیشہ ور پیروں اور مجاوروں کی تائید و حمایت حاصل ہے کیوں کہ اس بدنصیب گمراہ طبقہ نے اپنی روزی انھیں چیزوں سے وابستہ کر رکھی ہے۔ اسکا نتیجہ یہ ہے کہ اصلاح کی طرف اگر کوئی قدم اٹھاتا ہے تو اسلام کا یہ نادان دوست طبقہ اسکو وہابی، کافر اور دشمنِ اولیاء وغیرہ کا خطاب دے کر عوام کو اس کی طرف سے برگشتہ کرتا رہتا ہے۔ یہ اسی طبقہ کی سیہ کاری کا نتیجہ ہے کہ آج وحدت و اتحاد اور توحید کے علمبردار مسلمان توحید کی حقیقت سے بے بہرہ ہیں۔ شرک و توحید میں فرق کرنا ان کے لیے ایک دشوار مسئلہ بن چکا ہے ان کے نزدیک ہر وہ شخص مومن ہے جو خود کو مومن اور موحد کہے اور زبان سے صرف کلمۂ توحید پڑھ لے اگرچہ اسکی زندگی خالص مشرکانہ ہو اور صرف وہ شخص مشرک ہے جو کھلم کھلا توحید کا انکار اور شرک کا اقرار کرے گویا ان بے بصیروں کے نزدیک شرک و توحید کا دار و مدار صرف زبانی دعویٰ پر ہے۔ انسان کے عقائد اور اعمال کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ ظاہر ہے یہ تصور قرآن و حدیث سے بغاوت کے ہم معنیٰ ہے۔ پھر مسلمانوں کی مذہبی پستی اور تعلیمی کمزوری نے صورتِ حال کو اور بھی خراب کر رکھا ہے۔ لہٰذا مناسب ہے کہ اس سلسلہ میں قرآن و حدیث اور سلف صالحین کے ضروری احکام و اقوال پیش کر دئے جائیں تاکہ حق و باطل، قبر پرستی اور خدا پرستی اور شرک و توحید میں امتیاز کیا جا سکے۔

فتنۂ قبور — اطاعت رسول یا اتباع شیطان

بلاشبہ، خدا اور رسول سے محبت و عقیدت لازمۂ ایمان ہے۔ لیکن کیا اس کیلئے زبانی دعویٰ کافی ہے۔ "یارسول اللہ" کے نعرے لگانا یا موسیقی کی تان پر نعت اور قوالی گانا اور سننا کافی ہے، یا اس محبت کے کچھ حدود اور تقاضے بھی ہیں؟

خدا اور رسول کی محبت ایک قلبی کیفیت ہے جسکا لازمی نتیجہ اور تقاضا عبادت و اطاعت ہے۔ اب اگر محبت کا دعویٰ کرنے والا خدا اور رسول کی اطاعت نہیں کرتا۔ ان کے احکام و فرمانوں کی اسے کوئی پروا نہیں ہوتی اور یہ سب سننے اور جاننے کے باوجود وہ اپنی من مانی ہی کرتا ہے تو عقیدت و محبت کا یہ دعویٰ آپ اپنی تکذیب ہے، فریب نفس ہے۔

اس بنیادی اصول کو سامنے رکھتے ہوئے آپ ان گمراہ اور بدعتی افراد کا جائزہ لیجیے، تو آپ دیکھیں گے کہ شریعت اسلامیہ کے ہر باب میں انھوں نے خدا اور رسولؐ کے احکام و فرامین کی مخالفت کی ہے یعنی ہر جگہ ان کے برعکس ہی اپنا طرزِ عمل متعین کیا ہے۔ نمونہ کے لئے شریعت کا ایک باب، احکام متعلقہ قبور کو لیجئے۔

جیسا کہ معلوم ہے، اسلام نے ہر برائی اور گمراہی کے نفوذ سے پہلے اس کے سارے دروازوں کو بند کرنے کا التزام کیا ہے۔ چونکہ بزرگانِ دین کی قبور بھی، مشرکانہ رجحان رکھنے والوں کے لئے فتنہ کا سبب بن سکتی تھیں۔ اس لئے اس سلسلے میں شارعؑ نے ضروری اور تفصیلی رہنمائی کرنا ضروری سمجھا۔ مگر جن لوگوں نے حضورؐ کی محبت کا زبانی دعویٰ کرتے ہوئے عملاً ان ہدایات کو فراموش کر دیا اس سے بے پروا ہو گئے، وہ بھی اس فتنہ میں مبتلا ہو گئے ہیں اس فتنۂ شرک سے بچنے کیلئے ضروری ہے کہ حضور اکرمؐ کی ہدایتوں کو ذہن نشین کر لیا جائے۔

۱۔ صحیح مسلم اور مسند امام احمدؒ میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے رسول اللہؐ نے قبروں کو پختہ بنانے اور ان پر عمارتیں بنوانے سے منع فرمایا ہے[1]

۲۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم شریف میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے: "یہود اور نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو،

[1] اسی مضمون کی حدیث مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۴۸ پر بھی آئی ہے اور اسمیں یہ فقرہ زائد ہے، اور قبروں پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے"

جنھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا"۔

۳۔ سنن نسائی اور ابوداؤد میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت منقول ہے :۔ رسول اللہ صلعم نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۔ اور ان لوگوں پر بھی لعنت کی ہے جو قبروں پر مسجدیں بناتے ہیں اور ان لوگوں پر بھی لعنت کی ہے جو قبروں پر چراغاں کرتے ہیں"

۴۔ صحیح مسلم اور سنن ابوداؤد اور جامع ترمذی میں ابوالہیاج الاسدی سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا : "کیا میں تم کو اس کام پر نہ بھیجوں جس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو مامور فرمایا تھا کہ جاؤ، جو تصویر دیکھو اسکو مٹادو اور جو قبر اونچی ہو اسکو برابر کردو ؟

۵۔ سنن نسائی اور سنن ابوداؤد میں ہے حضور اکرم صلعم نے ارشاد فرمایا ہے :

" میری قبر کو عید گاہ (میلہ گاہ یا عرس گاہ) نہ بنانا"

۶۔ بدائع الصنائع جلد اوّل میں حضور صلعم کا یہ ارشاد منقول ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے"

اتنے واضح احکامات اور ہدایتوں کے ہوتے ہوئے، سخت حیرت اور عبرت کا مقام ہے کہ مسلم عوام کی اکثریت کے ساتھ ساتھ بے شمار پڑھے لکھے اور علماء تک فتنۂ قبور میں مبتلا ہیں۔ یہ کامن سنسنی کی بات ہے کہ اولیاء اللہ اور بزرگان دین سے عقیدت و محبت تقاضائے ایمان ہے کیونکہ انھوں نے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہو کر دوسروں کے لئے بہترین مثال اور نمونہ قائم کیا ہے لیکن خدا جانے عقیدت و محبت رسول کی یہ کون سی قسم ہے کہ حضور اکرم صلعم کے ایک ایک حکم و ہدایت کا مذاق اڑایا جاتے، اس کی مسلسل مخالفت کی جائے۔ اس کے بالمقابل ڈھول اور تاشے پیٹے جائیں، ہفتہ بہ ہفتہ اور سال بہ سال عید، عرس اور جشن منایا جائے، مزاج شریعت اور منشائے رسول صلعم کے خلاف سارے شرکیہ افعال، بدعتیں

اور ناپسندیدہ بلکہ حرام افعال جانتے بوجھتے کئے جائیں اور زبردستی انھیں اسوۂ حسنہ اور طریق سنت سمجھا اور سمجھایا جائے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہدایت و گمراہی کی اتنی کھلی کھلی باتیں سمجھنے سے بھی ہم قاصر ہو چکے ہیں۔ حق و باطل میں امتیاز کی تمیز کھو چکے ہیں؟ شرک کیا ہے؟ اور توحید اور توحید کے تقاضے کیا ہیں؟ زمین کی دیگر قوموں کی طرح اس سے بھی ہم نابلد اور بے بصیرت ہو چکے ہیں؟۔

مذکورہ بالا روایات سے حسب ذیل احکام نکلتے ہیں

۱۔ قبریں پختہ نہ بنائی جائیں، نہ ان پر چراغ جلایا جائے (چنانچہ بعض فقہاء نے قبرستان یا قبروں پر آگ جلانا حرام قرار دیا ہے)

۲۔ ان پر عمارتیں اور مینار نہ کھڑے کئے جائیں

۳۔ ان کو سجدہ گاہ نہ قرار دیا جائے۔ اور نہ ان پر بیٹھا جائے۔

۴۔ عورتیں قبروں کی زیارت کو نہ جائیں۔

۵۔ قبروں کو بلند نہ کیا جائے۔ (اسکا مطلب جیسا کہ امام محمدؒ نے فرمایا ہے یہ ہے جو مٹی قبر سے نکلی ہے اس سے زیادہ اس پر نہ ڈالی جائے)۔

۶۔ قبروں کو میلہ گاہ اور عرس گاہ نہ بنایا جائے کہ عیدگاہ کی طرح سالانہ جشن ہو۔

۷۔ قبروں کو آبادیوں کے مثل نہ کیا جائے۔ یہ ایک طرف۔ ان واضح احکام نبوی صلعم کو ملاحظہ فرمایئے دوسری طرف عشق رسول کے دعوے داروں کے کردار کو کیا ان احکام و قوانین کی مخالفت اور کھلم کھلا بغاوت نہیں کی جا رہی ہے؟ کیا ارشادات نبوی صلعم کے برعکس مزاروں کو پختہ۔ میلہ گاہ اور سجدہ گاہ نہیں بنایا جا رہا ہے؟ اس کا جواب خواجہ اجمیریؒ اور مخدوم شرف الدین بہاریؒ کے درگاہ سے لو حضرت نظام الدینؒ دہلی کی قبر پر دیکھو، اس عبرتناک بغاوت کے نظارے سید سالار مسعود غازیؒ اور دیگر

پھر یہی نہیں کہ صرف عوام سے یہ مشرکانہ افعال سرزد ہورہے ہوں بلکہ بدقسمتی سے ان حرکات کو بے شمار گمراہ بدعتی علماء اور پیشہ ور پیروں اور مجاوروں کی تائید و حمایت حاصل ہے کیونکہ اس بدنصیب گمراہ طبقہ نے اپنی روزی انھیں چیزوں سے وابستہ کر رکھی ہے۔ اسکا نتیجہ یہ ہے کہ اصلاح کی طرف اگر کوئی قدم اٹھاتا ہے تو اسلام کا یہ نادان دوست طبقہ اسکو وہابی، کافر اور دشمنِ اولیاء وغیرہ کا خطاب دے کر عوام کو اس کی طرف سے برگشتہ کرتا رہتا ہے۔ یہ اسی طبقہ کی سیہ کاری کا نتیجہ ہے کہ آج وحدت و اتحاد اور توحید کے علمبردار مسلمان توحید کی حقیقت سے بے بہرہ ہیں۔ شرک و توحید میں فرق کرنا ان کے لیے ایک دشوار مسئلہ بن چکا ہے ان کے نزدیک ہر وہ شخص مومن ہے جو خود کو مومن اور موحد کہے اور زبان سے صرف کلمۂ توحید پڑھ لے اگرچہ اسکی زندگی خالص مشرکانہ ہو اور صرف وہ شخص مشرک ہے جو کھلم کھلا توحید کا انکار اور شرک کا اقرار کرے۔ گویا ان بے بصیروں کے نزدیک شرک و توحید کا دار و مدار صرف زبانی دعویٰ پر ہے۔ انسان کے عقائد اور اعمال کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ ظاہر ہے یہ تصور قرآن و حدیث سے بغاوت کے ہم معنی ہے۔ پھر مسلمانوں کی مذہبی پستی اور تعلیمی کمزوری نے صورتِ حال کو اور بھی خراب کر رکھا ہے۔ لہٰذا مناسب ہے کہ اس سلسلہ میں قرآن و حدیث اور سلف صالحین کے ضروری احکام و اقوال پیش کر دیے جائیں تاکہ حق و باطل، قبر پرستی اور خدا پرستی اور شرک و توحید میں امتیاز کیا جا سکے۔

فتنۂ قبور — اطاعت رسول یا اتباع شیطان

بلاشبہ، خدا اور رسول سے محبت و عقیدت لازمۂ ایمان ہے۔ لیکن کیا اس کیلئے زبانی دعویٰ کافی ہے۔ "یا رسول اللہ" کے نعرے لگانا یا موسیقی کی تان پر نعت اور قوالی گانا اور سننا کافی ہے، یا اس محبت کے کچھ حدود اور تقاضے بھی ہیں؟

خدا اور رسول کی محبت ایک قلبی کیفیت ہے جسکا لازمی نتیجہ اور تقاضا عبادت و اطاعت ہے۔ اب اگر محبت کا دعویٰ کرنے والا خدا اور رسول کی اطاعت نہیں کرتا۔ ان کے احکام و فرمانوں کی اسے کوئی پروا نہیں ہوتی اور یہ سب سننے اور جاننے کے باوجود وہ اپنی من مانی ہی کرتا ہے تو عقیدت و محبت کا یہ دعویٰ آپ اپنی تکذیب ہے، فریب نفس ہے۔

اس بنیادی اصول کو سامنے رکھتے ہوئے آپ ان گمراہ اور بدعتی افراد کا جائزہ لیجیے تو آپ دیکھیں گے کہ شریعت اسلامیہ کے ہر باب میں انھوں نے خدا اور رسولؐ کے احکام و فرامین کی مخالفت کی ہے یعنی ہر جگہ ان کے برعکس ہی اپنا طرزِ عمل متعین کیا ہے۔ نمونہ کے لئے شریعت کا ایک باب، احکام متعلقہ قبور کو لیجیے۔

جیسا کہ معلوم ہے، اسلام نے ہر برائی اور گمراہی کے نفوذ سے پہلے اس کے سارے دروازوں کو بند کرنے کا التزام کیا ہے۔ چونکہ بزرگانِ دین کی قبور بھی، مشرکانہ رجحان رکھنے والوں کے لئے فتنہ کا سبب بن سکتی تھیں۔ اس لئے اس سلسلے میں شارعؑ نے ضروری اور تفصیلی رہنمائی کرنا ضروری سمجھا۔ مگر جن لوگوں نے حضورؐ کی محبت کا زبانی دعویٰ کرتے ہوئے عملاً ان ہدایات کو فراموش کر دیا اس سے بے پروا ہو گئے، وہ بھی اس فتنہ میں مبتلا ہو کر رہے اس فتنۂ شرک سے بچنے کیلئے ضروری ہے کہ حضور اکرمؐ کی ہدایتوں کو ذہن نشین کر لیا جائے۔

۱۔ صحیح مسلم اور مسند امام احمدؒ میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے رسول اللہؐ نے قبروں کو پختہ بنانے اور ان پر عمارتیں بنوانے سے منع فرمایا ہے[1]

۲۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم شریف میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے "یہود اور نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو،

---

[1] اسی مضمون کی حدیث مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۴۸ پر بھی آئی ہے اور اسمیں یہ فقرہ زائد ہے، اور قبروں پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے"

جنھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا"۔

۳۔ سنن نسائیؒ اور ابوداؤدؒ میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے یہ روایت منقول ہے :۔ "رسول اللہؐ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۔ اور ان لوگوں پر بھی لعنت کی ہے جو قبروں پر مسجدیں بناتے ہیں اور ان لوگوں پر بھی لعنت کی ہے جو قبروں پر چراغاں کرتے ہیں"

۴۔ صحیح مسلم اور سنن ابوداؤد اور جامع ترمذی میں ابوالہیاج الاسدی سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے ان سے فرمایا :۔ "کیا میں تم کو اس کام پر نہ بھیجوں جس پر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو مامور فرمایا تھا کہ جاؤ، جو تصویر دیکھو اسکو مٹا دو اور جو قبر اونچی ہو اسکو برابر کردو؟

۵۔ سنن نسائی اور سنن ابوداؤد میں ہے۔ حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا ہے :

"میری قبر کو عیدگاہ (میلہ گاہ یا عرس گاہ) نہ بنانا"

۶۔ بدائع الصنائع جلد اوّل میں حضورؐ کا یہ ارشاد منقول ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے"

اتنے واضح احکامات اور ہدایتوں کے ہوتے ہوئے، سخت حیرت اور عبرت کا مقام ہے کہ مسلم عوام کی اکثریت کے ساتھ ساتھ بے شمار پڑھے لکھے اور علماء تک فتنۂ قبور میں مبتلا ہیں۔ یہ کامن سنس کی بات ہے کہ اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین سے عقیدت و محبت تقاضائے ایمان ہے کیونکہ انھوں نے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہو کر دوسروں کے لئے بہترین مثال اور نمونہ قائم کیا ہے لیکن خدا جانے عقیدت و محبت رسول کی یہ کونسی قسم ہے کہ حضور اکرمؐ کے ایک ایک حکم و ہدایت کا مذاق اڑایا جائے، اس کی مسلسل مخالفت کی جائے۔ اس کے بالمقابل ڈھول اور تاشے پیٹے جائیں، ہفتہ بہ ہفتہ اور سال بہ سال عید و عرس اور جشن منایا جائے، مزاج شریعت اور منشائے رسولؐ کے خلاف سارے شرکیہ افعال، بدعتیں اور ناپسندیدہ بلکہ حرام افعال جانتے بوجھتے کئے جائیں اور زبردستی انھیں اسوۂ حسنہ اور طریق سنت سمجھا اور سمجھایا جائے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہدایت و گمراہی کی اتنی کھلی کھلی باتیں سمجھنے سے بھی ہم قاصر ہو چکے ہیں۔ حق و باطل میں امتیاز کی تمیز کھو چکے ہیں؟ شرک کیا ہے؟ اور توحید اور توحید کے تقاضے کیا ہیں؟ زمین کی دیگر قوموں کی طرح اس سے بھی ہم نابلد اور بے بصیرت ہو چکے ہیں؟۔

مذکورہ بالا روایات سے حسب ذیل احکام نکلتے ہیں

۱۔ قبریں پختہ نہ بنائی جائیں، نہ ان پر چراغ جلایا جائے (چنانچہ بعض فقہاء نے قبرستان یا قبروں پر آگ جلانا حرام قرار دیا ہے)

۲۔ ان پر عمارتیں اور مینار نہ کھڑے کئے جائیں

۳۔ ان کو سجدہ گاہ نہ قرار دیا جائے۔ اور نہ ان پر بیٹھا جائے۔

۴۔ عورتیں قبروں کی زیارت کو نہ جائیں۔

۵۔ قبروں کو بلند نہ کیا جائے۔ (اسکا مطلب جیسا کہ امام محمدؒ نے فرمایا ہے یہ ہے جو مٹی قبر سے نکلی ہے اس سے زیادہ اس پر نہ ڈالی جائے)۔

۶۔ قبروں کو میلہ گاہ اور عرس گاہ نہ بنایا جائے کہ عیدگاہ کی طرح سالانہ جشن ہو۔

۷۔ قبروں کو آبادیوں کے مثل نہ کیا جائے۔

ایک طرف ان واضح احکام نبویؐ کو ملاحظہ فرمایئے دوسری طرف عشق رسول کے دعوے داروں کے کردار کو کیا ان احکام و قوانین کی مخالفت اور کھلم کھلا بغاوت نہیں کی جارہی ہے؟ کیا ارشاداتِ نبویؐ کے برعکس مزاروں کو پختہ۔ میلہ گاہ اور سجدہ گاہ نہیں بنایا جارہا ہے؟ اس کا جواب خواجہ اجمیریؒ اور مخدوم شرف الدین بہاریؒ کے درگاہ سے لو حضرت نظام الدینؒ دہلی کی قبر پر دیکھو، اس عبرتناک بغاوت کے نظارے سید سالار مسعود غازیؒ اور دیگر

بزرگانِ دین کے مزاروں پر کرد! کیا اجمیر، پیران کلیر رڑکی، دہلی، بدایوں، بریلی، مرادآباد، کچھوچھہ، بہرایچ، بہار، بارہ بنکی، گورکھپور وغیرہ میں بزرگوں کی قبروں پر عرس کا جال بچھا کر سالانہ میلے نہیں لگائے جا رہے ہیں۔ اور کیا زینت و آرائش میں قبروں کو آبادیوں بلکہ بازاروں اور پارکوں اور تفریح گاہوں سے نہیں بڑھایا گیا ہے؟ عشق رسول کے پردے میں یہ مخالفت رسول اور عداوت رسول نہیں تو پھر کیا ہے؟ جن قبروں کے متعلق رسولؐ یہ ارشاد فرمائیں کہ اُن کو دیکھ کر عبرت حاصل کرو، آج ان کو عرس گاہ اور تماشہ گاہ بنا دیا گیا ہے، وہاں فاسق و فاجر لوگوں کا مجمع ہے۔ بازاری عورتوں اور طوائفوں کا جھرمٹ ہے، ہجڑوں کی بستی ہے۔ ان ہی کے لعنت زدہ چہرے زیارت گاہ بنتے ہیں۔ ہر سمت ناچ رنگ اور گانے بجانے کا بازار گرم ہے

خدارا کوئی بتائے، اس قسم کے نظاروں سے قبر کے تاریک و تنگ گڑھے یاد آئیں گے یا طوائفوں کے کوٹھے، آخرت کی یاد تازہ ہوگی یا عیاشانہ امنگوں میں ہیجان پیدا ہوگا۔ (یہی وجہ ہے کہ ہر جگہ عرسوں میں عموماً زنا اور اغوا کے واقعات ہوتے ہیں) اس ماحول میں خدا یاد آئے گا یا شیطان۔ مدارج ربانی طے ہونگے یا ہوس رانیوں کی منزلیں؟ پھر یہ سب کرنے کرانے والے کون لوگ ہیں۔ وہ جو عشقِ رسولؐ کے تنہا ٹھیکیدار ہیں، اور پھر غضب یہ ہے کہ اس عداوتِ رسول اور بغاوتِ شریعت میں جو اُن کی ہمنوائی نہیں کرتا۔ وہ دشمنِ رسول ہے۔ ولیوں اور بزرگوں کا معتقد نہیں۔ وہابی اور کافر ہے اور ایسا کافر کہ جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر!

حیرت اور اعجوبہ ہے! توحید کے علمبرداروں کی بصیرتیں کسی دور میں شاید اس طرح نہ الٹی ہوں گی۔ جس طرح پورے ملک میں غیر مسلموں کے تیرتھ استھان اور مٹھ پھیلے ہوئے ہیں جہاں سالانہ جشن، پوجاپاٹ اور میلے لگتے ہیں۔ بالکل وہی نمونہ یہاں بھی ہے کہ ہر شہر اور ہر ملک کے ہر گوشہ میں ایک معبود گڑھ لیا گیا ہے جہاں سالانہ جشن ہوتے ہیں رسم پرستش ادا کی جاتی ہے، میلے لگتے ہیں۔ اور سب کچھ وہی ہوتا ہے جو مٹھوں اور تیرتھوں پر ہوتا ہے جسے اس بیان پر اعتبار نہ ہو یا مبالغہ معلوم ہوتا ہو وہ اوپر لکھی جگہوں میں سے کہیں بھی جا کر دیکھ سکتا ہے۔

خدا کے بندو، آنکھیں کھولو، کتاب الٰہی اور سنّت رسول کو رہنما بناؤ جہاں شرک و توحید اور سنّت و بدعت سب کی وضاحت کی جا چکی ہے اور خوب سمجھ لو کہ جو شخص خدا اور رسول کے راستے سے ہٹا کر کسی اور راستہ کی طرف لے جائے وہ رسولؐ کا نمائندہ اور ترجمان نہیں ہو سکتا وہ صرف شیطان کا نمائندہ ہی ہو سکتا ہے اسی لئے ضروری ہے کہ دینی حالت جلد درست کر لو۔ قیامت دور ہو یا قریب لیکن تمہاری مہلت حیات دور نہیں ہے اور اللہ کے یہاں حساب بہت سخت ہوتا ہے جس کے لئے حضور اکرمؐ نے اپنا طرز فکر و عمل درست رکھنے کے ساتھ ساتھ حسابِ آخرت کی سختی سے پناہ مانگنے کی بھی تعلیم دی ہے اور یہ دُعا سکھائی ہے

اللّٰھمّ حاسبنی حساباً یسیراً

ہم ایک بار پھر یہ بات کہہ رہے ہیں کہ حضرت آدمؑ سے لیکر حضور خاتم الانبیاءؐ تک سارے نبیوںؑ کی سوانح حیات اور پھر قرآن کا مطالعہ کر جائیں۔ کہیں بھی آپ کو یہ نہیں ملیگا کہ خدا کے کسی پیغمبر نے دنیا کو اپنی طرف دعوت دی ہو، اپنی بندگی کرائی ہو، اپنی نذر و نیاز کا سبق دیا ہو۔ اپنے گھر اور مزار کا طواف کرنے کی ہدایت کی ہو۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنے پیروؤں اور دنیا کو صرف خدا ہی کی طرف بلایا اور عبدیت کا تعلق صرف خدا ہی سے جوڑنے کی تعلیم دی۔

(باقی صفحہ ۸۴ پر ملاحظہ فرمائیں)

سیّد اسعد گیلانی

ہر تحریک انسانی کسی نہ کسی معاشرہ میں کسی نہ کسی اصلاح کی داعی ہوتی ہے اور ہر اصلاح ایک تغیر کی طالب ہوتی ہے۔ اس طرح درحقیقت ہر تحریک اپنے گرد پھیلے ہوئے انسانی معاشرے میں کسی نہ کسی نوعیت کا کوئی تغیر ہی برپا کرنے کی دعوت لے کر اٹھتی ہے اور اس کا مطلوبہ تغیر یا انقلاب، تحریک کی دعوت اور پروگرام کی روشنی میں اس پر ایک نظر غائر ڈالنے والے ہر شخص پر واضح ہو جاتا ہے ایک اسلامی تحریک ظاہر ہے کہ اسلامی انقلاب کی داعی ہوتی ہے اور ایک اسلامی انقلاب کی منہاج گذشتہ دور کی تمام اسلامی تحریکوں کی جدوجہد میں بہت آسانی سے دیکھی جاسکتی ہے۔ دورِ حاضر کے داعیِ تحریک اسلامی سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ہر دور میں اٹھنے والی اسلامی تحریک کے مطلوبہ انقلاب کی اصول اور نظریاتی منہاج کو ایک تقریر "اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے" میں نہایت جذبہ انگیز انداز بہت خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ حقیقتاً وہ اصول طریق کار دنیا کے ہر معاشرے، تاریخ کے ہر دور اور دنیا کے ہر ملک میں آزمایا جاسکتا ہے اور اپنے زیادہ سے زیادہ مظاہر اور خدوخال کے ساتھ ہر جگہ اپنایا جاسکتا ہے لیکن دورِ حاضر کی جمہوری دنیا میں انھوں نے جو طریق کار "اسلام کا نظریۂ سیاسی" میں تجویز کیا ہے وہ اسلامی انقلاب کے اصولی اور جمہوری طریق کار کے پس منظر میں تجدید نظریہ کا بہترین نمونہ ہے۔ جو شخص ان دونوں تعاریر کو یکجا کر کے پڑھے گا وہ دورِ حاضر کی اسلامی تحریک کے اس داعی کی تخلیقی اور اجتہادی بصیرت کا معترف ہوئے بغیر نہ رہے گا اور اسے معلوم ہو جائے گا کہ ایک ملوکیت زدہ پس ماندہ معاشرتی دور کے بعد دورِ حاضر کے جدید جمہوری معاشرے میں اسلامی تحریک اٹھانے کی کیا تدبیر اور اس کے لئے کیا مناسب طریق کار ہو سکتا ہے۔

دعوت اور معاشرے کا ردّعمل

کسی تحریک کے پھیلنے پھولنے اور نشوونما پانے کی رفتار میں کمی بیشی کے خارجی اسباب میں معاشرے کا ردّعمل سب سے بڑا عامل ہے معاشرے کی حیثیت زمین کی سی ہوتی ہے۔ زمین زرخیز ہو تو بیج جلد نشوونما پاتا ہے۔ کمزور ہو تو فصل کمزور ہوتی ہے اور زمین بنجر اور شوریائی ہو تو اچھا بیج بھی نشوونما نہیں پاسکتا اور ضائع ہو جاتا ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ ہر دعوت ایک ایسی پُرزور حرکت ہوتی ہے جس کے نتائج لازماً برآمد ہوتے ہیں۔ اسے موافق لوگ بھی میسر آتے ہیں، مخالف بھی ملتے ہیں اور غیر متعلق، بے حس اور بے نیاز لوگوں سے بھی اسے واسطہ پڑتا ہے۔ قرآن نے انبیاء کی دعوت اسلامی کے مقابلہ میں بنی اسرائیل کی جو اخلاقی تصویر سورۂ بقرہ میں پیش کی ہے اس تصویر کے ذریعہ اس آئینے میں دورِ حاضر کی ملّت مسلمہ بھی اپنا رُخ کردار دیکھ سکتی ہے، کتاب الٰہی کو قیامت تک آنے والی انسانیت کے حوالے کرتے ہوئے سورت کے آغاز میں ہی دعوت کے مقابلے میں نمودار ہونے والے تین انسانی گروہوں کا تعارف کرادیا گیا ہے اسی طرح انسانی نفسیات کا تجزیہ کرتے کسی تحریک کے مقابلے میں ایک معاشرے کا جو نفسیاتی اور ردّعمل ہو سکتا ہے وہ واضح طور پر

پیش کردیا گیا ہے۔ سورۂ بقرہ میں کافر معاشرے میں اٹھنے والی دعوت کے ردِ عمل کا نقشہ کچھ اس طرح ہے کہ پہلا گروہ دعوت کی حقانیت کو تسلیم کرلینے والوں کے سامنے آتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (البقرہ - ۵)

(ہدایت ہے) ان لوگوں کے لئے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، جو کتاب تم پر نازل کی گئی ہے (قرآن)، اور جو تم سے پہلے نازل کی گئیں تھیں ان سب پر ایمان لاتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنے رب کی طرف سے راہِ راست پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔

اس کے بعد دوسرے معاشرے کے دوسرے گروہ کا تعارف ہے جو انکار و تردید اور مخالفت کو ہی اپنا مسلک بناتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (البقرہ - ۶)

جن لوگوں نے تسلیم کرنے سے انکار ہی کردیا ان کے لئے یکساں ہے خواہ تم انھیں خبردار کرو یا نہ کرو کہ بہر حال وہ ماننے والے نہیں ہیں۔

پھر اس کے بعد ایک تیسرے گروہ کا تعارف پیش کیا گیا ہے

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ (البقرہ - ۸)

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان لائے ہیں حالانکہ درحقیقت وہ مومن نہیں ہیں

قرآن یہ نقشہ ایک نبی کی اسلامی دعوت کے مقابلے میں ایک کافر معاشرے کے ردِ عمل کا کھینچتا ہے اور دعوتِ اسلامی کے مقابلے میں ردِ عمل کے یہ تین نمونے پیش کرکے معاشرے کے تین قسم کے افراد کو الگ الگ کرکے بیان کرتا ہے۔ اب اگر پہلا گروہ کثیر ہو جائے تو بالعموم تیسرا گروہ بھی اپنے مفادات کو اس کے ساتھ وابستہ سمجھ کر مزاحمت نہیں کرتا۔ بس صرف زیادہ سے زیادہ غیر فعال اور غیر مؤثر رہتا ہے۔ لیکن اگر دعوت قبول کرنے والوں کا گروہ قلیل اور غیر مؤثر ہو تو تیسرا گروہ بالعموم کھلم کھلا انکار کرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے۔ لیکن ایک بگڑے ہوئے معاشرے میں ایک منظم حکومت اور اصلی یا نام نہاد جمہوریت کے اندر جب تجدیدِ دعوت کے لئے ایک جمہوری تحریک چلائی جائے تو بالعموم دعوت کی تائید کرنے والے اور اس کی مخالفت کرنے والوں کے درمیان معاشرے کی ایک کثیر آبادی غیر جانبدار، غیر متعلق، بے نیاز، بے حس پڑی رہتی ہے اور وہ ایسے خاموش تماشائیوں کے ہجوم کی صورت اختیار کرلیتی ہے جو پہلوانوں کا دنگل دیکھنے کے لئے جمع ہو گیا ہو اور اسے کسی پہلوان سے بھی کوئی دل لگاؤ نہ ہو، بس جو بھی دنگل میں کامیاب رہے اسی کے گلے میں سب سے پہلے ہار ڈالنے کا ذوق و شوق ہو۔ اسے فریقین کی اچھائی برائی، نیکی بدی، حق اور ناحق سے کوئی بحث نہیں ہوتی، نہ اس کو ان چیزوں کا کوئی واضح شعور ہوتا ہے۔ ایسے معاشرہ میں دعوت کے مقابلے میں قرآن کے نشان کردہ وہی تین گروہ اس صورت میں نمودار ہوتے ہیں۔

(۱) موافقین (۲) مخالفین (۳) غیر جانبدار خاموش تماشائی۔

اب تحریک کی نتیجہ خیز کارکردگی اور اس کے نتائج کا تعلق ان گروہوں کے تناسب پر ہوتا ہے۔ جب تک غیر جانبداری کی برف کو پگھلا کر اسے جانبدار نہ بنایا جائے اور اسے تحریک کے دعوتی بہاؤ میں نہ بہایا جائے اُس وقت تک تحریک کے لئے معاشرے میں جذب و نفوذ کے مؤثر مواقع پیدا نہیں ہوتے غیر جانبدار لوگوں کی کثرت ہوتے چلے جانا تحریک کے غیر مؤثر ہو کر جمود میں مبتلا ہونے کا باعث بن جاتا ہے۔ اس سے تحریک کی قوتِ اقدام کمزور پڑ جاتی ہے اس لئے کہ مؤثر پذیرائی نہ ہونے سے دل بتدریج بجھنے لگتے ہیں اور قوت کار ختم ہوتی چلی جاتی ہے مخالفین دعوت اور غیر جانبداروں کی کثرت کا شکار ہیں حضرت نوحؑ کی اسلامی دعوت دکھائی دیتی ہے جہاں صدیوں تک دعوتِ اسلامی پیش کرنے کے باوجود نفوس و پذیرائی کے دروازے دلوں کے پتھر ہوجانے کے سبب بند چلے آتے ہیں۔

کسی تحریک کے لئے ایک بہت بڑی آزمائش ہوتی ہے کہ کوئی معاشرہ اس سے صرفِ نظر (ISOLATE) کرے۔ اسے کوئی اہمیت نہ دے۔ اس کی بات پر کان نہ دھرے، نہ اُس کی مؤثر مخالفت کرے جس سے کارکنوں میں چیلنج کا مقابلہ کرنے کی جرأت و شجاعت پیدا ہو اور نہ اس کا ساتھ دے کہ کارکنوں

کے حلقہ رفاقت میں اضافہ ہوا اور تحریک کی طاقت بڑھے معاشرے کی طرف سے بے حسی، بے نیازی، عدم پذیرائی اور سرد مہری بھی عموماً تحریک کے لئے بتدریج جمود کا باعث بنتی چلی جاتی ہے کسی معاشرہ میں اگر ایسے افراد کی کثرت ہو جائے جن کا نقشہ قرآن نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ۔ (الاعراف-۱۷۹)

ان کے پاس دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں، ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ اُن سے دیکھتے نہیں ان کے پاس کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گذرے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھوئے گئے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ صورتِ حال دعوت کے لئے نہایت سنگلاخ زمین بن جاتی ہے اور اس کے نفوذ کا عمل رکا ہوا سا محسوس ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں تحریک کے اندر مایوسی اور قنوطیت کا پیدا ہونا ایک فطری سی بات ہے اور اس کیفیت کو رفع کرنا اور معاشرے کے ضمیر پر جمی ہوئی اس سنگین تہہ کو توڑ کر اس میں دعوت کا بیج ڈالنا سخت مشکل امر بن جاتا ہے۔

ایسی صورت میں سب سے اہم عمل معاشرے کی دعوت سے بے خبری کو باخبری سے، بے عملی کو علم سے، عدم آگہی کو آگہی سے اور ناآشنائی کو آشنائی سے بدلنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی کسان کو بنجر اور سنگلاخ زمین آبادکاری کے لئے دیدی جائے۔ ایسی زمین محنت کی زیادہ مقدار طلب کرتی ہے اور جن حالات میں ایک کسان زرخیز زمین میں فصل اگاتا ہے اس سے کہیں زیادہ سنگین تر حالات سے دوچار ہو کر ہی سنگلاخ اور بنجر زمین کو آباد کیا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے معمول کی محنت، معمول کی تدابیر، معمول کے آلات اور معمول کے اوقاتِ کار کافی نہیں ہوتے بلکہ غیر معمولی محنت اوقات اور حکمت کار کی ضرورت ہوتی ہے۔

آج کی مسلمان قوم کی یہی ذہنی اور نفسیاتی کیفیت ہے جس کا تجزیہ دورِ حاضر کے داعی تحریک اسلامی سید مودودی نے نہایت خوبی کے ساتھ ایک تقریر میں کیا ہے:-

"جس قوم میں کام کرنے کے لئے ہم اٹھے ہیں صدیوں کے مسلسل انحطاط نے اس کے اخلاق کی جڑیں کھوکھلی کر دی ہیں۔ اس میں کیریکٹر کی وہ طاقت بہت ہی کم باقی رہ گئی ہے جس کی مضبوط چٹان پر اٹل فیصلے، مستقل ارادے، ثابت عزائم اور بھروسے کے قابل عہد و میثاق ہوتے ہیں۔ اس میں مدت ہائے دراز سے یہ کمزوری پرورش پا رہی ہے کہ ایک چیز کو حق جانیں اور دل سے اسے حق مانیں مگر اس کے لئے کوئی قربانی گوارا نہ کریں، نہ وقت کی، نہ مال کی، نہ خواہشات نفس کی، نہ اپنے مرغوب افکار و نظریات کی، نہ اپنے جاہلیت کے اذواق اور دلچسپیوں کی اور نہ کسی اور چیز کی۔ انھیں وہ حق پرستی تو بہت اپیل کرتی ہے جس میں حق کو زبان سے حق کہنا اور اس پر لفظی عقیدت کے پھول نچھاور کرنا اور اس کے لئے چند نمائشی کام کر دینا کافی ہو اور اس کے بعد انہیں اس حق کے خلاف ہر طرح اپنے کاروبار، اپنے ادارے اور اپنی زندگی کے سارے معاملات چلانے کی پوری آزادی حاصل رہے۔ اسی لئے وہ نام نہاد مذہبیت کے اُن راستوں کی طرف خوشی خوشی لپک جاتے ہیں جن کی دینداری اور سعی و عمل کا سارا مدار اسلام اور جاہلیت کی مصالحت (COMPROMISE) پر ہے لیکن ایسی حق پرستی اُن کے لئے ایک ناقابلِ تحمل بارِ گراں ہے جو کفر و اسلام حق و باطل اور اطاعت و بغاوت کے درمیان دوٹوک فیصلہ چاہتی ہو، اور جس میں ہر اُس شخص سے جو حق کو ماننے کا اقرار کرے۔ پہلا مطالبہ یہ ہو کہ وہ یکسو ہو جائے اور پھر مزید مطالبہ یہ ہو کہ جس چیز کو حق مانا ہے اس کے لئے اپنی پوری شخصیت کو تج دے اور عمر بھر کے لئے تج دے، اور اس کے لئے ہر قسم کی قربانیاں گوارا کرے، اور ایک دو دن کے لئے نہیں بلکہ جب تک جیتا ہے اُس وقت تک گوارا کرتا رہے۔ ایسے

گئے گزرے زمانے میں بھی ایسے بہت سے مسلمان مل جائیں گے جو اسلام کے لئے خوشی خوشی سینے پر گولیاں کھالیں گے۔ سروں پر لاٹھیوں کی بارش سہہ لیں گے۔ یہ سب کام اُن کے لئے ہلکے ہیں۔ لیکن اپنی پوری زندگی کو اسلام کے ضابطے میں کس دینا اور صبر کے ساتھ اس کی اخلاقی ذمہ داریوں کو قبول کرکے نبھانا، یہ ان کے لئے بہت بھاری بوجھ ہے جس کی سہار ان کے لئے سخت دشوار ہے۔[51]

غرض ایک فعّال تحریک کا کام یہ ہے کہ وہ یکسو اور باعمل لوگ تیار کرتی چلی جائے اور غیر جانبدار لوگوں کے انبوہ کثیر کم کرکے اپنی تعداد میں اضافہ کرتی رہے۔ اسی طرح معاشرہ میں اسلامی عمل تدریجاً آگے بڑھ سکتا ہے۔

تحریک کی ایک ناگزیر ضرورت معاشرے کی علاقائی قیادت

جمہوری معاشرے میں انقلاب کی داغ بیل ڈالنے کے لئے عملی میدان میں سب سے پہلی اور ابتدائی ضرورت معاشرے کے مختلف طبقات اور مختلف گوشوں میں اُس کی ذیلی قیادت کی تشکیل ہوتی ہے جس کے بغیر معاشرے کو چاروں سمتوں میں اُٹھایا، سنبھالا اور مطلوبہ رُخ پر چلایا نہیں جاسکتا، اس لئے موجودہ دور میں اٹھنے والی اسلامی تحریک کے داعی نے آغازِ دعوت پر ہی عوام میں نفوذ کے لئے ہر سطح پر سب سے پہلے اسی نظریاتی اور جمہوری قیادت کی تشکیل کی ضرورت پر زور دیا تھا۔

"ہمیں عوام میں عمومی تحریک (MASS MOVEMENT) چلانے سے پہلے ایسے آدمیوں کو تیار کرنے کی فکر کرنی ہے جو بہترین اسلامی سیرت کے حامل ہوں اور ایسی اعلیٰ درجے کی دماغی صلاحیتیں بھی رکھتے ہوں کہ تعمیرِ افکار کے ساتھ اجتماعی قیادت کے دوسرے فرائض کو بھی سنبھال سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں عوام میں تحریک کو پھیلانے کے لئے جلدی نہیں کررہا ہوں، بلکہ میری تمامتر کوشش اس وقت یہ ہے کہ ملک کے اہلِ دماغ طبقوں کو متاثر کیا جائے اور ان کو کھنگال کر صالح ترین افراد کو چھانٹ لینے کی کوشش کی جائے جو آگے چل کر عوام کے لیڈر بن سکیں۔"[52]

یعنی داعیِ تحریک کے نزدیک دورِ حاضر میں اسلامی انقلاب کی جمہوری اسکیم یہ تھی کہ معاشرے میں سے چھانٹ کر بااصول باکردار بالتدبیر قائدانہ صلاحیت رکھنے والی ایک ایسی ٹیم تیار کی جائے جو اسلامی انقلاب کی جاں گسل کشمکش میں جان کی بازی کھیل سکے اور عوام کو اپنے ساتھ لے کر چل سکے۔ چنانچہ آگے چل کر انھوں نے فرمایا:

ہمارے پیشِ نظر صرف یہ نقشہ ہے کہ عوام کی سربراہ کاری کے لئے ایک ایسی مختصر جماعت فراہم کرلی جائے جس کا ایک ایک فرد اپنے بلند کریکٹر کی جاذبیت سے ایک ایک علاقہ کے عوام کو سنبھال سکے۔ اس کی ذات عوام کا مرجع بن جائے اور کسی مصنوعی کوشش کے بغیر بالکل فطری طریقے سے عوام کی لیڈرشپ کا منصب اسے حاصل ہوجائے مگر صرف مرجعیت سے بھی کام نہیں چل سکتا اس سے کام لینے کے لئے دماغی صلاحیتیں بھی ہونی چاہئیں تاکہ ان مرکزی شخصیتوں کے ذریعہ عوام کی قوتیں مجتمع اور منظم ہوکر اسلامی انقلاب کی راہ میں صرف ہوں۔[53]

غرض تحریک میں زندگی، روانی، وسعت، گہرائی اور اثرپذیری پیدا کرنے کے لئے ایک موثر اور جاندار ٹیم اس کی ایک ناگزیر ضرورت ہے جس کے بغیر تحریک مؤثر طور پر اپنا کردار ادا نہیں کرسکتی، اور نظریہ کردار میں ڈھل کر ہی عوام کو متاثر کرسکتا ہے ایک تحریک اگر اپنے فطری نتائج دکھلانے میں کوتاہ نظر آئے تو دوسرے عوامل کے ساتھ اس اہم سبب کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ اسے انقلاب کی قیادت کرنے کے لئے کیسی ٹیم میسر آئی ہے۔ داعیِ تحریک اور اس کے قریبی رفقاء کی مثال کھیل کے میدان عمل میں کیپٹن اور ٹیم کی ہوتی ہے۔ ٹیم کی تعداد کافی نہ ہو یا کافی تو ہو لیکن باصلاحیت موثر اور جاندار نہ ہو تو کیپٹن کی کارکردگی کوئی نتیجہ پیدا کرنے سے معذور رہتی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت صالح

[51] روداد جماعت اسلامی حصہ دوم صفحہ ۱۰۱-۱۰۸۔ [52] روداد حصہ اول صفحہ ۹۱-۹۲۔ [53] روداد جماعت اسلامی حصہ اول ۹۱-۹۲۔

اوران کے دور کی اسلامی تحریکیں اس کی عمدہ مثالیں ہیں۔ وہ تحریکیں
بھی نتائج نہ پیدا کرسکیں جن کو نبیوں کی قیادت میسر تھی اس لئے کہ
انھیں حضور اکرم کی طرح ایک مؤثر، جاندار اور جانباز ٹیم میسر نہ
آئی کسی داعیٔ تحریک کے لئے ٹیم کا مسئلہ ایک نہایت ہی اہم مسئلہ
ہے۔ یہ تحریک کی کارکردگی اور نتائج کار میں نہایت اہم کردار ادا کرتا
ہے۔ ایک نظریاتی تحریک کو اس ٹیم کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔ جو
معاشرے کے مختلف طبقات اور ملک کے مختلف گوشوں میں موجود
ہو اور تحریک کی ذیلی اور عوامی قیادت کا کام کرے۔ معاشرے کے
عوام میں ایک ذیلی قیادت تو ہمیشہ موجود ہوتی ہے جو ہر نظام کے
پاؤں بن کر اس کا وزن اٹھاتی اور اس کی جڑیں عوام میں لگاتی ہے
ذیلی اور علاقائی قیادت معاشرے کا مستقل اور لازمی حصّہ ہوتی
ہے۔ قبائل کی سرداریاں، علاقوں کی چودھراہٹیں اور برادریوں
کی سربراہ کاریاں اسی ذیلی اور علاقائی قیادت کے مختلف روپ
ہیں اور یہی ذیلی قیادت ہر تحریک کو معمولی ردّ و بدل کے ساتھ
کام دیا کرتی ہے لیکن اگر ان میں سے کچھ لوگ کام نہ دیں تو عوامی باڑ
پڑنے سے کام نہ دینے والی ذیلی قیادت خود بخود بدل جایا کرتی ہے
اور نئے تقاضوں کا ساتھ دینے لگتی ہے۔

اسلامی تحریک کے لئے اس ذیلی قیادت میں تین صفات کا
ہونا لازمی ہے۔ یہ وہ صفات ہیں جو دورِ حاضر کی اسلامی تحریک کے
داعی نے تحریک اٹھاتے وقت اپنی مختلف ابتدائی تقاریر میں
جابجا بیان کی ہیں:۔

۱۔ وہ اپنے پورے علاقہ میں سیرت و کردار میں ممتاز و
ممیز اور ہر مجلس میں مطلوب و معروف اور نمایاں ہو۔

۲۔ وہ اپنی خدمتِ خلق، سماجی خدمات اور عوامی مسائل و
مشکلات میں حصّہ لینے میں سب سے آگے آگے ہو۔

۳۔ وہ اپنے جوش و جذبہ، مضبوط کردار، شجاعت و بہادری
کے ساتھ نڈر، بے خوف اور دبنگ ہو۔

اس طرح اسی قیادت کا ہر فرد باطل کی بنائی ہوئی شخصیتوں
سے کشمکش کر کے اپنی شخصیت کا لوہا منوائے۔ وہ خدا کے سوا
کسی سے نہ ڈرے۔ وہ کسی طاقت سے نہ دبے، وہ کسی قیمت پر
نہ بکے۔ وہ سیرت و کردار کا اعلیٰ نمونہ ہو۔ ایسے افراد ہر انتخابی
حلقے، ہر ضلع اور ہر برادری اور ہر قبیلے میں تیار ہو جائیں جو اسلامی
انقلاب کے لئے اپنی دیانت و امانت اور اخلاق و سیرت اور
زور دار شخصیت کا لوہا منوائیں جس کے نتیجے میں چند سال کے اندر
اندر لوگ ان کے کردار کی مضبوطی اور بلندی کے سبب ان پر اعتماد
کرنے لگیں، ان کی خدمتِ خلق کے سبب اُن سے محبت کریں۔ اور
ان کی بہادری کے سبب ان پر بھروسہ کریں اور بدکار اور غنڈے
ان سے خوف کھائیں ایسے افراد جب بھی تحریک کی دعوت کے
ساتھ عوام کے مسائل لے کر کسی علاقے میں اٹھیں گے تو عوام ان کے
ساتھ اٹھیں گے اور جب وہ کوئی رُخ اختیار کریں گے تو عوام کا
رُخ بھی اس سمت ہو جائے گا۔ یہی وہ علاقائی ذیلی قیادت ہے،
جو ایک اصولی تحریک کو عوامی تحریک بنا سکتی ہے اور ایک
محدود تحریک کو عوام کے لاتعداد سیلاب کے اُبھار کی رہنما
بنا کر کھڑا کر سکتی ہے۔

تحریک اور عوام میں نافہمی کا پردہ

ہر قوم اور معاشرے کو اسی کی
زبان میں مخاطب کرنے میں
یہ حکمت ہے کہ عوام دعوت کی بات سمجھیں۔ اس کے دلائل سے
آگاہ ہوں۔ تحریک کے ساتھ شمولیت کے فوائد اور اس سے دور
رہنے کے نقصانات سے واقف ہوں، اور وہ اپنی بولی، اپنے انداز اور
اپنے فہم کے مطابق اٹھنے والی تحریک کے خدوخال سے آگاہی حاصل
کر کے اس کا ساتھ دیں، تاکہ وہ اپنی رضامندی سے تحریک کی
دعوت کا جھنڈا اٹھائیں اور اس کے ساتھ شامل ہو کر تحریک
کو کامیابی کی منزل تک پہنچائیں اور خود بھی تحریک کے ساتھ
اس منزل تک پہنچیں جس پر پہنچنے سے ہی انھیں فلاح
نصیب ہو سکتی ہے۔

جس گروہ کو یہ شعور حاصل ہو جائے کہ اس کی فلاح
کسی خاص طرزِ عمل میں ہے اُس کو اپنی فلاح کی خاطر وہ طرزِ عمل
اختیار کرنا بالکل ایک فطری امر ہے اس طرح فہم و شعور
کے حصول کے بعد تحریک اور عوام کے درمیان پڑا ہوا عدم
آگاہی، ناواقفیت، شکوک و شبہات اور دوری کا پردہ
اُٹھ جاتا ہے اور وہ تحریک کے ساتھ آجاتے ہیں۔ یہ ممکن نہیں
ہے کہ انھیں تحریک سے وابستگی میں اپنی فلاح کا شعور بھی حاصل

ہوجائے اور وہ پھر بھی اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوں۔

لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ تحریک اور عوام کے درمیان ایک ناقہمی کا پردہ حائل رہتا ہے۔ جس انداز پر تحریک اپنی دعوت پیش کرتی ہے عوام اس سے مانوس نہیں ہوتے۔ جو لغت وہ اظہار مدعا کے لیے استعمال کرتی ہے عوام اُس لغت کے مفہوم سے آشنا نہیں ہوتے۔ جس مقام سے وہ دعوت پیش کرتی ہے اُس سطح فہم سے عوام کی سطح فہم مختلف ہوتی ہے اور وہ دعوت کو خالی آنکھوں سے دیکھتے اور ناکام فہم کانوں سے سنتے ہیں۔ یہی پردہ ہے جسے تحریک اور عوام کے درمیان "ناقہمی کا پردہ" (COMMUNICATOIN GAP) کہا جاسکتا ہے۔ جسے دور کئے بغیر انھیں تحریک کے قریب نہیں لایا جاسکتا۔ یہ پردہ اس تحریک کے کارکنوں کی زبانوں پر اپنے مخصوص مفہوم کی حامل اصطلاحات کا بھی ہوسکتا ہے، اندازِ بیان اور طرز ادا کا بھی ہوسکتا ہے، بولی اور لب ولہجہ کا بھی ہوسکتا ہے، لباس، تراش خراش، اور رہن سہن کا بھی ہوسکتا ہے۔ شہری اور دیہاتی اور خواندہ اور ناخواندہ کا بھی ہوسکتا ہے۔ اور خود تحریک اور اس کے مقاصد کے بارے میں مخالفین کی پیدا کردہ غلط فہمیوں، الزام تراشیوں اور بدگمانیوں کا بھی ہوسکتا ہے۔ اس پردے کی متعدد صورتیں ہوسکتی ہیں اور ہر صورت تحریک اور عوام کے درمیان حائل ہوکر انھیں باہم قریب ہونے سے روکتی ہے۔

مثلاً تحریک تو عوام کی فلاح کا پروگرام رکھتی ہے اور عوام سمجھتے ہیں کہ وہ انھیں مجبور و پابند کردے گی۔ تحریک کی دعوت اُن کے رسوم ورواج کے بندھن توڑ کر انھیں سادہ فطری اور ہلکا پھلکا کرنا چاہتی ہے اور انھیں یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ انھیں جکڑبندیوں سے دوچار کرے گی تحریک اُن کی بنیادی ضروریات تک کا اہتمام کرنا چاہتی ہے، اور انھیں گمان ہوتا ہے کہ وہ ان کے بنیادی حقوق بھی چھین لے گی۔ اس طرح اپنائیت کے بجائے منافرت، رفاقت کے بجائے عداوت اُلفت کے بجائے کدورت اور اُنسیت کے بجائے اجنبیت باہمی حائل رہتی ہے اور دونوں ایک دوسرے سے دور رہتے ہیں۔ تحریک محسوس کرتی ہے کہ پتھروں کی بارش ہو رہی ہے جن سے روئیدگی کی توقع عبث ہے۔ اور تحریک اور عوام دونوں کے درمیان یہ فاصلہ محض اس سبب سے ہوتا ہے کہ دونوں کے درمیان ناقہمی کا پردہ حائل ہوتا ہے۔ تحریک کی باتیں عوام کے لئے ترکی یا رکی باتیں بن جاتی ہیں جس کی ترکی سے وہ آشنا نہیں ہوتے۔ یہ ناقہمی بالآخر بیزاری چڑچڑاپن اور مایوسی کی شکل اختیار کرلیتی ہے اور فہم کا حجاب، حجابِ اکبر بن کر رہ جاتا ہے اور تحریک اور معاشرہ دونوں اپنی اپنی جگہ سمٹ اور سکڑ کر رہ جاتے ہیں۔

مورچوں اور محاذوں کی کثرت

دعوت دلوں کو مسخر کرنے والی چیز ہوتی ہے اور جب وہ دعوت کسی تحریک کا موضوع ہو تو وہ تحریک ایک زردار اور طوفانی دریا کی مانند ہوتی ہے جو اپنی قوت استدلال، عظیم فلاحی پروگرام، انقلابی تصوّرات ونظریات اور دلنشین اور انوکھے اندازِ بیان سے لپنے اندر دلوں کو مسخر کرنے کا سامان رکھتی ہے۔ معاشرے کا وجود اگرچہ چٹان کی طرح بھاری اور سمندر کی طرح اتھاہ تھا۔ لیکن اس بھاری وجود کا جامد اور رسمی طرزِ فکر بالآخر تحریک کے انقلابی فکر کے زور سے متزلزل ہونے لگتا ہے۔ اس لئے کہ تحریک ایک قوت کا نام ہے جو فکری اور عملی دونوں میدانوں میں فعال وسرگرم ہوتی ہے۔ اس میں بہاؤ ہوتا ہے ٹھہراؤ نہیں ہوتا۔ اس لئے معاشرے کے مقابلے میں تحریک کی تھوڑی سی قوت بھی بہت تاثیر اور تغیر کی صلاحیت رکھتی ہے اور اگر اس کی قوت مرکوز ہوکر معاشرے کو اپنی رَو میں بہانے کا کام مسلسل اور پُر زور طریقے سے کرتی رہے تو وہ کسی پہاڑی نالے کی طرح معاشرے کی بنیادوں تک نظر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے لیکن اگر تحریک کا اصولی نظریاتی اور دعوتی زور مختلف مورچوں پر بٹ جائے تو معاشرے کا بے ہنگم ریوڑ اس تقسیم شدہ قوت کو چھوٹے بڑے حصوں میں تقسیم پاکر اسے علیحدہ علیحدہ اپنے بے شمار بازوؤں میں سمیٹنے اور سمونے کی کوشش کرنے لگتا ہے۔ جس طرح دریا کو نہروں اور نالیوں میں تقسیم کردیا جائے تو اس کے شہ زور دھارے دم توڑ جاتے ہیں اور جو لہریں بڑے بڑے پہاڑوں کو اٹھا کر پٹخنے کی صلاحیت رکھتی تھیں وہ نہروں اور نالیوں میں پہنچ کر اپنا سارا بہاؤ اور قوت کھو دیتی ہیں، یا جس طرح نیزے کی اَنی کو، جو شیروں کا جگر چیرنے کی صلاحیت رکھتی ہے، جب بہت سی سوئیوں کی صورت میں تبدیل کردیا جائے تو وہ کوئی معرکہ سر کرنے کے قابل نہیں رہتی۔ اُسی طرح جب کسی معاشرے میں کوئی تحریک

چاہے تدبیر کے طور پر ہی سہی، توازن کار کا لحاظ رکھے بغیر بہت سارے مورچوں پر اپنی قوت تقسیم کر دیتی ہے تو اس کا وہ زور دار بہاؤ بہت کچھ ختم جاتا ہے اور معاشرے کی بے شمار آلائشیں اور جذب و انجذاب کی قوتیں مختلف صورتوں میں تحریک کے اندر نفوذ کرنے لگتی ہیں جس سے اس کی انقلابی قوت متغیر ہونے لگتی ہے۔

۶۔ دریا کا جتنا زور تھا لہروں میں بٹ گیا۔

بلاشبہ ہر تحریک معاشرے کے مختلف طبقات کو مخاطب کرنے، سمیٹنے اور متوجہ کرنے کے لئے مختلف پلیٹ فارم بناتی ہے اور ہر محاذ کا ایک مورچہ ہوتا ہے۔ لیکن یہ کام بڑی حکمت و تدبر اور منصوبہ بندی کے ساتھ کرنے کا ہوتا ہے اس لئے کہ مختلف محاذوں سے بہت سی چھوٹی چھوٹی قیادتیں اُبھرتی ہیں، اور اس میں معاشرے کی بے شمار کمزوریوں اور نفسیاتی بیماریوں کے گھس آنے کا بھی ڈر ہوتا ہے، زمین پر فرشتوں کو نہیں انسانوں کو آباد کیا گیا ہے اور اجتماعی کاموں کے لئے انسانوں سے بھی کام لینا پڑتا ہے۔ پھر یہ مختلف مورچوں کی چھوٹی چھوٹی قیادتیں جہاں مطلوب ہیں وہاں تحریک کے اجتماعی مرکز اور فکر سے دور رہ کر کام کرنے کے سبب فکر و عمل کی بہت سی امکانی گمراہیوں میں مبتلا ہونے کے احتمال سے بھی ضرور دوچار ہوتی ہیں۔ مثلاً قیادت کا چسکا۔ فوائد سمیٹنے کا طرز فکر، تحریک کی ساکھ سے فائدہ اٹھانے کا رجحان۔ خود پسندی کے سوچ۔ غرض دریا نالیوں میں بٹتے بٹتے اگر خود ہی خشک ہو کر رہ جائے تو یہ اس تدبیر کی مہلک غلطی کا ہولناک نتیجہ بھی ہو سکتا ہے جس میں تقسیم کار کرتے ہوئے احتیاط اور تعین اوقات سے کام نہ لیا گیا ہو۔ اس صورت میں اس تحریک کا یہ انجام ہوتا ہے کہ ؎

اس موج کی حسرت پہ روتی ہے بھنور کی آنکھ
دریا سے اٹھی لیکن ساحل سے نہ ٹکرائی

ظاہر ہے کہ جب فکری وحدت مختلف بولیوں اور مختلف پلیٹ فارموں میں تقسیم ہو جائے اور تحریک کے محدود وسائل ایک پُر زور انقلابی جد و جہد کے بجائے متعدد اور مختلف النوع مورچوں میں بٹ جائیں تو ایسے دریا کی موج کس طرح کسی ساحل مراد تک پہنچ سکے گی۔

مورچوں کی کثرت کا دوسرا رُخ یہ ہے کہ کوئی تحریک دشمن کے مقابلے میں معاشرے کے اندر مختلف محاذوں پر جنگ چھیڑ دے اور وہ جنگ اتنی وسیع الاطراف اور کثیر الوسائل ہو کہ تحریک اتنے محاذوں پر جنگ لڑنے سے عاجز آ جائے اور اس کا امیج (IMAGE) ایک تعمیری قوت کی بجائے ایک جھگڑالو تخریبی قوت کا سا بن کر رہ جائے۔ ظاہر ہے کہ ہر تحریک کا حریف وہ اقتدار وقت ہوتا ہے جو تحریک کے نظریات کے مخالف نظام کا پہریدار اور خدمتگار ہوتا ہے۔ اور چونکہ اس کے ہاتھ میں قوت اور خزانوں کی کنجیاں ہوتی ہیں اس لئے اس کے لئے مقابلہ کرنے میں وسائل کی قلت یا مردان کار کی کمی کا اس کے لئے کبھی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ یہ سوال صرف تحریک میں ہی پیدا ہوتا ہے جو نظام غالب کی تمام نوازشات سے محروم ہو کر اور اس کی تمام قہرمانیوں کا نشانہ بن کر ایک انقلابی جد و جہد کر رہی ہوتی ہے۔ اُسے اپنی قوت کو بڑی احتیاط اور حکمت کے ساتھ اس طرح صرف کرنا ہوتا ہے کہ وقت کے ضائع کئے بغیر نظام غالب کو کچھ نہ کچھ پیچھے دھکیلا جا سکے۔ اس لئے کسی معاشرے میں ایک تحریک کی حکمت عملی یہی ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی تھوڑی قوت کو سمیٹ کر کسی ایک نقطے پر اس طرح مرکوز کر کے استعمال کرے کہ اُس قوت کے استعمال کے جمہوری، سیاسی اور معاشرتی نتائج کھلی آنکھوں سے دیکھے جا سکیں اور عوام اس میں آنے والی کامیابیوں کی جھلک محسوس کر سکیں۔

صاف ظاہر ہے کہ جتنے زیادہ محاذ کھلیں گے اسی قدر تحریک کی قوت بٹے گی، اور جس قدر اس کی قوت زیادہ بٹے گی معاشرے میں اس کا مؤثر نفوذ اسی قدر کم ہو گا، اور جس قدر اس کا نفوذ کم ہو گا اسی قدر وہ معاشرے کے عمل انجذاب کا شکار رہو گی۔ اس طرح معاشرہ کا بحر الکاہل تحریک کی ابھرتی ہوئی سرکش موج کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کر کے پھر اسے واپس اپنے دامن غفلت و جمود میں جا پھینکتا ہے اپنی قوتوں کا ضیاع کرنے والی بہت سی تحریکوں کے مدفن ہر معاشرے کی گود میں پائے جاتے ہیں۔

وجود ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ اسلام کو ایک نظامِ زندگی کی حیثیت سے غالب کرے۔ کافر معاشرے میں ہو تو اس میں سے چُن چُن کر سعید روحوں کو چھانٹے اور مومنین کا ایک جتھا بنا کر دین کے غلبے کی کوشش کرے۔ اور اگر نام نہاد مسلمان معاشرے میں ہو تو اس کے افراد میں اسلام کا فہم و شعور پیدا کر کے ان میں سے اپنے ایمان کے تقاضوں کا جواب دینے کی ہمت رکھنے والوں کو اٹھائے اور انھیں اس کارِ دین پر لگائے۔ اس طرح ایک تحریک بھاری اور عظیم تغیر و انقلاب کی داعی و علمبردار بن کر اٹھتی ہے اور وہ جہاں ایک طرف نظام غالب کی مطلق العنانی کے لئے ایک مجسّم چیلنج ہوتی ہے وہاں اس معاشرے کے سارے ہی طبقات کو ایک نئے نظام کی طرف لے جانے کی داعی ہونے کی حیثیت سے ان کے لئے بھی ایک چیلنج ہوتی ہے۔

جو لوگ اسلام کا حقیقی فہم و شعور حاصل کر لیتے ہیں وہ تو جانتے ہیں کہ انسان اور اس کی انسانیت کی فلاح و سلامتی صرف اسلام میں ہی ہے۔ لیکن جو لوگ اسلام کے تاریخی رول سے بے خبر ہوتے ہیں وہ کچھ اپنی کج فہمی کے سبب اور کچھ اسلام کے دشمنوں کے اکسانے پر، اسلام کے نظام کے بارے میں خوف زدگی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ وہ اسی میں عافیت محسوس کرتے ہیں کہ وہ جس حال میں پڑے ہیں بس اسی حالت میں پڑے رہیں اور کوئی انھیں تغیر کی لہروں سے دوچار نہ کرے۔ یہ عافیت خواہی پھر بے شمار غلط فہمیوں کے ساتھ مل کر بدترین اندیشوں کا باعث بن جاتی ہے۔ انھیں اسلام میں بندہ و آقا کی مساوات دکھائی نہیں دیتی۔ خدا اور رسول کی رحمتیں برستی نظر نہیں آتیں۔ اسلامی حکومت کے حکام کا گھر گھر تک پہنچ کر لوگوں کے حقوق ان تک خود پہنچانے کے اہتمام کا کوئی ادراک نہیں ہوتا۔ انھیں اسلامی نظامِ معیشت میں محتاجوں، مسکینوں، بے روزگار قیدیوں، مسافروں، یتیموں، طالب علموں، بیواؤں، ضعیفوں، بوڑھوں، بے یار و مددگار، حاجت مندوں کی دست گیری کے بے شمار اسباب اور ادارے تو دکھائی نہیں دیتے ہیں، بس انھیں ہر طرف، ہر جگہ اور ہر وقت کوڑے برستے ہی دکھائی دیتے ہیں۔ گویا اسلامی نظام کے قیام کے بعد سارے جرائم انھیں کے حصے میں آئیں گے۔ انھیں ہر طرف ہاتھ کٹتے دکھائی دیتے ہیں۔ گویا پشتینی چوروں کے گروہ انھیں کی قیادت میں سرگرم کار رہتے ہیں۔ انھیں اونچے پاجامے اور نیچے کرتوں کا بے بنیاد غم کھاتا رہتا ہے۔ جب کہ اسلام نے لباس کی کوئی تراش خراش اصولِ ستر کے سوا مقرر نہیں کی ہے۔ انھیں خوابوں میں خوفناک ڈاڑھیاں لہراتی دکھائی دیتی ہیں حالانکہ ان کے اپنے بچے ان کے چاروں طرف ہپی بنے اور ڈاڑھیاں لٹکائے پھرتے نظر آتے ہیں۔ انھیں اسلام میں مادی ترقیات کے دروازے بند ہوتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ حالانکہ اسلام اشرف المخلوقات کے لئے انفس و آفاق کی فتوحات کے دروازے کھولتا ہے اور جنھوں نے سچے دل سے اسلام قبول کر کے اس پر عمل کیا تھا انھوں نے ساری دنیا کی صدیوں تک قیادت کی تھی اور آج مسلمانوں کے حصے میں موجودہ پس ماندگی اسلام کے سبب نہیں بلکہ اسلام سے دوری کے سبب آئی ہے۔

غرض مسلمانوں میں فتنہ و فساد کا علمبردار ایک گروہ اسلام سے خوف زدگی کی وبا طاعون کے چوہوں کی طرح پھیلاتا رہتا ہے اور معاشرے کے بھولے بھالے عوام اپنی بے خبری سے اور نفس پرست لوگ اپنی کمزوریوں کے سبب اپنے ہی دین سے دہشت زدہ ہو کر کانپتے رہتے ہیں۔ مسلمانوں کی اسلام سے دہشت و وحشت دور کرنا ہر اس تحریک کا بنیادی فرض ہوتا ہے جو انھیں اسلام کے مقصد کے لئے اٹھانا اور آگے بڑھانا چاہتی ہے۔ وہ اگر عملی اسلام سے دہشت زدہ اور خوف زدہ ہو کر پیچھے اور دور دور رہیں گے تو تحریک سرگرمی اور فعالیت سے محروم ہو جائے گی اور اس کا مقصدِ وجود فوت ہو جائے گا۔

کیا ہم مسلمان ہیں؟

ایک ہی اہم سوچ

"آج" — یا — "کل"

کیسا بدنصیب کھیل ہے قمار اور جوا جس میں ہارنے والا بھی مذہب کی نظر میں ہارتا ہے اور جیتنے والا بھی ہارتا ہے! — جب دنیا کے لیے دنیا ہی کو داؤ پر لگانے والے اتنے بدنصیب اور اس قدر نامراد و ناکام ہیں اللہ کی نظر میں تو وہ لوگ کیسے ہوں گے جو دنیا کے لیے دین کو داؤ پر لگائے بیٹھے ہوں! ۔ اگر جواری جوئے کی طوفانی رو میں سونے اور چاندی کو پانے کے لیے سب کچھ ہارنے کے بعد اپنی بیوی اور اپنی ماں کو بھی داؤ پر لگا دیتا ہے تو جوے کے چاہنے والے جواریوں کی نظر میں بھی اس جواری کی کوئی قیمت نہیں رہتی — وہ ان کی نظر سے بھی نیچے گرتا ہے — گرتا چلا جاتا ہے، اس قدر نیچا ہو جاتا ہے کہ جانور بھی اونچے ہو جاتے ہیں مگر وہ ان سے بھی نیچا ہو کر رہ جاتا ہے — اس دنیائے دنی اور اس دنیائے فانی کے جواہرات اور سیم و زر بھی اسے جیتے جاگتے انسانوں، یا پاپی انسانوں کی نظروں میں بھی بدترین جانور بن جانے سے روک نہیں پاتے — بچا نہیں سکتے۔ دنیا کے لیے جب بیوی، بیٹی اور ماں کو داؤ پر لگانے والا بردوں کی نظروں سے بھی اس قدر نیچا گر جاتا ہے، خود اپنی انسانیت کو ہار جاتا ہے تو اے لوگو! ذرا سوچو تو سہی! — کہ وہ شخص زمین کے انسانوں اور آسمان کے فرشتوں میں کس قدر نیچا قرار پاتا ہوگا۔ کیسا ذلیل ہوتا اور اپنی ساری انسانی آبرو کھو دیتا ہوگا جو پوری انسانیت کو داؤ پر لگا دے حصول دنیا کے قمارخانہ میں: — اور — اور

نہ صرف ساری انسانیت بلکہ ساری کائنات کی جان دین حق کو دنیائے فانی کے لیے داؤں پر لگا دے! — دین حق کو — گویا خدا کو!! — ہائے! وہ بدنصیب ترین انسان! جو ساری نہیں "تھوڑی سی دنیا — بہت تھوڑی سی دنیا، ہمیشہ نہیں تھوڑی سی دیر کے لیے" پانے کی موہوم امید میں شیطان کے بازار حسن فروش میں سارے دین کو داؤں پر لگا رہے ہیں — بیوی، بیٹی، ماں، بہن، ساری محبتوں اور رحمتوں کے ایک ہی سرچشمے خدا کو داؤں پر لگا رہے ہیں! اور آدم کے خون — ایک ہی خون کو بھی۔ نہ انھیں ان کی خود غرضی اور خود پرستی سے ایک خدا کا خیال روک سکا اور نہ آدم خوری! اور نہ خون آشامی سے یہ حقیقت روک سکی کہ لوٹنے والا بھی اسی آدم کا بیٹا یا بیٹی ہے اور لٹنے والا بھی! — یہی ہیں وہ بدترین جواری جو ایک خدا اور ایک ہی خون — ایک معبود اور ایک ہی باپ — دونوں حقیقتوں کو بیچ کر ایک ایسی دنیا خریدنا چاہتے ہیں جو ہماری نظر میں آج زندہ سہی کل آنکھ پھراتے ہی مردہ اور مردار ہو جائے گی اور خدا کی نظر میں تو آج ہی مردہ ہے، مردار ہے! — ہائے! یہ ہمارے بہن بھائی جن کی روح کو انسانیت کا بھیڑیا ابلیس کھا گیا! — جن کی آنکھیں کہیں چمکتے ہوئے پتھروں سونے چاندی کی چمک سے خیرہ ہو گئیں اور جن کے گوش و ہوش کو نوٹوں کی سرسراہٹ نے شل کر دیا تو کہیں عورت نے! ۔ کہیں ماں نے۔ کہیں کھال نے ان کی

بصیرت کو لوٹ لیا، اور کہیں اس زمین کی بھوک نے جو خود ان کے گوشت ہی نہیں ہڈیوں تک کی بھوک سے اندر ہی اندر دوزخ کی بھوک کی طرح سلگ رہی ہے! ایک مُردہ اور مردار کے لیے ایک زندہ اور ایک زندۂ جاوید کو بیچ دیا! —— انسانیت اور خدا کو نیلام کر دینا ہے! —— نہیں —— یہ خود جیتے جی مر جانا ہے۔ بھری دنیا کے سامنے زمین پر اور سات آسمانوں کے فرشتوں کے سامنے انسانیت کے لحاظ سے دیوالیہ ہو جانا ہے! —— اور کل میدان حشر میں انبیاء علیہم السلام کے سامنے آکر خدا کی عظیم میزان کا یہ فیصلہ سننے کی تیاری کرنا ہے کہ تم نے انسانیت اور حق —— خون اور عار دونوں کی آبرو کو بیچ کر جو کچھ خریدا وہ کبھی گوڑا تھا اور جس نے خریدا وہ بھی آدمی نہیں۔ ایسا بھیانک کوڑا کرکٹ تھا جو زمین کے سینے پر خنزیر اور کتے سے زیادہ ناپاک بوجھ بن کر جیا اور آسمان پر کیڑے پڑی ہوئی لاشوں سے زیادہ سڑا ہوا ہو کر پہنچا تو اسکی بدبو سے آسمانوں اور فرشتوں کے دماغ پھٹنے لگے!

ایک بار —— آہ! ایک بار اسی خون چکاں المیہ سے انسان کو بچانے کے لیے، مدینہ کی گذرگاہ پر خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر حقیقت کو افسانہ اور افسانہ کو حقیقت بنانے والے دیوانوں کو ہوش میں لانے کی کیسی حکیمانہ اور دردمندانہ تدبیر کی تھی! - ایک درد دل بھری تدبیر! جسے دل سوزی اور ایمان افروزی کے دونوں زاویوں سے شاید ایسی غفلت کے مارے ہوؤں کی "آخری دوا" کہا جا سکتا ہے۔

"بولو!" —— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یکایک چلتے چلتے ایک مردار بکری کے بچے کے قریب کھڑے ہو کر اپنے چاروں طرف والہانہ، پروانہ وار چلنے والوں کو نظر کرتے ہوئے پوچھا —— "بولو! —— اے لوگو! اسے کون خریدتا ہے اور کتنے میں؟؟ ...."

سننے والوں نے ایک آواز سنی جس میں کوٹ کوٹ کر درد بھرا ہوا محسوس ہو رہا تھا —— اور نظر اٹھا کر دیکھا تو محسوس کیا کہ درد دل کا پیمانہ جیسے چھلکنے ہی والا ہے! ——

اور پھر اس دردناک سنجیدگی کی فضا میں عجیب و غریب سوال پ سوچتے ہوئے اس مردار بکری کے بچے پر نظر ڈالی جو کوڑے کے ڈھیر پر پڑا ہوا سب سے مکروہ کوڑے کے سوا کچھ بھی نہ رہا تھا! —— اور سوچا: —— کہ اسے حضور جیسی ہستی فروخت کر رہی ہے! - اس کے خریداری کی آواز لگا کر خریداروں کو بلا رہی ہے! —— لیکن! —— آہ! یہ مردار سامان! —— جو اس ہستی کے ہاتھ سے بھ نہیں بن سکتا تھا جس کے ہاتھوں میں ہاتھ دیتے ہی کتنے درند انسان ہو گئے اور انسان کامل ہو گئے۔ —— شرا دلی ہو گئے! —— ڈاکو اور راہزن بھٹکی ہوئی انسانیت کے عظیم راہبر اور جاں نثار بن گئے۔ —— ہاں اُس کے مبارک ہاتھوں سے بھی یہ مردار سامان اپنے زندہ خریدا نہ پا سکا —— ان لوگوں میں بھی نہ پا سکا جو اسی ہستی کے ایک اشارے پر تلواروں کی دھار پر اپنی گردنیں رکھ کر رقص بسمل کی کہانیوں کو "تاریخی حقیقت" میں تبدیل کر کے چلے گئے۔ ان سب نے ایک ہی حیرت زا اور حیرت آسا جواب دیا کہ "حضور! ہمارے ماں باپ آپ پر وار دیے جائیں! —— اس مردار بکری کے بچہ کو خریدنے کے دوسرے معنی تو اپنی دولت کو ضائع اور اپنی عقل کی نعمت کو رسوا کرنا ہو گا! —— یہ ہمارے کسی کام کی نہیں!"

اور ابھی اس جواب کی حیرت زدگی کی گونج ختم نہ ہونے پائی تھی کہ ایک اس سے بھی زیادہ عجیب سودے کا اعلان ہونٹ سے ہوا جن کی عصمت صداقت کی قسم وہ دشمن جاں بھی کھا رہے نہ تھکتے تھے کہ جنھیں ان ہونٹوں سے جھڑتے ہوئے سدا سے عظیم صداقت کے الفاظ، وہ الفاظ" جھوٹ لگ رہے تھے کہ جن پر سارے زمین و آسمان ہی نہیں سارے آسمانوں اور زمینوں کا پروردگار گواہ تھا۔

"بولو! اے انسانو! —— انھوں نے دوسرا اعلان کیا —— کون ہے جو اسے بلا قیمت بکسر مفت لے لینا قبول کرے! —— آہ کون ہے اس کا مفت لے لینے والا؟" —— اور ان الفاظ کے ساتھ ساتھ آ

تہائی مقناطیسی آنکھوں میں اس کے مقدس ترین آنسو
جھلملانے لگے تو دیکھنے والے پروانے بھی رو پڑے — لیکن
دو گداز کے اس سارے عالم میں بھی کوئی اس "مردار" کا
خریدار تو کیا مفت لے لینے والا ایک بھی نہ نکل سکا۔

"حضورؐ! ہمارے ماں باپ آپؐ پر قربان حضورؐ!! —
وہ تڑپ کر پکار اٹھے" — حضورؐ! ہم اسے مفت لیں گے
گھر میں اس طہارت و نفاست کو گھائل ہی کریں گے جس کا درس
آپؐ نے ہمیں دیا ہے! —

اور — یہ جواب سن کر گویا سوال کرنے والا
دہی تو دیا ہے! — اور دل کی خوں چکاں دھڑکنوں کو ہونٹوں
سمیٹ لاتے ہوئے بولا "لیکن افسوس! کہ تم اس دنیا کے
خریدار ہو — بڑی سے بڑی قیمت پر ہو! کہ جو
دنیا تمہارے خدا کی نظر میں اس سے بھی زیادہ مردار آج ہی ہو
تنی تمہاری نظر میں آج یہ بکری کا بچہ ہے اور کل مرتے ہی خود یہ
دنیا بھی ایسی ہی ہوجائے گی۔ خود تمہاری نظروں میں بھی!! ...."

اور — ایک خدا اور ایک ہی خون' ایک معبود اللہ
اور ایک ہی باپ آدمؑ دونوں کے رشتے سے جو دین حق ہمیں اسلیے
ملا تھا کہ آدم کی ساری نسل کو ان دونوں رشتوں سے پہنچاتے ہوئے
اس پر ساری دنیا لٹاتے چلے جائیں کہ سارے انسانوں میں ایک
ہی باپ کا خون بھی ہے اور ایک ہی ماں کا دودھ بھی اور ایک ہی
خدا کے دست تخلیق کا لمس بھی ہے اور ایک ہی خدا کی پھونکی ہوئی
روح بھی! — چاہے ان میں کچھ وہ ہوں جو مسلمان
پیدا ہوئے تو مسلمان ہی رہے۔ یا وہ ہوں جو دین فطرت پر
ایسے ہی پیدا ہوئے تھے جیسا خدا سب کو دیکھنا چاہتا ہے مگر
ان کے خدا فراموش ماں باپ نے انھیں ایسا بنا ڈالا جیسے وہ
اب دکھے! — ہم اس "ایک خدا اور ایک ہی خون"
کے رشتے سے آج زمین اور زمین کے اندھے کی دیوڑی کی طرح
اپنے خیال والے اپنے اپنوں میں بانٹنے کو کمال دینداری سمجھنے لگے
اور ہم ہیں جو "دنیا دار" ہیں انھوں نے تو دین کا لبادہ اوڑھ کر
بھی اس نمود غرضی پر چلایا یا اس سے بھی نیچے گرے تو دنیا حاصل
کرنے کے لیے دین کو — ایک خدا اور ایک مومن کے

اس درد بھری دو آتشہ حقیقت کو شیطنت کے بازار میں سر بازار
نیلام کرنا سکھایا — لیکن آہ اسی بازار سے ایک
بار آنحضرتؐ کے ایک صحابی ابوہریرہؓ بھی گذرے تھے تو دنیا کو
اس بدترین سفاکی و ستم سے نکالنے کے لیے ایسی چیخ ماری تھی
جو ہزاروں سال کے مردوں کو بھی سنائی جاتی تو تڑپ کر کھڑے
ہوجاتے — انھوں نے کہا "اے لوگو! تم یہاں بازار میں
خرید و فروخت میں سب کچھ بھول کر بیٹھے ہو اور مسجد میں آخری رسولؐ
کا ترکہ بٹ رہا ہے! — اور سارے دوکاندار مسجد کی
طرف اس خیال سے دوڑ پڑے کہ آخری نبیؐ کا کوئی عظیم ترکہ
— کوئی خزانہ ہاتھ آگیا ہے جو ساری امت پر تقسیم ہو رہا ہے
— ہائے وہ انبیاء جن کی زندگی بھی امت کے لیے ہوتی تھی
اور موت بھی! — مگر ہائے امت! جو کتنی جلد انکی حقیقت
کو بھول بھول جاتی ہے! کچھ اس طرح بھولتے ہیں کہ یاد دلاتے ہی
یاد آجائے تو پھر تڑپا دے۔ ایسے صحابہ کرام اور ان کے دیدار کرنے
والے لوگ تھے۔ اور کچھ اس طرح بھولتے ہیں کہ یاد دلانے پر بھی
یاد نہ آئے! اور یاد دلانے والے ہی کو تڑپا دے تو اس وقت بھی
بت کی طرح اس تڑپ کو دیکھے! — آہ! کیا ہم
ایسے ہی لوگوں میں ہم اپنا شمار آج زمین پر کرانا چاہیں گے اور کل
اس دن جب آخری فیصلہ کے لیے عرش عظیم فرش زمین پر اتر
آئے گا؟

لوگ مسجد میں یہ دیکھ کر کہ وہاں کوئی دنیا نہیں بٹ رہی
ہے الٹے پاؤں حیران واپس آئے کہ ابوہریرہؓ جو صادق و امینؓ
کی خبریں دینے والے ہیں غلط خبر کیسے دے گئے' اور پکار
اٹھے "وہاں تو کوئی ترکہ نہیں بٹ رہا ہے؟" — جب
پوچھا گیا کہ وہاں کیا ہو رہا تھا؟ — اور جواب ملا کہ
درس قرآن — درس حدیث — فکر و ذکر اور بس!"
تو جیسے اس دن حضورؐ روئے تھے اور رلا دیا تھا اس طرح آج
ان کے صحابی ابوہریرہؓ نے بہتے ہوئے آنسوؤں سے گلوگیر آواز
میں کہا — "ہائے ظالمو! — اور رسولؐ کا ترکہ
آخر کیا ہوتا ہے؟ ...." اور — سننے والوں
نے یہ الفاظ سنتے ہی اپنی غفلت و کم آگہی کے احساس سے سر پیٹ لیا

اور پھر مسجد ہی کی طرف افتاں و خیزاں ـــــ گریاں خدا کے حضور اس بھول پر توبہ کے لیے لوٹ گئے۔

یہ لوٹنا ـــــ یہ پلٹنا تو ایک بہت بڑی دولت ہے دین کی، اتنی بڑی کہ عابدوں اور زاہدوں کی عبادت و زہد کا دامن بھی توبہ کے ان آنسوؤں سے تر ہو کر ہی عظیم بنتا ہے اور غلطی کے بعد احساسِ خطا کے ذریعہ یہ قیامت سے پہلے اپنے اندر وں میں قیامت اٹھانے والے نہ ہوتے تو بتایا گیا کہ یہ ساری محفل ہی خدا کی نظر میں خالی اور پھیکی رہ جاتی اور وہ ایک اور مخلوق ایسی بناتا جس کی غلطی سزا سے پہلے خود ہی سزا بنتی تو خدا کی نظر میں جزا ہی جزا بن کر رہ جاتی یہ تو انکو حاصل ہوتا ہے کہ جو اپنی دنیا کے پیچھے اپنے دین کو بشری طور پر بھول بھول جاتے ہیں ـــــ یہ ان کو بھی حاصل ہو جاتا ہے کہ جو اپنی آخرت کو بیچ کر اپنی ذات کی حد تک اپنی دنیا خریدنے کی ٹھوکر کھا جاتے ہیں، مگر انھیں شاید کبھی نہیں ملتا جو آخرت اپنی بیچتے ہیں، مگر دنیا بھی اپنی نہیں دوسروں کی بناتے ہیں! ـــــ یہی ہیں وہ لوگ جنھیں اس صحابیؓ نے جو نبی ہو جاتے اگر آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی ہوتا ـــــ دل کی ہوک کے ساتھ فرمایا تھا کہ وہ احمق سے بھی بڑے احمق ہیں۔ یہ اس دن کی بات ہے جب انھوں نے خلافت کے دوران ایک محفل میں حاضرین سے پوچھا تھا:

" اے لوگو! وہ کہ جنھوں نے حقیقت کا سراج منیر دیکھا ہے بتاؤ تمہاری نظر میں احمق کون ہے؟"۔

اور لوگوں نے کہا تھا " اے امیر المومنین! وہ ہے احمق جو اپنی آخرت فروخت کر دے جو جاودانی اور سب کچھ ہے اور اپنی دنیا خریدے جو فانی ہے اور کچھ بھی نہیں" ـــــ اور حضرت عمرؓ نے گلوگیر آواز میں فرمایا تھا " ہاں ـــــ لیکن آہ! ـــــ ایک اس سے بھی احمق تو ہے وہ جو آخرت اپنی خراب کرتا ہے اور دنیا اپنی نہیں دوسروں کی بنا رہا ہے! ـــ نہ جانے ہم کن لوگوں میں ہیں! ـ

آہ! یہ سب ہمارے سوا کون بتا سکتا ہے یہاں؟ آج ہم ہی ہمیں یہ بات بتا کر صحابہؓ کی گرد پا تو سکتے ہیں جو خود اپنے دل سے پوچھا کرتے تھے کہ "کیا ہم مسلمان ہیں!" ـــــ یا کل پھر حشر کے حشرناک دن وہ خدا بتلائے گا کہ جس کی قیامت کا ایک صور ساری کائنات کو گرد راہ بنا کر اڑا دے گا ـــــ ہمیں بھی یہ سوچنا ہے ـــــ وہی سوچنا ہے جو صحابہ زندگی میں سوچا کرتے تھے اور آہ! ہم جیسے قبر میں جا کر سوچنا چاہتے ہیں یا خدا کی زد میں آکر! ـــــ آہ کیا ہم مسلمان ہیں؟۔

دوسری قسط

حسن احمد صدیقی

تبلیغی جماعت

شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

جو مسلمان اپنے کسی کاروبار میں لگے ہوئے ہیں، اور حلال طریقہ سے روزی کمانے کی دوڑ دھوپ میں سرگرداں ہیں انھیں ان کے کام سے ہٹا کر چلہ کشی کے دھندوں میں لگا دینا کسی بھی لحاظ سے قرین ثواب نہیں ہو سکتا۔

جن کے کاروبار کی باگ ڈور کئی آدمیوں کے ہاتھ میں ہو تو ان میں سے کسی ایک کو چلّے لے جانا جائز بھی ہے اور قرین فہم بھی لیکن جس دکان یا جس کاروبار کو چلانے والا ایک ہی شخص ہو اسے کھینچ تان کر اپنے ساتھ چلّے میں لے جانا علم و خرد کے منافی تو ہے ہی اسلامی تعلیمات کے بھی درپے ہے۔

آج کے دور میں ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمانوں کے معاشی مسائل حل کرنے کی فکر کی جائے اور جو مسلمان روزگار سے بھاگتے ہیں اور ہوٹلوں اور چوپالوں میں گپ بازی کر کے اپنی زندگی کے قیمتی لمحات ضائع کر رہے ہیں۔ انھیں اس بات کے لیے مجبور کیا جائے کہ وہ کوئی کاروبار شروع کریں یا ملازمت کا پیشہ اختیار کر کے اپنی زندگی کی ضروریات پوری کریں —— نہ کہ دوسروں کے محتاج و دست نگر ہوں۔

جو مسلمان کچھ نہیں کرتے وہ اسلام کو رسوا و بدنام کرنے کی خدمت انجام دیتے ہیں اور ایسے مسلمان کسی بھی گندی تحریک کا شکار ہو کر ساری ملت کے لیے ذلت و بدنامی کا باعث بن جاتے ہیں۔

نس بندی کی کالی تحریک کے دوران گورنمنٹ کی طرف سے اس بات کا اعلان ہوا کہ جو لوگ نس بندی کرائیں گے انھیں دو سو روپے بطور انعام پیش کیے جائیں گے۔ دو سو روپے کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی لیکن جو مسلمان مفلوک الحال تھے یا بے روزگار رہنے کے عادی تھے اور ان کی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں تھا انھوں نے گورنمنٹ کے اس اعلان پر لبیک کہا اور دو سو روپوں کی حقیر رقم کی خاطر اپنی نس بندی کرا ڈالی یہی نہیں، راجستھان کے ایک علاقہ میں ایک صاحب نے صرف آدھی کلو گھی میں اپنی نس بندی کرائی۔ کیا کسی مالدار اور صاحب روزگار سے اس بات کی توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ چند سو روپوں کی خاطر کسی حرام و ناجائز کام کرنے کے لیے آمادہ ہو جائیگا محض گورنمنٹ کی ترغیب و ترہیب کی وجہ سے۔

قارئین کو معلوم ہونا چاہیے کہ ابھی حال میں ہونے والے الیکشن سے کچھ ایام قبل یو۔ پی گورنمنٹ نے ہر شہر کے ایک کانگریسی لیڈر کو اس کام پر لگایا تھا کہ وہ اپنے شہر کے غریب اور مفلس لوگوں کے نام لکھ کر دے تاکہ ہم ان سے رابطہ قائم کر کے انھیں کچھ لالچ دیکر انھیں نس بندی کے لیے مجبور کریں۔ الیکشن کا اعلان ہونے کے بعد تو نس بندی کی تحریک کو مصلحتاً ملتوی کر دیا گیا تھا۔ اگر ملتوی نہ کیا جاتا تو کوئی غریب مسلمان ایسا باقی نہ رہتا جو نس بندی کی لپیٹ میں نہ آگیا ہوتا۔

مالدار لوگ گورنمنٹ کے ظلم زیادہ دیر تک سہہ لیتے ہیں

اور غریب و نادار لوگ گورنمنٹ کے ظلم کے آگے چند ہی دن میں ہتھیار ڈال دیتے ہیں اور گورنمنٹ کی من مانی کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

غربت زیادہ تر بے روزگاری سے جنم لیتی ہے اور یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ مسلمانوں میں بے روزگاری دن بدن بڑھ رہی ہے۔ مسلمانوں کی نئی نسل نوبہیرو بنکر خواہش اور سڑکوں پر سیر گشت کرنے کے ما سوا کچھ نہیں کرنا چاہتی ایسے لوگوں کے لیے بہترین تبلیغ یہ ہے کہ انھیں کسی چلے میں لگنے کی تلقین کی جائے۔ ایک بیکار آدمی ان گنت برائیوں کی بنیاد ہوتا ہے۔ جس معاشرہ میں لوگ بیکار نہ ہوں اس معاشرہ میں جرائم و رذائل برائے نام ہی ہوتے ہیں۔ برائیوں کی ریل پیل ان علاقوں میں زیادہ نظر آتی ہے جن علاقوں کے لوگ فالتو پھرنے اور مانگ تانگ کے ذریعہ اپنا پیٹ بھرنے کے عادی ہوں۔

تبلیغی جماعت اگر اپنی نفسانی خواہشوں کے پیچھے آنکھیں بند کر کے دوڑنے کی خوگر نہیں ہے تو اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اس دور میں بے روزگار مسلمانوں کو کسی کام میں لگانے کی کوشش کرے۔ ان کے سامنے فالتو اور بے کار پھرنے کی مضرتیں بیان کرے تاکہ وہ خالی پڑے رہنے کے نتائجوں سے واقف ہو سکیں اور آئندہ پڑے رہنے سے احتراز و اجتناب کرنے کی سعی کریں۔ اور جو لوگ حلال طریقہ سے کسی کاروبار میں لگے ہوئے ہیں اور نماز وغیرہ کے پابند ہیں اور ان کے لیے تبلیغی جماعت کی طرف سے یہ تاکید ہونی چاہیے کہ تم اپنے کاروبار سے غافل مت ہونا۔ تمہارا جہاد یہی ہے کہ تم نماز وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد اپنے کاروبار کو چلانے کی جد و جہد کرتے رہو اور اپنے بیوی بچوں کی ضروریات پوری کرتے رہو۔

تبلیغی جماعت کے بعض بقراط دن کی روشنی میں بار روزگار لوگوں سے یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ چلو دکان بند کر کے اور اپنی کاروباری اور ملازمانہ ڈیوٹی کو نظر انداز کر کے چلتے ہیں۔ خدا خود تمہاری دکان، تمہارے مال و پیشہ کی نگہبانی کرے گا تم کیوں فکر کرتے ہو۔ وہی رزاق ہے اور وہی ہر چیز کا محافظ۔

یہ اللہ کے ساتھ مذاق ہے کہ آدمی دکان میں تالے ڈال کر اس بات کی توقع کرنے لگے کہ دکان باقی رہے گی اور میرے بیوی بچوں کے منھ میں خود نوالے آ آ کر گرنے لگیں گے دکان کو مقفل کر کے چلے میں نکل جانا اور اس خوش فہمی میں مبتلا رہنا ہم توکل کے راستوں پر چل رہے ہیں، کوری حماقت کے سوا کچھ نہیں۔ توکل یہ ہے کہ آدمی پہلے تمام ممکنہ تدابیر پر عمل کرے اور اس کے بعد خدا پر بھروسہ کرے کہ وہی میرا کارساز ہے۔ وہی میری تدابیر میں جان پیدا کرنے والا ہے یہ حرکت اسلامی توکل کے منافی ہے کہ آدمی اپنے ہاتھ پیر توڑ کر کسی مسجد کے کونے میں بیٹھ جائے اور یہ گمان اپنے دل و دماغ میں جمالے کہ کھانے کی رکابیاں خود میرے پاس آئیں گی اور اس طرح خدا اپنی رزاقیت کا ثبوت خود ہی پیش کرے گا

ایک صحابی رضؓ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار اس بات کی نصیحت کی کہ پہلے اپنے اونٹ کو کسی کھونٹے سے باندھ دو اس کے بعد اللہ پر بھروسہ کرو۔ آپ ہی نے یہ بھی فرمایا تھا کہ بے منڈھیر کی چھت پر اگر کوئی سویا اور گر کر مر گیا تو وہ اپنی ہلاکت کا آپ ہی ذمہ دار ہے۔ گویا کہ بے منڈھیر کی چھت پر سونے والا اگر یہ دعویٰ کرے کہ میں تو خدا کے بھروسہ پر یہاں سو رہا ہوں تو اس دعوے کی اسلامی نقطۂ نظر سے کوئی وقعت نہیں ہے۔ اسلامی توکل یہ ہے کہ پہلے تمام تدابیر کو بروئے کار لے آیا جائے۔ اس کے بعد مالک حقیقی پر بھروسہ کیا جائے۔ کھلی چھت پر سونے سے پہلے اپنے تحفظ کے لیے ہر ممکن احتیاط کر لی جائے۔ اس کے بعد یہ یقین رکھا جائے کہ خدا ہماری حفاظت کرے گا۔

دکان۔ مکان۔ ملازمت۔ تجارت۔ بیوی بچے۔ زندگی اور زندگی کے تمام لوازمات بلا شبہ اللہ تعالیٰ کے زیر قدرت ہیں۔ اللہ کی مرضی کے بغیر ان میں سے کوئی چیز باقی رہ سکتی ہے نہ کوئی چیز ختم ہو سکتی ہے۔ کسی کاروبار کو اگر اللہ تعالیٰ مٹانا چاہیں تو لاکھ کوششوں کے باوجود بھی

وہ کاروبار باقی نہیں رہ سکتا۔ اور اگر کسی کاروبار کو اللہ تعالیٰ باقی رکھنا چاہیں تو اس کاروبار کو مخالفت و دشمنی کی ہزار آندھیاں مل کر بھی نیست و نابود کرنے پر قادر نہیں ہوسکتیں۔ تبلیغی جماعت کی طرح ہم بھی اس بات کے قائل ہیں کہ دنیا کی ہر چیز پر خدا کا اختیار ہے ہر کامیابی اور ناکامی، فتح اور شکست، ہر ترقی اور زوال، ہر تعمیر اور ہر انہدام خدا کے اشاروں کا محتاج ہے۔ خدا کی مرضی کے بغیر کوئی پتہ نہیں ہل سکتا، کوئی ذرہ حرکت نہیں کر سکتا۔ لیکن ہم اس کے ساتھ ساتھ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ یہ خدا کی سنت رہی ہے کہ وہ ان ہی لوگوں کو کامیابی سے نوازتا ہے جو کامیابی کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ وہ روزگار ان ہی کو دیتا ہے جو روزگار کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ وہ دکان ان ہی لوگوں کی چلاتا ہے جو صبح سے شام تک اس میں کھپے رہتے ہیں۔ کامیابی و ترقی کے لیے جدوجہد کو ضروری اسی خدا نے قرار دیا ہے جو خدا اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ میری قدرت کاملہ اور اختیارات واسعہ پر ایمان رکھو۔

خدا اس بات پر بھی قادر ہے کہ بغیر علاج کے مرض کو دفع کر دے تو کیا تبلیغی جماعت والوں نے اپنے مریضوں کو اس بات کا سبق پڑھایا ہے کہ علاج کو ضروری مت سمجھو۔ امراض خدا کی مرضی سے آتے ہیں اور خدا کی مرضی سے چلے جاتے ہیں۔ دوا اور علاج کی کوئی حیثیت نہیں۔

خدا اس بات پر بھی قادر ہے کہ آسمان سے رزق برسائے اور ہر مسلمان کے گھر میں کھانوں کے سجے سجائے دسترخوان آسمان سے نازل ہونے لگیں۔ لیکن کیا کبھی کسی آنکھ نے آسمان سے دسترخوان اترتے دیکھے ہیں۔

خدا اس بات پر بھی قادر ہے کہ روزگار خود چل کر ہمارے گھر آجائے اور ہمارا دروازہ کھٹکھٹا کر ہمیں مطلع کرے کہ میں تمہارا روزگار ہوں اٹھو اور میرا سہارا لے کر روزی کماؤ۔

تو کیا روزگار کے لیے ہماری جدوجہد کرنا فضولیات ہی میں سے ہے؟ اور کیا بغیر کوشش و جستجو کے دنیا کے سارے انسانوں کو روزگار مہیا ہو جاتا ہے؟

اور خدا تو اس بات پر بھی قادر ہے کہ بغیر کسی جماعت اور کسی ادارے کی کوشش کے اسلام پوری دنیا میں پھیلا دے اور ہر نسلی مسلمان کو حقیقی مسلمان بنا دے تو پھر تبلیغی جماعت کیوں تبلیغ دین کرنے کی فکر میں سرگرداں دکھائی دیتی ہے۔ کیا تبلیغی جماعت کو اس بات پر یقین نہیں ہے کہ خدا اس کی جدوجہد کے بغیر بھی دنیا میں اسلام پھیلا سکتا ہے؟ اگر یقین ہے تو پھر کیوں کوشش کر رہی ہے؟ ظاہر ہے کہ محض اس لیے کہ کوشش اور جدوجہد کے بغیر کوئی کام پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچتا۔

تبلیغ دین بھی پایۂ تکمیل کو اس وقت تک نہیں پہنچ سکتی جب تک اس کے لیے دل کی گہرائی سے جدوجہد نہ کی جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ معاملہ تبلیغ دین کا ہو یا امور روزگار کا۔ کوشش اور دوڑ دھوپ کیے بغیر اس میں کامیابی حاصل نہیں کی جا سکتی۔ جو شخص روزگار میں لگا ہوا ہے اسے اس بات کا یقین دلانا کہ تم چلے میں چلو خدا تمہارے روزگار میں ترقی دے گا۔ اور تمہارا کاروبار آٹومیٹک طور پر ترقی کرتا رہے گا نادانی کے سوا کیا کہلائے گا؟۔

ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ تبلیغی جماعت چلہ بازی کے سلسلہ کو تو اب ختم کر دے اور ہر شہر میں اپنا ایک مرکز قائم کرکے ہفتہ میں ایک بار۔ یا دو بار تقریر کا پروگرام رکھے اور مسلمانوں کو دین کی راہوں پر چلنے کی تعلیم کے ساتھ ساتھ یہ سبق بھی دے کہ مسلمانو تم میں جو بے روزگار ہیں وہ کسی روزگار میں لگنے کی کوشش کریں اور تم میں جو باروزگار ہیں وہ اپنے روزگار کے تحفظ و بقا اور اس کی ترویج و ترقی کی فکر میں لگے رہیں۔ اس لیے کہ جس قوم کے اکثر افراد بے روزگار ہوتے ہیں وہ آج کی دنیا میں نکمی سمجھی جاتی ہے۔ آج کے پرفتن دور میں مسلمانوں کو یہ سبق پڑھانا ضروری ہے کہ وہ اپنی دنیا کو مضبوط کر لیں۔ اس لیے کہ جس مسلمان کی دنیا کمزور اور متزلزل ہو اس کا دین اور اس کے عقائد بھی کمزور اور متزلزل ہوتے ہیں۔ ہم ایک نہیں ان گنت ایسے لوگوں سے واقف ہیں کہ وہ صحیح عقیدے کے حامل تھے۔ لیکن غیر معمولی غربت و ناداری کی وجہ سے وہ اپنی ڈگر اور اپنے مسلک سے دور جا پڑے۔ کتنے ہی دیوبندی "چند سکوں" کے چکر میں آکر بریلوی ہو گئے، محض غربت اور پیسہ کی قلت کی وجہ سے

بریلویوں کے گڑھ میں رہنے والا ایک مالدار دیوبندی مسلک کا جتنا مضبوط ہوگا اتنا مضبوط وہ دیوبندی نہیں ہوسکتا جو معاشی اعتبار سے طرح طرح کی الجھنوں کا شکار ہو۔ غریب آدمی اول تو کسی سے الجھتے ہوئے ڈرتا ہے اور اگر الجھ جاتا ہے تو دشمن سے مفاہمت کرنے کے سوا کچھ نہیں کرسکتا۔

آج ہمارے اردگرد کفر و شرک کی ہزار لعنتیں بکھری ہوئی ہیں۔ اور ہم ان لعنتوں کو برداشت کرنے پر مجبور ہیں محض اس لیے کہ ان سے ٹکرانے کی نہ ہم میں جرأت ہے نہ سکت۔ ہم ان گنت برائیوں کو برا سمجھتے ہوئے بھی انھیں گلے سے لگانے کے لیے مجبور ہیں۔ اس لیے کہ انھیں گلے سے لگائے بغیر ہمارے کتنے ہی مفادات حل نہیں ہوتے۔ نس بندی کو ناجائز سمجھتے ہوئے بھی ہمارے بے شمار بھائیوں نے اسے اپنا لیا ہے محض اس لیے کہ نس بندی کے عوض "کچھ" ملنے کا یقین تھا اس سے صاف اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ ہم میں جس کی دنیا کمزور ہے اس کا دین بھی کمزور ہے۔ اور کسی وقت بھی اس سے اس کے دین اور اس کے عقیدے کا سودا کیا جاسکتا ہے۔ ایسے دور میں تبلیغی جماعت کا روزگار میں لگے ہوئے مسلمانوں کو ورغلا کر چلّوں میں لے جانا کسی بڑے فتنہ سے کم نہیں۔ اس چلّہ کشی کے کے جو نقصانات رونما ہوئے ہیں وہ بالکل ظاہر و باہر ہیں کوئی اندھا ہی ہوگا جو ان نقصانات کو محسوس نہ کرتا ہو جو تبلیغی جماعت میں زندگیاں کھپا دینے سے "مسلم معاشرہ" میں پیدا ہوگئے ہیں۔

چلّہ کشی کرتے وقت سفروں پر جو پیسہ خرچ ہوتا ہے وہ اگر جمع کرلیا جائے تو مسلمانوں کے کتنے ہی مسائل حل ہوجائیں چلّہ کشی ہمارے نزدیک ایک بے فائدہ سی چیز ہے لیکن یہ قابل تنقید نہ ہوتی اگر چند باتوں کا اس میں لحاظ رکھ لیا جاتا۔ ایک تو یہ کہ جو لوگ اپنے کاموں میں لگے ہوئے ہیں یا تحصیل علم میں زندگی بسر کررہے ہیں انھیں چلّہ دینے کے لیے مجبور نہ کیا جاتا۔ ایک یہ کہ جو لوگ چلّے دینا پسند نہیں کرتے انھیں ہدف ملامت تصور نہ کیا جاتا۔ چلّہ کشی میں فی نفسہ اتنی خرابی موجود نہیں جتنی چلّے کشی کے لیے زور زبردستی نے پیدا کردی ہے۔ تبلیغی جماعت مندرجہ ذیل باتوں کو ملحوظ رکھے تو اس کے اندر ایک محسوس ہونے والی جاذبیت پیدا ہوجائے۔

سب سے پہلے تو یہ کوشش ہونی چاہیے کہ یہ چلّے بازی کا چکر سرے سے ختم ہی ہو۔ اس کی تلافی کے لیے ہر شہر میں تبلیغی جماعت کے مراکز قائم کرلیے جائیں اور ہفتہ وار اجتماعات کا سلسلہ شروع کردیا جائے۔ جو لوگ ان اجتماعات میں شریک ہوں ان کے لیے وعظ بیان کیا جائے اور جو لوگ نہ آئیں ان کا تعاقب نہ کیا جائے۔

اگر چلہ بازی کے بغیر تبلیغی جماعت اپنا وجود باقی نہیں رکھ سکتی تو پھر یہ ضروری ہے کہ تشکیلی پروگرام کے وقت اکراہ و استکراہ سے کام نہ لیا جائے بلکہ اللہ کے راستے میں نکلنے کے فوائد بیان کردیے جائیں اس کے بعد جو قربانی دے اسے ساتھ لے لیا جائے اور جو قربانی دینے کے لیے تیار نہ ہوں انھیں مجبور کرنے کی کوشش ہرگز ہرگز نہ کی جائے۔

جو لوگ اپنی خوشی سے چلہ دینے کے لیے آمادہ ہوں۔ ان سے مندرجہ ذیل سوالات کرنا ضروری سمجھا جائے۔

(۱) ان کی بیوی بچوں کی کفالت کرنے کے لیے ان کے علاوہ کوئی اور موجود ہے یا نہیں۔

(۲) اگر کھانے پینے کے لیے پیسہ جمع ہے یا کرائے وغیرہ مکانوں سے مستقل کوئی آمدنی ہے تو یہ تحقیق کرنی چاہیے کہ ان کی عزت و ناموس کی حفاظت کرنے والا گھر میں کوئی دوسرا مرد موجود ہے یا نہیں

(۳) یہ پوچھا جائے کہ بیوی کسی خاص حال سے تو نہیں۔

(۴) اگر چلہ کا شوق رکھنے والا غیر شادی شدہ ہے تو اس سے پوچھا جائے کہ چلہ میں جانے کے لیے تمہارے والدین کی اجازت ہے یا نہیں۔ اور تمہارے والدین کی نگہبانی کرنے والا گھر میں کوئی دوسرا ہے یا نہیں۔ اگر ان سب باتوں کا جواب اثبات میں ہے تو اس شخص کو لیجانے میں کوئی حرج نہیں اور اگر ان کا جواب نفی میں ملے تو پھر اس کو لیجانے سے اسکے گھر میں جو نقصان رونما ہوگا اسکی ذمہ داری تنہا اسی کے سر نہیں جائیگی بلکہ اسے لیجانے والی جماعت بھی ان نقصانات کی ذمہ دار ہوگی ——— (باقی)

ملا ابن العرب مکی

مسجد سے میخانے تک

اِس ماہ مسجد سے میخانے تک کے تحت ایک پرانا مضمون ہدیۂ ناظرین کیا جا رہا ہے اس پر قناعت کرنے والوں کے حق میں ہم دعائے خیر کرنے پر مجبور ہوں گے۔

حافظ شوال صاحب کی نشست گاہ میں وہ اور میں بیٹھے عالمی سیاست پر اپنی اپنی بیش قیمت آرار کا اظہار کر رہے تھے ہم دونوں ہی اس میدان میں یکتائے روزگار ہیں ___ حافظ صاحب نے اپنی سیاسی آرار کو علم نجوم کی بنیادوں پر استوار کیا ہے اور میں نے ایک ایسے علم کی بنیادوں پر جس کا نام اب تک تجویز نہیں ہوا۔ نمونہ پیشِ خدمت ہے شاید آپ ہی کوئی نام دے سکیں۔

حافظ صاحب کے ایک استفسار پر میں نے جواب دیا تھا:-

"تخفیف اسلحہ کے معاملہ میں روس کی پالیسی ابھی معلق ہے۔ اگر مولانا ریحان الدین کے گھر میں اس سال لڑکا تولد ہوتا ہے تو سمجھ لیجئے کہ روس کا رویّہ تخفیف اسلحہ کے رُخ پر سخت ہو جائے گا اور اگر لڑکی تولد ہوئی تو فرانس اور روس مل کر ایک نئے ہائڈروجن بم کا تجربہ کریں گے۔

"خوب" حافظ صاحب نے الیسا ہنکارہ بھرا جس سے یہ ہرگز پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ تائید کر رہے ہیں یا طنز فرما رہے ہیں۔ پھر فرمانے لگے۔

"زحل آج کل عطارد کے تعاقب میں ہے۔ اگر مشتری نے راہ نہ کاٹی تو چین اور امریکہ جلد ایک دوسرے سے گلے مل لیں گے لیکن مشتری راہ کاٹ گیا تو یہ دونوں ملک ایک دوسرے کو دھوکہ دینے کی کوشش کریں گے۔"

"بالکل ممکن ہے۔" میں نے بھی انہی جیسے لہجے میں گول مول تائید کی ___ لیکن حافظ صاحب اس کا بھی لحاظ رکھئے کہ اگر مرزا تمنا کی بھینس نئے سال سے پہلے بیا گئی تو چین اور امریکہ کسی قیمت بھی ایک دوسرے کی صورت نہ دیکھ سکیں گے۔"

"حیرت ہے مرزا تمنّا نے بھینس کیسے پال لی۔" وہ چونک کر بولے۔ "پچھلے سال تک تو بکریاں پالتے تھے۔"

"بکریوں کے بعد بھینس ہی کا نمبر ہو سکتا ہے ___ اب ہاتھی تو پالنے سے رہے۔"

"ہاتھیوں پر بڑا ترس آتا ہے ملّا میاں۔ ان کا ستارہ گردش میں آیا ہوا ہے۔"

اوہو۔ کیا انسانوں کی طرح حیوانات بھی ستاروں ہی کے زیر اثر ہیں؟ میں نے سوال کیا۔

"سو فی صدی۔ تم حیوانات کہتے ہو نباتات و جمادات تک ستاروں سے بے نیاز نہیں رہ سکتے۔ علم نجوم بڑا ہمہ گیر ہے۔ دنیا کی کوئی شئے اس دائرے سے باہر نہیں ہے۔

"اچھا بتایئے۔ ہند و پاک کے موجودہ تناؤ کا اونٹ

کس کروٹ بیٹھے گا۔

"زہرہ اگر عقرب کے برج میں داخل ہوگیا تو چین اور ہندوستان کی دوستی یقینی ہے۔ اس کے بعد پاکستان کی ساری شوں شاں ختم ہو جائے گی"

"فرض کیجئے داخلہ نہ مل سکا پھر؟"

"ہم کئی راتوں سے دیکھ رہے ہیں کہ مشتری مریخ کو آنکھ دکھلا رہا ہے۔ یہ اسی صورت میں ہوتا ہے جب زہرہ کی توجہ عقرب کی طرف ہونے والی ہوتی ہے۔ اگر فرنگیوں نے خلائی راکٹ چھوڑ چھوڑ کر نظام قدرت میں خلل نہ ڈالا ہوتا تو زہرہ و عقرب کا وصال پچھلے سال ہی ہو چکا ہوتا۔ یہ مصنوعی سیارے جو فضا میں تیرتے پھر رہے ہیں۔ یہ بھی گھپلا مچا رہے ہیں۔

"کیا یہ ہو سکتا ہے کہ علم نجوم کے کچھ فارمولے آپ فدوی کو بھی سکھا دیں؟"

کافی مشکل ہے۔ تمہارے پاس خرچ اخراجات کو تو کچھ ہے نہیں۔ اگر روزانہ ایک گھنٹہ بھی تمہیں سبق پڑھایا تو چھ ماہ سے پہلے عبور حاصل نہ کر سکو گے۔ اب تم خود سوچ لو"

"کیا سوچ لوں۔ آپ کہئے تو روزانہ دو گھنٹے سبق لیا کروں ——— فرصت ہی فرصت ہے۔

میاں فرصت سے کیا ہوتا ہے ——— تعلیم کا دھندا مفت تو نہیں چلتا۔ ہم بچوں کو قرآن پڑھانے کے فی بچہ پانچ روپیہ مہینہ لیتے ہیں۔ علم نجوم بہت مشکل ہے۔ اس لئے دس روپیہ مہینے سے کم کام نہیں چلے گا۔

باپ رے ——— کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ مجھے علم نجوم سکھائیں اور میں آپ کو اپنا فن سکھاؤں"

بکواس ہے ——— تمہارے فن کی کوئی بنیاد نہیں"

"کمال ہے۔ آج تک تو آپ نے اس طرح کا ریمارک کبھی نہیں کیا تھا"

تم نے بھی تو ہم پر کبھی اعتراض نہیں کیا۔ ہم نے سوچا ہم ہی کیوں تمہارا دل توڑیں۔

دفعتاً اندرونی دروازے کی کنڈی کھٹکی۔ حافظ صاحب اٹھ کر اندر گئے۔ پھر تھوڑی دیر بعد لوٹے تو ان کا چہرہ لٹکا ہوا تھا۔

"نصیب اعدا، خیر تو ہے؟ میں نے پوچھا۔

وہ بیٹھ کر چند لمحے خاموش رہے۔ پھر مرجھائے ہوئے لہجے میں بولے:

بھئی کیا بتائیں۔ اس بنئے نے پریشان کر دیا ہے"

"کس بنئے نے؟"

میاں وہی نرنجن۔ اب کی اس کا پورا قرض ادا نہیں ہو سکا۔ بار بار تقاضا بھجوا رہا ہے۔

"اوہ ——— آپ کا حساب تو اس کے یہاں برسوں سے ہے"

"جی ہاں مگر اب کی دو مہینے سے کچھ دیا نہیں گیا۔ تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ صالحہ کی شادی میں کتنا خرچ ہوا تھا۔ تقریباً تین سو تو بنئے کو ادا کر چکا ہوں مگر چار سو اب بھی باقی ہیں"

"وعظ و تبلیغ تو آپ اب بھی جاتے ہیں"

"جاتے ہیں مگر پہلی سی بات نہیں رہی۔ دراصل گنگے کا بھاؤ جو دو سال چڑھ کر ایک دم اترا ہے تو دیہاتیوں میں تنگ دلی پھیل گئی ہے۔ کمبخت بڑی مشکل سے جیب ڈھیلی کرتے ہیں۔ اندازہ کرو پہلے برہان پور خورد سے ایک ہی وعظ پر چالیس پچاس جمع ہو جاتے تھے۔ اب مشکل سے پانچ سات ملتے ہیں۔ یہی حال دوسرے مواضعات کا ہے"

اللہ تعالیٰ ان کمبختوں کو نیک توفیق دے۔ آپ کی گاڑی بھلا تنہا مکتب سے کیسے چل سکتی ہے"

"اجی توبہ کرو۔ تعویذ گنڈوں کا سہارا نہ ہو تو دو وقت چولھا بھی نہ جلے۔ بچے مکتب میں ہیں ہی کتنے۔ مشکل سے بیس بائیس"

"کم ہیں۔ اس طرح تو سو روپے مہینہ سے زیادہ وصول نہ ہوتے ہوں گے"

"میاں کیسے سو۔ پانچ روپے مہینہ تو دو چار ہی گھر سے آتا ہے۔ باقی کوئی دو ڈھائی دے رہا ہے۔ کوئی ایک ہی بھیج کر سانس روک لیتا ہے"

"استغفراللہ۔ یہ تو کچھ بھی نہ ہوا"

• اور کیا ـــ یہ صورت نہ ہوتی تو ہم دیہاتوں کے دھکّے کیوں کھاتے۔ کوئی ترکیب بھی بتاؤ۔ اب تو یہ بنیا راستہ چلتے ٹوک دیتا ہے۔

شیطان ہے پکّا۔ ہماری حالت سقیم نہ ہوتی حافظ صاحب تو یہ پریشانی آپ کو ہرگز نہ جھیلنی پڑتی۔ وہ دیکھئے ـــ کیا ستاروں سے اس سلسلے میں کوئی مدد نہیں لی جاسکتی؟"

"فضول ہے۔ زہرہ، مشتری، عقرب، عطارد سب کمبختوں کی چالوں میں آج کل گڑبڑ ہے۔ جب سے امریکہ نے چاند پر جہاز اتارا ہے ستاروں کا مزاج ہی نہیں ملتا۔

• میرا خیال ہے کہ اگر صوفی محراب کی لڑکی کا نکاح شاہ تمکین کے صاحبزادے سے ہوگیا تو یہ بنیا آٹھ دن کے اندر اندر مرجائے گا۔

نہ ہوا تو پھر؟ وہ جھلا کر بولے۔

"پھر کچھ کہنا مشکل ہے۔ اللہ مالک ہے۔ آپ مایوس نہ ہوں میں کوئی راستہ ڈھونڈوں گا۔

"خدا کے لئے جلدی ڈھونڈو۔ میرا تو بازار جانا مشکل ہوگیا ہے۔"

یہ بستی ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ مشکل سے دس بارہ ہزار کی آبادی ہوگی۔ اکثریت مسلمانوں کی تھی۔ ننانوے فیصدی جاہل اور انگھڑ۔ مگر مجموعی مزاج مذہبی تھا۔ مسجدیں ویران نہیں رہتی تھیں۔

حافظ سؤال عالم نہیں تھے مگر واعظ اچھے خاصے تھے اس لئے انھیں مولوی ہی سمجھا جاتا تھا اور اچھی خاصی عزت بھی تھی۔ بارہا فتوے بھی انہیں سے لئے جاتے۔ مرنے والوں کے لئے ایصال ثواب اور تیجے چہلم وغیرہ میں بھی ان کی خاصی آؤ بھگت ہوتی۔ رجبی، بارہ وفات، میلاد اور قوالی وغیرہ کے تو وہ دولہا تھے۔

خیالات کے اعتبار سے پہلے ان کا اچھا خاصا رجحان مسلک دیوبند کی طرف تھا لیکن تجربہ نے بتادیا کہ دیوبندیت میں کچھ مزا نہیں۔ نہ ہو حق۔ نہ گرما گرمی۔ بس پھر "سنت والجماعت" ہوگئے۔ اکدم خوش عقیدہ۔ اب وہ دھولے شاہ کے مزار پر سالانہ عرس بھی کراتے۔ یہ مزار غالباً سو سال سے یوں ہی پڑا تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ کون اللہ کا بندہ اس میں سو رہا ہے۔ دفعتاً ایک رات حافظ صاحب نے خواب میں دیکھا کہ وہ اسی قبر پر کھڑے ہیں۔ دفعتاً وہ شق ہوئی اور ایک بزرگ اس میں سے برآمد ہوئے۔ لمبی سیاہ ڈاڑھی اور سر پر سیاہ پٹے تھے۔ لباس گیروا جس سے نور کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ انھوں نے کہا کہ اللہ اس بستی پر عذاب آنے والا ہے۔ حافظ صاحب نے گھگیا کر پوچھا کہ حضور کون ہیں؟ وہ کہنے لگے کہ ہم شاہ دھولے ہیں۔ بابر کے شیخ۔ صدیاں ہوگئیں قوالی کو کان ترس گئے ہیں۔ نہ کوئی بدبخت ہماری قبر پر پھول چڑھاتا ہے۔ نہ چادر ڈالتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے اس بستی میں سب طرف وہابیت پھیل گئی ہے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ اس بستی پر غضب نازل فرما۔ اس نے کہا کہ بھلا پہلے کیوں نہ کہا تھا۔ لو ابھی لو۔ ہم نے کہا ابھی نہیں۔ ایک مہینہ اور انتظار کرتے ہیں۔ پھر بھی بستی والے خوابِ غفلت سے نہ جاگے۔ تب آپ کو اختیار ہے۔ اللہ نے فرمایا تو پھر اے ہمارے مقبول بندے تجھی کو اختیار دیا جب چاہے اس بستی کو نیست و نابود کردینا۔ ہم سے مزید کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں۔

یہ خواب خود حافظ صاحب ہی نے اگلے دن خطبۂ جمعہ کے وقت لوگوں کو سنایا تھا۔ لوگ بیچارے سراسیمہ ہوکر رہ گئے۔ اب حافظ صاحب نے ان کی سراسیمگی رفع کرنے کا انتظام اس طرح کیا کہ مزار پر عرس شروع کرادیا۔ عرس کے علاوہ میلادوں کا انتظام بھی سنبھال لیا تھا۔ کبھی کبھی جامع مسجد میں وعظ بھی کرتے جس میں وہابیوں اور مودودیوں کو خصوصیت سے لتاڑا جاتا۔ ان سب ہنگامہ آرائیوں میں انھیں اچھی خاصی آمدنی ہوجاتی تھی۔ اسی لئے گھر کا خرچ سسٹم سے چل رہا تھا۔ پھر دیہاتیوں میں وعظ کہہ بھی کچھ نہ کچھ کما ہی لیتے تھے۔

لیکن چند ماہ قبل لڑکی کی شادی کی تو بازار کے مقروض ہو گئے۔ کپڑے والا توان پر زیادہ تقاضے نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ اسے انھوں نے دھوبے شاہ کے مزار کا "سجادہ" بنا دیا تھا اور یقین دلایا تھا کہ سال دو سال میں یہاں کا عرس کچھ شہرت پا جائے تو باہر سے کسی مس زہرہ جان یا مس شمشاد بائی بھی ضرور بلوائیں گے جس کی قوالی سے دلوں پر جمی ہوئی عمر بھر کی سیاہی دھل جائے گی اور جنت میں داخلہ بے دھڑک مل جائے گا۔

لیکن بنیا نرنجن تقاضے کیسے نہ کرتا۔ وہ بستی کا پُرانا بنیا تھا۔ دُکان خوب چل رہی تھی۔ مسلمان کثرت سے اسی کے یہاں کھڑے نظر آتے تھے۔ تول میں ایماندار تھا اور بھاؤ بھی مناسب رکھتا تھا۔

میں یہ سوچ کر کہ ممکن ہے میرے سمجھانے سے کچھ نرم پڑ جائے اس سے ملا۔

"حافظ شوال صاحب تمہاری شکایت کر رہے تھے — آخر تمہارے گاہک ہیں۔"

"وہ ٹھیک ہے میاں صاحب۔ مگر کام تو لینے دینے سے ہی چلتا ہے۔ ان کا وعدہ تھا کہ ہر مہینہ کم سے کم سو روپے ادا کر دیا کریں گے۔ لیکن اب دو مہینے سے کچھ بھی نہیں دیا۔ آپ بتایئے میرے یہاں بھی کوئی خزانہ گڑا ہوا نہیں۔"

"تم غلط نہیں کہتے۔ مگر آدمی کے ساتھ مجبوریاں بھی تو چلتی ہیں۔ وہ تمھارا پیسہ روکنے والے نہیں۔ بس دیر سویر کی بات ہے۔"

اسی وقت گاہکوں کا تانتا ایسا بندھا کہ بات ادھوری رہ گئی۔ میں چلنے لگا تو وہ بولا:۔

"میاں صاحب آپ اُن سے کہہ دیجئے گا جلدی چکتا کر دیں نہیں تو بیاج لگنے لگے گا۔"

اس کا لہجہ اتنا ناخوشگوار تھا کہ مجھے بڑی کوفت ہوئی مگر کرتا بھی کیا۔ گردن جھکائے جامع مسجد میں داخل ہوا۔ ظہر کا وقت تھا۔ بعد نماز اعلان کیا گیا کہ باہر سے کوئی مقرر آئے ہوئے ہیں۔ سب نمازی تقریر سننے کو رک جائیں۔

سب کو نہیں رُکے مگر اکثر رُک گئے۔ میں بھی رُک گیا کہ دیکھوں تو کون بزرگوار ہیں کیا کہتے ہیں۔

وہ ایک جوان آدمی نکلے۔ نام تھا افتخار الدین۔ داڑھی سلیقے کی چہرہ بھرا بھرا۔ آواز میں لوچ بھی تھا اور وقار بھی۔ تقریر اچھی رہی۔ موضوع کوئی خاص نہ تھا۔ عام اخلاقیات اور روزمرگی معاملات پر زور دیتے رہے۔ بیچ بیچ میں فضول رسومات اور شرک و بدعت کے خلاف بھی قرآن و حدیث کے حوالوں سے کچھ اشارے کئے۔ خاتمے پر انھوں نے یہ بھی کہا کہ میں ابھی واپس جا رہا ہوں اگر کسی کو کوئی سوال کرنا ہو کوئی مسئلہ پوچھنا ہو تو شوق سے پوچھ لے

"یہ بتایئے وہابیوں اور مودودیوں کو آپ کافر مانتے ہیں یا مرتد؟" دفعتاً ایک آواز بلند ہوئی مجمع چونک گیا۔ میں بھی چونکا۔ آواز حافظ شوال صاحب کی تھی۔ وہ ابھی ابھی مسجد میں داخل ہوئے تھے اور سوال کرتے ہوئے صحن کے وسط میں کھڑے ہو گئے تھے۔ ان کے اردگرد شیخ میتا، کالو قصائی اور صوفی مرتج بھی نظر آئے۔ ان میں سے کوئی بھی جماعت میں تو نظر نہیں آیا تھا ظاہر ہے ابھی حافظ شوال کے ساتھ آئے ہوں گے۔

میاں افتخار الدین ایک ثانیئے تو خاموش رہے۔ ان کے چہرے پر ناخوشگوار قسم کے اثرات صاف نظر آ رہے تھے آخر کار وہ کھنکار کر حافظ صاحب اور ان کے ساتھیوں سے گویا ہوئے۔

"آپ صاحبان آگے بڑھ کر تشریف رکھیں — میں انشاء اللہ مناسب جواب عرض کروں گا۔"

حافظ شوال کے ساتھیوں نے سوالیہ نظروں سے حافظ صاحب کی طرف دیکھا۔ حافظ صاحب نے پل بھر غور کیا۔ پھر جارحانہ انداز میں بولے:۔

"جی نہیں ہم کھڑے ہی ٹھیک ہیں۔ آپ پہلے ہمارے سوال کا جواب دیجئے۔"

"بہت بہتر —" افتخار میاں کا لہجہ اب کچھ پُرسکون

"کیوں دہرائیں پھرسے۔ آپ کیا بہرے ہیں؟"
حافظ صاحب کے لہجے میں تندی تھی۔

اوہ ــــ ابھی بات ہے۔ مجھے نہیں معلوم وہابی اور مودودی کسے کہتے ہیں۔ پہلے آپ ان اصطلاحوں کا مطلب مجھے سمجھائیں۔

حافظ صاحب نے اس طرح آنکھیں پھڑپھڑائیں جیسے ان میں دھواں گھس گیا ہو۔ پھر مضطرب انداز میں ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ ساتھی بھی دم بخود سے تھے۔ شاید مقرر کا سوال ان سب کے لئے خلافِ توقع رہا ہو۔

"آپ وہابی اور مودودی کے معنی نہیں جانتے ــــ واہ صاحب واہ" حافظ شوال غرائے۔ "اچھا یہ بتائیے اسمٰعیل دہلوی، اور اشرف علی تھانوی کو جو لوگ مسلمان کہتے ہیں وہ کافر ہیں یا مرتد؟"

"میں ان دونوں صاحبوں کو نہیں جانتا۔ کون ہیں یہ؟" افتخار میاں کا لہجہ سپاٹ تھا۔ چہرے پر تحمل اور طمانیت کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔

"اوہ، تو آپ اتنے بھولے ہیں۔ حافظ صاحب جھلا گئے "میاں جب کچھ نہیں جانتے تو تقریر کرنے کیوں کھڑے ہو گئے۔ اچھا بتاؤ اولیاء اللہ کے مزار شریف پر لیڈی منٹو کی چادر چڑھانے میں زیادہ ثواب ہے یا فلالین کی ــــ؟"

"قبلہ و کعبہ ــــ میری معلومات صرف قرآن و حدیث تک محدود ہیں۔" افتخار میاں نے کنی کاٹی۔

"دیکھا بھائیو" حافظ صاحب نے پُرشور آواز میں مجمع کو مخاطب کیا "گویا اولیاء اللہ کچھ ہیں ہی نہیں یہی تو ترکیبیں ہوتی ہیں وہابیوں کی۔ چلو اٹھو کیوں اپنا دین و ایمان خراب کر رہے ہو۔"

مجمع میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ کچھ گنگناہٹیں بلند ہوئیں پھر ادھر اُدھر سے متعدد آدمی اُٹھ گئے۔

"ٹھہر جائیے حضرات" افتخار میاں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ــ "آپ صبر و سکون سے میری معروضات سنیں۔"

بالکل نہیں سنیں گے" حافظ صاحب اور ان کے ساتھیوں نے غل غپاڑے کے انداز میں کہا۔ ان کی ہمنوائی میں کئی اور لوگ بھی شور مچانے لگے۔

میں بغور افتخار میاں کی صورت دیکھ رہا تھا۔ اب ان کی پیشانی کی نمی نظر آرہی تھی۔ چہرہ اتر گیا تھا۔ انھوں نے ایک بار پھر کوشش کی۔

"بھائیو اور دوستو ــــ صرف پانچ منٹ ــــ"
مگر "صدا طوطی کی سنتا کون ہے نقار خانے میں"

مجمع اکھڑ چکا تھا۔ حافظ صاحب کے پیچھے پیچھے سبھی اٹھے چلے جا رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد مجھ سمیت صرف دس آدمی رہ گئے۔ یہ دس وہی تھے جنھوں نے غلطی سے کچھ پڑھ لکھ لیا تھا جانے والوں میں شاید کوئی مڈل پاس بھی نہ رہا ہو۔

"ہمیں افسوس ہے جناب عالی۔ میں نے آگے بڑھ کر افتخار میاں سے معذرت کی۔

"کوئی بات نہیں۔" انھوں نے مضمحل سی آواز میں کہا ــــ "یہ مرحلے تو آتے ہی رہتے ہیں۔

"مگر معاف کیجئے، یہ ماتھے کا پسینہ تو بتا رہا ہے کہ ایسی آزمائش سے پہلی بار گذرنا پڑ رہا ہے۔

جی بیشک ــــ اتنی اچانک گڑبڑ۔"

"پروا نہ کیجئے ــــ اصلاح کا کام آسان نہیں ہے، آگ کے دریا سے گذرنا پڑتا ہے۔

"بجا فرمایا ــــ جناب کی تعریف؟ انھوں نے پوچھا

"تعریف سے یکسر مستغنی ہوں۔ میرا خیال ہے آپ فوراً ہی یہاں سے رخصت ہو جائیں۔ دیر خطرناک ہو گی۔"

ان کی آنکھوں سے تحیر اور خوف ایک ساتھ جھانکے ــــ "کیا معاملہ ابھی ختم نہیں ہوا؟" ان کی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی۔

"جی نہیں۔ ابھی تو سمجھئے شروع بھی نہیں ہوا۔ یہ بستی ایسی ہی ہے۔"

اچھا جناب شکریہ۔"

پھر وہ تیز تیز رخصت ہو گئے۔

مجھے علم تو تھا کہ یہاں والے کس ٹائپ کے ہیں مگر پھر بھی نہیں سمجھتا تھا کہ اس درجہ خوش عقیدہ ثابت ہوں گے۔ زیادہ حیرت حافظ صاحب پر بھی۔ وہ اتنے شدید سنت والجماعت بن جائیں گے یہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

شام کو ملاقات ہوئی تو میں نے کہا:۔

"آپ نے کمال کر دیا ___ وہ غریب آپ کا کیا بگاڑ رہا تھا۔"

"کون غریب؟"

"ارے وہی مقرر۔ بچارا ڈر کر بھاگ گیا۔"

"میاں تم نہیں سمجھتے۔ اگر ایسی تقریریں یہاں ہونے لگیں تو ہمارا بیڑا ہی غرق ہو جائے گا ___ تم تو دیکھ ہی رہے ہو اب بھی گاڑی مشکل سے کھنچ رہی ہے۔ بنیا برابر تقاضے بھیج رہا ہے۔"

"دونوں باتوں کا باہمی ربط خادم نہیں سمجھ سکا۔"

عقل پہ زور ڈالو۔ شرک و بدعت کے بہانے یہ وہابیئے اور مودودیئے تعویذ گنڈوں سے بھی لوگوں کو بدکاتے ہیں۔ میلاد اور عرس کا بھی ستیاناس کرتے ہیں۔"

"مگر حافظ صاحب اُس غریب نے تو نہ تعویذ گنڈوں کا ذکر کیا نہ عرس و میلاد کا۔"

"پڑھے نہ کیا ہو۔ مگر یہ قرآن و حدیث کی رٹ ___ یعنی ہمارا مطلب ہے کہ قرآن و حدیث تو بس بہانے ہیں۔ یہ اصل میں بھولے بھالے عوام کے دلوں سے مذہب کی محبت نکال دینا چاہتے ہیں۔ بڑے عیار ہیں تم انھیں کیا سمجھو گے۔"

"آپ کے آگے تو خیر بندہ طفلِ مکتب ہے۔ لیکن ___ بُرا نہ مانیئے گا وہابی کا ٹھیک ٹھیک مطلب مجھے بھی معلوم نہیں ___ حرج نہ ہو تو سمجھایئے۔"

ان کی آنکھوں میں اُلجھن اور چہرے پر بدمزگی کے آثار پیدا ہوئے۔

اوہو ___ وہابی کا مطلب کیا سمجھانا۔ میاں جو کہتے پھرتے ہیں کہ عرس نہ کرو قوالی نہ سنو۔ قبروں پر دعائیں نہ کرو۔ اولیاء سے مدد مت مانگو۔"

"اور مودودیئے؟"

وہ اُن سے بھی دو جوتے آگے ہیں۔ کیا پوچھتے ہو وہ تو نہ رسول کو مانیں اور نہ صحابی کو۔ خدا کو بھی بس نام چارے کو مانتے ہیں۔ کئی مودودیئے تو ہم نے ایسے بھی سُنے ہیں جو تیس پاروں کو نہیں مانتے۔ کہتے ہیں پندرہ پارے ہیں۔ ان کے استاد عبدالمودود نے بس پندرہ پاروں کی تفسیر لکھ کر ختم کردی۔

"عبدالمودود؟ میں اچھل پڑا۔

"ہاں بھئی۔ ان کے بڑے استاد کا یہی نام ہے۔ اسی لئے تو مودودیا کہلاتے ہیں۔"

مجھے اجازت ہو تو اپنی جہالت پر عش عش کروں؟"

"کرو منع کون کرتا ہے۔"

مگر چائے تو ہے نہیں۔ بغیر چائے کے عش عش دنیا میں کون کر سکتا ہے۔"

"ارے یار چائے تو پلا دیں مگر بنیئے کا بھی کچھ سوچا!"

"سوچ لیا ___ چائے کے ساتھ دو انڈے۔ تھوڑی سی مٹھائی۔"

ہو گئی پکی ___ پہلے بتاؤ کیا سوچا۔"

"اب اتنا احمق بھی نہیں۔ ناشتہ پہلے۔ ترکیب بعد میں۔"

انھوں نے بڑی سعادت مندی سے فرمائش پوری کردی۔ ایک عجیب سی اسکیم میری کھوپڑی کے کسی تاریک سے گوشے میں کلبلا رہی تھی مگر ابھی اس کا سرا پیر شعور کی گرفت میں نہیں آیا تھا۔

"ہاں تو اب بتاؤ۔" انھوں نے اصرار کیا۔

"حضور کیا بتاؤں ___ ترکیب کوئی کھیل تو نہیں ہے بچہ بھی ماں کے پیٹ سے اک دم برآمد نہیں ہو جاتا۔"

"لاحول ولا قوۃ۔ تم تو بعض اوقات بڑی ہی بے تکی باتیں کرنے لگتے ہو۔"

"آپ کا فیض صحبت ہے۔ جی ہاں ورنہ بندہ کس

قایل ہے "

" یہ تو نمک حرامی ہوئی۔ ناشتہ بھی ٹھونس لیا اور ترکیب بھی نہیں سیاستے۔

" میرے اچھے حافظ صاحب ـــــ تھوڑا سا وقت چاہوں گا۔ ابھی کہیں قیامت تو نہیں آئی جاتی "

" وہ اخبث روز تقاضے کر رہا ہے۔ اہلیہ بہت بگڑ رہی ہیں "

پروا نہ کیجئے ـــ اہلیائیں تو بگڑنے ہی کے لئے ہوتی ہیں وہ نہ بگڑیں تو انھیں اہلیہ کون کہے "

" لعنت ہے تم پر " ان کی بیزاری حد انتہا کو پہنچ گئی۔ ایسا منھ بنایا جیسے مکھی نگل گئے ہوں۔

" فی الحال اجازت دیجئے۔ انشاء اللہ کل دیکھئے گا۔ نہ بنیا آپ کے آگے ہاتھ جوڑتا پھرے تو مونچھیں منڈوا دیجئے گا "

" سچ " ان کا چہرہ کھل گیا۔

" جھوٹ میری سات پشتوں میں کسی نے نہیں بولا " میں نے انھیں اطمینان دلایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

اسکیم کا مدار اندازے کی صحت پر تھا۔ اندازے کی صحت کی جانچ کرنے کے لئے میں اگلے دن صبح سے شام تک اِدھر اُدھر چکراتا پھرا۔ کبھی صمد قصائی کی دکان پر دیکھا جا رہا ہوں کبھی احمد حلوائی کے تختے پر نظر آ رہا ہوں۔

" تقریر تو اچھی تھی نا غوث بھائی " یہ میں نے غوث ٹیلرنگ شاپ کے پروپرائٹر غوث الدین سے استفسار کیا تھا۔ اشارہ میاں افتخار کی تقریر کی طرف تھا۔

سننے میں تو اچھی تھی صاحب ـــ مگر خدا بھلا کرے حافظ شوال صاحب کا انھوں نے وقت پر بچالیا "

" بچالیا " میں نے حیرت ظاہر کی۔

" اور کیا صاحب۔ وہ نہ بگڑتے تو ہمیں کیا پتہ چلتا کہ یہ وہابیہ مودودیہ ہے۔ بڑے چالاک ہوتے ہیں یہ لوگ "

" ٹھیک فرماتے ہیں۔ میں نے تو مسجد سے جاتے ہی کانوں میں کڑوا تیل ڈالا تھا۔ بڑی مشکل سے تقریر کے اثرات دور ہوئے۔

تھوڑی دیر بعد فدا علی بساطی کی دکان پر پہونچا، دعا سلام کے بعد مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی۔

" آپ بھی تو تھے مسجد میں ـــــ خدا کی پناہ یہ وہابیہ مودودیہ کتنے بدنے ہوتے ہیں۔ ایسی تقریریں کریں گے جیسے ساری دنیا کا قرآن و حدیث انھی کی جاگیر ہے " میں نے بات چھیڑی تھی۔

" ہمیں تو پہلے ہی نظر آ رہا تھا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ جب اس نے تقریر شروع کی کہ اللہ قرآن میں فرماتا ہے اور رسولؐ حدیث میں یہ فرماتے ہے تو اسی سے ہم سمجھ گئے تھے "

" سمجھ گئے تھے نا ـــــ ماشاء اللہ۔ یہاں مذہبی فضا بہت اچھی ہے۔ جیسے دیکھو خوش عقیدہ "

کیوں نہیں صاحب۔ سبھی سنت والجماعت ہیں۔ حافظ شوال صاحب نے بڑا کام کیا ہے۔ ان کی وجہ سے بہت اصلاح ہوگئی

اسی طرح نہ جانے کتنوں سے مکالمہ بازی کر کے آخر کار مجھے اسّی فی صدی توقع ہوگئی کہ اسکیم انشاء اللہ چل جائے گی۔ چنانچہ ذیل کا مضمون مرتب کیا :-

" غضب ہوگیا

اے سنت والجماعت بھائیو۔

تم پوچھو گے کیا غضب ہوگیا۔ ارے مت پوچھو کیسی قیامت نے سر اٹھایا ہے۔ دنیائے ایمان میں سخت بھونچال آیا ہے۔ سنو گے تو، اچھا سنو کہ اپنے شہر کا زنجن بنیا وہابیہ مودودیہ ہوگیا ہے۔ خدا کی پناہ۔ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا۔ کلام انیق بالتحقیق تمہارے گوش گذار کیا جاتا ہے کہ فتوے کی رو سے وہابیہ مودودیہ فرقہ جہنمیہ سے موالات یعنی علیک سلیک، واسطہ مطلب کچھ بھی جائز نہیں۔ حرام الحرام بلکہ احرم الحرام ہے۔ جس نے فتوے سے روگردانی کی اس کی بیوی پر طلاق اور غوث الاعظم

دستگیر کی شفاعت اسے نصیب نہیں ہوگی۔
وما علینا الا البلاغ۔
المعلن۔ آپ کا خیر خواہ
قاری حافظ شوال قادری نقشبندی"

یہ مضمون لے کر میں حافظ شوال سے ملا۔
اِسے کل ہی چھپوا کر تقسیم کر دیجئے۔ سو پچاس دیواروں پر بھی لگوا دیجئے گا۔"

انھوں نے مطالعہ فرمایا تو آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی ـــ "بات تو برخوردارم نے دور کی سوچی ہے۔ میں خود کچھ روز سے اندازہ کر رہا تھا کہ ہو نہ ہو نرنجن کے عقائد کچھ تبدیلی ضرور ہوئی ہے۔ کمبخت پہلے تو کتنا خوش اخلاق تھا اب کتنا بد اخلاق ہو گیا۔ جب دیکھو تقاضا۔"

"لیکن ایک کام آپ کو اور کرنا ہوگا۔ آٹھ دس روز کے لئے باہر نکل جایئے۔ اُمید ہے کہ اس دوران میں بنیئے کا دماغ درست ہو جائے گا۔"

"چلو ٹھیک ہے کہیں جانا بھی تھا۔ اللہ مالک ہے۔"

اگلے دن پمفلٹ چھپے اور بٹ گئے۔ بازار اور گلی کوچوں کے علاوہ انھیں بچوں کے ذریعہ گھروں میں پہونچایا گیا۔ بس پھر تو ہر طرف چہ میگوئیوں کی لہر دوڑ گئی۔ کسی کو حیرت ہے۔ کسی کو غصہ۔ کوئی دستِ تاسف مل رہا ہے۔ بہتیرے لوگ باری باری حافظ صاحب کے گھر پہنچتے رہے مگر میں انھیں اطلاع دیتا رہا کہ وہ پونا ایک جلسۂ میلاد کی صدارت کرنے گئے ہیں۔ بہت سوں نے مجھ سے ہی اس پمفلٹ کی حقیقت پوچھ ڈالی۔ میں نے انھیں بتایا

"معاملہ بہت خطرناک ہے بھائی۔ یہ وہابیت اور مودودیت پہلے دو بیماریاں ہوا کرتی تھیں۔ اب شیطان لعین کی چالبازی سے ایک ہی ہو گئیں ہیں۔ دونوں مل کر ایک ساتھ حملہ کرتی ہیں۔"

"مگر صاحب۔ بنیا بھلا کیسے ـــ"

"خبردار۔ دین کے معاملے میں کیوں اور کیسے نہیں کیا کرتے۔ اب تو بھلائی اسی میں ہے کہ بنئے سے دور رہو۔ خدا بچائے۔"

کئی دن اسی طرح چکر چلتا رہا۔ جن کے ذہن میں کچھ وسوسے تھے انھیں میں نے کسی نہ کسی طرح باور کرا ہی دیا کہ وہابیت مودودیت کی زد سے نہ شیخ باہر ہے نہ برہمن۔ یہ خطرناک وبائیں ذات، مذہب کچھ نہیں دیکھتیں۔ بس لگ جاتی ہیں۔ ہڈیوں کے گودے میں گھس جاتی ہیں۔ ایمان و اسلام کو دیمک کی طرح چاٹ جاتی ہیں۔"

ہوسکتا ہے کچھ لوگ میری تنبیہات سے مطمئن نہ ہو سکے ہوں۔ لیکن زیادہ تر مطمئن ہی ہو گئے۔ چنانچہ بنیئے کا عالم آٹھویں دن میں یہ ہو گیا کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا ہے۔ گاہک ندارد جس گولک سے ہر رات دو ڈھائی سو روپے لے کر اٹھتا تھا۔ اس میں اب مشکل سے چالیس پچاس آ رہے ہیں۔ بے چارہ سخت پریشان۔ مزید پریشانی یہ تھی کہ وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ کوئی اسے بتاتا کہ تم وہابی مودودی ہو گئے ہو تو وہ حیرت سے پوچھتا ـــ "اس کا کیا مطلب ہوا؟" ـــ بتانے والا جواب دیتا ـــ "جواب سوال حافظ شوال سے کرنا" وہ کہتا۔ حافظ جی تو ہیں نہیں۔ تم ہی جو بتا دو" جواب ملتا ـــ "ابے ہم کوئی مولوی ملا ہیں جو بتا دیں۔ یہ دھرم کی بات ہے۔ ہمیں کیا پتہ۔"

اس کی عقل حیران رہ جاتی۔ ایک روز مجھے آواز دے کر پمفلٹ دکھایا۔
میاں صاحب اس کا آخر کیا مطلب ہوا ـــ ذرا پڑھ کر تو سنا دو۔"
"کسی اور نے نہیں سنایا؟"
"سنایا تھا مگر سمجھ میں نہیں آیا۔"
"پھر میں کیا سمجھا سکوں گا ـــ"
"اجی آپ تو مولوی آدمی ہیں۔ یہ رکابی میں دودھ کیا ہوتا ہے؟ میں تو دودھ پیتا ہی نہیں۔"
غلطی کرتے ہو ـــ سوتے وقت گرم گرم پی لیا کرو۔ جوانی لوٹ آئے گی۔"
"اجی جوانی پر جھاڑو پھیرو میاں جی۔ میری تو دکان ٹھپ

ٹھپ ہو گئی ہے۔"

ابھی کیا ٹھپ ہوئی ـــــ تالا پڑ جائے گا۔ یہ تو ایک ہی پرچی چھپی ہے۔ حافظ جی سفر سے لوٹ کر دوسری چھاپیں گے تو یہ دس بیس گاہک جو رہ گئے ہیں یہ بھی پرلوک سدھار جائیں گے۔"

"ہے بھگوان ـــــ ایسا کلجگ تو سنا نہ دیکھا۔"

" اور کرو حافظ جی پر تقاضا ـــ"

وہ اُچھل پڑا ـــــ"ہاہ ...... ہوہ ......اب میں سمجھا جی۔ تو یہ میری صاحب۔ کان پکڑ دوں ہوں۔"

اب کیا ہو سکتا ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔"

" میں حافجی جی کے پیر پکڑلوں گا۔ واہ جی واہ دکان کو انہی کی ہے۔ وہ تو میری مت ماری گئی تھی۔"

اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ دوسری پرچی وہ تیار کر اکے رکھ گئے ہیں۔"

ناجی نا۔ تم تو حافج جی کے بڑے یار ہو۔ شما کرا دو ـــــ ہاتھ جوڑوں ـــ"

ہے تو مشکل۔ خیر میں کوشش کر دوں گا۔ مگر دو شرطیں ہیں۔ ایک تو ان سے کبھی پچھلے پیسے نہیں مانگو گے۔ دوسرے انھیں برابر سودا دیتے رہو گے۔

" کہا تو جی دکان انہی کی ہے ـ وہ مالک ہیں۔"

ٹھیک ہے ـــ مگر ہاں ایک شرط تو رہ گئی۔ دس گز سے پیر پہ عُرس بھی کرانا ہوگا۔"

اپنی ماں کو روئیں گے اور کرائیں گے میاں جی ـــ کتنا خرچ ہوگا۔"

" یہی کوئی ڈیڑھ سو۔"

ٹھنڈا سانس بھر کر اس نے یہ بھی منظور کر لیا۔ اسی دن میں نے ذیل کا اعلان تیار کیا۔

خیر ہو گئی

ملے سنت، والجماعت بھائیو

مژدہ ہو کہ آپ کے خادم ناچیز حافظ شوال چشتی نقشبندی نے دردِ غوثیہ کے زور سے نرنجن بنئے کی وہابیت و دردریت کا تیا پانچہ کر دیا ہے۔ الحمد للہ شیطان فی السقر ہوا۔ گمراہی کا بھوت اتر گیا۔ اب اپنے بنئے سے پہلے کی طرح میں جول لین دین خطرے سے خالی ہے۔ اس نے اپنی حالت ٹھیک بنالی ہے خدا کی شان نرالی ہے۔ غوث الاعظم دستگیر پیران پیر زندہ آباد۔ آپ کا ہمدرد

حافظ شوال چشتی قادری نقشبندی

ظاہر ہے کہ یہ اشتہار حافظ صاحب کی واپسی پر چھپوا کر بٹوا دیا تھا۔ اور بنئے کی دکان پھوچل نکلی تھی۔ اسی کا نام ہے۔

دنیا رنگ رنگیلی بابا دنیا رنگ رنگیلی

دستگیر کی شفاعت اسے نصیب نہیں ہوگی۔
وما علینا الا البلاغ۔
المعلن۔ آپ کا خیر خواہ
قاری حافظ شوال قادری نقشبندی"
یہ مضمون لے کر میں حافظ شوال سے ملا۔
اسے کل ہی چھپوا کر تقسیم کر دیجئے۔ سو پچاس دیواروں پر بھی لگوا دیجئے گا۔"
انھوں نے مطالعہ فرمایا تو آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی ــــ "بات تو برخوردار تم نے دور کی سوچی ہے۔ میں خود کچھ روز سے اندازہ کر رہا تھا کہ ہو نہ ہو نرنجن کے عقائد کچھ تبدیلی ضرور ہوئی ہے۔ کمبخت پہلے تو کتنا خوش اخلاق تھا اب کتنا بد اخلاق ہو گیا۔ جب دیکھو تقاضا۔"
"لیکن ایک کام آپ کو اور کرنا ہوگا۔ آٹھ دس روز کے لئے باہر نکل جایئے۔ امید ہے کہ اس دوران میں بنیئے کا دماغ درست ہو جائے گا۔"
"چلو ٹھیک ہے ہمیں جانا بھی تھا۔ اللہ مالک ہے۔"
اگلے دن پمفلٹ چھپے اور بٹ گئے۔ بازار اور گلی کوچوں کے علاوہ انھیں بچوں کے ذریعہ گھروں میں پہونچایا گیا۔ بس پھر تو ہر طرف چہ میگوئیوں کی لہر دوڑ گئی۔ کسی کو حیرت ہے۔ کسی کو غصہ۔ کوئی دست تاسف مل رہا ہے۔ بہتیرے لوگ باری باری حافظ صاحب کے گھر پہنچتے رہے مگر میں انھیں اطلاع دیتا رہا کہ وہ پونا ایک جلسۂ میلاد کی صدارت کرنے گئے ہیں۔ بہت سوں نے مجھ سے ہی اس پمفلٹ کی حقیقت پوچھ ڈالی۔ میں نے انھیں بتایا
"معاملہ بہت خطرناک ہے بھائی۔ یہ وہابیت اور مودودیت پہلے دو بیماریاں ہوا کرتی تھیں۔ اب شیطان لعین کی چالبازی سے ایک ہی ہو گئیں ہیں۔ دونوں مل کر ایک ساتھ حملہ کرتی ہیں۔"
"مگر صاحب۔ بنیا بھلا کیسے ــــ"
"خبردار۔ دین کے معاملے میں کیوں اور کیسے نہیں کیا کرتے۔ اب تو بھلائی اسی میں ہے کہ بنیئے سے دور رہو۔ خدا بچائے۔"
کئی دن اسی طرح چکر چلتا رہا۔ جن کے دلوں میں کچھ وسوسے تھے انھیں میں نے کسی نہ کسی طرح باور کرا ہی دیا کہ وہابیت مودودیت کی زد سے نہ شیخ باہر ہے نہ برہمن۔ یہ خطرناک وبائیں ذات، مذہب کچھ نہیں دیکھتیں۔ بس لگ جاتی ہیں۔ ہڈیوں کے گودے میں گھس جاتی ہیں۔ ایمان و اسلام کو دیمک کی طرح چاٹ جاتی ہیں۔"
ہو سکتا ہے کچھ لوگ میری تنبیہات سے مطمئن نہ ہو سکے ہوں۔ لیکن زیادہ تر مطمئن ہی ہو گئے۔ چنانچہ بنیئے کا عالم آٹھ ہی دن میں یہ ہو گیا کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا ہے۔ گاہک تدارد جس گولک سے ہر رات دو ڈھائی سو روپے لے کر اٹھتا تھا۔ اس میں اب مشکل سے چالیس پچاس آ رہے ہیں۔ بے چارہ سخت پریشان۔ مزید پریشانی یہ تھی کہ وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ کوئی اسے بتاتا کہ تم وہابی مودودی ہو گئے ہو تو وہ حیرت سے پوچھتا ــــ "اس کا کیا مطلب ہوا؟" ــــ بتانے والا جواب دیتا ــــ "جواب سوال حافظ شوال سے کرنا" وہ کہتا۔ حافظ جی تو ہیں نہیں۔ تم ہی جو بتا دو"
جواب ملتا ــــ "ابے ہم کوئی مولوی ملا ہیں جو بتا دیں۔ یہ دھرم کی بات ہے۔ تمہیں کیا پتہ۔"
اس کی عقل حیران رہ جاتی۔ ایک روز مجھے آواز دے کر پمفلٹ دکھایا۔
میاں صاحب اس کا آخر کیا مطلب ہوا ــــ ذرا پڑھ کر تو سنا دو۔"
"کسی اور نے تمہیں سنایا؟"
"سنایا تھا مگر سمجھ میں نہیں آیا۔"
"پھر میں کیا سمجھا سکوں گا ــــ"
"اجی آپ تو مولوی آدمی ہیں۔ یہ رکابی میں دودھ کیا ہوتا ہے؟ میں تو دودھ پیتا ہی نہیں۔"
غلطی کرتے ہو ــــ سوتے وقت گرم گرم پی لیا کرو۔ جوانی لوٹ آئے گی۔"
"اجی جوانی پر جھاڑو پھیر دمیاں جی۔ میری تو دکان ٹھپ

ٹھپ ہوگئی ہے۔"

ابھی کیا ٹھپ ہوئی — تالا پڑ جائے گا۔ یہ تو ایک ہی پرچی چھپی ہے۔ حافظ جی سفر سے لوٹ کر دوسری چھاپیں گے تو یہ دس بیس گاہک جو رہ گئے ہیں یہ بھی پرلوک سدھار جائیں گے۔"

"ہے بھگوان — ایسا کلجگ تو سنا نہ دیکھا۔"

"اور کرو حافظ جی پر تقاضا —"

وہ اچھل پڑا — "ہاہ ...... ہوہ ...... اب میں سمجھا جی۔ توبہ میری صاحب۔ کان پکڑوں ہوں۔"

اب کیا ہوسکتا ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔"

"میں حافجی کے پیر پکڑلوں گا۔ واہ جی واہ دکان تو انہی کی ہے۔ وہ تو میری مت ماری گئی تھی۔"

اب کچھ نہیں ہوسکتا۔ دوسری پرچی وہ تیار کر اکے رکھ گئے ہیں۔"

ناجی نا۔ تم تو حافجی کے بڑے یار ہو۔ شما کرادو — ہاتھ جوڑوں —"

ہے تو مشکل۔ خیر میں کوشش کروں گا۔ مگر دو شرطیں ہیں۔ ایک تو ان سے کبھی پچھلے پیسے نہیں مانگو گے۔ دوسرے انھیں برابر سودا دیتے رہو گے۔

"کہا تو جی دکان انہی کی ہے۔ وہ مالک ہیں۔"

ٹھیک ہے — مگر ہاں ایک شرط تو رہ گئی۔ دس گز سے پیر پر عرس بھی کرانا ہوگا۔"

اپنی ماں کو رویں گے اور کرائیں گے میاں جی — کتنا خرچ ہوگا۔"

"یہی کوئی ڈیڑھ سو۔"

ٹھنڈا سانس بھر کر اس نے یہ بھی منظور کر لیا۔ اسی دن میں نے ذیل کا اعلان تیار کیا۔

خیر ہوگئی

لے سنت والجماعت بھائیو

مژدہ ہو کہ آپ کے خادم ناچیز حافظ شوال چشتی نقشبندی نے درود غوثیہ کے زور سے

نرنجن بنیئے کی وہابیت و دودیت کا تیا پانچہ کردیا ہے۔ الحمد للہ شیطان فی السقر ہوا۔

گمراہی کا بھوت اتر گیا۔ اب اپنے بنیئے سے پہلے کی طرح میل جول لین دین خطرے سے خالی ہے۔ اس نے اپنی حالت ٹھیک بنالی ہے

خدا کی شان نرالی ہے۔ غوث الاعظم دستگیر پیران پیر زندہ آباد۔ آپ کا ہمدرد

حافظ شوال چشتی قادری نقشبندی

ظاہر ہے کہ یہ اشتہار حافظ صاحب کی واپسی پر چھپوا کر بٹوا دیا تھا۔ اور بنیئے کی دکان پھر چل نکلی تھی۔ اسی کا نام ہے۔

دنیا رنگ رنگیلی بابا دنیا رنگ رنگیلی

حسن احمد صدیقی

تابش عامری

گھرے کھوٹے

دینی خدمات اور معاوضہ

- از مفتی محمد داؤد صاحب مظاہری۔
- کاغذ درمیانی۔ کتابت وطباعت گوارہ۔
- صفحات ۲۶۸۔ • قیمت چھ روپے ۶/-
- ناشر:۔ ادارہ تحقیقات شرعیہ محلہ محمد گنج فیروز آباد آگرہ۔ (یوپی)

کتابت کی اغلاط اور ادب انشار کی خامیوں کو اگر نظرانداز کر دیا جائے تو یہ کتاب قابل تعریف سمجھی جاسکتی ہے۔ اس کتاب میں مولف نے اجرت علی الوعظ، اجرت علی صلوٰۃ الجنازہ۔ اجرت علی مسح القرآن تراویح، اجرت بر نکاح خوانی، اجرت علی التعویذ وغیرہ پر معتمد و معروف علماء کی آراء اور فتاوے جمع کر دیئے ہیں۔ کتاب کے اواخر میں نابالغ کی امامت رائج الوقت شبینے تہجد باجماعت ختم تراویح میں چراغاں اور مٹھائی کی تقسیم جیسی رسومات پر خامہ فرسائی کی ہے۔ جو ان کے خلوص دلگن کی ضامن ہے۔ اگر اس کتاب کی تصحیح پر خصوصی توجہ دیدی جاتی اور اس کی اردو کی خامیوں کو دور کر لیا جاتا تو یہ کتاب اس بات کی مستحق ہوتی کہ اسے لائبریریوں کے لئے ضروری قرار دیا جائے۔ لیکن بحالت موجودہ اس کتاب کی افادیت کا اعتراف کرتے ہوئے بھی یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ کتاب بے مثال و بےنظیر ہے اور اس کا وجود مسعود ہر الماری کے لئے ضروری ہے۔ فتاوی تو خود ہی خشک ہوتے ہیں۔ اور اگر انھیں نقل کرنے والا بھی خشک ہو اور اردو کے نشیب وفراز سے یکسر ناآشنا ہو تو پھر کریلا نیم چڑھا والی بات یاد آتی ہے۔ اس کتاب کا عالم بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ اس میں جو فتاوے درج ہیں ان کی زبان تو ہے ہی ٹیڑھی میڑھی لیکن خود مولف کی زبان حلاوت انشار سے قطعاً محروم ہے جو حسن کتاب کے حق میں نمایاں داغ بن کر رہ گئی ہے۔

تبصرہ کی ذمہ داری میں تو یہ ڈیوٹی بھی شامل ہے کہ کتابت و طباعت کی غلطیوں کی نشاندہی کی جائے تاکہ آئندہ ایڈیشن میں ان کی اصلاح کی جاسکے لیکن اس ماہ ہم اس ڈیوٹی کو انجام نہیں دے رہے ہیں اور اس کی وجہ صفحات کی قلت ہے اور کچھ نہیں۔ کتابت کی اغلاط تو مولف کو نظر ثانی کرتے وقت خود ہی نظر آجائیں گی لیکن بعض غلطیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کی طرف صاحب کتاب کی نظر کم ہی جاتی ہے۔ مثلاً:-

ص۲۷ پر لکھا ہے:-

> حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب فرماتے تھے کہ ایک جگہ میرا گذر ہوا تو کچھ ایسا معلوم ہوا کہ اہل قبور کو عذاب ہو رہا ہے۔ ہم نے ان کے لئے دعا کی تو معلوم ہوا کہ اہل بدعت کے سوا سب کی اس وقت مغفرت ہو گئی۔

یہ واقعہ اگر درست بھی مان لیا جائے تو عوامی ذہن کو مخمصہ میں مبتلا کئے بغیر نہیں رہے گا اگر کوئی اس واقعہ کو دیوار پر دے مارنے کا مشورہ دے تو اسے سخت سست کہنا کیونکر درست ہوگا جبکہ اس واقعہ سے یہ مترشح ہوتا کہ بزرگوں کی نگاہیں اہل قبور کے احوال بھی ملاحظ کر لیتی ہیں جو عقیدہ کے منافی ہے۔ اس قسم کے واقعات مجمع کو متحیر کرنے کے لئے اگر تقریروں میں بیان کر دیئے جائیں تو چلئے قرین فہم سمجھ لیجئے لیکن اس طرح کے واقعات کی شمولیت کتابوں میں اور مسائل کی کتابوں میں

بوالعجبی کے سوا کچھ نہیں۔

ص۱۷ پر مندرجہ ذیل خطاب کی سیٹنگ اس بات کی غمازی کر بیٹھی کہ مؤلف ابھی "نوعمر" معلوم ہوتے ہیں یعنی اس متانت سے ابھی دور ہیں جو علماء و صلحاء کی زندگیوں میں نمایاں رہی ہے۔ اور ایک خاص عمر میں جاکر آدمی کو نصیب ہوتی ہے۔

عمدۃ المحدثین زبدۃ المفسرین امام العلماء قدوۃ الفضلاء
حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب

مذکورہ تینوں ہی القاب اپنے اندر غیر سنجیدگی لئے ہوئے ہیں۔ اور غیر سنجیدگی لئے ہوئے ہیں۔ اور یہ غیر سنجیدگی "بچہ" ہونے کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔ کسی معمر عالم سے ایسے بچکانہ انداز گفتگو کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

ص۱۶۳ پر مولانا احمد رضا خاں صاحب کے شروع میں لفظ حضرت بھی ٹانک دیا گیا ہے اور نام کے آخر میں رحمۃ اللہ علیہ کی رح بھی بنادی گئی ہے ــــ چلئے کوئی مضائقہ کی بات نہیں لیکن اس کتاب کے کئی صفحے مولف نے اہلِ بدعت کی مذمت میں سیاہ کئے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب مؤلف بدعتوں کے کھلے دشمن ہیں تو پھر کسی موجد بدعات کا غیر معمولی ادب و احترام کیا معنے رکھتا ہے؟۔

ص۲۲۴ پر تہجد با جماعت کے ذیل میں مفتی عزیز الرحمن صاحب بجنوری کی مندرجہ سطریں ان کی علمی خود اعتمادی اور مومنانہ جرأت کی آئینہ دار ہیں۔ انھوں نے مولانا حسین احمدؒ مدنی کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے دو ٹوک یہ فرمایا:۔

> حضرت قدس سرہٗ کا استدلال ناقص ہے انہوں نے جن عبارات سے استدلال کیا ہے وہ عبارت غیر واقع ہیں اور عام طور پر شوافع کی کتابوں میں ہیں۔ مشہور یہ ہوا ہے کہ ان احادیث سے احناف صلوٰۃ کو ثابت کرتے ہیں۔ حضرت قدس سرہٗ نے حد سے تجاوز فرماکر صلوٰۃ تہجد کو بھی اس میں شامل فرمایا یہ ان سے سہو ہوگیا ہے جو لوگ ان کو مقام اجتہاد دیکر تاویلات کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں بلاشبہ حضرت مدنی رح اپنے تقدس اور اپنے تبحر علمیہ میں منفرد ہیں اور غلطی پر ہیں۔

حقیقت یہی ہے جو مفتی عزیز الرحمن نے بیان کی ہے کہ تہجد کی نماز با جماعت درست نہیں ہے مولانا حسین احمدؒ مدنی اگر اسے عملاً جائز قرار دیا ہے تو یہ ایک علمی و عملی غلطی ان سے سرزد ہوئی اور جو لوگ اندھے بنکر ان کی اتباع کرتے ہیں ان کے فاطر العقل ہونے میں کوئی شبہ نہیں کہ اساطین امت کی آراء کو نظر انداز کرکے صرف مولانا مدنی رح کے طرز عمل کو حجت شرعیہ سمجھ بیٹھے ہیں اور ایک نادرست عمل کو باور کرانے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ حیرت ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے موجودہ مفتی اعظم مفتی محمود صاحب نے مولانا مدنی رح کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے یہ گل افشانی کی ہے۔

> حضرت اقدس مولانا حسین احمدؒ صاحب مدنی مرقدہ وسعت علم، دقت نظر، قوت ادراک کے لحاظ سے اگر کوئی عمل اختیار فرمائیں جس کی تصریح کتب مذہب میں نہ ہو تو اس کی وجہ سے نہ ان پر اعتراض کیا جائے گا نہ اس کے عمل کے عمل کو مذہب امام ابو حنیفہ" قرار دیکر عام اتباع کا حکم دیا جائیگا ص۲۲۹

مولانا حسین احمد مدنیؒ کی بزرگی مسلم لیکن اگر وہ کسی خلاف شرع کام پر کاربند رہے ہوں تو اسے تاویلات کا سہارا لیکر جائز قرار دینا کہاں کی عقلمندی ہے۔ دارالعلوم کے موجودہ بڑے مفتی صاحب نے ایک بزرگ کے احترام میں جو گول مول بات تحریر کی ہے وہ ہزاروں علماء اور فقہاء کی رائے سے ٹکرا رہی ہے۔ بڑے مفتی صاحب سے کوئی یہ پوچھے کہ اگر مولانا مودودی جیسے مدبر و مفکر انسان اپنے وسعتِ علم، دقت نظر اور قوت ادراک سے کوئی عمل اختیار کرلیں تو وہ گمراہ محض تصور کر لئے جائیں لیکن اگر مولانا مدنی رح اپنے علم و فہم سے عبادات میں کوئی نیا طریقہ ایجاد کرلیں تو نہ وہ طریقہ بدعت قرار پائے اور مولانا مدنیؒ کا طرز عمل قابل تنبیہ ــــــ دارالعلوم کے بڑے مفتی صاحب نے مذکورہ بالا تحریر سے یہ ثابت کردیا ہے کہ اکابر کا عمل حجت و کسوٹی ہے اگر اکابر از راہِ بشریت یا از راہ زعم علم کوئی ناجائز کام شروع کردیں گے تو وہ بھی جائز سمجھا جانے لگا اور اس پر خط تنکیر کھینچنا درست نہیں ہوگا۔ ــــــ اللہ محفوظ رکھے اکابر پرستی کی لاعلاج ٹی بی سے اس ٹی بی میں جو شخص بھی مبتلا ہوا ہے اس نے احکام و مسائل کا ستیاناس

کر دیا ہے لیکن اکابر کے خلاف کوئی لفظ زبان سے نکالنے کی ہمت نہیں کی ہے۔

اسی کتاب کے صفحہ ۲۲ پر مدرسہ حیات العلوم مرادآباد کے مفتی مولانا حبیب الرحمٰن خیرآبادی صاحب نے تہجد باجماعت کے موضوع پر ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے

تہجد کے بارے میں صراحتہً کوئی حدیث یا فقہی جزئیہ با جماعت پڑھنے کے سلسلہ میں میری نظر سے نہیں گذرا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلق نوافل اور نمازِ تہجد ہر دو کا حکم یکساں ہے۔

اسی تحریر کے آخر میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب فرماتے ہیں۔ کہ

اکابر کا عمل حجت نہیں۔ کیونکہ اکابر کے معمولات اس درجہ مختلف ہیں۔ کہ کسی ایک پر عمل کرنا دشوار ہے پھر عقیدت اور شخصیت پرستی میں ہر ایک حلقہ دوسرے کو عمل کو کمتر، حقیر یا ناجائز سمجھنے لگتا ہے۔

اگر دارالعلوم کے موجودہ بڑے مفتی مولانا محمود حسن صاحب بھی ازراہِ حق پرستی یہی فرمادیتے جو مفتی عزیز الرحمٰن اور مفتی حبیب الرحمٰن نے فرمایا ہے تو "حسین نوازی" میں کوئی فرق تھوڑی واقع ہوجاتا۔ آپ مولانا حسین احمد مدنی سے اگر عقیدت رکھتے ہیں تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں، مولانا مدنی کی بزرگی اور ان کی عظمت صرف مفتی محمود صاحب ہی کے نزدیک نہیں ہمارے نزدیک بھی مسلم ہے لیکن ازراہِ بشریت جو لغزشیں ان سے ہوگئی تھیں وہ تو لغزشیں ہی ہیں انھیں تاویلات کا سہارا لیکر منجملہ حسنات قرار دینا دیانت داری اور حق پرستی کی کونسی قسم ہے ــــــ بس

تبصرہ ختم ــــــ کتاب بعض خامیوں کے باوجود افادیت سے پُر ہے۔ تبصرہ کچھ اور پھیل جاتا تو بہتر ہوتا لیکن مجبوری ــــــ خلاصے کے طور پر سمجھ لیجئے کہ اگر مؤلف کو عبارتوں کو ترتیب دینے کا سلیقہ ہوتا اور اگر اردو ادب سے انھیں آشنائی ہوتی تو یہ کتاب بڑی کشش اور اہمیت کی حامل ہوجاتی۔ بصورت موجودہ اس کی افادیت کو تسلیم کرتے ہوئے بھی یہ توقع کرنا فضول ہوگا کہ لوگ اسے برضا و رغبت ہضم کرلیں گے ــــــ

(حسن احمد صدیقی)

گلہائے مدینہ

- مجموعۂ نعت مولانا عبدالمعبود صاحب ناداں بستوی۔
- صفحات ۳۲، کاغذ عمدہ، کتابت معیاری طباعت غنیمت
- قیمت ہندوستانی ۸۰ پیسے۔ ممالک غیر سے ایک ڈالر
- ناشر:- سہیل بکڈپو سمرانواں بازار بستی (یوپی)

جناب مولانا عبدالمعبود صاحب ناداں بستی، گورکھپور وغیرہ کے حلقۂ علماء میں ایک خوش الحان اور نعت گو شاعر کی حیثیت سے متعارف ہیں ــــــ یہ ان کی خوش بختی ہے کہ انھیں زمانۂ طالب علمی ہی سے حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ صاحب اسعد سہارنپوری اور مولانا عثمان احمد صاحب قاسمی جونپوری جیسے صاحبان علم و فن کی صحبت سے استفادہ کا موقع میسر رہا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر موصوف نے مشق سخن کا سلسلہ جاری رکھا اور محنت و کوشش کرتے رہے تو مستقبل میں اچھے نعت گو شاعر کی حیثیت سے مقبول ہوں گے۔

مندرجہ ذیل دو شعر کس قدر حسین اور رواں ہیں:-

(۱) کچھ اور مبارک ہو لہرا کے ترا چلنا
ملتی ہے صبا تجھ میں تاثیر مدینہ کی

(۲) اجالے پھیل گئے ہر اندھیری بستی میں
اس اک چراغ سے کتنے چراغ جلتے ہیں

اس واجبی اور حقیقی تعریف کے بعد ہم جناب ناداں صاحب کی خدمت میں کچھ برادرانہ مشورہ پیش کریں گے اور گذارش کریں گے کہ اے ناداں محترم! ابھی آپ زیادہ چھپنے چھپانے کے چکر میں نہ پڑیں۔ کسی استاذ یا ایڈیٹر کی تعریف و تقریظ و تحریر سے اپنے بارے میں کسی خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی بجائے اپنے خداداد شعور و صلاحیت کی نوک پلک درست کرنے کی کوشش کرتے رہیں اور ابھی دو چار سال تک کسی استاذِ سخن سے رابطۂ اصلاح و مشورہ جاری رکھیں اس کے بعد اگر کلام کی اشاعت کی خواہش ہو تو کم از کم کلام کے اس حصہ کو کسی مخلص مشیر اور صاحبِ فن کی ناقدانہ نظر سے ضرور گذاردیں جس کی اشاعت کا ارادہ کرچکے

ہوں ۔

ان ۲۲، ۲۲ نعتوں پر مشتمل کتابچہ میں کوئی بھی نعت ہمیں ایسی دستیاب نہ ہوسکی جسے موٹی موٹی خامیوں سے پاک اور مبرّا کہا جاسکے ۔

صفحات کم ہیں تفصیل کا موقع نہیں یہاں ہم صرف چند اسقام کی نشاندہی کریں گے اس امید کے ساتھ کہ آئندہ آپ ایسی عامیانہ اور غیر معمولی اغلاط سے بچنے کی حتی المقدور کوشش کریں گے ۔

وہ نادان ہے حاصل زندگانی + جو لمحات کٹ جائیں ان کی گلی میں ص۱۱

پہلے مصرعہ میں "ہے" نہیں بلکہ "ہیں" ہونا چاہیئے تھا ۔

جب طلوع آفتاب رسالت ہوا ص۱۶

لفظ "طلوع" کی "عین" سے مصرعہ بحر سے خارج ہوگیا ہے ۔

اِذن کے ساتھ عزم سفر ہوگیا
سوئے ارضِ حرم لوگ جانے لگے ص۱۶

دوسرے مصرعہ میں لفظ "ارض" محض بھرتی کا ہے ورنہ بات سوئے صرف "سوئے حرم" سے پوری ہوجاتی ہے ۔

ان کی ثنا میں کیسے لکھو + جس کی خاطر لوح و قلم ہے ص۱۸

دوسرے مصرعہ میں "ہے" کے بجائے "ہیں" ہونا چاہیئے تھا مگر شاید ردیف "ہے" کی وجہ سے نادآن صاحب دانستہ غلطی کے مرتکب ہو بیٹھے ۔

میرے ہونٹوں پہ وہ مطلع نعت ہے
رشک حسن پر زمانہ کو دن رات ہے ص۲۰

مصرعۂ اولیٰ میں رات، خیرات، ملاقات کا قافیہ "نعت" سراسر غلط ہے

چاند سورج ہو یا انجم و کہکشاں

اس مصرعہ میں بھی وہی غلطی سرزد ہوگئی جو کسی پڑھے لکھے شاعر سے نہیں ہونی چاہیئے ۔ "چاند سورج ہوں" ہونا چاہیئے تھا۔ اس قسم کی اور بھی بہت ساری غلطیاں ہیں جنھیں بخوفِ طوالت نظر انداز کیا جا رہا ہے۔

حوادثات کی راہوں میں ہیں قدم لرزاں

"حادثہ کی جمع "حوادث" تو بارہا سنتے اور بولتے آئے تھے مگر یہ جمع الجمع "حوادثات" کے سننے کا اتفاق پہلی بار ہوا۔

آیئے تذکرۂ حضرت والا کرلیں + دل کی تاریک فضاؤں میں اجالا کرلیں

معنوی لحاظ سے یہ مطلع اپنی جگہ درست ہے مگر اس میں سب سے بڑی فنی غلطی جو ہے وہ یہ کہ جب مطلع میں "والا" اجالا کا قافیہ استعمال کیا گیا تھا تو تمام قافیئے اسی قسم کے مثلاً نکالا، نرالا وغیرہ وغیرہ لائے گئے ہوتے ۔ یا اگر مطلع یوں کرلیا گیا ہوتا تو یہ سقم نہ پیدا ہوتا :۔

آیئے تذکرۂ شاہ مدینہ کرلیں + دل کی تاریک فضاؤں میں اُجالا کرلیں

اب لا کی قید ختم ہوگئی ـــــ یہ دراصل یہ وہی معائب ہیں جو ہر اس خود بیں شاعر کے یہاں پائے جاتے ہیں جس نے کسی استاد کی شاگردی حاصل کرنے میں "عار" محسوس کیا ہو۔ مگر حیرت ہے کہ ان سب معائب و نقائص کے باوجود مولانا نادآن صاحب نے اپنی شاعری پر اعتماد کرلیا۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں :۔

"راقم کو اپنی شاعری پر کچھ اعتماد اس وقت ہوا جب ایک مجموعہ "چراغ حرم" پر ملک کے نامور ادیب اور مصنف حضرت مولانا شاہ معین الدین احمد صاحب ندویؒ نے تقریظ فرمائی ۔" (ص۸)

میرا خیال ہے تصور صرف نادان صاحب کا نہیں بلکہ اس تصور میں محترم شاہ صاحبؒ اور مولانا عثمان احمد قاسمی جونپوری بھی شامل ہیں جن کی بیجا تعریف و تحسین کے باعث نادآن جیسے نوآموز نے خود کو باضابطہ شاعر تصور کرلیا ہے اور مجموعۂ کلام کی اشاعت بھی جرأت کرلی ۔

باغ فردوس کے پھولوں میں وہ کہاں
جیسی خوشبو تمہارے پسینے میں ہے (ص۲۰)

اس سے قطع نظر کہ یہ پورا شعر بچکانہ پن اور مشقی کی غمازی کرتا ہے ۔ ایک بہت مشہور و زبان زد ہر خاص و عام شعر کا چربہ ہے یعنی ؎

عطرِ جنت میں ایسی بھی خوشبو نہیں
جیسی خوشبو نبیؐ کے پسینے میں ہے

اور دیکھیئے :۔

زندگی کی مری ترجماں آپ ہیں
بزم کونین کے پاسباں آپ ہیں

یہاں ہمیں اعرابی یاد آگیا جس نے اپنے گمشدہ اونٹوں کے

مل جانے پر دفورِ مسرت میں تشکرِ خداوندی کے طور پر کہ اے اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے تو بندہ میرا اور میں خدا تیرا — نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ۔

"ترجماں" نیابت کرنے والے کو کہتے ہیں۔ دنیا کی سب سے عظیم و رفیع ہستی کو اپنا نائب کہنا بہت بڑی نا دانی اور پاگل پن کی دلیل ہے (خدا ایسی لغزشوں سے محفوظ رکھے)

کچھ مقامات پر آں موصوف نے مذہب و عقیدے کی بنیاد ہلا دینے والے خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ مثلاً

(۱) واقعی باعثِ کن فکاں آپ ہیں

(۲) عرشِ اعلیٰ زیرِ قدم ہے

پناہ بخدا — یہ وہی خطرناک اور ایمان سوز عقائد ہیں جن کی جڑیں بریلی و بدایوں کے مکاتبِ فکر سے ملی ہوئی ہیں۔ کاش کہ جناب نادآں نے اپنے خودنوشت "عرضِ حال" میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ جیسے قاطع بدعت و گمراہیت کے خلیفۂ اجل حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم مدرسہ سہارنپور سے اپنی نسبت و تعلق کا حوالہ نہ دیا ہوتا — تو پھر ایسے اشعار پڑھکر ہمیں اذیت نہ ہوتی — اور پھر ہم سمجھ لیتے کہ شاعر قبور شریعت والوں کی برادری سے تعلق رکھتا ہے لیکن مذکورہ حوالہ نے یہ بات ثابت کردی تھی کہ شاعر موصوف پکے دیوبندی ہیں۔ پکے دیوبندی ہونے کے باوجود عقیدہ شکن اشعار کہنا قابلِ افسوس بات ہے۔

(تابش عامری)

لالہ و گل

● از: مولانا عبد المعبود نادآں بستوی

● صفحات ۴۲۔ کتابت، طباعت اور کاغذ غنیمت

قیمت ہند میں ۸۰ پیسے اور بیرونی ممالک میں ایک ڈالر

● ناشر: علمی کتاب گھر، شاہ گنج۔ جونپور یوپی

زیرِ تبصرہ کتاب مظاہر علوم سہارنپور کے فاضل مولانا نادآں بستوی کے سہروں اور رخصتیوں کا مجموعہ ہے۔

اصنافِ شاعری میں "سہرا نگاری" کی بھی ایک حیثیت ہے

ذوق و غالب سے لیکر اقبال سہیل، شفیق جونپوری، شہباز صدیقی، عزیز ربانی عزیز، طاہر تلہری اور شفیق امروہوی تک شعراء نے بھی سہرے اور رخصتیاں لکھی ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ان حضرات نے اس صنفِ سخن کے ذریعہ بھی اردو ادب کی بہترین خدمات انجام دی ہیں آپ ان کے سہروں اور رخصتیوں میں بھی کیف و حظ محسوس کریں گے جو ان کی غزلوں اور نظموں میں محسوس ہوتا ہے۔ وہی فنی لطافت، وہی زبان و بیان کا رکھ رکھاؤ اور وہی حسین و جمیل تشبیہات، استعارے ان کے سہروں میں ملیں گے جو ان کے دیگر اصنافِ شاعری میں نمایاں طور پر پائے جاتے ہیں۔

پچھلے چند برسوں سے شادیوں اور دیگر پُر مسرت موقعوں پر مرد و زن کے ہجوم میں گا گا کے پڑھنے اور میراثیوں کی طرح انعامی رقمیں وصول کر کے جن تُک بند شاعروں نے شاعری کی اس صنف کو بدنام و رسوا کیا ہے انھیں میں ایک عدد سندِ فضیلت کے حامل مولانا نادآں بھی شامل ہیں۔

ہم نے پڑھنے کو تو پوری کتاب پڑھ لی کیونکہ بغیر اس کے تبصرہ نامناسب تھا۔ مگر دوران مطالعہ ہمیں کوفت و دردِ سری کا سامنا کرنا پڑا اس کا احساس صرف ہمیں ہی ہے۔ یا ان صاحبان خوش ذوق کو ہو سکتا ہے جنھیں خدا نے تھوڑی بہت بھی شعر فہمی کی صلاحیت عطا کی ہے۔

لیجئے ثبوت کے طور پر کچھ نمونے آپ بھی ملاحظہ فرمالیجئے:۔

سہانا زار زندگی ❊ دل میں ہوئی تابندگی
غائب ہے شب کی تیرگی ❊ روشن ہے صبحِ زندگی

تمام مصرعے بے ڈھنگے اور بچکانہ ہیں۔ یہ حال پوری نظم کا ہے۔ یہ بات واضح رہے کہ یہ تخلیق حضرت سعدیؒ کے نعتیہ قطعہ:۔ بلغ العلیٰ بکمالہٖ الخ کی تضمین کے طور پر عکس ہے۔

(۱) درحقیقت اب نہیں کوئی کمی سہرے میں ہے

(۲) قلبِ مسعود اور مرغوب میں راحت پیدا

(۳) خوش ظفر الحسن پر سایۂ گستر حق کی رحمت ہے

(۴) ثنائے حق تعالیٰ اور نعتِ مصطفےٰ سہرا

نمبر (۱ و ۲) کے تحت درج شدہ مصرعوں کا بھونڈا پن اور اغلاط ترکیبی کا اندازہ قارئین کو ہو گیا ہوگا —

لفظاً ظَفَر" نہیں بلکہ ظَفَر ہے یعنی فا پر فتحہ ہے۔ ظاہر ہے کہ نمبر ۲ کے تحت درج شدہ مصرعہ کو فتحہ کے ساتھ پڑھنے سے مصرعہ بحر سے گر جائے گا۔

نمبر ۴ کے تحت درج شدہ شعر شاعر کی نادانی اور "اناڑی پن" کا غماز ہے۔

یہ چند مصرعے ہم نے نمونۃً نقل کر دیئے ہیں ورنہ پوری کی پوری کتاب اغلاط و بحر و وزن اور معائب و محاورات و لسانی سے بھرپور ہے اس سے قبل ہم شاعر ناداں کے مجموعۂ نعت پر اپنے اچھے تاثرات کا اظہار کر چکے ہیں۔ مگر اس مجموعہ کے پڑھنے کے بعد ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ مولانا شاعر ناداں کسی مسجد و مکتب کا سہارا لیں اور میدان شاعری کو خیر باد کہدیں۔ شاعری ان کے بس کا روگ نہیں۔ شاعری غیر معمولی فہم و ادراک اور عقلِ سلیم چاہتی ہے۔

ویسے حاصل تبصرہ یہ ہے کہ شائقین کے لئے یہ کتاب نہ چھپے تو کیا ایک روپے میں بھی گراں نہیں رہے گی۔ اسلئے کہ اختتام کتاب میں فخرِ مشرق علامہ شفیق جونپوری کی ایک معرکۃ الآرا نظم "پردہ" بھی شریک اشاعت ہے۔ جو معنویت و مقصدیت سے پُر ہے

(تابش عامری)

مساواتِ اسلامی اور مسئلہ کی کفارت

- از محمد عبید اللہ بستوی
- صفحات ۲۴ • قیمت ۶۵ پیسے
- ناشر: دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

یہ کتابچہ اپنے نام کے مطابق مسئلہ کفایت سے متعلق ہے اور اس میں اجمالی طور پر یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ اسلام نے نسلی طور پر کسی کو کسی پر فوقیت حاصل نہیں ہے کا جو اعلان کیا ہے اس کی حدیں کہاں سے شروع ہو کر کہاں پر ختم ہو جاتی ہیں۔

بعض کم فہم یہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی مساوات کا مطلب یہ ہے کہ نسلاً کسی کو کسی پر کوئی درجۂ فضیلت حاصل نہیں ہے سب یکساں حیثیت کے حامل ہیں۔ اس تصور نے نادانی کے بطن سے جنم لیا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام مفاخرت نسب سے بچنے کی تاکید کرتا ہے اور اس بات کو قطعاً گوارا نہیں کرتا کہ ان لوگوں کو حقارت کی نظروں سے دیکھا جائے جو نسلاً درجہ کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن یہ سمجھ لینا کہ اسلام نسلی اونچ نیچ کا سرے قائل ہی نہیں ہے بے وقوفی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔

اسلام نے زندگی و بندگی کے معاملہ میں اعتدال کی راہ اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے اور مختلف نظائر سے یہ ثابت کیا ہے کہ اعتدال کی راہوں سے بھٹک جانا ہی اصل گمراہی ہے۔

اسلام نے مساوات پر زور دیا ہے لیکن اعتدال کو ملحوظ رکھ کر۔ اعتدال کو اسلام نے اس مسئلہ میں بھی نظر انداز نہیں کیا۔ اسلام انسانی مزاج اور پیش آئندہ حقائق سے کہیں اغماض نہیں برتتا اور یہی اس کی حقانیت کی دلیل ہے۔

دوسرے مذاہب اسی اعتدال و توسط سے ہٹے ہوئے ہیں بعض افراط کا شکار ہیں اور بعض تفریط کا۔ کچھ قوموں کا یہ عالم ہے کہ وہ چھوت چھات کی اس درجہ قائل ہیں کہ کسی دوسری قوم کے چھوٹے ہوئے گلاس میں پانی نہیں پی سکتیں تا وقتیکہ اسے اچھی طرح دھو نہ لیں اور کچھ قوموں کا عالم یہ ہے کہ ان کے نزدیک کسی معاملہ میں کسی کو کسی پر فوقیت حاصل ہی نہیں ہے ایسا سمجھنے والے لوگ بیاہ شادی میں بھی نسلی اونچ نیچ کو ملحوظ نہیں رکھتے بلکہ بعض ترقی پسند حضرات کا عالم تو یہ ہو گیا ہے کہ وہ مذہب کی تفریق کو بھی کوئی تفریق نہیں سمجھتے اور اس خوش فہمی میں مبتلا رہتے ہیں کہ ہم سے بڑا مساوات کا علمبردار کوئی نہیں۔

غور کیا جائے تو اندھی مساوات کی تحریک جو فی زمانہ رائج ہے کسی بڑے فتنہ سے کسی درجہ میں کم نہیں۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ اس موضوع پر کتابیں لکھی جائیں اور اسلامی مساوات سے لوگوں کو روشناس کرایا جائے اور یہ بات واضح کی جائے کہ مساوات و برابری کے معاملہ میں افراط بھی غلط ہے اور تفریط بھی۔

پیش نظر کتابچہ اس سلسلہ کا ایک چھوٹا سا اقدام ہے اور جو اس قابل ہے کہ اسے سراہا جائے۔

اصلاحُ المسلمین

● از محمد عبید اللہ بستوی
(استاذ مدرسہ جامع العلوم کان پور)
● صفحات ۱۲۶ قیمت :- ایک روپیہ ۷۵ پیسے۔

یہ کتابچہ ایسے مختلف مسائل سے متعلق ہے جو امت مسلمہ کے مابین نزع و اختلاف کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ اور جن کی آڑ لے کر جگہ جگہ مناظروں اور مباحثوں کی مجلس منعقد کی جاتی ہیں۔ اس کتابچہ کے مولف نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ ان مسائل کو سنجیدہ اور مثبت انداز میں پیش کیا جائے۔ اور عوام الناس کو عام فہم انداز میں حقائق سے روشناس کرایا جائے۔

یہ جذبہ اچھا جذبہ ہے کہ عوام پر مسائل کی حقیقت و اصلیت واشگاف ہو جائے اور وہ گمراہی کی لوچھوڑ کر راہِ راست پر چلے آئیں لیکن صرف جذبوں سے کچھ نہیں ہوپاتا جب تک اہم کام کی ابتدا سے پہلے کسی قابلِ اعتماد شخصیت کی پشت پناہی حاصل نہ ہو یہ کتابچہ قدرے مفید ہونے کے ساتھ ساتھ پُرکشش بھی ہو سکتا تھا اگر مؤلف نے اس کو مکمل کرنے کے بعد کسی صاحب قلم سے اس کی اصلاح کرالی ہوتی۔ تحریر میں اگر مٹھاس اور ندرت نہ ہو تو کتاب مفید ہوتے ہوئے بھی عوام کی توجہ اپنی طرف مبذول نہیں کرا پاتی اچھے اور نیک جذبہ کے ساتھ ساتھ لکھنے کا سلیقہ بھی ضروری ہے جو عالم دین اس سلیقہ سے محروم ہیں وہ مسند تدریس میں کتنا ہی کامیاب رہیں تحریر کی دنیا میں انھیں ناکامی کے سوا کچھ نہیں مل پاتا۔

اختلافی اور تنقیدی مسائل میں تو ادب و انشار کو ملحوظ رکھنا از بسکہ ضروری ہے جن کتابوں میں ان کا لحاظ نہیں رکھا جائے گا وہ کتابیں باجرے کی روٹی کی طرح ثقیل بن کر رہ جائیں گی کہ جنھیں ازراہِ بھوک تو نگلا جاسکتا ہے لیکن شوقیہ کوئی انھیں چھونے کی بھی حرکت نہیں کرسکتا ہضم کر جانا تو بعید کی بات ہے۔

اس کتابچہ میں تحریری رکھ رکھاؤ اور سلیقہ مندی نام کی کوئی چیز نظر نہیں آتی جبکہ موضوع کے اعتبار سے کتابچہ اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ اس میں ادب و زبان کے نشیب و فراز کو ملحوظ رکھا جاتا کہ اس میں کچھ جاذبیت پیدا ہو جاتی اور عوام اسے پڑھنے میں حظ محسوس کرتے۔

اس کتابچہ میں حضرت کاتب نے بھی کئی جگہ ستم ڈھانے کی کوشش کی ہے۔

صلا دیکھیے، لکھا ہے اہل تشیع کا غلو ہو یا باطنیہ کا سازشیں۔ یہاں باطنیہ کی سازشیں ہوگا۔ کاتب نے کی کو کا کر کے جملہ کو لنگڑا کر کے رکھدیا ہے۔

یہ غلطی بھی کاتب ہی کی معلوم ہوتی ہے کہ صلا پر واللہ یھدی من یشاء و یرید۔ لکھ دیا ہے جبکہ ہونا یہ چاہئے تھا واللہ یھدی من یشاء و یھدی الیہ من یرید۔

صلا پر لکھا ہے۔ بہرحال نے سخاوی نے۔
یہاں بہرحال کے بعد "نے" کا لفظ زائد ہے آئندہ اسے برطرف کیا جائے۔

خیر کتابت کی غلطیاں تو کتاب کا لازمہ ہوتی ہیں۔ ان کی وجہ سے کتاب کے مولف پر کوئی نکیر نہیں کی جاسکتی۔ البتہ اگر ایسی غلطیاں بھی کتاب میں موجود ہوں جن کا تعلق کتابت و تصحیح نہیں بلکہ مفہوم و مراد سے ہو تو ان کی تمام تر ذمہ داری مؤلف ہی کی گردن پر پڑے گی۔

صلا اور صلا پر حدیث ضعیف اور اضطراب فی الروایات کا ذکر ہوا ہے لیکن تعجب ہے کہ مؤلف نے یہاں صرف یہ فرمانے پر اکتفا کر لیا ہے کہ ضعیف حدیث کن چیزوں میں حجت ہے اور کن چیزوں میں نہیں اور جن روایات میں اضطراب ہوتا ہے ان روایات کی پوزیشن کیا ہے یہاں مولف کو یہ واضح کر دینا چاہئے تھا کہ حدیث ضعیف کا اطلاق کس حدیث پر ہوتا ہے اور اضطراب فی الحدیث کس چیز کا نام ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کتاب علمار کے لئے نہیں عوام کے لئے قلم بند کی گئی ہے۔ جو کتاب عوام کے لئے قلم بند کی گئی ہو اس میں چھوٹی چھوٹی باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، ورنہ کتاب کے بعض اوراق سوالیہ نشان بن کر رہ جاتے ہیں۔

صلا پر جلی حروف میں یہ جملہ قلم بند کیا گیا ہے:-
جب کوئی سنت اہل بدعت کا شعار بن جائے

توہم کہیں گے کہ اسے چھوڑ دیا جائے تاکہ ان سے مشابہت نہ پائی جائے۔

گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی بدعت اہل سنت کا شعار بن جائے تو اس بدعت کو برضا ورغبت اپنا لیا جائے تاکہ اہل سنت کے نقش قدم پر چلنے کی صفت برقرار رہے۔ ہم اس فلسفہ کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ ہماری رائے یہ ہے کہ سنت بہرحال سنت ہے خواہ کوئی بدعتی اس پر عمل پیرا ہو اور بدعت بہرحال بدعت ہے خواہ کوئی سُنّی بزرگ اسے اپنے دانتوں سے پکڑے بیٹھا ہو۔ اہل بدعت کو قرآن کی تلاوت میں مشغول دیکھ کر قرآن ہی سے منہ موڑ لینا اگر درست نہیں ہوگا تو پھر یہ بات بھی درست نہیں ہوگی کہ کسی سنت کو محض اسلئے قابل ترک سمجھ لیا جائے کہ اسے بعض ارباب بدعت نے بتوفیق خدا اپنا رکھا ہے۔

صف بندی سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے ص۵۵ پر مولف نے یہ فرمایا ہے کہ

ہر چہ عام کتب میں صف بندی سے متعلق فقہاء کا قول نہیں ملا کہ انھوں نے واجب یا سنت وغیرہ کہا ہو۔

اور پھر اگلے ہی صفحہ پر یہ بھی فرما دیا کہ:۔

علامہ عینیؒ، امام شافعیؒ، اور امام مالکؒ سے سنت کا قول نقل کیا گیا ہے۔ اور یہی امام ابوحنیفہؒ سے بھی منقول ہے۔

یہ تضاد بیانی اناڑی پن کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔

ص۶۲ پر۔ واجب کی تعریف بایں الفاظ کی گئی ہے:۔

واجب۔ جس پر عمل ضروری ہے لیکن ضروری ہونے کا اعتقاد لازم نہیں۔

ہمیں واجب کی تعریف سے اتفاق نہیں۔ سوچنے کی بات ہے اگر کوئی شخص وتر پابندی سے اسلئے پڑھتا ہو کہ ان کا پڑھنا واجب ہے لیکن وہ وتروں کو ضروری نہ سمجھتا ہو تو کیا اس کا وتروں کو ضروری نہ سمجھنا مبنی برصحت کہلانے کا مستحق ہوگا؟

مکروہ تحریمی کی تعریف بھی اسی انداز میں کی گئی ہے جو عوام کیلئے الجھن اور تذبذب کا باعث بنکر رہے گی۔ تبصرہ کا حاصل یہ ہے کہ اصلاح المسلمین ایک مخلص آدمی کی لکھی ہوئی کتاب ہے مولف مخلص ہیں۔ کا اندازہ ان کی بعض تحریروں سے ہوا ورنہ ظاہر ہے کہ ہم عالم الغیب نہیں۔ اگر کسی کتاب کے اچھے ہونے کیلئے اس کے مولف کا مخلص ہونا ہی کافی ہو تو پھر یہ کہے بغیر چارا نہیں کہ کتاب اچھی ہے لیکن اگر کسی مولف کا اخلاص اس کے تالیف کے اچھے ہونے کی ضمانت نہیں بن سکتا تو پھر ہمیں یہ کہنا پڑے گا اور مولف کو یہ سننا ہی پڑے گا کہ اصلاح المسلمین یونہی سی تصنیف ہے جس کا مقبولیت حاصل کرلینا کرامت سے کم نہ ہوگا۔

لیکن یہ عجیب بات ہے کہ سارے نبیوں کی یہ تعلیم ان کی امتوں کے لئے گراں بار رہی اور لوگوں نے اس سے روگردانی کی۔ آج بھی اگر آپ امت مسلمہ کا جائزہ لیں تو ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی نکلے گی جنھوں نے خدا کے سوا اور بھی ہستیوں سے عبادت وفریاد رسی اور دُعا واستمداد کا رشتہ جوڑ رکھا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں: "جو لوگ حاجتیں طلب کرنے کیلئے اجمیر یا سالار مسعود کی قبر پر یا ایسے ہی دوسرے مقامات پر جاتے ہیں وہ اتنا بڑا گناہ کرتے ہیں کہ قتل اور زنا کا گناہ اس سے کمتر ہے، آخر اس میں اور خود ساختہ معبودوں کی پرستش میں فرق کیا ہے؟ جو لوگ لات اور عزیٰ سے حاجتیں طلب کرتے تھے ان کا فعل ان لوگوں کے فعل سے آخر کس طرح مختلف تھا؟ (التفہیمات الالٰہیہ ج ۲ ص ۴۹)

شاہ عبدالعزیز رح نے فتاویٰ عزیزی میں ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ دن مقرر کر کے زیارت قبور کرنا بدعت ہے، اسی طرح جس طرح بعد عصر مصافحہ کرنے کی رسم بدعت ہے (دیکھئے جلد ۱ ص ۸۹) قاضی ثناء اللہ صاحب رح لکھتے ہیں: "جاہل لوگ حضرات اولیاء وشہداء کے مزارات کے ساتھ جو معاملات کرتے ہیں وہ سب کے سب ناجائز ہیں یعنی ان کو سجدہ کرنا ان کے گرد طواف کرنا، ان پر چراغاں کرنا، اور ان کی طرف سجدہ کرنا اور ہر سال میلوں کی طرح ان پر جمع ہونا جسکا نام عرس ہے" (تفسیر مظہری ج ۲ ص ۶۵) ارشاد الطالبین ص ۲۲ پر فرماتے ہیں کہ قبور اولیاء کو بلند کرنا، ان پر گنبد بنانا، عرس وچراغاں کرنا بدعت ہے اور بعض علماء کے نزدیک حرام ہے اور پیغمبر خدا نے قبروں پر چراغ روشن کرنے والوں اور اسے سجدہ کرنے والوں پر لعنت کی ہے

علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں:

"اس پر اجماع ہے کہ حرام ترین اور اسباب شرک کی چیزوں میں قبر کے قریب نماز پڑھنا ہے یا ان پر مسجدیں بنانا یا عمارتیں تعمیر کرنا ہے۔ واجب ہے کہ اونچی قبروں کو اور جو ان پر بنے ہیں ان کو گرا دیا جائے۔ کیونکہ یہ مسجد ضرار سے بھی زیادہ نقصان دہ ہیں کیونکہ یہ آنحضرت ﷺ کی نافرمانی میں تعمیر کئے گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے تو اونچی قبروں تک کو ڈھا دینے کا حکم دیا ہے۔ اور واجب ہے کہ قبروں پر جو بھی قندیل یا چراغ ہو اس کو دور کر دیا جائے اس لئے اس کا وقف کرنا اور نذر کرنا بھی جائز نہیں ہے۔[۱]

سید صاحب سے بہت پہلے ابن تیمیہ رح نے کتاب الاستغاثہ ص ۲۷۸ میں، ابن قیم نے زاد المعاد جلد ۳ ص ۲۸ میں علامہ ابن حجر رح نے کتاب الزواجر ص ۱۶۳ میں اور حضرت ملا علی قاری رح مرقات جلد ۲ ص ۳۷۲ وغیرہ میں بالکل یہی کچھ یاد دہانی امت کو کرا چکے ہیں لیکن افسوس ہے کہ عیار فطرت جن کے پیشتر وسجد ضرار بنا چکے ہیں اور اسلام کے نادان دوست اپنی نادانی اور جہالت کی وجہ سے گمراہی کا نیا نیا فتنہ ہمیشہ کھڑا کرتے اور خود بھی اس میں مبتلا ہوتے رہے ہیں۔

آخر میں ہم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح کے تعلیمات اور فرمودات کے چند نمونے پیش کریں گے۔ جنھیں مسلمانوں کی بڑی تعداد نے گویا معبود، فریادرس اور مجیب الدعوات وغیرہ مقرر کر رکھا ہے۔ اور شرک وبدعت کی نا بلک حرکتیں انھیں کے نام پر کی جاتی ہیں

فیوض یزدانی کے ۸ ویں مجلس میں ہے: "صاحبو! میرا کہنا مانو میں اللہ تعالیٰ کا داعی ہوں کہ میں تم کو اس کے دروازے اور اس کی اطاعت کی طرف بلاتا ہوں، اپنی ذات کی طرف نہیں بلاتا کیونکہ پیغمبروں کا یہی مقصد ہے اور نائب رسول کا مقصد دعوت وپکار سے یہ ہوتا ہے کہ اللہ والے بن جاؤ، نہ یہ کہ میری عزت کرو اور نذرانے دو۔ ہاں جو منافق اور دین فروش ہوتا ہے وہ مخلوق کو اللہ کی طرف نہیں بلاتا بلکہ اپنے نفس کی طرف بلاتا ہے" (ص ۴۹)

حضرت شیخ رح فتوح الغیب مقالہ ۴۲ میں حضرت عبداللہ ابن عباس رض کی روایت سے یہ حدیث نقل کرتے ہیں۔ جسکا مفہوم یہ ہے کہ خدا کو یاد کیا جائے، اسی سے سوال کیا جائے اور جب بھی مانگا جائے صرف اسی سے مانگا جائے کیونکہ جو نفع یا نقصان مقدر ہو چکا ہے کوئی ٹال نہیں سکتا ہے۔ ملیس ہر مومن کو چاہئے کہ اس حدیث کو اپنے دل کیلئے آئینہ

[۱] روح المعانی جلد ۵ ص ۲۱۹

بنائے اپنا شعار قرار دے اور اپنے سبھی اعمال وحرکات میں اس پر عمل کرے تاکہ دنیا وآخرت میں خدائے بزرگ وبرتر کی رحمت سے باسلامت وباعزت رہے"۔

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں :- "خدا سے ڈرو، ایسا نہ ہو کہ اس کی مخالفت کرکے رسول خدا کے لائے ہوئے احکام پر عمل کرنا چھوڑ دو اور اپنے لئے کوئی نئی بات عبادت اور نیا عمل ایجاد کرو جیسا کہ خدا نے ایک گمراہ قوم کے حق میں فرمایا ہے کہ رہبانیت کو انھوں نے اپنی طرف سے ایجاد کیا۔ جسکو ہم نے ان پر فرض نہیں کیا تھا" (فتوح الغیب مقالہ ۲۷)

غنیۃ الطالبین ص۱۰۱ پر فرماتے ہیں :

"ہوشیار اور عقلمند مومن وہ ہے کہ جو سنت کی پیروی کرے کسی تکلف سے کام نہ لے تاکہ گمراہ نہ ہو حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ سنت کی پیروی کرو، بدعت ایجاد نہ کرو، تمہاری رعایت کی جائیگی مزید ارشاد فرماتے ہیں سنت کی پیروی کرو اور بدعت ایجاد نہ کرو، فرماں برداری کرو اور کتاب وسنت کے احکام سے باہر نہ نکلو۔ توحید پر قائم رہو اور شرک نہ کرو" ——— اس سے آگے بڑھ کر آنجناب رح نے گمراہ اور بدعتیوں سے ترک تعلق تک کی ہدایت فرمائی ہے۔ جو تعلیمات نبوی کے عین مطابق ہے :-

"مومن پر لازم ہے کہ سنت وجماعت کی پیروی کرے اور اہل بدعت سے زیادہ گفتگو نہ کرے، ان کے نزدیک نہ جائے اور نہ ان کو سلام کرے ---- اور جب وہ مرجائیں تو اُن کے جنازہ کی نماز بھی نہ پڑھے۔ اُن سے الگ تھلگ رہے اور خدا واسطے ان سے عداوت کرے، ان کے مذہب وطرز عمل کو باطل سمجھے اور اپنے اسی رویہ کو ثواب اور اجر عظیم کا مستحق یقین کرے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رض سے مروی ہے کہ رسول اللہ ص نے فرمایا ہے کہ اللہ کو بدعتی کا عمل قبول کرنے سے انکار رہے جب تک کہ وہ اپنی بدعت چھوڑ نہ دے[لہ]

حضرت فضیل بن عیاض رض فرماتے ہیں، جو شخص کسی بدعتی سے محبت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے اعمال ضائع کردے گا اور نور ایمان اس کے قلب سے نکل جائیگا اور جب اللہ تعالیٰ کا علم کسی شخص کے متعلق یہ ہو کہ نہ بدعتی سے بغض رکھتا ہے، تو مجھے خدا سے امید ہے کہ وہ اس کے گناہ بخش دے گا۔

بیشک رسول اللہ ص نے بدعتی پر لعنت کی ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کوئی بدعت ایجاد کی یا کسی بدعتی کو جگہ دی، تو اس پر خدا کی اس کے فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہے، خدا نہ اسکا فرض قبول کریگا نہ نفل" (غنیۃ الطالبین ص۱۸۱)

فتوح الغیب کے تکملہ میں حضرت شیخ جیلانی رح کی وہ آخری وصیت بھی موجود ہے جو انھوں نے اپنے صاحبزادے کو کی تھی ملاحظہ ہو :- "حضرت شیخ رح اس مرض میں مبتلا ہوئے جس میں آپ نے وفات پائی تو آپ کے صاحبزادے عبدالوہاب نے عرض کیا مجھ کو کوئی وصیت فرمائیے، جس پر میں آپ کے بعد عمل کروں، تو آپ نے فرمایا! "خدا کے ماسوا کسی سے نہ ڈرو اور اپنی تمام حاجتوں کو خدا کے سپرد کردو، اس کے سوا کسی پر اعتماد نہ رکھو، اور اپنی ساری ضرورتیں خدا ہی سے طلب کرو۔ توحید کو مضبوطی سے پکڑو، توحید پر قائم رہو۔ اس پر سب کا اجماع ہے"

آخر میں حضرت شیخ رح کے ہی الفاظ میں ہم گذارش کریں گے کہ "کتاب وسنت کو اپنا رہنما بناؤ۔ ان میں فکر وتدبر سے کام لو، انھیں کو اپنے عمل کی بنیاد بناؤ اور ہوی اور ہوس میں مت پھنسو[لہ]"۔

(ف ع مقالہ ۴۳)

لہ لیکن افسوس ہے کہ بدعتی ہر بدعت کی انجام دہی کو ثواب سمجھ کر کرتا ہے اس لئے نہ اُسے چھوڑتا ہے اور نہ ہی چھوڑنے سے باز آتا ہے۔ اسطرح اس وصیت کی رو سے بدعتی کا سارا کارنامۂ حیات ہی مردود قرار پاتا ہے۔ (مرتب)

لہ۔ اس مضمون کی ترتیب میں جناب عبدالحلیم جہاں آبادی کے رسالے "فتنۂ قبور اور داعیان حق کی پکار" سے خاص طور سے مدد لی گئی ہے۔

نمونۂ جسارت

(حفیظ میرٹھی)

یہ وہ غزل ہے جو سنجے گاندھی کی آمد پر ایک جلسے میں حفیظ صاحب نے پڑھی تھی اور اس کے بعد آپ بڑے گھر میں پہونچا دیئے گئے تھے جہاں وہ ایمرجنسی کے اختتام تک رہے۔

کچھ ایسا ظلم پایا ہے حق کے اجارہ داروں میں
ہم پر جو ایمان نہ لائیں چنوا دو دیواروں میں

کونسی ہے تصویر ہماری کاش بتا دے کوئی ہمیں
چہروں پہ چھائی ہے اداسی رونق ہے بازاروں میں

سورج کو دو دیس نکالا دن کا قصہ پاک کرو
بنتے ہیں ایسے منصوبے رات کے رشتہ داروں میں

غم بھی اک احسان ہے اسکا شکر کرے دل شکوہ کیا
غم تو ہماری روح رواں ہے ہم نہیں غم کے ماروں میں

رازق پر کرتے ہیں بھروسہ اور نہ اپنی کوشش پر
خوشحالی کو ڈھونڈھ رہے ہیں جو خالی گھواروں میں

اس کی ہاں میں ہاں نہ ملائی بس یہ جرم ہمارا ہے
واعظ نے شامل کر ڈالا ہم کو بھی میخواروں میں

اک جابر کا مجبوروں نے کچھ ایسے استقبال کیا
آنکلا ہو کوئی مسیحا جیسے درد کے ماروں میں

ہر ظالم سے ٹکر لی ہے سچے فنکاروں نے حفیظ
ہم وہ نہیں جو ڈر کر کہدیں ہم ہیں تابعداروں میں

چند مفید اور اہم کتابیں

کتاب	قیمت
سیرت رسالت مآب (اردو) از مفتی عزیز الرحمٰن	۳۰/-
حیات امام اعظم ابو حنیفہؒ " "	۹/-
تذکرہ حضرت علاؤ الدین صابر کلیریؒ	۳/-
ولی کامل (سوانح مولانا زکریا)	۶/-
مقبول نماز (مکمل ترجمہ) سب سے ضخیم مجلد رنگین	۱۰/۵۰
سفر آخرت مجلد (از صوفی محمد اسمٰعیل)	۴/-
قبر کی پہلی رات	۱/۵۰
دنیا کی حقیقت	۱/-
قیمتی باتیں	۱/-
نصیحت کی باتیں	۱/-
فریب تمدن (مغربیت کی حقیقت جاننے کیلئے)	۱۰/-
صحیفۂ ابرار (تصوف وسلوک پر)	۲۵/-
صحائف معرفت " "	۸/-
سیرت بلال مجلد مع کور	۲/-
تجلیات ربانی (مجدد الف ثانی کے خطوط کا خلاصہ)	۱۳/۵۰
تعزیہ (علمائے اسلام کی نظر میں)	۰/۵۰
عورت کیا کچھ کر سکتی ہے؟ (خدیجہ نوید) مجلد	۳/-
مخزن المعلومات (اردو زبان میں پہلی مرتبہ) اہم اقسام کی معلومات کا خزانہ مجلد	۲۰/-
بلاغ المبین اردو مع سوانح حضرت شاہ ولی اللہؒ مجلد	۶/۵۰
روح تصوف (مع آداب شیخ و مرید) از حضرت تھانویؒ	۵/۵۰
سو بڑے آدمی (۱۰۰ مشہور افراد کی سوانح اور ان کے مختصر حالات) مجلد	۶/-
قرآن و حدیث ان دونوں کا آپس میں کیا ربط ہے؟	۴/-
تلاش راہ حق (خطوط کی زبان میں) مجلد	۴/-
پریشانیوں کا شرعی علاج	۲/۵۰
پردہ اور اسلام	۰/۴۵
مسئلہ قربانی علم و عقل کی روشنی میں	۰/۹۰
فرعون و کلیم کی داستان کشمکش	۰/۹۰
تقلید کیا ہے؟	۰/۸۰
شہادت امام حسینؓ (مولانا مودودی)	۰/۵۰
حسین و یزید (از امام ابن تیمیہؒ)	۱/-
تاریخ غلاف کعبہ	۰/۵۰
ایمان و آزمائش	۰/۵۰
اپنی اصلاح آپ	۰/۵۰
بیمۂ زندگی	۰/۶۰
اللہ نور السموٰت والارض اردو مجلد	۳۰/-
بہشتی زیور معرّی ربانی والا " "	۱۸/۵۰
بہشتی زیور مدلل و مکمل اشرفی " "	۴۰/-
" " " در دو جلد مجلد	۴۵/-
" " " اختری	۴۵/-

عظیم بک ڈپو (جامع مسجد) دیوبند

آزاد پرنٹنگ پریس دیوبند

اقتِ مسلمہ کی زبوں حالیوں کے لئے جو گوناگوں اسباب ذہن نشین ہو سکتے ہیں ان میں نہایت نمایاں سبب کے علماء کا افتراق و اختلاف ہے جو صرف ہند و پاک ہی میں نہیں بلکہ تمام مسلمان مملکتوں میں بفرق مراتب پایا جاتا ہے۔ اور یہ اختلاف نہیں جسے صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے رحمت فرمایا ہے بلکہ وہ اختلاف ہے جو ملت کی اجتماعی قوت پر ادلے برساتا اور بجلیاں گراتا ہے۔ یہ وہ اختلاف ہے جس کے نیل پائے اخلاص اور للہیت پر نہیں تعصب، عناد اور جاہلیت پر رکھے ہیں۔ یہ پراگندگی کا جنم داتا اور پستی کا نقیب ہے۔ اس کی جڑیں اہوا و اغراض اور مفادات کی زمین میں اُتری ہوئی ہیں۔ یہی وہ نحس اور تباہ کن موسم ہے جس پر قرآن کریم نے بایں الفاظ تنبیہ کی۔ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ[لہ] یہی وجہ ہے جو اللہ کی اس ہدایت سے حقارت اور اہانت کا معاملہ کرتا ہے وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا[لہ] اسی کو اللہ کے سچے رسول نے حالقہ کہا ہے۔ دو عالم جب خوف خدا اور حدودِ علم و متانت سے بے نیاز ہو کر لنگر لنگوٹ کستے ہیں تو یہ در اصل صرف دو دیوؤں کی لڑائی نہیں ہوتی بلکہ دو گروہوں اور جماعتوں کی ٹکر ہوتی ہے۔ ان دونوں کے معتقدین و متبعین آپس میں بھڑ جاتے ہیں شیطان خوش ہوتا ہے۔ ملائکہ افسوس کرتے ہیں جتنا زیادہ افتراق و نزاع ہمارے علماء میں پایا جائے گا اتنی ہی شدت اور سرعت کے ساتھ ملت کا خانہ خراب ہوگا۔ غور کیجئے تو علماء کا افتراق امت کی زبوں حالیوں کا ایک ایسا بنیادی سبب ہے جو بالواسطہ تمام ہی تباہیوں کا ذمہ دار اور افرادِ امت کی کج روی اور غلط کرداری کا سرچشمہ ہے کیونکہ امت ان ہی کے نقش قدم پر چلتی، ان ہی کے اسوے کا اثر قبول کرتی اور ان ہی کے طور طریق سے اپنے کردار کا خام مواد لیتی ہے۔ وہ بگڑے ہوئے ہوں تو امت کا سنورنا ناممکن اور وہ سدھرے ہوئے ہوں تو محال نہیں کہ امت کا حال اس درجہ دگرگوں ہو جائے۔

(جولائی و اگست سنہ ۶۸ء)
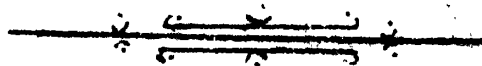
لہ آپس میں مت لڑو ورنہ ہزیمت اٹھاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی (انفال ۴۶)
لہ اللہ کی رسی کو مل جل کر پکڑ لو اور افتراق سے کنارہ کش رہو (آل عمران، ۱۰۳) ۵۳ مونڈنے والی ۱۲۔

دارالعلوم دیوبند [illegible] معروف استاد شیخ الحدیث حضرت مولانا شریف الحسن صاحبؒ اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ان کی وفات صرف حلقۂ دارالعلوم ہی کے لئے نہیں بلکہ تمام صحیح العقیدہ مسلمانوں کے لئے ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ قحط الرجال کے اس نامسعود دور میں کسی ایسی شخصیت کا دنیا سے اٹھ جانا جو ذی علم، ذی صلاحیت، ذی کمال ہونے کے ساتھ ساتھ متشرع بھی ہو، متدین بھی ہو، متشرف بھی ہو۔ صاحبِ عقیدہ مسلمانوں کے لئے اگر قیامتِ صغریٰ نہیں تو صدمۂ جانکاہ ضرور ہے۔

لوگ کہا کرتے تھے کہ شرافت کو اگر انسانی پیکر میں دیکھنا ہو تو مولانا شریف کا دیدار کیا جائے۔ اور میری رائے یہ تھی اور اب بھی یہی ہے کہ پچھلے دس سالوں میں دارالعلوم دیوبند کے طلباء کو مولانا شریف الحسن جیسا شفیق، رحم دل اور متورع آدمی نصیب نہیں ہو سکا ہے اور [illegible] تحریر نصیب نہیں ہے۔

ان کی علمی خوبیوں کا سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ ان کا مطالعہ ہمہ وقت مستحضر رہا کرتا تھا ——— احادیث کی باریکیوں، مقاصدِ علم کی نزاکتوں اور اسمائے رجال جیسے مشکل فن کی گہرائیوں پر انھیں مکمل دسترس حاصل تھی ——— وہ ان اساتذہ میں سے نہیں تھے جو ازراہِ سیاست اور ازراہِ فریب عظمت کے میدان

پر [illegible] تے ہیں اور پھر یہ باور کرانے کی ہر ممکن کوشش کرتے [illegible] شخصیت عظیم ہیں ـــ اس لئے کہ ہمارے باپ دادا کی عظمت [illegible] ہمارے خاندان کا ترکہ ہے۔

مولانا شریف صاحب اُن اساتذہ میں سے بھی نہیں تھے جو [illegible] کے طلباء سے شارعِ عام پر اپنی توقیر کا جھنڈا بلند کر کے یہ ثابت کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں کہ یہ دیکھو، ایک دنیا ہماری عزت کرنے پر مجبور ہے۔

وہ ان اساتذہ میں بھی نہیں تھے کہ جو رات کو کتابوں سے سیراب ہوتے ہیں اور صبح کو علم کی اُلٹی کر کے اپنی قوتِ مطالعہ کا مسحور کن ثبوت فراہم کر دیتے ہیں کہ لو دیکھو ہم کتنے صحیح حوالے دے دے کر تقریر کر رہے ہیں۔

انھیں جو عزت، جو رفعت اور جو اعلیٰ مقام نصیب تھا، کسی سیاست اور کسی دجل و فریب کا مرہونِ منت نہیں تھا بلکہ یہ عزت، توقیر، ترفع اور لوت کی بیش بہا دولتیں براہِ راست پروردگارِ عالم کی بارگاہ سے دستیاب ہوئی تھیں۔ اور زندگی بھر پروردگار ہی ان کی دولتوں کا محافظ رہا۔

دارالعلوم کے تمام ہی طلباء ان کی عزت کرتے تھے اس وجہ سے نہیں کہ مولانا شریف صاحب کی جانب سے دست بستگی اور گردن جھکانے کا کوئی معاوضہ انہیں ملتا تھا بلکہ اس واسطے کہ وہ فی الحقیقت اور فی الواقعہ قابلِ تعظیم تھے۔ لائقِ توقیر تھے، سزاوارِ اعتراف تھے۔

ان کے استحضارِ مطالعہ کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا کہ آٹھ نو ماہ قبل ناچیز کو ایک حدیث کی تحقیق کی ضرورت پیش آئی اور لاکھ تلاش کرنے کے باوجود بھی اس حدیثِ رسول کا کہیں سراغ نہ لگ سکا۔ یہ معلوم تھا کہ حدیث بخاری شریف میں موجود ہے کئی گھنٹے تک بخاری کے اوراق الٹ پلٹ کرتا رہا لیکن حدیث کا نام و نشان معلوم نہ ہو سکا بالآخر ناچیز مولانا شریف کے دولت کدہ پر حاضر ہوا اور ان سے اس حدیث کے بارے میں پوچھ تاچھ کی۔

مجھے حیرت ہوئی اور آج تک یہ حیرت برقرار ہے کہ انھوں نے بغیر کسی تامل اور بغیر کسی تاخیر کے فرمایا کہ فلاں باب

فلاں صفحہ پر ——— صفحہ کے فلاں حصّہ پر جاکر د...
اور پھر دیکھنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ مولانا شریف صاحب کا حافظہ کس قدر مضبوط اور کس قدر قابلِ اعتماد ہے — روایت ان کے بتلائے ہوئے باب میں، ان کے بتائے ہوئے صفحہ پر اسی جگہ جگہ موجود تھی جس جگہ انھوں نے نشاندہی کی تھی۔

ایک موضوع پر کئی کئی گھنٹے لگاتار تقریر کرلینا ان کے لئے کوئی اہم بات نہیں تھی — جب بولتے جم کر بولتے۔ اور گفتگو مدلل اور ہوتی۔ ان کی خوبیوں کا اعتراف ان کے دوستوں کو بھی تھا، ان کے دشمنوں کو بھی، ان کے خیر خواہوں کو بھی تھا اور ان کے بد خواہوں کو بھی۔

ان کی ذاتی اچھائیوں کا سب سے زیادہ قابلِ ذکر پہلو یہ تھا کہ عمر بھر انھوں نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی جو دوسروں کیلئے نقصان دہ ہو ——— ان کی ذات سے کبھی کسی کو کوئی گزند نہیں پہونچا بایں اعتبار وہ سرتاپا خیر تھے اور سرتاپا شرافت۔

غالباً چھ مہینے پہلے کی بات ہے کہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اس زمانہ میں ان پر دل کی بیماری کا حملہ ہوا تھا اور وہ بستر علالت پر دراز تھے۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے ناراضگی اور خفگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا:۔

"حسن میاں — اتنے بے پروا ہو گئے ہو کہ کئی دن سے بیمار ہوں اور تمہیں کوئی احساس نہیں۔

میں نے عاجزانہ انداز میں عرض کیا تھا کہ حضرت ایسا نہیں ہے کہ مجھے آپ جیسے شفیق و مہربان استاد کا احساس نہ ہو — مجھے آپ کی بیماری کی اطلاع کئی دن پہلے مل گئی تھی لیکن میں تجلی اور مکتبہ تجلی کی کئی الجھنوں میں گرفتار تھا آنے کا وقت نہیں مل سکا —

انھوں نے فرمایا ——— الجھنوں میں گرفتار تھے تو اور بھی آنا چاہیئے تھا۔ ہم تمہارے لئے دعا کرتے۔

کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد بولے۔
اور تم میرے لڑکے کی شادی میں بھی شریک نہیں ہوئے میں نے دعوت نامہ بھجوایا تھا۔

میں ان دنوں دیوبند میں نہیں تھا۔ جو دستور گیا ہوا تھا اگر دیوبند میں موجود ہوتا تو یہ بات کیسے ممکن تھی کہ آپ کے صاحبزادے کی شادی میں شریک نہ ہوتا۔

ہر بات کی معقول تاویل کرلیتے ہو — دراصل ہو تو دارالعلوم کے فارغ ہی۔ اتنا کہہ کر انھوں نے فرمایا کہ کان تو میں تمہارے ضرور کھینچوں گا ورنہ میری ناراضگی دور نہیں ہوگی اور اس کے بعد انھوں نے کان پکڑ کر کھینچے۔ اظہار تعلق کے اس عجیب و غریب انداز کو میں زندگی بھر نہیں بھول سکتا ——— اس گوشمالی کی یاد زندگی بھر تازہ رہے گی ——— جو اس تعلق کا مظہر تھی جو انھیں مجھ نالائق سے تھا۔

وفات سے ہفتہ بھر قبل وہ مجھے ایک جگہ راستے میں مل گئے علیک سلیک ہوئی بعدہٗ وہ پوچھ بیٹھے۔

کاروبار کا کیا حال ہے۔؟

آپ کی پُرخلوص دُعاؤں کی ضرورت ہے۔ اور میری یہ خواہش ہے کہ آپ ایک بار تو مکتبہ تجلی میں تشریف لے چلیں ——— بہتر ہو کہ ابھی چلیں۔

انھوں نے انکار کیا اور فرمایا کہ پھر کسی دن آؤں گا اور آؤں گا ضرور۔

لیکن ان کا یہ وعدہ وفا نہ ہو سکا۔ اور اگلے ہفتے وہ اتنی دور چلے گئے ——— کہ اب وہاں سے آنا اور میری خواہش کے مطابق چند لمحوں کے لئے مکتبہ تجلی میں بیٹھ جانا دائرۂ امکان میں بھی داخل نہیں۔

مولانا شریف صاحب کے انتقال کے بعد اب اس کے سوا کوئی چارا نہیں کہ ہم پروردگار سے ان کی مغفرت کی دعا کریں۔ اور اس بات کی دعا مانگیں کہ پروردگار عالم دارالعلوم دیوبند کو ان کا نعم البدل عطا کرے تاکہ ان کی کمی شدت کے ساتھ محسوس نہ ہو۔

چلتے چلتے ۱۴ر جولائی کی صبح کو مولانا عامر عثمانی اور نسیم فاطمہ کے والد جناب ناظر حسن کا بھی انتقال ہوگیا ہے قارئین سے گذارش ہے کہ وہ مرحوم کیلئے مغفرت کی دعا فرمائیں۔

کانگریس نے تیس سال تک مسلمانوں کو دھوکے میں رکھا اور وہ خوبصورت وعدوں کے ماسوا مسلمانوں کو کچھ نہ دے سکی مسلمان لیڈر بہرحال اور بہر صورت اپنا اُلو سیدھا کرتے رہے، مسلمانوں کا جانی مالی نقصان ہوتا رہا وہ دیکھتے رہے۔ اور کچھ ایسی تدابیر اختیار کرتے رہے کہ کوئی عہدہ حاصل کرتے ہوئے انھیں رہبر ملت اور فدائے قوم کے گرانقدر خطاب وصول ہوتے رہے ——— لیکن ایمرجنسی اور نسبندی مسلمانوں کے حق میں "تریاق" ثابت ہوئی۔ کچھ جانی و مالی نقصان اٹھانے کے بعد مسلمانوں کو کانگریس سے بھی نجات حاصل ہوگئی اور بڑی حد تک اُن لیڈروں سے بھی جو اپنے ذاتی مسائل حل کرنے کے سوا کچھ بھی کرنے کا نہ جذبہ رکھتے ہیں نہ اہلیت۔

اعتماد مجروح ہوا تو عوام اور لیڈروں کے درمیان بدگمانی کی اونچی اونچی فصیلیں حائل ہوگئیں ——— جو ابھی تک حائل ہیں۔ اور یہ ابھی کچھ دن اور حائل رہنی چاہئیں اس لئے کہ لیڈروں پر ضرورت سے زیادہ اعتماد نے مسلمانوں کو زیادہ نقصان پہونچایا ہے ——— اور جب تک یہ اعتماد بحال رہےگا نقصان پہونچتا رہےگا۔

آج جنتا پارٹی برسراقتدار ہے مگر۔

جنتا پارٹی بھی مسلمانوں کو فریب دینے والے وعدوں اور نعروں کے سوا کچھ بھی نہ دے سکے گی ——— دیکھئے اور دیکھتے رہیئے۔

پھر مسلمان کیا کریں؟

کیا پھر اسی کانگریس کے لئے اپنی دعائیں اور جذبات وقف کردیں جس نے تیس سال تک مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی ہے۔ نہیں اور بالکل نہیں۔ مسلمان اس قدر بے غیرت اور بے حس نہیں ہو سکتا کہ وہ اس کانگریس کو پھر سینے سے لگالے جس کو اس نے بہت سوچ سمجھکر ٹھکرادیا ہے۔

اب تو بس ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ مسلمانوں کو ایسی راہ تجویز کرنی چاہیئے جو نہ کانگریس سے ملحق ہو نہ جنتا سے اور وہ ہے آپس کے اتحاد و ارتباط کی راہ۔

کیا ہزار مسوح کی ذلتیں اُٹھاکر اور قدم قدم پر سیاسی گھونسے کھاکر بھی ہم کانگریس اور جنتا جیسی جماعتوں پر اعتماد کرتے رہیں گے اور کیا اپنی خانہ جنگیوں کے تباہ کن نقصانات دیکھ کر بھی باہم برسرپیکار رہیں گے؟

کیا زمانہ کی دی ہوئی ٹھوکریں ہمارے لئے عبرت کا سامان مہیا نہیں کرسکتیں؟

آغازِ سخن

حسن احمد صدیقی

قارئین کو اخبارات کے ذریعہ یہ اطلاع مل چکی ہوگی کہ مُسلم پرسنل لاء کے مخالفِ اعظم شری حمید دلوائی اس دنیا سے سدھار گئے ہیں۔ اور اخبارات ہی کے ذریعہ یہ اطلاع بھی انھیں مل گئی ہوگی کہ شری حمید دلوائی نے اپنے احباب کو پہلے ہی یہ وصیّت کر دی تھی کہ مجھے کسی مسلمان کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے، اور نہ ہی کسی مذہب کے خاص طریقہ پر میری تکفین و تدفین ہو بلکہ مجھے جلا کر میری راکھ کو اِدھر اُدھر بکھیر دیا جائے — وصیت نامے میں اس نے اس بات کی وضاحت بھی کر دی تھی کہ میں مسلمان نہیں ہوں —— خدا اور اس کے دین سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ اس کی موت واقع ہوئی تو احباب نے اپنے خلوص و محبت کا ثبوت فراہم کرنے کے لئے شری حمید دلوائی کی لاش کو نذرِ آتش کر کے اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جو ہندو اپنے مردوں کے ساتھ کرتے آئے ہیں۔

قارئین کو یقیناً یہ اطلاع بھی موصول ہو چکی ہوگی کہ بعض احمق اور کفر پرست قسم کے مسلمان حمید دلوائی کی موت کو مسلمانوں کا نقصانِ عظیم تصور کر رہے ہیں۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ اس کوشش میں سرگرداں ہیں کہ حمید دلوائی کی موت امتِ مسلمہ کے حق میں قیامتِ صغریٰ قرار دی جائے۔

اور قارئین نے یہ بھی سُن لیا ہوگا کہ حکومت سے وابستہ بعض نادان قسم کے "بڑے لوگوں" نے حمید دلوائی کی موت پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کو صبر و ضبط کی تلقین کی، بلکہ حمید دلوائی کے حق میں دل کی گہرائی سے اس بات کی دعا بھی مانگی "کہ خدا حمید دلوائی کی مغفرت فرمائے اور عالم برزخ میں انھیں کسی مقامِ علیا سے سرفراز کرے۔

فرشتے روتے ہوں گے اور شیطان انسانوں کی اس کھلی حماقت پر ہنستا ہوگا کہ ایک شخص زندگی میں خدا کے وجود کا انکار کرتا رہا، اس کے اتارے ہوئے دین و قرآن کا مذاق اڑاتا رہا۔ اور اس کے اصولوں کی لائی شریعت پر پھبتیاں کستا رہا اور جب وہ اس دنیا سے رخصت ہوا تو یار لوگ خدا سے اس بات کی سفارش کرتے نظر آئے کہ اسکی ساری غداریاں نظر انداز کر کے اسے جنت الفردوس میں داخل کر دیا جائے۔ اور اسے خواہ مخواہ مسلمانوں کی فہرست میں شامل کر دیا جائے۔

بات صرف مجذوبانہ حماقت ہوتی تو صبر کر لیا جاتا لیکن مشکل تو یہ ہے کہ حکومت کے بڑے لوگ اتنے احمق اور سادہ لوح نہیں ہیں کہ وہ حمید دلوائی جیسے باطل پرست لوگوں کے بارے میں کوئی صحیح رائے قائم نہ کر سکیں، انھیں اندازہ تھا کہ حمید دلوائی دین اسلام اور مسلم پرسنل لا کی مخالفت میں غداری اور بغاوت کا علم بلند کر کے قطعی طور پر سرحدِ کفر میں داخل ہو چکا تھا اور دینِ اسلام سے اس کو اتنی بھی نسبت باقی نہیں رہ گئی تھی جتنی نسبت کسی پرواز شدہ روح کو اپنے جسم سے ہوتی ہے۔ لیکن اس جانکاری کے باوجود کہنا انھیں یہی تھا کہ حمید دلوائی پکا اور خالص مومن تھا، صاحبِ تقویٰ بھی تھا اور صاحبِ سوجھ بوجھ بھی اس لئے اس کی موت مسلمانوں کے حق میں کسی صدمۂ جانکاہ سے کچھ کم نہیں۔ اگر حکومت حمید دلوائی کو مسلمانوں کی فہرست میں سے نکال دے تو پرسنل لاء کی وہ ساری مخالفت بے جان ہی ثابت ہوگی۔ حمید دلوائی نے مدتوں سے جسے اپنائے رکھا کسی بھی بھاڑے کے ٹٹو کو اگر بھاڑے کا ٹٹو سمجھ لیا جائے تو پھر اس کی دوڑ دھوپ کو بامقصد باور کرانے کے لئے کونسے فریب کا سہارا لیا جا سکتا ہے؟

حکومت کے ایوانوں میں جان تو اس وقت پڑ سکتی ہے جب دلوائی جیسے کفر پرست مسلمانوں کو "مومنِ کامل" اور عقلِ کل قرار دیئے اور یہ باور کرائے کہ یہ لوگ اسلام کے خیرخواہ بھی ہیں اور عقل کے ٹھیکیدار بھی۔ اس لیے اسلام کو نئے سانچوں میں ڈھالنے کی فکر میں اپنی صحت بھی تباہ کر رہے ہیں اور اپنا چین و سکون بھی۔

حیرت ہمیں اس بات پہ ہے کہ ہندوستان میں ہر سال بے شمار غیر مسلم حضرات ایمان لاکر زمرہ مسلمین میں شامل ہوجاتے ہیں۔ حکومت کا کوئی چھوٹا بڑا آدمی ان غیر مسلموں کو نہ مخلص قرار دیتا ہے نہ لائق التفات لیکن اگر مسلمانوں میں حمید دلوائی جیسے چند در چند لوگ دائرۂ اسلام سے خارج ہوکر کفر و الحاد کی سرحد میں داخل ہوجاتے ہیں تو متعصب قسم کے وزراء انھیں مسلمانوں کا ہمدرد، دین اسلام کا خیرخواہ اور انسانیت کا علمبردار قرار دینے میں اپنی ہر صلاحیت کو کھپا دیتے ہیں۔ اور ہر وقت اسی فکر میں ڈوبے نظر آتے ہیں کہ انھیں امتِ مسلمہ کا محسن ثابت کیا جائے۔ ایک ہندو جب اسلام قبول کرلینے کے بعد سچا ہندو نہیں رہ پاتا تو ایک مسلمان کفر کی راہیں اختیار کرلینے کے بعد سچا مسلمان کس طرح مانا جاسکتا ہے؟۔

ہم تجلی کے ذریعہ ساری دنیا کو اس بات کا یقین دلاتے ہیں کہ حمید دلوائی کی موت مسلمانوں کا نقصانِ عظیم تو کیا مسلمانوں کا نقصان حقیر بھی نہیں حمید دلوائی جیسے منافقین جب مرتے ہیں تو ہمیں رنج نہیں خوشی ہوتی ہے ——— ہم دلگیر نہیں دلشاد ہوتے ہیں۔

اور ہم اربابِ حکومت کے کانوں تک بات بھی پہنچا رہے ہیں کہ کسی بھی حمید دلوائی جیسے کفر پرست انسان کو مسلم برادری کا ممبر تصور کرنا مسلمانوں کے ساتھ ظالمانہ قسم کے مذاق کا آئینہ ہے جس کی تلافی کے لئے ہر اس وزیر کو مسلمانوں سے معافی طلب کرنی چاہیئے جس نے حمید دلوائی جیسے غدار اسلام کو کمال حماقت یا کمال سیاست کے ساتھ مسلم برادری کا ایک فرد ثابت کرنے کی ناکام و ناپاک کوشش کی ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ آنجہانی حمید دلوائی کا افسوسناک انجام ان تمام روایتی اور نام کے مسلمانوں کے لئے عبرت کا سامان ثابت ہوگا جو مسلمانیت کے دعوے دار ہوتے ہوئے بھی مسلم پرسنل لا کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے اور اس طرح وہ از خود اپنے ہاتھوں سے اپنی قبر کھودنے کی حرکتِ دیوانہ وار میں مبتلا تھے۔

اس اعتبار سے ہمیں حمید دلوائی کا شکر گذار ہونا چاہیئے کہ اس نے بذریعۂ میت اپنے افسوسناک انجام اور عبرتناک ٹھکانے کی نشان دہی کرکے مخالفین اسلام کو یہ سبق دینے کی ناکامیاب کوشش کی ہے کہ دین اسلام اور اس کی کلیات و جزئیات کی مخالفت کرنے والوں کا انجام اچھا نہیں ہوتا وہ اس دنیا ہی میں آگ میں جل جاتے ہیں اور پھر آگ ہی ان کا آخری بچھونا بن جاتی ہے۔

آنجہانی حمید دلوائی کی یہ کامیاب کوشش بھی اگر مخالفین اسلام پر اثر انداز نہ ہوسکی اور وہ تائب ہوکر اسلام کے خلاف خود قائم کردہ محاذ سے پلٹ کر نہ آئے تو پھر ان بدنصیبوں کی بدقسمتی پر ماتم کرنے یا ان کے حق میں دعاءِ خیر کرنے کے ماسوا اور چارہ ہی کیا ہوگا ——— ؟

مستقل عنوان

حسن احمد صدیقی

آفتابِ ہدایت کی ایک کرن

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا

اور لوگوں سے اچھے طریقہ پر بات کہو

نرمی گوئی اور خوش کلامی ایک ایسا رویّہ ہے جو سامعین اور متعلقین کے قلب و ذہن میں مہربانی و تلطف کے ایسے نقوش پیدا کر دیتا ہے جو عمر بھر نہیں مٹ پاتے۔ جو آدمی خوش کلامی کو اپنا شعار بنائے گا اس کے دوستوں اور کرم فرماؤں کی تعداد لامتناہی ہوگی، صرف یہی نہیں بلکہ اس کے دشمنوں کے اندر بھی یہ جسارت کبھی پیدا نہیں ہو پاتی کہ وہ عداوت و خصومت کا مظاہرہ کرتے وقت بالکل سنگدلی اور فحش گوئی پر اتر آئیں۔

اختلافات تو لازمۂ حیات ہیں۔ آدمی جب تک اس دنیا میں زندہ رہتا ہے وہ لوگوں کی مخالفتوں اور طرح طرح کی بے اعتنائیوں سے اپنے دامن کو محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ البتہ اختلافات کی نوعیتیں بھی مختلف ہوتی ہیں اور مخالفین کا اندازِ اختلاف بھی مختلف حیثیتوں کا حامل ہوتا ہے، اختلاف رحمت بھی ہوتا ہے اور اختلاف لعنت بھی۔ اختلاف محدود بھی ہوتا ہے اور اختلاف غیر محدود بھی۔ اختلاف شریفانہ بھی ہوتا ہے اور اختلاف ظالمانہ بھی۔

لیکن یہ بات اپنی جگہ مسلّم اور ثابت شدہ ہے کہ نرمی گوئی اور خوش کلامی جیسی صفتوں سے متصف لوگوں سے اہلِ زمانہ جب بھی متصادم ہوتے ہیں ان کا اندازِ تصادم اخیاءً اور فطری شرافتوں سے یکسر جدا نہیں ہوتا۔ شریفوں سے ٹکرانے والے لوگ کتنے ہی رذیل اور گنوار کیوں نہ ہوں دورانِ تکرار میں کبھی فحش جہالت اور برہنہ حماقت پر نہیں اترتے جو گالی گلوچ کے ہم معنیٰ ہو اور جس سے تجاہل و گراوٹ کی بو آتی ہو۔

ایک سخت گیر انسان بھی نرم پالیسی رکھنے والے آدمی سے ٹکراتے وقت اپنی سختی اور سنگدلی کو بالائے طاق رکھ دینے پر مجبور ہوتا ہے بشرطیکہ آدمیت کی کچھ نہ کچھ خوبو اس میں موجود ہو۔ اگر وہ آدمیت و انسانیت سے بالکل ہی مبرّا ہو چکا ہو اور اس کی فطرت میں حیوانیت اور جانورپن آخری حد تک سرایت کر گیا ہو تو بات بالکل ہی علیحدہ ہے۔ ورنہ ہر انسان خواہ کتنا ہی سخت کیوں نہ ہو نرم دل اور نرم زبان رکھنے والے لوگوں سے اختلاف کرتے وقت برہنہ قسم کی مخالفت کا مظاہرہ نہیں کر پاتا اور بالاتفاق جوشِ جہالت اور فرطِ حماقت میں وہ کسی کھلی بدتہذیبی کا مظاہرہ کر ہی گذرتا ہے تو کچھ دیر بعد وہ اپنے دل و دماغ کو ندامت و شرمندگی کے دریاؤں میں غوطہ زن ہونے سے نہیں روک پاتا۔

جو لوگ نرمی گوئی اور خوش کلامی سے محروم ہوتے ہیں، لامحالہ التفاتِ عامہ سے محروم ہو جاتے ہیں اور ان سے تعلق رکھنے والوں کا حلقہ بہت محدود اور بہت مختصر ہوتا ہے۔

توراۃ میں حق تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اس بات کا حکم دیا تھا کہ وہ لوگوں سے مخاطب ہوتے وقت حسنِ اخلاق اور خوش کلامی کو ملحوظ رکھیں۔ اسی بات کو الفاظ کی کسی قدر تبدیلی کے ساتھ قرآن حکیم میں نقل کر دیا گیا ہے گویا کہ امّت مسلمہ کو بھی اس بات کا سبق دیدیا گیا ہے کہ وہ فرد یا افراد سے کلام و تخاطب کے وقت حسنِ اخلاق، نرمی گوئی اور خوش کلامی کو پیشِ نظر رکھیں اور شیریں لب ولہجہ میں لوگوں سے بات چیت کریں۔

خوش کلامی کی ضد ہے بد کلامی۔ اور بد کلامی کو اسلام کسی بھی صورت میں گوارا نہیں کر سکتا۔ وہ فحش گوئی، بد کلامی اور ذلالت روی سے محترز رہنے کی زبردست تاکید کرتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ وہ طنز وطعن اور تحقیر و تمسخر کی روش کو بھی پسند نہیں کرتا مختصراً یہ سمجھئے کہ اسلام کسی ایسی روش اور کسی ایسے شعار کو گوارہ نہیں کر سکتا جس سے دوسرے لوگوں کی ہتک و تذلیل عمل میں آتی ہو یا جس سے دوسرے لوگوں کے اذہان و قلوب میں معنوی زخم پیدا ہو جاتے ہوں۔ دنیا اس بات کو مانتی ہے کہ تلوار کا زخم مندمل ہو جاتا ہے لیکن بات کا زخم کبھی مندمل نہیں ہوتا۔

فحش گوئی، بد کلامی، گالی گلوچ، طنز وطعن، تمسخر و تضحیک وغیرہ ایسے کھنڈے اور بھونڈے ہتھیار ہیں جو دلوں کی گہرائی میں دھیرنے والے زخموں کو جنم دیتے ہیں۔ اسلام نے جہاں اس بات کی تاکید کی کہ اس کے پیروکار خوش کلامی، حسنِ سلوک کے رویّوں کو اپنائیں وہاں اس نے اس بات کا حکم بھی دیا ہے کہ بد کلامی اور فحش سے اپنے آپ کو بچاؤ کہ یہ چیزیں معاشرہ میں انتشار و کشاکش کا باعث ثابت ہوتی ہیں۔

قرآن حکیم میں ایک جگہ یوں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَلَا تَلْمِزُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا۟ بِٱلْأَلْقَٰبِ ۖ بِئْسَ ٱلِٱسْمُ ٱلْفُسُوقُ بَعْدَ ٱلْإِيمَٰنِ ۚ (حجرات)

آپس میں ایک دوسرے کو طعنے مت دو۔ ایک دوسرے کو برے ناموں سے مت پکارو۔ ایمان کے بعد ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارنا جرم ہے۔

ایک جگہ یوں ارشاد فرمایا:-

لَا يُحِبُّ ٱللَّهُ ٱلْجَهْرَ بِٱلسُّوٓءِ مِنَ ٱلْقَوْلِ۔ (نساء)

اللہ تعالیٰ بری باتوں کو پسند نہیں کرتا۔

قرآن حکیم کی ان دونوں آیتوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ پروردگارِ عالم کو نہ طنز وطعن اور فقرے بازی کی روش پسند ہے اور نہ وہ اندازِ گفتگو جس سے جہالت و دہقانیت کی بو آتی ہو۔

ایک روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ مسلمان نہ طعنہ دیتا ہے نہ لعنت بھیجتا ہے اور نہ بد زبانی اور فحش کلامی کا مظاہرہ کرتا ہے (ترمذی)

اچھی باتوں کی نصیحت و وصیت بھی خوش کلامی کے ضمن میں آجاتی ہے۔ اور خوش کلامی کے دائرہ میں یہ بات بھی داخل ہے کہ آدمی کسی کو مفید مشورہ دے اور ایسی بات سمجھانے کی کوشش کرے جو مدمقابل کے حق میں ہر اعتبار مفید و نفع بخش ہو۔

قرآن حکیم میں ہی ایک جگہ یوں فرمایا گیا۔

وَقُل لِّعِبَادِى يَقُولُوا۟ ٱلَّتِى هِىَ أَحْسَنُ ۚ

(اے پیغمبر) میرے بندوں سے کہد یجئے کہ وہ بات کہیں جو سب سے بہتر ہو۔

گویا آدمی زبان سے وہ بات نکالنے کی کوشش کرے جو دوسرے کیلئے بہتر اور مفید ثابت ہو۔ بعض باتیں محض بیہودہ لغویات ہوتی ہیں ان سے نہ قائل کو فائدہ پہنچتا ہے نہ سامع کو، اسلام ایسی باتوں کو کیونکر پسند کر سکتا ہے اسلام کی تاکید یہ ہے کہ اگر زبان کھولو تو کہ جو بہتر ہوں اور مفید ہوں۔

آنحضرتؐ کا ارشادِ گرامی ہے کہ جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ اچھی بات زبان سے نکالے ورنہ چپ رہے (مسلم)

ایک مرتبہ آپ نے بار بار دوزخ کی ہولناکیوں کا ذکر کیا اور پھر فرمایا دوزخ سے بچو اگرچہ چھوارے کے ایک ٹکڑے کو خیرات کر کے ہی سہی اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو پھر اچھی باتوں کے ذریعے ہی (صحیح بخاری)

مطلب یہ ہے کہ اللہ کے راستے میں خرچ کر کے دوزخ سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے اگرچہ حقیر سے حقیر چیز قربان کی گئی ہو لیکن اگر کسی میں اتنی اہلیت و استطاعت بھی نہیں ہے کہ حقیر اور معمولی چیز بھی قربان کر سکے تو پھر وہ اچھی اچھی باتوں کے ذریعہ دوزخ سے نجات

مولانا عامر عثمانیؒ

بات ہے پرانی

ایک صاحب نے خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق کسی مفتی مصر کا یہ ریمارک نقل کیا تھا:

"کھیت سے فصل حاصل کرنا یا نہ کرنا کسان کی اپنی مرضی پر منحصر ہے۔"

اس ریمارک پر کچھ عرض کرنے سے قبل مولانا عامر عثمانیؒ نے پہلے قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیت نقل کی اور اس پر مدبرانہ گفتگو کی۔ یہ گفتگو ذیل میں نقل کر دی گئی ہے:-

نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُم مُّلَاقُوهُ۔ (سورۃ بقرہ رکوع ۲۸)	تمہاری اور تیں تمہاری کھیتیاں ہیں تم اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہے جاؤ۔ اور اپنے لئے آگے کی تدبیر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ تمہیں اس سے ملنا ہے۔

یہ بات بلا کسی ابہام کے ہر آنکھ والے کو یہاں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ عورت سے مرد کے ہمبستر ہونے کا اصل مقصود اولاد پیدا کرنا ہے نہ کہ لذت حاصل کرنا۔ لذت کی حیثیت تو ایک محرک اور داعیے کی ہے جو انسان کی فطرت میں اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ اصل مقصود سے غافل اور کنارہ کش نہ ہو۔ کسان زمین میں بیج ڈالتا ہے تو مقصود اس کے سوا کچھ ہوتا ہی نہیں کہ بار آور ہو اور کھیتی لہلہا اٹھے۔ جو کسان بیج تو ڈالے مگر خواہش یہ رکھے کہ کھیتی نہ اُگے اُسے آپ پاگل کہیں گے۔ مگر خاندانی منصوبہ بندی کے وکیل جناب مفتی مصر اُلٹا سبق پڑھانا چاہتے ہیں کہ بیج تو ڈالو مگر کوشش یہ بھی کرو کہ بیج پھلنے پھولنے نہ پائے۔

اللہ تعالیٰ نے "اَنّٰی شِئْتُمْ" کے الفاظ فرمائے ہیں جن کا مطلب ہے کہ جس رُخ سے چاہے جاؤ۔ یہ رُخ اور سمت کی بات کیوں آئی۔ اس کا جواب شان نزول میں ملتا ہے۔ شان نزول یہ ہے کہ یہودیوں کا یہ عقیدہ عام تھا کہ صحبت اگر پشت کے رُخ سے کی جائے تو اولاد بھینگی پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا پشت کی طرف سے وطی جائز نہیں۔ قرآن نے اس عقیدے کو بے بنیاد قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ کسی بھی رُخ سے وطی حرام نہیں البتہ یہ ملحوظ رکھو کہ عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ ان سے صحبت کرنے کا مقصد تخم کو بارآور کرنا ہے یعنی اولاد پیدا کرنا لہٰذا لواطت جائز نہیں۔ صرف اسی راہ سے مجامعت کرو جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔

پھر کیا اس بات میں کوئی ابہام رہا کہ عورتوں کے لئے کھیتیوں کی مثال بہت ہی صراحت اور قطعیت کے ساتھ اہل ایمان کو بتاتی ہے کہ عورت کو پیدا ہی کیا گیا ہے اولاد پیدا کرنے کے لئے اور صحبت[1] کا مقصود اولاد ہی پیدا کرنا ہے نہ کہ لذت نفس حاصل کرنا۔ لذت نفس اگر مقصدی اہمیت رکھتی تو لواطت بھی جائز ہونی چاہیے تھی۔ لیکن لواطت کو حرام قرار دیا گیا کیونکہ اس سے بچہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ اب اگر ایک شخص بیوی سے مجامعت تو کرنا چاہتا ہے مگر یہ نہیں

[1] صحبت ہم جنس۔

چاہتا کہ بچہ پیدا ہو بلکہ نسبندی اور آپریشن اور دواؤں کے ذریعہ بچّہ کی پیدائش روکنے کی ہر ممکنہ سعی کرتا ہے تو مقصد و مدعا کے اعتبار سے اس میں اور لواطت کرنے والے ذہن و موقف میں کیا فرق رہا۔ مرد مرد سے صحبت کرے یا مرد عورت کی دبر میں مجامعت کرے تو یہ اس لئے حرام ہے کہ اس سے نطفہ ضائع ہوتا ہے اور مقصود مجامعت صرف لذّت رہ جاتا ہے۔ اگر ہم نسبندی یا کسی اور مانع حمل تدبیر کے ساتھ عورت سے ہم بستر ہوتے ہیں تو یہی وجہ حرمت یہاں بھی پائی گئی۔ ہمارا مقصود صرف لذّت حاصل کرنا رہا نطفہ کو ہم نے بالارادہ ضائع کردیا۔ کیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ جو لوگ مانع حمل تدابیر کے ساتھ اپنی بیویوں سے صحبت کرتے ہیں وہ صحبت کے اصل مقصد سے منحرف ہوکر نفسانیت اور لذّت پرستی کے ٹھیک اس موقف میں آجاتے ہیں جو عمل قوم لوط کے مرتکبین کا موقف ہے۔ (نعوذ باللہ من ذلک)۔ یہ تو شریعت حقّہ کی رعایت اور احسان سمجھئے کہ اس نے میاں بیوی کی ایسی ہم بستری کو حرام قرار نہیں دیا جس کا مقصود صرف حظِ نفس ہو اور اولاد کی پیدائش کو اس میں قصداً روک دیا گیا ہو۔ ورنہ قانون کا تقاضا تو یہ تھا کہ ہر ایسی مجامعت حرام قرار پائے جو محض لذّت اندوزی کی خاطر کی جائے اور اولاد کی پیدائش کے امکانات کو اس میں خارجی تدبیروں سے ختم کردیا جائے۔

یہ نکتہ ملحوظ رکھئے کہ خود فقہ اسلامی نے بعض خاص حالات میں ضبطِ تولید کی اجازت دی ہے مگر ان حالات کا تعلق اس ذہنیت سے بالکل نہیں ہے جس نے نام نہاد خاندانی منصوبہ بندی کو جنم دیا ہے۔ جب عورت اس قدر بیمار یا کمزور ہو کہ اولاد پیدا کرنا اس کے لئے پیامِ مرگ کے درجہ میں آجائے تو شوہر ضبطِ تولید کے وسائل استعمال کرسکتا ہے کیونکہ ایک موجود ہستی کی زندگی کا تحفظ غیر موجود نسل کو ظہور دینے کی کوششوں سے زیادہ ضروری ہے۔ لیکن یہ صورتِ حال نادر ہے اور ندرت کے علاوہ اس کا تعلق افراد کی ذاتی زندگی سے ہے۔ کسی حکومت یا سوسائٹی کا بطور ایک مشن کے خاندانی منصوبہ بندی کو رواج دینا اور معاشی بنیادوں پر کثرتِ آبادی کو ہوّا بنا لینا ایسا فلسفہ ہے جس سے اسلام آشنا نہیں

الدنیا متاعٌ قلیل

حسین حقانی

انسان کی فطرت ہے کہ وہ صرف ایسی اشیاء ہی کو اپنے پاس جمع کرتا ہے۔ اور انھیں اپنا سرمایہ بناتا ہے جو زیادہ مدت تک چل سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بہترین کھانے اور بہترین پہننے کی خواہش کے باوجود گن گن کر رکھنے کا عمل کسی غذا یا لباس کے ساتھ نہیں، صرف روپے، پیسے اور زر و جواہر کے ساتھ روا رکھتا ہے۔ زیادہ مدت تک رہنے والی چیزوں سے یہ فطری لگاؤ بے مقصد نہیں ہے۔ بلکہ پیدا کرنے والے نے انسان کے لئے اس میں ایک ایسا اشارہ رکھا ہے جسے سمجھنے والا دنیا کی حقیقت سمجھنے میں کبھی غلطی نہیں کرسکتا۔

دراصل طویل العمر اشیاء سے محبت کا سبب صرف یہ ہے کہ انسان جس چیز کو زیادہ عرصہ تک زیر تصرف لاسکتا ہے اسی کو جمع کرتا ہے اور جس چیز کے بارے میں اسے یہ علم ہے کہ وہ ختم ہوجانے والی ہے اسے سمیٹ سمیٹ کر رکھنا بے وقوفی سمجھتا ہے۔ گویا جس چیز کی عمر مختصر ہے اور جسے زیادہ عرصہ تک نہیں رہنا، انسان اسے اپنے لئے غیر مفید خیال کرکے جمع ہی نہیں کرتا۔ اس کے برعکس جو چیز اس کی خدمت میں زیادہ دیر تک رہنے والی ہو اس کی حفاظت پر پوری پوری توجہ دیتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا "الدنیا متاعٌ قلیل" (دنیا مختصر اور عارضی پونجی ہے) تاکہ انسان یہ محسوس کرے کہ جس طرح مٹ جانے والی چیزیں وہ دنیا میں ڈھیر کرنا پسند نہیں کرتا، اسی طرح اپنی زندگی میں اسے فنا ہونے والی یہ دنیا سمیٹنے کی بے وقوفی بھی نہیں کرنی چاہیئے۔ بلکہ وہ سرمایہ حاصل کرنا چاہیئے جو فنا نہ ہونے پائے ——— اسی میں اس کی فلاح ہے اور یہی اس کی فطرت کے مطابق ہے۔

کبھی فنا نہ ہونے والا سرمایہ اللہ تعالیٰ نے صرف اور صرف اپنی خوشنودی کو قرار دیا ہے اور جس طرح دنیا میں انسان یا سنگ وخشت کا "خزانہ" حاصل کرتا ہے یا گل وگوہر کا اسی طرح آخرت کا یہ سرمایہ بھی آگ اور پھول کے دو اقسام میں منقسم ہے اور انسان کو اس بات کی آزادی ہے کہ وہ ان میں کسی بھی ایک قسم کو حاصل کرے

دنیا میں کوئی چیز ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے اس کے مقابلہ پر آخرت میں ہمیشگی ہے، دولت، سرمائے اور پونجی کے انسانی معیارات ہی کی رو سے دنیا قلیل اور آخرت حقیقی دولت قرار پائی ہے۔ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دنیا اس کا گھر ہے جس کا گھر نہ ہو، اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہ ہو، اس کو وہ جمع کرے جس کو کوئی عقل نہ ہو، اس کے پیچھے وہ پڑے جس کا کوئی علم نہ ہو، اس پر وہ رشک کرے جس کو کوئی دانائی نہ ہو، اور اس کے پیچھے وہ دوڑے جس کو آخرت کا کوئی یقین نہ ہو"

حقیقت بھی یہی ہے کہ جو فرد اس دنیا کے اسباب کی قلت کو سمجھتا ہو وہ ان مختصر اور محدود چیزوں کو کبھی جمع نہیں کرسکتا۔

انسان کو اس دنیا میں انتخاب کی آزادی دے کر محض اس لئے بھیجا گیا ہے کہ اس کی فرمانبرداری یا نافرمانی کا پتہ لگ سکے۔ اس امتحان کا نتیجہ امتحان کے دوران نہیں دیا جاسکتا۔ اور یقیناً اس کے اختتام کے بعد ہی دیا جائے گا وہ شخص اور وہ گروہ جو اس بات کا یقین رکھتا ہے کہ اس کی کوئی قوت وصلاحیت اور کوئی طاقت واہلیت اس کی بے قید ملکیت نہیں۔ اس دائرہ میں رہ کر ایک خاص میعاد تک استعمال کرنے کی خاطر یہ اشیاء اس کی تحویل میں دی گئی ہیں، پھر اسے ایک اپنی ساری ظاہری وباطنی قوتوں اور

صلاحیتوں کی ایک کارکردگی جواب دہی اس ہستی کے سامنے کرنی ہے جس نے یہ ساری چیزیں اس کی نگرانی و اختیار میں دے کر اسے متصرف کی حیثیت سے اس دنیا میں بھیجا ہے ـــــ ایسے اشخاص یا گروہ کا یقین اسے ان اعمال پر آمادہ و تیار کرتا ہے جن میں وہ اس مادی زندگی کو اپنا نفع سمجھتے ہوئے استعمال نہیں کر بیٹھتا بلکہ بعد از حیات منافع کمانے کی غرض سے اس کی سرمایہ کاری (INVESTMENT) کرتا ہے۔

کس قدر بے وقوف ہے وہ شخص یا وہ گروہ جو عمل کے ایک سکہ سے کبھی ختم نہ ہونے والا ذخیرہ حاصل کرنے پر قادر رہے لیکن اسے اس مقصد سے استعمال کرنے کے بجائے اسے ضائع کرکے آئندہ کی زندگی میں اپنے لئے کوئی چیز باقی نہیں چھوڑتا۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں " خبردار ! دنیا ایک عارضی پونجی ہے۔ اس میں نیک اور بد دونوں کھاتے ہیں۔ آخرت برحق ہے اور اس میں قدرت والا بادشاہ فیصلہ کرے گا۔ پوری بھلائی جنت میں ہے اور پوری برائی دوزخ میں۔ خبردار! تم اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ تم اپنے اعمال پر پیش ہونے والے ہو۔ بس جس نے ذرہ برابر نیکی کی اس کو بھی وہ دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ برابر بدی کی اس کو بھی وہ دیکھ لے گا۔ تم خداوند عالم کے پاس ننگے بدن اور بغیر کسی سہارے کے حاضر کئے جاؤ گے۔

ایک اور موقع پر فرمایا: دوزخ کو دنیا کی لذتوں اور آسائشوں سے گھیر دیا گیا ہے اور جنت آلام و مصائب سے گھری ہوئی ہے (ہر فرد کو آزادی ہے کہ دنیا کی لذتیں اور آسائشیں جمع کرکے دوزخ کے عذاب دائمی میں پہنچ جائے یا یہاں کچھ محنت کرکے جنت کو پالے)۔"

جس طرح نفع نقصان کی اس دنیا میں یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی فرد اپنی حیوانی یا دماغی قوتوں کے بغیر کوئی فائدہ حاصل کرلے۔ اسی طرح یہ بھی عملاً ناممکن ہے کہ آخرت کی قربانی کے بغیر دنیا اور دنیا کی قربانی کے بغیر آخرت حاصل کی جائے انسان کو انتخاب دو میں سے ایک کا کرنا ہے۔ اب وہ دنیا کے قلیل سرمائے کی قربانی قبول کرکے اخروی منافع حاصل کرے یا دنیاوی سرمایہ جمع کرکے آخرت کی پونجی قربان کر ڈالے، حدیث کے الفاظ میں دنیا آخرت کے مقابلہ میں ایسی ہی ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص سمندر میں انگلی ڈالے اور اس سے دیکھے کہ کتنا پانی لے کر لوٹتی ہے۔

مولانا سیّد ابو الاعلیٰ مودودی کا مکتوب

ہندوستان سے ایک خط مولانا مودودی کے نام بھیجا گیا تھا جس کی نقل مئی کے شمارہ میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں اب اس خط کی نقل ملاحظہ فرمائیں جو مولانا مودودی کی طرف سے جواباً موصول ہوا ہے۔

مرسلہ شیخ محمد نصیر الدین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میرے دور افتادہ بھائی   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

آپ کا خط مورخہ ۲۲ مارچ کو ملا۔ یہ اطلاع تو اخبارات کے ذریعہ سے پہلے ہی مل چکی تھی کہ ہندوستان کے انتخابات میں مسز اندرا گاندھی کے جابرانہ اقتدار کا تختہ الٹنے کے بعد نئی حکومت نے وہاں کی جماعت پر سے پابندی اٹھالی ہے۔ اور سب ارکان جماعت رہا ہو چکے ہیں۔ لیکن اس سے زیادہ دل خوش کن خبر آپ کے خط سے ملی کہ ابتلا کے ان ۱۹ مہینوں میں جماعت کے کارکنوں نے جیل میں بھی سنتِ یوسفی ادا کی اور اپنے ساتھی غیر مسلم قیدیوں کی ان غلط فہمیوں کو رفع کرنے کا بہت قابل قدر کام کیا جو اسلام اور اہلِ اسلام کے بارے میں وہ مدتوں سے نسلاً بعد نسلٍ رکھتے تھے۔

یہاں کے حالات بلاشبہ آپ کے لئے تکلیف دہ ثابت ہوئے ہوں گے، مگر ہم اللہ کے فضل سے مایوس نہیں ہیں۔ انشاء اللہ یہاں بھی خیر کا پلڑا جھک کر رہے گا۔

آپ لوگوں کے لئے یہاں بیٹھ کر اس کے سوا اور کیا کرسکتا ہوں کہ پہلے بھی دعائے خیر کرتا تھا اور اب بھی دعائے خیر کر رہا ہوں۔ تاہم کوئی خدمت بھی جو میرے امکان میں ہو دریغ نہ کروں گا۔

میری طرف سے وہاں کے سب خیر خواہوں کو سلام پہنچا دیں۔

خاکسار

(دستخط) ابوالاعلیٰ

بقیہ "آفتاب ہدایت کی ایک کرن"

پاسکتا ہے۔

ایک مرتبہ آپ نے جنت کا ذکر فرمایا پھر اس کی وسعت اور خوبیاں بیان کیں۔ ایک صحابی نے دریافت کریا یا رسول اللہ یہ جنت کن لوگوں کو ملے گی۔ آپ نے فرمایا کہ جس نے خوش کلامی کو اپنایا، بھوکوں کو کھانا کھلایا، روزے رکھے اور اس وقت نماز پڑھی جب دنیا سوتی تھی۔

اس قسم کی بہت سی روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اچھی باتیں اور باتیں کرنے کا اچھا انداز ایک ایسا وصف ہے جو آدمی کو دوزخ کی ہولناکی سے بچا کر جنت کے باغوں تک پہونچا دیتا ہے۔ جو لوگ خوش کلامی اور حسن اخلاق سے محروم ہوتے ہیں فی الواقعہ کس قدر کم نصیب ہوتے ہیں کہ دنیا ان سے بھاگتی ہے اور آخرت میں بھی انھیں گندی زبان اور فحش کلامی کی بدولت گھناؤنی اور سزا وعتاب کی ایسی ایسی بھیانک منزلوں سے گذرنا پڑیگا کہ جن کے تصور سے ہی ایک ڈرنے والے مسلمان کا دل لرز اٹھتا ہے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

رسالت محمدیؐ پر ایمان کی دعوت

دعوتِ اسلامی کا دوسرا اہم نقطہ یہ تھا کہ لوگ اللہ وحدہٗ لاشریک کو واحد معبود اور واحد حاکم و مقتدرِ اعلیٰ ماننے کے بعد یہ تسلیم کریں کہ رسول ہی وہ ایک مستند و معتبر پیغام بر ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ انسانوں کو ہدایت دیتا ہے یا احکام دیتا ہے۔ عبادت کا طریقہ بتاتا ہے، صحیح عقائد کی تعلیم دیتا ہے۔ اخلاق و اعمال کے صحیح اور غلط اصولوں اور طریقوں کی تمیز سکھاتا ہے۔ اور لیے وہ قوانین بھیجتا ہے جن کی پیروی لوگوں کو اپنی زندگی کے ہر شعبے میں کرنی چاہیے۔ اس لئے اللہ کی توحید پر ایمان لانے کے بعد لوگوں کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ رسول کی رسالت پر ایمان لائیں، اس کو مرضی الٰہی کا واحد نمائندہ مانیں۔ سب کی پیروی چھوڑ کر اس کی پیروی اختیار کریں، اور سب کی اطاعت ترک کرکے اُن احکام و ہدایات کی اطاعت کریں جو رسول اپنے بھیجنے والے خدائے واحد کی طرف سے دے۔ اس طرح یہ رسالت کا عقیدہ اُس عظیم انقلاب کو عملی شکل دے رہا تھا۔ جو اللہ کی توحید تسلیم کراکے اسلام انسانی زندگی میں برپا کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ جب توحید کو مان کر انسان اس بات کا قائل ہو جائے کہ اب اُسے اللہ ہی کی بندگی و عبادت کرنی ہے اور اُسی کی ہدایت پر چلنا ہے۔ تو فوراً ہی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ اپنے اس عقیدے کو عمل میں کیسے لائے؟ کس ذریعے سے اس کو یہ معلوم ہو کہ اللہ کی بندگی و عبادت کا صحیح طریقہ کیا ہے اور اُس کی وہ ہدایت کیا ہے جس کی اب اُسے پیروی کرنی چاہیئے؟ قرآن نے بتایا کہ وہ ذریعہ ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی بندے کو اپنا رسول بنا کر اُس کو اُن چیزوں کا علم دیتا ہے جن پر عمل کرنا اس کی مرضی کے مطابق ہے، اور اُس کی بندگی بجا لانے کے لئے کوئی عملی صورت اِس کے سوا نہیں ہے کہ رسول کی رسالت مان کر اسکی پیروی و اطاعت کیجائے۔ یوں تو تمام مختلف عقائد و افکار، اوہام و تخیلات مذاہب و ادیان، رسوم و قوانین، اور ارباب متفرقین کی۔ پیروی و اطاعت میں بنی انسانیت ایک مرکز پر جمع ہوجاتی ہے اور وہ دین عملاً قائم ہوجاتا ہے جس پر نوعِ انسانی کا جمع کرنا اسلام کی دعوت کا مقصود ہے۔

اس سلسلے میں قرآن مجید کی تعلیمات کو حسب ذیل ترتیب کے ساتھ اگر دیکھا جائے تو بات پوری طرح سمجھ میں آجاتی ہے۔

ابتدائے آفرینش میں انبیاءؑ کی بعثت کا اعلان

نبوت کے متعلق پہلی بات جو قرآن میں بتائی گئی وہ یہ تھی کہ زمین پر نوعِ انسانی کے آغاز ہی کے وقت اولادِ آدم کو خبردار کر دیا گیا تھا کہ رسولوں کے ذریعے سے جو ہدایت اُن کو بھیجی جائے گی۔ اس کی پیروی انھیں کرنی ہوگی۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ اے بنی آدم، اگر تمہارے پاس

رُسُلٌ مِّنكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي فَمَنِ اتَّقَىٰ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

(الاعراف ۔ ۳۵، ۳۶)

خود تمہیں میں سے (یعنی انسانوں میں سے) ایسے رسول آئیں جو تمہیں میری آیات سنا رہے ہوں تو جو کوئی نافرمانی سے بچے گا ۔ اور اپنے رویّے کی اصلاح کرلے گا ۔ اس کے لئے خوف و رنج کا کوئی موقع نہیں ہے ۔ اور جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلائیں گے اور اُن کے مقابلے میں سرکشی برتیں گے وہی اہلِ دوزخ ہوں گے ۔ جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے

رسول کو ماننے یا نہ ماننے پر انسان کی فلاح و خسران کا انحصار

یہی بات سورہ بقرہ آیات ۳۸، ۳۹ اور سورہ طٰہٰ آیات ۱۲۳ ۱۲۴ میں بیان کی گئی جہاں زمین پر آدم و حوا علیہما السلام کے اتارے جانے کا ذکر آیا ہے ۔ اس میں صرف یہی خبر نہیں دی گئی تھی کہ انسانوں کی ہدایت کے لئے رسول بھیجے جائیں گے ۔ بلکہ یہ بھی متنبہ کر دیا گیا تھا کہ ان کی فلاح و خسران کا انحصار ہی اس بات پر ہوگا کہ وہ رسولوں کی ہدایت کو قبول کر کے تقویٰ اور اصلاح کی راہ اختیار کرتے ہیں یا نہیں ۔ نہ کریں گے تو دنیا میں بھی سزا پائیں گے ۔ اور جہنم کا عذاب بھی مول لیں گے ۔

چنانچہ جگہ جگہ دنیا میں قوموں پر عذاب آنے کی وجہ یہی بیان کی گئی کہ انھوں نے اپنے ہاں آنے والے رسولوں کی بات ماننے سے انکار کیا تھا ۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد ہوا ۔

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا مِن قَبْلِهِمْ كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ وَمَا كَانَ لَهُم مِّنَ اللَّهِ مِن وَاقٍ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانَت تَّأْتِيهِمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَكَفَرُوا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ إِنَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ

المؤمن (۲۱، ۲۲) ۔

اور کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں کہ اُن لوگوں کا انجام انھیں نظر آتا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں؟ وہ ان سے (یعنی قریش سے) زیادہ طاقت ور تھے اور ان سے زیادہ زبردست آثار زمین میں چھوڑ گئے ہیں مگر اللہ نے ان کے گناہوں پر انھیں پکڑ لیا اور اُن کو اللہ سے بچانے والا کوئی نہ تھا ۔ یہ اُن کا انجام اس لئے ہوا کہ اُن کے پاس ان کے رسول بینات[1] لے کر آئے مگر انھوں نے ماننے سے انکار کر دیا ۔ آخر کار اللہ نے انھیں پکڑ لیا ۔ یقیناً وہ بڑی قوت والا اور سزا دینے میں بہت سخت ہے ۔

قریب قریب یہی بات سورہ فاطر آیات ۲۵ ۔ ۲۶ اور سورہ تغابن آیات ۵ ۔ ۶ میں بیان کی گئی ہے اور قرآن ان قوموں کے قصوں سے بھرا ہوا ہے جنھوں نے اپنے عہد کے رسولوں کی تکذیب کی اور آخر کار دنیا ہی میں اُن پر عذاب آگیا ۔

پھر آخرت کے متعلق بتایا گیا کہ وہاں انسانوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہی اس بنیاد پر قائم ہوگی کہ تمہارے پاس رسول بھیج کر تمہیں حق و باطل کا فرق اور سیدھا راستہ صاف صاف بتا دیا گیا تھا ، اس کے باوجود تم نے اُن کی اطاعت نہ کی ، اس لئے اب تم عذابِ جہنم کے مستحق ہو ۔

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِن بَعْدِهِ ... رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ

اے محمدؐ ، ہم نے تمہاری طرف اُسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوحؑ اور اس کے بعد آنے والے نبیوں کی طرف بھیجی تھی ۔۔۔ یہ سب

---

[1] بینات سے مراد تین چیزیں ہیں (۱) ایسی نمایاں علامات اور نشانیاں جو اس کے مامور من اللہ ہونے کی شہادت دیتی ہوں (۲) ایسی روشن دلیلیں جو اس کی پیش کردہ تعلیمات کے حق ہونے کا ثبوت دے رہی ہوں (۳) زندگی کے مسائل و معاملات کے متعلق ایسی واضح ہدایات جنھیں دیکھ کر ہر معقول آدمی یہ جان سکتا ہو کہ ایک جھوٹا خود غرض آدمی ایسی تعلیم نہیں دے سکتا [illegible]

[illegible]

لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ (النساء ۱۶۳-۱۶۵) — رسول خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے تھے تاکہ ان کو مبعوث کر دینے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت باقی نہ رہے

یعنی ان سب پیغمبروں کا کام یہ تھا کہ جو لوگ ان کی لائی ہوئی تعلیم پر ایمان لا کر اپنے طرزِ فکر و عمل کو اس کے مطابق درست کر لیں ان کو فلاح و سعادت کی خوشخبری سنا دیں اور جو نہ ایمان لائیں نہ فکر و عمل کی غلط راہوں پر چلنا چھوڑیں ان کو انجام بد سے ڈرا دیں۔ اور ان سب پیغمبروں کو بھیجنے کی غرض یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے راہِ حق صاف صاف بتا کر نوعِ انسانی پر حجت تمام کر دینا چاہتا تھا تاکہ آخرت کی عدالت میں کوئی کافر و مجرم یہ عذر پیش نہ کر سکے کہ ہم کو حقیقت بتانے کا تو کوئی انتظام کیا ہی نہیں گیا۔ اور اب ہم بے خبری میں پکڑے جا رہے ہیں۔

آخرت کا ذکر کرتے ہوئے قرآن میں خبردار کر دیا گیا کہ منکرین اور مخالفینِ رسالت کے تمام اعمال (جن کو وہ اپنے نزدیک نیک سمجھ کر کرتے رہے) وہاں ضائع ہو جائیں گے اور جب ان لوگوں کو جہنم میں داخل کیا جائے گا کہ تم پر رسولوں کے ذریعے سے حجت تمام ہو چکی تھی، اس لیے اب جو سزا تم بھگت رہے ہو اس کے تم فی الواقع مستحق ہو۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَنْ يَضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ (محمد ۳۲) — جن لوگوں نے ماننے سے انکار کیا[1] اور اللہ کی راہ سے روکا[2] اور رسول سے جھگڑا کیا جبکہ راہِ راست ان پر واضح ہو چکی تھی وہ اللہ کا کوئی نقصان نہیں کر سکتے، بلکہ اللہ ہی ان کا سب کیا کرایا غارت کر دے گا۔

اس موقع پر اللہ تعالیٰ اُن سے پوچھے گا:

يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي وَيُنْذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۚ قَالُوا شَهِدْنَا عَلَىٰ أَنْفُسِنَا ۖ وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ۝ ذَٰلِكَ أَنْ لَمْ يَكُنْ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا غَافِلُونَ (الانعام ۱۳۰ - ۱۳۱) — اے گروہ جن و انس، کیا تمہارے پاس خود تم ہی میں سے وہ رسول نہ آئے تھے جو تم کو میری آیات سناتے تھے اور اس دن کے انجام سے ڈراتے تھے؟ وہ کہیں گے کہ "ہم اپنے خلاف خود شہادت دیتے ہیں"۔ دنیا کی زندگی نے اُن کو دھوکے میں ڈال رکھا تھا، مگر آخرت میں وہ اپنے اوپر خود گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے۔ (یہ شہادت اُن سے اس لیے لی جائے گی کہ یہ ثابت ہو جائے کہ) تمہارا رب بستیوں کو ظلم کے ساتھ تباہ کرنے والا نہ تھا جبکہ اُن کے بسنے والے حقیقت سے بے خبر ہوں۔

كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ۝ قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا — جب بھی کوئی انبوہ جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اس کے کارندے اُن لوگوں سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی نذیر (خبردار

---

[1] یعنی رسول کو اور اس کی لائی ہوئی تعلیم کو ماننے سے انکار کیا۔

[2] اصل میں صَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ صدّ کا لفظ عربی زبان میں لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے ان الفاظ کے معنی یہ بھی ہیں کہ خود اللہ کا راستہ اختیار کرنے سے باز رہے۔ اور یہ معنی بھی ہیں کہ انھوں نے دوسروں کو اس راہ پر آنے سے روکا۔ روکنے کی بھی کئی صورتیں ہیں ایک یہ کہ آدمی زبردستی کسی کو ایمان لانے سے روک دے دوسرے یہ کہ ایمان لانے والوں پر ایسا ظلم و ستم ڈھائے کہ ان کا ایمان پر قائم رہنا اور دوسروں کو ایسے خوفناک حالات میں ایمان لانا مشکل ہو جائے۔ تیسرے یہ کہ وہ اللہ کے دین اور اس کے پیش کرنے والے رسول کے خلاف لوگوں کو ورغلائے اور ایسے وسوسے دلوں میں ڈالے کہ لوگ بدگمان ہو کر (باقی برصفحہ ۲۴)

فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۔ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۔ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ فَسُحْقًا لِّأَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (الملک ۸ تا ۱۱)

کہ تمہارے پاس کوئی [illegible] نہیں آیا تھا؟ وہ جواب دیں گے "ہاں نذیر آیا تھا مگر ہم نے اسے جھٹلایا اور کہا اللہ نے کچھ نازل نہیں کیا ہے اور تم بڑی گمراہی میں مبتلا ہو" پھر وہ کہیں گے "کاش ہم سنتے یا عقل سے کام لیتے تو آج اس بھڑکتی ہوئی آگ کے سزاواروں میں شامل نہ ہوتے" اس طرح وہ اپنے گناہ کا اعتراف کریں گے لعنت ہے ان دوزخیوں پر

اسی سے ملتا جلتا مضمون سورۂ زمر آیا ۷۱ - ۷۲ میں بیان ہوا ہے۔ اس سے ظاہر ہوگیا کہ اسلام میں رسالت کی اہمیت اتنی بڑی ہے کہ اسی کے ماننے یا نہ ماننے پر دنیا سے آخرت تک انسان کی نیک بختی یا بدبختی کا دار و مدار ہے۔

تمام قوموں میں انبیاء آئے اور سب کی دعوت ایک ہی تھی

قرآن میں یہ بتایا گیا کہ آغاز آفرینش سے تمام قوموں میں انبیاء آتے رہے ہیں، اُن سب کا دین ایک تھا، سب کی دعوت بھی ایک تھی۔ سب کی بعثت کا مقصد بھی ایک تھا، اور ان سب کا مطالبہ یہ تھا کہ لوگ اللہ کی نافرمانی سے بچیں اور ان کی اطاعت کریں۔

وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (فاطر ۲۴)

کوئی امت ایسی نہیں گذری جس میں کوئی نذیر نہ آیا ہو۔

[illegible] وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (الرعد ۷)

ہر قوم کے لئے ایک ہادی تھا۔

وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ (الشعراء ۲۰۸)

ہم نے کوئی بستی ہلاک نہیں کی جس میں خبردار کرنے والے نہ آئے ہوں

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُوْلًا أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل ۳۶)

اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول (یہ دعوت دینے کے لئے) بھیجا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔

حضرت نوح ؑ سے لیکر حضرت عیسیٰ ؑ تک قرآن مجید میں نبی پر نبی کا نام لے کر بیان کیا گیا کہ ہر ایک نے اپنی قوم سے یہی کہا کہ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ "اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ ملاحظہ ہو آل عمران، ۵۰ - الشعراء ۱۰۸ - ۱۱۰ - ۱۲۶ - ۱۳۱ - ۱۴۴ - ۱۵۰ - ۱۶۳ - ۱۷۹ - الزخرف - ۶۳ - نوح - ۳)

انبیاء کی بعثت کا مقصد

پھر سب انبیاء ؑ کی بعثت کا مقصد یہ تھا۔

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (الحدید ۲۵)

ہم نے اپنے رسولوں کو بیّنات کے ساتھ بھیجا اور اُن کے ساتھ کتاب اور میزان (معیار حق و باطل) نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱) خدا کے راستے پر آنے سے رُک جائیں اس کے علاوہ ہر کافر معاشرہ خدا کے راستے میں ایک سنگ گراں ہے۔ کیونکہ وہ اپنی تعلیم و تربیت، اپنے اجتماعی نظام، اپنے رسم و رواج اور اپنے تعصبات سے دینِ حق کے پھیلنے میں شدید رکاوٹیں ڈالتا ہے۔

لہ اس سوال کی نوعیت یہ نہ ہوگی کہ جہنم کے کارندے اُن سے یہ پوچھنا چاہتے ہوں کہ تمہارے پاس کوئی نذیر آیا تھا یا نہیں بلکہ اس سے مقصود اُن کو اس بات کا قائل کرنا ہوگا کہ انھیں جہنم میں ڈال کر اُن سے بے انصافی نہیں کی جا رہی ہے اسلئے وہ خود اُن کی زبان سے یہ اقرار کرانا چاہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو بے خبر نہیں رکھا تھا اُن کے پاس انبیاء ؑ بھیجے گئے تھے مگر انھوں نے اُن کی بات نہ مانی اس لئے جو سزا انھیں دی جا رہی ہے اس کے وہ مستحق ہیں۔

انصاف پر قائم ہوں، یعنی اپنے ساتھ انصاف، اپنے خدا کے ساتھ انصاف، ہر اس انسان کے ساتھ انصاف جس سے اُن کا معاملہ پیش آئے، اپنے معاشرے میں انصاف، اپنے لین دین میں انصاف، اپنی تہذیب و تمدن میں انصاف، اپنی سیاست و حکومت میں انصاف، اپنی عدالت میں انصاف، اپنے بین الاقوامی تعلقات میں انصاف، غرض انفرادی اور اجتماعی طور پر ہر لحاظ سے زندگی کے ہر شعبے اور پہلو میں انصاف کا قیام اُن سب کی بعثت کا مقصد تھا۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت | نبوت و رسالت کی تاریخ اور اس کی حقیقت کے اس پس منظر میں پہلے قریش کو، پھر اہل عرب کو، پھر ساری دنیا کو یہ بتایا گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم انہی رسولوں میں سے ہیں جو پہلے بھیجے جاتے رہے ہیں، وہی دین لے کر آئے ہیں جو ابتدائے آفرینش سے تمام رسولوں کا دین تھا۔ اسی دین کو تمام آمیزشوں اور آلائشوں سے پاک کر کے اس کی اصل خالص صورت میں پیش کرنے کے لیے آئے ہیں۔ اور اب خدا کا دین، اس کی شریعت، اس کا قانون، اس کا حکم وہ ہے جو اپنی طرف سے نہیں بلکہ خدا کی بھیجی ہوئی وحی کی بنا پر آپ پیش کر رہے ہیں۔ آپ کی اطاعت خدا کی اطاعت۔ اور آپ کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے لہذا لوگوں کو محض اس بات پر ہی ایمان نہیں لانا چاہیے کہ آپ خدا کے رسول ہیں، بلکہ ایمان لانے کے بعد ہر ایک کی اطاعت و پیروی چھوڑ کر بے چون و چرا آپ کی اطاعت و پیروی بھی کرنی چاہیے۔ کیونکہ آپ کی ہدایت سے انحراف عین اُس خدا کی اطاعت سے انحراف ہے جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔

حضورؐ کی بعثت سے پہلے اہل عرب خود ایک نبی مانگ رہے تھے | قبل اس کے کہ اوپر کے بیانات کی تفصیل پیش کی جائے۔ یہ بتانا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اہل عرب اپنے گرد و پیش کے عیسائیوں اور یہودیوں اور ادیان سابقہ کے پیروؤں کی گری ہوئی اخلاقی حالت اور ان کی بدکرداریاں دیکھ کر خود یہ کہتے تھے کہ اگر ہمارے پاس وہ چیز آئی ہوتی (یعنی رسالت اور خدا کی بھیجی ہوئی ہدایت) تو ہم اُن سب سے بہتر اُمت بن کر دکھا دیتے۔ یہ بات قرآن مجید میں ڈنکے کی چوٹ کہی گئی ہے۔ اور منکرین میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو اس امر واقعہ کا انکار کرتا۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ۙ اسْتِكْبَارًا فِى الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۚ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ

(فاطر ۴۲-۴۳)

یہ لوگ (یعنی قریش اور اہل عرب) کڑی کڑی قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی خبردار کرنے والا (یعنی رسول) ان کے ہاں آ گیا ہوتا تو یہ دنیا کی ہر دوسری قوم سے زیادہ راست رو ہوتے۔ مگر جب خبردار کرنے والا ان کے ہاں آ گیا تو (اس کی آمد نے) ان کے اندر حق سے فرار کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہ کیا یہ زمین میں اور زیادہ استکبار کرنے لگے اور بری بری چالیں اُس کو زک دینے کے لیے چلنے لگے حالانکہ بری چالیں اپنے چلنے والوں ہی کو لے بیٹھتی ہیں۔

وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ

(الصّٰفّٰت ۱۶۷ تا ۱۷۰)

یہ لوگ پہلے تو کہا کرتے تھے کہ کاش ہمارے پاس وہ "ذکر" (اللہ کا پیغام نصیحت) ہوتا جو پہلی قوموں کو ملا تھا تو ہم اللہ کے چیدہ بندے ہوتے (مگر جب وہ آ گیا) تو انھوں نے اسکو ماننے سے انکار کر دیا۔ اب عنقریب انھیں اسکا نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔

آفرینش سے نوعِ انسانی کے لئے خدا کا مقرر کردہ ایک ہی دینِ حق تھا۔

یہ بات کہ آپ پچھلے انبیاء اور کتابوں کی تردید کے لئے نہیں بلکہ تصدیق کے لئے بھیجے گئے تھے۔ قرآن میں متعدد مقامات پر بیان کی گئی۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو

بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ (الصّٰفّٰت ۳۷)

بلکہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) حق لے کر آئے اور انھوں نے (خدا کے بھیجے ہوئے تمام) رسولوں کی تصدیق کی۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (یونس ۳۷)

اور یہ قرآن وہ چیز نہیں ہے جو خدا (کی وحی) کے بغیر خود گھڑ لی جائے۔ بلکہ یہ تو جو کچھ اس سے پہلے آیا ہوا تھا اس کی تصدیق اور الکتاب (یعنی خدا کی طرف سے آئی ہوئی ہر کتاب) کی تفصیل ہے اس کے رب العٰلمین کی طرف سے ہونے میں کوئی شک نہیں۔

"کتاب کی تفصیل سے مراد یہ ہے کہ تمام وہ اصول تعلیمات و ہدایات جو خدا کی کتابوں میں پہلے آئی تھیں۔ ان سب کا لب لباب اس کتاب میں آگیا ہے بلکہ اس میں ان کو زیادہ مفصل طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔

یہ بات بھی قرآن مجید میں جگہ جگہ بیان کی گئی کہ پچھلی کتابوں کے جو لوگ وارث ہوئے تھے انھوں نے اپنی طرف سے ان میں بہت سی باتیں [illegible] داخل کر دی تھیں۔ اس لئے حضور کا یہ کام بھی تھا کہ ان کو الگ کر کے خدا کی شریعت میں جو اصل حرام ہے اسے حرام اور جو اصل حلال ہے اسے حلال کریں۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (البقرہ ۷۹)

پس ہلاکت اور تباہی ہے ان لوگوں کے لیے جو خود اپنے ہاتھوں سے ایک کتاب لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ۔ (آل عمران ۷۸)

ان میں سے کچھ لوگ ہیں جو کتاب پڑھتے ہوئے اس طرح زبان کا الٹ پھیر کرتے ہیں کہ تم سمجھو جو کچھ وہ پڑھ رہے ہیں وہ کتاب ہی کی عبارت ہے حالانکہ وہ کتاب کی عبارت نہیں ہوتی وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتی اور وہ جان بوجھ کر جھوٹ بات اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اس بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ تمام آمیزشوں سے پاک، خالص دینِ حق کی تعلیم پیش کریں، اور جو کچھ اس میں حرام ہے اسی کو حرام اور جو کچھ اس میں حلال ہے اسی کو حلال قرار دیں۔

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ۔ (البیّنۃ ۱-۳)

اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ کافر تھے (وہ اپنے کفر سے) باز آنے والے نہ تھے۔ جب تک کہ اُن کے پاس دلیل روشن نہ آجائے (یعنی) اللہ کی طرف سے ایک ایسا رسول جو (تمام آمیزشوں سے) پاک صحیفے پڑھ کر سنائے جن میں بالکل راست اور درست تحریریں لکھی ہوئی ہوں

يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ

(یہ رسول نبی امی) ان کو نیکی کا حکم دیتا اور بدی سے منع کرتا ہے۔ اُن کے لئے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے (یعنی) اُن کے بطورِ خود

عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَٰلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ (الاعراف-۱۵۷)

ٹھہرائے ہوئے حلال وحرام کو منسوخ کرتا ہے، اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جو اُن کے فقیہوں اور مذہبی پیشواؤں کی موشگافیوں اور ان کے جاہل عوام کے رسوم اور توہمات کی بدولت، ان پر مسلط تھے۔

احکامِ الٰہی کی قولاً و عملاً تشریح اور تزکیۂ نفوس!

آپؐ کے سپرد صرف یہی کام نہیں کیا گیا تھا کہ اللہ کی طرف سے وحی کے ذریعہ جو علم آپ کو دیا جائے اُسے لوگوں تک پہنچا دیں بلکہ یہ کام بھی کیا گیا تھا کہ خود اللہ ہی کی طرف سے اُن کا احکام کا جو مطلب آپ کو بتایا جائے اس کے مطابق اپنے قول اور عمل سے دین کے عقائد، احکام، ہدایات اور قوانین کی توضیح کریں، اور اسی کے مطابق لوگوں کی تعلیم و تربیت کر کے اُن کی بگڑی ہوئی زندگی کو سنواریں؛-

إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۚ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ۚ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ (القیٰمۃ ۱۷ تا ۱۹)

اس قرآن کو تمہیں یاد کرا دینا اور پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے لہٰذا، اے نبیؐ، جب ہم اسے پڑھ رہے ہوں، تو تم اس کی قرأت کو سنتے رہو۔ پھر اس کا مطلب سمجھا دینا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (النحل-۴۴)

اور اے نبیؐ یہ ذکر یعنی قرآن، ہم نے تمہاری طرف اسلئے نازل کیا ہے کہ تم لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی توضیح کرتے جاؤ جو اُن کے لئے نازل کی گئی ہے[1]

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ۔ (الجمعۃ-۲)

وہ اللہ ہی ہے جس نے امیین کے اندر ایک رسول خود انہی میں سے اٹھایا جو انھیں آیات سُناتا ہے، اُن کی زندگی سنوارتا ہے۔ اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

~~~

هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَىٰ عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ (الحدید-۹)

وہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر صاف صاف آیات نازل کرتا ہے تاکہ تمہیں تاریکیوں سے روشنی میں نکال لائے

(باقی)

---

[1] یہ ارشاد فرما کر اللہ تعالیٰ نے وہ حکمت بیان کر دی ہے جس کا لازمی تقاضا یہ تھا کہ "ذکر" کے ساتھ ایک انسان کو پیغمبر بنا کر بھیجا جائے۔ ذکر تو فرشتوں کے ذریعہ سے بھی بھیجا جا سکتا تھا اور براہِ راست چھاپ کر ہر انسان تک اسے پہنچا دینا بھی اللہ کی قدرت سے بعید نہ تھا۔ مگر اُس سے اصل مقصد پورا نہیں ہو سکتا تھا اس مقصد کی تکمیل کے لئے یہ ضروری تھا کہ ایک قابل ترین انسان اُسے لے کر آئے۔ جن کی سمجھ میں کوئی بات نہ آئے انھیں اس کا پورا مطلب سمجھائے جنہیں کچھ شک ہو اُن کا شک رفع کرے جنہیں کوئی اعتراض ہو اُن کے اعتراض کا جواب دے جو نہ مانیں اور مخالفت و مزاحمت کریں اُن کے مقابلے میں وہ رویہ برت کر دکھائے جو اس ذکر لانے والے کے شایانِ شان ہو اور جو ماننے والے ہیں انھیں زندگی کے ہر گوشہ اور ہر پہلو کے متعلق ہدایات دے۔ ان کے سامنے خود اپنی زندگی کو نمونہ بنا کر پیش کرے اور ان کو تربیت دے کر ساری دنیا کے سامنے ایک ایسا مثالی معاشرہ بنا کر دکھا دے جس کا اجتماعی نظام اس ذکر کے منشاء کی شرح ہو
~~~

حسن احمد صدیقی

تجلّی کی ڈاک

بینک کی ناجائز ملازمت اور مسلمانوں کی بے روزگاری

سوال:۔ نثار احمد صاحب (ایم ایس سی) مالیر کوٹلہ

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ گذارش خدمت عالی میں ہے کہ مندرجہ ذیل مسئلہ میرے لیے ذہنی پریشانی کا باعث بنا ہوا ہے۔ میری خواہش ہے کہ آنجناب اس مسئلہ پر شرعی نقطۂ نظر سے اظہار خیال فرمائیں تاکہ آپ کی رائے سب کے لیے مشعلِ راہ بن سکے۔

مسئلہ یہ ہے کہ آج کے ماحول میں جیسا کہ سبھی جانتے ہیں۔ ملازمت کا حصول بالخصوص مسلمانوں کے لیے ایک مسئلہ بن کر رہ گیا ہے۔ موجودہ دور میں بعض اوقات ایسے حالات پیش آجاتے ہیں کہ انسان ناپسندیدہ اور مشکوک کام کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ انھیں مسائل میں سے ایک مسئلہ بینک کی ملازمت کا بھی ہے۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ آج کل بینک کا سارا کاروبار سود کی بنیاد پر چل رہا ہے اور سود ظاہر ہے کہ نصوص شرعیہ کے تحت حرام محض ہے۔ ایسے حالات میں اگر کوئی شخص بینک کی ملازمت کرتا ہے تو کیا یہ تعاون علی المحظور نہ ہوگا؟ اور اگر ایسا ہے تو کیا حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے کسی مسلمان کے لیے یہ ملازمت اسلامی احکام کے خلاف ہوگی یا نہیں؟ یا پھر "الضرورات تبیح المحظورات" کے تحت کوئی گنجائش ممکن ہو سکتی ہے؟

براہ کرم آنجناب مندرجہ بالا مسئلہ پر موجودہ حالات بالخصوص ہندوستان میں مسلمانوں کی پوزیشن اور ساتھ ہی نصوص شرعیہ کی روشنی میں اپنی قیمتی رائے کو تجلی کے صفحات میں جگہ دے کر مستفید فرمائیں۔ تاکہ میری پریشانی دور ہو سکے۔

جواب:۔

سب سے پہلے تو یہ بات نوٹ کر لیجیے کہ ناپسندیدہ، مشکوک اور حرام۔ تینوں ہی الگ الگ حیثیت کے حامل ہیں۔ ناپسندیدہ، مشکوک چیزوں کو حالات کی رعایت کرتے ہوئے شریعت کی طرف سے اپنا لینے کی اجازت ہو جاتی ہے لیکن حرام چیزوں کا معاملہ جداگانہ ہے۔ حرام چیزوں کو شریعت اس وقت تک اپنا لینے کی اجازت نہیں دیتی جب تک نوبت اضطرار تک نہ پہونچ گئی ہو۔ زندگی خدا کی امانت ہے، اس امانت کا تحفظ کرنے کے لیے شریعت بعض ناجائز و حرام چیزوں کے استعمال کرنے کی اجازت دیتی ہے

اگر بینک سسٹم صرف ناپسندیدہ اور مشکوک چیزوں کے دائرہ میں آتا ہو تو موجودہ زمانہ میں بینک کی ملازمت کو مباح

نہ سمجھتے ہوئے بھی مباح قرار دینا پڑتا حالت زمانہ کی رعایت کرتے ہوئے۔ لیکن بنک کا وجود تو قطعاً سود کی بنیاد پر ہوتا ہے اور سود کے بارے میں سبھی جانتے ہیں کہ اس کا لینا دینا تو ہے ہی حرام اس کا لکھنا لکھانا، اس کی گواہی دینا وغیرہ بھی تعاون بالسود کے ضمن میں آتا ہے۔ لہٰذا یہ بھی منجملہ حرام ہی ہے اور اس سے احتراز و اجتناب اتنا ہی ضروری ہے جتنا سودی لین دین سے احتراز ہو سکتا ہے۔ سود کی حرمت و نحوست کا انکار کوئی صاحب ایمان نہیں کر سکتا اور جو شخص سود کی حرمت و نحوست کا قائل ہو اس سے بنک کی ملازمت کو جائز سمجھنے اور کہنے کی حرکت کیسے سرزد ہو سکتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کے لیے روزگار و معیشت کا مسئلہ بڑا پیچیدہ ہو کر رہ گیا ہے۔ حکومت کی باگ ڈور غیروں کے ہاتھوں میں ہے اور ان غیروں نے مدت سے یہ پالیسی اختیار کر رکھی ہے کہ ملک کے ہر شعبہ میں مسلمانوں کی تعداد برائے نام اور برائے دکھاوا ہی ہونی چاہیے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ آزادی کے ستائیس سالوں میں ہندوستان میں ہم اپنی آنکھوں سے کھلے عام یہ دیکھتے رہے کہ کتنے ہی نااہل غیر مسلموں کو روزگار بخش دیے گئے اور کتنے ہی باصلاحیت مسلمان کو سڑکوں کی گرد چھانتے ہوئے ادھر سے ادھر مارے مارے پھرتے رہے اور انھیں سرکاری ملازمت نام کی کوئی چیز نصیب نہیں ہو سکی۔ ایسی ناگفتہ بہ صورت حال میں اگر کسی مسلمان کو کسی بنک میں ملازمت کی کرسی حاصل ہو جائے تو وہ اس کرسی کو چھوڑنے کا خیال کبھی اپنے دل میں نہیں لا سکتا۔ وہ تو یہی کوشش کرے گا کہ کسی طرح بنک کی ملازمت کے بارے میں علماء سے جواز کا فتویٰ حاصل ہو جائے تاکہ لگی لگائی ملازمت کو ٹھوکر مارنے کی نوبت نہ آ سکے۔ دین کے اصول و ضوابط اگر علماء کے ذہن کی اختراع ہوتے تو پھر پہلی فرصت میں ہماری رائے بھی یہی ہوتی کہ بنک کی ملازمت کو اور دوسری بہت سی حرام چیزوں کو اس نئے دور میں جائز قرار دو کہ ان کا حرام ہونا مسلمانوں کے لیے مشکلات کا باعث بنا ہوا ہے۔

لیکن مشکل تو یہ ہے کہ حلال و حرام کا تعین خدا اور اس کے رسولؐ نے کیا ہے۔ علماء کی جماعت نے نہیں۔ اور نہ ہی علماء کی جماعت کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی حرام چیز کو حلال اور کسی حلال چیز کو حرام قرار دیدے۔ لہٰذا ہم علماء کی جماعت سے یہ کہنے کی جسارت ہی نہیں کر سکتے کہ بنک کی ملازمتوں کو جواز کا سارٹیفکٹ عطا کیا جائے۔

بہرکیف بنک کا نظام سود جیسی حرام چیز سے وابستہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اس نظام کو فروغ و وسعت دینے کے لیے اس میں لگ جانا کسی صورت جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ملازمتیں مسلمانوں کے لیے کمیاب ہیں لیکن عنقا اور نایاب نہیں ہیں کہ اگر بنک ہی میں ملازمت نہیں ملی تو روٹی ہی نصیب نہیں ہوگی اور پھر ایک سچا مسلمان خدا کی ناراضگی سے بچنے کے لیے اپنی زندگی کی ہر متاع قربان کر سکتا ہے اس تامل کے بغیر کہ فلاں چیز قربان کر دینے سے مجھ پر کیا گزرے گی کیا نہیں۔ لیکن ہر اس مسلمان کو ادنیٰ درجہ کی قربانی دیتے ہوئے بھی تذبذب و تردد کے مہیب راستوں سے گزرنا پڑتا ہے کہ جس کا ایمان صرف روایتی ایمان ہو اور خلوص و حقیقت نام کی کوئی چیز اس میں موجود نہ ہو۔

آج کے دور میں یہ بات قابل افسوس نہیں ہے کہ مسلمانوں کو سرکاری ملازمتیں کمی کے ساتھ میسر ہوتی ہیں۔ بلکہ قابل افسوس یہ ہے کہ آج کے مسلمان طوفان مغربیت سے اس درجہ مرعوب ہو گئے ہیں کہ حرام کو حرام کہتے ہوئے بھی حیا آتی ہے اور غیر اسلامی حیا انھیں کتنی ہی چیزوں سے کاٹ کر حرام چیزوں کی طرف ہنکا دیتی ہے۔ دوسری قابل افسوس بات یہ ہے کہ مسلمانوں میں اپنے دین کی خاطر قربانیاں دینے کا جذبہ مفقود ہو چکا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب ان کے سامنے کسی چیز کی حرمت و قباحت کو واضح کیا جاتا ہے تو وہ اپنے اعمال و افعال پر نظر ثانی کرنے کی بجائے شریعت میں لچک تلاش کرنے کی فکر میں لگ جاتے ہیں۔ اور اگر شریعت میں انھیں لچک نظر نہ آئے تو وہ علمائے شریعت کی راہوں میں تنقید و تنقیص کی غلاظتیں پھیلانے کی خوفناک خدمت انجام دینے لگتے ہیں۔

لیکن ان چیزوں کے ترک کرنے کا سودا اپنے دل و دماغ میں نہیں لاتے جنھیں علمائے شریعت کے مزاج اور اس کے نشیب و فراز کو سامنے رکھ کر حرام یا از قبیلۂ حرام قرار دیا ہے۔

آپ کے سوال کا جواب دیتے ہوئے ہم اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہیں کہ آج کی دنیا میں مسلمان دو قسم کے ہیں اصلی اور نسلی۔ اصلی مسلمانوں کا عالم یہ ہوتا ہے کہ جب ان کے سامنے کسی چیز کی حرمت و ممنوعیت کو واضح کر دیا جاتا ہے تو پھر وہ اس کی طرف دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرتے۔ وہ ایسے افعال و حرکات سے لاتعلق ہو جاتے ہیں کہ شریعت جن کی طرف قدم اٹھانے کی بالکل اجازت نہیں دیتی اور نسلی مسلمانوں کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ ان کے سامنے جتنی جتنی حرام چیزوں کی حرمت اور ناجائز چیزوں کی ناروایت واضح ہوگی وہ اتنا اتنا ہی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کریں گے۔ علماء کو گالیوں سے نوازیں گے اور شریعت کے جسد اطہر پر بھی ناروا الفاظ کے کنکر اچھالے بغیر نہیں رہیں گے۔ ان نسلی مسلمانوں کو شریعت کی خاطر کسی قربانی پر اکسانا بے سود ہوگا۔ اس لیے کہ اول تو اس بات کی توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ اپنے مذہب کی خاطر اپنے نفس اور اپنے رجحان کے خلاف راستہ اختیار کرنے کیلئے آمادہ ہو جائیں گے۔ دوسرے یہ کہ اگر وہ قربانی دینے کے لیے تیار بھی ہو گئے تو ان سے اس بات کی امید نہیں کی جا سکتی کہ قربانی دینے کے بعد امتحانات کی جو گھاٹیاں ان کے سامنے آئیں گی انھیں وہ چپ چاپ اور برضا و رغبت عبور کرنے کی کوشش کریں گے۔ قربانی دینا آسان قربانی دے دینے کے بعد اپنی روش پر مستقیم رہنا بعض لوگوں کے لیے دشوار اور بعض لوگوں کے لیے ناممکن ہوتا ہے۔ پھر یہ بات بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ قربانی نہ دینا اتنا بڑا گناہ نہیں جتنی بڑی اور گھناونی غلطی یہ ہو سکتی ہے کہ آدمی قربانی دینے کے بعد اس چیز پر از خود نکتہ چینی شروع کر دے جس کی خاطر اس قربانی پیش کرنے کے عمل حسن کو اپنایا تھا۔ اور نکتہ چینی کی روش اپنا کر وہ اس کی نظروں میں اپنی وقعت کھو بیٹھے جس کی خاطر اس قربانی دینے کا مظاہرہ کیا تھا۔

اسی بات کو عام فہم مثال میں یوں سمجھیے کہ زید کے دو شاگرد ہوں۔ عمرو بکر۔ زید عمرو بکر دونوں ہی کو اس بات کا حکم دے کہ وہ مقامی ملازمت چھوڑ کر بمبئی جا کر ملازم ہو جائیں اس لیے کہ وہاں رہنا ان کے لیے کئی اعتبار سے فائدہ مند ہوگا اب عمرو تو اس حکم سے روگردانی کر جائے اور مقامی ملازمت چھوڑنے کے لیے تیار نہ ہو اور بکر زید کے حکم کی تعمیل کی غرض سے ملازمت ترک کر دے اور زید کے کہنے کے مطابق بمبئی میں جا کر مقیم ہو جائے۔ لیکن بمبئی جانے کے بعد وہ طرح طرح کی الجھنوں اور تکلیفوں کا شکار ہو جائے اور روٹی تک کے لالے پڑ جائیں اب ظاہر ہے کہ دو ہی صورتیں ہیں۔ اگر اس نے مقامی ملازمت کی قربانی سوچ سمجھ کر دی تھی اور محض زید کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے دی تھی تو ہزار طرح کی مصیبتیں اٹھانے کے بعد بھی وہ خوش دل اور مطمئن ہی رہے گا۔ اس لیے کہ مقامی ملازمت چھوڑتے ہی اسے زید کی خوشنودی حاصل ہو چکی تھی لیکن اگر اس نے قربانی بے سوچے سمجھے دی تھی اور صرف اس یقین کے ساتھ دی تھی کہ بمبئی میں زیادہ فراوانی کے ساتھ دولت میرے ہاتھ لگے گی اور زید کے حکم کی تعمیل کرنے سے میرے فلاں فلاں مفادات پورے ہو جائیں گے تو پہلی ہی تکلیف پر اس کے دل و دماغ پراگندہ ہو جائیں گے اور وہ سمجھے گا کہ نہ میں قربانی دینے کی حماقت کرتا اور نہ مجھے یہ مصائب جھیلنے پڑتے۔ اب ظاہر ہے کہ اس صورت میں تو عمر ہی بہتر کہلائے گا۔ اس نے قربانی دینے سے انکار کر کے صرف ایک ہی غلطی کا ارتکاب کیا تھا۔ اور وہ غلطی تھی استاد کے حکم سے روگردانی۔ لیکن بکر استاد کے خلاف اول فول بک کر اور استاد پر نکتہ چینیاں کر کے کچھ ایسی غلطیوں کا مرتکب ہو بیٹھے گا جو بعض اوقات قابل تلافی بھی تصور نہیں کی جاتیں۔ کچھ یہی حال اصلی اور نسلی مسلمانوں کا ہوتا ہے۔ اصلی مسلمان مذہب اسلام کی خاطر کوئی قربانی دینے کے بعد کبھی پچھتاوے کا اظہار نہیں کرتے خواہ قربانی دینے کے بعد انھیں قسم قسم کی تکالیف کا سا

کیوں نہ کرنا پڑے۔ وہ اس تصور سے مطمئن اور شاد ماں رہتے ہیں کہ ان کا خدا ان سے راضی ہو گیا ہو گا۔ انھیں پرواہ نہیں کہ اب انھیں دنیا میں خوشیاں نصیب ہوں یا درد و الم نسلی مسلمانوں کا معاملہ جداگانہ ہے۔ وہ جذبات کی رَو میں بہہ کر مذہب اسلام کی خاطر قربانی تو دے گزرتے ہیں لیکن امتحان و آزمائش کے پہلے طمانچہ پر ان کا چہرۂ ایمان ٹیڑھا ہو جاتا ہے اور پھر اس چہرے پر بد دلی کی بے شمار شکنوں کے سوا کچھ باقی ہی نہیں رہتا۔

بنک کی ملازمت ہو یا محکمۂ پولیس کی ڈیوٹی یا کوئی سودی اور رشوتی کاروبار۔ انھیں ترک کرنے کے بعد جو الجھنیں اور تکلیفیں پیش آسکتی ہیں انھیں ایک اصلی مسلمان تو بخوشی اور بصد شوق برداشت کر لیتا ہے۔ زبان پر حرف شکایت لائے بغیر لیکن نسلی مسلمان کسی رہنمائے اسلام کے تلقین و اصرار سے اگر کوئی ناجائز کاروبار چھوڑ دے اور پھر کسی عسرت و تنگی میں مبتلا ہو جائے تو وہ نہ صرف یہ کہ رہنمائے اسلام کی پگڑی اچھالنے کی کوشش کرتا ہے بلکہ اسلام پر الزامات کی بوچھار کیے بغیر نہیں رہتا۔ اور اس طرح وہ اسلام کی نظروں میں اپنا وہ مقام بھی باقی نہیں چھوڑتا جو قربانی سے پہلے تھا۔

آپ کے سوال کا جواب دیتے ہوئے ہمارا روئے سخن اصلی مسلمانوں کی طرف ہے جو اسلام کی خاطر ہر قربانی دینے کیلیے ہر وقت تیار رہتے ہیں اور قربانی دینے کے بعد بھی۔ بہر حال اور بہر صورت مطمئن نظر آتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے یہ گذارش ہے کہ وہ بنک کی ملازمت کا تصور دل میں نہ لائیں۔ اور اگر بنک میں ملازم ہوں تو پہلی فرصت میں اس ملازمت کو خیر آباد کہہ دیں۔ رہے نسلی مسلمان تو انھیں کسی قربانی پر اکسانا ان کے رہے سہے ایمان کو فنا کر دینے کے مترادف ہو گا اسلیے کہ انہوں نے بنک کی اچھی خاصی ملازمت ترک کر دی اور پھر انھیں ڈھنگ کی کوئی ملازمت نہ مل سکی تو وہ شریعت اسلامی کو ترچھی نظروں سے دیکھیں گے اور اس پر تنقید کے ڈھیلے اچھالنے کے طرز عمل کا مظاہرہ کریں گے۔ اور اس طرح وہ اپنے نا پختہ ایمان کو اپنے ہی ہاتھوں سے فنا کے گھاٹ اتار دیں گے۔

مسلمانوں کے مابین عام و خاص کی تفریق کر کے مذکورہ بالا سطریں سپرد قلم کرنے کے بعد آپ کے سوال کا اصولی اور عمومی جواب یہ ہے کہ بنک کی ملازمت کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں۔ بنک کے علاوہ کسی اور ادارے میں ملازمت ملنے کا یقین ہو تو مزدوری کر کے اپنے اخراجات پورے کرنا اس ملازمت و کاروبار سے لاکھ درجہ بہتر ہے جسے خدا اور اس کے رسول نے ناجائز قرار دیا ہو۔

احمقانہ پرہیزگاری

سوال ۲: از حبیب احمد صاحب اعظم پورہ۔ حیدرآباد

میرے ایک دوست نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے اور اب رجوع کرنے کے لیے پریشان ہے، اگر آپ جلد سے جلد جواب بھیجدیں تو مہربانی ہوگی۔ اس دوست کی شادی ہوئے کوئی تیرہ سال بیت چکے۔ دو بچے بھی ہیں۔ ایک دن، دن میں وہ اپنی بیوی سے قریب ہو کر مباشرت کرنا چاہتا تھا۔ اور بیوی کو دن میں ایسی حرکت کرنا پسند نہ تھا۔ بیوی نے چڑ کر انکار کیا اور کہا کہ اگر مانتے نہیں ہو تو مجھے طلاق دیدو، اور شوہر نے جھٹ سے تین دفعہ "طلاق طلاق۔ طلاق" کہی اور یہ بھی کہدیا کہ تم آج سے مجھ پر حرام ہو گئیں۔ اس واقعہ کا گواہ کوئی نہیں ہے۔

اب وہ اپنے کیے پر پریشان اور پشیمان ہے۔ اسلام اور شریعت کے مد نظر طلاق ہو گئی یا نہیں یا اس کا کچھ کفارہ دینے سے رجوع کرنے کا حق حاصل ہو سکتا ہے؟ مہربانی فرما کر جلد سے جلد معلوم کیجیے اور یہ بھی بتائیے کہ مطلقہ بیوی کے ساتھ بغیر کسی میل ملاپ کے ایک گھر میں رہنا جائز ہے کیا؟ جب کہ بیوی پردہ نشین نہیں ہے۔ دوسروں کے سامنے نکلتی ہے تو مطلقہ شوہر سے پردہ کی ضرورت ہے یا نہیں؟

جواب ۲:-

دن کی روشنی میں میاں بیوی کا باہم مباشرت کرنا خلاف

احتیاطاً تو ضرور ہے لیکن کوئی خطرناک گناہ تو نہیں کہ عورت آپے سے باہر ہو جائے اور شوہر سے طلاق طلب کرے۔ اس شوہر کی عقل بھی ٹھکانے معلوم نہیں ہوتی جس نے عورت کی زبان پر مطالبۂ طلاق آتے ہی تین طلاقیں دے ڈالیں۔

غالباً عورت احمقانہ پرہیزگاری کے خبط میں مبتلا ہوگی۔ اسے کسی نیم تعلیم یافتہ مولوی نے یہ سبق پڑھا دیا ہوگا کہ دن میں مباشرت کرنا بدترین قسم کی خطا ہے۔ لہٰذا کچھ بھی ہو اس سے احتراز ہی کرنا۔ شاید اسے یہ بات معلوم نہیں تھی کہ رحمۃ للعالمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اگر تمہارا شوہر تم سے اپنی نفسانی خواہشات کا اظہار کرے اس حال میں کہ تم چولھے پر بیٹھی روٹی پکا رہی ہوں تو تمہارا اخلاقی فرض یہ ہے کہ پہلے تم اپنے شوہر کی خواہش پوری کر دو۔ اس کے بعد اس کام کی تکمیل کرو جس کام میں کہ لگی ہوئی تھیں۔ حضورؐ نے ایسا فرماتے وقت دن اور رات کی کوئی تخصیص نہیں کی تھی، جس کا سہارا لے کر دن میں شوہر کی خواہش پوری کرنے سے گریز کرنا درست ہو سکے۔

دن میں بیوی کے ساتھ مباشرت کرنا شرم و حیا کے منافی سہی لیکن یہ کفر و شرک یا گناہ و معصیت تو نہیں ہے کہ جس سے محترز رہنے کے لیے طلاق ہی لے ڈالو۔ جاہل قسم کے پرہیزگار مرد اور عورت کو یہ بات کون سمجھائے کہ اسلام کسی گھر کے اجڑنے کو پسند نہیں کرتا۔ اگر بالاتفاق دن کی روشنی میں میاں بیوی کا مباشرت کرنا منجملہ تقصیر ہی ہوتا تب اسلام طلاق جیسے بدترین فعل سے دامن بچانے کے لیے دن میں مباشرت جیسے گناہ کی اجازت دیدیتا محض اس وجہ سے تاکہ ایک بسا بسایا گھر اجڑنے نہ پائے۔

بڑی ہی ناسمجھ ہے وہ عورت جو شوہر سے محض اس بنا پر طلاق لے لے کہ وہ اسے دن میں مباشرت کرنے پر مجبور کر رہا تھا اور وہ مرد بھی کچھ کم ناسمجھ نہیں جو ایک ناقص العقل عورت کی فرمائش جھٹ سے پوری کر دے اور ایک سانس میں تین طلاقیں دیکر مو دلو سو رہا سمجھے گئے۔

بہرکیف طلاق پڑ چکی ہے اب کفاروں اور فدیوں سے مردہ نکاح زندہ اور صحت مند نہیں ہو سکتا۔ اب تو بس ایک ہی صورت ہے کہ مطلقہ عورت کا نکاح عدت کے بعد کسی دوسرے مرد سے منعقد ہو، پھر وہ اسے طلاق دے اور پھر وہ عورت عدت کے دن پورے کرے اس کے بعد وہ اس مرد سے نکاح کرنے کے لیے آزاد ہوگی جس کے ساتھ دن میں مباشرت کرنا اسے گوارہ نہیں تھا۔

طلاق کے بعد بھی شوہر کے پاس رہنا غلطی در غلطی اور گناہ در گناہ والی بات ہے۔ خدا ہدایت کی توفیق بخشے۔

ایک غیر ذمہ دارانہ حرکت

سوال ۳:- از ابوالبشیر محمد اکبر۔ سرینگر۔

تجلی کا خریدار نہ ہوتے ہوئے اس کا مستقل قاری ہوں۔ تجلی کی انفرادیت ہی ہمیں ہر ماہ شدت انتظار سے تڑپا دیتی ہے اس کی محبت ہی ہر بار مجبور کرتی ہے کہ جب بھی کوئی ایسی بات اس میں پاتا ہوں جس کی طرف آپ کو متوجہ کرنا ضروری ہوتا ہے فوراً بذریعہ خط آپ کی توجہ اس طرف مبذول کرتا ہوں۔ اپریل مارچ کے شمارہ میں ایسی بات نظر سے گذری جس کی طرف آپ کو متوجہ کرنا مطلوب ہے۔

تجلی کی ڈاک کا پہلا سوال موزوں پرمسح کے بارے میں جو کہا گیا ہے۔ ہر چند کہ یہ سوال ہمارے گھرانے سے ہی کیا گیا ہے مگر حیرت ہوتی ہے اپنے آپ کو عالم دین کہنے والے حضرات جب ایسا جھوٹ گھڑیں اور حقیقی علماء دین کو بدنام کرنے کی سعی مذموم کریں جو سراسر کذب وافتراء کے سوا کچھ بھی نہیں اور جس کے پس پردہ صرف ذات کارفرما ہیں۔

مسئلے کو غلط رنگ دیکر علمی بددیانتی کی گئی اور وہ بھی مولانا کے یہاں سے رخصت ہو جانے کے بعد جب کہ وہ مسئلے کی صفائی کرنے کے لیے اب یہاں آنے سے قاصر ہیں۔ لہٰذا حق و صداقت کی پیروی میں ہمارا فرض ہے کہ حقیقت آپ کے سامنے لائی جائے۔ تاکہ آپ جان جائیں کہ آپ نے سنی سنی بات کی وجہ سے مولانا موصوف کی جو خبر لی ہے حقیقتاً وہ اس کے مستحق نہ تھے۔

خط میں یہ تاثر آپ کو دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ مولانا موصوف کوئی عالم دین نہیں بلکہ نرے جاہل ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ موصوف ایک متقی دیندار اور جید عالم و فاضل دیوبند بھی ہیں۔ ان کی اگر کوئی برائی ہے تو صرف یہی کہ وہ مصلحتاً جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ کہنے پر قادر نہیں نہ ہی وہ اثر و رسوخ میں آکر شریعت کے کسی جزو سے انحراف کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ حق بات کھری کھری سنانے کے عادی ہیں، یہ دیکھے بغیر کہ زد میں دوست آتا ہے کہ دشمن یہ صرف توصیفی کلمات نہیں جو کسی رشتہ یا قرابت داری کے بنا پر لکھے جاتے ہیں۔ وہ تو یہاں سے سیکڑوں میل دور ضلع راجوری کے رہنے والے ہیں۔ جب کہ سائل ہمارے قرابتدار ہیں۔ لیکن اس کو کیا کیجیے کہ ہم کھلی فریب کاری کو جو اس سوال نما خط میں کی گئی ہے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ صرف اس لیے کہ حق حق ہے اور باطل باطل۔

مسئلہ بالکل سیدھا سادا ہے جب کہ آپ کو اسکی ہوا بھی لگنے نہیں دی گئی ہے۔ جو اس طرح ہے۔ اختلاف موزوں پر مسح کرنے کی جوازیت یا عدم جواز بحث پر نہیں ہے بلکہ سائل ہر اس موزے پر مسح کرنے کے قائل ہیں۔ سوتی ہوں یا نائلون۔ خواہ اس کے آر پار صرف گیلی انگلیوں کی تری تک بھی جاتی ہو۔ ایسے ہی موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں مولانا موصوف نے کہا ہے کہ احناف کی کسی بھی کتب معتبرہ میں ایسے موزوں پر مسح کرنے کی جوازیت کا سوال تو اس بارے میں موصوف بالکل وہی رائے رکھتے ہیں جس کی وضاحت آپ نے تجلی میں کی ہے۔ موصوف خود ایسے موزوں پر مسح کرنے کے قائل ہیں جن کی جوازیت آپ نے تجلی میں تصریحاً ثابت کر دی ہے۔

کیا آپ کسی ایسے صحیح عقیدہ عالم دین سے کسی ایسی بات کی توقع رکھ سکتے ہیں جو خلاف شریعت ہو۔ خط میں جن مولانا کبیر صاحب کا تذکرہ ہے وہ بھی اس انداز میں کیا گیا ہے جیسے آپ نے اندازہ لگایا ہے کہ یہ تو وہی مولانا ہیں جن کے بارے میں گفتگو ہو رہی ہے ایسی بھی کوئی بات نہیں یہ دوسرے عالم ہیں جو مسلکی عقائد کے قائل ہیں جنھوں نے سائل کو ہر قسم کے موزوں پر مسح کرنے کی اجازت دی ہے۔ وہ آپ جنت کو سدھار چکے ہیں۔ ان کے بارے میں تذکرہ کرتے ہوئے خود سائل نے ہمیں ایک بار کہا ہے کہ وہ خدا کے بارے میں کہتے ہیں کہ ہر انسان کا وہم ہی اس کا خدا ہے۔ آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایسے عالم کی دینی بصیرت پر کتنا اعتماد کیا جا سکتا ہے جس کے افکار ایسے ہوں۔ جس انداز میں آپ نے مولانا موصوف کے خلاف نوٹس لیا ہے۔ سائل کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

اب وہ تجلی کو بغل میں دبائے ہر ایک سے یہ کہتے پھریں گے کہ دیکھو جی جس کو آپ عالم دین سمجھے تھے وہ نرا جاہل نکلا اس کو موزوں پر مسح کرنے کے مسئلہ تک کا بھی علم نہیں جب کہ آپ اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ عوام کی دینی بصیرت کا کیا حال ہے امید کہ آپ اس خط اور اس کے جواب کو تجلی کی اگلی اشاعت میں جگہ دیں گے۔ تاکہ غلط فہمی کا ازالہ ہو سکے۔

جواب ۳ :-

یہ سنکر افسوس ہوا کہ مسح علی الخفین کے بارے میں سوال کرتے ہوئے سائل نے کچھ بے بنیاد باتیں ایک فاضل دیوبند کی طرف منسوب کر دی تھیں۔ اور اس طرح سائل نے ہمیں ایک فاضلِ دیوبند کے خلاف قلم اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا۔

کسی کی طرف خلاف واقعہ کوئی بات منسوب کر دینا احتیاط اور ذمہ داری کے منافی نہیں بلکہ ایمان و انسانیت کے بھی برخلاف ہے۔ کسی خدا ترس مسلمان اور کسی پاکر دار انسان سے اس بات کی توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ دوسروں کی طرف کچھ بھی منسوب کر ڈالے یہ سوچے بغیر کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے اس میں صداقت و واقعیت نام کی کوئی چیز کم سے کم مقدار میں موجود ہے بھی یا نہیں۔ سائل نے جو کچھ لکھا تھا اسی کے پیش نظر ہم جواب دینے کے ذمہ دار تھے۔ ہماری ڈیوٹی فقط اتنی ہی ہے کہ جو سوالات آئیں ان کی روشنی میں اپنے علم و فہم اور سوجھ بوجھ کے اعتبار سے ان کا جواب دیدیں۔ یہ تحقیق کیے بغیر کہ سائل نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ مبنی بر حقیقت ہے یا مبنی بر کذب۔

کسی واقعہ کو صحیح انداز میں پیش کرنے کی تمام تر ذمہ داری سائل کے کاندھوں پر جاتی ہے۔ ہر سائل کا فرض ہے کہ وہ کسی بھی مفتی سے سوالات کے جوابات طلب کرتے وقت واقعات کے بیان کرنے میں حزم واحتیاط سے کام لے کذب، دھاندلی اور فریب دہی کا سہارا لے کر علماء سے غلط جوابات لکھوا لینا اور کسی کے خلاف محاذ قائم کرا دینا نہ ایمانیت سے تعلق رکھتا ہے نہ شرافت وانسانیت سے۔

یہ بات ہر سائل کو پلّہ باندھ لینی چاہیئے کہ سوال کرتے وقت الٹی سیدھی باتیں مجیب کے کانوں میں انڈیل دینا اور اس سے من بھاتے جوابات حاصل کر لینا بدترین روش ہے جسے نہ دنیا میں نظر انداز کیا جا سکتا ہے اور نہ آخرت میں۔

اس اجمالی تمہید کے بعد یہ بات گوش گزار کر لیجئے کہ ہم نے سوال کا جواب دیتے وقت جو کچھ عرض کیا تھا وہ اس فاضل دیوبند کے لئے عرض کیا تھا جو موزوں پر مسح کرنے کو جائز تصور نہ کرتا ہو۔ جو حضرات خواہ وہ فاضل دیوبند ہوں یا کسی اور مدرسہ سے سند یافتہ اگر موزوں پر مسح کرنے کے قائل نہیں وہ سب ہماری تحریر کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ اگر فاضلین دیوبند میں کوئی شخص بھی موزوں پر مسح کرنے کو ناجائز سمجھنے اور ناجائز کہنے کی جہالت میں مبتلا نہیں تو پھر ہماری تحریر ان کے خلاف نہیں پڑتی۔ لہٰذا مضطرب اور چیں بہ جبیں ہونے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔

منجملہ رسمیات

سوال ۴:- از شمیم احمد کلکتہ

ہمارے یہاں عام طور پر شادی بیاہ میں تمام رسموں میں سے ایک رسم یہ بھی ہے کہ جب نوشاہ کا نکاح ہو جاتا ہے اس کے عورتیں اسے گھر کے اندر بلاتی ہیں اور وہاں اسے اپنی آنے والی دلہن کے ماتھے پر سندور دینا پڑتا ہے کیا یہ جائز ہے؟

جواب ۴

سندور چونکہ ہندووانی تہذیب کا ایک جزو خاص ہے اس لئے اس سے احتراز کرنے ہی میں خیر ہے اگرچہ اس کو ناجائز باور کر لینے کے لئے کوئی مضبوط دلیل ہاتھ نہ لگے۔

مسروقہ سامان کی خرید وفروخت

سوال ۵:- (ایضاً)

"الف" ایک دوکاندار ہے "ج" ایک گھر کا نوکر ہے "ج" کچھ سامان چوری کر لاتا ہے۔ اور "الف" اسے کم دام میں خرید کر فروخت کر دیتا ہے۔ کیا اس سامان کو خریدنا جائز ہوگا۔ اس سامان کو فروخت کرنے سے "الف کو جو منافع ہوا وہ جائز ہے؟

جواب ۵

دانستہ چوری کا مال خرید کر فروخت کرنا اور اس سے نفع حاصل کرنا تو نہ ہے ہی ناجائز ــــ ناجائز یہ بھی ہوگا کہ چوری کا مال دس روپے میں خرید کر دس ہی روپے میں فروخت کر دیا جائے۔ چوری کا مال خریدنے کا صاف مطلب یہ ہے کہ چور کے ساتھ تعاون کیا جا رہا ہے اور اس کی حیا ربندیاں میں اضافہ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے ــــ قرآن حکیم میں حاملین اثم وعدوان کے ساتھ رسم وراہ اپنانے اور اعانت ودستگیری کی روش اختیار کرنے کی ممانعت موجود ہے لہٰذا کسی سارق سے مسروقہ چیزوں کو خریدنا ہی فی نفسہ ناجائز ہے خواہ ان چیزوں سے نفع حاصل کرنے کا خیال تک دل میں موجود نہ ہو۔

پائی ہوئی چیز کا مسئلہ

سوال ۶:- ایضاً

زید کو ایک گھڑی پائی اور وہ اسے اپنے مصرف میں لے رہا ہے۔ اسلامی نقطے سے اس گھڑی کو کیا کرنا چاہیئے اور اگر زید اپنے بھائی کو یا اور کسی کو مذکورہ گھڑی دیدے تو؟

جواب ۶:-

پائی ہوئی چیز کے بارے میں کم از کم تین دن تک تا حتی الامکان

یہ تحقیق کرنی چاہئے کہ یہ چیز کس کی ہے اور اس چیز کے گم ہوجانے
کے نتیجہ میں نقصان کس شخص کو ہوا ہے۔

یہ بات انسانی حمیت اور مومنانہ ہمدردی سے کوئی واسطہ
نہیں رکھتی کہ پائی ہوئی چیز کو بلا کسی تحقیق و تجسس کے آدمی اپنے
استعمال میں لے لے اور اسے پہلے ہی دن سے اپنی ملکیت
تصور کرنے لگے۔ انسانی حمیت اور برادرانہ ہمدردی کا تقاضہ
یہ ہے کہ شارع عام پر پڑی ہوئی چیزوں کو اٹھانے سے پہلے اور
اٹھانے کے بعد اس شخص کے نقصان اور اضطراب کو پیش نظر
رکھا جائے جس شخص کے ہاتھوں سے یہ چیز گم ہوئی ہے۔ پائی ہوئی
چیز کو کسی تامل و جستجو کے بغیر ہی ہضم کرکے بیٹھ جانا نہ شرعاً
درست ہے نہ اخلاقاً اور نہ مروتاً۔ شریعت اور اخلاق و مروت
بہرحال اس بات کے متقاضی ہوتے ہیں کہ دنیا میں کوئی شخص
کسی کے نقصان سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کرے۔

پائی ہوئی چیز کا کوئی وارث و مالک نہ ملے تلاش بسیار کے
باوجود بھی تو اس صورت میں شریعت چند صورتیں تجویز کرتی ہے
ایک صورت تو یہ ہے کہ پائی ہوئی چیز کے بقدر پیسہ یا کوئی چیز
اللہ کے راستہ میں قربان کردیا جائے۔ ایک صورت یہ ہے کہ اس
چیز کو احتیاط کے ساتھ کہیں رکھدیا جائے اور عمر بھر اس کی تلاش
جاری رہے۔ ایک صورت یہ ہے کہ اس چیز کو اس نیت و ارادہ
کے ساتھ استعمال کیا جاتا رہے کہ جب کبھی اور جہاں کہیں اس کا
مالک مل جائے گا یہ فوراً ہی اس کے حوالہ کردی جائے گی۔ یہ واضح
رہے کہ پائی ہوئی چیز کے بقدر پیسہ یا اسی نوع کی کوئی چیز اللہ کے
راستہ میں قربان کردینے کے بعد بھی اگر اس کا مالک مل گیا تو بھی
ایمانا یہ ضروری ہوگا کہ وہ چیز اسی کے حوالہ کردی جائے۔ اس
وضاحت و تشریح کے ساتھ کہ میں نے اس چیز کے بقدر فلاں چیز
فلاں شخص کو بخشدی تھی تاکہ تمہاری چیز کے استعمال کرنے میں کسی نہ
کسی حد تک جواز پیدا ہوجائے۔ اس تشریح و وضاحت کے
بعد ظاہر ہے کہ اس چیز کا مالک یا تو اتنی رقم لوٹادے گا جتنی
اس چیز کے بقدر قربان کی جاچکی تھی یا اس چیز سے ہی دست بردار
ہوجائے گا تاہم اگر وہ اس کے لئے آمادہ نہ ہو تو بھی ایک حقیقی مسلمان
کا فرض یہی ہونا چاہئیے کہ اس چیز کو اسی کو سونپ دی جائے۔

اور اس پائی ہوئی چیز کے بدلے میں جو چیز بھی قربان
کی جائے گی وہ اس شخص کے اس نقصان کو رفع نہیں کرسکتی
جو چیز کھو جانے کے نتیجہ میں پہونچ چکا ہے۔ مالک کے مل جانے کے
بعد ایک ہی راستہ باقی رہ جاتا ہے کہ یا تو مالک اپنی چیز کا ایثار
کردے یا وہ شخص اپنی اس رقم کا ایثار کردے جو یافتہ چیز کے
بقدر قربان کی جاچکی ہے۔

یہاں اسلامی تعلیم اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ ایثار
میں پہل وہی شخص کرے کہ جس نے چیز اٹھائی تھی اور وہ اسے
ایک مدت تک استعمال کرتا رہا تھا۔ حالانکہ وہ چیز اس کی ملکیت
نہیں تھی۔ اس وضاحت کی کوئی ضرورت نہیں کہ ایثار کسی بھی
اعتبار سے اکارت نہیں جاتا۔ نہ دنیاوی اعتبار سے نہ اخروی
اعتبار سے۔ عموماً دنیا میں ایثار کا نقد حاصل ہوہی جاتا ہے
اور آخرت میں تو ایثار کرنے والے لوگ خدا کی خوشنودی سے
ہی اڑیں گے۔

اس تفصیل کی روشنی میں اب یہ سمجھئے کہ زید کو جو گھڑی پائی
تھی وہ گھڑی اس نیت سے استعمال کی جارہی ہے کہ مالک کے
ملتے ہی بلا تامل اس کے حوالہ کردی جائے گی تو اس کے استعمال
میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن اگر زید اس تصور و یقین کے ساتھ
استعمال کررہا ہے کہ اب تو یہ میری ملکیت ہوچکی ہے تو یہ گھٹیا
طرز فکر ہے جسے ازراہ اخلاق معیوب اور ازراہ شریعت ناجائز
کہے بغیر چارہ نہیں ہوگا۔

زید اگر پائی ہوئی گھڑی کسی اور کو بخشدیتا ہے تب بھی اس
کے لئے یہ وضاحت کردینا ضروری ہے کہ یہ گھڑی میری نہیں سڑک
پر سے اٹھائی ہوئی ہے جس کا مالک ابھی تک سامنے نہیں آیا ہے
لہٰذا یاد رکھو جس وقت اس گھڑی کا مالک سامنے آجائے گا اور
اپنی اس گھڑی کو طلب کرے گا تو تمہیں لازماً گھڑی واپس
کرنی پڑے گی۔ اگر وہ شخص مالک کے ملتے ہی گھڑی واپس دے
کرنے کا وعدہ کرے تو گھڑی اس کو دی جائے ورنہ اسے کو بھی
دینے کی قطعاً ضرورت نہیں۔

تجلی کی ڈاک کافی مقدار میں جمع ہوگئی ہے۔ اگلے ماہ
اس کو نمٹانے کی کوشش کی جائے گی۔

جناب اشفاق حسین

کۂ حق و باطل

انبیاء کرام کا بنیادی پیغام

ہر نبیؑ اور کتب آسمانی کی بنیادی ور اہم ترین دعوت، پیغام اور تبلیغ یہی تھی کہ اے میری قوم! صرف اللہ ہی کی عبادت کرو۔ اسکی ذات و صفات میں کسی مخلوق اور ہستی کو بھی شریک و دخیل نہ کرو کہ اس کے سوا کوئی لائق عبادت اور سمیع الدعاء و مشکل کشا نہیں۔ مرحوم بزرگوں کو اللہ تعالیٰ نے خواہ وہ نبی ہو کہ ولی ایسی صفات، اختیارات اور تصرفات کی قدرتیں عطا نہیں فرمائی ہیں کہ وہ کسی کی فریاد رسی اور حاجت روائی کر سکیں۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ انبیاء کرام کی اس اہم دعوت و پکار کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ سورہ نحل میں ارشادِ الٰہی ہے

"اور ہم نے ہر قوم میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور معبودانِ باطل سے بچے رہو"

(نحل آیت ۳۶)

"اور ہم نے آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں بھیجا لیکن اس کو یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں اور صرف میری ہی عبادت کرو"

(انبیاء آیت: ۲۵)

ہر نبیؑ نے اپنی قوم کو درج ذیل الفاظ میں پکارا۔ اُن کے سامنے توحید کی دعوت پیش کی اور شرک سے منع فرمایا!

"اور ہم نے نوحؑ کی قوم کے پاس رسول بنا کر پیغام دے کر بھیجا کہ تم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت مت کرو۔ میں تم کو (غیر اللہ اور خود ساختہ الہوں کی عبادت و استعانت سے) صاف صاف ڈراتا ہوں"

(ھود آیت ۲۹)

نوحؑ کے بعد ھودؑ نے اپنی قوم کے سامنے یہ پیغام رکھا:

"اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تم تو محض بہتان تراشی کرتے ہو کہ اپنے بزرگوں کی طرف غلط اور من گھڑت باتیں منسوب کرتے اور انہیں اپنی طرف سے حاجت روائی کی صفات اور اختیارات سے متصف کرتے ہو"

(ہود ـ ۵۰)

"اے محمدؐ! آپ ان سے علانیہ کہہ دیجئے کہ میں تمہیں اللہ کی توحید کی طرف بلاتا ہوں۔ اور میں دلیل و بصیرت پر قائم ہوں میں بھی اور میرے ساتھی بھی۔ اور اللہ شرک سے پاک ہے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں"

(اسرے آیت: ۱۰۸)

ہر کتاب الٰہی میں انسانیت کو یہی اہم ترین پیغام دیا گیا کہ:-

"اللہ ہی معبود ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود (سمیع الدعاء، عالم الغیب اور حرمت روا) نہیں"

(انساء آیت: ۳۶)

"سب سے کٹ کر صرف اللہ ہی کے بندے

ہو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو (کہ اللہ نے مرحوم صالحین کو صفات حاجت روائی نہیں عطا فرمائی ہیں)
(الحج آیت ۳۱)

اس سلسلہ میں چند احادیث بھی ہیں :-

ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا کہ یہ آدمی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تم سے کیا کہتا ہے ؟ -
ابوسفیان نے جواب دیا کہ یہ شخص ہم سے کہتا ہے کہ اللہ کی بندگی کرو - اور اقتدار، اختیارات اور کمال والی میں کسی چیز کو بھی شریک و ساجھی نہ قرار دو - اور تمہارے باپ دادا کا جو عقیدہ تھا اور وہ جو کچھ کرتے تھے اُسے چھوڑ دو " (بخاری)

حضرت عمرو بن عنبسہ رض فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکہ میں آپ کی نبوت کے ابتدائی زمانہ میں گیا - میں نے پوچھا کہ آپ کیا ہیں ؟ - حضور نے فرمایا کہ میں نبی ہوں - میں نے کہا ، نبی کیا ہوتا ہے ؟ حضور نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے - میں نے پوچھا کہ کیا پیغام دے کر اس نے آپ کو بھیجا ہے ؟
آپ نے فرمایا :- مجھے اللہ تعالیٰ نے اس غرض سے بھیجا ہے کہ میں لوگوں کو صلہ رحمی کی تعلیم دوں اور بت پرستی ختم کر دی جائے اور اللہ کی توحید اختیار کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے
(مسلم)

سرکہ حق و باطل کی اہمیت

یہ تو تھی اللہ تعالیٰ کے حکم، ہدایت اور وحی الٰہی کے مطابق تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی اپنی اپنی قوموں کو بنیادی دعوت و تبلیغ - لیکن اس دعوت توحید اور انکار شرک کا ان کی قوموں میں کیا ردعمل ہوا قوم کے بہلاء ، گمراہ اور غالی و مشرک گروہ اور افراد نے اس پیغام کا کیا جواب دیا اور انھوں نے انبیاء کے ساتھ کس قسم کا سلوک اور برتاؤ کیا — ان تمام پہلوؤں سے توحید خالص کے داعیوں اور علمبرداروں کے لئے واقف رہنا انتہائی ضروری ہے کہ اگر یہ حقائق ، واقعات اور معلومات پیش نظر رہیں تو ان سے صبر و ثبات میں کافی مدد ملے گی - اور اہل بدعت و حاملین قبوری شریعت کا حق اور اہل حق کے خلاف طرز فکر و عمل ان کی سازشوں، شورشوں، جہالتوں، مخالفتوں، محاذ آرائیوں، الزاموں اور حقیقت کو بھی ان کے باطل موقف کو بخوبی سمجھا اور ان کی گمراہیوں اور فتنہ پردازیوں کا جواب دیا اور ازالہ کیا جا سکتا ہے - چنانچہ ارشاد الٰہی ہے -

" ہم آپ سے انبیاء سابقین کی باتیں بیان کرتے ہیں تاکہ اس سے ہم آپ کے دل کو قوت بخشیں " -

پیغام توحید اور ابطال شرک کا ردعمل | قرآن و حدیث

اور تاریخ اسلام اس بات پر شاہد ہے کہ اللہ کے جس برگزیدہ اور راسخ العقیدہ بندے نے بھی مشرکانہ اوہام و خرافات کی نفی اور تردید کی اور اصلاح فکر و عمل اور توحید خالص کی دعوت و تبلیغ کا عظیم الشان فریضہ انجام دیا ، وقت کے باطل اقتدار، گمراہ علماء و مشائخ اور جاہل عوام نے اس کی بڑی شد و مد سے مخالفت اور مزاحمت کی - اس کا مذاق اڑایا - اس پر بھانت بھانت کے الزامات عائد کئے اور طرح طرح کے نام رکھے گئے انھیں صابی - مجنون - شاعر - بزرگوں کی توہین مخالفت کرنے - قوم کو آپس میں لڑانے اور پھوٹ ڈالنے اور اس کا شیرازہ بکھیرنے والا قرار دیا گیا - اسے قلبی ، جسمانی اور معاشی لحاظ سے نقصان پہنچایا اور اذیتوں میں مبتلا کیا گیا - چنانچہ اس سلسلہ کی آیات ہیں :-

اے پیغمبر ! ہم نے تم سے پہلے جس رسول یا نبی کو بھیجا (اس کا حال یہی ہوا کہ) اس نے (اپنی دعوت پہنچانے کی) تمنا کی نہیں کہ شیطان نے اس میں دخل اندازی کر دی۔
(الحج)

یعنی شیطان اور اس کی ذریت نے داعیٔ حق اور مبلّغ توحید کی راہ میں روڑے اٹکانا مخالفت کرنا اور بد نام کرنا شروع کردیا جس کی مزید وضاحت قرآن میں اسطرح کی گئی ہے:

" اے نبیؐ! (جس طرح آج تمہارے ساتھ ہو رہا ہے) اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے دشمن بنا کر کھڑا کیا تھا۔ شریر انسانوں اور شریر جنوں کو جو ایک دوسرے کو خوش نما یا سبق سکھاتے (خلق خدا کو گمراہ کرنے اور انھیں) دھوکہ دینے کے لئے"

(انعام)

" تمہیں ان لوگوں سے بھی جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی اور اُن سے بھی جو مشرک ہیں۔ (جس میں سب ہی قسم کے مشرک اور غیر اللہ کے پرستار آجاتے ہیں۔ جیسے بُت پرست، بزرگ پرست، قبر پرست اور تعزیہ پرست وغیرہ — ان سے) بہت سی تکلیف دہ باتیں سننی پڑیں گی

(آل عمران)

یعنی تمہیں اور تمہارے حقیقی متبعین کو صابی، وہابی بے دین۔ نئے مذہب کے بانی وحامل اور بزرگوں کے مخالف قرار دیا جائے گا اور یوں قلبی اذیت پہنچائی جائیگی اس سلسلہ کی ایک اور آیت ہے:-

" (اور اے نبیؐ) جب بھی یہ منکرین حق (مختلف قسم کی پرستاریوں اور شرک ہی کے گرفتار ہیں) تمہیں دیکھتے ہیں تو تمہیں مشغول پر رکھ لیتے (تمہارا مذاق اڑاتے) ہیں (کہتے ہیں کہ) کیا یہی وہ (صابی اور موجودہ پھبتی وہابی) ہے جو تمہارے معبودوں (یعنی انبیاء اور اولیاء وغیرہ کی غیب دانی، فریاد رسی اور حاجت روائی وغیرہ) پر نام دھرتا اور اُن کے فیضان وتصرفات کی مخالفت کرتا) ہے" (انبیاء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

" جب اللہ کا بندہ (یعنی محمد رسول اللہؐ) اُس (یعنی رب العٰلمین) کو پکارنے کے لئے کھڑا ہوا تو لوگ اس پر ٹوٹ پڑنے کے لئے تیار ہو گئے اے نبیؐ! کہو کہ میں تو اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا"

(جن آیات ۱۹ — ۲۰)

حدیث و تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ ایک دن اشراف قریش حرم کعبہ میں جمع تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے گئے۔ حجر اسود کو بوسہ دیا، پھر بیت اللہ کا طواف فرمایا۔ اس دوران سرداران قریش اپنی باتوں میں حضورؐ پر نکتہ چینی کرنے لگے۔ اور حضورؐ کے چہرۂ مبارک پر ناگواری کے آثار نمودار ہوئے دوسرے دن بھی ایسا ہی ہوا اور مشرکین قریش نے رسول اللہؐ کو گھیر لیا اور یکبارگی آپ پر ٹوٹ پڑے۔ ایک شخص نے اپنی چادر رسول اللہؐ کے گلے مبارک میں ڈال کر اس کو بل دیا اور زور سے اس کو کھینچا۔ اسوقت حضرت ابوبکر صدیق رضؓ درمیان میں حائل ہوگئے۔ اور روتے ہوئے کہنے لگے:" اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ " کیا تم اس شخص کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہی ہے! — انھوں نے رسول اللہؐ کو تو چھوڑ دیا اور حضرت ابوبکر صدیق پر پل پڑے اور آپ کو زدوکوب کرنے لگے۔ اس دن حضرت ابوبکر رضؓ اس حال میں گھر لائے گئے کہ آپ پر بے ہوشی طاری تھی مشرکین نے آپ کا سر مبارک آگے سے پھاڑ دیا تھا۔ اور وہ خون میں تر بتر تھے"

یہ واقعہ بخاری، سیرت ابن ہشام، طبری، سیرۃ النبی اور سیرت حلبیہ وغیرہ مشہور سیرت کی کتابوں

دیکھا جا سکتا ہے۔ اس قسم کے بیسوں واقعات اور آلام مصائب درحقیقت سورہ جن کی مذکورہ آیت کی تفسیر وتعبیر ہے۔ ایک حدیث میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ مبتلائے مصائب انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں اور ان کے بعد درجہ بدرجہ اہل فضل وکمال۔!

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضؓ فرماتے ہیں کہ ایک نبی کا حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمارہے تھے کہ وہ منظر میری نگاہوں کے سامنے ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ دعوت توحید کے جرم میں اس نبی کی قوم کے افراد نے اتنا مارا کہ لہولہان کردیا اور نبی کا حال یہ تھا کہ وہ اپنے چہرہ سے خون پوچھتے جاتے اور یہ کہتے جاتے کہ اللہ۔! میری قوم کے اس جرم کو معاف کردے اور ابھی ان پر عذاب نہ نازل فرما، اس لئے کہ یہ لوگ ناواقف ہیں۔ اصل حقیقت کو نہیں جانتے اکہ گمراہ کو حق پرست اور ہدایت یافتہ کو اپنی جہالت اور ناواقفیت کی بنا پر گمراہ سمجھتے ہیں

(بخاری ومسلم)

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی منکرین اور مشرکین نے ایسا ہی سلوک کیا تھا۔ جبکہ آپؐ اہل طائف کے سامنے دعوت توحید پیش کرنے تشریف لے گئے تھے۔ مکہ سے طائف آپؐ اس امید پر چلے تھے کہ ممکن ہے وہاں کے رؤسا اور شرفا عقیدۂ توحید کو قبول کرلیں۔ لیکن وہاں اس کے جواب میں پتھروں کی بارش کا سامنا کرنا پڑا جس سے جسم اطہر لہولہان اور نعلین مبارک خون میں تربتر ہوگئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں۔ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ کیا غزوۂ احد سے بڑھکر بھی آپ کو کوئی مصیبت پیش آئی ہے ــــــ آپؐ نے طائف اور وہاں کی اذیت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس روز جو مصیبتیں پیش آئیں وہ بہت سخت اور صبر آزما تھیں۔ میں نے اہل طائف کے سامنے توحید کا پیغام پیش کیا تو انھوں نے اسکا جواب پتھروں اور زخموں کی صورت میں دیا اور میں وہاں سے رنج وغم میں دلگیر واپس ہوا۔

مورخین نے سیرت کی کتابوں میں یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ آپؐ جب کبھی کسی اجتماع میں توحید کا پیغام سنانے کھڑے ہوتے اور ابولہب دیکھ لیتا تو پتھر لے کر دوڑتا اور پتھر برسانا شروع کر دیتا اور حضورؐ کے پائے مبارک لہولہان ہو جاتے۔ ساتھ ساتھ وہ کہتا جاتا کہ محمدؐ بے دین ہے۔ اس کی بات پر کان نہ دھرنا (حوالہ اسوۂ حسنہ جلد اول مطبوعہ ندوۃ المصنفین)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دعوت دینے کیلئے حج کے میلوں اور دیگر اجتماعات میں تشریف لے جایا کرتے تو ایسے موقعوں پر ابوجہل ساتھ لگا رہتا اور دعوت توحید میں خلل انداز ہوتے ہوئے کہتا کہ لوگو۔! اس کے فریب میں نہ آنا یہ چاہتا ہے کہ لات وعزیٰ (جیسے آج غوث وخواجہ ہیں) کی پرستش چھوڑ دو"

(سیرت النبی جلد اول)

ایک اور حدیث میں حضورؐ فرماتے ہیں:-

" اللہ کے راستے میں مجھے اتنا ڈرایا اور دھمکایا

گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ڈرایا اور ستایا گیا۔ اور اللہ کے راستے میں مجھے اتنا ستایا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ستایا اور تکلیف دی گئی۔ اور ایک دفعہ تین دن و رات مجھ پر اس حال میں گزرے کہ میرے اور بلال کے لئے کھانے کی کوئی ایسی چیز نہ تھی جس کو کوئی جاندار کھا سکے بجز اس کے جو بلالؓ نے اپنی بغل میں دبا رکھا تھا۔

(جامع ترمذی)

ظاہر ہے کہ یہ سب مصائب و مشکلات دعوت توحید و شرک کی نفی و ابطال کی پاداش میں پیش آتی ہیں۔! توریت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول نقل کیا ہے:

"مبارک ہیں وہ جو راست بازی کے سبب ستائے گئے۔ کیونکہ آسمان کی بادشاہی یعنی (مغفرت اور جنت) ان ہی کی ہے جو میرے سبب سے لوگ تم کو لعن طعن کریں گے اور ستائیں گے اور ہر طرح کی باتیں تمہاری نسبت ناحق کہیں گے۔ (جیسا کہ آج کل بھی راسخ العقیدہ حاملین توحید و سنت پر توہین انبیاء و اولیاء کے الزامات لگائے جاتے۔ شاتم رسولؐ اور بدعقیدہ کہا جاتا ہے) تو تم مبارک ہوگے۔ خوشی کرنا اور نہایت شادماں ہونا۔ کیونکہ آسمان پر تمہارا اجر بہت بڑا ہے"

(متی باب۔ ۵)

تاریخ ابن ہشام، طبری۔ اور سیرت النبیؐ وغیرہ تاریخ و سیر کی کتابوں میں ہے کہ اکابر قریش اور مکہ کے سرکردہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید مخالفت و مخاصمت تعصب و جاہلیت کی بنا پر طفیل بن دوسی، جو عرب کا مشہور شاعر اور دانشور تھا، سے کہا تھا کہ (نعوذ باللہ) محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی (اثبات توحید اور ابطال شرک و بزرگ پرستی کی) سرگرمیاں ناقابل برداشت ہیں۔ اس شخص نے ہماری وحدت کا شیرازہ بکھیر دیا اور ہمارے مفادات کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اور ہمیں آپس میں لڑا دیا ہے۔ اس کی باتیں جادوگروں جیسی ہیں۔ قریش کے ایک وفد نے جناب ابو طالب سے حضورؐ کی شکایت کی تھی کہ اے ابو طالب۔! تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں اور حاجت رواؤں کو بُرا بھلا کہتا ہے۔ ہمارے مذہب میں عیب نکالتا ہے۔ ہمارے بزرگوں کو احمق کہتا ہے اور ہمارے اسلاف آباء و اجداد کو گمراہ قرار دیتا ہے — ایسے ماحول میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موقعہ نکال کر ان کے سامنے عقیدۂ توحید پیش کرتے ہیں) اس پر تمام مشرکین سخت ناخوش اور برافروختہ ہوتے ہیں اور یہ کہتے ہوئے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ اپنے معبودوں پر سختی سے جمے رہو۔ یہی چیز حق اور مقصود و مراد ہے۔

(طبقات ابن سعد، حصہ اول)

جب مکہ سے مدینہ بہت سارے اہل ایمان نے ہجرت کر دی اور مکہ کے کئی محلے خالی اور مکانات ویران ہوگئے تو ایک مرتبہ ابو جہل اپنے مشرک ساتھیوں سے کہنے لگا۔

"یہ ہمارے برادر زادے کا کیا دھرا ہے اس نے ہمارے اجتماع کو پارہ پارہ کر دیا ہماری وحدت کا شیرازہ بکھیر دیا اور ہمیں

انھیں ایک دوسرے سے پھاڑ دیا۔"

(ابن ہشام جلد اول)

درج ذیل حدیث سے بھی مشرکین و منکرین حق کی جانب سے توحید خالص کے حاملین و مبلغین پر جو مظالم ڈھائے گئے۔ ان کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

حضرت خباب ابن الارت رضؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبۃ اللہ کے سائے میں چادر سر کے نیچے رکھ کر لیٹے ہوئے تھے۔ (اس زمانے میں مکہ والے بے پناہ ظلم و ستم مسلمانوں پر توڑ رہے تھے) ہم نے آپؐ سے عرض کیا کہ آپ ہمارے لئے اللہ کی مدد طلب نہیں فرماتے؟ آپؐ اس ظلم کے خاتمہ کی دعا نہیں کرتے؟ (کہ آخر یہ سلسلہ کب تک دراز ہوگا؟ کب یہ مصائب ختم ہوں گے؟) حضورؐ نے یہ سن کر فرمایا: "تم سے پہلے ایسے لوگ گزرے ہیں کہ ان میں سے کسی کے لئے گڑھا کھودا جاتا۔ پھر اسے اس گڑھے میں کھڑا کیا جاتا پھر آرا لایا جاتا اور اس سے اس کے جسم کو چیرا جاتا۔ یہاں تک کہ اس کے دو ٹکڑے ہو جاتے۔ پھر بھی وہ دین سے نہ پھرتا اور اس کے جسم میں لوہے کے کنگھے چبھوئے جاتے جو گوشت سے گزر کر ہڈیوں اور پٹھوں تک پہنچ جاتے مگر وہ اللہ کا بندہ حق سے نہ پھرتا۔"

(بخاری)

ہر دور کے مشرکین کا ایک مشترکہ جواب (تقریباً)

ہر نبی کی قوم کے گمراہ اور شرک زدہ افراد نے پیغام توحید کو رد کرتے ہوئے جو جواب دیا وہ ان آیات سے واضح ہے:

"اور جب بھی ان سے کہا گیا کہ جو حکم خدا نے بھیجا ہے اس کی پیروی کرو تو انھوں نے یہی کہا کہ ہم تو اس بات کی پیروی کریں گے جو ہمیں باپ دادا سے ملی ہے۔ اگر ان کے باپ دادا کسی بات کو نہ سمجھتے ہوں اور راہ راست پر نہ ہوں۔ تو کیا یہ پھر بھی انھیں کی پیروی کئے چلے جائیں گے؟"

(البقرہ ـ ۱۲)

ایک اور مقام پر ہے:-

"اور جب ان سے کہا گیا کہ آؤ اس فرمان کی طرف جو خدا نے بھیجا ہے اور آؤ رسول کے طریقے کی طرف تو انھوں نے کہا کہ ہمارے لئے تو بس وہی طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ کیا یہ باپ دادا ہی کی پیروی کئے چلے جائیں گے چاہے ان کو کسی بات کا علم نہ ہو اور وہ سیدھے راستے پر نہ ہوں؟"

(المائدہ ۱۴)

موسیٰؑ نے جب اپنی قوم کو خدا کے دین و شریعت کی بلایا تو آپ کی قوم کے گمراہ افراد نے ان کو جواب دیا:-

"کیا تو ہمیں اس راستے سے ہٹانا چاہتا ہے، جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے؟"

(یونس ـ ۸)

جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کو شرک سے منع کیا تو انھوں نے بھی کچھ ایسا ہی جواب دیا۔

"ہم نے تو اپنے باپ دادا کو انھیں خداؤں کی بندگی کرتے ہوئے پایا ہے"

(الانبیاء)

سورہ الزخرف میں ہے:

"اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی

میں کوئی رسول نہیں بھیجا کہ وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے یہ نہ کہا ہو کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک مسلک پر پایا ہے (کہ وہ لوگ انبیاء، اولیاء اور بزرگوں کے آستانوں، مزاروں اور درگاہوں سے فیض حاصل کرتے تھے۔ ان کے واسطے۔ وسیلے اور سفارش وتصرفات کے ذریعہ ہمیں رزق، صحت اور اولاد ملتی ہے اسلئے ہم بھی انھیں کے پیچھے چلے جا رہے ہیں (پھر اپنے اولیاء اور بزرگوں کے آستانوں کو تمہارے کہنے پر چھوڑنے والے نہیں)۔ اور بولے کہ ہم اس کو تو مانتے ہی نہیں۔ جسے دیکر تمہیں بھیجا گیا ہے "۔ کہ انبیاء اور اولیاء اور مرحوم صالحین بے اختیار ہیں۔ ان سے حاجتیں نہ طلب کرنا چاہیئے۔ اور صرف اللہ ہی معبود واحد ہے "

(الزخرف ع ۲)

آج بھی یہ گمراہی، باپ دادا اور علماء ومشائخ کی اندھی تقلید، ذہنی غلامی خاندانی اور موروثی رسم و رواج اور روایات کی اسیری اپنے شباب پر ہے جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے یہ عقائد واعمال، قرآن وسنت کے خلاف اور متضاد ہیں تو جھٹ سے انبیاء کے مورکے مشرکین کی طرح آج یہ اہل بدعت اور حاملین قبوری شریعت بھی یہی جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنے آباء وعلماء ہی کی روش پر چلیں گے۔ کیا وہ قرآن وحدیث سے واقف نہ تھے؟ اور تم ہی ان کا علم رکھتے ہو؟ ان لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ان کے آباء وعلماء کو نفس وشیطان گمراہ نہیں کر سکتا اور وہ اس کی دسترس سے باہر ہے۔ جب حضرت نوحؑ کا بیٹا، حضرت ابراہیمؑ کے باپ، حضرت لوطؑ کی بیوی

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور متعدد قریبی رشتہ دار گمراہ اور مشرک ہو سکتے ہیں۔ تو آج کے یہ علماء ومشائخ کس کھیت کی مولی ہیں؟ -

معیار حق و باطل، حکم وحقیقت شرعی، قرآن وسنت اور اسوۂ صحابہ ہے تا کہ کسی کے باپ دادا اور عالم کا عقیدہ وعمل؟ سوائے انبیاء کرام علیہم السّلام کے ہر انسان کے گمراہ ہونے کا امکان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے بعد صرف انبیاءؑ کی اتباع اور پیروی کا حکم دیا ہے کہ صرف وہ ہی معصوم ہوتے ہیں اور ان ہی کے عقیدہ وعمل کی بے چوں وچرا تقلید کیجا سکتی ہے؟ -

انبیاء سابقین اور معرکہ نور وظلمت

یہ تو تھا وہ ردعمل اور آلام ومصائب جو دعوتِ توحید کے جواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو پیش آئے اس سلسلہ کے وہ احوال وکوائف اور مصائب ومشکلات بھی ملاحظہ فرمایئے جن سے انبیاء سابقین کو حق و باطل اور نور وظلمت کے معرکہ میں سامنا کرنا پڑا ---!

قرآن مجید سے واضح ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم میں اثباتِ توحید اور ابطال شرک کا فریضہ نو سو سال سے زائد مدّت تک انجام دیا تھا۔ لیکن اس کا جواب آپ کی مشرک قوم نے اسطرح سے دیا:-

" اے نوحؑ ---! اگر تم (ہمارے بزرگوں کی کارسازی اور حاجت روائی کی نفی وتردید سے) باز نہ آیئے تو ضرور ہی سنگسار کردیئے جاؤگے " (الشعراء ع ۶)

اور پھر قوم نوحؑ کے سرداروں اور مذہبی پیشواؤں نے اپنی قوم سے کہا:-

" تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ (بالخصوص) ودّ کو اور نہ سواع کو اور نہ یغوث، یعوق اور نسر کو چھوڑنا

ان مذہبی پیشواؤں نے بہتوں کو بہکا بہکا کر گمراہ کر دیا۔ (نوح ع ۲)

یہاں یہ حقیقت بھی واضح رہے کہ بخاری کی ایک حدیث کے مطابق ود، سواع اور نسر وغیرہ قوم نوح ؑ کے اولیاء اور بزرگوں کے نام تھے۔ اُن کے مرنے کے بعد قوم نے انھیں اپنا حاجت روا اور مشکل کشا قرار دے لیا۔ اور اُن سے دُعائیں اور مرادیں طلب کرنے لگے۔ جیسا کہ اس دور کے نام نہاد عاشقانِ رسول ؐ اور محبانِ اولیاء کا طرز فکر و عمل ہے!۔

حضرت نوح ؑ نے اپنی قوم سے خطاب فرمایا:۔

"اے میری قوم۔! اگر تم کو میرا تم میں رہنا اور احکام خداوندی کی نصیحت کرنا گراں گزرتا ہے تو میرا تو اللہ پر بھروسہ ہے۔" (یونس ع ۸)

حضرت نوح علیہ السلام نے خدا سے جو فریاد کی' اس سے بھی حق و باطل کی کشمکش پر روشنی پڑتی ہے

"اے میرے پروردگار۔! میں نے اپنی قوم کو رات دن تیری طرف بلایا لیکن میری دعوت پر وہ اور زیادہ ہی بھاگتے رہے اور جب جب میں نے انھیں دعوت دی تاکہ تو انھیں بخش دے۔ تو ان لوگوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور اپنے کپڑے (اپنے اوپر) لپیٹ لئے اور (شرک پر) اڑے رہے اور بڑی ہی اپنی بڑائی جتائی۔ (کہ ہم ہدایت پر ہیں اور انبیاء، اولیاء کی عقیدت و محبت میں سرشار ہیں"۔ (نوح ع ۱)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی قوم میں توحید خالص کی دعوت و تبلیغ کی اور شرک و بت پرستی کی تردید اور مخالفت فرمائی۔ جس کے ردعمل کے طور پر

"اُن کی قوم کا تو بس یہی جواب تھا کہ وہ آپس میں بولے کہ انھیں مار ڈالو یا انھیں (آگ میں) جلا دو"۔ (عنکبوت ع ۳)

اُن کو آگ میں جلا دو اور اپنے معبودوں کا بدلہ لے لو۔ (الانبیاء ع ۵)

"اے ابراہیم۔! کیا تم میرے معبودوں سے پھرے ہوئے ہو؟ (ان کے نافع و ضار ہونے اور ان کے فیضان و تصرفات کا انکار کرتے ہو؟) اگر تم (اُن حرکتوں سے) باز نہ آئے' تو میں تم پر پتھراؤ کر دوں گا اور تم مجھ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دور رہو" (مریم ع ۳)

یہ ایک مشرک باپ اور موحد بیٹے کی دلخراش گفتگو ہے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم ؑ اپنا وطن اور گھر بار چھوڑ دیتے اور ملک در ملک مارے مارے پھرتے اور بالآخر مکہ معظمہ میں آپ کو قرار حاصل ہوتا اور وہاں آپ کعبۃ اللہ کی تعمیر نو کا کام انجام دیتے ہیں۔ حضرت ھود علیہ السلام نے بھی اپنی قوم میں اثباتِ توحید اور ابطال شرک و بت پرستی کا فریضہ انجام دیا تھا۔ اس دعوتِ حق کے جواب میں آپ کی قوم نے کہا:۔

"ہم نہ تو تمہارے کہنے سے اپنے معبودوں کے آستانوں اور اُن کی کارسازی کے عقیدہ کو) چھوڑنے والے ہیں اور نہ ہم تم پر ایمان لانے والے ہیں، (کہ تم اولیاء اور بزرگوں اور اُن کے فیضان و تصرفات کو ماننے والے نہیں) ہم تو یہی کہیں گے کہ ہمارے معبودوں (یعنی اولیاء اور بزرگوں) میں سے (کسی جلالی پیر کی مار پڑی ہے اور انھوں

لے تم کو کسی لعنت و دماغی خلل (خرابی) میں
مبتلا کر دیا ہے۔ (تب ہی تو تم ایسی بہکی اور
واہی تباہی باتیں کہہ رہے ہو"
(ھود ع ۵)

حضرت صالح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو شرک
سے باز رکھا اور بزرگوں کے فیضان و تصرفات اور ان کی
حاجت روائی کی صفات و اختیارات کی تردید فرمائی تھی۔ اسکے
جواب میں ان کی قوم کے افراد نے کہا کہ:

"اے صالح۔! تم تو اس کے قبل ہم میں بڑے
ہونہار تھے۔ کیا تم ہم کو ان معبودوں کی عبادت
سے روکتے ہو۔ جن کی عبادت ہمارے بڑے
(آباد و اجداد، ہمارے خاندانی پیر و مرشد
اور بستی کے طمار و مشائخ) کرتے آئے ہیں
اور جس دین کی طرف تم ہم کو بلا رہے ہو
ہم تو اس کی طرف سے بڑے شک اور تردد
میں پڑے ہوئے ہیں"
(ھود ع ۶)

اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے آپ
سے کہا:۔

"اے شعیب۔! تمہاری کہی ہوئی باتیں بہت
سی تو ہماری سمجھ میں نہیں آتی"
(ھود ع ۸)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرعون کے سرداروں
نے اسے ورغلایا کہ:۔

"کیا آپ موسیٰؑ اور ان کی قوم کو یوں ہی
چھوڑ دیں گے کہ ملک میں فساد کرتے پھریں
اور آپ کو اور آپ کے معبودوں کو چھوڑ دیں۔
(اعراف ع ۱۵)

یعنی توحید کی دعوت دینا، خدائے واحد کی بندگی کی طرف
بلانا۔ گویا ملک میں فتنہ و فساد برپا کرنا ہے۔!

"اور فرعون نے کہا، مجھے چھوڑ دو۔ میں موسیٰؑ
کو قتل کر ڈالوں گا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ
تمہارے دین کو بگاڑ دے گا۔ یا ملک میں فساد
برپا کر دے گا۔" (المومن ع ۳)

آج یہ الزامات حاملین قبوری شریعت کی جانب سے
داعیانِ توحید خالص پر عائد کئے جاتے ہیں کہ وہ دین میں
بگاڑ اور مسلمانوں میں فتنہ و فساد برپا کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے
کہ ایسا کہنے والے فرعون کے پیرو ہیں۔ جیسا کہ فرعون نے
حضرت موسیٰؑ کے بارے میں کہا تھا، جبکہ وہ توحید خالص
کی تبلیغ اور شرک کی تردید کا فریضہ انجام دے رہے تھے!

اکثر انبیائے کرام علیہم السلام، جنھوں نے اپنی قوم میں
توحید کی اشاعت اور شرک کی مخالفت کا فریضہ عظیم انجام
دیا تھا۔ ان کی قوموں نے یا تو ان پر سختی اور ظلم کیا۔ مارا پیٹا
ملک بدر کیا۔ یا انھیں بڑی سفاکی اور بے دردی سے قتل
کر ڈالا۔ چنانچہ سورۂ ابراہیمؑ میں ہے:۔

"اور ان منکرین حق نے اپنے رسولوں سے
کہا کہ ہم تو تم کو اپنی سرزمین سے نکال دیں گے
یا یہ کہ تم پھر ہمارے مذہب (یعنی قبوری شریعت
و مردہ پرستی) میں واپس آجاؤ۔ ہمارے
بزرگوں کے آستانوں پر سجدہ و طواف
دعا و فریاد اور نذر و نیاز کرو۔ انھیں
حاجت روا، مشکل کشا اور فیض رساں
سمجھو۔" (ابراہیم ع ۲)

سورہ المومن میں ہے:۔

"ہر امت نے اپنے رسول کو گرفتار کرنے کا
ارادہ کیا اور ناحق کے جھگڑے کھڑے کئے
تاکہ باطل کے ذریعہ حق کو نیچا کر دکھائیں"
(رکوع ۱)

سورہ البقرہ میں ہے:۔

"اور وہ اپنے نبیوں کو ناحق، بے قصور
قتل کرتے رہے۔" (ع ۷)

اسی سورہ میں ایک اور مقام پر ہے:۔

ان مذہبی پیشواؤں نے بہتوں کو بہکا بہکا کر گمراہ کر دیا۔ (نوح ع ۲)

یہاں یہ حقیقت بھی واضح رہے کہ بخاری کی ایک حدیث کے مطابق ود، سواع اور نسر وغیرہ قوم نوحؑ کے اولیاء اور بزرگوں کے نام تھے۔ اُن کے مرنے کے بعد قوم نے انھیں اپنا حاجت روا اور مشکل کشا قرار دے لیا۔ اور اُن سے دُعائیں اور مرادیں طلب کرنے لگے۔ جیساکہ اس دور کے نام نہاد عاشقانِ رسولؐ اور محبانِ اولیاء کا طرز فکر و عمل ہے!۔

حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے خطاب فرمایا:۔

"اے میری قوم۔! اگر تم کو میرا تم میں رہنا اور احکام خداوندی کی نصیحت کرنا گراں گزرتا ہے تو میرا تو اللہ ہی پر بھروسہ ہے۔" (یونس ع ۸)

حضرت نوح علیہ السلام نے خدا سے جو فریاد کی اس سے بھی حق و باطل کی کشمکش پر روشنی پڑتی ہے

"اے میرے پروردگار۔! میں نے اپنی قوم کو رات دن تیری طرف بلایا لیکن میری دعوت پر وہ اور زیادہ ہی بھاگتے رہے اور جب جب میں نے انھیں دعوت دی تاکہ تو انھیں بخش دے۔ تو ان لوگوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور اپنے کپڑے (اپنے اوپر) لپیٹ لئے اور (شرک پر) اڑے رہے اور بڑی ہی اپنی بڑائی جتائی۔ (کہ ہم ہدایت پر ہیں اور انبیاء، اولیاء کی عقیدت و محبت میں سرشار ہیں)۔"

(نوح ع ۱)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی قوم میں توحید خالص کی دعوت و تبلیغ کی اور شرک و بت پرستی کی تردید میں مخالفت فرمائی۔ جس کے ردعمل کے طور پر "ان کی قوم کا تو بس یہی جواب تھا کہ وہ آپس میں بولے کہ انھیں مار ڈالو یا انھیں (آگ میں) جلادو۔" (عنکبوت ع ۳)

"اُن کو آگ میں جلادو اور اپنے معبودوں کا بدلہ لے لو۔" (الانبیاء ع ۵)

"اے ابراہیم۔! کیا تم میرے معبودوں سے پھرے ہوئے ہو؟ (ان کے نافع و ضار ہونے اور ان کے فیضان و تصرفات کا انکار کرتے ہو؟) اگر تم (اُن حرکتوں سے) باز نہ آئے تو میں تم پر پتھراؤ کردوں گا اور تم مجھ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دور رہو" (مریم ع ۳)

یہ ایک مشرک باپ اور موحد بیٹے کی دلخراش گفتگو ہے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ اپنا وطن اور گھر بار چھوڑ دیتے اور ملک در ملک مارے مارے پھرتے اور بالآخر مکہ معظمہ میں آپ کو قرار حاصل ہوتا اور وہاں آپ کعبۃ اللہ کی تعمیر نو کا کام انجام دیتے ہیں۔ حضرت ھود علیہ السلام نے بھی اپنی قوم میں اثباتِ توحید اور ابطال شرک و بت پرستی کا فریضہ انجام دیا تھا۔ اس دعوتِ حق کے جواب میں آپ کی قوم نے کہا:۔

"ہم نہ تو تمہارے کہنے سے اپنے معبودوں (کے آستانوں اور ان کی کارسازی کے عقیدہ کو) چھوڑنے والے ہیں اور نہ ہم تم پر ایمان لانے والے ہیں، (کہ تم اولیاء اور بزرگوں اور اُن کے فیضان و تصرفات کو ماننے والے نہیں) ہم تو یہی کہیں گے کہ ہمارے معبودوں (یعنی اولیاء اور بزرگوں) میں سے (کسی جلالی پیر کی) مار پڑی ہے اور (نعوذ)

نے تم کو کسی لعنت و دماغی خلل و خرابی میں
مبتلا کر دیا ہے۔ تب ہی تو تم ایسی بہکی اور
واہی تباہی باتیں کہہ رہے ہو "
(ھود ع ۵)

حضرت صالح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو شرک
باز رکھا اور بزرگوں کے فیضان و تصرفات اور ان کی
بت روائی کی صفات و اختیارات کی تردید فرمائی تو جواب
میں ان کی قوم کے افراد نے کہا کہ:

" اے صالح! تم تو اس کے قبل ہم میں بڑے
ہونہار تھے۔ کیا تم ہم کو ان معبودوں کی عبادت
سے روکتے ہو۔ جن کی عبادت ہمارے بڑے
(آباد و اجداد، ہمارے خاندانی پیر و مرشد
اور بستی کے علماء و مشائخ) کرتے آئے ہیں
اور جس دین کی طرف تم ہم کو بلا رہے ہو
ہم تو اس کی طرف سے بڑے شک اور تردد
میں پڑے ہوئے ہیں "
(ھود ع ۶)

اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے آپ
سے کہا :-

" اے شعیب! تمہاری کہی ہوئی باتیں بہت
سی تو ہماری سمجھ میں نہیں آتی "
(ھود ع ۸)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرعون کے سرداروں
نے اسے ورغلایا کہ :-

" کیا آپ موسیٰ اور ان کی قوم کو یوں ہی
چھوڑ دیں گے کہ ملک میں فساد کرتے پھریں
اور آپ کو اور آپ کے معبودوں کو چھوڑ دیں۔
(اعراف ع ۱۵)

یعنی توحید کی دعوت دینا، خدائے واحد کی بندگی کی طرف
بلانا۔ گویا ملک میں فتنہ و فساد برپا کرنا ہے۔!

" اور فرعون نے کہا، مجھے چھوڑ دو۔ میں موسیٰ
کو قتل کر ڈالوں گا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ
تمہارے دین کو بگاڑ دے گا۔ یا ملک میں فساد
برپا کر دے گا۔ (المومن ع ۳)

آج یہ الزامات حاملین قبوری شریعت کی جانب سے
داعیان توحید خالص پر عائد کئے جاتے ہیں کہ وہ دین میں
بگاڑ اور مسلمانوں میں فتنہ و فساد برپا کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے
کہ ایسا کہنے والے فرعون کے پیرو ہیں جیسا کہ فرعون نے
حضرت موسیٰ کے بارے میں کہا تھا، جبکہ وہ توحید خالص
کی تبلیغ اور شرک کی تردید کا فریضہ انجام دے رہے تھے!

اکثر انبیاء کرام علیہم السلام، جنھوں نے اپنی قوم میں
توحید کی اشاعت اور شرک کی مخالفت کا فریضہ عظیم انجام
دیا تھا۔ ان کی قوموں نے یا تو ان پر ہجوم کیا، مارا پیٹا
ملک بدر کیا۔ یا انھیں بڑی سفاکی اور بے دردی سے قتل
کر ڈالا۔ چنانچہ سورۂ ابراہیم میں ہے:-

" اور ان منکرین حق نے اپنے رسولوں سے
کہا کہ ہم تو تم کو اپنے سرزمین سے نکال دیں گے
یا یہ کہ تم پھر ہمارے مذہب (یعنی قبوری شریعت
و مردہ پرستی) میں واپس آجاؤ ہمارے
بزرگوں کے آستانوں پر سجدہ و طواف
دعا و فریاد اور نذر و نیاز کرو۔ انھیں
حاجت روا، مشکل کشا اور فیض رساں
سمجھو" (ابراہیم ع ۲)

سورہ المومن میں ہے:-

" ہر امت نے اپنے رسول کو گرفتار کرنے کا
ارادہ کیا اور ناحق کے جھگڑے کھڑے کئے
تاکہ باطل کے ذریعہ حق کو نیچا کر دکھائیں"
(رکوع ۱)

سورہ البقرہ میں ہے :-

" اور وہ اپنے نبیوں کو ناحق، بے قصور
قتل کرتے رہے" (ع ۷)

اسی سورہ میں ایک اور مقام پر ہے:-

"انبیاء کے ایک گروہ کی تم نے تکذیب کی اور
ایک گروہ کو تو قتل ہی کر ڈالا"

(ع ۱۱)

خود نبی آخر الزماں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی
مکہ کے مشرکین اور مدینہ کے یہودیوں نے کئی بار قتل کرنے
کی کوشش کی۔ یہ اور بات ہے کہ اللہ کے فضل سے وہ ناکام
و نامراد رہے۔ عقیدہ توحید کو قبول کرنے کی پاداش میں
صحابہ کرام پر بے انتہا مظالم ڈھائے گئے۔ انھیں بھی
مالی، جسمانی اور معاشی مصائب و آلام میں مبتلا کیا اور
وطن عزیز چھوڑ کر ہجرت اور غریب الوطنی پر مجبور کیا
گیا۔ اور جہاں انھوں نے پناہ لی تھی وہاں سے بھی
انھیں راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کیا گیا۔

درس عبرت، ہدایت و نصیحت

مذکورہ آیات احادیث
اور واقعیات میں دعوتِ توحید اور ابطال شرک کا جو
ردِ عمل بیان کیا گیا ہے وہ محض قصۂ پارینہ اور واقعات
ماضیہ نہیں۔ بلکہ ان کا ظہور قیامت تک ہوتا رہے گا۔
چنانچہ ارشاد باری ہے:

"ہم آپ سے رسولوں کی باتیں بیان کرتے
ہیں تاکہ اس سے ہم آپ کے دل کو قوت
بخشیں۔ اور آپ کے پاس سورت میں حق
بات آئی اور مومنوں کے لئے موعظت
اور نصیحت!"

تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ چنانچہ تو قیامت تک حق کا اظہار کرنے والے بھی ہوں گے اور
ہدایت مخالفت اور باطل کی تائید و حمایت کرنے والے
بھی۔ علماء ربانی، علوم انبیاءؑ کے وارث، ان کی دعوت
و تبلیغ کے امین اور فرائض نبوت کے حامل ہوتے ہیں۔
چنانچہ تاریخ اس بات پر بھی شاہد ہے کہ جس فرد،
گروہ جماعت اور تحریک نے بھی۔ خواہ اس کا تعلق کسی
بھی دور اور ملک سے رہا ہو،

جس قدر اہتمام سے اشاعتِ توحید کا عظیم الرتبت فریضہ
انجام دیا۔ اسی درجہ کی شدت سے اس کی مخالفت اور
مزاحمت کی گئی۔ اور اسے ان تمام حالات، واقعات
کوائف اور مراحل سے گزرنا اور دوچار ہونا پڑا۔ جن سے
انبیاء کرام علیہم السلام کو شرک کے ابطال و تردید کے
دوران ان کی گمراہ اور مشرک اقوام سے سابقہ پڑا تھا
جن کی تفصیل اور وضاحت گزشتہ صفحات میں گزر چکی
ہے۔ آج بھی یہ سنتِ الٰہی جاری و قائم ہے۔ اور ہر
اس فرد و جماعت پر جو توحید خالص کی نشر و اشاعت
میں مشغول اور مقبول ہے۔ حامیین شرک و بدعت کے
ظلم و زیادتیوں، سفاکیوں، جہالتوں، دل کی کدورتوں
قلبی شقاوتوں، افترا پردازیوں، الزام تراشیوں
اندھی مخالفتوں اور حماقتوں۔ لعن، طعن، طنز و
تضحیک، جسمانی، قلبی اور معاشی نقصان رسانیوں
کا سلسلۂ نامسعود برابر جاری و ساری اور ترقی پذیر ہے،
حق و باطل کی یہ کشمکش اور نور و ظلمت کی یہ معرکہ
آرائی جو انبیاء اور ان کی گمراہ قوموں کے درمیان برپا
ہوئی تھی۔ اگر توحید کی اشاعت اور شرک کا تدارک
کرنے والوں کے پیش نظر رہے تو ان کے عزائم اور حوصلوں
میں مزید ترقی، گرمی اور استحکام پیدا ہوگا۔ ان کے
حوصلے بلند ہوں گے۔ اور اس راہ کے تمام مصائب و
مشکلات اور مخالفتوں کو انبیاء کرام علیہم السلام کے
اسوۂ و عمل کے پیش نظر وہ بہ آسانی انگیز کر جائیں گے!

مخالفتوں کے طوفان میں صبر و ثبات کی ہدایت

توحید کی اشاعت شرک کا ابطال و تردید اور کفر بالطاغوت، دین
و ایمان کا اہم ترین فریضہ، تقاضہ اور مطالبہ ہے۔ اور جو
بات جتنی زیادہ اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ اسکی مخالفت
اور جو سب سے زیادہ بھڑکا ہوا اور چراغ پا ہوتے اور
دائمی حق کی مخالفت پر اتر آتے ہیں۔ اسلئے اس

نازک موقع پر اللہ تعالیٰ نے صبر و ثبات کی تلقین اور ہدایت فرمائی ہے۔ سورہ لقمان میں ارشاد الٰہی ہے :۔

"نیکی کا حکم دو اور برائی سے باز رکھو اور (اس سلسلہ میں جو مصیبت پیش آئے اس پر صبر کرو (یعنی اس کو برداشت کرو)"

(ع ۲)

اسی طرح سورہ والعصر میں حق کی تلقین و تبلیغ کے ساتھ صبر کی ہدایت بھی کی گئی ہے کہ اثباتِ توحید اور ابطالِ شرک کا فریضہ انجام دینے والے، حق پرستوں کو جاہلوں، نادانوں اور گمراہ انسانوں کی جانب سے ان کے ردِ عمل کے طور پر دل خراش و ناگوار باتیں پیش آتی ہیں۔ ایسے موقعہ اور ناموافق حالات میں صبر و ثبات اختیار کرو!

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد الٰہی ہے :۔

"یہ (مشرکین اور منکرین حق) جو کچھ (تمہاری مخالفت میں) کہتے ہیں اس پر صبر کرو اور خوش اسلوبی سے انھیں نظر انداز کردو" (مزمل)

"یہ لوگ جو کچھ (دل دکھانے والی باتیں) کہتے رہتے ہیں۔ ان پر صبر کرو"۔

(طٰہٰ)

"تم ان (مومنوں اور توحید خالص کے حامیوں اور داعیوں) کا مذاق اڑاتے رہے (انھیں صابی، وہابی، دیو کے بندے، بزرگوں کے مخالفین۔ انبیاء و اولیاء کی توہین کرنے والے۔ فتنہ پرداز اور نئے دین و ایمان کے حامل کہتے رہے)۔ ... بے شک میں نے آج ان کے صبر کا بدلہ انھیں دے دیا"۔

(مومنون)

"اگر تم صبر اور تقویٰ اختیار کرو گے تو ان کی چالیں تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گی"

(آل عمران)

"اور صبر کیجیے ... اور ان کا غم نہ کیجیے اور نہ آپ ان کی سازشوں سے دلگیر ہوجیے"

(نحل ع ۱۶)

ان آیتوں سے ان کے پیش نظر شانِ نزول اور حق و باطل کی پنجہ آزمائی کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا دور، حالات اور منکرین حق سے مقابلہ کتنا سخت اور شدید تھا اور انھیں کتنے سنگین مشکلات، مخالفتوں، جہالتوں اور گمراہیوں کا سامنا اور مقابلہ کرنا پڑا ہوگا۔ تب ہی تو اس خطرناک ماحول اور فتنہ انگیز فضا، میں صبر و ثبات پر بہت زور دیا گیا اور اس کی تلقین و ہدایت کی گئی اور اس کے اجرِ عظیم کا مژدہ سُنایا گیا!

"حضرت عبد اللہ بن عباس رض بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے فتنے اور فساد کے وقت میری سنت پر مضبوطی سے عمل کیا تو اس کو سو شہیدوں کا ثواب ہوگا۔" (صحاح)

اس حدیث کی شرح میں حضرت مولانا احمد سعید لکھتے ہیں :۔

"مطلب یہ ہے کہ جب لوگ بدعت پر مائل ہوں اور غیر شرعی رسومات کے پابند ہوں سنت پر عمل کرنے والوں کا مذاق اڑاتے ہوں تو ایسے نازک وقت میں جو شخص بلا خوف و خطر میری سنت پر عمل کرے گا تو اس کو یہ ثواب دیا جائے گا" (جنت کی کنجی صفحہ ۱۲۹)

خوش نصیب ہیں وہ افراد، جماعتیں، ادارے، تحریکیں جو انبیاء کرام علیہم السلام کے اسوہ و عمل کے مطابق توحید و سنت کی نشر و اشاعت اور ابطالِ شرک و بدعت کا اہم ترین فریضہ انجام دیتے، حاملین شرک و بدعت کی مخالفتوں کا سامنا کرتے اور صبر و ثبات اختیار کرتے ہیں — !

سید اسعد گیلانی

دعوت اور کامیابی

اس میں کیا شک ہے کہ دعوت الی اللہ اپنے وجود سے ہی کامیابی کا مطالبہ کرتی ہے اور کامیابی سے مراد دعوت کا غلبہ اور تسلط ہے تاکہ نظام حق نافذ ہو اور نظام باطل سے سسکتی اور کراہتی ہوئی انسانیت کو نجات ملے۔ مخلوق پر ان کے خالق کا اور بندوں پر ان کے مالک کا حکم نافذ ہونا ایک ایسا حق ہے جسے کسی دلیل سے بھی جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ لیکن باطل تو دھاندلی اور زبردستی سے حق کے خلاف سرکشی اور بغاوت کرنے کا نام ہی ہے اسے بھلا دلیل سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔

اللہ کی بندگی کی طرف دعوت انسانی معاشرے کا ایک مستقل رخ ہے۔ یہ دعوت ہمیشہ پیش کی جاتی رہی ہے اور کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ سے سرکشی تو موجود ہو لیکن اس کی بندگی کی طرف دعوت موجود نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دنیا کے اندھیروں میں بھٹکنے کے لئے نہیں چھوڑا ہے۔ البتہ جو لوگ روشنی کو دیکھ کر بھی آنکھیں بند کر لیں انہیں سامنے چمکتا ہوا سورج بھی دکھائی نہیں دے سکتا۔

دعوت الی اللہ کے آغاز کے ساتھ معاشرے کے فعال سرکش عناصر کی طرف سے مزاحمت کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور پہلا خالق و مخلوق کے درمیان پردے حائل کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ بلکہ مخلوق کو ہمیشہ اپنے خالق سے بے خبر رکھ کر منحرف کرنے کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ لیکن پیغام حق ایک شجر طیب کی کونپل کی مانند ہوتا ہے جو سخت زمین کا سینہ چیر کر نمودار ہو جاتا ہے۔ اور اس کے وجود کے اظہار میں کوئی شے بھی رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ اس لئے کہ دعوت ایک ایسے یقین محکم کی مدد سے ایک ایسے یقین محکم کی طرف دی جاتی ہے جو کسی جبر و تشدد یا رشتہ ناطہ کے دباؤ سے دب نہیں سکتا اور دعوت دینے والا شخص اپنی دعوت کی قوت سے اپنی ذات کی حد تک لوہے سے زیادہ سخت اور پہاڑ سے زیادہ مضبوط عزم کا حامل ہوتا ہے لیکن جہاں تک اس کے ساتھ مل کر کام کرنے والی ٹیم کا تعلق ہے اس کا مسئلہ داعی سے ذرا کچھ مختلف ہوتا ہے اس لئے کہ اس کے پاس دعوت دوسرے درجہ میں پہونچتی ہے اور اس کا یقین محکم اپنے ایثار و قربانی کے نلطے اور تناسب سے ہی ثابت ہوتا ہے۔

اسی لئے دعوت کا داعی حکمت و تدبیر کے نقطۂ نظر سے اپنے ساتھیوں کے آزمائش میں پڑنے سے کبھی نہیں گھبراتا۔ وہ جانتا ہے کہ آزمائش کی بھٹی ان اینٹوں کو ایسا پکا دے گی کہ جس سے نئے نظام کا قصر عالیشان تعمیر ہو سکے گا، اور اگر آزمائش نہ آئے گی تو نئے نظام کی عمارت کے لئے پختہ اینٹیں تیار نہ ہوں گی۔ اس لئے آزمائش دعوت کی اپنی ایک داخلی ناگزیر ضرورت ہے۔ اس سے وہ قیادت تیار ہوتی ہے جسے نئے نظام کو چلانا ہوتا ہے۔ اگر قیادت کسی صورت تیار نہ ہو تو اول تو وہ نظام آتا ہی نہیں اور اگر آ جائے تو عرصہ تک قائم نہیں رہ سکتا یہ ایسا ہی ہے جیسے آزادی، قربانی جد و جہد کے بغیر نہیں ملتی اور اگر کسی صورت مل جائے تو قربانی کے بغیر محفوظ نہیں رہ سکتی۔

چند مفید اور اہم کتابیں

کتاب	قیمت
سیرت رسالتمآب (اردو) از مفتی عزیز الرحمٰن	۳۰/۰
حیات امام اعظم ابوحنیفہ رح	۹/۰
تذکرہ حضرت علاؤ الدین صابر کلیری	۳/۰
ولی کامل (سوانح مولانا زکریا)	۶/۰
مقبول نماز (مکمل مترجم) سب سے زیادہ ضخیم مجلد رنگین	۱۰/۵۰
سفر آخرت مجلد (از صوفی محمد اسمٰعیل)	۴/۰
قبر کی پہلی رات " "	۱/۵۰
دنیا کی حقیقت " "	۱/۰
قیمتی باتیں	۱/۰
نصیحت کی باتیں	۱/۰
فریب تمدن (مغربیت کی حقیقت جاننے کیلئے)	۱۰/۰
صحیفۂ ابرار (تصوف سلوک پر)	۲۵/۰
صحائف معرفت " "	۸/۰
سیرت بلال رضؓ (مجلد مع کور)	۲/۰
تجلیات ربانی (مجدد الف ثانی کے خطوط کا خلاصہ)	۱۳/۵۰
تعزیر (علمائے اسلام کی نظر میں)	۰/۵۰
عورت کیا کچھ کرسکتی ہے؟ (خدیجہ نوید)	۳/۰
مخزن المعلومات (اردو زبان میں پہلی مرتبہ ہر اقسام کی معلومات کا خزانہ) مجلد	۲۰/۰
بلاغ المبین اردو (مع سوانح شاہ ولی اللہ)	۶/۵۰

کتاب	قیمت
روح تصوف (مع تکوا یشیخ و مرید) از حضرت تھانوی	۵/۵۰
سو بڑے آدمی — مشہور افراد کی سوانح اور ان کے مختصر حالات مجلد	۶/۰
قرآن اور حدیث۔ ان دونوں کا آپس میں کیا ربط ہے؟	۲/۰
تلاش راہ حق (خطوط کی زبان میں) مجلد	۴/۰
پریشانیوں کا شرعی علاج	۲/۵۰
پردہ اور اسلام	۰/۴۰
مسئلہ قربانی علم و عقل کی روشنی میں	۰/۹۰
فرعون و کلیم کی داستان کشمکش	۰/۹۰
تقلید کیا ہے؟	۰/۸۰
شہادت امام حسین (مولانا مودودی)	۰/۵۰
حسین رضؓ و یزید (از امام ابن تیمیہ)	۱/۰
تاریخ غلاف کعبہ	۰/۵۰
ایمان و آزمائش	۰/۵۰
اپنی اصلاح آپ	۰/۵۰
بیمۂ زندگی	۰/۶۰
اللہ نور السمٰوات والارض اردو مجلد	۳۰/۰
بہشتی زیور (معرّٰی) (ربانی والا) اردو مجلد	۱۸/۵۰
بہشتی زیور مدلل (مکمل اشرفی) " "	۴۰/۰
" " " " درود مجلد "	۴۵/۰
" " " " " لفتری	۴۵/۰

عظیم بک ڈپو (جامع مسجد) دیوبند

سید اسعد گیلانی

دعوت اور کامیابی

اس میں کیا شک ہے کہ دعوت الی اللہ اپنے وجود سے ہی کامیابی کا مطالبہ کرتی ہے اور کامیابی سے مراد دعوت کا غلبہ اور تسلط ہے تاکہ نظام حق نافذ ہو اور نظام باطل سے سسکتی اور کراہتی ہوئی انسانیت کو نجات ملے۔ مخلوق پر ان کے خالق کا اور بندوں پر ان کے مالک کا حکم نافذ ہونا ایک ایسا حق ہے جسے کسی دلیل سے بھی جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ لیکن باطل تو دھاندلی اور زبردستی سے حق کے خلاف سرکشی اور بغاوت کرنے کا نام ہی ہے اسے بھلا دلیل سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔

اللہ کی بندگی کی طرف دعوت انسانی معاشرے کا ایک مستقل رخ ہے۔ یہ دعوت ہمیشہ پیش کی جاتی رہی ہے اور کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ سے سرکشی تو موجود ہو لیکن اس کی بندگی کی طرف دعوت موجود نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دنیا کے اندھیروں میں بھٹکنے کے لئے نہیں چھوڑا ہے۔ البتہ جو لوگ روشنی کو دیکھ کر بھی آنکھیں بند کر لیں انھیں سامنے چمکتا ہوا سورج بھی دکھائی نہیں دے سکتا۔

دعوت الی اللہ کے آغاز کے ساتھ معاشرے کے فعال سرکش عناصر کی طرف سے مزاحمت کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور یوں خالق و مخلوق کے درمیان پردے حائل کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ بلکہ مخلوق کو جبراً اپنے خالق سے بے خبر رکھ کر منحرف کرنے کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ لیکن پیغام حق ایک شجر طیب کی کونپل کی مانند ہوتا ہے جو سخت زمین کا سینہ چیر کر نمودار ہو جاتا ہے۔ اور اس کے وجود کے اظہار میں کوئی شے بھی رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ اس لئے کہ دعوت ایک ایسے یقین محکم کی مدد سے ایک ایسے یقین محکم کی طرف دی جاتی ہے جو کسی جبر و تشدد یا رشتہ ناطہ کے دباؤ سے دب نہیں سکتا اور دعوت دینے والا شخص اپنی دعوت کی قوت سے اپنی ذات کی حد تک لوہے سے زیادہ سخت اور پہاڑ سے زیادہ مضبوط عزم کا حامل ہوتا ہے لیکن جہاں تک اس کے ساتھ مل کر کام کرنے والی ٹیم کا تعلق ہے اس کا مسئلہ داعی سے ذرا کچھ مختلف ہوتا ہے اس لئے کہ اس کے پاس دعوت دوسرے درجہ میں پہونچتی ہے اور اس کا یقین محکم اپنے ایثار و قربانی کے ناطے اور تناسب سے ہی ثابت ہوتا ہے۔

اسی لئے دعوت کا داعی حکمت و تدبیر کے نقطۂ نظر سے اپنے ساتھیوں کے آزمائش میں پڑنے سے کبھی نہیں گھبراتا۔ وہ جانتا ہے کہ آزمائش کی بھٹی ان اینٹوں کو ایسا پکا دے گی کہ جس سے نئے نظام کا قصر عالیشان تعمیر ہو سکے گا، اور اگر آزمائش نہ آئے گی تو نئے نظام کی عمارت کے لئے پختہ اینٹیں تیار نہ ہوں گی۔ اس لئے آزمائش دعوت کی اپنی ایک داخلی ناگزیر ضرورت ہے۔ اس سے وہ قیادت تیار ہوتی ہے جسے نئے نظام کو چلانا ہوتا ہے۔ اگر قیادت کسی صورت تیار نہ ہو تو اوّل تو وہ نظام آتا ہی نہیں اور اگر آ جائے تو عرصہ تک قائم نہیں رہ سکتا یہ ایسا ہی ہے جیسے آزادی، قربانی جدوجہد کے بغیر نہیں ملتی اور اگر کسی صورت مل جائے تو قربانی کے بغیر محفوظ نہیں رہ سکتی۔

چنانچہ دعوت کی کامیابی کا تصور داعی کی دعوت سے کہیں زیادہ اس امر کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے کہ دعوت پر لبیک کہنے والے لوگ کس تعداد میں آگئے ہیں، جو آئے ہیں وہ کس درجہ اور پایہ کے لوگ ہیں، ان پر آزمائشیں کس نوعیت کی اور کس قدر آئی ہیں، ان آزمائشوں میں انھوں نے کیا کردار ادا کیا ہے۔ ان افراد کی تعداد، نوعیت طرز عمل اور کردار وہ چیزیں ہیں جو دعوت کے غلبہ یا ناکامی میں بہت بڑا حصہ ادا کرتی ہیں۔ دعوت الی اللہ کی فطرت میں تو اپنی ماہیت کے لحاظ سے بلاشبہ کامیابی ہی پوشیدہ ہے، لیکن اس پوشیدہ کامیابی کے ظاہر کرنے اور اسے زمین پر نافذ کرنے میں اس کے ماننے والوں کا بہت غالب حصہ ہوتا ہے۔

یہ لازم نہیں ہے کہ دعوت قبول کرنے والا ہر قافلہ منزل منزل تک ضرور پہونچ ہی جائے۔ جب شرائط پوری نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ کی مشیت اس سے بے نیاز ہے کہ نفاذِ نظام اسلامی کی منزل تک کون پہونچتا ہے اور کون نہیں پہونچتا۔ اس کے ہاں اپنے بندوں کو نوازنے کا ایک ہی راستہ تو نہیں ہے۔ قرآن میں جن انبیاء کا ذکر آتا ہے ان میں سے بیشتر اسلامی نظام کے نفاذ کی منزل تک پہونچے بغیر ہی دنیا سے رخصت ہو گئے اور قرآن نے ان سب کی مثالیں خدا کے کامیاب بندوں کی حیثیت سے ہی پیش کی ہیں۔

حضرت نوح ؑ نے اپنی قوم کے سامنے دعوت حق پیش کی اور انھیں اللہ کی بندگی کی طرف بلایا۔ انسانی تاریخ کی طویل ترین مدتِ دعوت اس قوم کو راہِ راست پر لانے کی کوشش میں صرف کی گئی۔ لیکن نہ تو اس قوم نے راہِ راست اختیار کی اور نہ اس قوم کے سرداروں اور سربراہوں نے وقت کے نبی کی کوئی بات چلنے دی۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَازْدُجِرَ (القمر۹)

"ان سے پہلے نوح ؑ کی قوم جھٹلا چکی ہے۔ اس نے ہمارے بندے کو جھوٹا کہا، دیوانہ کہا اور جھڑک دیا۔"

حضرت نوح ؑ کے بعد ایک اور معاشرہ قوم عاد کا بھی تھا جس کے سامنے حضرت ہود ؑ نے دعوت حق پیش کی۔ جس جس احسن طریقہ سے ممکن تھی دعوت پیش کی گئی۔ لیکن ظالموں نے تو ہر ظالم و جابر دشمن حق کی پیروی کرنا پسند کیا اور اللہ کے راستہ اور نبی کے بتائے ہوئے طریقے کی طرف آنے سے صاف انکار کر دیا۔

قَالُوا يَا هُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَن قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ (ہود-۵۳)

"وہ بولے اے ہود، ہم تمہیں کسی سند کا حامل نہیں دیکھتے اور نہ ہم تمہارے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے ہیں اور نہ ہم تمہاری باتیں تسلیم کرتے ہیں۔"

پھر ایک اور معاشرہ حضرت صالح ؑ کے زیر تبلیغ بھی تھا یہ لوگ ثمود کہلاتے تھے۔ ان کے سامنے بھی حضرت صالح ؑ نے پاکیزہ رنگ میں دعوت حق پیش کی۔ لیکن ان کا جواب بھی سراسر ضد، عناد اور عصبیت جاہلیہ پر مبنی تھا اور وہ سیدھا راستہ اختیار کرنے پر تیار نہ تھے۔

قَالُوا يَا صَالِحُ قَدْ كُنتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَٰذَا أَتَنْهَانَا أَن نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ (ہود-۶۲)

"انھوں نے کہا اے صالح ؑ تجھ سے تو ہمیں پہلے بڑی امیدیں تھیں کیا تو ہمیں ان کی پرستش سے منع کرتا ہے جن کی پرستش ہمارے آبا و اجداد کرتے رہے ہیں اور ہم کو تو سخت الجھن میں ڈالنے شبہ ہے اس چیز کے بارے میں جس چیز کی طرف تو بلاتا ہے۔"

پھر ایک قوم وہ بھی تھی جس کو حضرت ابراہیم ؑ نے دین حق کی طرف دعوت دی تھی۔ لیکن ان کا حال یہ تھا کہ دعوتِ حق کے جواب میں جہاں قوم نے ان کے لئے آگ کا الاؤ تیار کرایا وہاں ان کے باپ نے انھیں جھڑک کر گھر سے ہی نکال دیا اور ان کی حمایت سے یکسر ہاتھ اٹھا لیا بلکہ حق کی مخالفت میں وہ سب سے بھی آگے نکل گیا اور کہا

لَئِن لَّمْ تَنتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا (مریم ۴۶)

"اے ابراہیمؑ، اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کردونگا
تو میرے پاس سے دور ہو جا۔"

اسی طرح ایک قوم سے حضرت لوطؑ کو بھی واسطہ پڑا تھا جو گمراہی میں کچھ زیادہ ہی بھٹکی ہوئی تھی، حضرت لوطؑ کے ان کے سامنے زندگی کی صراط مستقیم یعنی دین حق پیش کرنے کی کوشش کی لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات نکلا اور انھوں نے حضرت لوطؑ کی ایک نہ سنی، بلکہ ان کی نصیحتوں کا یہ جواب دیا:۔

قَالُوا لَئِن لَّمْ تَنتَهِ يَا لُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ (الشعراء۔ ۱۶۷)

"اے لوطؑ اگر تو نے باتیں نہ چھوڑیں تو ہم تجھے اپنے ہاں سے نکال دیں گے۔"

پھر حضرت شعیبؑ نے بھی اپنے دور کے ایک معاشرے اہل مدین اور اصحاب الایکہ کے سامنے دعوتِ حق پیش کی تھی اور انھیں بدیوں سے نکال کر نیکیوں کی طرف، کاروبار میں دھوکہ دہی سے نکال کر راست بازی کی طرف، اور ناخدا ترسی سے خدا ترسی کی طرف لانا چاہا تھا لیکن ان کی دعوت کا جواب دیا گیا وہ یہ تھا کہ:۔

قَالُوا إِنَّمَا أَنتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ۝ وَمَا أَنتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَإِن نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ۔ (الشعراء ۱۸۶)

"کہنے لگے اے شعیبؑ، تجھ پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے اور تو بھی ہمارے جیسا ایک آدمی ہی ہے، ہمارے خیال میں تو جھوٹا ہے۔"

یوں تاریخ کے مختلف ادوار میں قوموں کے مختلف معاشروں میں دعوت حق پیش ہوتی رہی اور قوموں کے معاشرے کی طرف اکثر گمراہی پر اصرار کیا جاتا رہا۔ اکثر و بیشتر تو ان قوموں کے سربراہوں نے ہی رکاوٹیں ڈالیں۔ الزام اور بہتان تراشی ان کا خصوصی ہتھیار رہا ہے۔ شیطان ہمیشہ ضد، عصبیت، ناخدا ترسی، مفاد پرستی، خود غرضی، غرور اور کبر و نخوت کے ہتھیاروں سے انھیں شکار کرتا اور راہِ راست پر آنے سے روکتا رہا، ان لوگوں کی اکثریت ہمیشہ خدا سے بے نیاز اور دین حق سے بے رغبت ہی رہی۔ اور بعض حالات میں قائل ہونے کے باوجود اپنے چودھریوں اور رہناؤں کی قیادت میں دعوت حق سے دور رہی اور ایک جاندار اور معمولی سی اقلیت ہی آگے بڑھ کر حق کا ساتھ دیتی رہی۔

اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے حضرت موسیٰؑ کی قیادت میں جو تحریک اٹھائی گئی تھی اگرچہ نسلی طور پر اس تحریک کے نام لیوا لاکھوں کی تعداد میں تھے اور وہ ایک بہت مالدار قوم بھی تھی۔ لیکن حضرت موسیٰؑ کے ساتھیوں کی بزدلی اسلامی انقلاب کے اقدامات کو آگے بڑھانے میں مسلسل رکاوٹ بنتی رہی جب اُن سے کہا گیا کہ تم اس مقدس سرزمین فلسطین میں داخل ہو جاؤ جو تمہارے لئے لکھ دی گئی ہے تو انھوں نے جواب دیا:۔

إِنَّا لَن نَّدْخُلَهَا أَبَدًا مَّا دَامُوا فِيهَا فَاذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ

(المائدہ - ۲۴)

"اے موسیٰؑ ہم وہاں کبھی نہ جائیں گے جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں۔ بس تم اور تمہارا رب دونوں وہاں جاؤ اور لڑو۔ ہم یہاں بیٹھے ہیں۔"

لیکن اس مقابلے میں وہ اسلامی تحریک جو اس دنیا میں عظیم ترین مثالی اسلامی تحریک تھی اس کے قائد و ہادیؐ و رہنما نے غزوۂ بدر کے موقع پر جب اپنے ساتھیوں سے انتہائی بے سروسامانی اور کس مپرسی کی حالت میں سہل الحصول قافلے کے بجائے کفار کے بھاری لشکر سے لڑنے کا فیصلہ کیا تو انھوں نے کہا:۔

"یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جدھر آپؐ کا رب حکم دے رہا ہے اس طرف چلئے ہم آپ کے ساتھ ہیں جس طرف بھی آپ جائیں۔ ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ کہنے والے نہیں ہیں کہ جاؤ تم اور تمہارا خدا دونوں لڑیں ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ نہیں ہم یہ کہتے ہیں کہ چلئے آپ اور آپ کا خدا دونوں لڑیں ہم آپ کے ساتھ جانیں لڑائیں گے۔ جب تک ہم میں سے ایک آنکھ بھی گردش کر رہی ہے۔" یہ مہاجرین کے نمائندے کا جواب تھا لیکن

جب حضورؐ نے اپنا سوال دہرایا تو پھر حضورؐ کے ساتھیوں کا دوسرا گروہ جو انصار پر مشتمل تھا ان کا نمائندہ (سعد بن معاذ) اٹھا اور اس نے کہا۔

شاید آپ کا روئے سخن ہماری طرف ہے۔ حضورؐ ہم آپ پر ایمان لائے ہیں۔ آپؐ کی تصدیق کر چکے ہیں کہ آپؐ جو کچھ لائے ہیں وہ حق ہے اور آپ سے سمع و طاعت کا پختہ عہد باندھ چکے ہیں۔ پس اے اللہ کے رسولؐ جو کچھ آپؐ نے ارادہ فرمالیا ہے اسے کر گذریئے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپؐ ہمیں لیکر سمندر میں جا پہنچیں اور اسمیں اتر جائیں تو ہم آپ کا ساتھ دیں گے اور ہم میں سے ایک بھی پیچھے نہ رہے گا۔ ہمکو ہرگز یہ ناگوار نہیں ہے کہ آپ کل ہمیں لیکر دشمن سے جا بھڑیں۔ ہم جنگ میں ثابت قدم رہیں گے۔ مقابلے میں جان نثاری دکھائیں گے۔ اور بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہم سے وہ کچھ دکھوا دے جسے دیکھ کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوجائیں پس اللہ کی برکت کے بھروسے پر آپ ہمیں لے چلئے۔"

(دیباچہ سورہ انفال تفہیم القرآن جلد دوم)

ظاہر ہے کہ جان نثاری اور قربانی و ایثار کے ان والہانہ جذبات کے ساتھ جس تحریک کے ساتھی اپنے مقصد کا ساتھ دیں اس تحریک کے قدموں کو کامیابی و کامرانی کی منزل تک پہونچنے اور اسلامی انقلاب برپا کرنے سے دنیا کی کوئی قوت نہیں روک سکتی۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے لئے فتح و نصرت کے بند دروازے کھولدیتا ہے اور اس پر نصرت الٰہی نازل ہوتی ہے اور ان کے ہاتھوں انسانیت فلاح کا راستہ ضرور ہی پالیتی ہے۔

اخبار دوں کی زبانی

ہندوستان میں

ایمرجنسی کے دوران بے بس انسانوں پر کیا گذری؟

جبری نس بندی کی مہم جب شباب پر تھی ایسے ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں اتنا ہی نہیں سنگدل سے سنگدل انسان بھی ہوگا تو وہ بھی خون کے آنسو روئے گا۔ جبری نسبندی کے نام سے انسانوں سے کیسا وحشت ناک خون ہوا ظلم و بربریت کا کیسا ننگا ناچ ناچا گیا کہ انسانیت کا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔

یہ واقعات ایسے ہیں کہ خونخوار درندے بھی اپنے منھ سے نکلنے کی ہمت نہیں کریں گے یہ اس وقت کی باتیں ہیں جب جبری نسبندی کی مہم آہنی طاقت کے بل بوتے پر ملک میں جاری تھی بتایا گیا ہے کہ اتر پردیش کے ایک ضلع مظفر نگر کے کیرانہ نامی دیہات میں نسبندی کے کارکن مع پولیس کے پہونچے ہیں خوف و دہشت پھیلا کر نسبندی کروا لینے پر مجبور کرنے کے لئے ڈنڈا بجانا شروع کرتے ہیں لوگوں کو دوڑ دوڑا کر پکڑنا اور کھینچ کھانچ کر زبردستی کیمپ تک لے جانے لگے۔ دیہات میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ لوگ خوف کے مارے مسجد میں چھپ گئے۔ جب پولیس کو خبر لگی کہ مسجد میں لوگ چھپے ہیں تو پولیس بندوقیں تانے مسجد کی سمت بڑھی۔ ایک شخص دوڑ کر جانے لگا کہ مسجد میں لوگوں کو مطلع کر دے کہ پولیس بندوقیں تانے مسجد کی سمت آرہی ہے لیکن جیسے ہی یہ شخص مسجد کی سیڑھیوں پر چڑھا، ابھی وہ اندر داخل ہونے بھی نہیں پایا تھا کہ پولیس نے گولیاں داغ دیں۔ بندوق کی گولی نے اس شخص کے جسم کو پھاڑ کر رکھدیا۔ وہ شخص دروازے پر ہی گر کر وہیں ہلاک ہو گیا۔ پولیس نے دروازہ پر جا کر بے تحاشا اندر کی سمت گولیاں چلائیں جس سے چھ نمازی وہیں ہلاک ہو گئے۔ بعد میں بطور احتجاج مسجدوں پر لوگوں نے اکٹھا ہو کر اذانیں دینی شروع کیں۔ جبریات میں سرکاری حکم آگیا کہ لاوڈ اسپیکر پر اذان دینا بند کرو چنانچہ مسجدوں میں اور خود دیوبند میں پندرہ دنوں تک لاوڈ اسپیکر پر اذان دینا بند رہا۔

نہایت معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ مراد آباد کے دیہات سنبھل میں جبری نسبندی کے لئے کارکنوں اور پولیس کے کیا ستم توڑا کہ الامان والحفیظ۔ کہتے ہیں کہ جب یہ لوگ زبردستی گھروں میں گھسنے لگے تو یہاں کی مسجد کے پیش امام نے نسبندی کرنے والوں اور پولیس سے کہا کہ آپ جبر مت کرو۔ ہاں اگر کوئی راضی خوشی جائے تو لے جاؤ ہم منع نہیں کریں گے لیکن طاقت اور حکومت کے نشہ میں چور کانگریسی حکومت کی پولیس کو تاؤ چڑھ گیا۔ مسجد میں گھس پڑے اور امام کو اتنا مارا کہ بے دم کر دیا اور جب وہ بیہوش ہو گئے تو جائے نماز میں لپیٹ کر انھیں جلا دیا گیا۔ یہ ہیں انسان نما شیطانی درندوں کے کرتوت اُس وقت انسانی زندگیوں کی قدر و قیمت رتی برابر بھی نہیں تھی۔

اسی طرح عبدالصمد نامی ایک پچیس سالہ نوجوان "مجھے میری بہن واپس دلا دو" یہ کہتے کہتے پاگل ہو گیا۔ پٹنہ کے گلی کوچوں نے عبدالصمد کی یہ آواز سنی ہے اور وہ آج بھی ان مظالم کی گواہی دے رہے ہیں۔۔ مگر وا رے حکومت بہار کہ اسے کچھ غیرت ہی نہیں آئی۔ یہ خبر بمبئی سے شائع ہونے والے ہمارے موقر ترین ہم عصر "کرنٹ" میں شائع ہوئی تھی حالانکہ یہ اخبار کانگریس پارٹی کا ترجمان کہا جاتا ہے

جب حضورؐ نے اپنا سوال دہرایا تو پھر حضورؐ کے ساتھیوں کا دوسرا گروہ جو انصار پر مشتمل تھا ان کا نمایندہ (سعد بن معاذ) اٹھا اور اس نے کہا۔

شاید آپ کا روئے سخن ہماری طرف ہے۔ حضورؐ ہم آپ پر ایمان لائے ہیں۔ آپؐ کی تصدیق کرچکے ہیں کہ آپؐ جو کچھ لائے ہیں وہ حق ہے اور آپ سے سمع وطاعت کا پختہ عہد باندھ چکے ہیں۔ پس اے اللہ کے رسولؐ جو کچھ آپؐ نے ارادہ فرمالیا ہے اسے کر گذریئے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپؐ ہمیں لیکر سمندر میں جا گھسیں اور اسمیں اتر جائیں تو ہم آپ کا ساتھ دیں گے اور ہم میں سے ایک بھی پیچھے نہ رہے گا۔ ہمکو ہرگز یہ ناگوار نہیں ہے کہ آپ کل ہمیں لیکر دشمن سے جا بھڑیں۔ ہم جنگ میں ثابت قدم رہیں گے۔ مقابلے میں جان نثاری دکھائیں گے۔ اور بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہم سے وہ کچھ دکھوادے جسے دیکھ کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوجائیں پس اللہ کی برکت کے بھروسے پر آپ ہمیں لے چلئے۔"

(دیباچہ سورہ انفال تفہیم القرآن جلد دوم)

ظاہر ہے کہ جاں نثاری اور قربانی وایثار کے ان والہانہ جذبات کے ساتھ جس تحریک کے ساتھی اپنے مقصد کا ساتھ دیں اس تحریک کے قدموں کو کامیابی وکامرانی کی منزل تک پہونچنے اور اسلامی انقلاب برپا کرنے سے دنیا کی کوئی قوت نہیں روک سکتی۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے لئے فتح ونصرت کے بند دروازے کھولدیتا ہے اور اس پر نصرت الٰہی نازل ہوتی ہے اور ان کے ہاتھوں انسانیت فلاح کا راستہ ضرور ہی پالیتی ہے۔

چند مفید کتابیں

اخبارورں کی زبانی

ہندوستان میں

ایمرجنسی کے دوران بے بس انسانوں پر کیا گذری؟

جبری نس بندی کی مہم جب شباب پر تھی ایسے ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ انسان کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں اتنا ہی نہیں بلکہ سنگدل سے سنگدل انسان بھی ہوگا تو وہ بھی خون کے آنسو روئے گا۔ جبری نسبندی کے نام سے انسانوں سے کیسا وحشت زخون ہوا ظلم و بربریت کا کیسا ننگا ناچ ناچا گیا کہ انسانی غیرت کا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔

یہ واقعات ایسے ہیں کہ خونخوار درندے بھی اپنے بھٹوں سے نکلنے کی ہمت نہیں کریں گے یہ اس وقت کی باتیں ہیں جب جبری نسبندی کی مہم آہنی طاقت کے بل بوتے پر ملک میں جاری تھی بتلایا گیا ہے کہ اتر پردیش کے ایک ضلع مظفر نگر کے کیرانہ نامی دیہات میں نسبندی کے کارکن مع پولیس کے پہونچتے ہیں خوف و دہشت پھیلاکر نسبندی کروالینے پر مجبور کرنے کے لئے ڈنڈا بجانا شروع کرتے ہیں لوگوں کو دوڑ دوڑا کر پکڑنا اور کھینچ کھانچکر زبردستی کیمپ تک لے جانے لگے۔ دیہات میں خوف وہراس پھیل گیا۔ لوگ خوف کے مارے مسجد میں چھپ گئے۔ جب پولیس کو خبر لگی کہ مسجد میں لوگ چھپے ہیں تو پولیس بندوقیں تانے مسجد کی سمت بڑھی۔ ایک شخص دوڑ کر جانے لگا کہ مسجد میں والوں کو مطلع کردے کہ پولیس بندوقیں تانے مسجد کی سمت آرہی ہے لیکن جیسے ہی یہ شخص مسجد کی سیڑھیوں پر چڑھا، ابھی وہ اندر داخل ہونے بھی نہیں پایا تھا کہ پولیس نے گولیاں داغ دیں۔ بندوق کی گولی نے اس شخص کے جسم کو پھاڑ کر رکھدیا۔ وہ شخص دروازے پہی گر کر وہیں ہلاک ہوگیا۔ پولیس نے دروازہ پر جاکر بے تحاشا اندر کی سمت گولیاں چلائیں جس سے چھ نمازی وہیں ہلاک ہوگئے۔ بعد میں بطور احتجاج مسجدوں پر لوگوں نے اکٹھا ہوکر اذانیں دینی شروع کیں۔ جس پر بات میں سرکاری حکم آگیا کہ لاؤڈ اسپیکر پر اذان دینا بند کرو چنانچہ مسجدوں میں اور خود دیوبند میں پندرہ دنوں تک لاؤڈ اسپیکر پر اذان دینا بند رہا۔

نہایت معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ مراد آباد کے دیہات سنبھل میں جبری نسبندی کے لئے کارکنوں اور پولیس کے کیا کیا ستم توڑا کہ الامان والحفیظ۔ کہتے ہیں کہ جب یہ لوگ زبردستی گھروں میں گھسنے لگے تو یہاں کی مسجد کے پیش امام نے نسبندی کرنے والوں اور پولیس سے کہاکہ آپ جبر مت کرو۔ ہاں اگر کوئی راضی خوشی جائے تو لے جاؤ ہم منع نہیں کریں گے لیکن طاقت اور حکومت کے نشہ میں چور کانگریسی حکومت کی پولیس کو تاؤ چڑھ گیا۔ مسجد میں گھس پڑے اور امام کو اتنا مارا کہ بے دم کردیا اور جب وہ بیہوش ہوگئے تو جائے نماز میں لپیٹ کر انھیں جلادیا گیا۔ یہ ہیں انسان نما شیطانی درندوں کے کرتوت اُس وقت انسانی زندگیوں کی قدر و قیمت رتی برابر بھی نہیں تھی۔

اسی طرح عبدالصمد نامی ایک پچیس سالہ نوجوان "مجھے میری بہن واپس دلادو" یہ کہتے کہتے پاگل ہوگیا۔ پٹنہ کے گلی کوچوں نے عبدالصمد کی یہ آواز سنی ہے اور وہ آج بھی ان مظالم کی گواہی دے رہے ہیں۔ مگر واہ رے حکومت بہار کہ اسے کچھ غیرت ہی نہیں آئی۔ یہ خبر بمبئی سے شائع ہونے والے ہمارے موقر ترین ہمعصر "کرنٹ" میں شائع ہوئی تھی حالانکہ یہ اخبار کانگریس پارٹی کا ترجمان کہلاتا ہے

ایک پولیس افسر میری ہتھیلیوں پر کھڑا ہو گیا اور باقی افسر مجھے چاروں طرف سے گھیر کر مارنے لگے

کرنٹ انگریزی زبان میں شائع ہوتا ہے۔ اس اخبار کے ایڈیٹر ایوب سید صاحب دورے پر بہار گئے ہوئے تھے۔ ایڈیٹر موصوف وزیر اعلیٰ سے گفتگو کر رہے تھے کہ ایک شخص زار و قطار روتے ہوئے آیا اور فریادانہ لہجہ میں گڑگڑا کر کہنے لگا کہ مجھے میری بہن واپس دلا دو۔ ایوب صاحب کے پوچھنے پر اس نے بتلایا کہ میں ۱۴ مہینے جیل میں میسا میں بند تھا کہ میرا جرم یہ ہے کہ میں نے نسبندی کروانے سے انکار کر دیا جس پر مجھے خوب مارا پیٹا گیا اور لے جا کر میسا کے تحت جیل میں بند کر دیا گیا۔ ۱۴ مہینے کا عرصہ بیت گیا اور جیل کے زمانے میں مجھے میرے گھر کے حالات کا علم نہیں ہونے دیا گیا۔ عبدالصمد کا بیان تھا کہ مجھے بند کر دینے کے بعد میری جوان بہن کا سرکاری حکام نے اغوا کر لیا اور جس کا پتہ نہیں چلتا۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر گڑگڑا کر وزیر اعلیٰ سے التجا کی لیکن اس کی بہن اس پر بھی نہ ملی۔ ہاں وہ پاگل ضرور ہو گیا۔

اسی طرح ملیح آباد جماعت اسلامی کے ایک رکن جو میسا میں بند تھے ان کی طبیعت دھیرے دھیرے خراب ہوئی حالت بگڑنے لگی تو انھوں نے حکام کے پاس عریضہ روانہ کیا کہ میری حالت اچھی نہیں ہے اور اب محسوس ہوتا ہے کہ میری آخری گھڑی آگئی لہٰذا مجھے میرے والد سے ملا دو۔ وہ کارکن یہ بھی کہتا تھا کہ میں اپنے باپ کا اکلوتا لڑکا ہوں لیکن اس کارکن کو ملنے نہیں دیا گیا۔ یہاں تک کہ اس کی موت واقع ہو گئی۔ اور موت کے ۳۶ گھنٹے بعد لاش کو اس کے باپ کے حوالے کیا گیا۔

یہ تو ایسے واقعات ہیں کہ اتفاقاً معلوم ہو گئے۔ انھیں دیکھتے ہوئے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس قسم کے نہ معلوم کتنے سارے واقعات و حادثات ہوں گے جن میں جبری نسبندی کے لئے نہ معلوم کتنوں کو شہید کر دیا گیا ہوگا۔ اسی لئے تو بہار، یوپی، اڑیسہ جیسے صوبوں میں کانگریس کی ہوا بالکل اکھڑ گئی اور وہاں اس نے ذلت و ناکامی کی وہ خاک چاٹی ہے کہ ہمیشہ یاد رہے گا۔ کیا ہندو، کیا مسلمان اور دوسرے تمام فرقے کے لوگوں نے طے کر لیا تھا کہ اس مرتبہ کانگریس کو کسی قیمت پر کامیاب ہونے نہیں دیا جائے گا کیونکہ یہ تیس سال سے کامیابی حاصل کرتے کرتے اتنی مضبوط ہو گئی تھی جس طرح ایک بد دماغ بگڑا ہوا سانڈ ہو جاتا ہے اور وہ اپنے طاقت کے زعم میں انسانوں کو روندتے پیستے چلتا ہے۔

ایسے مغرور اور درندہ خصائل کا یہی علاج ہونا چاہیئے جو انھیں "شرمناک شکست" کے نسخہ سے دیا گیا ہے۔

(ہفت روزہ مضمون بمبئی)

۲۹ نومبر کی رات کو مجھے لنگاپور پولیس کیمپ لیجایا گیا، یہاں پندرہ پولیس افسروں نے مجھ سے جرح کی۔ ایک پولیس افسر میری ہتھیلیوں پر کھڑا ہو گیا اور باقی افسر مجھے چاروں طرف سے گھیر کر مارنے لگے۔ اس کے بعد مجھے زبردستی حیدرآبادی گولی کھلائی گئی۔ یعنی میرے پاخانے کے مقام میں مرچوں بھرا ہنڈا گھسیڑا گیا۔ میں آٹھ گھنٹے تک بے ہوش رہا۔ ہوش آنے پر مجھے پولیس حوالات کوٹھری میں اس طرح بند کیا گیا کہ میرے ہاتھوں میں پڑی ہوئی ہتھکڑی کا دوسرا پھندا کھڑکی کی سلاخ میں پھنسا دیا گیا۔ تاکہ میں نہ بیٹھ سکوں اور نہ لیٹ سکوں —— یہ ظلم مجھ پر پندرہ دن تک ہوتا رہا ——

یہ بیان ہرمان کلگنس نے جس کی عمر ۲۱ سال ہے اور جسے نکسلی ہونے کے جرم میں ۴ نومبر ۱۹۷۶ء کو آندھرا پولیس نے گرفتار کیا تھا دیا ہے ——

ہمارے پاس اس کے ثبوت موجود ہیں کہ کچھ عورتوں کو گرفتار کر کے لال بازار تھانے کلکتہ لایا گیا۔ ان کو بالکل ننگا کیا گیا، ان کے پورے جسم کو گرم سلاخوں سے جلایا گیا، ان کی شرمگاہ میں لوہے کے ڈنڈے گھسیڑے گئے۔ پولیس افسر نے بدمعاش حوالاتی قیدیوں کو حکم دیا کہ وہ ایک قیدی عورت کی جی بھر کر عصمت دری کریں۔

یہ بیان کلکتہ کی ایک بنگلہ مہیلا سمتی نے دیا ہے۔

اور یہ کسی فلم کا منظر نہیں ہے ——

"رات کا وقت ہے، چند نوجوان لڑکھڑاتے ہوئے جنگل میں داخل ہو رہے ہیں، مسلح پولیس ان کے ساتھ ہے۔ جنگل میں ان زخمی نوجوانوں کو درختوں سے جکڑ دیا گیا ان کی آنکھوں پر کپڑا باندھا گیا اور پھر ان کو گولی سے اڑا دیا گیا —— لاشیں

نکسلیوں کے گھٹنوں پر نیچے اوپر لکڑی کے تختے رکھدیئے جاتے تھے اور ان پر سپاہی کودا کرتے تھے

تڑپ بھی نہ سکیں" پولیس افسر قہقہے لگاتے رہے۔

یہ واقعہ آندھرا کے ضلع میدک کا ہے اور اس کی مکمل رپورٹ جنتا حکومت کے حوالے کی جاچکی ہے۔

ایمرجنسی کے دوران اندراجی کے حکم پر یہ مظالم عام تھے — ہزاروں سیاسی قیدی ان مظالم کا شکار ہوئے — ان کو بھوکوں مار گیا، ان کی بے عزتی کی گئی ان کی عزت نفس کو زخمی کیا گیا —

ان مظالم کی داستانیں اب سامنے آرہی ہیں — مظلوم انصاف کے لئے آواز دے رہا ہے — یہ آوازیں پورے ملک میں گونج رہی ہیں۔

مسٹر جے پرکاش نرائن نے آندھرا اور دوسرے صوبوں میں نکسلیوں پر پولیس مظالم کی تحقیقات کیلئے مسٹر تارکنڈے کی صدارت میں جو کمیٹی مقرر کی تھی اس نے اپنی رپورٹ مکمل کرلی ہے۔ رپورٹ میں بڑے سنسنی خیز انکشاف ہوئے ہیں۔

کمیٹی نے ثبوت فراہم کرلئے ہیں کہ نکسلیوں کو گرفتار کرکے انتہائی سخت اذیت پہونچائی جاتی تھی۔ اس کے بعد ان کو جنگل میں درختوں سے باندھکر گولی سے اڑا دیا جاتا تھا اور پھر یہ مشہور کردیا جاتا تھا کہ وہ پولیس کی حراست سے فرار ہوگئے ہیں۔ پولیس یہ افسانہ بھی حقیقت کردیتی تھی کہ نکسلیوں سے ان کی باقاعدہ جنگ ہوئی ہے —

کمیٹی نے الزام لگایا ہے کہ صوبائی حکومتیں ان مظالم کی ذمہ داری سے خود کو الگ نہیں کرسکتیں۔

ایک اندازے کے مطابق ایمرجنسی کے دوران کم از کم ۵۰ نکسلیوں کو گولی مار کر ہلاک کیا گیا اور سیکڑوں کو انتہائی وحشیانہ قسم کی اذیتیں دی گئیں۔ آندھرا میں دس جوانوں کی آنکھوں پر پٹی باندھکر گولی سے اڑا دیا گیا ان کی عمریں ۱۵ سال اور ۲۵ سال کے درمیان تھیں۔ ان کو منصوبوں کے تحت قتل کیا گیا اور پھر ان کی موت پر خاک ڈال دی گئی۔

لطف یہ ہے کہ چار نوجوانوں جنار دھن راؤ، مرلی موہن ریڈی سدھاکر اور آنند راؤ کے بارے میں پولیس نے یہ رپورٹ دی کہ وہ گرائی پتی کے جنگل میں پولیس سے مسلح تصادم کے دوران ہلاک ہوئے ، تصادم کی تاریخ ۲۶ جولائی ۷۵ء بتائی گئی جبکہ ۲۲ اگست ۷۵ء کو ایڈیشنل جج کے سامنے پولیس نے یہ رپورٹ دی کہ ملزمان بدستور فرار ہیں۔

آندھرا کے ضلع میدک میں ملیر کے جنگلات کا ڈاک بنگلہ اذیت گھر میں تبدیل ہوچکا تھا۔ جب پولیس ان نوجوانوں کو ڈاک بنگلہ سے رات کے وقت تھانے لے جانے کیلئے روانہ ہوتی تھی تو یہ لڑکے اتنے زخمی ہوتے تھے کہ وہ چلتے وقت لڑکھڑاتے رہتے تھے، ان کے کپڑے خون میں ڈوبے نظر آتے تھے — ابھی وہ دیہاتی کاشتکار زندہ ہیں جنھوں نے ان نوجوانوں کو اس عالم میں بھی دیکھا ہے اور پھر یہ بھی دیکھا ہے کہ پولیس نے ان کی آنکھوں پر کپڑا باندھا اور — اس کے بعد ان کو درخت سے جکڑا اور پھر ان کو گولی سے اڑا دیا گیا —

ایک چشم دید گواہ کا بیان ہے کہ ان کے کپڑوں میں چھپکلیاں اور کنکھجورے ڈال دیئے جاتے تھے جو ان کے جسموں کو نوچتے تھے اور زخمی کردیتے تھے۔

اس وقت ان نوجوانوں کی بے بسی دیکھی نہیں جاتی تھی —

ظلم کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ نکسلیوں کے گھٹنوں پر نیچے اوپر لکڑی کے تختے رکھدیئے جاتے تھے اور ان پر سپاہی کودا کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ گھٹنوں کی ہڈیاں چٹخ جاتی تھیں۔ ان کو ننگا کرکے ان کے جسموں پر تھوکا جاتا تھا، ان کو بیچ میں کھڑا کرکے چاروں طرف سے درجنوں کانسٹبل ان پر لاٹھیوں کے وار اس وقت تک کرتے رہتے تھے جب تک وہ گر کر بے ہوش نہ ہوجائیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ چار نوجوانوں کو درخت سے باندھکر گولی مارنے کا حکم دیا گیا۔ ایک پولیس انسپکٹر نے گولی چلانے سے انکار کردیا اسپرسپرنٹنڈنٹ پولیس نے اسکو گالیاں دیں اور پھر ان کو گولی ماردی گئی —

نوجوان لڑکوں کو رات کے اندھیرے میں ان کے گھروں سے گرفتار کیا جاتا تھا اور جنگل لے جاکر ان کو گولی ماردی جاتی تھی بعد میں یہ رپورٹ لکھدی جاتی تھی کہ جنگل میں نکسلیوں سے تصادم ہوا اور متعدد نکسلیے جان سے مارے گئے۔

یہ کہانی صرف آندھرا پردیش کی ہی نہیں ہے۔ مغربی بنگال میں اس سے بھی زیادہ ظلم ہوا، یہ ظلم، بہار، یوپی، مدھیہ پردیش

ایک پولیس افسر نکسلائی عورتوں کو ننگا کر کے ان کی چھاتیوں کو سگار سے جلاتا تھا۔

پنجاب اور ہریانہ کی جیلوں میں بھی ہوا اور دہلی کی پولیس تھانوں میں بھی ہوا ——

مغربی بنگال کی حکومت نے اس کا اعتراف بھی کیا تھا کہ ان کی صوبائی جیلوں میں بیس ہزار نکسلباڑی نوجوان قید ہیں۔

ان نوجوانوں پر جو مظالم ہوئے ان کے سامنے چنگیز، ہلاکو اور ہٹلر کے مظالم ہیچ ہیں۔ ایسے مظالم انگریز حاکموں نے اپنے غلام ہندوستانیوں پر بھی نہیں کئے تھے ——

ایمرجنسی کے دوران یہ مظالم بڑے لیڈروں پر نہیں کئے گئے —— ظلم کا شکار متوسط طبقہ کے سیاسی قیدیوں کو بنایا گیا ان میں یونیورسٹی کے لکچرر اور دانشور بھی شامل ہیں۔ ظلم کا ایک ہی مقصد تھا کہ ان کی سیاسی جماعت ختم ہو جائے۔

یہ ظلم صرف نکسلباڑیوں پر ہی نہیں روا رکھا گیا، آر ایس ایس، سوشلسٹ اور کرانتی دل کے ممبروں پر بھی ایسا ہی ظلم ڈھایا گیا۔ ظلم کی ابتدا پولیس حوالات سے ہوتی تھی اور اس کا سلسلہ جیل میں بھی جاری رہتا تھا۔

جیل میں بدمعاش قیدیوں کو حکم دیا جاتا کہ وہ سیاسی قیدیوں پر لاٹھیوں کی بارش شروع کر دیں پولیس حوالات میں نکسلائی عورتوں کو ننگا کر کے ان کی چھاتیاں جلائی جاتی تھیں —— بدمعاش قیدیوں سے ان کی عصمت دری کرائی جاتی تھی —— دونوں کی مقعد میں مرچوں بھرا ڈنڈا گھسیڑا جاتا تھا۔ اور عورتوں کی شرمگاہوں میں لوہے کی موٹی سلاخ گھسیڑ دی جاتی تھی —— مرچوں بھرے ڈنڈے کو پولیس کی اصطلاح میں حیدرآباد کی گولی کہا جاتا تھا اور عورتوں کی شرمگاہ کے ساتھ درندگی کو ہوائی جہاز اڑانا کہا جاتا تھا۔

سیاسی قیدیوں کو اذیت پہونچانے کے لئے ان کی انگلیوں میں کیلیں ٹھونسی جاتی تھیں ان کے نازک مقامات پر لوہے سے وار کئے جاتے تھے، ان کو زنجیروں سے باندھ کر الٹا لٹکایا جاتا تھا، ان کو برف پر لٹایا جاتا تھا، ان کو بجلی کے جھٹکے دیئے جاتے تھے اور ان کو نشہ آور امریکی ادویات کے انجکشن دے کر ان سے سوالات کئے جاتے تھے۔

ایک قاعدہ یہ بھی تھا کہ گرفتار شدہ طلباء کو ہیروئن کا انجکشن لگا کر رہا کر دیا جاتا تھا اور پھر ان کا تعاقب کیا جاتا تھا۔ نشہ میں مست یہ نوجوان جس آدمی سے بھی ملتا تھا اس کو گرفتار کر لیا جاتا تھا بعض قیدیوں کو مسلسل قید تنہائی میں رکھا گیا اور اس کے باوجود ان کی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں نہیں کھولی گئیں۔

۲ ر اکتوبر ۱۹۷۶ء کو دہلی جیل میں سیاسی قیدیوں پر بدمعاش قیدیوں نے دل کھول کر لاٹھی چارج کیا تھا اس کی خبر بھی شائع نہیں ہوئی۔

مغربی بنگال میں ایک پولیس افسر نکسلائی عورتوں کو ننگا کر کے ان کی چھاتیوں کو سگار سے جلاتا تھا اور جب آبلے پڑ جاتے تھے تو مسکرا کر کہتا تھا "تمہاری شادی نکسلائٹ فلسفہ سے ہو چکی ہے اس لئے میں تمہارے گلے میں ہار ڈال رہا ہوں" اس ظالم پولیس افسر کو کئی ترقیاں مل چکی ہیں، وہ آرٹ اور موسیقی کا دلدادہ ہے اور اس کی معاشرہ میں بڑی عزت ہے

سوال یہ ہے پولیس کے یہ ظالم افسر، یہ ظالم قاتل ابتک آزاد کیوں ہیں ان کے خلاف کارروائی کیوں نہیں کی جاتی —— ان سے ان مظالم کا بدلہ لینے کے لئے انصاف کی تلوار اپنا وار کیوں نہیں کرتی ——

(ہفت روزہ عوام نئی دہلی)

دہلی ۱۹ر اپریل۔ ترکمان گیٹ میں کالے جھنڈے نظر آرہے ہیں ان جھنڈوں کو ان کے خاردار تاروں میں لگایا گیا ہے جو ملبے سے بھرے ہوئے اس میدان کا احاطہ کئے ہوئے ہے جہاں آج ہی کے دن راتوں رات ایک ہزار سے زائد مکان مسمار اور بالکل بے نشان کر دیئے گئے تھے ایمرجنسی کے زمانہ کی سب سے زیادہ ظالمانہ اور ناعاقبت اندیشانہ کارروائی تھی

یہ کالے جھنڈے آج کے دن دنیا کو ان مردوں، عورتوں اور بچوں کی یاد دلانے کے لئے نصب کئے گئے ہیں جنہیں پولیس نے گولیوں سے بھون ڈالا تھا۔

کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم ایک پاکستان اجاڑ کر تمکو شہر کے دوسرے حصے میں دوسرا پاکستان بنانے کی اجازت دے دیں

ان جھنڈوں کے ذریعہ عوام کو ان مظلوم عورتوں کی یاد دلاتا ہے جن کی آبرو لوٹی گئی تھی، ان مکانوں کی یاد دلاتا ہے کہ اس حادثہ پر اگرچہ ایک سال کی مدت گذر چکی ہے لیکن اب تک کسی ایک مظلوم کو کسی قسم کا تاوان یا معاوضہ نہیں دیا گیا اور ظلم کرنے والے پولیس افسروں اور شہری حکام میں سے کسی ایک کو کوئی سزا کیا معنی معمولی تنبیہ و چشم نمائی بھی نہیں کی گئی۔

ترکمان گیٹ کا یہ سانحہ حالیہ الیکشن میں مخالف پارٹیوں کیلئے انتہائی طاقتور حربہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ الیکشن کی یہ گرماگرمی ختم ہوگئی ہے لیکن ابھی تک یہاں کے مظلوموں کی بحالی اور آبادکاری کے سلسلے میں بظاہر کچھ بھی نہیں کیا گیا۔ ان میں سے بیشتر لوگ بے روزگار ہیں اور تقریباً فاقہ کشی کے دروازے پر پہونچ چکے ہیں۔

انھوں نے بینکوں سے ملنے والے ان قرضوں کو لینے سے انکار کردیا تھا جو انھیں نئے مکانوں کی تعمیر کیلئے ملنے والے تھے۔ کیونکہ یہ مکانات جمنا پار کے اس غیر آباد علاقہ کے اندر بنوانے پڑتے جہاں قیام کے بعد وہ روزی کمانے کی کوئی صورت نہیں نکال سکتے تھے۔ آج کے دن وہ جلسہ منعقد کرکے اور دھرنا کرکے اپنی حالت زار کی طرف حکومت کی توجہ اس مطالبہ کے ساتھ مبذول کرا رہے ہیں کہ ۱۹ راپریل کو جو ظلم ان پر ہوا ان کی علیحدہ اور مستقل تحقیقات عمل میں لائی جائے۔

انسانی المیہ

"مظالم" اور "زیادتیوں" کے الفاظ حال میں اس افراط سے استعمال ہوئے ہیں کہ وہ بے معنے ہو کر رہ گئے ہیں (ترکمان گیٹ کے اس حادثہ کے اعداد یہ پیش کئے گئے ہیں کہ سات سو افراد گرفتار کئے گئے تھے اور دو سو کے مابین اشخاص ہلاک ہوئے تھے اور ایک ہزار مکانات منہدم و مسمار کرڈالے گئے تھے۔ لیکن ان اعداد سے اب بظاہر ناقابل یقین بےدردی و شقاوت کا اظہار ذرا بھی نہیں ہوتا جو گذشتہ سال ۱۹ راپریل کو یہاں کے حکام نے وقتی طور پر اقتدار کے نشہ میں پاگل ہو کر برتی تھی۔

اس دن جب لوگوں کو یہ علم ہوا کہ ان کے مکانات گرائے جانے والے ہیں تو انھیں دہلی ڈیولپمنٹ اتھارٹی (ڈی ڈی اے) کے ایک سینیر افسر سے التجا کی کہ ان کو اجتماعی طور پر کسی ایک مقام پر بسنے کی اجازت دی جائے۔ اس افسر نے (انتہائی رعونت و تعصب) کے جواب دیا:-

"کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم ایک پاکستان اُجاڑ کر تم کو شہر کے دوسرے حصے میں دوسرا پاکستان بنانے کی اجازت دیدیں"

ان باشندوں میں سے کچھ لوگ اس وقت کے وزیر مملکت محکمۂ تعمیرات و مکانات مسٹر ایچ کے ال بھگت کے یہاں گئے اور استدعا کی انھیں چند دن کا نوٹس دیا جائے اس کے بعد مکانات گرانے کی کارروائی ہو۔

وزیر صاحب نے جواب دیا:

"کیا موت اپنے آنے کا کوئی نوٹس پہلے سے دیتی ہے"

اس سوال جواب کے بعد اٹھارہ بلڈوزر ترکمان گیٹ میں لائے گئے اور بارہ گھنٹے کے اندر انھوں نے اس بستی میں جو شاہجہاں (مغل تاجدار) کے وقت سے آباد چلی آرہی تھی تہ خاک کرکے رکھدیا وہاں کے لوگوں کے بیان کے مطابق انہدام کی بدترین کارروائی ڈی ڈی اے کے نائب چیرمین مسٹر جگ موہن کے اس حکم کی تعمیل کے نتیجہ میں ہوئی کہ میں چاہتا ہوں کہ "کل صبح اٹھ کر ترکمان گیٹ سے جامع مسجد کو دیکھ سکوں"

اس وقت ترکمان گیٹ کے حالات اعتدال پر آچکے ہیں۔

اس علاقہ میں واقع جامع مسجد جس کا کچھ اسی روز منہدم کردیا گیا تھا کی تعمیر نئے سرے سے کردی گئی ہے وہاں کے لوگ چلتے پھرتے اور اپنے کام میں مشغول نظر آتے ہیں۔

لیکن ان سیاہ جھنڈوں کے بارے میں اگر کوئی سوال کرتا ہے تو فوراً ہی ایک غضبناک مجمع وہاں اکٹھا ہوجاتا ہے۔ اس مجمع کے ایک نوجوان فرد نے بتایا کہ یہ جھنڈے یہ یاد تازہ کرنے کے لئے نصب کئے گئے ہیں کہ ہماری قربانیوں سے پورا ایک سال گذر گیا"

دوسرے شخص نے یہ کہا کہ :- ہم نے اپنے دکھتوں اور

مکانوں کے دروازے اکھاڑ ڈالے گئے خوفزدہ عورتوں کو مارا پیٹا گیا۔ ان کے برقعے پھاڑ ڈالے گئے

شناساؤں میں سے ۸۰ اشخاص شمار کئے جو اس حادثہ کے دوران غائب اور لاپتہ ہوگئے لیکن ان کے علاوہ کم سے کم سو اشخاص ضرور ہلاک کئے گئے تھے اور اس کا علم کسی کو نہیں ہوسکتا کہ وہ کون لوگ تھے جو ہلاک ہوئے اور ہلاک کے بعد ٹرکوں میں لاد کر ان کو کہاں بھیجا گیا اور ان کی نعشوں کو کہاں ٹھکانے لگادیا گیا؟

ایک لڑکے نے اپنا کرتا ہٹاکر مجھے وہ نشان دکھایا جو اس کے جسم پر رائفل کے کندے سے ضرب لگنے سے ہوگیا تھا سیاہ برقعے میں ملبوس ایک عورت نے دردناک لہجہ میں اپنے اٹھارہ سالہ بھائی کی موت کا ذکر ان الفاظ میں کیا:-

"وہ بیچارہ دوپہر کو اپنا کھانا کھانے کے لئے گھر آیا تھا کہ اس کے جسم پر چار گولیاں پیوست کردی گئیں اس نے اس حالت میں بھی بھاگ کر اپنے گھر تک پہونچنا چاہا۔ دروازہ تک پہونچا تھا کہ سپاہیوں نے اس کے سر پر رائفل کے کندوں کی ضربیں لگاکر اسے ٹھنڈا کردیا۔"

اس عورت نے حادثہ کی تفصیل گلوگیر لہجہ میں زار وقطار روتے ہوئے مجھے سنائی۔

ہر شخص کی زبان پر کوئی نہ کوئی داستان (غم) ہے کوئی کہتا ہے کہ میری بہن کی آبروریزی کی گئی کوئی کہتا ہے کہ میری ماں کو خوب زدوکوب کیا گیا۔ ایک اور اپنے مکان کے لوٹے جانے کی شکایت کرتا ہے اور اس پر تو سب متفق اللفظ ہیں کہ ترکمان گیٹ کے محلہ میں اب کوئی مکان ایسا نہیں بچا ہے جسے ۴۵ دن تک رہنے والے اس کرفیو (انگریزی دور میں اور اس کے بعد بھی آزاد ہند میں اتنے دن کرفیو لگے رہنے کی کوئی مثال موجود نہیں)، کے دوران میں لوٹا کھسوٹا نہ گیا ہو اس علاقہ کے جو مرد ہلاکت یا گرفتاری سے بچ گئے وہ گھر چھوڑ کر چھپے رہے اور کئی دنوں تک ان کو راتیں کسی نالے یا مسجد میں کاٹنی پڑیں

مرکزی (سینٹرل) ریزرو پولیس اور بورڈر سیکورٹی فورس کے لوگ اتنے دن اس علاقہ میں دہشت زدگی پھیلاتے رہے اور یہاں کے ایک قدیم باشندے کے بقول "یہاں چنگیز خاں نے دوبارہ جنم لیا تھا"

مکانوں کے دروازے اکھاڑ ڈالے گئے۔ خوفزدہ عورتوں کو مارا پیٹا گیا۔ ان کے برقعے پھاڑ ڈالے گئے، ان کے زیورات چھین لئے گئے۔ بہت سی عورتوں نے اپنی عصمت بچانے کے لئے کوٹھوں سے کود کر جانیں دیدیں۔

ایک نئی بیاہی دلہن نے بتایا کہ ریزرو پولیس کے لوگوں نے اس کی فولادی الماری کو توڑ کر پندرہ ہزار کی مالیت کے زیور نکال لئے۔ اس کی شادی چند روز قبل ہوئی تھی اور اسی دن اس کے شوہر اور خسر کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔

ایک ضعیفہ نے جس کی تین لڑکیاں ہیں مجھے ایک دیوار دکھائی جس پر حال ہی میں سمنٹ لگایا گیا تھا کہا کہ ان پولیس والوں نے گھر کی ہر چیز توڑ پھوڑ ڈالی۔ میں بڑی مشکل سے اس دیوار کی مرمت کراسکی ہوں۔ یہ لوگ گھر کا سارا سامان لوٹ کر لے گئے اور میری لڑکیوں کو مارتے پیٹتے اور برابر یہ سوال کرتے رہے کہ تمہارے گھر کے مرد کہاں ہیں؟

ایک اور بوڑھی عورت نے اپنی ٹوٹی ہوئی انگلی اور جسم پر داغ دکھائے اور رو رو کر کہا کہ مجھے پولیس نے اس بری طرح پیٹا کہ جانوروں کو بھی اس طرح نہیں پیٹا جاتا ہے۔

واقعۃً پچھلے سال ۱۹ر اپریل کو کیا ہوا؟ اس وقت سنسر شپ لگی ہوئی تھی اس نے حادثہ کی ہر خبر چھپا دی تھی۔ اس کی اطلاع پہلی بار ۲۲ر اپریل کو صرف وزارت داخلہ کے اس مختصر اعلان کی شکل میں نکلی کہ تین ہزار کے ایک مجمع پر جو اپنے مکانوں کے انہدام کے خلاف احتجاج کر رہا تھا پولیس کو گولی اس لئے چلانا پڑی کہ زبانی فہمائش اور پھر آنسو گیس اس کو قابو میں رکھنے میں ناکام ثابت ہوچکی تھیں تین سرکاری افسر جن میں ایک سپرنٹنڈنٹ پولیس اور تین مجسٹریٹ بھی شامل تھے مضروب ہوچکے تھے اور تین کانسٹبلوں کو چاقو مارا گیا تھا۔ پولیس کی گولیوں سے تین شخص ہلاک اور چار زخمی ہوئے۔

اس کے بعد ۲۸ اپریل کو دوسرے سرکاری بیان میں بتایا

مسٹرسہن کے پاجامے کو پنڈلیوں سے کس دیا گیا اور انکے پاجامے کے اندر چوہے چھوڑ دیئے گئے

گرتین ماور اشخاص بعد میں ہلاک ہوئے اور ۳۴ افراد گرفتار کئے گئے۔

ترکمان گیٹ کے باشندوں کا بیان سرکاری زبان سے بالکل مختلف ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ انھیں پہلے سے کوئی اطلاع نہیں دی گئی تھی کہ ان کے مکان آنا منہدم کئے جائیں گے۔ ڈی ڈی اے کے لوگ ۱۳ اپریل سے سڑک کے کنارے واقع گورنمنٹ کوارٹرز کو منہدم کررہے تھے۔ ۱۹ اپریل کو انہوں نے یکایک عوام کے مکانات مسمار کرنے شروع کر دیئے اور انہوں نے لوگوں کو صرف پانچ منٹ کی مہلت دی کہ اتنے عرصہ میں وہ اپنے گھر کا جو سامان ساتھ لے سکیں لے کر مکان خالی کر دیں۔

(ہفت وار نقیب پھلواری شریف پٹنہ)

کیرلہ کے راجن کیس نے جن اسراریت سے پردہ اٹھایا ہے وہ درحقیقت پر اسراریت کا معمولی اصعقہ ہے۔ اس سے کہیں زیادہ ہیبتناک وروح فرسا واقعات وقت کے ساتھ ساتھ سامنے آتے جارہے ہیں۔ اس بات میں اب کوئی شک کر ہی نہیں سکتا کہ ایمرجنسی کے دوران حکومت نے اور اس کے ایجنٹوں نے منظم طور سے یہ کوشش کی تھی کہ وہ سیاسی قیدیوں سے ایسی سازشوں کا اعتراف کرائیں جن کا کہیں وجود ہی نہ ہو کر ان جعلی اعترافات کے سہارے ایمرجنسی کو برقرار رکھنے کا جواز فراہم کرسکیں۔ ایمرجنسی کے دوران تحریک مزاحمت نے اپنے خفیہ دستاویز کے ذریعہ ملک کے بیشتر حصوں میں سیاسی قیدیوں پر ہونے والے مظالم کو شائع کیا تھا۔ یہ دستاویز ۴۰ صفحات پر مشتمل تھی اور اسے امریکہ بھیجا گیا تھا جہاں اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کمیٹی میں اسے پیش کیا گیا تھا اس رپورٹ نے ہندوستانی سفارتخانے میں کافی ہل چل مچادی اور اس کا بیشتر وقت اس رپورٹ کی مذمت کرنے میں صرف ہونے لگا لیکن اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکل سکا بلکہ غیر ملکی اخبارات نے اسے وسیع پیمانے پر شائع کیا

سیاسی قیدیوں پر جس قسم کے مظالم ڈھائے گئے اور

پولیس نے ان پر جو زیادتیاں کیں ان کا صرف ایک مقصد تھا کہ وہ ان قیدیوں سے یہ کہلوالیں کہ وہ سرکار کو تشدد سے الٹنے کی سازش کررہے تھے۔ خود پولیس افسروں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ انھوں نے اس قسم کی سازشوں کے بارے میں سیاسی قیدیوں سے غیر ظہور پذیر حقائق اگلوانے کے لئے بدترین مظالم کئے۔ امرتسر کے ایک پوچھ تاچھ مرکز میں ایک انسپکٹر نے اپنے مقصد میں مسلسل ناکامی کے بعد سیاسی قیدی مسٹر سوہن سے یہ کہا تھا کہ "لے لالہ اب یا تو تم زندہ رہو گے یا میں برخواست کر دیا جاؤں گا مجھے اپنی ملازمت زیادہ پیاری ہے مجھے تمہاری زندگی کی کوئی پرواہ نہیں ہے"۔ اس کے بعد انسپکٹر نے مسٹر سہن کو مجبور کیا کہ وہ تپتے ہوئے سورج میں ننگے بدن رینگتے ہوئے میدان کے چکر لگائیں مسٹر سہن تھوڑی دیر بعد بیہوش ہو گئے انھیں جیل میں ہوش آیا جس کے فوراً بعد انھیں پوچھ گچھ مرکز لے جایا گیا اور انھیں ٹھوکریں مار مار کر اعتراف کرنے پر مجبور کیا گیا لیکن تین دن بعد بھی بہادر آدمی ٹس سے مس نہیں ہوا اس کے بعد مسٹر سہن کے پاجامے کو پنڈلیوں سے کس دیا گیا اور ان کے پاجامے کے اندر چوہے چھوڑ دیئے گئے لیکن اس کے بعد اعتراف نہیں کیا۔ نتیجۃً مسٹر سہن کو فیروزپور کے سینٹرل جیل بھیج دیا گیا۔

(سہ روزہ دعوت دہلی)

بشکریہ
ایشیا لاہور

یہ پاکستان ہے

تاریخ ساز دن :

ان دنوں کی روداد، جب قوم نے مسلط کی گئی "شکست" کو رد کرتے ہوئے اپنے ایمان و یقین سے ایک تاریخ ساز جدوجہد کا آغاز کیا (ایشیا کے وقائع نگار کے قلم سے)

۶ اور ۷ مارچ کی درمیانی شب کو مرکز جماعت کی تمام بتیاں قریب تمام رات روشن رہیں اور آمد و رفت کا سلسلہ بھی رات بھر جاری رہا۔ کبھی کارکنوں سے بھری ویگن آجاتی تو اس کے بعد کوئی نوستاروں کے سبز پرچم والی گاڑی رخصت ہو جاتی۔ کبھی لوگوں کی ٹولیاں مرکز میں داخل ہوتیں تو کبھی چند ٹولیاں مرکز سے باہر مختلف سمتوں میں روانہ ہو جاتیں۔ چودھری رحمت الٰہی صاحب کے دیہاتی حلقے سے بھی معززین چلے آرہے تھے۔ ان میں بعض تو آخری لمحے کے معاملات کرنے آئے تھے اور بعض یہ شکایت لیے آرہے تھے کہ علاقے کے لوگوں نے چودھری رحمت الٰہی صاحب کو ووٹ دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ لیکن وہ چودھری صاحب کو ایک جھلک دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور لوگوں کو یہ شکایت ادھر روز سے ہی کہ وہ چودھری صاحب کو دیکھ نہیں پائے ہیں۔ ادھر چودھری رحمت الٰہی صاحب کا یہ حال تھا کہ بول بول کر ان کا گلا بیٹھ گیا تھا اور ان کے چہرے سے نقاہت اور تھکن کے آثار نمایاں تھے۔ ایک امیدوار کے لیے عملاً ناممکن ہے کہ وہ اپنے حلقے کے ایک ایک حصے تک پہنچ کر ایک ایک ووٹر سے مل سکے۔ پھر یہ انتخابی مہم تو اپنی نوعیت میں قطعی انوکھی تھی۔ انتخابی مہم کے لیے اتنا کم وقت رکھا گیا تھا کہ کسی بھی امیدوار کے لیے اپنے حلقے کے ایک ایک گوشے تک پہنچنا قریب ناممکن تھا۔ پھر یہ الیکشن نارمل قسم کا الیکشن نہ تھا۔ برسہا برس کی دفعہ ۱۴۴ کی گھٹن ٹوٹی تھی۔ لوگ صرف ایک امیدوار کی نہیں بلکہ پوری اپوزیشن کی داستان سننا چاہتے تھے۔ چودھری رحمت الٰہی صاحب کی مانگ صرف اپنے ہی حلقے میں نہیں تھی بلکہ پورے لاہور میں تھی اس کے باوجود چودھری صاحب نے جس قدر محنت کی وہ قابل داد ہے۔ جب بھی دیکھیے چودھری صاحب صبر و سکون سے سب کی باتیں سن رہے ہیں۔ اعتراضات کے جوابات دے رہے ہیں۔ شکایت کرنے والوں کو تسلی، دلاسہ دے رہے ہیں۔ اور یہ انہی کا حوصلہ تھا کہ وہ اتنے دباؤ کو برداشت کر رہے تھے۔ ان کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو ان کی ہمت کب کی جواب دے چکی ہوتی۔

چودھری صاحب غالباً ۶ اور ۷ کی درمیانی شب کو

مشکل ہی سے ہو سکے تھے۔ لیکن ان کے ساتھ ان کے انتخابی حلقے کا نگران عملہ بھی نہیں سوپا گیا تھا۔ چودھری صاحب کے الیکشن ایجنٹ جناب عبدالحمید کھوکھر صاحب تھے اور ان کے ساتھ جناب ملک محمد اسلم صاحب چودھری صاحب کے پورے حلقے کے انتخابی کام کے نگران تھے۔ ان دونوں کی مدد رانا اللہ داد خاں صاحب کر رہے تھے۔ جو چودھری صاحب کے حلقے میں کام کرنے کے علاوہ پورے لاہور شہر کی انتخابی مہم کے انچارج بھی تھے۔

عشاء کی نماز کے بعد اعلان کیا گیا تھا کہ نوافل تہجد اجتماعی طور پر ادا کیے جائیں گے اور قومی اتحاد کی کامیابی کے لیے اللہ کے حضور صدق دل سے دعا کی جائے گی چنانچہ منصورہ کی مسجد میں ۳ بجے صبح ہی صف بندی ہو گئی تھی۔ امام بلند آواز سے قرأت کر رہا تھا اور اس کے پیچھے کوئی آنکھ نہ تھی جو اشکبار نہ ہو۔ نماز کے بعد رو رو کر دعا کی گئی کہ اے اللہ العالمین تیرے عاجز بندے تیرے دین کی سربلندی کے لیے تیری راہ میں نکلے ہیں ان کی لاج تو ہی رکھنے والا ہے۔

نوافل ختم ہوتے ہی بعض ٹولیاں جن کی ڈیوٹیاں دیہاتی پولنگ اسٹیشنوں پر تھیں، رخصت ہو گئیں۔ جو لوگ باقی رہ گئے وہ نماز فجر ادا کرنے کے بعد گئے۔ ان کو ایک ایک تھیلے میں ناشتہ دیا گیا تھا۔ یہ ان کی دن بھر کی خوراک تھی اور ان کو تاکید تھی کہ اپنے پولنگ اسٹیشن سے لمحہ بھر کے لیے بھی ادھر ادھر نہ ہوں۔

دن چڑھے مرکزی دفاتر کے باہر ایک میز اور چند کرسیاں باہر بچھا دی گئیں۔ یہ گویا چودھری صاحب کے حلقہ کا کنٹرول اسٹیشن تھا۔ ہر جگہ سے مختلف ضروریات اور ہدایات حاصل کرنے کے سلسلہ میں ٹیلی فون آ رہے تھے، سب کو رہنمائی مل رہی تھی۔ جب پولنگ شروع ہو گیا تو چودھری صاحب مختلف پولنگ اسٹیشنوں کا دورہ کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔

کارکنوں کو تاکید کر دی گئی تھی کہ پولنگ کے بخیریت شروع ہونے کی اطلاع فوراً کر دی جائے۔ چنانچہ ہر پولنگ اسٹیشن سے اطلاع آ رہی تھی کہ پولنگ ٹھیک ٹھاک شروع ہو گیا ہے۔ لیکن ۹ بجے کے قریب اضطراب انگیز خبریں آنا شروع ہو گئیں۔ پہلے سانگھڑ سے ٹیلیفون آیا کہ سانگھڑ شہر پر غنڈوں نے حملہ کر دیا ہے اور پولنگ کو قریب قریب ناممکن بنا دیا ہے۔ پھر چودھری صاحب کے حلقے سے بھی اسی نوع کی اضطراب انگیز خبریں آنا شروع ہو گئیں۔ نیاز بیگ پولنگ اسٹیشن کے بارے میں معلوم ہوا کہ یہاں طوائفوں کی ایک بس لا کر کھڑی کر دی گئی ہے اور پولیس غیر جانبدار کھڑی ہے۔ پھر کاہنا سے اطلاع آئی کہ وہاں غنڈہ گردی کی کوشش ہو رہی ہے۔ اس کے بعد وحدت کالونی کے پولنگ اسٹیشنوں سے فون آیا کہ شیخ رشید کے غنڈے ووٹروں کو ڈرا دھمکا رہے ہیں اور ایک پولنگ اسٹیشن پر فائرنگ بھی کی گئی ہے۔ ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ چوک یتیم خانہ سے غنڈہ گردی کی خبر آ گئی۔

چودھری صاحب پولنگ اسٹیشنوں کا مسلسل دورہ کر رہے تھے۔ آپ کی آمد کے ساتھ نظم و امن قائم ہو جاتا اور کارکنوں کے حوصلے بلند ہو جاتے۔ ساری غنڈہ گردی کے باوجود یہ منظر بڑا ہی ایمان پرور تھا کہ ووٹر ہر جگہ پرعزم تھے اور ان کی قطاروں سے ہل ہل کی آوازیں آ رہی تھیں اور اس کا اعتراف پیپلز پارٹی کے کارکنوں کی زبان سے بھی ہو گیا کہ شیخ رشید کو ناکامی سے اب معجزہ ہی بچا سکتا ہے۔ پولنگ اسٹیشنوں پر کام کرنے والے کارکنوں کے اندازے کے مطابق چودھری صاحب اللہ کے فضل و کرم سے قطعی جیتے ہوئے تھے تین بجے تک کے اندازے کے مطابق چودھری صاحب کم از کم بیس ہزار ووٹوں سے سبقت لے رہے تھے۔

لیکن پھر تین بجے کے بعد غنڈہ گردی اور دہشت و تشدد کا دور شروع ہوا۔ گویا حریف اپنی شکست دیکھ کر اوچھے ہتھیاروں پر اتر آیا تھا۔ یہی شخص کے پولنگ اسٹیشنوں پر شیخ رشید خود پہنچ گیا اور اس نے اپنے غنڈوں کو بٹھا لیکن قومی اتحاد کے کارکن کرائے کے نہیں تھے وہ ایک مقصد کے لیے لڑ رہے تھے۔ انہوں نے دو منٹوں میں

غنڈوں کا منہ پھیر دیا اور لوگ ان جاں نثار مجاہدوں کی جرأت و ہمت دیکھ کر بے اختیار داد دے اٹھے۔ لیکن جب تک پولنگ اسٹیشن پر امن قائم ہوتا پولنگ کا وقت گذر چکا تھا۔

۴ بجے کے بعد مرکز کے کارکن ٹیلی فون پر کاغذ پنسل لے کر بیٹھ گئے۔ پی اینڈ ٹی کالونی سے پہلی اطلاع آئی۔ چودھری صاحب ایک ہزار ووٹوں سے جیت گئے تھے — دوسری اطلاع وحدت کالونی سے آئی۔ چودھری صاحب کے شیخ رشید سے آٹھ سو ووٹ زیادہ تھے۔ لیکن پھر یہ فرق بتدریج کم ہونے لگا۔ یہاں تک کہ شیخ رشید کے ووٹوں میں اضافہ شروع ہو گیا۔ صاف دکھائی دے رہا تھا کہ کوئی گھپلا کیا جا رہا ہے۔ پی کمیٹی کے کارکن قسم کھا کر کہتے تھے کہ چودھری صاحب کے قریب دو ہزار ووٹ زیادہ ہیں۔ لیکن اس کا انتخابی نتیجہ دینے سے گریز کیا جا رہا تھا۔ خواتین کے اکثر و بیشتر پولنگ اسٹیشنوں سے گنتی وصول نہیں ہو رہی تھی، یہاں تک کہ شام کی سیاہی گہری ہونے لگی۔ اس پر مرکز میں اضطراب پیدا ہوا اور امیر جماعت میاں صاحب نے حکم دیا کہ گنتی ہو نہ ہو خواتین کارکنوں کو واپس بلا لیا جائے۔ خواتین کے ایک پولنگ سٹیشن پر دروازے رات ساڑھے دس تک بند رہے درانحالیکہ اس پولنگ اسٹیشن پر پندرہ سو سے زائد ووٹ نہ تھے۔ کارکن خواتین نے آکر بتایا کہ پریزائڈنگ افسر بلا وجہ تاخیر کر رہی تھی۔ اس کا منشا غالباً یہ تھا کہ یہ لڑکیاں تنگ آکر چلی جائیں گی تو اس کے بعد گنتی حسب منشا رگڑ بڑ کر لی جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

۵ بجے تک لاہور کے دوسرے حلقوں سے بھی اسی نوع کی اطلاعات آنا شروع ہو گئیں۔ مولانا عبید اللہ انور صاحب کے ایک پولنگ اسٹیشن سے بیلٹ بکس اٹھا لیے گئے۔ اسی طرح ملک قاسم صاحب کے ایک پولنگ اسٹیشن پر بھی سخت غنڈہ گردی کی گئی۔ پورے لاہور میں خواتین کے پولنگ اسٹیشنوں پر جعلی ووٹوں کی شکایت یکساں تھی۔ لیکن سب جگہ یہ اندازہ تھا کہ جعل سازی گنتی ہی کر لی جائے۔ کامیابی پھر بھی ہل ہی کی ہے، یہ اندازہ بالکل صحیح تھا۔ اس لیے کہ دوسرے روز بعض پولنگ سٹیشنوں کے باہر ہل پر نشان زدہ ووٹ پھٹے ہوئے پائے گئے۔

دھاندلی کی اطلاعات عوام تک پہونچ رہی تھیں اور وہ خود بھی اس کا مشاہدہ کر رہے تھے، اس لیے وہ مضطرب تھے۔

یہ اضطراب کا عالم شام تک جاری رہا لیکن جب گنتی ہوئی تو تاریخ کی ان عظیم الشان دھاندلیوں کے باوجود ہل کا پلڑا بھاری تھا۔ لیکن اس کا حل یہ کیا گیا کہ ٹی۔ وی اور ریڈیو پر جو نتائج سنائے گئے ان میں ہر جگہ ہل کو ہارتا ہوا اور تلوار کو جیتتا ہوا بتایا گیا۔ یہ نتائج کہاں مرتب ہوئے؟ کس نے کیے۔ الیکشن کمیشن جانتے یا مسٹر بھٹو جانیں۔ لیکن عوام نے یہ بات اسی وقت ہی جان لی تھی جب گھبرائے ہوئے لہجے میں پریشان پریشان اناؤنسر نے "۵۵" پولنگ اسٹیشنوں میں سے آٹھ پولنگ سٹیشنوں کے جزوی نتیجے سنانے شروع کیے تھے۔ ایک شخص سے دوسرے شخص نے کہا "کیا انتخابات میں دھاندلیاں نہیں ہوئیں"؟ اس نے جواب دیا "نہیں"؛ "آج جو کچھ ہوا ہے اس کے لیے کوئی نیا لفظ بنانا پڑے گا"
یہ جملہ انتخابات پر ایک جامع تبصرہ تھا

رات تک ملک کے مختلف علاقوں سے ٹیلی فون کے ذریعے جو اطلاعات لاہور میں پہنچیں وہ اگلے دو تین روز میں ملک بھر کے عوام کو بھی معلوم ہو گئیں۔ لیکن یہ واقعات پاکستان کو دنیا بھر میں بدنام کرنے کے لیے کافی نہیں بے پناہ انسانی جانوں کا ضیاع نہ جانے کتنوں کو زخمی کیا گیا تھا اتحاد کے امیدواروں تک کو نہیں بخشا گیا۔ جس طرح دھاندلیوں کی روایت کو آخری حدوں تک پہنچا دیا گیا اور پھر اس کے بعد ٹیلی ویژن پر جو کچھ نتائج نشر کیے گئے ان کے بعد کون یہ تسلیم کر سکتا ہے کہ یہ الیکشن تھے؟

لاہور میں سات بجے تک کافی صورت حال کا علم ہو چکا تھا۔ یکایک شہر کی روشنیاں مدھم ہوتی محسوس ہوئیں

لوگ اپنے گھروں میں دبک کر بیٹھ گئے جیسے شہر میں کسی نادیدہ اور وحشت ناک بلا کا قبضہ ہو گیا ہے۔ لوگ حیران و پریشان تھے کہ یہ کیا ہو گیا۔ ایک آدمی نے جیسے کھوئے ہوئے عالم میں خود سے ہی کہا:-

"میں اس خوفناک مذاق کا ابھی تک ادراک نہیں کر سکا ہوں!"

نمائندہ ایشیا ۸ بجے شب بیش محل روڈ، دربار داتا صاحب کے اس چوک میں آیا جو ۱۲ بجے شب تک بھی دن کا نمونہ پیش کرتا ہے۔ وہاں سے بھاٹی لوہاری، شاہ عالمی اور نسبت روڈ سے ہوتا ہوا رائل پارک، میکلوڈ روڈ پہنچا۔ اس سارے راستہ میں کسی جگہ بھی کوئی رونق نظر نہیں آئی۔ ایک انجانی سی اداسی اور غمی فضا میں چھائی ہوئی تھی۔

نماز عشاء کے کافی بعد ایشیا کا نمائندہ کارکنان جماعت کو منصورہ میں مرکزی دفاتر کے باہر گروہوں کی شکل میں کھڑے، بیٹھے اور ٹہلتے چھوڑ آیا تھا۔ اس وقت رات کے دس بجے تھے اور منصورہ کے باہر ہوٹل گاہکوں سے خالی ہو چکے تھے۔ ایک ہوٹل پر ریڈیو چل رہا تھا اور دن بھر کے انتخابی نتائج نشر ہو رہے تھے۔ ایک شخص جو ہوٹل کے باہر چارپائی پر بیٹھا چائے پی رہا تھا اٹھا اور اس نے ریڈیو بند کر دیا۔ پھر اس نے تھوک پھینکتے ہوئے کہا۔ ہم ان خبروں پر یقین کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

۷۰ء کے انتخابات کے ختم ہوتے ہی لوگ بڑے شوق سے ٹیلیویژن اور ریڈیو کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ ووٹر اپنے ووٹ کے استعمال کے نتیجہ میں اعلانات پر پوری طرح سے مطمئن تھے۔ ہار جیت اللہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ لیکن ووٹر مطمئن تھا کہ اس کا ووٹ ضائع نہیں ہوا تھا۔ لیکن اب تو کیفیت ہی دوسری تھی۔ ووٹر قطعاً غیر مطمئن تھا۔ اس کا ووٹ ایک طرف گیا تھا لیکن نتیجہ دوسری طرف کا سنایا جا رہا تھا۔ اس سے فضا میں انتہائی مایوسی پھیل گئی تھی۔ اچھرہ موڑ کی چند دکانوں پر بڑے بڑے قمقمے جل رہے تھے۔ ایک دکان پر ریڈیو کھلا ہوا تھا لیکن یہاں گانے لگے ہوئے تھے۔ یہاں بھی ماحول بے رونق تھا۔

اچھرہ سے آگے چوک زلطبہ بھی گئی رات تک گھما گھمی کا مرکز رہتا ہے۔ ایک طرف پان سگریٹ کی دکانیں ہیں۔ اس سے بائیں جانب جیل روڈ پر تکہ کباب کی دکانوں کی قطار ہے جہاں چولھوں پر سلاخوں کی چھنا چھن نصف شب کے بعد تک بھی جاری رہتی ہے۔ آج نہ سگریٹ پان کی دکانوں پر ہجوم تھا نہ تکہ شاپوں پر کوئی رونق تھی۔

میں اپنے محلے میں آیا تو یہاں بھی سناٹا سا چھایا ہوا تھا۔ گویا عوام تھک ٹوٹ اور مایوس ہو کر اپنے بستروں میں دبک چکے تھے۔ فضا میں مایوسی کی یہ کیفیت یا تو ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو دیکھنے میں آئی تھی یا اب تھی۔ اگرچہ یہ کیفیت شدت میں اس قدر نہ تھی۔ لیکن مایوسی کی فضا اس دن سے بہت مشابہت ضرور رکھتی تھی۔

بے پناہ سیاسی شعور کا ثبوت

۸ مارچ کی صبح کو منصورہ کے باہر کارکنان جماعت کے ٹھٹھ لگے ہوئے تھے۔ کارکن سائیکلوں، موٹر کاروں، ٹیکسیوں اور رکشاؤں پر چلے آ رہے تھے۔ وہ یہ معلوم کرنے کے لیے مضطرب تھے کہ کیا ان کی محنت رائیگاں گئی اور ووٹروں کے ووٹ کیا ہوئے۔ کچھ لوگ چوہدری رحمت الٰہی صاحب کے علاقے کے دیہات سے آئے ہوئے تھے۔ پریشان اور گم سم کھڑے تھے۔ ابھی زیادہ دیر نہیں گذری ہو گی کہ شہر کے کارکنوں کا ایک پرجوش ہجوم آیا۔ وہ یہاں پہنچے ہی تھے کہ چودھری رحمت الٰہی صاحب بھی اپنے دفتر سے باہر تشریف لے آئے۔ تمام کارکن ان کے گرد گھیرا ڈال کر کھڑے ہو گئے۔ ان میں ایک نوجوان نے کہا چودھری صاحب ہم نتائج کو ہرگز قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ یہ نتائج حقیقی نہیں جعلی ہیں۔

دوسرے نے کہا ہمارا مطالبہ ہے کہ صوبائی انتخاب کا

بائیکاٹ کیا جائے۔

تیسرے نے کہا۔ ہم منتخب ارکان مرکزی اسمبلی سے بھی مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنی رکنیت ترک کر دیں۔

یہ نوجوانوں کے حقیقی جذبات تھے اور ان کو صحیح معنوں میں وہی سمجھ سکتا تھا جس نے ان کو انتخابی مہم کے دوران میں جان توڑ کر کام کرتے دیکھا تھا۔ وہ پولنگ کے دن کبھی ایک لمحہ کے لیے سستانے کے لیے نہیں رکے تھے۔ انھوں نے اپنی آنکھوں سے پولنگ اسٹیشنوں کے باہر ہل کے حامیوں کی لمبی لمبی قطاروں کو دیکھا تھا۔ ان پڑھ عورتیں تک ہل ہل پکار رہی تھیں۔ پھر انھوں نے ان غنڈوں کا بھی مقابلہ کیا تھا جو ووٹروں کی لائن میں ہل کی فضا دیکھ کر انھیں دہشت زدہ کرنے کے لیے آئے تھے۔ کوئی غنڈہ ان نوجوانوں کے مقابلہ میں نہیں ٹک سکا تھا۔ پھر یہ کیا ہوا کہ نتیجہ کچھ اور ہی برآمد ہو گیا یہی معمہ ان کے اندر اضطراب کی کیفیت پیدا کر رہا تھا۔

گیارہ بجے قبل دوپہر کے قریب قومی اتحاد کے مرکزی دفتر میں لاہور کے تمام امیدواران قومی وصوبائی اسمبلی جمع ہوئے تاکہ بپھرے ہوئے کارکنوں اور عوام کو مطمئن کرنے کی راہ سوچی جائے، ملک بھر میں پھیلے ہوئے مرکزی لیڈروں سے رابطہ کیا گیا اور طے پایا کہ وہ آج رات تک لاہور پہونچ جائیں گے۔

چونکہ لاہور میں مرکزی رہنماؤں میں سے صرف میاں طفیل محمد صاحب ہی لاہور میں موجود تھے۔ اس لیے یہ تجویز کیا گیا کہ جب تک دوسرے رہنما جمع ہوں میاں صاحب فوری طور پر ایک پریس کانفرنس کے ذریعے موجودہ صورت حال پر کچھ تبصرہ فرما دیں تاکہ عوام کو یہ معلوم ہو جائے کہ مرکزی رہنما ان کے جذبات سے غافل ولاعلم نہیں ہیں۔ چنانچہ مرکز جماعت کی جانب سے پریس کو دعوت نامہ جاری کر دیا گیا کہ امیر جماعت $3\frac{1}{2}$ بجے دوپہر قومی اتحاد کے مرکزی دفتر واقع ڈیوس روڈ لاہور میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب فرمائیں گے۔

$3\frac{1}{2}$ بجے دوپہر کو قومی اتحاد کے مرکزی دفتر میں مضطرب کارکنوں کا میلہ لگا ہوا تھا۔ دفتر کے وسیع چمن میں لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگے ہوئے تھے۔ کمروں کے اندر جگہ جگہ کارکنوں کی ٹولیاں تبصروں میں محو تھیں۔ کوئی جگہ نہیں تھی جہاں سکون سے پریس کانفرنس ہو سکتی۔ اسلیے پریس کانفرنس کی جگہ تبدیل کرکے لارڈز ہوٹل منتقل کر دی گئی

امیر جماعت کی پریس کانفرنس

لارڈز ہوٹل میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے میاں صاحب نے تفصیل کے ساتھ بتایا کہ جس انتخابی نتیجے کو سنکر ساری قوم مبہوت ہو گئی ہے وہ حقیقت میں عدیم النظیر دھاندلی کا نتیجہ ہے۔ امیر جماعت نے فرمایا کہ قومی اسمبلی کے انتخابات میں وسیع پیمانے پر دھاندلی کی گئی ہے، اور عورتوں کے پولنگ میں بالخصوص جس بد دیانتی کا ارتکاب کیا گیا ہے اس کی مثال نہیں ملتی آپ نے انکشاف کیا کہ:۔

۱۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے جن نتائج کا اعلان کیا گیا ہے ان کا پولنگ اسٹیشنوں پر ہونے والی گنتی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۲۔ یہ نتائج حکومت کے مرکزی سیل نے پہلے ہی سے تیار کر رکھے تھے۔ حکومت کا یہ مرکزی الیکشن سیل ایک مدت سے حیات محمد شن (سابق وزیر مغربی پاکستان) کی زیر نگرانی قائم ہے۔

۳۔ تمام ڈپٹی کمشنروں کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ اپنے اضلاع سے پیپلز پارٹی کے کم از کم تین امیدوار ضرور منتخب کروائیں۔ اور اس غرض کے لیے انھیں یہ حربہ استعمال کرنے کی پوری آزادی دیدی گئی تھی۔

۴۔ انتخابات میں انتظامیہ کا جو عملہ مقرر کیا گیا تھا وہ خوب چھانٹ کر منتخب کیا گیا تھا۔ یہ تمام تر حکمران پارٹی کے وفاداروں پر مشتمل تھا۔

۵۔ اس سلسلے میں الیکشن کے ضوابط کو بھی قطعی نظر انداز کر دیا گیا یعنی کئی مقامات پر پی۔ پی بھی استانیاں

[illegible] تھیں۔

میاں صاحب نے چودھری رحمت الٰہی صاحب کے حلقہ میں تشدد کی تفصیل بیان کرتے ہوئے بتایا کہ لاہور میں پائلٹ ہائی اسکول کے پولنگ اسٹیشن پر وفاقی وزیر رشید کے دو لڑکوں کی قیادت میں فائرنگ کی گئی۔ ہمارے کارکنوں نے ان سے پستول چھین کر پولیس کے حوالے کیا مگر کوئی کارروائی نہیں کی گئی اور یہ افراد کھلم کھلا تشدد اور دھاندلی کرتے رہے۔ پھر امیر جماعت نے پریس کو وہ تمام تار دکھائے جو مختلف مقامات سے قومی اتحاد کو موصول ہوئے تھے۔ امیر جماعت نے فرمایا۔ حکمران پارٹی نے اکثر مقامات پر تشدد سے کام لے کر خوف وہراس کو پھیلایا ہے تاکہ ووٹر ووٹ دینے کے لیے آئیں ہی نہیں، اور اگر آئیں تو وہ پیپلز پارٹی کے حق میں رائے دینے پر مجبور رہوں۔ ملک کے بعض مقامات پر حکمران پارٹی کے غنڈوں نے اعلانیہ فائرنگ کی جس سے متعدد کارکن زخمی ہو گئے ہیں اور ایک آدھ مقام سے ہلاکت کی خبر بھی آئی ہے۔ خواتین کے پولنگ اسٹیشنوں پر بالخصوص تشدد اور دھاندلی سے کھلم کھلا کام لیا گیا۔ حتیٰ کہ پیپلز پارٹی کی خواتین پولنگ ایجنٹ بھی پستولوں اور خنجروں سے آراستہ تھیں۔

آپ نے مزید بتایا کہ صوبہ سندھ کے جن حلقوں سے پیپلز پارٹی کے امیدوار بلا مقابلہ کامیاب ہو گئے ہیں ان سے ہزاروں کی تعداد میں افراد مختلف علاقوں کو دہشت پھیلانے اور جعلی ووٹ ڈالنے کے لیے بھیجدیے گئے۔ ایک اطلاع کے مطابق کم از کم بیس ہزار افراد اس غرض کے لیے سندھ میں مختلف علاقوں میں بھیجے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ قومی اتحاد کو نواب شاہ، شکارپور، سکھر اور میرپور میں انتخابات کا بائیکاٹ کرنا پڑا۔

میاں صاحب نے فرمایا کہ بعض مقامات سے بیلٹ بکس توڑے اور بدلے جانے کی خبریں بھی موصول ہوئی ہیں۔ جام پور (چودھری رفیق احمد باجوہ کے حلقہ) میں ریٹرننگ آفیسر بیلٹ بکس اٹھا کر لے گیا اور تین بجے بعد دوپہر واپس لایا۔ چودھری ظہور الٰہی کے حلقے کے تمام بیلٹ بکس اٹھا لیے گئے۔ اسی طرح پتوکی کے حلقے سے بھی ایسی ہی اطلاع ملی ہے۔ مولانا عبید اللہ انور صاحب کے حلقے سے بھی بیلٹ بکس کے اٹھائے جانے کی خبر ہے۔

آپ نے مزید بتایا کہ بعض مقامات پر پولنگ کا عملہ سرے سے موجود ہی نہیں تھا۔ سرگودھا کے حلقہ سلانوالی میں پانچ پولنگ اسٹیشن ایسے تھے جہاں عملہ سرے سے موجود ہی نہیں تھا۔ چار حلقے ایسے بھی تھے جہاں پولنگ کا عملہ ساڑھے تین بجے بعد دوپہر پہنچا۔

پھر میاں صاحب نے فرمایا:-

"میں پوری ذمہ داری سے کہتا ہوں کہ ۷، ۸ مارچ کی درمیانی شب کو گورنمنٹ پریس میں بیلٹ پیپر دوبارہ شائع کیے گئے۔ تاکہ جہاں پیپلز پارٹی کے ووٹ کم ہوں وہاں انھیں نشان زد کر کے دوبارہ شامل کر دیا جائے۔ وقت آنے پر ہم ان بیلٹ پیپر شائع کرنے والوں اور تقسیم کنندگان کے نام بھی بتا دیں گے۔

میاں صاحب نے مزید بتایا کہ:-

قصور کے ایک حلقہ کے پریذائڈنگ افسر نے تحریری طور پر الیکشن کمشنر سے شکایت کی ہے کہ مسٹر یعقوب مان اور اس کے ساتھی بیلٹ پیپر اور دیگر سامان چرا کر لے گئے ہیں اور ہزاروں ووٹوں پر مہریں لگا کر انھیں تقسیم کر دیا گیا ہے اسی طرح نارووال میں ووٹوں کی گنتی رات سات بجے ختم ہوئی لیکن ریڈیو اور ٹی۔ وی پر پانچ بجے ہی گنتی کا اعلان کر دیا گیا۔ میانوالی میں مولانا عبدالستار نیازی صاحب کے دونوں حلقوں میں دن بھر فائرنگ ہوتی رہی اور پولنگ نہ ہو سکا۔ یہی کیفیت لائلپور کے بعض حلقوں اور شیخوپورہ میں بھی تھی۔ چودھری محمد حسین چٹھہ صاحب کے حلقے میں فائرنگ سے دو افراد ہلاک اور چھ زخمی ہو گئے ہیں۔ سانگھڑ میں ہمارے امیدوار حکیم بخش تنظامانی صاحب کو جو نتیجہ سرکاری طور پر دیا گیا ہے اس کے مطابق وہ کامیاب ہیں لیکن ریڈیو اور ٹی۔ وی پر جو اعلان کیا گیا اس میں پیپلز پارٹی

کے امیدوار کو کامیاب قرار دیا گیا۔

آخر میں میاں صاحب نے بتایا کہ وہ عنقریب اس الیکشن کے بارے میں قرطاس ابیض شائع کر رہے ہیں جس میں بتمام دھاندلیوں کی پوری تفصیل مع شواہد کے دی جائے گی۔

مرکزی رہنماؤں کی میٹنگ

نماز مغرب تک اکثر مرکزی رہنما لاہور پہنچ چکے تھے رات کے اجلاس کی خبر شہر میں پھیل چکی تھی اس لیے لوگ جوق در جوق قومی اتحاد کے مرکزی دفتر میں پہنچنا شروع ہو گئے تھے۔ رات نو بجے تک قومی اتحاد کے دفتر میں تِل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ قریب ڈھائی تین ہزار افراد جمن دفتر میں جمع ہو چکے تھے۔ اس ہجوم میں صرف لاہور ہی کے نہیں بلکہ قریبی شہروں کے کارکن بھی شامل تھے۔ ساڑھے نو بجے کے قریب مرکزی رہنماؤں کی آمد شروع ہو گئی۔ اس اجلاس میں شریک ہونے والے مرکزی رہنماؤں میں میاں طفیل محمد صاحب۔ ائیر مارشل (ریٹائرڈ) اصغر خاں۔ بیگم نسیم ولی خاں۔ مولانا شاہ احمد نورانی۔ سردار شیرباز مزاری اور ملک محمد قاسم شامل تھے۔ مفتی محمود صاحب جہاز نہ ملنے کی وجہ سے تشریف نہ لا سکے تھے۔ کسی رہنما کی کار جونہی احاطۂ دفتر میں داخل ہوتی فلک شگاف نعرے بلند ہوتے۔ مرکزی رہنماؤں کا اجلاس نصف شب کے بعد تک جاری رہا۔ لیکن جب تک اجلاس جاری رہا کارکنوں کا ہجوم بھی رکا رہا۔ وہ مرکزی رہنماؤں کا فیصلہ سنے بغیر ٹلنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ پریس بھی ہمہ تن انتظار تھا۔ بالآخر وہ قرارداد پڑھ کر سنائی گئی جس میں مندرجہ ذیل فیصلے تھے۔

۱۔ صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کا بائیکاٹ۔

۲۔ قومی اسمبلی کی حاصل شدہ نشستیں ترک کرنے کا فیصلہ۔

۳۔ ۱۱ مارچ کو بطور احتجاج ملک گیر ہڑتال کا فیصلہ

مزید بتایا گیا کہ مرکزی رہنما ۱۱ مارچ کی شب کو پھر جمع ہو کر آئندہ لائحہ عمل کے بارے میں فیصلہ کریں گے۔

کارکنوں کے رہنماؤں کے ان فیصلوں پر مکمل اطمینان کا اظہار کیا۔ ہر فیصلہ پر تحسین کے نعرے بلند ہوتے تھے بعض کارکن یہ سمجھنا چاہتے تھے کہ حاصل شدہ نشستیں کیوں ترک کی جا رہی ہیں۔ تو انھیں بتایا گیا کہ جب آپ صوبائی انتخابات کا بائیکاٹ کر کے اس عمل پر عدم اعتماد کا اظہار کر رہے ہیں تو اس کا منطقی تقاضا ہے کہ آپ قومی اسمبلی کے انتخابات کو بھی تسلیم نہ کریں۔ جب ایک مرتبہ یہ حقیقت واضح ہو گئی ہے کہ یہ پورا انتخابی عمل شدید بددیانتی کا شاہکار ہے تو پھر اس کے کسی جزو کو کیسے قبول کیا جا سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قومی اتحاد کی مرکزی قیادت نے اپنے فیصلوں سے دلوں میں اطمینان کی کیفیت طاری کر دی تھی۔ کارکنوں کی مایوسی امید کی نئی کرن سے جگمگا اٹھی۔ کارکنوں کے حوصلے بلند ہو گئے اور وہ اپنی منزل تک پہنچنے کے عزم سے پھر سرشار ہو گئے۔

۹ مارچ

تاریخ ساز فیصلے اور امید کی کرنیں

مرکزی رہنماؤں کا اجلاس ۹ مارچ کی صبح کو ۱۰ بجے کے قریب شروع ہوا اور ایک بجے دوپہر تک جاری رہا۔ اس اجلاس کے ختم پر وہ تمام فیصلے قراردادوں کی شکل میں پریس کو دیدیے گئے جو کل رات (۸ مارچ کی شب) اور آج صبح کیے گئے تھے اس اجلاس میں امیر جماعت کے علاوہ قیم جماعت چودھری رحمت الٰہی صاحب بھی شامل تھے۔

صوبائی اسمبلیوں کے انتخاب کے بائیکاٹ اور ہڑتال کے فیصلے کے علاوہ ایک اور قرارداد کے ذریعے چیف الیکشن کمشنر سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ مستعفی ہو جائیں۔ قرارداد کے مطابق چیف الیکشن کمشنر ملک میں منصفانہ اور آزادانہ انتخابات کرانے میں

قطعی ناکام رہے تھے، اس لیے ان کے لیے مناسب تھا کہ اپنے منصب سے مستعفی ہو جائیں۔

قومی اتحاد کے فیصلوں کا ملک بھر کے ذہین اور باشعور طبقے پر گہرا اثر ہوا۔ ۹ مارچ کو ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن نے بھی ایک ہنگامی اجلاس کرکے قومی اتحاد کے قومی فیصلوں کی توثیق و تائید کر دی۔ ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن نے اپنی متفقہ قرارداد میں صاف کہا تھا کہ

۱۔ ۷ مارچ کو قومی اسمبلی کے انتخابات میں ناقابل تصور دھاندلی اور تشدد سے کام لیا گیا ہے۔ اس لیے یہ انتخابات کسی طور بھی منصفانہ اور آزادانہ قرار نہیں دیے جا سکتے۔

۲۔ چیف الیکشن کمشنر سجاد احمد جان فوراً استعفیٰ دیدیں کیونکہ وہ اپنا فرض دستور کی دفعہ ۲۱۸ کے تحت منصفانہ انتخابات کرانے سے قاصر رہے ہیں۔

دستور کی دفعہ ۲۱۸ میں کہا گیا ہے کہ الیکشن کمیشن کا فرض ہوگا کہ وہ انتخابات کے لیے ایسے انتظامات کرے کہ انتخابات دیانتدارانہ، منصفانہ، آزادانہ اور قانون کے مطابق ہوں اور ان کو دھاندلی سے بچایا جائے۔

اس اجلاس میں یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ وکلاء بھی ۱۱ مارچ کو ہڑتال کریں گے اور عدالتوں میں حاضر نہیں ہوں گے۔

مرکز جماعت میں ملک کے تمام حصوں سے لوگ چلے آ رہے تھے۔ بیرون ملک سے بھی ٹیلی فون آ رہے تھے۔ بیرون ملک مقیم پاکستانی انتخابات کے نتائج کے بارے میں سخت مضطرب تھے۔ ایک ٹیلی فون امریکہ سے آیا۔ چودھری اسلم سلیمی صاحب نائب قیم جماعت نے بتایا کہ جب انہیں انتخابی نتائج کے بارے میں بتایا گیا تو انہوں نے آہ سرد کھینچی۔

لیکن یہ امر قابل دید تھا کہ کسی کارکن کا حوصلہ پست نہیں تھا بلکہ ہر شخص کسی اقدام کا مطالبہ کر رہا تھا۔ ایک کارکن نے نمائندہ ایشیا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا۔ میں جب گھر سے چلا تھا تو میری طبیعت سخت بوجھل تھی۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا گویا رات کی سیاہی ہر طرف پھیلی ہوئی ہے لیکن جونہی میں مرکز جماعت میں داخل ہوا اور میں نے ہر طرف بلند حوصلہ اور مسکراتے ہوئے چہرے دیکھے تو میں نے کہا۔ ان چہروں کی موجودگی میں مایوسی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

انتخابی نتائج ہمارے لیے قابل قبول نہیں ہیں

آج صوبائی انتخابات کا دن ہے۔ لیکن لاہور شہر یوں محسوس ہوتا ہے گویا یہاں کوئی خاص واقعہ نہیں ہوا۔ لوگ اپنے معمول کے مطابق کاروبار میں مشغول ہیں اور ۷ مارچ والی گہما گہمی کہیں بھی دیکھنے میں نہیں آئی ہے۔ البتہ ایک فرق نمایاں ہے وہ یہ کہ رینجرز اور فوج کے ٹرک بعض اہم سڑکوں پر گشت کر رہے ہیں۔ گویا شہر میں کشیدگی کی فضا پائی جاتی ہے۔ حالانکہ ایسی کوئی بات سرے سے موجود ہی نہیں۔

عوام نے قومی اتحاد کی اپیل پر جس طرح لبیک کہی تھی وہ حیرت انگیز تھی۔

مارکیٹ ایسوسی ایشنوں نے انتخابات سے قبل فیصلہ کیا تھا کہ بازار ۷ اور ۱۰ مارچ کو بند رہیں۔ لیکن ۷ مارچ کے بعد وہ خود بھی اس فیصلے پر متذبذب ہو گئے تھے۔ کسی کو انتخابات میں کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ قومی اتحاد نے ان کے دلی خیالات کی ترجمانی کر دی تھی۔ اس لیے انہوں نے فیصلہ کیا کہ مارکیٹیں ۱۰ مارچ کی بجائے قومی اتحاد کی اپیل کے مطابق ۱۱ مارچ کو بند رہیں گی۔ چنانچہ ۱۰ مارچ کو شہر کی اکثر و بیشتر دکانیں کھلی تھیں۔ اگرچہ ایک حصہ پرانے فیصلے کے مطابق بند بھی تھا۔

قومی اتحاد کی ۱۱ مارچ کو ہڑتال کی اپیل نے پیپلز پارٹی کو سراسیمہ کر دیا۔ لیکن پیپلز پارٹی اب کسی تنظیم کا نہیں چند غنڈوں کا نام رہ گئی ہے۔ ان کو اوپر سے ہدایت پہنچی ہوگی کہ مارکیٹوں کو ۱۰ مارچ کو بند کرنے اور ۱۱ مارچ کو کھلوانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ چنانچہ جو دکانیں ۱۰ مارچ کو کھلی تھیں ان کے سامنے غنڈہ گردی کے مظاہرے کیے گئے، تاکہ

تاکہ وہ دس کو نو اور گیارہ کو کمیں۔ لیکن عوام میں پیپلز پارٹی کی حرکتوں کے خلاف اس قدر نفرت پھیل چکی ہے کہ جہاں بھی غنڈہ گردی کی کوشش ہوئی لوگ اچانک جمع ہو کر اس کو ناکام بنانے کے لیے پل پڑے۔ عوام کا یہ ردِ عمل حیرت انگیز تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا گویا عوام ایک احساس اور جذبے کے تحت ایک مشین کی طرح کام کر رہے تھے۔

نمائندہ ایشیا صوبائی انتخابات کے مناظر دیکھنے کے لیے گھر سے نکلا تو اسے بعض مقامات پر پولنگ اسٹیشنوں کے تعین میں بھی دھوکہ ہوا۔ ۷ مارچ کو ایک پولنگ اسٹیشن کا دور ہی سے اندازہ ہو جاتا تھا۔ لوگوں کے ہجوم اس کی خود ہی نشاندہی کر دیتے تھے۔ لیکن آج تو تمام پولنگ اسٹیشن سنسان پڑے تھے۔ ایمپریس روڈ پر ایک پولنگ اسٹیشن کا عملہ دو مائکل بردار سپاہیوں کی موجودگی سے ہوا۔ جھانک کر دیکھا تو پولنگ اسٹیشن کا برآمدہ بھائیں بھائیں کر رہا تھا حالانکہ پولنگ کو شروع ہوئے دو گھنٹے گزر چکے تھے۔ نسبت روڈ پر پیپلز پارٹی کا ایک کیمپ لگا ہوا تھا جس میں صرف دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی طرح مزنگ کے ایک کیمپ میں بھی تین آدمیوں سے زیادہ کوئی نہ بیٹھا تھا۔ محتاط اندازے کے مطابق کسی بھی پولنگ اسٹیشن پر پچاس یا سو سے زیادہ افراد نہیں پہنچے ہوں گے۔ ایک صاحب نے تو جرأت کر کے ایک پیپلز پارٹی کے کارکن سے پوچھ لیا کہ یہاں تمہارے جو ووٹر ۷ مارچ کو تھے وہ آج کہاں ہیں؟ اس کے پاس کوئی جواب ہوتا تو دیتا۔ یہ مایوس کن صورت حال دیکھ کر پیپلز پارٹی نے کچھ بسیں بھیج کر غالباً کچھ فیکٹریوں سے مزدور منگوائے۔ لیکن وہ مزدور بھی کتنے ووٹ بھگتا سکے ہوں گے۔ لاہور کا ہر شہری اس ڈرامے کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ شام کو جب ریڈیو سے نتائج سنائے جانے شروع ہوئے تو ایک ہوٹل میں ہنسی سے بے حال ہو گئے۔ ریڈیو پر بتایا جا رہا تھا کہ فلاں مقام سے پی پی کے فلاں امیدوار کو ۲۵ ہزار سے زائد ووٹ ملے حالانکہ ان کے حلقے میں ۱۰ ۳ آدمی بھی ووٹ دینے کے لیے نہیں آئے تھے۔ نہیں معلوم اتنا ؤنسروں کا کیا حال ہوگا

جھوٹ بیان کرتے ہوئے ایک آدمی پر جو کیفیت طاری ہوتی ہے وہ اس سے یقیناً مستثنیٰ نہیں ہوں گے۔

پروفیسر غفور صاحب بھی آج کراچی سے تشریف لائے تھے۔ آپ کی پریس سے ملاقات کا وقت ۱/۲ ۱ بجے بعد دوپہر مقرر تھا۔ آپ نے پرہجوم پریس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ قومی اسمبلی کے انتخابات میں ملک گیر پیمانے پر اس قدر دھاندلی کی گئی ہے اور جعلی نتائج مرتب کیے گئے ہیں کہ ان کو تسلیم کیا جا سکتا۔ اس حیثیت سے قومی اسمبلی کی آئینی حیثیت مشتبہ ہو گئی ہے۔ اس لیے ہمارے لیے ممکن نہیں کہ اس کی رکنیت اختیار کریں۔

پروفیسر صاحب نے کہا۔ حکمران طبقے نے اس وسیع پیمانے پر دھاندلی کر کے ایسی بے ایمانی کی ہے جس کی مثال نہیں ملتی اور اس طرح قوم کو ایک شدید بحران سے دوچار کر دیا ہے۔ قومی اسمبلی کے موجودہ انتخابات میں وہی تصویر ملتی ہے جو آزاد کشمیر کے انتخابات میں دیکھی گئی تھی۔ الیکشن کمیشن کی آئینی ذمہ داری تھی کہ وہ آزادانہ و منصفانہ انتخابات کراتا لیکن حالیہ انتخابات نے ثابت کر دیا ہے کہ الیکشن کمیشن بھی ایک زنبیل بن کر رہ گیا ہے۔

پروفیسر صاحب نے بتایا کہ انھوں نے انتخابات سے قبل چیف الیکشن کمشنر سے ملاقات کر کے انھیں ایسے بیلٹ پیپر دکھائے تھے جو سیکورٹی پرنٹنگ پریس سے قبل از وقت چرا لیے گئے تھے۔ چیف الیکشن کمشنر نے انھیں یقین دہانی کرائی تھی کہ بیلٹ پیپر کی پشت پر لگا ہوا سیریل نمبر خفیہ ہے اس لیے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن یقین دہانی کا کوئی مثبت نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ پروفیسر صاحب نے انکشاف کیا کہ ان کے پاس کراچی سے پیپلز پارٹی کے قومی اسمبلی کے امیدوار کے پہلے سے نشان زدہ بیلٹ پیپر موجود ہیں جو وہ کسی وقت بھی پیش کر سکتے ہیں۔

پروفیسر صاحب نے آخر میں کہا کہ آج صوبائی پولنگ کا جو منظر میں نے دیکھا ہے اس سے پوری طرح ثابت ہو گیا کہ قوم حکمران طبقہ کے ساتھ نہیں ہے۔ اس نے قومی اتحاد کی اپیل پر

بائیکاٹ کرکے گویا حکمران پارٹی کے خلاف عدم اعتماد کی قرارداد پاس کر دی ہے۔ یہ اس قوم کے بے پناہ سیاسی شعور کا ثبوت ہے۔ چونکہ موجودہ انتخابات کی آئینی حیثیت مجروح ہو گئی ہے اس لیے اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ انتخابات تمام نئے سرے سے کرائے جائیں اور ان کی نگرانی فوج کے سپرد کی جائے۔ انتظامیہ پر قوم کا اعتماد اسی طرح اٹھ گیا ہے جس طرح پیپلز پارٹی سے اٹھ گیا ہے۔

۱۱ / مارچ — ٹیسٹ کیس - قوم کس کے ساتھ ہے

۱۱ مارچ کی ہڑتال درحقیقت ایک ٹیسٹ کیس تھی۔ اگر قومی اتحاد کی اپیل پر ہڑتال نہ ہوتی تو پیپلز پارٹی کہہ سکتی تھی کہ عوام حقیقت میں اس کے ساتھ ہیں۔ لیکن جب ہڑتال ہو گئی تو اس سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ پیپلز پارٹی اپنے تمام دعووں کے باوجود جھوٹی ہے اور قوم قومی اتحاد کی حامی ہے۔ پاکستان بھر میں مکمل ہمہ گیر اور تاریخی ہڑتال ہوئی۔ حتیٰ کہ بلوچستان میں ہڑتال کا یہ منظر تھا کہ وہاں کے لوگوں نے اسے عدیم النظیر ہڑتال قرار دیا کراچی میں ٹریفک تک جام ہو گئی۔

دس مارچ کو بھی انتظامیہ اور پیپلز پارٹی کے غنڈوں کی جانب سے یہ کوشش مسلسل ہوتی رہی کہ دکانیں دس کو بند ہوں اور گیارہ کو کھلیں۔ بعض بازاروں میں مقامی افسر خود گئے اور انہوں نے ایسوسی ایشنوں کے صدروں پر زور دیا کہ وہ گیارہ کو اپنی دوکانیں کھولیں۔ انھیں دھمکیاں بھی دی گئیں۔ لیکن ان دھمکیوں کا الٹا اثر ہوا اور دکانداروں نے اندر خانے فیصلہ کر لیا کہ وہ گیارہ مارچ کو ہڑتال کر کے پوری قوم کا ساتھ دیں گے۔

۱۱ مارچ کی صبح خلاف معمول بڑی پرسکون تھی۔ آٹھ بجے تک لاہور میں گہما گہمی شروع ہو جاتی ہے اور مصروف زندگی کا احساس فضا میں رچنے لگتا ہے۔ لیکن آج صبح کی خاموشی کھا کر طول ہو رہی تھی۔ متجسس لوگوں نے دیکھا تو گلیوں کی دکانیں بھی بند تھیں۔ افواہ تھی کہ دکانیں زبردستی کھلوائی جائیں گی۔ لیکن معلوم ہوا کہ برانڈرتھ روڈ پر کوشش کے باوجود دکانیں نہیں کھولی گئیں۔ انار کلی بازار قطعی بند تھا۔ لیکن اس کے باوجود بازار میں سر ہی سر دکھائی دیتے تھے۔ لوگ ٹولیوں کی شکل میں بازار میں سیاسی تبصرے کر رہے تھے۔ اسی طرح مال روڈ بھی سنسان پڑی تھی۔ مال روڈ سے ملحق بازار بیڈن روڈ، ہال روڈ، ٹمپل روڈ بھی بند تھے۔

پھر افواہ پھیلنے لگی کہ ملتان روڈ پر ایک بس کو جلا دیا گیا ہے لیکن نمائندہ ایشیا نے خود جاکر دیکھا کہ یہ افواہ قطعی شرانگیز تھی اصل بات یہ ہے کہ پیپلز پارٹی خود ایسا فساد چاہتی تھی۔ لیکن قومی اتحاد کی قیادت نے اپنے کارکنوں کو اچھی طرح سے سمجھا دیا کہ ہمارا مقصد صرف بلند اخلاق اور محبت ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔

آج رات کو مرکزی رہنماؤں کا آئندہ لائحۂ عمل طے کرنے کے لیے پھر اجلاس منعقد ہوا۔ چنانچہ امیر جماعت نماز عشاء کے بعد اجلاس میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے۔ منصورہ میں کارکنوں کا پھر ہجوم ہو گیا تھا۔ وہ یہ جاننے کے لیے بیتاب تھے کہ ان کے رہنماؤں نے ان کے لیے کیا پروگرام تیار کیا ہے چونکہ سربراہوں کا یہ اجلاس رات دو بجے تک جاری رہا۔ اس لیے کارکنوں کو دوسرے دن جاکر معلوم ہو سکا کہ آئندہ لائحۂ عمل کے بارے میں کیا فیصلہ کیا گیا ہے۔

رات (۱۱ مارچ) کے اجلاس میں ایک قرارداد کے ذریعے پوری قوم کا شکریہ ادا کیا تھا کہ اس نے قومی اتحاد کی اپیل پر یک جہتی کا ثبوت دیا۔ قرارداد میں کہا گیا تھا کہ :-

"عوام نے انتخابات میں دھاندلیوں کے خلاف کی جانے والی احتجاجی ہڑتال میں بھرپور تعاون کیا اور کراچی سے خیبر تک قومی اتحاد کے حق میں ایک بار پھر متفقہ فیصلہ دے دیا ہے کہ وہ اس کے ساتھ ہیں۔ حکومت نے ایک بار پھر قوم کے فیصلے کو نہایت شرمناک طریقے سے ناکام بنانے کی کوشش کی ہے لیکن عوام نے صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کا بائیکاٹ کرکے

اور ہڑتال میں بھرپور تعاون کرکے قومی اتحاد اور ہم آہنگی کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔

مولانا عباسی کی پریس کانفرنس

اسی شام بعد دوپہر کو لاہور پریس کلب میں مولانا عباسی، قاضی حسین احمد اور مولانا فتح محمد صاحب کی پریس کانفرنس تھی۔

ان رہنماؤں نے اس مشترکہ پریس کانفرنس میں قومی اسمبلی میں شدید دھاندلیوں کا ذکر کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ انتخابات کو کالعدم قرار دیا جائے اور فوج کی نگرانی میں دوبارہ انتخابات کرائے جائیں اور موجودہ حکومت مستعفی ہو جائے۔ مولانا جان محمد عباسی نے کہا کہ حکمران پارٹی ملک میں انتخابات کے مقاصد کو ناکام بنانا چاہتی ہے اور قومی اسمبلی کے انتخابات کے جن نتائج کا اعلان کیا گیا ہے وہ رائے عامہ کی عکاسی نہیں کرتے اور جن نتائج کا ریڈیو اور ٹیلیویژن پر اعلان کیا گیا وہ ذہنی تھے۔ صوبہ سندھ میں پریذائڈنگ آفیسروں کے ذریعہ کھلم کھلا اور با اثر افراد نے بیلٹ پیپر پر ٹھپے لگائیں۔ اور صوبہ کے دور دراز دیہی علاقوں میں ۹۹ فیصد ووٹ ڈلوائے گئے۔ جب کہ شہروں میں ۶۰ر فیصد ڈالے گئے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ دیہی آبادی میں بیلٹ کو ناکام بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ مختلف حلقوں کے بیلٹ پیپر پہلے ہی شائع شدہ پائے گئے تھے، جس کی اطلاع الیکشن کمیشن کو دی گئی۔ مگر انہوں نے کوئی کارروائی نہیں کی۔

صوبہ سندھ میں بڑے وسیع پیمانے پر دھاندلیاں اور تشدد کیا گیا۔ جس کی وجہ سے قومی اتحاد نے خیرپور، سکھر، نواب شاہ اور جیکب آباد میں انتخاب کا بائیکاٹ کر دیا اور جہاں انتخابات ہوئے وہاں فائرنگ کی گئی جس سے کئی افراد زخمی ہوئے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ حکمران پارٹی نے انتخابات میں وسیع پیمانے پر غیر قانونی حرکتیں کرکے اسے بے معنی بنا دیا ہے اور ملک کے وقار اور عظمت کو رسوا کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم جمہوریت اور جمہوری عمل پر یقین رکھتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ انتخابات کو کالعدم قرار دیا جائے اور از سر نو فوج کی نگرانی میں انتخابات کرائے جائیں۔ انھوں نے الزام لگایا ہے کہ صوبہ سندھ میں حکمران پارٹی نے ووٹروں سے انتقام لینا شروع کر دیا ہے اور آباد کاروں میں خوف و ہراس پیدا کیا جا رہا ہے۔ ان پر حملے کیے گئے ہیں۔ زمینوں پر قبضہ کیا جا رہا ہے جس سے ان میں خوف و ہراس بڑھتا جا رہا ہے۔ اور اب وہ نقل مکانی کر رہے ہیں۔ صوبہ میں صورت حال کسی وقت بھی امن وامان کے لیے شدید خطرہ کا سبب بن سکتی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ قومی اسمبلی کے انتخابات کے موقع پر حیدرآباد میں اتحاد کے ۹ افراد ہلاک، تین سو زخمی اور ۵۰ کارکن گرفتار ہوئے۔ نواب شاہ میں ۳۱ر افراد انتخاب کے دن زخمی ہوئے ایک ہلاک ہو گیا ہے اور ۲۸ کارکن گرفتار ہیں۔ ابھی تک حملہ آوروں میں سے کسی کو بھی گرفتار نہیں کیا گیا۔ سانگھڑ، سکھر، جیکب آباد اور خیرپور میں بھی وسیع پیمانے پر گرفتاریوں کا عمل جاری ہے۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ انتخابات از سر نو کرانے کے ساتھ ساتھ موجودہ حکومت مستعفی ہو جائے، تاکہ عوام صحیح طور پر غیر جانبداری کو محسوس کر سکیں۔

انہوں نے کہا کہ صوبائی انتخابات اور آج کی ہڑتال کی کامیابی اس بات کا اظہار کرتی ہے کہ ملک کے عوام ۷ر مارچ کے نتائج کو فرضی تصور کرتے ہیں۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ حکمران طبقہ صوبہ سندھ میں تعصب کی فضا پیدا کر رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے احتجاج کے پرامن ذرائع اختیار کیے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ رائے عامہ کی قوت کو منظم کرکے آگے بڑھایا جائے۔ جہاں حکمرانوں کو رائے عامہ کے آگے جھکنا پڑے گا۔

صوبہ سرحد جماعت اسلامی کے امیر قاضی حسین احمد نے کہا کہ صوبہ سرحد میں صرف ایک سیاسی پلیٹ فارم ہے اور وہ قومی اتحاد ہے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ آزادانہ انتخابات میں قومی اتحاد تمام نشستیں حاصل کر لیتا۔ پیپلز پارٹی صوبہ میں کوئی انتخابی جلسہ نہیں کر سکی۔ انہوں نے کہا کہ صوبہ سرحد میں اگر منتخب حکومت چلانا ہے تو دوبارہ انتخابات کرانا ہوگا۔

انہوں نے کہا کہ سرحد میں دور دراز علاقوں کے نتائج پہلے سنا دئے گئے۔ مثلاً چترال دیر اور دو دن بعد میری اطلاع کے مطابق اسمبلی کا نتیجہ سرکاری ذریعہ سے لایا گیا تھا۔ مردان میں ایک پولنگ اسٹیشن پر کل بیلٹ پیپر ۱۸۰۰۰ تھے۔ جن میں ۱۷۵۰۰ استعمال کیے گئے۔ مگر گنتی کے وقت ۱۰۹۱۰ نکلے۔ دیر میں ڈاکٹر یعقوب کے صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں ایک ووٹ بھی نہیں ڈالا گیا سرحد میں ہر جگہ بائیکاٹ کامیاب رہا۔ انہوں نے کہا کہ پنجاب اپنی ذمہ داری پوری کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا ہے۔

جماعت اسلامی پنجاب کے امیر مولانا فتح محمد نے کہا کہ بائیکاٹ اور ہڑتال نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ پنجاب کے لوگ قومی اتحاد کے ساتھ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر ۷ مارچ کے نتائج حقیقی ہوتے تو ۱۰ مارچ کو مکمل بائیکاٹ اس بات کا ثبوت ہے کہ عوام نے بھٹو صاحب کو ووٹ نہیں دیے۔ انہوں نے الزام لگایا کہ صوبہ میں ہر قسم کی دھاندلی کو روا رکھا گیا ہر جگہ بیلٹ بکس چیک نہیں کرائے گئے، تبدیل کیے گئے

ہائی کورٹ سے پروفیسر غفور کا خطاب

اسی روز پروفیسر غفور احمد نے لاہور ہائی کورٹ کے بار روم میں بار ایسوسی ایشن کے ارکان کے ایک بڑے اجتماع سے بھی خطاب کیا۔ اس عظیم اجتماع کی صدارت ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کے صدر مسٹر عامر رضا نے کی۔

پروفیسر غفور احمد نے فرمایا کہ کراچی اور سندھ کے عوام کی طرح پنجاب کے عوام بھی اتحاد کے ساتھ ہیں اور اگر حکمران پارٹی دھاندلی نہ کراتی تو قومی اسمبلی کی بقیہ سیٹیں بھی قومی اتحاد جیت لیتا۔ کراچی اور اندرون سندھ میں حکمران پارٹی کی طرف سے یہ پراپیگنڈہ کیا جا رہا ہے کہ پنجاب اور لاہور کے عوام اتحاد کے ساتھ نہیں ہیں۔ تم اس کا ساتھ دیکر تکالیف کیوں برداشت کر رہے ہو۔ میں آج لاہور میں ہڑتال کی صورت حال اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں اور پنجاب کے عوام کے جذبات اور احساسات کے مشاہدہ کے بعد بلاخوف تردید یہ دعویٰ کر سکتا ہوں کہ پنجاب کے عوام بھی اتحاد کے ساتھ ہیں۔ واپس جا کر میں کراچی کے عوام تک اہل پنجاب کے جذبات اور احساسات پہنچاؤں گا۔

انہوں نے لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن اور ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن کے ارکان کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے انتخاب میں دھاندلیوں پر احتجاج کیا ہے اور قراردادیں پاس کی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ان باروں کے ارکان نے جو شمع روشن کی ہے وہ ملک کے تمام اندھیرے دور کر دے گی۔

انہوں نے کہا کہ ۷ مارچ کو عوام نے پاکستان قومی اتحاد کے حق میں جو فیصلہ دیا ہے اتحاد اسے تسلیم کروائے گا۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر اس انتخاب کے نتائج کے متعلق جو فرضی کامیابیاں دکھائی گئی ہیں انھیں تسلیم نہیں کیا جائے گا یہ قوم کے ساتھ ایک مذاق تھا اور کوئی غیرت مند قوم اس قسم کے مذاق کو برداشت نہیں کر سکتی۔ ہم ملک اور قوم کا وقار بلند کرنے کی مہم میں ملک کے عوام کے تعاون کے طلب گار ہیں۔

انہوں نے کہا گیارہ مارچ کو قوم نے ۷ مارچ کے فیصلے کی ایک بار پھر تائید کر دی ہے۔ اگر وزیر اعظم واقعی عوام کی رائے کا احترام کرتے ہیں تو انھیں فوج کی نگرانی میں دوبارہ انتخابات کرانے کا اعلان کرنا چاہیے۔ اتحاد کے قائدین ملک اور عوام کی خاطر ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہیں اور وہ موجودہ ظالمانہ نظام کو بدلنے اور ملک میں انصاف پر مبنی اسلامی نظام نافذ کرنے کی جدوجہد ہر صورت میں کامیاب بنائیں گے۔

اسی روز ملک کی بار ایسوسی ایشنوں نے اپنے اپنے اجلاسوں میں انتخابات کو ڈھونگ قرار دیا اور الیکشن کمشنر سے مطالبہ کیا کہ وہ مستعفی ہو جائیں۔

۱۲ مارچ — نئی جدوجہد کا انداز

گیا وہ وقت کہ تیری وفاؤں کی تمنا تھی
ستمگر ہم نے انداز طبیعت ہی بدل ڈالا

۱۱ر مارچ کو ملک بھر میں ہونے والی کامیاب ہڑتال کے بعد پاکستان قومی اتحاد کے رہنماؤں کی جنرل کونسل کا اجلاس مرکزی دفتر واقع ڈیوس روڈ میں شروع ہوا۔ یہ اجلاس ۱۱ر مارچ کی رات کو شروع ہوا تھا اور رات گئے تک جاری رہا۔ اگلے روز ۱۲ بجے کے قریب ایک پرہجوم پریس کانفرنس میں اس اجلاس میں کیے گئے فیصلوں کا اعلان کیا گیا۔ پریس کانفرنس میں مولانا مفتی محمود، ایئر مارشل اصغر خان، سردار شیر باز مزاری، بیگم نسیم ولی خان، نوابزادہ نصراللہ خاں۔ مولانا جان محمد عباسی، مولانا فتح محمد، رفیق احمد باجوہ اور دیگر قائدین موجود تھے۔ اس موقع پر صبح دس بجے سے ہی قومی اتحاد کے مرکزی دفتر میں کارکنوں کا بے پناہ ہجوم تھا۔ یہ اعلان سننے کے لیے پریس کے علاوہ لاہور اور قریبی شہروں کے کارکن صبح سے یہاں جمع تھے۔ بند کمرے میں اخباری نمائندوں کی بڑی تعداد موجود تھی۔ مولانا مفتی محمود نے اس قرارداد کا متن سنایا جو جنرل کونسل نے منظور کی تھی۔

” پاکستان قومی اتحاد کا یہ اجلاس ملک میں عام انتخابات میں ہونے والے سنگین واقعات کا تجزیہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ اگرچہ حزب اختلاف گذشتہ پانچ سالوں میں ہونے والے ضمنی انتخابات کے تجربات کے پیش نظر حکمران طبقے سے آزادانہ اور منصفانہ عام انتخابات منعقد کرانے کے وعدوں کے بارے میں قطعًا پرامید نہیں تھا۔ لیکن ملک میں جمہوری عمل کے بقا کی خاطر یہ چیلنج منظور کیا گیا۔

انتخابی مہم کے آغاز سے ہی برسر اقتدار افراد کو معلوم ہو گیا کہ وہ عوامی تائید سے کاملًا محروم ہو چکے ہیں۔ پاکستانی عوام نے جس جوش اور جذبہ کے ساتھ قومی اتحاد کے جلسوں اور جلوسوں میں شرکت کی۔ اس سے بھی یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ آزادانہ انتخابات کی صورت میں اتحاد کا اکثریت حاصل کرنا یقینی ہے۔ بوکھلاہٹ اور اضطراب کے عالم میں حکومت نے ملک کے مختلف حلقہ ہائے انتخابات میں قومی اتحاد کے امیدواروں اور اہم کارکنوں پر قاتلانہ حملے کرائے۔ انھیں جھوٹے مقدمات میں ملوث کرانے اور ان کے گھروں پر چھاپے مارنے اور انھیں گرفتار کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا تجویز کنندگان اور تائید کنندگان کو اغوا کیا گیا۔ ان کارروائیوں سے حلقہ ہائے انتخاب میں خوف اور دہشت کی فضا قائم کرنے کی کوشش کی گئی۔ پیپلز پارٹی کے امیدواروں کو بلامقابلہ منتخب کرانے کے لیے پولیس فیڈرل سیکورٹی فورس اور افسران نے ہمارے امیدواروں کو جبرًا کاغذات داخل کرنے سے روکا جن امیدواروں کی درخواستیں واضح ثبوت کی بنا پر بحال کی گئیں ان حلقوں میں بھی ان سنگین جرائم کے مرتکب ہونے والے افسران کے خلاف کوئی کارروائی نہ الیکشن کمیشن کی طرف سے کی گئی نہ حکومت نے ان کا محاسبہ کیا۔ انتظامیہ نے اکثر و بیشتر حلقہ ہائے انتخاب میں سرکاری اثر و رسوخ اور وسائل پیپلز پارٹی کے امیدواروں کے لیے استعمال کیے۔ انھیں سرکاری جیپیں مہیا کی گئیں اور ان کے مشورے سے پولنگ اسٹیشن تجویز کیے گئے جو قانونی تقاضوں کے خلاف تھے۔ اور انتخابات کا نگران عملہ بھی انہی امیدواروں کے مشورے سے تعینات کیا۔ ان تمام بے ضابطگیوں اور سرکاری مداخلت کے بارے میں ہمارے امیدواروں بار بار تاروں کے ذریعہ الیکشن کمیشن کو اطلاعات دیں۔ قومی اتحاد کے رہنماؤں نے پریس کانفرنس میں ان سنگین شکایات کا ذکر کیا۔ لیکن الیکشن کمیشن نے آزادانہ انتخابات کے نتائج کے بارے میں اپنی آئینی ذمہ داری اور ان مسلسل یقین دہانیوں کے باوجود کوئی نوٹس نہیں لیا۔ قومی اتحاد کے انتخاب کے پولنگ کے دوران:-

۱- پولیس اور فیڈرل سیکورٹی فورس کی جانب سے خوف و ہراس پیدا کیا گیا۔

۲- پاکستانی قومی اتحاد کے پولنگ ایجنٹوں کو پولنگ اسٹیشن سے جبرًا نکالا گیا۔

۳- بعض پولنگ اسٹیشنوں پر ہمارے پولنگ ایجنٹوں کو محبوس رکھا گیا۔

۴- مسلح غنڈے پولنگ اسٹیشنوں کے اندر اور باہر

وہ دندناتے رہے۔

۵۔ اکثر حلقوں میں بیلٹ بکس اٹھا لیے گئے اور ان کی جگہ پہلے سے بھرے ہوئے بکس رکھے گئے۔

۶۔ پولنگ ایجنٹوں کو گنتی کے سرٹیفکیٹ نہیں دیے گئے اپنے ریکارڈ پر پولنگ ایجنٹوں سے زبردستی دستخط کرائے گئے۔

۷۔ جہاں پریذائیڈنگ افسران نے پولیس کے ساتھ اس زیادتی میں تعاون سے انکار کیا وہاں انھیں جبراً خاموش کرایا اور بیلٹ پیپروں پر خود ٹھپے لگا کر بیلٹ بکس بھر دیے گئے۔

۸۔ ایسے پولنگ اسٹیشنوں کے بارے میں بھی جہاں ابھی گنتی مکمل نہیں ہوئی تھی ریڈیو اور ٹی وی سے نتائج کا اعلان کر دیا گیا۔

۹۔ کچھ حلقوں میں دس مارچ کے صوبائی اسمبلی کے انتخابات کے لیے پہلے سے تیار کردہ نتائج ۷ مارچ کو قومی اسمبلی کے امیدواروں کے حوالے کر دیے گئے۔

۱۰۔ پیپلز پارٹی کے جانے پہچانے کارکنوں کو اسپیشل پولیس کی پٹیاں باندھ کر پولنگ اسٹیشنوں کے اندر تعینات کیا گیا۔ وہ ووٹروں کو ہراساں کرتے رہے اور کھلم کھلا جعلی پرچیاں بیلٹ بکسوں میں ڈالتے رہے۔

۱۱۔ اسلحہ نہ صرف بڑے پیمانے پر تقسیم کیا گیا بلکہ اسے پولنگ اسٹیشنوں پر بے دریغ استعمال کیا گیا۔ جس کے نتیجہ میں ہمارے بے شمار کارکنان اور ووٹرز زخمی ہوئے اور شہید ہوئے۔

۱۲۔ خواتین کے پولنگ اسٹیشنوں پر پیپلز پارٹی کے فراہم کردہ جعلی ووٹروں نے بڑے پیمانے پر جعلی ووٹ بھگتائے۔ انھیں پولیس فیڈرل سیکورٹی فورس اور پولنگ اسٹاف کا پورا تعاون اور تحفظ حاصل رہا۔

۱۳۔ پاکستان قومی اتحاد کی ووٹر خواتین کی بڑی تعداد کو دھکے دیے گئے۔ انھیں بے عزت کیا گیا، کپڑے پھاڑے گئے۔ ان کے بیلٹ پیپر چھین کر پھاڑ دیے گئے اور انھیں ووٹ کے حق سے محروم کر دیا گیا۔ پیپلز پارٹی کے غنڈے [illegible] خواتین کے پولنگ اسٹیشنوں کے اندر موجود رہے۔

۱۴۔ کئی پولنگ اسٹیشنوں پر پہلے سے بھرے ہوئے بیلٹ بکس پہنچائے گئے اور گنتی میں شامل کیے گئے۔

۱۵۔ صوبائی اور وفاقی وزیروں نے پولنگ اسٹیشنوں پر [illegible] بیلٹ بکس اٹھوائے۔

۱۶۔ بیلٹ پیپروں کو چھپوانے اور مہریں وغیرہ بنوانے میں رازداری کا کوئی انتظام نہ رکھا گیا بلکہ پیپلز پارٹی کے [illegible] لوگوں کے ہاتھوں میں یہ چیزیں دی گئیں (پریس کانفرنس میں بیلٹ پیپر کی کاپیاں الیکشن کمیشن کی مہریں پریذائیڈنگ افسروں کی مہریں، نشان لگانے والی مہریں اور پریذائیڈنگ [illegible] کی رسیدات وغیرہ جہاں سے ۷ مارچ کو بیلٹ پیپر چھپائے گئے۔ دکھائی گئیں) ان جمہوریت کش اقدامات کے بعد اس فراڈ اور تماشا کو عام انتخابات کا نام دینا جمہوری اقدار کے ساتھ انتہائی سنگ دلانہ مذاق ہے۔ پاکستان قومی اتحاد نے بغیر کسی توقف کے ۸ مارچ کو اپنے ہنگامی اجلاس میں مندرجہ ذیل فیصلے کیے۔

- چونکہ حکمران طبقہ نے عوام کے تاریخی فیصلے کو دھاندلی اور تشدد کے ذریعہ تبدیل کرنے کی شرمناک سازش کی۔ اس لیے پاکستانی قومی اتحاد نے عوام کی خواہشات کے مطابق قومی اسمبلی کے انتخابات کے نتائج کو مسترد کر دیا ہے اور [illegible] ٹکٹ پر کامیاب قرار دیے جانے والے امیدواروں کو بلا تاخیر مستعفی ہونے کی ہدایت کی گئی اور فیصلہ کیا گیا:-

کہ صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کا بائیکاٹ کیا جائے۔ ۱۱ مارچ کو ان نام نہاد انتخابات کے خلاف ملک گیر ہڑتال کی جائے۔ پاکستان قومی اتحاد اپنی قوم کا شکر گزار ہے کہ اس نے صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کے موقع پر پولنگ اسٹیشنوں کا مکمل مقاطعہ کر کے ہمارے دعووں کی تصدیق کا ناقابل تردید ثبوت مہیا کیا ہے۔ اور اس طرح ملک بھر میں کامیاب ہڑتال نے ہمارے عائد کردہ الزامات پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ اسی طرح ہمارے منتخب

زاد دیے جانے والے ارکان نے کامل نظم و ضبط کا ثبوت دیتے ہوئے قومی اسمبلی کی رکنیت سے مستعفی ہونے کا فیصلہ کیا۔ ان حالات میں چونکہ ذوالفقار علی بھٹو وزیر اعظم اور الیکشن کمیشن عام انتخابات میں اپنی آئینی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں بری طرح ناکام ہو گئے ہیں اور عوامی اعتماد سے یکسر محروم ہو چکے ہیں۔ اس لیے مرکزی کونسل یہ مطالبہ کرتی ہے کہ بھٹو صاحب اور الیکشن کمیشن کے ارکان فوراً مستعفی ہو جائیں اور ۷، ۱۰ مارچ کو ہونے والے قومی اور صوبائی انتخابات کالعدم قرار دیے جائیں۔ نیا الیکشن کمیشن قومی اتحاد کو اعتماد میں لے کر تشکیل دیا جائے۔ یہ الیکشن کمیشن عدلیہ اور فوج کی جانب سے آزادانہ، منصفانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات فوری طور پر کرائے جائیں۔ اگر یہ مطالبات تسلیم نہ کیے گئے تو پاکستان قومی اتحاد کی جنرل کونسل نے فیصلہ کیا ہے کہ ۱۴ مارچ سے ملک بھر میں احتجاجی مظاہرے کیے جائیں گے اور یہ اس وقت تک جاری رہیں گے جب تک یہ قانونی جائز اور مبنی بر حق مطالبات تسلیم نہیں کیے جاتے۔

قرارداد کا متن ختم ہوا تو صحافیوں کی طرف سے مختلف سوالات کیے گئے۔

دفعہ ۱۴۴ سے متعلق ایک سوال کے جواب میں مفتی محمود نے کہا کہ قومی اتحاد دفعہ ۱۴۴ کو غیر آئینی تصور کرتا ہے۔

مفتی محمود نے پریس کو بتایا کہ ملک بھر میں بے شمار لوگوں کو گرفتار کیا گیا ہے۔ بہت سے افراد کے ہلاک ہونے کی اطلاعات ملی ہیں۔ راولپنڈی سے خواتین بھی گرفتار ہوئیں۔ ٹرانک میں قومی اتحاد کے جلوس پر فائرنگ ہوئی ہے۔ گزشتہ روز پشاور میں سارا دن آنسو گیس استعمال کی گئی۔ فائرنگ ہوتی رہی۔ جس سے کم از کم ۴۵، افراد زخمی ہوئے۔

چیف الیکشن کمشنر اور وزیر اعظم بھٹو کی تجاویز ناقابل قبول ہیں

اسی شام مسٹر بھٹو نے ٹی۔ وی پر تقریر کی اور کہا

"اپوزیشن قومی اسمبلی کے انتخابات کے سوا دوسرے تمام امور پر بات چیت ہو سکتی ہے اور یہ کہ قومی اسمبلی کے انتخابات دوبارہ کرانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

ادھر الیکشن کمشنر نے بھی ایک پریس کانفرنس میں تقریر کی، اس کے جواب میں قومی اتحاد کے مرکزی کونسل کا اجلاس ہوا، جو رات گئے تک جاری رہا۔ اس اجلاس نے ایک قرارداد منظور کی۔ اس قرارداد میں چیف الیکشن کمشنر کے بیان اور وزیر اعظم بھٹو کی تقریر میں پیش کردہ تجاویز کو مسترد کرتے ہوئے اعلان کیا کہ بیلٹ بکس کے تقدس اور عوامی فیصلے کی بحالی کے لیے قومی اتحاد اپنی جدوجہد جاری رکھے گا۔ قرارداد میں مزید کہا گیا ہے کہ کونسل نے چیف الیکشن کمشنر کی پریس کانفرنس اور جناب بھٹو کی نشری تقریر پوری توجہ سے سنی ہے۔ کونسل کو افسوس ہے کہ پاکستان قومی اتحاد کی جانب سے قومی اسمبلی کے حالیہ انتخاب میں ملک گیر دھاندلی، لاقانونیت اور متشددانہ واقعات کے بارے میں جو ناقابل تردید حقائق پریس کانفرنس میں بیان کیے گئے اور اس کی بنا پر جو مطالبات کیے گئے تھے چیف الیکشن کمشنر یا بھٹو صاحب نے ان کا کوئی تسلی بخش جواب دینے سے نہ صرف گریز کیا ہے بلکہ حقائق کو توڑ موڑ کر عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ ہمارے نزدیک اتنی وسیع پیمانے پر دھاندلی کا مداوا الیکشن کمشنر یا بھٹو کے تجویز کردہ طریقے یا ذرائع سے نہیں ہو سکتا۔ معاملہ چند نشستوں کا نہیں بلکہ دھاندلی، غنڈہ گردی اور سرکاری مداخلت سے عوام کا فیصلہ بدلنے کی ایک منظم سازش ہے۔ اور پاکستانی عوام اسی صورت میں مطمئن ہو سکتے ہیں جب انتخابات کو کالعدم قرار دے کر از سر نو آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کرائے جائیں۔

قرارداد میں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ قومی اتحاد تخریب کاری کا حامی نہیں، اور نہ وہ ایسا کرے گا بلکہ وہ بیلٹ بکس کی تقدیس اور عوامی فیصلے کی بحالی کے لیے اپنی جدوجہد آئین اور قانون کی حدود میں رہ کر جاری رکھے گا۔

مرکزی کونسل نے توقع ظاہر کی کہ حکمران طبقہ عوام کے اس جائز اور آئینی مطالبات کو تسلیم کریگا اور ملک کو سیاسی بحران کو دوچار ہونے سے بچا لیا جائے گا۔

پروفیسر غفور کا ڈسٹرکٹ بار سے خطاب

اسی روز پروفیسر غفور احمد نے دوپہر کے وقت ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن لاہور کے اجلاس سے خطاب کیا۔ انہوں نے اپنی تقریر کے آغاز میں وکلاء کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ وکلاء برادری نے اس ملک میں اسلام کی سربلندی، جمہوریت کے احیاء اور قانون کی بالادستی کے لیے ہمیشہ اہم کردار ادا کیا ہے۔ موجودہ سیاسی صورت حال کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ جب قومی اسمبلی کی مدت ختم ہو رہی تھی تو اپوزیشن کی طرف سے حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ ملک میں آزادانہ اور منصفانہ انتخابات منعقد کرائے جائیں اور اس کے لیے ہم نے اس خدشہ کا اظہار کیا تھا کہ ماضی میں منعقد ہونے والے ضمنی اور آزاد کشمیر کے انتخابات میں جس طرح حکومت نے دھاندلیاں کی تھیں۔ اس طرح قومی انتخابات میں حکومت وہی کردار ادا کرے گی۔ مگر وزیر اعظم نے یقین دلایا کہ جمہوری حکومت کی زیر نگرانی ملک میں منصفانہ انتخابات کرائے جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اپوزیشن نے پیشگی شرائط کے بغیر ہی مسٹر بھٹو کی یقین دہانی پر انتخابات میں حصہ لینے پر اظہار آمادگی کیا۔ لیکن انتخابی مہم کے دوران ہی حکومت نے ریڈیو، ٹیلیویژن اور پریس ٹرسٹ کے اخبارات کو پیپلز پارٹی کے لیے وقف کر دیا۔ اور قومی خزانے سے پیپلز پارٹی کے امیدواروں کی انتخابی مہم چلائی گئی۔ ہم نے ان زیادتیوں کے باوجود سات مارچ تک انتظار کیا۔ انہوں نے کہا کہ قومی اسمبلی کے انتخابات میں جو نتائج برآمد ہوئے ہیں وہ ملک کے ۸ کروڑ عوام کو فریب دینے کے مترادف ہیں۔ ان انتخابات میں شدید دھاندلیاں کی گئیں۔ میرے اپنے حلقے میں ۱۰۲ - افراد کو زخمی کیا گیا ۔

انہوں نے کہا کہ صدر مملکت اور الیکشن کمیشن کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ ملک میں منصفانہ اور آزادانہ انتخابات کے انعقاد کے تقاضوں کو پورا کرتے۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ اس لیے قومی اسمبلی کے جو نتائج قوم کے سامنے پیش کئے گئے ہیں ہم انھیں ہرگز تسلیم نہیں کرتے۔ پروفیسر غفور احمد نے اس بات پر زور دیا کہ قومی اسمبلی کے انتخابات کو کالعدم قرار دیا جائے۔ وزیر اعظم بھٹو اپنے عہدے سے مستعفی ہو جائیں اور افواج پاکستان اور عدلیہ کی نگرانی میں انتخابات منعقد کرائے جائیں۔ انہوں نے کہا کہ ملک میں صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات تو منعقد ہی نہیں ہو سکے۔ دوبارہ انتخابات منعقد کرانے کی صورت میں اگر قومی اتحاد کو کوئی نشست نہ ملی تو ہم عوام کے اس فیصلے کو خندہ پیشانی سے قبول کریں گے۔

انہوں نے اس بات پر اظہار افسوس کیا کہ آج کل اپوزیشن لیڈروں پر بے بنیاد الزام لگائے جا رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے بتایا کہ ان کی طرف سے یہ بات منسوب کی گئی ہے اگر حکومت نے قومی اتحاد کے مطالبات کو تسلیم نہ کیا تو کوئی غیر ملکی طاقت بھی مداخلت کر سکتی ہے اور اسے پریس ٹرسٹ کے ایک اخبار نے شائع کیا جب کہ میری وضاحت کے باوجود اس اخبار نے میرا تردیدی بیان شائع نہیں کیا۔ انہوں نے کہا کہ انتخابات نے ثابت کر دیا ہے کہ قوم موجودہ حکومت کو ٹھکرا چکی ہے۔

پروفیسر غفور احمد نے قومی اتحاد کے منشور پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔ ہم برسر اقتدار آنے کی صورت میں اس ملک میں ذلت کی جگہ شرافت اور انسانیت کی ارفع قدروں کی ترویج چاہتے ہیں۔ ہم ملک میں بھوک اور بے حیائی کا خاتمہ کر کے آزادی کے ثمرات کو ساری قوم کے لیے وقف کرنے کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ موجودہ حکومت کی طرف سے اپوزیشن پر تشدد کرنے کا الزام بے بنیاد ہے۔ ہم قومی وقار اور وطن عزیز کی سالمیت کے لیے اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ میرے جیسے ہزاروں افراد وطن عزیز کی آن اور شان کے لیے قربان ہو سکتے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ ملک میں از سر نو انتخابات منعقد کرانے کیلیے

چیف الیکشن کمشنر کے عہدے سے ہٹا دیا جائے۔

ان سے پہلے میاں محمود علی قصوری نے بھی خطاب کیا انہوں نے کہا کہ وکلاء برادری نے ملک میں قانون کی بالادستی اور جمہوریت کے قیام کے لیے بڑی جدوجہد کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ موجودہ حکومت نے انتخابات میں دھاندلیاں کر کے جمہوریت کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے جب کہ موجودہ حکمرانوں نے ملک کے تمام اہم اداروں کے تقدس کو پامال کیا جس سے وہ اس ملک کو غیر مہذب اور غیر ترقی یافتہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جہاں بیلٹ کے راستے مسدود کر دیے جائیں وہاں عوام پھر کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں ہم جمہوریت اور شہری آزادیوں کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے سے گریز نہیں کریں گے۔

ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن کے صدر مسٹر حکیم قریشی ایڈوکیٹ نے یقین دلایا کہ ملک کی بقاء، اسلام کی سرفرازی اور جمہوریت کی بالادستی کے لیے وکلاء اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوں گے اس موقع پر دو قرار دادیں منظور کی گئیں۔ ایک قرار داد کے ذریعہ فیصلہ کیا گیا کہ وکلاء آج سے پریس ٹرسٹ کے اخبارات کا بائیکاٹ کریں گے۔ اس قرار داد میں حکومت سے پریس ٹرسٹ کو توڑ دینے کا مطالبہ کیا گیا کہ کاچھوپورہ میں ایک وکیل مسٹر مختار ملک کے مکان پر کل رات پیپلز پارٹی کے کارکنوں نے مبینہ طور پر حملہ کر دیا اور ان کے نوے سالہ والد بیٹے اور بھانجے کو زخمی کر دیا۔ اس قرار داد میں حکومت پر زور دیا گیا کہ وہ اشتعال انگیز کارروائیوں کا سلسلہ بند کر دے۔

۱۳ مارچ

۱۳ مارچ کو محمود علی قصوری کی اقامت گاہ پر ایک پر ہجوم پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے قومی اتحاد کے رہنماؤں نے ۱۴ مارچ کے روز لاہور میں ہونے والے احتجاج کے پروگرام کا اعلان کیا۔ اس پروگرام کے مطابق لاہور میں قومی اتحاد کے قائدین میاں طفیل محمد، اصغر خان، ملک قاسم، خورشید محمود قصوری عبدالحمید قادری اور قاری عبدالحمید ۱۴ تاریخ کو نماز عصر نیلا گنبد میں ادا کرنی تھی اور اس کے بعد ان کے اپنے ہاتھوں میں کلام پاک لے کر احتجاجی مظاہرہ کرنا تھا۔

۱۴ مارچ
قائدین میدانِ عمل میں

۱۴ مارچ کے روز لاہور کے عوامی حلقوں میں وزیر اعظم بھٹو کا وہ خط جو نوائے وقت کے مطابق انہوں نے قومی اتحاد کے سربراہ مفتی محمود کو ارسال کیا تھا۔ زیر بحث تھا۔ اس خط میں وزیر اعظم نے قومی اتحاد کو مذاکرات کی غیر مشروط پیش کش کی گئی تھی جب کہ گذشتہ روز مسٹر بھٹو نے ٹی وی پر جو خطاب کیا تھا اس میں انھوں نے سختی سے کہا تھا کہ قومی اسمبلی کے انتخابات ہو چکے ہیں' ان پر بات نہیں ہو سکتی۔ اکثر عوامی حلقے اس خط کو ایک قسم کا اعتراف شکست قرار دے رہے تھے۔ نیز اگلے روز کا احتجاجی پروگرام بھی زیر بحث تھا۔ اور عام طور پر لوگوں میں ایک قسم کا جوش و خروش پایا جاتا تھا اور قومی اتحاد کے تمام دفاتر لوگوں سے پر تھے۔ لوگ احتجاجی پروگرام کی تفصیل پوچھ رہے تھے۔

احتجاجی پروگرام نماز عصر کے بعد ہوتا تھا۔ لیکن ملک کے مختلف علاقوں سے لوگ لاہور میں اپنے اعزہ واقارب اور دوست احباب کو ٹیلی فون پر بتا رہے تھے کہ یہاں جلوس نکلے ہیں۔ خاص طور پر کراچی، پشاور، ملتان' لائل پور اور دیگر بڑے بڑے شہروں سے جو اطلاعات مل رہی تھیں۔ ان کے مطابق لوگوں کی کثیر تعداد احتجاج میں شامل ہو رہی تھی۔

قومی اتحاد کے رہنماؤں نے بتایا تھا کہ عوام ہمارے جلوس میں شریک نہ ہوں کیونکہ ہم نہیں چاہتے کہ عوام پر تشدد کیا جائے۔ لیکن اس کے باوجود ۲ بجے ہی سے انارکلی اور نیلا گنبد کے علاقوں میں لوگ بے پناہ تعداد میں جمع ہونے

شروع ہو گئے۔ پولیس اور ریزرو فورس کی بہت بڑی نفری بھی تعینات تھی۔ ۴ بجے تک یہ عالم ہو گیا انارکلی، ٹولنٹن مارکیٹ (مسی رام روڈ) اور ملحقہ سڑکیں۔ پھر پرانی انارکلی، مال روڈ (فیصل چوک سے لے کر گول باغ تک) انسانوں سے پر ہو گئیں۔ کم سے کم اندازہ بھی یہ تھا کہ اس وقت کئی لاکھ لوگ وہاں جمع ہو چکے تھے اور سڑکوں کی ملحقہ عمارتوں پر بھی ہزاروں لوگ کھڑے تھے۔

اتحاد کے رہنما جن میں پیر پاگارو بھی شامل تھے ابھی نیلا گنبد کی مسجد میں نماز ادا کر رہے تھے کہ باہر لوگوں نے نعرے لگانے شروع کر دیے۔ کلمہ طیبہ کا ورد بھی جاری تھا اور جب مجمع اپنے اتحاد کا مظاہرہ کرنے کے لیے تالیاں بجاتا تو ہر طرف جہاں بھی لوگ کھڑے نظر آ رہے تھے۔ فضا میں ہاتھ بلند ہو جاتے تھے اور تالیوں کی پر شور آواز دور دور تک پھیل جاتی اسی طرح ایک مرتبہ دعا کے لیے ہاتھ پھیلائے گئے تو فوراً لاکھوں تک دعائیہ ہاتھ اٹھ گئے۔ یہ منظر بڑا جذبات انگیز تھا۔ وقفوں وقفوں سے فضا کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ کے نعروں سے معمور ہو جاتی۔

نماز عصر کے بعد میاں طفیل محمد، ملک قاسم، اصغر خان، اور دیگر راہنما مسجد سے باہر نکلے۔ تقریباً ایک گھنٹہ میں وہ نیلا گنبد سے مال روڈ تک کا فاصلہ طے کر سکے۔ نعروں کا ایک طوفان تھا جو اس علاقے میں امڈ آیا تھا۔ بڑی مشکل سے ہجوم کو چیر کر میاں طفیل اور ملک قاسم مال روڈ چوک پر پہنچے جہاں دونوں رہنماؤں نے عوام سے مختصر خطاب کیا۔ میاں طفیل محمد نے اپنے خطاب میں کہا کہ ہمیں یقین ہے کہ پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے لیے لوگوں نے سات مارچ کو جس جوش و خروش کا مظاہرہ کیا تھا وہ جوش و خروش کم نہیں ہو گا اور اسلامی نظام کے لئے دی گئی قربانیاں رائیگاں نہیں جائیں گی اور اسلامی نظام عنقریب غالب آ کر رہے گا۔

ان سے پہلے ملک قاسم نے خطاب کیا۔ یہاں جلوس کے منتشر ہونے کا اعلان کیا گیا۔ لیکن بے پناہ ہجوم کے باعث ایئر مارشل (ریٹائرڈ) اصغر خان ابھی پیچھے ہی رہ گئے تھے تقریباً مزید بیس منٹ کے بعد وہ آگے پہنچے۔ انھوں نے جلوس کے اختتام سے قبل خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان ہمارا ملک ہے اور ہم اس ملک گیر تحریک کے پہلے روز ۱۴ مارچ کو پورے ملک میں یہ ثابت ہو گیا کہ عوام اپنے حقوق کو حاصل کرنے کے لیے انتہائی جرأت مندی سے میدان عمل میں نکل آئے ہیں۔ تحریک کے دوسرے روز لاہور میں احتجاجی پروگرام کا مرکز مسجد شہداء ریگل چوک (مال روڈ) کو بنایا گیا تھا۔

آج جن رہنماؤں کو مظاہرہ کرانا تھا۔ ان میں جماعت اسلامی کے راہنما اور سہ روزہ ایشیا کے مدیر اعلیٰ چوہدری غلام جیلانی، خاکسار راہنما اور لاہور سے قومی اسمبلی کے "ناکام" امیدوار امیر حبیب اللہ اور سعدی مسلم لیگ کے راہنما چوہدری محمد حسین چٹھہ رایاں تھے

نمائندہ ایشیا ساڑھے چار بجے ریگل پہنچا۔ وہاں سڑکوں پر ہزارہا افراد کھڑے تھے اور پولیس کے مسلح افراد ان کو زبردستی ہٹا رہے تھے۔ بیشمار پرائیویٹ بسیں آ رہی تھیں جن میں پولیس بھری ہوئی تھی۔ ان بسوں سے اتر کر پولیس کے افراد پوزیشن سنبھال رہے تھے۔ لوگ شاہراہ قائد اعظم پر دور دور تک بکھرے ہوئے تھے اور کل کی طرح ملحقہ عمارتوں پر بھی ہزاروں کی تعداد میں موجود تھے۔ وقفوں وقفوں کے بعد پرزور نعروں اور تالیوں کا شور یہ بات ثابت کرتا تھا کہ یہ لوگ تماشائی نہیں بلکہ اتحاد کے کارکن اور حامی عوام ہیں۔ جو دل و جان سے اس احتجاج میں شامل ہونے آئے ہیں۔

عصر کی نماز کے بعد چوہدری غلام جیلانی اور حبیب اللہ سعدی کے زیر قیادت مظاہرین نے (جو مسجد میں تھے) باہر نکلنا چاہا، لیکن اس وقت پولیس نے شدید لاٹھی چارج کرنا شروع کر دیا۔ حبیب اللہ سعدی پر لاٹھیاں پڑتی ہوئی کئی لوگوں نے دیکھیں۔ ساتھ ہی پولیس نے آنسو گیس کی شدید شیلنگ شروع کر دی جس کے بعد مظاہرین اور پولیس میں جھڑپیں شروع ہو گئیں جو بعد میں کافی دیر تک جاری رہیں اور ان کا سلسلہ دور تک چلا گیا۔ فیصل چوک تک گیس کا زہریلا دھواں پھیل گیا تھا۔

اس اثنا میں پولیس جوتوں سمیت مسجد میں گھس گئی۔

اور مسجد کی بے حرمتی کے ساتھ نمازیوں کو بھی شدید زدوکوب کیا۔

ادھر پولیس چوہدری غلام جیلانی، حبیب اللہ، سعادی چوہدری، محمد حسین سمیت پچیس تیس افراد کو گرفتار کر کے لے گئی۔ گرفتار شدگان کی تعداد رات تک ساٹھ سے متجاوز ہو گئی تھی۔ جس میں کئی زخمی بھی شامل ہیں۔ نیز ایک فوٹو گرافر جب وہ مسجد کے لاؤڈ سپیکر کی تاریں کاٹے جانے اور لاٹھی چارج کی تصاویر اتار رہا تھا، کو بھی پولیس کے پندرہ کانسٹیبلوں نے بیک وقت حملہ کر کے شدید زخمی کر دیا۔

رات ساڑھے دس بجے قومی اتحاد کی لیگل کمیٹی کے سکرٹری چوہدری اسمٰعیل ایڈووکیٹ نے گرفتار شدگان سے ملاقات کی۔ معلوم ہوا کہ ان کو ایک ایسے کمرے میں بند کیا گیا جس میں عام طور پر دس قیدیوں کے لیے گنجائش ہوتی ہے۔

قومی اتحاد کی احتجاجی مہم کا دوسرا روز اگرچہ پرامن طریقہ سے نہیں گذرنے دیا۔ تاہم اس روز تحریک مزید آگے بڑھی۔ اس روز ملک بھر سے ملنے والی اطلاعات کے مطابق بھی تحریک ہر جگہ زور پکڑ گئی تھی۔

(بقیہ یہ بھی پاکستان ہے از صفحہ ۲۴)

پاکستان قومی اتحاد کے قائم مقام صدر۔ اخبار نویسوں سے خطاب کر رہے تھے اور اہالیان لاہور کو ان کی بے مثال ایثار و قربانی اور نظم و ضبط کے ساتھ مظاہرے کرنے پر ان کو خراج تحسین پیش کر رہے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ میرے پاس اس تحسین و ستائش کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ انھوں نے کہا کہ آج خواتین نے جس جراٴت اور ہمت کے ساتھ پولیس کی بربریت اور وحشیانہ تشدد کا مقابلہ کیا۔ اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ وہ آنسو گیس، فائرنگ اور لاٹھی چارج کے باوجود کئی مرتبہ اسمبلی بلڈنگ تک پہنچ جانے میں کامیاب ہو گئیں اور کھڈو کے اس دعوے کو جھٹلا دیا کہ خواتین اس کے ساتھ ہیں۔ لیکن ہمارے سر شرم و ندامت سے جھک جاتے ہیں جب ہم پرامن خواتین پر پولیس کے شرمناک تشدد کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

نوابزادہ صاحب نے وکلاء کے جلوس کو بھی مثالی قرار دیا۔

شہداء کی دستیاب ہو جانے والی لاشیں

۱۰ اپریل کی فہرست کے مطابق ۹ اپریل کے روز جو افراد شہید ہوئے ان میں سے ۱۸ شہداء کے نام یہ ہیں :-

طارق شہزاد شالامار ٹاؤن، شیر محمد خاں بیڈن، سہیل شامی اچھرہ، شیخ محمد اکرم اکبری منڈی، غلام دستگیر قلعہ گوجر سنگھ، خلیل احمد سوہاوہ گوجرانوالہ، حافظ محمد صابر جامعہ مدینہ کریم پارک، محمد سعید کریم پارک، طارق حفیظ اچھرہ، محمد ظفر اقبال توان کوٹ، عبدالمجید راج گڑھ، اسلم سیٹھی شاہ عالم، انجم سمن آباد، عبدالسلام مغل پورہ، جاوید قریشی راولپنڈی، ظہیر احمد، غلام نبی سمن آباد، مظفر احمد للیانی ضلع قصور۔

زخمی ان ہنگاموں میں سوا سو مرد کارکن جن میں ۲۵ وکلاء بھی شامل ہیں زخمی ہوئے۔ ان میں سے ۸ افراد ایسے تھے جو فائرنگ سے زخمی ہوئے۔ قریباً تیس خواتین جن میں سے ایک ۷۰ سالہ ضعیف العمر خاتون اور ایک بارہ سالہ بچی بھی ہے، زخمی ہوئیں۔ زخمی خواتین میں چودھری ظہور الٰہی کی ۴ صاحبزادیاں بھی شامل ہیں۔ بیگم اصغر خان، بیگم صبیحہ شکیل، بیگم رضیہ مغل بھی زخمی ہوئیں۔

صفدر چودھری کی گرفتاری :-

جب پولیس خواتین پر لاٹھی چارج کر رہی تھی اور ان پر آنسو گیس پھینک رہی تھی تو اس دوران وہ جماعت اسلامی لاہور کے دفتر میں بھی داخل ہو گئی۔ یہاں پہنچکر اس نے خواتین اور مرد کارکنوں کو زدوکوب کیا جسکے نتیجہ میں عبدالوحید خاں اور بہت سے افراد زخمی ہوئے اسی دوران پولیس جماعت اسلامی کے شعبہ نشر و اشاعت کے ناظم صفدر علی چودھری ص

وہ کتابیں جن کی افادیت میں کلام نہیں

کتاب	قیمت
محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے	۱۰/-
جب ایمان کی بہار آئی	۱۲/-
پیمانے چراغ	۱۶/-
نقوش اقبال	۱۰/-
ارکان اربعہ	۱۲/-
دریائے کابل سے دریائے یرموک تک	۱۴/-
دین و شریعت	۵/-
حیاۃ الصحابہ	۵۱/-
سیرۃ رسالت مآب	۳۰/-
مخزن المعلومات	۲۰/-
تاریخ اسلام (اکبر نجیب آبادی)	۶۰/-
رحمۃ للعالمین	۳۶/-
شمائل ترمذی	۱۵/-
امداد الفتاوی	۳۰/-
فیوض یزدانی	۲۵/-
فتاوی رحیمیہ	۶۰/-
مخزن اخلاق	۲۰/-
جنت کی کنجی	۶/-
مرنے کے بعد کیا ہوگا؟	۶/-
رضیہ کا شاہی دسترخوان	۵/-
شریعت یا جہالت	۱۲/-
تاریخ اسلام علامہ عاشق الہی)	۱۸/-
فاروق العزیز	۲/-
الفاروق	۱۰/-
بلاغ المبین	۶/۵۰
فتوح الغیب	۶/-
غنیۃ الطالبین	۳۰/-
فاتحہ کا صحیح طریقہ	۲/-
طب نبوی	۳/-
انتخاب صحاح ستہ	۹/-
مؤطا امام مالک مع اردو	۳۵/-
تعبیر نامہ خواب	۷/-
شرک و بدعت کے چور دروازے	۴/۵۰
مثنوی مولانا روم اردو مکمل	۶۰/-
بہشتی زیور اختری مکمل مجلد	۴۰/-
بہشتی زیور قمری مجلد	۱۸/-
اللہ نور السموات والارض	۳۰/-
حیات امام اعظم	۱۰/-
آپ حج کیسے کریں؟	۴/-
قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟	۷/-
اسلام کیا ہے؟	۴/۵۰
غیبت کیا ہے؟	۷/۵۰
براہین قاطعہ	۱۲/۵۰
انفاس عیسیٰ	۲۵/-
اعمال قرآنی	۳/۵۰
ورق ورق روشن	۳۰/-
تاریخ دیوبند	۱۰/-
تذکرۃ المصنفین	۷/-

ان کتابوں کے علاوہ بھی مکتبہ تجلی دیوبند (یو۔پی) سے رابطہ قائم کیجیے

یہ بھی پاکستان کے ہے!

۹ر اپریل کے سکا لاہور

۹ر اپریل کو پنجاب اسمبلی کا اجلاس ہونا تھا۔ اس سے ۲۰ روز قبل جب قومی اتحاد پنجاب نے اس دن کو (۹ر اپریل) کو یوم سیاہ قرار دیا تو شاید کسی کو علم نہیں تھا کہ اپریل ایک سیاہ ترین دن بن کر طلوع ہوگا اور اس روز لاہور کی شاہراہوں پر وحشت و بربریت جس انداز سے رقصاں ہوگی اس کے سامنے ظلم کی تاریخ کے کئی سیاہ اوراق اپنی سیاہی کھو بیٹھیں گے

۹ر اپریل کی تاریخ اہل پنجاب بالخصوص اہل لاہور کبھی فراموش نہیں کرسکیں گے۔ اس لحاظ سے بھی کبھی فراموش نہیں کرسکیں گے کہ اس دن جس طریقے سے سڑکوں پر عوام کا خون بہایا گیا بے کس عورتوں کی بے حرمتی کی گئی۔ نوجوانوں کے سینے گولیوں سے چھلنی کیے گئے، وہ ظلم و تشدد، وحشت و بربریت کے مظاہرے کی انتہاؤں میں سے ایک انتہا تھی۔ اور اس لحاظ سے بھی کبھی فراموش نہیں کرسکیں گے کہ جس انداز سے نہتے لوگ، مرد، عورتیں، بوڑھے اور بچوں کو گولیوں کی بوچھاڑ میں آگے بڑھتے رہے، سینوں پر گولیاں کھاتے رہے اور "لاالٰہ" کے نعرے بلند کرتے رہے۔ وہ ہمت جرأت، حب الوطنی، بہادری، سرفروشی اور غیرت ایمانی کے مظاہرے کی انتہاؤں میں سے ایک انتہا تھی۔

قومی اتحاد نے لاہور کے شہریوں سے ۹ر اپریل کو مکمل ہڑتال کرنے کی اپیل کی تھی اور اس روز لاہور سے کئی مختلف مقامات سے احتجاجی مظاہرے کرنے کے پروگرام کا اعلان کیا۔ ان مقامات میں سب سے اہم مقام نیلا گنبد تھا جہاں سے لاہور کے عام شہریوں نے نواب زادہ نصراللہ خاں کے زیر قیادت مظاہرہ کرنا تھا۔ خواتین کا مظاہرہ دفتر جماعت اسلامی لاہور شارع فاطمہ جناح سے کیا جانا تھا نسبت روڈ سے علماء کا جلوس نکلنا تھا اور ہائی کورٹ سے وکلاء نے مظاہرہ کرنا تھا۔ ان سب جلوسوں کے شرکائے پروگرام کے مطابق اسمبلی چیمبرز کی طرف مارچ کرنا تھا۔

لیکن ۹ر اپریل کو عالم یہ تھا کہ متذکرہ تمام مقامات پر پولیس کی بے پناہ تعداد متعین تھی جس نے تمام طرف سے راستوں کی ناکہ بندی کی ہوئی تھی۔ پولیس کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ سارے پنجاب کی پولیس کو آج لاہور میں تعینات کر دیا گیا۔ اسمبلی ہال کو چاروں طرف سے رینجرز کی بہت بڑی نفری نے گھیرے میں لے رکھا تھا اور اس کے نواحی علاقوں پر بھی پولیس ہزاروں ہزاروں کی تعداد میں موجود تھی۔ مال روڈ پر ریگل چوک سے لے کر ہائی کورٹ تک پولیس نے ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ مال روڈ کی ملحقہ سڑکوں ہال روڈ اور بیڈن روڈ کے چوک جو مال سے ملحق تھے اور بعد میں بے پناہ ہنگاموں کے مرکز بنے۔ پولیس کے قبضے میں تھے

شارع فاطمہ جناح کے مال سے ملحقہ چوک پر پولیس نے ناکہ بندی کرنے کے ساتھ ساتھ مختلف چیزوں اور گاڑیوں کو کھڑا کر کے راستہ بند کر دیا تھا۔ شارع فاطمہ جناح پر دفتر جماعت اسلامی کے آگے جہاں سے خواتین نے بیگم سید ابوالاعلیٰ مودودی کے زیر قیادت جلوس نکالنا تھا مردانہ پولیس کے ساتھ ساتھ زنانہ پولیس کی بھی بہت بڑی نفری موجود تھی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ آج کے دن کے لیے طوائفوں کی ایک بڑی تعداد کو زنانہ پولیس کی وردی پہنا کر لایا گیا ہے۔

کم و بیش ۸ بجے سے تمام علاقوں سے مظاہروں کا آغاز ہوا۔ لکشمی چوک میں مزدوروں کے جلوس اور نسبت روڈ میں علماء کے جلوس کو زبردست لاٹھی چارج اور آنسو گیس سے منتشر کر دیا گیا۔ لیکن مظاہرین لاہور ہوٹل میکلوڈ روڈ منٹگمری روڈ اور دیگر ملحقہ سڑکوں پر نکل گئے۔ ایک حصہ اسٹیشن پر پہونچ گیا۔ اور ان تمام علاقوں میں دو گھنٹے تک پولیس اور مظاہرین میں زبردست تصادم ہوتا رہا — ان علاقوں کے بہت سے مظاہرین مختلف راستوں سے کسی نہ کسی طریقے سے مال روڈ پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ لکشمی چوک کے علاقے میں مزدور بھی کئی گھنٹے تک مظاہرہ کرتے رہے۔

نیلا گنبد سے عام شہریوں کا جو جلوس نکالا جانا تھا اسے ناکام بنانے کے لیے کئی ہتھکنڈے استعمال کیے گئے پہلے نواب زادہ نصر اللہ خاں کو گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی لیکن کارکنوں کی زبردست مزاحمت پر یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی دوسری طرف نیلا گنبد مسجد کی اس طرح ناکہ بندی کی گئی کہ کوئی شخص مسجد میں داخل نہ ہو سکا۔ لیکن نزدیکی بینک سکوائر پر ہزاروں لاکھوں افراد سیاہ جھنڈیاں اٹھائے ہوئے موجود تھے اور فلک شگاف نعرے لگا رہے تھے۔ مال روڈ، بیڈن روڈ ہال روڈ، ٹمپل روڈ، شارع فاطمہ جناح اور گرد کے پورے علاقے اس وقت نعروں سے گونج رہے۔

نواب زادہ نصر اللہ خاں پولیس سے بچ کر مال روڈ پر پہنچے تو اس وقت تقریباً دس بجے کا وقت تھا۔ مظاہرین جب جی پی او تک پہنچے تو پولیس نے جلوس کو روکنے کی زبردست کوشش کی۔ ابھی پولیس اور عوام کی کشمکش جاری تھی کہ ہائی کورٹ سے وکلاء کی بہت بڑی تعداد ایم انور، شیر عالم، شاہدہ جمیل بار ایٹ لاء اور رضیہ لابی کی کاؤس کی قیادت میں فلک شگاف نعرے لگاتی ہوئی باہر آ گئی۔ وکلاء کا اس وقت اجلاس ہو رہا تھا اور ابھی وہ جلوس نہیں نکال رہے تھے۔ لیکن ان کو جیسے ہی علم ہوا کہ عوام کے جلوس کو روکنے کی کوشش کی جا رہی ہے تو وہ اجلاس چھوڑ کر باہر نکل آئے اور جلوس کے ساتھ مل گئے۔ وکلاء کو دیکھ کر عوام کا جوش و خروش انتہا پر پہونچ گیا اور عوام اور وکلاء کا مشترکہ جلوس دوبارہ فیصل چوک کی طرف مارچ کرنے لگا۔

ادھر شارع فاطمہ جناح پر عورتوں کے بہت بڑے جلوس پر، جن کے ساتھ ہزاروں طلبہ اور نوجوان بھی تھے۔ زنانہ اور مردانہ پولیس شدید لاٹھی چارج اور آنسو گیس پھینک رہی تھی۔ ایک مرتبہ اتنی شدت سے آنسو گیس پھینکی گئی کہ عورتوں کو مجبور ہو کر دفتر جماعت اسلامی لاہور میں واپس جانا پڑا۔ پولیس نے یہاں ہوائی فائرنگ بھی کی۔ یہ سوا نو بجے کا واقعہ ہے۔ سہیل نامی ایک نوجوان یہیں گولی لگنے سے شہید ہو گیا۔ یہاں آنسو گیس کے ڈیڑھ سو شیل پھینکے گئے۔ کئی عورتیں شدید زخمی ہوئیں اور بہت سی بیہوش یہاں پر ایک ایمان افروز واقعہ ہوا۔ ایک کارکن کی چھوٹی سی گیارہ سالہ بچی نویدہ شتاق بار بار آگے بڑھ رہی تھی۔ اس کی والدہ اسے روکنے کی کوشش کرتی تو اس کا جواب یہ ہوتا کہ امی مجھے شہید ہونے دو، مجھے جانے دو' آخر اس بچی کو پولیس نے لاٹھیوں سے شدید زخمی کر دیا۔ ایک شیل بھی اس کے سر پر مارا گیا۔ اس بچی کو گنگا رام اسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ ایک خاتون بیگم اشفاق مرزا کے جبڑے میں گولی لگی۔ دفتر کے اندر بھی آنسو گیس کے شیل پھینکے گئے۔ ایک مرتبہ پولیس دفتر کے اندر بھی داخل ہو گئی اور وہاں موجود خواتین اور مردوں کو شدید زدوکوب کیا۔ اسی کارروائی کے دوران میں خواتین پھر باہر نکل آئیں۔ انھوں نے شارع فاطمہ جناح کے راستے سے چیئرنگ کراس جانے کے بجائے ملحقہ راستوں سے ہو کر ریگل چوک کا رخ کیا اور لارنس روڈ سے ہوتی ہوئی ریگل پر پہونچ جانے میں کامیاب ہو گئیں۔ اسی وقت وکلاء اور عوام کا مشترکہ جلوس بھی ریگل سے گزر رہا تھا۔ خواتین بھی

ں جلوس میں شامل ہو گئیں۔ ریگل کے علاقے میں، جب جلوس
پریس کلب کے سامنے سے گذرا تو ایک مرتبہ پھر زبردست
آنسو گیس استعمال کی گئی۔ لیکن مظاہرین جن میں سیاہ دوپٹے
اوڑھے ہوئے ہزاروں خواتین بھی شامل تھیں، مسلسل آگے
بڑھتے رہے۔ پولیس نے آنسو گیس کا اور شدت سے استعمال
کیا اور وحشیانہ طور پر لاٹھی چارج بھی شروع کر دی۔ بہت سے
رہنما جن میں ایم انور، زبدہ اے کیکاؤس، پیر اشرف، بارک اللہ
خاں اور کئی وکلاء شامل ہیں، شدید زخمی ہو گئے۔ لاٹھی چارج
کی شدت کے باوجود جلوس آگے بڑھتا رہا اور پیور ایا سنٹر
تک پہنچ گیا۔ یہاں جلوس پر پھر آنسو گیس کے شیل پھینکے گئے
یہ منظر انتہائی جذبات انگیز تھا۔ وحشیانہ لاٹھی چارج اور
آنسو گیس کے باوجود ہزاروں مرد نوجوان، وکلاء اور خواتین
کا جلوس بے پناہ اولوالعزمی سے آگے بڑھتا رہا اور تمام رکاوٹوں
کو پھلانگتا ہوا بالآخر چیئرنگ کراس، جس کے ایک پہلو میں پنجاب
اسمبلی کی عمارت ہے، پہنچ جانے میں کامیاب ہو گیا۔ چیئرنگ
کراس پر اب ہزارہا عورتیں اور مرد کھڑے تھے۔ نواحی سڑکوں
سے بھی ہزاروں مظاہرین پولیس کا گھیراؤ توڑ کر یہاں پہنچ
گئے۔ خواتین کا ایک ہجوم الفلاح بلڈنگ کے پیچھے سے اسمبلی
ہال تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا مگر ایف ایس ایف کے
بے شمار مسلح لوگوں کے تشدد کی وجہ سے یہ کوشش کامیاب
نہ ہو سکی۔ ادھر چیئرنگ کراس پر شدید ترین آنسو گیس، لاٹھی
چارج اور فائرنگ شروع ہو گئی۔ یہ لاٹھی چارج اس موقع
پر شروع ہوا جب وکلاء اور خواتین نواب زادہ نصر اللہ
خاں کے کہنے پر نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ لاٹھی چارج کی شدت
سے جلوس حصوں میں بٹ گیا۔ قریب تھا کہ نواب زادہ نصر اللہ
خاں اور ان کے ساتھ دیگر رہنما شدید زخمی کر دیے جاتے
بعض وکلاء اور کارکنوں نے بڑی مشکل سے ان کو پولیس کے
گھیرے سے بچاتے ہوئے نزدیکی شاہدین بلڈنگ کی طرف
لے گئے۔

اس وقت پولیس کے لاٹھی چارج اور آنسو گیس کا دائرہ
وسیع ہوتا چلا گیا اور اسمبلی ہال کے علاقے سے ریگل تک کے
تمام چوک اور میکلوڈ روڈ تک کے علاقے اس کی زد میں آ گئے۔
لاکھوں بپھرے ہوئے عوام اور پولیس میں اصل تصادم کا
آغاز تب ہوا جب پولیس نے بلا جواز فائرنگ شروع کر دی
لاہور کی تاریخ میں اتنا بڑا مظاہرہ شاید کبھی نہ ہوا ہو گا۔ اسمبلی
ہال سے ریگل کی طرف اور ریگل سے لے کر ہائی کورٹ اور
نیلا گنبد تک پوری مال روڈ مظاہرین سے بھری ہوئی تھی۔
بیڈن روڈ، ہال روڈ اور کئی چھوٹی بڑی سڑکیں تاحد نظر
مظاہرین سے پر تھیں۔ ہزارہا افراد عمارتوں پر چڑھے ہوئے
تھے اور نعروں سے لاہور کی فضا لرز رہی تھی۔ پاکستان زندہ باد
آمریت مردہ باد۔ پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ۔ پولیس
تشدد مردہ باد، جعلی اسمبلیاں مردہ باد، بھٹو استعفیٰ دو۔
المدد المدد، یا خدا یا خدا، رہبر و رہنما مصطفیٰ مصطفیٰ۔ اور
بے شمار نعرے جوش و خروش کی انتہا پر تھے۔ لیکن کئی لاکھ
مظاہرین اس وقت تک پرامن رہے جب تک پولیس نے
نوجوانوں کے سینے گولیوں سے چھلنی کرنے شروع نہیں کر دیے۔

اس موقع پر اتنی زیادہ فائرنگ کی گئی اور واقعات
اس تیزی سے رونما ہوئے کہ صحیح تصویر کو الفاظ میں کھینچنا
ممکن نہیں ہے۔ فائرنگ اس طرح ہو رہی تھی کہ گویا میدان
جنگ ہے۔ لیکن انتہائی تعجب خیز بات یہ تھی کہ مظاہرین
میں سے کوئی شخص ایسا نہیں تھا جو خوف زدہ ہو کر بھاگ نکلا
ہو۔ لوگ مسلسل ڈٹے رہے اور گولیوں کے آگے سینہ تانے
میدان میں جمے رہے۔ بنوں کا ایک نوجوان شیر محمد (مستری)
گھر سے کسی کام سے نکلا اور ریگل چوک پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے
کندھوں پر اس کے اوزار آری اور تیشہ رکھے ہوئے تھے
اچانک ایک گولی آئی اور سینہ میں پیوست ہو گئی اور اس نے
وہیں دم توڑ دیا۔

ایک اور اندوہناک لیکن ...... ساتھ ساتھ ایمان
افروز، واقعہ میڈن روڈ، مال روڈ کے چوک پر پیش آیا۔ یہ بارہ بجے
کا وقت ہو گا۔ فائرنگ بارش کی طرح ہو رہی تھی اور اس فائرنگ
کے دوران دو مظاہرین سبز رنگ کا ایک بینر لیے ہوئے جس پر
"پاکستان کا مطلب کیا، لا الہ الا اللہ" تحریر تھا، بیچ سڑک پر

کھڑے رہے، بلکہ آگے کی جانب بڑھتے رہے۔ پھر انھوں نے ریگل کی طرف مارچ کرنا شروع کیا۔ پولیس نے انھیں واپس جانے کا حکم دیا لیکن وہ نکبیر کے نعرے بلند کرتے رہے اور ایک انچ بھی پیچھے ہٹنے سے انکار کر دیا۔ اس پر پولیس نے ان پر فائرنگ شروع کر دی۔ ایک گولی نے ایک نوجوان کے اس بازو کو کراس کیا جس سے وہ بینر پکڑے ہوئے تھا۔ اس نے فوراً بینر دوسرے ہاتھ میں پکڑ لیا دوسری گولی اس کی شہادت کا پیام لائی اور اس کے سینے میں پیوست ہوگئی۔ لیکن اس سے قبل کہ وہ گرتا۔ پیچھے سے ایک اور نوجوان آگے بڑھا اور اس نے شہید ہونے والے نوجوان کی جگہ سنبھال لی اور کلمہ طیبہ کے بینر کو زمین پر گرنے سے بچایا۔ دو گولیاں آئیں اور یہ نوجوان بھی شہید ہوگیا۔ گر اس کے گرنے سے پہلے ایک تیسرا نوجوان آگے بڑھا اور بینر کو تھام کر سینہ کھول دیا اور اگلی گولی کا انتظار کرنے لگا۔ مگر اس اثناء میں پولیس نے فائرنگ کا رخ تبدیل کر دیا تھا یہ بینر سورج غروب ہونے تک اسی طرح قائم رہا اور بیڈن روڈ کے لوگ بھی رات گئے تک برابر میدان میں جمے رہے۔

مظاہرین کا ایک حصہ ریگل سینما کے قریب شراب خانہ پر حملہ آور ہوا تو پولیس نے اس قدر شدید فائرنگ کی کہ پتہ ہی نہ چلا کہ کتنے لوگ لقمۂ اجل بنے۔ تاہم سینما اپر ہیڈ سینما کے اندر ہی گولی لگنے سے جاں بحق ہوا۔ اس کی لاش لوگوں نے لے لی۔ اسی گلی میں ایک نوجوان کے سر میں گولی ماردی گئی۔ اس کا مغز سڑک پر بکھر گیا۔

ٹمپل روڈ پر ایک نوعمر طالب علم سہیل نشاطی کو دو گولیاں لگیں اور وہ جاں بحق ہوگیا۔ یہاں مشتعل ہجوم نے ایک صوبائی وزیر کی کار کو نذر آتش کر دیا اور ایک اومنی بس جلادی۔ پولیس کسی اور کو نہ پکڑ سکی تو ایک بالکل کمسن بچے کے ہاتھ میں پٹرول کا ڈبہ پکڑا کر اسے مارتی پیٹتی گرفتار کر کے ساتھ لے گئی۔

ایک بجے کے قریب، ہائی کورٹ کے احاطہ میں چیف جسٹس کے دفتر کے سامنے موجود لوگوں پر ایف اللہ ایف

کے مسلح لوگوں نے شدید فائرنگ کر دی۔ معلوم ہوا کہ یہاں چھ افراد جاں بحق ہوگئے۔ اس جگہ موجود بہت سے راویوں نے بتایا کہ انہوں نے ایف ایس ایف کو ایک ٹرک میں کئی لاشیں لے جاتے دیکھا ہے۔

اولمپک ہاؤس میں ہزاروں مظاہرین نے پیپلز پارٹی کے دفتر پر حملہ کر دیا۔ لیکن شدید فائرنگ کی وجہ سے وہ کوئی قابل ذکر نقصان اس دفتر کو نہیں پہنچا سکے۔ ریگل چوک میں حبیب بنک کی ایک برانچ میں پولیس کے چھ افراد نے پناہ لی ہوئی تھی۔ بعد میں بعض لوگوں نے اس کو آگ لگادی۔ ہال روڈ پر بھی بعض نامعلوم لوگوں نے الائیڈ بنک کو نذر آتش کر دیا۔ فائرنگ دن بھر ہوتی رہی اور لاتعداد لوگ زخمی ہو ہو کر گرتے رہے۔ لوگ نہایت عزم و استقلال کے ساتھ اس ساری صورت حال کا مقابلہ کرتے رہے جو بھی کوئی شخص زخمی ہو کر یا شہید ہو کر گرتا، اسے گولیوں کی بوچھاڑ کے اندر سے جا کر اٹھا لاتے اور اسپتال میں پہنچا دیتے۔ اسپتال میں زخمیوں کو خون کی ضرورت ہوئی تو بیشمار لوگ خون دینے کو پہنچ گئے۔ متاثرین کے لیے ریلیف فنڈ میں بے پناہ رقوم جمع کرائی گئیں۔ لاہور کے شہریوں نے جس طرح رقص کرتی ہوئی موت کے سامنے آ کر قربانیاں دیں اور عزم و استقلال کی جو داستانیں رقم کیں اس پر بعض غیر ملکی نامہ نگار بھی انگشت بدنداں تھے۔

اس روز یوں بھی عام ہڑتال تھی اور اس کے بعد ظلم و ستم کے ان انسانیت سوز واقعات پر لاہور پر ایک عجیب فضا طاری ہوگئی۔ جا بجا لوگوں کی ٹولیاں اس کارروائی، جسے بعض لوگوں نے قتل عام کا نام دیا، پر جذبات کا اظہار کر رہے تھے۔ فضا میں غم و اندوہ اور اداسی طاری تھی۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ فضا میں خوف طاری تھا تو غلط ہو گا۔ شہریوں کے حوصلے بلند تھے۔ بلکہ دہشت و بربریت کے اس برہنہ رقص کا مشاہدہ کرلینے کے بعد حوصلوں میں مزید بلندی آگئی تھی۔

نوابزادہ کی پریس کانفرنس

شام کو نوابزادہ نصراللہ خاں

(بقیہ بر صفحہ ۹۹)

بشکریہ ایشیا

اور یہ بھی پاکستان ہے!

لاہور کو بجا طور پر "شہر اتحاد" کہا جا سکتا ہے۔ ۹ر اپریل کو لاہور نے جو بے نظیر مظاہرہ کیا تھا اس نے پورے ملک میں لاہور کو سربلند کر دیا اور وہ تمام باتیں جو وقتاً فوقتاً لاہور کی سرد مہری کے متعلق کہی جاتی رہی تھیں، بے جان ہو گئیں۔ ۹ر اپریل کے بعد لاہور کا عزم و حوصلہ اب بھی برقرار ہے۔ اس کی کیفیت میں تیزی و تندی آ گئی ہے۔

۹ر اپریل کے قتل عام کی جہاں ملک بھر میں (بلکہ بیرون ملک میں بھی) مذمت کی گئی اور احتجاج کیا گیا۔ لاہور نے اس میدان میں بھی اپنی برتری قائم رکھی۔ اس روز کے بعد لاہور میں نکلنے والے احتجاجی جلوسوں میں بھی شدت آ گئی۔ جلوسوں کی تعداد بھی زیادہ ہو گئی اور بیشتر جلوس بھی پہلے سے کہیں زیادہ ہونے لگے ہیں۔ ان سے بڑھ کر لاہور کے تاجروں نے جس ایثار و قربانی سے کام لیتے ہوئے احتجاج کیا ہے۔ اس کی ماضی میں کہیں مثال نہیں ملتی، ان تاجروں نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ قومی اتحاد کی تحریک کی حمایت میں اور ظلم و تشدد بالخصوص ۹ر اپریل کے قتل عام کے خلاف ۱۲ر اپریل سے احتجاجاً لاہور کی مارکیٹیں اور تجارتی مراکز غیر معینہ مدت کے لیے بند کر دیے جائیں۔ مالی قربانی کی یہ ایک ایسی مثال تھی جو اس سے قبل کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ دکانداروں کے لیے ایک روز بھی دکان بند رکھنا محال ہوتا ہے، حب الوطنی کے جذبے سے مجبور ہو کر یہ فیصلہ کر رہے تھے۔ اس ہڑتال میں درج ذیل کاروباری مراکز شامل تھے۔

"مال روڈ، انارکلی، گنپت روڈ، اردو بازار، اعظم کلاتھ مارکیٹ، نیو عالمگیر مارکیٹ، شاہ عالمی، دہلی گیٹ، کشمیری بازار، چوک وزیر خاں، سوہا بازار، ال روڈ، بیڈن روڈ، نیلا گنبد، چوک میو ہسپتال، ولی محمد روڈ، ریلوے روڈ، رام گلی، ٹمبر مارکیٹ، لنڈا بازار، راوی روڈ، نشتر روڈ (برانڈرتھ روڈ) چیمبرلین روڈ، شو مارکیٹ، برہا مارکیٹ، کیرا بازار، آٹو مارکیٹ اور اکبری منڈی"۔

اگلے دو روز میں اس ہڑتال میں با دامی باغ کی آٹو سپیئر پارٹس مارکیٹیں۔ باغبان پورہ کی سٹیل ملز، ایسوسی ایشن کی تمام سٹیل ملیں جو داروغہ والا، شادی پورہ، محمود بوٹی، اسلامت پورہ، کوٹلی پیر عبدالرحمٰن، شالامار لنک روڈ، مغل پورہ، مسکین پورہ اور کمہار پورہ کے علاقوں میں پھیلی ہوئی ہیں، بھی شامل ہو گئیں اور اسی دن پاکستان گڈز کیریرز ایسوسی ایشن بھی اس ہڑتال میں شامل ہونے کا فیصلہ کر دیا۔ یہ ہڑتال اتنی مؤثر تھی کہ جب تک یہ ہڑتال رہی ان علاقوں میں سے کسی علاقے میں ایک دکان بھی کھلی نظر نہیں آتی تھی، پر ہجوم رہنے والے بازار سنسان پڑے تھے۔ یہاں تک کہ ۱۸ر اپریل کو قومی اتحاد کی اپیل پر یہ ہڑتال ختم کر دی گئی۔

قومی اتحاد نے ۹ اپریل کے سانحے کے خلاف ۱۵ اپریل کو یوم احتجاج کے طور پر منانے کا اعلان کیا تھا۔ پنجاب کے طلبہ کی تنظیم "پنجاب اسٹوڈنٹس کونسل" کے صدر اور سابق ناظم اسلامی جمعیت طلبہ پنجاب لیاقت بلوچ نے جو پنجاب یونیورسٹی سٹوڈینس یونین کے صدر بھی ہیں، یہ اعلان کیا کہ پنجاب کے طلبہ بھی ۱۵ اپریل کو بھرپور انداز میں یوم احتجاج منائیں گے۔ یہ اعلان انہوں نے پنجاب سٹوڈنٹس کونسل کے پنجاب بھر سے آئے نمائندوں کے ایک اجلاس کے بعد ایک پریس کانفرنس میں کیا۔ چنانچہ ۱۵ اپریل کو جمعہ کی نماز کے بعد شہر کے مختلف علاقوں سے لوگوں کے بڑے بڑے احتجاجی جلوس مسجد شہداء کی طرف آنے شروع ہو گئے۔ چیمبرلین روڈ سے ایک بہت بڑا جلوس اسعد گیلانی کی زیر قیادت آیا اور اس کے بعد انارکلی، مکھن پورہ، نوری مسجد اور دیگر علاقوں سے کئی جلوس آئے۔ سب سے بڑا جلوس طلبہ کا تھا جو طلبہ رہنماؤں کی زیر قیادت مسجد نیلا گنبد سے آیا۔ خواتین کے جلوس کا کوئی پروگرام نہیں تھا، لیکن شارع فاطمہ جناح روڈ پر بیگم سید ابوالاعلیٰ مودودی کے زیر قیادت خواتین کا جلسہ منعقد ہوا۔

یہ تمام جلوس مسجد شہداء پہنچے اور اس کے بعد انہوں نے چیئرنگ کراس کی جانب مارچ شروع کر دیا۔ خلاف معمول پولیس نے کوئی کارروائی نہیں کی اس لیے حالات پرامن رہے۔ لاکھوں شرکائے جلوس چیئرنگ کراس پر مظاہرہ کرنے کے بعد شارع فاطمہ جناح کی طرف چل دیے اور تقریباً نصف گھنٹہ کے بعد واپس مال پر گئے۔ نوجوان اپنے مخصوص نعروں سے شرکائے جلوس کو گرما رہے تھے اور اردگرد کی عمارات اور سڑکوں پر کھڑے لوگ تالیوں سے جلوس کو خوش آمدید کہہ رہے تھے۔

چیئرنگ کراس جلوس بیڈن روڈ کی طرف مڑا، اسی اثنا میں معلوم ہوا کہ معصری شاہ کے علاقے میں طارق وحید بٹ اور پیپلز پارٹی کے دیگر کئی غنڈوں نے قومی اتحاد کے رہنما پیر اشرف کو شدید زخمی کر دیا ہے اور ایک اور رہنما کی دکان لوٹ لی ہے۔ یہ خبر سن کر شرکائے جلوس میں زبردست اشتعال پھیل گیا اور نعرے بلند ہونے لگے:۔

"چلو چلو مصری شاہ"

جلوس جس کے شرکا کی تعداد کم از کم دو لاکھ ہو گی بیڈن روڈ سے ہوتا ہوا چوک نکلشن پہنچا۔ جلوس کا اگلا سرا پیپلز پارٹی کے رتن سینما کے سامنے سے گزر رہا تھا کہ اچانک رتن سینما کے اوپر سے تیزاب کی بوتلیں پھینکی جانے لگیں اور پتھراؤ بھی شروع ہو گیا۔ اس کے بعد اچانک گولیاں چلنا بھی شروع ہو گئیں اور بہت سے افراد شدید زخمی ہو گئے اس اچانک کارروائی سے اہل جلوس کو منتشر ہو جانا چاہیے تھا لیکن جلوس ڈٹا رہا۔ تاہم اہل جلوس سخت مشتعل ہو گئے اور انہوں نے رتن سینما کا گیٹ توڑ ڈالا اور گولیوں کی بوچھاڑ میں سے ہو کر عمارت تک پہنچ گئے۔ چند ثانیوں کے بعد رتن سینما شعلوں کی لپیٹ میں تھا۔ رتن سینما سے آگے مختصر سے فاصلے پر عابد بلڈنگ میں پیپلز پارٹی کے دفتر سے بھی اسی طرح بلا اشتعال فائرنگ کی گئی۔ چنانچہ اس کا بھی وہی حشر ہوا جو رتن سینما کا ہوا، فائرنگ سے قومی اتحاد کے پانچ یا افراد شہید اور تقریباً ڈیڑھ سو شدید زخمی ہو گئے۔ ایک دو پیلے جو کچھ دیر قبل بلڈنگ سے فائرنگ کر رہے تھے ہجوم کے ہتھے لگے تو ان کو ان کے انجام تک پہنچا دیا گیا۔ اس طرح وہ خدشہ پورا ہو گیا جس کا اظہار گزشتہ روز بھٹو کی پیپلز پارٹی کے ایک اجلاس میں جو گورنر ہاؤس میں ہوا، کی گئی تقریر کے بعد پیدا ہو گیا تھا۔ بعض لوگوں نے اس بات کا بھی اظہار کیا تھا کہ آج کے جلوس میں پیپلز پارٹی والے ہنگامہ آرائی کریں گے۔ لیکن کسی کو یہ توقع نہ تھی کہ اس طرح بزدلوں کی طرح عمارتوں میں چھپ کر فائرنگ کی کمینی حرکت بھی کی جا سکتی ہے۔

---

۹ اپریل کے واقعات کے بارے میں اسلامی جمعیت طلبہ نے ایک پریس ریلیز جاری کیا جس میں کہا گیا تھا کہ آج لاہور میں اسٹوڈنٹس کونسل کے زیر اہتمام کونسل کے چیئرمین

...ن اور پنجاب یونیورسٹی سٹوڈنٹس یونین کے نائب صدر
...لفقت کی قیادت میں نیلا گنبد سے ایک جلوس نکالا گیا جو
...روڈ سے گزرتا ہوا مسجد شہدا تک گیا۔ یہاں پر جلسہ
...ہوا جس سے طلبہ رہنماؤں نے خطاب کیا۔ جلسے کے
...دوبارہ جلوس مصری شاہ کی طرف گیا۔ ... چوک پر
...سینما پر سے جلوس پر فائرنگ کی گئی۔ اس کے بعد جلوس
...ائدین نے
...کی توجہ
...نگ کرنیوالے
...پلے کے عناصر
...نب دلائی۔
...پولیس نے
...کارروائی نہ کی
...جلوس کئی
...یوں میں بٹ
...س کے بعد
...رہ جلوس کے
...جمع ہوئے
...وس نے دوبارہ
...اہوں پر گشت
...کیا۔ لاہور ہوٹل
...یب پی پی کے
...ہسے جلوس
...ن گن سے
...رش ماے
...بس سے چار افراد شہید ہوگئے اور ۴۰ زخمی، پانچ افراد
...لت نازک ہے۔ شہید ہونے والوں میں جمعیت طلبا عربیہ
...بن منصور بھی شامل ہے۔ میو ہسپتال سے اسلامی جمعیت طلبا
...لیوں کی فہرست بھی حاصل کر لی ہے۔ اس کے علاوہ رحیم
...ن پنڈی، ڈیرہ غازی خان، مظفر گڑھ، بہاول پور،
...، لائل پور اور دیگر کئی شہروں میں مظاہرے جلسے جلوس

منعقد کیے گئے۔ کوئٹہ میں میزان چوک پر ایک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے اسلامی جمعیت طلبا پاکستان کے ناظم اعلیٰ عبدالملک مجاہد نے قومی اتحاد کے مطالبات کی پرزور حمایت کی اور وزیر اعظم بھٹو اور الیکشن کمیشن سے مستعفی ہونے اور فوج اور عدلیہ کی نگرانی میں ازسرنو انتخابات کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے لاہور، کراچی اور حیدر آباد میں قانون نافذ کرنے والے اداروں کی جانب سے بے گناہ اور پرامن عوام پر وحشیانہ تشدد کی مذمت کی اور اس عزم کا اظہار کیا کہ عوامی جمہوری تحریک کو گولیوں کے ذریعے دبایا نہیں جا سکتا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں ۹ اپریل کو پاکستان کی تاریخ کے المناک ترین واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے خواتین، وکلاء، ججوں، طلباء، فرزندوں اور عوام پر رینجرز، ایف۔ ایس۔ ایف اور پولیس کی فائرنگ کی مذمت کی۔

سکھر سے ایک تار بنام قائم مقام امیر جماعت

"دہرکی ضلع سکھر سے پاکستان قومی اتحاد کے جنرل سیکرٹری محمد نواز کیپڑ نے قائم مقام امیر جماعت اسلامی پاکستان مولانا جان محمد عباسی کو بذریعہ تار اطلاع دی ہے کہ وہاں پر پولیس خوف و ہراس پھیلا رہی ہے۔ بے قصور لوگوں پر غلط الزامات لگا کر مقدمے بنائے جا رہے ہیں اور انہیں گرفتار کیا جا رہا ہے جس کی وجہ سے وہاں کے لوگوں میں دہشت پھیلنے پر بے چینی پائی جاتی ہے۔

بدین سے ایک دوسرے تار میں مولانا عباسی صاحب کو اطلاع دی گئی ہے کہ وہاں سے دفعہ ۱۴۴ اٹھانے کے باوجود پاکستان قومی اتحاد کے پرامن مظاہرین کو ڈی سی کے احکامات کے تحت گرفتار کر لیا گیا اور بدین کی انتظامیہ پرامن فضا کو خراب کر رہی ہے۔ گرفتار شدہ کارکنوں سے غیر انسانی سلوک کیا جا رہا ہے۔ بدین کی انتظامیہ کا پیپلز پارٹی کے امیدواروں کو بلا مقابلہ کامیاب کرانا اور پھر الیکشن میں انتظامیہ کی بیّنہ دھاندلی ساری قوم کے علم میں ہے۔ اسسٹنٹ کمشنر پاکستان قومی اتحاد کے کارکنوں پر حملے کروانے کی دھمکیاں دے رہا ہے۔

مولانا جان محمد عباسی نے اس صورت پر گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے انتظامیہ کو متنبہ کیا کہ وہ ایسی مذموم حرکات سے باز آجائے جن سے پرامن فضا خراب ہو ورنہ نتائج کی ساری ذمہ داری انتظامیہ اور حکمران پارٹی پر ہوگی جو بے گناہ اور مظلوم شہریوں کو بلاوجہ پریشان کر رہی ہے"۔

بی بی سی نے ایک نشریے میں پاکستان کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے اسلامی جمعیت طلبہ کو پاکستان کے [illegible] طلبہ کی جماعت اور پاکستان قومی اتحاد کی ریزرو فورس قرار دیا تھا۔ اس نشریے پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کے بارے میں شام کو اسلامی جمعیت طلبہ نے اپنی پریس ریلیز میں ملک بھر میں طلبہ جمہوریت کے لیے موجودہ جدوجہد میں بھرپور حصہ

لے رہے ہیں اور قربانیاں پیش کر رہے ہیں۔ بی بی سی کے آج صبح کے نشریے پر تبصرہ کرتے ہوئے جمعیت کے ترجمان نے کہا کہ "یہ ہماری دیگر طلبہ تنظیموں کے لیے دل شکنی ہو سکتا ہے کہ اس جدوجہد کا سارا کریڈٹ صرف اسلامی جمعیت طلباء کو جاتا ہے۔ ترجمان نے بی بی سی کے نشریے کی اس بات کی بھی تردید کی کہ اسلامی جمعیت طلباء جماعت اسلامی کی ذیلی تنظیم ہے۔ ہمارا کسی سیاسی تنظیم سے کوئی تعلق نہیں۔ ہمارا اپنا دستور اور مجلس شوریٰ ہے اور ہم اپنی پالیسی خود بناتے ہیں اور قومی امور پر طلبہ کے جذبات کا بھی بھرپور اظہار کرتے ہیں۔ ہم اس جدید دور میں اسلام کے مطالعے کے لیے سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ استاد سید قطبؒ اور دوسرے مسلم مفکرین کی تصنیفات اپنی لائبریریوں میں رکھتے ہیں اور ان کا احسان ہے کہ اس فکری رہنمائی کی بنا پر آج پاکستان کے طلبہ دنیا بھر کے طلباء کے رجحانات سے ہٹتے ہوئے زیادہ ترقی پسند خیالات کے حامل اور مسلسل تعمیری جدوجہد میں مصروف ہیں۔ بی بی سی نے آج صبح اپنے نشریہ میں اینڈریو وٹلے کے حوالے سے کہا کہ اب تاخیر سے سبھی طلباء نے جناب بھٹو کی مخالفت اور قومی اتحاد کے مطالبات کی حمایت کا فیصلہ کیا ہے جبکہ سرکاری حلقوں نے طلباء پر خطرناک سرگرمیوں کا الزام لگایا ہے اور جماعت اسلامی کی طلباء شاخ پر لاہور میں پولیس پر بموں سے حملے کرنے کا الزام لگایا ہے۔ مگر اسلامی جمعیت طلباء پاکستان نے اس الزام کی تردید کی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اس کا کوئی ٹھوس ثبوت موجود نہیں کہ اس کارروائی میں طلباء کا کوئی ہاتھ ہے۔ باور کیا جاتا ہے کہ پنجاب اور سندھ کی تین چوتھائی طلباء اسلامی جمعیت طلبہ کے رکن ہیں جو ایک نہایت منظم تنظیم ہے۔ اور پاکستان کی زیادہ تر آبادی ان ہی دو صوبوں میں رہتی ہے۔ اینڈریو وٹلے نے اپنے مراسلے میں طلباء رہنماؤں کا یہ بیان بھی نقل کیا کہ وہ موجودہ ایجی ٹیشن میں ایک ریزرو فوج کا کردار ادا کرنا چاہتے ہیں تاکہ قومی اتحاد اپنے مطالبات سے انحراف نہ کر سکے کیونکہ موجودہ ہنگامے اب صرف ایک جماعت کا مسئلہ نہیں بلکہ پوری قوم کا مسئلہ بن گیا ہے۔

[illegible] ایک ایسا دن تھا جسے [illegible] قرار دیا [illegible] مسٹر بھٹو نے پریس کانفرنس میں جو "فارمولا" پیش کیا تھا "اسلامی نظام نافذ" کرنے کا جو اعلان کیا تھا اس کے بعد پیپلز پارٹی سے تعلق رکھنے والے مبصرین توقع کر رہے تھے کہ اس اعلان سے لوگ مطمئن ہو جائیں گے اور تحریک ٹھنڈی پڑ جائے گی۔ لیکن ان کو یہ دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی کہ ملک کی طرح لاہور نے بھی اس فارمولے کو مکمل طور پر مسترد کر دیا۔

۱۸ اپریل کو مسجد نیلا گنبد سے سید اسعد گیلانی کے زیر قیادت جلوس نکالا جانا تھا اور نماز عصر سے پہلے ہی سے لوگ اس علاقے میں جمع ہونے شروع ہو گئے تھے۔ طلبہ و نوجوانوں کی بہت بڑی تعداد نیلا گنبد کے علاقے میں موجود تھی اور مسجد کا صحن بھی لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ باہر فضا میں قومی اتحاد کے بڑے بڑے پرچم لہرا رہے تھے۔ جب نماز عصر ختم ہوئی تو مسجد کے اندر حاضرین سے قومی اتحاد کے رہنما مسٹر حمزہ نے خطاب کیا تو باہر اور ملحقہ سڑکوں پر کم از کم پانچ لاکھ افراد جمع تھے۔ اتنی بڑی تعداد میں لوگ حالیہ تحریک کے دوران کبھی بھی جمع نہیں ہوئے تھے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ جو لوگ عام طور پر اپنے گھروں میں ہی رہتے ہیں وہ بھی یہ ثابت کرنے کے لیے کہ انہیں مسٹر بھٹو کے تازہ اعلانات قطعی منظور نہیں ہیں۔ آج باہر نکل آئے تھے۔

حمزہ کے بعد مولانا جان محمد عباسی اور نوابزادہ نصراللہ خان نے خطاب کیا اور پھر عوام کے اصرار پر انہوں نے بھی جلوس میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ جب جلوس مال روڈ سے گزر رہا تھا تو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ گویا آج سارا لاہور ہی مظاہرے میں شریک ہو گیا ہے۔ پانچ لاکھ سے زائد لوگ جوش و خروش کی انتہا پر تھے۔ آج کچھ نئے نعرے بھی لگ رہے تھے۔ مثلاً "جعلی شریعت نامنظور" "نیا ڈرامہ نہیں چلے گا" "نیا دھوکہ نہیں چلے گا" "نیا فراڈ نہیں چلے گا"۔

اس کے علاوہ وہی سابقہ نعرے "جعلی اسمبلی، جعلی وزیراعظم نامنظور"۔ "بھٹو استعفیٰ دو" وغیرہ۔ اس مظاہرے نے تمام سابقہ جلوسوں کی یاد دلا دی اور یہ ثابت کر دیا کہ لاہور اب کسی نئے دھوکے یا کسی نئے دام فریب میں پھنسنے کے لیے تیار نہیں ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی کی ایک اہم پریس کانفرنس

۱۸ اپریل ۱۹۷۷ء لاہور، ۶ بجے شام

بھٹو صاحب کے یہ اعلانات

اصل قومی مطالبات سے لوگوں کی توجہ ہٹانے کی تدبیر کے سوا کچھ نہیں

مسٹر بھٹو نے ۱۷ اپریل کی پریس کانفرنس میں یہ تأثر دیا ہے کہ میری اور ان کی ملاقات رازداری کے کسی خفیہ معاملے کے تحت ہوئی تھی۔ حالانکہ نہ ملاقات سے پہلے میں نے ان سے رازداری کا کوئی معاہدہ کیا تھا، نہ اس کے دوران میں اور نہ اس کے بعد۔ وہ مجھ سے ایسی حالت میں ملے تھے جب ان کی پے در پے غلط پالیسیوں اور کارروائیوں کی وجہ سے ملک میں آگ لگی ہوئی تھی۔ اس صورت حال میں میرا ان سے کوئی رازدارانہ گفتگو کرنا ہزار شبہات کو جنم دے سکتا تھا۔ اگرچہ گذشتہ تیس سال کی تاریخ میں اس ملک کے لوگ دیکھ چکے ہیں کہ کوئی حکومت میرے ساتھ کبھی کوئی سودے بازی نہیں کر سکی ہے۔ پھر بھی اس نازک موقع پر ان سے خفیہ ملاقات کرنا اور اسے راز میں رکھنا خواہ مخواہ میری پوزیشن کو مشتبہ بنا سکتا تھا۔ اس لیے میں نے نہ صرف یہ کہ کسی رازداری کا کوئی عہد و پیمان نہیں کیا، بلکہ ملاقات کے بعد فوراً ہی ایک مختصر بیان کے ذریعہ سے لوگوں کو یہ بتا دیا کہ میں نے ان سے کیا کہا ہے۔

اب انہوں نے ملک میں نفاذ شریعت کے لیے فوری اقدامات کا ذکر کرتے ہوئے اسلامی نظریاتی کونسل میں مجھے شریک کرنے کا خیال جس طرح ظاہر کیا ہے وہ یہ غلط تأثر دیتا ہے کہ نفاذ شریعت کا یہ اقدام اور نظریاتی کونسل میں میری یہ مجوزہ شرکت بھی گویا میرے اعلان کے درمیان کسی سمجھوتے پر مبنی ہے۔ حالانکہ اس مسئلہ پر ان سے میری قطعاً کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی۔ میرے نزدیک بھٹو صاحب کے یہ تازہ اعلانات اصل قومی مطالبات سے لوگوں کی توجہ ہٹانے کی ایک تدبیر کے سوا کچھ نہیں ہیں ورنہ آخر کیا وجہ ہے کہ خدا اور رسول کے جن احکامات کی طرف آج تک انہوں نے کبھی توجہ نہیں کی تھی وہ یکایک ان کو اب کیسے یاد آ گئے؟ اس وقت تو کوئی بھی ان سے یہ مطالبہ نہیں کر رہا ہے کہ وہ شریعت کو نافذ فرمائیں۔ بلکہ ساری قوم ان سے یہ کہہ رہی ہے کہ قومی اور صوبائی اسمبلیوں کا اور خود ان کا جو انتخاب غیر قانونی، غیر آئینی اور غیر اخلاقی طریقوں سے ہوا ہے اسے کالعدم کریں۔ اس ناجائز حکومت کا یہ استحقاق ہی قوم تسلیم نہیں کرتی کہ وہ ملک کا نظم و نسق چلائے۔ کجا کہ وہ ان سے شریعت کے احکام نافذ کرنے کا کوئی مطالبہ کرے۔ جس طرح وہ خود اور ان کی پارٹی کے بہت سے ارکان بلا مقابلہ منتخب ہوئے ہیں ان کی پوری داستان لوگوں کے علم میں آ چکی ہے۔ اسی طرح انتخابات کے دوران میں جو بے تحاشا اور کھلم کھلا دھاندلیاں ہوئی ہیں پوری قوم ان کی گواہ ہے۔ اس لیے ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک لاکھوں عوام روزانہ ان کے خلاف مظاہرے

کر رہے ہیں اور کوئی لاٹھی، گولی اور آنسو گیس ان کے مظاہروں کو نہیں روک سکتی ہے۔ عورت، مرد اور بچے سب سڑکوں پر نکل آئے ہیں اور صاف کہہ رہے ہیں کہ اس غیر قانونی حکومت کو وہ اپنے ملک میں کارفرما نہیں دیکھ سکتے ایسی حالت میں عوام کی توجہ ہٹانے اور ان کا دل بہلانے کے لیے جو تدبیریں بھٹو صاحب کریں گے اس کا کوئی فائدہ بھی کچھ مزید وقت گزاری کے سوا انھیں حاصل نہ ہو سکے گا۔ ان کے لیے اب بہتر یہی ہے کہ پیپلز پارٹی کے چیئرمین کی حیثیت سے اس مسئلہ پر بات کریں کہ نئے انتخابات منعقد کرانے کے لیے ایک عارضی حکومت کس طرح قائم کی جائے۔ قوم کو اب یہ اعتماد نہیں رہا ہے کہ ان کے برسر اقتدار رہتے ہوئے کوئی انتخاب بھی آزادانہ اور منصفانہ ہو سکے گا۔ خواہ وہ قومی اسمبلی کا ہو یا صوبائی اسمبلیوں کا۔

سوالات

پریس کانفرنس کے بعد صحافیوں کی طرف سے مختلف سوالات کیے گئے۔

اسلامی مشاورتی کونسل کی نئی تشکیل کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں مولانا نے کہا کہ میں اس تجویز کو سرے سے قبول نہیں کرتا۔ بھٹو صاحب نے یہ بات اصل مسئلے سے توجہ ہٹانے کے لیے کی ہے۔ اس لیے یہ مسئلہ ہے ہی نہیں کہ اسلامی کونسل کی نئی تشکیل کس طرح ہوتی ہے۔ جو قانونی اور جائز حکومت آئے گی وہی اس مسئلہ کا فیصلہ کرے گی۔

شراب وغیرہ پر پابندی لگانے کے بارے میں مولانا نے کہا ہے کہ یہ مستحسن اقدام ہے لیکن بہت سے اچھے کام ایسے وقت پر کیے جائیں جب کہ ان کی کوئی وقعت نہ ہو تو وہ بے کار ثابت ہوتے ہیں۔ مولانا نے کہا کہ اسلامی نظام صرف اتنا ہی نہیں کہ شراب پر پابندی لگا دی جائے۔

ایک غیر ملکی رپورٹر نے پیپلز پارٹی کے بارے میں پوچھا۔ مولانا نے فرمایا کہ بھٹو صاحب اور ان کی پارٹی کے لوگ اخلاقاً اسلام کے خلاف ہیں، ان کا طریق زندگی اسلامی نہیں ہے۔

... کے نقطۂ نظر سے ناجائز دولت کے بارے میں ایک سوال ہوا تو مولانا نے فرمایا ناجائز ذرائع سے پیدا شدہ دولت ثابت ہو جانے پر ضبط کر لی جائے۔

وزیر اعظم کی اس تجویز کے بارے میں کہ صوبائی اسمبلیوں کے دوبارہ انتخاب کرائے جا سکتے ہیں۔ ایک سوال ہوا تو مولانا نے فرمایا:-

اس امر کے ثبوت کے لیے کوئی ضرورت نہیں ہے کہ قومی اسمبلی کے انتخاب دھاندلیوں کے ذریعہ ناجائز طور پر ہوئے۔ ملک کے لاکھوں آدمیوں نے دھاندلیاں ہوتے دیکھی ہیں اور الیکشن کمیشن نے جن نشستوں کا فیصلہ کیا ہے اس سے بھی ثابت ہو گیا ہے کہ بے شمار دھاندلیاں ہوئی ہیں۔ ان دھاندلیوں کو ثابت کرنے کے لیے صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کرانے ضروری نہیں ہیں۔ مزید برآں دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ یہ انتخابات کس کے زیر انتظام ہوں۔ اگر مسٹر بھٹو کے زیر اقتدار ہوں تو عوام کو ان پر اعتماد نہیں ہوگا۔

عبوری حکومت کے متعلق ایک سوال کے بارے میں مولانا نے فرمایا کہ مسٹر بھٹو اس ضمن میں پیپلز پارٹی کے چیئرمین کی حیثیت سے بات کر سکتے ہیں لیکن بطور وزیر اعظم ان سے مذاکرات نہیں ہو سکتے وہ اپنے عہدے سے مستعفی ہو جائیں۔ ہم مسٹر بھٹو کو جائز وزیر اعظم تصور نہیں کر سکتے۔ اگرچہ وہ عملی طور پر وزیر اعظم ہیں۔ مسٹر بھٹو اگر بطور چیئرمین پیپلز پارٹی بات کریں تو وہ خود تسلیم کر لیں گے کہ وہ جائز وزیر اعظم نہیں ہیں۔

ایک صحافی نے کہا کہ مسٹر بھٹو جماعت اسلامی اور آپ پر سخت سے سخت تنقید کرتے رہے ہیں۔ لیکن اب اپنے بیان میں انہوں نے آپ کی تجاویز کو قومی مفاد کے مطابق قرار دیا ہے؟

مولانا نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس وقت وہ مجھ پر اور پر سخت سے سخت تنقید کر رہے تھے اس وقت بھی ان کو میرے اوپر اعتماد تھا۔

ایک سوال تھا:" اس وقت جو صورت حال فریقین میں پیدا ہو گئی ہے اور ملک جس اقتصادی و سیاسی بحران میں مبتلا ہو گیا ہے اپوزیشن اپنے موقف پر ڈٹی ہوئی ہے. جب کہ وزیر اعظم اپنے موقف سے کچھ ہٹتے ہیں تو کیا اس صورت حال میں ملک تباہ نہیں ہو رہا ہے؟"

مولانا نے فرمایا یہ مسٹر بھٹو کی حب الوطنی کا ٹیسٹ ہے کہ آیا وہ اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لیے ملک کو تباہ کر رہے ہیں یا ملک کو بچانے کے لیے اقتدار چھوڑ دیتے ہیں. ملک رہیگا تو بطور چیئرمین پیپلز پارٹی انتخابات میں حصہ لے سکتے ہیں اور وہ کامیاب ہو جائیں تو وہ جائز طور پر وزیر اعظم بن سکتے ہیں اور ہار جانے کی صورت میں حزب اختلاف میں بیٹھ سکتے ہیں.

ایک سوال کے جواب میں مولانا محترم نے فرمایا:

میں نے مسٹر بھٹو پر واضح کر دیا تھا کہ امن عامہ کی صورت آپ کی طرف سے بگڑی ہے، آپ نے پورے ملک میں دفعہ ۱۴۴ لگا دی اور جب عوام نے اس کی خلاف ورزی کی تو ان پر فائرنگ، لاٹھی چارج اور آنسو گیس چھوڑی گئی۔ اگر دفعہ ۱۴۴ نافذ نہ ہوتی تو سارے ملک میں مظاہرے پر امن ہوتے.

ایک سوال تھا:

اگر انتخابات میں دھاندلی کا الزام تسلیم کر کے دوبارہ انتخابات کا مطالبہ تسلیم کر لیا جائے تو اس سے یہ روایت نہ قائم ہو جائے گی؟.

مولانا نے فرمایا:-

ایک یا چند حلقوں میں دھاندلی کی بات علاوہ ہے لیکن ایسی دھاندلی کی مثال کبھی دیکھنے میں نہیں آئی جو ۷ مارچ کے روز دیکھی گئی. اگر دوبارہ اتنے وسیع پیمانے پر دھاندلی ہوئی تو اس کے لیے بھی دوبارہ انتخابات کرانے پڑیں گے.

مولانا محترم نے فرمایا جس الیکشن کمشنر کو ہم نہیں مانتے اس نے بھی اب دھاندلیوں کو تسلیم کر کے حکمران جماعت کے امیدواروں کے خلاف فیصلہ دیا ہے.

ایک سوال کے جواب میں مولانا نے بتایا کہ اس وقت حکومت کے پاس ہر قسم کی قوت ہے اور عوام نہتے ہیں پیپلز پارٹی والوں کو لائسنس کے بغیر اسلحہ دیا گیا ہے جو پولیس اور ایس ایف ایس کی مدد سے عوام کے خلاف استعمال کیا جا رہا ہے.

فوجی مداخلت کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں مولانا نے فرمایا:-

" وہ دن پاکستان کی تاریخ کا بدترین دن ہوگا جب فوج ملک کا اقتدار سنبھالے گی"۔

جواہر الفقہ (عکسی)
عظیم اسلامی انسائیکلوپیڈیا
سائنس جدید اور فقہ اسلامی کی روشنی میں عظیم تحقیقات کا مجموعہ
جواہر الفقہ (عکسی) جلد اول کے اہم عنوانات یہ ہیں :-
ایمان و تکفیر کے اصول ○ قرآنی رسم الخط ○ قرآن کریم کا صرف ترجمہ شائع کرنا ○ حرف ضاد اور مسائل
تجوید ○ خطبہ جمعہ عربی میں کیوں؟ ○ تقلید شخصی ○ پیر و مرید کا فقہی اختلاف ○ دست بوسی و قدم بوسی
○ فقہ اربعہ پر فتوی کے حدود ○ اقامت کے وقت مقتدی کب کھڑے ہوں؟ ○ سمت قبلہ ○ جدید طرز کی
مساجد ○ نماز و روزہ کا فدیہ ○ مروجہ صلوٰۃ سلام ○ مروجہ تسبیح کمیٹی ○ فضائل و آداب دعا ○ اور زانِ
شرعیہ ○ قربانی و چرم قربانی ○ حقیقت احرام ○ حج اور حج بدل کے احکام ○ رمضان ○ زکوٰۃ ○
رویت ہلال بہت عجیب علمی تحقیقات کا مجموعہ۔
جواہر الفقہ (عکسی) جلد دوم کے اہم عنوانات یہ ہیں :-
حقیقی ذبیحہ ○ مرتد کی سزا اور ارتداد کی حقیقت ○ علم نبوی کی تحقیق ○ الاعانۃ علی الحرام ○ مجموعہ کیلیے
غیر شرعی امور میں تعاون کی حدود ○ آداب الاخبار ○ اسلامی صحافت و جرائد کا معیار ○ مختلف مذاہب
میں زوجیت کے احکام ○ عشر و خراج ○ انتخابات، ووٹر اور امیدوار کے لیے ضابطہ شریعت ○ حق تصنیف
اور حق ایجاد ○ اسلامی قانون اور پیشہ ور گداگری ○ داڑھی کٹوانا اور خضاب ○ یتیم پوتے کی میراث ○ نابالغہ
کا نکاح ○ احکام القمار ○ اسلام اور سرجری ○ اعضاء انسانی کی پیوند کاری ○ مریض کے جسم میں دوسرے کے اعضاء
اور خون کا استعمال اور دیگر بہت سی جدید سائنسی اور شرعی تحقیق جو قاضی، مفتی، علماء، لکچرار، جج، وکلاء اور
دانشور طبقہ کے لیے عظیم سرمایہ۔
جلد اول تقریباً ۵۲۵ صفحات۔ عمدہ کاغذ، کتابت و طباعت آفسٹ۔ قیمت مجلد بائیس ۲۲ روپے 22/-
جلد دوم تقریباً ۵۰۰ صفحات۔ عمدہ کاغذ، کتابت و طباعت آفسٹ۔ قیمت مجلد بائیس روپے 22/-
ہر قسم کی درسی، تبلیغی، ادبی کتب و قرآن کریم
ملنے کا پتہ :- مکتبہ تفسیر القرآن سید منزل
جامع مسجد دیوبند۔ یو۔پی

شمعوں کی طرح پگھل رہے ہیں / ہم غم کی چتا میں جل رہے ہیں

جانا ہے کہاں خبر نہیں کچھ / چلنے کا جنوں ہے چل رہے ہیں

سانسیں اپنی نہ جسم اپنا / ٹکڑوں پہ کسی کے پل رہے ہیں

لمحات کی تند آندھیوں میں / یادوں کے چراغ جل رہے ہیں

سورج ہو کہ رات کا اندھیرا / سب میرے لہو پہ پل رہے ہیں

دنیا نے ہزار رنگ بدلے / ہم اپنی جگہ اٹل رہے ہیں

پا کر احساس کی حرارت / ہم برف کی طرح گل رہے ہیں

دل میں ہے ہجوم وسوسوں کا / آسیب کھنڈر میں پل رہے ہیں

کچھ ایسی کڑی ہے دھوپ طاہر / پتھر بھی یہاں پگھل رہے ہیں

خواجہ معصوم علی مستند اور باضابطہ صوفی ہونے کے باوجود بڑے رنگین مزاج اور زندہ دل آدمی تھے۔ ان کی رنگین مزاجی کا اندازہ لگانے کے لئے یہی ایک واقعہ بہت کافی ہوگا کہ جب ان کو والد شیخ تبریزی نے انھیں شادی پر مجبور کیا تو صوفی معصوم علی نے ایک ہی سانس میں بہت ساری شرائط پیش کر ڈالیں اور کھترے لہجہ میں فرمایا کہ اگر لڑکی ان ساری شرائط پر پوری اُترے تو میں شادی کرونگا ورنہ اس جنم میں میرا شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ شرائط بڑی عالمانہ تھیں ـــ یعنی کمر پتلی ہو، آنکھیں مرادآبادی کٹورے جیسی ہوں، ہونٹ گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح نازک ہوں، چہرہ برف کی طرح بالکل سفید اور شفاف ہو۔ بدن کا ہر حصہ جموں اور سرینگر کی طرح ہرا بھرا ہو، بال اندھیری رات کی طرح کالے اور جاڑوں کی رات کی طرح لمبے ہوں ـ لڑکی ذہنی طور پر ماڈرن ہو دقیانوسیت نام کی کوئی چیز اس میں ڈھونڈنے سے بھی نظر نہ آتی ہو۔ کم از کم دسویں کلاس پاس ہو۔ وقتاً فوقتاً گنگنا لیتی ہو۔ شعر و شاعری کی دلدادہ ہو اور سب شرائط کے بعد سب سے بڑی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ مہر اکیس روپے سے زیادہ نہیں بندھیں گے ـــــــ

انھیں اس معیار کی بنت حوا موصول ہوئی یا نہیں یہ الگ مسئلہ ہے لیکن ان مذکورہ شرائط سے اس بات کا اندازہ تو بآسانی ہو ہی جاتا ہے کہ صوفی معصوم علی ایک ایسے آدم زاد ہیں کہ رنگین مزاجی جن کی فطرت کا جزو خاص بنکر رہ گئی ہے۔ زندہ دلی کا اندازہ اس سے کیجیے کہ انھیں شادی کے بعد داڑھی اور بیوی سمیت کتنی ہی بار دہلی میں "اوکھلے" کے چکر کاٹتے دیکھا گیا ہے۔ ایک مرتبہ فدوی کو بھی وہ اوکھلے میں ٹکرا گئے تھے اور حسب معمول اہلیہ ساتھ تھیں میں نے شیخ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کے دربارِ خاص سے ملی ہوئی ہمت کا سہارا لے کر کہدیا تھا۔

حضرت۔ جب آپ جیسے متشرع اور داڑھی دار لوگ بھی اہلیاؤں سمیت یہاں سیر گشت کرتے نظر آئیں گے تو پھر ہم جیسے معمولی مولویوں کی جرأتِ بے شرمی اور بڑھے گی۔

کیا مطلب ـ خدا ہی جانے وہ سچ مچ چونکے تھے یا انھوں نے چونکنے کی ایکٹنگ کی تھی۔

میرا مطلب یہ ہے کہ دو مُشت داڑھی میں اوکھلے جیسے عریاں علاقہ کا طواف کرنا اعلیٰ درجہ کی بے شرمی ہے اور اس اعلیٰ درجہ کی بے شرمی میں جب آپ جیسے فطری اور مدلل صوفی بھی ملوث ہوجائیں تو پھر ہم جیسے دنیا دار مولویوں کو ایک دلیل شرعی ہاتھ آجائے گی اور پھر ظاہر ہے کہ ہم بھی اپنی عورتوں سمیت یہاں آنے جانے لگیں گے۔

وہ مسکرائے پھر خالص روحانی لہجہ میں بولے۔ عزیزم کیا کسی بہشتی زیور میں یہ دکھا سکتے ہو کہ اوکھلے کی تفریح کرنا گناہ ہے۔

بہشتی زیور کیا اوکھلے کا ذکر خیر تو قرآن تک میں موجود نہیں

ویری گڈ ـــ انھوں نے میرے کاندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ ایک بہشتی زیور ہی نہیں قرآن حکیم میں اور حدیث کی

کسی کتاب میں اوکھلے کی ممانعت نظر سے نہیں گذری۔ اگر اوکھلا جانے خطا ہوتا تو خدا اور رسول کو اس بات کی فکر لاحق ہوتی کہ مسلمانوں کو یہاں آنے سے روکا جائے۔

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جن چیزوں کی ممانعت قرآن و حدیث میں موجود نہیں وہ چیزیں قابل احتراز نہیں ہوسکتیں۔

آخر کیوں ہوں قابل احتراز ـــ؟ مذہب کے بنیادی اصول آسمان پر ترتیب دیئے گئے ہیں۔ ہم کون ہوتے ہیں ہر چیز میں جائز و ناجائز کی بحثیں نکالنے والے۔

قرآن میں تو کہیں یہ بھی نظر نہیں آتا کہ سنیما بینی گناہ ہے تو کیا سنیما دیکھنے میں کوئی قباحت نہیں۔

کوئی قباحت نہیں بشرطیکہ فلمیں دیکھنے کے بعد محلہ کی لڑکیوں سے عشق بازی کا کھیل نہ کھیلا جائے۔

اور قرآن میں تو یہ بھی نہیں کہ شیخ ذوالجلال کی منجھلی لڑکی کو آنکھ مارنا گناہ ہے تو کیا میں ان کی صاحبزادی کو آنکھ مار سکتا ہوں۔

لاحول ولاقوۃ ـــــــ بڑے ہی بے شرم واقع ہوئے ہو۔ خیر تمہاری کوئی خطا بھی نہیں۔ یہ بے شرمی تو تمہیں دارالوساوس سے ملی ہے۔

دارالوساوس؟

یعنی وہی دارالعلوم دیوبند جو گمراہیاں پھیلانے میں اپنی مثال آپ ہے۔ دارالعلوم کے فاضلین میں جتنی بے شرمی اور تنگ نظری دیکھی گئی ہے اتنی تو جہلاء میں بھی نظر نہیں آتی۔

تم چونکہ دارالعلوم کے فاضل ہو اس لئے تمہارے اندر دونوں قسم کی خرابیاں موجود ہیں تم بے شرم بھی ہو اور تنگ نظر بھی۔

تمہاری بے شرمی کی دلیل تو یہ ہے کہ تم شیخ ذوالجلال کی صاحبزادی کو آنکھ مارنے کا ارادہ رکھتے ہو اور بر ملا ہم جیسے با اصول آدمی سے اس کا اظہار بھی کر رہے ہو۔ آنکھ مارنے میں کوئی حرج نہیں لیکن از خود اس کا چرچا کرنا بد تہذیبی ہے اور تمہاری تنگ نظری کی دلیل یہ ہے کہ تم ہر وقت اسی ادھیڑبن میں نظر آتے ہو کہ کیا جائز ہے اور کیا ناجائز اور کیا درست ہے اور کیا نادرست ـــ اگر تم نے بریلی کمتب فکر کے کسی اسکول میں تعلیم پائی ہوتی تو تمہارے دماغ میں توسع بھی ہوتا اور تمہارے افعال میں تہذیب کی پرچھائیں بھی تم آنکھیں مارتے تو ہماری طرح چھپ کر مارتے اور اس وہم میں پڑنے کا تو کوئی سوال [illegible] کہ کیا صحیح ہے کیا غلط۔

[illegible] ہے کہ اس قدر ایڈوانس ہونے کے باوجود آپ کے چہرے پر ایک عدد داڑھی کیوں نظر آتی ہے اور آپ کبھی کبھی مسجد کی طرف جاتے کیوں دکھائی دیتے ہیں۔

یہی تو کج فکری ہے جس نے ساری ملت کا بیڑا غرق کر دیا ہے۔

عزیز گرامی نیکی اور بدی کا بیلنس برابر رہنا چاہیئے۔ نہ ایک پلڑا جھکنے پائے نہ دوسرا یہی کمال بشریت ہے۔ اور یہی معراج تقویٰ۔

آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ خدا اور شیطان دونوں ہی کو بیک وقت راضی کر لیا جاتا۔

اس میں ناممکن کی کیا بات ہے۔ ایک سنیما دیکھنے والا شخص کیا روزہ رکھنے پر قادر نہیں ہوسکتا۔ سنیما اگر شیطان کو راضی کرنے کے لئے دیکھا جا سکتا ہے تو روزہ خدا کو خوش کرنے کے لئے رکھا جا سکتا ہے اس میں کون استبعاد ہے۔

کیا اللہ کے نیک بندوں سے بدی کا صدور متوقع ہے؟

پھر وہی بکواس۔ اماں وہ زمانے گئے جب نیک صرف نیک ہوتے تھے اور بد صرف بد۔ موجودہ دور ایک نرالا دور ہے اس دور میں نمازی فلموں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور فلموں سے فائدہ اٹھانے والے نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اس نئے دور میں بھی یہ خواہش کرنا کہ نماز پڑھنے والا دیوار پر لگی ہوئی کسی عریاں تصویر کو نظر بھر کے نہ دیکھے پرہیزگاری نہیں وہم کاری ہے۔ تقویٰ نہیں مجہولیت ہے۔ ہمیں دیکھو کہ ہم پابندی کے ساتھ نماز بھی پڑھتے ہیں اور پابندی کے ساتھ سنیما بھی دیکھتے ہیں۔ ہم پابندی کے ساتھ روزے بھی رکھتے ہیں اور پابندی کے ساتھ اوکھلے میں بھی گھومتے ہیں۔ ہم کبھی کبھی تبلیغی جماعت میں بھی چلے جاتے ہیں اور کبھی کبھی نائٹ کلب میں بھی ہم ان مسلمانوں میں سے ہیں کہ دنیا جن کے ہاتھوں کا میل ہوتی ہے اور آخرت جن کے گھر کی لونڈی۔

صوفی صاحب میرا کند دماغ آپ کی یہ منطق ہضم نہیں کر سکتا۔

اچھا تو پھر جاؤ ہمیں بور نہ کرو اتنا کہہ کر انھوں نے ایک

طرف کھڑی ہوئی اہلیہ کا ہاتھ پکڑا اور اور گھٹے کی رونق میں گم ہوگئے میں تھوڑی دیر تو وہیں ساکت وصامت کھڑا رہا۔ پھر میں بھی نہ جانے کہاں گم ہوگیا۔

یہ بات تو پرانی تھی۔ اب ایک بالکل نئی اور تازہ ترین بات سنئے۔ گذشتہ جمعرات کو میں سلطانِ تصوف شاہ چھوٹے میاں قدس سرہٗ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے گیا تھا۔ واپسی پر میری مڈبھیڑ خواجہ معصوم علی سے ہوگئی۔ مڈبھیڑ کیا وہ مجھے سامنے سے آتے ہوئے نظر آئے — ان پر نظر پڑتے ہی میرے دل ودماغ حیرت کی دلدل میں دھنستے چلے گئے۔ ایک میں ہی کیا دنیا کا ہر شریف آدمی اس وقت انھیں دیکھ کر حیرت وتعجب کی کسی دلدل میں ڈوبے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ بات دراصل یہ تھی کہ وہ کافی سے زیادہ متغیر محسوس ہو رہے تھے۔ ان کے جسم پر جو لباس چڑھا ہوا تھا اسے مغربی تہذیب کا ذراسہ اور برہنگی کا لے پالک قرار دیئے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا۔ سر سے پٹھے غائب ہو چکے تھے اور ان کی جگہ انگریزی بالوں نے اس طرح ڈیرہ جمایا تھا جیسے کسی کسٹوڈین زدہ مکان میں کوئی خانہ بدوش وہاں آ گھسے۔

— شیروانی لاپتہ تھی، جوتے قطعاً غیر شرعی تھے داڑھی خوامش تراش کے تمام چور دروازوں سے گذر کر اس مقام پر پہنچ چکی تھی کہ جہاں ہر صاحب باطن کو یہ کہنے کا قانونی حق حاصل تھا کہ خوردبین لگائے بغیر خواجہ معصوم کی داڑھی کو دیکھ لو تو جانیں — ؟!

اس حلیئے میں خواجہ معصوم کو دیکھ کر پہچاننے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر بوعلی سینا کی بزرگی کے صدقے میں مجھے من بھر بصیرت ملی ہوئی نہ ہوتی۔

میرے قدم رک گئے۔ وہ خود میرے پاس آکر جاندار دلبرانہ بولے۔

پہچان لیا ؟

جی ہاں پہچان لیا کہ آپ صوفی اعتماد علی کے صاحبزادۂ کلاں فلسفی منزود کے بھتیجے۔ خالہ اقلیدس متانن کی بڑی لڑکی مس تلوار جہاں کے منجھلے داماد اور شہزادۂ تصوف الحافظ والعالم والعابد لیل و نہار عالی جناب ذوالفقار عرف بلبل قدوائی کے اکلوتے پدر بزرگ مشفق اور مس لاحول کے شوہر نامدار خواجہ معصوم علی ہیں۔

—— اور جن کی مثال اس دیپک کی سی ہے جو تصوف کی کائنات میں بدگمانی کے اندھیرے آندھیلنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا۔

اخ آہا —— انھوں نے ایک زور دار قہقہہ لگایا پھر زیر لب بولے۔

ڈارلنگ۔ ناراض نہ ہو۔ میں ایک انسان ہوں اور انسان حالات وحادثات کے سامنے قطعی مجبور و بے بس ہوتا ہے۔

گویا کہ ہم انسان ہی نہیں ہیں جو سدا سے ایک ہی روش پر چلنے کے عادی ہیں اور جنھیں نہ حالات متاثر کرتے ہیں نہ رسم ورواج کی آندھیاں۔

پیارے تم نے جس شہر میں جنم لیا ہے وہ ہمیشہ ہی سے دقیانوسیت کا دلدادہ ہے۔ میری مراد دیوبند سے ہے جہاں عارضی طور پر اب میں مقیم ہوں۔ اس دیوبند میں ہمیشہ ایسے لوگ جنم لیتے رہے ہیں جنھیں نہ زندگی سے پیار ہوتا ہے، نہ حالات کی خوبصورت اونچ نیچ سے۔ یہ لوگ ہمیشہ کنوئیں کے مینڈک کی طرح ایک گڑھے میں پڑے ہوئے ہیں اور اس کا نام انھوں نے "دنیائے پرہیزگاری" رکھ چھوڑا ہے۔ آخر یہ پرہیزگاری کوئی زہر تو نہیں کہ جس کا جام پی لینے کے بعد زندگی کی ہر امنگ دم ہی توڑ دے۔

کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ پرہیزگاری کس چڑیا کا نام ہے؟ میرے لہجہ میں جھنجلاہٹ تھی۔

پرہیزگاری کا زیادہ سے زیادہ مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ آدمی کبھی خدا اور خود سے غافل نہ رہے۔ اور بس۔

گویا کہ وہ زانی اور شرابی انسان بھی پرہیزگار ہی کہلائے جسے اپنی ناتوانی کے ساتھ خدا کے وجود کا یقین ہو۔

زنا اگر طرفین کی مرضی ہو تو اس میں کیا مضائقہ ہے؟

میرے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی —— یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں — سٹ پٹائیے نہیں۔ مجھے بس یہ بتا دیجئے کہ اگر ہم لوگ زنا نہ کریں شرابیں نہ پئیں تو اللہ کی رحمتوں کو ظہور میں آنے کا موقع کیسے مل سکے گا۔ تم تصوف کی تاریخ پڑھ کر دیکھو تمہیں اندازہ ہوگا کہ

بعض زبردست صوفیوں نے دانستہ کبائر کا ارتکاب محض اس وجہ سے کیا تھا کہ وہ اللہ کی رحمتوں کا جوش دیکھنے کے خواہشمند تھے۔

کیا اللہ کی رحمتیں گناہوں کی ریل پیل دیکھے بغیر جوش میں نہیں آسکتیں۔؟

ممکن ہی نہیں ہے۔ جب تک کوئی گناہ نہ کرے معافی تلافی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ماں کی غیر معمولی شفقتوں سے تو آپ بھی متعارف ہوں گے "میرا لہجہ خاصا سنجیدہ ہو چکا تھا"

کیوں نہیں؟

اب ذرا بتایئے کہ کیا ممتا کے سمندر میں جوار بھاٹا اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب اس کے بیٹے لگاتار اس کی نافرمانی کریں۔ کیا فرمانبردار اولاد ماں کی عنایتوں سے محروم رہتی ہے؟

عزیزی — یہ بات پلّے باندھ لو کہ روحانیت کے میدان میں منطق کے لنگڑے گھوڑے دوڑانے والے لوگ قدم قدم پر اوندھے منہ گرتے ہیں اور ایسے لوگوں کا خاتمہ جب بھی ہوتا ہے کفر و الحاد پر ہوتا ہے۔ تم دیوبندی ذہنیت رکھنے والے ملاؤں میں سب سے بڑی بیماری یہی ہے کہ ہر معاملہ میں عقل لڑاتے ہو۔ اور ہر معاملہ میں عملاً یہ ثابت کرنا چاہتے ہو کہ جیسے خدا بہت غصیارا ہے جو گناہوں کی سزا دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ نادانو، خدا کی رحمتوں کا ادراک تم جیسے نااہل کیا کر سکیں گے جنھیں تصوف کی زمین پر دو قدم چلنے کی کبھی توفیق نہیں ہو سکی۔

آپ غصہ کر رہے ہیں۔ یا غصہ کی ایکٹنگ۔

علمی بحث میں غصہ کا تو کوئی سوال نہیں البتہ ضرور ہے کہ جب تم جیسے ہوشمند اور توسّع پسند مسلمان بھی ہر مسئلہ زندگی میں جائز و ناجائز کی بحثیں اٹھانے لگیں تو ہماری ایمانی حرارت کو بڑا صدمہ ہوتا ہے۔

محترم مجھے کسی طرح سمجھایئے کہ جو قوم صرف خدا کی رحمتوں کو پیش نظر رکھے وہ خدا کی فرمانبرداری کیسے ہو سکتی ہے۔ ذرا آپ اس گھر کا تصور تو کیجئے جہاں کوئی فرد باقی نہ رہا ہو۔ چند بچے ہوں اور ایک ماں۔ کیا اس گھر کے بچے طرح طرح گمراہیوں اور آوارہ گردیوں [illegible] نہیں ہوتے۔ کیا [illegible] ہے [illegible] سے دامن بچا لیں گے۔ محترم ایمان ان ہی دلوں میں سلامت رہ سکتا ہے جن دلوں میں آس بھی ہو اور یاس بھی امید بھی ہو اور خوف بھی۔ جہاں صرف خوف ہو گا وہاں ایمان ٹھٹھر کر رہ جائے گا اور جہاں صرف امید اور بے خوفی ہو گی وہاں ایمان آوارہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکے گا۔

کیا ایمان بھی آوارہ ہو جاتا ہے۔ انھوں نے خالص بریلوی اور طنز بھرے انداز میں پوچھا۔

کیوں نہیں۔ ان مسلمانوں کے ایمان کو آوارہ کہے بغیر چارہ نہیں جو اللہ کی رحمتوں کا ناجائز فائدہ اٹھا کر بھانت بھانت کی خرابیوں میں ملوث ہو جاتے ہیں صرف اس یقین کے ساتھ کہ اللہ بہت رحیم ہے لہٰذا وہ ہمارے کرتوتوں پر پردے ڈال کر ہمیں جنت میں داخل کر ہی دے گا۔

تو کیا آپ اللہ کی رحمتوں کے منکر ہیں۔

ہم اللہ کی رحمتوں کے منکر نہیں۔ بلکہ ہم ان مسلمانوں کے خلاف ہیں جو اللہ کی رحمتوں کا ناجائز فائدہ اٹھا کر شراب خانوں اور گندی سوسائٹیوں کے ارد گرد ملیت پھیرت کرتے نظر آتے ہیں۔ اور جن کی زندگی کا حاصل عصیات کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

اچھا تمہارے نزدیک پرہیزگاری کا صحیح مفہوم کیا ہے انھوں نے عیدگاہ کی طرف راستہ موڑتے ہوئے کہا۔

میرے نزدیک تو پرہیزگاری کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ آدمی ہر معاملہ میں خدا اور اس کے رسول کی مرضی و نامرضی کو پیش نظر رکھے۔

اور یہ بات کسی طرح ممکن نہیں ہے۔

کیا مطلب؟

مطلب یہ ہے کہ ہر معاملہ میں خدا اور اس کے رسول کی مرضی کو پیش نظر رکھنا دائرۂ امکان میں بھی نہیں آسکتا۔ دائرۂ وقوع میں آنا تو بعد کی بات ہے۔

میں نے سنا تھا کہ اعلیٰحضرت تھوکتے وقت بھی اللہ کی مرضی کو پیش نظر رکھتے تھے۔

اعلیٰحضرت کی بات اور ہے — روئے زمین پر اعلیٰحضرت کے علاوہ کوئی دوسری شخصیت ایسی نہیں گذری جو زندگی و موت کے ہر مسئلہ میں اللہ اور اس کے رسول کی مرضیات کو ملحوظ رکھے۔

کیا پیغمبروں میں بھی کوئی ایسی شخصیت موجود نہیں تھی — ؟

وہ کچھ دن پیشتر دماغ میں مبتلا رہے پھر بولے۔ چلئے پیغمبروں کو مستثنیٰ کردیجئے — اس لئے کہ ان پر وحی بھی تو نازل ہوتی تھی۔ انھوں نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔

ظاہر ہے کہ اب وہ کھلی حماقتوں پر اُتر آئے تھے اور یہ بات اپنی جگہ طے شدہ ہے کہ بریلوی ذہنیت کے لوگ جب اول فول بکنے پر اتر آتے ہیں تو وہ عقل و شعور اور ایمان و اسلام کی تمام حدیں پار کر کے کفر و الحاد کے اُس بن باس میں پہنچ جاتے ہیں جہاں آدمی کی آواز اور کتے کی بھوں بھوں میں کوئی نمایاں فرق باقی نہیں رہتا میں نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

ایمان و پرہیز گاری کی باتیں چھوڑیئے — آپ تو یہ بتایئے کہ ہونے والے اسمبلی الیکشن میں کانگریس جیتے گی یا جن سنگھ۔

کانگریس —

وہ کیوں — ؟

وہ اس لئے کہ کانگریس کے سر پر آج بھی اولیاء اللہ کا سایہ ہے۔

پچھلے چناؤ میں جب کانگریس ہاری تھی اُس وقت یہ سایہ کیا روس چلا گیا تھا — ؟

وہ تو ایک عذاب تھا — جو اولیاء اللہ کی مرضی سے منجانب اللہ نازل ہوا تھا — سُنا ہے کہ چشم دید گواہوں کی موجودگی میں بعض اولیاء اللہ کی نسبندی کردی گئی تھی۔ جس پر اولیاء بگڑے اور اولیاء کے بگڑنے سے خدا خفا ہوا اور جب خدا خفا ہوتا ہے تو آسمان سے عذاب ہی نازل ہوگا لڈو تو برسنے سے رہے۔

تو کیا خدا خفا بھی ہو جاتا ہے۔ ؟

کیا آپ کو اشکال ہے ؟۔

اشکال اس لئے ہے کہ آپ نے چند منٹ پہلے بزبان خود یہ فرمایا تھا کہ خدا صرف رحیم و کریم ہے اور جو صرف رحیم و کریم ہو وہ عذاب کیسے نازل کرسکتا ہے۔

خدا صرف ایک صورت میں عذاب نازل کرتا ہے جب اولیاء کی شان میں گستاخیاں کی جائیں۔ ورنہ وہ کسی صورت میں اپنے بندوں کی پٹائی نہیں کرتا۔

میں نے آپ کے اکابر سے سنا ہے کہ دیوبندیوں کی بخشش نہیں ہوگی — تو کیا دیوبندی خدا کے بندے نہیں ہیں۔ یا خدا دیوبندیوں کے حق میں رحیم و کریم نہیں ہے۔

پھر وہی بیہودہ بات — ڈیر ملا میں ابھی کہہ چکا ہوں کہ خدا کو سب کچھ گوارا ہے لیکن یہ گوارہ نہیں کہ اولیاء کی شان میں بدتمیزی کی جائے۔ دیوبندیوں اور مودودیوں نے بارہا اعلیٰ حضرت جیسے بلند پایہ بزرگوں کی شان میں کھلی گستاخیاں کی ہیں۔ لہٰذا خدا ان سے ناراض ہے اور صوفی درود کے خواب کے مطابق دیوبندیوں اور مودودیوں کو عذاب دینے کے لئے بے چین ہے۔

بے چین ہے تو ان پر عذاب نازل کیوں نہیں کردیتا۔

عذاب کے سر پر کیا سینگ ہوتے ہیں اس سے بڑا عذاب اور کیا ہوگا کہ دہابڑے اور مودودڑے دنیا کی ہر نعمت سے محروم ہیں شب برات کا حلوہ انھیں نصیب نہیں ہوتا۔ چہلم کے کھانے کی کی انھیں بو تک نہیں آتی۔ گیارویں کا کھانے سے یہ کلیتۃً محروم ہی رہتے ہیں اور نیاز کے بکروں کا گوشت تو انھیں خواب تک میں نصیب نہیں ہوتا۔ یہ عذاب نہیں تو پھر کیا ہے۔ ؟

اماں وہ بات پھر ٹل گئی۔ میں پوچھ رہا تھا کہ اسمبلی کے الیکشن میں فتح کا سہرا کانگریس کے سر پر بندھے گا یا جن سنگھ کے۔

بلا تردد کانگریس کے۔ کانگریس ہی وہ جماعت ہے جو مومنوں کا تحفظ کرسکتی ہے کانگریس کے ماسوا کسی جماعت میں یہ اہلیت نہیں کہ وہ مسلمانوں کے جذبات کو محسوس کرے۔ مجھے اس فلسفہ سے اتفاق نہیں —

نہ ہو لیکن حلقہ دیوبند کے عظیم ترین لیڈر مولانا اسعد صاحب اس فلسفہ کے موجد ہیں ان کا دعویٰ ہمیشہ یہ رہا ہے کہ کانگریس مسلمانوں کی اصل خیر خواہ ہے اگر کانگریس نہ ہوتی تو خدا ہی جانے بے چارے مسلمانوں پر کیا گذرتی۔

کیا آپ کے نزدیک حلقہ دیوبند کے کسی لیڈر کا دعویٰ قابلِ قبول ہوسکتا ہے ؟

صرف اسی صورت میں جب وہ ہمارے حلقہ کے کسی لیڈر کے دعوے کی ترجمانی کررہا ہو۔ ہمارے حلقہ کی ہمیشہ سے یہ رائے ہے کہ کانگریس ہو یا جنتا ہر طاقتور اور صاحب اقتدار پارٹی کو

[illegible] پیارا مولوی [illegible]
ہمارے خیالات کی تصدیق کرتا ہے تو ہم اسے سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں
خواہ وہ فاسد عقائد کا حامل ہو۔
آج معلوم ہوا کہ تم خالص بریلوی نہیں۔ خالص بریلوی ہونے کی پندرہ بنیادی علامتوں میں سے ایک علامت یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ وہ کسی بھی حالت اور کسی بھی صورت میں حلقۂ دیوبند کے کسی فرد کی کوئی بات تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے خواہ وہ بات صد فی صد معقول کیوں نہ ہو۔
عزیزم! بعض مصالح کی بناء پر ہم اربابِ گمراہی کی تعریف کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔
مثلاً کیا — ؟
میرا مطلب یہ ہے کہ کسی مثال سے یہ سمجھا دیجئے کہ وہ کونسی مصلحتیں ہیں جن کی وجہ سے آپ بعض دیوبندیوں کو خاطر میں لے آتے ہیں۔
تم ان مصلحتوں کو نہیں سمجھ سکتے — تاوقتیکہ تم خواجہ تاشقند رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت نہ ہو جاؤ
کیا قبر میں جاکر — ؟
گستاخی مت کرو۔ خواجہ صاحب ہر جمعرات کو فقیروں کے قبرستان والی مسجد میں وعظ فرمانے کے لئے تشریف لاتے ہیں اور تشنگانِ روحانیت کو سیراب کر کے واپس اپنی قبر میں چلے جاتے ہیں۔ اگر تم بیعت کے لئے تیار ہو تو اگلی جمعرات کو تمہیں بیعت کرا دوں گا بیعت ہوتے ہی دو زبردست فائدے تمہیں نصیب ہوں گے ایک تو تمہارے روح کے دامن سے وہابیت کی گرد جھڑ جائے گی دوسرے تم سرتاپا معصوم عن الخطا ہو جاؤ گے۔ در اصل تمہارے قلب میں روحانیت کے ہر گُل اور جُزء کو کیلسٹ لینے کی بڑی صلاحیت موجود ہے۔
ذرہ نوازی — آپ تو اب یہ بتایئے کہ آپ نے اپنا حلیہ اور ناک نقشہ کیوں بدل ڈالا — کیا یہ بھی روحانیت کی کوئی قسم ہے۔
پیارے۔ ہر بات کی گہرائی تک پہنچنے کے لئے من بھیجے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور جب تمہاری کھوپڑی میں ایک چھٹانک

[illegible] کی
[illegible] ہو۔ ہم نے داڑھی کیوں منڈا لی [illegible] کیوں کر لی یہ ایک بانکا مسئلہ ہے — اور اس بارے میں تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہونی چاہیئے۔
ہم اس بات کے پابند بالکل نہیں کہ تمہاری ہر الجھن کو دور کریں لیکن چونکہ تم سے قلبی اور روحانی تعلق ہے لہٰذا عرض کئے دیتے ہیں کہ داڑھی اور لباس کا مسئلہ اتنا اہم نہیں ہے کہ تم خواہ مخواہ اس چکر میں اپنی صحت برباد کر ڈالو۔ آدمی کا دل منور ہونا چاہیئے۔ ظاہر کیسا بھی ہو۔ یہی سُنّی مذہب کی ابجد ہے اور یہی سُنّی مذہب کی منتہا —
چند لمحوں تک خاموشی رہی اسی خاموشی کی حالت میں ہم واپس ہونے کے ارادہ سے پلٹے۔ دو چار قدم چلنے کے بعد انھوں نے انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ عرض کیا —
آج تو دل اور دماغ اس بات کے متقاضی ہیں کہ تمہاری اہلیہ کے ہاتھ کے پراٹھے کھائے جائیں۔
پراٹھے — یہ پراٹھوں کا وقت ہے۔
"کیا پراٹھے کھانے کے لئے بھی کوئی وقت مقرر ہے۔"
یہ تو مجھے معلوم نہیں البتہ اتنا ضرور جانتا ہوں کہ میری اہلیہ کے نزدیک عصر کے بعد پراٹھوں کی فرمائش تک مکروہ تحریمی کا درجہ رکھتی ہے۔
اہلیہ کے خیالات سے کیا فرق پڑتا ہے۔
بہت فرق پڑتا ہے۔ اس لئے کہ چولہے چوکے کا نظام تمام تر اہلیہ ہی کی دسترس میں ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر میں ایک آلو بھی نہیں ابال سکتا۔
کیوں بہانے کرتے ہو۔ ہم واقف ہیں کہ تمہاری اہلیہ تمہارے اشاروں پر ناچتی ہے —
جی نہیں — بلکہ میری اہلیہ کا اکلوتا شوہر میری اہلیہ کے اشاروں پر ناچتا ہے۔
تاویلات پر لعنت بھیجو۔ پراٹھے تو کھلانے ہی پڑیں گے۔
اور اے قارئین با تمکین قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ میاں مُلّا کی کوئی تاویل نہیں چل سکی اور خواجہ معصوم کو مغرب کے بعد پراٹھے کھلانے پڑے — معاذ اللہ تین سو چودہ فلسفیوں کے نزدیک مغرب کے بعد پراٹھا کھانا بھی مکروہ ہے اور پکانا بھی — اور پھر ان کو ازسرِ نو ہضم کرنا بھی۔ قارئین دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ **تجلی** دیوبند

ایڈیٹر حسن احمد صدیقی
(فاضل دیوبند)

سالانہ چندہ بائیس روپے
ششماہی چندہ بارہ روپے
فی کاپی ڈھائی روپے
اس شمارے کی قیمت تین روپے

آغاز ۱۹۴۹ء

امریکہ، انگلینڈ، نائیجریا، کنیڈا، فرانس، انڈونیشیا سے بذریعہ بحری ڈاک دو پونڈ بذریعہ ہوائی ڈاک دس پونڈ۔ افریقہ، سعودی عرب، بحرین، قطر وغیرہ سے بذریعہ بحری ڈاک ایک پونڈ دس شلنگ بذریعہ ہوائی ڈاک دو پونڈ

فہرست مضامین

اگر ◯ اس دائرے میں سرخ نشان ہے تو سمجھ لیجئے کہ اس پرچہ پر آپکی خریداری ختم ہے۔ آپ یا منی آرڈر سے سالانہ چندہ ارسال کریں یا وی، پی کی اجازت دیں۔ اگر آئندہ خریداری جاری نہ رکھنی ہو تب بھی اطلاع دیں۔ خاموشی کی صورت میں اگلا پرچہ وی، پی سے بھیجا جائے گا جسے وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا۔ منی آرڈر روانہ کرکے آپ وی، پی خرچ سے بچ جائیں گے۔

خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ جن گناہوں کے مرتکب کے بارے میں اللہ کے سچے رسولؐ یہ فرماتے ہیں کہ وہ مومن نہیں ہے یا وہ ہم میں سے نہیں ہے تو اگرچہ اس قانون کے دائرے میں مومن ہی شمار کیا جائے گا وہ ایک نہ ایک دن جنت میں بھی جائے گا اور اللہ ارحم الراحمین کی اجازت سے سرکارِ رسالت انکی شفاعت بھی فرمائینگے، لیکن مغفرت اور شفاعت کی منازلِ رفیع سے محشر میں ایسے جن زہرہ گداز آلام و مصائب اور ہولناک آفات و شدائد سے گذرنا پڑے گا ان کا ادراک و احساس اگر اسے آج کی اس ناپائیدار زندگی میں ہوجائے تو قسم ہے وحدہٗ لاشریک کی کہ وہ ان افعالِ بد کے ارتکاب سے ہزار درجہ بہتر اسے سمجھے کہ اس کی بوٹی بوٹی کاٹ کر چیل کوؤں کو کھلا دی جائے، ظاہر ہے کہ ایک طرف اگر گھنٹے دو گھنٹے کی تکلیف ہو اور دوسری طرف غیر معین، طویل مدت کا عذابِ الیم تو ہر شخص یہی پسند کرے گا کہ پہلے کو قبول کرے اور دوسرے سے پناہ مانگے۔

مگر دقت یہی ہے کہ عذابِ آخرت کا کوئی جاندار شعور ہم بدنصیبوں میں نہیں پایا جاتا اور باوجود مومن ہونے کے ہمارا آفتابِ ایمان اس طرح گہنا گیا ہے کہ ہماری اعمال و حرکات میں سیاہی ہی سیاہی نظر آتی ہے ہم خوش ہوتے ہیں کہ اس پیغمبرؐ کی امت میں جو شفیع المذنبین ہے ہم مطمئن ہیں کہ ایمان و اسلام کے طفیل آخرکار ہمیں جنت مل کر رہے گی لیکن یہ نہیں سوچتے کہ قبر سے لیکر مغفرت تک ہم پر کیا بیتے گی کیسے کیسے لرزہ خیز شدائد سے ہمیں گذرنا پڑے گا، مانا کہ چوری اور جعلسازی کی سزا پھانسی نہیں ہے لیکن مہینوں اور سالوں کی قید و بند بھی تو کوئی خوشگوار چیز نہیں جسکی ایک صحیح العقل آدمی پرواہ ہی نہ کرے دنیا کی قید و بند اور صعوبتیں تو پھر بہت ہلکی ہیں قبر اور یوم الحساب کی سختیاں ایسی خوفناک ہونگی کہ ایک ساعتِ عذاب کو آدمی حیاتِ دنیاوی کی دس دس سالہ مشقت سے بڑھ کر اذیت ناک تصور کریگا پھر یہ بھی نہ سمجھیئے کہ جہنم محض کافروں کیلئے بنایا گیا ہے کتنے ہی بدنصیب مسلمان ہونگے جنھیں ہمیشہ کے لئے نہ سہی مگر تھوڑی مدت کے لئے ضرور آگ میں ڈالا جائیگا آگ میں جلنا اور تڑپنا بعد کی بات ہے یہی دیکھ لیجئے کہ دنیا میں فقط ایک چنگاری بدن پر آپڑتی ہے تو آدمی کیسا ناچا ناچا پھرتا ہے کیسی واویلا مچاتا ہے تب وہ عالم کتنا مہیب ہوگا جب دہکتی ہوئی آگ میں آدمی ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپے گا اور یہ آس بھی نہیں ہوگی کہ دس پانچ منٹ میں موت اس کربناک اذیت کا قصہ تمام کردے گی، وہاں موت کہاں جینا اور مجبوراً جینا تڑپنا اور پیہم تڑپنا، پناہ خدایا تیری ہزار بار پناہ ہے!

(تجلی مئی دا ہجیدہ ستمبر ۶۲ء)

احوالِ واقعی

ادارہ

ہم ہر ماہ اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ تجلی وقت پر تیار ہو کر قارئین کی خدمت میں پہونچ جائے، لیکن تقدیر کی بے بضاعتی کہیئے یا زمانہ کی گردش کہ ہم اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہو پاتے، جد و جہد اور دوڑ دھوپ کا نتیجہ صفر کے سوا کچھ نکلتا ہی نہیں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تجلی کی کتابت ہی وقت پر نہیں ہو پاتی، اور کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ تجلی کی کتابت و طباعت تو ٹھیک ٹائم پر ہو جاتی ہے لیکن کوئی اور رکاوٹ سینہ تان کر کھڑی ہو جاتی ہے اور تجلی کو دفتر تجلی سے ہلنے نہیں دیتی۔

اگست کے شمارے کی کتابت بروقت ہو گئی تھی، توقع تھی کہ یہ شمارہ صحیح وقت پر آپ کی خدمت میں پہونچنے کا شرف حاصل کرلے گا، لیکن شومیٔ قسمت کہیئے یا اپنے اعمال کی سزا کہ کاغذ وقت پر مہیا نہ ہو سکا کوششِ بسیار کے بعد کاغذ ہاتھ لگا تو پھر پریس والوں نے نظریں پھیر لیں خوشامد اور جی حضوری کے بعد پریس والوں نے یہ وعدہ کیا کہ پندرہ دن کے بعد تجلی کی طباعت کا نمبر آجائے گا، جس دن پریس والوں نے وعدہ کیا تھا اس دن تاریخ ۱۴ اگست تھی، خیال ہوا کہ اگست کا شمارہ بہت لیٹ ہو جائے گا، لہٰذا دو ماہ کا مشترکہ شمارہ نکال دیا جائے ممکن ہے کہ اس طرح بگڑا ہوا نظام درست ہو جائے، چنانچہ کچھ صفحات بڑھا کر اگست کے شمارہ کو اگست و ستمبر کا شمارہ بنا دیا گیا۔ ہم جانتے ہیں کہ دو ماہی شمارہ آپ کے لئے وجہ جھنجھلاہٹ ہی ثابت ہوگا، لیکن کیا کریں ہم مشیت کے آگے مجبور اور بے بس ہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح آپ بھی بسا اوقات مشیت کے آگے مجبور اور بے بس ہو جاتے ہوں گے، بخدا آپ یقین کریں کہ ہماری کوشش تو یہی ہوتی ہے کہ تجلی وقت پر تیار ہو کر آپ کی خدمت میں پہونچ جائے، لیکن اگر پروردگار کی ایما اور مرضی ہی شاملِ حال نہ ہو تو بتایئے کہ ہماری کوشش، ارادے اور بھاگ دوڑ کی حیثیت ہی کیا ہے پروردگار سے دعا ہے کہ وہ اس اختلال و انقطاع کو دور فرمائے جو آپ کے لئے باعثِ کوفت اور ہمارے لئے باعثِ ندامت بنا ہوا ہے۔

گزشتہ دنوں بہار شریف میں جو ہندو مسلم فساد ہوا ہے اس کی خبر کئی اخباروں میں چھپ چکی ہے، ہندوستان کے مختلف اخباروں نے اس فساد پر اپنے آنسو بہائے ہیں اور ان مسلمانوں سے ہمدردی اور خیر خواہی کا دعویٰ کیا ہے جو اس فساد میں ہلاک یا زخمی ہو گئے ہیں۔

اخبارات ہی کے ذریعہ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ بہار شریف کے فساد میں بھی پولیس کا رویہ حسب سابق ہی رہا یعنی جس طرح کانگریس کے دورِ حکومت میں مسلمانوں ہی کو گالیوں اور گولیوں کا نشانہ بنایا جاتا تھا اسی طرح جنتا کے دورِ اقتدار میں بھی ہونے والے فساد میں پولیس جانب دار رہی اور اسی طبقہ کو گھونسوں، لاتوں اور بندوقوں کی گولیوں سے نوازتی رہی جو پولیس کے آنے سے پہلے ہی ایک ظالم طبقہ کے چیرہ دستیوں کا شکار ہو چکا تھا۔

بعض اخبارات نے پولیس کی جانب داری اور ستم ظریفی پر تھو تھو کی ہے اور حکومت کو متنبہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ پولیس کی حرکتوں کا جائزہ لے۔

ہمارا اپنا خیال یہ ہے کہ پولیس نے جو کچھ بھی کیا ٹھیک ہی کیا ہے، پولیس کی ایسی ٹولی کہ جس کے سبھی افراد کافر ہوں، وہ مسلمانوں کے ساتھ ظالمانہ اور وحشیانہ سلوک کے ماسوا اور کر بھی کیا سکتی ہے، کفر اور اسلام کی دشمنی بہت پرانی ہے، کفر کو جب بھی کبھی موقعہ ملا ہے اس نے اسلام پر تاخت کی ہے، اور کافروں کو جب اور جہاں موقعہ نصیب ہو گیا انھوں نے مسلمانوں کے احساسات پر گھونسے رسید کر کے اپنے تعصب کی آگ بجھائی ہے۔

مسلمان جب تک مضبوط اور طاقتور رہے اسلام کے دشمنوں کی یہ مجال نہیں ہو سکی کہ وہ سامنے سے آ کر مسلمانوں پر حملہ کر سکیں، از راہ منافقت اور از راہِ معاندلی تو ارباب کفر مسلمانوں کے طمانچے رسید کرتے لیکن ان میں اتنی جسارت پیدا نہیں ہوئی تھی کہ رو برو آ کر مسلمانوں سے دو دو ہاتھ ہو سکیں، اور اگر کبھی سامنے آ کر انھوں نے حملہ کر ہی دیا تو انھیں شکست و ریخت اور ذلت و منکبت کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوا، لیکن اب جب سے مسلمان کمزور ہے انکی اجتماعیت پارہ پارہ، انکا مذہبی اتحاد پاش پاش اور انکی روحیں انتشار و افتراق کا شکار ہوئی ہیں اسوقت سے کافروں کی عید آ گئی ہے وہ جب چاہتے ہیں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیل لیتے ہیں، اور مسلمانوں کا لہو نچوڑ کر اس میں دیوالی کے دیئے جلاتے ہیں۔

مسلمانوں کی فریادیں آہیں اور کراہیں ان ہی کے دل کی دیواروں سے ٹکرا ٹکرا کر فنا ہو جاتی ہیں اور انکی کہیں شنوائی نہیں ہوتی۔

مسلمانوں کی نادانی اور ناسمجھی یہ ہے کہ جب کبھی انکی عزت و ناموس اور انکی جان و مال پر یلغار ہوئی ہے تو وہ کاسۂ گدائی اٹھا کر حکومت کے کیواڑ کھٹکھٹانے لگتے ہیں اور رحم و کرم اور نظرِ عنایت کی بھیک مانگنے لگتے ہیں۔

اب مسلمانوں کو یہ بات کون سمجھائے کہ حقوق اور کرم فرمائیاں بھیک میں کبھی نہیں ملتیں، حقوق ان لوگوں کو دیئے جاتے ہیں جنہیں اپنے حقوق وصول کرنے کی اہلیت موجود ہو، فریادیں اور درخواستیں اس قوم کی منظور ہوتی ہیں جو قوم ذی قوت اور ذی اثر ہو، مسلمانوں کا سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ وہ کمزور ہیں بے مایہ ہیں ناتواں ہیں، اور جب تک وہ اپنی کمزوری، ناتوانی اور بے مائیگی کا انسداد نہیں کریں گے اسوقت تک انھیں ذلت و خواری گالی و گولی، طنز و ملامت اور لعن و لم کے سوا اور حاصل ہی کیا ہو سکتا ہے، اس لئے کہ یہ بات اپنی جگہ اٹل اور مسلم ہے کہ جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات۔

حسن احمد صدیقی

آغازِ سخن

کون باشعور اور پڑھا لکھا مسلمان ہوگا کہ جو بریلوی حضرات کی جعل سازی اور فتنہ گری سے واقف نہ ہو، ان حضرات نے متفرق ادوار میں مختلف بھیس بدل کر نذر و نیاز، پیری مریدی، زیارتِ قبور، ایصال ثواب، عشقِ رسولؐ، محبِ محمدؐ، اور دار فتنگیٔ سنن کی آڑ میں جو غلاظتیں اور کتا فتیں پھیلائی ہیں وہ کسی صاحبِ نظر سے پوشیدہ نہیں ہوں گی۔

جھوٹ، فریب، مکر، لغویات، ہجو، ذم، انانیت تشدد، تبرا، ہٹ دھرمی، اور دھاندلی جیسے غلیظ و پلید ہتھیاروں کا سہارا لے کر اُنھوں نے اپنے ہر حریف اور اپنے ہر مد مقابل کو زیر و پسپا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، اُنھوں نے علم و عقائد کی جنگ لڑتے وقت اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا، شرافت، نجابت سنجیدگی، وقار، تقویٰ، ایمان کونسی ایسی چیز ہے جو ان کے دامن سے کھسک کر پاش پاش نہ ہو گئی ہو، متعدد بار ان کی بدکلامی اور ہرزہ سرائی انھیں اس مقام تک لے گئی کہ جہاں پہونچنے کے بعد آدمی کی آواز اور کتے کی بھوں بھوں میں کوئی نمایاں فرق باقی نہیں رہتا۔

ان حضرات کی چند کتابیں پڑھ لینے اور سوئے اتفاق سے اگر موقع مل جائے تو ان حضرات کی صحبت میں چند دن گذار لینے کے بعد ہی فہیم و ذکی آدمی اس نتیجہ پر پہونچے بغیر نہیں رہتا کہ زبان کے چٹخارے ان کا بنیادی مقصد، پلیٹ راس المذہب اور پیٹ ان کا نصب العین ہے، اکل و شرب لایئے دیجئے اور لوٹ کھسوٹ کے بغیر ان کے کسی مسلک اور کسی عقیدے کی تکمیل نہیں ہوتی، ان کا کوئی مسلک ایسا نہیں ہے کہ جس کی بنیاد نوالوں اور پیالوں پر نہ رکھی گئی ہو، نذر و نیاز، فاتحہ خوانی، گیارھویں شریف چہلم، لنگر بازی، چڑھاوے، طاق بھرائی، رجب کے کونڈے وغیرہ کونسا ایسا مسئلہ ہے جو پیٹ اور پلیٹ کے ارد گرد طواف کئے بغیر حل ہو جاتا ہو،

ان کے اوصافِ حمیدہ کی فہرست تو بہت لمبی ہے انھیں کسی ایک مضمون میں سمیٹ دینا ممکن نہیں ہو سکتا بطورِ نمونہ چند اوصاف ملاحظہ فرمائیے۔

ہٹ دھرمی ان کی خاص نشانی ہے، ساری دنیا کچھ کہتی رہے، زمانہ ان کے مسلک کے برخلاف کتنے ہی دلائل و براہین کے انبار لگا دے لیکن یہ لوگ

[illegible] سمجھتے [illegible] ہے کہ جہاں [illegible]

اپنی ہی سمجھتے ہیں اور جو کسی کی بات سننا گوارا
نہیں کرتے خواہ وہ کتنی ہی معقول و محکم اور مدلل کیوں
نہ ہو۔ حاضر و ناظر، علم غیب اور مختار کل کے مسائل اتنے
واضح اور اظہر من الشمس مسائل ہیں کہ ان کے خلاف
رائے قائم کرنے کی کوئی جسارت نہیں کرسکتا بشرطیکہ
ماشہ بھر علم اور تولہ بھر بھیجہ اس کی کھوپڑی میں
موجود ہو۔ قرآن وحدیث کی حتمی رائے یہ ہے کہ
خدا کے ماسوا کوئی ہستی ایسی نہیں کہ جو ہمہ وقت ہر جگہ
موجود ہو، خدا کے ماسوا کوئی ذات ایسی نہیں ہے کہ
جو کل اشیاء کا علم غیب رکھتی ہو، خدا کے علاوہ کوئی
ذات ایسی نہیں ہے کہ جسے لین دین کے معاملات میں کل
اختیارات حاصل ہوں، درجنوں آیتیں اور بیسیوں
روایتیں اس بات پر شاہد ہیں کہ بجز خدائے پاک کے کوئی
حاضر و ناظر نہیں، کوئی عالم الغیب نہیں، کوئی مختار کل
نہیں۔ اس کے باوجود بریلوی حضرات کی ہمیشہ ایک
رٹ اور ایک ہی رٹ ہے کہ فلاں نبی حاضر و ناظر ہے فلاں
عالم الغیب ہے، اور فلاں مختار کل ہے، آنحضور
صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہنے اور سمجھنے کی توفیق انھیں
کبھی نصیب نہیں ہوگی، آپ قرآن وحدیث کے ذخیروں
سے ہزار دلائل نکال کر سجا دیجئے، یہ نہ قرآن کی مانیں
گے نہ حدیث کی، یہ تو اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر قائم
رہیں گے اور مناظروں اور مناقشوں کے اکھاڑے
میں ہزار بار چاروں شانے چت ہو جانے کے بعد
ان کے حلق سے ایک ہی آواز برآمد ہوگی کہ آنحضور
بشر نہیں تھے۔

شرک نوازی، اور قبر پرستی ان کا طرۂ امتیاز
ہے، ایک خدا سے یہ کبھی مطمئن نہیں ہوتے، ان کا عقیدہ
ہندوؤں کے عقائد سے ملتا جلتا ہے، کہ اولاد دینے
والا خدا اور ہے، ہوائیں چلانے والا خدا اور ہے،

صحت دینے والا خدا اور ہے اور روزی دینے والا
خدا اور ہے۔ اپنے متبعین کو ان کی تعلیم یہ ہوتی ہے کہ
اگر اولاد کی ضرورت ہو تو فلاں بزرگ کے مزار پر جاکر
ہاتھ پھیلاؤ، روزگار کی ضرورت ہو تو فلاں شیخ
کی قبر پر جاکر دعا مانگو، صحت کی حاجت ہو تو فلاں
شاہ کی درگاہ پر ناک رگڑو، اور مقدمات میں کامیابی
حاصل کرنی ہو تو فلاں قطب کی قبر پر سجدے لٹاؤ
قبروں اور مزاروں کی بات چھوڑیئے ان لوگوں کی
جرات و جسارت یہاں تک بڑھ چکی ہے کہ انھوں نے
اپنی بعض مسجدوں میں محراب کے خاص اوپر یا شیخ
عبدالقادر شیئاً للہ لکھ کر لگا رکھا ہے، اس کا
مطلب یہ ہوتا ہے کہ اے شیخ عبدالقادر خدا کیلئے
کچھ دیجئے، خدا کے آخری رسول کی تاکید یہ تھی اذا
سئلت فاسئل اللہ فاذا استعنت فاستعن
باللہ۔ جب سوال کرو تو اللہ سے سوال کرو، اور جب
مدد مانگو اللہ ہی سے مدد مانگو، قرآن حکیم کی متعدد
آیات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خدا کے سوا کوئی
ہستی ایسی نہیں کہ جو مخلوق کی حاجات پوری کرنے کی
اہلیت رکھتی ہو، خدا ہی مشکل کشا ہے، خدا ہی حاجت
روا ہے، اور خدا ہی دعاؤں اور صداؤں کو سننے
والا ہے ہر مسلمان خواہ وہ متقی ہو یا غیر متقی، نماز
پڑھتے وقت یہ الفاظ اپنی زبان سے ضرور ادا کرتا ہے
کہ ایاک نعبد وایاک نستعین ہم تیری ہی
عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں
ان جلی آیتوں روایتوں اور واضح حقیقتوں کے باوجود
کسی گروہ خاص کا نبیوں اور ولیوں سے کچھ طلب کرنا
اور ان کے آگے دست سوال دراز کرنا صرف نافرمانی
اور سرکشی ہی نہیں حماقت کبریٰ بھی ہے اور جہالت
خالصہ بھی۔

حیرت ناک بات یہ ہے کہ جس شیخ عبدالقادر
کے بارے میں بریلوی لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ کچھ دیتے

کی اہلیت رکھتے ہیں خود ان کی تعلیم و تاکید یہ تھی کہ۔

اپنی تمام حاجتیں اللہ کے حضور
پیش کرو اور تمام مخلوق سے
منہ موڑ کر اس کے آگے جھک
جاؤ اپنے دلوں کو خدا کے غیر
سے پاک رکھو اور اس کے
سوا کسی سے نفع و نقصان
کی اُمید نہ رکھو۔

(فتوح الغیب)

کتنی اذیت پہونچتی ہوگی، شیخ عبدالقادر جیلانی جیسے بزرگوں کی روحوں کو کہ انھوں نے تو زندگی بھر اس بات کی تلقین کی کہ خدا کے سوا کسی کے آگے اپنا دامن نہ پسارو اور ان کے ناکارہ اور نا اہل عاشقوں نے خود انھیں خدا کا مقام عطا کر دیا اور ان ہی سے اپنی حاجات پوری کرانے کے چکر میں پڑ گئے۔ قابلِ رحم ہیں وہ مسجدیں جہاں خدا کے علاوہ کسی اور سے مدد طلب کی جاتی ہو اور جہاں عقیدتِ بزرگاں کی آڑ میں شرک کی جلوہ طرازیاں موجود ہوں بریلوی حضرات کتنے ہی نادان ہیں سہی لیکن وہ شرک کی لعنت و نحوست سے بخوبی واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ جو سر خدا کی بارگاہ کے علاوہ کہیں جھکے گا وہ سجدہ کی توہین کا مرتکب کہلائے گا اور اس کا آخری ٹھکانہ بجز جہنم کے کہیں نہیں ہوگا اس جانکاری کے باوجود یہ ان کی بدنصیبی ہے کہ وہ بزرگوں کے مزارات پر اپنی پیشانیاں رگڑتے ہیں اور ان سے دعائیں مانگتے ہیں۔ بریلوی حضرات کا یہ کارنامہ کتنا خوفناک اور افسوسناک کارنامہ ہے کہ انھوں نے خدا کی خدائیت چھین کر انبیاء و اولیاء میں تقسیم کر دی اور اس طرح انبیاء و اولیاء کو وہ مقام عطا کر دیا کہ جو پہلے صرف خدا کو حاصل تھا۔

بدکلامی اور ہرزہ سرائی بریلوی حضرات کا خاص وطیرہ ہے۔ الزام تراشی اور بہتان زنی میں بھی یہ لوگ ماہر و کامل ہیں۔ مہذب قسم کی گالیوں کے نت نئے انداز اور گُر اگر سیکھنے ہوں تو بلا تامل بریلوی اسکولوں کا رخ کیا جائے کہ ان کے بڑے اور چھوٹے حضرات سبھی ایک ہی رنگ میں دکھائی دیتے ہیں اور سب نوع بہ نوع قسم کی بکواس کرنے میں ید طولیٰ ہیں بطور تبرک چند نمونے ملاحظہ فرمائیے۔

علمائے اہل حدیث اور ان کے متبعین کے بارے میں یوں فرمایا گیا۔

ثناء اللہ امرتسری سید نذیر حسین
دہلوی (محدث) سب کے سب کافر مرتد
باجماعِ امت اسلام سے خارج ہیں۔

(حسام الحرمین)

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے بانی مبانی سرسید مرحوم کے بارے میں یوں گل افشانی کی گئی۔

سرسید پیر نیچر، مرتد اکفر، اسکے عقائد
کفریہ قطعیہ، یقینیہ۔ (تجانب اہل سنت)

علامہ شبلی کے بارے میں گالیوں کا انداز یوں رہا:۔

شبلی اعظم گڈھی کی نیچریت دہریت اسکی
کتابوں سیرالنبی، الفاروق، سیرۃ النعمان
اپنے زندیقی کرشموں کی بہار اور الحادی
جوبنوں کو اُبھار دکھا رہی ہیں۔

(تجانب اہل سنت)

مولانا حسین احمد مدنی اور ان کے رفقاء کے بارے میں گالیاں اس رنگ میں لٹائی گئیں۔

حسین احمد مدنی اجودھیا باشی کے معتقدات
دیوبندیہ میں جو لوگ موافق ہیں وہ ملک
کے سارے سر تدین دیوبند خواہ مسلم لیگ

کے موافق ہوں یا مخالف بہر حال بحکم شریعت مطہرہ قطعاً یقیناً کافر مرتد ہیں ان کی نماز جنازہ میں شریک ہونا ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا حرام ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی وغیرہ کے بارے میں بکواس بایں طور کی گئی۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد میں کہتا ہوں کہ یہ جن کا تذکرہ سوال میں واقع ہے غلام احمد قادیانی اور رشید احمد اور جو اس کے پیرو ہوں جیسے خلیل احمد انبیٹھی اور اشرف علی وغیرہ ان کے کفر میں کوئی شبہ نہیں نہ شک کی مجال بلکہ جو ان کے کفر میں شک کرے بلکہ کسی طرح کسی حال میں انہیں کافر کہنے میں توقف کرے اس کے کفر میں کوئی شک نہیں۔

(حسام الحرمین)

مولانا ابوالکلام اور مفتی کفایت اللہ وغیرہ کو ایک شرمناک جملے سے اس انداز میں نوازا گیا۔

ابوالکلام آزاد، حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ دہلوی، خان عبدالغفار خان سرحدی گاندھی، عبدالشکور لکھنوی احمد سعید دہلوی، شبیر احمد عثمانی عطاء اللہ بخاری، فرقۂ احرار اشرار بھی فرقۂ نیچریت کی ایک شاخ ہے اس ناپاک فرقے کے بڑے بڑے مکلبین (کتے) یہ ہیں۔

بدتہذیبی بدکلامی اور برہنہ ذہنیت کا آخری نمونہ یہ ہے۔

وہابی ایسے خدا کو مانتے ہیں جس کا کھانا پینا پاخانہ پھرنا ناچنا تھرکنا نٹ کی طرح کلا

[illegible] کی [illegible]

جیسی خبیث بے حیائی کا مرتکب ہونا حتیٰ کہ مخنث کی طرح خود مفعول بننا کوئی خباثت کوئی فضیحت اس کی شان کے خلاف نہیں۔

(فتاویٰ رضویہ)

ہمیں یقین ہے کہ قارئین کا منہ کڑوا ہو چکا ہوگا لیکن ساتھ ساتھ انھوں نے اس بات کا اندازہ لگا لیا ہوگا کہ بریلوی حضرات گالی گلوچ اور تکفیر بازی میں ہیچ یا دیگرے نیست" کی حیثیت رکھتے ہیں اگر مستند لکھو اور باضابطہ بدزبان قرار دیا جائے تو یہ کے خلاف نہیں ہوگا بدکلامی اور فحش بیانی کے کچھ ایسے نادر اور شاندار نمونے پیش کئے جا سکتے ہیں کہ اگر انھیں پڑھنے کے بعد شرفا کا جی نہ متلائے اور قے نہ ہو تو منہ مانگا انعام۔ لیکن مضمون طویل ہو جائے اس لئے فی الحال تو ان چند نمونوں پر اکتفا کیجئے اگر توفیق ہوئی تو پھر کبھی تفصیل سے ان کی بدکلامی اور پھوہڑپن کا پورا پورا تعارف کرائیں گے۔

پیٹ پرستی ان کا جزوِ خاص ہے۔ بطور ثبوت بڑے حضرت صاحبؒ کی اس وصیت کا نظارہ کیجئے

اعزہ اگر بطیب خاطر ممکن ہو سکے تو ہفتہ میں دو تین بار ان اشیاء میں سے بھی کچھ بھیج دیا کریں دودھ کا برف خانہ ساز، اگرچہ بھینس کے دودھ کا ہو، مرغ کی بریانی، مرغ کا پلاؤ، بکرے کے شامی کباب، پراٹھے بالائی، فیرنی، اُرد کی پھریری دال، مع ادرک و لوازم گوشت بھری کچوریاں، سیب کا پانی انار کا پانی، سوڈا کی بوتل وغیرہ۔

(وصایا شریف)

لیسے حضرت صاحب علیہ الرحمۃ اپنی معافی کے
... تقبل کی ... ذرا سوچئے کہ جس شخص نے بانی مبانی کر
رتے وقت بھی یہ ... سوچ رہے ہوں اس نے عمر بھر
اکولات و مشروبات کے سوا اور کس چیز کی خواہش کی ہوگی۔
رتے وقت آدمی خدا کو یاد کرتا ہے اور یہاں پر اٹھوں کو فتوں
ور کابوں ترانوں میں دیئے ابھی ہوئے ہیں۔
غور کیا جائے تو یہی ایک بات اس حقیقت کو ثابت
رنے کے لئے بہت کافی ہے کہ بریلوی مذہب پیٹ پرستی
اور پلیٹ پوجا کا دوسرا نام ہے۔

بریلوی حضرات کے اوصاف و محامد تو بہت لمبے
چوڑے ہیں ہمیں اتنا وقت اور اتنا کاغذ میسر نہیں کہ ہم ان
سب کا احاطہ کر سکیں۔ از راہ اشارہ چند اوصاف پر روشنی
ڈالی گئی ہے تاکہ اس بات کا کچھ نہ کچھ اندازہ ہو جائے کہ قبوری
شریعت کے حاملین کی فریفتگی رسول اور اتباع سنت کا
حدود اربعہ کیا ہے۔ یہ لوگ ولیوں اور درویشوں سے محبت
کا دم بھرتے ہیں، ان کی قبروں پر رکوع و سجود کرتے ہیں
اور ان لوگوں پر پھبتیاں کستے ہیں کہ جو قبر پرستی کے قائل
نہیں۔ لیکن ادنیٰ درجہ کے غور و فکر سے یہ بات متعین ہو جاتی
ہے کہ بزرگوں کے مزارات اور درویشوں کی قبور کی توہین کرنے
والا دنیا میں ایک ہی فرقہ ہے، اور وہ فرقہ ہے قبوری شریعت کا
حامل۔ اور اس یعنی تصوفانہ میلے ٹھیلوں کے موقعہ پر بزرگوں
کی قبروں کے آس پاس کیا کچھ خرافات نہیں ہوتیں۔ رقص
گانا بجانا، زنا، لواطت، سرقہ، شراب نوشی، جوا سٹے بازی،
کونسی ایسی قبیح اور کریہہ حرکت ہے جو عین مزارت کی ناک کے
نیچے عمل میں نہ آتی ہو۔ ان فحش اور برہنہ حرکات کے باوجود بھی
بزرگوں سے عقیدت و محبت کا دعویٰ کرنا دیدہ دلیری اور
کوری فریب دہی نہیں تو پھر کیا ہے؟

فی الاصل بریلوی مذہب کا تجزیہ اور تحلیل کرنے کسی درجہ
کم نہیں ... اس کے کرتا دھرتا ... ان ... سے

زیادہ اہمیت نہیں رکھتے جو اپنی ٹانگوں میں لمبے لمبے بانس
باندھ کر دو دو گز کا آدمی سمجھنے لگتے ہیں اور اس خوش فہمی میں
مبتلا ہو جاتے ہیں کہ ہم بھی ہیں فلک بوس اور بالا نشین۔ ان کی
بد کلامی دنیا کے لئے کوئی اجنبی اور غیر معروف چیز نہیں۔ مذہب سے
معمولی درجہ کی انسیت کو رغبت رکھنے والے لوگ ان کے زبانُ
کلام کی عریانیت سے بخوبی واقف ہیں۔ ایک طویل مدت سے
یہ حضرات ان گنت قسم کی کثافتیں اور اناپ شناپ روایتیں
معاشرے کے اندر پھیلا رہے ہیں۔ ان کا کشکول کفر کے
فتووں سے بھرا رہتا ہے اور ہر روز دو چار مسلمانوں کو کافر
بنا دینا ان کے نزدیک بہت معمولی سی بات ہے۔ حقیقت تو یہ
ہے کہ یہ سر پھرے اپنے علاوہ کسی کو مسلمان ہی تصور نہیں کرتے
جماعت اسلامی، علمائے اہل حدیث، علمائے دیوبند، علمائے
حرمین وغیرہ کو وہابی، بد دین اور گمراہ کہنا ان کا خاص الخاص
مشغلہ ہے خود کو حق کوش، حق پرست اور حق نگر تصور کرنا اور
اور اپنے منہ میاں مٹھو بننا بھی ان کی کہنہ روش ہے۔ ان کی ایک
شان یہ بھی ہے کہ کذب بیانی سے کام لو۔ خلاف واقعہ صورتِ
گروہ بیان کی روشنی میں کر دو اور اگر کوئی ان جھوٹے دعووں کے
خلاف آواز اٹھائے تو اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لو۔ اور
قطعاً کسی کی نصیحت پر کان دھرنے کی کوشش مت کرو۔ یہ لوگ
علم حدیث سے کورے، علوم قرآنیہ سے نابلد سوجھ بوجھ سے
عاری اور حکمت و فہم سے بے بہرہ ہیں، ان کے دامن میں سوائے
جہالت اور غباوت و سفاہت کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔
ان کا وجدان و احساس اور ادراک و شعور سب کچھ
اوہام و وساوس کی بھینٹ چڑھ گیا ہے۔ یہ دوسروں کی
بات سمجھنے اور اپنے مدعا بیان کرنے کی اہلیت ذرہ برابر نہیں
رکھتے لیکن اس کے باوجود مولانا اسمٰعیل شہیدؒ، مولانا اشرف علی
تھانویؒ اور مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد
گنگوہیؒ جیسے جلیل القدر علماء کی عبارتوں میں کیڑے ڈالنا
اور ان کے نظریات کو مسخ کر کے عوام کے سامنے پیش کرنا ان کے
روز مرہ کے معمولات میں شامل ہے۔ انبیاء کے بارے میں
ہرزہ سرائی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ...

قصیدہ خوانی اور اولیاء و صالحین کے بارے میں اساطیری اور دیومالائی تخیلات کی تحدیث کرنا ان کے دین و مذہب کا لب لباب ہے۔ حیرت ناک بات یہ ہے کہ ہزار قسم کی کمزوریوں اور نظر آنے والے موٹے موٹے نقائص و معائب کے باوجود ان لوگوں کا اپنے بارے میں عام تصور یہ ہے کہ بس ہم ہی مذہب اسلام کی روح، ہم ہی مذہب اسلام کا جگر اور ہم ہی مذہب اسلام کا گوشت پوست ہیں۔

قارئین تجلی سوچ رہے ہوں گے کہ آخر بریلویوں کے خلاف قلم اٹھانے کی وجہ کیا ہے۔ کونسی ایسی آفت یا قیامتِ صغریٰ برپا ہو گئی کہ تجلی کے مدیر کو بریلویوں کے خلاف تنقید اور نکتہ چینی کی محفل منعقد کرنی پڑی، تو سنئیے کہ ہمارے پاس آنے والی ڈاک یہ ثابت کرتی ہے کہ بریلوی حضرات کی فتنہ سامانیاں، ان کی شرارتیں اور خباثتیں ایک نئی آن بان کے ساتھ پھر سر ابھار رہی ہیں۔ ان کے حلقہ کی طرف سے حق پرستوں کے خلاف عریاں اشتہارات، شرمناک قسم کے کتابچے اور زہریلے پمفلٹ چھاپ کر ادھر ادھر پھیلائے جا رہے ہیں۔ یہ موضوع ہمارے لئے ناقابل التفات ہو چکا تھا لیکن بعض احباب کے مشورے پر ہم نے ایک بار پھر بریلوی حضرات کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں کی قلعی کھولنے کے لئے لنگوٹی کس لی ہے اور یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ ہم حتی الامکان اور حتی المقدور بھولے بھالے عوام کو ان حضرات کی شاطرانہ چالوں اور بھیانک ہتھکنڈوں سے بچانے کی کوشش کریں گے۔ انشاء اللہ جلد ہی ہم ان کے خلاف قسط وار مضامین کا سلسلہ شروع کریں گے اس میں بریلوی مسلک کے تار پود کا جائزہ لیا جائے گا اور قرآن حدیث اور آثار و سنن کی روشنی میں یہ ثابت کیا جائے گا کہ بریلوی مسلک تار ہائے عنکبوت سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ ابتداء میں ہم ان کی مشہور کتاب بہار شریعت کا جائزہ لیں گے۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ ہمیں صحیح بات کہنے کی توفیق عطا کرے اور ہمیں حق کی راہوں میں ہر مشکل اور ہر تکلیف سہنے کا عادی بنائے۔

جنرل ضیاء الحق کے نام ایک کھلا خط

محترم چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر
جنرل محمد ضیاء الحق صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ....

میں آپ کی توجہ کویت میں پاکستان کے سفارتخانے کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ ۱۹۶۰ء میں ایوب حکومت کی ایماء پر مولوی یوسف صاحب بنوری نے ایک کتاب جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کے خلاف عربی میں شائع کی تھی اور عرب ممالک میں تقسیم کرنے کی ناکام کوشش کی تھی اب حال ہی میں پاکستان کے سفارت خانے نے یہ کتاب کویت میں تقسیم کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ کویت کے جمعیۃ اصلاح اجتماعی کے ممبروں کے نام خاص طور پر یہ کتاب بھیجی ہے۔ کتاب مذکورہ میں بہت سی خرافات کے علاوہ یہ لکھا ہے کہ جماعت اسلامی میں شمولیت گناہ ہے۔ اور مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس جماعت سے اجتناب کریں۔

میں آپ کو ڈائرکٹ مکتوب بھیج چکا ہوں جس میں جمعیۃ اصلاح اجتماعی کے ہفت روزہ اخبار کا تراشہ بھی شامل تھا کتاب مذکورہ پر پاکستانی سفارت خانے کی مہر لگی ہوئی ہے۔

آپ کی انصاف پسندی، غیر جانبداری دنیا پر عیاں ہو چکی ہے مجھے امید ہے کہ آپ اپنے وعدے کے مطابق سفارت خانہ کے ذمہ داروں کے خلاف سخت کارروائی کریں گے۔

یہ بات مدنظر رہے کہ اس موقعے پر جبکہ پاکستان میں آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کی کوشش جاری ہے۔ اس کتاب کا شائع کرنا بہت سے سوالات ذہن میں پیدا کرتا ہے۔

یہ کھلم کھلا بانئ جماعت اور جماعت اسلامی کے خلاف مہم ہے۔

فقط والسلام

آپ کا دینی بھائی فضل ہادی سواتی۔ پوسٹ بکس ۲۱۸۳
قطر دوحہ، عرب گلف۔

مستقل عنوان

حسن احمد صدیقی

آفتابِ ہدایت کی ایک کرن

وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ۔

(حق تعالیٰ نے ، ہمسایۂ نزدیک اور ہمسایۂ دور اور پہلو بہ پہلو ساتھ رہنے والوں کے ساتھ نیکی کا حکم فرمایا ہے)

عرفِ عام میں ہمسائے اور پڑوسی کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جو اپنے گھر کے نزدیک مقیم ہو۔ لیکن مذہب اسلام کی نظروں میں ہر وہ شخص پڑوسی کہلانے کا مستحق ہے جو باعتبار ظاہر اپنے سے نزدیک تر نزدیک ہو۔ ایک ساتھ سفر کرنے والے لوگ ، ایک مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء ، ایک کارخانہ میں کام کرنے والے ملازم ، ایک دوکان کے دو شریک وغیرہ جیسے تمام حضرات آپس میں ایک دوسرے کے پڑوسی اور ہمسائے کہلانے کے مستحق ہیں۔ پڑوسی اور ہمسایہ کی ان سب قسموں میں تقدم و تفوق اسے حاصل ہے جو باعتبار قرابت بھی اپنے سے قریب ہو۔ اپنے مکان کے اردگرد جتنے افراد بھی مقیم ہوں ان سبھی پر پڑوسی کا اطلاق ہوگا لیکن ان میں ہمدردی و تعاون کا زیادہ مستحق وہ شخص ہوگا جو پڑوسی ہونے کے ساتھ ساتھ اپنا قرابتدار بھی ہو۔ مثلاً اگر پڑوسیوں میں کوئی ایک چیز قربان کرنا ہیں۔ تو ترجیح اس پڑوسی ہی کو دی جائیگی جو پڑوسی ہونے کے ساتھ ذی رشتہ بھی ہو۔ مذکورہ بالا آیت میں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ تم اپنے پڑوسیوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو۔ اس سے قطع نظر کہ وہ پڑوسی دور کے ہوں یا قریب کے۔

عرف عام میں تو وہ تمام پڑوسی قریب کے پڑوسی کہلاتے ہیں جن کا مکان اپنے مکان سے ملا ہوا ہو۔ اور وہ پڑوسی دور کے پڑوسی کہلاتے ہیں جن کا مکان اپنے مکان سے کچھ فاصلہ پر واقع ہو اور عرف خاص میں وہ تمام حضرات قریب کے پڑوسی کہلانے کے مستحق ہوتے ہیں جو اپنے گھر کے قریب رہنے کے ساتھ ساتھ اپنے عزیز بھی ہوں ۔ اور دور کے پڑوسی وہ لوگ سمجھے جاتے ہیں جن کا گھر تو اپنے محلہ ہی میں موجود ہو لیکن اُن سے کسی قسم کی عزیزداری نہ ہو۔ پڑوسیوں کی ان سب قسموں کے ساتھ اولیت و ثانویت کا لحاظ رکھتے ہوئے اسلام نے نیکی و احسان کرنے کا حکم دیا ہے اور اس بات کی تاکید کی ہے کہ انھیں کسی قسم کی ایذا نہ پہونچائی جائے اور ان کی دل شکنی کرنے سے لازماً احتراز کیا جائے۔

سب جانتے ہیں کہ قربت محبت پیدا کردیتی ہے کسی جانور کو بھی اگر ہمارے قریب رہنے کا موقع مل جائے تو اس جانور سے بھی ہمیں تعلق ہو جاتا ہے اور پھر اس جانور کی تکلیف کو بھی ہم اپنی ہی تکلیف تصور کرنے لگتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اس جانور کی جدائی پھر ہم سے گوارا نہیں ہوتی اور ہماری کوشش یہی ہوتی ہے کہ یہ بلی ، یہ کتا ، یہ گھوڑا ، یہ کبوتر ہمارے ساتھ ہی رہے ہم سے دور نہ ہونے پائے۔

قربت سے محبت پیدا ہونے میں جاندار ہونا بھی کوئی شرط نہیں بے جان اور بے روح چیزیں بھی اگر سال دو سال ہمارے پاس رہ لیں تو ہمیں ان سے بھی محسوس ہونے والا تعلق اور

انسیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس مکان میں ہم چند سال زندگی گذار لیتے ہیں، اس مکان کے در و دیواروں سے ہمیں گہرا تعلق ہو جاتا ہے اور ہماری کوشش یہی ہوتی ہے کہ زندگی کے باقی ایام بھی اسی مکان میں گذریں۔ مکان ٹوٹتا ہے تو ہم اس کی مرمت کراتے ہیں۔ در و دیوار میلے ہو جاتے ہیں تو ہمیں ان پر سفیدی اور قلعی کرانے کی فکر ہوتی ہے۔ مکان کی ایک ایک اینٹ سے ہمیں ہمدردی ہوتی ہے۔ ہم یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ ہمارے مکان کی طرف کوئی ترچھی نظروں سے دیکھے۔

اسی بات کو دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ اگر ہمارا مکان بیمار ہو جاتا ہے تو ہم اس کا بصورتِ مرمت علاج کر لیتے ہیں، اگر اس کا لباس میلا ہو جاتا ہے تو ہم بصورت قلعی اس کا لباس تبدیل کرا دیتے ہیں۔ اور اگر کوئی ہمارے مکان کو کسی طرح کا نقصان پہونچانے کے درپے ہو تو ہم ہر ممکن طریقہ سے اس کا دفاع کرتے ہیں بالکل اسی طرح جس طرح ہمیں ان مشکلات کو رفع کرنے کی فکر لاحق ہوتی ہے۔ جو براہِ راست ہماری ذات پر نازل ہو رہی ہوں۔

یہی حال دوسری چیزوں کا ہے۔ دو چار روپے کا کوئی قلم چند سال ہمارے پاس رہ لے تو پھر اس کی گمشدگی ہم گوارا نہیں کر سکتے وہ کھو جاتا ہے تو ہم پریشان ہو جاتے ہیں۔ وہ ٹوٹ جاتا ہے تو اس کی مرمت میں بلا تامل اتنے پیسے خرچ کر دیتے ہیں۔ جتنے پیسوں میں دوسرا نیا قلم بھی خریدا جا سکتا ہو۔ محض اسلئے کہ مدتوں پاس رہنے کی وجہ سے اس قلم سے ہمیں یک گونہ انسیت ہو جاتی ہے

ان چند اشارات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سبھی متفرقہ چیزوں سے ہمیں ہمدردی بھی ہوتی ہے اور لگاؤ بھی۔ گویا کہ جو چیزیں ہمارے پاس رہتی ہوں یا ہمارے ارد گرد بکھری ہوئی ہوں ان سے تعلق کا ہو جانا ایک فطری بات ہے غیر فطری بالکل نہیں۔

اسلام نے پڑوسیوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنے کا حکم اسلئے دیا ہے کہ پڑوسیوں اور ارد گرد کے لوگوں سے محبت کرنا کوئی خلافِ قیاس بات نہیں ہوتی۔ بلکہ آس پاس رہنے والے تمام انسانوں سے خود بخود ایک قسم کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ اسلام نے تو بس اس تعلق پر خصوصی توجہ دینے کی تاکید کی ہے۔

ہم بعض جانوروں کی ضرورتوں کا خیال محض اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمارے پاس رہتے ہیں۔ ہمیں بے جان اشیاء سے تعلق جب فقط اس لئے ہو جاتا ہے کہ وہ ہمارے پاس رہ کر ہمارے بعض کاموں میں مدد دیتی ہیں تو ان انسانوں سے ہمیں محبت کیوں نہ ہونی چاہیئے جو ہمارے قریب میں رہتے ہوں اور ہماری طرح جذبات و احساسات کے حامل ہوں۔

ہم اپنا بھوکا رہنا، اپنا پریشان ہونا، اپنا تڑپنا گوارا نہیں کر سکتے تو پھر ہم یہ کیسے گوارا کر لیتے ہیں کہ ہمارے پڑوس میں رہنے والے انسان زیادتی بھوک سے تڑپتے رہیں اور فرطِ پریشانی سے بلبلاتے رہیں جب قریب کی چیزوں سے محبت کرنا ایک فطری بات ہوئی تو وہ لوگ فطرت سے بیزار کہلانے کے سزاوار ہوں گے جو اپنے پڑوسیوں اور اپنے ہمسایوں سے نہ محبت رکھتے ہیں نہ ان کے جذبات و احساسات کی پرواہ کرتے ہیں، نہ مصیبت میں ان کے کام آنے کی کوشش کرتے ہیں ـــ اسلام فطرت سے بیزار لوگوں کو اپنا پیروکار تصور نہیں کرتا۔ وہ ایک فطری مذہب ہے اور فطرت کے خلاف راستہ اختیار کرنے والے لوگ اس کی نظر میں اس کے اپنے کہلانے کے حقدار نہیں ہیں۔ چنانچہ حدیث میں یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ شخص مومن نہیں جو خود تو پیٹ بھر کھائے اور اس کا پڑوسی شدّتِ بھوک سے تڑپتا رہے۔ پڑوسیوں کے حقوق اور ان سے روابط کی اہمیت کا اندازہ لگانا ہو گا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کیا جائے اور آپؐ کے ان اقوال پر غور و فکر کیا جائے جو حقوقِ ہمسایگان سے متعلق آپؐ نے ارشاد فرمائے ہیں۔

ایک مرتبہ آپؐ صحابہ کرامؓ کے مجمع میں تشریف فرما تھے اس وقت آپؐ نے مخصوص انداز میں فرمایا۔ خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتا، خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتا، خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتا۔

صحابہؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہ کون؟

آپؐ نے فرمایا وہ شخص کہ جسکے پڑوسی اس کی شرارتوں

وظا نہیں ۔

ایک روایت میں آپؐ نے یہ فرمایا : کہ جو شخص اللہ پر
ر یوم جزا پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیئے کہ وہ اپنے ہمسائے
نکریم کرے ۔

ایک موقع پر یوں فرمایا کہ : خدا کے نزدیک دوستوں
ں بہتر انسان وہ ہے کہ جو اپنے دوست کے لئے بہتر ہو اور
ڑوسیوں میں بہتر وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے حق میں بہتر ہو ۔ ایک
ر آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے یہ فرمایا کہ ؛ جبرئیلؑ نے
مجھے پڑوسیوں کے حقوق ادا کرنے کی اتنی تاکید کی ہے کہ
یں یہ گمان کرنے لگا کہ کہیں پڑوسیوں کو وراثت حق میں شامل
نہ کرلیں ۔ یعنی جس طرح ذی قرابت ورثاء ترکے کے حقدار
ہوتے ہیں اسی طرح پڑوسیوں کو ترکہ میں حصہ دار قرار نہ دیدیا جائے۔

یہ تمام روایات صحیح بخاری کی ہیں اور ان میں سے کوئی
روایت بھی ایسی نہیں ہے جس پر ائمہ محدثین میں سے کسی نے
کوئی اشکال ظاہر کیا ہو ۔ ان روایت پر اچٹتی ہوئی نظر
ڈال لینے سے بھی یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی
ہے کہ پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ نہ کرنے والے لوگ
اسلام کی نظروں میں "مومن کامل" کہلانے کے مستحق نہیں ہوتے۔

ہمارے معاشرے میں ایسے بے شمار لوگ موجود
ہیں جو دن رات خدا کی عبادت میں لگے رہتے ہیں ۔ دن میں
روزے رکھتے ہیں ۔ رات کو نفلوں کا اہتمام کرتے ہیں ۔
توبہ استغفار بھی ان کی زندگی کا لازمہ بن جاتے ہیں ۔
لیکن پڑوسیوں کے حق میں ان کا رویّہ اچھا نہیں ہوتا ۔
پڑوسیوں کے حالات سے غافل اور بے خبر رہنے والے
متقی اور پرہیزگار لوگ خدا ہی جانے کس اسلام سے
وابستگی رکھتے ہیں ۔ اگر ان میں اس دین سے محبت ہے جو
خدا نے بذریعہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں پھیلایا ہے
تو ان کو چاہیئے کہ وہ پڑوسیوں کے حقوق ادا کرنے کو اتنا ہی
ضروری سمجھیں جتنا وہ اپنی اور اپنے گھر کی ضروریات پورا
کرنے کو ضروری خیال کرتے ہیں ۔

جب تک پڑوسیوں کے ساتھ احسان و ایثار کا معاملہ
اختیار نہ کیا جائے گا ایمان اور تقوے کی تکمیل ہرگز ہرگز نہیں
ہو سکے گی ۔

امام بخاریؒ نے "الادب المفرد" میں ایک روایت نقل کی ہے
کہ دو صحابیہ تھیں ان میں سے ایک کا حال تو یہ تھا کہ رات بھر
نفلیں پڑھتیں اور دن کو روزہ رکھتیں ۔ صدقہ خیرات بھی بہت
کرتی تھیں مگر زبان کی بہت تیز تھیں ۔ پڑوسیوں کو ازراہِ
زبان بہت ستاتی تھیں ۔ لوگوں نے ان کے احوال حضورؐ کے
سامنے بیان کئے تو حضورؐ نے فرمایا کہ ان میں کوئی نیکی نہیں ان
کو دوزخ کی سزا ملے گی ۔ پھر صحابہؓ نے ایک دوسری صحابیہ
کا حال سنایا جو صرف نمازیں پڑھنے پر اکتفا کرتی تھیں ۔ صرف
رمضان کے روزے رکھتی تھیں اور صدقہ، خیرات بہت معمولی
درجہ میں کیا کرتی تھیں ۔ مگر نہ کسی کو ستاتی تھیں نہ پڑوس والوں کا
دل دکھاتی تھیں حضورؐ نے فرمایا کہ یہ جنتی ہوں گی ۔

بالآخر جنت میں تو وہ صحابیہ بھی جائیں گی کہ جو شب بیدار
اور صائم الدہر تھیں ۔ لیکن انھیں اپنی بدزبانی اور پڑوسیوں سے
بدسلوکی کی سزا ضرور ملے گی ۔ اس کے بعد اپنے ایمان اور دوسرے
اچھے اعمال کی وجہ سے انھیں بھی جنت نصیب ہو ہی جائیگی
البتہ دوسری صحابیہ نفلوں اور روزوں کی کمی کے باوجود بے
حساب جنت میں چلی جائیں گی محض اس بناء پر کہ ان کی ذات
سے کسی پڑوسی اور غیر پڑوسی کو کوئی گزند نہیں پہونچا تھا ۔

ایک روایت میں یہ آتا ہے کہ قیامت کے میدان میں
جو مقدمہ سب سے پہلے پیش ہوگا وہ دو پڑوسیوں کا مقدمہ
ہوگا ۔ ان میں ایک مدعی ہوگا اور دوسرا مدعا علیہ ۔ اس کے
بعد دوسرے مقدمات کا نمبر آئے گا ۔ اس روایت سے
بھی پڑوسیوں کے حقوق کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے ۔

پڑوسی کسی مذہب اور کسی مسلک سے تعلق رکھے
پڑوسی پڑوسی ہے اور وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے
ساتھ حسنِ سلوک اور لطف و مہربانی کا معاملہ کیا جائے اس سے
قطعاً بے نیاز ہو کر کہ وہ ہندو ہے یا مسلمان ، یہودی ہے یا عیسائی
ہم مسلک ہے یا مخالف ۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے ایک مرتبہ ایک بکری ذبح کی

انسیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس مکان میں ہم چند سال زندگی گذار لیتے ہیں، اس مکان کے در و دیواروں سے ہمیں گہرا تعلق ہو جاتا ہے اور ہماری کوشش یہی ہوتی ہے کہ زندگی کے باقی ایام بھی اسی مکان میں گذریں۔ مکان ٹوٹتا ہے تو ہم اس کی مرمت کراتے ہیں۔ در و دیوار میلے ہو جاتے ہیں تو ہمیں ان پر سفیدی اور قلعی کرانے کی فکر ہوتی ہے۔ مکان کی ایک ایک اینٹ سے ہمیں ہمدردی ہوتی ہے۔ ہم یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ ہمارے مکان کی طرف کوئی ترچھی نظروں سے دیکھے۔

اسی بات کو دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ اگر ہمارا مکان بیمار ہو جاتا ہے تو ہم اس کا بصورتِ مرمت علاج کرا لیتے ہیں، اگر اس کا لباس میلا ہو جاتا ہے تو ہم بصورت قلعی اس کا لباس تبدیل کرا دیتے ہیں۔ اور اگر کوئی ہمارے مکان کو کسی طرح کا نقصان پہونچانے کے درپے ہو تو ہم ہر ممکن طریقہ سے اس کا دفاع کرتے ہیں بالکل اسی طرح جس طرح ہمیں ان مشکلات کو دفع کرنے کی فکر لاحق ہوتی ہے جو براہِ راست ہماری ذات پر نازل ہو رہی ہوں۔

یہی حال دوسری چیزوں کا ہے۔ دو چار روپے کا کوئی قلم چند سال ہمارے پاس رہ لے تو پھر اس کی گمشدگی ہم گوارا نہیں کر سکتے وہ کھو جاتا ہے تو ہم پریشان ہو جاتے ہیں۔ وہ ٹوٹ جاتا ہے تو اس کی مرمت میں بلا تامل اتنے پیسے خرچ کر دیتے ہیں۔ جتنے پیسوں میں دوسرا نیا قلم بھی خریدا جا سکتا ہو۔ محض اسلئے کہ مدتوں پاس رہنے کی وجہ سے اس قلم سے ہمیں یک گونہ انسیت ہو جاتی ہے

ان چند اشارات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہمیں متفرق چیزوں سے ہمیں ہمدردی بھی ہوتی ہے اور لگاؤ بھی۔ گویا کہ جو چیزیں ہمارے پاس رہتی ہوں یا ہمارے اردگرد بکھری ہوئی ہوں ان سے تعلق کا ہو جانا ایک فطری بات ہے غیر فطری بالکل نہیں۔

اسلام نے پڑوسیوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنے کا حکم اسلئے دیا ہے کہ پڑوسیوں اور اردگرد کے لوگوں سے محبت کرنا کوئی خلافِ قیاس بات نہیں ہوتی۔ بلکہ آس پاس رہنے والے تمام انسانوں سے خود بخود ایک قسم کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ اسلام نے تو بس اس تعلق پر خصوصی توجہ دینے کی تاکید کی ہے۔

ہم بعض جانوروں کی ضرورتوں کا خیال محض اس لیئے کرتے ہیں کہ وہ ہمارے پاس رہتے ہیں۔ ہمیں بے جان اشیاء سے تعلق جب فقط اس لئے ہو جاتا ہے کہ وہ ہمارے پاس رہ کر ہمارے بعض کاموں میں مدد دیتی ہیں تو ان انسانوں سے ہمیں محبت کیوں نہ ہونی چاہیئے جو ہمارے قریب میں رہتے ہوں اور ہماری ہی طرح جذبات و احساسات کے حامل ہوں۔

ہم اپنا بھوکا رہنا، اپنا پریشان ہونا، اپنا تڑپنا گوارا نہیں کر سکتے تو پھر ہم یہ کیسے گوارا کر لیتے ہیں کہ ہمارے پڑوس میں رہنے والے انسان زیادتیٔ بھوک سے تڑپتے رہیں اور فرطِ پریشانی سے بلبلاتے رہیں جب قریب کی چیزوں سے محبت کرنا ایک فطری بات ہوئی تو وہ لوگ فطرت سے بیزار کہلانے کے سزاوار ہونگے جو اپنے پڑوسیوں اور اپنے ہمسایوں سے نہ محبت رکھتے ہیں نہ ان کے جذبات و احساسات کی پرواہ کرتے ہیں، نہ مصیبت میں ان کے کام آنے کی کوشش کرتے ہیں ـــ اسلام فطرت سے بیزار لوگوں کو اپنا پیرکار تصور نہیں کرتا۔ وہ ایک فطری مذہب ہے اور فطرت کے خلاف راستہ اختیار کرنے والے لوگ اس کی نظر میں اس کے اپنے کہلانے کے حقدار نہیں ہیں۔ چنانچہ حدیث میں یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ شخص مومن نہیں جو خود تو پیٹ بھر کھائے اور اس کا پڑوسی شدّتِ بھوک سے تڑپتا رہے۔ پڑوسیوں کے حقوق اور ان سے روابط کی اہمیت کا اندازہ لگانا ہو گا! حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کیا جائے اور آپؐ کے ان اقوال پر غور و فکر کیا جائے جو حقوقِ ہمسایگان سے متعلق آپؐ نے ارشاد فرمائے ہیں۔

ایک مرتبہ آپؐ صحابہ کرامؓ کے مجمع میں تشریف فرما تھے اس وقت آپؐ نے مخصوص انداز میں فرمایا۔ خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتا، خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتا، خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتا۔

صحابہؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہ کون؟

آپؐ نے فرمایا وہ شخص کہ جسکے پڑوسی اس کی شرارتوں

محفوظ نہیں ۔

ایک روایت میں آپؐ نے یہ فرمایا: کہ جو شخص اللہ پر اور یوم جزا پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیئے کہ وہ اپنے ہمسائے کی تکریم کرے ۔

ایک موقع پر یوں فرمایا کہ: خدا کے نزدیک دوستوں میں بہتر انسان وہ ہے کہ جو اپنے دوست کے لئے بہتر ہو اور پڑوسیوں میں بہتر وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے حق میں بہتر ہو ۔ ایک بار آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے یہ فرمایا کہ: جبرئیلؑ نے مجھے پڑوسیوں کے حقوق ادا کرنے کی اتنی تاکید کی ہے کہ میں یہ گمان کرنے لگا کہ کہیں پڑوسیوں کو وراثت حق میں شامل نہ کرلیں ۔ یعنی جس طرح ذی قرابت ورثاء ترکے کے حقدار ہوتے ہیں اسی طرح پڑوسیوں کو ترکہ میں حصہ دار قرار دیدیا جائے ۔

یہ تمام روایات صحیح بخاری کی ہیں اور ان میں سے کوئی روایت بھی ایسی نہیں ہے جس پر ائمہ محدثین میں سے کسی نے کوئی اشکال ظاہر کیا ہو ۔ ان روایت پر اچٹتی ہوئی نظر ڈال لینے سے بھی یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ نہ کرنے والے لوگ اسلام کی نظروں میں "مومن کامل" کہلانے کے مستحق نہیں ہوتے ۔

ہمارے معاشرے میں ایسے بے شمار لوگ موجود ہیں جو دن رات خدا کی عبادت میں لگے رہتے ہیں ۔ دن میں روزے رکھتے ہیں ۔ رات کو نفلوں کا اہتمام کرتے ہیں ۔ توبہ استغفار بھی ان کی زندگی کا لازمہ بن جاتے ہیں ۔ لیکن پڑوسیوں کے حق میں ان کا رویہ اچھا نہیں ہوتا ۔ پڑوسیوں کے حالات سے غافل اور بے خبر رہنے والے متقی اور پرہیزگار لوگ خدا ہی جانے کس اسلام سے وابستگی رکھتے ہیں ۔ اگر ان میں اس دین سے محبت ہے جو خدا نے بذریعہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں پھیلایا ہے تو ان کو چاہیئے کہ وہ پڑوسیوں کے حقوق ادا کرنے کو اتنا ہی ضروری سمجھیں جتنا وہ اپنی اور اپنے گھر کی ضروریات پورا کرنے کو ضروری خیال کرتے ہیں ۔

جب تک پڑوسیوں کے ساتھ احسان و ایثار کا معاملہ اختیار نہ کیا جائے گا ایمان اور تقوے کی تکمیل ہرگز ہرگز نہیں ہوسکے گی ۔

امام بخاریؒ نے "الادب المفرد" میں ایک روایت نقل ہے کہ دو صحابیہ تھیں ان میں سے ایک کا حال تو یہ تھا کہ رات بھر نفلیں پڑھتیں اور دن کو روزہ رکھتیں ۔ صدقہ خیرات بھی بہت کرتی تھیں مگر زبان کی بہت تیز تھیں ۔ پڑوسیوں کو از راہ زبان بہت ستاتی تھیں ۔ لوگوں نے ان کے احوال حضورؐ کے سامنے بیان کئے تو حضورؐ نے فرمایا کہ ان میں کوئی نیکی نہیں ان کو دوزخ کی سزا ملے گی ۔ پھر صحابہؓ نے ایک دوسری صحابیہ کا حال سنایا جو صرف نمازیں پڑھنے پر اکتفا کرتی تھیں ۔ صرف رمضان کے روزے رکھتی تھیں اور صدقہ خیرات بہت معمولی درجہ میں کیا کرتی تھیں ۔ مگر نہ کسی کو ستاتی تھیں نہ پڑوس والوں کا دل دکھاتی تھیں حضورؐ نے فرمایا کہ یہ جنتی ہوں گی ۔

بالآخر جنت میں تو وہ صحابیہ بھی جائیں گی کہ جو شب بیدار اور صائم الدہر تھیں ۔ لیکن انھیں اپنی بدزبانی اور پڑوسیوں سے بدسلوکی کی سزا ضرور ملے گی ۔ اس کے بعد اپنے ایمان اور دوسرے اچھے اعمال کی وجہ سے انھیں بھی جنت نصیب ہو ہی جائیگی البتہ دوسری صحابیہ نفلوں اور روزوں کی کمی کے باوجود بے حساب جنت میں چلی جائیں گی محض اس بناء پر کہ ان کی ذات سے کسی پڑوسی اور غیر پڑوسی کو کوئی گزند نہیں پہونچا تھا ۔

ایک روایت میں یہ آتا ہے کہ قیامت کے میدان میں جو مقدمہ سب سے پہلے پیش ہوگا وہ دو پڑوسیوں کا مقدمہ ہوگا ۔ ان میں ایک مدعی ہوگا اور دوسرا مدعا علیہ ۔ اس کے بعد دوسرے مقدمات کا نمبر آئے گا ۔ اس روایت سے بھی پڑوسیوں کے حقوق کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے ۔

پڑوسی کسی مذہب اور کسی مسلک سے تعلق رکھے پڑوسی پڑوسی ہے اور وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے ساتھ حسن سلوک اور لطف و مہربانی کا معاملہ کیا جائے اس سے قطعاً بے نیاز ہوکر کہ وہ ہندو ہے یا مسلمان ، یہودی ہے یا عیسائی ہم مسلک ہے یا مخالف ۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے ایک مرتبہ ایک بکری ذبح کی

ان کے پڑوس میں ایک یہودی رہا کرتا تھا انھوں نے اپنے اہلِ خانہ سے دریافت کیا کہ تم نے یہودی ہمسائے کو بھی کچھ بھیجا؟ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ مجھے جبرئیلؑ نے ہمسائے کے ساتھ نیکی کرنے کی اتنی تاکید ہے کہ میں یہ سمجھا کہیں پڑوسیوں کو ترکہ میں حصہ دار نہ بنا دیا جائے۔

بہرکیف پڑوسیوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کا معاملہ کرتے وقت اپنے اور غیر کی کوئی تخصیص نہیں ہونی چاہیئے۔ ہر پڑوسی بہ اعتبار پڑوسی ہونے کے اس بات کا حقدار ہے کہ اس کے ساتھ نیکی اور احسان کا معاملہ کیا جائے۔

دنیا میں حُسنِ برتاؤ کے دو ہی طریقے ممکن ہو سکتے ہیں ایک طریقہ تو یہ ہے کہ پیسہ خرچ کرکے پڑوسیوں کے دل جیتے جائیں اور ایک طریقہ یہ ہے کہ میٹھے بول اور ملنساری کا مظاہرہ کرکے ان کے دلوں میں اپنا مقام پیدا کیا جائے لیکن بہر صورت میں بہتر ہے۔ جب پیسہ خرچ کرنے کی استطاعت نہ ہو۔ اگر پیسہ خرچ کرنے کی استطاعت ہو تو پھر پیسے سے پڑوسیوں کی مدد کرنا ضروری ہے۔

کم از کم ان لوگوں کے لئے جو خدا اور اس کے رسول کی خوشنودی حاصل کرنے کے خواہشمند ہوں۔ پڑوسیوں کا دل جیتنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ عمدہ عمدہ کھانے انھیں بھیجے جائیں بلکہ صرف یہ اہتمام ان کا دل موہ لینے کے لئے کافی ہے جو خود کو میسر ہو اس میں سے پڑوسیوں کو بھی بھیج دیا جائے۔ ایک بار آپ صحابی رضی اللہ عنہ حضرت ابوذر غفاری کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:۔ اے ابوذرؓ جب شوربا پکاؤ تو پانی ڈال کر اس میں اضافہ کرلو اور پھر اس میں سے پڑوسی کو ضرور بھیجو۔ مقصد یہ تھا کہ اگر زیادہ پکانے کی استطاعت نہ ہو تو اس میں پانی ہی ڈال کر اضافہ کر لینا چاہیئے اور اپنے غریب پڑوسیوں کا خیال رکھا جائے۔ اگر کسی شخص میں اتنی ہمت بھی نہ ہو تو اس کے لئے یہ تو ضروری ہے ہی کہ پڑوسیوں کے ساتھ مہربانی اور نرمی کا برتاؤ کرے اور ہر آڑے موقعہ پر حتی الامکان ان کے کام آنے کی کوشش کرے۔

اگر پیسہ میسر ہو تو سب سے پہلے اہلِ خانہ اس بات کے حقدار ہیں کہ ان کی کفالت کی جائے۔ ان کی ضروریات پوری کرنے کے بعد بھی اگر پیسہ بچ جائے تو پھر قریب کے پڑوسی اور قریب کے رشتہ دار اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کے مسائل کو حل کیا جائے۔ ان کے مسائل حل کرنے کے بعد بھی اگر گنجائش ہو تو پھر دور کے ہمسائے اور دور کے قرابت دار اس بات کے حقدار ہوتے ہیں کہ ان کی امداد کی جائے۔ اس کے بعد بھی اگر وسعت ہو تو دنیا بھر کے مسلمان اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کی اقتصادی پریشانیوں کو رفع کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ ان ہدایات پر عمل کئے بغیر مسلمان مسلمان تو ہو سکتا ہے لیکن "مومن" کہلانے کا ہرگز ہرگز مستحق نہیں ہو سکتا۔ فقط

چند مفید اور قابل مطالعہ کتابیں

حدیث دفاع حضور اکرم کی دفاعی سیاست، فوجی قیادت، فن سپہ گری اور عسکری زندگی کے مفصل حالات۔ از خامہ جنرل محمد اکبر خاں مجلد ۱۲/-

مکتوبات حضرت علیؓ حضرت علیؓ کے چونتیس خطوط مع سلیس اردو ترجمہ۔ مکتوبات کے تاریخی حوالے، اشارات و تلمیحات کی فٹ نوٹ میں وضاحت اور موصوف کی مکمل سوانح حیات۔ مترجم و مرتب د حکیم نبی احمد خاں رامپوری۔ قیمت مجلد دس روپے ۱۰/-

صراط مستقیم اہل سنت والجماعت کے عقائد، قبر، قیامت، صور، میزان، اور پل صراط کے ہولناک واقعات۔ نیز قرآن کریم کی چند اہم سورتوں کی قابل قدر تفسیر۔ مولانا صوفی عابد میاں صاحب کی یہ کتاب بہ اعتبار اصلاح اخلاق و اعمال کے لئے مشعل ہدایت ہے۔ مجلد چھ روپے ۶/-

تصوف کی حقیقت راہ سلوک کے بڑے سالکوں نے سلوک کس طرح مرتب کیا۔ یہ تاریخ حکمت کا ایک مستقل باب ہے، جس کو امام الائمہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنے رسالہ "سمعات" میں مفصل و مدلل طریقہ پر تحریر فرمایا ہے۔ مترجم ہیں پروفیسر محمد سرور قیمت مجلد ۶/-

سیرت ختم الرسل مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کی یہ بیش بہا علمی کاوش ایک ایسا آئینہ ہے جس میں رسول خدا کی شخصیت اور دینی جدوجہد کے سارے خدوخال واضح طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ قیمت تین روپے ۳/-

عہد نبویؐ کے میدان جنگ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تحریک کے ایک اہم سنگ میل کی روداد، اسلامی نظریہ حرب و دفاعی نکتہ نگاہ سے اصول، فن اور عمل کے لحاظ سے حضورؐ کا اسوۂ حسنہ مصنف ڈاکٹر حمید اللہ۔ قیمت ۳/۵۰

جنت اور دوزخ اچھے اور برے اعمال کی جزا و سزا گناہ اور ثواب کا علمی اور روحانی تجزیہ قرآن و حدیث کی روشنی میں جنت اور دوزخ کی حقیقت قیمت صرف ۲/-

مومن کی زندگی قرآن کی روشنی میں

دنیائے اسلام کے عظیم مفکر اور صحافی مولانا مودودی کے دو نایاب اور بیش بہا مضامین کا مجموعہ۔ قیمت ۱/۷۵

صدائے جمہور محمد فاروق جوہر کی نظموں اور قطعات کا مجموعہ، جو تبلیغ اور حب الوطنی کا مبلغ بھی اور نظام حکومت پر پُرخلوص اور دردمندانہ طنز بھی۔ قیمت: ایک روپیہ پچاس پیسے ۱/۵۰

شیر شاہ سوری جس نے اپنے پانچ سالہ مختصر دور حکومت میں ہند کے عوام کو اپنی انتظامی قابلیت، انصاف اور خدمت خلق کا قائل کر دیا۔ مکمل سوانح اور مفصل حالات۔ قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے ۱/۵۰

ٹیپو سلطان تاریخ کی سب سے بڑی سازش جس کی وجہ سے ہند کی آخری تلوار ٹوٹ گئی اور آخری حصار مسمار کر دیا گیا۔ دردناک کتاب جس کو پڑھ کر آنسو آجاتے ہیں۔ قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے ۱/۵۰

محمد بن قاسمؒ سرزمین ہند پر اسلام کا داعی اول جس نے اپنے دشمنوں کو ذہنی شکست دے کر اپنا بنایا تھا۔ قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے ۱/۵۰

طارق ابن زیاد پہلے مسلمان جنرل جنھوں نے اسپین فتح کیا اور اسلام کا مبارک قدم یورپ کی سرزمین پر پہونچا۔ قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے ۱/۵۰

مکتبہ تجلی دیوبند (یوپی)

داتا گنج بخش
روحانیت اف ان کے عظیم محسن، اللہ کے پیارے ولی، حضرت داتا صاحب کی سوانح حیات و تعلیمات۔
قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے ۱/۵۰

حضرت موسیٰ علیہ السلام
عظیم المرتبت پیغمبر جن کو کلیم اللہ ہونے کا شرف حاصل ہوا، آپ کی سیرت و سوانح پر بہترین کتاب۔
قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام
قوم یہود کے مصلح اعظم، حضرت عیسیٰ مسیح اللہ کی مکمل سیرت اور پیغمبرانہ شان قرآن کی روشنی میں۔ قیمت ۱/۵۰

مہاتما بدھ
آپ کی ذات ایک نورانی چراغ تھی جس نے اپنے زمانہ کی تاریکی میں روحانیت کی روشنی پھیلائی، آپ ایک مبلغ بھی تھے اور حق کے لئے جان دیدینے کا دلولہ بھی رکھتے تھے۔ قیمت ۱/۵۰

جہانگیر
اس انصاف پسند بادشاہ کے حالات جس نے اپنے محل کے دروازے پر زنجیر عدل لٹکا رکھی تھی اور جس نے انصاف کے معاملہ میں اپنی محبوب ملکہ کی بھی رعایت نہیں کی۔ قیمت ۱/۲۰

نور جہاں
جہانگیر کی چہیتی ملکہ نور جہاں کی کہانی جس نے اپنی ذہانت ولیاقت کے بل بوتے پر سارے ہندوستان و پاکستان پر حکومت کی۔ قیمت ۱/۲۰

سکھ اور جنگ آزادی
علامہ انور صابری نے اس کتاب میں ہندوستان کی آزادی کے لئے سکھوں، مسلمانوں، افغانستان کے جانبازوں کی مشترکہ جدوجہد کی ایک صدی سے زیادہ کی وہ تاریخ مرتب کردی ہے جس کو صدہا کتابوں، اخباروں تذکروں کا نچوڑ کہنا بےجا نہ ہوگا۔ قیمت مجلد چار روپے ۴/-

مولانا عبید اللہ سندھی
شیخ الہندؒ کے معتمد خاص اور ان کی تحریکوں کے روح رواں، اسلام کی صداقت کے علمبردار، جہاد و حریت کے ایک مشہور اور جیالے سپاہی جنھوں نے دور دراز ممالک میں بھی اسلام کی اصل روح، اسکی تعلیمات کو پھیلانا۔ اور ہندوستان کی آزادی کے لئے ایسا رول ادا کیا جس پر تاریخ قیامت تک ناز کرتی رہے گی۔ زیر نظر کتاب میں مولانا سعید احمد اکبرآبادی ایم اے نے اپنے بصیرت افروز قلم سے مرحوم کی شخصیت اور عظمت کو اجاگر کیا ہے۔ قیمت مجلد سات روپے ۷/-

سوانح زرتشت
اب سے تقریباً پونے تین ہزار برس پہلے جو تاریخ کا ایک تاریک ترین دور کہلاتا ہے۔ دنیا کے اس خطے میں پیدا ہوئے جو ایرانیوں تہذیب و تمدن گہوارہ تھا۔ آپ نے اس زمانے کے انسانوں کی اصلاح کے لئے ایک مذہب کی بھی بنیاد رکھی اس مذہب کے ماننے والے آج بھی دنیا میں موجود ہیں۔ آپ کی سوانح میں اس زمانے کی مکمل تاریخ بھی موجود ہے۔ قیمت ۱/۲۰

توضیح البیان شرح حفظ الایمان
اس کتاب میں وہ سرچشمۂ ہدایت موجزن ہے جس نے اہل بدعت کو مع ان کے ادہام باطلہ کے قیامت تک کے لئے غرق کردیا ہے۔ قیمت:۔ ایک روپیہ پچاس پیسے ۱/۵۰

درس عبرت
یہ کتاب ان اکابرین ملت کی نشاندہی کرتی ہے جو اپنی زندگی کو مجسم عبرت بنا کر سفر آخرت اختیار کرگئے۔ قیمت ۷۵ پیسے۔

خالد ابن ولیدؓ
خالد ابن ولید اسلام کے نامور فاتح اور سپہ سالار ہیں۔ آپ نے بدوی قبائل کی صحرائی زندگی ہی میں محنت، جفاکشی آزادہ روی اور بےباکی سیکھی تھی۔ اس کے بعد آپ کے والد نے شہسواری، شمشیرزنی اور تیراندازی کی تعلیم دے کر فنون جنگ میں طاق کردیا۔ آپ کے مفصل حالات جنرل اکبر خاں کے ملاحظہ فرمائیں۔ قیمت ۲/۵۰

ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ تجلی دیوبند (یوپی)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

رسالت محمدیؐ پر ایمان کی دعوت

(۲)

ین حق کو پورے نظام زندگی پر غالب کر دینا

پ کی بعثت کا آخری مقصد اس دین و ہدایت کو تمام اقسام کی
اعتوں اور زندگی کے تمام طریقوں پر غالب کر دینا تھا جسے آپ
دا کی طرف سے لائے تھے۔ اس مقصد کی صراحت قرآن میں
ن مقامات پر کی گئی ہے۔ سورہ توبہ اور الصف میں فرمایا

"وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت
اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ وہ اسے پوری
جنس دین پر غالب کر دے[1]۔ خواہ مشرکوں کو یہ کتنا
ہی ناگوار ہو" (التوبہ آیت ۳۳ الصف آیۃ ۸)

ہی مضمون سورہ فتح میں بیان کر کے فرمایا گیا ہے۔
"اور اس حقیقت پر اللہ کی گواہی کافی ہے"
(آیت ۲۸)

حضور پر ایمان اور آپ کی اطاعت کا حکم

انہی مقاصد کے عین مطابق لوگوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ آپ پر
ایمان لائیں، آپ کی پیروی کریں، آپ کی اطاعت کریں اور
ایسے سب لوگوں کی اطاعت چھوڑ دیں جو اللہ سے غافل اور
حدِ بندگی سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا، وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ (التغابن - ۸)	پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے
فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ	پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبی امی پر جو اللہ اور اس کے ارشادات

[1] آیت میں الدین کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا ترجمہ ہم نے "جنس دین" کیا ہے۔ دین کا لفظ عربی زبان میں اس نظام
ندگی یا طریق زندگی کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کے قائم کرنے والے کو سند اور مطاع تسلیم کر کے اس کا اتباع کیا جائے۔ پس
شت رسول کی غرض اس آیت میں یہ بتائی گئی ہے کہ جس ہدایت اور دین حق کو خدا کی طرف سے اس کا رسول لے کر آیا ہے اسے دین
نوعیت رکھنے والے تمام طریقوں اور نظاموں پر غالب کر دے۔ دوسرے الفاظ میں رسول کی بعثت کبھی اس غرض کے لئے
یں ہوئی ہے کہ جو نظام زندگی اللہ کے سوا دوسروں کو سند اور مطاع مان کر چل رہا ہو، رسول کا لایا ہوا دین اس کا تابع
مغلوب بن کر اس کی دی ہوئی رعایتوں اور گنجائشوں میں سمٹ کر رہے بلکہ رسول تو بادشاہِ ارض وسما کا نمائندہ بن کر آتا ہے،
ر اپنے بادشاہ کے نظام حق کو سب طریقوں اور نظاموں پر غالب کرنا چاہتا ہے۔ اگر کوئی دوسرا نظام زندگی دنیا میں رہے بھی
اسے خدائی نظام کی بخشی ہوئی رعایتوں اور گنجائشوں میں سمٹ کر رہنا چاہئے جیسا کہ جزیہ ادا کرنے کی صورت میں ذمیوں کا نظام
ندگی رہتا ہے۔

وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۔ (الاعراف۔ ۱۵۸)

پر ایمان رکھتا ہے اور پیروی اختیار کرو اس کی تاکہ تمہیں راہِ راست مل جائے۔

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِيَآءَ (الاعراف ۳۰)

پیروی کرو اس ہدایت کی جو تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے بھیجی گئی ہے اور اس کے سوا دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو[1]۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (النساء۔ ۶۴)

ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لئے بھیجا ہے کہ اذنِ خداوندی کی بناء پر اس کی اطاعت کی جائے[2]۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ (النساء ۸۰)

جو رسول کی اطاعت کرے اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ (الحشر ۷)

جو کچھ رسول تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے روک دے اس سے رک جاؤ۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (النور۔ ۲۵)

اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور اللہ سے ڈرے اور اس کی نافرمانی سے بچے ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں،

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا (الاحزاب ۳۶)

کسی ایمان والے مرد یا ایمان لانے والی عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا (الکہف۔ ۲۸)

اور کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور جس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی کی اور جس کا طریق کار افراط و تفریط پر مبنی ہے۔

وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ

اور ان بے لگام لوگوں کی اطاعت نہ کرو جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور

---

[1] یعنی تم کو دنیا میں زندگی بسر کرنے کے لئے جس ہدایت و رہنمائی کی ضرورت ہے، اپنی اور کائنات کی حقیقت اور اپنے وجود کی غرض و غایت سمجھنے کے لئے جو علم انھیں درکار ہے، اور اپنے مذہب، اخلاق، تہذیب، معاشرت اور تمدن کو صحیح بنیادوں پر قائم کرنے کے لئے جن اصولوں کے تم محتاج ہو ان سب کے لئے تمہیں صرف اس ہدایت کی پیروی کرنی چاہیے جو اللہ نے اپنے رسول کے ذریعہ سے بھیجی ہے، اللہ کی نازل کردہ ہدایت چھوڑ کر کسی دوسرے رہنما کی طرف ہدایت کے لئے رجوع کرنا اور اپنے آپ کو اس کی رہنمائی کے حوالے کر دینا انسان کیلئے بنیادی طور پر ایک غلط طریق کار ہے جس کا نتیجہ ہمیشہ تباہی کی صورت میں نکلا ہے اور ہمیشہ تباہی کی صورت میں نکلے گا، یہاں "اولیاء" (سرپرستوں) کا لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے کہ انسان جس کی رہنمائی پر چلتا ہے اسے درحقیقت اپنا ولی و سرپرست بناتا ہے۔

[2] یعنی خدا کی طرف سے رسول اس لئے نہیں آتا ہے کہ بس اس کی رسالت پر ایمان لے آؤ، اور پھر اطاعت جس کی چاہو کرتے رہو، بلکہ رسول کے آنے کی غرض ہی یہ ہوتی ہے کہ زندگی کا جو قانون وہ لے کر آیا ہے، تمام قوانین کو چھوڑ کر صرف اُسی کی پیروی کی جائے۔ اور خدا کی طرف سے جو احکام وہ دیتا ہے، تمام احکام کو چھوڑ کر صرف اُنہی پر عمل کیا جائے، اگر کسی نے یہ نہ کیا تو پھر اس کا محض رسول کو رسول مان لینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

وَلَا يُصْلِحُوْنَ (الشعراء ۱۵۱-۱۵۲) کوئی اصلاح نہیں کرتے۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ۔ (آل عمران ۳۲)

اے نبی، کہدو کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر وہ اس بات کو قبول کرنے سے منہ موڑیں تو اللہ ایسے کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

اب قانون وہ ہے جو اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے دیا ہے

اسی طرح حضور کی رسالت کے اعلان اور آپ کی اطاعت و پیروی کے حکم کے ساتھ یہ بھی اعلان کر دیا گیا کہ اب خدا کا قانون وہ ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے دیا گیا ہے، کسی کو اس میں آپ سے نزاع کا حق نہیں ہے، اُس کے خلاف جو کچھ ہے جاہلیت اور طاغوت کی بندگی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے مقرر کردہ حاکم ہیں، جن کا کام یہ ہے کہ لوگوں کے معاملات کا فیصلہ اللہ کی نازل کردہ ہدایت کے مطابق کریں۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (الجاثیہ - ۱۸)

پھر (بنی اسرائیل کے بعد) اے نبی، ہم نے تم کو دین کے معاملہ میں ایک صاف شاہراہ (شریعت) پر قائم کر دیا ہے، لہٰذا تم اسی کی پیروی کرو اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِى الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ۔ (الحج - ۶۷)

ہر امت کے لئے ہم نے ایک طریق عبادت (یا طریق بندگی) مقرر کیا ہے جس کی وہ پیروی کرتی ہے، پس اے محمد، اس معاملہ میں وہ تم سے جھگڑا نہ کریں[۲]۔ تم اپنے رب کی طرف دعوت دو، یقیناً تم سیدھے راستے پر ہو۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ۔ (النساء - ۱۰۵)

اے نبی، ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ جو راہ راست اللہ نے تم کو دکھائی ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔

قرآن مجید میں جگہ جگہ انسانی معاشرے کے لئے جو قواعد بیان کئے گئے ان کے لئے "حدود اللہ" کے الفاظ استعمال فرمائے گئے، یعنی یہ وہ حدیں ہیں جن کے اندر رہنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ پھر کہیں سختی کے ساتھ متنبہ کیا گیا کہ ان سرحدوں کے قریب نہ پھٹکنا، کہیں فرمایا گیا کہ ان سے تجاوز کرنے والے ظالم ہیں، کہیں ارشاد ہوا کہ ان سے تجاوز کرنے والے اپنے اوپر آپ ظلم کرتے ہیں، اور کہیں خبردار کیا گیا کہ تجاوز کرنے والوں کے لئے نار جہنم یا عذاب الیم ہے (ملاحظہ ہو، البقرہ، آیات ۱۸۷-۲۲۹-۲۳۰-النساء ۱۳-۱۴

---

[۱] یعنی اپنے اُن امراء و رؤساء اور ان رہنماؤں اور حاکموں کی اطاعت چھوڑ دو جن کی قیادت میں تمہارا یہ فاسد نظام زندگی چل رہا ہے، یہ حد سے گزرے ہوئے لوگ ہیں، اخلاق کی ساری حدیں پھاند کر شتر بے مہار بن چکے ہیں۔ ان کے ہاتھوں کوئی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ یہ جس نظام کو چلائیں گے اس میں بگاڑ ہی پھیلے گا۔ تمہارے لئے فلاح کی کوئی صورت اگر ہے صرف یہ کہ اپنے اندر خدا ترسی پیدا کرو اور مفسدوں کی اطاعت چھوڑ کر میری اطاعت کرو۔

[۲] یعنی جس طرح پہلی امتوں کے انبیاء اپنے اپنے دور کے لئے ایک مَنسک (طریق عبادت و بندگی) لائے تھے اسی طرح اس دور کی امت کے لئے تم ایک مَنسک لائے ہو۔ اب کسی کو تم سے نزاع کا حق نہیں ہے، کیونکہ اس دور کے لئے یہی مَنسک ہے جو تم لائے ہو۔

[illegible] (الطلاق ۱- التوبہ ۳۳) اس سے معلوم ہوگیا کہ اس قانون کی اہمیت کیا ہے جو حضور کے ذریعہ سے انسانوں کو دیا گیا ہے۔ اور پھر صاف صاف خبردار کر دیا گیا کہ۔

أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ۔ (المائدہ ۵۰)

تو پھر کیا یہ لوگ جاہلیت[1] کا فیصلہ چاہتے ہیں حالانکہ جو لوگ (اللہ پر) یقین رکھتے ہیں ان کے لئے اللہ سے بہتر حکم کس کا ہو سکتا ہے۔

يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَن يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا۔ (النساء ۶۰)

وہ چاہتے ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لئے طاغوت[2] کی طرف رجوع کریں حالانکہ انہیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور شیطان چاہتا ہے کہ وہ گمراہی میں دور نکل جائیں۔

دین کے معاملہ میں کسی مصالحت و مداہنت کی گنجائش نہیں

اطاعت و اتباع رسول کے اس صاف صاف حکم کے ساتھ لوگوں کو خبردار کر دیا گیا کہ خدا کے دین کے معاملہ میں کوئی مصالحت و مداہنت نہیں ہو سکتی، کسی عقیدے کسی اصول، کسی ضابطے اور قاعدے اور کسی حکم کے اندر کسی کی خاطر ادنیٰ سا رد و بدل بھی نہیں ہو سکتا، جس کو ماننا ہو وہ اُس پورے دین کو مانے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیش فرما رہے ہیں، اور جسے نہ ماننا ہو وہ نہ مانے۔ مانے گا تو اپنا ہی بھلا کرے گا، نہ مانے گا تو اپنا ہی نقصان کرے گا۔ یہاں کسی سودے بازی اور لین دین پر سمجھوتے کا قطعاً کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ (القلم ۸-۹)

پس اے نبی، جھٹلانے والوں کے دباؤ میں ہرگز نہ آؤ۔ وہ چاہتے ہیں کہ کچھ تم مداہنت کرو تو وہ بھی مداہنت کریں (یعنی تم اسلام کی تبلیغ میں کچھ ڈھیل اختیار کرو تو یہ بھی تمہاری مخالفت میں کچھ نرمی اختیار کر لیں، یا تم ان کی گمراہیوں کی رعایت کر کے اپنے دین میں کچھ ترمیم کر لو تو یہ تمہارے ساتھ مصالحت کر لیں)۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ ۙ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِن تِلْقَاءِ نَفْسِي ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ (یونس ۱۵)

اور جب انہیں ہماری صاف صاف آیات سنائی جاتی ہیں تو جو لوگ (آخرت میں) ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی اور قرآن لاؤ، یا اس میں کچھ ترمیم کرو[3]۔ اے محمد، ان سے کہو مجھے یہ حق نہیں ہے کہ اپنی طرف سے اس میں کوئی تغیر و تبدل کر لوں، میں تو بس اس وحی کا پیرو ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے

وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن

اور کہدو کہ یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے اب جس کا جی چاہے مانے اور جس کا جی چاہے

---

[1] جاہلیت کا لفظ اسلام کے مقابلہ میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اسلام کا طریقہ سراسر علم ہے کیونکہ اس کی طرف خدا نے رہنمائی کی ہے جو تمام حقائق کا علم رکھتا ہے۔ اس کے برعکس ہر وہ طریقہ جو اسلام سے مختلف ہے، جاہلیت کا طریقہ ہے۔

[2] یہاں صریح طور پر طاغوت سے مراد وہ حاکم ہے جو قانونِ الٰہی کے سوا کسی دوسرے قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہو، اور وہ نظامِ عدالت ہے جو نہ تو اللہ کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرتا ہو اور نہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی ہدایت کو آخری سند مانتا ہو۔

[3] مشرکین کا یہ قول اول تو اس مفروضے پر مبنی تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ پیش کر رہے ہیں وہ خدا کی طرف (بقیہ صفحہ ۲۳ پر)

وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (الکہف ۲۹) نہ مانے۔

فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۖ وَمَن ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَا أَنَا مِنَ الْمُنذِرِينَ (النمل - ۹۲)

پھر جو ہدایت اختیار کرے وہ اپنے ہی بھلے کے لئے ہدایت اختیار کرے گا اور جو گمراہ ہو اس سے کہدو کہ میں تو صرف خبردار کرنے والا ہوں

قریش اور مشرکین عرب کا ردعمل

اس تفصیل سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ دعوتِ اسلامی کا دوسرا نکتہ، یعنی لوگوں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تسلیم کرانا اور اُن کو اس بات پر آمادہ کرنا کہ وہ عقائد و عبادات سے لے کر زندگی کے ہر شعبے تک تمام معاملات میں آپ کی مکمل اطاعت و پیروی قبول کرلیں، اپنے اندر کیا کیا اہمیت رکھتا تھا، اس کی اہمیت یہ تھی کہ دین اس کے بغیر عملاً قائم نہ ہوسکتا تھا۔ اور رسول پر ایمان اور بالفعل اس کی اطاعت کے بغیر محض خدا کی توحید کو تسلیم کرلینا لاحاصل تھا، لیکن اگر غور کیا جائے تو انسان محسوس کرسکتا ہے کہ اللہ کی توحید کو ماننا قریش اور عام مشرکین عرب کے لئے جتنا مشکل تھا، اس سے بہت زیادہ مشکل رسالت کو ماننا تھا، اول تو یہی بات ان کے لئے کچھ آسان نہ تھی کہ جو شخص چالیس برس تک اُن کے ہاں عام انسانوں کی طرح رہا بسا تھا۔ اس کے متعلق وہ یہ باور کرلیں کہ یکایک وہ اللہ کا رسول مقرر ہوگیا ہے اور اس کے پاس وحی آنے لگی ہے، پھر جو لوگ صدیوں سے بے لگام آزادی کے عادی تھے۔ ان کے لئے اب ایک شخص کی بے چوں و چرا اطاعت اور اپنی پوری زندگی میں اس کے دیئے ہوئے قانون کی پیروی قبول کرلینا بھی کچھ کم دشوار نہ تھا، اور اس سے زیادہ سخت دشواری اُن سرداروں کے لئے تھی جو اب تک اپنے اپنے قبیلوں اور گروہوں کے صاحب امر بنے ہوئے تھے، اُن مذہبی پیشواؤں کے لئے تھی جو ملک بھر میں شرک کے بڑے بڑے مراکز کا کاروبار چلارہے تھے، ان کاہنوں کے لئے تھی جو غیب دانی کے مدعی تھے اور جن کی طرف لوگ اپنی گم شدہ چیزوں کے پتے پوچھنے اور اپنے مستقبل کا حال معلوم کرنے کے لئے رجوع کرتے تھے ان میں سے ہر ایک کے لئے یہ رسالت گویا کھلا کھلا پیغام

(بقیہ از صـ۲۲) سے نہیں ہے بلکہ ان کے اپنے دماغ کی تصنیف ہے اور اس کو خدا کی طرف منسوب کرکے انھوں نے صرف اس لئے پیش کیا ہے کہ ان کی بات کا وزن بڑھ جائے، دوسرے ان کا مطلب یہ تھا کہ تم نے توحید اور آخرت اور اخلاقی پابندیوں کی بحث کیا چھیڑ دی؟ اگر رہنمائی کے لئے اٹھے ہو تو کوئی ایسی چیز پیش کرو جس سے قوم کا بھلا ہو، اور اس کی دنیا بنتی نظر آئے۔ تاہم اگر تم اپنی اس دعوت کو بالکل نہیں بدلنا چاہتے تو کم از کم اس میں کچھ لچک ہی پیدا کرو تاکہ ہمارے اور تمہارے درمیان کم و بیش پر مصالحت ہوسکے، کچھ ہم تمہاری مانیں کچھ تم ہماری مان لو، تمہاری توحید میں کچھ ہمارے شرک کیلئے، تمہاری خداپرستی میں کچھ ہماری نفس پرستی اور دنیاپرستی کیلئے، اور تمہارے عقیدۂ آخرت میں کچھ ہماری اِن امیدوں کیلئے بھی گنجائش نکلنی چاہیئے کہ دنیا میں ہم جو چاہیں کرتے رہیں، آخرت میں ہماری کسی نہ کسی طرح نجات ضرور ہوجائیگی، پھر تمہارے یہ قطعی اور حتمی اخلاقی اصول بھی ہمارے لئے ناقابل قبول ہیں، ان میں کچھ ہمارے تعصبات کیلئے، کچھ ہمارے رسم و رواج کے لئے، کچھ ہماری شخصی اور قومی اغراض کے لئے، اور کچھ ہماری خواہشاتِ نفس کیلئے بھی جگہ نکلنی چاہئے، کیوں نہ ایسا ہو کہ دین کے مطالبات کا مناسب دائرہ ہماری اور تمہاری رضامندی سے طے ہوجائے اور اس میں ہم خدا کا حق ادا کردیا کریں، اس کے بعد ہمیں آزاد چھوڑ دیا جائے کہ جس جس طرح اپنی دنیا کے کام چلانا چاہتے ہیں چلائیں۔ مگر تم یہ غضب کررہے ہو کہ پوری زندگی اور سارے معاملات کو توحید اور آخرت کے عقیدے اور شریعت کے ضابطہ میں کس دینا چاہتے ہو۔

موت تھی، جسے قبول کرنا تو درکنار ٹھنڈے دل سے سننا بھی ان کے لئے ممکن نہ تھا، غرض ہر وہ شخص جس کا مفاد پرانے جاہلیت کے نظام کی برقراری سے کسی نہ کسی طور پر وابستہ تھا، اس کے لئے یہ خطرہ پیدا ہوگیا تھا کہ اگر لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو مان لیں اور یہ تسلیم کرکے ان کے تابع فرمان بن جائیں کہ جو کچھ وہ پیش کر رہے ہیں وہ خداوند ارض وسما کی طرف سے ہے تو پھر معاشرے میں اس کا چراغ کسی طرح نہ جل سکے گا اس وجہ سے یہ سارے ہی لوگ اپنے مفاد کی حفاظت کے لئے اس بات پر تل گئے کہ رسالت کی اس دعوت کو کسی طرح نہ چلنے دیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر عوام الناس ایک مامور من اللہ رہنما کی پیروی اور ایک منزل من اللہ دین و آئین کی اطاعت کو مان گئے تو پھر بالآخر انھیں بھی ہتھیار ڈال دینے پڑیں گے اور مُطاع کے بجائے مطیع بن کر رہنا پڑے گا۔

ایک طرف یہ دشواریاں تھیں تو دوسری طرف ایک اور دشواری اور بڑی سخت دشواری اُن کے لئے یہ تھی کہ رسالت کا دعویٰ لے کر ان کے درمیان ایک ایسا شخص اٹھا تھا جو ان کی قوم کا بہترین آدمی تھا جس کی اخلاقی فضیلت کو ساری قوم مانتی تھی، جس کو پانچ ہی سال پہلے ساری قوم نے بالاتفاق امین کہا تھا، جس نے اپنی رسالت کا دعویٰ پیش کرنے سے عین پہلے کوہ صفا پر چڑھ کر جب پوچھا تھا کہ "اگر میں تمہیں خبر دوں کہ پہاڑی کے پیچھے ایک لشکر تم پر حملہ آور ہونے کے لئے تیار ہے تو کیا تم میری بات مانو گے؟" تو سب نے کہا تھا کہ "ہاں، ہم مان لیں گے کیونکہ ہمیں تم سے کبھی جھوٹ کا تجربہ نہیں ہوا ہے۔" اس کے بعد ان کے لئے اسی شخص کو جھوٹا قرار دینا، اور لوگوں کو بھی اس بات کا قائل کر لینا کوئی آسان کام نہ تھا کہ عمر بھر دنیا کے کسی معاملہ میں جو شخص کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا وہ اتنا بڑا "جھوٹ" لے کر اٹھ کھڑا ہوا ہے کہ خدا نے اسے رسول مقرر کیا ہے اور خدا کا کلام اس پر نازل ہوتا ہے۔

اسی کے متعلق قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے۔

قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ	اے محمد، ہمیں معلوم ہے کہ
لَيَحْزُنُكَ الَّذِي	جو باتیں یہ لوگ بناتے ہیں
يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ لَا	ان سے تمہیں رنج ہوتا ہے، لیکن
يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ	یہ لوگ تمہیں نہیں جھٹلاتے بلکہ
الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ	یہ ظالم اللہ کی آیات کا انکار
يَجْحَدُونَ (الانعام-۳۳)	کرتے ہیں۔

یہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی آیات سنانی شروع نہ کی تھیں آپ کی قوم کے سب لوگ آپ کو امین اور صادق سمجھتے تھے اور آپ کی راستبازی پر مکمل اعتماد رکھتے تھے۔ انھوں نے آپ کو جھٹلایا اس وقت جب آپ نے اللہ کی طرف سے پیغام پہنچانا شروع کیا، اور اس دوسرے دور میں بھی کوئی شخص ایسا نہ تھا جو شخصی حیثیت سے آپ کو جھوٹا قرار دینے کی جرأت کر سکتا ہو۔ آپ کے کسی سخت سے سخت مخالف نے بھی کبھی آپ پر یہ الزام نہیں لگایا کہ آپ دنیا کے کسی معاملہ میں کبھی جھوٹ بولنے کے مرتکب ہوئے ہیں، جتنی بھی انھوں نے آپ کی تکذیب کی نبی ہونے کی حیثیت سے کی، آپ کا سب سے بڑا دشمن ابوجہل تھا، اور حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ خود اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا انا لانکذبك ولکن نکذب ماجئت بہ "ہم آپ کو تو جھوٹا نہیں کہتے، مگر جو کچھ آپ پیش کر رہے ہیں اسے جھوٹ قرار دیتے ہیں[1]۔" جنگ بدر کے موقع پر اخنس بن شریق نے تخلیہ میں ابوجہل سے پوچھا کہ "یہاں میرے اور تمہارے سوا کوئی تیسرا موجود نہیں ہے، سچ بتاؤ کہ محمد کو تم جھوٹا سمجھتے ہو یا سچا؟" اس نے جواب دیا "خدا کی قسم محمد ایک سچا آدمی ہے، عمر بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا، مگر جب لواء، اور حجابت اور سقایت اور نبوت

---

[1] یہ روایت امام سفیان ثوری اور حاکم نے حضرت علیؓ سے نقل کی ہے۔

سب کچھ بنی قصیّ ہی کے حصے میں آجائے تو بتاؤ باقی سارے قریش کے پاس کیا رہ گیا؟[1] اسی بنا پر اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو تسلی دے رہا ہے کہ تکذیب دراصل تمہاری نہیں بلکہ ہماری کی جارہی ہے، اور جب ہم تحمل و بردباری کے ساتھ اسے برداشت کئے جارہے ہیں) اور ڈھیل پر ڈھیل دیئے جاتے ہیں تو تم کیوں مضطرب ہوتے ہو؟

اعتراضات، الزامات اور عجیب عجیب مطالبات

اس دُہری مشکل سے دوچار ہونے کے بعد قریش اور دوسرے مشرکین کے لئے اس کے سوا کوئی راستہ نہ رہا کہ حضورؐ کی رسالت کو نہ ماننے کیلئے طرح طرح کے اعتراضات کریں مختلف اور متضاد الزامات آپ پر لگائیں، اور عجیب عجیب معجزات دکھانے کا آپ سے مطالبہ کریں۔ لیکن جیسا کہ توحید کے معاملہ میں آپ نے دیکھا کہ شرک کی تردید اور وحدانیت خداوندی کے اثبات کے لئے ایسے زبردست دلائل پیش کئے گئے جن سے کسی معقول آدمی کے لئے اِن حقائق کا انکار کرنے کی گنجائش نہیں رہی، ٹھیک اسی طرح رسالت کے خلاف بھی مشرکین کے اِن تمام حربوں کا مقابلہ ایسے مدلل طریقہ سے کیا گیا کہ جس کے دماغ میں بھی کچھ عقل تھی وہ دل میں قائل ہوئے بغیر نہ رہ سکا، خواہ ضد اور ہٹ دھرمی سے وہ مخالفت کرتا رہے۔

حضورؐ کے انسان ہونے پر اعتراض

ان کا پہلا اعتراض یہ تھا کہ ہم ایک ایسے شخص کو خدا کا رسول کیسے مان لیں جو ہماری ہی طرح کا ایک انسان ہے، کھاتا ہے، پیتا ہے، بال بچے رکھتا ہے، اور دنیا داری کے وہ سب کام کرتا ہے جو دوسرے انسان کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ان کے اس اعتراض کو نقل کرکے مختلف مقامات پر اس کے جوابات دیئے گئے۔

وَاَسَرُّوا النَّجْوَی ۖ	اور یہ ظالم آپس میں سرگوشیاں
الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ	کرتے ہیں کہ یہ شخص آخر تم جیسا
اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ	ایک بشر ہی تو ہے، پھر کیا
السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ	تم آنکھوں دیکھتے جادو کے
(الانبیاء - ۳)	پھندے میں پھنس جاؤ گے۔

یہ سرگوشیاں کفار مکہ کے وہ بڑے بڑے سردار آپس میں بیٹھ بیٹھ کر کیا کرتے تھے جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا مقابلہ کرنے کی بڑی فکر لاحق تھی، وہ کہتے تھے کہ "یہ شخص بہرحال نبی تو ہو نہیں سکتا، کیونکہ ہم ہی جیسا انسان ہے، کھاتا ہے پیتا ہے، بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، بیوی بچے رکھتا ہے، آخر اس میں وہ نرالی بات کیا ہے جو اس کو ہم سے ممتاز کرتی ہو اور ہماری بہ نسبت اس کو خدا سے ایک غیر معمولی تعلق کا مستحق بناتی ہو؟ البتہ اس شخص کی باتوں میں اور اس کی شخصیت میں ایک جادو ہے کہ جو اس کی بات کان لگا کر سنتا ہے اور اس کے قریب جاتا ہے وہ اس کا گرویدہ ہو جاتا ہے، اس لئے اگر اپنی خیر چاہتے ہو تو نہ اس کی سنو اور نہ اس سے میل جول رکھو، کیونکہ اس کی باتیں سننا اور اس کے قریب جانا گویا آنکھوں دیکھتے جادو کے پھندے میں پھنسنا ہے۔"

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ	اور وہ کہتے ہیں "یہ کیسا
يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ	رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے
فِي الْاَسْوَاقِ ۙ لَوْلَآ اُنْزِلَ	اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے؟
اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ	کیوں نہ اس کے پاس کوئی
مَعَهٗ نَذِيْرًا	فرشتہ بھیجا گیا جو اس کے
اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ	ساتھ رہتا اور نہ ماننے

[1] یہ روایت ابن جریر نے اپنی تفسیر میں نقل کی ہے۔ اخنس بن شریق، جس کا یہاں ذکر کیا جارہا ہے۔ بنی زہرہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ننھیالی خاندان) سے تھا۔ اگرچہ جنگ میں قریش کے ساتھ آیا تھا، مگر ابن ہشام کا بیان ہے کہ اس نے اور بنی زہرہ نے لڑائی میں حصہ نہیں لیا۔

أَوْ تَكُونُ لَهُ جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا وَقَالَ الظّٰلِمُونَ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا۔ (الفرقان۔ ۷-۸)

والوں کو، دھمکاتا؛ یا اور کچھ نہیں تو اس کے لئے کوئی خزانہ ہی اتار دیا گیا ہوتا، یا اس کے پاس کوئی باغ ہی ہوتا جس سے یہ اطمینان کی، روزی حاصل کرتا" اور ظالم کہتے ہیں "تم لوگ تو ایک سحر زدہ آدمی کے پیچھے لگ گئے ہو"

ان کا مطلب یہ تھا کہ اوّل تو انسان کا رسول ہونا ہی عجیب بات ہے۔ خدا کا پیغام لے کر آتا تو کوئی فرشتہ آتا نہ کہ ایک گوشت پوست کا آدمی جو زندہ رہنے کے لئے غذا کا محتاج ہو، تاہم اگر آدمی ہی رسول بنایا گیا تھا تو کم از کم وہ بادشاہوں اور دنیا کے بڑے لوگوں کی طرح ایک بلند پایہ ہستی ہونا چاہئے تھا جسے دیکھنے کے لئے آنکھیں ترستیں اور جس کے حضور باریابی کا شرف بڑی کوششوں سے کسی کو نصیب ہوتا، نہ یہ کہ ایک ایسا عام آدمی خداوندِ عالم کا پیغمبر بنا دیا جائے جو بازاروں میں چلتا پھرتا ہو۔ بھلا اس آدمی کو کون خاطر میں لائے گا جسے ہر راہ چلتا روز دیکھتا ہو، اور کسی پہلو سے بھی اس کے اندر کوئی غیر معمولی پن نہ پاتا ہو۔ بالفاظ دیگر، ان کی رائے میں رسول کی ضرورت اگر تھی تو عوام الناس کو ہدایت دینے کے لئے نہیں بلکہ عجوبہ دکھانے یا ٹھاٹھ باٹھ سے دھونس جمانے کے لئے تھی۔

پھر وہ کہتے تھے کہ اگر آدمی ہی کو نبی بنایا گیا تھا تو کم از کم ایک فرشتہ تو اس کے ساتھ کر دیا جاتا جو ہر وقت کوڑا ہاتھ میں لئے رہتا اور لوگوں سے کہتا کہ مانو اِس کی بات ورنہ ابھی خدا کا عذاب برسا دیتا ہوں یہ تو بڑی عجیب بات ہے کہ کائنات کا مالک ایک شخص کو نبوت کا جلیل القدر منصب عطا کر کے بس یونہی اکیلا چھوڑ دے اور وہ لوگوں سے گالیاں اور پتھر کھاتا پھرے۔

بدرجۂ آخر ان کا مطالبہ یہ تھا کہ اللہ میاں کم از کم اتنا تو کرتے کہ اپنے رسول کے لئے معاش کا کوئی اچھا انتظام کر دیتے، یہ کیا ماجرا ہے کہ خدا کا رسول ہمارے معمولی رئیسوں سے بھی گیا گزرا ہو، نہ خرچ کے لئے مال میسر، نہ پھل کھانے کو کوئی باغ نصیب، اور دعویٰ یہ کہ ہم اللہ رب العالمین کے پیغمبر ہیں۔

یہ باتیں بنا کر آخر کار وہ کہتے تھے کہ یہ شخص سحر زدہ ہے یعنی کسی نے اس پر جادو کر دیا ہے اور اس کی وجہ سے یہ دیوانہ ہو گیا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ اوپر ان کا جو قول منقول ہوا ہے اس میں وہ آپ کو ساحر کہتے تھے، اور یہاں وہ آپ کو مسحور قرار دیتے ہیں۔ اس پر ایک ردّا شاعر ہونے کی تہمت کا بھی تھا جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

اس اعتراض کا جواب

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً (الرعد ۳۸)

تم سے پہلے بھی ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں اور ان کو ہم نے بیوی بچوں والا ہی بنایا تھا۔

یہ اُس اعتراض کا جواب ہے جو وہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کرتے تھے کہ یہ اچھا نبی ہے جو بیوی بچے رکھتا ہے۔ بھلا پیغمبروں کو بھی خواہشاتِ نفسانی سے کوئی تعلق ہو سکتا ہے۔ فرمایا گیا کہ پہلے جو رسول بھیجے گئے تھے آخر وہ بھی تو بیوی بچے رکھتے تھے۔ حضرت نوحؑ کو تم خود پیغمبر مانتے ہو، اگر وہ بال بچوں والے نہ ہوتے تو تم ان کی نسل سے کیسے پیدا ہوتے؟ حضرت ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کا پیغمبر ہونا تو تمہارے نزدیک مسلّم ہے، انہی سے تو تم اپنا نسب ملاتے ہو، پھر وہ بال بچوں والے نہ ہوتے تو تم کہاں سے بنی اسماعیل بن جاتے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِمْ فَسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ

اور اے محمد، تم سے پہلے بھی ہم نے انسانوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا تھا جن پر وحی کیا کرتے تھے تم لوگ اگر علم

اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ

(الانبیاء - ۷-۸)

نہیں رکھتے تو اہل کتاب سے پوچھ لو۔ ان رسولوں کو ہم نے کوئی ایسا جسم نہیں دیا تھا کہ وہ کھاتے نہ ہوں، اور نہ وہ سدا جینے والے تھے ۔

یعنی یہ یہودی، جو آج اسلام کی دشمنی میں تمہارے ہم نوا ہیں اور تم کو مخالفت کے داؤ پیچ سکھایا کرتے ہیں، انہی سے پوچھ لو کہ موسیٰؑ اور دوسرے انبیاء بنی اسرائیل کون تھے ؟ انسان تھے یا کوئی اور مخلوق؟

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝

(التغابن - ۵-۶)

کیا تمہیں ان لوگوں کی کوئی خبر نہیں پہنچی جنہوں نے اس سے پہلے کفر کیا اور پھر اپنی شامت اعمال کا مزہ چکھ لیا ؟ اور آگے (آخرت میں) ان کے لئے ایک دردناک عذاب ہے اس انجام کے مستحق وہ اس لئے ہوئے کہ ان کے پاس ان کے رسول کھلی کھلی دلیلیں اور نشانیاں لے کر آتے رہے، مگر انھوں نے کہا "کیا انسان ہمیں ہدایت دیں گے ؟" اس طرح انھوں نے ماننے سے انکار کردیا اور منہ پھیر لیا، تب اللہ بھی ان سے بے پروا ہوگیا اور اللہ تو ہے ہی بے نیاز اور اپنی ذات میں آپ محمود۔

یعنی انبیاء ایسی صریح علامات اور نشانیاں لے کر آئے تھے جو ان کے مامور من اللہ ہونے کی کھلی کھلی شہادت دیتی تھیں۔ وہ جو بات بھی پیش کرتے تھے نہایت معقول اور روشن دلیلوں کے ساتھ پیش کرتے تھے، ان کی تعلیم میں کوئی ابہام نہ تھا، بلکہ وہ صاف صاف بتاتے تھے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ؟ جائز کیا ہے اور ناجائز کیا ؟ کس راہ پر انسان کو چلنا چاہئے اور کس راہ پر نہ چلنا چاہئے ؟ لیکن لوگوں نے یہ کہہ کر ان کی بات ماننے سے انکار کردیا کہ "کیا اب انسان ہمیں ہدایت دیں گے ؟" اور یہی چیز ان کی تباہی کی موجب ہوئی۔ کیونکہ انسانی کو دنیا میں صحیح راہ عمل اس کے بغیر معلوم نہیں ہوسکتی تھی کہ اس کا خالق اسے صحیح علم دے، اور خالق کی طرف سے دیئے جانے کی عملی صورت اس کے سوا کچھ نہیں ہوسکتی تھی کہ وہ انسانوں ہی میں سے بعض افراد کو علم عطا کرکے دوسروں تک اسے پہنچانے کی خدمت سپرد کرے۔ اس غرض کے لئے اس نے انبیاء کو بیّنات کے ساتھ بھیجا تاکہ لوگوں کے لئے ان کے برحق ہونے میں شک کرنے کی کوئی معقول وجہ نہ رہے، مگر انھوں نے سرے سے یہ بات ماننے سے انکار کردیا کہ بشر خدا کا رسول ہوسکتا ہے، اس کے بعد ان کے لئے ہدایت پانے کی کوئی صورت باقی نہ رہی۔ اس معاملہ میں گمراہ انسانوں کی جہالت ونادانی کا یہ عجیب کرشمہ ہمارے سامنے آتا ہے کہ بشر کی رہنمائی قبول کرنے میں تو انہوں نے کبھی تامل نہیں کیا ہے۔ حتیٰ کہ کچھ انسانوں ہی کی رہنمائی میں لکڑی اور پتھر کے بتوں تک کو انھوں نے معبود بنالیا، خود انسانوں کو خدا اور خدا کا اوتار اور خدا کا بیٹا تک مان لیا، اور گمراہ کن لیڈروں کی اندھی پیروی میں ایسے عجیب مسلک اختیار کرلیے، جنہوں نے انسانی تہذیب و تمدن اور اخلاق کو لپیٹ کر کے رکھ دیا۔ مگر جب خدا کے رسول ان کے پاس حق لے کر آئے، اور انہوں نے ہر ذاتی غرض سے بالاتر ہوکر بے لاگ سچائی ان کے سامنے پیش کی تو انھوں نے کہا "کیا اب بشر ہمیں ہدایت دیں گے ؟" اس کے معنی یہ تھے بشر اگر گمراہ کرے تو سر آنکھوں پر، لیکن اگر وہ راہِ راست دکھاتا ہے تو اس کی راہنمائی قابل قبول نہیں ہے ۔

پس جب انھوں نے اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت سے استغنا برتا تو پھر اللہ کو بھی اس کی کچھ پروا نہ رہی کہ وہ کس گڑھے میں جاکر گرتے ہیں، اللہ کی کوئی غرض تو ان سے اٹکی ہوئی نہ تھی کہ وہ اسے خدا مانیں گے تو وہ خدا رہے گا۔ ور

خدائی کا تخت اس سے چھن جائے گا، وہ نہ ان کی عبادت کا محتاج تھا، نہ ان کی حمد و ثنا کا۔ وہ تو ان کی اپنی بھلائی کے لئے انھیں راہِ راست دکھانا چاہتا تھا، مگر جب وہ اس سے منہ پھیر گئے تو اللہ بھی ان سے بے پروا ہو گیا، پھر نہ اس نے ان کو ہدایت دی، نہ ان کی حفاظت اپنے ذمہ لی، نہ ان کو مہالک میں پڑنے سے بچایا اور نہ انھیں اپنے اوپر تباہی لانے سے روکا، کیونکہ وہ خود اس کی ہدایت اور ولایت کے طالب نہ تھے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُولًا

(بنی اسرائیل ۹۴-۹۵)

لوگوں کے سامنے جب کبھی ہدایت آئی تو اس پر ایمان لانے سے ان کو کسی چیز نے نہیں روکا، مگر ان کے اسی قول نے کہ "کیا اللہ نے بشر کو پیغمبر بنا کر بھیج دیا؟" ان سے کہو اگر زمین میں فرشتے آرام سے چل پھر رہے ہوتے تو ہم ضرور آسمان سے کسی فرشتے ہی کو ان کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجتے۔

یعنی پیغمبر کا کام صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ اگر خدا کا پیغام سنا دیا کرے، بلکہ اس کا کام یہ بھی ہے کہ اس پیغام کے مطابق انسانی زندگی کی اصلاح کرے، اسے انسانی احوال پر اس پیغام کے اصولوں کا انطباق کرنا ہوتا ہے۔ اسے خود اپنی زندگی میں ان اصولوں کا عملی مظاہرہ کرنا ہوتا ہے، اسے ان بے شمار مختلف انسانوں کے ذہن کی گتھیاں سلجھانی پڑتی ہیں جو اس کا پیغام سننے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، اسے ماننے والوں کی تنظیم اور تربیت کرنی ہوتی ہے تاکہ اس پیغام کی تعلیمات کے مطابق ایک معاشرہ وجود میں آئے، اسے انکار اور مخالفت و مزاحمت کرنے والوں کے مقابلہ میں جد و جہد کرنی ہوتی ہے تاکہ بگاڑ کی حمایت کرنے والی طاقتوں کو نیچا دکھایا جائے اور وہ اصلاح عمل میں آسکے جس کے لئے خدا نے اپنا پیغمبر مبعوث فرمایا ہے، یہ سارے کام جبکہ انسانوں ہی کے درمیان کرنے کے ہیں تو ان کے لئے انسان نہیں تو اور کون بھیجا جاتا؟ فرشتہ تو زیادہ سے زیادہ بس یہی کرتا کہ آتا اور پیغام پہنچا کر چلا جاتا، انسانوں میں انسان کی طرح رہ کر انسان کے سے کام کرنا اور پھر انسانی زندگی میں منشائے الٰہی کے مطابق اصلاح کر کے دکھا دینا کسی فرشتے کے بس کا کام نہ تھا، اس کے لئے تو ایک انسان ہی موزوں ہو سکتا تھا۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ

(یوسف - ۱۰۹)

اے محمد، تم سے پہلے ہم نے جو پیغمبر بھیجے تھے وہ سب انہی بستیوں کے رہنے والے انسان تھے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔

یہاں ایک بہت بڑے مضمون کو ایک ہی جملے میں سمیٹ دیا گیا ہے، اس کو اگر کسی تفصیلی عبارت میں بیان کیا جائے تو یوں کہا جا سکتا ہے۔

یہ لوگ تمہاری بات کی طرف اس لئے توجہ نہیں کرتے کہ جو شخص کل ان کے شہر میں پیدا ہوا اور انہی کے درمیان بچے سے جوان اور جوان سے بوڑھا ہوا، اس کے متعلق ہم یہ کیسے مان لیں کہ یکایک ایک روز خدا نے اسے اپنا سفیر مقرر کر دیا، لیکن یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے جس سے آج دنیا میں پہلی مرتبہ انہی کو سابقہ پیش آیا ہو۔ اس سے پہلے بھی خدا اپنے نبی بھیج چکا ہے اور وہ بھی سب انسان ہی تھے، پھر یہ بھی کبھی نہیں ہوا کہ اچانک ایک اجنبی شخص کسی شہر میں نمودار ہو گیا ہو، اور اس نے کہا ہو کہ میں پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں، بلکہ جو لوگ بھی انسانوں کی اصلاح کے لئے اٹھائے گئے وہ سب اپنی اپنی بستیوں ہی کے رہنے والوں میں سے تھے۔ مسیح، موسیٰ، ابراہیم، نوح علیہم السلام آخر کون تھے؟ انہی شہروں میں سے اٹھے تھے جہاں وہ پیدا ہوئے تھے یا کہیں اور سے آ گئے تھے؟

أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا کیا لوگوں کے لئے یہ بات

اِنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ

بڑی عجیب ہوگئی کہ ہم نے خود انہی میں سے ایک آدمی کی طرف وحی بھیجی کہ لوگوں کو خبردار کردے اور ایمان لانے والوں کو بشارت دیدے کہ ان کے لئے ان رب کے ہاں سچی عزت وسرفرازی ہے؟ کیا یہی وہ بات ہے جس پر منکرین نے کہا کہ یہ شخص تو کھلا جادوگر ہے؟

(یونس - ۲)

یعنی آخر اس میں تعجب کی بات کیا ہے؟ انسانوں کو ہوشیار کرنے کے لئے انسان مقرر نہ کیا جاتا تو کیا فرشتہ یا جن یا حیوان مقرر کیا جاتا؟ اور اگر انسان حقیقت سے غافل ہوکر غلط طریقہ سے زندگی بسر کررہے ہوں تو تعجب کے قابل بات یہ ہے کہ ان کا خالق و پروردگار انھیں ان کے حال پر چھوڑدے یا یہ کہ وہ ان کی ہدایت و رہنمائی کا کوئی انتظام کرے؟ اور خدا کی طرف سے عزت وسرفرازی ان کے لئے ہونی چاہئے جو اسے مان لیں یا ان کے کیے جو اسے رد کردیں؟ پس تعجب کرنے والوں کو سوچنا تو چاہئے کہ آخر وہ بات کیا ہے جس پر وہ تعجب کررہے ہیں۔

رہا ان کا اس خبردار کرنے والوں کو ساحر قرار دینا تو انھیں سوچنا چاہئے کہ یہ تہمت اس پر چسپاں بھی ہوتی ہے یا نہیں؟ صرف یہ بات کہ کوئی شخص اعلیٰ درجہ کی خطابت سے کام لے کر دلوں اور دماغوں کو مسخر کررہا ہے اس پر یہ الزام عائد کردینے کے لئے تو کافی نہیں ہوسکتی کہ وہ جادوگری کررہا ہے، دیکھنا یہ چاہئے کہ اس خطابت میں وہ بات کیا کہتا ہے، کس غرض کے لئے قوتِ تقریر استعمال کررہا ہے، اور جو اثرات اس کی تقریر سے ایمان لانے والوں کی زندگی پر مترتب ہورہے ہیں وہ کس نوعیت کے ہیں، جو خطیب کسی ناجائز غرض سے جادو بیانی کی طاقت استعمال کرتا ہے وہ تو ایک منھ پھٹ، بے لگام غیر ذمہ دار مقرر ہوتا ہے، حق اور صداقت سے بے نیاز ہوکر ہر وہ بات کہہ ڈالتا ہے جو بس سننے والوں کو متاثر کردے، خواہ بجائے خود وہ کتنی ہی جھوٹی، مبالغہ آمیز اور غیر منصفانہ ہو، اس کی باتوں میں حکمت کے بجائے عوام فریبی ہوتی ہے۔ کسی منظم فکر کے بجائے تناقض اور ناہمواری ہوتی ہے، اعتدال کے بجائے بے اعتدالی ہوا کرتی ہے، وہ تو محض اپنا سکہ جمانے کے لئے زبان درازی کرتا ہے یا پھر لوگوں کو لڑانے اور ایک گروہ کو دوسرے کے مقابلے میں ابھارنے کے لئے خطابت کی شراب پلاتا ہے۔ اس کے اثر سے لوگوں میں نہ کوئی اخلاقی بلندی پیدا ہوتی ہے، نہ ان کی زندگیوں میں کوئی مفید تغیر رونما ہوتا ہے، نہ کوئی صالح فکر یا صالح عملی حالت وجود میں آتی ہے۔ بلکہ لوگ پہلے سے بدتر صفات کا مظاہرہ کرنے لگتے ہیں، مگر یہاں تم دیکھ رہے ہو کہ پیغمبر جو کلام پیش کررہا ہے اس میں حکمت ہے، ایک متناسب نظامِ فکر ہے، غایت درجے کا اعتدال اور حق و صداقت کا سخت التزام ہے، لفظ لفظ جچا تلا اور بات بات کانٹے کی تول پوری ہے۔ اس کی خطابت میں تم خلقِ خدا کی اصلاح کے سوا کسی دوسری غرض کی نشاندہی نہیں کرسکتے۔ جو کچھ وہ کہتا ہے اس میں اس کی اپنی ذاتی خاندانی یا قومی یا کسی قسم کی دنیوی غرض کا کوئی شائبہ نہیں پایا جاتا۔ وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ لوگ جس غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اس کے برے نتائج سے ان کو خبردار کرے اور انھیں اس طریقے کی طرف بلائے جس میں ان کا اپنا بھلا ہے، پھر اس کی تقریر سے جو اثرات مترتب ہورہے ہیں وہ بھی جادوگر قسم کے خطیبوں کی خطابت کے اثرات سے بالکل مختلف ہیں، یہاں جس نے بھی اس کا اثر قبول کیا ہے اس کی زندگی سنور گئی ہے، وہ پہلے سے زیادہ بہتر اخلاق کا انسان بن گیا ہے، اور اس کے طرزِ عمل میں خیر وصلاح کی شان نمایاں ہوگئی ہے۔ اب تم ہی سوچو کیا جادوگر ایسی ہی باتیں کرتے ہیں اور ان کا جادو ایسے ہی نتائج پیدا کرتا ہے؟

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلٰى بَعْضٍ وَّ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا (بنی اسرائیل ۵۵)

ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض سے بڑھ کر مرتبے دیئے اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی۔

جس سلسلۂ کلام میں یہ بات ارشاد فرمائی گئی ہے اس میں داؤد علیہ السلام کو کتاب (زبور) دینے کا الگ ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ وہ بادشاہ تھے اور اس کے باوجود پیغمبر تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصرین جس وجہ سے آپ کی پیغمبری اور خدا رسیدگی ماننے سے انکار کرتے تھے۔ وہ ان کے اپنے بیان کے مطابق یہ تھی کہ آپ عام انسانوں کی طرح بیوی بچے رکھتے تھے، کھاتے پیتے تھے، بازاروں میں چل پھر کر خرید و فروخت کرتے تھے، اور وہ سارے ہی کام کرتے تھے جو کوئی دنیادار آدمی اپنی انسانی حاجات کے لئے کرتا ہے، کفار مکہ کا کہنا یہ تھا کہ تم تو ایک دنیادار آدمی ہو، تمہیں خدا رسیدگی سے کیا تعلق؟ پہنچے ہوئے لوگ تو وہ ہوتے ہیں جنہیں اپنے تن بدن کا ہوش بھی نہیں ہوتا۔ بس ایک گوشے میں بیٹھے اللہ کی یاد میں غرق رہتے ہیں۔ وہ کہاں اور گھر کے آٹے دال کی فکر کہاں؟ اس پر فرمایا جا رہا ہے کہ ایک پوری بادشاہت کے انتظام سے بڑھ کر دنیاداری اور کیا ہوگی، مگر اس کے باوجود داؤد کو نبوت اور کتاب سے سرفراز کیا گیا۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ أَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوْحٰٓى إِلَيَّ وَمَآ أَنَا إِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ (الاحقاف - ۹)

اے نبی، ان سے کہو میں کوئی نرالا رسول تو نہیں ہوں میں نہیں جانتا کہ کل میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے اور تمہارے ساتھ کیا، میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے اور ایک صاف صاف خبردار کر دینے والے کے سوا کچھ نہیں ہوں۔

اس ارشاد کا پس منظر یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو خدا کے رسول کی حیثیت سے پیش کیا تو مکے کے لوگ اس پر طرح طرح کی باتیں بنانے لگے۔ وہ کہتے تھے کہ یہ کیسا رسول ہے جو بال بچے رکھتا ہے، بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، کھاتا پیتا ہے۔ اور ہم جیسے انسانوں کی طرح زندگی بسر کرتا ہے۔ آخر اس میں وہ نرالی بات کیا ہے جس میں یہ عام انسانوں سے مختلف ہو اور ہم یہ سمجھیں کہ خاص طور پر اسی شخص کو خدا نے اپنا رسول بنایا ہے۔ پھر وہ کہتے تھے کہ اگر اس شخص کو خدا نے رسول بنایا ہوتا تو وہ اس کو اردلی میں کوئی فرشتہ بھیجتا جو اعلان کرتا کہ یہ خدا کا رسول ہے اور ہر اس شخص پر خدا کا کوڑا برسا دیتا جو اس کی شان میں کوئی ذرا سی گستاخی کر بیٹھتا، یہ آخر کیسے ہو سکتا ہے کہ خدا کسی کو اپنا رسول مقرر کرے اور پھر اسے یونہی مکے کی گلیوں میں پھرنے اور ہر طرح کی زیادتیاں سہنے کے لئے بے سہارا چھوڑ دے، اور کچھ نہیں تو کم از کم یہی ہوتا کہ خدا اپنے رسول کے لئے ایک شاندار محل اور ایک لہلہاتا ہوا باغ ہی پیدا کر دیتا، یہ تو نہ ہوتا کہ اس کے رسول کی بیوی کا مال جب ختم ہو جائے تو اسے فاقوں کی نوبت آ جائے اور طائف جانے کے لئے اسے سواری تک میسر نہ ہو۔ پھر وہ لوگ آپ سے طرح طرح کے معجزات کا مطالبہ کرتے تھے اور غیب کی باتیں آپ سے پوچھتے تھے۔ ان کے خیال میں کسی شخص کا رسول خدا ہونا یہ معنی رکھتا تھا کہ وہ فوق البشری طاقتوں کا مالک ہو۔ اس کے ایک اشارے پر پہاڑ ٹل جائیں، اور ریگ زار دیکھتے دیکھتے کشت زاروں میں تبدیل ہو جائیں اس کو تمام مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ کا علم ہو اور پردۂ غیب میں چھپی ہوئی ہر چیز اس پر روشن ہو۔

ان باتوں کے جواب میں فرمایا کہ ان سے کہو "میں کوئی نرالا رسول تو نہیں ہوں" یعنی میرا رسول بنایا جانا دنیا کی تاریخ میں کوئی پہلا واقعہ تو نہیں ہے کہ تمہیں یہ سمجھنے میں پریشانی لاحق ہو کہ رسول کیسا ہوتا ہے اور

...یسا نہیں ہوتا ، مجھ سے پہلے بہت سے رسول آچکے ہیں اور میں ان سے مختلف نہیں ہوں ، آخر دنیا میں کب کوئی رسول آیا ہے جو بال بچے نہ رکھتا ہو؟ کھاتا پیتا نہ ہو؟ عام انسانوں کی سی زندگی بسر نہ کرتا ہو؟ کس رسول کے ساتھ کوئی فرشتہ اترا ہے جو اس کی رسالت کا اعلان کرتا ہو، اور اس کے آگے آگے ہاتھ میں کوڑا لئے پھرتا ہو؟ کس رسول کے لئے باغ اور محلات پیدا کئے گئے اور کس نے خدا کی طرف بلانے میں وہ سختیاں نہیں جھیلیں جو میں جھیل رہا ہوں؟ کون سا رسول ایسا گزرا ہے جو اپنے اختیار سے کوئی معجزہ دکھا سکتا ہو یا اپنے علم سے سب کچھ جانتا ہو؟ پھر یہ نرالے معیار میری ہی رسالت کو پرکھنے کے لئے تم کہاں سے لئے چلے آرہے ہو؟ -

پھر اس کے بعد ان کے جواب میں یہ بھی کہا گیا کہ میں نہیں جانتا کہ کل میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے اور تمہارے ساتھ کیا، میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھے بھیجی جاتی ہے۔ یعنی میں عالم الغیب نہیں ہوں کہ ماضی، حال، مستقبل سب مجھ پر روشن ہوں اور دنیا کی ہر چیز کا مجھے علم ہو۔ تمہارا مستقبل تو در کنار، مجھے تو اپنا مستقبل بھی معلوم نہیں ہے، جس چیز کا وحی کے ذریعے سے مجھے علم دیدیا جاتا ہے بس اسی کو میں جانتا ہوں، اس سے زائد کوئی علم رکھنے کا میں نے کب دعویٰ کیا ہے - اور کونسا رسول ایسے علم کا مالک کبھی دنیا میں گزرا ہے کہ تم میری رسالت کو جانچنے کے لئے میری غیب دانی کا امتحان لیتے پھرتے ہو۔ رسول کا یہ کام کب سے ہو گیا کہ وہ کھوئی ہوئی چیزوں کے پتے بتائے یا یہ بتائے کہ حاملہ عورت لڑکا جنے گی یا لڑکی، یا بتائے کہ مریض اچھا ہو جائے گا یا مرجائے گا؟ -

یہ اعتراض کہ حضورؐ ہی کیوں نبی بنائے گئے

ان کا دوسرا اعتراض یہ تھا کہ اگر خدا کو نبی ہی بھیجنا تھا اور انسانوں ہی میں سے کسی کو بھیجنا تھا تو کیا محمد ابن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی ہمارے درمیان اس کام کے لئے اُس کو ملے؟ مکے اور طائف کے بڑے بڑے لوگ مر گئے تھے کہ ان میں سے کسی کو اس کے لئے منتخب نہ کیا گیا؟ ان کا کہنا یہ تھا کہ:-

ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا - (ص - ۸)

کیا ہمارے درمیان بس یہی ایک شخص تھا جس پر ذکر (خدا کا پیغام نصیحت) نازل کیا گیا؟

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۭ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۭ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (الزخرف ۳۱-۳۲)

اور وہ کہتے ہیں "یہ قرآن دونوں شہروں کے بڑے آدمیوں میں سے کسی پر کیوں نہ نازل کیا گیا؟" کیا تیرے رب کی رحمت یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں؟ دنیا کی زندگی میں ان کی گزر بسر کرنے کے ذرائع تو ہم نے ان کے درمیان تقسیم کئے ہیں، اور ان میں سے کچھ لوگوں کو کچھ دوسرے لوگوں پر ہم نے بدرجہا فوقیت دی ہے تاکہ یہ ایک دوسرے سے خدمت لیں۔ اور تیرے رب کی رحمت اس دولت سے زیادہ قیمتی ہے جو (ان کے رئیس) سمیٹ رہے ہیں۔

دونوں شہروں سے مراد مکہ اور طائف ہیں، کفار کا کہنا یہ تھا کہ اگر (واقعی) خدا کو کوئی رسول بھیجنا ہوتا اور وہ اس پر اپنی کتاب [illegible] کا ارادہ کرتا تو ہمارے شہروں میں سے کسی بڑے آدمی کو اس غرض کے لئے منتخب کرتا، رسول بنانے کے لئے اللہ میاں کو ملا بھی تو

وہ شخص جو یتیم پیدا ہوا، جس کے حصے میں کوئی میراث نہ آئی جس نے بکریاں چرا کر جوانی گزار دی، جواب گزر اوقات بھی کرتا ہے تو بیوی کے مال سے تجارت کر کے، اور جو کسی قبیلے کا شیخ یا کسی خانوادے کا سربراہ نہیں ہے، کیا مکّہ میں ولید بن مغیرہ اور عتبہ بن ربیعہ جیسے نامی گرامی سردار موجود نہ تھے؟ کیا طائف میں عروہ بن مسعود، حبیب بن عمرو، کنانہ بن عبد عمرو اور ابن عبد یالیل جیسے رئیس موجود نہ تھے؟ یہ تھا ان لوگوں کا استدلال، پہلے تو وہ یہی ماننے کے لئے تیار نہ تھے کہ کوئی بشر بھی رسول ہو سکتا ہے، مگر جب قرآن مجید میں پے درپے دلائل دے کر ان کے اس خیال کا پوری طرح ابطال کر دیا گیا، اور ان سے کہا گیا کہ اس سے پہلے ہمیشہ بشر ہی رسول ہو کر آتے رہے ہیں، اور انسانوں کی ہدایت کے لئے بشر ہی رسول ہو سکتا ہے نہ کہ غیر بشر، اور جو رسول بھی دنیا میں آئے ہیں وہ یکایک آسمان سے نہیں اتر آئے تھے بلکہ انہی انسانی بستیوں میں پیدا ہوئے تھے، بازاروں میں چلتے پھرتے تھے، بال بچوں والے تھے اور کھانے پینے سے مبرا نہ تھے تو انھوں نے دوسرا پینترا بدلا کہ اچھا، بشر ہی رسول سہی مگر وہ کوئی بڑا آدمی تو ہونا چاہئے، مالدار ہو، با اثر ہو، بڑے جتھے والا ہو، لوگوں میں اس کی شخصیت کی دھاک بیٹھی ہوئی ہو، محمد بن عبد اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس مرتبے کے لئے کیسے موزوں ہو سکتے ہیں؟ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے چند مختصر الفاظ میں بہت سی اہم باتیں ارشاد ہوئی ہیں ۔

پہلی بات یہ کہ تیرے رب کی رحمت تقسیم کرنا ان کے سپرد کب سے ہو گیا؟ کیا یہ طے کرنا ان کا کام ہے کہ اللہ اپنی رحمت سے کس کو نوازے اور کس کو نہ نوازے؟ - (یہاں رب کی رحمت سے مراد اس کی رحمتِ عام ہے جس میں سے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ ملتا رہتا ہے) ۔

دوسری بات یہ کہ نبوت تو خیر بہت بڑی چیز ہے، دنیا میں زندگی بسر کرنے کے جو عام ذرائع ہیں، ان کی تقسیم بھی ہم نے اپنے ہی ہاتھ میں رکھی ہے کسی اور کے حوالے نہیں کر دی - ہم کسی کو حسین اور کسی کو بدصورت، کسی کو خوش آواز اور کسی کو بدآواز، کسی کو تندرست اور کسی کو اپاہج یا اندھا یا گونگا یا بہرا، کسی کو امیرزادہ اور کسی کو فقیرزادہ، کسی کو ترقی یافتہ قوم کا فرد اور کسی کو غلام یا پس ماندہ قوم کا فرد پیدا کرتے ہیں - اس پیدائشی قسمت میں کوئی ذرہ برابر بھی دخل نہیں دے سکتا، جس کو ہم نے جو کچھ بنا دیا ہے وہی کچھ بننے پر وہ مجبور ہے - اور ان مختلف پیدائشی حالتوں کا جو اثر بھی کسی کی تقدیر پر پڑتا ہے اسے بدل دینا کسی کے بس میں نہیں ہے - پھر انسانوں کے درمیان رزق، طاقت، عزت، شہرت، دولت، حکومت وغیرہ کی تقسیم بھی ہم ہی کر رہے ہیں، جس کو ہماری طرف سے اقبال نصیب ہوتا ہے اسے کوئی گرا نہیں سکتا، اور جس پر ہماری طرف سے اِدبار آجاتا ہے اسے گرنے سے کوئی بچا نہیں سکتا، ہمارے فیصلوں کے مقابلے میں انسانوں کی ساری تدبیریں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں - اس عالمگیر خدائی نظام میں یہ لوگ کہاں فیصلہ کرنے چلے ہیں کہ کائنات کا مالک کسے اپنا نبی بنائے اور کسے نہ بنائے ۔

تیسری بات یہ کہ اس خدائی انتظام میں یہ مستقل قاعدہ ملحوظ رکھا گیا ہے کہ سب کچھ ایک ہی کو، یا سب کچھ سب کو نہ دیدیا جائے - آنکھیں کھول کر دیکھو، ہر طرف تمہیں بندوں کے درمیان ہر پہلو میں تفاوت ہی تفاوت نظر آئے گا - کسی کو ہم نے کوئی چیز دی ہے تو دوسری کسی چیز سے اس کو محروم کر دیا ہے، اور وہ کسی کو عطا کر دی ہے - یہ اس حکمت کی بنا پر کیا گیا ہے کہ کوئی انسان دوسرے سے بے نیاز نہ ہو بلکہ ہر ایک کسی نہ کسی معاملہ میں دوسرے کا محتاج رہے - اب یہ کیسا احمقانہ خیال تمہارے دماغ میں سمایا ہے کہ جسے ہم نے ریاست اور وجاہت دی ہے اسی کو نبوت دیدی جائے؟ کیا اسی طرح تم یہ بھی کہو گے کہ عقل، علم، دولت، حسن،

طاقت، اقتدار، اور دوسرے تمام کمالات ایک ہی میں جمع کر دیئے جائیں اور جس کو ایک چیز نہیں ملی ہے اسے دوسری بھی کوئی چیز نہ دی جائے ؟ -

آخری فقرے میں رب کی رحمت سے مراد اس کی رحمت خاص، یعنی نبوت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم اپنے جن رئیسوں کو ان کی دولت و وجاہت اور مشیخت کیوجہ سے بڑی چیز سمجھ رہے ہو، وہ اس دولت کے قابل نہیں ہیں جو محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دی گئی ہے، یہ دولت اُس دولت سے جہاں زیادہ اعلیٰ درجے کی ہے اور اس کے لئے موزونیت کا معیار کچھ اور ہے۔ تم نے اگر یہ سمجھ رکھا ہے کہ تمہارا ہر چودھری اور سیٹھ نبی بننے کا اہل ہے تو یہ تمہارے اپنے ذہن کی پستی ہے۔ اللہ سے اس نادانی کی توقع کیوں رکھتے ہو۔ ؟ -

اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰہِ بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰھُمْ اِنْ فِیْ صُدُوْرِھِمْ اِلَّا کِبْرٌ مَّا ھُمْ بِبَالِغِیْہِ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (المؤمن - ۵۶)	حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ کسی سند و حجت کے بغیر، جو ان کے پاس آئی ہو، اللہ کی آیات میں جھگڑے کر رہے ہیں، ان کے دلوں میں کبر بھرا ہوا ہے، مگر وہ اس بڑائی کو پہنچنے والے نہیں ہیں جس کا وہ گھمنڈ رکھتے ہیں۔ بس اللہ کی پناہ مانگ لو، وہ سب کچھ دیکھتا اور سنتا ہے۔

یعنی اِن لوگوں کی بے دلیل مخالفت اور ان کی غیر معقول کج بحثیوں کی اصل وجہ یہ نہیں ہے کہ اللہ کی آیات میں جو سچائیاں اور خیر و صلاح کی باتیں ان کے سامنے پیش کی جارہی ہیں وہ ان کی سمجھ میں نہیں آتیں اس لئے یہ نیک نیتی کے ساتھ ان کو سمجھنے کی خاطر بحثیں کرتے ہیں، بلکہ اِن کے اِس رویہ کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان کا غرورِ نفس یہ برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے کہ ان کے ہوتے عرب میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشوائی و رہنمائی تسلیم کرلی جائے اور بالآخر ایک روز انھیں خود بھی اس شخص کی قیادت ماننی پڑے جس کے مقابلے میں یہ اپنے آپ کو سرداری کا زیادہ حقدار سمجھتے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کسی طرح چلنے نہ پائے، اور اس مقصد کے لئے انھیں کوئی ذلیل سے ذلیل حربہ استعمال کرنے میں بھی تامل نہیں ہے، دوسرے الفاظ میں مطلب یہ ہے کہ جس کو اللہ نے بڑا بنایا ہے وہی بڑا بن کر رہے گا، اور یہ چھوٹے لوگ اپنی بڑائی قائم رکھنے کی جو کوششیں کر رہے ہیں وہ سب آخرکار ناکام ہو جائیں گی۔

یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِکَۃَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ (النحل - ۲)	وہ اس روح (یعنی وحی نبوت) کو اپنے جس بندے پر چاہتا ہے اپنے حکم سے فرشتوں کے ذریعے نازل فرماتا ہے۔

یہ کفار کے ان اعتراضات کا جواب ہے جو وہ حضور ؐ پر کرتے تھے کہ اگر خدا کو نبی ہی بھیجنا تھا تو کیا بس محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی اس کام کے لئے رہ گئے تھے ؟ مکے اور طائف کے سارے بڑے بڑے سردار مر گئے تھے کہ ان میں سے کسی پر بھی نگاہ نہ پڑسکی ؟ اس طرح کے بیہودہ اعتراضات کا جواب اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے، اور یہی متعدد مقامات پر قرآن میں دیا گیا ہے، کہ خدا اپنے کام کو خود جانتا ہے، تم سے مشورہ لینے کی اسے حاجت نہیں ہے - وہ اپنے بندوں میں سے جس کو مناسب سمجھتا ہے آپ ہی اپنے کام کے لئے منتخب کر لیتا ہے۔

یہ اعتراض کہ اگر یہ حق ہوتا تو قوم کے بڑے لوگ ایمان لاتے

مشرکین کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیش کر رہے ہیں وہ اگر حق ہوتا تو سب سے

پہلے قوم کے بڑے لوگ ایمان لاتے، نہ کہ چند ناسمجھ نوجوان، چند غلام اور چند غریب آدمی۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَا اِلَيْهِ ۔ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَا اِفْكٌ قَدِيْمٌ (الاحقاف - ١١)

جن لوگوں نے ماننے سے انکار کر دیا وہ ایمان لانے والوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ "اگر یہ حق ہوتا تو یہ لوگ اس معاملے میں ہم سے سبقت نہ لے جا سکتے تھے" چونکہ انھوں نے اس سے ہدایت نہ پائی اس لئے اب یہ ضرور کہیں گے کہ یہ تو پرانا جھوٹ ہے۔

یہ ان دلائل میں سے ایک ہے جو قریش کے سردار عوام الناس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بہکانے کے لئے استعمال کرتے تھے، ان کا کہنا یہ تھا کہ اگر یہ قرآن برحق ہوتا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک صحیح بات کی طرف دعوت دے رہے ہوتے تو قوم کے سردار اور شیوخ اور معززین آگے بڑھ کر اس کو قبول کرتے۔ آخر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ چند ناتجربہ کار لڑکے اور چند ادنیٰ درجے کے غلام تو ایک معقول بات کو مان لیں اور قوم کے بڑے بڑے لوگ جو دانا اور جہاندیدہ ہیں اور جن کی عقل و تدبیر پر آج تک قوم اعتماد کرتی رہی ہے، اس کو رد کر دیں؟ اس پر فریب استدلال سے وہ عوام الناس کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ اس نئی دعوت میں ضرور کچھ خرابی ہے۔ اسی لئے تو قوم کے اکابر اس کو نہیں مان رہے ہیں، لہٰذا تم لوگ بھی اس سے دور بھاگو۔

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے جو کچھ فرمایا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے آپ کو حق و باطل کا معیار قرار دے رکھا ہے، یہ سمجھتے ہیں کہ جس ہدایت کو یہ قبول نہ کریں وہ ضرور ضلالت ہونی چاہئے، لیکن یہ اسے "نیا جھوٹ" کہنے کی ہمت نہیں رکھتے، کیونکہ اس سے پہلے بھی انبیاء علیہم السلام یہی تعلیمات پیش کرتے رہے ہیں، اور تمام کتب آسمانی جو اہل کتاب کے پاس موجود ہیں انہی عقائد اور انہی ہدایات سے بھری ہوئی ہیں۔ اس لئے یہ اسے "پرانا جھوٹ" کہتے ہیں، گویا ان کے نزدیک وہ سب لوگ بھی دانائی سے محروم تھے جو ہزاروں برس سے ان حقائق کو پیش کرتے اور مانتے چلے آ رہے ہیں، اور تمام دانائی صرف ان کے حصہ میں آگئی ہے۔

ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق قریش کے سردار نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ یہ بلالؓ اور صہیبؓ اور عمارؓ اور خبابؓ اور ابن مسعودؓ جیسے غریب لوگ جو تمہاری صحبت میں بیٹھا کرتے ہیں، ان کے ساتھ تو ہم نہیں بیٹھ سکتے۔ انھیں ہٹاؤ تو ہم تمہاری مجلس میں آسکتے ہیں اور معلوم کر سکتے ہیں کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔

قیصر روم، ہرقل کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک ملا اور اس نے ابوسفیان کو بلا کر آپؐ کے متعلق چند سوالات کئے تو ابوسفیان نے ان کا جواب دیتے ہوئے جو باتیں کہیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ تَبِعَهٗ مِنَّا الضُّعَفَاءُ وَالْمَسَاكِيْنُ "اس شخص کی پیروی ہمارے کمزور اور مسکین لوگوں نے قبول کی ہے" گویا ان لوگوں کا طرز فکر یہ تھا کہ حق صرف وہ ہے جسے قوم کے بڑے لوگ حق مانیں، کیونکہ وہی عقل اور سمجھ بوجھ رکھتے ہیں، رہے چھوٹے لوگ، تو ان کا چھوٹا ہونا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بے عقل اور ضعیف الرائے ہیں، اسلئے ان کا کسی بات کو مان لینا اور بڑے لوگوں کا اسے رد کر دینا صاف طور پر یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ ایک بے وزن بات ہے۔ ٹھیک یہی بات حضرت نوحؑ سے ان کی قوم کے سرداروں نے کہی تھی کہ کیا "ہم تجھے مان لیں حالانکہ تیری پیروی رذیل ترین لوگوں نے اختیار کی ہے؟" اور سورۂ ہود آیت ۲۷ میں ان کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ "ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ تیری پیروی صرف ان لوگوں نے بے سمجھے بوجھے کی ہے جو ہمارے ہاں کے اراذل ہیں"۔

حسن احمد صدیقی

تجلی کی ڈاک

اگر یہ بدگمانی ہو

سوال رئیس الدین علی پور قصبہ آشٹہ ضلع سیہور (ایم پی)

"پچھلے سال تجلی میں ایک کتاب کا ذکر پڑھا تھا، اس کی یاد کچھ اس طرح ذہن میں تھی جیسے "ردِّ مودودیت" دجلی ۔ قریب سے قلعہ سے ایک پرانی شکست خوردہ توپ" کسی افریقی عقیدتمند سرمایہ دار کے مالی تعاون سے جماعتِ اسلامی کو نشانہ بناکر کچھ اس طرح داغی گئی ہے کہ اس کی بازگشت خداوندانِ ایرجنسی تک پہنچے تاکہ سند رہے اور میسا کے آسیب دفعیہ کے طور پر کام آوے۔ نیز سند وفاداری حاصل ہو۔

تجلی میں اس کا ذکر پڑھنے کے بعد کچھ ہی دن گذرے تھے کہ بھوپال کی تبلیغی جماعت کے مشہور سالانہ اجتماع میں مختلف مکتبوں پر ایک کتاب کے دیدار ہوئے جس کا نام تھا "جماعت اسلامی ایک لمحۂ فکریہ" مصنف: حضرت مولانا زکریا صاحب

کتاب کے سرورق پر لکھا تھا بانی جماعت کے دینی تحریفات تلبیسات کا بھرپور جائزہ۔!! ذہن میں [illegible] قیاس نے کہا ہو نہ ہو تجلی میں اسی کتاب مقدس کا ذکر تھا۔ [illegible] نے تو مختلف مکتبوں پر چلتے چلاتے ہی اس صحیفے کی تلاوت کرکے اپنا تذکیہ کرلیا لیکن ایک رفیق نے فرطِ عقیدت سے اس کو خرید ہی لیا۔!

اس کتاب کا گہرائی سے مطالعہ کرنے پر [illegible] صدمہ ہوا۔!

صدمہ اس پہلو سے کہ اب ملّتِ اسلامیہ کے خداوند [illegible] جبّہ و دستار اس اخلاق اور ارذل سطح پر اتر آئے ہیں کہ اس موقع پر جب اعلاءِ کلمۃ اللہ کی علم برداری کے جرم میں پابند [illegible] کردیا گیا ہے۔ اور جماعت کی ثابت قدمی دیکھنے سے تعلق رکھ رہی ہے [illegible] ایسے اوچھے فقہی بکھیڑے کھڑے کرکے اور جماعت کی پوزیشن کو مشکوک [illegible] کرکے شیطان کے ہاتھ مضبوط کرنے کی مذموم کوشش میں مبتلا ہیں۔

کاش حضرتِ اقدس کے جبّے کا دامن پکڑ کر کوئی پوچھے کہ یاشیخ آپ نے اس کتاب میں جن موضوعات کو اٹھایا ہے کیا وہ نکاتِ حکومت کے لئے وجہ مخاصمت تھے۔! کیا حکومت نے "تفسیر بالرائے" سے ناراض ہوکر جماعت کو طوقِ آہن پہنایا تھا یا "اجتہاد" کے مسئلہ پر پابہ زنجیر کیا تھا؟

عبادت کے مفہوم پر جماعت پر پابندی لگائی گئی تھی؟ تقلید اور عدمِ تقلید کے موضوع کی وجہ سے جماعت [illegible] کی گئی تھی —؟ اگر ایسا کچھ نہیں ہے تو کیا آپ نہیں [illegible] کہ اعلاءِ کلمۃ اللہ کی جد و جہد کا [illegible] ہی وہ جرم تھا [illegible]

[illegible] پاداش میں جماعت کو قید کی اندھیری [illegible] کی گئی تھی تو پھر کیا اس جرم میں جماعت کے ساتھ [illegible] میں [illegible] بتانا نہیں چاہتے ہیں؟

[illegible] سے سوال کیا جاسکتا ہے کہ [illegible] مزید آپ [illegible] جماعت اسلامی بہت زیادہ خطرناک [illegible] سے کی [illegible] جب وہ آزادی [illegible]

پہلے قوم کے بڑے بڑے لوگ ایمان لاتے، نہ کہ چند ناسمجھ نوجوان، چند غلام اور چند غریب آدمی۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُونَا إِلَيْهِ ۚ وَإِذْ لَمْ يَهْتَدُوا بِهِ فَسَيَقُولُونَ هَٰذَا إِفْكٌ قَدِيمٌ

جن لوگوں نے ماننے سے انکار کر دیا وہ ایمان لانے والوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ "اگر یہ حق ہوتا تو یہ لوگ اس معاملے میں ہم سے سبقت نہ لے جا سکتے تھے" چونکہ انھوں نے اس سے ہدایت نہ پائی اس لئے اب یہ ضرور کہیں گے کہ یہ تو پرانا جھوٹ ہے۔

(الاحقاف - ۱۱)

یہ ان دلائل میں سے ایک ہے جو قریش کے سردار عوام الناس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بہکانے کے لئے استعمال کرتے تھے، ان کا کہنا یہ تھا کہ اگر یہ قرآن برحق ہوتا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک صحیح بات کی طرف دعوت دے رہے ہوتے تو قوم کے سردار اور شیوخ اور معززین آگے بڑھ کر اس کو قبول کرتے۔ آخر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ چند ناتجربہ کار لڑکے اور چند ادنیٰ درجے کے غلام تو ایک معقول بات کو مان لیں اور قوم کے بڑے بڑے لوگ جو دانا اور جہاندیدہ ہیں، اور جن کی عقل و تدبیر پر آج تک قوم اعتماد کرتی رہی ہے، اس کو رد کر دیں؟ اس پرفریب استدلال سے وہ عوام الناس کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ اس نئی دعوت میں ضرور کچھ خرابی ہے۔ اسی لئے تو قوم کے اکابر اس کو نہیں مان رہے ہیں، لہٰذا تم لوگ بھی اس سے دور بھاگو۔

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے جو کچھ فرمایا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے آپ کو حق و باطل کا معیار قرار دے رکھا ہے، یہ سمجھتے ہیں کہ جس ہدایت کو یہ قبول نہ کریں وہ ضرور ضلالت ہونی چاہیے، لیکن یہ اسے "نیا جھوٹ" کہنے کی ہمت نہیں رکھتے، کیونکہ اس سے پہلے بھی انبیاء علیہم السلام یہی تعلیمات پیش کرتے رہے ہیں، اور تمام کتب آسمانی جو اہل کتاب کے پاس موجود ہیں انہی عقائد اور انہی ہدایات سے بھری ہوئی ہیں۔ اس لئے یہ اسے "پرانا جھوٹ" کہتے ہیں گویا ان کے نزدیک وہ سب لوگ بھی دانائی سے محروم تھے جو ہزاروں برس سے ان حقائق کو پیش کرتے اور مانتے چلے آ رہے ہیں، اور تمام دانائی صرف ان کے حصہ میں آگئی ہے۔

ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق قریش کے سردار نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ یہ بلالؓ اور صہیبؓ اور عمارؓ اور خبابؓ اور ابن مسعودؓ جیسے غریب لوگ جو تمہاری صحبت میں بیٹھا کرتے ہیں، ان کے ساتھ تو ہم نہیں بیٹھ سکتے۔ انھیں ہٹا دو تو ہم تمہاری مجلس میں آسکتے ہیں اور معلوم کر سکتے ہیں کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔

قیصر روم، ہرقل کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک ملا اور اس نے ابوسفیان کو بلا کر آپؐ کے متعلق چند سوالات کئے تو ابوسفیان نے ان کا جواب دیتے ہوئے جو باتیں کہیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ تَبِعَهُ مِنَ الضُّعَفَاءِ وَالْمَسَاكِينِ "اس شخص کی پیروی ہمارے کمزور اور مسکین لوگوں نے قبول کی ہے" گویا ان لوگوں کا طرز فکر یہ تھا کہ حق صرف وہ ہے جسے قوم کے بڑے لوگ حق مانیں، کیونکہ وہی عقل اور سمجھ بوجھ رکھتے ہیں، رہے چھوٹے لوگ، تو ان کا چھوٹا ہونا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بے عقل اور ضعیف الرائے ہیں، اسلئے ان کا کسی بات کو مان لینا اور بڑے لوگوں کا اسے رد کر دینا صاف طور پر یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ ایک بے وزن بات ہے۔ ٹھیک یہی بات حضرت نوحؑ سے ان کی قوم کے سرداروں نے کہی تھی کہ کیا "ہم تجھے مان لیں حالانکہ تیری پیروی رذیل ترین لوگوں نے اختیار کی ہے؟" اور سورۂ ہود آیت ۲۷ میں ان کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ "ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ تیری پیروی صرف ان لوگوں نے بے سمجھے بوجھے کی ہے جو ہمارے ہاں کے اراذل ہیں۔"

حسن احمد صدیقی

تجلی کی ڈاک

اگر یہ بدگمانی ہو

سوال ۱۲ رئیس الدین علی پور قصبہ آشٹہ ضلع سیہور (ایم، پی)

پچھلے سال تجلی میں ایک کتاب کا ذکر پڑھا تھا، اس کی یاد کچھ اس طرح ذہن میں تھی جیسے "ردِّ مودودیت" دجیل نے قریب سے قلعہ سے ایک پُرانی شکست خوردہ توپ کسی افریقی عقیدتمند سرمایہ دار کے مالی تعاون سے جماعتِ اسلامی کو نشانہ بنا کر کچھ اس طرح داغی گئی ہے کہ اس کی بازگشت خداوندانِ ایرجنسی تک پہنچے تاکہ سند رہے اور میسا کے آسیب دفعیہ کے طور پر کام آوے۔ نیز سند وفاداری حاصل ہو۔

تجلی میں اس کا ذکر پڑھنے کے بعد کچھ ہی دن گذرے تھے کہ بھوپال کی تبلیغی جماعت کے مشہور سالانہ اجتماع میں مختلف مکتبوں پر ایک کتاب کے دیدار ہوئے جس کا نام تھا "جماعت اسلامی ایک لمحۂ فکریہ"۔ مصنف:۔ حضرت مولانا زکریا صاحب۔ کتاب کے سرورق پر لکھا تھا بانی جماعت کے دینی تحریفات تلبیسات کا بھرپور جائزہ۔!! ذہن پر زور ڈالا تو قیاس نے کہا ہو نہ ہو تجلی میں اس "کتاب مقدس" کا ذکر تھا۔! فدوی نے تو مختلف مکتبوں پر چلتے چلاتے ہی اس صحیفے کی تلاوت کر کے اپنا تذکیہ کر لیا۔ لیکن ایک رفیق نے فرطِ عقیدت سے اس کو خرید ہی لیا۔!

اس کتاب کا گہرائی سے مطالعہ کرنے پر دلی صدمہ ہوا۔! صدمہ اس پہلو سے کہ اب ملّتِ اسلامیہ کے خداوندانِ جُبّہ و دستار اس اخلاق اور ارذل سطح پر اتر آئے ہیں کہ اس موقع پر جب اعلاءِ کلمۃ اللہ کی علم برداری کے جرم میں پابہ زنجیر کر دیا گیا ہے۔ اور جماعت کی ثابت قدمی دیکھنے سے تعلق رکھ رہی ہے ایسے اوچھے فقہی بکھیڑے کھڑے کر کے اور جماعت کی پوزیشن کو مشکوک کر کے شیطان کے ہاتھ مضبوط کرنے کی مذموم کوشش میں مبتلا ہیں۔

کاش حضرتِ اقدس کے جبّے کا دامن پکڑ کر کوئی پوچھے کہ یا شیخ آپ نے اس کتاب میں جن موضوعات کو اٹھایا ہے کیا وہی نکاتِ حکومت کے لئے وجہ مخاصمت تھے۔! کیا حکومت نے "تفسیر بالرائے" سے ناراض ہو کر جماعت کو طوقِ آہن پہنایا تھا یا "اجتہاد" کے مسئلہ پر پابہ زنجیر کیا تھا؟ عبادت کے مفہوم پر جماعت پر پابندی لگائی گئی تھی یا تقلید اور عدم تقلید کے موضوع کی وجہ سے جماعت قید کی گئی تھی ---؟ اگر ایسا کچھ نہیں ہے تو کیا آپ نہیں جانتے کہ اعلاءِ کلمۃ اللہ کی جدوجہد کا عزم ہی وہ جرم تھا جس کی پاداش میں جماعت کو قید کی اندھیریوں میں غرق کرنے کی کوشش کی گئی تھی تو پھر کیا اس جرم میں جماعت کے ساتھ "معین جرم" بننا نہیں چاہتے؟؟

مزید آپ سے سوال کیا جاسکتا ہے کہ کیا ۷۵-۱۹۷۶ء میں ہی جماعتِ اسلامی بہت زیادہ فتنہ انگیز طریقہ سے "لمحۂ فکریہ" بن گئی تھی؟؟ ۷۳-۱۹۷۴ء میں جب وہ آزاد تھی اس وقت

وہ لمحۂ فکریہ نہیں تھی ؟ [illegible] میں جب وہ مع اپنے
وسائل کے داروغۂ زنداں کے حوالہ کردی گئی تھی معاً وہ
لمحۂ فکریہ ہوگئی ۔

کیا آنجناب سے اس قسم کے سوالات نہیں کئے جاسکتے
کہ ۷۶-۱۹۷۵ء میں پیٹ اور پیٹھ کے راستے سے حملے کر کر کے غلط
در غلط فتاوے دلوانے کا مسئلہ لمحۂ فکریہ تھا یا نہیں ؟ اور ملک
میں جبریہ نسبندی " لمحۂ فکریہ تھی یا نہیں ؟ سیاسی انتقام کے
طور پر ہزاروں مخلوق کا قتل عام " عورتوں کی عصمت دری
بزرگوں کی آبروریزی، مسجدوں کا انہدام . . . . ان میں سے
کوئی مسئلہ لمحۂ فکریہ تھا یا نہیں ؟ ؟ ؟ . . . . اور اگر آپ
کی خانقاہی دنیا ان مسائل کو مسائل ہی نہیں سمجھتی تو آپ کے
دائرے اور آپ کی پہونچ سے یہ باتیں باہر کی ہیں اور جماعت
ہی ان معاملات میں باطل سے نبرد آزما رہی ۔ تو کم از کم اس
وقت میں جب جماعت خندق کے اندر اور یا ہر دونوں طرف سے
نرغے میں تھی اس کے خلاف طاغوت کو استدلال کی کمک پہنچانے
سے تو باز رہتے ۔ اس موقع پر طاغوت کی تائید میں کتابیں
شائع کرنے کے بجائے کم از کم اتنا تو کرنا ہی چاہیئے تھا کہ خاموش
ہی رہتے ۔ اس سے کم تو ایمان کا کوئی درجہ ہی نہیں تھا ۔

گو کہ یہ کتاب جنگل میں مور کے ناچ سے زیادہ کچھ بھی نہیں
ایک جھنجھنا تھا جسے نیک دل، سادہ لوح تبلیغی جماعت کے
بھائی اور کچھ چالاک جمعیۃ العلمائی بجاتے پھرے ہوں گے اور
بس !! لیکن اس کے شائع کرنے والوں کا کیا ؟ پوچھتے کیا
طنطنہ تھا ۔ دیکھنے کی چیز اصل میں یہ ہے اور افسوس بھی اس پہلو
سے ہے :! ویسے یہ کتاب میرے نزدیک ان لوگوں کے لئے زیادہ
مفید ہے جنھوں نے مولانا مودودی کے بیشتر لٹریچر کا مطالعہ کیا
ہو ۔ بے روح مذہبیت اور بگڑے ہوئے تصوف کے مرشدین کے
جس علمی کھوکھلے پن کو جابجا مولانا مودودی نے اپنی کتابوں میں جاگر
کیا ہے اس کیلئے یہ کتاب خود ہی ایک ثبوت ایک نمونہ فراہم
کرتی ہے ۔ جس طرح عبارات کو توڑا مروڑا گیا ہے ۔ اور جس طرح
سیاق و سباق سے ہٹاکر قائل کی منشا کے خلاف من مانے معنے
[illegible] ہے ۔ اس کو دیکھ کر [illegible]

ایک معمولی طالب علم بھی حیرت زدہ رہ جاتا ہے ۔

کتاب کا صرف ایک نمونہ بلاتبصرہ پیش کروں گا ۔ اور
پھر ایڈیٹر صاحب سے کچھ سوالات کروں گا ۔ بلا تبصرہ اس لئے
کہ تبصرہ کرنا قارئین تجلی کے علمی معیار پر شک کرنے کے مترادف ہوگا
نمونہ دیکھتے ہی قارئین کی زبانی خود مجھے اپنی بات کی تائید حاصل
ہو جائے ——— : نمونہ ملاحظہ ہو ۔

حضرت مولانا زکریا صاحب نے ایک عنوان قائم
کیا ۔ احادیث کے بارے میں مولانا مودودی صاحب کے تنگ و
تاریک خیالات " ——— اور تنگ و تاریک کا ثبوت
دینے کے لئے " تفہیمات " کی ایک عبارت نقل کر کے اس کا کتنا
عجیب و غریب مطلب نکالا ہے کہ بیت باز اور ہزل گو بھی اس حد تک
نہیں جاسکتے ۔ مولانا مودودی کی عبارت ذیل نقل کی : ۔

" اور تحقیق واجتہاد کے متعلق بھی ہمارا مذہب یہ ہے
کہ اس کا دروازہ ہر زمانہ میں کھلا ہوا ہے ۔ اور
کسی خاص عہدہ کے لئے مخصوص نہیں ہے، لیکن
اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ جن لوگوں نے فن حدیث
کی تحصیل اور اس کے باقاعدہ مطالعہ اور تحقیقات
میں پورا ایک مہینہ بھی صرف نہیں کیا وہ ان بزرگوں
کے کارناموں پر تنقید کریں جنھوں نے پوری پوری
عمریں اس فن کی خدمت میں بسر کردی ہیں "

(تفہیمات ص ۳۶۶)

تفہیمات کی عبارت پر شیخ الحدیث صاحب کا ریمارک
پڑھئے ۔ طبیعت پھڑک نہ اٹھے تو میرا ذمہ ۔ لکھتے ہیں : ۔

" کیا اس کا واضح مطلب یہ نہیں کہ ہر وہ شخص جو
کم از کم ایک ماہ حدیث کی تحصیل میں خرچ کر چکا وہ
محدثین کی اندھی تقلید نہ کرے "

(جماعت اسلامی ایک لمحۂ فکریہ ص ۶۳)

ایک ماہ کا مطلب اس قدر واضح طور پر آنجناب کی سمجھ میں آیا کہ
پھر آگے چل کر ص ۳۷ کے حاشیہ پر یوں طنز فرمایا : ۔

" اس دور فتنہ میں ہر وہ شخص جو اہل علم ہو یا کم از کم ایک ماہ
[illegible] ہو جاتا ہے "

پھر صفحہ ۔۔۔ پر اس طرح تالی پیٹی :-

"جو شخص قرآن و حدیث کا گہرا مطالعہ کرے جس کی مقدار ایک ماہ سے ہرگز کم نہ ہو وہ اسلام کا مزاج شناس اور نبوی مزاج میں ایسا ڈھل جاتا ہے کہ اس کی روح روحِ محمدی میں گم ہو جاتی ہے۔ پھر سارے علم حدیث کا مدار اس کے ذوق پر رہ جاتا ہے .... اس نظریہ پر جو جماعت اٹھائی جائے گی وہ کہاں تک پہنچے گی !!"

ایک نمونہ نقل کرنے کے بعد اب آپ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ ردِّ مودودیت نامی کتاب کے بارے میں اور اس کے تخلیق کار حضرت شیخ الحدیث کے بارے میں آپ کیا رائے رکھتے ہیں ؟

جواب ۱

شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کو مطعون کرنا تو اس وقت ہی درست ہو سکتا ہے جب کسی طرح یہ ثابت ہو جائے کہ "فتنۂ مودودیت" نامی کتاب فی الواقعہ شیخ الحدیث کی لکھی ہوئی ہے۔ مذکورہ کتاب ہماری الماری میں بھی موجود ہے اور ہمیں الف سے لے کر ی تک اس کا مطالعہ کرنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی ہے۔ اس کتاب کے صفحہ صفحہ پر ہم نے کم علمی اور کم فہمی کے رنگ برنگے مظاہروں کے ماسوا کچھ نہیں دیکھا۔ لہٰذا ہم تو اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ فتنۂ مودودیت نامی کتاب مولانا زکریا کے قلم کا شاہکار نہیں ہو سکتی۔ مولانا زکریا جماعتِ اسلامی کے لاکھ مخالف سہی لیکن ہمیں ان سے یہ توقع نہیں ہے کہ وہ بحث و تنقید کرتے وقت اس سطح پر آ جائیں گے کہ جس سطح پر آنے کے بعد عالم اور جاہل، شریف اور غیر شریف آدمی میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔

ہمارا خیال تو یہ ہے کہ اصل غلطی ناشر کی ہے یعنی اس شخص کی جس نے اس کتاب کو شائع کر کے اپنی تجارت کو فروغ دینے کی کوشش کی ہے۔ عین ممکن ہے مولانا زکریا صاحب ناشر کی اس حرکت سے بے خبر ہوں کہ اس نے فتنۂ مودودیت نام کی ایک کتاب کسی نوجوان طالب علم سے لکھوا کر پوری مارکیٹ میں پھیلا دی ہے۔ مولانا زکریا کے مشاغل زندگی ۔۔۔ معلوم نہیں کہ کیا ہیں۔ البتہ ہمیں اتنی واقفیت تو ضرور ہے کہ انھیں نہ کتابوں کے مطالعہ کا وقت ملتا ہے نہ ہی کسی خاص مسئلہ پر غور و فکر کرنے کی مہلت۔ ہر وقت ان کے ارد گرد حاشیہ برداروں کا ایک میلہ سا لگا رہتا ہے اور جب مولانا کو اس میلے سے نجات ملتی ہے تو وہ خدا کی یاد و ذکر میں غرق ہو جاتے ہیں اور جب انھیں ذکر و شغل سے فرصت نصیب ہوتی ہے تو ان کا بدن ان سے آرام کا تقاضا کرتا ہے جسے پورا کرنا شرعاً ضروری ہے۔

غرضیکہ فرصت و مہلت نام کی کوئی چیز انھیں میسر نہیں لہٰذا ہم سو فیصدی یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ فتنۂ مودودیت نام کی کتاب لکھنے، اس پر نظرِ ثانی کرنے کی بات تو بہت بعد کی ہے۔ انھوں نے وہ خطوط بھی اٹھا کر نہیں دیکھے ہوں گے۔ جو فتنۂ مودودیت نامی کتاب میں بکھری ہوئی انجانیوں اور نادانیوں کا حجم بتفسیر دیکھ کر بعض اہلِ خیر حضرات نے انھیں لکھے تھے۔ اور حاشیہ برداروں کی نظر سے بچ بچا کر وہ کسی نہ کسی طرح مولانا کی خدمت میں پہونچ ہی گئے تھے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فتنۂ مودودیت نامی کتاب کی اشاعت کا انھیں علم ہو اور یہ بھی انھیں خبر ہو چکی ہو کہ کسی شخص سے لکھوا کر ان کے نام سے شائع کر دی گئی ہے تاکہ خوب خوب فروخت ہو۔ لیکن اس لیے خاموش ہو گئے ہوں کہ ان کی لب کشائی کتاب کے ناشر کو زبردست نقصان پہونچا دے گی۔ اور ناشر مولانا سے خفا ہو جائے گا۔ اکثر کتابوں کا حال یہ ہے کہ ان کے لکھنے والے شاگرد ہوتے ہیں اور چھپ جاتی ہیں وہ استادوں کے نام سے تاکہ دھڑا دھڑ اس کے ایڈیشن شائع ہوں۔ جیسا کہ محض مولانا زکریا کے نام کی وجہ سے تبلیغی نصاب کے دسیوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں جبکہ علمی طور پر تبلیغی نصاب کوئی بہت زیادہ معتبر اور مستند کتاب نہیں ہے۔

فتنۂ مودودیت نامی کتاب میں جماعتِ اسلامی اور اس کے بانی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی پر جو تنقیدی اور تنقیصی حملے کیے گئے ہیں ان کا انداز اس درجہ رکیک اور سوقیانہ ہے کہ انداز از خود مولانا زکریا کے تقدس کی نفی پیدا کرکے رکھ دیتا

اس کتاب کے ہر خریدار کو اس کتاب کے پڑھنے کی بھی توفیق نصیب ہو جاتی۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ مولانا زکریا صاحب کا حلقۂ معتقدین اسی فیصد ایسے افراد پر مشتمل ہے جو صرف ازراہِ عقیدت کتابیں خریدنے کا عادی ہے خواہ اسے دو لفظ پڑھ لینے کی بھی تمیز نہ ہو۔

مولانا زکریا صاحب نے فتنۂ مودودیت لکھی یا نہیں بہرحال مشہور یہی ہوا کہ کتاب ان کی لکھی ہوئی ہے لہٰذا بے پڑھے ان گنت دیہاتیوں نے اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ خریدا اور پھر اس کتاب کو اپنے گھر کے طاقوں میں سجالیا یہ تصور کرکے کہ یہ کوئی بڑا تبرک ہے چونکہ یہ معتقدین کتاب کو پڑھنے کی اہمیت نہیں رکھتے تھے لہٰذا ان بے چاروں کو یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ مولانا زکریا کے نام سے کیسی واہیات باتیں اس کتاب میں چھاپ دی گئی ہیں۔ کتنا اچھا ہوتا کہ مولانا زکریا کے معتقدین میں سے کچھ پڑھے لکھے قسم کے لوگ مولانا کو اس بات پر متنبہ کرتے کہ جو کتاب آپ کے اسم گرامی کی طرف منسوب کرکے شائع کی گئی ہے جہالت اور نادانیوں سے بریز ہے لہٰذا اس کے بارے میں یہ اعلان فرما دیجئے کہ یہ کتاب آپ کے قلم کا شاہکار نہیں۔ لیکن قابلِ افسوس اور قابلِ ماتم بات یہ ہے کہ حلقۂ معتقدین صرف مولانا کا نام دیکھ کر مطمئن ہو کر بیٹھ گیا اور ان جہالتوں اور نادانیوں کی تاویلیں کرنے پر کمر کس لی کہ جو علم و دیانت کے چہرہ پر صرف اور صرف طمانچہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

غالباً نومبر و دسمبر ۱۹۶۰ء کے شمارہ میں ایک مراسلہ کا جواب دیتے ہوئے ہم نے اس کتاب اور خالق کتاب کے بارے میں چند باتیں عرض کی تھیں۔ لیکن اس وقت ہم نے اس کتاب کا باقاعدگی کے ساتھ مطالعہ نہیں کیا تھا۔ بعد میں اس کا مطالعہ کرنے کی توفیق نصیب ہوئی تو ہم نے باقاعدگی اور دل جمعی کے ساتھ اس کا مطالعہ کیا اور ہم پھر اس نتیجہ پر پہونچے کہ یہ کتاب مولانا زکریا جیسے مشہور عالم اور خداترس بزرگ کے فکر و ذہن کا کرشمہ نہیں ہو سکتی۔ یہ کسی اناڑی طالب علم کی لنگڑی صلاحیتوں کا ماحصل ہے۔ اور محض تجارت کی خاطر اس پر مولانا زکریا کا نام ڈال دیا گیا ہے۔

فتنۂ مودودیت میں سے بطور نمونہ جو تحریر آپ نے پیش کی ہے وہ بلاشبہ "لطیفہ" سے کم نہیں۔ لیکن ذرا ایک نمونہ یہ بھی ملاحظہ فرمایئے۔ خالق کتاب نے صفحہ ۴۹ پر تفہیمات کے حوالہ سے یہ عبارت نقل کی ہے:۔

> انسان کے مذہبی تصورات میں عبادات کا تصور سب سے پہلا اور اہم تصور ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ مذہب کا بنیادی تصور عبادت ہی ہے جتنے مذاہب کا پتہ چلا ہے ان میں سے ایک بھی عبادت کے تخیل و تصور سے خالی نہیں۔

یہ عبارت نقل کرنے کے بعد جو گل افشانی کی گئی ہے وہ یہ ہے:

> آپ خود خیال فرمائیں کہ عبادات کے مفہوم کی اہمیت کو ماننے کے باوجود جب وہ عبادات کو غیر عبادات کے ساتھ خلط ملط کر دیں گے تو عبادت کا مفہوم اور اس کی اہمیت جماعت میں کیسے باقی رہ جائے گی۔

اس کے بعد خالق کتاب نے مولانا مودودی کی تحریر نقل کرکے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مولانا مودودی نے عبادات کو غیر عبادات کے ساتھ خلط ملط کر دیا۔ لگے ہاتھوں مولانا مودودی کی وہ تحریر بھی ملاحظہ فرمالیجئے جسے خالق کتاب نے ہوّا بادر کرانے کی کوشش کی ہے مولانا مودودی کی تحریر یہ ہے:۔

> غلط کہتا ہے جو کہتا ہے کہ عبادت صرف تسبیح و مصلّی اور مسجد و خانقاہ تک محدود ہے۔ مومن صالح صرف اس وقت اللہ کا عبادت گذار نہیں ہوتا جب وہ دن میں پانچ وقت نماز پڑھتا ہے اور بارہ مہینوں میں ایک مہینے کے روزے رکھتا ہے اور سال میں ایک وقت زکوٰۃ دیتا ہے اور عمر بھر میں ایک مرتبہ حج کرتا ہے بلکہ اس کی ساری زندگی عبادت ہی عبادت ہے اور جب وہ کاروبار میں حرام کے فائدوں کو چھوڑ کر حلال کی روزی پر قناعت کرتا ہے تو کیا وہ عبادت نہیں کرتا جب وہ معاملات میں ظلم، جھوٹ اور فریب و دغا سے

پرہیز کرکے انصاف اور راست بازی سے کام لیتا ہے تو کیا یہ عبادت نہیں ہے۔ الیٰ آخرہ

خالق کتاب کی کم فہمی دیکھئے کہ اس نے مولانا مودودی کی منقولہ بالا تحریر کو خطرناک ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے حالانکہ اسی زور بازی میں خود ان کا پاؤں پھنس گیا ہے۔ اور ان کے قلم سے کچھ ایسی باتیں نکل گئی ہیں جنھیں شاندار حماقتوں کے علاوہ کوئی دوسرا نام نہیں دیا جاسکتا۔ یہ تفصیل بطور نمونہ پیش کی گئی ہے۔ اس قسم کے بہت سے لطائف بطور نمونہ پیش کئے جاسکتے ہیں ذرا سوچئے تو سہی کہ جو کتاب ایسے لطائف سے بھری ہوئی ہو اس کے بارے میں آسانی سے یہ کیسے یقین کرلیا جائے کہ یہ ایک شیخ الحدیث کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔

مولانا زکریا صاحب سے نہ تو ہمیں اس بات کی توقع ہے کہ انھوں نے ایمرجنسی میں محض حکومت کی نظروں میں سرخ روئی حاصل کرنے کے لئے یہ کتاب لکھی ہوگی۔ نہ اُن سے یہ امید ہے کہ وہ نظریاتی اختلاف کا اظہار کرتے وقت اُس مقام تک پہنچ جائیں جس مقام تک پہونچنا بزرگوں کا شیوہ نہیں ہوتا۔ خیر تو اسی میں ہے کہ ہم اس "فتنۂ مودودیت" جیسی بوگس کتاب کو کسی اور کی "حرکت" تصور کریں تاہم اگر مولانا زکریا کے کسی عقیدت مند کا اصرار ہی ہو کہ یہ کتاب مولانا زکریا ہی کی لکھی ہوئی ہے تو پھر یہ کہے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ مولانا زکریا بہت بڑے بزرگ اور بہت زیادہ خدا ترس سہی لیکن حکمت و فہم نام کی کوئی چیز انھیں میسّر نہیں۔ لہٰذا ازراہ علم و عقل انھیں اس بات کا حق نہیں دیا جاسکتا کہ وہ تنقیدی اور تحقیقی کتابیں لکھنے کی خدمت انجام دیں اگر لکھنا ضروری ہو تو انھیں چاہیئے وہ فضائل اعمال پر اپنی قوت صرف کرتے ہوئے ہلکی پھلکی کتابیں قلم بند کرتے رہیں اور بس۔

سوال نمبر ۲ :- (ایضاً)

مولانا مودودی جیسی بین الاقوامی علمی ہستی سے نکلا ہوا ایک ایک جملہ ہزاروں انسانوں کے طرزِ فکر و عمل پر فیصلہ کن اثر ڈالتا ہے اسی لئے یہ سوال مولانا موصوف کے میلاد کے بارے میں ایک فرمودہ پر اشکال کی صورت میں پیش کر رہا ہوں

مقصد بات کو سمجھنا ہے رہنمائی فرماکر عنداللہ ماجور ہوں۔

امریکہ کے اپنے سفر میں ٹورانٹو (کینیڈا) کی ایک مجلس میں ۲۴ سوالوں کے جوابات جو تجلی فروری ۸۶ء میں چھپے ہیں۔ مولانا مودودی نے دیئے تھے۔ سوال نمبر ۱۱ اور اس کا جواب اس طرح تھا۔

آپ کی رائے میں کیا مولود شریف پڑھنا جائز ہے؛ اور کیا اس میں تعظیماً کھڑا ہونا بھی جائز ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ مولود شریف جس چیز کا نام ہے دراصل اس سے مراد ذکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ والہٖ وسلم اور سیرتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بیان ہے اس کے جائز ہی نہیں کارِ ثواب ہونے میں بھی کسی کلام کی گنجائش نہیں!! اور مولود شریف کی محفلوں پر اگر اعتراض ہوسکتا ہے تو اس پہلو سے ہوسکتا ہے کہ......

(جواب کا دوسرا حصہ حذف کردیا گیا ہے)

فدوی کو اس جواب سے تسلّی نہیں ہوئی۔ مولانا مودودی اور مولانا عامر عثمانی کی متعدد تحریروں سے بدعت کی جو تعریف ذہن پر نقش ہوئی ہے یہ عبارت بالا اس کے خلاف پڑتی ہے۔

مولانا مودودی نے "تجدید احیاء دین" میں بدعت کے ضمن میں چند سطروں میں ذہن و دماغ کی سیکڑوں الجھنیں کھول کر کھول کر رکھدی ہیں۔ کتاب اس وقت میرے سامنے تو نہیں یادداشت کی بنا پر عرض کرتا ہوں۔

مولانا موصوف نے جو کچھ لکھا ہے: اس کا مفہوم یہ ہے کہ امورِ دین میں جو چیز منصوص نہیں وہ بدعت ہے۔ امورِ دنیا میں جو چیز منع نہیں وہ مباح ہے۔

اسی طرح مولانا عامر عثمانی نے "بدعت کیا ہے" میں اور تجلی میں بیسیوں مقامات پر وقتاً فوقتاً جو کلام کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ مروجہ میلاد ہر حال میں بدعت ہے چاہے اس میں صحیح روایات ہی بیان کی جائیں۔ گو کہ علامہ مودودی نے لفظ مروجہ سے بحث نہیں کی، سیرت کے بیان کو لیا ہے اور وہ بیشک کارِ ثواب ہی ہے ——— لیکن پوری دنیا میں فی زمانہ مولود کا ذکر جہاں بھی آئے گا۔ مروّجہ میلاد ہی زیر بحث ہوگا۔ کیونکہ سیرتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بیان کی کہ

ایسی کوئی شکل جس پر بدعت کا شبہ نہیں کیا جاسکتا دنیا میں کہیں بھی رائج نہیں ہے

اور قرونِ اولیٰ میں بھی کیا کبھی ایسا رواج رہا ہے کہ سیرت کے نام پر مولود کی سی شکل کا جلسہ ہوتا ہو اور باقاعدہ گا گا کر کیا جاتا ہو۔ اور بیان کی ابتدا پیدائش رسول ص کے موضوع سے ہی شروع ہوتی ہو

جواب ۲

جس طرح اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ لغوی طور پر بدعت ہر نئی چیز کی تخلیق کو کہتے ہیں خواہ یہ چیز دنیاوی امور میں ایجاد کی گئی ہو یا دینی امور میں۔ اسی طرح اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ مجلس میلاد اس محفل کو کہا جاتا ہے جس میں آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی صورت وسیرت، عادت و اخلاق، پیدائش و وفات کا ذکر خیر ہو۔ لیکن جس طرح عام بدعت بول کر لازماً وہ بدعت مراد لی جاتی ہے جسے عرفِ شریعت میں ضلالت سے تعبیر کیا جاتا ہے اسی طرح عام میلاد سنتے ہی میلاد مُراد لینا چاہیئے جو شریعت کی نظروں میں مذموم ہے اور جسے کوئی بھی مستند اور محتاط عالم جائز کہنے کی غلطی نہیں کرسکتا

رہا مولانا مودودی کے جواب پر کوئی اعتراض واقع نہیں ہوتا اس لئے کہ انھوں نے میلاد کو فی نفسہٖ جائز قرار دینے کے بعد یہ وضاحت بھی کردی ہے کہ

> مولود میں غلط اور موضوع روایات بیان کرنا درست نہیں۔

اس وضاحت کے بعد ریب و تشکیک اور الجھن و تردد کا اظہار کرنا درست نہیں ہے

مولانا اشرف علیؒ تھانوی نے امداد الفتاویٰ جلد پنجم کے ۲۵۲ پر ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا کہ:-

> ذکر ولادت شریف نبوی صلے اللہ علیہ وسلم مثل دیگر اذکار خیر کے ثواب اور افضل ہے۔ اگر بدعات اور قبائح سے خالی ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی صورت وسیرت وغیرہ کا بیان نہ صرف جائز بلکہ اجر و ثواب اور رحمت و برکت کا باعث ہوتا ہے بس شرط یہی ہے کہ حضورؐ کا ذکر کرتے ہوئے بے بنیاد اور من گھڑت روایتوں اور شاعرانہ مبالغہ آمیزیوں سے دامن بچا لینا چاہیئے کہ قابلِ تنبیہ یہی چیزیں ہیں نہ کہ ذکرِ رسول۔

مشکل یہ ہے کہ میلاد کے سلسلہ میں صرف وہی طبقہ تشدد کا حامل نہیں جو اس کو بہر حال جائز و مستحسن تصور کرتا ہے بلکہ اس طبقہ کے بعض افراد بھی متشدد واقع ہوئے ہیں کہ جن کے نزدیک میلاد منجملۂ بدعات ہے۔

ہمارا اپنا خیال یہ ہے کہ افراط و تفریط کسی بھی مسئلہ میں نہیں ہونی چاہیئے۔ میلاد اس صورت میں غلط یہی جب اس میں بے پر کی باتیں اڑا کر شاعرانہ ہفوات ریزی کی گئی ہو۔ مگر میلاد اس صورت میں کیسے ناجائز ہوسکتا ہے کہ جب مقصد صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر روشنی ڈالنا ہو اور ان پاکیزہ باتوں کی یاد دہانی کرنی ہو جو دنیاوی مشاغل میں لگ کر ہمارے دل و دماغ سے محو ہو جاتی ہیں۔

قرونِ اولیٰ کے مسلمان تو ہمہ وقت خدا اور اس کے رسول کے تصورات میں مستغرق رہا کرتے تھے۔ اور جہاں دو چار افراد جمع ہو جاتے تھے وہاں خواہی نخواہی ذکر خدا اور ذکر رسول کی خوشبو بکھر جاتی تھی۔ موجودہ دور کے مسلمانوں کو ہزار دعووں کے باوجود خدا اور رسول سے وہ تعلق نہیں جس پر عشق کا اطلاق ہوسکے۔ یا جسے قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں جیسا تعلق کہا جاسکے۔ لہٰذا اب تو ذکرِ رسول اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب باقاعدہ جلسوں اور محفلوں کا اہتمام کیا جائے اور جلسوں اور محفلوں میں ازروئے شرع کوئی مضائقہ بھی نہیں بشرطیکہ کچی پکی اور اپنے گھروں کے اندر بنائی ہوئی روایات بیان کرنے سے احتراز کیا جائے۔

عدم اطمینان کی ایک قسم یہ بھی ہے

سوال ۳

غلام حسین بٹ باندی پورہ کشمیر

یہ بتائیے کہ کیا تمبا کو نوشی سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں ؟ میں نے اپنے بچپن سے ہی اپنے ماحول میں اپنے بزرگوں کو دیکھا ہے کہ تمباکو پی کر کلی کرتے ہیں پھر نماز قائم کرتے ہیں۔ لیکن میں اس طریق کار سے مطمئن نہیں۔ آپ واضح طور سے اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں۔

جواب ۳

اگر تمباکو نوشی سے وضو ٹوٹ جایا کرتا تو پھر کلی کر لینے سے بات کیسے بن سکتی تھی۔ تاوقتیکہ دوسرا وضو نہ کر لیا جائے کلی پر اکتفا کر لینا تو بجائے خود اس بات کی علامت ہے کہ تمباکو نوشی وضو پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ البتہ احترام نماز کا تقاضا یہ ہے کہ وضو کے بعد آدمی اگر کسی بدبودار چیز کو استعمال کرے تو نماز سے پہلے کلی ضرور کرے تاکہ منہ میں پیدا ہو جانے والی بدبو زائل ہو جائے۔

مسواک کی تاکید بھی اسی بنا پر کی گئی ہے کہ آدمی کے منہ میں جو بدبو پیدا ہو جاتی ہے وہ ختم ہو جائے اور بندہ خدا کے حضور اس حال میں نہ پہونچے کہ منہ سے سڑیند پھوٹ رہی ہو۔

ہمیں حیرت ہے کہ آپ کلی کے عمل سے کیوں مطمئن نہیں ؟ اس عمل میں آپ کو کیا قباحت محسوس ہوتی ہے کیا آپ طہارت و نفاست کے قائل نہیں ہیں ؟

عورتوں کا تبلیغی سفر

سوال ۴ محمد سلیم صدیقی۔ رائے بریلی

تبلیغ کے سلسلہ میں عورتوں کے حدود دائرہ کیا ہیں ؟ کیونکہ جماعت تبلیغی میں خواتین بھی اپنی بنیادی ذمہ داریوں سے قدرے ماورا ہو کر تبلیغ کے لئے نکلتی ہیں اور ایک عرصہ دراز تک باہر رہتی ہیں۔ کیا قرونِ اولیٰ میں ایسا ہوتا تھا اور اگر تھا تو وہ کن حالات کے تحت تھا۔ اس کی کیا نوعیت تھی۔؟ اور آج کے حالات میں اس کا جواز کیونکر ہے ؟

جواب ۴

کسی روایت سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ قرونِ اولیٰ کی مسلمان عورتوں نے تبلیغی سفر کر کر کے دین اسلام کی خدمات انجام دینے کی کوشش کی ہو۔ تاہم اگر کسی روایت سے یہ ثابت ہو جائے کہ قرون اولیٰ کی مسلمان عورتیں تبلیغی سفر کرتی تھیں اور ہفتوں گھر سے باہر رہا کرتی تھیں تب بھی موجودہ زمانہ کی عورتوں کے لئے یہ طریقہ نظیر و دلیل نہیں بن سکتا۔ اس لئے کہ قرون اولیٰ کی مسلمان عورتوں میں با اعتبار نیکی، با اعتبار تقدس اور با اعتبار شرم و حیا زمین آسمان کا فرق ہے۔

آپ نے سنا ہوگا کہ معتبر روایات سے یہ ثابت ہے کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارک میں عورتیں مساجد میں آکر باجماعت نمازیں ادا کیا کرتی تھیں۔ گو عورتوں کے لئے فضیلت اور بہترائی اس میں تھی کہ وہ اپنے گھروں کی چہار دیواری میں نماز ادا کریں اور مسجد میں آنے سے پرہیز کریں تاہم مسجد میں آنے پر کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔ لیکن پھر بعد میں فقہا و مصلحین امت نے عورتوں کے لئے مساجد میں آکر باجماعت نماز ادا کرنے پر پابندی عائد کر دی۔ محض اس وجہ سے کہ اب عورت و مرد کے اختلاط سے ماسوا فتنہ و فساد اور عیاشی و عیاری کے کوئی دوسری چیز جنم نہیں لیتی۔ موجودہ زمانہ میں عورتوں کا گھر سے باہر نکلنا خطرے سے خالی نہیں۔ خواہ وہ دنیاوی غرض سے باہر نکلیں یا تبلیغی غرض سے۔ فتنوں سے محفوظ تو وہ مکان بھی نہیں جہاں کے مرد بیک وقت تبلیغی سفروں میں نکل کھڑے ہوتے ہیں اور اپنی عورتوں سے ہفتوں اور مہینوں کے لئے غائب ہو جاتے ہیں۔ تو پھر وہ مکان فتنوں کی باریابی سے کیسے محفوظ رہ سکتے ہیں کہ جہاں کی عورتیں برقعے اٹھا کر تبلیغی سفر کے لئے گھروں سے نکل کھڑی ہوں اور کئی کئی ماہ تک لاپتہ رہیں۔

تبلیغ بلاشبہ ضروری ہے لیکن کچھ حدود و قیود کے ساتھ یہ حدود و قیود اگر نظر انداز کر دیئے جائیں تو یہی تبلیغ امت کے لئے وبال بن کر رہ جاتی ہے۔ ہم تو مردوں کے لئے بھی کئی کئی مہینے تک باہر رہنے کو درست نہیں سمجھتے۔ بھلا عورتوں کا گھر سے باہر

رہنا ہمارے نزدیک کیونکر جائز ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا کرم فرمائے بعض اجہل قسم کے تبلیغی پرستوں نے اپنی جہالت اور نادانی کی بنا پر تبلیغ کو "کھلونا" بنا کر رکھ دیا ہے۔ ان لوگوں کا خیال یہ ہے کہ تبلیغ کے نام پر جتنی حماقتیں سرزد ہوں گی وہ سب کی سب جہاد کی فہرست میں شمار کی جائیں گی اور ان پر اجر و ثواب مل کر رہے گا۔ لہٰذا تبلیغ کا جذبہ ہوتے ہوئے یہ سوچنا بے کار ہے کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط۔

عورتوں میں تبلیغ ضروری ہے لیکن اس کی بس ایک ہی صورت جائز ہوسکتی ہے کہ وہ اپنے ہی شہر کے مختلف گھروں میں تبلیغی اجتماعات کرتی رہیں اور پڑھی لکھی عورتوں کو فرائض و واجبات کی تعلیم دیتی رہیں۔ تبلیغ کے لئے باقاعدہ گھروں سے نکل جانا اور پھر یہ سمجھنا کہ ہم اللہ کی راہ میں نکلی ہوئی ہیں اگر فریب دہی نہیں تو فریب خوردگی ضرور ہے۔

بالاو جبر کی الجھنیں

سوال نمبر ۵ :۔ ڈاکٹر اختر لاری۔ مئو ناتھ بھنجن اعظم گڈھ

ایک مسافر مسلمان کے لئے شرعی حکم ہے کہ بحیثیت پیش امام چار رکعت والی فرض نمازیں دو رکعت پر وہ سلام پھیر دے جبکہ اس امام کے مقتدی اگر مقامی ہیں تو وہ بقیہ دو رکعتیں امام کی اقتدا کئے بغیر ادا کرلیں۔ مگر وہی مسافر امام کسی مقامی امام کی اقتدا میں وہی چار رکعت والی فرض نماز ادا کرتا ہے تو وہ بحیثیت مسافر بھی قصر نہیں کرسکتا۔ بلکہ چاروں رکعت اس امام کی اقتدا میں پوری ادا کرتا ہے آخر ایسا کیوں ہے؟ اس میں اسلامی نقطہ سے حکمت و فلسفہ اور مصلحت کو کیا دخل ہے؟ اس باریکی کو سمجھا دیجئے۔ اس مسئلہ کی باریکی کو سمجھنا چاہتا ہوں۔

جواب نمبر ۵

کوئی پیچیدہ بات نہیں اگر آپ خود ہی غور و فکر زحمت اٹھا لیتے تو باریکی آپ کے سمجھ میں آجاتی۔ اتنی بات تو آپ بھی جانتے ہوں گے کہ سفر میں نماز کا قصر کرنا ضروری ہے یعنی مسافر اگر پوری نماز پڑھے گا تو از روئے شرع گناہگار ہوگا اس بات کو یا بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ مسافر کے ذمہ چار رکعت والی نمازوں میں صرف دو رکعت کا پڑھنا ضروری ہے بقیہ دو رکعت کا پڑھنا ایک صورت میں غیر ضروری کی حیثیت رکھتا ہے اور ایک صورت میں ناجائز کی۔ اگر مسافر کسی امام کی اقتدا میں نماز ادا کر رہا ہے تو پھر اس پر صرف دو رکعت کا پڑھنا فرض ہے۔ لیکن احترام جماعت اور احترام اقتدا کی وجہ سے بقیہ دو رکعت بھی اسے پڑھ لینی چاہئیں یہ دو رکعات نفلوں کے قائم مقام ہو جائیں گی۔ اور انشاء اللہ ان پر اجر و ثواب ملے گا۔

لیکن اگر مسافر اپنی نماز انفرادی طور پر ... لئے قصر ضروری ہے اور اگر وہ قصر نہیں کرے گناہگار قرار پائے گا

ذرا گہرائی میں جائیے تو مسئلہ یہ ہے کہ فرض (ضروری) نماز پڑھنے والے امام کے پیچھے (غیر ضروری) نماز پڑھنے والے نمازی کی نماز بلاشبہ صحیح ہو جاتی ہے۔ البتہ نفل نماز پڑھنے والے امام کے پیچھے فرض نماز پڑھنے والے مقتدی کی نماز درست نہیں ہوتی۔ زید اگر مسافر ہے تو اس کے ذمہ صرف دو رکعات کا ادا کرنا ضروری ہے اور زید بحیثیت امام چونکہ کسی کا پابند نہیں ہوسکتا لہٰذا اسے صرف دو رکعات ہی پر اکتفا کرنا چاہیئے اور اگر وہ دو رکعات پر اکتفا نہیں کرے گا تو گویا بقیہ دو رکعات وہ نفلوں کی حیثیت سے ادا کرے گا۔ جبکہ اس کی اقتدا میں نماز ادا کرنے والے مقتدی مقیم ہیں اور فرض نماز ادا کر رہے ہیں لہٰذا ان مقتدیوں کی نماز درست نہیں ہوگی کیونکہ انھوں نے اپنی ضروری نماز کو اس امام کے پیچھے ادا کیا جو غیر ضروری نماز کی نیت باندھے ہوئے تھا۔ اور نفل نماز پڑھنے والے امام کے پیچھے فرض نماز ادا کرنے سے بہتر یہ ہے کہ تنہا اپنی نماز ادا کرے۔

اور اگر زید مسافر ہے اور کسی مقیم امام کے پیچھے اپنی چار رکعات والی نماز ادا کر رہا ہے تو اس کیلئے ضروری ہوگا کہ

وہ نماز پوری کرے تاکہ جماعت اور اقتدا کی تکریم کو ٹھیس نہ پہونچے۔

آخیر میں ہم یہ گذارش کریں گے کہ ہر چیز کی علت و وجہ جاننے کی فکر میں اپنے وقت کو ضائع نہ کیجئے۔ جو کچھ آپ نے علماء و فقہاء سے سُن لیا ہے ان پر بلا تامل و تردد کے عمل کرنا ہی آپ کے نزدیک فائدہ مند ہو سکتا ہے۔ خواہ مخواہ کی الجھنوں اور موشگافیوں سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا کرتا۔ ماسوا ایضاعِ وقت کے۔

کنگن اور گھڑی کے چین کا فرق

سوال زاہد اصغر ہزاری باغ

کیا گھڑی کی چین (فیتا) جو لوہے کا ہوتا ہے وہ حرام ہے کیونکہ مردوں کو کنگن پہننا ناجائز ہے اور وہ چین بالکل کنگن سے مشابہ ہے

جواب

تقوے اور وہم کو جب خلط ملط کر دیا جاتا ہے تو ایسے ہی سوالات دل و دماغ میں جنم لیتے ہیں۔ گھڑی کی چین کو کنگن کی طرح ناجائز یا مشتبہ سمجھنے کی حرکت وہی شخص کر سکتا ہے جو کنگن کے ناجائز ہونے کی علت سے ناواقف ہو۔ کنگن کو مرد کے لئے شریعت نے اسلئے ناجائز قرار دیا ہے کہ یہ عورتوں کے پہننے کی چیز ہے اور یہ چوڑی کے قائم مقام ہے ہر وہ چیز جو صرف عورتوں کی زیب و زینت کیلئے بنی ہو اس کا استعمال مرد کے لئے ناجائز ہوگا۔ اور جو چیزیں مردوں کے لئے مخصوص ہوں اور صرف مردانہ زیب و زینت کے لئے ہوں ان کا استعمال عورتوں کے لئے ناجائز سمجھا جائے گا

شارع نے ان مردوں پر بھی لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کا لباس پہننے کے عادی ہوں اور ان عورتوں پر بھی لعنت فرمائی ہے جو مردوں کا لباس پہننے کی خوگر ہو جائیں۔ کچھ مرد اگر چوڑیاں پہننے لگیں تو بلاشبہ ایک امر ناجائز کے مرتکب کہلائیں گے اور عورتیں کھلے عام ٹوپیاں پہننا شروع کر دیں تو انھیں بھی سزا وار ملامت کہنا پڑیگا۔ کوئی مرد اگر رنگ برنگے دوپٹے پہننے کا عادی ہو جائے تو اس پر آپ کا اعتراض کرنا غلط نہ ہوگا۔ لیکن اگر جاڑوں کے زمانہ میں کوئی شخص جاڑے کی روک تھام کے لئے چادر اوڑھ لے اور آپ جیسا کوئی نیک نیت آدمی اس چادر کو اوڑھنی سمجھ کر اعتراض کر بیٹھے تو اسے نادانی نہیں پھر اور کیا کہیں گے ——— گھڑی کی چین کو کنگن پر قیاس کرنا بالکل ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی شخص چادر کو دوپٹے پر قیاس کر بیٹھے۔ اور اعتراضات کی بوچھار شروع کر دے۔ بعض علماء کنگن کو اسلئے بھی ناجائز بتاتے ہیں کہ اس کا استعمال بعض غیر مسلم قوموں میں عمومیت کے ساتھ پایا جاتا ہے اور کسی قوم کی مشابہت اختیار کر لینا بنگاہ شریعت درست نہیں۔ رہا گھڑی کا مسئلہ تو گھڑی از راہ ضرورت لگائی جاتی ہے یہ کسی قوم کے لئے خاص نہیں اور اس کے فیتے اور چین کی حیثیت فرع کی ہے اصل کی نہیں۔

دیور سے پردہ

سوال (ایضاً)

کیا کوئی بالغ شخص اپنی بھابی کے سامنے آسکتا ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ کوئی بالغ دیور اپنی بھابی کا سامنا کر سکتا ہے۔ کیونکہ بھابی تو ان میں سے نہیں ہیں جن کے سامنے قرآن کریم نے آنے کی اجازت دی ہے کیا اس کے بارے میں کوئی حدیث منقول ہے اگر ہے تو حدیث سے بھی مشرف کیجئے۔

جواب

احتیاط کا تقاضا تو یہ ہے کہ دیور سے باقاعدہ پردہ کیا جائے اسلئے کہ دیور کو ایک حدیث میں موت قرار دیا گیا ہے۔ یعنی عزت و ناموس کے حق میں خطرناک چیز۔ اسی طرح بہنوئی سے بھی پردہ منجملہ احتیاط ہے۔ دیور اور بہنوئی دونوں ہی سے تعلقات جذباتی نوعیت کے ہوتے ہیں اور اس قسم کے تعلقات بالعموم خطرہ کا باعث بن جاتے ہیں۔ اسلئے کہ احتیاط اور مصلحت دونوں اس بات کے متقاضی ہیں کہ دیور اور بہنوئی دونوں ہی سے پردہ کیا جائے اور خوشدامن اگر جوان ہو تو اسے بھی اپنے داماد سے پردہ کرنا چاہیئے۔ لیکن ہمارے زمانہ میں شرعی پردہ کی اہمیت تقریباً ختم ہو چلی ہے۔ اب جو گول مول قسم کا پردہ رائج ہے وہ شرعی

...ضابطوں پر پورا نہیں اترتا اور جس زمانہ میں شرعی ضابطوں ہی کو نظر انداز کر دیا گیا ہو اس زمانہ میں احتیاط و پرہیزگاری والے پردوں کو ملحوظ رکھنے کی تلقین کرنا عوام کی نظروں میں جھک مارنے کے سوا اور کیا ہوگا۔

کیا عنوان دیں؟

سوال: حکیم محمد عثمان۔ تجارہ

کچھ احباب مئی کے تجلی کے ٹائیٹل کو دیکھ فرما رہے تھے کہ ماہنامہ تجلی کے ایڈیٹر نے جو کانگریسی جھنڈے کا ٹائیٹل دیا ہے۔ اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ ایڈیٹر موصوف کانگریسی ذہن کے آدمی ہیں جبکہ ہندوستان کے عوام الناس کا ذہن کانگریس کی طرف سے ہٹکر جنتا پارٹی کی طرف آگیا ہے۔ جبکہ آپ کا قلم ہمیشہ ظالم کانگریس سرکار کے خلاف موشگافی کرتا رہا ہے احباب ٹائیٹل ماہنامہ تجلی جو کانگریس کے جھنڈے کے نمونہ میں پیش کیا ہے اسکو دیکھ کر متحیر ہیں۔

جواب:

عوام کا عالم بھی عجیب ہے۔ یہ حسن ظن قائم کرنے میں بھی جذباتی ہوتے ہیں اور بدگمانی کرنے میں بھی۔ کسی کو ایک نیکی کرتے دیکھ لیں گے تو اسکی پرہیزگاری کے چرچے شروع کر دیں گے اور اگر کسی کو کوئی معمولی غلطی کرتے دیکھیں گے تو اس کے خلاف بدگمانی کا پہاڑ قائم کر بیٹھیں گے۔ اور اسپر کھلی تنقید شروع کر دیں گے

تجلی کے ٹائیٹل پر دیپک کا نشان دیکھ کر بعض ارباب خیر کو چند سال پہلے یہ بدگمانی ہوگئی تھی کہ شاید تجلی کی پشت پر جن سنگھ کا ہاتھ ہے تب ہی تو تجلی کے سرورق پر دیپک نظر آتا ہے جو جن سنگھ کا دھرم نشان ہے۔ اور خیر سے اب بعض اہل خلوص کو یہ بدگمانی ہوئی ہے کہ تجلی نے مئی کے شمارہ کا جو ٹائیٹل چھاپا ہے اس سے کانگریسیت کی بو آتی ہے۔ غالباً یہ بدگمانی کی وجہ ٹائیٹل نہیں بلکہ اس کا رنگ بنا ہوگا۔ رنگ فی الواقعہ اس قسم کا چھپ گیا تھا کہ جس پر کانگریسیت کا گمان ہو جانا خلاف عقل نہیں لیکن تجلی کی سابقہ اور حالیہ روش کو دیکھتے ہوئے قارئین تجلی کا محض کسی رنگ و نقش کی وجہ سے یہ بدگمانی کر بیٹھنا کہ تجلی کانگریس کو خوش کرنے کی فکر میں لگا ہوا ہے دانشمندی سے بعید تر بات ہے — تجلی نہ کانگریس کا حامی تھا نہ جنتا پارٹی کا حامی ہے۔ وہ ان جماعتوں کی بعض خصوصیات کی تعریف تو کر سکتا ہے لیکن یہ کہنے کی حماقت نہیں کر سکتا کہ یہ جماعتیں اسلام اور مسلمانوں کی خیرخواہ ہو سکتی ہیں یہ الگ بات ہے کہ وہ کسی سیاسی مفاد کے لئے وقتاً فوقتاً مسلمانوں کی خیرخواہی کا دم بھرتی رہی ہوں۔

فنڈ کی رقم کا مسئلہ

سوال: محمد مسلم صدیقی بھنڈریہ (دلیر ڈیہہ) ڈومریا گنج بستی

ایک ماسٹر صاحب پوچھتے ہیں کہ میری تنخواہ میں سے جو کچھ سرکار پیسہ کاٹ لیتی ہے اور بعد میں اسے دونا، چارگنا کر کے دیگی کیا وہ حرام ہے یا حلال؟

جواب

سرکاری ملازمین کی تنخواہوں میں سے جو رقم بطور فنڈ کاٹ لی جاتی ہے اور پھر اسکو دو چند کر کے واپس کیا جاتا ہے اسکو لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ وہ قطعی طور پر جائز ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ پندرہ روپے کاٹ کر تیس روپے یعنی پندرہ روپے اور مزید بطور اعزاز دیئے جاتے ہیں بطور سود نہیں۔

زبانی مہر معاف کرنے کی حیثیت

سوال (ایضاً)

زید کی شادی حمید النساء سے ہوتی ہے شادی کی رات زید اپنی بیوی سے مہر معاف کرنے کو کہتا ہے اور زید کی بیوی اسی رات کو مہر معاف کر دیتی ہے یعنی حمید النساء کہتی ہے کہ میں نے مہر معاف کر دیا اب کبھی نہیں مانگوں گی مگر دو چار سال کا عرصہ گذرنے کے بعد کہتی ہے کہ میں نے یونہی کہہ دیا تھا تمہیں میرا مہر ادا کرنا پڑے گا۔ تو

تو آپ یہ بتادیں کہ اس معاملہ میں کیا کیا جائے اور اس سے پہلے جو دو چار سال صحبت زید نے حمید النساء سے کیا اسے کیا تصور کیا جائے؟

اور اگر زید حمید النساء کو طلاق دینا چاہے تو اس حالت میں کیا پورا مہر ادا کرنا پڑے گا۔

جواب :-

عورت سے مہر معاف کر دینے کا اصرار یا گذارش کرنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ یہ ایک ناروا طریقہ ہے اسلام جیسا انصاف پسند مذہب اس طریقے اور رویے کو قابل انگیز قرار نہیں دے سکتا۔ لوگ طوائفوں کے کوٹھوں پر جاتے ہیں اور چند راتوں میں چند ہزار روپے طوائفوں پر نچھاور کر دینا ان کے لئے کوئی بڑی بات نہیں ہوتی۔ لیکن ایک بیوی اپنی زندگی کی تمام راتیں ایک مرد کے اوپر قربان کر دے اپنے بدن کی ہر ایک چیز ایک مرد کو سونپ دے اور مسلسل سونپتی رہے وہ بیچاری اس بات کی مستحق بھی نہ رہے کہ اسے دو چار ہزار روپے بخش دیئے جائیں۔ اگر شریعت نے اسکو دو چار سو یا دو چار ہزار روپے کا حقدار قرار دیدیا ہے تو اس سے اس بات کی فرمائش کرنا کہ وہ اپنے حق سے دستبردار ہو جائے شریفوں کا شیوہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن اپنی مرضی سے اگر کوئی عورت اپنا حق مہر معاف کر دینا چاہتی ہو تو اس صورت میں قصوروار ...... عورت کہلائے گی نہ کہ مرد۔ اسلئے کہ اپنے حقوق کے معاملہ میں ہر شخص کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ وہ جب چاہے اُن سے دستبردار ہو جائے۔

اگر کوئی عورت زبان سے اپنا مہر معاف کر دے تو شرعاً یہ مہر معاف ہو جاتا ہے۔ اگر دو چار گواہوں کی موجودگی میں اس نے مہر معاف کیا ہو تو پھر اسے دوبارہ مہر طلب کرنے کا کوئی حق باقی نہیں رہتا۔ اگر تنہائی میں مہر معاف کرنے کے بعد بھی وہ اس سے منکر نہیں ہوتی تو بھی مہر معاف ہو جائیگا اور اس کا مطالبۂ مہر کرنا غلط ہوگا۔ لیکن اگر شوہر کے اندر مہر ادا کرنے کی گنجائش ہو تو احتیاط و احسان کا تقاضا یہ ہے کہ مہر ادا کر دیا جائے۔

زید نے حمید النساء سے جو صحبتیں کی ہیں ان کے جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیئے خواہ حمید النساء نے مہر دل سے معاف کیا ہو یا محض تکلفاً۔

طلاق دینے کے بعد زید کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ وہ حمید النساء کو دوران عدت میں نان و نفقہ پہنچاتا رہے اگر زید اخلاق و مروت سے کام لینے کا ظرف اور حوصلہ رکھتا ہے تو پھر اسے مہر بھی ادا کرنا چاہیئے اور وہ بھی پورا نہ کہ نصف یا چوتھائی۔

نرودھ وغیرہ کا استعمال کرنے کا مسئلہ

سوال :- (ایضاً)

بچوں کی پیدائش روکنے کے لئے جو دوائیں اور نرودھ وغیرہ ہیں ان کا استعمال جائز ہے یا ناجائز؟

جواب :-

نرودھ وغیرہ کا استعمال اس خوف سے کہ اگر بچے پیدا ہوئے تو کھائیں گے کہاں سے بلاشبہ حرام اور ناجائز ہے اسلئے کہ رزاق اللہ ہے اور اللہ ہر پیدا ہونے والے بچے کے ساتھ اسکے مقسوم بھی پیدا کرتا ہے۔ لیکن اگر عورت کی صحت، اس کے حسن، یا کسی اور مصلحت کی وجہ سے نرودھ وغیرہ استعمال کر کے عارضی طور پر بچوں کی پیدائش میں کچھ وقفہ کر دیا جائے تو اسمیں کوئی حرج نہیں ہے۔ مرد کی نسبندی کو ہم کسی صورت میں جائز نہیں سمجھتے البتہ عورت کا آپریشن صرف اس صورت میں جائز سمجھتے ہیں جب بچے کی پیدائش سے اس کی جان جانے کا قوی اندیشہ ہو۔ عارضی طور پر بچوں کی پیدائش میں روک تھام کر لینا کوئی گناہ کی بات نہیں ہے بشرطیکہ رزق کی تنگی کا خوف نہ ہو۔

اہلیہ کی طرف سے قربانی کا مسئلہ

سوال :- جمال الدین احمد

آپ سے ایک سوال عرض کر رہا ہوں۔ میں ہوں، میری اہلیہ ہیں اور میری تین بچیاں اور دو لڑکے ہیں جس میں سے ایک لڑکی جو سب سے بڑی ہے اکتوبر ۷۸ء میں پندرہ سال کی ہو جائیگی۔ آپ براہ مہر

شرعی نقطۂ نظر سے ہمیں بتائیں کہ قربانی میرے اوپر، میری اہلیہ پر اور میری بڑی بچی پر الگ الگ فرض ہے یا صرف میرے اوپر۔ میں یہ بھی عرض کر دوں کہ میں اب تک صرف اپنے نام سے قربانی کرتا ہوں تو کیا اہلیہ کے نام سے اب تک جو قربانی نہیں کی ہے تو میں یا اہلیہ یا دونوں ہی گنہگار ہوئے۔

جواب

ہر سال صرف اپنی طرف سے قربانی کرتے رہیئے اولاد اگر بالغ ہو جائے تو پھر بہتر یہ ہے کہ اسکی طرف سے بھی قربانی کی جائے یا وہ خود کرے اگر استطاعت رکھتی ہو۔ بیوی کی طرف سے قربانی کرنا ضروری نہیں ہے اگر کردی جائے تو ثواب ملے گا نہ کرنے میں کوئی گناہ بہر حال نہیں ہوگا۔

لڑکی کے نکاح میں عجلت اور اس کے حدود

سوال: از سعید احمد حیدر آباد

لڑکی کی شادی میں بلوغ کو پہنچنے کے کتنی مدت کے اندر کرنی چاہیئے جبکہ حدیث کے یہ الفاظ ہیں کہ تین باتوں میں عجلت کرو۔ نماز ادا کرنے میں، جنازہ کو دفن کرنے میں اور کنواری لڑکی کی شادی کرنے میں

ایک مسجد میں ایک خطیب صاحب اردو خطبہ کے درمیان فرما رہے تھے کہ لڑکی کی شادی ماہواری کے آنے کے فوراً بعد کردینی چاہیئے۔ ورنہ اس گھر پر عذاب نازل ہوتا رہے گا یا پھر فرشتے لعنت بھیجتے رہیں گے اور اس گھر سے برکت اٹھالی جائے گی وغیرہ۔ قرآن اور حدیث اور فقہ دین میں اس کی اصل کیا ہے۔

بعض لوگ پیامات آنے پر کہتے ہیں کہ لڑکی پڑھ رہی ہے ہم ابھی دیکھیں گے اس طرح ٹالتے ہیں اور اونچے خیالات میں تاخیر کرتے ہیں یہاں تک چار چار یا پانچ پانچ بچیاں کانی عمر تک حد یہ ہے کہ ۳۸ یا ۴۰ سال کی عمروں تک پہونچ جاتی ہیں اور اگر ان سے کہا جائے تو کہتے ہیں عجلت تو کر رہے ہیں لیکن کوئی پیام نہیں آرہا ہے؟ ۔ عجلت کے کیا معنے ہیں تشریح فرمائیے۔

جواب

اسمیں تو کوئی شک نہیں کہ حدیث میں اس بات کی تاکید موجود ہے کہ لڑکی کی شادی میں عجلت سے کام لینا چاہیئے بلا وجہ کی تاخیر یا رشتوں کے معاملہ میں بلا وجہ کا وہم اسلام کو پسند نہیں ہے لیکن کسی خطیب محترم کا یہ فرمانا کہ لڑکی کی شادی پہلا حیض آتے ہی کردینی چاہیئے ورنہ عذاب نازل ہوگا اور فرشتے لعنت بھیجیں گے پاگل پن ہے اور اگر پاگل پن نہیں تو پھر جہالت کبریٰ ضرور ہے۔

لڑکیوں کا زیادہ دنوں تک گھر میں بٹھائے رکھنا اچھی بات نہیں ہے موجودہ فتنوں کے دور میں زیادہ سے زیادہ بیس بائیس سال کی عمر میں لڑکی کا نکاح لازماً کردینا چاہیئے۔ صوم وصلوٰۃ کا پابند اور برسر روزگار لڑکا اس قابل ہوتا ہے کہ اسکے رشتہ کو قبول کرلیا جائے رشتوں کے معاملہ میں بلا وجہ کی وہم بازی اچھی بات نہیں، اس وہم بازی نے ہزاروں لڑکیوں کو شادی سے محروم کردیا ہے ۔ اور ہزاروں لڑکیاں شادی نہ ہونے کی وجہ سے بے شرمی اور بد چلنی کا شکار ہو گئی ہیں۔

لڑکی کے نکاح میں عجلت کرنے کے معنے یہ نہیں ہیں کہ گھر کے افراد اس تاک میں بیٹھے رہیں کہ ماہواری کی ابتدا ہوئی یا نہیں اور جس گھڑی ماہواری کا خون آجائے اس گھڑی لڑکی کے ہاتھ پیلے کردیئے جائیں بلکہ عجلت کے معنے یہ ہیں کہ اچھا اور مناسب رشتہ ہوتے ہوئے ٹال مٹول نہیں کرنا چاہیئے اور اس بات کی کوشش ہونی چاہیئے کہ بالغ ہونے کے بعد لڑکی جلد از جلد کسی کے نکاح میں دیدی جائے۔

مناسب رشتہ آنے کے باوجود بھی اگر والدین اپنی لڑکیوں کی شادی نہ کریں اور وہ خدانخواستہ کسی بدکاری کا شکار ہو جائیں تو اس صورت میں والدین بھی مجرم قرار پائیں گے یہ واقعی افسوس کی بات ہے کہ موجودہ زمانہ میں اچھے خاصے ہوشمند اور دین پسند حضرات کی لڑکیاں گھر بیٹھی بیٹھی "عورتیں" بن جاتی ہیں لیکن والدین بس اسی امید پر متوسط رشتوں کو ٹھکرا دیتے ہیں کہ شاید پریوں کے دلیس سے کبھی شہزادہ کا رشتہ آئیگا۔

جوان بہن بھائیوں کے ایک جگہ سونے کا مسئلہ

سوال (ایضاً)

اسلام میں سونے کے آداب ہیں کیا کوئی واضح شرائط ملتے ہیں کہ :

فرض کیجئے بھائی بہن دونوں بالغ ہیں اور دونوں ہی غیر شادی شدہ ہیں۔ اپنے بستر بالکل قریب لگاتے ہیں اور ان سے کہا جائے تو کہتے ہیں نعوذ باللہ ہماری نیت ایسی نہیں۔ مانا کہ نیت ٹھیک ہے لیکن جگہ ہونے کے باوجود بستر کا فاصلہ کتنا ہونا چاہئے اسکی کیا حد مقرر ہے اگر بالفرض جگہ کی مجبوری ہے کہ ایک کمرہ اور دالان ہے یا صرف ایک ہی کمرہ ہے تو ایسی حالت میں بھائی بہن یا باپ بیٹی کے سونے کے آداب کیا ہیں۔ حالانکہ سورۂ نور کی آیت کا مطلب یہ ہے "جب بچے بلوغ کو پہونچ جائیں تو اُن کے بستر الگ کردو"۔ تو بھائی بہن بڑے ہو جائیں یا باپ بیٹی (بالغ) ہو تو کیا آداب ہیں۔ آیت کی تشریح حدیث و فقہ سے توضیح فرمایئے۔

جواب

جوان بہن بھائیوں کو پلنگ سے پلنگ ملا کر سونا احتیاط و مصلحت کے قطعی طور پر خلاف ہے جو بہن بھائی ایک دوسرے کے اتنے قریب سوتے ہوں کہ وہ کسی بھی وقت کسی فتنہ کا شکار ہو سکتے ہیں۔ اگر کسی مکان میں کمرہ یا دالان ایک ہی ہو تو لڑکوں کو باپ کے پاس اور لڑکیوں کو ماں کے برابر میں سونا چاہیئے یہ طریقہ غلط ہوگا کہ والدین تو ایک جگہ لیٹ جائیں اور جوان بہن بھائیوں کو ایک طرف ڈال دیں۔ ویسے بھی جس گھر میں جوان بچے اور بچیاں موجود ہوں وہاں ماں باپ کا الگ تھلگ سونا شرم و حیا کے منافی ہے البتہ کسی خاص مجبوری کی وجہ سے اگر بہن بھائی ایک کمرہ یا ایک دالان میں سونے پر مجبور رہیں تو پھر ان کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ وہ اپنے بستروں کے درمیان کم از کم تین گز کا فاصلہ ضرور رکھیں پٹی سے پٹی ملا کر سونا کسی طرح مناسب نہیں۔

سلام کرتے وقت ہاتھ کا اشارہ کرنے کی شرعی حیثیت

سوال شاہد احمد چودھری، تماپور

ہمارے گاؤں کے لوگوں کا کہنا ہے کہ سلام کرتے وقت ہاتھ اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ کیا یہ صحیح کہتے ہیں اور سلام کا جواب دینے والے کے لئے ہاتھ اٹھانا ضروری ہے یا نہیں ؟

جواب

آپ کے گاؤں کے لوگ ٹھیک ہی کہتے ہیں سلام کرتے وقت ہاتھ اُٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں، البتہ اگر کچھ فاصلے سے سلام کیا جائے تو ہاتھ کا اشارہ بھی کر دینا چاہئے تاکہ جسکو سلام کیا جارہا ہے اگر اس تک آواز نہ پہنچے تو وہ ہاتھ کے اشارہ کا جواب اپنے ہاتھ کے اشارہ سے دیدے۔

مدمقابل اگر قریب ہو تو پھر سلام کرنے میں ہاتھ کے اشارہ کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ بلکہ بعض ارباب احتیاط کے نزدیک زبان سے سلام کرتے وقت ہاتھ کے اشارہ کو ضروری سمجھنا منجملۂ بدعت ہے۔

کافر کی موت پر فی نارِ جہنم کہنا

سوال ایضاً

یہاں کافر کی موت پر لوگ "فی نارِ جہنم" کہتے ہیں کیا یہ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ کافر کی موت پر "فی نارِ جہنم" کہنا چاہیئے ؟

جواب ہماری نظر سے ایسی کوئی روایت نہیں گذری کہ کافر کی موت پر "فی نارِ جہنم" کے الفاظ کہے جائیں۔

یہ ٹھیک ہے کہ کافر مرتے ہی دوزخ میں چلا جاتا ہے اور قانون مذہب کی رُو سے اس کی نجات کا کوئی راستہ نہیں لیکن ہر کافر کی موت واقع ہونے پر "فی نارِ جہنم" کے الفاظ

کہنا ضروری ہے یا نہیں اس بارے میں ہماری معلومات صفر کے برابر ہیں۔ ویسے ہماری اپنی رائے یہ ہے کہ اسلام جیسے پسند مذہب سے یہ بات متوقع نہیں ہے کہ وہ مجرمین کی عقوبت پر آوازے کسنے کی تلقین کرے گا۔

اسلام اور دنیا کے خالق کا مزاج یہ ہے کہ وہ گنہگار بندوں کو خود تو جو چاہے سزا دے لیتے ہیں لیکن یہ گوارہ نہیں کر سکتے کہ دوسرے لوگ ان پر تنقید و ملامت کے پتھر اچھالیں اور ان کے پسماندگان کو ذہنی اذیت پہنچائیں۔ ہمارے خیال میں اسلام کفار کی موت پر "فی نار جہنم" کہنے کی تلقین نہیں کر سکتا، اگر یہ خیال غلط ہو تو اللہ ہمیں معاف کرے۔ اس سلسلہ میں آپ کسی اور سے بھی رجوع کریجئے۔

رفع یدین ضروری ہے یا غیر ضروری

سوال: ایضاً

نماز میں (رکوع میں جاتے وقت اور رکوع کرا ٹھتے وقت) رفع یدین کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب:

احناف کے نزدیک ضروری نہیں ہے اور شوافع اور غیر مقلدین کے نزدیک ضروری ہے دلائل دونوں ہی کے پاس ہیں۔ لہٰذا امن و خیر اسی میں ہے کہ نماز پڑھنے والا اگر غیر مقلد ہے یا شافعی مسلک سے تعلق رکھتا ہے تو کسی بحث میں الجھے بغیر رفع یدین کرنا چاہیئے اور اگر وہ مسلک احناف کی پیروی کرتا ہے تو پھر اسے رفع یدین کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ احناف کے نزدیک رفع یدین کا حکم منسوخ ہو چکا تھا۔

خواہ مخواہ کا اعتراض

سوال: حافظ رشید احمد بنگلور

"ذہنی عیاشی کا ایک نمونہ" کے عنوان سے ایک سوال کیا گیا ہے (شمارہ فروری، صفحہ ۳۰) سائل ڈاکٹر سہیل اعظمی ہیں۔

حضرت مولانا الیاسؒ کے والد بزرگوار کے سلسلہ میں ایک واقعہ کسی تبلیغی مقرر نے بیان کیا ہے۔ واقعہ اپنے سیاق و سباق کے اعتبار سے نہایت غلط ہے، اس غلط واقعے کو بلا تحقیق نقل کرنا صحافتی دیانتداری کے خلاف سمجھتا ہوں۔ کم از کم تبلیغی جماعت کے ذمہ دار علماء سے تحقیق کرنا چاہیئے تھا۔ یا تبلیغی جماعت کی کسی مستند کتاب کے حوالے سے بات پیش ہوتی تو آپ کو تنقید کا حق تھا محض کسی عامی آدمی کے ایک غیر ذمہ دار قول کو آپنے اپنے رسالہ میں شائع کر کے میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے کوئی اچھی مثال پیش نہیں کی ہے۔ اس طرح تبلیغی جماعت کے کاز کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ کسی دینی جماعت کا نقصان دراصل ہمارا ہی نقصان ہے۔

جواب:

آپ کی بات سو فیصدی درست ہے کہ کسی دینی جماعت پر تنقید کرنا اس کے کاز کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہے اور ہر دینی جماعت کا نقصان اپنا ہی نقصان ہے۔ لیکن یہ بات صرف ہمارے لئے نہیں بلکہ دنیا کی ساری جماعتوں کے لئے ہے جس میں تبلیغی جماعت بھی شامل ہے، تبلیغی جماعت کے سربراہوں کی طرف سے جب فتنۂ مودودیت جیسی پوچ اور لچر کتابیں شائع کی جائیں اور جماعت اسلامی جیسی حق پرست جماعت کو نقصان پہنچے تو آپ جیسے لوگوں کو کوئی احساس تک نہیں ہوتا۔ آپ تبلیغی بقراطوں کو یہ سمجھانے کی کوشش نہیں کرتے کہ فتنۂ مودودیت وغیرہ جیسی کتابیں چھاپنے سے ایک دینی جماعت کو نقصان پہنچے گا جو دراصل اپنا ہی نقصان ہے، لیکن اگر کوئی تبلیغی جماعت کے بارے میں ایک حرف بھی زبان سے نکال دے تو آپ جیسے "مصلحین امت" یہ درس عام دینا شروع کر دیتے ہیں کہ دینی جماعت پر تنقید کرنا دینی جماعت کی جڑیں کھودنے کے برابر ہے اور

...ی دینی جماعت کی جڑیں کھودنے سے خود اپنی بنیاد یں
...کھلی ہوتی ہیں۔

اب رہی اس واقعہ کی بات جو ڈاکٹر سہیل صاحب
...نے ہمیں لکھ کر بھیجا تھا۔ اور فروری کے شمارہ میں جس کا ہمنے
...اب دیا ہے، اس سلسلہ میں یہ عرض ہے کہ کسی بھی مفتی
...ادیر یہ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی کہ وہ ہر سائل کے
...نقل کردہ واقعات کی چھان بین کرتا پھرے اور اس کے
...بعد جواب دے۔

واقعہ صحیح ہے یا غلط، مبنی بر وقوع ہے یا من گھڑت
...اس کی تمام تر ذمہ داری صرف اور صرف سائل کی گردن
...پر آتی ہے اور وہی قیامت کے دن حساب دہ ہوگا۔

ہمارا فرض تو بس یہ ہے کہ جو کچھ نقل ہوکر ہمارے پاس
...آئے ہم اس پر یقین کر کے جواب سپرد قلم کر دیں۔ اگر سوال
کے اندر جھوٹ کی آمیزش ہوگی تو جواب خود بخود باطل ہو جائیگا
کیونکہ جواب تو اسی سوال کا ہوتا ہے جو سائل نے قائم کیا ہے

ڈاکٹر سہیل صاحب کے نقل کردہ واقعہ کی تحقیق
کرنے کی ضرورت ہم نے اس لئے بھی محسوس نہیں کی کہ تبلیغی
جماعت کے اکثر مقررین کا عالم یہ ہے کہ جب تک وہ اپنے
نفس جیبوں کے کچھ فلک بوس واقعات نہیں سنا دیتے
اس وقت تک انھیں چین ہی نہیں آتا، پھر تبلیغی جماعت کے
لوگ روایات اور واقعات و قصص بیان کرنے میں جس
درجہ غیر ذمہ دار اور غیر محتاط واقع ہوئے ہیں وہ کسی صاحب خبر
نظر سے پوشیدہ نہیں۔

ان مسلمہ حقائق کے ہوتے ہوئے اگر ڈاکٹر سہیل صاحب
کے نقل کردہ واقعہ پر ہمیں یقین آگیا تو اس میں کونسی خلافِ
عقل بات ہوگئی۔ ہم خود ان لوگوں کی زبانوں سے ایسی
عجیب و غریب باتیں سنتے رہتے ہیں کہ از راہ عقیدہ جن کو
جھٹلائے نہ بنے۔

ہمارا خیال تو یہ ہے کہ آپ تبلیغی جماعت کے ذمہ داروں
کو متنبہ کریں اور سمجھائیں کہ روایات اور واقعات
بیان کرنے میں وہ حد درجہ احتیاط سے کام لیں اور

اور تقاریر میں لذت پیدا کرنے اور عوام کو مبہوت و متحیر
کرنے کے لئے ایسے واقعات نہ بیان کرتے پھرا کریں کہ
جن کا صداقت و سچائی سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا،
بزرگوں کی کراماتوں کا ذکر کرنا مفید اور مفید ترین ہی لیکن
کرامت بیان کرنے کے کچھ حدود ہونے چاہئیں۔ کراماتوں کا
کھلونا بنا لینا کراماتوں کے ساتھ مذاق بھی ہے، اور
کراماتوں کی توہین بھی۔

یاد رکھئے کہ کراماتوں کا انکار کر دینے والے مجرم سہی
لیکن اتنے بڑے مجرم نہیں جتنے بڑے مجرم وہ حضرات ہیں
جو جھوٹے سچے واقعات اپنے ذہن سے گھڑتے ہیں اور پھر
کراماتوں کا نام دیکر انھیں اپنے بزرگوں کے نام منسوب
کر دیتے ہیں۔

وہی الزام تراشی

سوال ع

رشید احمد صاحب شحنہ یادگیر

جماعت اسلامی کے بارے میں یہاں کے لوگوں کو چند
غلط فہمیاں ہیں ان لوگوں کا کہنا ہے کہ جماعت اسلامی
قرآن کے چند حصوں کے زیر اور زبر میں فرق کرتی ہے اسکی
وضاحت کیجئے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتائیے کہ جماعتِ
اسلامی ہند کے اغراض و مقاصد کیا ہیں۔

جواب ع

اس وقت جماعت اسلامی کے اغراض و مقاصد
پر تفصیلی روشنی ڈالنے کا موقع نہیں ہے مختصر یہ سمجھیے کہ
جماعت اسلامی ساری دنیا میں اللہ کے دین کو مضبوط اور
صاحب اقتدار دیکھنے کی خواہشمند ہے اس کی آرزو
ہے کہ معاشرہ میں بکھری ہوئی خرابیاں دور ہوں اور ہر طرف
اقامت دین اور اشاعت اسلام کی فصلیں لہلہا اٹھیں
جماعت اسلامی کی یہ آرزو اور یہ جذبہ قابل قدر اور قابل
انعام ہے نہ کہ سزاوار طنز و ملامت۔

کہنا ضروری ہے یا نہیں اس بارے میں ہماری معلومات صفر کے برابر ہیں ۔ ویسے ہماری اپنی رائے یہ ہے کہ اسلام جیسے امن پسند مذہب سے یہ بات متوقع نہیں ہے کہ وہ مجرمین کی عقوبت پر آوازے کسنے کی تلقین کرے گا ۔

اسلام اور دنیا کے خالق کا مزاج یہ ہے کہ وہ گنہگار بندوں کو خود تو جو چاہے سزا دے لیتے ہیں لیکن یہ گوارہ نہیں کر سکتے کہ دوسرے لوگ ان پر تنقید و ملامت کے پتھر اچھالیں اور ان کے پسماندگان کو ذہنی اذیت پہنچائیں ۔ ہمارے خیال میں اسلام کفار کی موت پر "فی نارِ جہنم" کہنے کی تلقین نہیں کر سکتا ، اگر یہ خیال غلط ہو تو اللہ ہمیں معاف کرے ۔ اس سلسلہ میں آپ کسی اور سے بھی رجوع کر لیجئے ۔

رفع یدین ضروری ہے یا غیر ضروری

سوال ۷ ایضاً

نماز میں (رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت) رفع یدین کرنا ضروری ہے یا نہیں ؟

جواب ۷

احناف کے نزدیک ضروری نہیں ہے اور شوافع اور غیر مقلدین کے نزدیک ضروری ہے دلائل دونوں ہی کے پاس ہیں ۔ لہٰذا امن و خیر اسی میں ہے کہ نماز پڑھنے والا اگر غیر مقلد ہے یا شافعی مسلک سے تعلق رکھتا ہے تو کسی بحث میں الجھے بغیر رفع یدین کرنا چاہیئے اور اگر وہ مسلک احناف کی پیروی کرتا ہے تو پھر اسے رفع یدین کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ۔ اس لئے کہ احناف کے نزدیک رفع یدین کا حکم منسوخ ہو چکا تھا ۔

خوامخواہ کا اعتراض

سوال ۸ حافظ رشید احمد بنگلور

"ذہنی عیاشی کا ایک نمونہ" کے عنوان سے ایک سوال کیا گیا ہے (شمارہ فروری ،، صفحہ ۳۰) سائل ڈاکٹر سہیل اعظم ہیں ۔

حضرت مولانا الیاسؒ کے والد بزرگوار کے سلسلہ میں ایک واقعہ کسی تبلیغی مقرر نے بیان کیا ہے ۔ واقعہ اپنے سیاق و سباق کے اعتبار سے نہایت غلط ہے ، اس غلط واقعے کو بلا تحقیق نقل کرنا صحافتی دیانتداری کے خلاف سمجھتا ہوں ۔ کم از کم تبلیغی جماعت کے ذمہ دار علماء سے تحقیق کرنا چاہیئے تھا ۔ یا تبلیغی جماعت کی کسی مستند کتاب کے حوالے سے بات پیش ہوتی تو آپ کو تنقید کا حق تھا مجھے کسی عامی آدمی کے ایک غیر ذمہ دار قول کو آپنے اپنے رسالہ میں شائع کر کے میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے کوئی اچھی مثال پیش نہیں کی ہے ۔ اس طرح تبلیغی جماعت کے کاز کو نقصان پہنچ سکتا ہے ۔ کسی دینی جماعت کا نقصان دراصل ہمارا ہی نقصان ہے ۔

جواب ۸

آپ کی بات سو فیصدی درست ہے کہ کسی دینی جماعت پر تنقید کرنا اس کے کاز کو نقصان پہنچانے کے مترادف اور ہر دینی جماعت کا نقصان اپنا ہی نقصان ہے ۔ لیکن یہ بات صرف ہمارے لئے نہیں بلکہ دنیا کی ساری جماعتوں کے لئے ہے جس میں تبلیغی جماعت بھی شامل ہے ، تبلیغی جماعت کے سربراہوں کی طرف سے جب فتنۂ مودودیت جیسی پوچ اور لچر کتابیں شائع کی جائیں اور جماعت اسلامی جیسی حق پرست جماعت کو نقصان پہنچے تو آپ جیسے لوگوں کو کوئی احساس تک نہیں ہوتا ۔ آپ تبلیغی بقراطوں کو یہ سمجھانے کی کوشش نہیں کرتے کہ فتنۂ مودودیت وغیرہ جیسی کتابیں چھاپنے سے ایک دینی جماعت کو نقصان پہنچے گا جو دراصل اپنا ہی نقصان ہے ، لیکن اگر کوئی تبلیغی جماعت کے بارے میں ایک حرف بھی زبان سے نکال دے تو آپ جیسے "مصلحین امت" یہ درسِ عام دینا شروع کر دیتے ہیں کہ دینی جماعت پر تنقید کرنا دینی جماعت کی جڑیں کھودنے کے برابر ہے اور

ی دینی جماعت کی جڑیں کھودنے سے خود اپنی بنیاد یں
و کھلی ہوتی ہیں ۔

اب رہی اس واقعہ کی بات جو ڈاکٹر سہیل صاحب
ہمیں لکھ کر بھیجا تھا ۔ اور فروری کے شمارہ میں جس کا ہمنے
اب دیا ہے ، اس سلسلہ میں یہ عرض ہے کہ کسی بھی مفتی
ادیر یہ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی کہ وہ ہر سائل کے
ل کردہ واقعات کی چھان بین کرتا پھرے اور اس کے
جواب دے ۔

واقعہ صحیح ہے یا غلط ، مبنی بر وقوع ہے یا من گھڑت
س کی تمام تر ذمہ داری صرف اور صرف سائل کی گردن
آتی ہے اور وہی قیامت کے دن حساب دہ ہوگا ۔

ہمارا فرض تو بس یہ ہے کہ جو کچھ نقل ہوکر ہمارے پاس
ے ہم اس پر یقین کرکے جواب سپرد قلم کردیں ۔ اگر سوال
اندر جھوٹ کی آمیزش ہوگی تو جواب خود بخود باطل ہو جا
نکہ جواب تو اسی سوال کا ہوتا ہے جو سائل نے قائم کیا ہے
ڈاکٹر سہیل صاحب کے نقل کردہ واقعہ کی تحقیق ..
نے کی ضرورت ہم نے اس لیے بھی محسوس نہیں کی کہ تبلیغی
عت کے اکثر مقررین کا عالم یہ ہے کہ جب تک وہ اپنے
شرجیوں کے کچھ فلک بوس واقعات نہیں سنا دیتے
س وقت تک انھیں چین ہی نہیں آتا ، پھر تبلیغی جماعت کے
ب روایات اور واقعات و قصص بیان کرنے میں جس
حد غیر ذمہ دار اور غیر محتاط واقع ہوئے ہیں وہ کسی صاحب
رسے پوشیدہ نہیں ۔

ان مسلمہ حقائق کے ہوتے ہوئے اگر ڈاکٹر سہیل صاحب
نقل کردہ واقعہ پر ہمیں یقین آگیا تو اس میں کونسی خلاف
ل بات ہوگئی ۔ ہم خود ان لوگوں کی زبانوں سے ایسی
یب و غریب باتیں سنتے رہتے ہیں کہ از راہ عقیدہ جن کو
ٹلائے نہ بنے ۔

ہمارا خیال تو یہ ہے کہ آپ تبلیغی جماعت کے ذمہ داروں
متنبہ کریں اور سمجھائیں کہ روایات اور واقعات
ن کرنے میں وہ حد درجہ احتیاط سے کام لیں اور
اور تقاریر میں لذت پیدا کرنے اور عوام کو مبہوت و متحیر
کرنے کے لئے ایسے واقعات نہ بیان کرتے پھرا کریں کہ
جن کا صداقت و سچائی سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا ،
بزرگوں کی کرامتوں کا ذکر کرنا مفید اور مفید ترین ہی لیکن
کرامت بیان کرنے کے کچھ حدود ہونے چاہئیں ۔ کرامتوں کا
کھلونا بنا لینا کرامتوں کے ساتھ مذاق بھی ہے ، اور
کرامتوں کی توہین بھی ۔

یاد رکھئے کہ کرامتوں کا انکار کر دینے والے مجرم سہی
لیکن اتنے بڑے مجرم نہیں جتنے بڑے مجرم وہ حضرات ہیں
جو جھوٹے سچے واقعات اپنے ذہن سے گھڑتے ہیں اور پھر
کرامتوں کا نام دیکر انھیں اپنے بزرگوں کے نام منسوب
کر دیتے ہیں ۔

وہی الزام تراشی

سوال ع

رشید احمد صاحب شحنہ یادگیر

جماعت اسلامی کے بارے میں یہاں کے لوگوں کو چند
غلط فہمیاں ہیں ان لوگوں کا کہنا ہے کہ جماعت اسلامی
قرآن کے چند حصوں کے زیر اور زبر میں فرق کرتی ہے اسکی
وضاحت کیجئے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتائیے کہ جماعت
اسلامی ہند کے اغراض و مقاصد کیا ہیں ۔

جواب ع

اس وقت جماعت اسلامی کے اغراض و مقاصد
پر تفصیلی روشنی ڈالنے کا موقع نہیں ہے مختصر یہ سمجھیے کہ
جماعت اسلامی ساری دنیا میں اللہ کے دین کو مضبوط اور
صاحب اقتدار دیکھنے کی خواہشمند ہے اس کی آرزو
ہے کہ معاشرہ میں بکھری ہوئی خرابیاں دور ہوں اور ہر طرف
اقامت دین اور اشاعت اسلام کی فصلیں لہلہا اٹھیں
جماعت اسلامی کی یہ آرزو اور یہ جذبہ قابل قدر اور قابل
انعام ہے نہ کہ سزاوار طنز و ملامت ۔

رہی یہ بات کہ وہ قرآن حکیم کے بعض حصوں پر زیر وزبر بدلنے کی قائل ہے تو یہ الزام سرتاپا مضحکہ خیز ہے زیر و زبر کی غلطیاں کاتبوں سے ہو ہی جاتی ہیں اور کوئی قرآن ایسا نہیں کہ جس میں ایک آدھ ایسی غلطی باقی نہ رہ گئی ہو۔ ان غلطیوں کو پکڑ کر بیٹھ جانا اور ان کو بطور برہان استعمال کرکے جماعت اسلامی کو بدنام کرنا مسخروں کا شیوہ تو ہو سکتا ہے اُن مَردوں کا نہیں جن میں سنجیدگی کی خوبو موجود ہو۔

قادیانی، شیعہ اور اہل قرآن قسم کے لوگ جب قرآن حکیم کے الفاظ ومفاہیم میں زمین و آسمان کی تبدیلی کر دیں تو کسی کی نیند حرام نہیں ہوتی اور اگر جماعت اسلامی کے چھاپے ہوئے قرآنوں میں کتابت ہی کی غلطیاں رہ جائیں تو بعض من چلے قسم کے مسلمانوں کی رگ تعصب پھڑک اٹھتی ہے اور وہ جب تک جماعت اسلامی کو کچھ نئے الزامات عطا نہیں کر دیتے اس وقت تک نہ ان کی روٹی ہضم ہوتی ہے نہ کسی عبادت ہی میں جی لگتا ہے، یہ جواب اس صورت میں ہے جب جماعت اسلامی کے چھاپے ہوئے قرآنوں میں زیر و زبر کی غلطیاں ثابت کر دی جائیں۔

لیکن ہمارا اپنا خیال یہ ہے کہ جماعت اسلامی کے لوگ زیر و زبر کی غلطیوں کے سلسلہ میں بھی کافی سے زیادہ محتاط رہتے ہیں اور انکی چھاپی ہوئی کتب اور تفاسیر وغیرہ میں جو آیتیں نقل کی جاتی ہیں ان میں کتابتی اغلاط برائے نام بھی نہیں ہوتیں۔

الزام و اتہام لگانے والوں کو مواخذۂ آخرت سے ڈرنا چاہیئے۔ بشرطیکہ مواخذۂ آخرت پر ان کو یقین کامل ہو اور ان کی مسلمانیت صفر دکھاوے کی... مسلمانیت نہ ہو۔

فریب کاری اور امامت

سوال:- از ندیم اختر جمشید پور

میں نے بماہ اپریل ۷۷ء ایک تفصیلی خط مقامی امام جناب ضیاء الحق کے بارے میں لکھا تھا کہ انھوں نے کس طرح نومسلمانوں کو جماعت اسلامی کا ممبر بتاکر گرفتار کرایا اور پھر مسجد میں قسم کھائی کہ اسمیں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں میں نے آپ سے سوال کیا تھا کہ آیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟

اسکے جواب میں ایک کارڈ مورخہ ۱۹؍اپریل ۷۷ء کا آپکا لکھا ہوا موصول ہوا، جس میں آپ نے تحریر کیا تھا کہ انشاء اللہ اس کا جواب تجلی کے مئی کے شمارہ میں دیا جائیگا۔

لہٰذا ہم لوگ منتظر تھے کہ جلد سے جلد مئی ۷۷ء کا تجلی آئے لیکن مئی کا شمارہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ اسمیں ہم لوگوں کے مسئلہ کا جواب نہ شائع ہو سکا کیونکہ ایسا ہوا اسکو آپ ہی اچھی طرح جان سکتے ہیں؟ ہم لوگ اب بھی امید لگائے ہوئے ہیں۔

جواب:-

انتہائی افسوس وندامت کے ساتھ یہ عرض کرنا پڑ رہا ہے کہ آپکا مکتوب کہیں کاغذات میں رل گیا تھا۔ جسکی وجہ سے وعدہ کر لینے کے باوجود جواب کی نوبت نہ آسکی۔ ہمیں اپنی کوتاہی پر شرمندگی ہے اور ہم آپ سے معافی کے طلبگار ہیں۔

آپ کے سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ ضیاء الحق صاحب جیسے لوگ کذاب اور فریبکار لوگوں کی صف میں آتے ہیں فریبکار اور جھوٹے لوگ قطعاً اس قابل نہیں ہوسکتے کہ انھیں امامت کا عہدہ سونپا جائے لیکن کیا کیا جائے امتِ مسلمہ پر جب سے جمود اور بےحسی چھائی ہے اسے اس بات کی تمیز ہی نہیں رہی کہ ہم جسکے پیچھے پنجگانہ ادا کر رہے ہیں وہ نماز پڑھانے کا اہل بھی ہے یا نہیں۔ ضیاء الحق صاحب جیسے متعصب لوگ دنیا تو شاید اپنا مصلّٰی بچا سکتے ہیں سیاست و تعلقات کی وجہ سے لیکن میدانِ حشر میں کوئی جواب ایسے لوگوں سے نہیں بن پڑیگا۔ اللہ ایسے لوگوں کی حفاظت کرے اور انھیں اس دنیا میں اپنے افعال پر نظرِ ثانی کرنے کی توفیق دے۔ اس سے زیادہ اور کیا کہیں۔

خطوط ارسال کرتے وقت

اختصار سے کام لیا کریں۔ طویل خطوط باعثِ کوفت بن جاتے ہیں

(ایڈیٹر)

شمس نوید عثمانی

ماہِ صیام پر نگاہِ واپسیں

رمضان المبارک بھی یوں تو دیکھنے میں سال کے بارہ
ںوں میں سے ایک مہینہ ہے۔ لیکن درحقیقت اگر ایمان
ین کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ مہینہ صرف تیس یا انتیس
ب و روز کے مجموعہ کا نام نہیں، اس کے سوا اور بھی کچھ ہے
سچائی اور ہدایت کو انسانیت کا ماحصل اور اس فانی زندگی
قیقی سرمایہ تسلیم کر لیا جائے تو یہ مہینہ اسی دولت کا لامحدود
زانہ ہے۔ ذرا سی دیر کے لئے ایک ایسی دنیا کا تصور فرمایئے
س میں سب کچھ ہو مگر "قرآن" نہ ہو! —— قرآن
—— جو حقیقت کا واحد مینارۂ نور ہے ——
ن جو ظن وتخمین اور اندیشۂ گمان کی آوارہ خیالیوں کی تاریک
ل بھلیاں سے نکلنے کا واحد اور قطعاً واحد راستہ ہے ——
ن جو حیات وکائنات کے بنانے والے، پالنے والے خدا کا
ی پیغام ہے جس کی روشنی میں انسان اپنی کھوئی ہوئی جنت کی طرف
ر سکتا ہے۔ اپنی زندگی کا مقصد، راہِ عمل اور منزل مقصود
تین مکمل اذعان ویقین کے ساتھ کر سکتا ہے —— اگر
ن موجود نہ ہوتا تو بڑی سی بڑی عبادتیں اور سخت سے سخت
ضتیں انسان کو آنکھوں اور کانوں اور قلوب کے باوجود
ا بہرہ اور بے حس ہونے سے نہ بچا سکتیں۔ زندگی صبح و
م اور صبح و شام کے گھسے پٹے معمولات سے ابھرتی اور
ی کی موہیں دفن ہو کر رہ جاتی۔ سائنس اور فلسفہ کے دھارے
نیت کی کشتی کو اپنے تیز رو دھاروں سے ڈبو کر رکھ دیتے
اس موت کی دنیا سے باہر ایک ختم نہ ہونے والی زندگی کے "عالم
کا کوئی یقینی تصور ہمارے پاس ہرگز نہ ہوتا۔

اگر قرآن انسانیت کا واحد سرمایۂ حقیقت ہے
تو رمضان المبارک اس سرمایہ کا مخزن ہے۔ اسی مبارک مہینے
کے افق سے صدیوں کی سیاہ رات کا پردہ چاک ہوا تھا
اور ریگستان عرب کے اُمّی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ہونٹوں
پر اللہ کی آواز اُبھرتی ہوئی سنائی دی تھی۔ اسی مہینے کی وسعتوں
میں عرش اعظم سے حقائق کا نور اینٹ پتھر کی دنیا پر نازل ہوا
تھا اور خدا کا مقرب ترین فرشتہ اسی مہینے کے صبح و شام میں
آسمانوں سے زمین پر اتر کر ایک انسانِ صادق سے ہمکلام ہوا تھا
یہ عظیم ترین تاریخی واقعہ ہر سال رمضان المبارک کے پردۂ نور پر منعکس
ہوتا ہے اور ہر سال جنت سے نکالے ہوئے انسانوں کو خدا کی
جنت ابدی کی طرف اشارہ کر کے حقیقی زندگی کا شعور، لگن، حوصلہ
اور ولولہ عطا کرتا ہے لیکن کتنے "مسلمان" ہیں جو اس ماہِ صیام کی عظمت
کو پوری طرح محسوس کرتے ہیں؟ کتنے دل ہیں جو ہلالِ رمضان کو
دیکھ کر جذباتِ شوق سے دھڑک اٹھتے ہیں؟ کتنی آنکھیں ہیں
جو اس مہینے میں ندامت وانفعال کے گرم گرم آنسوؤں سے
بھیگ جاتی ہیں؟ کتنی زبانیں ہیں جو دل کی گہرائیوں سے اپنے
خدا کو پکارتی ہیں؟ کتنے دماغ ہیں جو اس ماہِ مبارک کے سائے
میں بیٹھ کر انسانی زندگی کے اس آخری "انجام" کے متعلق سوچتے
ہیں جو بنتا ہے تو زندگی طربیہ کہانی بن جاتی ہے اور بگڑ جاتا ہے تو
زندگی کی ساری تابانیاں ایک المناک ظلمت کے سانچے میں ڈھل کر
رہ جاتی ہیں۔؟ —— روزے کوئی گھسا پٹا
معمول نہیں۔ تقدیر کو بنانے کا ایک سنہری موقعہ ہیں جو سال کے
۳۶۵ دنوں میں چند دن کے لئے انسان کے ہاتھ آتا ہے،

ر پھر ایک سال یا ہمیشہ کے لئے ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔ اس
ے کہ کوئی نہیں جانتا اگلے رمضان المبارک کو پانے کے لئے
زمین پہ ہوگا یا زمین کی گہرائیوں میں منوں مٹی کے نیچے اس
ہڈیاں سُرمہ بن چکی ہوں گی۔ اس ماہِ مبارک کا لازوال
نفہ "قرآن" اس لئے نہیں کہ اس کے الفاظ کو کسی
تر کی طرح الاپ لیا جائے ـــــ اس کا ہر لفظ ہمیں
نیقت کا ایک شعور اور ہدایت کا ایک ٹھوس پیغام دیتا ہے
س کو پڑھنا اور پڑھ کر سمجھنا اور سمجھ کر دار و عمل میں جذب
رنا ہماری نجات و فلاح کے لئے لازم و ناگزیر ہے۔ اب
لہ "ماہِ صیام" کا یہ سنہری موقعہ ہمارے ہاتھ سے نکل رہا ہے
ـــــ ہمیں اپنی پیش کش، اپنا عظیم تحفہ، لازوال یادگار دیکر
ا رہا ہے اور وہ ہے کتاب اللہ۔ اس لئے اگر ہم نے بدقسمتی سے
س ماہِ مقدس کی برکات سے اپنا حصہ حاصل نہیں کیا تو "قرآن"
کے صفحات میں اپنی محرومی کا نعم البدل تلاش کر سکتے ہیں۔ ایک
بار اللہ کے بندے اور آخری رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے
صحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا
تھا :-

"لوگو! ـــــ جس طرح لوہے کو زنگ لگ جاتا ہے
آدمی کے دل کو بھی زنگ لگ جاتا ہے" ـــــ صحابہؓ نے
یہ بات سنی تو فکر و تشویش کے گہرے جذبات نے ان کے دل و
دماغ کو متزلزل کر دیا۔ انھوں نے انتہائی درد و اضطراب کے
ساتھ اس روحانی زنگ خوردگی کا علاج دریافت کیا۔
آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس مہلک ترین مرض کے لئے
دو دوائیں تجویز فرمائی تھیں ـــــ "موت کی بکثرت
یاد اور اللہ کی کتاب کی زیادہ سے زیادہ تلاوت"

قرآنِ کریم کے الفاظ قلبِ انسانی کے زنگ کو کس حد تک
کھرچ سکتے اور دل کی مردہ دھڑکنوں میں زندگی کی سنسنی کس حد
تک پیدا کر سکتے ہیں اور اس کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے تاریخ کے
اوراق اُلٹ کر دیکھئے۔ عرب کے سنگدل ترین کافر جن کے دلوں پر
کفر و شرک کے زنگ کی انتہائی جامد تہیں چڑھی ہوئی تھیں، اور
جو کبھی اس مہلک مرض سے شفا نہ پا سکے اور کفر کی موت مرے

ان پر بھی قرآن اثر کرتا تھا۔ یہ اثر کوئی معمولی اثر نہ تھا تاثر کا ایک
طوفانی اثر تھا جو آن کے پورے وجود کو مرتعش کر کے رکھ دیتا تھا
یہ دوسری بات ہے کہ حقیقت کی جھلکی محسوس کرنے کے بعد بھی
ہدایت صرف ان کو ملی جن کی طرف رحمتِ خداوندی کی نگاہ اٹھ گئی
ـــــ اس لئے کہ "ہدایت" وہ آخری نعمت ہے
جو خدا ہی اپنے ہاتھ سے انسان کو عطا کرتا ہے۔ کفر کی حالت
میں جب قرآن نے انسان پر یہ اثر کیا تھا تو اسلام کی حالت
میں اس کا اثر کتنا گہرا اور ہمہ گیر ہونا چاہیئے اس کا پورا اندازہ
لگانا ممکن نہیں۔ ہاں طلب اور جستجو کی ٹیس لئے ہوئے قرآن کی
طرف بڑھ کر دیکھئے تو یہ بات تجربہ سے ثابت ہو جائے گی۔

قرآن نے انسانی قلوب پر ان کے کفر و شرک کی بدترین
کیفیت میں کیسا کیسا اثر کیا ہے اس کا ہلکا سا اندازہ کرنے
کے لئے چند واقعات کی تاریخی جھلک دیکھئے۔

دار الندوہ کی تاریخی عمارت میں کفر و باطل کی قوتوں کا ایک
تاریخی اجتماع ہو رہا تھا۔ زیرِ غور تجویز یہ تھی کہ قرآن اور حاملِ
قرآن محمد عربی صلعم فداہ روحی کا مقابلہ کرنے کے لئے شعر و ادب
اور فصاحت و بلاغت کی طاقت استعمال کر کے دیکھی جائے۔
نگاہِ انتخاب، عتبہ بن ربیعہ پر پڑی جو کفر کی صفوں میں شعر و
سخن کی ممتاز صلاحیتوں کا مالک تھا۔ یہ شخص جارحانہ ذہنیت
اور غیظانہ مقابلہ کے جذبات لئے ہوئے رسول کریم صلے اللہ
علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور اس بات کی بھرپور کوشش
کی کہ لفاظی اور سطحی استدلال کے اوچھے ہتھیاروں سے
زبانِ وحی ترجمان پر بازی لیجائے۔ جب کافر سب کچھ کہہ چکا
اور سب ہتھیار استعمال کر چکا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
جواب تک خاموشی سے سُن رہے تھے خدا کی کتاب کی چند
مخصوص آیات انتہائی دردناک آواز میں تلاوت فرمانے
لگے۔ خدا کا رسول خدا کے الفاظ میں شیطانی ہیرو کو جواب
دے رہا تھا۔ اللہ کی کتاب کے الفاظ اور رسولِ خدا کی دلگداز
آواز نے مل کر سنگدل کافر کے زنگ خوردہ دل پر یہ اثر کیا کہ
وہ بت کی طرح ساکت و صامت کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ بیکشش
بیداری کی حالت میں ہوش و حواس پر سکتے کی سی کیفیت طاری تھی

در قرآن کے الفاظ کا زیر و بم اس پتھر کی رگ و پے میں رقت سنسنی کی لہر دوڑاتا چلا جا رہا تھا۔ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس مقام پر پہنچے جہاں قرآن سے یہ جلال آمیز ملکا بلند ہو رہی تھی کہ ——— پس اگر یہ لوگ اعراض و روگردانی کریں تو کہدے کہ میں تمہیں ایک ایسی گرج سے ڈراتا ہوں جیسی عاد و ثمود کے سروں پر گرج چکی ہے" ———
تو عتبہ کے ضبط کا پیمانہ چھلک گیا وہ پاگلوں کی طرح آگے بڑھا اور شدید بدحواسی کے عالم میں آنحضرت کے منھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے پکار اٹھا ——— "بس! بس کر اے محمد! (صلعم) میرے حال پر رحم کر ——— اتنا نہ ستا یا!"

عتبہ کی اس وارفتگی و سراسیمگی کی خبر مکہ کے گلی کوچوں میں پھیل گئی ——— ابوجہل بوکھلایا ہوا عتبہ کے پاس پہنچا اور کہا "کیا تو بھی مسحور ہو گیا ہے؟ کیا تو بھی دین آبائی سے پھر گیا؟"

عتبہ جس کے کانوں کے پردے اب تک اسی گرج کی وعید سے جھنجھنا رہے تھے۔ خوف زدہ آواز میں بولا "میں کچھ نہیں جانتا کہ مجھے کیا ہو رہا ہے؟ ———
اے ابوجہل: محمدؐ کی آواز میں ایک خوفناک خبر کی دھمک سنی ہے میں نے ——— اور مجھے کچھ یاد نہیں۔ وہ ہمیں عاد و ثمود کی کڑک کا خوف دلاتا ہے میں ہرگز دین آبائی سے نہیں پھرا ——— مگر میں کیا کروں کہ محمد (صلعم) کی آواز نے میرے دل کو ہلا کر رکھدیا ہے" ———

ایک بار مغیرہ کا بیٹا ولید ——— سرغنہ کافر قرآن کی زد میں آیا ——— رسول خدا کتاب اللہ کی تلاوت کرتے جاتے تھے اور ولید پر سر سے پاؤں تک ایک شدید کپکپی دوڑ رہی تھی ضبط کی ناکام کوشش کے بند ٹکڑے ہوئے اور کفر و طغیان کا یہ ہٹ دھرم شیطان قرآن کے آگے رو پڑا۔

ولید جو رجزیہ شاعری اور قصیدہ گوئی میں ماہر تھا قرآن سے ٹکرانے کا حوصلہ لے کر آیا تھا۔ مگر اس کا پتھریلا احساس بھی قرآن کی لطیف چوٹ کی تاب نہ لاسکا۔

خدا اور محمد عربیؐ اور قرآن کا جانی دشمن قرآن کے آستانے پر شکست و ہزیمت کے بیشمار آنسو ٹپکا رہا تھا۔ یہ حقیقت کی آواز تھی جو پتھر کو پگھلائے دے رہی تھی۔ یہ قرآن تھا جو کافر کو رُلائے دے رہا تھا۔ ابوجہل نے جب ولید سے اس ردِ عمل کی توجیہہ معلوم کی تو اس نے جواب دیا کہ "میں بددین نہیں ہوا مگر یہ محمدؐ کے ہونٹوں سے جو آواز سنائی دے رہی ہے میں اس کی تاب نہیں لاسکا! ——— اس آواز میں سوز ہے ——— میٹھا میٹھا درد ہے۔

وحشی جنھوں نے حالتِ کفر میں حضرت امیر حمزہ کا کچا کلیجہ چبایا تھا ان کے آقا جبیر مطعم ابھی کفر کی حالت میں تھے کہ اسیرانِ بدر کا فدیہ ادا کرنے کے لئے اللہ کے رسولؐ کے پاس آئے یہ وہ وقت تھا جب ایک انتہائی خوں آشام کفران کے دل میں اسلام کے خلاف نفرت کی بھٹیاں دہکا رہا تھا لیکن نفرت و انتقام کی آگ میں جلتا ہوا "دشمن" جب رسول کریمؐ کے پاس پہنچا تو یہ دیکھا کہ آپ خدائے ذوالجلال کے آگے ہاتھ باندھے ہوئے قرآن پاک کی تلاوت میں محو ہیں خشوع خضوع سے کانپتی ہوئی پُرسوز آواز خدا کا آخری پیغام نشر کر رہی تھی ——— جبیرؓ کہتے ہیں کہ میں اس آواز کو سُنکر کفر کی حالت میں سراپا درد و اضطراب بنا ہوا کھڑا تھا۔ ——— آپ قرآن پڑھ رہے تھے اور میں دل تھامے ہوئے یہ محسوس کر رہا تھا کہ درد کی شدت سے میرا دل اب پھٹا ——— بس اب پھٹا! ———

تاریخ اسلام کے یہ چند واقعات اس حقیقت کو سمجھانے کیلئے کافی ہیں کہ قرآن میں ایک بے پناہ تاثیر ہے ——— ایک زبردست اثر ہے ——— ایک عظیم قوت ہے جو سینوں کی گہرائیوں میں، گوشت کے دلوں میں، درد و گداز کی بجلیاں کوٹ دیتی ہیں ——— لیکن کیا ہوا آج ہمارے دل اسلام و ایمان کی حمایت میں بھی قرآن کو سُنکر گریۂ دردناک کی توفیق نہیں پاتے! ——— ہم قرآن کو سینے سے لگائے ہوئے بھی یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ ہمارے

دلوں کو نہیں تجھو رہا ہے۔ اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ قرآن میں تو بیشک وشبہ اثر موجود ہے اس لئے کہ یہ وہی قرآن ہے جو آج سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے سرغنہ کفار تک کے دلوں کو ہلا دیتا تھا ——— قرآن میں بے شک بے پناہ اثر ہے، مگر ہمارے احساسات اور قرآن کے درمیان ایک نامعلوم دبیز پردہ ——— ایک "حجاب مستور" حائل ہو چکا ہے۔ اس خوفناک ظلمت کے نظر نہ آنے والے پردے کو چاک کئے بغیر ہم نہ رمضان سے مستفید ہو سکتے ہیں نہ قرآن سے فیضیاب۔ اس پردے کو چاک کرنے کے لئے ہمیں "زیغ قلب" کے مرض کو دور کرنے کیلئے رسولِ خدا کی تجویز کردہ یہی دوا استعمال کرنی ہوگی جو اپنی موت کی بکثرت یاد ہے۔ فریب زندگی کو توڑنے کے لئے اس دن کو بار بار یاد کیجئے جب ہم موت کے بستر پر پڑے ہوئے نہ جانے کسقدر تکالیف کے ساتھ دم توڑ رہے ہوں گے ——— جب دنیا ہمیں اٹھا کر زمین کی تہ میں پھینک رہی ہوگی اور ہماری آواز ہمیشہ کے لئے خاموش ہو چکی ہوگی ——— انسان خدا کا انکار کر سکتا ہے مگر موت کا انکار نہیں کر سکتا ——— موت پر ہر شخص ایمان رکھتا ہے ——— اسی ایمان سے چلئے اور آپ خود بخود قرآن پر ایمان کی منزل کو چھو لیں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔

اے خدا ہم پر قرآن کے صدقے رحم فرما! ———
اور اسکو ہمارے لئے مشعلِ راہ اور رحمت بنا دے! آمین۔

بقیہ: روزہ اور ضبطِ نفس

اس پر فرض کی ہو، ہر اس بھلائی کے لئے کوشش کر سکے جس میں خدا کی رضا ہو، ہر اس بُرائی سے رک سکے جو خدا کو ناپسند ہو، اور اپنی خواہشات و جذبات کو ان حدود کا پابند بنا کر رکھ سکے جو خدا نے اس کے لئے مقرر کر دی ہیں، اُس کی باگیں نفس کے قبضہ میں نہ ہوں کہ جدھر جدھر وہ چاہے اُسے کھینچے پھرے بلکہ عنانِ اقتدار اس کے اپنے ہاتھ میں رہے اور نفس کی جن خواہشوں کو جس وقت، جس حد تک پورا کرنے کی خدا نے اجازت دی ہے انھیں اسی ضابطہ کے مطابق پورا کرے۔ اس کا ارادہ اتنا کمزور نہ ہو کہ فرض کو فرض جانتا بھی ہو، ادا بھی کرنا چاہتا ہو مگر جسم پر اس کا حکم ہی نہ چلتا ہو۔ نہیں جسم کی مملکت میں وہ اس زبردست حاکم کی طرح رہے جو اپنے ماتحت عملہ سے ہر وقت اپنے حسبِ منشاء کام لے سکتا ہو۔ یہی طاقت پیدا کرنا روزے کا اصل مقصد ہے۔ جس شخص نے روزے سے یہ طاقت حاصل نہ کی اُس نے خواہ مخواہ اپنے آپ کو بھوک، پیاس اور رت جگے کی تکلیف دی۔

قرآن اور حدیث دونوں میں اس بات کو صاف صاف واضح کر دیا گیا ہے۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ روزے تم پر فرض اسلیے کیے گئے ہیں کہ تمہارے اندر تقویٰ کی صفت پیدا ہو۔ حدیث میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑا اس کا پانی اور کھانا چھڑوا دینے کی خدا کو کوئی حاجت نہیں۔ نیز حضور نے فرمایا:۔ بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جو روزہ سے بھوک پیاس کے سوا کچھ نہیں پاتے

قرآنی مراسلاتی کورس (اردو)

بذریعہ خط و کتابت ترجمۂ قرآن سیکھئے

کم وقت، کم خرچ اور کم محنت کے ساتھ کامیاب اور آزمودہ اسکیم

قرآن کریم کے الفاظ صرف تین ہزار بنتے ہیں جو بار بار آنے کی بنا پر اسی ہزار شمار کئے جاتے ہیں ۔ قرآن کریم کے ان تین ہزار بنیادی الفاظ میں بہت سے لفظ وہ جو اردو زبان میں کسی نہ کسی شکل میں بولے یا سمجھے جاتے ہیں ۔ اوسطاً ہر پارے میں پچاس ساٹھ نئے لفظ آتے ہیں جن کا یاد کرنا مشکل نہیں ہے ۔ بلاشبہ روزانہ آدھے گھنٹے کا وقت اگر آپ اس کام کے لئے فارغ کرلیں تو انشاء اللہ ایک قلیل مدت میں آپ قرآن کا ترجمہ سمجھنے پر قادر ہو سکتے ہیں ۔ یہ قرآنی کورس چار عنوانات پر مشتمل ہے (۱) قرآنی لغات (۲) قرآنی احکام (۳) قرآنی قواعد (۴) تفسیر بارہ عم ۔

خط و کتابت کا طریقہ :۔ ابتدائی اسباق اور لٹریچر مع فیس داخلہ بذریعہ وی پی مبلغ ۵/- طلب فرمائیں اسکے بعد ہر وی پی سہ ماہی ۵/۷۴ روپے ہوگی ۔ کل آٹھ قسطوں میں یہ مفید قرآنی نصاب مکمل ہو جائیگا ۔ اس طرح بڑی آسانی کے ساتھ آپ اپنے بچوں، بچیوں کو قرآن فہمی کی دولت سے بخوبی فیضیاب کر سکیں گے خود ممبر بنئے اور دوسروں کو ممبر بنا کر قرآنی خدمات انجام دیجئے ۔ کورس تیار ہیں ۔

کبھی نہ بجھنے والی آگ سے بچو اور اپنے اہل و عیال کو بچاؤ !

قرآن کریم کی دہلا دینے والی للکار !

اور ساتویں صدی کے امام نوویؒ کی دل دوز پکار

یعنی

مجموعۂ حدیث ریاض الصالحین مترجم اردو

تاریخ مسلم امام وقت علامہ نوویؒ کی بے نظیر تالیف ۔ ترغیب و ترتیب اور اصلاح و تربیت سے متعلق چار سو سے زائد آیات قرآنی اور دو ہزار کے قریب احادیث نبویؐ کا مجموعہ ۔ الحاد و بے دینی کے اس دور میں پریشان دلوں کو امن و سکون اور فسق و فجور سے آلودہ زندگیوں کو تقویٰ و طہارت بخشنے والی اکسیر صفت کتاب ۔ کسی گداز واعظ کے پُر تاثیر وعظ کی طرح دلنشیں ۔ مقدس و متبرک الفاظ احادیث خلوص و للہیت میں ڈوبی ہوئی تشریح ۔ دل و دماغ کو خوف خدا اور محبت رسولؐ سے لبریز کر دینے والا انداز بیان ۔ الحاد و دہریت کے اس بے پناہ سیلاب سے بچنے کیلئے آج ہی اس کا مطالعہ فرمائیں ۔ دو جلد والا مشتمل سائز ۲۰×۲۹ مجلد رنگین جلد اول صفحات ۵۰۴ قیمت ۳۲ روپے جلد دوم صفحات ۵۰۰ - ۳۴/- محصول ڈاک بذمہ ادارہ ۔ دونوں جلدیں ایک ساتھ منگانے والے حضرات کو ۶۰ روپے کے بجائے ۵۵/- کا وی پی ارسال ہوگا ۔ اس مبارک مجموعۂ حدیث کی اشاعت میں تعاون ہم خرما و ہم ثواب کا مصداق ہوگا ۔ آج ہی ایک کارڈ لکھکر طلب فرمائیں ۔

ادارہ درس قرآن کا ایک جدید سہ ماہی تاریخی پروگرام

علامہ جلال الدین سیوطی المتوفی سنہ ۹۱۱ھ کی نہایت دلچسپ اور مستند تالیف

تاریخ الخلفاء (اردو)

۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ یوم وفات رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے سنہ ۹۰۳ھ تک تقریباً نو سو سالہ مختصر مگر جامع اور مستند تاریخ ۔ تاریخ خلفائے راشدین (مدینہ منورہ) ، خلفائے بنو امیہ (دمشق) خلفائے بنو امیہ (اسپین) ، خلفائے بنو عباس (بغداد) ، خلفائے بنو عباس (قاہرہ) ، عبیدی خلفائے افریقہ ، فاطمی خلفائے مصر کی مکمل تاریخ اس اہم اور نادر کتاب میں موجود ہے ۔ تاریخ اسلام کے شاندار دور کی پوری تاریخ اور اس عہد کے تمام حوادث و واقعات اور تمدنی حالات کا مجموعہ جسکے مطالعہ سے گھروں میں اسلامی جذبات ، نوجوانوں میں اعمال صالحہ اور بچوں میں خالدؓ و طارقؒ کی اسپرٹ پیدا ہوگی ۔

تاریخ الخلفاء ۷۰۰ صفحات پر مشتمل ہے جسکو ادارہ چار حصوں میں شائع کر رہا ہے ۔

پروگرام :۔ یہ عظیم تاریخ چار حصوں پر مشتمل ہوگی ہدیہ فی حصہ دس روپے ممبران کیلئے محصول ڈاک بذمہ ادارہ ۔ ممبر بننے کیلئے ایک کارڈ لکھدیجئے آپکو ہر سہ ماہ دس روپے کی وی پی ارسال ہوگی جسکا وصول کرنا آپکا اخلاقی فرض ہوگا ۔ ایک عظیم اور مکمل اسلامی تاریخ کی اشاعت میں ادارہ کے ساتھ تعاون فرمائیے ۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمودہ قرآنی جواہر پارے

جو امت محمدیہؐ کیلئے مینارۂ نور اور سرمایۂ سعادت ہیں

چودہ سورتوں کی مقدس تفسیر

تفسیر حضرت ابن عباسؓ (اردو)

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روح پرور تفسیر جس سے بعد کے مفسرین نے استفادہ کیا ہے ۔

قرآن کریم کی وہ بنیادی تفسیر جو براہ راست ایک عظیم المرتبت صحابی سے منقول ہے ۔ ایک ایسا شرف جو کسی دوسری تفسیر کو حاصل نہیں ۔ اردو زبان میں یہ نادر تفسیر علامہ سیوطی کی مرتبہ شان نزول کیساتھ پیش کی جا رہی ہے ترتیب :۔ متن قرآن شریف ۔ ترجمہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ ۔ صحابی رسول کی مقدس تفسیر ۔ آیات قرآنی کا دلنشین شان نزول ۔ جامع اور اثر انگیز عنوانات ۔ طریق اشاعت :۔ ہر ماہ میں ایک پارہ شائع ہوتا ہے ہدیہ فی پارہ چار روپے ۔ ۴/- ممبران کیلئے محصول ڈاک بذمہ ادارہ ۔ ممبر بننے کیلئے ایک کارڈ لکھئے ۔ آپ کو ہر دوسرے ماہ چار روپے کی وی پی ارسال ہوگی ۔ پانچ پارے یکجا مجلد ہدیہ ۲۰/- دس پارے یکجا مجلد رنگین ۴۵/- محصول ڈاک بذمہ ادارہ ۔ ایک عظیم صحابی رسول کی مقدس تفسیر کی اشاعت میں ادارہ سے تعاون فرمایئے خود ممبر بنئے دوسروں کو ممبر بنایئے ۔

روزہ اور ضبطِ نفس

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

روزے کے بیشمار اخلاقی و روحانی فائدوں میں سے ایک
ہے کہ وہ انسان میں ضبط نفس کی طاقت پیدا کرتا ہے۔ اس بات
دری طرح سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ہم ضبط نفس کا مطلب
لیں، پھر یہ معلوم کریں کہ اسلام کس قسم کا ضبط نفس چاہتا ہے، اور
کے بعد یہ دیکھیں کہ روزہ کس طرح یہ طاقت پیدا کرتا ہے۔

ضبط نفس سے مراد یہ ہے کہ آدمی کی خودی جسم اور اس کی
قتوں پر اچھی طرح قابو یافتہ ہو اور نفس کی خواہشات وجذبات
اس کی گرفت اتنی مضبوط ہو کہ وہ اس کے فیصلوں کے تابع
کر رہیں۔ انسان کے وجود میں خودی کا مقام وہی ہے جو ایک
سلطنت میں حکمران کا مقام ہوا کرتا ہے۔ جسم اور اس کے اعضاء
ودی کے آلۂ کار ہیں۔ تمام جسمانی اور دماغی طاقتیں خودی کی خدمت
کے لئے ہیں۔ نفس کی حیثیت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ خودی
کے حضور اپنی خواہشات کو درخواست کے طور پر پیش کرے۔ فیصلہ
خودی کے اختیار میں ہے کہ وہ ان آلات اور طاقتوں کو کس مقصد
کے لئے استعمال کرے اور نفس کی گذارشات میں سے کسے قبول
اور کسے رد کرے۔ اگر کوئی خودی اتنی کمزور ہو کہ جسم کی مملکت
میں وہ اپنا حکم اپنے منشا کے مطابق نہ چلا سکے اور اس کے لئے
نفس کی خواہشیں مطالبات اور احکام کا درجہ رکھتی ہوں تو وہ
ایک مغلوب اور بے بس خودی ہے۔ اس کی مثال اس سوار کی سی ہے
جو اپنے گھوڑے کے قابو میں آگیا ہو۔ ایسے کمزور انسان دنیا میں
کسی قسم کی بھی کامیاب زندگی بسر نہیں کر سکتے۔ تاریخ انسانی میں جن لوگوں
نے اپنا کوئی نقش چھوڑا ہے وہ وہی لوگ تھے جنھوں نے اپنے وجود
کی طاقتوں کو بزور اپنا محکوم بنا رکھا ہے، جو خواہشات نفس
کے بندے اور جذبات کے غلام بن کر نہیں بلکہ ان کے آقا بن کر رہے
ہیں، جن کے ارادے مضبوط اور عزم پختہ رہے ہیں۔

لیکن فرق اور بہت فرق ہے اس خودی میں جو خود
خدا بن جائے، اور اس خودی میں جو خدا کے تابع فرمان بن کر کام
کرے۔ کامیاب زندگی کے لئے خودی کو قابو یافتہ ہونا تو بہرحال ضروری
ہے۔ مگر جو خودی اپنے خالق سے آزاد دنیا کے مالک سے بے نیاز
ہو، جو کسی بالاتر اخلاقی قانون کی پابند نہ ہو جس کو کسی حساب
لینے والے کی بازپرس کا اندیشہ نہ ہو، وہ اگر اپنے جسم و نفس کی طاقتوں
پر قابو پاکر ایک پُرزور خودی بن جائے تو وہ دنیا میں فرعون اور نمرود،
ہٹلر، مسولینی جیسے بڑے بڑے مفسد ہی پیدا کر سکتی ہے۔ ایسا
ضبط نفس نہ قابل تعریف ہے اور نہ وہ اسلام کو مطلوب ہے۔ اسلام جس
ضبط نفس کا قائل ہے وہ یہ ہے کہ پہلے انسان کی خودی اپنے خدا
کے آگے سر تسلیم خم کر دے، اس کی رضا کی طلب اور اس کے قانون
کی اطاعت کو اپنا شعار بنالے، اس کے سامنے اپنے آپ کو جوابدہ
سمجھے، پھر اس مسلم و مومن کو اپنے جسم اور اس طاقتوں پر حاکمانہ
اقتدار، اور اپنے نفس اور اس کی خواہشوں پر قاہرانہ
تسلط حاصل ہو۔ تاکہ وہ دنیا میں ایک مُصلح قوت بن سکے۔
یہ ہے اسلامی نقطہ نظر سے ضبط نفس کی اصل حقیقت
آیئے اب ہم دیکھیں کہ روزہ کس طرح انسان میں یہ طاقت پیدا
کرتا ہے۔

اگر آپ نفس و جسم کے مطالبات کا جائزہ لیں تو آپ کو
معلوم ہوگا کہ ان میں تین مطالبے اصل و بنیاد کا حکم رکھتے ہیں اور وہی
سب سے زیادہ طاقتور مطالبے ہیں۔ ایک غذا کا مطالبہ جس پر
بقائے حیات کا انحصار ہے۔ دوسرا صنفی مطالبہ جو بقائے
نوع کا ذریعہ ہے۔ تیسرا آرام کا جو قوت کارکردگی کی بحالی

کے لئے ضروری ہے کہ یہ تینوں مطالبے اگر اپنی حد کے اندر ہیں تو عین منشائے فطرت ہیں۔ لیکن نفس و جسم کے پاس یہی تین پھندے ایسے ہیں کہ ذرا سی ڈھیل پاتے ہی وہ ان کے جال میں پھانس کر آدمی کی خودی کو الٹا اپنا غلام بنا لیتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک ہر ایک مطالبہ بڑھ کر مطالبات کی فہرست بن جاتا ہے اور ہر ایک زور لگاتا ہے کہ انسان اپنا مقصد زندگی، اپنے اصول اور اپنے ضمیر کے فتوے بھول کر بس اس کے تقاضے پورے کرنے میں لگا رہے ایک کمزور خودی جب ان تقاضوں سے مغلوب ہو جاتی ہے تو غذا کا مطالبہ اسے بندۂ شکم بنا دیتا ہے۔ صنفی جذبہ اس کو حیوانیت کے اسفل السافلین میں پہنچا دیتا ہے اور جسم کی آرام طلبی اس کے اندر ارادے کی کوئی طاقت باقی نہیں رہنے دیتی۔ پھر وہ اپنے نفس و جسم کی حاکم نہیں بلکہ ان کی محکوم بن کر رہتی ہے اور اس کا کام بس یہ رہ جاتا ہے کہ اس کے احکام کو بھلے اور برے، جائز و ناجائز، تمام طریقوں سے بجا لایا کرے۔

روزہ نفس کی انہی تین خواہشوں کو اپنے ضابطہ کی گرفت میں لیتا ہے اور خودی کو ان پر قابو پانے کی مشق کراتا ہے۔ وہ اس خودی کو جو خودی پر ایمان لا چکی ہے، یہ خبر دیتا ہے کہ تیرے خدا نے آج دن بھر کے لئے تجھ پر دانہ پانی حرام کر دیا ہے، اس مدت کے اندر تیرے مالک نے آج تیری صنفی خواہشات پر پابندی عائد کر دی ہے، صبح صادق سے غروب آفتاب تک تیرے لئے حلال طریقے سے بھی ان خواہشات کو پورا کرنا حرام ہے۔ وہ اسے یہ اطلاع بھی دیتا ہے کہ تیرے رب کی خوشی اسی میں ہے کہ دن بھر کی بھوک پیاس کے بعد جب تو افطار کرے تو نڈھال ہو کر لیٹ نہ جا بلکہ اٹھ کر عام دنوں سے زیادہ اس کی عبادت کر۔ وہ اس کو یہ حکم بھی پہنچاتا ہے کہ نماز کی لمبی رکعتوں سے فارغ ہو کر جب تو آرام لے تو صبح تک مدہوش ہو کر نہ پڑ جا۔ بلکہ معمول کے خلاف سحری کے لئے اٹھ اور صبح سے پہلے اپنے جسم کو غذا دے۔ یہ سارے احکام پہنچا دینے کے بعد وہ ان کی تعمیل کا معاملہ خود اس پر چھوڑ دیتا ہے۔ اس کے پیچھے کوئی پولیس، کوئی سی آئی ڈی، کوئی خارجی دباؤ ڈالنے والی طاقت نہیں لگائی جاتی۔ وہ چھپ کر کھائے پئے یا صنفی خواہشات پوری کر لے تو خدا کے سوا اسے دیکھنے والا نہیں ہے۔ وہ تراویح سے بچنے کے لئے کوئی شرعی حیلہ کر دے تو کوئی دنیوی طاقت اس پر گرفت نہیں کر سکتی۔ سب کچھ اس کے اپنے ادپر منحصر ہے۔ اگر مومن کی خودی واقعی خدا کی مطیع ہو چکی ہے۔ اور اگر اس کے ارادہ میں اتنا زور ہے کہ نفس پر قابو پا سکے تو وہ خود ہی غذا کی مانگ کو، صنفی خواہش کو اور آرام طلب کو اس ضابطہ میں کس دے جو آج خلاف معمول اس کے لئے مقرر کر دیا گیا ہے

یہ صرف ایک دن کی مشق نہیں ہے۔ ایسی مشق کے لئے ایک دن کافی بھی نہیں ہو سکتا۔ مسلسل ۳۰ دن خودی سے یہی مشق کرائی جاتی ہے۔ سال بھر میں پورے ۲۰، گھنٹے کے لئے یہ پروگرام بنا دیا گیا ہے کہ رات کے آخری حصے میں اٹھ کر سحری کھاؤ۔ صبح پو پھٹتے ہی کھانا پینا بند کر دو۔ دن بھر ہر قسم کی غذا سے پرہیز کرو۔ غروب آفتاب کے بعد ٹھیک وقت پر افطار کرو۔ پھر رات کا ایک حصہ تراویح کی غیر معمولی نماز میں کھڑے ہو کر گذار دو، اور چند گھنٹے آرام لینے کے بعد پھر دوسرے دن کے لئے یہی پروگرام شروع کر دو۔ اس طرح مہینہ بھر تک پے در پے نفس کے ان تین سب سے بڑے اور سب سے زیادہ طاقتور مطالبوں کو ضابطے میں کستے رہنے سے خودی کے اندر یہ طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ خدا کی مرضی کے مطابق اپنے نفس جسم پر حکومت کر سکے اور یہ عمر بھر میں صرف ایک ہی مرتبہ کا پروگرام نہیں ہے بلکہ سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد سے مرتے دم تک ہر سال میں ایک مہینہ اسی مشق کے لئے وقف کیا گیا ہے تاکہ نفس پر خودی کی گرفت بار بار تازہ اور سخت ہوتی رہے

یہ ساری مشق محض اس غرض کے لئے نہیں ہے کہ مومن کی خودی صرف اپنی بھوک، پیاس، شہوت اور آرام طلبی پر قابو پالے اور اس کی غرض یہ بھی نہیں ہے کہ اس کو نفس و جسم پر قابو صرف ایک ہی رمضان کے مہینے میں حاصل رہے۔ دراصل اس کا مدعا یہ ہے کہ نفس کے ان تین سب سے زیادہ زور دار حربوں کا مقابلہ کر کے وہ اس کے سارے ہی جذبات اور ساری ہی خواہشات پر قابو یافتہ ہو جائے اور اس میں اتنی طاقت پیدا ہو جائے کہ محض رمضان ہی میں نہیں بلکہ رمضان کے بعد بھی باقی گیارہ مہینوں میں وہ ہر اس خدمت کے لئے اپنے جسم اور اس کی طاقتوں سے کام لے سکے جو خدا نے

بقیہ صفحہ ۶۲

تیسری قسط

حسن احمد صدیقی

تبلیغی جماعت

شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

ہم ایسے کتنے ہی لوگوں سے واقف ہیں جو اپنے گھر اور کاروبار کے تنہا ذمہ دار تھے اور انھیں تبلیغی جماعت میں چلے دینے کی دھن سوار ہوئی چنانچہ وہ چار چار پانچ پانچ مہینے کے لئے کاروبار سے غافل رہنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کاروبار کا بھی ستیاناس ہوا اور گھر بھی مختلف قسم کے فتنوں کی آماجگاہ بن کر رہ گیا۔ تبلیغی جماعت سے وابستگی بری چیز نہیں بری چیز یہ ہے کہ چلّے کو منجملہ فرائض سمجھ لیا گیا ہے اور چلّہ کشی کے سامنے اُن فرائض و حقوق کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے جو منجانب شریعت مسلمانوں پر عائد کئے گئے ہیں۔ خدا ہی جانے کہ چلّے دینے والے چلّے کیوں دیتے ہیں اگر ان کا مقصد لہو و لعب اور سیر و سپاٹا نہیں بلکہ خدا کی خوشنودی ہوتا ہے تو انھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اپنے گھر اور کاروبار کی حفاظت و نگرانی کرنا بھی ثواب ہی کا کام ہے اور گھر والوں کے حقوق ادا کرنے سے بھی خدا کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ قرآن حکیم میں بیوی بچوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تعلیم دی ہے اور احادیث میں بیوی بچوں کے لئے جد و جہد کی جاتی ہے .. اسے کارِ نیکی میں اور جو پیسہ ان پر خرچ کیا جاتا ہے اسکو صدقہ و خیرات میں شمار کیا ہے۔

ہمیں ان لوگوں پر حیرت ہوتی ہے کہ جو نہ اپنے بیوی بچوں کی پروا کرتے ہیں نہ ان کے حقوق ادا کرتے ہیں۔ نہ ان کی دلجوئی کرتے ہیں لیکن چلّے بڑی پابندی کے ساتھ دیتے ہیں۔ پے در پے چار چار اور بعض بعض من چلے تو سال سال بھر تک گھر سے غائب رہتے ہیں اور اس گمان و یقین کے ساتھ کہ خدا ہم سے خوش ہو رہا ہوگا کیونکہ ہم اس کے راستہ میں نکلے ہوئے ہیں۔

کسی بھی مسلمان کو دین کا کام کرتے وقت یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ ابلیس لعین مستقل بنی نوع انسان کی تاک میں لگا رہتا ہے اور یہ بات بھی دل و دماغ سے محو نہیں ہونی چاہیئے کہ ابلیس دنیا کے راستوں سے کم دین کے راستوں سے آدمی کو زیادہ گمراہ کرتا ہے۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص یا ایک گروہ زندگی بھر اس خوش فہمی میں مبتلا رہتا ہے کہ میں حق پرست حق نگر ہوں۔ میں خادم دین اور خادم قرآن ہوں لیکن معاملہ فی الحقیقت برعکس ہوتا ہے نہ وہ حق پسند ہوتا ہے اور نہ حق پرست نہ اس سے مذہب اسلام کو کوئی فائدہ پہونچتا ہے نہ کتاب ہدایت کو بلکہ اسکا وجود اسلام جیسے اور امت مسلمہ جیسے انتہائی خطرناک اور تباہ کن ہوتا ہے لیکن اس شخص اور گروہ کی خوش فہمی و خوش گمانی کسی صورت کم نہیں ہوتی بلکہ دن بہ دن بڑھتی ہی رہتی ہے محض اس وجہ سے کہ ابلیس لعین اس کے دماغ میں یہ بات نقش کالحجر کر دیتا ہے کہ تم ہی حق پسند اور تم ہی حق کے محافظ ہو اور دنیا میں جو کچھ اچھائیوں اور نیکیوں کی فصلیں لہلہا رہی ہیں یہ سب تمہارے وجود کی مرہون منت ہیں۔ حضرت انسان تو ہیں ہی ظلوم و جہول ..... شیطان کے فریب میں آجاتے ہیں خود کو عقل کل امتِ مسلمہ کا نہ اصلاح خیر خواہ اور دین اسلام کا تنہا اجارہ دار سمجھنے لگتے ہیں۔

شیعہ، قادیانی، اہلِ قرآن، قبوری شریعت کے حاملین وغیرہ وغیرہ سب کے سب گمراہیوں کا شکار ہیں اور اپنے افعال و اقوال اور عقائد و مسالک پر نظر ثانی کرنے کے لئے تیار نہیں ان میں سے ہر طائفہ کا گمان اپنے بارے میں یہ ہے کہ ہم صحیح راستہ پر

گامزن ہیں اور ہمارے ماسوا دنیا میں کوئی جماعت اور کوئی زمرہ ایسا نہیں ہے کہ جسے حق پرست اور حق نوا کہنا درست ہوسکے

تبلیغی جماعت کوئی گمراہ جماعت نہیں۔ بلاشبہ وہ ایک حق پرست اور صحیح العقیدہ جماعت ہے لیکن اس کے اکثر افراد کا اس خوش فہمی میں مبتلا ہوجانا کہ دنیا کی ہر خیر و خوبی ہمارے دم سے ہے اور ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ سب جہاد اور عبادت کی فہرست میں شامل ہے۔ دیوانگی بھی ہے اور مجہولیت بھی۔ جماعت اسلامی اہل حدیث، علمائے دیوبند، علمائے ندوہ وغیرہ وغیرہ قسم کے طبقے اپنی اپنی طرز خاص پر دین اسلام کی خدمت انجام دے رہے ہیں اور بڑی حد تک اپنے مقاصد میں کامیاب ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی بھی گروہ کا یہ دعویٰ کرنا کہ ہمارے ماسوا حق کسی کے پاس موجود نہیں بے وقوفی اور صرف بیوقوفی ہے۔ یہی دعویٰ اگر تبلیغی جماعت کرتی ہے تو ہم اسکو بھی سرپھری قرار دیئے بغیر نہیں رہ سکتے تبلیغی جماعت کی خدمات سے انکار نہیں۔ بیشک اس کی کچھ ٹھوس خدمات ہیں۔ اس نے بعض کام ایسے انجام دیتے ہیں جو دوسری جماعتیں انجام نہیں دے سکتی تھیں لیکن ہم کسی بھی صورت میں۔ اور ہم ہی کیا دنیا کا کوئی بھی صاحب علم اور صاحب ہوش مسلمان کسی بھی صورت میں یہ ماننے کے لئے آمادہ نہیں ہوگا کہ دنیا میں جو کچھ اچھائیاں اور حق پرستی کی پرچھائیاں موجود ہیں یہ صرف تبلیغی جماعت کی کاوشوں کا نتیجہ ہے اور تبلیغی جماعت جو کچھ کرتی ہے وہ سب خیر ہی خیر ہے اور سب عقل و علم اور عقیدۂ ایمان کے عین مطابق ہے۔

ہمارے خیال میں چلہ کشی اتنی ضروری نہیں ہے جتنی ضروری یہ بات ہے کہ ہم اپنے اہل خانہ کے واجب حقوق ادا کریں اور اس کاروبار کی طرف توجہ دیں جو ہمیں حلال روزی فراہم کرتا ہے۔ نیکی وہ نہیں ہے جسے میں آپ یا زید و بکر نیکی تصور کرلیں بلکہ نیکی وہ ہے جسے خدا اور اسکے رسول نے نیکی قرار دیا ہو۔ خدا کے پیارے اور سچے رسولؐ کا فرمان تو یہ ہو کہ تم اپنے گھر اپنے پیشے، اپنے بیوی بچوں وغیرہ کا خیال رکھو ان کے حقوق ادا کرو اور ہم اسکے مقابلہ میں کسی اور فعل کو نیکی تصور کر کے اسمیں مشغول ہوجائیں تو آخر یہ کہاں کی حق پرستی اور سنت نوازی ہے۔ غور کیا جائے تو مولانا الیاسؒ نے جس مقصد کیلئے چلے کی داغ بیل ڈالی تھی وہ مقصد اب پوری طرح پورا ہوچکا ہے

لہٰذا اب چلے دینے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ مولانا مرحوم نے جس زمانہ میں تبلیغی جماعت کی بنیاد رکھی اس زمانہ میں تبلیغی جماعت سے کوئی متعارف نہیں تھا۔ ضروری تھا کہ تبلیغی جماعت کے افراد ملک کے کونہ کونہ میں پہونچکر اپنا بھی تعارف کرائیں اور اپنے کاز کا بھی۔ اور پھر اپنے خاص طریقہ سے خدا کی مخلوق کو مذہب اسلام سے روشناس کرائیں اور مسلمانوں کو وہ باتیں یاد دلائیں جنھیں وہ دنیاوی دھندوں میں لگ کر فراموش کر بیٹھے تھے یہ مقصد پورا ہوچکا ہے۔ اب ہندوستان کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہوگا جہاں تبلیغی جماعت سے لوگ واقف نہ ہوں۔ ہر جگہ تبلیغی مراکز قائم ہوچکے ہیں۔ آخر اب چلہ کشی کی ضرورت کیا ہے۔ اور ہر ضلع اور قصبہ کے لوگ کیا دیہاتوں میں جاکر دین اسلام کی تبلیغ نہیں کرسکتے؟ یہ کیا ضروری ہے کہ مشرق کا مسلمان مغرب کے مسلمانوں کے پاس اور مغرب کا مسلمان مشرق کے مسلمانوں کے پاس پہونچکر تبلیغ دین کی خدمت انجام دے۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ مشرق کے پڑھے لکھے اور باصلاحیت مسلمان مشرقی مسلمانوں کیلئے اور مغرب کے مسلمان مغربی مسلمانوں کے لئے دینی جدوجہد کریں۔ اور انھیں گناہوں اور گمراہیوں کی دلدل سے نکالیں۔

اگر چلہ کشی کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان کچھ دنوں کے لئے اپنے گھروں اور بیوی بچوں سے الگ تھلگ رہیں تاکہ ان کا نفس زیر ہو تو یہ مقصد بھی بغیر چلے کے پورا ہوسکتا ہے وہ اس طرح کہ تبلیغی دین کا جذبہ رکھنے والوں اور اس کار خیر کے لئے کچھ وقت دینے والوں پر یہ پابندی لگادی جائے کہ آپ اتنے دنوں تک اپنے گھر نہیں جائیں گے بلکہ اطراف و جوانب میں تبلیغی جدوجہد کریں گے اور اسکے بعد مرکز میں آکر عبادات اور تسبیح و تہلیل میں مشغول ہوجایا کریں گے تبلیغی جماعت میں فی زمانہ لمبے لمبے چلے دینا دور دراز کا سفر کرنے سے وقت اور پیسے کی جو بربادی ہورہی ہے وہ کسی حساس اور باشعور دیندار سے پوشیدہ نہیں ہے

وسوسوں اور فتنوں کے اس رنگ برنگے دور میں مردوں کا اپنے گھروں میں رہنا اشد ضروری ہے گھر کے ذمہ داروں کا زیادہ دنوں تک گھر سے باہر چلا جانا کسی بھی اعتبار سے مفید اور قرین مصلحت نہیں ہوسکتا۔ تاہم اگر ساری مصلحتوں اور دانائیوں کا گلا گھونٹ کر تبلیغی جماعت کے لوگ چلے بازی کی روش کو ترک

مولانا عامر عثمانی

اگر شریکِ جمالِ رنگیں ہمارا حسنِ نظر نہ ہوتا
سحر میں نورِ سحر نہ ہوتا قمر میں حسنِ قمر نہ ہوتا

کبھی نوائے عشقِ فتنہ ساماں انھیں بھی ہم سے مفر نہ ہوتا
نظر بچاتے مگر نہ بچتی گریز کرتے مگر نہ ہوتا

خرد کو پندارِ آگہی میں سلیقۂ خیر و شر نہ ہوتا
الٹ ہی جاتی بساطِ امکاں جنوں اگر راہبر نہ ہوتا

غمِ محبت کی آبرو کا مدار ہے ضبط و خامشی پر
صدف جو ہونٹوں کو سی نہ لیتی کوئی بھی قطرہ گہر نہ ہوتا

شریک تھی ان کی آرزو بھی ہمارے اظہارِ آرزو میں
نظر جھکا کر وہ شہ نہ دیتے تو حوصلہ عمر بھر نہ ہوتا

ہوس کی رو میں جنھوں نے کی تھی دعا خلافِ عطائے فطرت
وہ آج پچھتا کے کہہ رہے ہیں دعا میں یارب اثر نہ ہوتا

حدودِ امکاں سے لامکاں تک ہیں سب حجابات دیکھے بھالے
کوئی بھی جلوہ چھپا نہ رہتا اگر حجابِ نظر نہ ہوتا

دلوں کو کچھ اعتبار سا ہے فریبِ دیر و حرم پہ ورنہ
کہاں کہاں سر جھکے نہ ہوتے کہاں کہاں تیرا در نہ ہوتا

بتا گئے ہیں وہ ایک نظر میں تمام تفصیلِ رازِ پنہاں
طویل افسانۂ محبت کسی سے یوں مختصر نہ ہوتا

ہمیں تو عامرؔ بہت دنوں سے تلاش ہے ایسی بیخودی کی
کہ ہر گھڑی منتظر سے رہتے مگر کوئی منتظر نہ ہوتا

مسجد سے میخانے تک

از ملا ابن العرب مکی

کسی دینی مسئلہ کی بحث میں جب کسی بریلوی ٹائپ کے بزرگ کی بحث نظر سے گذرتی ہے تو خیال ہوتا ہے کہ شاید ایک درجن ارسطو مرے ہوں گے تب کہیں ان سب کی روحوں سے ایک بریلوی وکیل نے جنم لیا ہوگا۔ تعالیٰ اللہ کیا طرز فکر ہے کیا قیامت کا استدلال ہے کیا دلبرانہ تیور ہیں۔ مثلاً ایک کتاب نظر سے گذری "استعانت با لاولیاء" اس میں مصنف نے شروع میں چند اشعار ایسے نقل کئے ہیں جو قبر پرستوں میں بڑے شوق سے پڑھے جاتے ہیں اور جن میں شرک جلی کا ایسا مہیب منظر نمایاں ہے کہ اگر قرن اولیٰ کا کوئی مسلمان انھیں سن لے تا تو پہلی ہی فرصت میں ہارٹ فیل کر جاتا۔ ذرا آپ بھی ایک دو سے مشرف ہو لیجئے۔

بادشاہ ہر دو عالم شاہ عبدالقادر است
سرور اولاد آدم شاہ عبدالقادر است

آفتاب و ماہتاب و عرش و کرسی و قلم
نور قلب از نور اعظم شاہ عبدالقادر است

مزید ہے:-

یا قطب یا غوث اعظم یا ولی روشن ضمیر
بندہ ام درماندہ ام جز تو ندارم دستگیر

قادر و قدرت تو داری ہرچہ خواہی آں کنی
مردہ را جانے بہ بخشی زندہ را بیجاں کنی

ذرا سوچئے کہ اگر خدا نخواستہ شاہ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی روح کو پتہ چل جائے کہ ان کے بعض عقیدتمندوں نے فرط عقیدت میں یہ گل کھلائے ہیں تو ان پر کیا گذرے۔ بیچارے مصنف نے لکھا کہ افسوس توحید کے عوض یہ مشرکانہ خیالات لوگوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ پھر انھوں نے قرآن و حدیث کی روشنی میں حقیقت توحید پر بحث کرتے ہوئے آخرت کو شرک سے بچنے کی تلقین کی۔

اب کیا دیکھتا ہوں ایک رسالہ میں اس کتاب کا جواب دیا گیا ہے عنوان دیا گیا ہے "اہانت اولیا" پہلے بچارے مصنف کو صلواتیں سنائی ہیں۔ بُرا بھلا کہا ہے، دھمکیاں دی ہیں۔ خیر یہ تو کچھ بیجا نہیں۔ جس کے پاس دلیل نہ ہو وہ غصہ نہ کرے تو کیا کرے، گالیاں نہ دے تو کیا دے۔ خیال تھا آگے کوئی معقول بات بھی کہی جائے گی۔ لیکن وہ جو ایک جرمنی ڈاکٹر نے کہا ہے کہ معقولیت اور بدعت دو ایسے جڑ تو مے ہیں جو کبھی یکجا جمع نہیں ہو سکتے تو آخر تک پڑھ کر ماننا پڑا کہ واقعی جرمنی ڈاکٹر بہت پہونچے ہوئے ہیں۔

ناظرین جواب کا نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

یہ رباعی (یعنی "بادشاہ ہر دو عالم" والے مقدم الذکر دو شعر) حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی قدس سرہٗ کی فرمودہ ہے جو سلسلۂ نقشبندیہ کے سرحلقہ اور بانی نیز سادات حسینی سے ہیں۔ تیرھویں پشت میں حضرت امام ہمام سیدنا حسن عسکری علیہ السلام سے سلسلۂ نسب ملتا ہے۔ مولد و مدفن بخارا ہے۔ سال ولادت ۷۱۸ھ اور سنہ وفات

کا سن مستخرج کیا ہے جو یہ ہے:۔

"قطب عالی نقشبند" آمد عیاں

۲۵ ۷ھ

"صاحب مخدوم وصلش" آمد است

زیر بحث رباعی روضۂ اقدس حضور غوث الاعظم کے اندرونی حصّے پر آج بھی منقوش ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس روضۂ مبارک کے بیرونی دروازہ پر بھی ایک اور رباعی درج ہے اور یہ رباعی بھی حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندی قدس سرہٗ کی ہے"

اس کے بعد حضرت بختیار کاکی کے دسیوں شعر نقل کئے گئے ہیں۔ پھر یہ بتایا گیا ہے کہ:۔

"حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہٗ حضور غریب نواز خواجہ اجمیر سلطان الہند قدس سرہٗ کے خلیفہ اور دہلی کے قطب تھے جن کا فیض آج بھی جاری ہے آپ کے خلفاء کی تعداد سیکڑوں تک ہے اور مریدین ہزاروں تھے"

ناظرین کہتے ہوں گے کہ آج یہ ملّا کیا بوریت پھیلانے بیٹھ گیا بلکہ بعض حسّاس قسم کے دہابی ناظرین کو تو مارے کوفت کے زکام بھی ہونے لگا ہوگا' لیکن خدا کے لئے اے صاحبانِ عقل وفہم مطلع کیجئے کہ کیا واقعی ملّاجی کی عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں کہ یہ عرش پیما جواب اس کی نظر میں طلسم ہوشربا سے زیادہ کچھ نہ ٹھیرا یا حقیقتاً اس جواب میں وہ سارے وٹامن لے، بی، سی، ڈی پائے جاتے ہیں جو شریف آدمی پر مرگی کے دورے ڈالدینے کے لئے کافی ہوں۔

اعتراض یہ تھا کہ تم کس دلیل سے شاہ عبدالقادر کو دوعالم کا بادشاہ کہتے ہو جبکہ یہ منصب تنہا ذات باری تعالیٰ کا ہے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا مان کر اُلوہیت کا صرف ایک حصّہ بدرے میں منتقل کیا تھا۔ تم ساری اُلوہیت اللہ سے چھین کر شاہ عبدالقادر کو دیئے دے رہے ہو۔ یا اگر تمہارا منشاء "بادشاہ" کہنے سے اُلوہی قوتوں کا اثبات نہیں بلکہ یہ کہنا چاہتے ہو کہ بشر کی حیثیت میں شاہ صاحب دونوں عالم کے سب سے مقتدر ہستی تھے تب بھی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ منصب تو حضور خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے تمہیں کس نے اختیار دیا کہ یہ منصب معوذ باللہ ان سے چھین کر شاہ صاحب کو دیدو اور ایک غیر صحابی بزرگ کو ابوبکرؓ و عمرؓ ہی سے نہیں محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی بڑھادو۔

دوسرے مصرعے یعنی "سرورِ اولاد آدم" شاہ عبدالقادر است" پر بھی یہی اعتراض ہے۔ اور اگلے شعر میں جو تم سورج، چاند، عرش، کرسی اور قلم کو شاہ صاحب ہی کے نور سے روشن بتاتے ہو تو اسکا آخر کیا تُک ہے۔ اللہ تو کہتا ہے کہ زمینوں و آسمانوں کا نور میں ہوں۔ تم کہتے ہو شاہ عبدالقادر ہیں اب یا تو یہ مطلب ہے کہ نعوذ باللہ اللہ نے غلط کہا، یا یہ مطلب ہے کہ اللہ اور عبدالقادر ایک ہی ہیں!

یہ تھی اعتراض کی مختصر تقریر۔ تم نے سوال از آسمان و جواب از ریسمان کے مصداق جواب میں یہ بتانا شروع کر دیا کہ یہ رباعی خواجہ بہاؤالدین نقشبندی کی ہے اور وہ نسلاً ایسے نجیب تھے اور فلاں سن میں پیدا ہوئے اور فلاں سن میں مرے۔ اور ان کے فلاں فلاں شعر یہ ہیں۔ وغیرہ تو گویا حاصل جواب یہ نکلا کہ اصلی ہی حضور صلے اللہ علیہ وسلم نہیں تھے، بلکہ وہ بعد کے بزرگ ہیں جنھیں تم نقشبندی اور سہروردی اور قادری و چشتی وغیرہ نسبتوں سے فلک ہفتم پر چڑھاتے ہو اور صحیح دین اس قرآن میں نہیں ہے جو اللہ نے نازل کیا تھا۔ بلکہ ان بزرگوں کے فرمودات میں ہے جن کے مزاروں کی خاک چاٹ چاٹ کر لوگ صحابہ اور انبیاء سے بھی آگے نکلے جا رہے ہیں۔

حضرت مجیب نے جواب میں پورے آٹھ صفحے صرف کئے ہیں جو تین اجزاء پر مشتمل ہیں ایک "استعانت بالاولیاء" کے مصنف کو دھمکیاں، صلواتیں اور طعنے وغیرہ دوسرے کچھ چٹکلے اور حکایتیں جن کے کسی راوی کا پتا نہیں شاید جنگِ عظیم میں کام آگئے۔ تیسرے ڈیڑھ سو کے قریب اشعار بزرگاں جن سے ہر اللہ کا بندہ بجائے خود نہیں معلوم ہوتا ہے کہ جو اس نے کہا وہ حجت ہوا۔ قرآن، حدیث، اسوۂ صحابہ، اقوال ائمہ کسی کا ذکر نہیں بس حضرتوں، خواجاؤں، غوثوں اور قطبوں کے اشعار بطور آیاتِ الٰہیہ مندرج ہیں۔ ایک دو شعر ناظرین تجلی بھی ملاحظہ فرمالیں اور حفظ کرلیں کہ قیامت کے دن یہ کام آسکتے ہیں اس طرح کہ فرض کیجئے آپ کو فرشتے جہنم کی طرف کھینچے لئے جا رہے ہیں اب

ان میں کا کوئی شعر بطرز قوالی پڑھ ڈالیئے۔ فرشتوں کو حال آجائے گا اور آپ نہایت اطمینان سے جنت کی طرف سرک جائیں گے۔ اب فرض کیجیۓ رضوان جنت نے رد کا تو وہاں بھی آپ ان شعروں سے کام لیجۓ۔ رضوان جنت یقیناً قبر پرست ہوگا کیونکہ قبر پرستوں کے سوا سب کافر ٹھیرے تو ظاہر ہے کہ کافر کو جنت کی رضوانی تھوڑی ہی مل جائے گی۔

حضرت قطب الاقطاب گوہر نایاب قیوم زمن حریف اہرمن سراپا سنت والجماعت یعنی آفتاب ولایت جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب قادری بریلوی فرماتے ہیں۔

اے ظل الٰہ شیخ عبد القادر اے بندہ پناہ شیخ عبد القادر
محتاج و گدائیم تو ذو التاج و کریم شیئاً للہ شیخ عبد القادر

حضرت علاؤ الدین مخدوم علی احمد صابر چشتی سر حلقہ طریقۂ صابریہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں:۔

در ہر کون جز تو کسے نیست دستگیر دستم بگیر از کرم اے جانِ عاشقاں

حضرت شاہ نیاز احمد قادری بریلوی شاہ عبد القادر ہی کے باب میں فرماتے ہیں۔

نیاز اندر جناب پاک او از قدسیاں باید
کہ آید جبرئیل از بہر کار و بارِ دربانی

مشکل یہ ہے کہ زیادہ تر عشق فارسی ہی میں ہوا ہے کم سے کم پیش نظر مضمون میں تو ننانوے فیصد نمونے عشق فارسی ہی کے ہیں اسلئے مزید نقل نہیں کرتا البتہ ایک رباعی اور نقل کروں گا۔ جس کے انداز بیان پر کم سے کم تین پنجسالہ منصوبے قربان کئے جاسکتے ہیں۔ حضرت احمد رضا خانصاحب نے فرمایا:۔

دیں را اصل حدیث عبد القادر اہل دیں را مغیث عبد القادر
او ینطق عن الھویٰ ایں شرحش قرآن احمد، حدیث عبد القادر

قرآن نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا تھا کہ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی۔ وہ خواہش نفس کے تحت کلام نہیں کرتے شاعر موصوف نے "ما" نافیہ تو اڑا دیا اور جملہ کو منفی کی بجائے مثبت بناکر پیش کیا "او" کا اشارہ ظاہر ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے اس پر "ہ" بناکر مزید توثیق بھی کردی گئی ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ نعوذ باللہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہوائے نفس کے تحت کلام کرتے ہیں اور شاہ عبد القادر کا اسوۂ و کردار ان کی شرح ہے!۔ کیا ضرورتِ شعری کی خاطر آیات الٰہی کو یوں بھی توڑا مروڑا جاسکتا ہے۔

خیر آیئے جناب مجیب کا ایک لطیفہ اور دیکھتے جایئے حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے متعلق لکھتے ہیں۔

"بندہ پن میں اتنے گم ہوئے کہ "بندہ نواز" کہلائے۔

سمجھے آپ؟ نہیں سمجھے اور نہیں سمجھ سکتے۔ ان نکات لاہوتی کو سمجھنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک عقل کو گدی کے پیچھے نہ لگالیا جائے اور آپ ٹھیرے وہابی جس کے عقل ہی نہیں ہوتی لہٰذا گدی کے پیچھے لگائیں گے کیا؟

خاکسار نے بھی حال ہی میں ایک اعلیٰ درجہ کی ایمان افروز مستند و معتبر کتاب خواجہ دزیر الا دیار، رئیس الفاتحہ حضرت تلوار الٰہی سمرقندی دورالوی المتخلص بہ قالوبلی کے کچھ اشعار پڑھے ہیں خواجہ قالوبلی کی مختصر تعریف یہ ہے کہ آپ کی یارھویں پشت میں سترہ قطب، اکیس غوث اور تین درجن مہا صوفی گذر رہے ہیں۔ ولایت کا سلسلہ ان کے خاندان میں سن اٹھارہ م ن قبل مسیح سے چلا آرہا ہے جس کی مکمل تحقیق خواجہ سدا بہار نے اپنی کتاب "زلف بہار" میں لکھی ہے کرامت کا یہ حال تھا کہ ایک سانس میں سدرۃ المنتہیٰ کے سات چکر لگاتے تھے اور سورج تک میں ان کے نقش قدم دیکھنے میں آئے۔ تصرف کا یہ عالم تھا کہ ایک غریب بڑھیا کی مرغی بلّی نے کھالی وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میں اسی مرغی کے انڈے بیچ کر پیٹ پالتی تھی۔ اب کیا کروں؟ حضرت نے پوچھا کے دن کا واقعہ ہے؟ اس نے کہا آٹھ دن کا۔ بولے اچھا ابھی لو۔ آنکھیں بند کیں اور گرج کر ہوا کو مخاطب کیا۔ حاضر کر!۔ ہوا میں ارتعاش پیدا ہوا اور دفعتاً ایک بلّی سامنے آپڑی۔ حضرت نے کہا نابکار مرغی کہاں ہے؟ بلّی سٹ پٹا گئی۔ کونسی مرغی؟ حضرت نے کہا ــــ اس بڑھیا کی مرغی! بلّی نے آسمان کی طرف منہ اٹھاکر چھینک ماری اور چھینک کے ساتھ اس کے منہ سے ایک موٹی تازی زندہ سلامت مرغی کڑکتی ہوئی باہر آئی۔ بڑھیا

خوش ہوگئی۔ حضرت نے کہا۔ لے جا۔ اب یہ معمولی مُرغی نہیں رہی جنّت سے ہو کر آئی ہے!

حضرت کا مزار شریف نوگرنے پیر کے سراہنے سے زائرین چومانگتے ہیں ملتاہے۔ حتّیٰ کہ ایک لیڈر نے الیکشن کے زمانہ میں سجدہ کر کے عرض کیا کہ اے خواجہ قالوبلیٰ زلفوں والے! آپ کو معلوم ہے دو جوان لڑکیاں شادی کو بیٹھی ہیں۔ کار اور کوٹھی کا فرنیچر پرانا ہوگیا ہے ایکی بار مجھے الیکشن جتوادو"۔

خواجہ نے کہا جا جیتے گا ـــــــ اور وہ جیت گیا حالانکہ نوّے فیصد ووٹ مقابل امیدوار کی صندوقچیوں میں پڑے لیکن جب صندوقچیاں کھولی گئیں تو بجائے ووٹوں کے ان میں چوہے کُشتی لڑتے ہوئے ملے۔ اسی طرح ایک قاتل نے حضرت سے جان کی امان چاہی تو اگرچہ حکومت نے اسے پھانسی پر چڑھادیا اور لاش دفن کردی گئی، لیکن یہ اللہ کا بندہ تیسرے ہی دن قبر سے اُٹھ کر گھر چلا آیا اور حضرت کے مزار پر وہ ٹھاٹ دار قوالی کرائی کہ صوفیوں کو سر دُھنتے دھنتے انفلوئنزا ہوگیا۔ اللہ رحم کرے۔

ایک دفعہ بڑا اگر بڑ گھٹالا ہوا۔ ایک ہی سیٹ کے دو امیدوار باری باری مزار شریف پر پہونچ لئے اور دل کی مُراد مانگی اب یہ تو حضرت کی شان کے خلاف ہے کہ کوئی نامراد لوٹے اور دونوں کو ایک سیٹ پر کامیاب کیسے کرائیں بڑا کھیلا مچا آخر کار دونوں کو ایک ساتھ قبر پر طلب کرلیا اور حکم دیا مراقبے میں بیٹھ جاؤ۔ ایک امیدوار "مراقبے" کا مطلب نہیں جانتا تھا کہنے لگا حضور" رقبہ" تو میں جانتا ہوں مگر مراقبہ......

شٹ اپ...... گرجدار آواز گونجی۔ دراصل قالوبلیٰ ایک میم کے علاج کے سلسلہ میں دو سال کسی انگریز کے یہاں رہ چکے تھے کتنے ہی انگریزی الفاظ ان کی زبان پر چڑھ گئے تھے۔ اور غصّے کی حالت میں آپ جانیئے زبان بے اختیار ہوجاتی ہے۔

تو خیر۔ بمشکل یہ لوگ مراقبے میں بیٹھے اور خواجہ کی روح پُرفتوح نے اُن پر سایہ ڈالا اور قبر سے آواز آئی:۔

" اے قوم و وطن کے مجاہدو! بس ایک ہی صورت ہے کامیابی کی وہ یہ کہ تم سے ایک دست بردار ہوجائے اور اس کے ہرجانے میں دوسرے سے پانچ ہزار وصول کرلے ظاہر ہے وصول کرنے والا بھی کامیاب رہا اور دینے والا تو بہرحال مع سود قوم سے لے لیگا۔ بولو تم میں کون روپے لیتا ہے اور کون ممبری؟"

دونوں نے ایک دوسرے کے مُنہ کو تکا جیسے کہہ رہے ہوں بات تو پتے کی ہے! ـــــ مگر دونوں ہی کی قوت فیصلہ کو بیک وقت اس خیال نے کند کردیا کہ ممبری سے تو بہت کچھ کمانے کی امیدیں ہیں یہ صرف پانچ ہزار سے کیا کام بنے گا ـــــ ایک چیخ اٹھا

"لئے خواجہ! میں دستبرداری پر تیار رہوں لیکن چار ہزار تو اب تک خرچ ہوچکے ہیں رقم کچھ بڑھنی چاہیئے!"

خواجہ کی آواز گونجی ـــــ "یہ تمہارا پرائیویٹ معاملہ ہے آپس میں طے کرلو ــ"

اور واقعی انہوں نے قبر کے سراہنے سات چراغ جلا کر باہم معاملہ طے کرلیا۔

بہرحال آپ اشعار سنئے

لگاکے "قالوبلیٰ" کا پھندا لٹوں کی لٹ میں پھنسا کے مارا
سیاہ زلفوں کے پیچ و خم میں گھما کے مارا لبھا کے مارا

حضرت کے مرشد کا نام خواجہ مشتاق علی قتائی تھا۔

خدانے دیدیئے سارے خزانے میرے مرشد کو
جسے کچھ مانگنا ہو مانگ لے مولا قتائی سے
نہ تو ہوتا تو دنیا کفر کی ظلمت میں کھو جاتی
ملی ہے دولتِ ایماں ترے در کی گدائی سے
نہ دیکھے گا نہ دیکھا ہے زمانے نے ترا ثانی
مشرف ہے فقط آئینہ تیری آشنائی سے

دلم بردی و باصد دلبری بر عرش افگندی
زہے شانِ خداوندی زہے شانِ خداوندی

اور فرمایا:۔

عشر میں آپ کے سوا خواجہ	دستگیری کسی سے کیا ہوگی
مشرکوں کو بھی بخش سکتے ہیں	ایسی پیری کسی سے کیا ہوگی

اور فرمایا

یہ مہر و ماہ و عرش و کرسی و لوح و قلم کیا ہیں
تسلط میں ہے تیرے لامکاں کا بزم اعظم بھی

خدا تو تجھ کو پیدا کر کے فرصت پا گیا ہوگا
کہ ہے تیرے ہی قبضے میں نظام بزم عالم بھی
ترے قالوبلیٰ کو مفلسی نے پی لیا خواجہ!
لعینوں کے لئے زردہ بھی ہے مُرغِ مسلم بھی

اور فرمایا:۔

قالوبلیٰ را جنت عطا کن جنت سے پہلے دولت عطا کن
برما نظر کن اے شاہ دالا کبتک رہے گا گڑبڑ گھٹالا

ایک آزاد نظم بھی تھی جس کا عنوان تھا:۔

" منقبت بشانِ ربّ الارباب عالی جناب فیض مآب خواجہ فنائی زلف دراز مدظلہٗ رحمۃ اللہ علیہ۔ بطرز جدید ترقی پسند ملعون شاعری یعنی بصورت آزاد نظم بسبب جوش اپنے کے ہر علم و فن میں "

ملے کہ تو مرقد میں بھی ہے اور بیرون لحد بھی کارفرما ہوگیا
یعنی گویا مر کے زندہ ہوگیا۔
تیرے در سے مل رہی ہے ہر جوان و پیر و مرد و زن کو منہ مانگی مراد
تیرا فیض عام دریا ہے کہ جسمیں ڈبکیاں کھاتا ہوا ہوتا ہے بیڑا
حسرت و ارماں کا پار
تجھ پہ جان و دل نثار
بار بار
اور میں قالوبلیٰ۔
ڈھونڈ آیا آسمانوں میں زمینوں میں قمر میں کہکشاں میں اور
سورج کی چمکتی وادیوں میں خوب خوب
کوئی بھی ہمسر نہیں تیرا مرے خواجہ پیا
میں نے تجھ کو دل دیا
کیسا کیا؟
کاش تو کہدے بہت اچھا کیا
رحم کن برحال ما اے دستگیر و معطی و بخشندہ زندہ کن مردہ کن حیوان و انسان و شجر
یعنی سلطانِ فلک فرماں روائے بحر و بر
خاص کر قالوبلیٰ پر رحم کر
سر بسر اور بیشتر
رحم کر
کر!

(ملازندہ صحبت باقی)

بقیہ تبلیغی جماعت

کرنے کے لئے تیار نہوں تو ان کے لئے یہ بات تو ضروری ہے ہی کہ چلّے کے لئے وہ اِن مردوں کے ساتھ کھینچ تان نہ کیا کریں کہ جو اپنے گھر اور روزگار کے واحد ذمّہ دار ہوں۔

ایسے لوگوں کے گھروں میں انکے عرصۂ دراز تک گھر سے غائب ہوجانے کے بعد اگر کسی چور دروازہ سے کوئی فتنہ داخل ہوجائے یا ان کے روزگار کی مٹی پلید ہوجائے تو اسکی ذمہ داری تبلیغی جماعت کے سوا اور کس کے سر ڈالی جائیگی۔؟ اور قیامت کے میدان میں تبلیغی جماعت کے سوا اور کون جواب دہ ہوگا!

(باقی)

کھرے کھوٹے

حسن احمد صدیقی

• روداد چمن • الاسلام • اچھے لوگ • عورت تہذیب کے دوراہے پر • وسایا حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی • نماز جمعہ، دین عیوں کی اہمیت • شادی مبارک • اختلافی مسائل اور ہم • ماہنامہ البدر • ماہنامہ محکمات • تاریخ میلاد • نغمۂ سحر • قصص النبیین • پندرہ روزہ خدوخال • تازیانہ۔

روداد چمن

• مرتبہ:- محمد الحسنی۔
• سائز:- ۱۸×۲۲ • صفحات ۲۹۲
• قیمت ۱۵ روپے
• ناشر:- دفتر نظامت ندوۃ العلماء لکھنؤ

قارئین کو یاد ہوگا کہ نومبر ۷۵ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء ۸۵ سالہ جشن منایا گیا تھا۔ اس جشن کی مکمل روداد "روداد چمن" عنوان سے چھاپی گئی ہے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے بزیر اہتمام کتاب ترتیب دی جائے اس میں شائستگی اور سلیقہ مندی کا وافر مقدار میں موجود ہونا کوئی ایسی بات نہیں کہ جسے خلافِ توقع قرار دیا جا سکے۔

بلامبالغہ ہندوستان میں مرکزی مکتبہ جماعتِ اسلامی کے بعد ندوۃ العلماء ہی وہ واحد ادارہ ہے جس کی مطبوعات میں حسنِ کتابت اور حسنِ طباعت کا رنگ روپ دیکھنے کو ملتا ہے۔ ندوۃ العلماء کی جانب سے اب تک جو کتابیں منظرِ عام پر آ چکی ہیں ان سبھی میں انیس بیس کے فرق سے کتابت وطباعت کا تجمل و تکمل بحدِ انتہا اور ترتیب و تدوین کی زیبائش و رعنائی بحدِ کمال موجود ہے۔

روداد چمن بھی اسی خصوصیت اور انفرادیت سے بہرہ ور ہے جو ندوۃ العلماء کی تمام مطبوعات میں ہمی بیشی کے ساتھ پائی جاتی ہے۔

اور اربابِ ذوق کے ارواح قلوب کو پھولوں کی سی نکہت وخوشبو عطا کر کے انھیں چند لمحوں کے لئے سرشار و شاداب کر دیتی ہے۔

روداد چمن میں سب سے پہلے ندوۃ العلماء کے ان جلسوں پر روشنی ڈالی گئی جو ۸۵ سالہ جشن سے پہلے مختلف مقامات پر منعقد ہو چکے تھے۔ مرتب کی تحقیق کے مطابق ندوہ کا پہلا اجلاس ۱۸۹۴ء میں منعقد ہوا تھا —— ان جلسوں کے اغراض و مقاصد اور فوائد و منافع پر سرسری سی گفتگو کرنے کے بعد یہ بتایا گیا ہے کہ ندوۃ العلماء کے ۸۵ سالہ جشن کا منصوبہ کس تاریخ میں بنایا گیا تھا۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ۸۵ سالہ جشن منانے کا ارادہ مارچ ۷۵ء میں کیا گیا اور صرف سات ماہ بعد یہ جشن نہ صرف منعقد ہوا بلکہ بڑی حد تک کامیاب اور ولولہ خیز رہا۔ یہ بات دوسرے اداروں کے لئے یقیناً سبق آموز قرار دی جائے گی کہ کسی بھی اہم اجلاس کے لئے بہت زیادہ مدت تک تیاری کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ بڑے جلسوں کی تیاریاں چند مہینوں میں بھی ہو جاتی ہیں بشرطیکہ تیاریاں کرنے والے حضرات نظم و نسق اور کنٹرول و کارکردگی کی اہلیت رکھتے ہوں۔

اجلاس منعقد ہونے سے قبل ندوۃ العلماء کے اساتذہ وطلباء، متعلقین و منتسبین نے جس سلیقہ، جس انہماک اور حسنِ تنظیم واتحاد کے ساتھ اجلاس کی تیاریاں کی ہیں وہ فی الواقعہ قابلِ عبرت بھی ہیں، قابلِ تعریف بھی ہیں اور لائقِ صد آفریں بھی۔

"یہ عالتِ جنگ کہاں تک قائم رہے گی کہاں تک
یہ شکوے شکایت کہ ہمیں چھیڑتے ہیں جیسے
بعض بچے ہوتے ہیں کہ وہ احساس کمتری
کے مریض ہوتے ہیں، وہ چلاتے ہیں ہمیں
چھیڑتے ہیں دیکھئے ہمیں چھیڑتے ہیں۔ بعض
کسی چیز سے چڑھتے ہیں یہ ایک نفسیاتی مرض
ہے اس میں خبط سا ہوجاتا ہے کہ دیکھئے بچے
چھیڑ رہے ہیں۔ کوئی کریلا سے چڑھتا ہے کوئی
جلیبی سے۔ کوئی نام سے چڑھتا ہے۔ اور
بچے اسے چھیڑتے ہیں تو ہم کب تک نعرے لگاتے
رہیں گے کہ بچے ہمیں پریشان کرتے ہیں۔"

اس کے بعد مولانا موصوف نے مسلمانوں کو اس بات کی نصیحت کی ہے کہ وہ اپنے اندر اوصاف حسنہ اور صفاتِ جمیلہ پیدا کرنے کی کوشش کریں ۔۔۔ یہ نصیحت تو درست بلکہ درست در درست۔ لیکن مسلمانوں پر مختلف قسم کے گندے فقرے اچھالنے والوں پر کسی قسم کی تنقید نہ کرنا باعثِ استعجاب ہے ۔۔۔ یہاں واضح کر دینا ضروری تھا کہ جملے بازی اور فقرہ کسی کی رسم ایک پرانی رسم ہے جو آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے دورِ مسعود سے چلی آرہی ہے۔ آپؐ کے دورِ مبارک میں اربابِ جہل اور اصحاب کفر و شرک کی روش یہی تھی کہ وہ مسلمانوں پر جملے کستے تھے۔ ان کے ساتھ سب و شتم کا مظاہرہ کرتے تھے۔ ان پر تنقید و تنقیص کے ڈھیلے اچھالتے تھے لیکن ایمانداران انسانوں کا قافلہ بہر صورت منزل حق کی طرف رواں دواں تھا۔

اس موقع پر مسلمانوں کو اس بات کی یاد دہانی کرا دینا ضروری تھا کہ تمہارے اسلاف نے ہزار طعنے اور گالیاں سننے کے باوجود بھی حق و ایمان کی ڈگر نہیں چھوڑی ہے۔ مسلمانوں کی صفت ہی یہ بیان کی گئی کہ . . . . وہ ملامتوں کی پرواہ نہیں کرتے انہیں اس بات کا کوئی خوف و ڈر نہیں ہوتا کہ اربابِ دنیا ان پر کیچڑ اچھال رہے ہیں اور کن کن ناموں سے یاد کر رہے ہیں۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب کے مذکورہ بیان سے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے تمام تر غلطی مسلمانوں کی ہے۔ ان لوگوں کی کوئی غلطی نہیں جو ان پر فقرے اچھالتے ہیں انھیں گندے اور ناروا القاب کے ساتھ پکارتے ہیں۔ اسی تقریر میں ایک جگہ مولانا نے یہ فرمایا ہے کہ مسلمان اپنے درمیان بھی داعی بنیں اور مسلمانوں کو تبلیغ کریں۔

ہمارے خیال میں لفظ "مسلمانوں کو" کی بجائے "اسلام کی" ہونا چاہیئے تھا اسلام کی تبلیغ کرتے وقت مسلم اور غیر مسلم کی تفسید لگانا غلط ہے۔ اسلام کی تبلیغ ہر طبقہ میں ہونی چاہیئے خواہ وہ مسلمانوں کا طبقہ ہو یا ہندوؤں کا، یا سکھوں کا۔ مولانا ابوالحسن بین الاقوامی شخصیت کے حامل ہیں۔ ان کے فکر و عمل کا دائرہ وسیع ہے ان جیسے ہونہار عالم دین کی زبان سے محدود تبلیغ کی نصیحت حیرت کا باعث ہے۔ مسلمانوں میں تبلیغ ایک مدت سے جاری ہے۔ اب تو اس بات کی ضرورت ہے کہ ان غیر مسلموں کے سامنے اسلام کے محاسن و محامد بیان کیے جائیں جو اسلام سے بدظن ہیں یا بدظن کر دیئے گئے ہیں۔ مسلمانوں میں تو سلسلہ تبلیغ ایک مدت سے جاری ہے اور جاری ہی رہے گا لیکن ظاہر ہے کہ یہ تبلیغ کا سلسلہ غیر مسلموں پر کسی طرح بھی اثر انداز نہیں ہو سکتا ان کو جو کچھ غلط فہمیاں مذہب اسلام سے ہیں وہ اس وقت تک رفع نہیں ہو سکتیں جب تک ان کے سامنے اسلام کی خوبیاں اور ان خوبیوں کی انتہائیں بیان نہ کی جائیں۔

یہ بات مولانا ابوالحسن جیسی ہمہ گیر شخصیت کے شایانِ شان ہوتی کہ وہ مسلمانوں کو اس بات کی تاکید کرتے کہ غیر مسلموں میں بھی تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا جائے اور انھیں بھی مذہب اسلام سے روشناس کرایا جائے ۔۔۔۔۔۔

ص ۲۲۸ پر جو فرمودہ موجود ہے اس کا لب لباب یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کا عالم یہ ہے کہ اگر ہندوستان میں کہیں آگ لگ جاتی ہے تو وہ خوشی میں تالیاں بجاتے ہیں کہ چلو حکومت کا نقصان ہو لیا اگر ہندوستان کے کسی محکمہ کو کوئی گزند پہنچتی ہے تو مسلمان اپنے گھروں میں گھی کے چراغ جلاتے ہیں کہ حکومت کی مضرت برداشت کرنی پڑی یا اگر ہندوستان کی کوئی کرکٹ ٹیم پاکستا ٹیم کا مقابلہ کرتے ہوئے شکست و ریخت سے دوچار ہو جاتی ہے تو مسلمان فرطِ مسرت میں اچھلنے لگتے ہیں کہ ہوا ہندوستان کا بیڑا غرق ۔۔۔ مسلمانوں کے اس طرز روش کو بیان کرنے کے بعد مولانا نے اپنے

۔۔لاف کی قربانیوں کا ذکر کیا ہے کہ انھوں نے ہندوستان کو
ں فلاں فلاں چیزیں عطا کی تھیں۔ فلاں فلاں خدمتیں انجام دی تھیں
مولانا نے جو کچھ فرمایا ہے وہ بالکل صحیح۔ بلکہ اصح۔ مگر بہتر
تا اگر وہ یہ وضاحت بھی کر دیتے کہ ہندوستان کے مسلمان جو
ھ بھی کرتے ہیں اس کا اکثر حصہ ردِعمل کی حیثیت رکھتا ہے۔

غیر مسلموں کا عالم یہ ہے کہ اگر پاکستان میں کوئی آسمانی
ت نازل ہو جائے تو خوشی کے بگل بجاتے ہیں۔ عالم اسلام کو
ئی پریشانی لاحق ہو تو غیر مسلموں کے گھر میں دیوالی آجاتی ہے
—— بنگلہ دیش نما ہے اور پاکستان خانہ جنگی کا شکار ہو کر ٹکڑے
ٹکڑے ہو جاتا ہے تو "ہندو بازاروں" میں مٹھائیاں تقسیم ہوتی ہیں
ن سب چیزوں کی دیکھا دیکھی اگر ہندوستان کے مسلمان بھی بطور
ردِعمل اسی طرز و اسلوب کو اپنالیں تو انھیں مجرم گرداننا اور
ن کے طرزِ عمل پر تنقید کرنا درست نہیں ہوگا۔ اور اگر مسلمانوں کی
صلاح ہی مقصود تھی تو یوں کہنا چاہیئے تھا کہ اگرچہ تم بعض فرقہ پرست
غیر مسلموں کے طرزِ عمل کی ضد میں فلاں فلاں حرکتوں کا مظاہرہ کرتے
ہو تاہم اگر ان چیزوں سے محترز رہنے کی سعی کرو تو اعلیٰ ظرفی
کی بات ہو۔ بات کو اس انداز میں کہنا کہ جیسے مسلمان ہی سراپا
قصور وار ہیں۔ حساس مسلمانوں کے لئے تکلیف دہ ہوگا۔

بعض ہندوؤں کی ذہنیت کا اندازہ لگانے کے لئے ایمرجنسی
کے وہ مخصوص واقعات ہی کافی ہوں گے جن میں مسلمان قیدیوں کے
ساتھ بدسلوکی کا مظاہرہ کرتے وقت ان کی داڑھیوں اور ان کی
وضع قطع کا مذاق اڑایا گیا۔ اگر حکومت کی نگاہوں میں کچھ مسلمان
مجرم و قصور وار تھے قانون کی رو سے انھیں گرفتار کر لینے میں کوئی مضائقہ
نہیں تھا لیکن جیلوں میں ان کی مسلمانیت کا مذاق اڑانا اس
بات کی علامت تھی کہ مسلمان کا سب سے بڑا قصور تو اربابِ کانگریس
کے نزدیک یہ تھا کہ وہ مسلمان ہیں۔

جشن سے متعلق گفتگو ادھوری ہے کچھ اور عرض کرنے کو
دل چاہتا ہے لیکن اب جو بات بھی گذارش کی جائے گی بعد از وقت
ہوگی - دوسری وجہ تفصیل میں نہ جانے کی یہ ہے کہ مولانا ابو الحسن
ندوی نے از خود ہی اپنی اور اربابِ جشن کی کردہ اور ناکردہ غلطیوں
کا اعتراف و اعتذار ایسے الفاظ میں پیش کر دیا ہے :-

اب جبکہ جلسے کو ختم ہوئے کئی ہفتے ہو چکے ہیں
کارکنانِ ندوہ کو بھی اپنی متعدد کوتاہیوں کا بہ شدت
احساس ہے...... وغیرہ ص ۲۸۱

معذرت ان سطروں کے بعد ہماری نکتہ چینی فضولیات میں
شمار کی جائے گی۔

خلاصہ یہ سمجھئے کہ رودادِ چمن میں جس جشن کی تفصیلات سمیٹی
گئی ہیں وہ جشن بعض خامیوں کا حامل ہوتے ہوئے بھی متاثر کن
رہا اور اس کے اثرات و عواقب دیرپا رہیں گے۔

اور اس رودادِ چمن کے بارے میں بس اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے
کہ اس میں طباعت و کتابت کے اعلیٰ معیار کے علاوہ ترتیب و تدوین
کی وہ شائستگی موجود ہے جو کتاب کی تقدیر میں نکھار پیدا
کر دیتی ہے۔

ہر آن یہ رودادِ چمن ان لوگوں کے سامنے رہنا چاہیئے جو دارالعلوم
دیوبند کے ہونے والے جشن کے ذمہ دار بنائے گئے ہیں۔ ان
ذمہ داروں کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ ان چیزوں کو بلا تکلف
اور بلا تامل اپنالیں جن کی وجہ سے ندوہ کو بے پناہ کامیابی
حاصل ہوئی اور ان چیزوں سے دامن بچانے کی کوشش کریں
جن کو اختیار کر کے اربابِ ندوہ کو خفت کا سامنا کرنا پڑا۔

الاسلام

- از وحید الدین خاں۔
- کاغذ متوسط۔ کتابت و طباعت گوارہ
- صفحات ۲۴۰ - قیمت مجلد تیرہ روپے ۱۳/-
- دار العلمیہ جمعیۃ بلڈنگ قاسمجان اسٹریٹ دھلی۔

پہلے وحید الدین خانصاحب ایک مشہور و معروف صحافی
تھے۔ لیکن ایک مدت سے انھوں نے گوشۂ عزلت اختیار کر رکھا
تھا۔ اس لئے ان کی کوئی تخلیق منظرِ عام پر نہیں آسکی —— کافی
عرصے کے بعد انھوں نے اسلامی کتب خانوں کو اپنی ایک اچھوتی
تخلیق عطا کی ہے۔ اچھوتی کا لفظ ہم نے بلاوجہ استعمال نہیں کیا
بلکہ یہ حقیقت ہے کہ "الاسلام" ایک ایسی تصنیف ہے جسے

ڑھنے والا وا تعریف کی حقدار قرار دیئے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ شرطیکہ پڑھنے والا علم واثر اور الفاظ ومفاہیم کا قدردان ہو۔

کتاب خوبیوں اور عمدگیوں سے مالا مال ہے۔ بس اگر ئی چیز اس میں کھٹکتی ہے تو وہ ہیں کتابت وطباعت کی خامیاں۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تصحیح پر کوئی خاص توجہ نہیں ری ں۔ کسی بھی اہم کتاب میں کتابتی اور طباعتی غلطیوں کی بہتات یقیناً بڑی کوفت ہوتی ہے۔ اور بے اختیار کاتب اور طابع ے لیئے دعائے مغفرت کرنے کو دل چاہتا ہے۔ وحید الدین خاں صاحب کی تخلیق کاتب اور ارباب پریس کی مہربانیوں کا شکار ہوئے بغیر بھلا ہمارے ہاتھوں تک کیسے پہونچ جاتی۔

کتاب کی سب سے زیادہ نمایاں خامی جسے کتابتی اور طباعتی خامی کہنا درست نہیں ہوگا یہ ہے کہ اس میں قرآن کی یات پر اعراب لگانے کا اہتمام نہیں کیا گیا ہے۔ گویا کہ یہ کتاب رف حافظوں کے لئے لکھی گئی ہے یا اس احساس وتصور کے ساتھ لکھی گئی ہے کہ بیسویں صدی کا ہر مسلمان قرآنِ حکیم کی آیات بلا اعراب درست پڑھ کر رہے گا لہٰذا کیا ضرورت ہے اعراب لگا کر دس منٹ ضائع کرنے کی۔

قرآن کی تمام آیات اور احادیث پر نظر ثانی ہونی چاہیئے۔ س لئے کہ حضرت کاتب نے بعض ایسے کارنامے بھی انجام دے ڈالے یں جو قارئین کو نقصان پہونچا کر رہیں گے۔ ایک مسلمان کے لئے س سے زیادہ باعث خسارہ اور کیا بات ہوگی کہ وہ قرآن ی آیت غلط پڑھے یا غلط پڑھنے پر مجبور ہو۔ وحید الدین خاں صاحب ی زیر نظر کتاب میں درج شدہ بعض آیات کو ایک عام قاری یح پڑھنے پر قادر نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اعراب ندارد ہونے کے ساتھ ساتھ بعض جگہوں پر حروف تقریباً مٹے ہوئے ہیں۔ قرآنی یات کی تصحیح پر توجہ دینا ہر ناشر کے لئے ضروری ہے۔ اس لئے آیات کو غلط پڑھنے کا تمام تر وبال ناشر ہی کی گردن پر رہتا ہے۔

ص۳۸ دیکھیئے۔ یہاں قرآنی ایک آیت منقول ہے:۔

قل تعالوا اتل ما حرم ربکم الا تشرکوا بہ شیئا۔ الی آخرہ

اس آیت میں ربکم کے بعد علیکم بھی تھا جو کتابت کی نذر ہیں آکر شہید ہو گیا۔

ص۸۶ میں ایک آیت میں الشوکۃ کے بجائے الشکوۃ لکھدیا ہے۔

ص۱۶۷ پر ایک آیت میں حتی یاتینا کی جگہ حتی یاتی لکھدیا گیا ہے۔

اس قسم کی فروگذاشتیں خاصی تعداد میں موجود ہیں۔ آیندہ ایڈیشن میں ان کی اصلاح کرلی جائے تو کتاب کی افادیت کو شش اور بڑھ جائے گی۔ تبصرہ کا حاصل یہ ہے کہ "الاسلام" اپنے موضوع کے اعتبار سے ایک عمدہ اور مفید کتاب ہے اور اس قابل ہے کہ ہر پرائیویٹ لائبریری میں موجود رہے۔

اچھے لوگ

- از:۔ عرفان خلیلی
- کاغذ، کتابت وطباعت معیاری۔
- صفحات ۱۴۴۔ قیمت ساڑھے تین روپے ۳/۵۰
- ناشر اسلامک پبلشرز رام پور یوپی

"اچھے لوگ" اسلامک پبلشرز کی دوسری پیشکش ہے اس سے پہلے یہی ادارہ "کیا مسافر تھے" نام کی ایک ہلکی پھلکی تخلیق پیش کر چکا ہے جس پر تجلی میں تبصرہ ہو چکا ہے اور جو ایک بڑے حلقہ میں دادِ تحسین حاصل کر چکی ہے۔ اچھے لوگ عوام کے لئے ایک بہترین تحفہ ثابت ہوگی اور ان طلبا کے لئے بھی یقیناً مفید رہے گی جو تقریر کرنے کی مشق کر رہے ہوں۔

اس کتابچہ میں احادیث رسولؐ کو معیار اور آئیڈیل بنا کر یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اچھے لوگ کن اوصاف کے حامل ہیں۔ اس اس کتابچہ کے عنوانات کی مکمل فہرست یہ ہے۔

اچھا مسلمان، اچھا عمل کرنے والا، اچھا نمازی اچھا مالدار، اچھا روزہ دار، اچھا خرچ کرنے والا، اچھے والدین، اچھی اولاد، اچھا رشتہ دار، اچھا پڑوسی، اچھا شوہر، اچھی بیوی، اچھا معلم، اچھا طالبعلم، اچھا میزبان، اچھا مہمان، اچھا محسن، اچھا قرض خواہ، اچھا قرضدار،

اچھا تاجر، اچھا امام، اچھا حاکم، اچھا محکوم، اچھا مزدور، اچھا مبلغ، اچھا سائل، اچھا رفیق، اچھا مسافر، اچھی وضع قطع والا، اچھا لباس پہننے والا، اچھا کھانے پینے والا، اچھا مصائب جھیلنے والا، اچھی گفتگو کرنے والا، اچھا سونے والا، اچھی عادت والا، اچھے اخلاق والا۔ قنوت نازلہ۔

اسی طرح چالیس عنوانات کے تحت اُن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جو احادیث رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی کسوٹی پر کھرے ثابت ہوں۔ اس کتابچہ میں بس ایک کمی محسوس ہوتی ہے وہ یہ کہ بعض احادیث تشریح طلب تھیں لیکن مرتب نے ان پر حاشیہ چڑھانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اگرچہ بعض جگہ کچھ نوٹ بھی لکھے گئے ہیں۔ مثلاً اچھا مہمان کے ضمن میں دعوت کو قبول کر لینے پر حدیث پیش کرتے ہوئے یہ نوٹ بھی دیا گیا ہے کہ:-

دعوت کتنی ہی حقیر ہو اسے قبول کر لینا چاہیئے ورنہ دعوت دینے والے کے خلوص و محبت کو ٹھیس پہونچے گی۔

یہ نوٹ ظاہر ہے کہ انتہائی ناقص ہے۔ اس میں یہ وضاحت کر دینا بھی ضروری تھا کہ جو لوگ حرام اور ناجائز قسم کے کاروبار کرتے ہیں وہ کتنے ہی خلوص سے دعوت کریں ان کی دعوت کو رد کر دینا چاہیئے۔ انھیں یہ احساس دلانے کے لئے کہ برادری میں انھیں اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھا جاتا ـــ ان کی دعوت قبول کر لینا ان ناجائز روزگاروں کی تصویب کرنے کے مترادف ہو گا۔

علاوہ بریں آٹھویں حدیث کے ضمن میں جو نوٹ چڑھایا گیا ہے وہ بھی تشریح کا محتاج ہے۔ تشریحات پر بالکل توجہ نہیں دی گئی ہے ورنہ کتاب کی افادیت اور معنویت میں کوئی کلام نہیں۔

عورت تہذیب کے دوراہے پر

مرتبہ:- محمد ایوب اصلاحی۔
کتابت وطباعت مناسب۔
صفحات ۱۱۰ ـ قیمت تین روپے ۳/
ناشر - اسلامک پبلشر رام پور یوپی

اور یہ اسلامک پبلشر رامپور کی تیسری پیشکش ہے۔ جس میں مسلم خواتین کے لئے ان حقائق کو سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے جو اسلامی معاشرہ میں اساس و بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور جنھیں اپنائے بغیر کسی بھی مسلم سوسائٹی کو امن و سلامتی کی ضیاء نصیب نہیں ہو سکتی۔

عورت بلاشبہ معاشرہ کا دل ہوتی ہے۔ دل بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ کر رہتا ہے اسی طرح اگر عورت میں خرابی پیدا ہو جائے تو پورے معاشرہ کو خرابیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

ایک بار آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے زبان و دل کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا کہ انسانی جسم میں یہ دونوں چیزیں سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ یعنی یہ کہ یہ دونوں بگڑ جائیں تو انسان بُرا سمجھا جاتا ہے اور اگر یہ دونوں سنور جائیں تو انسان کے اچھے ہونے میں کوئی رکاوٹ مانع نہیں ہوتی ـــ ایک فلسفی قسم کے آدمی سے کسی بادشاہ نے کہا تھا کہ گوشت لاؤ۔ اور جانور کے جسم میں جو چیز سب سے زیادہ اچھی ہو وہ لیکر آنا۔ وہ شخص دل خرید کرلے آتا ہے۔ اگلے دن پھر اس شخص سے گوشت کی فرمائش کی جاتی ہے کہ آج جانور کے جسم کا وہ ٹکڑا لاؤ جو سب سے زیادہ بدتر ہو۔ چنانچہ وہ جاتا ہے اور پھر دل خرید کرلے آتا ہے اور اس بات کی وضاحت کر دیتا ہے کہ دیکھو انسان و حیوان کے جسم میں سب سے بُری اور اچھی چیز دل ہی ہوتی ہے۔ دل اچھا ہو تو پورا جسم اچھا ہوتا ہے۔ دل بُرا ہو جائے تو پورا جسم بُرا ہو جاتا ہے۔

اب ارسطو کی سنئے اس سے ایک بار پوچھا گیا کہ دنیا کی سب سے زیادہ اچھی چیز کیا ہے؟ اس نے جواب دیا عورت ـــ پھر پوچھا گیا کہ اور دنیا کی سب سے بُری چیز کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ "عورت" اور اس کا مطلب ظاہر و باہر تھا کہ اگر عورت بُری ہو تو اس سے زیادہ بُری کوئی چیز نہیں اور اگر عورت اچھی ہو تو اس سے زیادہ اچھی کوئی اور چیز نہیں ہوتی۔ عورت نیک ہو تو شوہر کے لئے دنیا میں جنت کم نہیں اور اگر عورت بد ہو تو شوہر اور اہل خانہ کے حق میں جہنم سے کسی درجہ کم نہیں ہو سکتی۔

بہرکیف معاشرہ میں امن و عافیت آجاگر کرنے کے لئے

ہمیں اپنی عورتوں کی اصلاح کرنی ہوگی اور یہ اصلاح اسی طرح ممکن ہے کہ ہم اچھا لٹریچر چھاپ کر اپنی ماؤں اور بہنوں کے ہاتھوں میں دیں اور انھیں گندی اور فحش کتابیں پڑھنے سے روکیں

اسلامک پبلشرز رامپور نے عورت تہذیب کے دوراہے پر پیش کرکے ہمیں ایک قابلِ تعریف تصنیف سے نوازا ہے۔

کتاب کے شروع میں ماہر القادری کے چند شعر بھی دیئے گئے ہیں جنھیں "روحِ موضوع" کہا جاسکتا ہے۔ یہ بات تو طے ہے کہ یہ کتاب صرف عورتوں کے لئے ترتیب دی گئی ہے۔ مردوں کے لئے نہیں اگر اشکال ہو تو مؤلف کی زبانی سنئے۔

مضامین کا مجموعہ صرف اس غرض سے تیار
کیا گیا ہے کہ ہماری بیٹیاں اور بہنیں اس سے
سبق حاصل کریں۔

موضوع سے بھی یہ بات بیّن طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ کتاب عورتوں کے لئے مدوّن کی گئی ہے لیکن باعثِ حیرت بات یہ ہے کہ جو کتاب عورتوں کے لئے قلمبند کی گئی ہے اس میں احادیث کے متن پر اعراب کا نام ونشان تک موجود نہیں۔ جبکہ مؤلف اس بات سے بے خبر نہیں ہوں گے کہ اکثر عورتیں اس قرآن کے الفاظ بھی صحیح طور پر ادا نہیں کر پاتیں جن پر موٹے موٹے زبر پیش لکھے ہوتے ہیں۔ عورتیں ہی کیا جو کتابیں عوام الناس کے لئے مرتب کی جائیں ان میں قرآن کی آیات اور احادیث کے متن پر اعراب کا اہتمام نہ کرنا دانشمندی کی کسی نوع سے کوئی تعلق نہیں رکھتا

ص۲۵ پر قرآن کی ایک آیت نقل کی گئی ہے اس میں وَرَسُوْلُهٗ کے بعد اَمْرًا کا لفظ غائب ہے۔ ترجمہ میں یہ لفظ موجود ہے لہٰذا اسے کاتب کی کوتاہی سمجھئے۔

ص۸۵ پر تحریر ہے :-

محرم وہ رشتہ دار ہیں جن کے ساتھ نکاح
جائز نہیں اور جن کے تنہا ہونا ممنوع نہیں
اور جن کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

اس عبارت میں دو خرابیاں ہیں ایک تو یہ ہے کہ محرم کی تعریف بھی اتنی ہی کافی تھی کہ محرم ان رشتہ داروں کو کہا جاتا ہے جن کے ساتھ شرعاً نکاح منعقد نہیں ہوسکتا لیس۔ یہ قید لگانا کہ ان کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنا ممنوع نہیں۔ زائد اور بلاوجہ کے قبیل سے ہے جو موجودہ فتنوں کے دور میں خلاف مصلحت بھی ہوسکتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ مولف نے بغیر کسی وضاحت اور بغیر کسی تشریح کے یہ فرمادیا ہے کہ محرم وہ لوگ ہیں جن کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ نامحرم حضرات کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

یہاں مؤلف کو یہ وضاحت کردینی چاہئے تھی کہ محرم ہو یا نامحرم "لمسِ محض" سے وضو نہیں ٹوٹتا بلکہ اگر کوئی عورت کسی نامحرم کو دانستہ ہاتھ لگائے تو چونکہ نامحرم کو چھونے سے شہوت بھڑکنے کا احتمال رہتا ہے اور شہوت بھڑکنے سے عورت و مرد کی فرج سے مذی خارج ہونے لگتی ہے لہٰذا فقہاء کو یہ کہنا پڑا کہ اگر عورت نامحرم کو دانستہ چھوئے اور چند لمحوں تک چھوتی رہے تو اس کا وضو ختم ہوجائے گا۔ میاں بیوی کی شہوتیں چونکہ معمولی لمس سے نہیں بھڑک پاتیں لہٰذا فقہاء نے ان کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ اگر وہ مباشرت فاحشہ کے مرتکب ہوں یعنی کپڑے جدا کرکے ایک دوسرے سے قربت حاصل کریں تو ان دونوں کا وضو باقی نہیں رہے گا، اس لئے کہ مباشرتِ فاحشہ سے مذی نکلنے کا احتمال ہوتا ہے اور خروجِ مذی کو بالاتفاق نواقضِ وضو میں شمار کیا گیا ہے۔ بہرکیف محض کسی نامحرم کو چھو لینے سے وضو ٹوٹنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا اگر لمس اور تقرب سے شہوت بھڑکنے نہ پائے۔ امام شافعی کا مسلک اس بارے میں جداگانہ ہے ان کے نزدیک عورت اگر مرد کو چھولے شہوت ہو یا نہ ہو دونوں کا وضو ختم ہوجاتا ہے۔ جو کتاب عوام الناس کے لئے قلم بند کی گئی ہو اس کتاب میں یا تو ایسے مسائل کا ذکر نہیں ہونا چاہئے۔ اور اگر کسی وجہ سے ذکر ضروری ہو تو تھوڑی سی تفصیل لازمی ہے۔ ورنہ مسئلہ کی وضاحت نہیں ہو پائے گی جو عوام الناس کے لئے نقصان دہ ثابت ہوگی۔

ص۶۱ پر عورت کی آواز کے بارے میں جو ریمارک دیا گیا ہے اس سے ہمیں اتفاق نہیں۔ مولف نے عورت کی آواز کے بارے میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ وہ چھپانے کی چیز نہیں

...تی اس تاثر دینے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ
...دے کے پیچھے سے اس کی آواز سنی جا سکتی ہے۔ یہ تو
...یک ہے کہ بوقتِ ضرورت پردہ کی آڑ لے کر عورت مرد سے
...طب ہو سکتی ہے لیکن اسلام نے ایسی صورت میں اس بات
...تاکید ہے کہ عورت اپنی آواز کو ذرا سخت کر کے گفتگو کرے
...سم کی کوئی لچک موجود نہ ہو تاکہ سننے والا اپنے دل و دماغ
...یں غلط خیالات پالنے پر مجبور نہ ہو سکے۔ اگر عورت کی آواز سے
...تنے پھیلنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو پھر یہ تاکید کرنے کی کوئی ضرورت
...پیش نہ ہوتی۔ ہماری رائے یہ ہے کہ بے ضرورت اور بے مقصد
...رتوں کا مردوں سے کلام کرنا اگرچہ پردہ کے پیچھے ہی سے ہو اسلامی
...حتیاط کے منافی ہے ____

ص۶۶ پر نمازِ جمعہ اور جماعت عنوان فٹ کر کے جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ مبہم اور غیر واضح ہے۔ اس بیان سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ عورت کے لئے جمعہ وغیرہ میں شریک ہونا مولف کے نزدیک ضروری ہے یا احتیاط و مصلحت کے خلاف ____ تاہم اگر ان کی رائے یہ ہو کہ فتنوں کے اس موجودہ دور میں بھی عورتیں جمعہ اور عید کی نمازوں کے لئے مساجد و عید گاہوں میں تشریف لے جایا کریں تو ہم اس رائے کو "بہترین رائے" کہنے کا گناہ مول نہیں لیں گے۔

تبصرہ کا حاصل یہ ہے کہ عورت تہذیب کے دوراہے پر ہلکی پھلکی خامیوں کے باوجود ایک عمدہ اور نفیس تخلیق ہے اور اس لائق ہے کہ ہر شادی شدہ مرد اس کو خریدے اور کسی خاص موقع پر از راہ تحفہ اپنی بیوی کی خدمت میں پیش کرے ہم تجلی پڑھنے والی ماؤں اور بہنوں سے یہ گذارش کریں گے کہ وہ اس کتاب کو خود بھی پڑھیں اور اپنی سہیلیوں کی خدمت میں بھی تحفۃً پیش کریں۔

وصایا حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی

• مترجم مولانا نسیم احمد فریدی امروہی۔
• کاغذ گوارہ۔ طباعت گھٹیا۔ کتابت غنیمت
• صفحات ۵۲۔ قیمت ایک روپیہ پچیس پیسے ۲۵/۱
• ناشر:- کتب خانہ الفرقان لکھنؤ

مشہور بزرگ شیخ شہاب الدین سہروردی کی چند وصیتیں عربی زبان سے اردو زبان میں منتقل کی گئی ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان وصیتوں میں بڑی افادیت پنہاں ہے اگر پڑھنے والا ان وصیتوں پر عمل کرنے اور پھر اپنے عمل پر مستقیم رہنے کا تہیہ کرلے تو اس کی عاقبت سنور جانے میں کسی ریب و شک کی گنجائش باقی نہیں رہے گی اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ مولانا نسیم احمد فریدی صاحب نے بڑی ہی عمدگی کے ساتھ عربی کو اردو لباس پہنایا ہے۔ ترجمہ اس انداز میں کیا گیا ہے کہ کوئی قاری اسے "ترجمہ" تصور نہیں کر سکتا اگر وہ کتاب کے سرورق پر نظر نہ ڈالے ___ اس کتابچہ میں کتابت و طباعت کی غلطیاں برائے نام ہی ہیں لہٰذا ان کا تذکرہ بے سود ہوگا۔ پھر بھی چند غلطیوں کی نشاندہی کرائے دیتے ہیں تاکہ آئندہ ان کی اصلاح کرائی جا سکے۔

ص۳ کے اخیر میں تحریر ہے۔
یعنی ابرار کے نزدیک جو بعض حسنات ہیں وہ
مقربین کے نزدیک سیات کا درجہ رکھتے ہیں۔
رکھتے ہیں کی جگہ رکھتی ہیں ہونا چاہیے تھا۔ سیات اور حسنات دونوں مونث ہیں۔

ص۲ پر قرآن حکیم کی یہ آیت نقل کی ہے:-
اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ۔
اس آیت کا ترجمہ و مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جاننے والے ہی ڈرتے ہیں۔ اس آیت کا لفظی ترجمہ پیش کرنے کے بعد لکھا گیا ہے کہ "اس آیت میں غیر متقی سے علم کی نفی ہے۔"

ہمارے نزدیک تو قرآن کی آیت سے یہ نتیجہ غلط نکالا گیا ہے ___ اس آیت میں غیر متقی سے علم کی نفی نہیں بلکہ غیر عالم سے تقوے کی نفی ہے ___ ایک بات یہ ہے کہ جو خدا سے نہیں ڈرتے ہیں وہ عالم نہیں ہوتے اور ایک بات یہ ہے کہ جو عالم نہیں ہوتے وہ خدا سے نہیں ڈرتے ان دونوں باتوں میں فرق ہے ایمان کے ابتدائی مراحل میں انسان پہلے معلومات حاصل کرتا ہے اور پھر اس میں تضرع اور خشیت پیدا ہوتی ہے

ایسا نہیں ہوتا کہ تضرع اور خشیت تو پہلے پیدا ہوگئی اور بعد میں اس کو اللہ کی بزرگی و بالاتری کا علم ہوا۔ آیت کا سیدھا سادا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی بزرگی اور جلالت سے واقف ہوتے ہیں وہ اس سے ڈرتے ہیں —— ہم نے اسلامی تاریخ پر گہری نظر ڈالنے کے بعد یہ اندازہ لگایا ہے کہ اسلاف نے پہلے علم حاصل کیا ہے اور تدین و تقویٰ ان میں علم حاصل کرنے کے بعد پیدا ہوا ہے۔

شیخ شہاب الدین سہروردی کی وصیتوں کا یہ مختصر مجموعہ قارئین کے لئے مفید ہی ثابت ہوگا۔

نماز جمعہ نظامِ دین میں اس کی اہمیت

- از مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی
- صفحات ۳۲ • قیمت درج نہیں
- ناشر: مکتبہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ پنجاب۔

جمعہ اور اسکے ضروری مسائل سے متعلق یہ مختصر سا کتابچہ بہت زیادہ قابلِ تعریف نہ ہوتے ہوئے بھی اس لائق ضرور ہے کہ عوام اس سے استفادہ کریں۔ کتابچہ مرتب ہی ان عوام کے لئے کیا گیا ہے جو عالمانہ اندازِ گفتگو کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ چنانچہ کتابچہ میں جو مثالیں بیان کی گئی ہیں ان کا انداز بالکل عامیانہ ہے اور کتابچہ کی بسم اللہ بھی عامیانہ ہی انداز میں کی جاتی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ مولف کے پیشِ نظر صرف وہ عوام تھے جو گہری اور مرصع باتوں کو سمجھ نہیں پاتے۔ کتابچہ میں غلطیوں کی بھرمار تو نہیں۔ چھوٹی فروگذاشتیں ہیں جنھیں نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ البتہ دو غلطیوں کی نشاندہی ضروری معلوم ہوتی ہے آخری صفحہ پر غلطی سے ۱۶ نمبر ڈال گیا ہے ۳۲ ہونا چاہئے تھا کتابچہ کا نام ایک لفظ چھوٹ جانے سے مہمل ہوکر رہ گیا ہے۔ نماز جمعہ کے بعد لفظ اور کا ہونا ضروری تھا یعنی نام یوں ہوتا "نماز جمعہ اور نظامِ دین میں اسکی اہمیت"۔

بلاشبہ ایک مدت سے جمعہ کے موضوع پر مستند کتاب کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی لیکن کسی بھی صاحبِ علم اور صاحبِ قلم کو اس بات کی توفیق نہیں ہوسکی کہ اس موضوع پر طبع آزمائی کرے۔ خدا بھلا کرے مولانا ہلال عثمانی صاحب کا کہ انھوں نے اس موضوع پر خامہ فرسائی کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ کتابچہ بہت زیادہ مفصل اور بہت زیادہ مدلل نہ سہی لیکن چونکہ اس موضوع پر کوئی کتاب دکھائی نہیں دیتی لہٰذا اسے گوارا کیا جانا چاہئے۔

شادی مبارک

- از۔ مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی۔
- صفحات ۱۶۔ قیمت ۴۰ پیسے
- ناشر: مکتبہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ پنجاب۔

یہ چھوٹا سا کتابچہ اس لئے ترتیب دیا گیا ہے تاکہ بیاہ شادی کے موقعہ پر اسے عوام الناس میں تقسیم کیا جائے اور اس طرح عوام پر بیاہ شادی سے متعلق چند مسائل واضح ہو جائیں۔ یہ جذبہ قابلِ قدر ہے کہ عوام مسائل سے واقف ہوں اور زندگی کے ہر معاملہ میں شرعی حدود کی پاسداری کریں۔ مفتی ہلال صاحب نے یہ کتابچہ مرتب کر کے اُس تڑپ اور لگن کا ثبوت فراہم کیا ہے جو بطن ایمان سے جنم لیتی ہے اور جو از راہِ اسلام اس قابل ہوتی ہے کہ اس پر اجر و ثواب کا ترتب ہو۔

دورانِ مطالعہ جو غلطیاں نظر سے گذریں ان کی نشاندہی کی جا رہی ہے تاکہ آئندہ ان کی اصلاح کی جا سکے۔

صـ۲ پر ایک آیت نقل کی گئی ہے۔ اس میں لفظ غلیظًا میں ”ی“ کے نقطے غائب ہیں

صـ۵ کے آخر میں اردو زبان میں جو روایت نقل کی گئی ہے وہ پوری نہیں ادھوری ہے۔

صـ۸ پر بھی خطبۂ نکاح سے متعلق ایک آیت منقول ہے۔ اس میں یُصْلِحْ کی بجائے یُصْلِحُ لکھ دیا گیا ہے۔

صـ۱۰ پر مہر معجل اور مہر مؤجل کی صحیح تعریف بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا ہے کہ

مہر کی مدت مقرر نہ ہو تو رواج کے مطابق اس کی مدت موت یا طلاق ہے —— یہ فرمانے کے بعد

تم کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ آیا یہ روش اور یہ رواج
لامی نقطہ نظر سے کیا حیثیت رکھتا ہے۔ ہمارے خیال میں یہاں
بات کی توضیح ضروری تھی کہ مہر عورت سے تمتع حاصل کرنے کی
ورت ہوتا ہے لہٰذا اس کی ادائیگی ضروری ہے۔ اگر شوہر زندگی میں
نے کی اہمیت رکھتا ہے تو مہر زندگی ہی میں بیوی کے حوالہ کر دینا چاہئے
ہر کی موت کے بعد تو عورت ان گنت پریشانیوں کا شکار ہو جاتی
ے۔ اور اس وقت وراثت کے جھگڑے مہر کو زد پہونچائے بغیر
ہیں رہتے۔ دیکھا یہ ہے کہ موت کے بعد ان ہی بیویوں کے
ہر کی رقم ہاتھ لگتی ہے جن کے شوہر کوئی جائداد چھوڑ کر مرے
تو مہر اگر غریب ہو تو عورت کا مہر مارا جاتا ہے جبکہ غریب اور مفلس
شوہروں کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ مہر کی رقم ادا کریں۔ ہونا
چاہیئے کہ ہر شوہر خواہ اس کی آمدنی کتنی ہی کم کیوں نہ ہو قسطوار
بیوی کا مہر ادا کرنے کا اہتمام کرے

صلا پر یہ جملہ نظر سے گذرا:۔

عورت یعنی بیوی کو گھر میں لانے کے وقت اس
کے اعزاز میں دعوت دی جاتی ہے اسکو ولیمہ
کہتے ہیں۔ گنجائش ہو تو اسکو کرنا سنت ہے۔
دعوت ولیمہ میں ان چیزوں کا خیال رکھنا چاہیئے
ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ سنت بدعت کے وبال
میں بدل جائے۔ اور ثواب کے بجائے عذاب
مول لے لیا جائے۔

ولیمہ میں اسراف اور فضول خرچی غیر محمود ہی لیکن یہ غیر محمودیت بدعت
میں اس وقت تک تبدیل نہیں ہو سکتی جب تک دنیا میں اس
فضول خرچی کو سنت سمجھنے اور کہنے والے پیدا نہ ہو جائیں۔
ولیمہ میں فضول خرچی اور اسراف سے کام لینے کو کوئی بھی اچھا نہیں
سمجھتا سبھی برا اور خلاف سنت تصور کرتے ہیں پھر بھی ولیمہ کی
دعوت شاندار بنانے کی فکر ہر کس و ناکس کو ہوتی ہے۔ ادھار
قرض لے کر جو ولیمے کئے جاتے ہیں ان پر مفتی صاحب کی تنقید قابلِ
قدر لیکن اس روش کو بدعت کہنا غلط ہوگا

صلا پر بہ سطر۔ یعنی آٹا سانٹی کو نکاح شغار کے
ہم معنے قرار دیکر ایک صریح غلطی کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ آٹا
سانٹی عقلی اور واقعاتی اعتبار سے کچھ بھی حیثیت رکھتی ہو لیکن
شرعاً یہ ممنوع نہیں ہے نہ ہی اس پر نکاح شغار کا اطلاق ہو سکتا
ہے۔ زید کی بہن کی شادی بکر کی بہن سے اور بکر کی بہن کی شادی
زید کی بہن سے بعوض مہر بلاشبہ جائز ہے۔ خواہ عقلاً اور واقعتاً
غیر مناسب ہی کیوں نہ ہو۔ ہاں اس صورت میں ناجائز قرار پائے گی جب
زید و بکر باہم یہ طے کرلیں کہ میری بہن میرا مہر اور تیری بہن تیرا مہر بن جائیگی
ہم دونوں میں سے مہر کوئی نہیں دے گا۔ یہ صورت غلط اور ناجائز قرار
پائے گی۔ اسی کو عُرفِ شریعت میں نکاح شغار سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

صلاا یہ مرد و عورت کے فرائض و اختیار کی جو فہرست دی گئی ہے
وہ نظر ثانی کی محتاج ہے آئندہ ایڈیشن میں نشان زدہ خامیوں کی اصلاح
کرنے کے بعد اگر کچھ ضروری اضافے اور کرلئے جائیں تو کتابچہ کی افادیت
میں اسی طرح کوئی کلام نہیں رہے گا جس طرح مفتی صاحب کی نیک نیتی
میں کوئی کلام نہیں ہے۔

اختلافی مسائل اور ہم

- از سید معروف حسین ایم اے
- کاغذ غیر معیاری۔ کتابت و طباعت گھٹیا۔
- صفحات ۴۸۔ قیمت ندارد
- ناشر:۔ دانش بکڈپو ٹانڈہ فیض آباد۔

زیر نظر کتابچہ دیوبندی اور بریلوی اختلافات پر مفصل تاہم منعقد
کرنے کے بعد یہ غور و فکر کرنے کے لئے قلمبند کیا گیا ہے کہ اس اختلاف
کی بنیادی وجہ کیا ہے اور اس اختلاف کی جڑیں علم و فہم کی کس سرزمین
میں پھیلی ہوئی ہیں۔ مرتبہ نے دیوبندیوں اور بریلویوں کو اس بات کی
دعوت دینے کی کوشش کی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے مذہبی اور
مسلکی جذبات کو سمجھنے کی سعی کریں اور مناظرے و مجادلے کی تباہ کن
روش کو ترک کرکے صلح صفائی، یک جہتی اور ہم آہنگی کی طرف توجہ
مبذول کریں۔

نیت کا حال تو خدا ہی جانتا ہے لیکن کتابچہ پڑھکر اس بات کا
اندازہ ہوتا ہے کہ مرتبہ نے نیک جذبے اور ایمانی تڑپ کے ساتھ
اس کتابچہ کو ترتیب دیا ہے اور اس امید کے ساتھ ترتیب دیا ہے

کہ علمائے دیوبند اور علمائے بریلی باہم متحد ہوں اور مناظروں اور مناقشوں کی نقصان دہ روش کو آخری سلام کرکے افہام و تفہیم کا کوئی ایسا راستہ تجویز کریں جس میں ایک دوسرے کی پگڑیاں اچھلنے کی نوبت نہ آئے اور ایک دوسرے کی ہتک و تذلیل نہ ہو۔

کتابچہ کا مطالعہ کرنے کے بعد اس بات کا اندازہ بھی ہوتا ہے کہ مرتبہ کی دینی و مذہبی معلومات برائے نام اور برائے بیت ہیں۔ اور اس بات کا اندازہ بھی ہوجاتا ہے کہ مرتبہ پر اس اختلاف کا طول و عرض اور اس اختلافات کی بنیادی وجوہات واضح نہیں جس اختلاف کا قضیہ نمٹانے کا جذبہ لے کر انھوں نے قلم و کاغذ سے رشتہ قائم کرنے کی ٹھانی ہے۔ مرتبہ کو تو یہ تک معلوم نہیں بریلوی حضرات میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو زبان چلاتے وقت تہذیب و انسانیت اور شرافت و اخلاق کو بالائے طاق رکھ کر گفتگو کرنے کے عادی ہیں اور شاید مرتبہ کو یہ بھی پتہ نہیں کہ دیوبندی اور بریلوی مناظروں میں قبل غلطی بریلوی شہزادوں ہی کی ہے ان ہی کے باپ داداؤں اور پوتوں اور نواسوں نے تکفیر و تفسیق کی آوازیں بلند کرکے بدکلامی و گالی گلوچ، انسانیت سوز اور غیر شریفانہ مظاہرے کرکے ایک معمولی اختلاف کو غیر معمولی اور ایک محدود نزاع کو غیر محدود نزاع میں تبدیل کردیا ہے۔ اختلاف رائے کسی بھی دور میں معیوب نہیں سمجھا گیا۔ بلکہ اختلافِ رائے سے ہمیشہ دین و مذہب کو فائدہ ہی پہونچا ہے لیکن یہ ہماری نئی نسل اور نئی پود کی بدنصیبی ہے کہ اس نے جب دنیا میں آنکھیں کھولیں تو معاشرے میں اس اختلاف کی بانسری بج رہی تھی جو تعصب و تشدد کی کوک سے جنم لیتا ہے اور جس کا مقصد شیطانی مشن کو فروغ دینے کے ماسوا کچھ نہیں ہوتا۔

ہمیں اس بات اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ اب دارالعلوم دیوبند کے بعض نونہالوں کی زبان بھی ناروا اور نازیبا قسم کی باتیں کرنے کی خوگر ہوچکی ہے اور ان کے دست و پا بھی ایسے ہی ہتھکنڈے استعمال کرنے لگے ہیں جن ہتھکنڈوں کو اپنا کر بریلوی علماء کو رسوائی اور بدنامی کے علاوہ آج تک کچھ بھی حاصل نہیں ہوا۔ مگر ہم یہ بات انتہائی وثوق اور اعتماد کے ساتھ کہہ رہے ہیں کہ جہالت و سفاہت، گمراہی، فتنہ و فساد، نسلی، صوبائی، جماعتی عصبیت کے اس بگڑے ہوئے دور میں بھی دیوبندی حلقہ کو آج بھی ایک ایسا بڑا حلقہ میسر ہے جو سنجیدگی، متانت، تحمل، بردباری کی دولتوں سے مالا مال ہے اور اخلاق و مروت کے اعتبار سے مفلس تو کیا غریب کہلانے کا مستحق بھی نہیں۔ جبکہ بریلویوں کی اکثریت کا عالم یہ ہے کہ وہ اخلاق و شرافت مروت اور انسانیت کے اعتبار سے بھیانک قسم کے افلاس اور روح فرسا قسم کی تنگ دامانی میں مبتلا ہیں۔

مرتبہ کے لئے ضروری تھا کہ بریلوی اور دیوبندی اختلافات کا تجزیہ کرتے وقت وہ طرفین کی کتابوں کا گہرا مطالعہ کرتے اس کے بعد قلم لے کر میدانِ تحریر میں تشریف لاتے۔ اور پھر طرفین میں سے انھیں جو بھی مجرم و خطاکار محسوس ہوتا اسے بلا تکلف اور بغیر کسی رو رعایت کے تنبیہ کرتے۔ یہ کوئی بات نہیں ہوئی کہ آدمی طرفین کی نظروں میں سرخ رو ہونے کے لئے دونوں ہی طبقوں کی منقبت بیان کرنے پر اتر آئے۔

مرتبہ نے ص۱۲ پر تحریر فرمایا ہے:-

> میرے لئے دونوں مسلک کے علمائے کرام یعنی بریلوی اور دیوبندی قابل احترام و عزت ہیں، سب نائب رسول ہیں ان کی نیتوں پر شبہ کرنا جسارت اور جرم ہی نہیں بلکہ گناہ ہے۔

مرتبہ کے خلوص پر شبہ ہمیں اب بھی نہیں۔ ہاں ہم اب اتنا عرض کرنے پر مجبور ہیں کہ مرتبہ نے اگر اسلامی تعلیمات اور عقائد کی حد بندیوں کی کلی طور پر واقفیت حاصل کرلی ہوتی تو وہ یہ کہنے کی حماقت نہیں کرسکتے تھے کہ میرے لئے دیوبندی بھی قابل احترام اور مخلص اور بریلوی بھی حق پرست اور نائب رسول ـــــ یہ تو بالکل ایسا ہوجاتا ہے کہ جیسے آجکل مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہونے والے بعض "ابوجہل" اور بعض عبداللہ ابن ابی ماڈرن منطق کا سہارا لیکر سڑکوں پر دعوے کرتے پھرتے ہیں کہ وہ سیکولر پسند ہیں۔ انسانیت کے دلدادہ ہیں اور ان کے نزدیک علمائے اسلام بھی قابل احترام ہیں اور جہلائے کفر بھی ہم مرتبہ کی خدمت میں گذارش کریں گے وہ یقین دل و دماغ میں جمالیں کہ دیوبندیوں اور بریلویوں ایک طبقہ کی بات درست ہے اور ایک طبقہ کی نادرست، آپ کو اس کا حق حاصل ہے کہ آپ طرفین کی کتابوں کا مطالعہ کرکے دونوں کے عقائد و رجحانات

کو قرآن و حدیث، اور اجماع صحابہ کی کسوٹی پر پرکھیں پھر دونوں میں ایک کی تصویب کریں اور ایک کی تنکیر۔ لیکن دونوں ہی کو ایک درجہ دیدینا دانشمندی نہیں ہوسکتا۔ اور یقین کرلیں کہ پرہیزگاری بھی نہیں ہوسکتا۔

کتابچہ میں کتابت کی غلطیاں بھی خاصی تعداد میں موجود ہیں۔

ص۱۷ پر:- آپ غیر اسلامی طریقے ہی کو رائج پائے گا۔

یہاں پائے گا کی جگہ پائیں گے ہونا چاہیئے تھا۔

ص۳۳ و ص۳۴ پر اذن کو (بمعنے اجازت) ذ کی بجائے ز سے لکھدیا گیا ہے۔

ص۲۴ پر لکھا ہے: کمیونزم اور الحاد ہی زندگی کو سکون بخش رہے ہیں۔

اس جملہ میں کمیونزم سے پہلے لفظ "نہ" بھی ہوگا جو کتابت کی زد میں آکر ٹوٹ پھوٹ گیا۔

ص۱۲ پر فعل کو فعیل لکھدیا۔

ص۲۸ پر مضبوطی کو ض کی بجائے ظ سے لکھدیا گیا ہے۔

ص۳۶ پر رُسُل کی بجائے رسول لکھدیا گیا ہے۔

ص۳۶ پر مؤرخ کو مدرخ د سے لکھدیا۔

اس قسم کی غلطیاں اور بھی ہیں جن کی تصحیح ضروری تھی۔

آیئے اب ان غلطیوں کا سرسری جائزہ لیں جو مفہوم و مراد اور عقیدہ و مسلک سے متعلق ہیں اور جن کی موجودگی ناظرین کے لئے ضرررساں ثابت ہوگی۔

ص۱۰ پر بشریت رسول کے ضمن میں مؤلف نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔

> اس طرز مخاطب میں حکمت الٰہی یہ تھی کہ لوگ رسول مقبولؐ کو مافوق البشر نہ سمجھیں بلکہ بشر یعنی انسان سمجھیں تاکہ قریب سے قریب آویں۔

اس انداز گفتگو سے مترشح ہوتا ہے کہ آنحضورؐ تھے تو مافوق البشر ہی لیکن حق تعالیٰ انھیں بشر باور کرانے پر اس لئے تُلے ہوئے تھے تاکہ بگڑی ہوئی قوم کے افراد ان کے قریب آویں اور انھیں مافوق البشر تصور کرکے اُن سے گریزاں ہونے کی کوشش نہ کریں۔ کسقدر غیر حقیقی بات ہے۔ یہ بات کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم بشر محض اسلئے ثابت کیا جاتا تھا تاکہ کفار و مشرکین آپ کے اردگرد جمع ہوجائیں۔

> اسی موضوع کے ضمن میں یہ بھی فرمایا جاتا ہے کہ قرآن پاک میں رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے کہیں بشر، کہیں رسول، کہیں نبی کہہ کر مخاطب کیا ہے۔

یہاں مؤلف نے مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے کہ آپ بشر بھی تھے اور رسول و نبی یعنی مافوق البشر بھی تھے ــــ مؤلف کے نزدیک بھی نبی اور بشر میں فرق ہے۔ اسی لئے انہوں نے دوسروں کو بھی مغالطہ میں ڈالنے کی کوشش فرمائی ہے۔ ذرا آگے چل کر ص۱۲ فرماتے ہیں:-

> ایک عام دستور یہ بھی تھا کہ لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کی زندگیوں میں تو ان کو جھٹلایا۔ نبی نہیں سمجھا بلکہ بشر سمجھا۔

اس انداز گفتگو سے بھی یہ بات متبیّن ہوتی ہے کہ مؤلف کے نزدیک بھی نبی اور بشر میں نمایاں فرق ہے۔ نبی، رسول اور بشر تینوں میں تفاوت عقلی موجود ہے حالانکہ یہ بات انتہائی غلط اور کم علمی پر مبنی ہے۔ نبی اور رسول کا انسان ہونا تو قرآن سے ثابت ہے البتہ نبی اور رسول میں تھوڑا سا فرق ہوتا ہے۔ ہر نبی رسول نہیں ہوسکتا البتہ ہر رسول نبی ضرور ہوگا۔

اسے ایک واقعاتی مثال سے سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ دارالعلوم دیوبند میں ایک شعبۂ قرأۃ ہے اس میں صرف تجوید کی مشق کرائی جاتی ہے۔ بعض حضرات صرف قاری بننے کے لئے اس شعبہ میں داخلہ لیتے ہیں اور سال دو سال کے بعد قرأت کی سند لیکر چلے جاتے ہیں اور دارالعلوم دیوبند کا ایک شعبہ مولویت کا بھی ہے جس میں علم تفسیر علم منطق، علم حدیث، علم بلاغت وغیرہ وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہے اب چند سالوں سے دارالعلوم دیوبند نے عالم دین کی سند حاصل کرنے کے لئے یہ شرط عائد کردی ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی سند کے مستحق وہی لوگ ہوں گے جنھوں نے تجوید بھی پڑھی اور قرأت کی سند حاصل کی ہو۔ اب بات یوں بنے گی کہ دارالعلوم دیوبند میں تعلیم یافتہ حضرات بعض مولوی ہوں گے اور بعض قاری لیکن ہر مولوی

قاری ضرور ہوگا البتہ ہر قاری کا مولوی ہونا ضروری نہیں۔ بس یہی فرق نبی اور رسول کے مابین ہوتا ہے۔ یعنی ہر رسول نبی ضرور ہوگا۔ البتہ ہر نبی کا رسول ہونا ضروری نہیں۔ نبی تو اسے کہتے ہیں کہ جو پچھلی شریعتوں کی تصدیق کرتے ہوئے ایک نئی شریعت سے دنیا کو روشناس کرائے۔ اور انھیں نئی شریعت ہی کو اپنانے کی دعوت دے۔ آنحضور بشر بھی تھے نبی بھی تھے اور رسول بھی تھے اسلئے قرآن حکیم میں تینوں ہی ناموں کے ساتھ ان کا ذکر خیر ملتا ہے۔ لیکن اس سے یہ تو ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ بشر غیر رسول کو اور رسول غیر نبی کو کہا جاتا ہے۔

ص۱۲ پر حیات النبیؐ کے موضوع پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے

> کہ نبی نوع انسان کا جسم انبیاء علیہ السلام شہدائے کرام اولیائے کرام فنا ہو کر مٹی میں مل جاتا ہے۔

ذرا آگے چل کر پھر اسی بات کو بایں الفاظ دہرایا گیا۔

> انبیاء علیہ السلام شہدائے کرام، اولیاء کرام زمین کے جس حصہ میں دفن ہیں۔ قیامت تک انوارِ الٰہی کی بارش وہاں ہوتی رہے گی۔ ان کے جسم اس حالت میں قیامت تک محفوظ رہیں گے۔ ص۲۲

اور پھر آگے چل کر ارشادِ عالی یہ ہوتا ہے کہ:-

> قرآن کریم کی ان واضح ہدایتوں کے بعد تو یہ مسئلہ اتنی شدت کا نہیں رہ جاتا۔

خدا ہی جانے قرآن کے کس صفحہ پر یہ فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ اولیائے کرام کے اجسام بھی انبیاء کے جسموں کی طرح اپنی اصلی حالت میں محفوظ رہیں گے۔ اگر حق تعالٰے کسی بزرگ کے جسم کو اپنی قدرت سے خاک نہ ہونے دیں تو یہ ان کی عنایت ہوگی لیکن اسے قاعدہ کلیہ سمجھ لینا بدعقیدگی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ اجسام اگر فنا بھی ہو جائیں تو اس سے بزرگوں کی بزرگی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ عذاب و ثواب اور سزا و جزا، کی کیفیت ارواح پر طاری ہوتی ہے اجسام و ابدان پر نہیں۔

قرآن حکیم کی طرف کوئی غلط منسوب کر دینا بدترین قسم کا جرم ہے۔ مؤلف کو اس حرکت سے محترز رہنا چاہیئے تھا۔ انبیاء اور شہداء کے بارے میں اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے قبروں میں ان کے جسموں کی حفاظت کی جاتی ہے لیکن ظاہر ہے کہ جب تک قبریں کھود کھود کر مشاہدہ نہ کر لیا جائے اس وقت تک اس بات پر اڑ جانا کہ ہر نبی کی طرح ہر شہید کا جسم صحیح و سلامت رہتا ہے کچھ داری نہیں کہلائیگا احترام و عقیدت کا تقاضا فقط اتنا ہے کہ ہم اللہ کے خاص بندوں کے بارے میں یہ یقین رکھیں کہ اللہ کا معاملہ انکی روحوں کے ساتھ بھی خاص ہوگا اور جسموں کے ساتھ بھی۔ تاہم اگر کسی شہید کا جسم بھی فنا ہو جائے تو اس سے یہ سمجھ لینا کہ خداوند قدوس اس سے خوش نہیں ہوں گے مغفل پن کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ اس مسئلہ کو بنیادی حیثیت دیکر اکھاڑے قائم کر لینا اور ایک دوسرے پر تنقیدات کے سنگریزے اچھالنا خدا ترسی اور ایمان نوازی سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔ مؤلف کا عقیدہ درست سہی لیکن از راہِ نادانی انھوں نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کا سنگم بدعقیدگی سے ہوتا ہے اور برا ہوتا ہے۔

ص۳۲ ؛۔ شفاعت کے ضمن میں جو کچھ فرمایا گیا ہے علم و لعقیاط کی چھلنی میں وہ بھی چھنا ہوا نہیں۔

آخری صفحہ پر تو مؤلف محترم نے کمال ہی کر دیئے فرمایا گیا کہ

> سیرت پاک کا مطالعہ تو ہمیں یہ بتاتا ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کو بھی اپنے سے جدا نہیں ہونے دیا۔ عبداللہ ابن ابی منافق اعظم کی وصیت اور خواہش کے مطابق اس کے جنازہ کی نماز بھی پڑھائی۔ اپنا تہبند مبارک بھی اس کے کفن میں دے دیا۔

مؤلف کو غالباً اس بات کی خبر ہی نہیں کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ ابن ابی کی نمازِ جنازہ پڑھانے کی ادا خداوند قدوس کو پسند نہیں آئی اور انھوں نے یہ آیت نازل کی

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ

اور کبھی منافقین میں سے کسی کی نمازِ جنازہ مت پڑھیے اگر ان میں سے کوئی مر جائے اور نہ ان کی قبر پہ کھڑے ہو جیے۔

⁂

چنانچہ بعدہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی منافق کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھائی۔ یہ تفصیل اگر مؤلف کی نظروں سے گذری ہے

تو پھر انھوں نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا ہے۔ حیرت ہے کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ہمدردی، کرم فرمائی اور رحم دلی کو واضح کرنے کے لئے انھیں صرف تاریخ میں ایک ہی واقعہ نظر آیا۔ آنحضرتؐ کو اپنی امت سے جو تعلق تھا اس کی تصدیق و توثیق ان گنت واقعات تاریخ وسیر کی کتابوں میں ریکارڈ ہیں پھر ایسے واقعہ کو بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی جس پر قرآن کی ایک آیت نے خط تنکیر پھیر دیا ہے۔

مؤلف نے یہ کتابچہ اس جذبہ کے ساتھ لکھا ہے کہ دیوبندی اور بریلوی جھگڑوں میں تخفیف پیدا ہو۔ لیکن کتابچہ کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ مؤلف کو اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہو سکے گی اس لئے کہ کتابچہ اپنے اندر نہ علمیت رکھتا ہے نہ گہرائی ستم بالائے ستم یہ کہ مؤلف سے از راہِ کم علمی بعض غلطیاں ایسی بھی سرزد ہوگئی ہیں جو امت مسلمہ کو کوئی نقصان نہ پہونچائیں تو بس فضلِ ایزدی ہوگا۔

ماہنامہ "البدر"

- ایڈیٹر: عبد العلی فاروقی - بی، اے فاضل دیوبند
- صفحات ۳۲ • فی شمارہ ایک روپیہ • سالانہ بارہ روپے
- پتہ: دار العلوم فاروقیہ کاکوری لکھنؤ۔

البدر کے پہلے صفحہ پر لکھا ہوا ہے حق شناس، حق پسند، حق بیان۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک دعویٰ ہے جس کی دلیل مستقبل میں ہی البدر کے صفحات میں مل سکتی ہے۔ ابھی ہم اس چاند کے بارے میں کوئی صحیح رائے قائم نہیں کر سکتے کہ امت مسلمہ کو حق وصداقت کی ضیائیں بخشے گا یا کذب وفریب کی دھندلکیاں۔ اگرچہ دس بیس شمارے آئے بغیر البدر اپنے بارے میں کوئی پُر اعتماد رائے طلب کرنے کا حقدار نہیں تاہم وہ اس بات کا ضرورت مند ضرور ہے کہ اسے ارباب خیر حضرات اچھے اور مفید مشورے دیں اور حق پرستی کی خاطر قلمی جنگ لڑنے کے لئے جو مورچہ اس نے متعین کیا ہے اس کو مضبوط تر بنانے کے طریقے سمجھائیں۔

ہمارا خیال ہے کہ البدر سنی اور شیعہ جھگڑوں کا تصفیہ کرنے کے لئے فلکِ حقیقت پر نمودار ہوا ہے۔ اور یہ جذبہ لے کر اُبھرا ہے کہ وہ اپنی شعاعوں کا سہارا لیکر سچی روایات کی صداقت اور من گھڑت کہانیوں اور گمراہ کن عقیدوں کی نقاب اتار کر رہے گا۔ خدا کرے ایسا ہی ہو کہ البدر ہمیشہ حق شناس بھی رہے اور حق گو بھی، اور حق پسند بھی رہے اور حق پرست بھی۔

البدر کے ایڈیٹر عبد العلی صاحب میرے بھائی لگتے ہیں۔ دار العلوم دیوبند کے رشتہ سے۔ ان سے ملنے کا مجھے کبھی اتفاق نہیں ہوا لیکن اپنے ایک کرم فرما سے بارہا ان کا ذکر خیر ضرور سنا ہے اور اپنے ہی کرم فرما سے یہ معلوم ہوا تھا کہ عبد العلی صاحب شیعوں کی مخالفت میں جتنے متشدد ہیں اتنے ہی مخلص لتنے ہی حق پرست اور اتنے ہی صاف گو بھی ہیں۔ ان کی بہت سی خوبیوں کا مجھے غائبانہ علم ہوا ہے ان خوبیوں کے پیش نظر میں یہ کہنے کی جسارت کر رہا ہوں کہ وہ اپنے نام میں تھوڑی سی تبدیلی فرمالیں۔

عبد کے معنے مختلف ہیں۔ لیکن زیادہ تر اس کو "بندہ" کے معنے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ عبد العلی کا ترجمہ علی کا غلام بھی ہو سکتا ہے لیکن اگر کوئی اس کا ترجمہ علی کا بندہ کرنے لگے تو اس کو اجہل قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ہمارے نزدیک یہ بات منجملہ مذاق ہوگی کہ شیعوں سے ہمہ آن بھڑ جانے کا جذبہ رکھنے والا شخص اپنے آپ کو عبد العلی کہلانے میں مطمئن ہو۔

البدر کے اس وقت دو شمارے سامنے موجود ہیں ان پر سرسری نظر ڈالنے کے بعد ہمیں عبد العلی صاحب سے یہ توقع وابستہ ہوگئی ہے کہ وہ رسالہ کو جاندار اور شاندار بنانے کے لئے بہت زیادہ مدت نہیں گنوائیں گے۔ پہلی بات' عنوان کے تحت جو اداریئے لکھے گئے ہیں ان میں اخلاص کی چاشنی محسوس ہوتی ہے۔ اور بین السطور میں حق و صداقت کا پرتو بھی نظر آتا ہے۔ مضامین بھی معیاری ہیں۔ مستقل مضمون 'آئینہ' کافی دلچسپ ہے جو ہر حلقہ میں پسند کیا جائے گا۔

آیئے اب چند خامیوں کی طرف بھی اشارہ کر دیں تاکہ تبصرہ کا حق پورا پورا ادا ہو جائے۔

سب سے پہلی خامی تو یہ ہے کہ بعض جگہ عربی عبارتوں کو اردو رسم الخط میں ہی لکھ ڈالا ہے۔ اور لفظوں پر اعراب لگا کر اس یقین کو پختہ کر لیا ہے کہ اب اس کو کوئی اردو دان پڑھ سکے گا۔ دوسری قابلِ اعتراض خامی یہ ہے کہ اکثر جگہ قرآن کی آیتوں پر اعراب لگانے کا اہتمام نہیں کیا گیا ہے۔

پہلے شمارہ میں صفحہ ۲ پر آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے والہانہ تعلق کو عاشق معشوق سے تشبیہ دی گئی۔ تبصرہ نگار کے نزدیک "معشوق" کا لفظ بازاری ہے جو ابوصدیق رضؓ کے شایانِ شان نہیں۔

دوسرے شمارہ میں صفحہ ۱۹ پر محشر لکھنوی نے اپنے ایک شعر میں خالد بن ولیدؓ کو ازراہِ توصیف "سرپھرا" کہا ہے تبصرہ نگار اس اندازِ بیان کو مجہولیت سے تعبیر کئے بغیر نہیں رہے گا۔

صفحہ ۲۲ پر دوسرے کالم میں سب سے پہلے جو آیت نقل کی گئی ہے اس میں وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا کا لفظ چھوٹ گیا ہے۔ اگرچہ ترجمہ میں موجود ہے۔

اس قسم کی فروگذاشتیں کچھ اور بھی ہیں لیکن ان کی نشاندہی کرنا اس لئے بے سود ہوگا کہ رسالوں کا دوسرا ایڈیشن چھپنے کی نوبت نہیں آپاتی۔ لہٰذا کیوں خواہ مخواہ نکتہ چینی کی جائے۔

حاصلِ گفتگو یہ ہے کہ البدر ایک صاف ستھرا اور پاکیزہ ماہنامہ ہے اور اس کے مستقبل سے ہمیں اچھی توقعات رکھنی چاہئیں

ماہنامہ "محکمات"

- سائز ۲۲×۱۸ • صفحات ۴۴
- مدیر عبدالسمیع ندوی
- سالانہ چار روپے • فی شمارہ ۔/۴۰ پیسے
- پتہ:۔ دفتر محکمات ارم چرن پارک بکارم نگر لکھنؤ۔

محکمات ایک نئی طرز کا ماہنامہ ہے جو دین و مذہب سے متعلق قابلِ اعتبار مواد پیش کرتا ہے۔ اس میں جو مضامین شائع کئے جاتے ہیں ان میں حقائق کا انعکاس ہونے کے ساتھ ساتھ ندرت اور سادگی بھی موجود ہوتی ہے۔

اس ماہنامے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اختلافی مسائل میں الجھنے کی بجائے متفق علیہ مسائل پر زور صرف کرتا ہے اور مثبت انداز میں خدمت دین کرنے کی روش اختیار کئے ہوئے ہے۔

محکمات کے دو شمارے پیش نظر ہیں ان دونوں میں کچھ کتابت و طباعت کی غلطیاں موجود ہیں لیکن ماہناموں کی کتابتی اور طباعتی غلطیوں کو واضح کرنا بے فائدہ ہی ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا انھیں نظرانداز کر دینے ہی میں وقت اور کاغذ کی بچت ہے

جنوری و فروری کے شمارہ میں صفحہ ۱ پر یہ روایت نقل کی گئی ہے:۔

"حضرت مالک بن ثعلبہ دولتمند صحابی تھے ایک روز جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تلاوت فرمارہے تھے۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ الخ — جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں ان پر یہ عذاب ہوگا۔

اتفاق سے مالک بن ثعلبہ کا گذر ہوا تو یہ آیت سُنکر ان پر غشی طاری ہو گئی۔ ہوش میں آئے تو خدمت مبارک میں حاضر ہو کر عرض کی۔ کہ یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان کیا یہ آیت ان لوگوں کی شان میں نازل ہوئی ہے جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں۔ ارشاد ہوا ہاں بولے شام ہی تک میرے پاس ایک درہم ایک دینار نہ ہوگا۔ چنانچہ شام تک انھوں نے اپنی کل دولت خیرات کر دی۔"

اس قسم کی روایت بیان کر کے یہ وضاحت ضرور کر دینی چاہیئے کہ سونا چاندی جمع کرنے والے وہ لوگ کہلاتے ہیں جو زیورات کی زکوٰۃ ادا نہ کریں۔ جو لوگ اپنے زیورات اور اپنے کل سرمائے کی زکوٰۃ ادا کر دیں تو پھر اُن سے اُس حال کے بارے میں کوئی محاسبہ نہیں ہوگا جو اُن کے پاس ہمہ آن جمع رہتا ہے۔ مال کا جمع کرنا فی نفسہٖ بُرا نہیں بشرطیکہ اس کی زکوٰۃ نکال دی جائے۔ اور کل مال اللہ کی راہ میں نکال دینا اسلام کو مطلوب نہیں۔ آیت قرآنی کا روئے سخن ان لوگوں کی طرف ہے جو زکوٰۃ و فطرات وغیرہ دیتے ہوئے گھٹن محسوس کرتے ہیں۔

آخر میں مکتبہ کے لئے ہم نیک دعائیں پیش کرتے
، خدا اس کو صراطِ مستقیم پر گامزن رکھے۔

ریخ میلاد (ناول سائز)

- از حکیم عبدالشکور صاحب مرزاپوری مرحوم
- کاغذ معیاری ۔ کتابت وطباعت بھی معیاری
- صفحات ۲۰۰ ۔ قیمت پانچ روپے
- ناشر:۔ کتب خانہ الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ

تاریخ میلاد کا پہلا ایڈیشن قریباً بیس سال قبل چھپا تھا اور س زمانہ میں فی الحقیقت اس موضوع پر کوئی مستند کتاب موجود نہیں تھی چنانچہ موضوع کی اہمیت اور کتاب کی یکتائی کی وجہ سے اس تاب کا ایڈیشن جلد ہی ختم ہوگیا تھا۔ اس کے بعد مدتوں تک اس تاب کی زیارت نصیب نہیں ہوئی۔ اب پھر اسی کتاب کو مولانا نظور نعمانی صاحب نے نظرثانی کرکے دوبارہ شائع کر دیا گیا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میلاد کے موضوع پر ایک مستند کتاب کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی ۔ اور اب یہ ضرورت تاریخ میلاد کے منظرعام پر آجانے سے بڑی حد تک پوری ہوگئی ہے۔

مؤلف نے کتاب کو بڑے ہی اہتمام و دلچسپی کے ساتھ ترتیب دیا ہے۔ انھوں نے کسی بات کو بغیر دلیل اور دلیل کو بغیر حوالہ کے نقل کرنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ انھوں نے دلیلوں اور حوالوں کا انبار پیش کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ میلاد کی اصل ہیئت کذائی پہلے کیا تھی۔ کس دور میں اس کو ایجاد کیا گیا ہے اور اس کا موجد کون تھا اور وہ شخص کس مذہب و ملک سے تعلق رکھتا تھا۔ بعدہٗ میلاد کے ناک نقشے میں کیا کیا تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ میلاد نے کونسی ترقیاں کیں اور ارباب میلاد کس پستی و تنزل کا شکار ہوئے۔ پھر تفصیلاً یہ تحریر کیا گیا ہے کہ شرعاً میلاد کی کیا حیثیت ہے اور مجوزین و مخالفین کی اس بارے میں کیا رائے ہے اور پلہ کس طبقہ کا بھاری ہے۔

قیام کا مسئلہ بھی دو فریقوں اور دو طبقوں کے درمیان چونکہ مابہ الاختلاف ہے لہٰذا مؤلف نے اس موضوع پر بھی لب کشائی کی ہے اگرچہ قیام کے موضوع پر انھوں نے جم کر گفتگو نہیں کی ہے۔ تاہم اس موضوع پر جو کچھ انہوں نے لکھا ہے وہ افادیت منفعت سے خالی نہیں۔

کتاب کے آخر میں "آخری عرض" کا عنوان دیکر جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ بلا وجہ کے تکلف میں شمار ہوگا۔

یہ طریقہ ہمارے نزدیک فیشن سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا کہ آدمی اپنے تقوے اور اپنی پرہیزگاری کا سکہ جمانے کے لئے یہ کہنا ضروری سمجھے کہ میں کسی فرقہ کا مخالف نہیں سب طبقوں کو میں یکساں درجہ دیتا ہوں اور سبھی کا احترام میرے دل میں موجود ہے۔ گمراہ فرقوں کے بارے میں دلوں کے اندر نرم گوشے رکھنا اور جب کچھ کہنے کا موقع ملے یا کچھ کہنے کی ضرورت محسوس ہو تو ان کے بارے میں دوستانہ انداز میں بات کرنا اور ان کو معزز سمجھنا یا معزز سمجھنے کی اداکاری کرنا حیا رتِ حق سے کوئی رشتہ نہیں رکھتا۔ خواہ دنیائے تصوف میں اس طریقہ کو "سلطان عمل" ہی کیوں نہ قرار دیا جائے۔

مروجہ میلاد اور مروجہ قیام پر عمل کرنے والے لوگ بلاشبہ ارباب بدعت سے تعلق رکھتے ہیں اور اہل بدعت کے بارے میں آنحضور نے اس بات کی تنبیہ فرمائی ہے کہ ان کی عزت نہ کی جائے اس لئے کہ اہل بدعت کی عزت کرنا دین کو منہدم کر دینے کے برابر ہے لیکن ہمیں حیرت بھی ہوتی ہے اور افسوس بھی کہ جب صاحب تاریخ میلاد جیسے صحیح العقیدہ لوگ کھلے الفاظ میں یہ کہتے نظر آئیں کہ میں دونوں ہی طبقوں کی عزت کرتا ہوں ان حضرات کی بھی جو میلاد و قیام ضروری نہیں سمجھتے ان حضرات کی بھی جو میلاد و قیام کے بغیر دین کو مکمل سمجھنے کا خیال بھی دل میں نہیں لاتے۔ جبکہ یہ بات مسلّم اور طے شدہ ہے کہ میلاد و قیام میں اپنا سارا زور صرف کرنے والے حضرات دین میں نئی نئی باتیں پیدا کرنے کے مجرم ہیں۔

مذکورہ عنوان کے ضمن میں انھوں نے یعنی مؤلف محترم نے اپنی غیرجانبداری کو مدلل کرنے کے لئے یہ دلیل بھی بیان کی ہے کہ۔

> میں خود مسلم ہوں، مقلد ہوں اور فریقین کو بھی چاہے وہ دیوبندی ہوں یا بریلوی مسلم مقلد سمجھتا ہوں اس لئے دونوں کی عزت کرتا ہوں ص۲۰۵

یہاں مولف نے بین السطور میں یہ بات کہنے کی کوشش کی ہے کہ چونکہ بریلوی اور دیوبندی دونوں ہی مقلد ہیں اس لئے دونوں ہی

قابلِ احترام اور قابلِ عزت ہیں اور چونکہ میں خود بھی مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ مقلد ہوں لہٰذا میں ان دونوں فرقوں کی عزت افزائی کرنے پر مجبور ہوں۔ گویا کہ انھوں نے غیر مقلدین (اہلِ حدیث) کو بریلویوں کے مقابلہ میں بہ اعتبارِ عقیدہ کمتر باور کرانے کی کوشش کی ہے۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ تجلی کے پچھلے ایڈیٹر بھی مقلد تھے اور موجودہ ایڈیٹر یعنی ناچیز بھی مقلد ہے اور ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کی تقلید کو ضروری خیال کرتا ہے۔ لیکن تجلی کا ایڈیٹر یہ سمجھنے اور کہنے کی جسارت نہیں کر سکے گا کہ اہلِ حدیث محض غیر مقلد ہونے کی وجہ سے کمتر مان لئے جائیں اور بریلویوں کو محض مقلد ہونے کی وجہ سے برتر اور قابلِ تفوق سمجھ لیا جائے۔

تقلید جادو کا ڈنڈا تو نہیں کہ جو تمام گمراہیوں کو بے اثر کر دے۔ ہم نظریاتی طور پر غیر مقلدین سے کھلا اختلاف رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود ہمارا اپنا نظریہ یہ ہے کہ حضرات غیر مقلدین، بریلویوں کی بہ نسبت کہیں زیادہ قابلِ ترجیح اور کہیں زیادہ قابلِ اکرام ہیں اور ان کو گمراہ فرقوں میں شمار کرنا اتنا ہی غلط ہوگا جتنا دن کو رات کہنا غلط ہے۔ تاریخ میلاد کے مؤلف تو دنیا سے چلے گئے لہٰذا اب کتاب کے کسی بھی حصہ پر تنقید کرنا شاید بے سود ہی ہو۔

ویسے کتاب غلطیوں سے آخری حد تک مبرا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ تاریخ میلاد عوام و خواص دونوں ہی کے لئے یکساں طور پر مفید ثابت ہوگی۔

نغمۂ سحر

- از۔ ریاست علی ظفر بجنوری (مدرس دار العلوم دیوبند)
- کاغذ عمدہ۔ لکھائی، چھپائی مصفیٰ
- صفحات ۱۱۲۔ قیمت ندارد
- ناشر۔ مکتبۂ رحمت دیوبند

دار العلوم دیوبند کے کسی استاد کے شروع میں حضرت اور مولانا کے بھاری بھرکم الفاظ فٹ نہ کرنے کو اگر گستاخی پر محمول کر لیا جائے تو بر خلاف روایت نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ دار العلوم دیوبند ایک ایسی علمی اور روحانی یونیورسٹی ہے جو اپنے مظاہر و عواقب کے اعتبار سے ملک بھر میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتی۔ اس ادارہ نے مذہبِ اسلام اور امتِ مسلمہ کو بصورتِ علم اور بصورتِ افراد جو کچھ فائدہ پہونچایا ہے اس کا انکار اس کے خیر خواہ تو خیر خواہ اس کے بدخواہ بھی نہیں کر سکتے۔ عقیدت و احترام کا ملا جلا تقاضہ تو یہی ہے کہ اس علمی یونیورسٹی کے ہر مدرس کو حضرت اور مولانا کے بغیر مخاطب نہ کیا جائے۔ تاہم تبصرہ نگار مؤلف سے اور ان حضرات سے جو دار العلوم دیوبند سے گہری عقیدت رکھتے ہیں معذرت چاہتا ہے۔ مولانا ریاست علی صاحب کا ہم تہہ دل سے احترام کرتے ہیں اور اس کی دو وجہ ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہم، ان کے اندر کچھ ایسی خوبیاں محسوس کرتے ہیں، جو قابلِ احترام لوگوں ہی میں پائی جاتی ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ دار العلوم دیوبند کے استاد ہیں۔ اور استاد بھی ہر دلعزیز۔ لہٰذا ہم انھیں بہ نگاہِ خود محترم و مکرم تصور کرتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ انھیں جب بھی پکاریں "مولانا ریاست صاحب" ہی کہہ کر پکاریں لیکن اس وقت ہم اپنی اس چاہت کو خود ہی نظر انداز کرنے پر مجبور ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ زیرِ نظر مجموعہ مولانا ریاست صاحب کے فکر و فہم کا نتیجہ نہیں بلکہ اس ظفر بجنوری کی کاوشوں کا پرتو ہے جو مدت سے مولانا ریاست علی کے احساسات کی پناہ گاہوں میں اپنا ڈیرہ جمائے ہوئے ہے۔

اگر یہ بھی کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ مولانا ریاست علی اور ظفر بجنوری دو الگ الگ شخصیتیں ہیں — جس طرح امین الرحمٰن اور مولانا عامر عثمانی دو الگ الگ شخصیتیں تھیں اگرچہ دونوں شخصیتوں کا جسم ایک ہی تھا۔

ممکن ہے کہ کبھی نہ کبھی مولانا ریاست علی صاحب کی کسی تخلیق پر تبصرہ کرنے کا موقع ملے۔ فی الحال تو ہم ظفر بجنوری کی تخلیق پر خیال آرائی کرنے بیٹھے ہیں اور ظفر بجنوری کے شروع میں ہم پُر احترام اور پُر تکلف الفاظ کی موجودگی کی قطعاً کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ظفر صاحب ایک اچھے شاعر ہیں۔ ان کے اشعار میں فکر و ذہن کی پاکیزگی بھی ہوتی ہے اور زبان و بیان

دل رُبائی بھی۔ کمالِ صدق و حقیقت کا انعکاس بھی ہوتا ہے اور جمالِ خواب و خیال کی جلوہ نمائی بھی

ظفر صاحب کے تخیل کی پرواز بلند ہے۔ ان کے سوچنے سمجھنے کا انداز نرالا کہلانے کا مستحق نہ ہوتے ہوئے بھی اس لائق ضرور ہے کہ اسے عام شاعروں کے مقابلہ میں الگ تھلگ تصور کیا جائے۔

اسلوب میں رچاؤ بھی ہے شگفتگی بھی۔ الفاظ کی حدبندیوں میں کشش بھی ہے اور کیف و گداز بھی، لفظی دروبست میں پختگی بھی ہے اور سلیقہ مندی بھی۔

ان کے اکثر اشعار سلاست اور شادابی سے مالا مال ہیں۔

نغمۂ سحر میں بہت سے اشعار اس لائق ہیں کہ جنھیں بطور ضیافت طبع نقل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ان سب کو نقل کرنے کا مطلب تو یہ ہوگا کہ تجلی کے دو چار صفحے سیاہ ہو جائیں — البتہ چند اشعار تو پیش کرنے ہیں ہی تاکہ ناظرین ظفر صاحب کے تخیل کی اڑان کا کچھ نہ کچھ اندازہ لگا سکیں۔

کتنا بلند ہے یہ مقامِ شکست بھی
غم اس طرح ملا کہ کوئی غم نہیں ہوا

تب کھلا آپ ہیں رفیقِ سفر
میرے ہمراہ کوئی جب نہ ہوا

نہ پوچھو کس قدر آزردگی ہوتی ہے تاروں میں
کوئی جب آخرِ شب مائلِ فریاد ہوتا ہے
جو اشکِ گرم پلکوں پر تڑپتا ہے سرِ محفل
ظفر وہ زندگی کی مختصر روداد ہوتا ہے

نادم ہوں واقعی کرم بے حساب سے
خوش آمدید: آپ کہاں میرا گھر کہاں
جنوں کے ہاتھ سے اب آبروئے عبادت کی
بنا دیئے ہیں خرد نے ہزار ہا معبود

ایک نگاہِ مرحمت ایک نگاہِ جستجو
ایک سوالِ بیکراں ایک جوابِ مختصر

اربابِ دل و دیں کا سامان عجب ہے
اک دیدۂ پُر آب ہے اک سینۂ روشن

ہر اک بہار نے آ کر تیری شہادت دی
چمن چمن سے ملا ہے ترا پیام مجھے

دستور ہے جب فصلِ خزاں دشمنِ گل ہو
اطرافِ گلستاں پہ لگاتے ہیں قدغن وغیرہ۔

نظموں میں "شوق" اور ترانۂ دارالعلوم یقیناً اس قابل ہیں کہ انھیں تعریف و تحسین سے نوازا جائے باقی نظموں میں فنیت تو موجود ہے البتہ وہ مٹھاس موجود نہیں جو روح کے آکاش پر کیف و سرور کی قوسِ قزح بکھیر دیتا ہے۔

اب آیئے تبصرہ کا پورا پورا حق ادا کرنے کے لئے نغمۂ سحر کی خامیوں پر بھی اک نظر ڈال لیں۔

اس مجموعہ کی سب سے بڑی خامی وہ مقدمہ ہے جو حضرت مولانا نعمان الحق صاحب فاروقی شیخ الحدیث مدرسہ امداد الاسلام نے قلمبند کیا ہے۔ یہ مقدمہ غیر ضروری طوالت کی وجہ سے بجائے خود ایک کتاب ہے اور کتاب بھی ایسی کہ جسے پڑھنے والا کوفت اور بوریت کا شکار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا — یہ بات بھی لطیفہ کم نہیں کہ کسی شعری مجموعہ کا مقدمہ کوئی شیخ الحدیث لکھے۔ علمی اور مذہبی کتابوں پر شیخ الحدیث ٹائپ حضرات کی گل افشانیاں فی الواقع قابلِ قدر ہوتی ہیں۔ اسلئے کہ شیخ الحدیث قسم کے حضرات احادیث پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ ان کا وجدان آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوالِ طیبہ کی خوشبو سے ہمہ وقت مہکتا رہتا ہے۔ اس بات کی توقع رکھنا کہ وہ علمی میدان میں ٹھوکریں کم کھائیں گے کوئی بعید از قیاس بات نہیں ہوگی لیکن انھیں شعری مجموعوں اور ادبی تخلیقوں پر حاشیہ نگاری کا اختیار عطا کر دینا اگر ستم نہیں

[illegible] ہے اور اگر نادانی نہیں تو پھر لطیفہ ضرور ہے۔
اونچے اونچے اور ثقیل ثقیل الفاظ بول کر شیخ الحدیث صاحب نے یہ تو ضرور ثابت کر دیا ہے کہ لکھنے کا شعور انھیں کسی نہ کسی حد تک حاصل ہے لیکن پورے مقدمہ میں کسی ایک جگہ بھی وہ یہ ثابت نہیں کر سکے ہیں کہ شاعری اور اسکے نشیب و فراز کو سمجھنے کی اہلیت بھی ان میں موجود ہے۔

مقدمہ کی کوئی سطر ایسی نہیں ہے جو مبالغہ کی علالت سے محفوظ ہو۔ ایک جگہ مقدمہ نگار نے ظفر صاحب کو زبردستی اساطین سخن کی صف میں کھڑا کر دیا ہے۔ ہمارے نزدیک اس قسم کی مبالغائی تعریف اردو ادب کے چہرہ پر طمانچہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مقدمہ نگار کی ڈیوٹی یہ ہوتی ہے کہ وہ جس کتاب پر مقدمہ لکھ رہا ہے اس کتاب کی بالاتری ثابت کرنے کی کوشش کرے لیکن کسی کتاب کی تعریف کرتے ہوئے دیانتداری کو بالائے طاق رکھ کر صرف اور صرف زمین آسمان کے قلابے ملانا نہ سنجیدگی سے کوئی تعلق رکھتا ہے اور نہ مذاق شعر و ادب سے۔

ظفر صاحب کی سلاست بیانی مسلّم لیکن ظفر صاحب کو اساطین شعراء کی صف میں ٹھونس دینا ایک بچکانہ حرکت ہے۔ مقدمہ نگار نے بعض عبارتیں ایسی بھی لکھدی ہیں جن کا مطلب سمجھنے کے لئے مقدمہ نگار سے رابطہ قائم کرنا ضروری ہوگا۔ بعض عبارتیں کسی چیستاں سے کم نہیں۔ مقدمہ نگار نے مقدمہ کے آخیر میں ظفر صاحب کا جو شجرہ وغیرہ بیان کیا ہے وہ بوریت کا سامان فراہم کرنے میں کافی مؤثر رہا۔

نغمۂ سحر میں پہلے صفحہ پر حضرت کاشف الہاشمی صاحب کا یہ شعر نظر آیا:۔

سجا رکھا ہے فرشتوں نے خیمۂ افلاک
حریم دہر میں نے "نغمۂ سحر" پیدا

رکھا ہے بغیر تشدید کے اب متروک ہو چکا ہے۔
ص۹ پر نعتیں بھی کہی ہیں کی جگہ نعت بھی کہا ہے لکھدیا گیا یہ غلطی کتابت کی معلوم ہوتی ہے۔
ص۳۲ پر یہ مصرعہ پڑھنے کو ملا:۔

خوشا یہ شرفِ گرامی کہ کافرانِ عجم

صحیح لفظ شَرف نہیں شَرَف ہے یعنی "را" ساکن نہیں متحرک ہے اور "را" کو اگر متحرک پڑھا جائے تو مصرعہ میں خامی پیدا ہو جاتی ہے
ص۳۴ پر یہ مصرعہ موجود ہے:۔

خرد لیکر چلا ہے آج نذرِ چاک دامانی

بلاشبہ خرد مؤنث ہے۔ لہٰذا خرد لیکر چلی ہے ہونا چاہئے تھا۔

ص۳۴ پر ایک مصرعہ میں "تگاپو" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے حالانکہ اگر یہاں تگاپو کی جگہ "تگ و دو" استعمال ہوتا تو مصرعہ میں روانی زیادہ پیدا ہو جاتی۔
مندرجہ ذیل اشعار میں الفاظ کے تکرار نے بدمزگی پیدا کر دی ہے

وہ التہابِ ارض و سما در کنار ہے
وہ التہاب نفس پیہم نہیں ہوتا   ص۲۴

کوئی ایسا بھی ہے جو چشم ساقی تک پہنچ جائے
کوئی ایسا بھی ہے جو بے پئے سرشار ہو جائے   ص۶۹

کوئی بھی اٹھا نہیں منزلِ ہست و بود سے
کوئی بھی اٹھا نہیں راہ نما و راہبر
ص۳۷

کثرتِ شوق الاماں زیست نہیں تلاش ہے
کثرتِ جلوہ الاماں تنگ ہے دامنِ نظر
ص۴۷

ص۱۳ پر پہلا مصرعہ یوں ہے۔

تفکر لطفِ آموزِ تعین ہوتا جاتا ہے

لطفِ آموزِ تعیّن والی بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔
ص۲۴ پر یہ شعر نظر سے گذرا۔

کتنا بلند ہے یہ مقام شکست بھی
غم اس طرح ہوا کہ کوئی غم نہیں ہوا

"ہوا" کی تکرار شعر کی لطافت کا گلا گھونٹ رہی ہے۔ بات

یوں بھی کہی جا سکتی تھی :۔

غم اس طرح ملا کہ کوئی غم نہیں ہوا

صفحہ ۵۳ پر ایک شعر اس طرح درج غزل ہے :۔

اس طرح سے طوفان تو آیا نہیں کرتے
شاید پسِ طوفان کوئی تازہ گہر ہے

لفظ " اس طرح " کی وضاحت نہیں ہو سکی۔ دوسرے مصرعہ کا کچھ نہ کچھ مطلب تو ضرور ظاہر ہوتا ہے لیکن جو مطلب ظاہر ہو رہا ہے اس کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔

اسی صفحہ پر ایک شعر یوں ہے

گو مجھکو تعلق کا یقیں تجھ سے نہیں ہے
اے شوخ ستم کار تعلق تو مگر ہے

بات قطعی طور پر مہمل ہو کر رہ گئی ہے۔ یہاں شاعر یہ کہنا چاہتا تھا کہ اگرچہ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ تجھے مجھ سے کوئی تعلق نہیں تاہم میں تجھے چاہتا ہوں۔ لیکن شاعر مدعا کو بیان نہیں کر سکا۔

صفحہ ۶۹ پر شعر پڑھنے کو ملا۔ جو کسی معمہ سے کم نہیں

سجدۂ شوق ضروری ہے دو عالم کیلئے
زندگی مشکلِ آفاق سے گھبرا تی ہے

صفحہ ۷۵ پر ایک شعر یہ بھی نظر پڑا :۔

میں تجھ سے دور دور رہوں تو مجھ سے دور دور
لیکن مجھے بہار کا موسم رُلا گیا

دوسرے مصرعہ میں لیکن کا محل نہیں تھا۔ لیکن کی وجہ سے بات مہمل ہو کر رہ گئی ہے

شعر یا تو یوں ہوتا :۔

میں تیرے پاس پاس ہوں تو میرے پاس پاس
پھر کیوں ہمیں بہار کا موسم رُلا گیا

ورنہ شعر یوں ہوتا :۔

میں تجھ سے دور دور رہوں تو مجھ سے دور دور
بس یوں مجھے بہار کا موسم رُلا گیا

بعض اشعار نغمۂ سحر میں ایسے بھی موجود ہیں کہ اگر وہ نہ ہوتے تو بہتر تھا۔ مثلاً

پروانہ ، بلبل کی حکایت سے گذر جا
اے بے خبر عشق یہی عین فغاں ہے

آپ ہاتھ میں تو ہے رشتہ کار زندگی
آپ ادھر نہ دیکھئے آپ دیکھئے اُدھر

سوگند حادثاتِ مسلسل مجھے ندیم
دل بے نیاز کشمکشِ دم نہیں ہوا

اس قسم کے اور چند اشعار ایسے ہیں جنھیں بھرتی کا کہے بغیر چارہ نہیں۔ بحیثیت مجموعی " نغمۂ سحر " ایک دلچسپ مجموعہ ہے۔ ہمارے خیال میں ارباب ذوق کو اس سے حظ اندوز ہونا چاہیئے۔

قصص النبیین (عربی)

- الجزء الرابع ۔ سائز ۱۸×۲۲
- ناشر ۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی
- کاغذ عمدہ کتابت وطباعت روشن ۔
- صفحات ۷۰ ۔ قیمت ۷۰ پیسے

ہم اپنے آپ کو قطعاً اس بات کا اہل نہیں سمجھتے کہ عربی کتابوں پر تبصرہ کریں۔ لیکن عربی کی جو کتب ہمیں موصول ہوئی ہیں ان کے سلسلہ میں اتنی ذمہ داری ہم ضرور محسوس کرتے ہیں کہ کم از کم ان کا تعارف کرا دیا جائے تاکہ کتب بھیجنے والوں کا مقصد کسی نہ کسی حد تک پورا ہو۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی کی قصص النبیین حلقۂ مدارس کافی سے زائد شہرت پا چکی ہے اس کتاب کا موضوع اس کے نام سے ظاہر و باہر ہے یعنی اس کتاب میں انبیاء کے واقعات بڑے ہی دلنشیں اور بڑے ہی سہل انداز میں بیان کئے گئے ہیں۔ کتاب چونکہ بچوں کے لئے مرتب کی گئی ہے لہٰذا ان کی قابلیت و استعداد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ کوئی مشکل

لفظاً استعمال نہ ہونے پائے ۔ اب تک اس کتاب کے تین حصّے منظرِ عام پر آکر شہرت و مقبولیت کی دولت کافی مقدار میں سمیٹ چکے ہیں اب اس کا چوتھا حصّہ شائع کیا گیا ہے لیکن آخری حصّہ یہ بھی نہیں ۔ اس لئے کہ مقدمہ میں مولفِ محترم نے یہ فرمادیا ہے :۔

ثم وفقہ اللہ لوضع الجزء الخامس المشتمل علی السیرۃ النبویۃ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

اس عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ جلد ہی اس کتاب کا پانچواں حصہ منظرِعام پر آنے والا ہے۔ جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ وغیرہ پر روشنی ڈالی جائے گی ۔

قصص النبیین کا یہ چوتھا حصہ حضرت شعیبؑ ، حضرت داؤد ، حضرت سلیمان ، حضرت ایوب ، حضرت یونس ، حضرت زکریا ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور رسالتمآب آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مخصوص اور چیدہ چیدہ واقعات پر مشتمل ہے ۔

اس میں کوئی کلام نہیں کہ قصص النبیین کا چوتھا حصّہ بھی پہلے تین حصّوں کی طرح جاذبیت سے خالی نہیں ۔ جن حضرات نے اس کے تین حصوں کا مطالعہ کیا ہے ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس چوتھے حصّہ کو بھی اپنے مطالعہ میں رکھیں اور مدارس قصص النبیین کے تینوں حصّوں کا آرڈر دیتے وقت چوتھے حصّہ کی اشاعت کو بھی پیشِ نظر رکھیں ۔

هفت روزہ خدوخال کلکتہ

- سائز :۔ بیس تیس سولہ سے کچھ سوا ۔
- کاغذ ، کتابت ، طباعت معیاری
- صفحات ۱۶ ۔ قیمت فی شمارہ ۵۵ پیسے ۔ سالانہ ۲۵ روپے
- مقام اشاعت ۱۲۳ لورچیت پور روڈ کلکتہ

ہفت روزہ خدوخال چند ماہ سے شائع ہو رہا ہے ۔ گویا کہ دنیائے صحافت و ادب میں اس کی حیثیت ذرا ذرہ کی ہے لیکن قابلِ تعریف بات یہ ہے کہ اس کا معیار خاصا بلند ہے اس میں چھپے ہوئے مضامین صاف ستھرے اور متاثر کن ہوتے ہیں ۔

پہلے صفحہ پر درسِ قرآن کے عنوان سے ہر بار ایک آیت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر پیش کی جاتی ہے اس کے بعد "اپنی بات" عنوان کے تحت اداریہ پیش کیا جاتا ہے جو مروّجہ انداز سے قدرے مختلف ہے ، بعدہٗ قلم کاروں کے مذہبی اور ادبی مضامین پیش کئے جاتے ہیں ۔

غور وفکر کے بعد بھی اندازہ نہیں ہو سکا کہ یہ رسالہ کس عمر کے حضرات کیلئے نکالا گیا ہے ۔

رسالہ کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اس کا ٹائیٹل تصویر سے آراستہ ہوتا ہے جاندار کی تصویر خواہ فوٹو ہو یا ہاتھ کی بنائی ہوئی حرام ہے لہٰذا مذہبی اور نیم مذہبی ٹائپ کے رسالوں کو تصویریں چھاپنے سے گریز کرنا چاہیئے ۔ ہماری دعا ہے کہ خدوخال پھلے پھولے ۔

تازیانہ

- از ۔ نسیم قادری
- کاغذ غیر معیاری ۔ کتابت وطباعت گھٹیا ۔
- صفحات ۲۶ • قیمت ۶۵ پیسے
- ناشر :۔ دفتر نشر و اشاعت ۔ مدرسہ فیض الغربا رنیبال

زیرِ نظر کتابچہ مقدمہ و تقریظ کے علاوہ تمام کا تمام منظوم ہے اس کتابچہ میں دیوبندی اور بریلوی اختلاف کو ایک نئی دھاندلی کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔ اس کتابچہ کا شانِ نزول یہ سمجھئے کہ رندر جیمی نام کے کسی فاضل دیوبند نے بریلوی مسلک کے بارے میں کچھ باتیں لکھدی تھیں جو بریلوی ازم کے حق میں ستھوڑا ثابت ہوئیں ۔ چنانچہ بریلوی مسلک رکھنے والے حضرات کے دل و دماغ میں آگ سلگ اٹھی اور پھر عبد الواحد قادری نام کے ایک پیدائشی بریلوی نے امت مسلمہ کے لئے اس " تازیانہ " کو مبعوث فرمایا ۔

یہ کتابچہ منظوم نہ ہوتا تو بھی یور کرتے میں موثر ہی ثابت ہوتا کیونکہ اس کی منظومیت نے تو اس کی صفت یور کن میں اس درجہ اضافہ کر دیا ہے کہ بے اختیار ذہن کے طول و عرض میں کریلا نیم چڑھا" والی

لہا دت گردش کرنے لگتی ہے۔

اس کتابچہ میں کتابت کی غلطیاں خاصی مقدار میں ہیں لیکن ان غلطیوں کی نشاندہی کرنے میں ہم اپنا وقت ضائع نہیں کریں گے ہمارے پاس وقت کی بھی قلت ہے اور کاغذ کی بھی لہٰذا ہم ان خامیوں پر انگلی رکھنے کو ہی کافی اور مفید سمجھتے ہیں جو کتابت وطباعت سے نہیں مفہوم اور عقیدے سے متعلق ہیں۔ اور جن کی موجودگی امت مسلمہ کے حق میں زہر قاتل سے کم نہیں۔

ہماری نظر سب سے پہلے صلا پر پڑی۔ اس صفحہ پر کامل میاں نام کے ایک فصیح البیان شخص نے دیوبندیوں کے بارے میں یہ فرمایا ہے۔

دنیا جس جماعت کے پارساؤں کو ٹھکرا چکی ہے
اس کے رندوں کو خاطر میں کیا لائے گی۔

یہ خوش فہمی ایسی خوش فہمی ہے جس پر ہر سمجھدار آدمی روئے بغیر نہیں رہے گا۔ خدا ہی جانے کامل صاحب کے نزدیک دنیا کس چیز کا نام ہے۔ ہمارے خیال میں وہ اپنے محلہ کو دنیا سمجھتے ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ مذکورہ بالا جملہ زبان سے نکالنے کی حماقت نہیں کرسکتے تھے۔

سنا تھا کہ لنکا میں سبھی باون گز کے ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی سنا تھا کہ بریلوی ذہنیت کا ہر شخص بے بنیاد باتیں کرنے کا خوگر ہوتا ہے۔ بات سو فی صد درست ہی معلوم ہوتی ہے۔ تب ہی تو فصیح البیان کی طرح قادری صاحب نے بھی یہ گل افشانی کی کہ۔

آج ہندوستان میں دم توڑتی ہوئی جس
جماعت کا کوئی پرسانِ حال نہیں اس کے بعض
سپوت نیپال میں اسے زندگی کی توانیاں دینا
چاہتے ہیں ص۹

اسی کو کہا جاتا ہے شاندار قسم کا جھوٹ اور اعلیٰ درجہ کی فریب دہی۔

کتابچہ میں جو کچھ خامیاں ہمیں نظر آئیں ان کی نشاندہی تو ہم بعد میں کریں گے۔ پہلے تو ہم بریلوی علم کلام کے کچھ نمونے پیش کر دیں کہ اس کے بغیر کتاب کی اصل پوزیشن سامنے نہیں آسکے گی۔

ص۱۵ پر ایک فاضل دیوبند صاحب کی خدمت میں مہذب قسم کی گالیوں کا خراج بہ ایں انداز پیش کیا گیا ہے:۔

امیر اللہ وہابی نے نقاب الٹی ارے توبہ
حماقت بن گئی وجہ عذاب الٹی ارے توبہ
زسرتا پا نحوست ہی نحوست آشکارا ہے
بہ ایں بدصورتی وہ دیوبند کا ماہ پارا ہے
یہ وہ چہرہ ہے جو رسوا ہوا سارے زمانے میں
سنوارا مدتوں سے دیو کے آئینہ خانے میں
وہ چہرہ جس پہ توہین رسالت کی سیاہی ہے
وہ دل جس میں محبت کی جگہ واہی تباہی ہے
نگاہوں میں عداوت کے شرارے رقص کرتے ہیں
ارادوں میں لبس ابلیسی نظارے رقص کرتے ہیں
امیر کبریا انسان؟ لاحول ولا قوۃ
کہو اس کو ابو الشیطان لاحول ولا قوۃ
سراپا رند ہے مستی میں الٹی سیدھی بکتا ہے
وہابیت کی بدبو سے وجود اس کا مہکتا ہے

صفحہ ۲۵ پر ہفوات زنی کا انداز یوں رہا۔

مگر ایک شیخ نجدی بڈھا کھوسٹ فکر کرتا تھا
رسولوں کو گھٹانے ہی کی تدبیروں میں مرتا تھا
بنایا شیخ نجدی نے کچھ بندے بندی کا

ص۲۳ پہ یہ شعر نظر آیا:۔

بزرگوں نے بھی لعنت کی ہے ایسے بدعتیوں پر
وہابی، قادیانی، دیوبندی، نیچریوں پر

ص۲۸ پر یہ شعر موجود ہے:۔

اگر ہو خیر کی توفیق توبہ کرلے رندی سے
رشید و قاسم و محمود سارے دیوبندی سے

اور بدکلامی کا ایک نمونہ یہ بھی ہے:۔

وہاں کلمہ پڑھا جاتا ہے اشرف تھانوی جی کا
نصب علم فدائی ہے وہاں پر ٹانڈوی جی کا

اس طرح قادری صاحب نے متعدد مقامات پر اعلیٰ درجہ کی بدکلامی کا مظاہرہ کیا ہے اور یہ مظاہرہ ان کو پکا بریلوی ثابت کرنے کے لئے

بہت کافی ہے۔

آیئے اب ان غلطیوں کا تعاقب کرلیں جن کی حیثیت عقیدے کے چہرہ پر طمانچے سے کم نہیں۔

صفحہ ۱۳ پر آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں مبالغہ کرتے ہوئے یوں فرمایا گیا۔

سلام اس پر جو مالک اور مختارِ خدائی ہے
سلام اس پر کہ جس کا اختیارِ کل عطائی ہے

آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت و ترفع میں کوئی کلام نہیں اور اس میں بھی کوئی کلام نہیں کہ خدا کے بعد سب سے بڑی ہستی حضور ہی کی ہستی ہے۔ بقول شخصے۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ لیکن آنحضور کو مالک دنیا اور مختارِ کل تصور کرنا کسی بھی صحیح العقیدہ مسلمان کا شیوہ نہیں ہوسکتا۔ حضور کی تعریف میں اتنا مبالغہ کرنا کہ رسالت اور خدائی میں التباس پیدا ہوجائے گمراہی اور بدعقیدگی کے ماسوا کچھ بھی نہیں۔ مالک اور مختار صرف خدا وند قدوس کی ذات گرامی ہے اور اس ذات گرامی کے علاوہ کسی بھی بڑی سے بڑی ہستی کو مالک و مختار کے لقب سے پکارنا نہ عقلاً درست ہوسکتا ہے نہ شرعاً نہ واقعتاً۔

قادری صاحب نے مذکورہ بالا شعر سپردِ قلم کرنے کے بعد اپنے غلط خیال کی پشت پناہی کے لئے بطور دلیل قرآن حکیم کی ایک آیت بھی پیش کی ہے۔ آیت کریمہ یہ ہے:۔

هٰذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔

اور اس آیت کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے:۔

یہ ہمارا عطیہ ہے خواہ تم کسی کو دو یا نہ دو تم سے
کوئی حساب نہیں۔

چلئے ترجمہ تو بہت زیادہ صحیح نہ ہوتے ہوئے بھی ناگوارِ خاطر نہیں البتہ اس آیت کو آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تعریف بیان کرتے وقت بطور دلیل استعمال کرنا ایسی شاندار قسم کی جہالت ہے، جیسے دنیا کے ہر "بیت العجائب" میں بآسانی پناہ نصیب ہوسکتی ہے۔ یہ آیت سورہ ص کی ہے۔ اور جہاں سے یہ آیت اٹھائی گئی ہے وہاں حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر چل رہا ہے اور وہاں حق تعالیٰ آنحضور کو مخاطب کرکے یہ بتلا رہے ہیں کہ ہم نے سلیمان کو ہواؤں، دریاؤں اور جنات وغیرہ پر پوری پوری دسترس عطا کی تھی اور انھیں اس بات کا اختیار دیا تھا کہ وہ ہمارے عطیات میں سے کسی بھی چیز پر کسی بھی طرح تصرف کریں۔ انھیں اس بات کا اختیار دیا گیا تھا کہ جو نعمتیں انھیں بخشی گئی ہیں وہ انھیں اپنی صوابدید پر کسی کے حوالہ کرسکتے ہیں۔ اسی بات کو حق تعالےٰ نے اپنے خاص انداز میں مذکورہ بالا آیت میں بیان کیا ہے۔

فنکاری کی انتہا ہے کہ قادری صاحب نے اس آیت کو آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مختارِ کل ہونے پر بطور دلیل استعمال کر ڈالا ہے اور عوام الناس کو مغالطہ کے گڑھوں میں دھکیلنے کی مذموم کوشش کی ہے۔

اسی صفحہ پر ایک شعر یہ بھی موجود ہے:۔

سلام اس پر کہ جس پہ منکشف اسرارِ عالم ہے
سلام اس پر خدا کے بعد جو سب سے مکرم ہے

جہاں تک دوسرے مصرعہ کا سوال ہے تو اس میں کوئی خرابی موجود نہیں۔ ہر مسلمان دل و دماغ سے اس بات کا قائل ہے کہ خدا کے بعد باعتبارِ مقام آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی عظیم و رفیع ہیں۔ لیکن پہلے مصرعہ میں جو خیال ظاہر کیا گیا ہے اس کی حیثیت مبالغانہ شاعری سے زیادہ نہیں۔

عالم کے تمام اسرار پر حضور کی واقفیت ثابت کرنا عقیدہ کی سلامتی سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔ قرآن و حدیث کے مطالعہ کے بعد ہر صاحبِ عقیدہ مسلمان یہ تصور کرلینے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ خداوند قدوس کے علاوہ کوئی بھی ذات دنیا میں ایسی موجود نہ ہے، نہ تھی کہ جو دنیا کے تمام رموز و اسرار کا علم رکھتی ہو۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کو بعض غیب کی باتوں کا علم عطا کردیا گیا تھا۔ بایں لحاظ آپ دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں "عالم الغیب" کہلانے کے مستحق ہیں لیکن یہ تصور دل میں جمالینا آنحضور کو کل مغیبات کا علم حاصل تھا اور آنحضور تمام اسرار و رموز سے واقف تھے بدعقیدگی اور گمراہی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

قادری صاحب نے اپنے خیال میں مضبوطی پیدا کرنے کے لئے ایک دلیل پیش کی ہے۔

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔

یعنی ہم نے آپ کو وہ علم دیا جس سے آپ بے خبر تھے۔

اس آیت کو دلیل بنا کر یہ ثابت کرنا کہ حضورؐ پر اسرار عالم منکشف تھے۔ تحمق اور مجہولیت نہیں تو پھر آخر کیا ہے۔؟

صفحہ ۲۷ پر "بدعت کی تعریف و تقسیم" عنوان قائم کر کے جو رنگ بندی کی گئی ہے اس کا لب لباب یہ ہے کہ بدعت دو طرح کی ہوتی ہے لغوی اور شرعی اور پھر اس کی تشریح کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ لغت میں بدعت کے معنے محض نئی چیز ایجاد کرنے کے ہیں خواہ یہ چیز دینی امور میں ایجاد کی گئی ہو یا دنیا دی معاملات میں۔ چلئے ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ اور ہم قادری صاحب کے اس خیال کی تصدیق کرتے ہیں کہ بدعت کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ کسی بھی معاملہ میں نئی چیز یا نیا طور طریقہ گھڑ اجائے۔ اس سے قطع نظر کہ یہ طریقہ دنیا دی امور میں اختراع کیا گیا ہو یا دینی حد بندیوں میں لیکن آگے چل کر انہوں نے جو بدعت کی کئی قسمیں کر ڈالی ہیں کہ ایک بدعت، بدعتِ اعتقادی ہوتی ہے اور ایک عملی۔ یا ایک بدعت، بدعت حسنہ ہوتی ہے اور ایک بدعت بدعتِ سیئہ اس تقسیم سے ہمیں اتفاق نہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ سارا فتنہ اور سارا وبال ان ہی تقسیموں سے پھیلا ہے۔ اگر یہ تقسیم نہ ہوتی تو ارباب بدعت کی ٹیم اس خوش فہمی کا شکار نہیں ہو سکتی تھی کہ ہم تو بدعتِ حسنہ کو سینوں سے لگائے ہوئے ہیں لہٰذا ہم تو بہر حال حق و احسن ہی ٹھہرے۔ بھلا مجرم و قصور وار کیسے گردانے جا سکتے ہیں۔ تبصرہ نگار کے نزدیک ہر بدعت بدعت ہے خواہ وہ بری ہو یا بھلی، خواہ مفید ہو یا غیر مفید۔

اسلام نے عبادات کے سیکڑوں طریقے بتا دیئے ہیں کہ پروردگار کو کس کس طرح خوش کیا جا سکتا ہے۔ ان تمام طریقوں کے ہوتے ہوئے اللہ کو خوش کرنے کے لئے نئے طریقے ایجاد کرنا بدعت ہے خواہ طریقے قبیح ہوں یا مستحسن۔ مذموم ہوں یا محمود۔

آنحضور پر درود بھیجنے کا طریقہ بھی ہمیں بتایا گیا تو پھر ہمیں ضرورت کیا ہے کہ ہم اپنی تو لہ بھر عقل لڑا کر درود و سلام بھیجنے کا کوئی نیا طریقہ ایجاد کرلیں اور میلاد و قیام کی تخلیق کر کے اس خوش فہمی میں مبتلا ہو جائیں کہ ہم تو بدعت حسنہ کے خالق ہیں اور بدعتِ حسنہ کے خلاق تو بارگاہ خداوندی میں مقبول ہی مقبول ہوں گے دین اگر ناقص ہوتا تو اس پر حاشیہ آرائی کرنا نہ عقلاً غلط ہوتا نہ مذہباً۔ لیکن جو دین مکمل ہو وسیع اور ہمہ گیر ہو اس کے مسلّمہ اطراف و جوانب سے اغماض برت کر اس میں نئی نئی ایجادیں کرنا ضلالت ہی نہیں سفاہت بھی ہے۔ جہالت ہی نہیں دیوانگی بھی ہے۔

بہر کیف دنیا بُرا مانے یا بھلا۔ تبصرہ نگار دین میں کسی بھی نئی ایجاد کو "ایجاد حسن" کہنے کے لئے تیار نہیں۔ دین میں ہر نئی چیز خواہ وہ اعتقادی ہو یا عملی خواہ وہ دیکھنے میں اچھی ہو یا بُری، خواہ وہ نقصان دہ ہو یا نفع بخش بہر حال بدعت ہے اور بدعت سنت کی ضد اور سنت کا ٹھکانا از روئے حدیث جہنم کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔

صفحہ ۳۵ کے حاشیہ پر قادری صاحب نے بدعت کی ایک اور قسم سے روشناس کرایا ہے اور وہ بدعت ہے بدعتِ مستحبہ اس کی تعریف انہوں نے یہ بیان کی ہے کہ:۔

> بدعتِ مستحبہ وہ نیا کام ہے جس کی شریعت
> میں ممانعت نہ ہو اور اس کو عام مسلمان کارِ ثواب
> جانتے ہوں یا کم از کم اس کو نیت خیر کیا جاتا ہو مثلاً
> میلاد شریف، اعراس، وفاتحہ بزرگان دین
> وغیرہ کہ عام مسلمان ان کاموں کو کارِ ثواب
> جان کر کرتے ہیں

بدعتِ مستحبہ والی اصطلاح ہمارے لئے بالکل نئی سہی لیکن اس فرقے کا انداز فریب وہی ہمارے لئے نیا نہیں جو "بدعتوں" پر مذہبیت کا ملمع چڑھانے میں ید طولیٰ کی حیثیت رکھتا ہے۔ بدعت مستحبہ کی تعریف اس انداز میں کی گئی ہے کہ علم نہ رکھنے والے لوگ قادری صاحب کے جھانسہ میں آئے بغیر نہیں رہیں گے۔

انھوں نے شاطرانہ چال سے کام لیتے ہوئے فرمایا ہے کہ

بدعت مستحبہ وہ نیا کام ہے کہ جس کی شریعت میں ممانعت نہ ہو اور مسلمان اسے کارِ ثواب جان کر کریں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان گنت امور ایسے ہیں کہ شریعت ان کے بارے میں خاموش ہے۔ نہ ان کی موافق ہے نہ مخالف۔ ان امور کو محض اسلئے اپنا لینا کہ شریعت ان سے محترز رہنے کی تاکید نہیں کرتی پھر ان امور پر سختی سے عمل پیرا ہو جانا اس خوش فہمی کا شکار ہو کر کہ ہم کارہائے ثواب میں منہمک ہیں۔ خدا ہی جانے شریعت نوازی کی کونسی قسم ہے۔

خدا اور اس کے رسولؐ نے جن چیزوں کو کارِ ثواب بتلایا ہے اُن سے غفلت، قرآن و حدیث نے جس احکامات پر کاربند رہنے کا اصرار کیا ہے ان سے لاپرواہی برتنا، جن طریقوں اور روشوں کو اپنے گھر بیٹھ کر بنا لیا ہے انھیں ایمان اور پرہیزگاری کا زینہ تصور کر لینا خدا اور اس کے رسولؐ کے ساتھ مذاق کرنے کے مترادف ہے شریعت کے ہزاروں مسلمہ طریقوں سے عملاً اعلانِ بیزاری کا مظاہرہ کر کے شریعت پرستی کا دم بھرنا عوام اور فاطر العقل قسم کے لوگوں کو تو متاثر کر سکتا ہے لیکن وہ لوگ ایسے رگڑوں اور جھانسوں میں آنے والے نہیں جنھیں مشیت کی طرف سے تھوڑا بہت علم اور تھوڑی بہت سوجھ بوجھ ملی ہوئی ہے۔

خدا نے فرمایا ہے کہ محمدؐ میرے بندے اور رسول ہیں محمدؐ مختارِ کل نہیں، محمدؐ کے پاس زمین و آسمان کے خزانوں کی کنجیاں نہیں۔ محمدؐ کسی کو نفع و نقصان پہونچانے کی استطاعت نہیں رکھتے محمدؐ تمام مغیبات کے جاننے والے نہیں، لیکن مسلمانوں میں ایک گروہ ایسا بھی موجود ہے کہ جو عرصۂ دراز سے ببانگ دہل یہ دعوے کرنے پر تلا ہوا ہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم مالک و مختار ہیں، زمین و آسمان کے خزینوں کی کلید ان کے ہاتھ میں ہے۔ محمدؐ عالم الغیب ہیں۔ اور یہ گروہ جو کچھ بھی دعوے کر رہا ہے کارِ ثواب سمجھ کر کر رہا ہے اور اس یقین کے ساتھ کر رہا ہے کہ خدا ہم سے خوش رہے گا اور ہمیں اپنے دعووں کی مکافات مل کر رہے گی۔

مسلمانوں کی بھلی چلائی ــــ مسلمان تو وہ بھی کہلاتے ہیں کہ جنھوں نے صحابہ کرامؓ کی شان میں کھلی گستاخیاں کی ہیں اور جن کی فحش زبانی اور بد کلامی لکھنؤ جیسے شہروں میں ہر سال ایک نئے فساد اور ایک نئی خوں ریزی کو جنم دیتی ہے۔ ان لوگوں کا خیال بھی یہ ہے کہ ہم صحابہؓ کرام کے بارے میں جو کچھ بکواس کر رہے ہیں یہ سب کارِ ثواب میں شامل ہے۔

مسلمانوں نے جب سے یہ تصور کیا ہے کہ دین میں اچھی بدعتوں کی تخلیق قابلِ تعریف چیز ہے تب سے دین کا چہرہ مسخ ہو کر رہ گیا ہے اور نوبت بایں جا رسید کہ آج ہمارا معاشرہ بدعتوں سے لبریز اور سنتوں سے محروم ہے اور سنتوں سے محروم ہو جانے کا وبال اسلئے آیا ہے کہ جس معاشرہ میں ایک بدعت رائج ہو جاتی ہے وہاں سے ایک سنت اٹھالی جاتی ہے اور اسی طرح پھر رفتہ رفتہ بدعتیں بڑھتی رہتی ہیں اور سنتوں کا نام و نشان دن بدن اور دم بدم مٹتا رہتا ہے۔ آج ہمارے ارد گرد ہزاروں بدعتیں پیدا ہو گئی ہیں اور ہزاروں ایسی سنتوں کا وجود کالعدم ہو گیا ہے جنھوں نے ہمارے اسلاف کے ایمانوں میں تقوے کا نور پیدا کیا تھا۔

قادری صاحب نے مذکورہ روایت کو بایں الفاظ نقل کیا ہے کہ

> کوئی قوم بدعت نہیں ایجاد کرتی مگر اتنی
> سنت اٹھالی جاتی ہے لہٰذا سنت کو مضبوطی
> سے پکڑے رہنا بدعت ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔

لیکن اس کے بعد جو نتیجہ انھوں نے نکالا ہے وہ صرف حیرتناک ہی نہیں بلکہ غمناک بھی ہے اور افسوسناک بھی وہ مذکورہ بالا روایت کا متن اور اس کا ترجمہ پیش کرنے کے بعد انتہائی عالمانہ انداز میں یوں لب کشائی کرتے ہیں:-

> اس سے معلوم ہوا کہ جو بدعت سنت کے معارض ہو
> اسے پھر چھوڑ دینا لازم ہے۔

ہر پڑھا لکھا اور مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرنے والا مسلمان اس بات سے باخبر ہے کہ بدعت تو کہتے ہی اسے ہیں جو سنت کے برخلاف ہو لہٰذا یہ ارشاد فرمانے کی کیا ضرورت تھی کہ جو بدعت سنت کے برخلاف ہو وہ قابلِ احتراز ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ قید انھوں نے محض اس لئے لگائی ہے کہ تاکہ انھیں یہ باور کرانے میں آسانی ہو کہ جو بدعت سنت کے موافق ہو وہ اس قابل ہوتی ہے کہ اسے سنت ہی سمجھ کر سینہ سے لگایا جائے۔

اچھی اور بُری بدعت کو مدلل ثابت کرنے کے لئے قادری صاحب نے ایک دلیل بھی مرحمت فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو:-

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے
اپنے زمانۂ خلافت میں تراویح کی باقاعدہ جماعت
کرنے کا حکم دیا پھر جماعت کو دیکھ کر فرمایا
نعمۃ البدعۃ ھٰذہ۔ یہ تو بڑی اچھی بدعت ہے۔
اس سے بھی معلوم ہوا کہ بعض بدعت اچھی ہوتی ہے
اور بعض بُری ص۳۹

یہ دلیل اپنے پس منظر کے اعتبار سے یہ ثابت کرنے کیلئے انتہائی ناقص اور کمزور ہے کہ بدعت کی ایک قسم حسنہ بھی ہے۔

شرعی طور پر بدعت اگر دین میں اُس نئی چیز کو کہا جاتا ہے کہ جس کی مثال ماسبق میں موجود نہ ہو اور تعاملِ رسول میں جس کا کوئی ثبوت موجود نہ ہو تو پھر تراویح کو بدعت قرار دینا اپنی جہالت اور کم فہمی کا اعلان کر دینے کے مساوی ہے۔

دنیا بھر کے مسلمان اس حقیقت سے واقف ہیں کہ رمضان المبارک کے مہینہ میں نمازِ عشاء کے بعد قیام کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس خود بھی رمضان کی راتوں میں قیام فرمایا ہے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دی ہے تاریخ کا ایک معمولی طالب علم بھی اس بات سے واقف ہوگا کہ آنحضورؐ نے تراویح کی نماز جماعت سے بھی پڑھی ہے اور بغیر جماعت کے بھی۔ روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صحابہ کرامؓ بھی تراویح کی نماز جماعت سے پڑھا کرتے تھے اور جس کو جتنا قرآن یاد ہوتا تھا وہ اتنا ہی قرآن پڑھنے پر اکتفا کر لیا کرتا تھا لیکن صحابہؓ عموماً تراویح جماعت سے پڑھنے کا اہتمام کیا کرتے تھے۔

بخاری و مسلم کی روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے دو تین دن مسلسل تراویح کی نماز پڑھائی پھر تیسرے اور چوتھے روز جب لوگ تراویح پڑھنے کی غرض سے جمع ہوئے تو آپؐ باہر نہیں نکلے اور آپؐ نے تراویح کی نماز نہیں پڑھائی۔ لیکن پھر بعد میں اس کی وجہ بیان کر دی اور یہ فرمایا کہ مجھے اس بات کا اندیشہ تھا کہ کہیں تراویح کا اس طرح پڑھنا فرض قرار نہ دے دیا جائے۔

اس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ حضورؐ نے تراویح کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی اور آپؐ نے حسبِ دستور امامت کے فرائض انجام دیئے۔

اب اگر آگے چل کر بعض مصلحتوں اور بعض ضرورتوں کے پیشِ نظر حضرت عمر فاروق رضؓ نے تراویح کی نماز کو با جماعت ادا کرنے کی تاکید کر دی ہو اور پابندی کے ساتھ اس نماز کو با جماعت پڑھنے کا اصرار فرمایا ہو تو اسکو بدعت کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ یہ طریقہ بدعت تو اس وقت کہلاتا جب ماسبق میں اس کی کوئی نظیر موجود نہ ہوتی۔

رہا حضرت عمر رضؓ کا یہ فرمان کہ نعمۃ البدعۃ ھٰذہ۔ تو اس کی سیدھی سادی وجہ یہ تھی کہ صحابہ میں سے بعض حضرات نے جب تردد کا اظہار کیا اور یہ کہا کہ جماعت سے تراویح پڑھنے کو ضروری قرار دینا تو بدعت ہے تو حضرت عمرؓ نے اس پر یہ فرما کر بات ٹال دی۔ کہ اگر یہ طریقہ بدعت ہے تو پھر یہ ایک اچھی بدعت ہے۔

ہمیں اس پر حیرت ہے کہ حضرت عمر فاروق جیسا جلیل القدر صحابی ایک ایسی بدعت ایجاد کرنے کا مرتکب ہو جس کی کوئی نظیر حضورؐ کے زمانہ میں موجود نہیں تھی اور صحابہ کرامؓ کا مقدس گروہ اس پر کوئی اعتراض کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ کیا صحابہ کرام سے اس بات کی توقع کی جا سکتی ہے کہ انھوں نے بآسانی کسی گمراہی کو قبول کر لیا ہوگا۔ صحابہ کرام میں سے چند حضرات کو یہ اشکال ہوا تھا۔ اور اس اشکال کو حضرت عمرؓ کے ایک ہی فقرے نے رفع کر دیا تھا۔

اس تفصیل کے بعد تبصرہ نگار ببانگِ دہل یہ دعوے کر سکتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضؓ نے دین میں کسی بدعت کو ایجاد نہیں کیا بلکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت غیر متواترہ کو مستقل طور پر اپنانے اور اسے قائم رکھنے کی سعی فرمائی ہے۔ اس سعی کو بدعت تصور کرنا ایک قسم کی معصیت ہے۔ ذرا زبردست قسم کی چالاکی۔

ص۴۴ پر زیارت قبور کے سلسلہ میں قادری صاحب نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ:
زیارت قبور جائز بلکہ سنت سے ثابت ہے

بزرگوں کی قبروں پر اکتسابِ فیض کے لئے حاضر ہونا جائز ہے۔
یہ ارشاد فرمانے کے بعد انھوں نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے
کہ دیوبندی مسلک کے ایک معتبر عالم مولانا عبدالشکور لکھنوی صاحب
بھی اس بات کے قائل ہیں کہ قبروں سے اکتسابِ فیض کیا جاسکتا ہے
اس لئے کہ قبروں کی زیارت کرنا مستحب ہے اور عورتوں کے لئے بھی قبروں
کی زیارت کرنا جائز ہے وغیرہ۔ قابلِ حیرت بات یہ ہے کہ قادری
صاحب نے مولانا عبدالشکور صاحب کی علم الفقہ جلد دوم کے
حوالہ سے مذکورہ بات نقل کی ہے اور جبکہ یہ ساری تفصیل وہاں
موجود نہیں ہے۔ مولانا عبدالشکور صاحب سے دو باتیں کہنے کا تصور سرزد
ہوا تھا اور قادری صاحب نے اپنی مسلمہ فنکاری کا سہارا لے کر
دس باتوں کا اور اس میں اضافہ کردیا ہے۔ اور پھر اس طرح
علم الفقہ کا حوالہ دیکر مطمئن ہوگئے ہیں کہ جیسے قادری صاحب
کی الماری کے علاوہ یہ کتاب کہیں موجود ہی نہ ہو۔ لہٰذا بھانڈا پھوٹنے
کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لاحول ولاقوۃ۔ یہ کتنی بڑی بددیانتی ہے
کہ کسی بھی صاحب کتاب کا نظریہ نقل کرتے وقت اس درجہ حاشیے
چڑھا دیئے جائیں کہ ذرہ پہاڑ محسوس ہونے لگے! اس بددیانتی کا ارتکاب
کرکے قادری صاحب نے خود اپنے نفس پر ظلم کیا ہے۔ خدا ان پر
اپنا فضل فرمائے۔

ص۲۱ سے ص۲۵ تک دیوبندیوں کے بارے میں جو کچھ بھی فرمایا
گیا ہے اسے الزام واتہام سے تعبیر کئے بغیر کوئی چارا نہیں۔ حسبِ
عادت کہنی ان کہنی سب کہدی گئی اور اس طرح یہ ثابت کردیا گیا کہ
نیتر قادری صاحب بے بنیاد الزامات لگانے میں کسی سے کسی درجہ
کم نہیں۔ تبصرہ کے آخر میں فنکاری کا ایک نمونہ اور پیش کردیں جو
قارئین کو حیرت میں ڈالے بغیر نہیں رہے گا۔ صفحہ ۸ پر انہوں نے مندرجہ
ذیل اشعار نقل کئے ہیں۔ بہ ایں انداز:-

دغا کی دال ہے یاجوج کی ہے "ے" اسمیں
وطن فروشی کی واؤ بدی کی "بے" اسمیں
جو اسکے نون میں نارِ جحیم غلطاں ہے
تو اسکی دال سے دہقانیت نمایاں ہے
ملے یہ حرف تو بے چارا دیوبند بنا
بُرے خمیر سے یہ شہر ناپسند بنا

یہ اشعار نقل کرنے کے بعد انھوں نے نیچے لکھدیا ہے۔ ماہنا
تجلی دیوبند۔ گویا کہ یہ اشعار ماہنامہ تجلی سے نقل کئے گئے ہیں
حوالہ درست ہی ہے لیکن جبتک پڑھنے والوں کو صورت حال
علم نہیں ہوگا وہ اس غلط فہمی میں مبتلا رہیں گے کہ تجلی کے ایڈیٹ
مولانا عامر عثمانیؒ کے خیالات دیوبند کے بارے میں یہی رہے ہو
جو انہوں نے اشعار میں منتقل کئے ہیں۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ اشعار مولانا عامر عثمانیؒ
سرے سے ہیں ہی نہیں۔ بلکہ صورت واقعہ یہ ہے کہ ملا ابن العر
۱۹۵۸ء میں صوفی ثناث شاہ سے ایک زبردست مناظرہ ہوا تھا صوفی ثنا
بریلوی اسٹیج سے جنگ لڑ رہے تھے اور ملا ابن العرب مکی دیوبندی محاذ
ہوئے تھے۔ اس مناظرہ کی تفصیل تجلی میں بعنوان مسجد سے میخانے تک
شائع ہوئی تھی۔ صوفی ثناث شاہ نے دیوبند کے بارے میں اپنے تا
کا اظہار ان اشعار کے ذریعہ کیا تھا جو قادری صاحب نے اپنی کتاب میں
کئے ہیں۔ ملا ابن العرب مکی نے اس کے جواب میں جو اشعار پڑھے
قادری صاحب کو وہ بھی نقل کر دینے چاہیئے تھے۔ لیکن ظاہر ہے ک
میدانِ فریب میں کچی گولیاں کھیلنے کے عادی نہیں ہیں اگر وہ دیانتدار
کام لیتے تو پھر حوالہ نقل کرنے کا انھیں فائدہ بھی کیا حاصل ہوتا۔ انھیں
ثابت کرنا تھا کہ دیوبند کے بارے میں تجلی کی رائے اچھی نہیں۔ حا
تجلی وہ پرچہ ہے جسے مسلک دیوبند کا دفاع کرنے میں سب سے ز
بدنامی مول لینی پڑی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان اش
بھی نقل کر دیں جو دورانِ مناظرہ صوفی ثناث شاہ کی ہفوات ک
میں ملا ابن العرب مکی نے پڑھے تھے۔ وہ اشعار یہ ہیں:-

دغا کی دال کو کہتے ہو تم دغا کی ہے — علاج چشم کراؤ بڑی خطا ک
یہ دال وہ ہے بنا دیں سے ہے معمور — دماغ و دیدۂ و دل اس ہو
غضب ہے "ے" نے تمہیں یاجوج کی نظر آئی — ضرور ڈوب گئی ہے تمہاری
نظر جا دُیا خدا کی "سے" ہے — یقین خیر ب دین و صفا کی
کہا جو "واؤ" کو تم نے وطن فروشی کا — ثبوت دیدیا اپنی گناہ
ادب کرو کہ وضو کا وفا کا "واؤ" ہے یہ — وقار و وعظ و وصالِ خدا کا
بدی کی "ب" جسے کہتے ہو تم شرارت سے — وہ ہے بہشت بریں برکت ب
جو تم نے "نون" میں نارِ جحیم ہی دیکھی — تو کیا قصور، تمہاری تو عا
سنو کہ "نون" ہے، یہ نزہت و نفاست کا — نمازِ و نعمت کا نیکی کا نور

جو تم نے دال میں صفائیت کی بو سونگھی — تو پھر اپنی غلاظت ہی ہو بہو سونگھی
ارے یہ دال دیانت کی دوستی کی ہے — درود کی ہے دوا کی ہر دلکشی کی ہے

بڑے ہی پاک عناصر سے دیوبند بنا
عدو کی جان جلی شہر دل پسند بنا

(تجلی فروری و مارچ ۵۶ء)

تجلی کے حوالہ سے ملا ابن العرب مکی کے ان اشعار کو نقل کرنے کے بعد اب ہمیں یہ کہنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ قادری صاحب اپنے قارئین کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش فرما رہے تھے وہ اپنی کوشش میں کامیاب ضرور ہو گئے ہوں گے اس لئے کہ ان کا کتابچہ جس حلقہ میں تقسیم ہوا ہے وہ حلقہ اپنے اماموں کی بات آنکھیں بند کر کے ماننے کا قائل ہے۔ ثبوت، دلیل، مشاہدہ کی نہ ان کی نگاہوں میں کوئی اہمیت ہے اور نہ ان چیزوں کی کبھی انھیں حاجت محسوس ہوتی ہے۔ انھوں نے یقین کر لیا ہوگا کہ تجلی کے مدیر بھی دیوبند کو "شہر دل پسند" کہہ کر دیوبندیوں کے گھونسے جڑ گئے ہیں۔ اور بریلویوں کے سر پر کامیابی کا سہرا باندھ گئے ہیں۔

ملاّ پیر قادری صاحب نے مولانا عامر عثمانیؒ کی ایک بات کو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے۔ اور یہاں بھی بذریعہ دھاندلی اسی بات کا چقمہ دینے کی کوشش کی ہے کہ مولانا عامر عثمانیؒ خود دیوبندیوں اور ان کی تصانیف کے مخالف تھے۔

ممکن ہے بعض کوتاہ فکر اور اجہل قسم کے لوگ قادری صاحب کے اس چقمہ میں آجائیں اور مولانا عامر عثمانی جیسے بدعت شکن عالم اور دیوبندیت نواز قلم کار سے بدگمان ہو جائیں لیکن یہ بات کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے کہ باشعور اور باہوش طبقہ مولانا عامر عثمانی کے بارے میں کسی دھاندلی کا شکار ہو کر غلط رائے قائم کر لے اور انھیں دیوبندی مسلک کا معاند تصور کرنے لگے۔

تبصرہ کا حاصل یہ سمجھئے کہ تازیانہ ایک ایسی قسم کی تصنیف ہے جو بریلوی مسلک کو اور زیادہ بدنام کرنے میں مفید ثابت ہوگی فائدہ پہونچانے میں نہیں۔ وہ غیر شریف لوگ تو اس کتابچہ کی زبان سے یقیناً محظوظ ہوں گے کہ شرافت اور ادب و تہذیب سے جنھیں خدا واسطے کا بیر ہوتا ہے، لیکن سمجھدار، ذی متانت اور شریف النسل لوگوں کے لئے یہ کتابچہ دردسری کا باعث ہی ہوگا۔

غیر عکسی پارے خورد سائز
پارہ ۱ ، ۲ اور عم ۳۰ ۔ کتابت وطباعت
کاغذ سب ٹھیک ۔ ہر پارہ پر رنگین ٹائیٹل ۔ عام ہدیہ ۲۵/
تاجرانہ ۲۱/- روپے سیکڑہ

عکسی پارے کلاں سائز
آلٓمٓ ، سیقول ، تلک الرسل ، لن تنالوا ، والمحصنٰت اور
پارہ عم نہایت عمدہ عکسی طباعت ۔ سفید کاغذ ۔ معیاری
کتابت عام ہدیہ ۳۵ پیسے تاجرانہ ۲۹/- روپے سیکڑہ

عکسی پارے خورد سائز
پارہ ۱ تا ۵ اور پارہ عم
کتابت وطباعت اور کاغذ
سب معیاری عام ہدیہ ۳۵ پیسے تاجرانہ ۲۹/- روپے سیکڑہ

عکسی پنج پارہ کلاں سائز
آلٓمٓ ، سیقول ، تلک الرسل ، لن تنالوا ، والمحصنٰت
ایک ساتھ مجلد ۔ ہر سطر کے بعد باریک لائن ۔ کتابت
بہترین ۔ طباعت عکسی ۔ کاغذ سفید چکنا ۔ مجلد
عام ہدیہ ۴/۵۰ تاجرانہ ۳/۲۵

قاعدہ بغدادی کلاں سائز
سائز ۲۰×۲۶ ۔ ۱۰ اعرض
۶½ انچ ۔ ۸ صفحہ والا
خوشنما کتابت ، جلی حروف ، صاف طباعت ۔
غیر عکسی ۱۲/- تاجرانہ ۸/- روپے سیکڑہ

قاعدہ بغدادی یک حرفہ
سائز ۲۶×۲۰ صفحات ۱۶
جلی قلم ۔ خوشنما طباعت
کاغذ گلیزڈ غیر عکسی عام ہدیہ ۲۵ پیسے تاجرانہ ۱۶/- سیکڑہ
عکسی عام ہدیہ ۲۵ پیسے تاجرانہ ۲۲/- سیکڑہ

عکسی قاعدہ بغدادی خورد سائز
سائز ۲۰×۳۰
کتابت طباعت
عمدہ کاغذ گلیزڈ ۔ ۸ صفحہ والا عام ہدیہ فی عدد ۱۰ پیسے
تاجرانہ ۶/- سیکڑہ ۱۶ صفحہ والا عام ۲۰ پیسے تاجرانہ ۱۲/- سیکڑہ

عکسی قاعدہ نورانی کلاں
سائز ۲۰×۳۰ صفحات ۳۲
کتابت وطباعت معیاری
کاغذ گلیزڈ عام ہدیہ فی عدد ۲۵ پیسے تاجرانہ ۱۸/- سیکڑہ ۔

غیر عکسی قاعدہ نورانی خورد
۲۰×۲۶/۳۲ صفحات ۱۶ ، کتابت طباعت اچھی ۔ کاغذ گلیزڈ
عام ہدیہ فی عدد ۱۰ پیسے تاجرانہ ۶/- سیکڑہ

قاعدہ یسرنا القرآن کلاں
از ۔ قاری اسمٰعیل صاحب
سائز ۲۰×۲۶ صفحات ۹۶
کتابت وطباعت کاغذ سب عمدہ غیر عکسی عام ہدیہ فی عدد ۲۵/۱
تاجرانہ ۷۰/- سیکڑہ عکسی عام ہدیہ ۵۰/۱ تاجرانہ ۸۰/- سیکڑہ

قاعدہ یسرنا القرآن خورد
از ۔ قاری اسمٰعیل صاحب افضل
سائز ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۶۴
کتابت وطباعت عمدہ ۔ کاغذ گلیزڈ مع کور غیر عکسی عام
ہدیہ فی عدد ۵۰ پیسے تاجرانہ ۴۵/- سیکڑہ
عکسی عام ہدیہ ۱/- فی عدد تاجرانہ ۵۰/- سیکڑہ

دوازدہ سورہ مترجم عکسی ربانی
سورۂ یٰسین ، فتح ، رحمٰن
واقعہ ، ملک ، نوح ،
اور سورۂ اخلاق وغیرہ جیسی عظیم ترین سورتیں اور ساتھ ہی
دعائیں اور درود ۔ بے حد حسین پاکٹ سائز میں ۔
مجلد پلاسٹک کور ہدیہ ۴/-

یازدہ سورہ مترجم عکسی
دس گیارہ سورتیں ۔ ساتھ ہی
دعائے گنج العرش وغیرہ پاکٹ سائز
ہر لحاظ سے عمدہ ۔ ہدیہ مجلد ۳/۵۰

سولہ سورہ مع مجموعہ وظائف واوراد چشت مترجم عکسی
جس میں سولہ سورتیں ، ان کا آسان ترجمہ اور ان کے ساتھ
ہی وظائف اور مکمل اوراد چشت (کا ٹڈ سائز) ہدیہ مجلد ۶/-

حزب الاعظم کلاں مترجم عکسی
۲۰×۳۰/۱۶ سائز میں ، دو رنگا
بہترین طباعت ۔ کاغذ
عمدہ ہدیہ ۵/۵۰

دلائل الخیرات عکسی مترجم
بے حد حسین ایڈیشن ، نفیس جلد
لاجواب طباعت سفید کاغذ
کتابی سائز میں مجلد ۷/-

مکتبہ تجلی ۔ دیوبند (یو پی)

خوبصورت | پائیدار | فرنیچر | بہترین

ہمالیہ فرنیچر ہاؤس

ملک بھر میں مشہور ہے

ہمارے یہاں:- گھریلو فرنیچر، آفس فرنیچر اور اس قسم کا دوسرا سامان انتہائی ذمہ داری کے ساتھ تیار کیا جاتا ہے — تجربہ کسوٹی ہے لہٰذا بیاہ شادی یا کسی اور موقع پر ہم سے رجوع کریں۔

ہمیں یقین ہے کہ ایک بار ہم سے رابطہ قائم کرنے کے بعد ہمارے تیار کردہ فرنیچر کی تعریف کرنے پر مجبور رہوں گے

ہمالیہ فرنیچر ہاؤس

۸۳ سول لائن بریلی (یوپی)

فہرست مضامین

امریکہ، انگلینڈ، نائجیریا، کنیڈا، فرانس، انڈونیشیا، سے بذریعہ بحری ڈاک، دو پونڈ، بذریعہ ہوائی ڈاک دس پونڈ۔

بحرین، افریقہ، سعودی عرب، قطر، وغیرہ سے بذریعہ بحری ڈاک ایک پونڈ دس شلنگ، بذریعہ ہوائی ڈاک تین پونڈ۔

○ اگر اس دائرے میں سرخ نشان ہے تو سمجھ لیجئے اس پرچہ پر آپ کی خریداری ختم ہے ۔۔۔ یا منی آرڈر سے سالانہ قیمت بھیجیں یا وی پی کی اجازت دیں۔ آئندہ خریداری جاری نہ رکھنی ہو تب بھی اطلاع دیں خاموشی کی صورت میں اگلا پرچہ وی پی سے بھیجا جائیگا جسے وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا۔ منی آرڈر بھیج کر آپ وی پی خرچ سے بچ جائیں گے۔

مستقل

نقادِ اعظم مولانا عامر عثمانی

دستک

ان حضرات کی ڈھٹائی بہت ہی شاندار ہے جو وقتاً فوقتاً دنیا کو یہ نصیحت کرتے رہتے ہیں کہ خبردار مذہب کا سایہ بھی سیاست پر نہ پڑنے دینا ورنہ ملک و قوم کا خانہ خراب ہو جائے گا گویا لادینی سیاست نے تو ہر ملک و قوم کی جھولی امن و عافیت کے لعل و جواہر سے بھر دی ہے جدھر دیکھو عیش ہی عیش ہے، راوی چین کی بانسری بجا رہا ہے بس مذہب پاس پھٹکا اور عیش محل کی دیواریں گریں۔ اندازہ کیجئے کہ ہے اس لغو گوئی کا کوئی جواب۔ اندھا بھی دیکھ رہا ہے کہ آج کم و بیش پوری دنیا پر خالص لادینیت کا تسلط ہے، سیاست اپنی بنیاد سے لے کر سقف و بام تک خالص مادہ پرستانہ افکار و نظریات ہی سے عبارت ہو کر رہ گئی ہے پھر سوائے کرب و اضطراب اور خوف و یاس کے دنیا کو کیا ملا، مسائل ہی مسائل بےچینی ہی بےچینی، کہیں امن و عافیت نہیں، حال تاریک، مستقبل خطروں، اندیشوں کے ظلمات میں ڈوبا ہوا، ایک ایک معمولی جنگ میں لاکھوں کروڑوں افراد معدوم، کھربوں سنکھوں روپیہ خاک، آبادیاں، ویرانوں میں تبدیل، یہ سب لادینی سیاست ہی کے تو تحفے ہیں، اپنے دیش میں ۲۳ سالوں سے جس سیاست کا ناد بج رہا ہے وہ بھی ماشاءاللہ خالص لادینی سیاست ہی ہے، منجھا منجھا یا سیکولرازم، پھر ذرا کوئی منشی تو بٹھائیے جو اس فتوحات کا زائچہ تیار کرے، کہنے کو جو چاہے کہتے رہیے مگر حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ مذہبی سیاست نے جو بھی ہلاکتیں پوری تاریخ انسانی میں دنیا کو دی ہیں ان کا وزن تو لادینی سیاست مدت ہوئی پورا کر چکی ہے اور اب ہلاکت و مضرت کے جو یہ اہرام، یہ نام نہاد سیاست تعمیر کر رہی ہے وہ اتنے بھاری بھرکم اور اتنے بلند و بالا ہیں کہ نہ انھیں کسی رائج الوقت پیمانے سے ناپا جا سکتا ہے، نہ کسی باٹ سے تولنا ممکن ہے، پورے عالم کو اس نے بدامنی و اضطراب کا سمندر بنا کر رکھ دیا ہے۔

(از تجلی نومبر ۷۷ء ص ۳۱)

مہنگائی دن بدن بڑھ رہی ہے، قیمتوں کا چڑھاؤ روز بروز ترقی کی طرف مائل ہے، سالِ رواں کے اوائل میں متوسط کاغذ کا بھاؤ پچاس روپے فی رم تھا اور اب ساٹھ روپے فی رم ہو گیا ہے، کاتب صاحبان ایک کاپی کی اُجرت جو بیس۲۰ اور اٹھائیس۲۸ روپے لیا کرتے تھے اور اب تیس۳۰ اور چھتیس۳۶ روپے وصول کر رہے ہیں۔ پریس میں ایک پلیٹ آٹھ روپے میں در عجلت ہو تو دس روپے میں بآسانی چھپ جاتی تھی یعنی بغیر کسی خوشامد چاپلوسی کے۔ اور اب خوشامد کرنے اور اربابِ پریس کے ناز نخرے اٹھانے کے بعد ایک پلیٹ کی چھپائی کے عام حالات میں بارہ روپے اور بخاص حالات میں پندرہ روپے دینے پڑ رہے ہیں۔

ٹائیٹل چھاپنے والوں نے بھی چھپائی کے ریٹ بڑھا کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ بھی اسی دنیا کی مخلوق ہیں اور بڑھتی ہوئی مہنگائی سے غافل نہیں۔

بائنڈنگ کرنے والے حضرات کا اندازِ گفت و شنید بھی یہ ثابت کر رہا ہے کہ وہ اپنے کام کی اجرت بڑھانے کے لئے پر تول رہے ہیں۔

پیکنگ اور پوسٹنگ کے مرحلوں میں بھی پیسے اب نسبتاً زیادہ خرچ ہونے لگے ہیں۔ ایسی صورت حال میں تجلی کی قیمت جوں کا توں باقی رکھنا اعلیٰ درجہ کی حماقت کے سوا کچھ نہیں، حماقتیں اعلیٰ درجہ کی ہوں یا ادنیٰ درجہ کی انھیں گوارہ کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اگر ان سے نقصانِ عظیم پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔

ہم طبیعت پر جبر کر کے یہ کر سکتے ہیں کہ تجلی کی قیمت بڑھانے کا خیال تک دل میں نہ لائیں اور یہ بھی کر سکتے ہیں کہ بغیر قیمت ہی کے رسالہ آپ کی خدمت میں پہنچانا شروع کر دیں، لیکن بعض مستند عقلمندوں کا ازل سے دعویٰ یہ ہے کہ گھاس سے یاری کرنے والے گھوڑے زیادہ دن تک زندہ نہیں رہتے۔

ہم تجلی مفت بانٹنا شروع کر دیں یا لاگت سے کم داموں پر فروخت کرنے کی ٹھان لیں تو ہمارا حشر بھی وہی ہوگا جو گھاس سے یاری کرنے والے گھوڑوں کا ہوتا رہا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ ہماری موت ـــ یعنی کہ تجلی کی موت آپ کسی قیمت پر گوارہ نہیں کر سکتے، خواہ تجلی آپ کو کسی قیمت پر بھی خرید نا پڑے۔

آپ کے خلوص و ایثار پر اعتماد ہونے کی وجہ سے عقل تو یہی کہتی ہے کہ اسی شمارے سے تجلی کی قیمت اور سالانہ چندہ میں اضافہ کر دیا جائے، لیکن ہمارے دل کی رائے یہ ہے کہ ابھی اور دو چار مہینے گزر جانے دو، ممکن ہے کہ جنتا پارٹی میں اچانک کچھ ایسے فرشتے نمودار ہو جائیں جو کسی کرامت کی چھڑی سے مہنگائی کا ملیامیٹ کر دیں اور اشیاء کی قیمتیں اپنی پچھلی پوزیشن میں آ جائیں۔ اگر ایسا ہو گیا تو پھر تجلی کی قیمت میں اضافہ کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں کہ آپ کی جیبوں سے ہمیں بھی برابر کی ہمدردی ہے، اور اگر جنتا پارٹی کے سرخرد لیڈر اربابِ کانگریس کی طرح زبانی جمع خرچ سے آگے بڑھنے میں کامیاب نہ ہو سکے اور مہنگائی کو شکست نہ دے سکے تو پھر تجلی کی قیمت میں بادلِ ناخواستہ بڑھوتری کرنی ہی پڑے گی، آپ کہیں گے کہ موجودہ دور میں دل کی ہر ضد پوری کرنا خلافِ عقل ہے اور ہم فی الحال اس کے سوا کیا کہیں کہ ؎

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

یہ ایک واضح بات ہے کہ جماعتِ اسلامی کا عوام سے کوئی ربط ضبط نہیں، اس کے اکثر افراد عوام سے تعلق دارتباط رکھنے کے معاملہ میں بڑے بے نیاز اور لاپرواہ واقع ہوئے ہیں، ان کے جلسوں، میٹنگوں اور سیمیناروں میں عموماً ان حضرات کو مدعو کیا جاتا ہے جو معاشرہ میں ذی اثر ہیں، ان کی مجلسیں اور نشستیں ڈاکٹروں، وکیلوں اور تاجروں جیسے بڑے لوگوں سے بارونق یا فتہ رہتی ہیں، ان میں ان لوگوں کا گذر نہیں ہوتا جو معاشرہ میں کمزور اور پسماندہ تصور کئے جاتے ہیں، اگرچہ ان کے اکا دکا اور خال خال اجلاس ایسے بھی منعقد ہوجاتے ہیں جن میں عامۃ المسلمین کو شریک ہونے کی کھلی اجازت ہوتی ہے لیکن ان عام جلسوں کی حیثیت خاص مجلسوں کے مقابلہ میں آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں جو جماعت اسلامی کی طرف سے وقتاً فوقتاً بند کمروں میں وجود پذیر ہوتی رہتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اور عوام کے مابین غلط فہمی اور بدگمانی کی جو فلک بوس دیوار ماضی قریب و بعید میں حائل تھی وہ بدستور آج بھی حائل ہے۔

دراصل جماعت اسلامی کے اکثر افراد اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ معاشرہ کے ذی اثر لوگوں کو اپنے قریب لانے کے بعد پسماندہ طبقہ خود بخود اپنا طرفدار ہوجاتا ہے، اس غلط فہمی نے جماعتِ اسلامی کی تحریک میں ایک قسم کا جمود پیدا کر دیا ہے اور اس کی قدو قامت اور اطراف و جوانب میں اضافہ ہونے کے باوجود اتنا اضافہ پھر بھی نہیں ہوسکا ہے جتنا تیس ۳۰ پینتیس ۳۵ برس کی مدت میں ہونا چاہئے تھا۔

تاریخ جھوٹ بولتی ہے یا سچ، وہ غلط کہتی ہے یا صحیح یہ الگ بات ہے، لیکن تاریخ کا کہنا یہ ہے کہ مذہب اسلام غریب لوگوں کی قربانیوں سے پروان چڑھا ہے، اس میں وسعت، پھیلاؤ اور پختگی عوام اور پسماندہ لوگوں کی قربانیوں اور جانفشانیوں سے پیدا ہوئی ہے، ان حضرات کی لغاظیوں اور لسانیوں سے بالکل نہیں جو مال و منال کے حامل تھے اور معاشرہ کا کمھن خیال کئے جاتے تھے — صاحبِ مال اور صاحبِ اثر اگر پھندے میں پھنس جائیں تو ایک زبردست فائدہ تو ضرور ہوتا ہے اور وہ یہ کہ کفر و شرک کے محاذ پر ڈٹے ہوئے دشمنوں اور خونخوار شیطانوں کی ہمت و جرأت کا پہاڑ پگھلنا شروع ہوجاتا ہے اور وہ اسلام پر حملہ کرنے کی تاب کھو بیٹھتے ہیں ان کی موجودگی اسلام پرست لوگوں کے قلوب میں نیا جوش و خروش پیدا کر دیتی ہے، لیکن یہ تصور کر لینا تو غلط ہی ہوگا کہ صاحب مال اور صاحب اثر ہی لوگوں کی خدمات سے اسلام نے اپنے ہاتھ پاؤں پھیلائے ہیں اور ان ہی لوگوں کی لگن اور جدوجہد سے تحریکیں کامیاب و سرفراز ہوتی ہیں، مال کی قربانی کے ساتھ ساتھ ہر انقلاب اور ہر تحریک کو جان کی قربانی کی بھی ضرورت پڑتی ہے، اور جان کی قربانی سرمایہ دار نہیں دیتے اور بالعموم پڑھے لکھے لوگ بھی نہیں دیتے، تحریک کو مضبوط اور مضبوط تر بنانے کیلئے اپنی جانوں کو بالعموم ہتھیلیوں پر وہ لوگ رکھتے ہیں جو غریب اور غیر تعلیم یافتہ ہوں، مالدار اور پڑھے لکھے لوگ بہرحال مصلحت پسند ہوتے ہیں اور مصلحت پسند لوگ جانیں قربان نہیں کیا کرتے خواہ پیسہ اور وقت قربان کرنے میں وہ حاتم طائی کیوں یا نہ ہوں۔

حالات کی رائے یہ ہے کہ موجودہ دور میں بھی جبکہ تعلیم کا سلسلہ عام و رعام ہوچکا ہے، اَن پڑھ لوگوں کی تعداد ستر فی صد سے کم نہیں ہے اور عقل یہ کہتی ہے کہ لٹریچر پڑھے لکھے لوگوں کیلئے تیار کیا جاتا ہے اور پرائیویٹ کنونشن بھی خاص الخاص لوگوں ہی کیلئے عمل میں آتے ہیں، گویا کہ اگر تمام پڑھے لکھے مسلمان جماعتِ اسلامی کے گرویدہ ہوجائیں، اس کی میٹنگوں میں شرکت کرنے لگیں اور اسکا سارا لٹریچر ہضم کر لیں تو بھی جماعتِ اسلامی کا اثر ۳۰ فیصد مسلمانوں پر قائم ہوتا ہے اور تیس ۳۰ فیصد مسلمانوں کے دل و دماغ پر اپنا اثر قائم کر کے مطمئن ہوجانا نہ کمال ہے نہ باعث فخر، ایمرجنسی کی کھٹنائیاں برداشت کرنے کے بعد جماعتِ اسلامی کیلئے یہ ضروری تھا کہ وہ عوام سے اپنا تعلق قائم کرے اور ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کرے جو ان میں کام کرنے والے علماء نے پیدا کر رکھی ہیں، اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب جماعتِ اسلامی عام جلسوں کی تعداد بڑھائے اور جلسوں اور تقریروں میں اس انداز کو ملحوظ رکھے کہ عوام الناس جس انداز سے متعارف و متفق ہوں۔

(باقی صـــ کالم ـــ پر ملاحظہ فرمائیں)

آج کی صحبت میں ہم دہلی سے نکلنے والے ہفت روزہ اخبار "نئی دنیا" میں چھپے ہوئے چند مراسلوں کا تنقیدی جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ یہ مراسلے مولانا اسعد صاحب صدر جمعیۃ العلمائے ہند سے متعلق لکھے گئے ہیں اور ان میں بعض محبت و رأفت پر مشتمل ہیں اور بعض نفرت و کدورت اور مخالفت و شناعت پر یعنی بعض مراسلے اختلاف کے صحن میں کھڑے ہو کر لکھے گئے ہیں اور بعض عقیدت کے اندھے کنویں میں بیٹھ کر۔

ہوا تھا یوں کہ اخبار نئی دنیا کے قائم مقام مدیر شاہد صدیقی نے مولانا اسعد سے ایک انٹرویو لیا تھا اور اس انٹرویو کو نئی دنیا میں چھاپنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ اس سعادت کو بعض حضرات نے عین سعادت اور بعض حضرات نے سرتاپا نحوست و حماقت تصور کیا اور پھر عوام کی جانب سے مراسلے موسلا دھار پانی کی طرح برسنے لگے، ان سب مراسلوں کو چھاپنا نئی دنیا کے مدیر کے لئے ممکن نہیں تھا، لہٰذا انھوں نے چند مراسلے چھاپ کر دونوں ہی طبقوں پر احسان کر ڈالا ہے، ان لوگوں پر بھی جو مولانا اسعد کے عقیدتمند ہیں اور ان لوگوں پر بھی جو مولانا اسعد کے کٹر مخالف ہیں۔

مخالفت و موافقت اور خصومت و عقیدت سے بالکل قطع نظر ہو کر اس انٹرویو کے بارے میں ہمارا اپنا خیال یہ ہے کہ یہ ایک گھٹیا، پوچ اور واہیات انٹرویو ہے جو اگر شائع نہ ہوتا تو مولانا اسعد اور ان کے حواریین کے حق میں بہت بہتر اور مفید ہوتا۔

شاہد صدیقی کی ستم ظریفی دیکھئے کہ انھوں نے نئی دنیا کے اسی شمارے میں مولانا یوسف صاحب امیر جماعت اسلامی سے لیا ہوا انٹرویو بھی شائع کیا ہے جو ہر اعتبار مکمل، مدلل، مرصع، ٹھوس اور ہمہ گیر ہے، اور اس کی موجودگی میں مولانا اسعد والے انٹرویو کی حیثیت قطعی طور پر اس کھوٹے سکّے کی سی ہے جو کسی کھرے سکے کے برابر میں پڑا ہو۔

کافی غور و خوض کے بعد ہم تو اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ شاہد صدیقی صاحب نے مولانائے موصوف کے ساتھ بڑا ہی

گھناؤنا اور بڑا ہی معنی خیز مذاق کیا ہے، مولانا اس مذاق کی تپش اور جلن عرصۂ دراز تک اپنے دل و دماغ کی گہرائیوں میں شدت کے ساتھ محسوس کریں گے بشرطیکہ حس، حیا اور غیرت نام کی کوئی چیز ان کے دامنِ حیات میں تولہ بھر بھی باقی ہو۔

ہمیں یاد ہے کہ چند برس قبل مولانا اسعد صاحب کا ایک انٹرویو شبستان ڈائجسٹ میں شائع ہوا تھا۔ اس انٹرویو میں بھی اگرچہ عالمانہ انداز موجود نہیں تھا لیکن اس میں عالمانہ انداز کی کچھ خوبو ضرور موجود تھی۔ مگر وائے نصیب اور روائے گردشِ لیل و نہار کہ اب مولانا اسعد کی گفتگو میں وہ شائستگی اور عالمانہ انداز کی وہ خوبو بھی باقی نہیں رہی جو چند برس قبل پائی جاتی تھی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اسعد کے علم و جبدان کا عقاب بلندی سے پستی کی طرف بڑھ رہا ہے اور خود حضرتِ موصوف عظمت و رفعت کے فوق الوریٰ سے پستی و تنزل کے تحت الثریٰ میں گرتے اور دھنستے چلے جارہے ہیں۔

اس انٹرویو کی سطر سطر اور لفظ لفظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انٹرویو دینے والا پرائمری اسکول کا کوئی غبی اور بے شعور طالب علم ہے جسے نہ بات کرنے کی تمیز ہے اور نہ جواب دینے کا سلیقہ مولانا اسعد نے جتنے جواب دیئے ہیں ان میں کوئی ایک جواب بھی تو ایسا نہیں کہ جسے معقول اور مبنی بر سمجھداری کہا جاسکے۔

اور ایک جگہ تو انھوں نے کمال ہی کر دیئے، پوچھنے والے نے پوچھا کہ "نس بندی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے" یعنی وہ جائز ہے یا ناجائز؟ مولانا نے جواب دیا کہ "میں مفتی نہیں

ہوں"۔ گویا کہ نس بندی اتنا نازک اور باریک مسئلہ ہے کہ جس کے بارے میں مفتی کے سوا کوئی صحیح فیصلہ نہیں کر سکتا۔

یہ اعتراف کہ میں مفتی نہیں ہوں واقعاتی اعتبار سے مبنی برحقیقت سہی، لیکن یہ بات اپنی جگہ مسلّم ہے کہ نس بندی جیسی حرام چیز کی حرمت اتنی ظاہر و باہر اور اظہر من الشمس ہے کہ معمولی شُدھ بُدھ رکھنے والے مسلمان بھی اس کی قباحت و نجاست سے یقیناً واقف ہیں، زنا، شراب نوشی، قمار اور چوری جیسے کبائر کے بارے میں اگر زید سے یہ سوال کیا جائے کہ بتاؤ یہ چیزیں حلال ہیں یا حرام اور حضرت زید یہ کہہ کر کنّی کاٹ جائیں کہ میں تو بھائی مفتی نہیں ہوں لہذا میں کیا جواب دوں تو زید کے اس کنّی کاٹنے کو اعلیٰ درجہ کی فنکاری اور شاندار قسم کی فریب دہی نہ سمجھیں تو پھر کیا سمجھیں؟

مولانا اسعد مفتی ـــــ اور فقہی مسائل پر حاوی نہ سہی لیکن نس بندی جیسی حرام چیز کی حرمت سے ضرور واقف ہوں گے لیکن انھوں نے یہاں عورتوں والی چالاکی سے کام لیتے ہوئے اپنے دامن کو صاف بچا لیا ہے تاکہ وہ قوم کی نظروں میں بھی سرخرو رہیں اور حکومت کی نظروں میں بھی۔ سوچئے کہ جو شخص انٹرویو دیتے وقت بھی مرعوبیت اور مصلحت خوردگی کا اس درجہ شکار ہو اس کے انٹرویو میں صداقت، وسعت اور گہرائی کیسے ہو سکتی ہے سچ تو یہ ہے کہ اس کی زبان سے نکلے ہوئے کسی جواب میں نہ اہمیت ہو گی اور نہ صدق مقالی، نہ افادیت، اور نہ توسّع۔

اس انٹرویو کے بعض سوال جواب ہم بطور نمونہ ضرور نقل کرتے لیکن بات طول پکڑے گی اور کاغذ کافی مقدار میں سیاہ ہو جائے گا لہذا مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ کسی اور بات میں الجھے بغیر مراسلوں کا جائزہ لے لیا جائے۔

مراسلوں کی لفظ بہ لفظ نقل ہمارے لئے بھی باعث کوفت ہو گی اور قارئین کے لئے بھی، لہذا مناسب یہ رہے گا کہ ہر مراسلہ میں سے جو جملے اہم ہوں ان کو نقل کر دیا جائے اور پھر ان کے بارے میں جو اپنی رائے ہو اسے بے کم و کاست واضح کر دیا جائے پہلے ہم ان مراسلوں کا جائزہ لینا چاہتے ہیں جو مولانا اسعد کے مخالفین نے قلم بند کئے ہیں اور جن میں عقیدت و اُنسیت نام کی کوئی چیز ڈھونڈنے سے بھی نظر نہیں آتی۔ ان میں پہلا مراسلہ دیوبند سے موصول ہوا تھا، مراسلہ نگار نے اپنا نام و پتہ لکھنے کی زحمت گوارہ نہیں کی۔ نہ جانے کیوں؟ غالباً مراسلہ نگار جمعیۃ کے مذہبی غنڈوں سے خائف تھا، اسے اس بات کا اندیشہ تھا کہ اگر میں نے اپنا نام و پتہ بھی چھپوا دیا تو گالیوں اور برہنہ تہمتوں سے لبریز خطوط میرے گھر ضرور نازل ہوں گے لہذا اس نے اپنا نام و پتہ اڑا دیا۔ یہ بلاشبہ کم ہمتی کی بات تھی، کسی بھی تنقید نگار کو کسی حلقہ سے مرعوب اور دہشت زدہ نہیں ہونا چاہیئے، خواہ وہ حلقہ باعتبار قوت و اختیار کتنا ہی مضبوط اور ذی اثر کیوں نہ ہو۔ تنقید ہمیشہ بے جھجک، کھل کر اور براہ راست ہونی چاہیئے، کسی دیوار کی آڑ لے کر یا برقعہ اوڑھ کر کی جانے والی تنقیدیں کتنی ہی شاندار اور جاندار کیوں نہ ہوں مؤثر نہیں ہو سکتیں۔ مراسلہ نگار نے اگر مراسلے کی پیشانی پر اپنا نام و پتہ بھی مندرج کر دیا ہوتا تو ان کے مراسلہ میں روح پڑ جاتی، بصورت موجودہ ان کی عبارت اہم ہوتے ہوئے بے جان ہو کر رہ گئی ہے، مراسلہ نگار نے جو کچھ فرمایا ہے وہ مبنی برحقیقت ہے لیکن انداز بیان کہیں کہیں رکیک اور سوقیانہ ہو گیا ہے جو احساس و وجدان پر بجلی بن کر گرتا ہے، ان کی یہ بات سولہ آنے درست کہ:

"مولانا اسعد کا انٹرویو نظر سے گذرا جس کو پڑھ کر بے حد افسوس ہوا، انھوں نے سوالات کے جوابات بے حد مایوس کن انداز میں دیئے کوئی جواب مکمل نہیں"۔

لیکن ذرا اس انداز کو دیکھئے:

"اس شخص کا (مولانا اسعد کا۔ تجلی) گھر دیکھئے لاکھوں روپے کی مالیت کا گھر ہے، لکڑی کے دروازے کی جگہ لوہے کا شٹر لگا ہوا ہے یہ حرام خور، غدار قوم دوسروں کے سامنے فقیر بنے پھرتے ہیں اور فقیری کے نام پر قوم سے پیسہ وصول کرتے ہیں، ان لوگوں نے قوم کو

برباد کرنے میں اہم رول ادا کیا ہے۔"

یہ اندازِ تحریر یقیناً شرافت و نجابت سے ہٹا ہوا ہے اور یہ ثابت کرنے کے لئے بہت کافی ہے کہ حضرتِ مراسلہ نگار نے مولانا اسعد پر نکتہ چینی کرتے ہوئے اپنی سنجیدگی اور وقار کا گلا خود اپنے ہی ہاتھوں سے گھونٹ لیا تھا۔ واقعاتی اعتبار سے یہ بات درست بھی ہو کہ مولانا اسعد کا مکان لاکھوں روپے کی مالیت کا ہے اور اس کے در و دیوار سے فیشن زدہ مکانوں کی بو آتی ہے، مگر یہ باتیں ایسی نہیں ہیں کہ جنھیں کوئی اہمیت دی جائے، کسی کے مکان، جائداد، آمدنی اور دولت کی ریل پیل کو تنقید کا نشانہ بنانا کوئی معقول بات نہیں ہے، مولانا اسعد کی سرمایہ داری اور افراطِ زر کے ہم منکر نہیں، لیکن ان پر تنقید کرتے وقت ان چیزوں کو خاص اہمیت دینا منجملۂ نفوریات ہی ہوگا۔ تنقید ان کی شخصیت پر ہونی چاہئے، ان کے طرزِ عمل پر ہونی چاہئے، ان کی حالیہ روش پر ہونی چاہیے ان کی ذات پر نہیں، ان کی کوٹھی پر نہیں ان کے مال و منال پر نہیں۔ ایک جگہ مراسلہ نگار نے مولانا اسعد کو جوشِ مخالفت میں "حرام خور" کہہ ڈالا ہے، جو بدتہذیبی کا آئینہ دار ہے، حرام خور کے معنی کچھ بھی ہوں لیکن یہ لفظ عمومی طور پر گالی کے قائم مقام سمجھا جاتا ہے، اور گالی دینے والے لوگ شرفاء میں شمار نہیں کئے جاتے، خواہ نسلی اعتبار سے وہ شریف ہی کیوں نہ ہوں۔ مراسلہ نگار کا یہ جملہ بھی جہالت و بدکلامی کا شاہکار ہے کہ (مولانا اسعد۔ تجلی) سرکار کے پیسے کھاتے کھاتے فربہ تو ویسے ہی ہو رہے ہیں وغیرہ۔ مراسلہ نگار کو اس قسم کے انداز اور اس قسم کے عریاں جملوں سے احتراز کرنا چاہئے تھا کہ یہ چیزیں تہذیب و شائستگی اور انسانیت و مروت کے منافی سمجھی جاتی ہیں، اور ایسی باتوں سے کوئی خاطر خواہ فائدہ فائدہ نہیں ہوتا ماسوا اپنی ہی پول کھل جانے کے۔

دوسرا مراسلہ علی گڑھ سے آیا تھا، مراسلہ نگار کا نام نضل الرحمن ہے، یہ کسی شمعِ ادب نامی انجمن کے صدر بھی ہیں ان کا یہ جملہ ذوقِ سماعت پر گراں گزرا کہ مولانا اسعد ایک عیار آدمی ہیں۔ مولانا اسعد کے بارے میں لفظ عیار کا استعمال کرنا ہم سمجھتے ہیں کہ ظلم و زیادتی کے مترادف ہے، وہ کیسے بھی سہی لیکن عیار و مکار، کہلانے کے مستحق بالکل بالکل نہیں ہیں۔ انہیں عیار کہنا اور عیار سمجھنا بے ہودگی اور بے شعوری ہے۔

تیسرا مراسلہ دیوبند سے موصول ہوا تھا، مراسلہ نگار کا نام ہے اعجاز احمد۔ اعجاز احمد صاحب نے اپنے مراسلہ میں ان لاکھوں روپوں کا ذکر خیر کیا ہے جو انگریزی پریس کے نام پر قوم سے بطور چندہ وصول کئے تھے، اور جن کا حساب قوم کو آج تک نہیں دیا گیا کہ وہ کس کس مد میں اور کہاں کہاں خرچ کئے گئے، چلئے یہ بات کسی حد تک قابلِ التفات ہے لیکن اعجاز صاحب کا ایک جملہ ہمیں ناگوار محسوس ہوا، انھوں نے لکھا ہے کہ:

" اس رقم کو بنک میں جمع کر کے اس کا سود کھایا جا رہا ہے۔"

ایسی باتیں عموماً الزام و اتہام کے قبیل سے ہوا کرتی ہیں ان سے اجتناب کرنا چاہئے۔ جمعیۃ العلماء سے یہ شکایت ہمیں بھی ہے کہ اس نے انگریزی پریس کا جھانسہ دے کر ہندوستان کے مسلمانوں سے جو تین چار لاکھ روپے اینٹھ لئے تھے انھیں بے حساب اڑا دیا گیا، اور آج تک قوم کو کسی پیسہ کا کوئی حساب نہیں دیا گیا۔ لیکن ہم یہ کہنے کی جسارت نہیں کر سکتے کہ جمعیۃ العلماء نے یہ روپیہ کسی بنک میں جمع کرا رکھا ہے اور اس کا باقاعدہ سود لے کر کھایا جا رہا ہے، انگریزی پریس کے نام پر چندہ بٹورنے والی بات بھی اب بہت پرانی ہو گئی ہے، ہمارے خیال میں اب ایسی باتوں کا تذکرہ گڑھے مردے اکھاڑنے کے مرادف ہوگا، اب اس سلسلہ کو قیامت کے دن تک کے لئے بھول جائیے، قیامت کے میدان میں محاسبہ کرنے والے فرشتے خود ان سے پائی پائی کا حساب لے لیں گے اور دنیا میں آپ کتنے ہی چیختے رہیں نہ جمعیۃ العلماء کے لوگ حساب دیں گے، نہ انھیں شرم آئے گی، نہ انھیں اس بات کا احساس ہوگا کہ اب قوم کے ہوش مند لوگ انھیں بے ایمان اور بے ضمیر تصور کرتے ہیں، لہٰذا کیا فائدہ شور

بلاوجہ خواہ مخواہ اپنی زبان کو زحمت دینا۔

چوتھا مراسلہ مہاراشٹر سے آیا تھا مراسلہ نگار کا نام عبدالحفیظ ہے انھوں نے مولانا اسعد کے انٹرویو پر اعتراض کیا ہے اور بالخصوص ان کے ایک جواب کو نادرست قرار دینے کی کوشش کی ہے، عبدالحفیظ صاحب نے لکھا ہے

(ایمرجنسی میں) ہندوستان کا ہر شہری پریشان
تھا کیونکہ وہ بھی ہندوستان میں رہتا ہے
ہندوستان سے وہ بھی الگ نہیں مولانا کا یہ
کہدینا کہ ایمرجنسی سے مسلمانوں کو کوئی اعتراض
نہیں تھا ہماری نظر میں بالکل غلط ہے

نقل کردہ تمام اقتباسات ان مراسلوں سے لئے گئے ہیں، جو مولانا اسعد کی مخالفت میں نئی دنیا کو موصول ہوئے تھے اور نئی دنیا کے ‍ ‍ ‍ میں شائع ہوئے ہیں،

مراسلوں سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ مراسلہ نگاروں کی نظروں میں مولانا اسعد کی کوئی حیثیت نہیں ہے وہ مولانا کو چوتھے نمبر کا لیڈر تصور کرتے ہیں جو مسلمانوں کی عزت گنوانے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا مراسلہ نگاروں کی اس طرز فکر سے ہمیں اتفاق نہیں، ہماری اپنی رائے یہ ہے کہ پچھلے دس سالوں میں مولانا اسعد سے جو مذہبی غلطیاں اور سیاسی حماقتیں ہوئی ہیں ان میں ستر فیصد حقدار مولانا کے حاشیہ برداروں کا ہے، وہ حاشیہ بردار جنھوں نے مولانا حسین احمد مدنیؒ کی وفات کے بعد فوراً ہی مولانا اسعد کے گن گانے شروع کر دیئے تھے اور ان کی تعریف میں جھوٹے سچے قصیدے پڑھ پڑھ کر انھیں ایسی خوش فہمی میں مبتلا کر دیا تھا جو اچھے خاصے آدمی کو باؤلا بنا دیتی ہے اور آدمی خود کو عقل کل اور حاصل کائنات سمجھنے لگتا ہے جب بار بار حاشیہ برداروں نے مولانا کو امت کا واحد خیر خواہ اور اسلام کا واحد نمائندہ باور کرانے کی کوشش کی تو پھر مولانائے موصوف کا کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو کر خود کو قدرائے ملت تصور کر لینا قیاس و عقل سے ماورا بات نہیں، ان کی جگہ اگر کوئی اور صاحب بھی ہوتے تو وہ بھی حاشیہ برداروں کی مبالغہ آمیز تعریفیں سنتے سنتے خود کو عظیم المرتبت خیال کرنے لگتے

حقیقت تو یہی ہے کہ مولانا اسعد سے میدان مذہب میدان سیاست میں جو کوتاہیاں سرزد ہوئی ہیں ان کی ستر فی صد ذمہ داریاں ان خوشں فکروں کی گردن پر عائد ہوتی ہیں جو مولانا اسعد کو آج بھی یعنی اس وقت بھی کہ جب مولانا کی کم فہمی اور کم علمی دو اور دو چار کی طرح واضح ہو چکی ہے دنیا کا آٹھواں عجوبہ سمجھتے ہیں، ان لوگوں کی آج بھی رائے یہی ہے کہ مولانا ہر مرض کی دوا ہر مشکل کا حل اور ہر مصیبت کا مداوا ہیں انصاف اور حقیقت پسندی کا تقاضہ یہ ہے کہ مولانا اسعد کی شخصیت پر تنقید کرتے وقت مولانا کو صرف تیس فی صد سزا کا مستحق سمجھا جائے، اور ستر فی صد سزا اس طبقہ کو دیجائے جس نے ایک نااہل انسان کو اہل اور اہم کہہ کہہ کر اس کے اس درجہ دماغ کر دیئے ہیں کہ آج وہ فی الواقع خود کو مسلمانوں کا عظیم رہنما تصور کرنے کے خبط میں مبتلا ہو گیا ہے۔

آیئے اب ان مراسلوں کی زیارت بھی کر لیں جو مولانا اسعد کے معتقدین کی طرف سے موصول ہوئے تھے، ایک مراسلہ ایس، ایف، قاسمی کی طرف سے موصول ہوا ہے، ایس، ایف یعنی کہ . . . چہ ؟

تعجب خیز اور حیرت ناک بات یہ ہے کہ ان ایس، ایف صاحب نے ان صاحب کو بہت لتھاڑا ہے جنھوں نے مولانا اسعد کی مخالفت میں مراسلہ لکھتے وقت اپنا نام اور پتہ کو چھپا لیا تھا، ایس، ایف صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے اس کا مفہوم تقریباً یہ ہے کہ اگر مراسلہ نگار کو اپنی بیباکی جرأت پر بھروسہ تھا تو اسے اپنا نام ضرور لکھنا چاہیئے گویا کہ نام چھپانا بزدلی اور کم ہمتی کی دلیل ہے، ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ ایس، ایف صاحب سے یہی شکایت ہمیں بھی ہے کہ انھوں نے اپنے نام کو واضح نہیں کیا جو کہ اس بات کی دلیل ہے کہ انھیں مولانا اسعد کی حمایت کے

پر مکمل بھروسہ اور اطمینان حاصل نہیں کہ آیا موصوف کی حمایت میں خیر ہے یا مخالفت میں، اگر انھیں بھروسہ ہوتا تو پھر وہ ایس ایف لکھنے کے بجائے صاف صاف اپنا نام لکھتے، ایس ایف کا مطلب تو سید فاروق بھی ہو سکتا ہے، ساجد فاخری بھی ہو سکتا ہے اس موقع پر اپنے نام میں تخفیف پیدا کرنا اس بات کی علامت ہے کہ مراسلہ نگار اس تحریر سے مطمئن نہیں تھا جو اس نے مولانا اسعد کی حمایت میں نئی دنیا کے مدیر کو روانہ کی تھی، بہتر ہوتا اگر ایس ایف صاحب کسی ادیب، بزدل اور کم ہمتی سلی پھبتی کستے وقت اپنے گریبان میں جھانک لیتے غالباً ایس ایف صاحب نے مراسلہ لکھتے وقت افیم کھا رکھی تھی تب ہی تو بعض جملے ان کے قلم سے ایسے نکل گئے ہیں کہ جنھیں پڑھ کر بڑی اذیت ہوئی کہ دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کرنے والا طالب علم کیسی اوٹ پٹانگ باتیں کر رہا ہے ایس ایف صاحب نے دو فورنٹ میں فرمایا ہے کہ

> مولانا اسعد مدنی نے دارالعلوم دیوبند کی ہر دھڑکن کو اپنی دھڑکن سمجھا اپنی راہ میں حائل ہر اس خار کو آنکھوں سے چوما جس کی نسبت دور کی بھی دارالعلوم سے منسوب ہو مولانا موصوف نے دارالعلوم دیوبند کی چہار دیواریوں کو عقیدت کا بوسہ دیا۔

ادب اور انشار کی غلطیوں کو تو نظر انداز کر دیجئے کہ ایس ایف صاحب ابھی طالب علم ہیں اور عین ممکن ہے کہ میزان الصرف کے طالب علم ہوں اور ابتدائی طلبار کی تحریروں میں ادب اور انشار کی غلطیاں قابل حیرت نہیں ہوا کرتیں قابل غور اور لائق مذمت بات تو یہ ہے کہ ایس ایف نے جہاں منقولہ جملہ لکھ کر اتنا بڑا جھوٹ بولا ہے کہ جس کی نظیر بھی نہیں مل سکتی، مولانا اسعد کو دارالعلوم کا خیر خواہ اور ہمدرد لینا ان ہی لوگوں کا شیوہ ہو سکتا ہے کہ جو قلم چلاتے وقت افیم کھانے کے عادی ہوں ہوش مندوں سے اس بات کی امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ مولانا اسعد کو دارالعلوم دیوبند کا حامی و ناصر قرار دیں گے پچھلی اور موجودہ کئی روایات اس بات کی گواہی پیش کرتی ہیں کہ مولانا اسعد کو جب موقع ملا انھوں نے دارالعلوم دیوبند کو گزند پہنچانے کی اور اسے رسوا کرنے کی کوشش کی ہے، یہ الگ ہے کہ وہ اپنی خواہش میں کامیاب نہ ہو سکے ہوں، مولانا اسعد اس دارالعلوم کے خیر خواہ تو ہو سکتے ہیں کہ جو حضرت مولانا قاری طیب صاحب کی وفات کے بعد کسی ذریعہ سے ان کے قبضہ میں آجائے لیکن وہ اس دارالعلوم کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے جو ان کی کم علمی اور نا اہلی کی وجہ سے انھیں منھ لگانے کے لئے تیار نہیں،

ایس ایف صاحب نے کچھ اور الٹی سیدھی باتیں کہی ہیں جنھیں اندھی عقیدت کا مظہر اور بچکانہ حماقتوں کے سوا کوئی دوسرا نام دینا غلطی ہوگا، ایس ایف جیسے غیر ذمہ دار طلباؤں سے اس کے سوا کسی بات کی توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ جب زبان کھولیں گے اپنے من بھائے بزرگوں کے جھوٹے سچے قصیدے پڑھنے کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے، انھیں اگر مولانا اسعد سے عقیدت ہے تو کوئی غلط بات نہیں لیکن مولانا اسعد اگر من بھر کے ہوں انھیں دو من کا باور کرانا اور اگر وہ اپنی جماعت کے اور اپنے گھر کے خیر خواہ ہوں تو انھیں دنیا بھر کی جماعتوں اور اداروں کا خیر خواہ کہنا نہ ہوش مندی ہے نہ متانت ہے اور نہ ہی صداقت روی ہے۔

دوسرا مراسلہ مراد آباد کے منیر احمد صاحب نے روانہ کیا تھا انھوں نے اپنے مراسلہ میں ایک جگہ یہ ارشاد فرمایا ہے کہ

> میں مولانا مدنی کو ہمیشہ ایک مضبوط سیکولر شخص کے نام سے یاد کرتا رہا ہوں انھوں نے کانگریسی دور میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں وہ اپنی جگہ آپ ہیں

منیر صاحب نے کارہائے نمایاں کی وضاحت نہیں کی ہے۔

کارہائے نمایاں کسے کہتے ہیں، علی گڈھ یونیورسٹی، خاندانی منصوبہ بندی، مسلم پرسنل لا، اور ایسے ہی دوسرے مسائل میں مولانا اسعد نے جو غلط رول ادا کیا ہے خدا ہی جانے وہ کارہائے نمایاں کی فہرست میں آتا ہے یا نہیں،

اور ذرا آگے بڑھ کر فرماتے ہیں کہ

اگر کانگریسی حکومت نے مذہبی معاملات میں مداخلت کی یا مفاد عامہ کے خلاف کوئی کام کیا تو مولانا نے اس کی بھرپور مذمت کی

کتنا سفید اور سفید جھوٹ بولا گیا ہے دنیا جانتی ہے کہ مسلم پرسنل لا کنونشن میں مولانا اسعد نے شرکت نہیں کی تھی جبکہ موصوف کنونشن کی تاریخوں میں بمبئی میں موجود تھے، اور اس کی وجہ بجز اس کے کچھ بھی نہیں تھی کہ حکومت اپنے خیر خواہوں اور اپنی برادری کے لوگوں کا مسلم پرسنل لا کنونشن کے اسٹیج پر برداشت نہیں کر سکتی تھی لہٰذا مولانا اسعد جیسے حکومت نواز لوگوں کے لئے خیر و خوبی اسی میں تھی کہ وہ کسی ایسے کنونشن میں شریک نہ ہوں جو امت کی خواہشوں اور ارادوں و منصوبوں کے خلاف عمل میں آیا ہو، مولانا اسعد مدنی کے اخبار الجمعیۃ نے برسہا برس تک خاندانی منصوبہ بندی کی حمایت و طرف داری کے لئے بڑے بڑے اشتہار چھاپے ہیں اور حکومت کی ہر اسکیم پر بھرپور مدد کی ہے ان روایات و واقعات کے ہوتے ہوئے کسی شخص کا یہ دعویٰ کرنا کہ مولانا نے ہر اس موقعہ پر حکومت کی مذمت کی جب اس نے مذہبی امور میں مداخلت کا ارادہ کیا، اگر دیدہ دلیری اور چرب زبانی نہیں تو آخر پھر کیا ہے؟

مدیر صاحب نے چند سطروں کے بعد مولانا اسعد کی جرأت و بے باکی کو مستند ثابت کرنے کے لئے فرمایا ہے کہ

میں آپ کو یاد دلاؤں کہ کلکتہ کانگریس سیشن کے موقع پر جس میں سابق وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی اور سابق صدر جمہوریہ ہند وی وی گری صاحب بھی موجود تھے اس میں مولانا نے تقریر کرتے وقت بانگ دہل یہ بات کہی تھی کہ اگر فرقہ وارانہ فسادات کی روک تھام نہیں کی گئی اور افسروں کو سخت سزائیں نہیں دی گئیں تو میں سمجھوں گا کہ اس ملک میں آر ایس ایس کی حکومت ہے

ہم نے مان لیا کہ مولانا اسعد نے کسی موقعہ پر ایسا ضرور فرما دیا ہو گیا لیکن اس سے نہ مولانا کی بے باکی ظاہر ہوتی ہے اور نہ ان کا خلوص و ایثار بے باکی توجب ہوتی اگر مولانا یہ فرماتے کہ اگر فسادات کی روک تھام نہ ہوئی تو میں یقین کروں گا کہ فسادات حکومت کانگریس کے اشاروں ہی پر ہوتے ہیں اور حکومت ہی کے اشاروں پر آر، ایس، ایس اور آنند مارگ جیسی فسطائی جماعتیں مسلمانوں کا قتل عام کرتی ہیں اگر یہ بات غلط ہے تو حکومت قاتلین کے خلاف کوئی کارروائی کیوں نہیں کرتی اور فسادات کا سلسلہ بند کیوں نہیں ہوتا اور مولانا کا خلوص و ایثار اس وقت ثابت ہوتا جب مولانا یہ بھی فرماتے کہ اگر فسادات کی روک تھام نہ کی گئی تو میں کانگریس سے برطرف ہو جاؤں گا اور مسلمانوں کی حفاظت و نصرت کے لئے کوئی اور طریقہ سوچوں گا لیکن مولانا نے نہ ایسا کہا اور نہ ایسا کیا لہٰذا پھر کیسے مولانا کو شجاع اور مخلص تصور کر لیا جائے، جہاں تک ان کی بعض خدمات کا معاملہ ہے تو اس سے کسے انکار ہے ہم بھی مانتے ہیں کہ انھوں نے اور ان کی جماعت نے بعض کام ایسے بھی کئے ہیں جن سے مسلمانوں کو بہت فائدہ پہونچا ہے لیکن ہم یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ . . . . . کہ مولانا اسعد سے سیاست کے میدان میں کبھی کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی اور انھوں نے جو کچھ کہا اور کیا وہ بہر اعتبار ٹھیک ہے اور اس سے مسلمانوں کو فائدہ ہی فائدہ پہونچا ہے

ایک مراسلہ دارالعلوم دیوبند سے آیا ہے مراسلہ نگار ہیں کوئی اختر حسین بستوی، انھوں نے اپنی آنکھوں پر عقیدت کی پٹی باندھ کر یوں گل افشانی کی ہے کہ

مولانا اسعد کے نزدیک کانگریس کے بنیادی اصول بہترین اور اہم ہیں اور جو بھی باشعور

ہونے کے ساتھ تاریخی حقیقت سے واقف ہوگا
وہ اس کا انکار نہیں کرسکتا ۔

ایمرجنسی کے دوران کانگریس نے مسلمانوں پر جو بھیانک قسم کے مظالم توڑے ہیں اور مذہب اسلام اور اس کی مذہبی روایات کو جس جس انداز میں تباہ کرنے کی سازشیں اور حرکتیں کی ہیں ان سب کو کھلی آنکھ سے دیکھنے کے بعد بھی کسی اختر حسین بستوی کا یہ دعوی کرنا کہ کانگریس کے بنیادی اصول بہترین اور اہم ہیں سنک اور دیوانگی کے سوا کچھ بھی نہیں، کتنے احمق اور فاطر العقل ہیں وہ لوگ جو کانگریس کے مخصوص پروگرام ماسٹر پلان کے تحت مسجدوں کا انہدام مسلم پرسنل لا کے خلاف سازشوں کے ان گنت طومار اور نس بندی جیسی عقیدہ شکن تحریک کا خود مشاہدہ کرنے اور خواہی نخواہی اس تحریک کی لپیٹ میں آجانے کے باوجود یہ کہتے نظر آئیں کہ کانگریس ایک بہترین جماعت ہے اور اس کی بنیادی سے کوئی باشعور انکار نہیں کرسکتا ، باشعور اگر ایسے لوگوں کو کہا جاتا ہے کہ جن کی عقل گدی کے پیچھے اور جن کا وجدان معدہ میں پناہ گزیں ہو تو بلاشبہ ان لوگوں سے اس بات کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ کانگریس جیسی جماعت کی برائی کریں گے لیکن اگر ارباب شعور کا اطلاق ان حضرات پر ہوتا ہے کہ جن کے اندر سوجھ بوجھ کا مادہ اور جنہیں برے بھلے کی تمیز ہو جو حساس اور باریک بیں ہو تو پھر یہ یقین کرلینا چاہیئے کہ یہ لوگ کانگریس جیسی آوارہ خیال اور فاشسٹ جماعت کی خدمت میں خراج عقیدت پیش کرنے کی ؟ نت نہیں کرسکتے ۔

اختر صاحب نے کانگریس کے اصولوں کو بہترین کہہ کر ہندوستان کے ان مسلمانوں کی آہ و بکا اور چیخوں کا مذاق اڑانے کی کوشش کی ہے جنہیں ایمرجنسی میں ایسی ایسی ابتلاؤں سے گذرنا پڑا ہے کہ ہٹلر اور چنگیز خاں کی سنگین داستانوں میں بھی جن کی مثال نہیں ہے کاش مولوی اختر صاحب تک ہماری یہ بات پہنچ جائے کہ مولانا اسعد کی کانگریس جماعت کے ساتھ وابستگی اس بات کی دلیل نہیں کہ کانگریس فرشتوں کی جماعت ہے بلکہ کانگریس کا مولانا اسعد جیسے لوگوں کو اپنا کہنا اور اپنا سمجھنا اس بات کی علامت ہے کہ مولانا اسعد جیسے لوگ مسلمانوں کے ہمدرد اور خیر خواہ نہیں ہیں، سوچنے کی بات ہے کہ جسے ملت کفر اپنا جانے کیا وہ اسلام یا امت مسلمہ کا بہی خواہ کیسے ہوسکتا ہے؟ کانگریس جیسی فرقہ پرست متعصب جماعت اگر کسی مسلمان کو اپنا سمجھ کر سینہ سے لگائے گی تو سمجھدار مسلمان کیلئے ضروری ہوگا کہ اس شخص کا نام " اپنوں " کی فہرست سے اڑا دیں

جو مراسلے مولانا اسعد کی موافقت و حمایت میں نازل ہوتے ہیں ان پر سرسری سی نظر ڈال لینے سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا اسعد کے موافقوں اور حمایتیوں نے اس بات کا تہیہ کرلیا ہے کہ مولانا کچھ کہیں اور کچھ کریں ہم انہیں غلط گو اور غلط کار کہنے اور سمجھنے کیلئے تیار نہیں اگر وہ چنگ اڑائینگے تو جب بھی ہم یہ باور کرانے کی کوشش کریں گے کہ مولانا تفسیر پڑھ رہے ہیں ، ایسے کم سن اور عقیدت زدہ لوگوں سے اس بات کی توقع فضول ہوگی کہ وہ مولانا کو غلط روش سے روکنے کی سعی کریں اور انہیں آئینہ دکھا کر اللہ پر واضح کردیں کہ حضرت جس طرف آپ بڑھ رہے ہیں اس طرف گمراہیوں کے اندھیروں اور منافقت کی کھائیوں کے سوا کچھ نہیں دھر اپنی مخالفین کی بھرپور مخالفت اور موافقین کی اندھی موافقت سے صرف نظر کرکے ہماری رائے یہ ہے کہ مولانا اسعد فطرتاً برے نہیں ایک اچھے خاصے آدمی تھے اور اچھے خاصے رہتے اگر ناکارہ قسم کے حاشیہ برداروں نے ان کی ٹانگوں میں بانس باندھ کر زبردستی انہیں بڑا اور کلاں بنانے کی کوشش نہ کی ہوتی حاشیہ برداروں نے مولانا کی شان میں مبالغہ آمیز قصیدے پڑھے اور مولانا کو اپنے بارے میں یہ خوش گمانی ہوگئی کہ واقعی ندائے ملت ہوں ، اور اس خوش خیالی اور خوش گمانی کے نتیجہ میں وہ نقصان امت مسلمہ کو پہونچا ہے کہ بس اللہ کی پناہ ۔

مولانا اسعد اب تقریباً اد جماعت سے برطرف ہوکر دیوبند

میں پناہ گزیں ہو گئے ہیں اور لوگوں پر نفسیاتی اثر ڈالنے کیلئے انھوں نے ایک پرانی مسجد کو لاکھوں روپیہ خرچ کر کے نیا ڈھانچہ عطا کر دیا ہے اس مسجد میں ان دنوں علی الاعلان عبادت کا سلسلہ جاری ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ سیاست نے جو داغ مولانا کے جسد اطہر کو دیئے ہیں اس پر وہ مذہب کی کترنیں لپیٹنے کی کوشش کر رہے ہیں تاکہ وہ نمایاں نہ رہیں اور زندگی کے کسی موڑ پر مولانا کو احساس کمتری کا شکار نہ ہونے دیں یہ کوشش اچھی کوشش ہے کہ جو غلاظتیں ان کو کسی گندی سیاست سے ملیں ان کو رفع دفع کرنے کے لئے وہ مذہب کی پاکیزگی کا سہارا لیں یہ ہماری دعا ہے کہ مولانا اب کبھی اس سیاست کی طرف نہ پلٹیں جو انھیں رسوائیوں کے ٹھیکروں اور بدنامی کے کیچڑوں کے سوا کچھ بھی نہیں دے سکتی اور ہم یہ دعا بھی ضرور کریں گے کہ خدا مولانا اسعد کو ناکارہ اور چاپلوس قسم کے حاشیہ برداروں سے نجات عطا کرے کہ دراصل انکی خوش فہمیوں ہی نے مولانا کا حلیہ بگاڑا ہے اگر یہ لوگ اپنی روش سے باز نہ آئے اور مولانا اسعد نے ان کی غلط سلط باتوں اور بے بنیاد تعریفوں پر اعتماد کرنا نہ چھوڑا تو پھر — تو نئی نویلی مسجد کی چہار دیواری میں مذہب اسلام کو اتنا ہی نقصان پہونچے گا جتنا نقصان میدان سیاست میں وہ سیاست کو پہونچا کر آ رہے ہیں مسجد کے باہر کی جانے والی بے جا تعریفیں سن کر وہ خود کو فدائے ملت اور قوم کا واحد چارہ گر تصور کر بیٹھے تھے اب مسجد کے اندر کی جانے والی تعریفوں کا شور سن کر وہ خود کو فقیہہ و مجدد نہ سمجھ بیٹھیں، اگر خدانخواستہ انھوں نے زود اعتباری سے کام لیتے ہوئے خود کو مجدد اور مذہب اسلام کا ٹھیکیدار گمان کر لیا تو پھر عقائد و عبادات میں ایسی نئی نئی چیزیں پیدا ہو کر رہیں گی کہ دیوبند میں بریلی اور بریلیویوں کا مزا آنے لگے گا لہذا پروردگار سے دعا ہے کہ وہ مولانا اسعد کو ان حاشیہ برداروں سے محفوظ رکھے جو مولانا کو خوش فہمیوں کا پلاؤ کھلا کے ہمیشہ انھیں صراط مستقیم سے بھٹکاتے آئے ہیں۔

. . .　. . .　. . .　. . .　. . .　. . .　. . .

بقیہ :- توجہ طلب۔　از صفحہ نمبر ۶

اگر ایسا نہیں ہوا یعنی جماعت اسلامی نے ان غا[لط] فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش نہیں کی جو اس کے بار[ے] اہتمام و باقاعدگی کے ساتھ پھیلائی گئی ہیں۔ اور غلط فہمی[وں] کو دور کرنے کے لئے وہ اسباب اور ذرائع استعمال [نہ] کئے جن اسباب و ذرائع کو استعمال میں لاکر عوام کو اس [سے] بدظن کیا ہے۔ تو ہمیں یہ یقین کر لینا چاہئے کہ کسی بھی آڑ[ے] وقت میں جب جماعت اسلامی کے معصوم افراد پر ظلم و [ستم] کے کوڑے برسائے جائیں گے تو عوام الناس کی طرف سے جماعت کے لئے نہ کوئی اقدام ہو سکے گا اور نہ ہی وہ ان لوگو[ں پر] ترس کھانے کے لئے تیار ہوں گے۔ اب شدت کے [ساتھ] اس بات کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ عوام اور جماع[ت] کے درمیان علماء سوء نے جو دیوار کھڑی کر دی تھی اسے گ[را دیا] جائے لیکن حیرت و افسوس کی بات یہ ہے کہ زعمائے جماعت [اس] بارے میں جتنے غافل کل تھے اتنے ہی غافل آج ہیں خدا [ہی] جانے زعمائے جماعت کو یہ اطمینان کس بنا پر حاصل ہے [کہ] وہ اپنی موجودہ محدود آزادی کو طاقت و استعداد کا کل سر[مایہ] کیوں سمجھ بیٹھے ہیں اور عوام سے ربط و ضبط بڑھا کر اپنی طا[قت] میں اضافے کی فکر کیوں نہیں کرتے ؟

بقیہ :- آفتاب ہدایت کی ایک کرن :-　از صفحہ ۱۵

دوسروں کی بڑائی اور فوقیت دیکھ کر جو لوگ طرح ط[رح] کی خواہشوں اور طرح طرح کی حرص میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ہر آن آ[گے] ہی چیز کی طرف لپکتے ہیں وہ صرف ناشکری ہی کا شکار نہیں ہو[تے] بلکہ ان میں ایک قسم کی بے اطمینانی اور بھیانک قسم کا اضط[راب] انھیں اپنی باہوں میں جکڑ لیتا ہے اور درحقیقت یہ مزاج اس لالچ اور حرص و ہوس کی جوان کی زندگی کا جز بن کر انھیں [...] کے دلدل میں پھنسا دیتا ہے :-

چند مفید اور قابل مطالعہ کتابیں

حدیث دفاع
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دفاعی سیاست، فوجی قیادت، فن سپہ گری اور عسکری زندگی کے مفصل حالات، اثر علامہ محمد اکبر خاں مجلد ۱۲/۰۰

مکتوبات حضرت علیؓ
حضرت علیؓ کے چونسٹھ خطوط مع سلیس اردو ترجمہ مکتوبات کے تاریخی حوالے استعارات و تلمیحات کی فٹ نوٹ میں وضاحت اور موصوف کی مکمل سوانح حیات مترجم و مرتب حکیم نبی احمد خاں رامپوری
قیمت مجلد ۱۰/۰۰

صراط مستقیم
اہل سنت والجماعت قبر، قیامت، صور، میزان، اور پل صراط کے ہولناک واقعات نیز قرآن کریم کی چند اہم سورتوں کے قابل قدر تفسیر مولانا صوفی عابد میاں صاحب کی یہ کتاب ہر اعتبار سے اصلاح اخلاق و اعمال کے لئے مشعل ہدایت ہے مجلد ۶/۰۰

تصوف کی حقیقت
راہ سلوک کے بڑے سالکوں نے سلوک کس طرح مرتب کیا۔ یہ تاریخ حکمت کا ایک مستقل باب ہے جس کو امام الائمہ حضرت شاہ ولی اللہؒ دہلوی نے اپنے رسالہ "ہمعات" میں مفصل و مدلل طریقہ پر تحریر فرمایا ہے۔ مترجم ہیں، پروفیسر محمد سرور
قیمت مجلد ۶/۰۰

سیرت ختم الرسل
مولانا مودودی کی یہ بیش بہا علمی کاوش ایک ایسا آئینہ ہے جس میں رسول خدا کی شخصیت اور دینی جد وجہد کے سارے خدوخال واضح طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ قیمت ۳/۰۰

عہد نبوی کے میدان جنگ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تحریک کے ایک اہم سنگ میل کی روداد اسلام، نظریۂ حرب و دفاع، کئی نگاہ سے اصول فن اور عمل کے لحاظ سے حضور کا اسوۂ حسنہ مصنف ڈاکٹر حمید اللہ ۳/۵۰

جنت اور دوزخ
اچھے اور برے اعمال کی جزاء و سزا گناہ اور ثواب کا علمی اور روحانی تجزیہ قرآن و حدیث کی روشنی میں جنت اور دوزخ کی حقیقت
قیمت ۲/۰۰

مومن کی زندگی قرآن کی روشنی میں
دنیائے اسلام کے عظیم مفکر اور صحافی مولانا مودودی کے در نایاب اور بیش بہا مضامین کا مجموعہ۔ قیمت ۱/۷۵

صدائے جمہور
محمد فاروق جوہر کی نظموں اور قطعات کا مجموعہ جو صحیح اور جائز مبلغ بھی اور نظام حکومت پر پرخلوص اور دردمندانہ طنز بھی
قیمت ۱/۵۰

شیر شاہ سوری
جس نے اپنے پانچ سالہ مختصر دور حکومت میں ہند کے عوام کو اپنی انتظامی قابلیت، انصاف اور خدمت خلق کا قائل کر دیا مکمل سوانح اور مفصل حالات
قیمت ۱/۵۰

ٹیپو سلطان
تاریخ کی سب سے بڑی سازش جس کی وجہ سے ہند کی آخری تلوار ٹوٹ گئی اور آخری حصار مسمار کر دیا گیا۔ دردناک کتاب جس کو پڑھ کر آنسو آ جاتے ہیں۔
قیمت ۱/۵۰

محمد بن قاسمؒ
سرزمین ہند پر اسلام کا داعی اول جس نے اپنے دشمنوں کو ذہنی شکست دیکر اپنا لیا تھا۔
قیمت ۱/۵۰

طارق ابن زیاد
پہلے مسلمان جرنیل جنھوں نے اسپین فتح کیا اور اسلام کا مبارک قدم یورپ کی سرزمین پر پہونچا
قیمت ۱/۵۰

مکتبہ تجلی دیوبند (یوپی)

داتا گنج بخش روحانیت انسانی کے عظیم محسن اللہ کے پیارے ولی حضرت داتا گنج بخش صاحب کی سوانح حیات و تعلیمات
قیمت ۱/۵۰

حضرت موسیٰ علیہ السلام عظیم المرتبت پیغمبر جن کو کلیم اللہ ہونے کا شرف حاصل ہوا آپ کی سیرت و سوانح پر بہترین کتاب۔
قیمت ۱/۵۰

حضرت عیسیٰ علیہ السلام قوم یہود کے مصلح اعظم حضرت عیسیٰ مسیح اللہ کی مکمل سیرت اور پیغمبرانہ شان قرآن کی روشنی میں۔ قیمت ۱/۵۰

مہاتما بدھ آپ کی ذات ایک نورانی چراغ تھی جس نے اپنے زمانہ کی تاریکی میں روحانیت کی روشنی پھیلائی آپ ایک مبلغ بھی تھے اور حق کے لئے جان دینے کا ولولہ بھی رکھتے تھے۔ ۱/۵۰

جہانگیر اس انصاف پسند بادشاہ کے حالات جس نے اپنے محل کے دروازے پر زنجیر عدل لٹکا رکھی تھی اور جس نے انصاف کے معاملہ میں اپنی محبوب ملکہ کی بھی رعایت نہیں کی قیمت ۱/۲۰

نور جہاں جہانگیر کی چہیتی ملکہ نورجہاں کی کہانی جس نے اپنی ذہانت و لیاقت کے بل بوتے پر سارے ہندوستان و پاکستان پر حکومت کی قیمت ۱/۲۰

سکھ اور جنگ آزادی علامہ انور صابری نے اس کتاب میں ہندوستان کی آزادی کیلئے سکھوں، مسلمانوں، افغانستان کے جانبازوں کی مشترک جدوجہد کی ایک صدی سے زیادہ کی وہ تاریخ مرتب کردی ہے جس کو صدہا کتابوں، اخباروں، تذکروں کا نچوڑ کہنا بیجا نہ ہوگا
قیمت مجلد ۴/۰۰

مولانا عبیداللہ سندھی شیخ الہند کے معتمد خاص اور ان کی تحریکوں کے روح رواں اسلام کی صداقت کے علمبردار، جہاد و حریت کے ایک مشہور اور جیالے سپاہی جنھوں نے دور دراز ممالک میں بھی اسلام کی اصل روح، اس کی تعلیمات کو پھیلانا اور ہندوستان کی آزادی کے لئے ایسا رول ادا کیا جس پر تاریخ قیامت تک ناز کرتی رہے گی۔ زیر نظر کتاب میں مولانا سعید احمد اکبرآبادی ایم اے نے اپنے بصیرت افروز قلم سے مرحوم کی شخصیت اور عظمت کو اجاگر کیا ہے قیمت مجلد ۷/۰۰

سوانح زرتشت اب سے تقریباً پونے تین ہزار برس پہلے جو تاریخ کا ایک تاریک ترین دور کہلاتا ہے۔ دنیا کے اس خطے میں پیدا ہوئے جو ان دنوں تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا آپ نے اس زمانے کے انسانوں کی اصلاح کے لئے ایک مذہب کی بھی بنیاد رکھی اس مذہب کے ماننے والے آج بھی دنیا میں موجود ہیں آپکی سوانح اور اس زمانے کی مکمل تاریخ بھی موجود ہے قیمت ۱/۲۰

توضیح البیان شرح حفظ الایمان

اس کتاب وہ سرچشمہ ہدایت موجزن ہے جس نے اہل بدعت کو مع ان کے اوہام باطلہ کے قیامت تک کے لئے غرق کر دیا ہے قیمت ۱/۵۰

درس عبرت یہ کتاب ان اکابرین ملت کی نشاندہی کرتی ہے جو اپنی زندگی کو مجسم عبرت بنا کر سفر آخرت اختیار کر گئے۔ قیمت ۰/۷۵

خالد ابن ولید رضؓ

خالد ابن ولیدؓ اسلام کے نامور فاتح اور سپہ سالار ہیں آپ نے بدوی قبائل کی صحرائی زندگی ہی میں محنت، جفاکشی، آزادہ روی اور بے باکی سیکھی تھی اس کے بعد آپ کے والد نے شہ سواری، شمشیر زنی اور تیراندازی کی تعلیم دے کر فنون جنگ میں طاق کر دیا آپ کے مفصل حالات جنرل اکبر خاں کے ملاحظہ فرمائیں۔ قیمت ۲/۵۰

ملنے کا پتہ مکتبہ تجلی دیوبند (یوپی)

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ

اور جس چیز میں اللہ نے تم کو ایک دوسرے پر کوئی بڑائی دی ہے اس کی ہوس مت کرو

ہمارے اردگرد جتنے لوگ بستے ہیں ان میں دو ہی طرح کے افراد ہمیں نظر آتے ہیں۔ ایک وہ جو ہم سے بہتر ہوں اور ایک وہ جو ہم سے کمتر اور بدتر ہوں ——— ہماری آمدنی اگر پانچ سو روپے ماہوار کی ہو تو وہ لوگ ہم سے بہتر ہوں گے جن کی آمدنی ہزار دو ہزار یا اس سے زائد کی ہو اور وہ لوگ کمتر خیال کیے جائیں گے جن کی آمدنی سو دو سو کی ہو یا اس سے بھی کم ہو۔

ہمارے اعضاء صحیح و سلامت ہوں اور ان میں کوئی نقص یا خرابی موجود نہ ہو تو وہ حضرات ہم سے بہتر اور فائق تصور کیے جائیں گے جنھیں اعضاء کی درستی و سلامتی کے ساتھ ساتھ پروردگار نے حسن و جمال کی دولت سے بھی نوازا ہو۔ اور وہ لوگ کمتر مانے جائیں گے جن کے اعضاء میں کسی قسم کا عیب اور کمی موجود ہو۔

ہمیں پروردگار نے اگر محدود عزت و شہرت بخشی ہے تو بلاشبہ وہ حضرات ہم سے بہتر اور نمایاں کہلانے کے مستحق ہوں گے جنہیں معیشت کی طرف سے عزت و شہرت کا غیر محدود سرمایہ حاصل ہو۔ لیکن وہ حضرات ہمارے مقابلے میں کمترین ہی کہلائیں گے جنھیں برائے نام اور برائے بیت قسم کی عزت بھی میسر نہ ہو۔ ان اشارات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس دنیا میں لاتعداد لوگ ہم سے بہتر اور لاتعداد ہم سے کمتر کہلانے کے مستحق ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ ہماری نظر ان دونوں طبقوں میں سے کسی ایک پر ضرور جم کر رہے گی اگر ہماری نظر اس طبقہ پر جم کر رہ جائے جو بہر اعتبار یا کسی ایک اعتبار سے ہم سے کافی بہتر ہے۔ تو لا محالہ ——— ہمارے دل و دماغ میں ناشکری انگڑائی لے گی اور ہمیں یہ احساس اور پھر یہ یقین ہونے لگے گا کہ خدا نے ہمارے ساتھ نا انصافی اور زیادتی کی ہے کہ ہمیں دوسروں کے مقابلے میں کمزور اور بے مایہ بنا کر پیدا کیا ہے۔ لیکن اگر ہماری نظر اس طبقہ پر جم جائے جو بہر لحاظ ہم سے پست تر ہے تو پھر ہمارے لیے سجدۂ شکر کیے بغیر چارہ نہیں رہے گا۔ ہمیں دال میسر ہو تو ان لوگوں کے دسترخوان دیکھ کر ہمارے دل میں ناشکری کا تصور ضرور ابھارے گا کہ جن کے دسترخوان پر اعلیٰ درجہ

سکے کھانے موجود رہتے ہوں لیکن اگر اس طبقہ پر نظر ڈالیں کہ جسے دال بھی نصیب نہیں ہو پاتی تو پھر خدا کا شکر کیے بغیر چین نہیں پڑ سکتی۔

اسلام نے ہمیں تعلیم دی ہے۔ کہ تم سب لوگوں کی طرف دیکھو جو تمہارے مقابلے میں کمزوری اور بے کسی کا شکار ہوں تاکہ تمہارے اندر شکر و امتنان کا جذبہ پیدا ہو۔ جو لوگ ہمیشہ اپنوں سے بہتر افراد کی طرف دیکھنے کے عادی ہوتے ہیں وہ لازماً ناشکری اور ناسپاسی جیسے خبیث گناہ کا شکار ہو کر رہ جاتے ہیں اور ان کے دماغ میں ہمہ وقت ایک ہی بات ہوتی ہے کہ کاش میں اس جیسا ہوتا اور کاش، میرے پاس اتنی جائداد ہوتی جتنی فلاں کے پاس ہے۔ یہ تو عام سی بات ہے کہ ہوس کی کھوپڑی کبھی نہیں بھرتی ایک آدمی ہزار پتی ہونے کے بعد یہ خواہش کرتا ہے کہ کاش میں فلاں کی طرح لکھ پتی بن جاؤں خدا اسے لکھ پتی بنا دیتا ہے تو اس کی آرزو یہ ہوتی ہے کہ کاش میں فلاں آدمی کی طرح کروڑ پتی بن جاؤں وہ اپنی آرزو کے مطابق اگر کروڑ پتی بھی بن جاتا ہے تو بھی اس کی ہوس کا پیٹ نہیں بھرتا۔ پھر وہ اس سے آگے کی خواہش کرنے لگتا ہے یہاں تک کہ وہ قبر کے کنارے پہونچ جاتا ہے۔

اسی بات کو الفاظ کی کسی قدر تبدیلی کے ساتھ قرآن حکیم نے یوں بیان کیا ہے۔

أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ

ترجمہ:۔ تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اور ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی دھن نے غفلت میں ڈال رکھا ہے یہاں تک کہ تم سب گور تک پہنچ جاتے ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں کو قناعت کرنے والا دل نصیب نہیں ہوتا وہ ہمیشہ طمع اور لالچ میں مبتلا رہتے ہیں اور طمع و لالچ کے آسیب انھیں موت کی دہلیز تک پہنچا کر ہی دم لیتے ہیں آخر وقت تک انھیں یہی فکر ستاتی رہتی ہے کہ دنیا کی فلاں شئی میرے پاس سمٹ آئے اور دنیا کے فلاں مالدار کی طرح میں بھی متمول اور کروڑ پتی بن جاؤں۔

منقولہ آیت میں اسی بات کو بیان کیا گیا ہے کہ تم ہر وقت ان چیزوں کی ہوس مت کرو جو دوسروں کو دی گئی ہیں۔ پروردگار نے جو چیز جسے عطا کر دی وہ اسی کے مناسب حال تھی تمہیں ان چیزوں پر قناعت کرنی چاہیئے جو تمہیں میسر ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیئے کہ تم ان لوگوں سے بہتر ہو جنھیں تمہارے مقابلے میں کوئی حیثیت و نمود حاصل نہیں ہے۔ اپنے سے زیادہ حیثیت والوں کی طرف لالچ کی نظریں ڈالنے سے روکا گیا ہے کہ یہ حرکت ناشکری جیسے مذموم مرض میں مبتلا کر دیتی ہے۔ قرآن حکیم میں یوں فرمایا گیا ہے:۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ

ترجمہ:۔ اور اپنی آنکھوں کو مت پسارا اس کی طرف جو ہم نے ان میں سے طرح طرح کے لوگوں کو سامان دیا ہے۔

بعض لوگ اچھے خاصے مالدار ہونے کے باوجود اللہ کی ناشکری کرتے نظر آتے ہیں یہ وہی لوگ ہوتے ہیں کہ جنھیں قناعت کرنے والا دل نصیب نہیں ہوتا اسی لیے جہاں انھیں کوئی اپنے سے بہتر شخص نظر آتا ہے کھٹ سے ان کے دماغ میں ایک ہی بات آتی ہے کہ کاش میں بھی اس جیسا ہوتا۔ ایسے لوگ جائز و ناجائز طریقوں سے دولتیں سمیٹ لینے کے باوجود بھی طمع و لالچ میں مبتلا رہتے ہیں اور کسی طرح بھی ان کے دل کو قرار میسر نہیں آتا حدیث میں تو ان لوگوں کو محتاج قرار دیا گیا ہے۔ جن کے سینے میں قناعت کرنے والا دل موجود نہ ہو ایک روایت میں ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوذرؓ تمہارے خیال میں مال کی کثرت کا نام بے نیازی ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ فرمایا تو تمہارے خیال میں مال کی قلت کا نام محتاجی ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ بے نیازی دل کی بے نیازی ہے اور محتاجی دل کی محتاجی ہے۔

ایک بار آپ نے حضرت ہریرہؓ سے فرمایا کہ جو کچھ تمہاری قسمت میں ہے اگر تم اس پر راضی ہو جاؤ تو تم سب سے زیادہ بے نیاز ہو جاؤ گے

باقی صفحہ ۔۔۔ پر

دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ تاریخی اجلاس

کا

ایشیا کی سب سے بڑی آزاد اسلامی تعلیم گاہ کا عظیم اجتماع

ہندوستان اور ہندوستان سے باہر یہ خبر مسرت کے ساتھ سنی جائے گی کہ دارالعلوم دیوبند کی مجلس اسلامی اعلیٰ مجلس شوریٰ نے اپنے اجلاس مورخہ ۳ جولائی ۱۹۷۷ء میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کا سو سالہ اجلاس (دستار بندی) نومبر ۱۹۷۸ء میں منعقد کیا جائے اور اس سلسلہ میں جو تیاریاں ہو رہی ہیں ان کی پوری سرگرمی اور تیزی کے ساتھ تکمیل کی جائے۔

اجلاس کے انعقاد کا یہ پہلا باضابطہ اعلان ہے۔ اجلاس صد سالہ کے ناظم اعلیٰ جناب مولانا حامد الانصاری غازی صاحب دفتر اہتمام کی رہنمائی اور مالیات کے مطابق اجلاس صد سالہ کی بنیادی تیاریوں سلسلہ میں سرگرمی سے اقدامات کر رہے ہیں۔ امید ہے دارالعلوم کے دس طلبا و فضلاء اور برصغیر کے لاکھوں عوام اور دنیا کے تعلیمی اداروں کے سربراہ اور اساتذہ اس عظیم اور نمائندہ اجلاس میں شریک ہوں گے اور مستقبل کیلئے تعلیمی مقاصد کا جائزہ لیں گے ۔۔۔ تاریخ خداوندِ عالم کی مرضی کا دوسرا نام ہے اور دارالعلوم دیوبند اس صدی کے مذہبی روحانی بزرگوں کا ایک ایسا تاریخی کارنامہ ہے جو اپنی مثال آپ ہے اس عظیم ادارے نے اسلامی تعلیم کے عالمی مرکز اور جنگ آزادی کے قلعہ کی حیثیت سے ہندوستان میں اسلامی دنیا اور انسانی برادری کی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔ یہ ادارہ ہر خارجی اثر سے آزاد ہے۔ اس کا پچیس لاکھ روپیہ سالانہ کا بجٹ اللہ کے فضل سے عوام کے ذریعہ اور عوام کے فائدہ کے لیے صرف ہوتا ہے۔ یہاں تعلیم کی کوئی فیس نہیں لی جاتی ہے اور طالبعلموں کی تمام ضروریات بغیر کسی قیمت کے مہیا کی جاتی ہیں۔

امید ہے کہ ہندوستان اور ہندوستان سے باہر ہمارے تمام فضلاء، اساتذہ، اخبار نویس، قومی عمائدین اور ارباب خیر حضرات صد سالہ اجلاس کی تیاری کے سلسلہ میں مکمل تعاون فرمائیں گے۔ ادارہ کی طرف سے اجلاس کی تیاریوں کے سلسلے تمام اخباروں کو خبریں مہیا کیجائینگی اور عوام ان تیاریوں سے باخبر رہیں گے۔ ماہِ رمضان المبارک کے بعد جو پروگرام مرتب ہوں گے ان کو فضلائے دیوبند اور عام مسلمانوں کی معلومات کے لیئے شائع کر دیا جائے گا۔

دستخط

حضرت مولانا محمد طیب صاحب، مہتمم دارالعلوم دیوبند۔

جرم ثابت ہونے پر انہیں انتخابات میں حصہ لینے کا نااہل قرار دیدیا جائے

قوم نے نظام مصطفےٰ کے نفاذ کیلئے جمہوریت کا راستہ اختیار کیا تھا

لاہور (نمائندہ ریاض) بانی جماعت اسلامی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے کہا ہے سابق حکومت کے جن اہم اشخاص کے خلاف مختلف جرائم میں ملوث ہونے کی دستاویزی شہادتیں اور اعتراضات سامنے آ رہے ہیں۔ ان کو فوراً گرفتار کر کے ان پر مقدمہ چلانا چاہیئے اور جرائم کا ثبوت بہم پہنچنے کے بعد انہیں قانونی سزا دی جائے اور انتخابات میں حصہ لینے کا نااہل قرار دے دیا جائے وہ آج اچھرہ میں اپنی اقامت گاہ پر نمائندہ ریاض کو انٹرویو دے رہے تھے

مولانا مودودی نے کہا کہ قوم کا حالیہ تحریک کا مقصد ملک میں اسلامی نظام کا قیام ہے اور اس کے لئے جمہوریت ہی ایک پُرامن اور مفید طریقہ ہے انہوں نے اس یقین کا بھی اظہار کیا کہ قومی اتحاد قائم رہے گا اور اس میں ایسے اختلافات پیدا نہیں ہوں گے جس سے یہ اتحاد ختم ہو جائے۔

مولانا صاحب جو ایک عرصہ سے عملی سیاست سے کنارہ کش تھے حالیہ تحریک نے انہیں ایک بار پھر خاصا سرگرم کر دیا ہے۔ سابق وزیر اعظم بھٹو نے بھی اپریل میں ان سے ملاقات کی تھی اور ان سے کہا تھا کہ وہ قومی اتحاد سے ان کی مفاہمت کرا دیں۔ آج بھی جماعت اسلامی کے رہنماؤں اور مسلم لیگی رہنما خواجہ خیرالدین نے ان سے ملاقات کی

وکلاء کی کمیٹیاں بنائی جائیں۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے سابق وزیر اعظم بھٹو اور ان کے ساتھیوں پر مقدمہ چلانے کے بارے میں تجویز پیش کی کہ اس سلسلہ میں لاہور، کراچی اور راولپنڈی میں فوری طور پر ممتاز وکلاء پر مشتمل کمیٹیاں قائم کی جائیں اور یہ کمیٹیاں اس تمام مواد کو جو پے در پے اخبارات میں شائع ہو رہا ہے اور جو حکومت کے مقرر کردہ تفتیشی اداروں کیطرف سے عوام کے سامنے آ رہے ہیں ان کو بغور دیکھ کر یہ رائے قائم کریں کہ ان شہادتوں کی بنا پر کس کس پر کتنے مقدمات چلائے جا سکتے ہیں اور جن جن مقامات کے لئے کافی امور بہم پہنچ جائے۔ انہیں بلا تاخیر عدالتوں کے سامنے لے آئیں۔ تاہم انہوں نے اس تجویز کی مخالفت کی کہ حکومت ٹربیونل قائم کر کے مسٹر بھٹو اور ان کے ساتھیوں پر مقدمات قائم کرے۔ انہوں نے کہا کہ مسٹر بھٹو اور ان کے ساتھیوں پر عام عدالتوں میں مقدمات دائر ہونے چاہئیں اور ان مقدمات کی پیروی اور دیگر اخراجات کے لئے جتنی رقم کی ضرورت ہوگی عوام ان کو فراہم کرنے میں کوتاہی نہیں کریں گے

نظام مصطفےٰ یا جمہوریت

اس سوال کا جواب میں کہ موجودہ انتخابات کس بنیادی مسئلہ پر لڑے جائیں گے۔ نظام مصطفےٰ یا جمہوریت انہوں نے کہا کہ ہمارا کہ ہمارا اصل مقصود تو اسلامی نظام کا قیام ہے اور اس کے لئے ہم جمہوریت ہی ایک پر امن اور مفید طریقہ ہے۔ اسی لئے ہم اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جمہوریت کا راستہ استعمال کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم سے مراد صرف جماعت اسلامی یا قومی اتحاد نہیں بلکہ وہ پوری قوم ہے جس نے حالیہ تحریک میں قربانیاں دے کر ساری دنیا کے سامنے واضح کر دیا تھا کہ وہ کیا چاہتے ہیں ظاہر ہے کہ کوئی مسلمان جمہوریت کے لئے گولی نہیں کھاتا اسلام کے لئے گولی کھاتا ہے۔ اور اس یقین کی بنیاد پر کہ یہ شہادت ہے

ایک اور سوال کے جواب میں کہ بعض افراد کا خیال ہے کہ حالیہ تحریک ملک میں جمہوریت اور شرافت کے قیام کے لئے تھی؟ مولانا صاحب نے کہا کہ ایسا نہیں ہے۔ اگر اسلام کو مقصود کی حیثیت پیش نہ کیا جاتا تو کروڑوں آدمی سڑکوں پر نہ نکلتے۔ اسی مقصد کے لئے پاکستان کے قیام کے وقت مسلمانوں نے بے حساب قربانیاں دیں اور ہندوستان کے ان حصوں کے مسلمانوں نے قربانیاں دیں جنہیں پاکستان سے کچھ ملنے کی توقع نہ تھی بلکہ ہندوؤں کے انتقامی ظلم کا اندیشہ تھا اور اب بھی عوام نے اسی نظریہ کے لئے قربانیاں دی ہیں انہوں نے استفسار کیا کہ تحریک پاکستان کے موقع پر کروڑوں مسلمانوں نے کس جمہوریت کے لئے کام کیا تھا؟ حالیہ تحریک کا پس منظر بیان کرتے ہوئے مولانا مودودی نے کہا کہ جس وقت انتخابات کا اعلان کیا گیا اس کے ساتھ ہی نو سیاسی جماعتوں نے اتحاد کیا اور اس وقت ان جماعتوں کا مقصد یہ قوم کے سامنے پیش کیا گیا کہ وہ اسلامی نظام قائم کرنا اور جمہوریت کو بحال کرنا چاہتے ہیں اس چیز کو قبول کر کے تحریک چلائی گئی اور جب قومی اتحاد قائم ہوا تھا اس وقت ہی تحریک شروع ہو گئی تھی۔

جہاں تک موجودہ حالات کے تجزیہ کا تعلق ہے ہیں

مختصراً یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ حکومت کے فرمانروا (مسٹر بھٹو) اس کے وزرا، اس کے گورنر اور اس کے بڑے بڑے رہنماؤں کے بارے میں دستاویزی شہادتیں اور اقراری مجرموں کے اعترافات قتل، خیانت، غبن اور اختیارات کے انتہائی غلط استعمال کی شہادتیں مل رہی ہوں اس جماعت کو انتخابات میں حصہ لینے کا موقع دینا اسی طرح کی غلطی ہے جس طرح سابق مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب الرحمٰن کو چھ نکات کی بنیاد پر انتخاب لڑنے کی اجازت دیدی گئی تھی۔

انہوں نے کہا کہ اگر پوری پیپلز پارٹی کو انتخابات میں حصہ لینے کے لئے نااہل قرار دیا جائے۔ انہوں نے کہا یہ تدبیر اختیار نہ کرنا ملک کے لئے بڑا خطرہ ہے کیونکہ اگر یہ سب جرائم کرنے والی جماعت خدانخواستہ پھر کامیاب ہو جائے یا بڑی تعداد میں نشستوں پر انتخاب جیت لے تو اس کا لازمی نتیجہ ملک میں شدید تباہ کن اختلافات کی شکل میں سامنے آئے گا۔

قومی اتحاد قائم رہے گا۔

قومی اتحاد کا ذکر کرتے ہوئے مولانا مودودی نے کہا کہ بظاہر تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ قومی اتحاد قائم نہ رہ سکے ہم متحد ہو کر لڑے ہیں۔ اور متحد ہو کر ہم نے قربانیاں دی ہیں۔ ہمارے اتحاد کی وجہ سے ساری قوم نے ہمارا ساتھ دیا ہے اس کے بعد میں نہیں سمجھتا کہ یہ اتحاد اپنی منزل پر پہنچ کر ٹوٹ جائے گا۔ مسائل میں اختلافات تو جب تک انسان ہے اس وقت تک رہیں گے لیکن ایسے اختلافات نہیں ہوں گے۔ جس سے قومی اتحاد ختم ہو جائے اتحاد کو برقرار رکھنے کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا اگر یہ ملک و قوم کی بھلائی کے پیش نظر ہو۔ ایک دوسرے کے ساتھ دلوں میں خلوص ہو تو اتحاد کو برقرار رکھنے کے لئے اس سے تیز لائحہ عمل نہیں ہو سکتا۔ ورنہ کاغذ پر آپ خواہ کتنے ہی معاہدے لکھوا لیں ان کی پیروی اور پابندی کا ارادہ اگر موجود نہ ہو تو وہ معاہدہ کاغذ پر لکھا رہ جائے گا ایک اور سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ قومی اتحاد میں شامل نو سیاسی جماعتوں کا منشور متحد ہے اور اس منشور میں یہ متعین کر دیا گیا ہے کہ ہمارا مقصد اس ملک میں اسلامی نظام زندگی نافذ کرنا ہے۔ اس منشور پر دستخط کر دینے اور اسے عوام میں پیش کر دینے کے بعد نظریاتی اختلافات ہوں بھی تو ان کی کوئی اہمیت نہیں رہ سکتی۔ انہوں نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ نو جماعتوں کے قائدین اور ان کے بااثر کارکن بھی اخلاقی حیثیت سے اتنے گرے ہوئے نہیں ہیں کہ عوام میں اس چیز کا اعلان کریں۔ جس پر عمل کرنے کا وہ ارادہ نہ رکھتے ہوں۔ دیہی آبادی اور غریبوں میں پیپلز پارٹی کی مقبولیت کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مولانا صاحب نے کہا کہ پیپلز پارٹی نے ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں بہت بڑے پیمانے پر غریب اور ان پڑھ لوگوں کو بیوقوف بنایا تھا۔ اس کے بعد پیہم بیوقوف بنانے کی کوششیں جاری رکھیں اور اپنے کارناموں اور اپنی خدمات کی تشہیر بھی بڑے پیمانے پر کی اور کوئی آواز نہ اٹھنے دی۔ یہی وجہ ہے کہ ان پڑھ عوام خواہ وہ دیہاتی ہو یا شہری کچھ نہ کچھ ان کے فریب میں مبتلا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا کام یہ ہے کہ جو وقت ملا ہے اس سے فائدہ اٹھا کر زیادہ تر ان طبقوں پر سے مسٹر بھٹو اور ان کی پارٹی کا جادو اتارنے کی کوشش کریں

جنرل ضیا کی تقریر سن کر

پروفیسر فروغ احمد

تاثرات

مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارہ

مارشل لا نافذ ہونے کے بعد جب قوم نے ضیاء الحق کا پہلا خطاب سنا تھا تو حیرت اور مسرت اور بے یقینی کی ملی جلی کیفیت طاری ہوئی تھی۔ حیرت اس پر کہ یہ ہوا کس طرح، مسرت اس پر کہ ایک جعلی وزیر اعظم "سابق" بن گیا۔ اور بے یقینی اس بات کی کہ جمہوریت مقررہ وقت پر بحال ہو بھی سکے گی یا نہیں۔

جنرل ضیاء نے جب قوم سے دوسری بار خطاب کیا اور اس میں قرآن حکیم کی ایک آیت کریمہ سنوا کر اس کا یہ مشہور منظوم ترجمہ پڑھا۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی نہ ہو
جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا۔

تو بے یقینی کا دھند لکا چھٹتا ہوا محسوس ہوا۔ لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد کچھ ناخوشگوار واقعات نے پھر وہی بے یقینی کی کیفیت طاری کر دی۔

۱۴ اگست کی شام کو قوم سے جنرل ضیاء الحق کا تیسرا خطاب ایک ڈراوا تھا، عذاب الٰہی کی ایک عبار...

...کی قانون مکافات کے لئے بے لاگ اور اٹل ہونے کا ایک دانشگاف اعلان تھا۔ شروع ہی میں انہوں نے قرآن حکیم کی ایک آیت کریمہ سنوائی اور اس کا یہ ترجمہ پڑھا، "جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو وہاں کے شر پسندوں کو حکم دیتے ہیں۔ پھر وہ لوگ شرارت کرتے ہیں۔ اس پر حجت تمام ہو جاتی ہے۔ اور اس کے بعد ہم اسے تباہ کر ڈالتے ہیں۔" جنرل ضیاء الحق کی زبان سے جب وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ کے قرآنی کلمات سنے تو دل نے اس کی تصدیق کی اور لبوں سے بے ساختہ مرحبا کی صدا بلند ہوئی۔ شر پسندوں کو متنبہ کرتے ہوئے جب انہوں نے کہا کہ وقت مقررہ پر جمہوریت بحال ہو کر رہے گی اور جو بھی اس میں رکاوٹ ڈالے گا، کیفر کردار تک پہنچے گا۔ تو یقین ہو گیا کہ انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔ تقریر کا خاتمہ اقبال رح کے اس ولولہ انگیز شعر پر ہوا ہے

نہیں ہے ناامید اقبالؔ اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

جب میں یہ تفسیر پڑھ رہا تھا تو آنکھیں پُرنم تھیں
اب سوچتا ہوں کہ وہ آنسو کیسے تھے۔ غم کے آنسو تو
نہ تھے۔ احساسِ ندامت، جذبۂ تشکر اور امید
خوشی سے پلکیں آنسوؤں سے تر ہوئی تھیں۔ ندامت
پر کہ ہم اپنی ہی شامتِ اعمال سے تیس سال تک
بھول بھلیوں میں بھٹکتے رہے تشکر اس پر کہ ایک صاحب
مردِ مومن کی غیرتِ حق بیدار ہوئی اور اس نے
پاکستان کے سادہ لوحوں کو جھنجھوڑا۔ اور امید اُس
صبحِ سعید کی جس کی وہ بار بار خوشخبری سنا رہا ہے
میں بنیادی انسانی فطرت سے مایوس نہیں
دل کہتا ہے کہ شر پسندوں کو کبھی کچھ سوچنا پڑا
کا۔ حقیقی انقلاب یہی ہے کہ دلی بدل جائیں۔ اور
دلوں کو بدلنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ مقلب القلوب
کے سوا اور کون ہے؟ نہ جنرل ضیاء الحق، نہ میں
آپ، نہ کوئی اور۔

شر پسندوں نے اگر شر پسندی ترک نہ کی محض
پینترا بدلا، تب بھی نتائج کا سارا انحصار اس پر نہیں ہوگا
شر پسند کیا کرتے ہیں بلکہ ان نتائج کا بہت کچھ انحصار
اس پر بھی ہوگا کہ حق پسند کیا کرتے ہیں۔ حق و باطل
کی راہیں واضح ہو جانے کے بعد ہم اب دراصل ایک
بہت بڑی آزمائش سے دوچار ہیں۔ یہ ہمارے لئے آزمائش
بھی بڑی آزمائش ہے ایمان اور صبر کی بھی اور
فہم و عقل کی بھی ہم ایک فیصلہ کن جنگ کے مرحلے
میں داخل ہو چکے ہیں۔ پوری ہوشیاری اور ثباتِ یوم
اور جانفشانی کے بغیر ہم شیطان کو زک نہیں پہنچا
سکتے۔ رمضان المبارک کے برکات اور حسنات
سمیٹتے ہوئے ہمیں لگاتار ہمہ جہتی جدوجہد میں اس
وقت تک مصروف رہنا ہے جب تک نظامِ مصطفےٰ
اپنے پورے جاہ و جلال کے ساتھ قائم نہیں ہو جاتا

یہاں ہر قسم کے استحصال کی جڑ سیاسی استحصال ہے
استحصال کی اس جڑ کو اکھاڑ پھینکنا ہے۔ رابطۂ عوام
سے لے کر رائے شماری تک فریقین کی کارکردگی
سے زیادہ فریقین کی عقل کا قدم بقدم مقابلہ ہوگا شیطان
کی عیاری سے یہ مومن کی فراست کا مقابلہ ہے ہمہ دم
فراست اور ہمہ تن جسارت! شیطانی چالوں کے
خلاف محض دفاع نہیں، جارحانہ یلغار، مسلسل اور ہمہ جہتی
جارحانہ یلغار!

ع مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارہ

مومن کی فراست کا تقاضا یہ بھی ہے کہ غیر
جانبداروں اور آزاد امیدواروں کے حرکات و سکنات
پر بھی کڑی نظر رکھی جائے۔ ان میں سے بہتیرے ایسے ہیں
جو اپنا ایک منصوبہ رکھتے ہیں اور کچھ در پردہ بستیاں بھی۔
ظاہر ہے کہ انہیں بھولے بھالے اور معصوم تو ہرگز نہیں کہا
جا سکتا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ کسی نازک موقع پر کون موقع شناس
کیا رُخ اختیار کرے گا۔ بلاشبہ اُن میں متعدد ایسے بھی ہیں
جن کے دل بدل چکے ہیں۔ یقیناً اُن کی حمایت کا وزن اہلِ حق
ہی کے پلڑے میں پڑے گا۔ لیکن یہ بات بھی اہلِ فراست
اور خلوص ہی پر موقوف ہے کہ وہ ان شریف النفس اصحاب کی
زیادہ سے زیادہ تائید کس حد تک حاصل کرتے ہیں اور پاکستان کے
ستم رسیدہ عوام کا درد اُنکے دلوں میں کہاں تک بیدار رکھتے ہیں
جلسوں اور جلوسوں پر خواہ جب تک پابندی رہے
خانہ بخانہ رابطۂ عوام اور خدمتِ خلق پر تو دنیا کی کوئی طاقت پابندی
نہیں لگا سکتی۔ اور وہ لوگ جو اقتدار کے بغیر بھی خدمتِ خلق
کرتے رہتے ہیں، اُمید ہے کہ بعض ہنگامی سرگرمیوں کو اس راہ میں
حائل نہ ہونے دیں گے۔ ایمانی فراست ہی کا یہ تقاضا ہے کہ
حقوق اللہ ادا کرنے والے حقوق العباد سے ایک لمحہ کے لئے
بھی غافل نہ ہوں۔ اہلِ ایمان کی سلامتی و سلامت روی کا راز اسی
میں مضمر ہے کہ حیاتِ اجتماعی کے ہر گوشے میں فراستِ ایمانی کا
پورا پورا ثبوت دیا جائے۔ ماہِ صیام کا سبق بھی یہی ہے اور
عیدِ آزاداں شکوہِ ملک و دیں کا راز بھی یہی =

مولانا مودودی نے فرمایا

قرار داد مقاصد کے پاس ہونے کے بعد سے اب تک کے حالات پر اگر ایک نگاہ بازگشت ڈالی جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قیام پاکستان سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی اس خطۂ زمین میں ایک اسلامی مملکت کی تشکیل کے لئے جو عظیم الشان اور عدیم النظیر قربانیاں جان، مال، عزت اور آبرو کی پیش کی گئی ہیں اللہ نے چاہا تو وہ رائیگاں نہیں جائیں گی، ایک نہ ایک دن یہاں اسلامی نظام قائم ہو کر ہی رہے گا، شریعت کا قانون اس ملک کا قانون بن کر رہے گا۔ آج تک جو شخص بھی اس مبارک مقصد کے لئے جان لڑانے والوں کے آڑے آیا ہے، اس نے منہ کی کھائی ہے۔ اس کی دنیا بھی خراب ہوئی ہے اور عقبیٰ میں بھی وہ عبرت ناک سزا پائے گا۔

اس میں شک نہیں کہ وہ سو سال کی غلامی ہی میں نہیں، تیس سال آزادی میں بھی عامۃ المسلمین کو غیر اسلامی طرز زندگی کا عادی بنانے کی زبردست کوششیں کی جاتی رہی ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ محض حکومت کا ظاہری اور اوپری ڈھانچہ بدل جانے سے یہ برانی عادات ختم نہیں ہو جائیں گی۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ حکومت میں تبدیلی لائے بغیر اصلاح احوال کی دوسری بنیادی مساعی کوئی موثر نتیجہ پیدا کر ہی نہیں سکیں گی۔ فی الحقیقت جابر وظالم اور فاسق و فاجر حکمران نہ صرف پرانی بری عادات کے خاتمے میں رکاوٹ بنتے ہیں بلکہ وہ عوام الناس کو مزید فساد اور بگاڑ کی طرف دھکیلتے ہیں پھر پرانے زمانے کے حکمرانوں کے پاس تبلیغ و تلقین اور تربیت و تعذیب کے وہ آلات و وسائل نہیں تھے جو آج کل ہر حکمران کی دسترس میں ہیں۔ اس لئے برے حکمرانوں کے ہٹنے سے ایک طرف برائی کی سرپرستی ختم ہو جائے گی اور دوسری طرف صحیح قسم کی اسلامی حکومت برسر اقتدار آنے سے پوری سیاسی انتظامی اور قانونی طاقتیں ایک قلیل عرصے ہی میں معاشرے کے حالات کو بدل دیں گی،

حقوق اللہ اور حقوق العباد کی اصطلاحات بلاشبہ ہمارے ہاں موجود ہیں اور دونوں کو ایک حد تک ایک دوسرے سے تمیز کیا جا سکتا ہے لیکن ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو حقوق العباد بھی حقوق اللہ ہی ہیں۔ کیونکہ وہ اللہ ہی کے مقرر فرمودہ ہیں البتہ ان کی ایک جہت بندوں سے متعلق ہے۔ اس لئے وہ حقوق العباد کہلاتے ہیں۔ شریعت کے مقرر کردہ بہت سے حقوق و فرائض ایسے ہیں کہ ان کا تعلق اللہ سے بھی ہے۔ اور اللہ کے بندوں سے بھی۔ مثال کے طور پر زکوٰۃ ارکان اسلامی اور عبادات و تقربات میں شامل ہے اس لئے اسے حقوق اللہ میں بھی شمار کیا جا سکتا ہے لیکن یہ غرباء کا مالی حق ہے جو اغنیاء کے ذمے ہے، اس لئے اسے حقوق العباد میں بھی داخل کیا جا سکتا ہے، عرف عام میں جن امور کو حقوق العباد کہا گیا ہے وہ بھی شریعت کی نگاہ میں بے حد اہمیت کے حامل ہیں۔ اسی لئے بندوں کی حق تلفی کی صورت میں محض توبہ و ندامت کافی نہیں بلکہ جس بندے کا حق مارا گیا ہے اسے راضی کرنا اور زیادتی کی تلافی کرنا بھی ضروری ہے۔ جب ملک میں اسلامی حکومت قائم ہو گئی تو وہ بلا تامل پورے زور اور قوت کے ساتھ مظلومین کی دادرسی اور حقوق العباد کی بازیابی کا اہتمام کرے گی۔ جس سے بہت جلدی ظلم مٹ جائے گا، اور غریبی ختم ہو جائے گی،

فصل دوم

رسالتِ محمدی پر ایمان لانے کی دعوت

(۳)

یہ الزام کہ حضور اپنی بڑائی چاہتے ہیں

سورۂ صٓ میں ذکر آیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سردارانِ قریش کے سامنے اپنی دعوت پیش کی تو حاضرین نے منجملہ دوسرے اعتراضات کے یہ بھی کہا کہ "اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ" "یہ بات تو کسی اور ہی غرض سے کی جا رہی ہے۔" یعنی دراصل یہ دعوت اس لئے دی جا رہی ہے کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تابع فرمان بن جائیں اور یہ ہم پر حکم چلائیں۔

ظاہر ہے کہ یہ محض ایک الزام تھا جس کی کوئی بنیاد بدگمانی کے سوا نہ تھی۔ اس لئے اس کا کوئی جواب دینے کے بجائے قرآن مجید میں یہ بتایا گیا ہے کہ قدیم زمانے میں بھی جو اللہ کا بندہ اصلاحِ خلق کے لئے اٹھا اس پر یہی الزام لگایا گیا۔ مثلاً حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ سے فرعون کے درباریوں نے کہا "اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِیَآءُ فِی الْاَرْضِ" "اے موسیٰ کیا تو اس لئے آیا ہے کہ ہمیں اس طریقے سے پھیر دے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور زمین میں بڑائی تم دونوں بھائیوں کی قائم ہو جائے" (یونس ۷۸)۔ یہی بات حضرت نوحؑ سے ان کی قوم کے سرداروں نے کہی تھی کہ

مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْكُمْ۔ (المؤمنون ۲۴)

یہ شخص کچھ نہیں ہے مگر ایک بشر تم ہی جیسا، یہ چاہتا ہے کہ تم پر برتری حاصل کرے

مخالفینِ حق کا ایک قدیم ترین حربہ یہ ہے کہ جو شخص بھی اصلاح کے لئے کوشش کرنے اٹھے اس پر فوراً یہ الزام چسپاں کر دیتے ہیں کہ کچھ نہیں، بس یہ اقتدار کا بھوکا ہے۔ یہی الزام فرعون نے حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ پر لگایا تھا کہ تم اس لئے اٹھے ہو کہ تمہیں ملک میں بڑائی حاصل ہو جائے۔ یہی الزام حضرت عیسیٰؑ پر لگایا گیا کہ یہ شخص یہودیوں کا بادشاہ بننا چاہتا ہے اور اسی کا شبہہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر سردارانِ قریش ظاہر کرتے تھے، چنانچہ کئی مرتبہ انہوں نے آپ سے یہ سودا کرنے کی کوشش کی کہ اگر اقتدار کے طالب ہو تو "اپوزیشن" چھوڑ کر "حزبِ اقتدار" میں شامل ہو جاؤ، ہم تمہیں بادشاہ بنا لیتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جو لوگ ساری عمر دنیا اور اس کے مادّی فائدوں اور اس کی شان و شوکت ہی کے لئے اپنی جان کھپاتے رہتے ہیں ان کے لئے یہ تصور کرنا بہت مشکل بلکہ ناممکن ہوتا ہے کہ اس دنیا میں کوئی انسان خلوص، نیک نیتی اور بے غرضی کے ساتھ فلاحِ انسانیت کی خاطر بھی اپنی جان کھپا سکتا ہے۔ وہ خود چونکہ اپنا اثر و اقتدار جمانے کے لئے دلفریب نعرے اور اصلاح کے جھوٹے وعدے شب و روز استعمال کرتے رہتے ہیں، اسی لئے یہ مکاری و فریب کاری ان کی نگاہ میں بالکل ایک فطری چیز ہوتی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ اصلاح کا نام

مکر و فریب کے سوا کبھی صداقت اور خلوص کے ساتھ لیا ہی نہیں جا سکتا، یہ نام جو کبھی لیتا ہے ضرور وہ اُن کا اپنا ہم جنس ہی ہوگا۔ اور لطف یہ ہے کہ مصلحین کے خلاف "اقتدار کی بھوک" کا یہ الزام ہمیشہ برسرِ اقتدار لوگ اور ان کے خوشامدی حاشیہ نشین ہی استعمال کرتے رہے ہیں۔ گویا۔ خود انہیں اور ان کے آقایانِ نعمت کو جو اقتدار حاصل ہے وہ تو ان کا پیدائشی حق ہے، اس کے حاصل کرنے اور اس کے قابض رہنے میں وہ کسی الزام کے مستحق نہیں ہیں، البتہ نہایت قابلِ ملامت ہے وہ شخص کے لئے یہ "غذا" پیدائشی حق نہ تھی اور اب یہ لوگ اس کے اندر اس چیز کی "بھوک" محسوس کر رہے ہیں۔

اس جگہ یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ جو شخص بھی رائج الوقت نظامِ زندگی کی خرابیوں کو دور کرنے کے لئے اُٹھے گا اور اس کے مقابلہ میں اصلاحی نظریہ و نظام پیش کرے گا اس کے لئے بہر حال یہ بات ناگزیر ہوگی کہ اصلاح کی راہ میں جو طاقتیں بھی سدِّ راہ ہوں انہیں ہٹانے کی کوشش کرے اور ان طاقتوں کو برسرِ اقتدار لائے جو اصلاحی نظریہ و نظام کو عملاً نافذ کر سکیں۔ نیز ایسے شخص کی دعوت جب بھی کامیاب ہوگی، اس کا قدرتی نتیجہ یہی ہوگا کہ وہ لوگوں کا مقتدا و پیشوا بن جائے گا اور نئے نظام میں اقتدار کی باگیں یا تو اس کے اپنے ہی ہاتھوں میں ہوں گی، یا اس کے حامیوں اور پیروؤں کے ہاتھ ان پر قابض ہوں گے۔ آخر انبیاء اور مصلحینِ عالم میں سے کون ہے جس کی کوششوں کا مقصد اپنی دعوت کو عملاً نافذ کرنا نہ تھا؟ اور کون ہے جس کی دعوت کی کامیابی نے فی الواقع اس کو پیشوا نہیں بنا دیا؟ پھر کیا یہ امر ہی کسی پر یہ الزام چسپاں کر دینے کے لئے کافی ہے کہ وہ در اصل اقتدار کا بھوکا تھا اور اس کی اصل غرض وہی پیشوائی تھی جو اس نے حاصل کر لی؟ ظاہر ہے کہ بد طینت دشمنانِ حق کے سوا اس سوال کا جواب کوئی بھی اثبات میں نہ دے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اقتدار کے بجائے خود مطلوب ہونے اور کسی مقصدِ خیر کے لئے مطلوب ہونے میں زمین و آسمان کا فرق ہے، اتنا ہی بڑا فرق جتنا کہ ڈاکو کے خنجر اور ڈاکٹر کے نشتر میں ہے۔ اگر کوئی شخص صرف اس بنا پر ڈاکو اور ڈاکٹر کو ایک کر دے کہ دونوں بالارادہ جسم چیرتے ہیں اور نتیجہ میں مال دونوں کے ہاتھ آتا ہے، تو یہ صرف اس کے اپنے ہی دماغ یا دل کا قصور ہے۔ ورنہ دونوں کی نیت دونوں کے طریق کار اور دونوں کے مجموعی کردار میں اتنا فرق ہوتا ہے کہ کوئی صاحبِ عقل آدمی ڈاکو کو ڈاکو اور ڈاکٹر کو ڈاکٹر سمجھنے میں غلطی نہیں کر سکتا۔

یہی معاملہ حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا۔ ان کی قوم کے سرداروں نے بھی اپنے عوام کو مخاطب کر کے کہا،

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ (المومنون ۳۳، ۳۴)	یہ شخص کچھ نہیں ہے مگر ایک بشر تم ہی جیسا، جو کچھ تم کھاتے ہو وہی یہ کھاتا ہے اور جو کچھ تم پیتے ہو وہی یہ پیتا ہے اب اگر تم نے اپنے ہی جیسے ایک بشر کی اطاعت قبول کر لی تو تم گھاٹے ہی میں رہو گے۔

❊ ❊ ❊

سردارانِ قوم کو جب خطرہ ہوا کہ عوام پیغمبر کی پاکیزہ شخصیت اور دل لگتی باتوں سے متاثر ہو جائیں گے اور ان کے متاثر ہو جانے کے بعد ہماری سرداری پھر کس پر چلے گی، تو انہوں نے یہ تقریریں کر کر کے عام لوگوں کو بہکانا شروع کیا۔ وہ کہتے تھے کہ یہ خدا

کی طرف سے پیغمبری کچھ نہیں ہے۔ محض اقتدار کی بھوک ہے جو اس شخص سے یہ باتیں کروا رہی ہے۔ بھائیوں ذرا غور تو کرو کہ آخر یہ شخص تم سے کس چیز میں مختلف ہے؟ ویسا ہی گوشت پوست کا آدمی ہے جیسے تم ہو۔ کوئی فرق اس میں اور تم میں نہیں ہے پھر یہ کیوں بڑا بنے اور تم اس کے فرمان کی اطاعت کیوں کرو؟ ان تقریروں میں یہ بات گویا بلا نزاع تسلیم شدہ تھی کہ بشر ہونے کے باوجود ہم جو تمہارے سردار ہیں تو ہمیں تو ہونا ہی چاہیئے۔ ہمارے گوشت پوست اور کھانے پینے کی نوعیت کی طرف دیکھنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ زیر بحث ہماری سرداری نہیں ہے کیونکہ وہ تو آپ سے آپ قائم اور مسلّم ہے۔ البتہ زیر بحث یہ نئی سرداری ہے جو اب قائم ہوتی نظر آ رہی ہے۔ اس طرح ان لوگوں کی بات سردارانِ قومِ نوح کی بات سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی جن کے نزدیک قابلِ الزام اگر کوئی چیز تھی تو "اقتدار کی وہ بھوک" تھی جو کسی نئے آنے والے کے اندر محسوس ہو یا جس کے ہونے کا شبہہ کیا جا سکے۔ رہا اُن کا "اپنا پیٹ"، تو وہ سمجھتے تھے کہ اقتدار بہرحال اس کی فطری خوراک ہے جس سے اگر وہ بدہضمی کی حد تک بھر جائے تو قابلِ اعتراض نہیں۔

آپ پر یہ الزام کہ آپ کاہن ہیں اور شیاطین آپ پر نازل ہوتے ہیں

کفارِ مکہ آپؐ پر یہ الزام بھی لگاتے تھے کہ آپؐ کاہن ہیں، اور یہ قرآن جو آپ پیش کر رہے ہیں اسے فرشتے نہیں بلکہ شیاطین آپ پر نازل کرتے ہیں۔ اس کا ذکر قرآن میں متعدد مقامات پر کیا گیا ہے اور اس کا جواب دیا گیا ہے:

فَذَكِّرْ فَمَا أَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُونٍ (الطور-۲۹)

پس اے نبی تم نصیحت کیے جاؤ اپنے رب کے فضل سے نہ تم کاہن ہو اور نہ مجنون۔

"کاہن عربی زبان میں جوتشی، غیب گو اور سیانے کے معنے میں بولا جاتا ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ ایک مستقل پیشہ تھا۔ کاہنوں کا دعوے تھا، اور ان کے بارے میں ضعیف الاعتقاد لوگ بھی یہ سمجھتے تھے کہ وہ ستارہ شناس ہیں یا ارواح اور شیاطین اور جنوں سے ان کا خاص تعلق ہے جس کی بدولت وہ غیب کی خبریں معلوم کر سکتے ہیں۔ کوئی چیز اگر کھوئی جائے تو وہ بتا سکتے ہیں کہ وہ کہاں پڑی ہے۔ کسی کے ہاں چوری ہو جائے تو بتا سکتے ہیں کہ چور کون ہے۔ کوئی اپنی قسمت پوچھے تو وہ بتا سکتے ہیں کہ اس کی قسمت میں کیا لکھا ہے۔ انہی اغراض کے لئے لوگ اُن کے پاس جاتے تھے اور وہ کچھ نذر نیاز لے کر انہیں غیب کی باتیں بتایا کرتے تھے۔ وہ خود بھی بسا اوقات بستیوں میں آواز لگاتے پھرتے تھے تاکہ لوگ اُن کی طرف رجوع کریں۔ ان کی ایک خاص وضع قطع ہوتی تھی جس سے وہ الگ پہچانے جاتے تھے۔ ان کی زبان بھی عام بول چال سے مختلف ہوتی تھی۔ وہ مقفّی اور مسجّع فقرے خاص لہجے میں ذرا ترنم کے ساتھ بولتے تھے اور بالعموم ایسے گول مول الفاظ استعمال کرتے تھے جن سے ہر شخص اپنے مطلب کی بات نکال لے۔ قریش کے سرداروں نے عوام کو فریب دینے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کاہن ہونے کا الزام صرف اس بنا پر لگایا کہ آپ اُن حقائق کی خبر دے رہے تھے جو لوگوں کی نگاہ سے پوشیدہ ہیں، اور آپ کا دعویٰ یہ تھا کہ خدا کی طرف سے ایک فرشتہ آ کر آپ پر وحی نازل کرتا ہے، اور خدا کا جو کلام آپ پیش فرما رہے تھے وہ بھی مقفّی تھا۔ لیکن عرب میں کوئی شخص بھی ان کے اس الزام سے دھوکا نہ کھا سکتا تھا۔ اس لئے کاہنوں کے پیشے اور ان کی وضع قطع اور ان کی زبان اور ان کے کاروبار سے کوئی

[illegible] تھا سب جانتے تھے کہ وہ کیا کام کر[illegible] کس مقصد کے لیے لوگ ان کے پاس جاتے ہیں۔ کیا باتیں وہ ان کو بتاتے ہیں۔ ان کے مسجع فقرے کیسے ہوتے ہیں اور کن مضامین پر وہ مشتمل ہوتے ہیں۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کسی کاہن کا سرے سے یہ کام ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ قوم کے رائج الوقت عقائد کے خلاف ایک عقیدہ لے کر اٹھتا اور شب و روز اس کی تبلیغ میں اپنی جان کھپاتا اور اس کی خاطر ساری قوم کی دشمنی مول لیتا۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کہانت کا یہ الزام برائے نام بھی کوئی مناسبت نہ رکھتا تھا کہ یہ پھبتی آپ پر چسپاں ہو سکتی اور عرب کا کوئی کند ذہن آدمی بھی اس سے دھوکا کھا جاتا۔ اسی بنا پر ان کے اس الزام کی تردید میں کوئی دلیل پیش کرنے کی سرے سے کوئی ضرورت محسوس نہ کی گئی، کیونکہ یہ آپ اپنی ہی تردید تھا۔ بس یہ فرمانے پر اکتفا کیا گیا کہ اے نبی، تم ان کے الزامات کی پروا کیے بغیر بندگانِ خدا کو غفلت سے چونکانے اور حقیقت سے خبردار کرنے کا کام کیے چلے جاؤ، کیونکہ نہ تم کاہن ہو اور نہ مجنون۔

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ	اور یہ کسی شیطان مردود کا قول نہیں ہے، پھر تم لوگ کدھر چلے جا رہے ہو
(التکویر-۲۵-۲۶)	

⁂ ⁂

یعنی تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ کوئی شیطان آ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کان میں یہ باتیں پھونک دیتا ہے۔ شیطان کا آخر یہ کام کب ہو سکتا ہے کہ وہ انسان کو شرک، بت پرستی اور دہریت و الحاد سے ہٹا کر خدا اور توحید کی تعلیم دے۔ انسان کو شتر بے مہار بن کر رہنے کے بجائے خدا کے حضور ذمہ داری اور جوابدہی کا احساس دلائے۔ جاہلانہ رسموں اور ظلم اور بداخلاقی اور بدکرداری سے منع کر کے پاکیزہ زندگی، [illegible] اور [illegible] اعلیٰ اخلاق کی طرف بلایا کرے۔

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ	اس کتاب کو شیاطین لے کر نہیں اترے ہیں نہ یہ کام ان کو سجتا ہے اور نہ وہ ایسا کر ہی سکتے ہیں وہ تو اس کی سماعت سے بھی دور رکھے گئے ہیں
(الشعراء-۲۱۰ تا ۲۱۲)	

⁂ ⁂ ⁂ ⁂

کفارِ قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جھوٹ کی جو مہم چلا رکھی تھی اس میں سب سے بڑی مشکل انہیں یہ پیش آ رہی تھی کہ اس حیرت انگیز کلام کی کیا توجیہ کی جائے جو قرآن کی شکل میں لوگوں کے سامنے آ رہا تھا اور دلوں میں اترتا چلا جاتا تھا۔ یہ بات تو ان کے بس میں نہ تھی کہ لوگوں تک اس کے پہنچنے کو روک سکیں۔ اب پریشان کن مسئلہ ان کے لئے یہ تھا کہ لوگوں کو اس سے بدگمان کرنے اور اس کی تاثیر سے بچانے کے لئے کیا بات بنائیں۔ اس گھبراہٹ میں جو الزامات انہوں نے عوام میں پھیلائے تھے ان میں سے ایک یہ تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم معاذ اللہ کاہن ہیں اور عام کاہنوں کی طرح ان پر یہ کلام شیاطین القا کرتے ہیں۔ اس الزام کو وہ اپنا سب سے زیادہ کارگر ہتھیار سمجھتے تھے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ کسی کے پاس یہ جانچنے کے لئے آخر کیا ذریعہ ہو سکتا ہے کہ یہ کلام کوئی فرشتہ لاتا ہے یا شیطان؟ اور شیطانی القا کی کوئی تردید کرے گا تو آخر کیسے؟

اللہ تعالیٰ نے اس پر فرمایا کہ یہ کلام اور یہ مضامین شیاطین کے منہ پر پھبتے ہی نہیں۔ کوئی عقل رکھتا ہو تو خود سمجھ سکتا ہے کہ کہیں یہ باتیں جو قرآن میں کہی جا رہی ہیں شیاطین کی طرف سے بھی ہو سکتی ہیں؟ کیا تمہاری بستیوں میں کاہن موجود نہیں ہیں اور شیاطین سے ربط ضبط رکھ کر جو باتیں وہ کرتے ہیں تم نے کبھی نہیں سنیں؟

کیا تم نے کبھی سنا ہے کہ کسی شیطان نے کسی کاہن کے ذریعے سے لوگوں کو خدا پرستی اور خدا ترسی کی تعلیم دی ہو؟ شرک و بت پرستی سے روکا ہو؟ آخرت کی باز پرس کا خوف دلایا ہو؟ ظلم اور بدکاری اور بد اخلاقیوں سے منع کیا ہو؟ نیکو کاری اور راستبازی اور خلقِ خدا کے ساتھ احسان کی تلقین کی ہو۔؟ شیاطین کا یہ مزاج کہاں ہے؟ اُن کا مزاج تو یہ ہے کہ لوگوں میں فساد ڈلوائیں اور انہیں برائیوں کی طرف رغبت دلائیں۔ ان سے تعلق رکھنے والے کاہنوں کے پاس تو لوگ یہ پوچھنے جاتے ہیں کہ عاشق کو معشوق ملے گا یا نہیں؟ جوئے میں کون سا داؤں مفید رہے گا؟ دشمن کو نیچا دکھانے کے لئے کیا چال چلی جائے؟ اور فلاں شخص کا اونٹ کس نے چرایا ہے؟ یہ معاملات چھوڑ کر کاہنوں اور ان کے سرپرست شیاطین کو خلقِ خدا کی اصلاح، بھلائیوں کی تعلیم اور برائیوں کے استیصال کی فکر کب سے لاحق ہو گئی؟ شیاطین اگر چاہیں بھی تو یہ کام ان کے بس کا نہیں ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے کبھی اپنے آپ کو انسانوں کے سچے معلم اور حقیقی مزکی کے مقام پر رکھ کر خالص حق اور خالص خیر کی وہ تعلیم دے سکیں جو قرآن دے رہا ہے۔ وہ دھوکا دینے کی خاطر بھی روپ دھار لیں تو ان کا کام ایسی آمیزشوں سے خالی نہیں ہو سکتا جو ان کی جہالت اور ان کے اندر چھپی ہوئی شیطانی فطرت کی غمازی نہ کر دیں۔ نیت کی خرابی ارادوں کی ناپاکی، مقاصد کی خباثت اور اخلاق کی گندگی اُس شخص کی زندگی میں بھی اور اس کی تعلیم میں بھی جھلک کر رہے گی جو شیاطین سے الہام حاصل کر کے پیشوا بن بیٹھا ہو۔ بے آمیز راستی اور خالص نیکی نہ شیاطین القا کر سکتے ہیں اور نہ ان سے ربط ضبط رکھنے والے اس کے حامل ہو سکتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ شیاطین کا قرآن کے القا میں دخیل ہونا تو در کنار، جس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے روح الامین اس کو لے کر چلتا ہے اور جس وقت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے دل پر وہ اس کو نازل کرتا ہے، اس پورے سلسلے میں کسی جگہ بھی شیاطین کو کان لگا کر سننے تک کا موقع نہیں ملتا۔ وہ آس پاس کہیں پھٹکنے بھی نہیں پاتے کہ سُن گُن لے کر ہی کوئی بات اُچک لے جائیں اور جا کر اپنے دوستوں کو پہلے سے یہ بتا دیں کہ آج محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ پیغام سُنانے والے ہیں، یا ان کی تقریر میں فلاں بات کا بھی ذکر آنے والا ہے۔

یہ الزام کہ آپؐ کو کچھ دوسرے لوگ سکھاتے پڑھاتے ہیں

کفار قریش ایک طرف تو یہ کہتے تھے کہ معاذ اللہ شیاطین آپؐ پر قرآن کا القا کرتے ہیں اور دوسری طرف اِس کے بالکل برعکس وہ یہ الزام بھی لگاتے تھے کہ آپ کچھ دوسرے لوگوں سے سیکھ پڑھ کر یہ قرآن پیش کرتے ہیں۔

ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ. (الدُّخان۔۱۴)

پھر انہوں نے رسول کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کہنے لگے "یہ تو سکھایا پڑھایا ہوا مجنون ہے"

ان کا مطلب یہ تھا کہ یہ بے چارا تو سیدھا سادہ آدمی تھا، کچھ دوسرے لوگوں نے اسے بھس ولا پر چڑھا لیا۔ وہ در پردہ قرآن کی آیتیں گھڑ گھڑ کر اسے پڑھا دیتے ہیں، یہ آ کر عام لوگوں کے سامنے انہیں پیش کر دیتا ہے۔ وہ مزے سے بیٹھے رہتے ہیں، اور یہ گالیاں اور پتھر کھاتا پھرتا ہے۔ اس طرح ایک جلتا ہوا فقرہ کہہ کر وہ اُن ساری دلیلوں اور نصیحتوں اور سنجیدہ تعلیمات کو اڑا دیتے تھے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم برسوں سے ان کے سامنے پیش کر کر کے تھکے جا رہے تھے۔ وہ نہ اُن معقول باتوں پر کوئی کوئی کرتے

تھے جو قرآن مجید میں بیان کی جا رہی تھیں۔ نہ یہ دیکھتے تھے کہ جو شخص یہ باتیں پیش کر رہا ہے وہ کس پایہ کا آدمی ہے اور نہ یہ الزام رکھتے وقت ہی وہ کچھ سوچنے کی زحمت گوارا کرتے تھے کہ ہم یہ کیا بکواس کر رہے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ اگر کوئی دوسرا شخص درپردہ بیٹھ کر سکھانے پڑھانے والا ہوتا تو وہ حضرت خدیجہؓ اور ابوبکرؓ اصدیقؓ اور زیدؓ بن حارثہ اور بیسیوں دوسرے ابتدائی مسلمانوں سے آخر کیسے چھپ جاتا جو سب سے بڑھ کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے قریب اور ہر وقت کا ساتھی کوئی نہ تھا؟ پھر کیا وجہ ہے کہ یہی لوگ سب سے بڑھ کر حضورؐ کے گرویدہ اور عقیدت مند تھے؟ حالانکہ درپردہ کسی دوسرے شخص کے سکھانے پڑھانے سے نبوت کا کاروبار چلایا گیا ہوتا تو یہی لوگ آپ کی مخالفت میں سب سے پیش پیش ہوتے۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ۔ لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ۔
(النحل۔۱۰۳)

ہمیں معلوم ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص کو ایک آدمی سکھاتا پڑھاتا ہے۔ حالانکہ ان کا اشارہ جس آدمی کی طرف ہے اس کی زبان عجمی ہے اور یہ صاف عربی زبان ہے۔

روایت میں مختلف اشخاص کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ کفارِ مکہ اُن میں سے کسی پر یہ گمان کرتے تھے۔ ایک روایت میں اس کا نام جبر بیان کیا گیا ہے جو عامر بن الحضرمی کا ایک رومی غلام تھا۔ دوسری روایت میں حویطب بن عبدالعزیٰ کے ایک غلام کا نام لیا گیا ہے جسے عائش یا یعیس کہتے تھے۔ ایک اور روایت میں یسار کا نام لیا گیا ہے جس کی کنیت ابوفکیہہ تھی اور جو مکے کی ایک عورت کا یہودی غلام تھا۔ ایک اور روایت بلعان یا بلعام نامی ایک رومی غلام سے متعلق ہے۔ بہرحال ان میں سے جو بھی ہو، کفارِ مکہ نے محض یہ دیکھ کر کہ ایک شخص توراۃ اور انجیل پڑھتا ہے اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی اس سے ملاقات ہے، بے تکلف یہ الزام گھڑ دیا کہ اس قرآن کو دراصل وہ تصنیف کر رہا ہے اور محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اسے اپنی طرف سے خدا کا نام لے کر پیش کر رہے ہیں۔ اس سے نہ صرف یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مخالفین آپ کے خلاف افترا پردازیاں کرنے میں کس قدر بے باک تھے۔ بلکہ یہ سبق بھی ملتا ہے کہ لوگ اپنے ہم عصروں کی قدر و قیمت پہچاننے میں کتنے بے انصاف ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کے سامنے تاریخ انسانی کی ایک ایسی عظیم شخصیت تھی جس کی نظیر نہ اُس وقت دنیا بھر میں کہیں موجود تھی اور نہ آج تک پائی گئی ہے۔ مگر ان عقل کے اندھوں کو اس کے مقابلہ میں ایک عجمی غلام جو کچھ توراۃ و انجیل پڑھ لیتا تھا، قابل تر نظر آ رہا تھا اور وہ گمان کر رہے تھے کہ یہ گوہر نایاب اس کوئلے سے چمک حاصل کر رہا ہے۔

حضورؐ کے صاحب وحی ہونے کا ایک صریح ثبوت

قرآن مجید میں حضرت موسیٰؑ کا قصہ بیان کرنے کے بعد ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

"اے نبی تم اُس وقت مغربی گوشے (یعنی طورِ سینا کے دامن) میں موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کو یہ فرمانِ شریعت عطا کیا اور نہ تم اس واقعہ کے شاہدین میں سے تھے۔ بلکہ اس کے بعد تمہارے زمانے تک ہم بہت سی نسلیں اٹھا چکے ہیں اور ان پر بہت زمانہ بیت چکا ہے۔ تم اہلِ مدین کے درمیان بھی موجود نہ تھے کہ ان کو ہماری آیات سنا رہے ہوتے۔ مگر (اُس وقت کی یہ خبریں) بھیجنے والے ہم ہیں۔ اور تم طور کے دامن میں اُس وقت

موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کو (پہلی مرتبہ) پکارا تھا۔ مگر یہ تمہارے رب کی رحمت ہے (کہ تم کو یہ معلومات دی جارہی ہیں) تاکہ تم ایک ایسی قوم کو خبردار کرو جس کے پاس تم سے پہلے کبھی دار کرنے والا نہیں آیا، شاید کہ یہ لوگ ہوش میں آئیں۔"

(القصص ۴۴-۴۶)

یہ تینوں باتیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ثبوت میں پیش کی گئی ہیں کہ معلومات حاصل ہونے کا کوئی ذریعہ آپ کے پاس اللہ کی وحی کے سوا نہیں ہے۔ جس وقت قرآن مجید میں یہ باتیں کہی گئی تھیں اس وقت مکہ کے تمام سردار اور عام کفار اس بات پر تلے ہوئے تھے کہ کسی نہ کسی طرح آپ کو غیر نبی اور معاذ اللہ جھوٹا مدعی نبوت ثابت کردیں۔ ان کی مدد کے لئے یہود کے علماء اور عیسائیوں کے راہب بھی حجاز کی بستیوں میں موجود تھے۔ مگر محمد صلے اللہ علیہ وسلم کہیں عالم بالا سے آکر یہ قرآن نہیں سُنا جاتے تھے بلکہ اسی مکہ کے رہنے والے تھے اور آپ کی زندگی کا کوئی گوشہ آپ کی بستی اور آپ کے قبیلے کے لوگوں سے چھپا ہوا نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جس وقت اس کھلے چیلنج کے انداز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ثبوت کے طور پر یہ تینوں باتیں ارشاد فرمائی گئیں۔ اس وقت مکے اور حجاز اور پورے عرب میں کوئی ایک شخص بھی اُٹھ کر وہ بے ہودہ بات نہ کہہ سکا جو آج کے مستشرقین کہتے ہیں۔ اگرچہ جھوٹ گھڑنے میں وہ لوگ ان سے کچھ کم نہ تھے لیکن ایسا دروغ بے فروغ آخر وہ کیسے بول سکتے تھے جو ایک لمحہ کے لئے بھی نہ چل سکتا ہو۔ وہ کیسے کہتے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم فلاں فلاں یہودی عالموں اور عیسائی راہبوں سے یہ معلومات حاصل کرلائے ہو، کیونکہ پورے ملک میں وہ اس غرض کے لئے کسی کا نام نہیں لے سکتے تھے۔ جس کا نام بھی وہ لیتے فوراً ہی یہ ثابت ہوجاتا کہ اس سے آنحضرت ؐ نے کوئی معلومات حاصل نہیں کی ہیں۔ وہ کیسے کہتے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے پاس پچھلی تاریخ اور علوم وآداب کی ایک لائبریری موجود ہے جس کی مدد سے تم یہ ساری تقریریں کر رہے ہو، کیونکہ لائبریری تو درکنار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آس پاس کہیں سے وہ ایک کاغذ کا پرزہ بھی برآمد نہیں کرسکتے تھے جس میں یہ معلومات لکھی ہوئی ہوں۔ مکے کا بچہ بچہ جانتا تھا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم لکھے پڑھے آدمی نہیں ہیں اور کوئی یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ آپ نے کچھ مترجمین کی خدمات حاصل کر رکھی ہیں جو عبرانی اور سریانی اور یونانی کتابوں کے ترجمے کرکر کے آپ کو دیتے ہیں۔ پھر ان میں سے کوئی بڑے سے بڑا بے حیا آدمی بھی یہ دعویٰ کرنے کی جرأت نہ رکھتا تھا کہ شام و فلسطین کے تجارتی سفروں میں آپ یہ معلومات حاصل کر آئے تھے۔ کیونکہ یہ سفر تنہا نہیں ہوئے تھے۔ مکے ہی کے تجارتی قافلے ہر سفر میں آپ کے ساتھ لگے ہوتے تھے۔ اگر کوئی اس وقت ایسا دعویٰ کرتا تو سینکڑوں زندہ شاہد یہ شہادت دے دیتے کہ وہاں آپ نے کسی سے کوئی درس نہیں لیا۔ اور آپ کی وفات کے بعد تو دو سال کے اندر ہی رومی سلطنت سے مسلمان برسرپیکار ہوگئے تھے۔ اگر کہیں جھوٹوں کبھی شام و فلسطین میں کسی عیسائی راہب یا یہودی مرتی سے حضور ؐ نے کوئی مذاکرہ کیا ہوتا تو رومی سلطنت رائی کا پہاڑ بناکر یہ پروپیگنڈا کرنے میں ذرا دریغ نہ کرتی کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) معاذ اللہ سب کچھ یہاں سے سیکھ گئے تھے اور مکے جاکر نبی بن بیٹھے۔ غرض اس اُس زمانے میں جبکہ قرآن کا یہ چیلنج قریش کے کفار و مشرکین کے لئے پیغام موت کی حیثیت رکھتا تھا اور اس کو جھٹلانے کی ضرورت موجودہ زمانے کے مستشرقین کی بہ نسبت اُن لوگوں کو

... زیادہ ... کوئی شخص کبھی کہیں سے ایسا ... مواد فراہم کر کے نہ لاسکا جس سے وہ یہ ثابت ... سکتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس وحی کے ... سوا ان معلومات کے حصول کا کوئی دوسرا ذریعہ موجود ہے جس کی نشاندہی کی جاسکتی ہو۔ (باقی)

تاریخ دیوبند

دیوبند ایک قدیم بستی۔ اس کی سرزمین نے انقلاب کی بے شمار کروٹیں دیکھی ہیں۔ اور اب دارالعلوم کی وجہ سے یہ بستی بین الاقوامی شہرت کی مالک بن گئی ہے۔ اس بستی کی دلچسپ اور محققانہ تاریخ جناب سید محبوب رضوی کے قلم سے ملاحظہ فرمایئے تاریخ نگاری میں مصنف موصوف کی بصیرت ایک امتیازی شہرت رکھتی ہے۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن چھپ کر ختم ہوگیا۔ اب دوسرا ایڈیشن فاضل مصنف کی نظر ثانی اور اضافوں کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ صفحات ۵۱۲ قیمت مجلد دس روپے -/۱۰

تذکرۃ المصنفین اردو

یہ کتاب درس نظامیہ، درس عالیہ، نصاب ندوۃ العلماء اور سرکاری نصاب کی کتابوں کے مصنفین کا جامع اور نہایت مستند تذکرہ ہے جس کو مصنف کی عرق ریزی اور مساعی جمیلہ نے انسائیکلو پیڈیا بنادیا ہے مدارس عربیہ کے اساتذہ و طلباء کے لئے یکساں مفید ہے۔ ملک کے عظیم تبصرہ نگاروں نے اس کتاب کو تحسین کی نگاہوں سے دیکھا ہے۔ قیمت -/۷

مکتبہ تجلی دیوبند۔ (یوپی)

ورق ورق روشن

اخلاقی اسباق اور علم و حکمت کا ایسا خزانہ جو ہر دل و دماغ کو روشن کر دے گا۔ اس کتاب میں مؤلف نے قرآن و حدیث تاریخ، آثار اور معیاری لٹریچر سے اللہ، رسول اور دنیا بھر کے دانشوروں، مصلحوں اور عالموں کے بہت ہی مفید و نفیس ارشادات حروف تہجی کی ترتیب سے جمع کئے گئے ہیں۔ مثلاً ایمان یا انصاف یا اعتقاد یا انتقام کے بارے میں آپ مواد دیکھنا چاہیں گے تو الف کی فہرست میں یہ عنوان مل جائے گا۔ اسی طرح کسی بھی لفظ کو اس فہرست میں بآسانی ڈھونڈا جاسکتا ہے۔

بہت شاندار اور لاجواب کتاب ہے۔ قیمت مجلد تیس روپے -/۳۰ صفحات (۷۸۴) متوسط سائز۔

اسلام کیا ہے؟

از: مولانا منظور نعمانی۔ نہایت آسان زبان میں اور بے حد دل نشین اور پر اثر انداز میں اسلامی تعلیمات کا جامع اور مکمل خلاصہ۔ صفحات ۲۵۲۔ قیمت مجلد ۴/۵۰

دین و شریعت

از: مولانا محمد منظور نعمانی۔ اس کتاب میں توحید، آخرت رسالت، نماز، روزہ، زکوٰۃ و حج، اخلاقی معاملات، دعوت و جہاد، سیاست و حکومت اور احسان و تصوف کے مباحث پر ایسی محققانہ روشنی ڈالی گئی ہے کہ دل و دماغ اور عقل و وجدان، ایمان و اطمینان سے معمور ہو جاتے ہیں۔ قیمت مجلد مع گرد پوش -/۵

مکتبہ تجلی دیوبند۔ (یوپی)

شیخ یوسف القرضاوی

ایمان کے چند عملی مظاہر

ترجمہ: عبد الحمید صدیقی

اہل ایمان کا وصف جہاد و نفاق

معاشرتی زندگی میں جو اوصاف حمیدہ ایک انسان میں
ن کی بدولت پیدا ہوتے ہیں ان میں انفاق و ایثار نہایت
اں وصف ہے. فطری طور پر ہر انسان میں انانیت کا
ہ موجود ہوتا ہے اور ہر کوئی ذاتی مفاد کا حریص ہوتا ہے،
ں تک کہ جوں جوں آدمی بوڑھا ہوتا ہے اس کی حرص اور خواہشا
ں جوان ہوتی جاتی ہیں. خود خالق کائنات نے انسان کی
کمزوری کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا. وَكَانَ الْإِنسَانُ
ہًا. اور انسان بڑا تنگ دل واقع ہوا ہے نیز یہ کہ واحضرت
نفس الشح. نفس تنگ دلی و بخل کی طرف جلدی مائل ہو جاتے
ا اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے. لَوْ كَانَ لِابْن
ا وادیان من ذھب لابتغی ثالثا. اگر آدم کے بیٹے
پاس سونے سے معمور دو وادیاں موجود ہوں پھر بھی وہ کسی
ی وادی کی تلاش میں سرگرداں ہوگا. ذاتی منفعت کا یہی وہ
ن ہے جس کے زیر اثر لوگ اپنے حقوق کو تو یاد رکھتے ہیں
پنے فرائض یکسر بھلا دیتے ہیں اور پھر جب بخل و حرص کی یہ
نیت معاشرتی زندگی میں داخل ہوتی ہے تو ایک دنیا کی دنیا
ی نفسی پکارتی نظر آتی ہے مگر امتی کہنے والا کوئی نہیں

اپنی ذات کو نفع پہنچانے کی غرض وغایت یہ ہوتی ہے
کہ دنیا کی زندگی آرام اور سکون کے ساتھ گزرے. دکھ درد اور تکلیف
میں دوسرے مبتلا ہوں تو ہوں مگر مجھے اذیت نہ پہنچے جب تحفظ
کا یہ جذبہ اپنی فطری حد سے تجاوز کر جاتا ہے تو انسان کے اندر
خود غرضی پیدا ہو جاتی ہے اور اس نتیجہ میں ترقی و عظمت خاک
میں مل جاتی ہے اور مدنیت و حضارۃ پر اضمحلال طاری ہو جاتا
ہے.

اس کے برعکس جو معاشرہ مجد و بزرگی کو فروغ دینا چاہتا
ہے اور تہذیب و تمدن کی ترقی کا خواہاں ہوتا ہے اسے ایسے
انسانوں کی ضرورت ہوتی ہے جو دوسرے کے سکون و آرام کو
اپنے سکون پر ترجیح دیں اور جد و جہد میں کبھی شکوہ نہ کریں بلکہ انھیں اس
بات کی خوشی ہو کہ وہ دوسروں کے کام آ رہے ہیں صحت مند معاشرے
تو ایسے انسانوں کی کوششوں سے معرض وجود میں آتے ہیں. جو
لینے کے بجائے دینا جانتے ہوں جو فرض کی ادائیگی کو طلب حق
پہ مقدم رکھتے ہوں جنھیں مفاد ملت میں دلیس کے بجائے غربت
گوارا ہو جو ضرورت کے موقع پر اپنا مال و اسباب بہ طیب
خاطر نچھاور کر سکتے ہوں اور جو ملک و ملت کے عمومی مفاد پر
ذاتی مصلحت کو قربان کرنے پر ہر وقت آمادہ رہتے ہوں.

ایسے انسان کہاں پائے جاتے ہیں؟ کس مدرسۂ فکر اور
کس تربیتی ادارے سے ایسے لوگ تیار ہو کر نکلتے ہیں بخدا وہ اپنی نوعیت
کا ایک ہی مدرسہ ہے ... ہم مدرسۂ ایمان سے تعبیر کرتے ہیں
اسی مدرسہ کے وا... اپنی خواہشات نفس اور اپنی احتیاجات

کو مقدار کرسکتے ہیں یا اپنی بھوک کو مٹانے کے لیے طعام کی معمولی مقدار اور اپنے ستر کو ڈھانکنے کے لیے بہ قدر ضرورت لباس پر قناعت کر لیتے ہیں۔ یہ ایمان ہی کی تربیت ہے جو بخیل کو سخی یا فیاض کر دیتی ہے اور اس مال کے بذل و انفاق کا بھی حوصلہ عطا کرتی ہے۔ وہ بلند اور پاکیزہ مقاصد کے لیے گھر بار چھوڑ دیتے ہیں، اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ لیتے ہیں اور مطمئن ضمیر کے ساتھ مصائب کا مقابلہ کرتے ہیں اس لیے کہ وہ پختہ یقین رکھتے ہیں کہ اس زندگی کے بعد جنت ان کے انتظار میں ہے "ورضوان من اللہ اکبر"

مومن اللہ کی راہ کسی طرح کی سعی و جہد، کیا مادی و اخلاقی اور کیا نفسی و بدنی سے بھی دریغ نہیں کرتا کیونکہ اس قسم ایثار اس کا ہر چھوٹا بڑا عمل اللہ کے ہاں اس کے حساب میں جمع ہوتا رہتا ہے کوئی ذرہ برابر نیکی بھی ضائع نہیں ہوتی صداقت کی راہ میں اٹھنے والا ہر قدم اور بھلائی کے لیے خرچ کی جانے والی پائی پائی حتیٰ کہ بھوک، پیاس، اور تکان کا ادنیٰ احساس بھی اسے اجر عظیم کا سزاوار بنا دیتا ہے۔

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُم مِّنَ الْأَعْرَابِ أَن يَتَخَلَّفُوا عَن رَّسُولِ اللَّهِ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنفُسِهِمْ عَن نَّفْسِهِ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ وَلَا مَخْمَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَطَئُونَ مَوْطِئًا يَغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُم بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ○ وَلَا يُنفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○

ایسا کبھی نہ ہوگا کہ اللہ کی راہ میں بھوک پیاس اور جسمانی مشقت کی کوئی تکلیف وہ جھیلیں اور منکرین حق کو جو راہ ناگوار ہے اس پر کوئی قدم وہ اٹھائیں یا کسی دشمن سے عداوت حق کا کوئی انتقام وہ لیں اور اس کے بدلے ان کے حق میں ایک عمل صالح نہ لکھا جائے یقیناً اللہ کے ہاں محسنوں کا حق الخدمت مارا نہیں جاتا اسی طرح یہ بھی کبھی نہ ہوگا کہ راہ خدا میں تھوڑا یا بہت کوئی خرچ وہ اٹھائیں اور سعی جہاد میں کوئی وادی وہ پار کریں اور ان کے حساب میں اسے نہ لکھا جائے تاکہ اللہ ان کے اس اچھے کارنامہ کا صلہ عطا کرے۔ (التوبہ: ۱۲۰-۱۲۱)

اس کے بعد یہ بات قابل تعجب نہیں رہتی اگر ہم دیکھیں کہ مسلمانوں نے اپنے دور شباب و عروج میں قربانی و جہاد اور بذل و انفاق کے کیسے کیسے عظیم الشان ریکارڈ قائم کیے ہیں۔

اہل ایمان کے بذل و ایثار اور سعی و جہاد کے نمونے

حضرت ابوطلحہ انصاری سورۂ توبہ کی تلاوت کے دوران جب اس آیت پر پہنچے "انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ" (آیت ۴۱) تو اپنے جی میں کہنے لگے "خفافاً و ثقالاً" یعنی راہ خدا میں جہاد کے لیے ہر حال میں نکلو۔ جوانی اور بڑھاپے میں بھی فارغ البالی اور تنگ دستی میں بھی اللہ نے تو کسی کا عذر نہیں سنا۔ چنانچہ اپنے بیٹوں سے کہنے لگے میرے لیے سامان جہاد تیار کر دو۔ انھوں نے کہا، ابا جان اللہ آپ پر رحم فرمائے آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرتے رہے تا آنکہ آپ کا وصال ہو گیا۔ پھر حضرت ابوبکر کے ساتھ مل کر جہاد کرتے رہے حتیٰ کہ وہ بھی وفات پا گئے بعد ازاں حضرت عمرؓ کے دوش بدوش آپ ان کے انتقال تک راہ خدا میں لڑتے رہے تو ساری عمر آپ نے جہاد میں بسر کی ہے اب آپ رہنے دیں ہم آپ کی جگہ پر جہاد کریں گے مگر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نہیں میرے لیے سامان جہاد تیار کرو۔ چنانچہ انھوں نے سامان حرب تیار کر دیا اور جناب ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بحری مہم پر فوج کے ساتھ روانہ ہو گئے سمندر ہی میں آپ نے بحالت جہاد وفات پائی اور ایک جزیرے میں دفن کیے گئے۔

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہاد کے لیے اس حالت میں نکلے کہ ان کی ایک آنکھ کی بصارت زائل ہو چکی تھی ان سے کہا گیا کہ آپ چونکہ معذور ہیں اس لیے گھر پر ہی رہیں مگر انھوں نے مندرجہ بالا آیت کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تو ہر حال میں شریک جہاد ہونے کا حکم صادر فرمایا ہے اگر میں حرب و قتال میں کوئی زیادہ کام نہ آسکا تو میری موجودگی سے مسلمانوں کی فوج کی تعداد تو زیادہ نظر آئے گی اور میں سازو سامان کی حفاظت میں معاونت کر سکوں گا۔

روایت میں آتا ہے کہ ایک غزوہ میں باپ اور بیٹا دونوں
بیک وقت شرکت کے لیے انتہائی آرزو مند نظر آتے تھے
مگر صورت یہ تھی کہ ان دونوں میں سے ایک ہی کو شرکت کی اجازت
مل سکتی تھی چنانچہ اس امر کے فیصلے کے لیے قرعہ ڈالا گیا اور
وہ بیٹے کے نام نکل آیا باپ نے بیٹے سے حسرت بھرے،
انداز میں فرمایا۔ بیٹا مجھے اپنے آپ پر فوقیت دو کیونکہ میں
تمہارا باپ ہوں، بیٹے نے کہا اے ابا یہ تو جنت کا معاملہ
ہے خدا کی قسم اگر اس کے علاوہ کوئی دوسرا معاملہ ہوتا تو میں
یقیناً آپ کو ترجیح دیتا۔

حضرت عمرو بن الجموع انصاری بہت زیادہ لنگڑا کر
چلتے تھے ان کے چار جوان بیٹے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں حصہ لیتے تھے۔ غزوۂ احد کے موقع
پر انھوں نے اپنے بیٹوں سے کہا اب کے میرے لیے بھی
سامان جہاد تیار کر رو۔ بیٹوں نے عرض کی اللہ تعالیٰ نے آپکو
معذور قرار دیا ہے لہٰذا آپ گھر پر ہی تشریف رکھیں جہاد کے
لیے ہم آپ کی طرف سے کافی ہیں۔ جب بات بنتی نظر نہ آئی
تو حضرت عمرو رضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے
اور عرض کی کہ بیٹے مجھے جہاد میں حصہ لینے سے منع کرتے ہیں
مگر میں بخدا یہ امید کرتا ہوں کہ شہید ہو جاؤں گا اور اسی لاٹھی کے
سہارے چلتا ہوا جنت میں پہنچوں گا رسولؐ پاک نے یہ سن کر
فرمایا لیکن آپ پر تو جہاد فرض ہی نہیں۔ پھر آپ ان کے بیٹوں
سے مخاطب ہوئے۔ اگر یہ جہاد میں شرکت کریں تو آپ کو اس
پر کیا اعتراض ہے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں شہادت کی
نعمت سے سرفراز فرما دے اس کے بعد حضرت عمروؓ بن الجموع
نے غزوہ میں شرکت کی اور شہادت پائی انھیں کے بارے میں
آپؐ نے انصار سے فرمایا تھا اے گروہ انصار آپ میں ایسے
افراد بھی موجود ہیں جو اللہ کی قسم کھا کر کسی کام کا عزم کریں تو اللہ
تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کر دیتے ہیں۔ عمروؓ بن الجموع ان میں
سے ایک تھے۔

اور یہ حضرت مصعبؓ بن عمیرؓ ہیں۔ خوش حال ترین والدین
کے بیٹے ناز و نعمت میں پلے ہوئے ماں باپ ان سے بیحد
محبت کرتے تھے، انھیں بہترین کھانا کھلاتے، عمدہ لباس
پہناتے مکہ کی جس گلی سے گزر جاتے فضا معطر ہو جاتی یہی وہ
ناز پروردہ نوجوان تھے جنھوں نے دار ارقم میں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا اور
مصائب و آلام سے دوچار ہو گئے والدین اور عزیز و اقارب
نے انھیں پکڑ کر قید کر لیا مارا پیٹا۔ گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہو گئے
ظالموں کے ظلم سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر مدینہ
کا رخ کیا اور بہت کچھ تنگی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ غزوۂ احد
میں شرکت کی اور شہادت کی دولت سے ہمکنار ہوئے۔ بے
سرو سامانی اور کس مپرسی کا یہ عالم تھا کہ کفن کے لیے دو گز کپڑا
میسر نہیں آ رہا تھا ایک ناتمام سی چادر تھی جس سے سر ڈھانپتے
تو پاؤں ننگے ہو جاتے اور پاؤں ڈھانپنے کی کوشش کی جاتی تو
سر کھلا رہ جاتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت
مصعبؓ کی لاش کا یہ منظر آیا تو آپؐ بے اختیار رو دیے،
اشک بار آنکھوں کے ساتھ آپ نے فرمایا۔ اے مصعب
میں نے تمھیں مکہ میں دیکھا تھا جب تم سے زیادہ ثمین و رقیق
لباس کسی کا نہ ہوتا تھا، جب تمہارے سر کے بال عطر میں،
بسے ہوئے ایک شان حسن و جمال لیے ہوئے ہوتے تھے
مگر اب تم ایک کھردری چادر کے نیچے پراگندہ بال پڑے ہو
پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ (الاحزاب۔۔ ۲۳)	ایمان لانے والوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جنھوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا ہے ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا اور کوئی وقت آنے کا منتظر ہے انھوں نے اپنے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں کی

غور فرمائیے عیش و عشرت کی وہ زندگی ترک کر کے ان پر صعوبت
حالات کو قبول کر لینا کتنا بڑا ایثار تھا کتنی عظیم الشان قربانی
تھی اسلام کے اولین داعی اگر ایسی قربانیاں دینے سے گریز
کرتے تو حق و صداقت کی آواز چار دانگ عالم میں کبھی نہ پھیلتی اور

کو بھی پیدا کرتے ہیں، مساجد اور سرائیں تعمیر کراتے ہیں اور پل اور تالاب بنواتے ہیں۔ اسی طرح بھوکوں کو کھانا کھلانا، پیاسوں کو پانی مہیا کرنا، ننگوں کو لباس پہنانا، بیماروں کا علاج کرانا، لاوارث میتوں کو سپردِ خاک کرنا اور محروم لوگوں کی مالی اعانت کرنا بھی ان کے دل پسند مشاغل ہوتے ہیں بعض اہلِ ثروت مدارس و مساجد کے نام بڑی بڑی جاگیریں اور جائدادیں وقف کر دیتے ہیں جو مدتِ مدید تک ان اداروں کے لیے مضبوط سہارا ثابت ہوتی ہیں یہ آثار رحمت اسلامی معاشرہ میں قدم قدم پر دکھائی دیتے ہیں۔

مادہ پرستوں کی قساوتِ قلبی

خدا پرستوں کے جذبات رحم و تلطف کا حال آپ پڑھ چکے اب ایک نظر مادہ پرستوں کی درندگی و قساوتِ قلبی کا بھی جائزہ لیتے جائیے۔ معروف صحافی علی امین لکھتا ہے ولینن کی موت کے بعد اشتراکی پارٹی کی گورننگ باڈی نے بالاتفاق سٹالن نے گورننگ باڈی کے تمام ممبران کو قتل کروا دیا اور لینن کے تمام وزراء کو بھی تہمت، خیانت سے متہم کرتے ہوئے ہلاک کر دیا۔ مزدور یونین جو اسے مبارکباد دینے کے لیے جمع ہوئی تھیں ان کے ۸۰٪ سیکرٹریوں کو تہ تیغ کر دیا ۱۹۳۶ء کی دستور کمیٹی کے ۲۷ میں سے ۱۵ ممبران کو مروا ڈالا۔ کمیونسٹ پارٹی کے ۵۳ میں سے ۴۳ سیکرٹریوں کو موت کی نیند سلا دیا۔ سوویٹ روس کی مجلس دفاع کے ۸۰ میں سے ۷۰ ممبران کو ہلاک کر دیا۔ سرخ فوج کے ۵ میں سے ۳ مارشلوں کو قتل کر دیا ۱۹۳۶ء مجلس وزراء کے ۱۱ میں سے ۹ ارکان کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور سرخ فوج کے ۶۰٪ کمانڈروں کو اور تیس ہزار سرکاری ملازمین کو ہلاک کر دیا۔

یہ قتل و غارت گری اشتراکی نظام کا جزو لاینفک ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ روس کے کارفرما خدا اور اس کی تعلیمات کے منکر ہیں وہ تعلیمات جو انسان کو انسانیت کا درس دیتی ہیں اور اسے مکارم اخلاق سے آراستہ کرتی ہیں، ظلم و سفاکی کی ان مثالوں کو سامنے رکھتے ہوئے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جذبۂ ترحم ملاحظہ فرمائیں۔ سبائیوں نے جس وقت خلیفہ راشد کے مکان کا محاصرہ کیا تو اس وقت آپ کے پاس بعض ایسے جاں نثار موجود تھے جو ان باغیوں کو تہ تیغ کر دینے کا مصمم ارادہ رکھتے تھے مگر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کہتے ہوئے ان کے ہاتھ روک دیئے کہ اگر ایک مرتبہ تلوار نیام سے باہر آگئی تو پھر خونریزی کا بند کرنا مشکل ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کو خطرے میں گھرا ہوا دیکھ کر تلوار سونت لی اور سبائیوں پر حملہ کرنے کی غرض سے باہر نکلنے کی کوشش کی مگر حضرت عثمانؓ نے انھیں ایسا کرنے سے منع کیا اسی طرح حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی انصار کی جمعیت کے ساتھ خلیفہ راشد کے حضور میں باغیوں کو تہس نہس کرنے کی پیشکش کی مگر انھوں نے اس مصلح سرکوبی کے عواقب کو سامنے رکھتے ہوئے صاف انکار کر دیا۔

حضرت عامر بن ربیعہ کا ارشاد ہے کہ وہ سبائیوں کی یلغار کے وقت حضرت عثمان کے پاس موجود تھے مگر انھوں نے ہمیں ان الفاظ کے ساتھ محاصرہ کرنے والوں پر حملہ کرنے سے منع فرمایا۔

یاد رکھو کہ تم میں سے جو کوئی اس حقیقت کو جانتا ہے کہ اس پر میری اطاعت لازم ہے اسے مسلمانوں کے خلاف اسلحہ اٹھانے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب اپنے اس طرز عمل پر نظر ثانی کے لیے کہا گیا تو آپ نے فرمایا۔

کسی مسلمان کا خون صرف تین صورتوں ہی میں مباح ہو سکتا ہے۔ ایمان کے بعد کفر، اختیار کرنے کی صورت میں، قتل ناحق اور شادی شدہ شخص کے زنا کرنے کی صورت میں

پھر انھوں نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا بتاؤ کہ میں ان تینوں میں سے کس بنیاد پر تمہیں لوگوں کا خون بہانے کی اجازت دوں۔

ایمان کے محسوس نتائج

بعض لوگ سمجھتے ہیں دین و ایمان مجرد عقائد کا نام ہے جو انسان کو زندگی کی حرکت اور حرارت سے روکتے ہیں اس کی خواہش محبت دنیا کو مٹا دیتے ہیں اور اس

اجتماع و معاشرہ کی فلاح و بہبود کے لیے اہل حق کو ایسی قربانیاں دینے کے قابل کس چیز نے بنایا تھا؟ ایمان اور صرف ایمان نے

اس کے بعد بذل و انفاقِ مال کا ایک واقعہ سنیئے ؎

حضرت زید بن اسلم روایت کرتے ہیں۔ کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا

توحضرت ابو الدحداحؓ نے عرض کی یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان اللہ تعالیٰ ہم سے قرض مانگتے ہیں حالانکہ وہ ذات قرض سے بے نیاز ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ ہی قرض مانگتے ہیں تاکہ اس کے بدلے میں وہ تمہیں جنت میں داخل کردے انھوں نے عرض کی تو میں اپنے پروردگار کو قرض دیتا ہوں کہ وہ مجھے اور میری بچی واحداحہ کو دخول جنت کی ضمانت دیتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ حضرت ابوالدحداح نے کہا... تو لائیے اپنا دست مبارک آگے کیجئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تو اسے پکڑ کر کہنے لگے دو باغ میری ملکیت میں ہیں ایک مدینہ کے زیریں علاقہ میں اور دوسرا بالائی حصے میں۔ ان دو باغوں کے علاوہ بجز اور کوئی چیز میرے پاس نہیں میں یہ دونوں باغ اللہ کو قرض دیتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان میں سے ایک راہ خدا میں دیدو اور دوسرا اپنی اور اپنے اہل وعیال کی گزر اوقات کے لیے رکھ لو اس پر حضرت ابوالدحداح نے کہا تو پھر یارسول اللہ ان میں سے جو بہتر ہے وہ اللہ کی راہ میں دیتا ہوں آپ گواہ رہیں اس باغ میں چھ سو کھجور کے درخت ہیں ؎ رسول پاکؐ نے فرمایا، اس بذل و انفاق کے بدلے میں اللہ تعالیٰ آپ کو جنت دے گا ابوالدحداح یہ کہہ کر چل دیئے اور باغ میں پہنچے جہاں ام الدحداح اپنے بچوں کے ہمراہ کھجور کے درختوں میں گھوم پھر رہی تھیں انھیں دیکھ کر حضرت ابوالدحداح پکار اٹھے ؎

اقرضته اللّٰه على اعتمادی بالطوع لامن ولا ارتداد
الا رجاء الضعف فی المعاد فارتحلی بالنفس والاولاد
والبر لا شك فخیر زاد قدمه المرء الی المعاد

(ترجمہ) میں نے یہ باغ اللہ کو بطور قرض خوش دل سے دیدیا نہ کوئی احسان کیا ہے اور نہ واپس لینے کی خواہش رکھتا ہوں میں نے اس اعتماد اور اس امید کے ساتھ یہ قرض دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں مجھے اس سے کئی گنا زیادہ عطا کریں گے۔ لہٰذا تو بال بچوں کو لے کر اس باغ سے نکل جا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ وہی نیکی بہترین زادِ راہ ہے جسے آدمی آخرت میں اجر پانے کی غرض سے کرے۔

ام الدحداح یہ سنتے ہی خاوند کی تحسین و تبشیر کرتے ہوئے بچوں کو لے کر باغ سے نکل گئی اور بچوں کے جیب و دامن میں جو کھجوریں تھیں اور جو ان کے منہ میں تھیں سب نکلوا کر وہیں ڈھیر کردیں۔ تاریخ اسلام اس طرح کے نمونوں سے بھری پڑی ہے سعی و جہد، قربانی و ایثار اور بذل انفاق کے عظیم نمونوں سے جو محض ایمان کی بدولت عالم وجود میں آتے ہیں۔

ایمان اور جذبۂ رحمت

ایمان کے زیر اثر جو اجتماعی اخلاق نشو و نما پاتے ہیں ان میں ایک نمایاں اور ممتاز خلق رحمت و کرم کا جذبہ ہے کسی کمزور کو دیکھ کر دل میں رقت پیدا ہوجانا، کسی کو غمگین و حزیں پاکر تڑپ اٹھنا کسی غریب و مسکین سے محبت و شفقت سے پیش آنا اور کسی پریشان حال کی طرف دست تعاون بڑھانا اسی جذبۂ ترحم کی بدولت ممکن ہوتا ہے یہی جذبہ انسان کو ایذا رسانی سے دور رکھتا ہے، جرم گناہ سے نفرت دلاتا ہے اور اسے ایک مصدر خیر و صلاح اور مرکز امن و سلامتی بنا کر پیش کرتا ہے ایک مومن کے اندر خاص طور پر یہ جذبہ اس لیے ظہور و نفوذ کرتا ہے کہ اللہ پر ایمان لاکر وہ اخلاق اللہ سے متخلق ہونا چاہتا ہے اور رحم، اخلاق اللہ میں سب سے نمایاں اور غالب خلق ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں۔ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ۔ اور میری رحمت ہر چیز پر حاوی ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ کے رحمان و رحیم ہونے کا تذکرہ جگہ جگہ ملتا ہے۔ قرآن کی ایک سو تیرہ سورتوں کا تو آغاز ہی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہوتا ہے۔ ان سورتوں میں اللہ کی رحمت کا بیان اس پر مستزاد ہے پھر ہر نمازی فرض رکعتوں میں ہی اللہ تبارک و تعالیٰ کے مذکورہ اسمائے حسنیٰ کو چونتیس مرتبہ زبان سے ادا کرتا ہے۔ سنن و نوافل کی ادائیگی کی صورت میں

یہ تعداد دگنی چوگنی ہو جاتی ہے ان کو بار بار زبان سے ادا کرکے امام غزالیؒ کی تصریح کے مطابق مومن کے اندر یہ صفت پیدا ہو جاتی ہے کہ ہر محتاج کی رفع احتیاج کے لیے مقدور بھر کوشش کرلے اپنے محلے یا شہر کے کسی غریب اور مسکین کو دیکھے تو اس کی غربت و مسکنت کو دور کیے بغیر نہ چھوڑے یا خود مال دیکر کرے یا کسی سے مال دلائے یا کسی کے پاس جاکر اس کے لیے سفارش کرے اور اگر کچھ بھی نہ کر سکتا ہو تو اللہ تعالیٰ سے دعا ہی کرے کہ باری تعالیٰ اپنے اس بندے کے حال پر رحم فرما۔ مقصود کلام یہ ہے کہ اللہ کی رحمت کے اس کثیر تذکرہ سے اللہ پر ایمان رکھنے والا ہر شخص بہت کچھ اخذ و استفادہ کرتا ہے اور آگے چل کر مخلوق خدا اس کے جذبات رحم و تلطف سے بیش از بیش فیضیاب ہوتی ہے۔

مَنْ لَا یَرْحَمْ لَا یُرْحَمْ

مومن جو اللہ کی رحمت کا ہمیشہ محتاج اور طلبگار رہتا ہے اور جس کی دنیوی فوز و فلاح اور اخروی نجات و مغفرت کا تمام تر دارو مدار رحمت حق پر ہی ہے۔ اس حقیقت پر ایمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سزاوار صرف وہی بندہ ہوتا ہے جو مخلوق خدا پر مہربان ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

انما یرحم اللہ من عبادہ الرحماء

بیشک اللہ تعالیٰ رحیم و شفیق بندوں پر اپنی رحمت نازل فرماتا ہے نیز یہ کہ۔ ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء

تم ساکنان ارض کے ساتھ رحمت کا برتاؤ کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ ان تعلیمات کے پیش نظر مومن کا رحم و شفقت کا برتاؤ صرف انسانوں تک ہی محدود نہیں ہوتا بلکہ حیوانات اور نباتات سب جذبہ رحم سے فیضیاب ہوتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ اپنی بکری کو پاؤں سے پکڑ کر گھسیٹے لیے جا رہا تھا تاکہ ذبح کرے آپ نے فرمایا:

ویلک قدھا الی الموت قوداً جمیلاً

تجھ پر افسوس ہے اسے مذبح کی طرف لے جا رہے ہو تو بھلے طریقے سے لے جاؤ۔

فتح مصر کے دوران حضرت عمرو بن العاصؓ کے خیمے پر ایک کبوتری نے آشیانہ بنالیا آنجناب نے جب کوچ کا ارادہ کیا تو اس خیال سے کہ کبوتری کا گھونسلا نہ اجڑ جائے خیمہ کو ٹھے کے ساتھ لے جانا مناسب نہ سمجھا۔ اور اپنی جگہ پر ہی قائم رہنے دیا۔ بعد ازاں اسی خیمہ کے ارد گرد آبادی شروع ہوگئی اور ایک شہر تعمیر ہو گیا جس کا نام "الفسطاط" تھا۔

خلیفہ راشد حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے بلا ضرورت گھوڑوں کو ایڑ لگانے سے حکماً روک دیا تھا نیز آپ نے شاہ راہوں کے ناظم کو لکھا کہ جانوروں کو بھاری بھر کم لگام نہ ڈالی جائے علاوہ ازیں چابک کے نچلے حصہ میں لوہا نہ لگایا جائے۔ اسی طرح والی مصر کو آپ نے لکھا مجھے اطلاع ملی ہے کہ باربرداری کے اونٹوں پر ایک ایک ہزار رطل بوجھ لاد دیا جاتا ہے۔ میرا یہ مکتوب موصول ہوتے ہی آئندہ کے لیے کسی اونٹ پر چھ سو رطل سے زائد بار نہ لادا جائے۔

اور یہ حضرت ابوبکر الصدیقؓ ہیں جیش اسامہ کی روانگی کے وقت حضرت اسامہ کو نصیحت کرتے ہیں " دیکھنا کسی عورت کو قتل نہ کرنا کسی بوڑھے اور بچے کو نہ مارنا، کھجور کا درخت ہو یا اور کوئی پھل دار درخت اسے کاٹنے سے احتراز کرنا نیز اگر کچھ لوگ عبادت گاہوں میں مصروف عبادت پاؤ تو انھیں بھی کچھ نہ کہنا۔ جب تک وہ تمہارے قتل کے درپے نہ ہوں۔

اجتماعی زندگی میں مسلمانوں کی رحم دلی کے یہ نمونے ہیں جن کی تربیت اور نشو و نما تمام تر سہرا ایمان کے سر ہے۔

اسلامی معاشرہ میں آثار رحمت و شفقت

ایمان دلوں میں رحمت و مودت کا جو بیج بوتا ہے اس کے نتیجے میں اہل ایمان ایسے امور خیر انجام دیتے ہیں جو ان کی زندگی میں بھی خلق خدا کو نفع بخشتے ہیں اور ان کی موت کے بعد بھی فیض رسانی کا سلسلہ قائم رہتا ہے وہ ہسپتال اور شفاخانے قائم کرتے ہیں، سکول اور کالج بناتے ہیں، دارالامان اور یتیم خانوں کی سرپرستی کرتے ہیں، غریب، مسکین اور یتیم بچوں کی تعلیم کا بندوبست کرتے ہیں اور ان کی دیگر احتیاجات

کو بھی پورا کرتے ہیں، مساجد اور سرائیں تعمیر کراتے ہیں اور پل اور تالاب بنواتے ہیں۔ اسی طرح بھوکوں کو کھانا کھلانا، پیاسوں کو پانی مہیا کرنا، ننگوں کو لباس پہنانا، بیماروں کا علاج کرانا، لاوارث میتوں کو سپرد خاک کرنا اور محروم لوگوں کی مالی اعانت کرنا بھی ان کے دل پسند مشاغل ہوتے ہیں بعض اہل ثروت مدارس و مساجد کے نام بڑی بڑی جاگیریں اور جائدادیں وقف کر دیتے ہیں جو مدت مدید تک ان اداروں کے لیے مضبوط سہارا ثابت ہوتی ہیں یہ آثار رحمت اسلامی معاشرہ میں قدم قدم پر دکھائی دیتے ہیں۔

مادہ پرستوں کی قساوت قلبی

خدا پرستوں کے جذبات رحم و تلطف کا حال آپ پڑھ چکے اب ایک نظر مادہ پرستوں کی درندگی و قساوت قلبی کا بھی جائزہ لیتے جائیے۔ معروف صحافی علی امین لکھتا ہے لینن کی موت کے بعد اشتراکی پارٹی کی گورننگ باڈی نے بالاتفاق سٹالن نے گورننگ باڈی کے تمام ممبران کو قتل کروا دیا اور لینن کے تمام وزراء کو بھی تہمت، خیانت سے متہم کرتے ہوئے ہلاک کر دیا۔ مزدور، زمین جو اسے مبارکباد دینے کے لیے جمع ہوئی تھیں ان کے ۸۰٪ سیکرٹریوں کو تہ تیغ کر دیا ۱۹۳۶ء کی دستور کمیٹی کے ۲۷ میں سے ۱۵ ممبران کو مروا ڈالا۔ کمیونسٹ پارٹی کے ۵۳ میں سے ۴۳ سیکرٹریوں کو موت کی نیند سلا دیا۔ سوویٹ روس کی مجلس دفاع کے ۸۰ میں سے ۷۰ ممبران کو ہلاک کر دیا۔ سرخ فوج کے ۵ میں سے ۳ مارشلوں کو قتل کر دیا ۱۹۳۶ء مجلس وزراء کے ۱۱ میں سے ۹ ارکان کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور سرخ فوج کے ۶۰٪ کمانڈروں کو اور تیس ہزار سرکاری ملازمین کو ہلاک کر دیا۔

یہ قتل و غارت گری اشتراکی نظام کا جزو لاینفک ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ روس کے کارفرما خدا اور اس کی تعلیمات کے منکر ہیں وہ تعلیمات جو انسان کو انسانیت کا درس دیتی ہیں اور اسے مکارم اخلاق سے آراستہ کرتی ہیں۔ ظلم و سفاکی کی ان مثالوں کو سامنے رکھتے ہوئے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جذبہ ترحم ملاحظہ فرمائیں۔ سبائیوں نے جس وقت خلیفہ راشد کے مکان کا محاصرہ کیا تو اس وقت آپ کے پاس بعض ایسے جاں نثار موجود تھے جو ان باغیوں کو تہ تیغ کر دینے کا مصمم ارادہ رکھتے تھے مگر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کہتے ہوئے ان کے ہاتھ روک دیئے کہ اگر ایک مرتبہ تلوار نیام سے باہر آگئی تو پھر خونریزی کا بند کرنا مشکل ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کو خطرے میں گھرا ہوا دیکھ کر تلوار سونت لی اور سبائیوں پر حملہ کرنے کی غرض سے باہر نکلنے کی کوشش کی مگر حضرت عثمانؓ نے انھیں ایسا کرنے سے منع کیا اسی طرح حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی انصار کی جمعیت کے ساتھ خلیفہ راشد کے حضور میں باغیوں کو تہس نہس کرنے کی پیشکش کی مگر انھوں نے اس مسلح سرکوبی کے عواقب کو سامنے رکھتے ہوئے صاف انکار کر دیا۔

حضرت عامر بن ربیعہ کا ارشاد ہے کہ وہ سبائیوں کی یلغار کے وقت حضرت عثمان کے پاس موجود تھے مگر انھوں نے ہمیں ان الفاظ کے ساتھ محاصرہ کرنے والوں پر حملہ کرنے سے منع فرمایا۔

یاد رکھو کہ تم میں سے جو کوئی اس حقیقت کو جانتا ہے کہ اس پر میری اطاعت لازم ہے اسے مسلمانوں کے خلاف اسلحہ اٹھانے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب اپنے اس طرز عمل پر نظر ثانی کے لیے کہا گیا تو آپ نے فرمایا۔

کسی مسلمان کا خون صرف تین صورتوں ہی میں مباح ہو سکتا ہے۔ ایمان کے بعد کفر اختیار کرنے کی صورت میں، قتل ناحق اور شادی شدہ شخص کے زنا کرنے کی صورت میں

پھر انھوں نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا بتاؤ کہ میں ان تینوں میں سے کس بنیاد پر تمہیں لوگوں کا خون بہانے کی اجازت دوں۔

ایمان کے محسوس نتائج

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ دین و ایمان مجرد عقائد کا نام ہے جو انسان کو زندگی کی حرکت اور حرارت سے محروم رکھتے ہیں اس کی خواہش محبت دنیا کو مٹا دیتے ہیں اور اس کے

اندر عمل اور جد و جہد کے لیے کوئی رغبت باقی رہنے نہیں دیتے ایمان کے بارے میں یہ مغالطہ جہالت کا پیدا کردہ ہے کیونکہ حقیقت ایمان محض ایک ذہنی اور تصدیق قلبی کا نام ہی نہیں بلکہ عمل اور جد و جہد سے بھی عبارت ہے۔ عمل، ایمان کامل کا جزو لاینفک ہے عمل دنیوی کامیابی اور اخروی سعادت کی بنیاد ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيٓ أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝	اور یہ وہ جنت ہے جس کا وارث تمہیں بنایا گیا ہے اس لئے کہ تم عمل کرتے ہو۔
فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ۝	کسی جان کو معلوم آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے والے جو سامان ان کے لیے پوشیدہ رکھے گئے ہیں یہ بدلہ ہے ان کا جو وہ عمل کرتے تھے

⁂

یہ تو تھا اخروی سعادت کا عمل پر موقوف ہونا۔ جہاں تک دنیوی کامیابی کا تعلق ہے وہ بھی عمل ہی سے حاصل ہوتی ہے تعلیمات اسلام میں محنت مزدوری اور ہاتھ سے کام کرنے کی جو فضیلت بیان ہوئی ہے۔ وہ کس چیز کی غماز ہے؟ تجارت، اور کاروبار کے جو اصول وضع کیے گئے ہیں اور شرکت، مضاربت اور لین دین کی جو صورتیں متعین کی گئی ہیں وہ آخر کن لوگوں کے لیے ہیں۔ کیا ہاتھ پہ ہاتھ دھر کر بیٹھ رہنے والوں کے لیے۔ نماز روزہ، حج، زکوٰۃ اور جہاد و قتال یہ سب امور جو ایک مسلمان کی دنیوی کامرانی کے ضامن ہیں کیا عمل کے بغیر انجام پا سکتے ہیں حکومت و سلطنت کے فرائض، امن و امان کا قیام، عمال و ولاۃ کا عزل و نصب، قضاۃ کا تقرر اور پولیس اور فوج کی تشکیل یہ سارے کام عمل اور مسلسل عمل ہی کا تو تقاضا کرتے ہیں مختصر کلام یہ ہے کہ ایمان نہ صرف یہ کہ انسان کو ہر وقت چاک و چوبند اور مستعد رکھتا ہے بلکہ وہ اس کی سعی و عمل کی صحیح سمت میں لگا کر اسے عبادت کا درجہ دیتا ہے جس سے آدمی نہ جی چراتا ہے اور نہ تھکتا ہے اور عبادت کا پاکیزہ جذبہ اسے ہر آن ایک ولولہ تازہ سے سرشار رکھتا ہے۔

مومن خوف خدا کے زیر اثر کام کو اچھی طرح انجام دیتا ہے

مومن جس کام میں بھی ہاتھ ڈالے اسے بے دلی سے کبھی نہیں کرتا بلکہ اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ممکن حد تک مفوضہ ذمہ داری سے بہ طریق احسن عہدہ برآ ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ عام کارندے تو اپنے آپ کو صرف اپنے مالک کے سامنے ہی جواب دہ سمجھتے ہیں مگر مومن اپنے مالک کے ساتھ ساتھ اپنے آقائے حقیقی (اللہ تعالیٰ) کے رو برو بھی خود کو مواخذہ و محاسبہ کے لیے تیار رکھتا ہے۔ بنابریں وہ کسی قیمت پر بھی خیانت و بد عہدی کا مرتکب نہیں ہوتا اور نہ ادائے فرض میں دانستہ کوتاہی کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان اللہ یحب اذا عمل احدکم عملا ان یتقنہ

تحقیق اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں کہ تم میں سے جب کوئی شخص کسی کام کو کرے تو اسے خوب اچھی طرح کرے۔

ادائے فرض میں استقامت

لوگ کھیل تماشوں میں اپنے اوقات کا بیشتر حصہ ضائع کر دیتے ہیں۔ حرام اور ناجائز امور میں منہمک رہتے ہیں۔ شراب پیتے ہیں اور رات گئے تک کہیں بہکتے رہتے ہیں غرض خواہشات نفس کے ہاتھ میں اپنی زندگی کی باگ ڈور دے دینے سے لوگ ادائے فرض میں کبھی استقامت نہیں دکھلاتے اور نہیں دکھا سکتے کیونکہ وہ اپنی جسمانی و عقلی قوتوں کے بے جا استعمال کر کے اس قابل نہیں رہتے کہ اپنے روز مرہ کے مشاغل حسن و خوبی سے انجام دے سکیں ایک مثال عرض ہے اخبارات میں آچکا ہے کہ امریکہ میں سات کروڑ بیس لاکھ افراد نشہ کرتے ہیں جن میں سے دو کروڑ اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کے مرتکب ہو کر ہر سال حکومت کو کھربوں ڈالر کا نقصان پہنچاتے ہیں۔ یہ نتیجہ صرف شراب کی لت کا ہے ایسے ہی دوسرے بیہودہ مشاغل میں انہماک بہ حیثیت مجموعی قومی اور معاشرتی سطح پر جس نقصان عظیم کا موجب بن سکتا ہے۔ اس اندازہ مشکل نہیں۔

اس کے برعکس مومن اپنے اوقات کی قدر و قیمت کا خوب احساس رکھتا ہے۔ قرآن کے روز اللہ تعالیٰ جہاں اس سے

اور سوالات کریں گے وہاں ایک سوال یہ بھی ہوگا کہ تو نے اپنی عمر کن کاموں میں کھپائی اور اپنا عہد شباب کیسے گزارا؟ بنا بریں ایماندار اپنے وقت کو ضائع کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ آج کا کام آج ہی ختم کرلے نیز آج کی کارکردگی گزرنے والے کل سے بہتر ہو علاوہ ازیں وہ صرف ان کاموں میں ہی دلچسپی نہیں لیتا جن کا فائدہ جلد حاصل ہوتا نظر آتا ہو بلکہ وہ ایسے امور خیر بھی انجام دیتا ہے جن کی نفع بخشی و فیض رسانی کا سلسلہ اس کی موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ حضرت ابو الدرداءؓ رسول پاکؐ کے صحابی عمر کے آخری حصے میں اخروٹ کا ایک درخت لگا رہے تھے ایک آدمی نے دیکھا تو کہنے لگا آپ یہ پودا لگا رہے ہیں اور آں حال کہ آپ بہت بوڑھے ہیں اور یہ درخت تو اتنے اور اتنے سالوں کے بعد جاکر پھل دیا کرتا ہے" حضرت ابو الدرداءؓ نے فرمایا میرا کیا نقصان ہے اگر اس کا ثواب مجھے مل جائے اور اس کا پھل میرے علاوہ کسی اور کو حاصل ہو۔

مومن خدا کی زمین کو آباد کرتا ہے

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ مومن تکیئے کے درویش یا غار دل اور کھوہ میں بیٹھنے والے لوگ ہوتے ہیں جنھیں معاملات زندگی سے کوئی سروکار نہیں ہوتا حالانکہ یہ نرا مفروضہ ہے اور بالکل غلط ہے۔ اگرچہ بعض مذاہب میں ہفتہ کے سات دنوں میں سے ایک دن کو عبادت کے لیے مخصوص کرلیا گیا ہے لیکن اسلام ایسی کسی تخصیص کا قائل نہیں۔ جمعہ کا دن جس کی بہ لحاظ عبادت اسلام میں خاص اہمیت حاصل ہے بھی سارے کا سارا عبادت کے لیے وقف نہیں کیا گیا بلکہ نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد حکم ہے۔

فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ — زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنی زمین کو آباد اور خوشحال دیکھنا چاہتے ہیں اور انھیں پسند نہیں کہ لوگ گل و صبا میں کچھ اس طرح مستغرق ہو جائیں کہ انھیں دنیا و مافیہا سے کوئی واسطہ نہ رہے اور ہاتھ توڑ کر بیٹھ رہیں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ کچھ نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد مسجد کے ایک کونے میں سر چھپائے بیٹھے ہیں۔ آپ نے پوچھا تم کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا۔

ہم اللہ پر توکل کرنے والے لوگ ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنے مشہور درہ کو حرکت دی اور انھیں ڈانٹتے ہوئے فرمایا خبردار اگر تم سے کسی نے طلب رزق سے کنارہ کشی اختیار کی اور اللہ سے دعا کرنے لگا کہ یا اللہ مجھے بیٹھے بٹھائے ہی رزق دے۔ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ آسمان سے سونے اور چاندی کی بارش نہیں ہوا کرتی۔ کیا تمہیں اللہ کا یہ حکم یاد نہیں کہ جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

عبادت کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی سعی و عمل اور جدوجہد سے دست کش ہو جائے اور نہ ایمان بالآخرۃ کا ہی یہ مفہوم ہے کہ دنیا اور اس کے معاملات سے کوئی سروکار نہ رکھا جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ زراعت پیشہ بھی تھے، تاجر بھی تھے، کاریگر اور ہنرمند بھی تھے ان میں سے کسی نے کبھی توکل و قناعت کے اس مفہوم پر عمل پیرا نہیں دیکھتے کہ کام کرنے کی ضرورت نہیں اللہ میاں خود بخود دیں گے انھوں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم کو پلے باندھ رکھا تھا کہ اگر قیامت برپا ہو جائے اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں کھجور کی شاخ ہو تو اسے اگر زمین میں گاڑ سکو تو ضرور گاڑ دو۔ غور فرمائیے۔ رسول پاکؐ نے کس کس طرح اپنے صحابہ میں زندگی کی حرارت اور حرکت پیدا کی۔ اور حرکت بھی وہ جس سے بظاہر نتائج کی کوئی امید نہ ہو۔

توکل کا صحیح مفہوم

بعض لوگ توکل کا مطلب ترک اسباب لیتے ہیں جو کسی طرح بھی درست نہیں۔ توکل کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ آدمی اپنی سی پوری کوشش کرے اور ممکن حد تک ذرائع و وسائل کو استعمال کرنے کے بعد نتائج کے لیے اللہ تعالیٰ پر انحصار کرے اور یہ نہ سمجھے کہ میری کوشش ہی مطلوبہ نتائج کی ضامن ہے جیسا کہ اعرابی والے واقعہ سے سمجھ میں آتا ہے اس نے مسجد کے دروازے پر اپنا اونٹ کھلا چھوڑ دیا اور گمان کیا کہ یہ توکل ہے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعقلها وتوکل پہلے رسی سے باندھ

بقیہ صفحہ ۹۸

دعوتِ اسلامی کی کامیابی کا راستہ

تربیت گاہ جماعتِ اسلامی میں سوال و جواب کی ایک محفل

پچھلے دنوں لاہور میں صوبہ پنجاب کے ارکانِ جماعت کی ایک تربیت گاہ چند روز کیلئے قائم ہوئی تھی جس میں ہر ضلع کے چیدہ ارکان شریک ہوئے تھے۔ ۳۰ مارچ کی شام کو مجھے شرکاء تربیت گاہ کے سوالات کا جواب دینے کے لئے مدعو کیا گیا، اس میں جو سوالات کئے گئے اور ان کے جو جوابات دیئے گئے انھیں یہاں درج کیا جا رہا ہے

ابوالاعلیٰ

ان پڑھ لوگوں میں تبلیغ کیسے کی جائے

سوال ۸۰ فیصد ان پڑھ لوگوں کو دعوت اسلامی سے کیسے روشناس کرایا جائے؟

جواب ۱ اسلام کی دعوت جب عرب میں پیش کی گئی تھی اُس وقت اُسکی مخاطب آبادی تقریباً سو فیصدی ان پڑھ تھی۔ قریش جیسے ترقی یافتہ قبیلے کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس میں صرف سترہ افراد پڑھے لکھے تھے مدینہ میں اس سے بھی کم لوگ تعلیم یافتہ تھے۔ اور باقی عرب کی حالت کا اندازہ آپ ان دو بڑے شہروں کی حالت سے کر سکتے ہیں۔ قرآن مجید اس ملک میں لکھ کر نہیں پھیلایا گیا تھا بلکہ لوگوں کو زبانی سنایا جاتا تھا صحابہ کرام اس کو سنکر ہی یاد کرتے تھے اور پھر زبانی ہی اسے دوسروں کو سناتے تھے۔ اسی ذریعہ سے پورا عرب اسلام سے روشناس ہوا، پس درحقیقت لوگوں کا ان پڑھ ہونا کوئی ایسی دشواری نہیں ہے جس کی وجہ سے اسلام کی تبلیغ نہ ہو سکتی ہو۔ آغاز اسلام میں اس دین کی تبلیغ ان پڑھ لوگوں ہی میں کی گئی تھی اور یہ محض زبانی تبلیغ و تلقین ہی تھی جس سے ان کو اس قدر بدل دیا گیا، ایسا زبردست انقلاب ان کے اندر برپا کر دیا گیا کہ وہ دنیا کے مصلح بن کر کھڑے ہوگئے اب آپ کیوں یہ سمجھنے لگے ہیں کہ ۸۰ فیصد ان پڑھ آبادی میں اسلام کی دعوت نہیں پھیلائی جا سکتی؟ آپ کے اندر ۲۰ فیصدی تو پڑھے لکھے لوگ موجود ہیں وہ پڑھ کر اسلام کو سمجھیں اور پھر باقی ۸۰ فیصد کو زبانی تبلیغ و تلقین سے دین سمجھائیں پہلے کی نسبت اب یہ کام زیادہ آسان ہو گیا ہے۔ البتہ فرق جو کچھ ہے وہ صرف یہ ہے کہ اُس وقت جو شخص بھی اسلام کی تعلیمات کو سُنکر ایمان لاتا تھا وہ ایمان لا کر بیٹھ نہیں جاتا تھا بلکہ آگے دوسرے بندگان خدا تک ان تعلیمات کو پہنچانا اپنا فرض سمجھتا تھا اس کی تمام حیثیتوں پر مبلغ ہونے کی حیثیت غالب آجاتی تھی وہ ہمہ تن ایک مبلغ بن جاتا تھا۔ جہاں جس حالت میں بھی اُسے دوسرے لوگوں سے سابقہ پیش آتا تھا وہ ان کے سامنے اللہ اور اس کے رسول کی ہدایات بیان کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا تھا۔ وہ ہر وقت اس تلاش میں لگا رہتا تھا کہ کس طرح اللہ کے بندوں کو جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر علم کی روشنی میں لائے۔ جتنا قرآن بھی

اُسے یاد ہوتا وہ اُسے لوگوں کو سناتا، اور اسلام کی تعلیمات جتنی کچھ بھی اُسے معلوم ہوتیں اُن سے وہ لوگوں کو آگاہ کرتا تھا۔ وہ انھیں بتاتا تھا کہ صحیح عقائد کیا ہیں جو اسلام سکھاتا ہے اور باطل عقیدے اور خیالات کون سے ہیں جن کی اسلام تردید کرتا ہے۔ اچھے اعمال اور اخلاق کیا ہیں جن کی اسلام دعوت دیتا ہے، اور برائیاں کیا ہیں جن کو وہ مٹانا چاہتا ہے یہ سب باتیں جس طرح پہلے سُنائی اور سمجھائی جاتی تھیں اسی طرح آج بھی سُنائی اور سمجھائی جا سکتی ہیں۔ ان کے لئے نہ سنانے والے کا پڑھا لکھا ہونا ضروری ہے نہ سننے والے کا۔ یہ ہر وقت بیان کی جا سکتی ہیں اور ہر شخص کی سمجھ میں آسکتی ہیں۔ اسلام نے کوئی ایسی نرالی چیز پیش ہی نہیں کی ہے جس سے انسانی طبائع مایوس نہ ہوں اور جن کو سمجھنے اور سمجھانے کیلئے بڑے فلسفے بگھارنے کی ضرورت ہو۔ یہ تو دین فطرت ہے۔ انسان اس سے بالطبع مانوس ہے۔ اسے پڑھے لکھے لوگوں کی بہ نسبت ان پڑھ لوگ زیادہ آسانی سے قبول کر سکتے ہیں، کیونکہ وہ فطرت سے قریب تر ہوتے ہیں۔ اور ان کے دماغ میں وہ پیچ نہیں ہوتے جو جاہلیت کی تعلیم نے ہمارے پڑھے لکھے لوگوں کے دماغوں میں ڈال دیئے ہیں۔ لہٰذا آپ ان پڑھ آبادی کی کثرت سے ہرگز نہ گھبرائیں۔ اُنکی ناخواندگی اصل رکاوٹ نہیں ہے، بلکہ آپ کے اندر جذبۂ تبلیغ کی کمی اصل رکاوٹ ہے۔ ابتدائے اسلام کے مسلمانوں کی طرح ہمہ تن مبلغ بن جایئے اور تبلیغ کی وہ لگن اپنے اندر پیدا کر لیجیے جو اُنکے اندر تھی۔ اس کے بعد آپ دیکھیں گے کہ اسلام کی دعوت پھیلانے کے بے شمار مواقع آپ کے منتظر ہیں جن سے آپ نے آج تک اسلئے فائدہ نہیں اٹھایا کہ آپ اپنے ملک کی آبادی میں سو فیصدی خواندگی پھیل جانے کے منتظر رہے۔

آئندہ انتخابات میں جماعتِ اسلامی کی پالیسی کیا ہو؟

سوال "آئندہ عام انتخابات میں جماعت اسلامی کی انتخابی پالیسی کیا ہونی چاہیئے"؟

جواب اس سوال کا جواب میں آپ کو یہاں نہیں دے سکتا، اسکے متعلق اگر مجھے کچھ کہنا ہوگا تو امیر جماعت سے کہوں گا، یا مجلس عاملہ مجھ سے دریافت کرے گی تو اس کے سامنے بیان کرونگا یا مجلس شوریٰ مجھ سے پوچھنا چاہے گی تو اس کے اجلاس میں پیش کروں گا، میں ایک عام رکن جماعت ہوں۔ نہ امیر جماعت ہوں، نہ مجلس عاملہ کا رکن، نہ مجلس شوریٰ کا رکن۔ میرا یہ کام نہیں ہے کہ یہاں بیٹھ کر جماعت کی پالیسی طے کروں۔ پالیسی طے کرنا اُن لوگوں کا کام ہے جو دستور کی رو سے اس کے مجاز ہیں کسی معاملہ میں میری جو رائے بھی ہوگی اسے ان تک پہنچا دوں گا پھر یہ ان کی صوابدید پر موقوف ہے کہ جو پالیسی چاہیں بنائیں۔

چوہدری غلام جیلانی صاحب :۔ "لیکن مولانا ہم یہ سمجھتے ہیں کہ آپ سب کچھ ہیں"۔

جواب ــــ میں اس تصور کی جڑ کاٹ دینا چاہتا ہوں۔ یہ جماعت ایک دستور اور ایک نظام پر قائم ہے۔ اس میں مجھ سمیت کوئی شخص بھی اپنی ذاتی حیثیت میں "سب کچھ" نہیں ہو سکتا جس روز جماعت کی تاسیس ہوئی تھی اسی روز میں نے یہ بات واضح کر دی تھی کہ دعوت تو بلاشبہ میں نے دی ہے، مگر یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ جو شخص داعی ہے اسی کو آپ سے آپ امیر جماعت بھی ہونا چاہیئے۔ میرا کام آپ اقامت دین کے لئے جمع کر دینا تھا سو وہ میں نے کر دیا۔ اب طے کرنا آپ کا کام ہے کہ یہ ذمہ داری کس کے سپرد کریں۔ اسوقت چونکہ ارکان جماعت نے امارت کا بار میرے اوپر ہی رکھ دیا اس میں نے اسے اٹھا لیا۔ اب میری خرابی صحت نے مجھے اس قابل نہیں چھوڑا ہے کہ اس ذمہ داری کا حق ادا کر سکوں اس لئے میں ایمانداری کے ساتھ اپنے آپ کو اس سے سبکدوش کرا لیا۔ اس کے بعد پھر وہی ذمہ داری میں اپنے سر کیسے لوں جبکہ نظم جماعت کی رو سے اب میں اس کا حامل نہیں رہا ہوں، البتہ رکن جماعت ہونے کی حیثیت سے میرا جو فرض ہے اسے جب تک زندہ ہوں انشاء اللہ ادا کرتا رہوں گا۔

کیا اقامت دین کا کام ظہور مہدی سے پہلے ہو سکیگا

سوال ــــ کیا اقامت دین ایک فرض ہے؟ جسے ہر زمانہ میں ہر حال میں ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اور کیا قرآن و حدیث میں کہیں یہ بات ملتی ہے کہ ظہور مہدی سے قبل

نظام قائم ہو سکے گا۔ ؟

جواب ——— قرآن میں تو خیر ظہور مہدی کا سرے سے ذکر ہی نہیں کیا گیا ہے البتہ احادیث میں اس کا ذکر ضرور آیا ہے، مگر وہ بس اسی حد تک ہے کہ مہدی آئیں گے اور دنیا کو جو ظلم سے بھر چکی ہوگی، عدل سے بھر دیں گے۔ اس خوشخبری سے آخر یہ مطلب کیسے نکل آیا کہ جب تک وہ نہ آئیں اس وقت تک دنیا ظلم سے بھرتی رہے اور ہم اس کا تماشہ دیکھتے رہیں شیاطین کے دین قائم ہوتے رہیں اور اللہ کا دین قائم کرنے کیلئے ہم امام مہدی کی تشریف آوری کے انتظار میں بیٹھے رہیں۔ یہ تعلیم نہ اللہ نے دی ہے نہ اللہ کے رسول نے اور قرآن و حدیث میں بھی کہیں نہیں کہا گیا ہے کہ امام مہدی کی آمد سے پہلے اللہ کا دین کبھی قائم نہ ہو سکے گا یا اسے قائم کرنے کی کوشش کا فریضہ مسلمانوں کے ذمہ سے ساقط رہے گا، یہ بات ایک بشارت تو ضرور ہو سکتی ہے کہ آئندہ کسی زمانہ میں کوئی ایسی عظیم شخصیت اٹھے گی جو تمام عالم میں اسلام کا جھنڈا بلند کر دے گی مگر یہ کوئی حکم امتناعی نہیں ہو سکتی کہ ہم دنیا میں اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے کچھ نہ کریں۔ رہا یہ سوال کہ اقامت دین فرض ہے یا نہیں، تو کوئی ایسا شخص جو قرآن و حدیث کو جانتا ہے، اس بات سے ناواقف نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام سے لیکر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے انبیاء بھی بھیجے ہیں اپنا دین قائم کرنے ہی کے لئے بھیجے ہیں، کوئی ایک نبی بھی لوگوں کو یہ سکھانے کے لئے نہیں بھیجا کہ وہ غیر اللہ کا دین قائم کرنے والوں کے ماتحت بنکر رہیں۔ سورہ شوریٰ دیکھیے اس میں حضور سمیت تمام انبیاء کا فرض یہ بیان کیا گیا ہے کہ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ "اس دین کو قائم کرو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ"۔

سورۂ توبہ، سورۂ فتح اور سورۂ صف میں دیکھیے تین مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد یہ بیان کیا گیا ہے کہ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۔ "وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ پورے دین پر اسے غالب کر دے" اب کون یہ کہنے کی جسارت کر سکتا ہے کہ امت مسلمہ کا مقصد وجود نبی برحق کے مقصد بعثت سے مختلف بھی کچھ ہو سکتا ہے۔ ؟

عوامی رجحانات کو دیکھتے ہوئے ہماری سیاسی پالیسی کیا ہونی چاہیئے

سوال ——— پاکستان کے موجودہ حالات میں عوام کے رجحانات کو سامنے رکھتے ہوئے ہماری سیاسی حکمت عملی کیا ہونی چاہیئے ؟

جواب ——— یہ سوال بھی اگرچہ اسی نوعیت کا ہے جس کا جواب اس مجلس میں دینے سے میں اظہار معذرت کر چکا ہوں، لیکن چونکہ اس سوال میں پوچھا یہ گیا ہے کہ "پاکستان کے موجودہ حالات میں عوام کے رجحانات کو سامنے رکھتے ہوئے" ہماری سیاسی پالیسی کیا ہونی چاہیئے۔ ؟ اس لئے میں اسکا ایک اصولی جواب دینا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ ہمارے رفقاء کسی غلط طرز فکر میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

اس میں شک نہیں کہ ہم جس ملک میں، جس قوم میں، جس زمانے میں اور جن حالات میں کام کر رہے ہیں، ہمیں کوئی پروگرام بناتے ہوئے ان سب کو ملحوظ رکھنا پڑے گا، لیکن ہماری اصولی دعوت لازماً ایک ہی رہے گی، ہمارا بنیادی مقصد بھی قطعاً ناقابل تغیر ہوگا، اور اپنا عملی پروگرام بناتے ہوئے ہم ان چیزوں کو صرف اس حیثیت سے ملحوظ رکھیں گے کہ اس ملک اور اس زمانے کے حالات میں ہم اپنی دعوت کو کسطرح سے فروغ دیں، اور اپنے مقصد کے حصول کے لئے اس قوم کے اچھے رجحانات سے کس طرح فائدہ اٹھائیں اور اس کے برے رجحانات کس طرح بدلیں کہ وہ ہمارے مقصد کی راہ میں کم از کم رکاوٹ تو نہ بن سکیں۔ اس نقطۂ نظر سے ان چیزوں کو ملحوظ رکھنا تو عین تقاضائے حکمت ہے لیکن اگر ہم زمان و مکان کے حالات اور لوگوں کے رجحانات کو دیکھ کر اپنی دعوت اور اپنے مقصد پر ہی نظر ثانی کرنے بیٹھ جائیں تو یہ سراسر گمراہی ہے جس کا خیال تک ہمارے ذہن میں نہ آنا چاہیئے طریق کار حالات کے لحاظ سے بدلا جا سکتا ہے، حکمت عملی میں لوگوں کے اچھے یا برے رجحانات کے لحاظ سے تغیر کیا جا سکتا ہے مگر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ

علیہ وسلم نے اسلام اور اس کی دعوت کے جو اصول مقرر کر دیئے ہیں ان میں ذرہ برابر کوئی ردّ و بدل لوگوں کے رجحانات یا زمانے کے حالات کو دیکھ کر نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ اور اس کے رسولؐ نے جس چیز کو قائم کرنے کا حکم دیا ہے ہمیں ہر حال میں اسی کو قائم کرنے کی کوشش کرنی ہوگی۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم جس ملک میں کام کر رہے ہوں اس کے حالات کا لحاظ کرتے ہوئے ہم اس مقصد کیلئے سعی و جد و جہد کے ایک طریقے کو موزوں پاکر اختیار کرلیں اور دوسرے طریقے کو ناموزوں سمجھ کر ترک کر دیں۔ اسی طرح جن چیزوں کو اللہ اور اس کے رسولؐ مٹانا چاہتے ہیں ان کو مٹانا ہی ہماری کوششوں کا ہمیشہ مقصود رہے گا، یہ اور بات ہے کہ ہم اپنی ... استطاعت اور ملک کے حالات اور عوام کی مزاجی کیفیات کو دیکھ کر یہ طے کریں کہ کن چیزوں کو مٹانے کی کوشش مقدم اور کن کے مٹانے کی کوشش مؤخر رکھی جانی چاہیئے۔ نیز یہ کہ اس غرض کے لئے ہم کونسی تدابیر اختیار کر سکتے ہیں، اور کن تدابیر کا اختیار کرنا غیر ممکن، غیر مفید یا غیر مناسب ہے۔

اللہ تعالیٰ ظالموں کو غلبے کا موقع کس حد تک دیتا ہے

سوال ـــــ "اللہ تعالیٰ اپنی سنت کے مطابق کاذب، ظالم اور خبیث قسم کے حکمرانوں کو شریف اور خدا ترس لوگوں پر زیادتیاں کرنے، دین حق کا راستہ روکنے، عوام کو ذلیل و خوار کرنے اور قومی وسائل کو اپنی ذات کے مفاد میں استعمال کرنے کا موقع کس حد تک عطا فرماتا ہے۔ نیچے پیچھے پاکستان میں ایسے حالات جاری رہنے کے کس حد تک امکانات ہیں، اور نظام اسلامی کے غلبہ کے بارے میں یہاں کیا توقعات ہیں۔؟"

جواب ـــــ اللہ تعالیٰ اپنی مصلحتوں اور اپنی حکمتوں کو خود ہی جانتا ہے، ہمارے پاس انکو جاننے اور سمجھنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ اس نے مختلف جباروں اور مختلف ظالم قوموں کی رسی جتنی چاہی ہے دراز کی ہے اور جب چاہا ہے [illegible]

گئے ہیں۔ بہر حال اپنی زمین کا مستقل پٹہ اس نے کسی شخص یا قوم یا مجموعہ اقوام کو کبھی لکھ کر نہیں دے دیا ہے۔ یہ معاملہ چونکہ ہماری سمجھ سے باہر ہے اس لئے خدا کے دین کو قائم کرنے کی جد و جہد کرتے ہوئے ہمیں اس فکر میں نہیں پڑنا چاہیئے کہ جو طاقتیں اس راہ میں مزاحم ہیں ان کی رسی خدا نے کتنی دراز یا کتنی کوتاہ رکھی ہے، ہمیں اپنا فرض صبر و حکمت کے ساتھ بہر صورت ادا کئے چلے جانا چاہیئے خواہ اس کے نتائج نکلنے میں کتنی ہی تاخیر ہو اور وہ نتائج ہماری آنکھیں دیکھ سکیں یا نہ دیکھ سکیں۔

باطل کے لئے کام کرنے والوں کی طرح حق کے لئے کام کرنے والوں کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کا معاملہ مختلف رہا ہے کبھی اُن کے حصّے میں صرف جان و مال اور وقت و محنت کی قربانی ہی آتی ہے، دنیوی کامیابی انھیں عطا نہیں کی جاتی اس کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ اللہ ان سے ناراض اور ظالموں سے راضی ہوتا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ جس قوم میں وہ کام کر رہے ہوتے ہیں وہ اپنے آپ کو اس کا مستحق نہیں بناتی کہ اللہ اسے نیک رہنما اور عادل فرمانروا دے۔ بلکہ اس کے برعکس اس کی شقاوت اور دنائیت اپنے رب سے گمراہ کن رہنما اور جابر و ظالم فرمانروا ہی مانگتی ہے اور وہی اسے دیئے جاتے ہیں۔ مگر اس صورت میں اہل حق کا کیا ہوا کام ضائع ہرگز نہیں ہوتا۔ آخرت میں تو ان کا اجر بہر حال محفوظ ہے ہی، دنیا میں جو بیج وہ بو جاتے ہیں وہ کبھی نہ کبھی پھل لاکر رہتے ہیں خواہ ان کے بار آور ہونے میں صدیاں لگ جائیں۔

پھر کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ اہل حق کو کامیابی نصیب ہوتی ہے، مگر آسانی کے ساتھ نہیں بلکہ بڑی تکلیفیں اٹھا کر اور ہر طرح کے ظلم و ستم کی چکی میں پس کر ہوتی ہے۔ اس کی نمایاں ترین مثال آپ کے سامنے خود ان بندگان حق کی موجود ہے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاکر حضور کی رہنمائی میں وہ دین قائم کیا جسے قائم کرنے کے لئے آپ اٹھے ہیں۔ ان کے ساتھ یہ معاملہ تو نہیں ہوا تھا کہ انھوں نے خوب دل لگا کر فرائض و نوافل ادا کئے ہوں اور ایک روز فرشتوں نے آکر ان سے کہا ہو کہ اللہ تعالیٰ آپ کی عباد

اور ذکر و فکر سے بہت خوش ہوا ہے، چلئے اب تخت سلطنت آپ کے لئے تیار ہے، یا کفر و فسق کے زیرِ سایہ وہ ٹھنڈی ٹھنڈی تبلیغ کرتے رہے ہوں اور ایک وقت اچانک ایسا آگیا ہو کہ کفار و فساق آپ ہی ان کے حق میں دستبردار ہو گئے ہوں، تاریخ گواہ ہے کہ مکہ معظمہ میں (ابتدائی خفیہ دعوت کا زمانہ چھوڑ کر) مسلسل دس سال تک حضورؐ اور آپ کے ساتھیوں پر سخت سے سخت ظلم کئے گئے کسی کو تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر گھسیٹا گیا کسی کو آگ کے انگاروں پر ڈال کر اوپر سے پتھر رکھ دیئے گئے، کسی کو الٹا لٹکا کر اور چٹائی میں لپیٹ کر دھونی دی گئی کسی کو مار مار کر ادھ موا کر دیا گیا، کسی کو پانی میں غوطے دیئے گئے۔ حتیٰ کہ بہت سے لوگوں کو گھر بار چھوڑ کر بے سروسامانی کے عالم میں حبش کی طرف نکل جانا پڑا۔

پے درپے مصائب کے یہ دس سال گزارنے کے بعد جب مدینے میں پناہ کی ایک جگہ اور حامیوں کی ایک جماعت ملی تو وہاں بھی کوئی پھولوں کی سیج تیار نہ تھی۔ ۹ سال تک وہاں گھر کے منافقوں، پڑوس کے یہودیوں، اور پورے عرب کے مشرکوں سے ایک شدید جانگسل کشمکش برپا رہی جس میں کبھی ایک دن کے لئے بھی چین نصیب نہ ہوا۔ غارِ ثور کی انتہائی خطرناک پناہ گزینی سے لے کر غزوہ تبوک کے جیش عسرت تک سارا زمانہ ایسی حالت میں گزرا جس کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ

"ہم ضرور تمہیں آزماکر رہیں گے کچھ خوف سے، کچھ بھوک سے اور کچھ مال اور جان سے اور پیداوار کے نقصانات سے"

یہ مراحل جب صبر و استقامت کے ساتھ گزار لئے گئے تب کہیں دینِ حق کے علمبردار اور اس کے مجاہد ساتھیوں کی آنکھیں يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا کا منظر دیکھ کر ٹھنڈی ہو سکیں۔

یہ سب کچھ کس لئے تھا؟ کیا ظالموں کے ظلم سے اللہ راضی تھا اس وجہ سے وہ انکو اپنے نیک بندوں پر زیادتیاں کرنے کی کھلی چھوٹ دیئے جا رہا تھا؟ کیا اللہ رحمٰن رحیم کو یہ پسند تھا کہ اس کے باغی عیش کریں اور اس کے وفادار بھوکے مریں؟ مار کھائیں گھر سے بے گھر کئے جائیں اور میدان جنگ میں صرف قتل ہی نہ کئے جائیں، بلکہ ان کے کلیجے تک چبا ڈالے جائیں؟ اگر آپ یہ جانتے اور مانتے ہیں کہ اصل بات یہ نہیں ہے تو پھر خوب سمجھ لیجئے کہ اللہ جل شانہٗ اسلام کی دعوت لے کر اٹھنے والوں کے لئے آزمائش بھٹی ضرور گرم کرتا ہے، "تاکہ کوئی بودا اور خام آدمی اس میدان میں قدم نہ رکھنے پائے اور جو لوگ بھی ایمان کا اقرار کر کے اس راہ پر آئیں وہ لازماً اس بھٹی سے گزارے جائیں تاکہ حق و صداقت کے ساتھ ان کا عشق اور دین کی سربلندی کے لئے ان کا عزم، اور اقامت دین کے لئے ان کا کردار پختہ اور قابل اعتماد ہو جائے اس کے بغیر ان کو اللہ اور اس کے دین کے نام پر دنیا میں حکومت و فرمانروائی کا موقع دے دیا جاتا تو نتیجہ یہ ہوتا کہ کافروں کی جگہ مسلمان خلق خدا پر ظلم کرتے اور ان کی خیانتیں اور بدکرداریاں دیکھ کر دین اور اہل دین کی ساکھ ہمیشہ کیلئے ختم ہو جاتی۔

اس حقیقت کو اگر آپ اچھی طرح سمجھ لیں تو کبھی آپ کے ذہن یہ سوچ سوچ کر پریشان نہ ہوں کہ اللہ کب تک ظالموں کو ظلم کی چھوٹ دیئے رکھے گا؟ اور ان حالات میں اسلامی نظام کے قائم ہونے کی توقع کیسے کی سکتی ہے؟ خوب جان لیجئے کہ اس سرزمین میں اسلام کا غلبہ اگر ہو سکتا ہے تو اسی طرح ہو سکتا ہے کہ اس مقصد کے لئے کام کرنے والے اسی بھٹی سے گزریں جس سے دورِ اوّل کے اہل ایمان گزرے تھے اس کے لئے ناگزیر ہے کہ وہ ہر قربانی دینے، ہر مشقت اٹھانے، ہر نقصان بھگتنے اور ہر خطرہ برداشت کرنے کے لئے تیار ہوں جب تک یہ امتحان وہ پاس نہ کرلیں گے ان پر ایک دارالسلام کے انتظام کی ذمہ داریوں کا بوجھ نہیں ڈالا جائے گا، کیونکہ وہ اس بوجھ کو سہار نہ سکیں گے۔ اسلام کے نام پر کسی نیم پختہ گروہ کو اگر حکومت دیدی جائے

اور پھر اس کے لائے ہوئے عالم خائن نکلیں، اختیارات کا ناجائز استعمال کریں، اپنی اغراض و خواہشات کے بیجا تقاضوں سے مغلوب ہو کر تصرفات اور امانت کا خون کرنے لگیں، قوم کے مال میں ناروا تصرف کریں، اپنے آپ کو قانون سے بالاتر قرار دے لیں، اور اقتدار کا بار پڑتے ہی ان کے اخلاق جواب دے جائیں تو پھر ہمیشہ کے لئے یہاں اسلام کے غلبے کا امکان ختم ہو جائے گا۔ اس ملک ہی کی آبادی نہیں بلکہ پوری دنیا اسلام سے مایوس ہو جائے گی۔ اس لئے اس کو اللہ کی رحمت سمجھئے کہ وہ آپ کو پختہ کرنے کے لئے آزمائشوں کی بھٹی سے گزار رہا ہے اور قبل از وقت آپ پر ذمہ داریوں کا بوجھ نہیں ڈال رہا۔ جب اللہ تعالےٰ کے علم میں یہ ہوگا کہ یہاں ایک ایسی جماعت بن گئی ہے جس میں کھرا سونا ہی پایا جاتا ہے اور کھوٹ سے وہ صاف ہو گئی ہے جس کی دیانت و امانت اور خدا ترسی قابل اعتماد ہے، جو کبر و نخوت اور انانیت و نفسانیت سے پاک ہے جو اپنی بڑائی کے لئے نہیں اٹھی ہے بلکہ فی الواقع اللہ کے دین ہی کی بالاتری قائم کرنا چاہتی ہے تب اللہ کے فضل سے یہ پوری امید ہے کہ وہ ایسی جماعت کو دنیوی کامیابی بھی عطا فرمائے گا جس طرح اس کے پیشروؤں کو وہ عطا کر چکا ہے۔ اس لئے صبر اور ہمت و استقامت کے ساتھ آزمائشوں سے گزریئے اور اللہ سے دعا مانگتے رہیئے کہ وہ آپ کو اقامت دین کے کام کی اہلیت و صلاحیت عطا فرمائے۔ یہی بات ہے جو حضرت خباب بن ارت سے رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔ جب انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب تو ظلم کی حد ہو گئی ہے تو آپؐ کا چہرہ مبارک تمتما اٹھا اور آپؐ نے فرمایا کہ تم سے پہلے جو اہل ایمان گذر چکے ہیں ان پر اس سے زیادہ سختیاں توڑی گئی تھیں۔ یقین جانو کہ اللہ اس کام کو پورا کر کے رہے گا۔ یہاں تک کہ ایک وقت آئے گا۔ جب ایک شخص صنعاء سے حضر موت تک بے کھٹکے سفر کرے گا اور اللہ کے سوا اسے کسی کا خوف نہ ہو گا۔ مگر تم لوگ جلد بازی کرتے ہو۔

اقامت دین کے کام کیلئے فارغ کارکن کیوں؟

سوال ——— جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلبۂ اسلام سے پہلے تمام صحابۂ کرامؓ سے رضاکارانہ تعاون حاصل فرمایا اور صرف اسلامی نظام کے قیام کے بعد ہی کارکنوں کو فارغ کیا گیا تو کیا جماعت اسلامی اس سنت کی خلاف ورزی تو نہیں کر رہی ہے؟

جواب ——— دراصل اس کے لئے لفظ سنت کا استعمال صحیح نہیں ہے، یہ تو تدبیر کا معاملہ ہے جس میں حالات اور ضروریات کے لحاظ سے کوئی مناسب طریق کار اختیار کیا جا سکتا ہے۔ مکہ معظمہ میں جب تک حضور رہے، طریق کار یہ تھا کہ جو لوگ کچھ مال رکھتے تھے وہ ان لوگوں کی مدد کرتے تھے جو اپنا بار آپ نہ اٹھا سکتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود وہ سارا مال اللہ کی راہ میں صرف فرمایا جو نبوت سے پہلے آپ کے پاس تھا۔ حضرت ابوبکرؓ اور دوسرے خوشحال مسلمانوں نے بھی اپنی دولت اس کام میں صرف کی۔

اسلام قبول کرنے والوں میں ایسے اصحاب بھی تھے، جن کے ذرائع معیشت ظالموں نے ختم یا تنگ کر دیئے تھے اور ایسے نوجوان بھی تھے جنھیں ان کے گھر والوں نے نکال دیا تھا اور وہ بے سہارا رہ گئے تھے۔ ان سب لوگوں کے لئے چاہے باقاعدہ مشاہرے نہ مقرر نہ کئے گئے ہوں، لیکن ان کی کفالت کسی نہ کسی طرح کی جاتی تھی ورنہ ظاہر بات ہے کہ وہ خوراک اور لباس کے بغیر تو نہیں رہ سکتے تھے۔ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں بھی ایک مدت تک یہ صورت رہی کہ جو لوگ کفالت کے محتاج تھے اور خود اپنی روزی نہ کما سکتے تھے ان کی کفالت دوسرے اصحاب اپنی استطاعت کے مطابق کرتے رہتے تھے۔ سورۂ بقرہ میں انفاق فی سبیل اللہ کا بہترین مصرف مسلمانوں کو یہ بتایا گیا کہ ان غریب لوگوں کی مدد کی جائے جو اللہ کی راہ میں ایسے گھر گئے ہیں جو اپنی ذاتی کسب معاش کے لئے زمین میں دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے۔"

(اَلَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا

یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ)۔
ان غریبوں کے اللہ کی راہ میں گھر جانے کا مطلب دین کے کام میں اُن کا اس طرح مشغول ہو جانا تھا کہ وہ چل پھر کر اپنی روزی کمانے کی فرصت نہ رکھتے تھے اور ایسے ذرائع بھی ان کو حاصل نہ تھے کہ وہ گھر سے کھا کر خدا کا کام کر سکیں۔ بعد میں جب اللہ تعالیٰ نے غنیمت اور فے کے اموال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرما دیئے تو ان کا ایک مصرف ایسے خادمانِ دین کی کفالت بھی تھا۔ پھر جن لوگوں کو حضورؐ نے امیر، عامل، یا محصل زکوٰۃ وغیرہ مناصب پر مقرر کیا تو ان کے باقاعدہ مشاہرے بھی مقرر فرمائے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ نے مختلف زمانوں میں مختلف حالات کے لئے جو تدبیر موزوں سمجھی وہ اختیار فرمائی۔ ان میں سے کسی تدبیر کو بھی ایسی سنت قرار نہیں دیا جا سکتا جس کی پابندی ہر حال میں لازم۔ جماعتِ اسلامی میں فارغ کارکن صرف اسی صورت میں مقرر کئے گئے ہیں، جبکہ جز وقتی کارکنوں کی رضاکارانہ خدمات سے باقاعدگی کے ساتھ کام نہ چل سکتا ہو، اور ہمہ وقتی خدمات کے لئے ایسے کارکن بھی نہ مل سکتے ہوں جو گھر سے کھا کر اپنا سارا وقت خدا کے کام میں صرف کر سکیں۔

ہم جیسے کمزور لوگوں کے ہاتھوں اسلامی نظام کیسے برپا ہوگا اور کتنے دن چل سکے گا؟

سوال "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت جن کے ہاتھوں اسلامی انقلاب برپا ہوا، انکے تقویٰ، قناعت، کفایت شعاری، جانی و مالی ایثار، توکل علی اللہ اور شوق شہادت کا معیار اتنا اونچا تھا کہ جس کا نمونہ موجودہ تحریک اسلامی کے کارکنوں میں پایا جانا تو درکنار اس کا سواں حصہ بھی نایاب ہے۔ کس طرح ممکن ہے کہ وہ مہم سر کی جا سکے جو صحابہ نے سر کی ہے پھر ایسے بلند مرتبہ رہنماؤں اور کارکنوں کے ہاتھوں جو اسلامی انقلاب برپا ہوا وہ بھی معیاری صورت میں ۳۰ سال ہی چل سکا، صرف اس لئے کہ بعد میں آنے والے لوگوں کے درمیان پہلے صحابہؓ جیسے لوگ نہ تھے۔ اب جس معیار کے رہنما اور کارکن تحریک اسلامی میں ہیں ان کے ہاتھوں وہ انقلاب برپا ہونا اول تو سخت مشکل ہے، اور اگر وہ برپا ہو بھی جائے تو شاید ۳۰ دن بھی نہ چل سکے گا۔"

جواب ——— یہ سوال تو ایک پورا خطبہ ہے تحریکِ اسلامی کے کارکنوں کو اپنے نصب العین سے مایوس کر دینے کیلئے اگر اس کا مقصد خود مایوس ہونا اور دوسروں میں مایوسی پیدا کرنا نہیں ہے، تو اس معاملہ پر اچھی طرح سوچنے اور غور کرنے کی ضرورت ہے۔ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جتنے اعلیٰ درجے کے مربی تھے اور جیسا بلند ترین نمونہ حضورؐ نے اپنی زندگی کا لوگوں کے سامنے پیش کیا، اس طرح کا کوئی رہنما قیامت تک مسلمانوں کو میسر نہیں آسکتا۔ اسی طرح حضورؐ کی تعلیم و تربیت کی بدولت جیسے اعلیٰ درجہ کے کارکن دعوتِ اسلامی کی خدمت انجام دینے کیلئے اس وقت تیار ہوئے تھے، اس پائے کے کارکن بھی تیار کر لینا کسی کے بس میں نہیں ہے۔

اب کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم دینِ حق قائم کرنے کی کوشش ہی نہ کریں؟ اگر اس کام سے رک جانے کے لئے یہی دلیل استعمال کی جائے تو اس کے دو ہی نتیجے نکل سکتے ہیں یا تو دینِ باطل دنیا میں قائم ہوا اور ہم اس کے تابع بن کر رہیں۔ یا پھر خود بھی دینِ باطل کے قائم کرنے میں لگ جائیں تاکہ دنیوی لذات اور فوائد و منافع سے تو اچھی طرح شادکام ہو سکیں۔ اس کے لئے کسی قسم کی بھی اخلاقی بلندی درکار نہیں ہے صرف پستی کی طرف گرنا ہی ہے جو کسی محنت اور کوشش کے بغیر بآسانی ہو سکتا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ جو لوگ نیک نیتی کے ساتھ وہ غلط طرزِ فکر اختیار کرتے ہیں جو اس سوال کے اندر مضمر ہے، انھوں نے کبھی اس پر غور نہیں کیا کہ یہ طرزِ فکر آخر کار ہمیں کہاں پہنچا کر چھوڑتا ہے۔ اس کے بجائے اگر وہ صحیح

طور پر سوچتے تو سیدھی راہ خود بخود ان کے سامنے واضح ہو جاتی ایک مومن کے لئے سیدھی راہ یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام جس بلندی پر پہنچے ہوئے نظر آتے ہیں اس کی طرف چڑھنے کے لئے وہ جتنی کوشش کرسکتا ہے کرے اور عمر بھر کرتا چلا جائے اور اپنی طرف سے اس میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھے اس بلندی پر چڑھتے ہوئے اگر کوئی شخص تھک کر راستہ میں گر جائے اور وہیں مر جائے تو وہ کامیاب ہے۔ لیکن اگر ایک آدمی یہ دیکھ کر کہ چڑھائی بہت اونچی ہے کھڈ کی طرف جانا شروع کرے تو جائیگا بڑی آسانی سے لیکن گرے گا بھی ایسی جگہ جہاں اس کا پرزہ پرزہ بکھر کر رہ جائے گا۔

قرآن پاک کو آپ غور سے پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ انسان کو سیرت و اخلاق کی بلندیوں پر چڑھنے سے مایوس نہیں کرتا بلکہ اس کی ہمت افزائی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:۔

"فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ"

"جس نے راہ خدا میں مال دیا اور خدا کی نافرمانی سے پرہیز کیا اور بھلائی کو سچ مانا اس کو ہم آسان راستے کی سہولت دیں گے"۔

بلکہ اللہ تعالیٰ کا صریح وعدہ ہے کہ:۔

"وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا"

"جو لوگ ہماری راہ میں جدوجہد کریں گے ان کو اپنے راستوں کی ہدایت ہم خود دیں گے"۔

لہٰذا آپ اللہ کی راہ میں جان لڑائیں اور اسی سے توفیق مانگتے رہیں اپنی ایک ایک کمزوری کو سمجھیں اور اسے دور کرنے کی کوشش کریں۔ اپنے اندر جو بہتر صلاحیتیں پائیں ان کو بھی اچھی طرح سمجھیں اور ان کو ترقی دینے کی کوشش کریں۔

اس تزکیہ نفس میں قرآن و حدیث اور سیرت پاک اور صحابہ و اخیار امت کی سیرتیں پڑھنے سے بھی بڑی مدد مل سکتی ہے اور اگر جماعت کے سب افراد اس کوشش میں لگے ہوئے ہوں تو وہ سب بھی ایک دوسرے کے مددگار بن سکتے ہیں۔ اسی طرح اپنے آپ کو پستیوں سے اٹھانے اور بلندیوں کی طرف لے جانے کی جتنی کوشش بھی آپ اللہ کے بھروسہ پر کریں گے اتنے ہی بلند مراتب پر اللہ تعالیٰ آپ کو پہنچا دیں گے کیونکہ یہ اس کا وعدہ ہے اور وہ اپنے وعدے کے خلاف کرنے والا نہیں ہے۔

اس کے ساتھ یہ بھی سمجھ لیجئے کہ اللہ کے دین کو قائم کرنے کی کوشش کرنا بجائے خود بھی انسان کی اصلاح و ترقی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ اسلام میں جو اخلاقی بلندی مطلوب ہے وہ باطل کے مقابلے میں لڑنے اور حق قائم کرنے کی کوشش میں جان لڑانے ہی سے حاصل ہوتی ہے، صحابہ کرام کی جس بلندی مدارج کو دیکھ کر آپ پر حیرت اور مایوسی کا عالم طاری ہونے لگتا ہے وہ کسی گوشۂ عزلت میں چلے کاٹنے کا ثمرہ نہ تھی بلکہ اللہ کی راہ میں مار کھانے اذیتیں سہنے، قیدیں برداشت کرنے، بھوکے مرنے، نقصانات اٹھانے، خطرات کا سامنا کرنے اور جان و مال کی قربانیاں دینے سے حاصل ہوئی تھی۔ آدمی کو اللہ اور اس کے دین سے عشق نہ ہو تو وہ اس وادی پرخطر میں اتر ہی نہیں سکتا اور جب وہ اس میں اترتا ہے تو ہر چوٹ کھا کر اس کا عشق بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہی عشق ان بندگان خدا کو اتنی بلندیوں پر اٹھا لے گیا۔ آپ باطل سے لڑنے اور اس کی جگہ حق قائم کرنے کے لئے سردھڑ کی بازی لگائیں گے تو اللہ آپ کے ساتھ کسی بخل سے کام نہ لے گا۔

اب رہا یہ خیال کہ ہم جیسے کمزور لوگوں کے ہاتھوں اسلامی نظام کا برپا ہو جانا ہی سخت مشکل ہے اور اگر وہ ہو بھی جائے تو تیس سال کجا، تیس دن بھی قائم نہ رہ سکے گا، تو اس کے متعلق میں بس اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ آپ کے اوپر اسلامی نظام برپا کر دینے کی ذمہ داری نہیں ڈالی گئی ہے، بلکہ اس کے لئے جان لڑانے کی ذمہ داری ہی ڈالی گئی ہے۔ اس کا برپا ہونا یا نہ ہونا اللہ تعالیٰ کی مشیئت پر موقوف ہے، اور یہ بھی

اللہ کی مشیت ہی پر منحصر ہے کہ وہ قائم ہو تو کب تک چلے اور کب تک نہ چلے۔ لہٰذا ان باتوں کو سوچ سوچ کر تفکر دلی میں مبتلا ہو جانا درست نہیں ہے۔ آپ کے کرنے کا جو کام ہے اسے اپنی حد تک زیادہ سے زیادہ بہتر طریقے سے کرنے کی کوشش کریں، اور اللہ کے کرنے کا جو کام ہے اسے اللہ پر چھوڑ دیں۔

فارغ کارکنوں کی الجھن

سوال ——— تحریک اسلامی کے فارغ کارکن بالعموم اس الجھن کو محسوس کرتے ہیں کہ ان کے روزمرہ کے کام کا نتیجہ محسوس طور پر یا اعداد و شمار میں واضح طور پر ظاہر نہیں ہوتا۔ بعض اوقات دن بھر میں ایک ہی ملاقات ہوتی ہے یا سفر کر کے دور دراز مقامات میں جانے کے بعد مجوزہ پروگرام نہیں بنتا یا آدمی نہیں ملتا۔ تحریک کے رفقا توقع رکھتے ہیں کہ جب ایک کارکن فارغ کر دیا گیا ہے تو کام کا نتیجہ محسوس طور پر اعداد و شمار میں آنا چاہیئے، اس الجھن کا علاج کیا ہے۔؟

جواب ——— اس الجھن کے دو پہلو ہیں، اور دونوں پہلوؤں کا علاج ہونا چاہیئے۔ ایک پہلو تو ہے اس شخص کی الجھن کا جو فارغ کارکن ہے، اور ایک پہلو ہے ان لوگوں کی الجھن کا جو اس کارکن کو تحریک کا کام کرنے کے لئے فارغ کرتے ہیں، اس کی کفالت کے لئے مال فراہم کرتے ہیں، اور اسکے بعد یہ دیکھتے ہیں کہ وہ کام کر رہا ہے یا نہیں اور اگر کر رہا ہے تو کس طرح کر رہا ہے۔

جہاں تک پہلی چیز کا تعلق ہے سب سے پہلے ہر فارغ کارکن کو خود اپنا بے لاگ محاسبہ کر کے دیکھنا چاہیئے کہ جب میں اسلام کے کام کے لئے فارغ کیا گیا ہوں اور میری ضروریات کا بوجھ جماعت نے اپنے ذمہ لے لیا ہے تو کیا میں اس کا حق ادا کر رہا ہوں؟ یہ محاسبہ اسے عند اللہ اپنی جوابدہی کا احساس کرتے ہوئے کرنا چاہیئے۔ اگر اس کا اپنا ضمیر کہے کہ ادائے حق میں وہ کوتاہی کر رہا ہے تو اسے خود اپنی اصلاح کرنی چاہیئے، خواہ جماعت اس کا محاسبہ کرے یا نہ کرے، کوئی اور جانے یا نہ جانے، وہ خدا تو اس کی کوتاہی کو جانتا ہے جو عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ جماعت کو وہ بڑے معقول دلائل سے مطمئن کر سکتا ہے، مگر خدا کو تو کسی طرح دھوکا نہیں دے سکتا۔ اسے اس سارے معاملہ پر اس لحاظ سے سوچنا چاہیئے کہ اس وقت وہ کیا جواب دے گا۔ جب اس سے پوچھا جائیگا کہ اللہ کے بندے تیرے لئے ضروریات زندگی فراہم کرنے کا انتظام بھی کر دیا گیا اور ہمارے کام کے لئے تجھے فکرِ معاش سے بھی فارغ کر دیا گیا، پھر بھی تو نے اس کام میں جان نہ لڑائی۔ اس طرح اپنا محاسبہ کر کے ہر فارغ کارکن اپنی الجھن کو خود دور کر سکتا ہے۔

رہی ان لوگوں کی الجھن جو اسے فارغ کرتے ہیں، تو ان کو سمجھنا چاہیئے کہ یہ کوئی معمار کا کام تو ہے نہیں کہ روز آپ آکر گن لیں کہ آج کتنی اینٹیں رکھی گئیں۔ اس حساب سے اگر آپ نے دیکھنا شروع کیا تو ظاہر بات ہے کہ کوئی فارغ کارکن بھی، امیر جماعت سمیت اس قابل نہیں رہے گا کہ اپنے کام سے آپ کو مطمئن کر سکے۔ آپ کو صرف یہ دیکھنا چاہیئے کہ فارغ کارکن اپنا وقت اور اپنی محنت فرض شناسی اور دل کی لگن کے ساتھ اسی کام میں صرف کر رہا ہے یا نہیں جس کے لئے اُسے فارغ کیا گیا ہے؟ وہ فضول کاموں میں تو اپنا وقت ضائع نہیں کر رہا ہے؟ وہ جماعت سے معاوضہ لے کر اپنے ذاتی مقاصد کے لئے دوڑ دھوپ کرنے میں تو لگا نہیں رہتا؟ ایسی کوئی شکایت اس سے نہ ہو تو آپ اس لحاظ سے اس کے کام کو نہ جانچیں کہ اس کی کوششوں سے نتائج کس قدر برآمد ہوئے ہیں۔ یہ کام تو ایسا ہے کہ بسا اوقات ہفتوں اور مہینوں ہی نہیں، برسوں ایک شخص اپنی جان کھپاتا رہتا ہے اور پھر بھی ایسے نتائج برآمد نہیں ہوتے جنہیں ناپ کر اور تول کر دیکھا جا سکے۔ دعوت ہزارہا آدمیوں تک پہنچائی جاتی ہے مگر صرف چند آدمی اُسے قبول کرتے ہیں، اور ان کے بارے میں بھی یہ ضمانت کسی کے پاس نہیں ہوتی کہ وہ کتنے مخلص ثابت ہوتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے خود اپنے انبیاء کو بھی ان کی مساعی کے نتائج اور ماحصل کے لحاظ سے نہیں جانچا ہے۔ بلکہ صرف اس لحاظ سے جانچا ہے کہ انہوں نے اپنا فرض کما حقہ ادا کر دیا ہے یا نہیں نتائج کے لحاظ سے پرکھا جاتا تو معاذ اللہ وہ انبیاء تک ناکام قرار پاتے جن کی کوششوں سے کوئی ایک شخص بھی ایمان نہ لایا۔ حضرت لوط ہی کی مثال دیکھ لیجیے جن کے متعلق قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ

"فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ"۔

"ہم نے وہاں ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا۔"

اور یہ گھر خود حضرت لوط کا تھا جس میں ان کی بیوی تک عذاب کی مستحق پائی گئی۔

جماعت پر جمود کیوں طاری ہے؟ اور اس کا علاج کیا ہے؟

سوال — ایک طرف تحریک اسلامی پورے عالم میں تیزی کے ساتھ متعارف ہو رہی ہے حتیٰ کہ کمیونسٹ ممالک میں بھی اس کی گونج سنائی دے رہی ہے، دوسری طرف پاکستان میں یہ بات بہت بری طرح کھٹکتی ہے کہ یہاں جماعت کے لوگوں اور خصوصاً ارکان کے اندر جمود کی کیفیت طاری ہے اور اکثر حضرات کی کیفیت بالکل ویسی ہو چکی ہے جیسی نسلی مسلمان کی ہے، یہ بات تحریک کے مستقبل کے بارے میں کسی لحاظ سے حوصلہ افزا نہیں ہے۔ اس رجحان کو بروقت روکنے کی کوشش نہ کی گئی تو خدانخواستہ آج تک کی تمام کوششوں پر پانی پھر جانے کا خطرہ ہے آپ کے نزدیک اس کیفیت کے طاری ہونے کے کیا اسباب ہو سکتے ہیں اور اس کے مداوا کے لیے کونسی تدبیر موثر ہو سکتی ہے؟

جواب — اس سوال میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں جو باہم متناقض ہیں، ایک بات یہ کہی گئی ہے کہ تحریک اسلامی پورے عالم میں تیزی کے ساتھ متعارف ہو رہی ہے، اور دوسری بات یہ کہ پاکستان میں جماعت پر جمود طاری ہے — سوال یہ ہے کہ اگر یہاں جمود طاری ہے، تو سارے عالم میں تحریک اسلامی تیزی کے ساتھ کیسے پھیل رہی ہے اور کون پھیلا رہا ہے، میں آغاز ہی میں اس تناقض کی طرف اس لئے توجہ نہیں دلا رہا ہوں کہ آپ کو کسی غلط قسم کی خود اعتمادی میں مبتلا کروں، بلکہ میرا مدعا لوگوں کو صرف یہ احساس دلانا ہے کہ اپنے کام کا جائزہ لیتے وقت نہ مثبت پہلو میں مبالغہ سے کام لینا چاہئے اور نہ منفی پہلو میں۔

بسا اوقات آدمی خود جامد ہوتا ہے اور اپنا جمود اسے ساری جماعت میں نظر آنے لگتا ہے، بسا اوقات آدمی بہت زیادہ پرجوش ہوتا ہے اور جماعت کو جب وہ اپنی توقعات اور تمناؤں کے مطابق تیز رفتار نہیں پاتا تو کہتا ہے کہ اس پر جمود طاری ہے۔

بسا اوقات ایک شخص اپنے ذہن میں کام کا کوئی خاص نقشہ یا تصور رکھتا ہے اور جب جماعت اس نقشے یا تصور پر کام کرتی نظر نہیں آتی تو وہ خیال کرتا ہے کہ جماعت کوئی کام نہیں کر رہی ہے۔

اس طرح کے مبالغوں سے بچتے ہوئے جماعت کے فرد کو بھی اور پوری جماعت کو بھی بے لاگ جائزہ لینا چاہئے کہ کیا فی الواقع وہ جمود میں مبتلا ہے؟ اور اگر ہے تو اس کا سبب کیا ہے؟

اس کا ایک سبب یہ ہو سکتا ہے کہ جماعت کے لوگ اس عہد ہی کو فراموش کر گئے ہوں جو جماعت میں داخل ہوتے وقت انھوں نے اپنے خدا سے کیا تھا۔ یہ سبب اگر خدانخواستہ واقعی موجود ہے تو ہم سب کو اور ہم میں سے ہر ایک کو سوچنا چاہئے کہ اپنے رب کے ساتھ یہ عہد ہم نے کسی مجبوری سے کیا تھا یا برضا و رغبت

بے سوچے سمجھے کیا تھا یا خوب سوچ سمجھ کر پورے شعور کے ساتھ کسی دنیوی غرض کے لئے کیا تھا یا اپنے ایمان کا تقاضا سمجھ کر خالص اللہ کی رضا کے لئے ؟ میں نہیں سمجھتا کہ ہم میں سے کوئی ایک شخص بھی ایسا ہوگا جس نے برضا و رغبت پورے شعور کے ساتھ اور محض اللہ کی رضا کیلئے اپنے ایمان کا تقاضا سمجھ کر یہ عہد نہ کیا ہو۔ پھر جب واقعہ بھی ہے تو اس راہ میں جمود کیسا ؟ کیا ہمارے ایمان کے تقاضے اب بدل گئے ہیں ؟ کیا اللہ کی رضا ہمیں اب مطلوب نہیں رہی ؟ یا ہماری رائے اب یہ نہیں رہی کہ اللہ کی زمین پر اس کے دین کو قائم کرنا ہمارا مقصد ہے ؟ ان سوالات کو اپنے ذہن میں رکھ کر ہم میں سے ہر شخص اگر روزانہ ایک مرتبہ بھی اپنے نفس کا جائزہ لیتا رہے تو جمود تو درکنار اس کا تصور اور اس کا اندیشہ تک باقی نہ رہے گا۔

جمود کا دوسرا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ جماعت کو درست رکھنے کے لئے ابتدا سے محاسبہ و تنقید اور اصلاح و تطہیر کا جو طریقہ رکھا گیا تھا اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا گیا ہو۔ اس طریقے کو مقرر کرنے کا تو مقصد ہی یہ تھا کہ جماعت میں جہاں بھی کوئی خرابی پیدا ہو رہی ہو اس کا بروقت نوٹس لیا جائے اور اسے رفع کئے بغیر نہ چھوڑا جائے جو شخص بھی غلط سمت پڑ رہا ہو یا غلط روش پر چل پڑا ہو بلا تاخیر اس کی اصلاح کی کوشش کی جائے، اور اصلاح نہ ہو سکے تو اسے رخصت کر دیا جائے۔ اگر یہ کام برابر ہوتا رہے تو جماعت میں ہمیشہ تطہیر کا عمل جاری رہے گا۔ اور اس کے اندر غلط قسم کے آدمی نہ رہنے پائیں گے۔ غلط قسم کے آدمیوں کا جماعت میں موجود ہونا بہر صورت نقصان دہ ہے، وہ اگر فعال نہ بھی ہوں تو ان کی چھوت رفتہ رفتہ دوسروں لگتی چلی جاتی ہے اور اگر غلط ہونے کے ساتھ فعال بھی ہوں تو ان کی ساری سرگرمیاں اس کام میں صرف ہوتی ہیں کہ جس بیماری میں خود مبتلا ہوں اسے ساری جماعت میں پھیلائیں اس طرح کے آدمی جہاں بھی موجود ہوں فوراً اس کا محاسبہ کیجئے پھر یا تو وہ ٹھیک ہو جائیں گے یا جماعت سے انھیں نکلنا پڑیگا جماعت کو صحت مند رکھنے کے لئے یہ عمل جاری رکھنا نہایت ضروری ہے۔ اس میں آپ تساہل سے کام لیں گے تو آئے دن آپ کو بربنائے کن مسائل سے سابقہ پیش آتا رہے گا۔

مشرقی پاکستان میں جماعت اسلامی کیوں عذاب الٰہی میں مبتلا ہوئی ؟

سوال ——— "قانون قدرت ہے کہ اصلاح کا کام کرنے والوں کو عذاب سے بچا لیا جاتا ہے مگر مشرقی پاکستان میں جماعت اسلامی کا سب سے زیادہ جانی اور مالی نقصان ہوا ہے"؟

جواب ——— اللہ تعالیٰ نے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ امت دین کے لئے کام کرنے والے کبھی زخمی نہیں ہوں گے، کبھی شہید نہیں ہوں گے اور کبھی انھیں کسی قسم کی زک نہ اٹھانی پڑے گی۔ اگر ایسا وعدہ اللہ تعالیٰ کر چکا ہوتا تو اس کے دین کا کام کرنے کے لئے لاکھوں کروڑوں آدمی بڑے اطمینان کے ساتھ کھڑے ہو جاتے۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ حق و باطل کی کشمکش میں اگر اہل حق کو جان و مال کا نقصان اٹھانا پڑے یا وہ شکست کھا جائیں اور اہل باطل کو غلبہ نصیب ہو جائے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اہل حق پر عذاب الٰہی نازل ہوا ہے۔ جماعت اسلامی کے کچھ لوگ مشرقی پاکستان میں تھے انھوں نے جب دیکھا کہ ان کا ملک صریحاً کفر کی گود میں جا رہا ہے تو انھوں نے اسے روکنے کے لئے اپنی جانیں لڑا دیں۔ ہزاروں شہید ہوئے، ہزاروں زخمی ہوئے، کثیر تعداد گرفتار ہوئی جسے سخت اذیتیں برداشت کرنی پڑیں، اور مالی مصائب سے تو کوئی بھی نہ بچا۔ اس کے باوجود وہ کفر کے غلبہ کو نہ روک سکے۔ یہ ان کے حق میں ہرگز عذاب الٰہی نہیں ہے، بلکہ ان کا اجر خدا کے ہاں ثابت ہے۔ اور

بات صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ ان کا عمل خدا کے ہاں ضائع نہیں ہوا بلکہ اپنی محنتوں اور قربانیوں سے انھوں نے جو بیج بوئے ہیں وہ دنیا میں بھی ضائع نہیں ہوئے، وہ پھل لا رہے ہیں اور آگے جانے والوں کے پیچھے جو لوگ بچے رہ گئے ہیں وہ خدا کے فضل سے اس فصل کو کاٹنے اور مزید فصل بونے میں لگے ہوئے ہیں۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی پر کچھ زیادہ دن نہ گذرے تھے کہ وہاں لوگوں کی آنکھیں کھلنی شروع ہوگئیں اور بڑے بڑے پُرجوش بنگلہ دیشیوں کا جوش بھی ٹھنڈا پڑ گیا۔ اب وہ جماعت کے لوگوں سے مل کر صاف صاف اعتراف کر رہے ہیں کہ ہم دھوکا کھا گئے۔ اور صحیح بات وہی تھی جو آپ کہہ رہے تھے: "جماعت اسلامی" اگرچہ وہاں باقی نہیں رہی ہے، کیونکہ ایک سرکاری جماعت کے سوا دوسری سب جماعتیں خلاف قانون ہو چکی ہیں لیکن جماعت کے لوگ موجود ہیں، اور وہ برابر اپنا فرض انجام دئیے جا رہے ہیں آج وہاں کے لوگوں کا رجوع ان کی طرف پہلے سے زیادہ ہے کیونکہ تجربے نے ان کو کھوٹے اور کھرے کا فرق اچھی طرح بتا دیا ہے۔

میں مشرقی پاکستان کے بارے میں یہ باتیں صرف آپ کے اطمینان کے لئے بیان نہیں کر رہا ہوں، بلکہ اس سے بڑھ کر میرا مقصد عذاب الٰہی کے اس غلط تصور کو آپ کے ذہن سے مٹاتا ہے جو اس سوال میں پایا جاتا ہے۔ خدانخواستہ اگر کبھی ایسا وقت آ جائے کہ کفر کے ہجوم کا خطرہ پاکستان کے اس حصے کو بھی لاحق ہو جائے تو آپ اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ اصلاح کا کام کرنے والے تو عذاب الٰہی سے بچا ہی لئے جاتے ہیں، پھر جہاد کی کیا ضرورت؟ اور یہ غلط فہمی بھی آپ کو لاحق نہ ہو کہ اس سرزمین کو کفر کی گود میں جانے سے بچانے کے لئے اگر جماعت اسلامی کو اپنے مشرقی پاکستانی رفقاء کی طرح قربانیاں دینی پڑیں تو یہ گویا خدا کے عذاب میں مبتلا ہونا ہوگا۔ یہ دونوں باتیں سراسر غلط ہیں۔ اسلام کے گھر کو بچانے کے لئے ہمیں اپنا خون آخری قطرہ تک بہا دینا ہوگا۔ اور یہ یقیناً جہاد فی سبیل اللہ ہوگا جس میں جان دینا شہادت ہے نہ کہ عذاب۔ اور خدا کے فضل سے پورا اطمینان ہے کہ اگر اس راہ میں پوری جماعت بھی کٹ مرے تو خدا پرستی کے جو بیج یہاں بوئے گئے ہیں وہ ہرگز ضائع نہ ہوں گے۔

جماعت کے لئے پختہ مرکز کیوں؟

سوال —— "موجودہ حالات میں جماعت نے مرکز کی تعمیر میں بے تحاشا رقم خرچ کر کے اور پکی عمارات بنا کر دشمنوں کے طعنوں کا راستہ کھول دیا ہے۔ اگر یہی رقم دعوت و تحریک کے کام پر خرچ کرتے تو زیادہ بہتر تھا"۔

جواب —— اس معاملہ میں دو صورتوں میں سے ایک کا انتخاب کر لیجئے، ایک صورت یہ ہے کہ، آپ مرکز بنائیں اور کچا پکا بنا کر بیٹھ جائیں اس صورت میں دو تین سال وہ چلے گا پھر بار بار اس کی مرمت کی ضرورت پیش آئے گی اور ان مرمتوں کے اخراجات مستقل طور پر آپ کے بجٹ کا حصہ بنے رہیں گے، کبھی بارش کا طوفان آگیا اور آسمان کے ساتھ آپ کی چھتیں بھی برسنے لگیں تو آپ کا کتب خانہ آپ کے دفاتر کے کاغذات اور آپ کے دوسرے سامان الگ برباد ہوں گے اور مرمتوں کے غیر معمولی اخراجات آپ پر الگ آ پڑیں گے البتہ اس کا یہ فائدہ ضرور ہوگا کہ آپ اپنی غربت اور بیکسی کا نمونہ لوگوں کے سامنے پیش کرتے رہیں گے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں نے اس وقت تعمیر کے لئے جو مدد دی ہے اس سے فائدہ اٹھا کر پختہ عمارتیں بنا لیجئے تاکہ ستر اسی سال پھر تعمیرات کی ضرورت پیش نہ آئے اور مرمت کے مصارف بھی بہت کم ہوں ہمارے نزدیک یہ دوسری صورت زیادہ بہتر ہے۔ عمارتیں جو بنائی جا رہی ہیں وہ پختہ تو ضرور ہیں مگر انشاءاللہ بالکل سادہ ہوں گی۔ ان میں کوئی چیز ایسی نہ ہوگی جسے آرائش و زیبائش اور شان و شوکت کے بیجا اظہار سے تعبیر کیا جا سکے۔

اقامت دین کیلئے جمہوری طریقوں پر اصرار کیوں؟

سوال ——— "موجودہ حالات میں، جبکہ جمہوریت کے نام پر تمام جمہوری اداروں کی مٹی پلید کردی گئی ہے، ہر قسم کی آزادی سلب کرلی گئی ہے، بنیادی حقوق کچل کر رکھ دیئے گئے ہیں، جماعت اسلامی محض جمہوری طریقوں سے اسلامی نظام کیسے قائم کرسکے گی؟ کیا اس کے سوا اور کوئی طریقہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اختیار نہیں کیا جاسکتا"؟

جواب ——— جن حالات کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے، ان کو دیکھ کر فی الواقع بکثرت لوگ اس الجھن میں پڑ گئے ہیں کہ آیا جمہوری طریقوں سے یہاں کوئی تبدیلی لائی جاسکتی ہے یا نہیں، اور ایک اچھی خاصی تعداد یہ سمجھنے لگی ہے کہ ایسے حالات میں غیر جمہوری طریقے اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ یہ بجائے خود ہمارے حکمرانوں کی بہت بڑی نادانی ہے کہ انھوں نے لوگوں کو اس طرح سوچنے پر مجبور کردیا ہے لیکن ہم اس پوری صورت حال کو دیکھتے ہوئے اور اس کی پیدا کردہ تمام صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے بھی اپنی اس رائے پر قائم ہیں کہ اسلامی نظام جیسے برپا کرنے کے لئے ہم اٹھے ہیں جمہوری طریقوں کے سوا کسی دوسری صورت سے برپا نہیں ہوسکتا، اور اگر کسی دوسرے طریقے برپا کیا بھی جاسکے تو وہ دیر پا نہیں ہوسکتا۔

اس معاملہ کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے آپ جمہوری طریقوں کا مطلب واضح طور پر جان لیں غیر جمہوری طریقوں کے مقابلہ میں جب جمہوری طریقوں کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ نظام زندگی میں جو تبدیلی بھی لانا، اور ایک نظام کی جگہ جو نظام بھی قائم کرنا مطلوب ہو، اسے زور زبردستی سے لوگوں پر مسلط نہ کیا جائے، بلکہ عامۃ الناس کو سمجھا کر اور اچھی طرح مطمئن کرکے انھیں ہم خیال بنایا جائے اور انکی تائید سے اپنا مطلوبہ نظام قائم کیا جائے۔ اس کے لئے یہ لازم نہیں ہے کہ عوام کو اپنا ہم خیال بنالینے کے بعد غلط نظام کو صحیح نظام سے بدلنے کے لئے ہر حال میں صرف انتخاب ہی پر انحصار کرلیا جائے۔ انتخابات اگر ملک میں آزادانہ ومنصفانہ ہوں اور ان کے ذریعہ سے عام لوگوں کی رائے نظام کی تبدیلی کے لئے کافی ہو تو اس سے بہتر کوئی بات نہیں۔ لیکن جہاں انتخابات کے راستے سے تبدیلی کا آنا غیر ممکن بنادیا گیا ہو۔ وہاں جباروں کو ہٹانے کے لئے رائے عامہ کا دباؤ دوسرے طریقوں سے ڈالا جا سکتا ہے، اور ایسی حالت میں وہ طریقے پوری طرح کارگر بھی ہوسکتے ہیں جبکہ ہر شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی بھاری اکثریت اس بات پر تل جائے کہ: جباروں کا من مانا نظام ہرگز نہ چلنے دیا جائے گا اور اس کی جگہ وہ نظام قائم کرکے چھوڑا جائے گا جس کے صحیح و برحق ہونے پر لوگ مطمئن ہوچکے ہیں۔ نظام مطلوب کی مقبولیت جب اس مرحلہ تک پہنچ جائے تو اس کے بعد غیر مقبول نظام کو عوام کے دباؤ سے بدلنا قطعاً غیر جمہوری نہیں ہے، بلکہ ایسی حالت میں اس نظام کا قائم رہنا سراسر غیر جمہوری ہے۔

اس تشریح کے بعد آپ کے لئے یہ سمجھنا کچھ مشکل نہ رہے گا کہ ہم اسلامی نظام برپا کرنے کے لئے جمہوری طریقوں پر اس قدر زور کیوں دیتے ہیں۔ کوئی دوسرا نظام مثلاً کمیونزم لوگوں پر زبردستی ٹھونسا جاسکتا ہے بلکہ اس کے قیام کا ذریعہ ہی جبر اور جبّاریت ہے، اور خود اس کے ائمہ اعلانیہ یہ کہتے ہیں کہ انقلاب بندوق کی گولی ہی سے آتا ہے۔ استعماری نظام اور سرمایہ دارانہ نظام اور فسطائی نظام بھی رائے عام کی تائید کے محتاج نہیں ہیں بلکہ رائے عام کو طاقت سے کچل دینا اور اس کا گلا گھونٹ دینا ہی ان کے قیام کا ذریعہ ہے۔ لیکن

اسلام اس قسم کا نظام نہیں ہے۔ وہ پہلے لوگوں کے دلوں میں ایمان پیدا کرنا ضروری سمجھتا ہے، کیونکہ ایمان کے بغیر لوگ خلوص کے ساتھ اسکے بتائے ہوئے راستوں پر نہیں چل سکتے۔ پھر وہ اپنے اصولوں کا فہم اور ان کے برحق ہونے پر اطمینان بھی عوام کے اندر ضروری حد تک اور خواص (خصوصاً کارفرماؤں میں) کافی حد تک پیدا کرنا لازم سمجھتا ہے، کیونکہ اس کے بغیر اس کے اصول و احکام کی صحیح تنفیذ ممکن نہیں ہے۔ اس کے ساتھ وہ عوام و خواص کی ذہنیت، اندازِ فکر، اور سیرت و کردار میں بھی اپنے مزاج کے مطابق تبدیلی لانے کا تقاضہ کرتا ہے کیونکہ یہ نہ ہو تو اس کے پاکیزہ اور بلند پایہ اصول و احکام اپنی صحیح روح کے ساتھ نافذ نہیں ہو سکتے۔

یہ جتنی چیزیں میں نے بیان کی ہیں، اسلامی نظام کو برپا کرنے کے لئے سب کی سب ضروری ہیں، اور ان میں سے کوئی چیز بھی جبراً لوگوں کے دل و دماغ میں نہیں ٹھونسی جا سکتی، بلکہ ان میں سے ہر ایک کے لئے ناگزیر ہے کہ تبلیغ، تلقین اور تفہیم کے ذرائع اختیار کر کے لوگوں کے عقائد و افکار بدلے جائیں، انکے سوچنے کے انداز بدلے جائیں، ان کی اقدار (VALUES) بدلی جائیں ان کے اخلاق بدلے جائیں، اور ان کو اس حد تک ابھار دیا جائے کہ وہ اپنے اوپر جاہلیت کے کسی نظام کا تسلط برداشت کرنے کے لئے تیار نہ ہوں۔ یہی وہ چیز ہے جس کے متعلق ہم کہتے ہیں کہ جمہوری طریقوں کے سوا اس کے حصول کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے۔ اور آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ اسلامی نظام کو عملاً برپا کر دینے کے لئے کوئی اقدام اس وقت تک نہیں کیا جا سکتا جب تک اس مقصد کے لئے کام کرنے والوں کو اس نوعیت کی عوامی تائید حاصل نہ ہو جائے۔

شاید آپ میری یہ باتیں سنکر سوچنے لگیں گے کہ اس لحاظ سے تو گویا ابھی ہم اپنی منزل کے قریب ہونا درکنار، اس کی راہ کے صرف ابتدائی مرحلوں میں ہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ آپ افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اپنے آج تک کے کام کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیں، جمہوری طریقوں سے کام کرتے ہوئے آپ پچھلے ۲۴ سال میں تعلیم یافتہ طبقے کی بڑی اکثریت کو اپنا ہم خیال بنا چکے ہیں اور یہ لوگ ہر شعبۂ زندگی میں موجود ہیں۔ نئی نسل جو اب تعلیم پاکر اٹھ رہی ہے اور جیسے آگے چل کر ہر شعبۂ زندگی کو چلانا ہے وہ بھی جاہلیت کے علمبرداروں کی ساری کوششوں کے باوجود زیادہ تر آپ کی ہم خیال ہے۔

اب آپکے سامنے ایک کام تو یہ ہے کہ تعلیم یافتہ طبقے میں اپنے ہم خیالوں کی تعداد اسی طرح بڑھاتے چلے جائیں، اور دوسرا کام یہ ہے عوام کے اندر بھی نفوذ کر کے انکو اسلامی نظام برپا کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ تیار کرنے کی کوشش کریں، پہلے کام کے لئے لٹریچر کا پھیلانا آج تک جتنا مفید ثابت ہوا ہے اس سے بدرجہا زیادہ آئندہ مفید ثابت ہو سکتا ہے، اگر آپ اپنے ہم خیال اہلِ علم کے حلقے منظم کر کے مختلف علوم کے ماہرین سے مسائلِ حیات پر تازہ ترین اور محققانہ لٹریچر تیار کرانے کا انتظام کریں اور دوسرے کام کے لئے تبلیغ و تلقین کے دائرے وسیع کرنے کے ساتھ اصلاح خلق کی ہر ممکن کوشش کیجئے۔ آپ صبر کے ساتھ لگاتار اس راہ میں جتنی محنت کرتے چلے جائیں گے اتنی ہی آپ کی منزل قریب آتی چلی جائے گی۔

رہا یہ سوال کہ جب تمام جمہوری اداروں کی مٹی پلید کر دی گئی ہے، شہری آزادیاں سلب کر لی گئی ہیں اور بنیادی حقوق کچل کر رکھ دیئے گئے ہیں تو جمہوری طریقوں سے کام کیسے کیا جا سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام کا کام کرنے کے لئے کھلی ہموار شاہراہ تو کبھی نہیں ملی ہے۔ یہ کام تو جب بھی ہوا جبر و ظلم کے مقابلہ میں ہر طرح کی کڑیاں جھیل کر ہی ہوا، اور وہ لوگ کبھی یہ کام نہ کر سکے جو یہ سوچتے رہے کہ جاہلیت کے علمبرداروں کی اجازت یا ان کی عطا کردہ

سہولت ملے تو وہ راہ خدا میں پیش قدمی کریں۔

آپ جن برگزیدہ ہستیوں کے نقش پا کی پیروی کر رہے ہیں، انھوں نے اُس ماحول میں یہ کام کیا تھا جہاں جنگل کا قانون نافذ تھا اور کسی شہری آزادی یا بنیادی حق کا تصور تک موجود نہ تھا۔ اُس وقت ایک طرف دل موہ لینے والے پاکیزہ اخلاق، دماغوں کو مسخر کر لینے والے معقول دلائل اور انسانی فطرت کو اپیل کرنے والے اصول اپنا کام کر رہے تھے اور دوسری طرف جاہلیت کے پاس ان کے جواب میں پتھر تھے، گالیاں تھیں جھوٹے بہتان تھے اور کلمہ حق کہتے ہی انسانوں کی شکل میں درندے خدا کے ہر بندے پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ یہی چیز درحقیقت اسلام کی فتح اور جاہلیت کی شکست کا ذریعہ بنی۔ جب ایک معقول اور دل لگتی بات کو عمدہ اخلاق کے لوگ لے کر کھڑے ہوں، اور سخت سے سخت ظلم و ستم سہنے کے باوجود اپنی بات ہر حالت میں لوگوں کے سامنے پیش کرتے چلے جائیں تو لازمی طور پر اس کے تین نتائج رونما ہوتے ہیں۔ ایک نتیجہ یہ کہ اس صورت حال میں بہت زیادہ باہمت اور اولوالعزم لوگ ہی اس دعوت کو علانیہ قبول کرتے ہیں اور وہ اس لئے ایسا قیمتی سرمایہ ثابت ہوتے ہیں جو کسی دوسری صورت میں بہم نہیں پہنچ سکتا۔ دوسرا نتیجہ یہ کہ ظالموں کی پیدا کردہ اس خوفناک فضا میں بکثرت، بلکہ بے اندازہ لوگ اس دعوت کو دل ہیں مان لیتے ہیں مگر آگے بڑھ کر اس میں شامل نہیں ہوتے۔ مخالف طاقت آخرکار اس کا خود نقصان اٹھاتی ہے۔ اسے قطعی اور حتمی شکست ہونے تک کبھی یہ پتہ ہی نہیں چلنے پاتا کہ جس دعوت کو مٹا دینے کے لئے وہ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے اس کے حامی کہاں کہاں پھیلے ہوئے ہیں۔ وہ اس کی اپنی صفوں تک میں موجود ہوتے ہیں اور وہ ان سے بے خبر رہتی ہے۔

تیسرا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اخلاقی برتری اور دعوت کی معقولیت و صداقت اپنی فطری طاقت سے بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اس کے دشمن اس کے پیرؤں پر جتنا زیادہ ظلم کرتے ہیں اتنے ہی وہ صبر شریف النفس اور نیک طبع انسان کی نظر سے گرتے جاتے ہیں، اس کے پیرو جتنی ہمت اور ثابت قدمی کے ساتھ ظلم برداشت کرتے چلے جاتے ہیں اور اپنی حق پرستی سے بال برابر بھی نہیں ہٹتے۔ اتنی ہی ان کی قدر و منزلت عام دیکھنے والوں ہی میں نہیں، بلکہ خود دشمنوں کی صفوں میں بھی بڑھتی چلی جاتی ہے۔

اور پھر جب فیصلہ کن مقابلوں کا وقت آتا ہے تو قدم قدم پر ان لوگوں کی ہمدردیاں طرح طرح سے کام آتی ہیں جو دشمنوں کے جبر کی وجہ سے خاموش بیٹھے ہوئے تھے مگر دل سے اس دعوت کے حامی تھے یہاں تک کہ آخرکار چند مٹھی بھر ہٹ دھرم دشمن ہی میدان میں رہ جاتے ہیں جن کا ساتھ دینے والا تو درکنار ان کے پیچھے رونے والا بھی کوئی نہیں ہوتا۔

ظلم و جور کا ماحول جہاں بھی ہو اس کے مقابلہ میں حق پرستی کا علم بلند کرنے اور بلند رکھنے سے یہ تینوں نتائج لازماً رونما ہوں گے۔ اس لئے یہ تو حق کی کامیابی کا فطری راستہ ہے، آپ اسلام نظامی برپا کرنے کے لئے جمہوری اداروں کی مٹی پلید ہونے اور شہری اور آزادی سلب ہو جانے اور بنیادی حقوق کچل دیئے جانے کا رونا خواہ مخواہ روتے ہیں۔

✧ ✧ ✧

✧ ✧ ✧ . . . . ✧ ✧ ✧

لام اس قسم کا نظام نہیں ہے ۔ وہ پہلے لوگوں
دلوں میں ایمان پیدا کرنا ضروری سمجھتا ہے ،
کہ ایمان کے بغیر لوگ خلوص کے ساتھ اسکے
ائے ہوئے راستوں پر نہیں چل سکتے ۔ پھر وہ اپنے
ریوں کا فہم اور ان کے برحق ہونے پر اطمینان بھی
م کے اندر ضروری حد تک اور خواص (خصوصاً
رماؤں میں) کافی حد تک پیدا کرنا لازم سمجھتا
، کیونکہ اس کے بغیر اس کے اصول و احکام کی
تنفیذ ممکن نہیں ہے ۔ اس کے ساتھ وہ عوام و خواص
ذہنیت ، اندازِ فکر ، اور سیرت و کردار میں بھی اپنے
ج کے مطابق تبدیلی لانے کا تقاضہ کرتا ہے کیونکہ
ہو تو اس کے پاکیزہ اور بلند پایہ اصول و احکام
صحیح روح کے ساتھ نافذ نہیں ہو سکتے ۔

یہ جتنی چیزیں میں نے بیان کی ہیں ، اسلامی نظام
پا کرنے کے لئے سب کی سب ضروری ہیں ، اور ان
سے کوئی چیز بھی جبراً لوگوں کے دل و دماغ میں نہیں
ی جا سکتی ، بلکہ ان میں سے ہر ایک کے لئے ناگزیر
ہ تبلیغ ، تلقین اور تفہیم کے ذرائع اختیار
ے لوگوں کے عقائد و افکار بدلے جائیں ، انکے
چنے کے انداز بدلے جائیں ، ان کی اقدار (VALUES)
، جائیں ان کے اخلاق بدلے جائیں ، اور ان کو اس
تک ابھار دیا جائے کہ وہ اپنے اوپر جاہلیت
ی نظام کا تسلط برداشت کرنے کے لئے تیار نہ
ں ۔ یہی وہ چیز ہے جس کے متعلق ہم کہتے ہیں کہ جمہوری
یقوں کے سوا اس کے حصول کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں
۔ اور آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ اسلامی نظام کو عملاً برپا
ینے کے لئے کوئی اقدام اس وقت تک نہیں کیا جا
تا جب تک اس مقصد کے لئے کام کرنے والوں
ں نوعیت کی عوامی تائید حاصل نہ ہو جائے ۔

شاید آپ میری یہ باتیں سنکر سوچنے لگیں گے
س لحاظ سے تو گویا ابھی ہم اپنی منزل کے قریب ہونا
درکنار ، اس کی راہ کے صرف ابتدائی مرحلوں میں ہیں لیکن
میں کہتا ہوں کہ آپ افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اپنے
آج تک کے کام کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیں ۔ جمہوری
طریقوں سے کام کرتے ہوئے آپ پچھلے ۲۴ سال میں تعلیم یافتہ
طبقے کی بڑی اکثریت کو اپنا ہم خیال بنا چکے ہیں اور یہ
لوگ ہر شعبۂ زندگی میں موجود ہیں ۔ نئی نسل جو اب تعلیم پاکر
اٹھ رہی ہے اور جسے آگے چل کر ہر شعبۂ زندگی کو چلانا ہے
وہ بھی جاہلیت کے علمبرداروں کی ساری کوششوں کے باوجود
زیادہ تر آپ کی ہم خیال ہے ۔

اب آپ کے سامنے ایک کام تو یہ ہے کہ تعلیم یافتہ
طبقے میں اپنے ہم خیالوں کی تعداد اسی طرح بڑھاتے چلے
جائیں ، اور دوسرا کام یہ ہے عوام کے اندر بھی نفوذ کرکے
انکو اسلامی نظام برپا کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ تیار
کرنے کی کوشش کریں ، پہلے کام کے لئے لٹریچر کا پھیلانا
آج تک جتنا مفید ثابت ہوا ہے اس سے بدرجہا زیادہ
آئندہ مفید ثابت ہو سکتا ہے ، اگر آپ اپنے ہم خیال
اہل علم کے حلقے منظم کرکے مختلف علوم کے ماہرین سے مسائل
حیات پر تازہ ترین اور محققانہ لٹریچر تیار کرانے کا
انتظام کریں اور دوسرے کام کے لئے تبلیغ و تلقین کے
دائرے وسیع کرنے کے ساتھ اصلاح خلق کی ہر ممکن
کوشش کیجئے ۔ آپ صبر کے ساتھ لگاتار اس راہ
میں جتنی محنت کرتے چلے جائیں گے اتنی ہی آپ کی منزل
قریب آتی چلی جائے گی ۔

رہا یہ سوال کہ جب تمام جمہوری اداروں کی مٹی پلید کردی
گئی ہے ، شہری آزادیاں سلب کرلی گئی ہیں اور بنیادی
حقوق کچل کر رکھ دیئے گئے ہیں تو جمہوری طریقوں سے کام
کیسے کیا جاسکتا ہے ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام
کا کام کرنے کے لئے کھلی ہموار شاہراہ تو کبھی نہیں ملی ہے ۔
یہ کام تو جب بھی ہوا ہے جبر و ظلم کے مقابلہ میں ہر طرح کی کڑیاں جھیل
کر ہی ہوا ، اور وہ لوگ کبھی یہ کام نہ کرسکے جو یہ سوچتے رہے کہ
جاہلیت کے علمبرداروں کی اجازت یا ان کی عطا کردہ

سہولت ملے تو وہ راہ خدا میں پیش قدمی کریں۔

آپ جن برگزیدہ ہستیوں کے نقش پا کی پیروی کر رہے ہیں، اُنھوں نے اُس ماحول میں یہ کام کیا تھا جہاں جنگل کا قانون نافذ تھا اور کسی شہری آزادی یا بنیادی حق کا تصور تک موجود نہ تھا۔ اُس وقت ایک طرف دل موہ لینے والے پاکیزہ اخلاق، دماغوں کو مسخر کر لینے والے معقول دلائل اور انسانی فطرت کو اپیل کرنے والے اصول اپنا کام کر رہے تھے اور دوسری طرف جاہلیت کے پاس ان کے جواب میں پتھر تھے، گالیاں تھیں جھوٹے بہتان تھے اور کلمہ حق کہتے ہی انسانوں کی شکل میں درندے خدا کے ہر بندے پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ یہی چیز درحقیقت اسلام کی فتح اور جاہلیت کی شکست کا ذریعہ بنی۔ جب ایک معقول اور دل لگتی بات کو عمدہ اخلاق کے لوگ لے کر کھڑے ہوں، اور سخت سے سخت ظلم و ستم سہنے کے باوجود اپنی بات ہر حالت میں لوگوں کے سامنے پیش کرتے چلے جائیں تو لازمی طور پر اس کے تین نتائج رونما ہوتے ہیں۔ ایک نتیجہ یہ کہ اس صورت حال میں بہت زیادہ باہمت اور اولوالعزم لوگ ہی اس دعوت کو علانیہ قبول کرتے ہیں اور وہ اس لیے ایسا قیمتی سرمایہ ثابت ہوتے ہیں جو کسی دوسری صورت میں بہم نہیں پہنچ سکتا۔ دوسرا نتیجہ یہ کہ ظالموں کی پیدا کردہ اس خوفناک فضا میں بکثرت، بلکہ بے اندازہ لوگ اس دعوت کو دل میں مان لیتے ہیں مگر آگے بڑھ کر اس میں شامل نہیں ہوتے۔ مخالف طاقت آخرکار اس کا خود نقصان اٹھاتی ہے۔ اسے قطعی اور حتمی شکست ہونے تک کبھی یہ پتہ ہی نہیں چلنے پاتا کہ جس دعوت کو مٹا دینے کے لیے وہ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے اس کے حامی کہاں کہاں پھیلے ہوئے ہیں۔ وہ اس کی اپنی صفوں تک میں موجود ہوتے ہیں اور وہ ان سے بے خبر رہتی ہے۔

تیسرا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اخلاقی برتری اور دعوت کی معقولیت و صداقت اپنی فطری طاقت سے بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اس کے دشمن اس کے پیروؤں پر جتنا زیادہ ظلم کرتے ہیں اتنے ہی وہ خود شریف النفس اور نیک طبع انسان کی نظر سے گرتے جاتے ہیں، اس کے پیرو جتنی ہمت اور ثابت قدمی کے ساتھ ظلم برداشت کرتے چلے جاتے ہیں اور اپنی حق پرستی سے بال برابر بھی نہیں ہٹتے۔ اتنی ہی ان کی قدر و منزلت عام دیکھنے والوں ہی میں نہیں، بلکہ خود دشمنوں کی صفوں میں بھی بڑھتی چلی جاتی ہے۔

اور پھر جب فیصلہ کن مقابلوں کا وقت آتا ہے تو قدم قدم پر ان لوگوں کی ہمدردیاں طرح طرح سے کام آتی ہیں جو دشمنوں کے جبر کی وجہ سے خاموش بیٹھے ہوئے تھے مگر دل سے اس دعوت کے حامی تھے یہاں تک کہ آخرکار چند مٹھی بھر ہٹ دھرم دشمن ہی میدان میں رہ جاتے ہیں جن کا ساتھ دینے والا تو درکنار ان کے پیچھے رونے والا بھی کوئی نہیں ہوتا۔

ظلم و جور کا ماحول جہاں بھی ہو اس کے مقابلہ میں حق پرستی کا علم بلند کرنے اور بلند رکھنے سے یہ تینوں نتائج لازماً رونما ہوں گے۔ اس لیے یہ تو حق کی کامیابی کا فطری راستہ ہے، آپ اسلام نظامی برپا کرنے کے لیے جمہوری اداروں کی مٹی پلید ہونے اور شہری اور آزادیاں سلب ہو جانے اور بنیادی حقوق کچل دیئے جانے کا رونا خواہ مخواہ روتے ہیں۔

✦ ✦ ✦ ✦

✦ ✦ ✦ .... ✦ ✦

وہ کتابیں جن کی افادیت میں کلام نہیں

کتاب	قیمت
محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے	۱۰/۰
جب ایمان کی بہار آئی	۱۲/۰
پرانے چراغ	۱۶/۰
نقوش اقبال	۱۰/۰
ارکان اربعہ	۱۲/۰
دریائے کابل سے دریائے یرموک تک	۱۴/۰
دین و شریعت	۵/۰
حیاۃ الصحابہؓ	۵۱/۰
سیر رسالت مآبؐ	۳۰/۰
مخزن المعلومات	۲۰/۰
تاریخ اسلام (اکبر نجیب آبادی)	۶۰/۰
رحمۃ اللعالمین	۲۶/۰
شمائل ترمذی	۱۵/۰
امداد الفتاویٰ	۳۰/۰
فیوض یزدانی	۲۵/۰
فتاویٰ رحیمیہ	۶۰/۰
مخزن اخلاق	۲۰/۰
جنت کی کنجی	۶/۰
مرنے کے بعد کیا ہوگا ؟	۶/۰
رضیہ کا شاہی دسترخوان	۵/۰
شریعت یا جہالت	۱۲/۰
تاریخ اسلام (عاشق الٰہی)	۱۸/۰
فاروق العزیز	۲/۰
الفاروق	۱۰/۰

کتاب	قیمت
بلاغ المبین	۶/۵۰
فتوح الغیب	۶/۰
غنیۃ الطالبین	۳۰/۰
فاتحہ کا صحیح طریقہ	۲/۰
طب نبویؐ	۳/۰
انتخاب صحاح ستہ	۹/۰
مؤطا امام مالک بمع اردو	۳۵/۰
تعبیر نامہ خواب	۷/۰
شرک و بدعت کے چور دروازے	۴/۵۰
مثنوی مولانا روم اردو مکمل	۶۰/۰
بہشتی زیور اختری مکمل مجلد	۴۰/۰
بہشتی زیور قمری مجلد	۱۸/۰
اللہ نور السموات والارض	۳۰/۰
حیات امام اعظم	۱۰/۰
آپ حج کیسے کریں ؟	۴/۰
قرآن آپ سے کیا کہتا ہے ؟	۷/۰
اسلام کیا ہے ؟	۴/۵۰
غیبت کیا ہے ؟	۷/۵۰
براہین قاطعہ	۱۲/۵۰
انفاس عیسیٰ	۲۵/۰
اعمال قرآنی	۳/۵۰
ورق ورق روشن	۳۰/۰
تاریخ دیوبند	۱۰/۰
تذکرۃ المصنفین	۷/۰

ن کتابوں کے علاوہ بھی اور دوسری کتابوں کیلئے **مکتبہ تجلی دیوبند** (یو پی) سے رابطہ قائم کیجئے

تحریر:- جناب پنڈت وید پرکاش اُپادھیائے ایم اے (اردو، سنسکرت)
ڈی فل دھرم شاستراچاریہ - ڈپ آف جرمن

تلخیص و ترجمانی
وصی اقبال

نراشنس اور آخری رسول

نوٹ:- اصل مضمون کے مطالعہ سے پہلے چند باتیں پیش نظر کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ میں نے مضمون کا لفظی ترجمہ نہ کرکے مضمون کی تلخیص و ترجمانی کی ہے، اس کی ایک خاص وجہ یہ رہی ہے کہ اُپادھیائے جی نے یہ مضمون ہندو یا زیادہ سے زیادہ غیر مسلم حضرات کے لئے تحریر کیا ہے۔ اس کے باعث بعض مقامات پر لفظی بحث نے کافی طول کھینچا ہے جو میرے خیال میں اردو داں حضرات کے لئے زیادہ مفید نہیں تھا۔ البتہ میں نے اس بحث کے نتائج کو ضرور آپ کے سامنے پیش کردیا ہے پھر کچھ ایسی باتوں سے بھی میں نے ترجمہ میں احتیاط برتی ہے کہ جو یا تو غیر ضروری تھیں (ہمارے آپ کے لئے) یا اس قدر معلوم و معروف ہیں کہ ان کی ترجمانی سے سوائے طوالت کے اور کچھ حاصل نہ ہوتا۔

البتہ نفس مضمون سے میں نے ذرا تعارض نہیں کیا ہے۔ جہاں تک ممکن ہوسکا ہے اُپادھیائے جی کی اصل تحریر کو بھی اردو میں منتقل کیا ہے۔ اور بس۔

وصی اقبال

نراشنس کے معنیٰ

نراشنس لفظ "نر" اور "آشنس" دو الفاظ سے مل کر بنا ہے۔ "نر" کے معنے ہوتے ہیں انسان اور "آشنس" کے معنی ہوتے ہیں جس کی تعریف کی گئی ہو۔ یہ واضح رہے کہ آشنس لفظ ویدک زبان کا لفظ ہے نہ کہ عوامی زبان کا لفظ ہے۔ بعض حضرات نراشنس لفظ کا مطلب لیتے ہیں "انسان کی تعریف" اور بعض صاحبان کے نزدیک اس کے معنے ہیں انسانوں کے ذریعہ تعریف کیا ہوا لیکن غور طلب معاملہ یہ ہے کہ نراشنس لفظ کے صحیح معنی کیا ہیں یا کیا ہونا چاہیئے؟

اصل میں نراشنس لفظ مفعولی مرکب لفظ ہے جس کے تجزیاتی معنے نرشچا سوآشنس ([illegible]) یعنی تعریف کیا ہوا شخص ہوگا۔ اور نراشنس لفظ کسی دیوتا سے متعلق بھی نہیں ہے۔ خود نراشنس لفظ ہی اس بات کو واضح کرتا

ہے کہ تعریف جس کی گئی ہے وہ انسان ہے اگر کوئی صاحب "نر" کا لفظ کو دیوتا سے متعلق سمجھتے ہیں تو ان کی خدمت میں التماس ہے عرض ہے کہ "نر" لفظ دیوتا کے مترادف لفظ ہے اور نہ دیوتاؤں کی نسل کے کسی خاص گروہ سے متعلق۔

لہٰذا نراشنس لفظ نسل انسانی کی تعریف کے لئے ہی ہے نر لفظ کا واضح طور پر مطلب ہوتا ہے انسان۔ کیونکہ نر لفظ انسان کے مترادف الفاظ میں سے ایک ہے[۵۵]

نراشنس کا ذکر

نراشنس کے بارے میں عوامی سنسکرت میں کوئی مواد نہیں ہے صرف ویدک کتابوں میں ہی نراشنس کے بارے میں جگہ جگہ منتر آئے ہیں۔ نراشنس سے متعلق الہامی کتابوں میں بہت سے منتر موجود ہیں ارتھ وید کے مجموعہ کے بیسویں باب کے اکیسویں ستائیسویں تذکرہ میں نراشنس سے متعلق چودہ منتر مندرج ہیں۔ رگ وید تمام ویدوں میں قدیم ترین وید ہے۔ رگ وید میں بھی مختلف مقامات پر نراشنس کے موضوع پر منتر ہیں۔ رگ وید کے تحت نراشنس لفظ سے شروع ہونے والے منتروں کی تعداد آٹھ ہے۔

اس طرح یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ نراشنس صرف ایک وید تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اس کا ذکر رگ وید، یجر وید، سام وید اور اتھر وید میں بھی ملتا ہے

نراشنس کے زمانہ کا تعین

جب کسی خاص شخصیت کو موضوع بنا کر کتابوں میں اس کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو وہ خاص شخصیت مذہبی کتابوں میں ماضی کے صیغہ میں بیان کی جاتی ہے ورنہ اس خاص شخصیت کا کتابوں میں تذکرہ آنا ممکن نہیں ہے۔ اگر کوئی عالم مندرجہ بالا اصول کی بنیاد پر یہ نتیجہ نکالے کہ نراشنس کا متعین زمانہ ویدوں کی تخلیق سے پہلے تھا تو یہ نتیجہ اتھر وید کے بیسویں کا نڈ کے تحت اکیسویں ستائیسویں تذکرہ کے پہلے منتر سے ہی غلط ثابت ہوتا ہے کہ نراشنس ویدوں کے زمانہ سے قبل نہیں بلکہ ویدوں کی تخلیق کے بعد ہی لائق تذکرہ ہوتا ہے[۵۶]

برہم واکیہ میں کہا گیا ہے کہ "اے لوگو سنو:
————— "نراشنس کی تعریف کی جائے گی" یہ جملہ اتھر وید کا ہے اور اتھر وید دوسرے سارے ویدوں سے بعد کا وید ہے۔ لہٰذا اتھر وید کے زمانہ کے بعد نراشنس کے آجانے کا طے ہوجاتا ہے نراشنس کی سواری میں اونٹ استعمال ہونا لکھا ہے اس وجہ سے بھی نراشنس کی موجودگی اس وقت طے ہوتی ہے کہ جب اونٹ سواری میں استعمال ہو۔

مقام کا تعین

نراشنس کے مقام کے تعین کے سلسلہ میں خارجی ثبوت ملتے ہیں اور نہ داخلی ثبوت فراہم ہوتے ہیں مقام کے تعین کے بغیر نراشنس کے آنے کے مقام کا علم بھی ناممکن ہے اس لئے نراشنس کے مقام کے سلسلہ میں کچھ نہ کچھ غور و فکر کرنا ضروری ہے

نراشنس سواری میں اونٹ کا استعمال کرنے کا کوئی بھی شخص اصولی طور پر جس ملک، زمانہ یا ماحول میں پیدا ہوتا ہے اس ملک کی زبان، لباس اور سواری کا استعمال بھی کرتا ہے۔ اونٹ کی سواری کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نراشنس جس مقام پر پیدا ہوگا وہاں اونٹوں کی افراط ہوگی۔ اونٹوں کی افراط عموماً انھیں مقامات پر ہوتی ہے جو ریگستانی علاقے ہوتے ہیں۔ اس طرح مقام کے تعین کا فیصلہ کرتے ہوئے ہم اس حقیقت پر پہنچے ہیں کہ نراشنس ریگستانی خطہ زمین میں پیدا ہوگا جہاں اونٹ کثیر تعداد میں موجود ہوں۔

دوسرا باب

نراشنس کی صفات اور اہمیت

ویدوں میں جتنے بھی منتر آئے ہیں زیادہ تر خدا کی صفات پر روشنی ڈالتے ہیں کچھ ہی ایسے ہیں جو دوسروں کے موضوعات سے

---

[۵۵] امرکوش، منش ورگ، اشلوک ۱
[۵۶] امرکوش منش ورگ، اشلوک ۱
[۵۷] امرکوش سورگ ورگ۔ اشلوک ۱۱

متعلق ہیں۔ نراشنس کی اہمیت اسی بات سے واضح ہوجاتی ہے کہ وہ قابل تعظیم ٹھیرایا گیا ہے رگ وید کے زمانہ میں یگیہ[51] کرتے وقت نراشنس کو پکارا جاتا تھا اور اس پکارنے میں اس کے لئے لفظ "پیارا" استعمال کیا جاتا تھا۔ نراشنس کے لفظ کو مزید شیریں بناتے ہوئے اسے رگ وید میں واضح اور خوش کلام بھی کہا گیا ہے[52]

علم غیب کا جاننے والا:- خوش کلام یعنی شیریں زبان کے علاوہ نراشنس کی ایک بڑی خوبی غیب کا جاننے والا بتائی گئی ہے۔ "علم غیب" کے جاننے والے کو "کوی" کہا جاتا ہے۔ کوی کی ذہانت کا ایک عجیب عالم ہوتا ہے جس کے بارے میں ایک عام انسان سوچ بھی نہیں سکتا کوی اس کے بارے میں اس طرح بیان کرتا ہے جیسے وہ اس کی آنکھوں کے سامنے موجود ہو۔ حرف مِڈ د (ک) کا مطلب ہوتا ہے خدا۔ اور کوی یعنی جس کا خدا سے قریبی تعلق ہو اور جو خدا کو اچھی طرح جانتا ہو۔

ہندی لغات میں کوی کے بہت سے معنی دیئے گئے ہیں۔ ذہین ہوشیار، عقلمند، غور و فکر کرنے والا، قابل تعریف اور بزرگ وغیرہ رگ وید میں نراشنس کو کوی بتایا گیا ہے[53]۔ کوی کا ایک مطلب شاعری کرنے والا یعنی شاعر بھی ہوتا ہے

نورانی:- نراشنس سے متعلق رگ وید میں ایک لفظ [54] استعمال ہوا ہے[55] اس لفظ کے تجزیاتی معنی ہیں حسین و جمیل شخص، جس کے چہرہ سے نور کی کرنیں پھوٹ رہی ہوں رگ وید کے جس منتر میں نراشنس کو حسین و جمیل کہا گیا، یہاں واضح طور پر یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ اپنی خداداد لیاقت سے گھر گھر روشنی پھیلائے گا۔ یعنی ایسا کوئی گھر نہ ہوگا جہاں نراشنس کی تعریف و توصیف بیان نہ کی جائے ایسی حالت میں نراشنس نام کے معنی بھی متعین ہو جاتے ہیں کیونکہ اسی لفظ کے لغوی معنی بھی یہی ہیں کہ ایسا شخص جس کی تعریف کی گئی ہو گھر گھر روشنی پھیلانے کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ گھر گھر میں علم پہنچانا۔ اسی باعث رگ وید میں نراشنس کو مبلغ علم بھی کہا گیا ہے

گناہوں سے بچانے والا:- نراشنس کو سارے گناہوں سے لوگوں کو بچانے والا کہا گیا ہے[56] جس میں جو صفت ہوتی ہے اس سے اس کی اسی صفت کو دوسروں میں پیدا کرنے کے لئے کہا جاتا ہے۔ منتروں کا جاپ کرنے والے رشی نراشنس سے یہ استدعا کرتے ہیں کہ وہ آکر تمام لوگوں کو گناہوں سے بچائے اس منتر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانہ کے رشیوں کے اندر نراشنس کے لئے کتنی عقیدت تھی کہ وہ اپنے آپ کو کس قدر اس بات کے لئے آرزو مند پاتے تھے کہ نراشنس آکر لوگوں کو گناہوں سے بچائے۔ اگر کوئی شخص مندرجہ بالا منتر پر یہ شک کرے کہ اس کے معنی تو یہ ہوتے ہیں کہ "سارے گناہوں سے ہمیں پار لگاؤ" تو پھر لوگوں کو گناہوں سے بچانا کے معنے کیوں پہنائے جارہے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ویدوں میں جو منتر ہیں وہ لوگوں کی جانب سے کی جانے والی دعا کے منتر ہیں نہ کہ رشیوں نے اپنی نجات کے لئے ان منتروں کو تخلیق کیا ہے۔ وید انسان کے تخلیق کردہ نہیں ہیں بلکہ وید انسانوں کی بھلائی اور فلاح کے لئے خدا کی جانب سے رسولوں کے ذریعہ نازل کئے گئے ہیں[57] لہٰذا مندرجہ بالا منتر کے یہی معنی ہوتے ہیں کہ لوگوں کو گناہوں سے بچانے والا۔

نراشنس کی شخصیت:- کوئی شخص جب قابل تعریف ہوتا ہے تو اس کی تعریف کا سبب اس شخص کی اپنی ذاتی صفات ہوتی ہیں جس کے باعث وہ تعریف کا اہل قرار پاتا ہے۔ بڑے لوگوں کی تعریف انھیں خوش کرنے کیلئے بھلے ہی چند مفاد پرست لوگ کردیں۔ لیکن حقیقت میں بڑے لوگ تعریف کے لئے نہیں مذمت کئے جانے کے لائق ہوتے ہیں۔ یہ یقینی طور پر کہا جاتا ہے کہ "بڑے لوگوں کی برائیوں کی جہاں تک تعریف

---

[51] ایک طرح کی عبادت [52] رگ وید سنہتا [53] رگ وید سنہتا [54] رگ وید سنہتا [55] رگ وید سنہتا [56] رگ وید ۴-۶-۱۰-۱۰۱
[57] اہل ہنود علماء کا یہ خیال ہے کہ ویدوں کا نزول خدا کی طرف سے ہوا ہے یہ انسانی تخلیق نہیں ہے۔ اس کے متعلق کوئی متعین بات نہیں کہی جاسکتی۔ (و۔ ا)

...جائے گم ہے"۔ اس جملہ میں حقیقتاً تعریف کا لفظ مذمت ... معنے میں ہی استعمال ہوا ہے۔ انسان قابلِ تعریف ہونے کیلئے ...س میں مندرجہ ذیل صفات ہوتی ہیں ——— علم و دانائی ...حرز، نفس کش۔ طاقتور، علم الٰہی سے واقف۔ خوش کلام، جہاں ...ک ممکن ہو صدقہ و خیرات کرنا اور فرض شناسی ہے۔ لوگوں کے ...دلوں میں عام طور پر وہی شخص کوئی مقام پاتا ہے جو انسان سے نفرت نہ کرتا ہو۔ مذہب کا پیروکار ہو، اچھا عمل کرے، قابلِ مذمت ...کاموں سے دور ہو، کافر نہ ہو اور غصہ، خوشی، غرور، شرم، ...بے وقوفی اور اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کا جذبہ اس پر حاوی نہ ہو۔

نراشنس کی پہچان کے طور پر اتھروید میں کچھ متعین باتیں بتائی ...گئی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) شتر سوار :- اتھروید میں نراشنس سے متعلق جو پیش گوئی کی گئی ہے اس میں شتر سوار کہا گیا ہے[۵۱]۔

(۲) بارہ بیویوں والا :- نراشنس کے پاس بارہ[۱۲] بیویاں ہوں گی۔ اس بات کی تصدیق میں اتھروید کے اس منتر سے ہوتی ہے جس میں اسکو شتر سوار کہا گیا ہے[۵۲]۔

(۳) ۱۰۰ طلائی سکوں والا :- سہ گامی حالات میں طلائی سکے انسان کو بھی سہولت پہنچاتے ہیں۔ نراشنس کو خدا کی جانب سے ۱۰۰ طلائی سکے عطا کیا جانا تحریر ہے[۵۳]۔

(۴) دس مالاؤں والا :- مالائیں گلے کا ہار ہوتی ہیں۔ گلے کا ہار کا مطلب صحیح طور پر "پیارا" کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ نراشنس کے لیے دس مالائیں خدا کی مرضی سے دیئے جانے کی بات اتھروید کے بیسویں کانڈ کے اکیسویں ستائیسویں میں بیان ...کی گئی ہے۔

(۵) دس ہزار گائیوں والا :- خدا کی جانب سے نراشنس کو دس ہزار گائیں عطا کی جائیں گی۔

(۶) تین سو گھوڑوں والا :- نراشنس کو تین سو گھوڑے ملیں گے۔ اتھروید کے مندرجہ بالا منتر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے۔

اب ہم اگلے باب میں یہ ثابت کریں گے کہ نراشنس پیدا ہو چکے ہیں یا نہیں اور اگر وہ پیدا ہو چکے ہیں تو وہ کون تھے؟

تیسرا باب

۱۔ اسمی ثبوت :- نراشنس لفظ سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کے معنی پہلے باب میں بتائے گئے ہیں۔ معنی کے تجزیہ سے واضح ہے کہ نراشنس لفظ کسی خاص شخصیت کے لئے استعمال کیا گیا ہے جس سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ ظہور میں آنے والا شخص جس کے بارے میں ویدوں میں پیش گوئی کی گئی ہے۔

"نر" یعنی انسان اور "آشنس" یعنی جس کی تعریف کی جائیگی۔ اس باعث ہمیں ایک ایسی شخصیت تلاش کرنا ہے جو انسان بھی ہو اور جس کی تعریف بھی کی گئی ہو۔

لفظ "محمد" کا مادہ "حمد" ہے جس کے معنی ہیں تعریف کرنا اور محمد جس کی تعریف کی گئی ہو۔ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) انسان بھی تھے لہٰذا ان میں آدمیت اور تعریف دونوں خصوصیات بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں۔ اس طرح یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نراشنس کا عربی مترادف لفظ "محمد" ہے۔ جس طرح جل (پانی) کو فارسی میں آب اور انگریزی میں واٹر (WATER) کہتے ہیں اس طرح نراشنس اور محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ایک ہی شخصیت کا سنسکرت اور عربی نام ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ نراشنس سے متعلق جو باتیں کہی گئی ہیں۔ کیا وہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) پر منطبق ہوتی ہیں یا نہیں؟

(۲) زمانی ثبوت :- نراشنس کے ظہور کا زمانہ وہ متعین کیا گیا ہے کہ جب اونٹ سواری کے طور پر استعمال ہوتے ہوں۔ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) بھی اسی زمانہ میں ظہور پذیر ہوئے تھے جبکہ اونٹوں کا سواری میں استعمال کثرت کے ساتھ کیا جا رہا تھا خود محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) بھی اونٹ کی سواری کے بہت زیادہ

---

[۵۱] اتھروید ۲۰، ۱۲۷، ۲۰۔ [۵۲] اتھروید ۲۰ - ۱۲۷ - ۲۰ [۵۳] اتھروید ۲۰ - ۱۲۷ - ۲۰ -

دلدادہ تھے اور آپؐ نے مدینہ کو ہجرت بھی اونٹ پر ہی کی تھی۔

۳۔ جائے پیدائش کی مناسبت: نراشنس کا جائے پیدائش ایسا مقام بتایا گیا ہے کہ جو ریگستانی خطۂ زمین ہو محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا مکہ میں ظہور ہوا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ مکہ ریگستانی خطۂ زمین ہے۔

(۴) صفاتی مناسبت: (۱) رگ وید میں نراشنس کے لئے پریہ (پیارا) لفظ کا استعمال ہوا ہے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) بھی سب کو پیارے تھے۔

(ب) نراشنس کو غیب داں بتایا گیا ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی غیب کا علم ہوتا تھا۔ اس کے بہت سے ثبوت آپ کی سیرت کی کتابوں میں منقول ہیں۔ اسی قسم کا ایک واقعہ محترم عنایت احمد نے اپنی کتاب (الکلام المبین میں بھی درج کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایرانیوں اور رومیوں کے درمیان ہونے والی جنگ کے دوران رومیوں کی شکست کھا جانے کی بابت اپنے ساتھیوں سے ارشاد فرمایا تھا۔ اور دوبارہ نو سال کے اندر اندر فتح حاصل کرنے کے بارے میں بھی فرمایا تھا۔ آپؐ کی یہ پیشین گوئی بالکل صحیح ثابت ہوئی تھی نو سال کے اندر ہی سیوا کی لڑائی میں رومیوں کو فتح حاصل ہوئی۔ اس واقعہ سے متعلق سورہ روم قرآن پاک کی تیسویں سورہ بھی نازل ہوئی ہے۔ سورۂ روم کی دوسری سے چوتھی آیت تک اس بات کو اس طرح بیان کیا گیا ہے

"رومی قریب کی سرزمین میں مغلوب ہو گئے ہیں اور اس مغلوبیت کے بعد چند سال کے اندر وہ غالب ہو جائیں گے۔ اللہ ہی کا اختیار ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی"

محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی غیب دانی کا یہ ایک بہت بڑا ثبوت ہے

(ج) نراشنس کو ویدوں میں کوی (شاعر) یعنی شاعری کرنے والا اور کوی، خدا کو پہچاننے والا بھی کہا گیا ہے (محمد ؐ) کو بھی لوگوں نے شاعر کہا ہے اور یہ بات تو ظاہر ہے کہ آپؐ خدا کے پہچاننے والے تھے۔ خدا کا پیغام پہنچانے والے تھے۔ اسی لئے آپؐ کو اللہ کا رسول یا نبی کہا جاتا ہے۔

(د) رگ وید میں نراشنس کو نہایت حسین وجمیل اور گھر گھر علم کی روشنی پہنچانے والا کہا گیا ہے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) بھی بہت زیادہ حسین وجمیل تھے۔ لوگ آپؐ کے حسن وجمال کے گرویدہ تھے۔ آپؐ کی پرکشش شخصیت سے متعلق آر بی آئی تھم نے اپنی کتاب " محمد اور محمد ازم" میں ایک جگہ تحریر کیا ہے کہ

" محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے مخالفین بھی آن کی پرکشش شخصیت اور عظمت وشان سے مرعوب ہو کر ان کی عزت کرنے کے لئے مجبور ہو جاتے تھے مخالفین کی صد درجہ مخالفت کے باوجود محمد (صلعم) نے علم کی روشنی گھر گھر پہنچانے کی کوشش کی "

ڈاکٹر تاراچند نے اپنی کتاب " ہندوستانی تہذیب پر اسلام کے اثرات " کے دیباچہ میں تحریر کیا ہے کہ:۔

" محمدؐ (صلعم) پر خدا کا کلام نازل ہونے لگا اور آپ زمین پر خدا کے نبی بن گئے "

(س) نراشنس کو گناہوں سے بچانے والا بھی کہا گیا ہے عام طور پر کچھ لوگ بے دینی کو بھی دین سمجھ کر اس کی پیروی کرتے نظر آتے ہیں۔ ایسے بے دین لوگوں کو نراشنس غلط کاموں سے روکے گا اور آئندہ غلط روش چلنے سے باز رہنے کو کہے گا۔ گناہگار لوگ اگر خدا سے توبہ واستغفار نہیں کرتے تو آئندہ بھی گناہگاری میں مبتلا ہونے کا امکان رہتا ہے۔ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے نہ صرف لوگوں کو گناہوں سے بچنے کی ترغیب دی بلکہ خدا سے توبہ واستغفار کے لئے بھی آمادہ کیا تاکہ لوگوں کو اپنے کئے ہوئے گناہوں کی پاداش میں دوزخ میں نہ جانا پڑے۔ یہ محمد (صلعم) کی تعلیم کا ہی اثر ہے کہ آج بھی مسلمانوں میں شراب اور سود ممنوع ہے۔

(۵) بیویوں کی مناسبت: اتھر وید میں نراشنس کو بارہ بیویوں کا شوہر بتایا گیا ہے۔ محمدؐ کی بھی بارہ بیویاں تھیں۔ اسی طرح نراشنس سے متعلق کہی گئی بات محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) پر پوری طرح منطبق ہوتی ہے[1] کسی بھی بہت بڑے آدمی کی جو مذہبی نظریہ خیالات کا رہا ہو اس کی بارہ بیویاں نہیں ہوئی ہیں۔ صرف محمد (صلعم) ہی

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواج گیارہ پر سب کا اتفاق ہے۔ دو کا انتقال آپؐ کی زندگی میں ہو گیا تھا اور نو وفات کے وقت تک موجود تھیں (د۔ا)

ایسے تھے جن کی بارہ بیویاں تھیں۔

(۶) دیگر باتوں میں مناسبت: اتھرو وید میں نراشنس سے متعلق چند اور باتیں کہی گئی ہیں، آیئے۔ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) پر انھیں جانچ کر دیکھیں۔

اتھرو وید میں ہے کہ خداوند تعالیٰ نراشنس کو دس ہزار گائیں عطا کرے گا۔ گؤ (گائے) عام طور پر اچھے انسانوں کے لئے استعمال ہوتا ہے لہٰذا دس ہزار گؤ (گائیں) کا صحیح مطلب یہ ہے کہ دس ہزار اچھے انسان محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی دی ہوئی تعلیم پر عمل کرنے والے اچھے لوگ ان کی زندگی کے آخری دور میں یقیناً دس ہزار تھے مدینہ (طیبہ) سے مکہ (مکرمہ) کے لئے جب آپ واپسی کی تیاری کر رہے تھے تو اس وقت تک مسلمانوں کی تعداد دس ہزار تھی۔ اور ان دس ہزار انسانوں کے اچھے اور بھلے ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ جب مسلمان محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ہمراہ مکہ (مکرمہ) میں داخل ہوئے تو کسی طرح کی جنگ ہوئی اور کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی کی گئی اس لئے ان دس ہزار شریف النفس انسانوں کو گؤ (گائیں) کہا گیا تو بے جا نہیں۔

نراشنس سے متعلق ویدوں میں بھی یہ تحریر ہے کہ اسکو تین سو گھوڑے ([illegible]) حاصل ہوں گے جیسا کہ میں نے تحریر کیا ہے اروَن ([illegible]) کے معنے گھوڑے کے ہیں اور گھوڑا نہایت تیز رفتار اور جنگ میں بے انتہا مفید و کار آمد ثابت ہوتا ہے تین سو کا مطلب یہ ہے کہ تین سو سے زیادہ اور چار سو سے کم۔ جس طرح سپت شتی ([illegible]) لفظ کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایسی کتاب جس میں سات سو یا اس سے زیادہ لیکن آٹھ سو سے کم نظمیں یا اشعار ہوں بالکل اسی طرح تین سو اروَن ([illegible]) کا مطلب ہوا ہے کہ تین سو یا تین سو سے زیادہ لیکن چار سو سے کم۔ اروَن ([illegible]) لفظ بہادر جنگجو کے لئے مستعمل ہے۔ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اپنے دشمنوں سے بدر کے مقام پر پہلا معرکہ کیا تو آپؐ کے ساتھیوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔

اتھرو وید میں نراشنس کے لئے دس مالائیں دیئے جانا بھی تحریر ہے۔ یہ دس مالائیں دس ایسے جاں نثار انسانوں کی طرف اشارہ کرتی ہیں جو نراشنس کے گلے کے ہار کے مانند ہوں اور نراشنس انھیں بہت چاہتا ہو۔

محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے بھی دس ایسے عزیز ترین ساتھی تھے جو اپنی جاں نثاری و فداکاری میں سب سے آگے تھے۔ یہ دسوں جاں نثار ساتھی ہر وقت آپ کے ساتھ — آپؐ کے ارد گرد رہتے تھے۔ لہٰذا ان عزیز ترین جاں نثاروں کو محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے گلے کا ہار کہا جائے تو کیا غلط ہوگا۔

محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے یہ جاں نثار ساتھی دشمنوں اور مخالفین کی ہر کارروائی کے مقابلے میں آپؐ کے ہر طرح شریک و معاون تھے۔ یعنی آپؐ کے گلے کی مالا تھے۔ حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے یہ دسوں پیارے ساتھی "عشرہ مبشرہ" کہے جاتے تھے یعنی وہ دس خوش نصیب ہستیاں جن کو زندگی میں ہی جنت کی بشارت سنادی گئی تھی۔

اتھرو وید میں نراشنس کو سو نِشک (निष्क) دیئے جانے کی بات تحریر ہے۔ نِشک کے معنی ہیں سنہری مُہریں یا طلائی سکّے۔ بہر حال نِشک یا سنہری مُہریں کا لفظ ان مخصوص افراد کے لئے مستعمل ہے جو ان خوبیوں کے حامل ہوں۔ خدا کے دین کی تبلیغ کرنے والوں اور دین کی صحیح اور بنیادی باتوں کی حفاظت کرنے والوں کو بھی نِشک لفظ سے مناسبت دی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نِشک بہت قیمتی ہوتا ہے اور سچے دین کے مبلغین اور پیروؤں کی بھی بہت اہمیت اور قیمت ہوتی ہے۔

حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) جن تعلیمات کی تبلیغ کرتے تھے اس میں معاونت کے لئے آپؐ کے سو معاون و مددگار تھے۔ یہ حضرات نہ صرف خود اس تعلیم پر عمل کرتے تھے جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے حاصل کرتے تھے بلکہ اس تعلیم کو دوسروں تک پہنچانے کا کام بھی انجام دیتے تھے۔ ان حضرات کو "اصحاب صفہ" کہا جاتا تھا۔

اسی طرح یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ ویدوں میں جس نراشنس کے ظہور میں آنے کی بات کہی گئی ہے۔ وہ صرف اور صرف حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی ہیں۔

---

[1] "محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی باتیں اور خطبات" از جناب اسٹینلے لین پول

چوتھا باب

نراشنس

دیگر مذہبی کتابوں کی بنیاد پر

گذشتہ تین ابواب میں دیدوں سے نراشنس کی حیثیت کو ثابت کیا گیا ہے۔ اب کچھ دیگر مذہبی کتابوں کی روشنی میں نراشنس یعنی آخری رسول سے متعلق گفتگو کی جائے گی

(حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کی پانچویں کتاب کے مطابق

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پہ نازل ہونے والی احبار نامی کتاب میں ایک ایسے نبی ہونے کی پیش گوئی کی گئی ہے کہ جو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) مشابہ ہو اور ان کے بھائیوں میں سے ہو اس آنے والے رسول پر اللہ کی وحی نازل ہوگی اور ایک نئی شریعت لیکر آئے گا[1]۔

مندرجہ بالا پیش گوئی سے آنے والے رسول سے متعلق مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

۱۔ (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کے مشابہ ہونا۔

۲۔ (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کے بھائیوں میں سے ہونا۔

۳۔ اس رسول پر وحی نازل ہونا۔ اور یہ خود صاحب شریعت ہونا۔

ا۔ (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کے مشابہ کون اور کیوں؟

اب دیکھنا یہ ہے کہ کون ایسا رسول ہوا ہے کہ (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کے مشابہ رہا ہو۔ چند عیسائی علماء کا کہنا ہے کہ یہ پیش گوئی (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) کے لئے کی گئی تھی۔ لیکن اس رائے کے قبول کرنے میں مندرجہ ذیل قباحتیں ہیں۔

ا۔ (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نے فرعون کی قوم کے ایک آدمی کو گھونسہ مار کر ہلاک کیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تبلیغ مذہب میں رکاوٹیں ڈالنے والوں کا مقابلہ کرنا اور انھیں نقصان پہنچانا (حضرت) موسیٰؑ کے نزدیک پسندیدہ امر تھا[2]۔ (حضرت) عیسیٰؑ نے اپنے کسی مخالف کو نقصان نہیں پہنچایا بلکہ وہ اپنے مخالفین کے ذریعہ ہی مصلوب کئے گئے تھے۔

دوسری بات یہ کہ (حضرت) موسیٰؑ کی قوم کے لوگ ان کے رسول ہونے سے پہلے بت پرستی میں مبتلا تھے (حضرت) عیسیٰؑ کی قوم کے لوگ، ان کے رسول ہونے سے پہلے بت پرستی میں مبتلا نہیں تھے۔

تیسری بات یہ کہ (حضرت) موسیٰؑ نے اپنی زندگی میں ہی اپنے مخالفین پر جس طرح فتح پائی (حضرت) عیسیٰؑ کو اپنی زندگی میں اپنے مخالفین ایسی کوئی فتح حاصل نہ ہوئی بلکہ وہ اپنے مخالفین کے ذریعہ ہی مصلوب کئے گئے۔

چوتھی بات یہ کہ (حضرت) موسیٰؑ کو ان کے ماننے والوں نے دھوکا نہیں دیا جبکہ (حضرت) عیسیٰؑ کو ان کے شاگردوں میں سے ہی ایک نے دھوکا دیا۔

پانچویں بات فرق کی یہ ہے کہ (حضرت) موسیٰ کی پیدائش ماں باپ دونوں کے توسط سے ہوئی تھی اور بیوی بچوں والے تھے (حضرت) عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے اور ان کے کوئی بیوی تھی اور نہ کوئی اولاد ہی تھی۔

چھٹی بات اختلاف کی یہ ہے کہ (حضرت) موسیٰ اپنی قوم اور اپنے ماننے والوں کو فرعون کی غلامی سے چھڑا کر مصر سے چلے گئے تھے لیکن (حضرت) عیسیٰؑ اپنی زندگی میں رومن حکومت سے اپنی قوم یا اپنے ماننے والوں کو آزاد کرانے میں کامیاب نہ ہوسکے۔

ساتویں بات فرق کی یہ ہے کہ (حضرت) موسیٰؑ نے اپنے لوگوں کو فلسطین پر قبضہ کرنے کیلئے جنگ کرنے کا حکم دیا تھا جس کے نتیجہ میں ان کی قوم فلسطین پر قابض ہوگئی تھی۔ لیکن (حضرت)

---

[1] DEUTERONOMY ۱۸-۱۹ (عہد نامہ عتیق اور عہد نامہ جدید)

[2] فرعون کی قوم کے آدمی کو قتل کرنے کا واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے منصب نبوت پر فائز ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے لہذا اس واقعہ کو نبوت کے بعد کے حالات سے جوڑنا مناسب نہیں ہے۔ دوسرے حضرت موسیٰؑ نے قبطی کو بالقصد قتل نہیں کیا تھا۔ یہ محض اتفاق تھا کہ وہ ایک گھونسہ میں ہلاک ہوگیا لہذا تبلیغ دین سے اس طرح کے واقعات کو وابستہ کرنا سراسر غلط ہے (د-ا)

عیسیٰ نے اپنے لوگوں کو جنگ کرنے کا کبھی حکم نہیں دیا۔

آٹھویں بات اختلاف کی یہ ہے کہ (حضرت) موسیٰ ؑ کو خدا نے ایک نئی شریعت عطا کی تھی جبکہ (حضرت) عیسیٰ کسی بھی نئی شریعت کو لے کر نہیں آئے تھے۔ بلکہ (حضرت) موسیٰ ؑ کی شریعت کی ہی تجدید کرتے آئے تھے۔

نویں بات فرق کی یہ ہے کہ (حضرت) موسیٰ بنی اسرائیل کے قائد و پیشوا تھے اور وہ بہت ممتاز حیثیت کے مالک تھے (حضرت) عیسیٰ ؑ اپنی حیات میں اپنی برادری کے قائد نہیں رہے انھیں تو صرف بارہ آدمیوں نے اپنا استاد اور مذہبی پیشوا مانا تھا جن میں سے ایک شاگرد نے انھیں دھوکا دیکر گرفتار بھی کرا دیا تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ (حضرت) عیسیٰ ؑ کے ماننے والے بھی پورے طور پر ان سے اُن سے عقیدت و محبت نہیں رکھتے تھے

دسویں بات اختلاف کی یہ ہے کہ (حضرت) موسیٰ ؑ نے طویل عمر پائی تھی (حضرت) عیسیٰ ؑ نے اتنی طویل عمر نہیں پائی۔

اختلاف کی گیارھویں بات یہ ہے کہ (حضرت) موسیٰ ؑ کے انتقال کے بعد ان کے نامزد کئے ہوئے خلیفہ نے پورے فلسطین اور شام پر فتح حاصل کی تھی۔ جبکہ (حضرت) عیسیٰ ؑ سے متعلق کوئی بھی ایسی بات منسوب نہیں ہے۔

لہٰذا (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) پیش گوئی کے حامل (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) کبھی نہیں ہوسکتے۔

مندرجہ بالا اختلافات کی بنیاد پر (حضرت) عیسیٰ اور (حضرت) موسیٰ میں یکسانیت ممکن نہیں ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا (حضرت) محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) سے مناسبت رکھتے تھے؟

جی ہاں مندرجہ ذیل باتوں میں یکسانیت اس کا بیّن ثبوت ہے۔

پہلا۔ تبلیغ دین کے سلسلہ میں رکاوٹیں پیدا کرنے والوں کا مقابلہ کرنے اور انھیں نقصان پہنچانے میں (حضرت) موسیٰ ؑ اور (حضرت) محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) یکساں[1] تھے۔

دوسری مماثلت یہ بھی کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیدائش سے پہلے ان کی قوم کے لوگ بھی بُت پرستی میں بری طرح لت پت تھے اور یہی حال (حضرت) موسیٰ ؑ کی قوم کے لوگوں کا تھا۔

تیسری مماثلت یہ ہے کہ جس طرح سے (حضرت) موسیٰ نے اپنے مخالفین پر کامیابی حاصل کی اسی طرح (حضرت) محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے بھی اپنے مخالفین پر مکمل کامیابی حاصل کی۔

مماثلت کی چوتھی بات یہ ہے کہ جس طرح (حضرت) موسیٰ ؑ کے پیروؤں نے انھیں دھوکا نہیں دیا بالکل اسی طرح حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ساتھیوں نے بھی انھیں دھوکا نہیں دیا۔

مماثلت کی پانچویں بات یہ ہے کہ جس طرح (حضرت) موسیٰ ؑ اپنے ماں باپ سے پیدا ہوئے تھے اسی طرح (حضرت) محمد (صلعم) بھی ماں باپ سے پیدا ہوئے تھے (حضرت) محمد (صلعم) (حضرت) عیسیٰ ؑ کی طرح کنواری ماں کے بطن سے پیدا نہیں ہوئے تھے (حضرت) محمد (صلعم) کی بیوی اور بچے تھے (حضرت) عیسیٰ کی طرح آپ کنوارے نہیں رہے

مماثلت کی چھٹی بات یہ ہے کہ جس طرح (حضرت) موسیٰ نے اپنی قوم اور اپنے ساتھیوں کو فرعون کی غلامی سے نجات دلائی تھی۔ اسی طرح (حضرت) محمد (صلعم) نے بھی اپنے ماننے والوں کو قریش کے ظالم سرداروں کے خونخوار پنجوں سے چھٹکارا دلایا تھا۔

مماثلت کی ساتویں بات یہ ہے کہ جس طرح (حضرت) موسیٰ کے حکم سے اُن کے ماننے والوں نے ان کی وفات کے بعد، ان کے ایک خلیفہ کی سرکردگی میں فلسطین اور شام فتح کے

---

[1] عہد نامہ جدید ۱۷-۵ ۔ حضور اکرم (صلے اللہ علیہ وسلم) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام میں جس واقعہ کو بنیاد بنا کر پہلی مماثلت بیان کی گئی ہے وہ واقعہ ہی غلط ہے۔ یعنی قبطی کا قتل کیا جانا۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ ؑ اور حضور (صلے اللہ علیہ وسلم) کی جو مماثلت بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے "تم لوگوں کے پاس ہم نے اسی طرح رسول بنا کر بھیجا ہے جس طرح ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا۔ (سورہ مزمل آیت ۱۵) (د۔ ا)

اسی طرح حضرت محمد (صلعم) نے ماننے والوں یعنی مسلمانوں نے ان کی وفات کے بعد اُن کے ایک خلیفہ حضرت، عمر رضؓ کی سرکردگی میں شام اور فلسطین فتح کئے

آٹھویں بات کی مماثلت یہ ہے کہ جس طرح حضرت) موسیٰؑ کو اللہ کی طرف سے ایک نئی شریعت عطا ہوئی تھی۔ اسی طرح حضرت محمد (صلعم) کو بھی اللہ تعالےٰ کی طرف سے ایک نئی شریعت عطا کی گئی تھی

نویں بات کی مماثلت یہ ہے کہ جس طرح (حضرت) موسیٰ اپنی قوم کے مذہبی قائد و پیشوا تھے اسی طرح حضرت محمد (صلعم) بھی اپنی قوم کے مذہبی رہنما اور قائد تھے۔

مماثلت کی دسویں بات یہ ہے کہ (حضرت) موسیٰؑ نے طویل عمر پائی تھی بالکل اسی طرح (حضرت) محمد صلعم کو بھی طویل عمر نصیب ہوئی تھی [۱]۔

اس طرح حضرت موسیٰؑ سے حضرت محمد صلعم کی مماثلت نظر آتی ہے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نہیں۔

حضرت موسیٰؑ کا برادر زادہ ہونا

آخری رسول حضرت موسیٰؑ کے بھائیوں میں سے ہوگا۔ اس بات کی بھی تصدیق حضرت موسیٰؑ کے پانچویں صحیفہ ڈیوٹیرانومی (DEUTERONOMY) سے ہو جاتی ہے (حضرت) موسیٰؑ کے بھائیوں میں سے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ (حضرت) موسیٰؑ کی نسل میں سے نہیں بلکہ وہ ان کے خاندانی سلسلہ نسب سے ہوگا۔

عہد نامہ عتیق کے پانچویں صحیفہ ڈیوٹیرانومی (DEUTERONOMY) کی بنیاد پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل میں سے (حضرت) موسیٰ کی طرح اب دوسرا نبی نہیں آئے گا جس کو خدا کے حضور کھڑے ہو کر گفتگو کرنے کا موقع فراہم ہو [۲]۔ گو کہ آخری رسول سے متعلق عہد عتیق میں ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ لیکن یہ بات مستقبل سے متعلق ہے۔ اس لئے کہ دیدوں میں بھی اکثر مقام پر یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے اور قرآن (پاک) نے بھی اسی انداز کو اپنایا ہے [۳]۔ اگر اس اصول کو نہ مانا جائے تو ایک بڑا اعتراض یہ ہوگا کہ (حضرت) موسیٰ کی حیات میں ہی ان پر نازل ہونے والے صحیفہ میں یہ کسی بھی طرح نہیں کہا جا سکتا کہ (حضرت) موسیٰؑ کے مماثل کوئی نہیں ہوا۔

(حضرت) موسیٰ کے بھائیوں میں (حضرت) محمد (صلعم) کا شمار جس بنیاد پر ہوتا ہے اس کی تفصیلات یہ ہیں۔

(حضرت) ابراہیمؑ جو ابو الانبیا کہے جاتے ہیں۔ اُن کے دو لڑکے تھے (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کی پہلی بیوی کا نام (مقدس) سارہ تھا۔ جن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی (حضرت) سارہ کی مرضی سے (حضرت) ابراہیمؑ نے ایک مصری عورت (حضرت) ہاجرہ سے شادی کر لی (حضرت) ہاجرہ کے بطن سے (حضرت) اسماعیل (علیہ السلام) پیدا ہوئے جس وقت (حضرت) اسمٰعیل پیدا ہوئے ہیں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی عمر چھیاسی سال کی تھی۔ سو سال کی عمر میں ایک اور لڑکا (حضرت) اسحاق (حضرت) سارہ کے بطن سے جبکہ ان کی عمر نوے سال کی تھی پیدا ہوگئے حضرت اسحاق کی پیدائش سے ایک سال قبل (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کو اللہ نے یہ بشارت دی تھی کہ ان کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ اس پر حضرت ابراہیمؑ نے سجدۂ شکر ادا کیا یہ ملک کنعان کا واقعہ ہے جہاں

---

[۱] حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مماثلت کے سلسلہ میں حضرت مولانا مودودی صاحب نے تفہیم القرآن جلد ششم صفحہ ۵۴۸ پر سورۃ معوذتین کے موضوع اور مضمون کے ذیل میں تحریر کیا ہے کہ :- ان حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا کہ ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں پناہ مانگتا ہوں طلوع صبح کے رب کی، تمام مخلوقات کے شر سے، رات کے اندھیرے اور جادوگروں اور جادوگرنیوں کے شر سے اور حاسدوں کے شر سے اور ان سے کہہ دو کہ میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب، انسانوں کے بادشاہ اور انسانوں کے معبود کی، ہر اس وسوسہ انداز کے شر سے جو بار بار پلٹ کر آتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے خواہ وہ شیاطین جن میں سے ہو یا شیاطین انس میں سے۔ یہ اسی طرح کی بات ہے جیسی حضرت موسیٰؑ نے اُس وقت فرمائی تھی جب فرعون نے بھرے دربار میں اُن کے قتل کا ارادہ ظاہر کیا تھا کہ "میں نے اپنے اور تمہارے رب کی پناہ لے لی ہے۔ ہر اس متکبر کے مقابلہ میں جو روز حساب پر ایمان نہیں رکھتا (المومن ۲۷) اور میں نے اپنے اور تمہارے رب کی پناہ لی ہے اس بات سے کہ تم مجھ پر حملہ آور ہو (الدخان ۲۰) ـــــــــ دونوں مواقع پر اللہ کے ان جلیل القدر پیغمبروں کا مقابلہ بڑی بے سر و سامانی کی حالت میں بڑے سر و سامان اور وسائل و ذرائع اور قوت و شوکت رکھنے والوں سے تھا۔ دونوں مواقع پر وہ طاقتور دشمنوں کے آگے اپنی دعوت حق پر ڈٹ گئے درانحالیکہ ان کے پاس کوئی مادی طاقت ایسی نہ تھی جس کے بل پر وہ ان کا مقابلہ کر سکتے اور دونوں مواقع پر انہوں نے دشمنوں کی دھمکیوں اور خطرناک تدبیروں اور معاندانہ چالوں کو یہ کہہ کر نظر انداز کر دیا کہ تمہارے مقابلہ میں ہم نے رب کائنات سے پناہ لی ہے۔ (ادارہ)

[۲] (DEUTERONOMY, CHAP 34, VER 10)

[۳] اس اصول کے ماننے میں کوئی قباحت نہیں ہے جیسا کہ خود مصنف نے تحریر کیا ہے (باقی عـ

(حضرت) ابراہیمؑ غریب الوطنی کی زندگی گذار رہے تھے۔ کنعان آجکل فلسطین کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

خدا نے حضرت ابراہیمؑ سے یہ وعدہ کیا کہ میں تجھکو اور تیرے بعد تیری اولاد کو بھی یہ سارا ملک کنعان جس میں تو پردیسی ہو کر رہتا ہے اس طرح دونگا کہ وہ صدہا سال اُن کی ملکیت رہے گی۔[1]

عہد نامہ عتیق (ALDTORT & MANT) کی بنیاد پر اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ فلسطین پر (حضرت) ابراہیمؑ کی اولاد کا غالب حق رہے گا۔ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ (حضرت) ابراہیمؑ کو عوسش پیران میں اب رام کہا گیا ہے اور قرآن میں ابراہیم (علیہ السلام)۔ (حضرت) ابراہیمؑ کو جب سے اس نام سے پکارا گیا ہے کہ خدا نے ان سے قوموں کا باپ ہونے کا وعدہ کیا تھا[2] فلسطین پر (حضرت) ابراہیم کی اولاد کا ہمیشہ حق رہے گا۔ خدا کے اس وعدہ سے اتنا تو ظاہر ہے کہ فلسطین پر قبضہ کا حق تو (حضرت) ابراہیمؑ کی اولاد ہی کا رہے گا چاہے وہ جس شخ کی ہو۔ حضرت اسماعیل کی اولاد میں عربوں کا شمار ہوتا ہے اور آپ کے سوتیلے بھائی (حضرت) اسحقؑ کی اولاد میں یہودی لوگ آتے ہیں۔ سوتیلے بھائیوں کا روایتی حسد مشہور ہے لہٰذا ان دونوں سوتیلے بھائیوں کی اولاد (عرب اور یہودی) کے درمیان ایک دوسرے کے لئے حسد کا جذبہ ہونا قرین قیاس ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فلسطین پر اپنا قبضہ باقی رکھنے کے لئے عرب اور یہودی ہمیشہ لڑتے رہے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کے پہلے بیٹے (حضرت) اسماعیل کا سلسلۂ اولاد مختصراً یہ ہے:-

(حضرت) اسماعیل کے بیٹے کا نام قیدار تھا قیدار کے کئی پیڑھی بعد عدنان ہوئے عدنان کی کئی پیڑھی بعد قریش[3] ہوئے اور اُن کی کئی پیڑھی بعد عبد مناف ہوئے۔ عبد مناف کے بعد ہاشم، ان کے بعد عبد المطلب اور عبد المطلب کے بعد عبد اللہ ہوئے جن کے نامور بیٹے حضرت) محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) تھے[4]

(حضرت ابراہیمؑ کے دوسرے بیٹے (حضرت) اسحاقؑ کا سلسلۂ اولاد اس طرح ہے۔

(حضرت) اسحاق کے بعد (حضرت) یعقوب (اسرائیلؑ) (حضرت) یعقوب کے بعد یہودہ اور یہودہ کی کئی پیڑھی بعد (حضرت) موسیٰؑ ہوئے۔

اس طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے بڑے بیٹے (حضرت) اسماعیلؑ کی اولاد میں سے (حضرت) محمد (صلعم) تھے اور حضرت ابراہیمؑ کے چھوٹے بیٹے (حضرت) اسحاق کی اولاد میں (حضرت) موسیٰؑ تھے یعنی (حضرت) محمد صلعم (حضرت) موسیٰؑ کے برادر زاد تھے۔ لہٰذا آخری رسول کی پیش گوئی جو حضرت موسیٰ کے ذریعہ کرائی گئی تھی وہ پوری طرح (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر منطبق ہوتی ہے گو کہ آپ بنی اسرائیل میں سے نہیں تھے لیکن (حضرت) اسماعیلؑ کی نسل سے تو تھے۔

اسی طرح حضرت محمد (صلعم) پر حضرت موسیٰؑ کا برادر زاد ہونا پوری طرح صادق آتا ہے۔

۴۔ (حضرت) موسیٰؑ پر نزولِ وحی کے مطابق جس آنے والے نبی سے متعلق (حضرت) موسیٰؑ کی پانچویں صحیفہ ڈیوٹیرا نامی میں جو پیش گوئی کی گئی ہے۔ وہ (حضرت) محمد (صلعم) ہی تھے اس کی تصدیق اس بات سے ہوتی ہے (حضرت) محمد (صلعم) پر اللہ تعالےٰ اپنے فرشتہ کے ذریعہ وحی نازل فرماتا

آنے والے نبی سے متعلق (حضرت) موسیٰؑ کی مذہبی کتب کا یہ کہنا ہے کہ وہ خدا کے احکامات کی تبلیغ کرنے والا ہوگا۔

آر پی اسمتھ کی کتاب "محمد اینڈ محمد ازم" میں واقع طور پر تحریر ہے کہ حضرت محمد (صلعم) پر خدا تعالیٰ کی طرف سے وحی کا نزول

بقیہ صفحہ گذشتہ :- تقریباً ہر مذہبی کتاب نے اسی انداز کو اپنایا ہے[3] ۱۷/ (ادھیاے ۳ شلوک ۲۱)

[1] (OLD TESTAMENT, GENESIS, 17-5) [2] (OLD TESTAMENT, GENESIS 17.5) [3] قریش کسی شخص کا نام نہیں ہے بلکہ بنی اسماعیل کے ایک بہت بڑے قبیلے کا نام ہے (و-ا) [4] حضور اکرم صلعم کا صحیح نسب نامہ اس طرح ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان بن اد بن المقوم بن تارح بن یشجب بن یعرب بن نابت بن اسماعیل بن حضرت ابراہیم علیہ السلام (و-ا)

ہوتا تھا۔ (قرآن مجید کی شکل میں) اس دنیا میں موجود ہے۔ حضرت محمد (صلعم) نے حقیقتاً خدا کے احکامات کی تبلیغ کی۔ اگر آپ سچے اور برحق نبی نہ ہوتے اور آپ کا پھیلایا ہوا دین صحیح نہ ہوتا تو آپ زیادہ عرصہ زندہ نہ رہتے جیسا کہ (حضرت) موسیٰ کے پانچویں صحیفہ میں کہا گیا ہے کہ جس کے بارے میں پیش گوئی کی جا رہی ہے اگر اس کی جگہ کوئی دوسرا شخص نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر کے لوگوں کو گمراہ کرے گا اور جن باتوں کی وہ تبلیغ کریگا وہ صحیح ثابت نہ ہوں گی تو یقینی طور پر ہلاک کر دیا جائے گا اور آنے والا نبی نہ مانا جائیگا[1]۔

رسول کو پہچاننے کا سب سے بڑا ذریعہ یہ ہے کہ اگر کوئی نبوت کا دعویدار ہوتا ہے تو اس کی تعلیمات مبنی برحق ہونا چاہیئے تبھی اسکو نبی یا رسول مانا جائیگا ورنہ اسے نبی نہ مانا جائے اور ایسے جعلساز سے ڈرنا چاہیئے[2]۔

حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سے متعلق غور و فکر کرنے سے یہ بات ظاہر ہوجاتی ہے کہ آپ نے کم عمری میں وفات پائی اور نہ آپ کو بے وقت لوگوں نے قتل کیا خدا کے سچے دین کی تبلیغ کے معاملہ میں آپ کے مخالفین نے کافی مزاحمت کی آپ نے پھر بھی اپنا کام جاری رکھا ان حالات میں اکثر آپ پر اپنی جان کا خطرہ بھی لاحق ہوا لیکن خدا تعالیٰ نے اُن کی حفاظت کی

حضرت محمد (صلعم) کے لئے اللہ کی جانب سے اس طرح تسلی بھی دی گئی کہ وہ کسی بات کا فکر نہ کریں کیونکہ خدا تعالیٰ ان کا محافظ ہے۔ لہٰذا انھیں تبلیغ دین کے مخالفین کی طرف سے جان کا خطرہ نہیں ہے[3]۔ یہی سبب تھا کہ (حضرت) محمد (صلعم) بے خوف (نعوذ) اللہ کے دین کی تبلیغ ساری زندگی بلکہ اپنی زندگی کی آخری سانس تک کی[4]۔

اب آپ (حضرت) محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے سچے نبی ہونے کے ثبوت ملاحظہ فرمائیں۔

(حضرت) محمد (صلعم) نے جب اللہ کے دین کی تبلیغ کا کام شروع کیا تو مکہ کے لوگ آپ کے مخالف ہوگئے اور انھوں نے مسلسل آپ کو اپنی قوم یا گھرانے سے بے دخل کر دینے کی دھمکی دی اور اور ایک مرتبہ تو تمام لوگوں نے بلکہ آپ کے خلاف ایک عہدنامہ تحریر کیا اور اس کے بموجب آپ کو شعب ابی طالب میں چند دوسرے مسلمانوں کے ساتھ نظر بند کر دیا۔

(حضرت) محمد (صلعم) شعب ابی طالب میں رہائش پذیر رہے۔ یہ مقام خانہ کعبہ سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر تھا آپ اور مسلمانوں کی اس وادی میں رہتے ہوئے ابھی تین سال ہی ہوئے تھے کہ آپ نے اپنے چچا ابوطالب کے ذریعہ مکہ والوں سے کہلوایا کہ معاہدنامہ تو دیمک چاٹ گئی ہے لہٰذا اب ہمارے اور آپکے درمیان کا معاہدہ فسخ ہوگیا۔ آپ کے چچا ابوطالب نے مکہ والوں سے کہا کہ اب حضرت محمد (صلعم) اور ان کے ساتھیوں کا مقاطعہ ختم ہوجانا چاہیئے کیونکہ معاہدہ نامہ دیمک نے چاٹ لیا ہے اور خود حضرت محمد (صلعم) کے ساتھ اس طرح کا معاملہ بھی کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ مکہ والوں نے کہا۔ اگر یہ بات صحیح ہے کہ معاہدہ نامہ برباد ہوچکا ہے تو پھر یقینی طور پر حضرت محمد (صلعم) ہمارے درمیان دوبارہ آسکتے ہیں جب معاہدہ نامہ دیکھا گیا تو خدا کا نام چھوڑ کر باقی حصہ دیمک کی نذر ہوچکا تھا۔ لہٰذا آپ کا سماجی مقاطعہ ختم کر دیا گیا۔

حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی سچائی کا ایک زندہ ثبوت یہ ہے کہ آپ نے شعب ابی طالب میں رہائش پذیر رہتے ہوئے معاہدہ نامہ ضائع ہونے کی بات ارشاد فرمائی جو بالکل صحیح ثابت ہوئی[5]

اس طرح کے اور بھی واقعات تاریخ و سیرت کی کتابوں میں درج ہیں جن کا مطالعہ ہمارے لئے پوری طرح اس بات کو واضح کر دیتا ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک سچے نبی تھے اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے جس رسول کے لئے پیش گوئی کی تھی وہ آپ اور صرف آپ ہی تھے

---

[1] محمد اینڈ محمڈن ازم صفحہ ۹۳ (DEUTERONOMY, CHAP. 18 VERSA 20 [2] (DEUTERONOMY) 19. 22
[3] سورہ ۵ آیت ۶۷ [4] "ہندوستانی تہذیب پر اسلام کے اثرات" از ڈاکٹر تارا چند۔
[5] تواریخ حبیب الٰہ از مفتی عنایت احمد صفحہ ۲۰ [6] تواریخ حبیب الٰہ صفحہ ۱۶۲

اس طرح کے اور بھی بہت سے واقعات تاریخ و سیرت کی کتابوں میں درج ہیں جن کا مطالعہ ہمارے لئے پوری طرح اس بات کو واضح کر دیتا ہے کہ حضرت محمد (صلعم) ایک سچے نبی تھے اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے جس رسول کے لئے پیش گوئی کی تھی وہ آپؐ اور صرف آپ ہی تھے۔

باب (۵)

وہ رسولؐ!

آخری رسول کے متعلق مختلف قسم کی پیش گوئیاں کی گئی ہیں۔ آخری رسول کو کہیں کسی نام سے موسوم کیا گیا ہے تو کہیں کسی نام سے ناموں کے اختلاف کی بنیاد پر لوگوں کے دلوں میں اس شک و شبہ کا پیدا ہونا ناممکن نہیں ہے کہ اگر ایک ہی رسول سے متعلق یہ ساری پیش گوئیاں کی گئی ہیں تو پھر ساری پیش گوئیوں میں ایک ہی نام بھی آنا چاہیئے تھا لیکن ایسا نہیں ہے اس لئے الگ الگ ناموں سے موسوم الگ الگ رسولوں کے آنے کی پیش گوئیاں ہیں اس شک و شبہ کا ازالہ پیش خدمت ہے۔

کسی بھی مخصوص شخصیت کو اس کی اعلیٰ صفات کی بنیاد پر مختلف القاب سے سرفراز کیا جا سکتا ہے اور یہ مختلف القاب اکثر اس مخصوص شخصیت کے اصل نام کی جگہ لے لیتے ہیں۔ ثبوت کے طور پر دشنوجی کو لے لیجیے۔ انہوں نے زرد لباس کا استعمال کیا تھا اس لئے انھیں پیتامبر کہا جاتا ہے۔ وہ لکشمی کے شوہر تھے اس لئے انھیں لکشمی پتی کہا جاتا ہے وہ چکر دھارن کرتے ہیں اس لئے انھیں چکری کہا جاتا ہے۔

اسی طرح آخری رسول سے متعلق بھی پیش گوئیاں مختلف ممالک کی مختلف زبانوں میں ہوئی ہیں۔ اس لئے مختلف زبانوں کے باعث آخری رسول کے مختلف نام نظر آتے ہیں۔ کچھ مقامات پر تو آخری رسول کو "وہ" کہا گیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ جس رسول کو "وہ" کہا گیا ہے وہ کونسا رسول ہے؟ اور اس کے سلسلہ میں کیا کیا پیش گوئیاں ہوئی ہیں؟

پہلے ہم ان ساری پیش گوئیوں کو گزشتہ رسولوں کی زبانِ مبارک سے ادا کرتے ہیں:۔

"اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے احکام کی پابندی کرو گے اور میں باپ سے التجا کروں گا۔ اور وہ تمہیں ایک اور مددگار دے گا وہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے[۱]" ــــ لیکن معاون یعنی پاک روح جس کو باپ میرے نام سے بھیجے گا وہ تمہیں سب باتیں سکھا سکے گا[۲] اور جو کچھ میں نے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد کرائے گا میں اب سے تمہارے ساتھ اور باتیں نہیں کروں گا کیونکہ اس دنیا کا سردار آتا ہے[۳]" ــــ "لیکن جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا گو کہ وہ پاک روح باپ کی جانب سے ہوگی میری گواہی دیگی[۴]" تو میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے اچھا ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئیگا۔ لیکن اگر میں جاؤنگا تو اسے تمہارے پاس بھیجدوں گا[۵]" لیکن جب وہ یعنی پاک روح آئے گی تو تمہیں سچائی کا راستہ دکھائے گی۔ کیونکہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا۔ لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور آنے والی باتیں تمہیں بتائے گا[۶]"

(یوحنا نے کہا) "میں تو پانی سے تمہیں توبہ کرنے کے لئے بپتسمہ دیتا ہوں جو میرے بعد آنے والا ہے۔ وہ مجھ سے طاقتور ہے میں اس کی جوتی اٹھانے کے قابل نہیں۔ وہ تمہیں پاک روح اور آگ سے بپتسمہ دے گا[۷]" ــــ

وہ با انتظام ہے؛ اور وہ اپنا کھلیان عمدہ طریقے سے صاف کرے گا اور اپنے گیہوں کو تو کھتے میں جمع کرے گا لیکن بھوسے کو اس آگ میں جلائے گا جو بجھنے والی نہیں[۸]" ــــ

---

[۱] بائبل از جان ۱۶-۱۵-۱۴۔ [۲] بائبل از جان ۲۶-۱۴۔ [۳] بائبل از جان ۳۰-۱۴ [۴] بائبل از جان ۲۶-۱۵۔ [۵] بائبل از جان ۷-۱۶۔ [۶] بائبل از جان ۱۳-۱۶

[۷] بائبل از متی ۱۱-۳ [۸] بائبل از متی ۱۲-۳۔

کرنے والا رسول کس قوم میں پیدا ہوگا اس سلسلہ میں (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) کا ارشاد یہ ہے۔

اس لئے جب انگوروں کے باغ کا مالک آئیگا تو ان کسانوں کے ساتھ کیا کرے گا؟ انھوں نے اس سے کہا وہ انھیں برباد کرے گا اور انگوروں کے باغ کا ٹھیکہ دوسرے کسانوں کو دیگا جو وقت پر اسے پھل دیا کریں گے۔[1]

اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی سلطنت تم سے لے لی جائے گی اور ایسی قوم کو جو اسے سنبھال کر رکھ سکے دیدی جائیگی۔[2]

مندرجہ بالا پیش گوئیوں کی بنیاد پر آنے والے تین رسولوں کا انتظار تھا۔ انتظار کئے جانے والوں میں ایلیاہ (الیاس) اور دوسرے تھے حضرت عیسیٰ۔ تیسرے آنے والے کو وہ رسول کہا گیا ہے۔ ابتداء میں ہی یہ واضح کردینا ضروری ہے کہ اوّل دو رسول ہوئے یا نہیں۔ کیونکہ دونوں کے بعد "وہ رسول" کا آنا طے شدہ ہے۔

۱۔ ایلیاہ (حضرت الیاس): حضرت عیسیٰ کے آنے سے پہلے ایلیاہ (حضرت الیاس) کی آمد کی خبر دی گئی تھی۔ ایلیاہ ہی یوحنا کی شکل میں آئے تھے۔[3] جیسا کہ حضرت عیسیٰ نے خود ارشاد فرمایا ہے — کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ ایلیاہ آچکا اور انھوں نے اسے نہیں پہچانا۔ لیکن جیسا چاہا ویسا ہی اس کے ساتھ کیا۔[4]

ایلیاہ کی زندگی میں ہی حضرت عیسیٰ نے لوگوں کو تنبیہ کیا تھا کہ یوحنا ہی ایلیاہ ہے (حضرت عیسیٰ کے ارشادات کی بنیاد پر ایلیاہ سے متعلق پیش گوئی یہ ہے:-

یوحنا تک سارے رسول اور شریعت پیش گوئی کرتے رہے۔ اور چاہو تو مانو۔ ایلیاہ جو آنے والا تھا وہ یہی ہے جس کے سننے کے کان ہوں وہ سن لے۔[5]

یوحنا (یحییٰ ابن زکریاہ) نے بادشاہ ہیرودیس کو اس بات کے لئے کہا تھا کہ ہیرودیس اپنے بھائی فلپس کی بیوی کو اپنی بیوی کے طور پر نہ استعمال کرے۔ ہیرودوس جو پہلے فلپس کی بیوی تھی۔ اس کی مرضی سے اس کے موجودہ شوہر ہیرودیس نے یوحنا کو قید خانہ میں ڈالدیا تھا یوحنا نے بادشاہ کو ہیرودیس سے شادی کرنے کو منع کیا تھا اس لئے ہیرودیوس یوحنا کو مروا ڈالنا چاہتی تھی اور اس کےلئے کوئی نہ کوئی بہانہ تلاش کرنے میں لگی رہتی تھی۔ یوحنا کی دینداری اور بزرگی سے متاثر ہونے کے باعث بادشاہ ہیرودیس اس سے خوفزدہ تھا۔ اور اسکو محفوظ رکھے ہوئے تھا اور یوحنا کی اچھی باتیں سن کر مسرور ہوتا تھا۔ اپنا یوم پیدائش منانے کی تقریب میں بادشاہ ہیرودیس نے اپنے درباریوں اور معزز شہریوں کو کھانے پر مدعو کیا اسی روز ہیرودیاس کی بیٹی نے اپنے فن رقص سے بادشاہ کو خوش کردیا۔ لہٰذا بادشاہ نے لڑکی سے کہا کہ میری آدھی سلطنت تک بھی جو کچھ تو مانگے گی میں بخوشی دینے کے لئے تیار ہوں۔ لڑکی نے اپنی ماں سے پوچھ کر بادشاہ سے یوحنا کا سر تھالی میں رکھ کر مانگا

---

[1] بائبل از متی ۲۱-۴۰-۴۱۔ [2] بائبل از متی ۲۱-۴۳۔ [3] بائبل از متی ۱۷-۱۲۔ [4] [illegible] [5] ایلیاہ (حضرت الیاس) اور یوحنا (حضرت یحییٰ بن زکریا) بالکل دو الگ شخصیتیں ہیں۔ معزز مقالہ نگار نے ایلیاہ کو یوحنا سمجھنے میں مغالطہ کیا ہے۔ اول تو یوحنا کئی الگ الگ شخصیتوں کے نام ہیں۔ یوحنا بپتسمہ دینے والا۔ یوحنا۔ یسوع مسیح کے حواری۔ یوحنا۔ شمعون پطرس کے والد۔ یوحنا۔ انجیل کے مصنف (حوالہ کتاب [illegible] مولانا حامد علی صاحب)۔ یہاں جس یوحنا سے بحث کی جارہی ہے وہ ہیں یحییٰ بن زکریاہ۔ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً چھ مہینے بڑے تھے حضرت عیسیٰ نے اپنی دعوت کا کام جو تیس سال کی عمر میں شروع کیا تھا اس سے قبل اس زمانہ میں یوحنا (یحییٰ ابن زکریاہ) سے بپتسمہ لیا تھا۔ اس کا ذکر چاروں انجیلوں میں موجود ہے — متی کی انجیل کا یہ اقتباس کہ "میں تمہیں پانی سے توبہ کیلئے بپتسمہ دیتا ہوں لیکن جو میرے بعد آنے والا ہے وہ مجھ سے زور آور ہے میں اس کی جوتیاں اٹھانے کے لائق نہیں ہوں وہ تمہیں روح القدس اور آگ سے بپتسمہ دے گا" یہ یوحنا (یحییٰ بن زکریاہ) کے الفاظ ہیں اور اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب اشارہ ہے اسی طرح یوحنا کی انجیل کا یہ اقتباس کہ "مگر فرشتہ نے اس سے کہا اے زکریاہ! خوف نہ کر کیونکہ تیری دعا سن لی گئی اور تیرے لئے تیری بیوی الیشبع کا بیٹا ہوگا تو اس کا نام یوحنا رکھنا — اور وہ ایلیاہ کی روح اور قوت میں اس کے آگے آگے چلے گا کہ والدوں کے دل اولاد کی طرف اور نافرمانوں کی راستبازوں کی دانائی پر چلنے کی طرف پھیرے اور خداوند کے لئے ایک مستعد قوم تیار کرے" آیت ۱۴-۱۷ اس ساری گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ یوحنا — یحییٰ بن زکریاہ ہیں اور ایلیاہ حضرت الیاس ہیں یوحنا اور ایلیاہ ایک نہیں ہیں ان کو ایک بتانا سراسر مغالطہ ہے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

بادشاہ زبان دے چکا تھا لہٰذا اپنی مرضی کے خلاف اُسے ایسا کرنا پڑا۔ یہ سچ ہے کہ کچھ عورتیں اپنی محبت کے درمیان حائل ہونے والی دیوار کو گرادیتی ہیں اور اس قدر بے رحم ہوتی ہیں کہ عظیم المرتبت شخصیتوں کی زندگی کو بھی گھاس کے ایک حقیر تنکے کے مانند سمجھتی ہیں[۱]

اس طرح یہ واضح ہوجاتا ہے کہ یوحنا ہی ایلیاہ تھے[۲] جن کے فوراً بعد حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے یوں دونوں ہمعصر تھے۔ نیلیز زندگی کے سفر میں سنگ میں حضرت عیسیٰؑ ہی نظر آتے ہیں۔

۲- یسوع مسیح :۔ آپ کی ماں نے آپ کو کنوارے پن میں جنم دیا تھا۔ آپ بغیر باپ کے تھے خدا نے آپ کو وہ معجزات دیئے تھے جن کے باعث آپ بیماروں کو شفا پہونچاتے تھے۔ آپ کے وعظ اس قدر پُراثر ہوتے تھے کہ سننے والا خوف سے کانپ جاتا تھا۔ آپ کی اہمیت کو آپ کے ہموطنوں نے نہیں سمجھا۔

بھارت کے راجہ شک راج جو بکرمادیتہ کے پوتے تھے جب ہُن دیس (موجودہ عراق) کے وسطی حصہ میں پہونچے تو پہاڑ میں بیٹھے ہوئے سفید لباس سے آراستہ ایک مرد کو دیکھا۔ اُن سے شک راج نے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ تب انھوں نے بتایا کہ میں عیسیٰ مسیح ہوں اور میرا مذہب ویدک جپ (عبادت الٰہی) کے انحصار پر تمام آلائشوں سے پاک ہوکر خدا کی طرف رجوع کرنا ہے[۳] اس مقام پر حضرت عیسیٰؑ اپنے آنے کا سبب بھی بیان فرمارتے ہیں کہ سچائی کے فنا ہوجانے اور ملیچھ دیس (یعنی موجودہ عراق) کے عزت و ناموس سے بے تعلق ہوجانے کی وجہ سے میں مسیح یہاں آیا ہوں[۴] ——

اپنا نام عیسیٰ مسیح ہونے کے سلسلہ میں آپ یہ فرماتے ہیں کہ میں مقدس اور فیض رساں خدا کی عبادت کرتا ہوں۔ اس لئے میرا نام عیسیٰ مسیح ہے[۵]۔ ایسی عظیم المرتبت اور دین کے داعی کے فاتح کے لئے ہموطنوں نے ایسی خطرناک سازشیں کیں کہ جس کے تصوّر سے انسانیت آج بھی شرمسار ہے۔

(۳) وہ رسول! — یوحنا یحییٰ بن زکریا) اور حضرت عیسیٰؑ کے ظہور میں آنے کے بعد "وہ رسول" کی تشریف آوری کا وقت آتا ہے جس کے سلسلہ میں حضرت عیسیٰ نے پیش گوئی کی تھی۔ وہ رسول جس کو عبرانی زبان میں مجوزہ انجیل میں پیراکلیٹ (فارقلیط) کہا گیا ہے اب اُس کی تفصیلات کے سلسلہ میں گفتگو کی جائے گی کہ وہ کون ہے؟

وہ رسول فارقلیط کے نام سے موسوم کیا گیا ہے فارقلیط لفظ پر غور کرلینا ضروری ہے کہ اس کے کیا معنی ہیں۔

پیراکلیٹ (فارقلیط) کے معنے! — پیراکلیٹ کے معنے انجیل کے موجودہ انگریزی ترجموں میں کمفورٹر۔ آرام پہنچانے والا۔ اور ہندی ترجموں میں سہایک (معاون، مددگار) دیئے گئے ہیں۔ 'ستیارتھ پرکاش' نامی[۶] کتاب میں بابا علیم داس نے پیراکلیٹ کو یونانی زبان میں 'فارقلیط' نام سے موسوم کیا ہے جس کے معنے انھوں نے تعریف کئے جانے کے لائق بتائے ہیں[۷]۔ سرولیم میور نے (حضرت) محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی حیات طیبہ پر لکھتے ہوئے اپنی کتاب کے خلاصہ میں تحریر کیا ہے کہ عربوں میں کسی لڑکے کا نام محمدؐ رکھا جائے یہ ایک نئی اور انوکھی بات ہے۔ گو کہ عرب اسی نام سے واقف تھے لیکن نیا ضرور تھا۔ محمد لفظ جس کے معنے۔ جس کی تعریف کی گئی ہو ہے۔ اس کا مادہ 'حمد' ہے اسی مادہ سے دوسرا لفظ بنتا ہے 'احمد'۔ — عہدنامہ جدید کے کچھ عربی ترجموں میں پیراکلیٹ کے معنے احمد کئے گئے ہیں جو مسلمانوں کے دینی نقطۂ نظر سے صحیح اور ان کے لئے قابلِ قبول ہے اس لئے مسلمانوں نے یہودیوں اور عیسائیوں سے کہا کہ ہمارے رسول سے متعلق آپ لوگوں کی کتابوں میں بھی تحریر ہے۔ — جس پیراکلیٹ سے متعلق انجیل میں تفصیلات آئی ہیں ان کا انطباق پوری طرح حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) پر

(بقیہ صفحہ گذشتہ)۔ اس کے باوجود یوحنا اور ایلیاہ ایک نہیں ہیں۔ نفس مضمون پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس لئے کہ پیشین گوئی کئے جانے والے تین رسولوں میں سے پہلے دو حضرت یحییٰ بن زکریاہ اور حضرت عیسیٰؑ رسول ٹھیرے ہیں۔ [۱] انجیل از مرقس باب ۶۔ [۲] اسی کی تردید بھی گفتگو کی جاچکی ہے۔ [۳] بھوشیے پران۔ باب ۳۔ ۱۔ اشلوک ۲۷، ۲۸۔ بھوشیے پران کی یہ خبر اسی بنا پر مصدقہ نہیں مانی جاسکتی کہ خود پرانوں کی تخلیق کے زمانہ کے بارے میں اختلاف ہے (۱-۱) [۴] ایضاً [۵] ایضاً۔

یہی ہوتا ہے۔

سر ولیم میور نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ ابن مریم حضرت عیسیٰؑ نے لوگوں کا دھیان اس جانب مبذول کرایا تھا کہ میں پرانی شریعت (شریعت موسوی) کی توثیق اور اس پر عمل کرانے کے لئے بھیجا گیا ہوں لیکن میرے بعد بھی ایک ہو گا جس کا نام احمد ہو گا یہاں احمد نام پیراکلیٹ کے لئے استعمال ہوا ہے کیونکہ انجیل میں (حضرت) عیسیٰؑ نے اپنے اور اپنے آنے والے رسول کو پیراکلیٹ نام سے موسوم کرتے ہوئے اس کی پیروی کرنے کی لوگوں کو تلقین کی ہے[1]۔ اس طرح یہ واضح ہو جاتا ہے کہ پیراکلیٹ اور عربی لفظ احمد ایک ہی معنے کے دو لفظ ہیں

عہد نامہ جدید میں جس نبی کے آنے کی پیش گوئی کی گئی ہے اس میں کیا کیا خاص باتیں ہوں گی۔ جس کے باعث وہ پہچانا جائیگا اب اس پر گفتگو شروع کی جاتی ہے۔

ا۔ حضرت عیسیٰؑ کے ارشادات کی تائید کرنے والا (حضرت عیسیٰ نے اس بات کو واضح طور پر اعلان کیا ہے کہ وہ نئی شریعت لے کر نہیں آئے بلکہ وہ پرانی شریعت (شریعت موسوی) کی توثیق کے لئے آئے تھے[2]۔

ب۔ حضرت عیسیٰؑ کے بعد آنا:۔ وہ رسول جس کے آنے کی پیش گوئی کی گئی ہے۔ وہ حضرت عیسیٰؑ کے اس دار فانی سے رخصت کے بعد آئے گا۔

ج۔ سرور عالم کے طور پر آمد:۔ وہ رسول جب آئے گا تو سرور عالم کے طور پر آئے گا۔

د۔ صادق ہونا۔ وہ رسول دنیا کو سچائی کا راستہ دکھائیگا۔

س۔ روح مقدس اور آگ سے بپتسمہ دینے والا وہ رسول روح مقدس اور آگ سے بپتسمہ دیگا

اس بات کو ذکر متی نے اپنی انجیل میں کیا ہے۔ اس پیش گوئی سے مراد بعض حضرات (حضرت) عیسیٰؑ لیتے ہیں لیکن حضرت عیسیٰؑ نے روح مقدس سے تو بپتسمہ دیا مگر آگ سے بپتسمہ نہیں دیا آگ سے بپتسمہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ ظالموں کو حق پر لانے کے لئے ان سے جنگ کر کے انھیں شکست دینا اور انھیں خدا کے راستہ پر لانا۔ حضرت عیسیٰؑ نے تو کوئی بھی جنگ نہیں لڑی۔ لہٰذا یہ پیش گوئی وہ رسول سے ہی متعلق ہے[3]۔

ص۔ ہاتھ میں سوپ رکھنے والا اور کھلیان صاف کرنے والا انجیل میں تحریر ہے کہ آنے والا رسول ہاتھ میں سوپ رکھے گا اور کھلیان صاف کرے گا اور اتنا ہی نہیں وہ گیہوں کو محفوظ کرے گا اور بھوسے کو گیہوں کو الگ کر کے آگ میں جلائیگا۔ انجیل کے مندرجہ بالا بیان سے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آنے والا رسول اپنے ہاتھ میں ہمیشہ سوپ لئے ہوئے گھومے گا اور کھلیان صاف کیا کرے گا۔ اور گندم محفوظ کر کے بھوسے کو آگ میں جلائے گا۔ یہ لوگ عقل سے کام نہیں لیتے انجیل نے اپنے بیان میں علامتی انداز اختیار کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آنے والے رسول کی عقل حق و باطل میں امتیاز کرنے والی ہو گی۔ وہ صحیح باتوں کو قبول کرے گا اور بے مقصد اور غلط باتوں کو علم کے ذریعہ رد کر دے گا۔ کھلیان صاف کرنے کے معنے یہ ہیں جس شخص کو حق کی جانب متوجہ کرے گا پہلے اس کے باطن کو صاف کرے گا۔ کھلیان لفظ باطن کے لئے استعمال ہوا ہے جس میں کچھ رکھنے سے پہلے اس کی صفائی ضروری ہے۔

ط۔ غیر قوم میں آنے والا:۔ آنے والا رسول غیر قوم میں آئے گا۔ اس بات کا ذکر انجیل نے صاف طور پر کیا ہے حضرت عیسیٰؑ نے واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے کہ "اسلئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی

---

[1] انجیل یوحنا ۱۶ اعلم ا [2] انجیل متی ۱۷-۵ [3] ایسا نہیں ہے یہ پیش گوئی پورے طور پر حضرت عیسیٰ پر ہی منطبق ہوتی ہے اسلئے کہ میں جیسا کہ گذشتہ حاشیہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ انجیل کا مندرجہ ذیل اقتباس جس کی بنیاد پر معزز مقالہ نگار نے اپنے دعوے کو دہرایا ہے یہی اقتباس ان کے دعوے کے رد میں جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو:۔ (یوحنا نے کہا) میں تو پانی سے توبہ کیلئے بپتسمہ دیتا ہوں مگر جو مجھ سے بعد آتا ہے۔ وہ مجھ سے زور آور ہے میں اسکی جوتی اٹھانے کے لائق نہیں وہ تمکو روح القدس اور آگ سے بپتسمہ دیگا . . . . اسوقت یسوع گلیل سے یردن کے کنارہ پر یوحنا کے پاس اُس سے بپتسمہ لینے آیا مگر یوحنا یہ کہہ کر منع کرنے لگا کہ میں آپ تجھ سے بپتسمہ لینے کا محتاج ہوں اور تو میرے پاس آیا ہے یسوع نے جواب میں اس سے کہا۔ اب تو ہونے ہی دے کیونکہ ہمیں اسی طرح ساری راستبازی پوری کرنا مناسب ہے اس پر اس نے ہونے دیا یوحنا نے جواب میں اس سے کہا میں پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں۔ تمہارے درمیان ایک شخص کھڑا ہے جسے تم نہیں جانتے یعنی میرے بعد آنے والا ہے۔ باقی اگلے صفحہ پر

سلطنت تم سے لے لی جائیگی اور ایسی قوم جو اس میں پھل لائے گی دی جائے گی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آنے والا رسول اُس قوم میں پیدا ہوگا جو ان سے مختلف ہوگی جن میں حضرت عیسیٰ نے مخاطب کیا ہے اس لئے عیسائیوں اور یہودیوں کو یہ آرزو ترک کر دینا چاہیئے کہ آنے والا رسول ان کی قوم میں آئے گا

آخری رسول کا ظہور:۔ پیرا کلیٹ (فارقلیط) کے معنے جس کی تعریف کی گئی ہو، ہوتے ہیں اور اس کے لئے عربی زبان میں احمد کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ بات ہمارے سامنے آپکی ہے کہ انجیل کے عربی ترجمہ میں پیرا کلیٹ کا ترجمہ احمد کیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ مسلمانوں کے حق میں جاتا تھا اور عیسائی مسلمانوں سے بغض وعناد رکھتے ہیں اس لئے انھوں نے اس ترجمہ کو غلط ثابت کیا۔

آجکل انجیل کے جو تراجم ملتے ہیں ان میں پیرا کلیٹ (فارقلیط) کا انگریزی میں ترجمہ کمفرٹر اور (ہندی) میں سہایک (مددگار) دیا ہوا ہے۔ اگر ہم پیرا کلیٹ کا ترجمہ سہایک یا کمفورٹر ہی مان لیں تب بھی یہ دونوں باتیں پوری طرح (حضرت) محمد (صلعم) کے حق میں جاتی ہیں۔

پہلے اب ہم اس بات کی تصدیق کریں گے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم سہایک (مدد دینے والے) تھے۔

آپؐ ایک روز چادر اوڑھے نماز پڑھنے جا رہے تھے کہ ایک بدو نے پیچھے سے آکر آپؐ کی چادر اتنی زور سے کھینچی کہ چادر کی رگڑ سے آپؐ کی گردن میں تکلیف ہو گئی۔ آپؐ نے جب اُس بدو سے اس کا سبب معلوم کیا تو اُس نے بتایا کہ مجھے ایک ضرورت آپڑی ہے۔ آپؐ نے پہلے اس کی ضرورت پوری کی پھر نماز کے لئے تشریف لے گئےؐ[۵۱]

یہ واقعہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم لوگوں کی کس طرح مدد کیا کرتے تھے۔

کمفورٹر کے معنے ہوتے ہیں آرام دینے والا ——

حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم سبھی کو آرام پہنچانے والے تھے آپؐ کی ذات سے نہ صرف انسانوں بلکہ جانوروں تک کو آرام پہنچا ہے۔ آپؐ نے جانوروں کے کان چھیدنے اور دم تراشنے کو منع فرمایا ہے۔ جو ایک بہت پرانی روایت ہے۔ اسی طرح جانوروں کو داغنے کی بھی ممانعت فرمائی ہے۔ سواری کے جانور پر زیادہ دیر تک کاٹھی اور زین کو کس کر کھڑا رکھنے کو منع کرنے کے علاوہ آپ نے جانوروں آپس میں لڑانے کو بھی برا بتایا۔

زندہ لڑکیوں کو زمین میں دفن کرنے کی رسم کو بھی آپ نے ختم فرمایا۔ اس طرح یہ ساری باتیں وہ ثبوت فراہم کرتی ہیں جن کی بنیاد پر یہ کہنا حق بجانب ہے کہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم آرام دینے والے یعنی کمفورٹر تھے۔

ا۔ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے ارشادات کی یاددہانی کرانے والا!

آخری رسول کو حضرت عیسیٰؑ کے ارشادات کی یاددہانی کرانے والا کہا گیا ہے۔ حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے گذشتہ سارے انبیاء و رسل کی تائید کی ہے اور ہر مسلمان کے لئے یہ امر لازمی ہے کہ وہ قرآن اور اس سے پہلے جو کتابیں آسمان سے اتری ہیں اُن سب کو مانے۔ اسی طرح توریت۔ انجیل اور قرآن تینوں کتابیں مسلمانوں کیلئے قابل تعظیم و تکریم ٹھیرتی ہیں[۵۲]۔ (حضرت) محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اپنے سے پہلے آنے کے باعث (حضرت) عیسیٰ کی بھی تائید کی ہے۔ (حضرت) عیسیٰ نے جس شریعت کی توثیق فرمائی تھی یعنی شریعت موسوی کی آپ نے اس کی بھی تائید فرمائی ہے[۵۳]۔

ب۔ (حضرت) عیسیٰ کے بعد آنا:۔ (حضرت) محمد (صلعم)

بقیہ صفحہ گذشتہ:۔ جس کی جوتی کا تسمہ میں کھولنے کے لائق نہیں۔ ... دوسرے دن اُس نے یسوع کو اپنی طرف آتے دیکھ کر کہا یہ خدا کا برہ ہے جو دنیا کا بوجھ اٹھالے جاتا ہے۔ یہ وہی ہے جسکی بابت میں نے کہا تھا کہ ایک شخص میرے بعد آتا ہے جو مجھ سے مقدم ٹھیرا ہے کیونکہ وہ مجھ سے پہلے تھا (یوحنا باب ۱- ۲۶، ۲۷- ۲۹) لہٰذا ان حضرات کا یہ کہنا ہے کہ یہ پیش گوئی حضرت عیسیٰ سے متعلق ہے۔ بالکل صحیح ہے اور ہمارے نزدیک بھی اگر یہ بات مان لینے میں نفس مضمون پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔

۵۱" سنسار گرو صفحہ ۶۰ از بابا علیم داس ۵۲ ایضاً۔ ۵۳ اس میں تو شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن پاک سے پہلے مختلف انبیاء پر جو کتابیں یا صحیفے اترے ہیں اور جن کا ذکر قرآن پاک میں بھی آیا ہے وہ اس لحاظ تو یقیناً قابل تعظیم و تکریم ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہیں لیکن بعد میں ان میں جو قطع برید ہوئی ہے اس باعث اب وہ اس حیثیت کے حامل نہیں رہی ہیں کہ انھیں قرآن پاک کے برابر درجہ دیا جاسکے اور مسلمان اُنکی تعلیمات پر بھی اسی طرح عمل پیرا ہوں (باقی اگلے صفحہ)

حضرت عیسیٰ کے بعد اس دنیا میں تشریف لائے تھے۔

(۶) **سرورِ عالم کے طور پر تشریف آوری:-** انجیل میں آخری نبی کے لئے کہا گیا ہے کہ یہ دنیا کا سردار ہوگا (حضرت) محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے جس دین کی تبلیغ اور اس کی اشاعت فرمائی وہ دین اسلام تھا بعض حضرات دین اسلام کو (حضرت) محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا دین سمجھتے ہیں جبکہ خود (حضرت) محمد (صلعم) کا ہی ارشاد ہے کہ " دینِ اسلام مجھ سے پہلے بھی سارے انبیاء کا دین تھا " پھر آپ کا پیش کیا ہوا دین اسلام کسی مخصوص قوم یا خطہ کے لوگوں کے لئے نہیں تھا۔ ساری دنیا کے تمام انسانوں کے لئے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج ان کے ماننے والے یعنی مسلمان دنیا کے ہر ملک اور ہر قوم میں موجود ہیں۔ اس لئے آپ کو دنیا کا سردار یا سرورِ عالم کہا گیا وہ غلط نہیں کہا گیا۔

(۷) **صداقت کے علمبردار:-** (حضرت) محمد (صلعم) نے سچائی کے راستہ کی جانب رہنمائی کی اور خدا کی راہ سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو صداقت کا سبق پڑھایا۔ " نہیں ہے کوئی سوائے ایک اللہ کے اور محمد اللہ کے رسول ہیں اس کلمہ کو ویدانت میں ([illegible]) ایک برہم دوسرا ناستی کہا گیا ہے۔ جس کے معنی ہیں خدا ایک ہے اس کے علاوہ دوسرا نہیں۔

(۸) **روح القدس اور آگ سے بپتسمہ دینے والا:-** روح القدس جبرئیل (علیہ السلام) کے لئے استعمال کیا گیا ہے (حضرت) جبرئیل کو مقدس روح (عاموم ونئون کی دیوی) کہا جاتا ہے (وحی کے لانے والے آپ ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کے ذریعہ حضرت محمدؐ پر بھی وحی نازل فرمائی جس کے باعث حضرت محمد (صلعم) نے اللہ کا دین لوگوں تک پہنچایا برے اور غلط لوگوں کو پہلے تو آپؐ نے سمجھایا بجھایا لیکن جب بات سمجھانے بجھانے سے نہیں اور اٹھے وہ لوگ آپؐ سے اور مسلمانوں کے ساتھ زیادتی پر زیادتی کرنے لگے تب (حضرت) محمد (صلعم) نے برے اور غلط لوگوں کو راہِ راست پر لانے اور سبق سکھانے کے لئے آگ یعنی جنگ کا سہارا لیا۔

(۹) **سوپ رکھنے اور کھلیان صاف کرنے والا:-** گھر میں سوپ رکھنے اور کھلیان صاف کرنے کا مطلب تو پہلے ہی واضح کیا جا چکا ہے کہ لوگوں کے باطن کی اصلاح اور حق کی تلقین کرنے والا۔ اور حق و باطل میں امتیاز کرنے والا ہوگا (حضرت) محمد (صلعم) پر نازل ہونے والی کتاب قرآن کو فرقان یعنی حق و باطل میں امتیاز کرنے والی کہا گیا ہے۔

(۱۰) **غیر قوم میں آنے والا:-** آخری رسول کی حیثیت میں (حضرت) محمد (صلعم) ہی صحیح ثابت ہوتے ہیں کیونکہ آپ یہود و نصاریٰ کی قوم سے نہیں تھے جو بنی اسرائیل کہلاتے ہیں بلکہ آپؐ اسماعیل تھے۔

اس طرح یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ جس نبی کے آنے کی خبر عہد نامہ جدید میں دی گئی ہے وہ حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ہی ہیں۔

باب (۶)

آخری بدھ میتریئے

رسول کو بدھ مت کی زبان میں " بدھ " کہا جاتا ہے آخری بدھ سے متعلق پیش گوئی کی تفصیلات پیشِ خدمت ہیں:-

گوتم بدھ نے وفات سے پہلے اپنے عزیز شاگرد نندا سے کہا تھا " نندا اس دنیا میں میں نہ تو پہلا بدھ ہوں اور نہ آخری بدھ ہوں۔ اس دنیا میں حق و صداقت اور فلاح و بہبود

بقیہ صفحہ گذشتہ: جس طرح قرآن کی تعلیم پر عمل کرتے ہیں یا کرنا چاہیئے۔ دوسرے قرآن پاک میں جن آسمانی کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں ویدوں کا نام کہیں نہیں ہے البتہ کسی قوم کی مذہبی کتاب کی تحقیر تو ہین کسی کے لئے بھی صحیح اور مناسب نہیں ہے (و-ا)

تعلیم دینے کے لئے اپنے وقت پر ایک اور "بدھ" (رسول) آئے گا وہ پاک باطن ہوگا اس کا دل مصفا ہوگا۔ علم ودانش سے بہرہ ور ہوگا اور سرورِ عالم ہوگا۔ جس طرح میں نے دنیا کو لازوال حقیقت کی تعلیم دی ہے اسی طرح وہ بھی دنیا کو حق کی تعلیم دے گا۔ اور وہ دنیا کو ایسی شاہراہِ حیات دکھائے گا جو صاف اور سیدھی ہوگی نندا! اس کا نام میتریے ہوگا۔[1]

بدھ کے معنے دانشور ہوتے ہیں اور بدھ انسان ہوتے ہیں دیوتا وغیرہ نہیں[2]

بدھ کی صفات

- بدھ خدا کا بندہ اور صاحب ثروت ہوتا ہے۔
- بدھ صاحب اولاد ہوتا ہے۔
- بدھ بیوی والا اور صاحب حکومت ہوتا ہے۔
- بدھ اپنی حیاتِ طبعی کو پہنچتا ہے[3]

بدھ منصب کو پانے والا شخص کا یہ اصول ہوتا ہے کہ اپنی تکمیل کے لئے اپنا کام خود کرنا چاہیئے۔ بدھ صرف مبلغ دین ہوتا ہے[4]۔ بدھ کو گوتم بدھ بھی کہا جاتا ہے جس وقت بدھ خلوت نشین ہوتا ہے خدا اس کے ساتھیوں کی شکل میں اس کے پاس فرشتے بھیجتا ہے[5] ہر بدھ اپنے سے پہلے آنے والے بدھ کی تائید کرتا ہے اور اپنے ماننے والوں کو شیطان (मार) سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔ بدھ کے پیرو اس کے سچے پیرو ہوتے ہیں جنہیں ان کی راہ سے کوئی نہیں ہٹا سکتا[6]۔ دنیا میں ایک وقت میں صرف ایک بدھ ہوتا ہے[7]

بدھ کے لئے سب سے ضروری بات یہ ہے کہ دنیا کا کوئی بھی شخص اس کا استاد یا معلم نہ ہو[8]

ہر بدھ کے لئے "بدھے درکش" (شجر مظہر) کا ہونا لازمی ہے۔ مختلف بدھوں کے لئے شجر مظہر کے طور پر الگ الگ درخت متعین رہے ہیں

بدھ میتریئے کی صفات

میتریئے کے معنے ہیں صاحب رحمت[9]

بدھ ہونے کے باعث آخری بدھ (نبی یا رسول) میں بھی بدھ کی تمام صفات پائی جائیں گی۔

میتریئے شجر مظہر کے نیچے مجلسیں آراستہ کریگا[10]۔ شجرِ مظہر (बोधि वृक्ष) دو قسم کے ہیں :-

(۱) شجرِ دنیا (۲) شجرِ جنت ــ شجر مظہر کے نیچے بدھ کو عرفان حاصل ہوتا ہے۔

یہاں ہم جنت کے شجرِ مظہر کے بارے میں اظہار خیال کر رہے ہیں۔

۱ــ جنت کا شجر مظہر بہت وسیع رقبہ میں ہے۔

۲ــ عرفان حاصل ہونے کے بعد بدھ مستحکم نظروں سے شجرِ مظہر کو دیکھتا ہے[12]

عام لوگوں کی نسبت بدھوں کی گردن کی ہڈی زیادہ سخت اور مضبوط ہوتی تھی جس کے باعث وہ اپنی گردن کو موڑتے وقت پورے جسم کو گھما لیتے تھے[13]۔ میتریئے میں بھی اس علامت کا ہونا ضروری ہے۔

اب ہم یہ بتائیں گے کہ کونسی ایسی شخصیت ہے جس پر بدھوں کی ساری صفات کا پوری طرح اطلاق ہوتا ہے اور جو میتریئے

---

[1] ROMANTIC HISTORY OF BUDDHA BY BEEL. P241 [2] ایضاً - بدھ مت ہیں - ص ۱۵۰ .

[3] TAKAKASU. P. 213 [4] ص

کی کسوٹی پر کھری اترتی ہے۔

قرآن میں (حضرت) محمد (صلعم) کے نائب خدا اور صاحب ثروت ہونے کے متعلق یہ کلام ربانی ہے کہ "پہلے تم نادار تھے ہم نے تم کو مالدار بنادیا۔"[51]

(حضرت) محمد (صلعم) منصب نبوت پر فائز ہونے سے پہلے بہت مالدار ہوگئے تھے[52] آپؐ کے پاس کئی گھوڑے تھے آپؐ کے لئے پسندیدہ سواری کے طور پر نامی اونٹ تھا۔ جس پر آپ مکہ سے مدینہ کی طرف تشریف لے گئے تھے۔ آپؐ کے پاس بیس اونٹنیاں تھیں جن کا دودھ آپؐ اور آپؐ کے اہل و عیال کے لئے کفالت کرتا تھا۔ آپؐ کے پاس سات بکریاں اور کھجور کے سات باغ بھی تھے۔ جو آپ نے بعد میں دینی امور کے ذیل میں دیدیئے تھے۔ آپؐ کے پاس تین اراضی اور اور کئی کنویں تھے[53]۔

یہ واضح رہے کہ عرب میں کنواں ایک بہت بڑی جائداد متصور ہوتا ہے اس لئے کہ وہ ریگستانی علاقہ ہے۔ آپ کے بارہ[54] بیویاں، چار لڑکیاں اور تین لڑکے تھے[54]

بدھ کے ذیل میں بیوی اور اولاد کا ہونا دوسری صفت ہے حضرت محمد (صلعم) سے پہلے آنے والے ہندوستانی بدھوں میں یہ صفت برائے نام ملتی تھی۔ لیکن (حضرت) محمد (صلعم) اس صفت سے پوری طرح متصف تھے۔ آپ صاحب حکومت بھی رہے اپنی حیات میں ہی آپؐ نے بڑے بڑے بادشاہوں کو مغلوب کرکے ان پر اپنا اثر و رسوخ قائم کیا۔ لیکن ان سب کے باوجود آپ کی غذا حسب سابق معمولی رہی[55]

(حضرت) محمد (صلعم) نے طویل عمر پائی۔ آپ کی وفات کم عمر میں نہیں ہوئی اور آپ کو کسی نے شہید بھی نہیں کیا۔

آپ اپنا کام خود ہی کیا کرتے تھے آپؐ نے تا زندگی تبلیغ دین کا کام انجام فرمایا۔ اس کی تصدیق تاریخ کی سبھی کتابوں سے ہو سکتی ہے۔

جس وقت حضرت محمد (صلعم) تنہا ہوتے تو کبھی کبھی آپ کے پاس فرشتے اور جن آیا کرتے تھے[56]

آپؐ نے گذشتہ انبیاء کی تصدیق و تائید فرمائی ہے قرآن پاک کی دوسری سورۃ البقرہ میں ارشاد باری تعالےٰ ہے:-

"مسلمانوں کہو کہ" ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس کی ہدایت پر، جو ہماری طرف نازل ہوئی ہے اور جو ابراہیمؑ اسماعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ اور اولاد یعقوب کی طرف نازل ہوئی تھی اور جو موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے تمام پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئی تھی۔ ہم ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے مسلم ہیں۔"

(آیت ۱۳۶)

آپؐ نے مسلمانوں کو شیطان سے بچنے کی بھی پوری پوری تاکید فرمائی ہے۔ قرآن (پاک) میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

بعض لوگ ایسے ہیں جو علم کے بغیر اللہ کے بارے میں بحثیں کرتے ہیں اور ہر شیطان سرکش کی پیروی کرنے لگتے ہیں حالانکہ اُس کے نصیب ہی میں یہ لکھا ہے کہ جو اُس کو دوست بنائے گا اسے وہ گمراہ کرکے چھوڑے گا اور عذاب جہنم کا راستہ دکھائیگا۔

(سورہ ۲۲ آیت ۳-۴)

حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیرو کبھی بھی آپؐ کے بنائے ہوئے راستہ سے نہیں ہٹے ان کی ساری وفاداری آپؐ سے وابستہ رہی اور تا حیات آپ کے دامن سے لپٹے رہے چاہے انھیں یعنی مسلمانوں کو کیسے ہی حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ (سورہ ۲۶ آیت ۱۹۲-۱۹۴)

حضرت محمد (صلعم) جس وقت اس دنیا میں تشریف فرما تھے اُس وقت کوئی دوسرا نبی نہیں تھا آپ کی بعثت کے

---

[51] سورہ ۹۳ آیت ۸ قرآن پاک [52] حیات محمد از سرولیم میورعربی ایڈیشن صفحہ ۵۲۵ [53] حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے تبرکات میں کنویں کا ذکر نظر سے نہیں گذرا دوسرا آپ کے تبرکات میں وراثت بھی جاری نہیں ہوئی (د-ا) — [54] آپ کے تینوں صاحبزادوں کا انتقال کمسنی میں ہی ہو گیا تھا (د-ا) [55] حضرت محمد (صلعم) کے خطبات اور ارشادات از لین پول صفحہ ۳ [56] "محمد اینڈ محمد ازم" از باسورتھ اسمتھ صفحہ ۱۱۰-۱۱۱

وقت ساری دنیا اپنی دینی اور معاشرتی بگاڑ کی انتہا کو پہونچ چکی تھی۔ اس کی تصدیق تاریخ کی کتابوں سے آسانی کے ساتھ کی جا سکتی ہے

حضرت محمد (صلعم) کا کوئی معلم کوئی انسان نہیں تھا۔ آپ تعلیم یافتہ نہیں تھے اسی لئے آپ کو اُمّی کہا جاتا ہے۔ خدا نے وحی کے ذریعہ آپ کی تعلیم فرمائی اور یہی تعلیم آج قرآن پاک شکل میں ہمارے درمیان موجود ہے۔

ہر بدھ کے لئے شجر مظہر کا ہونا ضروری ہے۔ کسی بدھ کے لئے شجر مظہر کے طور پر آشوتھ یعنی پیپل، کسی کے لئے نیگر ودھ یعنی برگد اور کسی بدھ کے لئے اُدمبر یعنی گولر مستعمل ہوا ہے بدھ میتریئے کے لئے جس شجر مظہر کا ہونا بتایا گیا ہے وہ سخت اور وزن دار لکڑی والا درخت[۱]

حضرت محمدؐ کے لئے شجر مظہر کے طور پر حدیبیہ میں ایک سخت اور وزن دار لکڑی والا درخت تھا جس کے نیچے آپ نے مجلس شوریٰ منعقد فرمائی تھی[۲]

میتریئے کے معنی ہوتے ہیں — صاحب رحمت
۱۶ اکتوبر سنہ ۱۹۳۰ء انگلش اخبار لیڈر کے کالم ۳ میں ایک بودھ نے میتریئے کا ترجمہ "رحم" کیا ہے۔ (حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم بھی ہر متنفس پر رحم فرمانے والے تھے اسی لئے آپ رحمت عالم کہا جاتا ہے۔
(قرآن سورہ ۲۱ آیت ۱۰۷)

بدھوں سے متعلق ساری صفات (حضرت) محمد (صلعم) میں بھی موجود تھیں۔ آپ نے جنت میں ایک درخت دیکھا تھا جو اتنے بڑے رقبہ کو گھیرے میں لئے ہوئے تھا کہ ایک گھوڑے سوار سو سال میں بھی اسکے سائے کو عبور نہیں کر سکتا تھا[۳]

حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے جنت کے شجر مظہر کو مستحکم نظروں سے دیکھا تھا[۴] (قرآن سورہ ۵۳ - آیت ۱۷)

میتریئے سے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ کسی بھی جانب رخ کرتے وقت اپنے جسم کو پورا پھیرے گا یہ بات بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی ہے کہ آپ جب کسی سے ہمکلام ہوتے تو پوری طرح اس کی جانب مڑ جاتے تھے[۵]

اس طرح یہ حقیقت اچھی طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ بودھ مت کی کتابوں میں جس میتریئے کے ہونے کی پیش گوئی کی گئی ہے وہ آخری رسول (حضرت) محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔

---

[۱] (MOHEMMAD IN THE BUDHIST, SERIPTUX P.64
[۲] حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا کوئی شجر مظہر نہیں تھا۔ آپ نے حدیبیہ میں ایک ببول کے درخت کے نیچے بیعت لی تھی جسکو بیعت رضوان کہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اس درخت کو کٹوا دیا تھا۔ اگر یہ شجر مظہر ہوتا تو ایسا ممکن نہیں تھا۔ (د۔ا)
[۳] دی لائف آف محمدؐ از سر ولیم میور ص ۵۱۱ (۵۱۲)
[۴] جنت میں کوئی شجر مظہر نہیں تھا جسکو آپؐ نے مستحکم نظروں سے دیکھا ہو۔ یہاں قرآن کا حوالہ غلط ہے۔ البتہ سورہ النجم میں بیری کے درخت کا ذکر ہے جس کے پاس آپؐ نے حضرت جبرئیل کو دوسری مرتبہ دیکھا تھا۔ (د۔ا)

عمدہ، مفید و مستند اور قابلِ مطالعہ کتابیں

معلوماتی

معلم الحجاج ——— ۱۰/-
آپ حج کیسے کریں ——— ۳/-
آسان حج ——— ۱/۲۵
الحج ——— ۲/-
مناسک حج ——— ۱/۲۵

تاریخی

تاریخ اسلام اکبر نجیب آبادی مکمل در سہ جلد ۶۰/-
حضرت آدم سے عہد صحابہ تک ۱۲/-
حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ مکمل سیرت و سوانح مجلد ۶/-
حضرت عثمان غنیؓ کا نظام عدل ۷/۵۰

سیرت

سیرت النبیؐ شبلی نعمانی اور علامہ سید سلیمان ندوی مکمل در چھ جلد (سالم ریگزین) ۱۵۷/۵۰
رحمۃ للعالمین سلیمان منصور پوری مکمل در ۳ جلد ۳۶/-
سیرت رسالتمآبؐ مفتی عزیز الرحمٰن ۳۰/-
اصح السیر مولانا عبدالرؤف دانا پوری مجلد مع کور ۲۴/-
رحمت عالمؐ سید سلیمان ندوی مجلد عکسی ۴/۵۰
نبی عربیؐ مولانا رشید الوحیدی غیر مجلد ۳/۵۰
سیرت ختم رسلؐ ۲/۵۰
رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی ڈاکٹر حمید اللہ ۱۲/-
شمائل ترمذی مع خصائل نبویؐ ۱۵/-
سچے رسول کی سچی باتیں امام الدین رام نگری ۲/۵۰

علمی و مذہبی

غنیۃ الطالبین عبدالقادر جیلانی ۳۰/-
حصن حصین ۲۰/-
مسند امام اعظم اردو مع عربی ۱۶/-
انتخاب صحاح ستہ " ۹/-
فتاویٰ عبدالحیٔ مجلد ۲۰/-
حکیم الاسلام کی مجالس مجلد ۱۶/-
خطبات غوث الاعظم " ۱۰/۵۰
خطب الحرمین شریفین " ۱۲/-
خطبۃ الحنفیہ " ۱۰/۵۰
مکاتیب مولانا مناظر احسن گیلانی ۱۰/-
تفسیر رشیدی مفتی عزیز الرحمٰن ۲/۵۰
البدائع مولانا تھانویؒ مجلد ۱۶/-
حدیث دفاع جنرل محمد اکبر خاں " ۱۲/-

بدعت

رد بدعت ۲/-
آداب زیارت قبور ۱/۸۰
تحریک وہابیت پر ایک نظر ۰/۷۵
بدعت کیا ہے؟ ۴/-
بلاغ المبین مع سوانح شاہ ولی اللہ ۶/۵۰

واقعاتی

کیا ہم مسلمان ہیں! شمس نوید اول ۳/۵۰
" دوم ۵/- سوم ۶/-
سو بڑے آدمی ۶/-

مکتبہ تجلی دیوبند (یوپی)

تصوّف

شریعت و تصوف	مولانا تھانویؒ	۵/۵۰
تزکیۂ نفس مکمل مجلد		۱۰/-
معارف معرفت	"	۸/-
صحیفۂ ابرار	"	۲۵/-
تبرکات مولانا رشید احمد اور حاجی امداد اللہ کے مکتوبات مجلد		۵/-
تربیت السالک مولانا تھانوی مکمل در دو جلد مجلد		۴۵/-
صحبت با اہلِ دل	مولانا ابو الحسن علی ندوی	۸/-
حکایاتِ اولیاء	مولانا تھانویؒ "	۱۰/-

ادب

شرح بانگ درا مع اصل	پروفیسر سلیم چشتی مجلد	۲۰/-
تعلیماتِ اقبال		۱۵/-
اقبال اور تصوف		۷/۵۰
یادِ اقبال		۶/-
مقاماتِ اقبال		۱۰/۵۰
پیامِ اقبال		۱۰/-
عرفانِ اقبال		۱۰/-
کلیاتِ اقبال		۱۲/-
حیاتِ جاوید	الطاف حسین حالی	۱۵/-

قادیانیت

عشرۂ کاملہ	۶/-
تحقیق لاثانی	۷/-

سیرت وسوانح

حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کی مکمل سیرت و سوانح قیمت مجلد	۶/-
شہدائے بدر	۱/-
ائمۂ اربعہ مجلد	۱۰/-

نہایۃ التحقیق اردو شرح مسند ابوبکر صدیقؓ

یعنی جو کلام مبارک حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا وہ سب کا سب یکجا۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ وہ ایک مستند اور دقیقہ رس عالم نے مسند احمد بن حنبلؒ کی اردو شرح کا مفید سلسلہ شروع کیا ہے۔ اور اسی سلسلہ کی پہلی کڑی نہایۃ التحقیق کے نام سے آپ کے سامنے ہے۔ یہ بڑے سائز کے (۴۷۵) صفحات پر مشتمل ہے۔ اور قیمت صرف بائیس روپے ۲۲
بڑی اہم بات یہ ہے کہ فاضل شارح شروع کتاب میں ایک طویل مقدمہ دیا ہے جو تقریباً سو صفحات پر مشتمل ہے اس میں انہوں نے اردو خواں طبقہ کے لئے فن حدیث کی باریکیوں اور اصطلاحوں اور اصولوں کو پوری تحقیق کے ساتھ سپرد قلم فرمایا ہے۔ بلند پایہ کتابوں کا نچوڑ، فن حدیث کی معلومات کا بیش بہا خزانہ۔ امید ہے کہ شائقین اس تحفۂ نادرہ سے فائدہ اٹھائیں گے۔ قیمت مجلد تیس روپے ۳۰/-

صہبائے خیال

ابھرتے ہوئے نوجوان شاعر شکیل عاصم بریلوی کا مجموعۂ کلام۔ خوشنما گیٹ اپ کے ساتھ قیمت چھ روپے ۶/-

مسجد سے میخانے تک

یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ "ملا ابن العرب مکی" کے رشحات بار دوں کو تھوڑے تھوڑے وقفہ سے پڑھنا بھی لطف سے خالی نہیں اسیر تبسم کی چاندنی اور طنز کی نمکینی ہی نہیں افادیت بھی ہے ملا فقط طنز برائے طنز۔ مزاح برائے مزاح پر بس نہیں کرتا۔ وہ کسی نہ کسی اخلاقی مقصد پر بھی اپنی توجہ منعطف کراتا ہے۔

قیمت حصہ اول ۸/-
قیمت حصہ دوم ۹/-

مکتبہ تجلی دیوبند (یو۔پی)

وصایا شیخ شہاب الدین سہروردی

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے وصایا جو اپنے اندر کشش اور دلآویزی رکھتے ہیں۔ اب تک مخطوطا کی شکل میں عربی زبان میں تھے۔ مولانا نسیم احمد فریدی امروہی نے ان کا انتخاب کر کے اردو زبان میں منتقل کیا ہے۔ قیمت ۱/۲۵

تذکرہ حضرت صوفی عبدالرب

حضرت سید عبدالرب علیہ الرحمۃ کے حالاتِ زندگی ان کے اللہ پر ایمان کامل اور ان کی با مقصد اور اصلاحی شاعری پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ نیز اس تذکرہ میں ان کی چند منتخب اصلاحی نظمیں بھی شامل کی گئی ہیں۔ خوبصورت ٹائیٹل سے مزین۔

قیمت صرف ۲/۰

انسانیت زندہ ہے

از مولانا منظور نعمانی۔

یہ کتابچہ مولانا موصوف کے چار مضامین کا مجموعہ ہے۔ جن میں سے ہر مضمون میں مولانا نے اپنی زندگی کا کوئی خاص سبق آموز اور پُر اثر واقعہ بیان کیا ہے جذبۂ انسانیت و اتحاد کی آزمائش کے لئے بے حد مفید کتاب ہے۔ قیمت ۶۰ پیسے

معارف الحدیث

تالیف:- مولانا منظور نعمانی

احادیث نبویؐ کا یہ جامع انتخاب اردو ترجمہ و تشریح کے ساتھ

جلد اول میں ایمان و آخرت، قیامت، حشر، صراط، میزان حساب، جنت اور دوزخ سے متعلق حدیثیں۔ ۹/۵۰

جلد دوم میں تزکیۂ نفس اور اصلاح اخلاق کے ابواب کی حدیثیں مع ترجمہ و تشریح قیمت ۱۱/-

جلد سوم میں طہارت اور نماز کے ابواب کی حدیثیں مع ترجمہ و تشریح۔ قیمت ۱۳/۵۰

جلد چہارم میں زکوٰۃ، روزہ، رمضان اور حج کے ابواب کی حدیثیں مع ترجمہ و تشریح۔ قیمت ۱۰/-

جلد پنجم میں تسبیح، ذکر اللہ، دعا، توبہ، استغفار اور درود پاک سے متعلق حدیثیں مع ترجمہ و تشریح۔ قیمت ۲/۵۰

جلد ششم میں معاشرت، معاملات کے ابواب کی حدیثیں مع ترجمہ و تشریح کے بیان کی گئی ہیں۔ قیمت ۱۶/۰۰

(مجلد کے لئے ریگزین جلد کی قیمت علیحدہ لگائی جاتی ہے)

مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت

تالیف:- مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

تبلیغی جماعت کے بانی حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی مکمل سوانح حیات مولانا کی شخصیت، ان کے اخلاقی عادات، ان کے امتیازی اوصاف ان کے خاص افکار و نظریات، ان کی دینی دعوت کا پس منظر اس کا ارتقاء اور اس کے اصول و طریق کار کو سمجھنے کے لئے یہ واحد کتاب ہے۔ قیمت ۴/۵۰

ملفوظات مولانا محمد الیاسؒ

مرتبہ: مولانا منظور نعمانی

جن لوگوں نے حضرت کو نہیں پایا وہ ان کے ملفوظات کے مطالعہ سے آپ کو پوری طرح جان اور سمجھ سکتے ہیں، دین کی حقیقت سمجھنے اور اس کے لئے دل میں سوز و تڑپ پیدا کرنے میں یہ کتاب بڑی بڑی کتابوں پر بھاری ہے۔ قیمت ۳/۵۰

مؤطا امام مالکؒ

مع ترجمہ فوائد ضروریہ کشف المغطا

احادیث کا سب سے قدیم اور قابل اعتماد مجموعہ
کتابت و طباعت عمدہ۔ کاغذ
سفید قیمت ۳۵/-

مکتبہ تجلی۔ دیوبند (یوپی)

اسلام کیا ہے؟

از:- مولانا منظور نعمانی ـــــ نہایت آسان زبان میں بے حد دلنشیں اور پُر اثر انداز میں اسلامی تعلیمات کا جامع اور مکمل خلاصہ۔ صفحات ۲۵۶ قیمت مجلد ۴/۵۰

دین و شریعت

از:- مولانا منظور نعمانی ـ اس کتاب میں توحید، آخرت، رسالت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، اخلاق معاملات، دعوت و جہاد، سیاست و حکومت اور احسان (تصوف) کے مباحث پر ایسی محققانہ روشنی ڈالی گئی ہے کہ دل و دماغ اور عقل و وجدان ایمان و اطمینان سے معمور ہو جاتے ہیں۔

قیمت مجلد مع گرد پوش ۵/-

قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟

از:- مولانا منظور نعمانی ـ یہ کتاب اسم بامسمّٰی۔ قرآنی دعوت اور اس کی اہم تعلیمات کا ایک جامع مرقع ہے جس میں سیکڑوں عنوانات کے تحت متعلقہ قرآنی آیات کو نہایت مؤثر اور دل پذیر تشریحات کے ساتھ جمع کیا گیا ہے قیمت مجلد مع گرد پوش ۷/-

انگریزی ۱۵/-

تذکرہ مجدد الف ثانیؒ

تلخیص و ترجمہ مولانا نسیم احمد فریدی امروہی۔ امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کی سوانح حیات سائز ۲۲×۱۸ ـ

قیمت مجلد مع گرد پوش ۸/-

مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے صاحبزادے اور خلیفہ محمد معصوم سرہندی کے مکتوبات کا ذخیرہ۔ جو حضرت خواجہ کے ارشاد و ہدایت کا پورے کام کا آئینہ دار ہے۔ آپ کے گرانقدر مکتوبات کو اردو زبان میں مولانا احمد فریدی نے تلخیص کے ساتھ منتقل کیا ہے۔ قیمت مجلد ۷/-

شاہ اسمٰعیل شہید اور معاندین اہلِ بدعت کے الزامات

از۔ مولانا منظور نعمانی۔ حضرت شاہ شہیدؒ جیسی مقدس ہستی پر جس نے اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے خون کا کفن پہنا۔ معاندین اہلِ بدعت نے خدا سے بے نیاز ہو کر جو مکروہ الزامات لگائے ہیں۔ ان کا تشفی بخش اور مدلل جواب۔ قیمت ۲/۵۰

بریلوی فتنہ کا نیا روپ

از۔ مولانا محمد عارف سنبھلی (استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) ارشد القادری صاحب کی تصنیف "زلزلہ" کا تنقیدی جائزہ اور تحقیقی جواب پر بحث قابلِ دید، بصیرت افروز اور باطل سوز ہے۔ بالخصوص "علم غیب" اور کائناتِ تصوف میں عقیدہ کی جو تنقیح کی گئی ہے وہ عوام اور اہلِ علم سب کے لئے۔ اس کتاب کا خاص تحفہ ہے۔ آخر میں بریلوی فتنہ کی تاریخ و تعارف پر ایک مفصل مضمون ہے۔ شروع میں مولانا منظور نعمانی کا ایک مکتوب گرامی ہے۔ جو اس کتاب کا پیش لفظ ہے۔ قیمت چھ روپے ۶/-

قادیانی کیوں مسلمان نہیں؟ اور نزولِ مسیح و حیاتِ مسیح

یہ کتاب مولانا محمد منظور نعمانی کے قادیانیت پر چار اہم مضامین کا مجموعہ ہے۔ ان تمام مضامین میں قرآن و حدیث اور عقل کی روشنی میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بالکل عام فہم پیرائے میں لکھا گیا ہے۔ ردِ قادیانیت پر ایک مدلل کتاب ہے۔

قیمت مجلد مع گرد پوش ۳/-

شرح مفید الطالبین اردو مع حل ترکیب

جس میں اصل کتاب کی عبارت کے ساتھ بین السطور میں ابتدائی طلباء کی استعداد کے مطابق ترجمہ اور تمام مشکل الفاظ کا حل ہے اور ان کے ابواب وغیرہ بھی ذکر کئے گئے ہیں۔ شروع سے باب ثانی تک تمام چھوٹے بڑے جملوں کی سہل نحوی ترکیب ہے۔ بہت مفید اور کارآمد ہے قیمت ۴/-

مکتبہ تجلی دیوبند

(عبدالحمید صدیقی)

بے دین قیادت کی تباہیاں اور اس کی جلوہ طرازیاں

گذشتہ نصف صدی میں اُمّتِ مسلمہ پر بالخصوص
نقطہ نظر سے جو انحطاط آیا ہے اُس کے مُضر اثرات
ں کی قیادت اور سیادت میں بھی بآسانی دیکھے جا سکتے
۔ آج سے تیس چالیس سال پیشتر اس ملّت کی سربراہی
صب بالعموم اُن لوگوں کے ہاتھ میں رہا جن کی زندگیاں
کر اس امر کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ انھیں
لام سے گوناگوں تعلق خاطر ہے۔ مگر اب چند سالوں سے
قوم کی مسندِ قیادت پر وہ لوگ یکے بعد دیگرے براجمان
ہے ہیں جو اگرچہ اسلام سے اپنی گہری وابستگی کا اس
ت سے اظہار کرتے ہیں کہ اسے سُن سُن کر لوگوں کے کان
جاتے ہیں۔ مگر ان کی عملی زندگی میں کوئی چیز ایسی نظر نہیں آتی
دیکھتے ہوئے یہ کہا جا سکے کہ اُن کے دین میں حق سے
حقیقت کوئی شناسائی ہے۔ مسلم قائدین کی نجی اور
شرتی سرگرمیوں کا قریب قریب وہی انداز ہے جو ہمیں
بی قیادت کے اندر نظر آتا ہے۔ ماضی میں مسلمان کسی شخص
ربراہی کا منصب سونپنے سے پہلے یہ دیکھتے تھے کہ وہ
ن اسلام کا کس حد تک پابند اور منکرات سے کس حد تک
ان ہے۔ تقویٰ اور پرہیزگاری میں اس کا کیا مرتبہ اور
ہے اور دینی معاملات میں اس کی سمجھ بوجھ کا کیا عالم ہے
آج مسلم قیادت کا یہ حال ہو گیا ہے کہ جو شخص بھی جھوٹے
ے کرنے میں جس حد تک جری اور بیباک اور الفاظ کے
تعمال میں جس قدر مطلق العنان ہو اسی تناسب سے وہ
قوم کا محبوب رہنما بنتا ہے۔ قوم اس بات سے بے نیاز
ہو چکی ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ جس اسلام کی محبت کا یہ رہنما دعویدار
ہے اُس کی کوئی رمق اس کی زندگی میں بھی نظر آتی ہے یا
نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں اسلام کے نام پر اسلام
کو مٹانے والی قیادتیں مسلسل ابھر رہی ہیں۔

اس بے دین قیادت کے کام کرنے کا ایک ہی اسلوب ہے
کہ پہلے مرحلہ پر قوم کی معاشی زبوں حالی کا رونا رویا جائے اور
بڑی دردمندی کے لہجہ میں اسے یہ باور کرایا جائے کہ یہ دنیا کی
دوسری قوموں سے پیچھے رہ گئی ہے، لہٰذا اسے کوئی ایسا قائد
میسّر آنا چاہیئے جو اسے حالات کے تقاضوں کے مطابق دوسری
اقوام کے ہمرکاب کر سکے۔ لیکن وہ یہ سارا کام اس حکمت اور
دانائی کے ساتھ سرانجام دے کہ قوم فکر و عمل کے اعتبار سے
اسلام سے دور بھی ہوتی چلی جائے اور اس کو یہ احساس تک
نہ ہونے پائے کہ اسے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت
دینِ حق سے بیگانہ بنایا جا رہا ہے اور اگر اسے اس مذموم منصوبے
کا شعور ہو بھی جائے تو وہ اسے اس مذموم منصوبہ کا شعور
ہو بھی جائے تو وہ اُسے حالات کا تقاضا سمجھ کر خاموش رہے
اور قیادت کو اس معاملہ میں قطعاً موردِ الزام نہ ٹھیرائے۔ اگر
آپ اس بے دین قیادت کے عزائم اور ان عزائم کی تکمیل کے
طریق کار کو ایک ہی کتاب کے ذریعہ سمجھنے کے خواہشمند ہوں
تو مرحوم فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں کی کتاب "فرینڈز ناٹ ماسٹرز" کا

بغور مطالعہ کریں۔ آپ کے سامنے وہ ساری تدابیر آجائیں گی جو مسلمانوں کی جدید قیادت انھیں اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے بالعموم اختیار کرتی ہے۔ آپ کو اس تصنیف میں مسلمانوں کی معاشی بدحالی کا تذکرہ بھی ملے گا، حالات کی سنگینی پر زوردار مباحث نظر آئیں گے اور اسلام کو جدید سانچوں میں ڈھالنے کے لئے متعدد تجاویز بھی۔ آپ کی نگاہ سے گذریں گی۔ اس پوری کتاب کے مندرجات کا اگر دقت نظر سے مطالعہ کیا جائے تو ایک قاری کے لئے ان رہنما اصولوں کو جاننا کچھ مشکل نہیں ہوتا۔ جن کے مطابق مغربی تہذیب کے دلدادہ مسلمان قائدین عمل کر رہے ہیں بس ایک مرتبہ مسلم معاشرہ کے ذہن میں یہ باطل خیال بٹھادیجئے کہ ان کے مرض کا اصل علاج یہ ہے کہ انھیں حالات کے تقاضوں سے ہم آہنگ کردیا جائے تو پھر اسلام کے خلاف بغاوت کی کوئی مہم شروع کئے بغیر قوم اسلام سے خود بخود بے تعلق ہوجائیگی۔

یہ صورت حال بھی امت مسلمہ کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ آج تک دنیا میں جتنی قومیں بھی حق و صداقت کے راستے سے بھٹکی ہیں انھیں حالات کے تقاضوں نے ہی گمراہ کیا ہے۔ یورپ میں جب صنعتی انقلاب آیا اور جاندار مخلوق کے مقابلہ میں بے جان سکوں کی قدر و قیمت بڑھنے لگی اور ایسے مزدوروں کی ضرورت لاحق ہوئی جو کم سے کم معاوضہ قبول کرکے زیادہ سے زیادہ کام کرسکیں تو ان تقاضوں کے تحت ہی سود کا انتہائی ظالمانہ نظام قائم کیا۔ اور عورت گھر کی چار دیواری سے نکل کر کارخانوں میں مردوں کے دوش بدوش کام کرنے پر مجبور ہوئی۔ اور اس طرح خاندانی نظام تہ و بالا ہوکر رہ گیا۔ اگر کوئی شخص حالات کے ان بے رحم تقاضوں کی تباہ کاریوں کا اندازہ کرنا چاہتا ہے تو اسے (TAWNEY) کی مشہور کتاب "مذہب اور سرمایہ داری کا فروغ" (RELIGION AND THE OF CAPITALISM) کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ اسے دیکھنے سے اس کے سامنے یہ اندوہناک حقیقت پوری طرح منکشف ہوجائے گی کہ کس طرح مغرب کے صنعتی اور معاشی تقاضوں نے "حالات کے تقاضوں" کا روپ دھار کر حضرت مسیح علیہ السلام کے پرستاروں کو اس بات پر آمادہ کردیا کہ وہ مذہب کی مقدس قبا چاک کرکے اپنے آپ کو اخلاقی اور روحانی اقدار سے یکسر عاری کرلیں اور وقتی تقاضوں کی بارگاہ میں صمیم قلب سے سجدہ ریز ہوتے ہوئے ہر اس کام کو سرانجام دینے کے لئے کمربستہ ہوجائیں جن کا وقت مطالبہ کرتا ہے۔ اگر وقت حلال و حرام کے امتیازات کو مٹانے کی طرف اشارہ کرے تو لوگ انھیں پورے جذبۂ اطاعت گذاری کے ساتھ اپنے دل و دماغ سے محو کردیں اور اگر حالات کے تیور دیکھنے سے یہ معلوم ہو یہ فحاشی اور بے حیائی کے ساز گار ہوں تو پھر منکرات کو ایک فرض کی حیثیت سے پھیلا یا جائے۔

بات ذرا طویل ہوتی جارہی ہے، مگر اہل یورپ کا مذہب سے ایک تدریج کے ساتھ انحراف کا مطالعہ اسلام کے خادموں کے لئے بے حد ضروری ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ماضی میں بھی لوگ مذہبی بندھنوں کو توڑتے رہے ہیں لیکن ماضی اور حال کے مذہب گریز رجحانات کے مابین ایک نمایاں فرق ہے۔ ماضی میں جب کوئی فرد یا گروہ مذہب سے بغاوت کرتا تھا تو وہ یہ غلط روش یا تو اپنے سفلی جذبات کی تسکین کی خاطر یا مادی مفادات کے حصول کے لئے اختیار کرتا تھا۔ لیکن مذہب کے خلاف جدید انسان کی بغاوت کا انداز ماضی کے مقابلہ میں یکسر جداگانہ ہے۔ آج کوئی شخص یہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتا کہ مذہب کے بندھن اس کے لئے ناروا بوجھ ہیں یا مذہب کی اخلاقی اقدار کے مطابق زندگی بسر کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا کیونکہ اگر وہ اس حقیقت کو تسلیم کرلے تو یہ اس کے لئے اعتراف شکست کے مترادف ہے، اور آج کا انسان اس اعتراف کے لئے کبھی تیار نہیں ہوسکتا اس لئے اس نے عوام کو مذہب سے برگشتہ کرنے کے لئے حالات کے تقاضوں کا سہارا لیا ہے اور کچھ اس انداز سے انھیں راہ راست سے بھٹکانے کی کوشش کی ہے کہ مذہب اس دور کی ایک فطری ضرورت تھی جس دور میں اس نے جنم لیا۔ لیکن اب دنیا کے تقاضے بدل گئے ہیں، لہٰذا "قدیم مذہب" اس جدید دور میں "نئے انسان" کی رہنمائی نہیں کرسکتا۔ اور اس

باطل خیال کو صحیح ثابت کرنے کے لئے عموماً یہ مثال دی جاتی ہے کہ آخر وہ لباس جو ایک شخص اپنے عہدِ طفولیت سے پہنتا تھا وہ اُس کے جوان ہونے کے بعد اُس کے جسم پر کس طرح راست آسکتا ہے؟ اور اگر اسے کوئی فرد یا گروہ راست کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کی یہ حرکت دیوانگی سے کم ہے۔ اپنے اسی نظریہ کی تائید میں یہ لوگ چند شواہد بھی فراہم کردیتے ہیں جو بہر طور دورِ جدید کے معاشی حالات کی کوکھ ہی سے نکلے ہیں۔ مثلاً یہ صنعتی ترقی کے بارے میں ایک استدلال پیش کریں گے کہ سودی کاروبار ختم ہوجائے تو سرمایہ کس طرح فراہم ہوگا۔ اور اگر عورتیں گھر کی چار دیواری میں مقید کردی جائیں تو کام کرنے والے ہاتھ کہاں سے آئیں گے۔ اور اگر ضبط تولید سے کام لیتے ہوئے افزائشِ نسل پر پابندی عائد نہ کی جائے تو عوام کا معیارِ زندگی کس طرح بلند ہوگا اب اگر اشتراکیت کے فروغ کے بعد یہ بات بھی کہی جانے لگی ہے کہ اگر ملک کے وسائل حکومت کے تحویل میں نہ دیئے جائیں تو استحصال کا خاتمہ کس طرح ممکن ہوگا؟ مذہب دشمن عناصر یہ غلط استدلال اس زور دار طریق سے سامنے لاتے ہیں کہ سننے والا اس غلط فہمی میں مبتلا ہوجاتا ہے کہ وہ جو کچھ بیان کر رہے ہیں گویا وہ فطرت کے ناقابلِ تغیر اصول یا ٹھوس منطقی حقائق ہیں جنھیں جھٹلایا نہیں جاسکتا چنانچہ وہ ایک طرف تو انہیں سو فیصد درست تسلیم کرتے ہیں اور دوسری طرف اپنے مذہب، اس کے معتقدات اور اس کی تعلیمات کا جائزہ لے کر یہ دیکھتے ہیں کہ وقتی تقاضوں اور دینی مطالبات میں کہاں تک مطابقت ہوسکتی ہے اور جب ان میں بُعد و بیگانگی محسوس کرتے ہیں تو کچھ مدت کے لئے ان کے درمیان بالکل مصنوعی بلکہ غیر عاقلانہ فکری اور عملی تدابیر کے ذریعہ مصالحت کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر جلد ہی انھیں اس بات کا احساس ہوجاتا ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ وقتی تقاضے مذہبی تعلیمات سے ہر صورت میں ہم آہنگ ہی ہوں بلکہ بسا اوقات ان کے درمیان اختلاف کی نہایت ہی وسیع خلیج حائل ہوجاتی ہے جسے سطحی اور احمقانہ فلسفوں سے پاٹا نہیں جاسکتا۔ اور ایک دیانتدار شخص اس بات پر مجبور ہوجاتا ہے کہ وہ یا تو مذہب کو تیاگ دے یا وقتی تقاضوں کے تحت حاصل ہونے والی مراعات سے اپنے آپ کو محروم کرلے۔

وقتی تقاضوں کے پرستار پہلے مرحلے پر دینِ حق کے خلاف کوئی لفظ کھل کر زبان پر نہیں لاتے بلکہ مذہب کے روحانی عنصر کی تعریف ہی کرتے ہیں اور اس نسبت سے وہ ان بزرگوں کی عزت و احترام کا بھی ڈھونگ رچاتے ہیں جن کے بارے میں مسلمانوں کے اندر یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ وہ شریعت کی پابندیوں سے بے نیاز تھے۔ ان ملحدین کا سارا زور صرف اس بات پر صرف ہوتا ہے کہ دینی تعلیمات خصوصاً مطالباتِ شریعت اور "وقتی تقاضوں" کے درمیان اختلافات زیادہ سے زیادہ نمایاں ہوں بلکہ اُن کے مابین شدید توعیت کی آویزش جنم لے اور لوگوں کے اندر یہ احساس پیدا ہونے لگے کہ مذہب اُن کی تغیر پذیر زندگی کی ہر آن بڑھتی ہوئی ضروریات کا ساتھ نہیں دے سکتا اس لئے یا تو اسے بالکل مسترد کردیا جائے یا اسے اجتماعی زندگی کے دائرہ سے نکال کر ذاتی زندگی تک محدود کردیا جائے۔ چنانچہ پہلے مرحلہ میں ملحدانہ تحریکیں انسان کو مذہب سے متنفر نہیں کرتیں بلکہ اسے اس امر کی تلقین کرتی ہیں کہ وہ اپنے آپ کو یہ حقیقت تسلیم کرنے پر آمادہ کرلیں کہ "فرسودہ مذہب" دورِ جدید کے اجتماعی تقاضوں کو پورا کرنے سے عاجز ہے۔ اس بناء پر اجتماعی زندگی کے نظم و نسق کے لئے یہ ضروری ہے کہ اہلِ مذہب ایسے اصول اور ضابطے وضع کرنے کی اجازت دیدیں جو شریعت سے خواہ متصادم ہی ہوں مگر قوم کے لئے مفید اور کارآمد ہوں۔ چنانچہ مذہب کے باغی اس مرحلہ پر بھی بڑی عیاری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں دینی تعلیمات کا حلیہ بگڑتا ہے مگر سادہ لوح عوام کو یہی تاثر دیا جاتا ہے کہ اصلاحِ ملت کی خاطر جو کچھ کیا جارہا ہے وہ دینی تقاضا ہی ہے۔ بعض سطح بین، سترپسند اور تنگ نظر افراد خصوصاً "ملّا"

اگرچہ ان کی ان ملی خدمات کو دینی مسلمات کے خلاف ہی سمجھتے ہیں لیکن حقیقت میں اُن کی اِن کوششوں سے ذہن کا حقیقی منشا پورا ہو رہا ہے ۔ مثال کے طور پر وہ اپنی ہوسناکی کی تسکین کی خاطر عورت کو گھر کی چار دیواری سے نکال کر شمع انجمن بنانے کے درپے ہوتے ہیں اور اسے آرٹ اور کلچر کے نام پر گمراہ کرنے کی مختلف چالیں چلتے رہتے ہیں ۔ لیکن یہ سارا کام عورت کی آزادی اور اس کے استحصال کے خاتمہ کے نام پر کیا جاتا ہے اور اپنی فریب کاریوں پر پردہ ڈالنے اور اپنی مذموم کوششوں کو مقدس بنانے کی غرض سے قرآن مجید کی ان آیات کا حوالہ تو دیا جاتا ہے جن میں عورت کے بلند مرتبہ و مقام کا تذکرہ موجود ہے مگر وہ آیات ان کی نظروں سے ہمیشہ اوجھل رہتی ہیں جن میں صنف نازک کو وقار کے ساتھ اپنے گھروں میں بیٹھنے کا حکم دیا گیا ہے

اسی طرح اللہ کے دین کو مسخ کرنے والے ان جدید مفکرین کو یہ بات تو یاد ہے کہ دین حق انسان کی اجتماعی زندگی کو عدل و انصاف کی بنیادوں پر استوار کرتا ہے ۔ لیکن اس کے ہاں اجتماعی عدل کا جو مخصوص تصور ہے اور اس مقصد کے حصول کے لئے وہ جن تدابیر کو اختیار کرنے کی تعلیم دیتا ہے اُن سے ان حضرات کا کوئی سروکار نہیں ۔ چنانچہ اجتماعی عدل کے نام پر یہ لوگ مسلم قوم پر اشتراکیت جیسا انسانیت سوز اور جابرانہ نظام مسلط کر دیتے ہیں اور یہ سارے مراحل اس طرح طے کئے جاتے ہیں کہ عام لوگوں کو اس بات کا شعور نہیں ہوتا کہ اجتماعی انصاف کے پردہ میں انھیں کس عذاب کی طرف دھکیلا جا رہا ہے بظاہر سارا زور اجتماعی عدل کی ضرورت اور اسلام میں اس کی غیر معمولی اہمیت پر دیا جاتا ہے آخر میں اس پروپیگنڈہ کے سامنے کون یہ بات کہنے کی جسارت کر سکتا ہے کہ اسے اجتماعی عدل عزیز نہیں بلکہ اجتماعی ناانصافی مطلوب ہے

جب کوئی دینی مزاج کا حامل معاشرہ "اجتماعی عدل" پر پوری طرح ایمان لے آتا ہے اور اُسے اپنی زندگی کی غایت اولیٰ قرار دیتا ہے تو پھر اس کے کان میں یہ بات پھونکی جاتی ہے کہ اگر ملک کے سارے ذرائع پیداوار مکمل طور پر حکومت کے قبضہ میں نہ ہوں تو وہاں معاشی عدل کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا فکر و نظر کی اس تبدیلی سے نہ صرف اخلاقی اقدار بدلتی ہیں بلکہ جذبات کی دنیا میں بھی غیر معمولی تغیر رونما ہوتا ہے ۔ اس نصب العین کے حصول کی خاطر معاشرہ نہایت ہی ظالمانہ نوعیت کی جکڑ بندیاں قبول کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے ۔ وہ آزادی کی جگہ مسلک غلامی اختیار کرتا ہے اور اشیاء اور اعمال کی قدر و قیمت روحانی معیار سے جانچنے کے بجائے مادی نقطۂ نظر سے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ کسی غیر معمولی خارجی دباؤ کے بغیر الحاد و دہریت کے آغوش میں چلا جاتا ہے ۔ اس المناک تبدیلی کے آغاز میں تو اُس کے اندر "مذہبی حس" ایک مدھم سی لو کی طرح موجود رہتی ہے ۔ لیکن جوں جوں وہ اجتماعیت کے دام فریب میں گرفتار ہونے کی وجہ سے الحاد کی طرف بڑھتا ہے تو یہ لو بھی گرد عزیزیاں کے افسردہ چراغوں کی طرح جلد گل ہو جاتی ہے ۔ قلب و نگاہ کی دنیا تو اندھیری ہوتی ہی ہے ، معیشت ، معاشرت اور سیاست پر بھی الحاد کے تاریک سائے چھا جاتے ہیں اور انسان ایک ایسا حیوان بن جاتا ہے جس کی زندگی کا مقصد بجز اس کے اور کوئی نہیں ہوتا کہ چوپایوں کی طرح ہر قسم کے اخلاقی احساسات سے عاری ہو کر مملکت کی چاکری کرے اور اس کے عوض نپا تلا چارہ حاصل کر کے جسم و جان کے رشتے کو برقرار رکھنے کی کوشش کرے ۔

ایک ہوش مند انسان جب اس عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے تو پھر وہ یہ سوچنے لگتا ہے کہ آخر تو اجتماعی عدل درکار تھا آخر اس کے حصہ میں بھیانک قسم کی غلامی کیوں آئی ہے ؟ عام حالات میں بھی جب سپنوں کے محل ٹوٹتے ہیں تو انسان کو اچھی خاصی اذیت ہوتی ہے لیکن سپنوں کے وہ محلات جن کے لئے انسان نے جسم و جان کی ساری قوتیں کھپا دی ہوں جب زمین بوس ہو کر انسان کو سنگین حقائق سے دوچار کرتے ہیں تو اس کی زندگی ایک دردناک حزنیہ بن جاتی ہے ۔ یہی حال عدل اجتماعی کے

اُن فریب خوردہ طلبہ گاروں کا ہوتا ہے۔ وہ اپنی ناکامیوں اور نامرادیوں پر افسردہ خاطر ہو کر غور کرتے ہیں لیکن غور و فکر کے باوجود اس حقیقت کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں کہ ان کی ناکامی کی اصل وجہ خارجی حالات نہیں بلکہ اُن کی اپنی نادانی ہے اُنھوں نے حماقت سے یہ باطل خیال اپنے ذہن میں بٹھا رکھا ہے کہ جن باتوں کو اُن کے دشمن حالات کے تقاضوں سے تعبیر کرتے ہیں وہ درحقیقت زندگی کے ایسے ٹھوس مسائل ہیں جن کا حل اسی انداز میں ممکن ہے جس کی نشاندہی اعدائے دین کر رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کی فریب کاریوں سے مسلمانوں کو قوت فکر و عمل اس حد تک مفلوج ہو کر رہ گئی ہے کہ وہ کسی غلط مقصد کے حصول کی خاطر طفلانہ اور غیر عاقلانہ تدابیر کو ہی ٹھوس حقائق سمجھ بیٹھے ہیں۔

اہل مغرب کی اس عیاری اور مسلمانوں کی اس ابلہ فریبی کی متعدد مثالیں مشہور مغربی مؤرخ ٹائن بی (TOYNBEE) کی شہرۂ آفاق کتاب "مطالعۂ تاریخ" میں بھی دیکھی جاسکتی ہیں تاریخ کا عالم گزرے ہوئے حالات اور واقعات کا مطالعہ کرتے ہوئے اس نتیجہ پر پہونچا ہے کہ پوری انسانی تاریخ تحدّی (CHALLENGE) اور معاکسۂ عمل (RESPONSE) کی کرشمہ سازی ہے۔ حالات کسی قوم کے سامنے چند نہایت ہی پیچیدہ نوعیت کے مسائل پیش کرتے ہیں جو اس کے لئے چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ قوم جو اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے فکر و عمل کو بروئے کار لاتی ہے وہ اگر انھیں حل کرنے میں کامیاب ہو جائے تو دنیا میں سربلندی ہوتی ہے اور ناکامی کی صورت میں قعر ذلت میں جا گرتی ہے۔ ٹائن بی نے فلسفۂ تاریخ کا تانا بانا اسی تحدّی اور ردّ عمل کے ارتباط سے بُنا ہے۔ ممکن ہے یہ نظریہ جزوی حد تک، تو صحیح ہو لیکن اس میں سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ آخر یہ کیوں کر فرض کر لیا گیا ہے کہ جس بات کو ٹائن بی صاحب چیلنج کہتے ہیں وہی فی الحقیقت کسی قوم کے فکر و عمل کا بنیادی محرک بھی ہے اور جس چیز کو وہ ردّ عمل قرار دیتے ہیں وہ لازمی طور پر اس محرک کے نتیجے میں ہی معرض وجود میں آنے والی حرکت ہے۔ تاریخ حالات و واقعات کے باہمی ربط و ضبط کا نہایت ہی پیچیدہ نظام ہے اس کے عناصر کا علم کیمیا کی طرح سادہ انداز میں تجزیہ نہیں کیا جا سکتا لیکن داد دیجئے مغرب کی ہنرمندی اور چابکدستی کو کہ آج جو شخص بھی مطالعۂ تاریخ کی طرف مائل ہوتا ہے وہ سب سے پہلے تحدّی اور معاکسۂ عمل کے نظریہ پر ایمان لا کر تاریخ کے اوراق کو ہاتھ لگاتا ہے چنانچہ اس غلط نظریہ کے زیر اثر جو بالکل غلط مفروضات پر مبنی ہے۔ مسلمانوں نے تاریخ کے میدان میں جو علمی کاوشیں پیش کی ہیں وہ اکثر و بیشتر مسلمانوں کے تاریخی سرمایہ کو ضائع کرنے والی ہیں اور جن کے مطالعہ سے یہ تأثر نہایت واضح طور پر ابھر کر سامنے آتا ہے کہ اسلام نے قرون اولیٰ میں جو عظیم انقلاب برپا کیا تھا وہ اس دور کے مخصوص چیلنج کا نہایت کامیاب جواب تھا۔ اب چونکہ چیلنج کی نوعیت اور اس کے تقاضے بدل گئے ہیں لہٰذا اسلامی تعلیمات کا وہ نمونہ اور اسلامی نظام حیات کا وہ ڈھانچہ جو ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفقائے کار کے ذریعہ ملا ہے، بالکل بے کار ہو کر رہ گیا ہے۔

دورِ حاضر کی بے دین قیادت اور سیادت کی کامیابی کا راز اس بات میں مضمر ہے کہ اس نے غلط مفروضات پر قائم ہونے والے باطل نظریات کو ناقابلِ تردید حقائق کی حیثیت سے پیش کیا ہے اور جدید ذہن کے اندر خیال کی آبیاری کی ہے کہ حق وہی ہے جسے مغرب حق کہتا ہے اور جسے اہلِ مغرب کی بارگاہ میں حق ہونے کی سند نہیں ملتی وہ لازمی طور پر باطل ہے۔ اب اگر مغرب کے پیش کردہ غلط مفروضات اور ان پر قائم ہونے والے غلط افکار کا دقت نظر سے مطالعہ کریں تو آپ کو بحر اوقیانوس کے اندر چلنے والی گرم رَو اور اس میں مچھلیوں کی خلافِ عقل حرکت کا لطیفہ یاد آ جائے گا۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ کسی منچلے نے یہ شوشہ چھوڑ دیا کہ بحر اوقیانوس میں جو گرم رَو چلتی ہے اس میں مچھلیاں لازمی طور پر مخالف سمت تیرنے لگتی ہیں۔ اب اس غلط مفروضہ پر ریسرچ ہونے لگی اور اسے ایک علمی بنیاد

،اہم کرنے کے لئے مختلف قسم کے دلائل پیش کئے جانے لگے
بھی یہ علمی کاوشیں اپنے زوروں پر تھیں کہ کسی حقیقت پسند
دمی نے سائنٹیفک ریسرچ کے اجارہ داروں سے یہ کہا
، اس موضوع پر محنت اور سرمایہ صرف کرنے سے پہلے ذرا
معلوم کرو کہ کیا یہ بات صحیح بھی ہے؟ چنانچہ جب سمندر میں اتر کر
جائزہ لیا گیا تو معلوم ہوا کہ مچھلیوں کے جس حیرت انگیز طرزِ عمل
پر اتنی وسیع ریسرچ ہو رہی ہے۔ اس کی سرے سے کوئی حقیقت
ہی نہیں۔

قریب قریب یہی دورِ جدید کے اکثر و بیشتر نظریات
کا ہے۔ حالات کے بالکل سطحی مشاہدہ اور جزوی مطالعہ سے
غلط نظریات گھڑ لئے جاتے ہیں اور پھر اُن نظریات کو صحیح
اور برحق ثابت کرنے کے لئے غلط مفروضات کا سہارا لیا جاتا ہے
آخر یہ کیوں فرض کر لیا گیا ہے کہ سودی نظام کے بغیر کوئی معاشی نظام
قائم نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں کم و بیش سات سو سال تک مسلم ریاستوں
کا معاشرتی نظام بڑی کامیابی کے ساتھ چلتا رہا۔ اگر وہ ریاستیں
محدود وسائل کے ساتھ سود کے بغیر اپنے معاشی نظام کو چلا سکتی
تھیں تو آج سود کے بغیر معاشی نظام کا تصور کیوں نہیں کیا
جا سکتا۔ اس موضوع پر جب افراد کو دعوتِ فکر دی جاتی ہے
تو وہ یہ کہتے ہیں کہ دورِ جدید کا نظام معیشت بڑا پیچیدہ ہے۔
کیا کسی نظام کی پیچیدگی اس بات کی متقاضی ہے کہ اس
میں حرام کے اجزاء بالضرور شامل ہوں۔ آج اگر کثیر پیداداری
اور زود پیداداری کے لئے سرمایہ کی وافر مقدار درکار ہے
تو دنیا میں ماضی کے مقابلے میں سرمایہ میں بھی غیر معمولی اضافہ
ہوا ہے۔

اس کے علاوہ اس دعویٰ کی بھی آخر کیا بنیاد ہے
کہ جب تک کسی ملک کے سارے وسائل حکومت کی تحویل میں
نہ دیدیئے جائیں اس وقت تک اس خطہ ارضی میں اجتماعی
عدل کا قیام ممکن نہیں۔ اس ضمن میں یہ کیونکر فرض کر لیا گیا ہے
کہ کسی قوم کے مترفین جب تک محدود وسائل کے مالک ہونگے
وہ ظالم اور سفاک ہوں گے اور جب ملک کے سارے وسائل
پر ان کا قبضہ ہو جائے گا تو وہ رحمدل اور انصاف کے پیکر
بن کر ہر فرد اور ہر گروہ اس کا جائز حصہ دلانے کی کوشش
کریں گے؟ کیا اجتماعی عدل کی یہی ایک صورت باقی رہ گئی ہے
کہ لوگوں سے تقریر و تحریر کی آزادی سلب کر لی جائے، اُن کے
ذہن رہن رکھ لئے جائیں، احساسات و جذبات کے لحاظ
سے کسی معاشرے کو قبرستان اور سیاسی اعتبار سے
اسے زندان بنا دیا جائے؟ کیا ان ظالمانہ تدابیر کو اختیار
کئے بغیر معاشی انصاف کے حصول کی کوئی دوسری
صورت باقی نہیں رہی۔

(بہ شکریہ ایشیا)

مولانا مودودی کی مجلس

ایک صاحب نے بڑا عمدہ سوال کیا۔ مولانا! کس قسم کا آدمی اسلام کے قریب آسکتا ہے؟

مولانا نے فرمایا: جو انسان قلب سلیم کے ساتھ عزم صمیم بھی رکھتا ہو، قلب سلیم یہ ہے کہ جب اس کے سامنے اچھی چیز آجائے تو وہ اس کو قبول کرلے، اور عزم صمیم یہ ہے کہ انسان حق کی تلاش میں سرگرداں ہوجائے اور جب تک حق پوری طرح مل نہ جائے اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے، دین اور نظام وہی حق ہے جو زندگی کے تمام معاملات پر حاوی ہو اور اگر کوئی دین زندگی کے روحانی اور مادی معاملات پر حاوی نہیں تو پھر وہ حق کہلانے کا مستحق نہیں۔ انسان کا عزم صمیم پورے نظام زندگی کی تلاش کے بغیر چین سے نہیں بیٹھتا۔ یہ سب سے بڑی انسانی غلطی اور کمزوری ہے کہ انسان اسلام کے کسی حصے کو پاکر مطمئن ہوجائے اور سمجھ لے کہ بس یہی پورا اسلام ہے اور اسی سے نجات ہوجائے گی۔ اگر وہ باقی معاملات میں انسانوں کے بنائے ہوئے اصول و قوانین کے مطابق زندگی گذارے گا تو یہ صریح منافقت ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ ایسے مسلمان کے ایسے منافقانہ اور باغیانہ طرز عمل کی وجہ سے خدا اس پر قیامت کے دن سخت گرفت کرے قرآن کی رو سے خدا نے نہ پہلے ایسے منافقانہ رویہ رکھنے والے مسلمان کو معاف کیا ہے اور نہ آئندہ اس کا اصول بدل سکتا ہے

دینی مدرسہ کے ایک طالب علم نے سوال کیا مولانا امام سرخسیؒ کو شمس الائمہ کیوں کہا جاتا ہے؟

مولانا نے فرمایا: امام سرخسیؒ کے عہد کے حکمرانوں نے ان کو حق گوئی کی بنا پر جھوٹا مقدمہ بنا کر قید میں ڈال دیا تھا، وہ قید خانہ ایک کنوئیں نما تہہ خانہ تھا۔ امام صاحب نے اسی کنوئیں میں سے اپنی شہرۂ آفاق تفسیر اپنے شاگردوں کو لکھوائی جو منڈیر پر قلم دوات لئے بیٹھے رہتے تھے، امام صاحب کا حافظہ اس بلا کا تھا کہ انکی تفسیر جا بجا قرآن و حدیث کے حوالوں سے مملو ہے، حالانکہ حکومت کی جانب سے آپکو قرآن و حدیث پر مشتمل کوئی بھی لٹریچر مہیا کرنے سے ممانعت کردی گئی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تفسیر کو اتنی قبولیت عامہ بخشی کہ آپ کے لئے شمس الائمہ کا لقب زبان زد عام

- امام صاحب کی خطا یہ تھی کہ آپ نے اسلامی
ن کے نفاذ اور حکومت کی اصلاح کی بھرپور جدوجہد
جو حکمرانوں کو کسی صورت بھی پسند نہ تھی۔

ایک صاحب نے سوال کیا۔ مولانا قیدیوں کے ساتھ
وک کرنا چاہیئے؟

مولانا نے فرمایا:۔ ان سے اچھا سلوک کرنا اور ہمدردانہ
رکھنا چاہیئے۔ دعوت دین کا کام کرنے والی جماعت
ں کی فلاح و بہبود اور اصلاح و ترقی کے مسئلے کو بھی
راز نہیں کر سکتی۔ قید خانہ ایسی جگہ ہے جہاں آدمی دنیا
م مصروفیات سے فارغ ہوتا ہے، اس کا جی چاہتا
ہ وہ کچھ پڑھے یا سنے، قیام پاکستان سے پہلے ۱۹۲۲ء
۱۹۴۷ء تک انگریزی حکومت کے دور میں قیدیوں کو عموماً اور
ی لیڈروں کو کارکنوں کو خصوصاً کمیونسٹوں نے جیلوں میں
لٹریچر پہنچایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر ہندو اور مسلمان
یل سے کمیونسٹ یا سوشلسٹ بن کر نکلے لیکن اب وہ
یں رہا ہے کہ مسلمان ممالک میں جیل کاٹنے والے لیڈر
ٹ یا کمیونسٹ بن کر نکلیں۔ تحریک اسلامی نے اکثر
غیر مسلم ممالک میں مسلم اور غیر مسلم سیاسی قیدیوں خصوصاً
فرات سے رابطہ کی ایک شکل پیدا کر لی ہے۔ بعض
رابطہ گہرا اور قریبی ہے لیکن بعض جگہ یہ کم ہے۔ جہاں
م ہے وہاں ضرورت ہے کہ اس جانب توجہ کی جائے، یہ
ہماری دعوت کا ایک حصہ ہے اور اس پر توجہ انتہائی ضروری
المی سطح پر ہمارے راستے میں ایک رکاوٹ ہے وہ یہ کہ
لٹریچر ابھی ہر ملک کی زبان میں منتقل نہیں ہو سکا ہے، دنیا
ر زبانوں، انگریزی اور عربی میں بھی ابھی ہمارے پورے
ا ترجمہ نہیں ہو سکا ہے، جب کہ سرمایہ دارانہ نظام اور
م کے لٹریچر کا ترجمہ ان کی حکومتوں کے زیر نگرانی ہر ملک
ی زبان میں منتقل ہو چکا ہے۔

ایک صاحب نے سوال کیا۔ مولانا! کیا اسلامی حکومت
ایک انعام ہے یا ڈیوٹی؟

مولانا نے فرمایا:۔ اسلامی حکومت انعام نہیں بلکہ ایک
ڈیوٹی اور خدمت ہے جو مسلمانوں کے ذمہ لگائی گئی ہے، اسی
کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر جہاد فرض کیا ہے
اور جب جہاد کا حکم ہو جائے تو جہاد میں جان بوجھ کر شریک نہ
ہونے والوں کی نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی بھی اللہ اور
رسول کے ہاں کوئی وقعت نہیں رہتی۔ مدینہ کے جن تین
حضرات نے جنگ تبوک میں سستی کی وجہ سے حصہ نہیں
لیا تھا۔ خدا کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے مومنوں کو حکم
دیا تھا کہ وہ ان کا مقاطعہ کریں اور جس بات پر اللہ اور اس کے
رسول نے معافی دی تھی وہ بھی قرآن و حدیث میں درج ہے۔
خدا کے آخری رسول نے تو یہاں تک دعا کی کہ اے خدا! یا تو
مجھے حکومت عطا فرما، یا پھر کسی حکومت کو میرا مددگار بنا۔ . . .
(واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا) اور پھر حضور نے
یہ بھی فرمایا کہ قرآن کا وعظ نیکیوں کو پھیلانے اور برائیوں کو
مٹانے میں اتنا موثر نہیں ہو سکتا جتنا قرآن کی حکومت ہو سکتی
ہے، اسلام اپنے نفاذ کے لئے حکومت کی طاقت
چاہتا ہے، اسلامی حکومت کے بغیر اسلام کے اکثر
و بیشتر احکام کاغذی اور کتابی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ وہ
قرآن میں تو موجود ہوتے ہیں لیکن خدا کی زمین پر اس
کے بندوں پر نافذ نہیں ہوتے، اس لئے ضروری ہے
کہ مسلمان مکمل اسلام کے نفاذ کے لئے بھرپور کوشش کریں
ورنہ روز محشر سخت باز پرس ہوگی اور وہاں پر کوئی جائے
فرار بھی نہیں ہوگی۔ قرآن یہ بات پورے زور و استدلال
سے کہتا ہے کہ آدمی اس دنیا میں خدا کی رعایا بن کر تو رہ سکتا
ہے لیکن حکمران بن کر نہیں رہ سکتا حکمرانی کا حق صرف اللہ اور
اس کا قانون نافذ کرنے والے بندوں کے لئے مخصوص ہے اور
یہ کوشش جاری رہے گی جب تک اللہ کا قانون غالب نہیں
آجاتا اور اسلام کے مخالف رعایا بننے پر مجبور نہیں ہو جاتے
(روایت بالمعنی، رپورٹنگ کی تمام تر ذمہ داری ادارہ
ایشیا پر ہے) ✻

ملّا ابن العرب مکی

مسجد سے میخانے تک

آج کا دن بڑا مبارک گذرا. صوفی ہشیار خاں مراد آباد والے نے ایک معتبر کتاب دی تھی جسے دیکھ کر دل کو نور اور آنکھوں کو سرور ملا. کتاب کا نام ہے "بلبل ولایت عرف میوۂ جنت" ویسے کئی اور بھی فرحت انگیز نام ہیں جنھیں مصنف نے پیش لفظ میں درج کر کے لکھا ہے کہ

"یہ سب تصرفات کثیرہ وخطیرہ کے کتاب لکھتے ہی ماشاء اللہ کافی شافی ناموں کا قلب پر نزول ہوا، تعداد جن کی بے حد وبے شمار ہے. چند درج کئے جاتے ہیں طالب جسے لے اور جس سے چاہے فیض حاصل کرے، ان میں سے کوئی بھی نام عرفان کی شراب لاہوتی سے بچا ہوا نہیں."

مصنف کا نام ہے سیدنا غوث الغواثیث قطب القواطیب سرّ الٰہی عالم پناہی فیض یافتہ درگاہ ذوالقرنین، مرکز عالم شاہ مشکی ختنی المعروف بیر کسوٹی والے رحمۃ اللہ علیہم اجمعین والکملین، باب در باب اسرار و معارف کا بیان ہے بطور تبرک کچھ ناظرین بھی ملاحظہ فرمائیں. ایک باب ہے "ملعون وہابی کی پہچان" لکھتے ہیں :-

"طالبان ومشتاقان کو خبر لگنی چاہئے کہ وہابی کی گمراہی پچھلے باب میں بفضلہ تعالیٰ آراستہ و روشن مثل عارضِ دلہن بیان ہو چکی، اب اس کی پہچان بھی سنو پہچان سے پہلے بزرگوں کا یہ مقولہ حفظ کر لو کہ کالے کتے کے کاٹے کا علاج ہے مگر وہابی کی بدعقیدگی کا علاج نہیں — اب غور سے وہابی کی پہچانیں ملاحظہ کیجئے :-

پہچان نمبر اوّل :- داڑھی بڑی ہو یا چھوٹی، کافروں کی تقلید میں رکھی گئی ہوگی. بڑی ہوگی تو سکھوں اور یہودیوں کی نقل کی ہوگی. چھوٹی ہوگی تو امریکہ اور فرانس کے شوقین مزاجوں کی نقل کی ہوگی. غرض داڑھی کی آڑ میں وہابی عین مین کفر لئے پھرتا ہے. اعوذ و نعوذ من شرّا و ھا منہا۔

پہچان نمبر ۲ :- جب بات کرے گا قرآن اور حدیث کی رٹ لگائے گا، بہت ہوا تو صحابیوں، اماموں شماموں کے نام دہرائے گا مگر اولیاء اللہ کا نام بھولے سے نہیں لے گا کیونکہ ان کے پاکیزہ نام ان کی زبان لغو بیان کو آگ مثلِ ناگ بن کے ڈستے ہیں اگر نام لے گا تو ان کے کشفیات و ملفوظات کو حجت نہیں مانے گا. ان کے اطوار و کردار کو سنت نہیں جانیگا بار معاش کہیں کا ملعون.

پہچان نمبر ۳ :- حضرت رسول کو بشر کہیگا منع کرو تو قرآن کی آیتیں سنائے گا، لاکھ سمجھاؤ کہ احمق اللہ میاں تو بڑے ہیں وہ جو چاہے اپنے رسول کو کہہ لیں ہم غلاموں کو بشر کہنے کا کیا حق ہے مگر اس پر اثر نہیں ہوگا. اور گستاخی میں ترقی کر کے یہاں تک کہے گا کہ رسول اللہ کو علم غیب نہیں تھا. معاذ اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ لعنۃ اللہ —

...الوہابین پر ہزار بار، لاکھ بار، کروڑ بار بلکہ ارب بار اور ...رب بار.

...پہچان نمبر ۴ :- نمازوں پر نمازیں پڑھے جائے گا مگر نذر نیاز، فاتحہ، چہلم وغیرہ ...توفیق نہیں ہوگی۔ میلاد شریف کی کھل کر مخالفت کریگا ...میت بگھارے گا فاتحہ کی دیگ نہ کھلائے گا نہ کھلائیگا ...شیطان کہیں کا پاجی —— اور بورژم.

...پہچان نمبر ۵ :- یہ بڑی اہم پہچان ہے اسے سات دفعہ پڑھ کر یاد رکھنا وقت آزمائش کام ...ئے گی جو عرس کے نام سے وہابی کو جلن ہوگی، قوالی کی برکتوں ...سے دور بھاگے گا۔ زنانِ عاشقانِ اولیاء جیسی مقدس ...رتوں کو طوائف کہہ کر کفرِ عظیم کا مرتکب ہوگا۔ حالانکہ ...قعاتِ اسرارِ طریقت و معرفت اور دنیا بھر کے سارے اہلِ ...ل جانتے ہیں کہ اصحاب القبور کے دائرہ ارادت میں آنے ...رفاتحہ و نذرانوں وغیرہ کے شرائط پورے کرنے کے بعد ...ئی مسماۃ طوائف ہرگز ہرگز نہیں کہلا سکتی۔ اسے حقیقت ...شناس لوگ " زنان بامراد" کے لقب سے یاد کرتے ہیں ...راس کی یاد سے اپنے دلوں کی دنیا آباد کرتے ہیں مگر وہابی ...بیثوں کو اس کی تمیز کہاں —— ان پر ہزار بار لعنت. ...ہر دم لعنت۔ پل پل لعنت.

...پہچان نمبر ۶ :- لوگوں کو ورغلائے گا کہ اسلام خطرے میں ہے اور سمجھائے گا کہ اخلاق درست ...رو۔ معاملات ٹھیک کرو۔ پڑوسیوں کے حقوق ادا کرو ...غیرہ۔ لیکن یہ ساری باتیں ایک بہانہ ہوں گی۔ اصل ...طلب یہ ہوگا کہ میدان طریقت کے شہسوار پرچم ولایت ...کے علمبردار خالص دیانتدار اصل کاموں کو چھوڑ کر فالتو ...توں میں گھر جائیں اور لکھنے لگیں وہابیوں کے خلاف ...بھترے کے بھترے۔ بھلا غضب خدا کا وہابی اقامتِ دین ...فرض بتاتا ہے۔ اقامت کے معنی ہیں کھڑا کرنا۔ لغات ...شوری تک میں یہی معنی لکھے ہیں اور فیروز اللغات والا بھی ...سی کے موافق لکھتا ہے۔ پھر بتاؤ کیا دین کسی بانس کا نام ہے جسے کھڑا کیا جائے گا۔ توبہ توبہ وہابی کی مت ماری گئی اس سے بچو۔ دور بھاگو۔ اس کی قربت زہر کا کام کرتی ہے.

پہچان نمبر ۷ :- جب مانگے گا اللہ سے مانگے گا۔ جیسے اسے اللہ سے بڑا تعلق ہے۔ حالانکہ اولیاء اور انبیاء کی سفارش کے بغیر اللہ میاں دعا بھی قبول کرنے کو مناسب نہیں سمجھتے اور آجتک یعنی جب سے دنیا بنی ہے کوئی ایک دعا بھی کسی ولی اور نبی کی سفارش کے بغیر قبول ہوکر نہیں رہی۔ لیکن وہابیوں کی بدقسمتی ہے کہ جب مانگیں گے براہ راست اللہ سے مانگیں گے اور اس طرح ہمیشہ محروم رہیں گے اولاد سے بھی روزگار سے بھی۔ بہرحال وہابی کی پہچان یہ بھی ہے کہ وہ ولی اور نبی کی قدرتِ کاملہ کا معترف نہیں ہوتا.

ہدایت باسعادت

شمع ہدایت کے پروانو اور نور حقیقت کے دیوانو اور شراب طریقت کے متوالو اور پیارے مسلمانو! یاد رکھنا یہ اقامت اور دعوت وغیرہ کے سارے نعرے دنیا داروں کے جال ہیں۔ اہل دل کو دنیا کی گندگیوں سے کیا سروکار دنیا تو ہے ناہنجار وقف علی الکفار —— یہ دنیا ملعونوں کو مبارک ہمیں عرفان و معرفت اور سلوک و طریقت کے ہیرے موتی آخرت کی منڈی کے لئے جمع کرنے چاہئیں بولو اولیاء زندہ باد، وہابی مردہ باد حسبنا اللہ و نعم الوکیل ٹھوک دو وہابی کے سر میں کیل۔ اور یاد رکھو ہمارے نبی جی نے کہا ہے الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیہم ولاہم یحزنون۔ بندے نے اس کی تشریح اپنی کتاب "گلزار معرفت عرف لمحاتِ وحدت" میں لکھی اور خوب لکھی ہے۔ ہمراہ اس کے ضمیمہ "صنعت و حرفت" بھی جوڑ دیا گیا ہے جو از بسکہ دولت کا خزانہ ہے۔ قیمت صرف چھ روپے سوا پانچ آنے۔ وی۔ پی کی ممانعت ہے۔ منی آرڈر ضرور کرو اور رعایت یہ دی جاتی ہے کہ اگر درگاہ کی نذر و نیاز اس کے ساتھ بھیجو تو دو آنے فی روپیہ کمیشن کاٹ لو ثواب و برکت میں کوئی کٹوتی نہیں ہوگی۔

ایک باب میں مختلف وظیفے اور تعویذ وغیرہ درج ہیں۔

نمونہ یہ ہے:

معجون شفاء الملوک عرف کشتۂ طبریزی

طالب کو چاہئے کہ صبح اٹھتے ہی غسل کرے، پھر سات بار فاتحہ اور چاروں قل اس طرح پڑھے کہ ہر سورت کے بعد ہاتھ پیروں کے انگوٹھے چومتا جائے پھر ایک سو گیارہ مرتبہ یہ تسبیح پڑھے۔ یا شیخ عبدالقادر، دانا عبدالقادر، صادق و شاعر من توشدم تو من شدی غمہائے بالائے دگر۔ اس تسبیح سے فارغ ہو کر بغداد کے رخ بیٹھ جائے اور داہنے ہاتھ کی بائیں انگلی کو ٹھیک دل پر رکھ کر داڑھی کو بائیں کاندھے سے ملائے۔ داڑھی نہ ہو تو ٹھوڑی ملائے۔ آنکھیں بند کرکے تصور کرے کہ اولیاء اللہ کی ارواح آسمان سے اور جسم قبروں سے چلے آرہے ہیں۔ جب تصور پکا ہو جائے تو یا دستگیر کی تو کم ساٹھ ضربیں لگائے اور طلوع آفتاب تک آنکھیں نہ کھولے۔ جب سورج نکل آئے تو دل کھول کر ناشتہ کرے جس میں سفید مرغ کا بھنا ہوا گوشت اور سوجی کا حلوہ ہونا چاہئے۔ سات دانے منقہ بھی ضروری ہیں پھر سات ہی روپے کسی درگاہ میں دیدے دلی مراد پوری ہوگی اور تزکیہ کی نعمت سے سرفراز ہوگا۔ الحمد للہ و لعنۃ اللہ علی الوھابی۔

اس کتاب میں ایک سوال نامہ بھی مع جوابات شامل ہے۔ مثلاً:-

سوال — بتاؤ وہ کونسا عمل ہے جو ایک ہزار گناہوں کو مٹا کر ان کی جگہ ایک ہزار ثواب نقش کا بحر کر دیتا ہے۔

جواب — ختم خواجگان مع نیاز بی دانہ۔

سوال — وہ کون لوگ ہیں جن کے لئے دوزخ کی آگ اور ناگ والی تیار ہوئی ہے۔

جواب — وہابی اور غیر ملکی کافروں کے بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ معتبر قول یہ ہے کہ ملکی کافر کافر نہیں ہوتے سوائے وہابی کے۔ دنیائے تصوف کے بے تاج و تخت بادشاہ الحاج صوفی عاشق نقش بندی نے ایسا ہی لکھا ہے۔ پیر دائرے والے بھی ایسا ہی فرماتے ہیں۔ ولہذا

جوابُ صحیحٌ۔

سوال — اگر قرآن حدیث اور مسائل طریقت میں ٹکر ہو تو کون حق پر ہوگا۔

جواب — اس کا معاملہ بال سے باریک ہے۔ یوں سمجھو کہ قرآن و حدیث تو خدا کے فضل سے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں، مشہور و معروف ہیں۔ لہذا ظاہر ہے کہ عام ہوئے اور مسائل طریقت سینہ بسینہ ہیں۔ اور سینہ بہ سینہ علم بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ یہ منجملہ راز ہے لہذا ظاہر ہے کہ خاص ہوا۔ خاص اور عام میں کسے زیادہ اہمیت ہوتی ہے یہ کسی تیرہ سال کے بالغ سے پوشیدہ نہیں۔ ویسے مرغوب طبع جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شریعت خود عام ہے لہذا عام لوگوں کے لئے ضروری ہوئی۔ پس صوفیوں، قلندروں اور صاحب حال اہل دل پر شریعت کے رخ سے اعتراض حرام ہے منجملہ اس کے ان خوش نصیبوں پر بھی اہل دل کا اطلاق ہوگا جو درگاہوں کے حقوق ادا کرنے کے پابند ہیں اور عرس وغیرہ میں دامے درمے سخنے کرتے رہتے ہیں۔

سوال — اگر کسی سوختہ قسمت کے پاس روپیہ صرف اتنا ہو کہ یا تو وہ زکوٰۃ ادا کر دے یا نیاز کرالے تو اسے کیا کرنا چاہئے اور کس چیز کو نظرانداز کر دینا چاہئے۔

جواب — زکوٰۃ اللہ کا حق ہے اور نیاز بندوں کا۔ اللہ غنی ہے، بے نیاز ہے، رحم و کرم والا ہے۔ وہ اپنا حق معاف کر دیتا ہے لیکن اولیاء اس کے محبوب بندے ہیں اور ان کا حق جو مارے گا وہ دونوں جہان میں روسیاہ اور تباہ ہوگا۔ اسے ہرگز معافی نہیں ملے گی۔ کیونکہ کوئی عاشق اپنے محبوب کی حق تلفی برداشت نہیں کر سکتا۔ واللہ اعلم۔

سوال — اگر ایک درویش ہو برابر چھ عالموں کے اور ایک عالم برابر ہو چھ صوفی کے اور آدھا صوفی برابر ہو پانچ قلندروں کے تو ایک درویش جنت الفردوس تک کتنی دیر میں پہنچے گا جب کہ فاصلہ نامعلوم ہو۔

جواب — یہ سوال ہی ناقص ہے۔ پہلے گیارہ روپئے نوآنے بھیجکر درگاہ شریف کے مفتی سے جنت کا فاصلہ

لوم کیا جائے تب جواب ملے گا۔ سو فیصدی صحیح۔

سوال ـــــ اگر جگر کے تزکیہ کی رفتار قلب کے تزکیہ ر فتار سے چھ درجے زیادہ ہو اور ہر درجہ پر معدہ کی قوت تم دو درجے بڑھ جائے تو بتاؤ پہلے جگر جواب دے گا یا رٹ فیل ہوگا؟

جواب ـــــ طعام کے بعد سوڈے کی بوتل پی جائے ر دو روپے یومیہ ایک ماہ تک ہمیں دیے جائیں۔ انشاء اللہ ح اور مکمل جواب ۳ ماہ بعد دے سکیں گے۔

سوال ـــــ اگر ایک طرف اژدہا ہو اور دوسری طرف ہابی تو پہلے کسے قتل کیا جائے؟

جواب ـــــ کسی کو نہیں۔ دعا کرنی چاہئے کہ اہل اللہ یا دشاہت قائم ہو تب وہابیوں کے بارے میں فیصلہ ہا جائے گا۔ اپنے خواجہ قہرالدجیٰ اس مسئلہ میں بہت خاص ئے رکھتے ہیں بہتر ہوگا اگر ان سے بھی رجوع کرلیں ان کی یس فی مسئلہ ایک روپے تیرہ نئے پیسے ہے۔

کتاب مستطاب میں اور بھی کئی خاص الخاص چیزیں ہیں ظرین تجلی اگر سوا پانچ آنے فی چیز کے حساب سے بھیجیں تو ہم یب وغریب چیزیں انھیں روانہ کریں گے کہ ہر ایک چیز پر ن کی روح پھڑک اٹھے گی۔ جو چیزیں اوپر بیان ہوئی ہیں ان کی یا ز بارہ روپے سوا چھ آنے ہے۔ اس کا بھی ڈاک سے آنا ردری ہے ورنہ ناظرین کو گناہ ہے گا اور آخرت میں باز پرس وجائے گی۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

دل پر ہاتھ رکھ کر یہ بھی سن لیجئے کہ میں نے کئی بار ایڈیٹر لی کو دل کی گہرائی سے یہ بات سمجھائی ہے کہ حضرت جلی وجلّی کو چھوڑیے ایک عدد قبر میں ڈھونڈے دیتا ہوں پ سجادہ بننے کی ٹھان لیں اگر پانچوں انگلیاں گھی میں اور رکڑھائی میں نہ ہو تو مجھ پر لعنت۔ بیچارے ایڈیٹر میاں ٹھیرے یدھے سادھے اور شاندار قسم کے دقیانوسی۔ میری بات سنکر بولے۔ اگر سر کڑھائی میں گیا تو پھر داڑھی کا کیا بنے گا؟ میں نے کہا کہ سجادہ بن جانے کے بعد داڑھی رکھنا کس مسخرہ نے بتایا ہے۔ آپ پہلی فرصت میں داڑھی صاف کرادیں یا نہ کرائیں چت اور پٹ دونوں سجادوں کی ہوتی ہے۔ داڑھی منڈوائیں تو قلندر کہلائیں گے نہیں منڈوائیں گے تو ولی اللہ ہیں ہی۔

کچھ دیر سوچ کر وہ بولے ـــــ ہاں یہ کرامت علی کا کیا قصہ ہے۔ میں نے سنا ہے کہ تم نے قبر میں کتا دفن کردیا ہے؟

اور کیا کرتا میں نے کہا۔ کرامت علی کے یہاں فاقوں پہ فاقے گذر رہے تھے۔ ترس آیا اور بتا دیا کہ سجادے بن جاؤ بہت سیدھا آدمی تھا بات کی گہرائی تک نہ پہونچ سکا۔ مہینہ بھر کے بعد آیا کہ دور دور ڈھونڈھ آیا ہوں کسی بزرگ کی قبر خالی نہیں ہے، سجادہ کیسے بنوں؟ میں نے کہا۔ ہاں ڈیوٹ قبریں کیا یوں ہی مل جاتی ہیں۔ پھر اسے ساتھ لے کر جنگل گیا ایک ویران سی جگہ تجویز کرکے گڑھا کھودا۔ پاس ہی ایک کتا مرا پڑا تھا۔ اسے اٹھاکر اس میں دفن کردیا۔ کہ تدفین میت کا ثواب بھی ملے اور قبر کا پیٹ بھی بھر جائے۔ ایک پنتھ دو کاج۔ یا جیسے وہ دفتروں کی اصطلاح ہے کہ مسل کا پیٹ تو بھرنا ہی پڑتا ہے۔ میں نے بہرحال اتمام حجت کردیا۔ اب دیکھ لیجئے کل ہی کرامت علی ملا تھا سرخ ہو رہا ہے۔ مثل گلاب کے۔ کہہ رہا تھا کہ کام چل نکلا ہے خرچ پورا ہو جاتا ہے۔ میں نے کہا الّو! خرچ پورا ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ پاخانہ ہمیشہ ہاتھی کا کھاؤ جو پیٹ بھی بھرے اور بچ بھی رہے۔ بولا کیا مطلب؟ میں نے کہا تم احمق ہو۔ سالک ہو کر رسم و راہ منزل سے بے خبر نہیں رہنا چاہئے وہ اب بھی نہیں سمجھا تو میں نے سمجھایا۔

نالائق فوراً عرس کا اعلان کردو۔ پوسٹر چھپالو۔ اشتہار بازی کرو۔ دو ایک طوائفیں بھی بلوالو۔ نعتوں اور قوالی کی فدداری میرے سر۔

باچھیں کھل گئیں کہنے لگا ایڈوو ڈائن کی ذمہ داری بھی تم ہی لے لو۔

ایڈورٹائزکہو گدھے۔ میں نے تصحیح کی۔ بولا ابھی جاہل ہوں آپ کی مبارک صحبت ملتی رہی تو انگریزی بھی آہی جائیگی بہرحال ایڈورٹائز تم کرادو۔ اس وقت دو سو روپے تمہیں

تھما دوں گا عرس کے بعد جو نفع ہوگا اس میں آدھا آدھا۔

چلئے یوں ہی سہی۔ "میں نے کہا" اگرچہ یہ ناممکن ہے کہ بعد میں تم حساب دے سکو گے۔ سجادگی اپنی عین فطرت میں صحت حسابی کی ضد ہے۔ تاہم میں مرحوم اسمٰعیل کے اس شعر پر قناعت کر لوں گا:

ہم نے مانا کہ کچھ نہیں غالب
مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے

اس کے بعد......

بکواس بند کرو۔ ایڈیٹر صاحب نے جھنجھلا کر کہا تم میں شیطان حلول کر گیا ہے۔ قبر میں کتے دفن کرنا نہایت ذلیل حرکت ہے۔ لوگوں کو معلوم ہو گیا تو بوٹیاں نوچ لیں گے۔

یہ آپ کا حسن خیال ہے۔ میں نے کہا۔ قبر پرستی کے مزاج اور عوام کی افتاد طبع کو اگر آپ سمجھتے تو ایسی بات زبان سے نہ نکالتے۔ خدا کی قسم اگر سب کو قبر کھول کر دکھلائیں گے کہ اس میں کتا دفن ہے تو قبر کی پوجا میں ذرہ برابر فرق نہیں آئے گا۔ بلکہ عقیدت کے مارے کتوں کو باضابطہ ثابت کرنے کے لئے ہم فوراً سورۂ کہف کی وہ آیات ہم بطور ثبوت پیش کریں گے جن میں اصحاب کہف کے ساتھ ایک کتے کا بھی تذکرہ ہے۔ اور ایک سخت اعتراض آپ ہی پر کر دیا جائے گا کہ کتا وتا تو بعد کی بات ہے پہلے ذرا آپ یہ بتائیے کہ قبر کھودنے کی ذلیل و کافرانہ گستاخی آپنے کیسے کی؟ آپ کو کیا حق تھا کہ آپ قبر پر پھاوڑا چلائیں۔

اور پھر یہ بھی نہ بھولئے کہ جب حیدرآباد میں چھلے کے نام سے بے مردوں کی قبریں بنا کر تعظیم و تکریم کے لائق سمجھی جاتی ہیں تو آخر کتا تو پھر خدا کی مخلوق ہے، جاندار ہے اس کی قبر بنانے میں کیا قباحت ہے۔

ایڈیٹر صاحب بور ہو گئے۔ اور چیخے۔ شیطان کہیں کے جاؤ دفع ہو جاؤ۔ تمہاری ان بداعمالیوں نے ہی نحوست پھیلا رکھی ہے اور تجلی کثیر تعداد میں چھپنے کے باوجود خسارے میں جا رہا ہے۔

حضرت میں اسی لئے تو کہتا ہوں کہ آپ اس تجلی وجلی کو طلاق دیکر کسی مزار کے سجادے بن جائیے وارے کے نیارے ہو جائیں گے۔ چند روزہ زندگی ہے لہٰذا گلچھرے اڑاؤ۔

اگر آپ سجادہ بننے کے لئے تیار ہو جائیں تو بندہ خود اپنی قبر بنا کر آپ کے حوالہ کر دے گا۔

جاؤ جاؤ وہ چیخے اور میں دم دبا کر وہاں سے کھسک گیا ——— (ملّا زنارہ صحبت باقی)

کشف الاسرار

ترجمہ و شرح مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب، مرتب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند

ادارہ فیض القرآن" دیوبند،، نے تفسیر ابن کثیر اردو، تفسیر حقانی، اردو، اور تفہیم البخاری عربی معہ اردو کی تکمیل کے بعد جو تھا پروگرام "درمختار" عربی معہ اردو کا پروگرام جاری کیا ہے۔ موجودہ دور کی اہم ضرورت کے پیش نظر فقہ حنفی کی نہایت مستند اور معتبر کتاب "درمختار" عربی کا اردو کا ترجمہ معہ شرح صاف اور سلیس اردو میں بہ صرف زر کثیر شائع کیا ہے علمار امت کی نگرانی میں تصحیح، کتابت، اور طباعت کے بہترین انتظام کے ساتھ مسلم پرسنل لا کی اس شہرۂ آفاق کتاب کی طباعت یقیناً ایک بڑی خدمت ہے۔ رات دن پیش آنیوالے مسائل میں تمام مسلمانوں کی رہنمائی کے لیئے اس کتاب کا ہر گھر میں موجود رہنا ضروری ہے۔ بہ وقت ضرورت متعلقہ فتویٰ معلوم کرنے کے لیئے الگ الگ باب اور عنوانات کی باقاعدہ فہرست ابتدار میں دی گئی ہے۔ ہدیہ فی جزء ۔ ۵/..

لیکن

جو حضرات دو روپے فیس ممبری ارسال فرما کر اس پوری کتاب کے لیئے ممبری قبول فرمالیں گے انکی خدمت میں ہر ماہ ایک حصّہ چار روپے پچاس پیسے کی وی پی سے روانہ ہوگا کم از کم پانچ پانچ سے زائد کا پیاں ایک ساتھ منگانے کی صورت میں فی حصّہ صرف چار روپے سے دیا جائے گا ساتھ ہی ساتھ ڈاک خرچ اور پیکنگ بھی مکمل معاف کر دیا جاتا ہے۔

دین کی اس بنیادی کتاب کے لیئے وسیع پیمانے پر ممبر سازی فرمائیے۔

مکتبہ فیض القرآن دیوبند ضلع سہارنپور (یوپی)

طرب میرٹھی

نوح ناروی:-

حیات اور شاعری

از:- ڈاکٹر ظفر الاسلام ظفر۔
صفحات ۲۷۸ - کاغذ متوسط درجے کا۔
کتابت وطباعت غیر معیاری۔
قیمت سولہ روپے۔ ۲۵
ناشر:- مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر نئی دہلی

یہ کتاب ایک تحقیقی مطالعہ کی صورت میں ہے جو اردو کے مشہور ومعروف شاعر نوح ناروی کی زندگی اور شاعری پر سپرد قلم کیا گیا اور جس پر مارچ ۷۲ء میں مصنف کو بمبئی یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری دی گئی۔ کتاب اسلئے قابل مطالعہ ہے کہ اس میں شاعر کے مفصل اور مربوط حالاتِ زندگی درج کئے گئے ہیں اور شاعر کی فنکارانہ خصوصیات کا جامع خاکہ اس میں موجود ہے۔ کیونکہ کسی بھی کتاب پر تبصرہ کرنے کا حق اس وقت تک ادا نہیں ہوسکتا جب تک اچھائیوں کے ساتھ ساتھ کمیوں اور خامیوں کی طرف بھی اشارہ نہ کر دیا جائے۔ اس لئے ہمیں یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ موضوع اور مواد کے نقطۂ نظر سے عمدہ ہوتے ہوئے بھی کتاب کی قیمت بہت زیادہ ہے جب کہ صفحات قیمت کے مقابلہ میں کافی کم ہیں۔ کتابت وطباعت کی طرف بھی خاطرخواہ توجہ نہیں دی گئی ہے کتابت کی غلطیاں نہ ہونے پاتیں اگر کتابت کی خوبصورتی اور معیار کو بھی نظر میں رکھا گیا ہوتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔

صفحہ ۱۸۳ پر مصرع:-

"ابھی لی کس نے میرے دل میں چٹکی"

"لی" کے بعد "ہے" بڑھا دینے سے وزن میں آتا ہے۔ ظاہر ہے اسے کتابت ہی کی غلطی کہا جانا چاہئے —— نوح ناروی سے اس قسم کی فحش غلطی کو منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

صفحہ ۱۸۵ پر لکھا ہوا شعر:

انکار نہ کر بات مری مان لے زاہد
میخانے میں آیا ہے تو دو گھونٹ پیئے جا

زبان کے اعتبار سے غلط ہے "پیئے جا" کی جگہ "پیتا جا" کے بعد ہی مفہوم شعر واضح ہوتا ہے "پیئے جا" میں جو تسلسل ہے وہ پہلے اور دوسرے مصرع کے لحاظ سے درست نہیں۔

شعروادب پر ناقدانہ نظر رکھنے والوں کا خیال ہے کہ نوح کے اشعار میں نشتریت کا فقدان ہے۔ سوزوگداز کی کمی ہے اور کوئی ایسا عنصر نہیں ہے جو دل کو تڑپا دینے والا ہو نوح کے کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ اصحاب رائے کا یہ خیال سو فیصد صحیح نہیں ہے۔ ہماری ناقص رائے میں ظفر صاحب کا یہ خیال ہی سو فیصد غلط ہے۔ اصحاب رائے کے خیال کو غیر درست ثابت کرنے کے لئے انھوں نے نوح کے جو اشعار نقل کئے ہیں وہ سب ہماری ناقص رائے کو باوزن ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔ ان اشعار میں بھی نہ تو کسی قسم کی نشتریت ہے اور نہ ہی سوزوگداز۔ صفحہ ۲۴۱۔

صفحہ ۲۰۵ پر محاورات اور ضرب الامثال کے عنوان کے تحت انتخاب میں ایک ایسا شعر رکھا گیا ہے جس کا مصرعہ اولیٰ خارج از بحر ہے۔ شعر یہ ہے :۔

بلبلِ زار اڑائے گل چھرّے
اب چمن کی ہوا موافق ہے

اسی صفحہ پر ایک مصرع "سوبخ لو کوئی تم اپنے قلم بیجا کا جواب"۔ میں لفظ "سوبخ" متروک اور غیر صحیح ہے۔ نوح جیسے زبان پر قادرت رکھنے والے شاعر کے اشعار کا انتخاب کرتے ہوئے مصنف کو نہایت ہی احتیاط سے کام لینا چاہئے تھا اور یہ مصرع جس شعر کا ہے اسے انتخاب میں جگہ نہیں ملنی چاہئے تھی۔

ایک جگہ مصنف محترم نے مبالغہ آمیزی کی انتہا کر دی

انہوں نے فرمایا ہے کہ :۔

نوح کا رنگ سخن داغ سے اس قدر ملتا جلتا ہے کہ ان کے کلام پر داغ کے کلام کا دھوکہ ہوتا ہے وہ اپنے استاد کے نہایت ہی کامیاب مقلد ہیں لیکن اس کے باوجود ان دونوں میں نمایاں فرق ہے۔ وہ یہ کہ داغ کے یہاں تیکھے پن اور چل بلے پن کا عنصر بہت زیادہ ہے۔

جب کہ نوح کے رنگ سخن میں ایک طرح کے متوازن متانت اور میانہ روی ہے۔

اسی طرح :۔

اس کتاب میں بہت سی باتیں مبالغہ آمیز ہیں جو شاید مصنف نے شاعر سے اندھی عقیدت سے مغلوب ہو کر کہی ہیں۔ یہ کہنا کہ نوح صاحب کے رنگ سخن کے تنوع میں کہیں میر تقی میر کی جھلک ہے تو کہیں نظیر اکبرآبادی کا پرتو سراسر غلط ہے۔ یہ بات بھی درست نہیں کہ نوح کی کچھ غزلوں میں حکیم مشرق اقبال کے کلام کی جھلک پیدا ہو گئی ہے۔ یہ قول بھی مشکوک ہے کہ خمریات کے مضامین میں ایسا معلوم ہوتا ہے گویا نوح کے پردے سے ریاض کا نغمہ پھوٹ رہا ہے۔ یا اور میر تقی میر کا سوز و گداز

کشتۂ عشق اور بسملِ حسن بھی حاصل نہ کر سکا پھر نوح کا تو ذکر ہی بے کار ہے جن کی شاعری کی بنیاد جذبۂ احساس پر نہیں بلکہ صرف زبان و بیان کی چاشنی پر رکھی گئی ہے

ہم نے بھی نوح کے دواوین کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے۔ ہم بھی آل احمد سرور کے اس قول سے متفق ہیں کہ نوح ناروی ان شعراء میں ہیں جو ایک چھوٹی سی چیز کو سب کچھ سمجھ لیتے ہیں۔ انھوں نے اظہار خیال کے سارے اسالیب کو چھوڑ کر صرف محاورے اور صفائی بیان پر توجہ کی اور بس۔

بقیہ ـــــ ایمان کے چند عملی مظاہر

پھر اللہ پر توکل کر، بعض لوگ اس حدیث سے ترک اسباب کا نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔ "اگر تم اللہ پر توکل کرو جیسا کہ توکل کا حق ہے تو اللہ تمہیں بھی اسی طرح رزق دے جس طرح پرندوں کو دیتا ہے وہ صبح دم خالی پیٹ اپنے آشیانوں سے نکل جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں لیکن اگر معمولی غور و فکر سے کام لیا جائے تو صورت اس کے برعکس نظر آتی ہے۔ پرندے آشیانوں سے نکلتے ہیں تو پھر ان کی شکم سیری کا بندوبست ہوتا ہے آشیانوں میں بیٹھے بیٹھے تو ان کے پیٹ نہیں بھر جاتے۔ ترک اسباب کا اثبات اس حدیث سے اس صورت میں ہو سکتا تھا اگر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے کہ پرندے صبح دم خالی پیٹ اپنے آشیانوں میں ہی بیٹھے رہتے ہیں اور سیر ہو جاتے ہیں :۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا اور کہاں

صفحہ

اگر اس دائرے میں سرخ نشان ہے تو سمجھئے اس پرچہ پر آپ کی خریداری ختم ہے۔ براہ کرم منی آرڈر سے سالانہ قیمت بھیجیں یا وی پی کی اجازت دیں اور اگر خریداری جاری نہ رکھنی ہو تب بھی اطلاع دیں خاموشی کی صورت میں اگلا پرچہ وی پی سے بھیجا جائے گا جسے وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا۔ منی آرڈر بھیج کر آپ وی پی خرچ سے بچ جائیں گے۔

امریکہ، انگلینڈ، نائجیریا یا کنیڈا، فرانس، انڈونیشیا سے بذریعہ رجسٹری ڈاک، دو پونڈ، بذریعہ ہوائی ڈاک دس پونڈ۔

افریقہ، سعودی عرب، بحرین قطر وغیرہ سے بذریعہ رجسٹری ڈاک ایک پونڈ دس شلنگ ہوائی ڈاک چھ پونڈ۔

سالانہ	ششماہی	فی پرچہ	آغاز
(۲۲) بائیس روپے	(۱۲) بارہ روپے	(۳) تین روپے	سنہ ۱۹۳۹ء

مُستقِل

نقّادِ اعظم مولانا عامر عثمانی نور اللہ مرقدہٗ

زید بہت زیادہ مریض اور کمزور ہو تو کہا جاتا ہے کہ اس کا حال ، مردوں سے بدتر ہے ظاہر ہے کہ اس قول کو آئین و منطق کی میزان میں نہیں تولا جاتا بلکہ اس کا مطلب یہی لیا جاتا ہے کہ زید زندہ تو ہے مگر بہت ناتواں ہو گیا ہے امراض سے مغلوب ہے ایڑیاں رگڑ رہا ہے ٹھیک ایسا ہی معاملہ حضور کے ان اقوال شریفہ کا ہے جن میں کسی معصیت کبیرہ پر مومن نہ ہونے کی وعید دی گئی ہے

زید جب تک سانس لے رہا ہے اسے زندہ ہی ماننا پڑیگا چاہے کتنا ہی مریض ہو۔ اسی طرح مومن جب تک قولاً یا عملاً عقیدۂ کفر کا اعلان نہ کردے اسے آئین و منطق کی رو سے مسلمان ہی ماننا پڑے گا چاہے کیسا ہی گنہگار ہو لیکن جس طرح زید زندہ ہونے کے باوجود زندگی کے لذائذ منافع حاصل کرنیکا اہل نہیں رہا ہے اسی طرح وہ مومن بھی جو کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہے ایمان کی لذّت اور منافع کثیرہ حاصل کرنیکی جد وجہد سے دست کش ہو گیا ہے سسکتے ہوئے زید بحالت حیات ہی اگر مردوں سے بدتر کہنا محاورے میں داخل ہے تو سخت قسم کے گناہوں کے مرتکب کو بے ایمان کہنا بھی محاورے کے اعتبار سے بالیقین درست ہے۔

پھر حقیقت کی گہرائیوں میں اتر کر دیکھئے تو یہ سمجھنا بھی دشوار نہ ہوگا کہ ایمان اپنی فطرت ہی کے لحاظ سے طغیان و سرکشی کی ضد ہے سورج نصف النہار پر چمک رہا ہو تو ہر طرف اجالا ہی اجالا ہوگا وہ ڈھل جائے تو روشنی کم ہو جائیگی۔ اسپر بادل چھا جائے تب بھی ظلمت کو ہاتھ پیر نکالنے کا موقعہ ملیگا اور وہ کامل طور پر گہن میں آجائے تو پھر ظلمت ہی ظلمت کی عملداری ہوگی یہ فطرت کے اٹل قوانین ہیں اس طرح ایمان اور سرکشی کا معاملہ ہے کہ ایمان کامل ہو تو سرکشی صفر کے درجہ میں رہ جائیگی۔ اعمال و عقائد میں اجالا ہی اجالا ہوگا۔ پھر جتنا جتنا خاور ایمان ڈھلتا جائیگا اور اس پر خدا فراموشی کی سیاہ گھٹا چھا جائے گی اسی تناسب سے سرکشی بھی بڑھتی جائیگی۔ حتیٰ کہ جس سرکشی نے کبیرہ گناہوں کو دلچسپ مشغلہ بنا لیا اس کے متعلق یہ کہنا بالیقین درست ہوگا کہ اس کا خاور ایمان کامل طور پر گہنا گیا ہے چاند اور سورج گہن میں آکر اپنی روشنی کھو دیں تو پھر ان کا عدم وجود برابر ہے مومن اس لئے اگر معاصی کبیرہ پر جری ہو جائے تو ایمان کا ہونا نہ ہونا اثرات و ثمرات کے اعتبار سے یکساں ہی ہوگا گویا کہ ایمان آئینی اعتبار سے ہے بھی مگر اثرات و مظاہر کے اعتبار سے ہے بھی نہیں۔ (از تجلّی مئی و اپریل ۱۹۶۲ء)

کتابت اور کاغذ و طباعت میں دگنا تگنا اضافہ ہوجانے کی وجہ سے رسالوں کی قیمتوں میں اضافہ کرنا ناگزیر ہوگیا ہے۔ کئی رسالے اپنی قیمتوں میں اضافہ کرنے کا اعلان کرچکے ہیں۔ تجلی بھی اسی دنیا کی مخلوق ہے۔ وہ بگڑتے ہوئے حالات اور بڑھتی ہوئی مہنگائی سے کیسے متاثر نہیں ہوگا۔

رسالہ کی قیمت میں اضافہ کرتے وقت بڑی کوفت ہوتی ہے اور خریداروں کی جیبوں پر رحم بھی آتا ہے لیکن کیا کریں جس دور میں ہم پیدا ہوئے ہیں اس دور میں دوسروں کے لیئے ضرورت سے زیادہ ایثار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے ہاتھ سے اپنا گلا گھونٹ لے۔

کاغذ و طباعت کی قیمتوں میں تو کئی مہینے پہلے اضافہ ہوگیا تھا۔ لیکن ہم رسالہ کی قیمت میں اضافہ کرنے سے گریز کرتے رہے اور اس بات کے خواہاں تھے کہ کاغذ کی قیمتوں میں کچھ افاقہ ہو تو رسالہ کو موجودہ ہی قیمت پر باقی رکھا جائے۔ لیکن اب اندازہ یہ ہوا کہ بغیر قیمت بڑھائے گزارا نہیں ہوگا البتہ ایک صورت نقصان سے بچنے کی اور بھی ہے اور وہ یہ کہ قیمت تو جوں کی توں رہے دو کاپیاں (۱۶ صفحے) کم کردیئے جائیں۔ اس صورت میں مٹیر ظاہر ہے کہ سکڑ کر رہ جائے گا اور شاید مستقل عنوانات کے علاوہ پھر دوسرے مضامین کے چھپنے کی نوبت کبھی کبھی ہی آیا کرے گی۔ بہرحال قارئین غور و فکر کرنے بعد اپنے مشوروں سے نوازیں اور بے تکلف یہ تحریر کریں کہ

انھیں کونسی صورت پسند ہے۔ پہلی یا دوسری۔

پہلی صورت میں رسالہ تین روپے کا ہوگا اور سالانہ چندہ چوبیس (۲۴) روپے اور دوسری صورت میں قیمت اور سالانہ چندہ یہی رہیگا البتہ رسالے کے ۱۶ صفحے گھٹا دیئے جائیں گے۔

توجہ طلب

کتنے ہی واقعات اور مقولوں نے یہ بات ثابت کردی ہے کہ وزیر صحت مسٹر راج نارائن کی حیثیت جنتا پارٹی کے پنڈال میں ان جوکروں اور مسخروں سے کسی ڈگری کم نہیں کہ جو ناظرین و مخاطبین کو ہنسانے اور خود کو بے ضابطہ اور مستند ٹھیکیدار ثابت کرنے کے لئے اپنے قد، ناک نقشہ اور حماقت زدہ لب و لہجہ میں بگاڑ پیدا کرلیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کی زبان سے نکلا ہوا کوئی فقرہ نہ قابل توجہ ہو سکتا ہے اور نہ ہی قابل غور و فکر مسٹر راج نارائن صاحب وقتاً فوقتاً ایسی بولیاں بولتے رہتے ہیں کہ جن کے پیچھے نہ کوئی مقصد ہوتا ہے نہ مفہوم کی تہ ہوتی ہے اور نہ حقیقت و صداقت کا انعکاس اور یہ بات تو ابھی مسلّم ہے ہی کہ راج نارائن صاحب بالعموم نہ سوچ کر بولتے ہیں اور نہ ہی بول کر سوچنے کی زحمت گوارہ کرتے ہیں غالباً اس لئے کہ ان کے نزدیک آنکھ اور کان والوں کو اپنے مزاحیہ ٹھمکوں اور بے تکی باتوں سے ہنسا دینا ہی حاصل زندگی ہے۔ پچھلے دنوں ایک انٹرویو میں انھوں نے دن دھاڑے یہ ارشاد فرمایا کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خاندان کو مختصر کرنے کی تعلیم و ترغیب دی ہے اور ان کی ایک ہی صاحبزادی تھیں فرمایا ہے کہ اس سے بڑا لطیفہ اور اس سے زیادہ مسخرہ پن اور کیا ہوگا کہ آدمی ٹھوس حقیقتوں کے خلاف بکواس کرنے پر تل جائے اور ان سچائیوں کو دھندلی کرنے پر کمربستہ ہو جائے کہ جن کا اظہر من الشمس ہونا دو اور دو چار کی طرح مسلّم ہے۔

ساری دنیا اس بات سے واقف ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں تھیں ایک کا نام زینب رضؓ تھا ایک کا ام کلثومؓ، ایک کا رقیہؓ اور ایک کا فاطمہؓ۔ مشہور صحابی امیر المومنین یعنی خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ ذی النورین کہلاتے تھے اس وجہ سے کہ خوش نصیبی سے ان کی شادی یکے بعد دیگرے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں سے ہوئی تھی۔ ایک صاحبزادی کی شادی عمر ابن العاص سے ہوئی تھی اور ایک کی حضرت علیؓ سے۔ یہ تفصیل اتنی ٹھوس اور محکم ہے کہ اس دور کے ایک کروڑ سنجیدہ اور قابل اعتبار انسان مل کر بھی اسے دھندلا کرنے پر قادر نہیں ہو سکتے۔ مسخروں اور جوکروں کی تو حیثیت ہی کیا۔ سنا ہے کہ بعض مسلمان خفا ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ راج نارائن نے حضورؐ کی شان میں گستاخی کردی ہے لہٰذا انھیں اپنے الفاظ واپس لینے چاہئیں

اپنے تمام مسلمانوں سے ہماری گزارش ہے کہ مسٹر راج نارائن کی زبان سے نکلے ہوئے فقرات پر سنجیدگی کے ساتھ تصور نہیں کیے جانے چاہئیں، دنیا انھیں کیا سمجھتی ہے اور ان کی باتوں پر لفظ اور خرافات کا اطلاق ہوتا ہے ملفوظات و الہامات کا نہیں لہٰذا اگر وہ کسی خاص موقع پر یہ بھی کہہ گزریں کہ پنڈت جواہر لال نہرو کے کبھی کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی، یا سردار پٹیل نے زندگی میں کبھی سچ نہیں بولا اور مہاتما گاندھی لوٹ پتلون پہن کر کھلے عام گائے کا گوشت تناول فرمایا کرتے تھے تو بھی ہم اس بات کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی کہ ہم راج نارائن صاحب سے الفاظ واپس لینے کا اصرار کریں اسلئے کہ مذکورہ باتیں حقیقت کے خلاف ہونگی اور حقیقت و تاریخ کے خلاف اول فول زبان سے نکالنا خود زبان دراز کے اپنے ہتک و تذلیل کا باعث بنتا ہے۔ راج نارائن صاحب کے کذب بیانی سے ملول ہونے والے مسلمان یقین کریں کہ کسی غیر ذمہ دار مسلمان کی ان ترانیوں سے نہ تاریخ و حقائق کا کچھ بگڑتا ہے نہ بگڑے گا لہٰذا یہ ضد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ راج نارائن صاحب اپنے غلط سلط الفاظ واپس لیں۔

آغازِ سخن

بہار شریف میں ہونے والے فساد کے ناسور اور اس فساد کی آڑ میں محافظین قانون کی بخشی ہوئی چوٹیں ابھی بھرنے بھی نہیں پائی تھیں کہ مختلف علاقوں میں ہونے والے چھوٹے موٹے فسادات کے ساتھ ساتھ بنارس دوارانسی میں ہونے والے ایک زبردست، سنگین اور وحشت ناک فساد کی خبر سننے کو ملی پے در پے کئی فسادات کی افسوسناک خبر اور سفاکی و بربریت کے ننگے ڈراموں کی شرمناک اطلاعات سن سن کر اب یقین ہو چلا ہے کہ جنتا پارٹی بھی کانگریس کی طرح ایک بزنس جماعت ہے اس کے تمام دعوے بھی ہوائی اور اس کے دانت بھی ہاتھی کے دانت کی طرح صرف دیکھنے اور دکھانے ہی کے ہیں کانگریس کا تختہ الٹ جانے کے بعد ہم جیسے سادہ لوح مسلمانوں کو یہ خوش گمانی تھی کہ اب بھارت میں ہندو مسلم فسادات کا سلسلہ یک لخت ختم ہو جائے گا۔ اب یہاں امن و امان کی بانسری بجے گی۔ ہندو مسلمان بھائی بھائی کی طرح زندگی بسر کریں گے اور حکومت کے چھوٹے بڑے وزراء سبھی کو ایک نظر سے دیکھیں گے اور سب کے اطوار و افعال کو بلا کسی امتیاز کے ایک ہی پیمانے سے ناپنے کی کوشش کریں گے۔ ہماری یہ خوش فہمی خوامخواہ نہیں تھی بلکہ کانگریس حکومت کو اوندھے منہ گرانے اور جنتا پارٹی کو ذی اثر بنانے میں مسلمانوں کا بہت بڑا ہاتھ تھا مسلمانوں نے اپنی زندگیاں اور اپنی راحتیں تج کر جنتا پارٹی کے بے دم جسم کو دم عطا کی تھی اور اسے اس قابل بنایا تھا کہ وہ کانگریس جیسی تیس سالہ پرانی جماعت کے مقابلے میں ڈٹ سکے ہمیں یقین تھا کہ مسلمانوں کی قربانیوں اور ان کے احسانات کو جنتا پارٹی کے حامی لوگ کبھی نظر انداز نہیں کریں گے۔ لیکن تین چار مہینوں کی قلیل مدت میں ہی یہ اندازہ ہو گیا ہے کہ افراد جنتا پارٹی کے ہوں یا کانگریس کے سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں اور سبھی مسلم دشمنی کے حمام میں ننگ دھڑنگ دکھائی دیتے ہیں پے در پے ہونے والے فسادات اور جابجا ہونے والی خون کی ہولیوں نے ہماری خوش گمانی کا گلا گھونٹ کر رکھ دیا ہے اور واقعات پھر سے یہ دعویٰ کرنے کی پوزیشن میں آ گئے ہیں کہ کوئی غیر مسلم جماعت مسلمانوں کی نہ خیر خواہ ثابت ہو سکتی ہے اور نہ ہمنوا۔

افسوسناک بات یہ ہے کہ جس طرح کانگریس کے دور ضلالت میں پولیس اور پی اے سی کے نوجوان فسادات کے موقعہ پر صرف تماشہ دیکھنے کے لئے آتے تھے۔ اسی طرح اب بھی صرف تماشہ ہی دیکھنے کے لیے تشریف لاتے ہیں اور قابل اعتراض بات یہ ہے کہ اگر وہ گولیاں برساتے بھی ہیں تو اتنی ہشیاری کے ساتھ کہ ان کی بندوقوں سے نکلنے والی ہر گولی صرف مسلمانوں ہی کے سینوں میں جا کر پیوست ہوتی ہے غلطی سے بھی ایسا نہیں ہوتا کہ کسی غیر مسلم کا سینہ چھلنی ہو جائے۔ پرخچے اڑیں گے تو مسلمان کے اڑیں گے۔ زخمی ہوگا تو بے چارہ مسلمان ہوگا، گھر جلے گا تو غریب مسلمان کا۔

اس کے باوجود قانون کے ٹھیکیداروں کا دعویٰ یہ ہوتا ہے کہ ہم امن قائم کرنے کے لئے گولیاں چلاتے ہیں کسی بری نیت اور خراب جذبہ سے بالکل نہیں۔

یہ مسلمانوں کے ساتھ کتنا گھناؤنا مذاق ہے کہ انھیں لہو لہان کرنے کے بعد ایک ادائے بے نیازی کے ساتھ یہ کہدیا جاتا ہے کہ فساد کی آگ کو ٹھنڈی کرنے کے لیے ہم نے گولیاں چلانے کی کاروائی کی ہے ورنہ ہم تمہارے دشمن نہیں۔ گولیوں اور لاٹھیوں کے ذریعہ امن قائم کرنا اور مظلوم طبقہ کے ناتواں جسم پر گھونسے رسید کر کے یہ دعویٰ کرنا کہ معاشرہ میں سکون پیدا کرنے کے خواہش مند ہیں اگر حیرت ناک نہیں ہے تو پھر اس دنیا میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں ہے کہ جسے حیرتناک کہا جاسکے۔

ہمیں تو ایسا لگتا ہے کہ ہندوستان کی پولیس آدم خور ہو کر رہ گئی ہے یعنی جب تک وہ دو چار اور دس بیس انسانوں کا خون نہیں بہا دیتی اسے سکون و قرار میسر نہیں آتا اور اسے کمال کفر اور شانِ تعصب سمجھ لیجئے کہ وہ جب بھی اپنے زہریلے پنجے فضا میں لہراتی ہے تو لاچار مسلمان ہی اس کا لقمہ بنتا ہے کوئی اور مخلوق نہیں۔

ایمرجنسی کے انیس مہینوں میں ہماری بے لگام پولس نے عوام پر جو مظالم ڈھائے ہیں اور فرقہ وارانہ فسادات کے موقعوں پر وہ جس شرمناک اور ظالمانہ کردار کا مظاہرہ کرتی رہی ہے اس کے پیش نظر یہ کہنا غلط ہوگا کہ ظلم و بربریت اور تشدد و قہرمانی کی انتہا ہٹلر اور چنگیز خاں کے دور اقتدار ہی میں دیکھنے کو ملی ہے۔

آسمان سے تحقیق کیجئے تو وہ بلا تامل یہ کہے گا کہ ہندوستان کی انتہا پسند پولیس نے ماضی قریب و بعید میں ظلم و استبداد اور سزا و عتاب کے جو نئے نئے طریقے ایجاد کیے ہیں اور کا وہ بیگناہ مسلمانوں کو اپنی لاتوں اور اپنی حیوانی اور عیارانہ سازشوں سے کچل کر وہ جس گندی ذہنیت اور سفاکانہ چیرہ دستیوں کا اظہار کرتی رہی ہے اس کی مثال نہ بے چارہ ہٹلر ہی پیش کر سکا تھا نہ حریف چنگیز خاں۔

قتل و غارت کے ہولناک ڈرامے اور جور و طغیان کے برہنہ رقص سرزمین بھارت میں پچھلے تین برسوں میں ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ جب تک حکام لوگ جانب داری سے کام لیتے رہیں گے اور پولس کی حیوانیت اور سفاکی کا کوئی ایکشن لینے کے لیے تیار نہیں ہوں گے اس وقت تک بنارس کی طرح کتنے ہی شہروں میں فساد کی آگ بھڑکتی رہے گی مسلمانوں کے خون سے ... پھاگ کھیلے جاتے رہیں گے اور ناکارہ پولیس کی مداخلت سے فساد زدہ علاقے "مقتل" اور "شمشان بھومی" میں متبدل ہوتے رہیں گے۔

ہم جانتے ہیں کہ ہمارا واویلا کرنا نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا۔ فریاد کسی رنگ میں کر لی جائے لیکن محکمۂ پولیس کے جوان اور بوڑھوں کو نہ شرم آئے گی، نہ انھیں اپنی ستم نوازیوں کا احساس ہوگا، اور نہ ہی آئندہ کے لیے وہ اپنی مخصوص روش چھوڑنے کے لیے آمادہ ہوں گے۔ بچھو ہمیشہ بچھو ہی رہے گا اور درندہ ہمیشہ درندہ۔ پھر کاغذ سیاہ کرنے سے کیا حاصل؟

حاصل تو فی الیقین کچھ بھی نہیں ہو سکے گا لیکن درد و حزن میں ڈوبے ہوئے دل کا تقاضہ ہے کہ اس مہینہ کا آغاز سخن اسی غمناک موضوع کے نذر ہو جائے، حاصل کچھ ہو یا نہ ہو۔

ہماری زبانی کچھ اور سننے سے پہلے ہم ر لو مبر کے دعوت میں چھپی ہوئی اس تفصیل پر ایک نظر ڈال لیجئے۔

مدن پورہ کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ ہندوؤں کے اس قدیم ترین زندہ اور متبرک شہر میں اسلام کی ہو سکتی ہے۔ مدن پورہ کے لوگوں کو اپنی روایات اور اپنے فن پر ناز ہے۔ بنارسی ساڑھیاں یوں تو وارانسی اور اس کے گرد و نواح میں دور دور تک تیار کی جاتی ہیں۔ لیکن جتنی عمدہ اور نفیس ساڑھیاں اس محلہ میں بنائی جاتی ہیں کہیں اور ان کی تیاری کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اب اس بنکر برادری میں ساڑھیوں کا کاروبار کرنے والے اچھے اہل ثروت لوگ بھی ہیں اور مدن پورہ سڑک کے دونوں کناروں پر بنی ہوئی عمارتیں اور دوکانیں ان کی کامیابی کی علامت ہیں۔ اور غالباً یہ بات بہتوں کو ناپسند ہے۔

مدن پورہ کے جنوب اور شرق میں آباد بنگالی حضرات درگاہ پوجا کا تہوار ہر سال بڑے جوش و خروش سے مناتے ہیں اس سال بھی یہ تہوار

۲۱، ۲۲ر اکتوبر کو روایتی شان و شوکت کے ساتھ منایا گیا۔ درگاہ کی مورتیاں ۲۲ر اکتوبر کو گنگا میں ٹھنڈی کی گئیں، لیکن ۲۳ر اکتوبر کو مدن پورہ کے لوگوں کو معلوم ہوا کہ محلہ کے مشرقی حصہ سے درگا کا ایک جلوس سڑک پر لانے اور پھرا سے جنگم باڑی کی طرف سے لیجانے کے بجائے مدن پورہ محلہ کی ایک جانب خالص مسلم آبادی والی گنجان و تنگ گلی سے گھسانے کا منصوبہ ہے محلہ کے لوگوں نے اس پر اعتراض کیا۔ کیونکہ اس راستہ سے درگاہ کی مورتی کبھی نہیں لیجائی گئی تھی۔ عام لوگوں کو یہ احساس تھا اگر مورتی اسی جانب سے لے جائی گئی تو پھر ہمیشہ کے لئے فتنہ و فساد کا دروازہ کھل جائے گا۔

ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ حکام ضلع اس موقعہ پر دانشمندانہ رویہ اختیار کرتے اور جلوس لے جانے والوں پر یہ باور کرا دیتے کہ اگر مسلمان اس بار جلوس کو اس راستے سے جانے دینے پر رضامند بھی ہو جائیں تو بھی اس راستہ سے جلوس کا نکلنا شہر کے دائمی امن کے لئے بہت ہی نقصان دہ ہوگا۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ انھوں نے مقامی جنتا ایم، ایل، اے کے زیر اثر دوسرا ہی رویّہ اختیار کیا۔ بجائے اس کے کہ جلوس نکالنے والوں کی حوصلہ شکنی کی جاتی وہ پانچ مسلمانوں اور پانچ ہندوؤں کو لے کر تقریباً پانچ چھ گھنٹے پنچایت کرتے رہے اور اس میں پہلے سے طے شدہ راستہ کو تبدیل کرنے کے سلسلہ میں بات چیت ہوتی رہی اور آخر میں ان پانچ مسلمانوں کے نام پر اس فیصلہ کو پورے محلہ کے سر تھوپنے کی ناکام کوشش کی گئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس ایم ایل اے کی ناتجربہ کاری اور سب کو خوش رکھنے کی کوشش نے ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کو مغالطہ میں رکھا۔ ایک گروہ یہ سمجھتا رہا کہ جلوس اس کی حسب منشا نکل جائے گا اور دوسرا گروہ اس اطمینان میں رہا کہ اب اس کے محلہ میں جلوس نہیں آئے گا۔ مصالحت کے نام پر تنازعہ کو جتنا طول دیا گیا اتنے ہی جذبات ابھرتے رہے اور آہستہ آہستہ موقعہ پر دونوں طرف کے لوگوں کی تعداد بڑھتی رہی۔ سماج دشمن عناصر تو موقعہ سے فائدہ اٹھانے کی تاک میں بیٹھے ہی تھے عوام میں غلط افواہیں پھیلنی شروع ہو گئیں اور حکام کا رویہ بظاہر انکے لیے حوصلہ شکن نہیں تھا۔ جلوس والوں نے سڑک پر آنے کے بعد شمال میں جنگم باڑی اور گدولیا کی طرف جانے کے بجائے جنوب میں مدن پورہ کی طرف رخ کیا اس پر محلہ کے لوگوں نے مزاحمت کی۔

پولیس کو دونوں سمتوں میں حرکت میں آنا چاہیئے تھا۔ لیکن پولیس نے بھی عام طور پر جنوب کا رخ کیا اور اندھا دھند فائرنگ کی گئی نتیجہ میں حاجی عبدالمتین صاحب، محمد یوسف اور ہری کرشن پریمی وغیرہ گولی کا نشانہ بنے اور لعہ ادم شروع ہوتے ہی جنگم باڑی میں واقع حاجی امین الدین کی کوٹھی میں گیٹ توڑ کر گھس گئے کار کو آگ لگائی مگر جب شرپسندوں کو محسوس ہوا کہ اگر عمارت میں آگ لگ گئی تو عمارت کے نچلے حصہ میں واقع ایسے لوگوں کی دوکانیں بھی خاکستر ہو جائیں گی جن کو نشانہ بنانا مقصود نہیں تھا تو کار کو دھکیل کر باہر سڑک پر جنوب کی سمت میں کافی دور پر لے جایا گیا۔ قانون، کے محافظ پولیس اور پی اے سی کے جوان دیکھتے رہے اور ایک بھی گولی ان شرپسندوں پر نہیں چلائی گئی۔ الٹا یہ ہوا کہ پی اے سی کے جوان اور غنڈے جگہ جگہ ان کے تالے توڑتے ہوئے بالائی حصہ پر چڑھ گئے۔ حاجی امین الدین کے لڑکے ڈاکٹر شمس الدین اور ان کے بھتیجے کو فسادی پکڑ کر باہر لے گئے اور بری طرح زدوکوب کیا دونوں کو لہولہان کر دیا۔ پی اے سی کے موجودگی میں غنڈوں نے ان کی الماریوں کے تالے توڑ ڈالے اور سارا زیور اور نقدی اٹھا لے گئے سیکڑوں بنارسی ساڑھیاں اٹھا لے گئے۔ حاجی صاحب کی دکان کا شٹر بھی کوٹھی کے اندر سے فسادیوں نے توڑنے کی کوشش کی پچاسی (۸۵) سال کے بوڑھے حاجی صاحب کو اتنی زور سے دھکیلا کہ ان کی ناک سے خون بہنے لگا اور سارے کپڑے بستر و چادر وغیرہ خون سے لت پت ہو گئے۔

کچھ عرصہ کے بعد پولیس نے ڈاکٹر شمس الدین اور حاجی صاحب کے بھتیجہ کو اسپتال پہونچا دیا مگر حاجی امین الدین صاحب کی ناک سے رات بھر خون بہتا رہا اور کوئی طبی امداد نہ پہونچ سکی۔ اس ساری غنڈہ گردی اور پولیس کے نکمے پن کا جونکہ حکام کے پاس کوئی جواز نہیں ہے اس لئے یہ الزام لگانے کی ناکام کوشش کی جا رہی ہے کہ کوٹھی پر سے فائرنگ کی گئی تھی۔

مدن پورہ کے وسط میں سڑک کے مغربی کنارے پر حاجی متین نامی ایک ضعیف شخص اپنے مکان کی پہلی منزل پر فائرنگ

سے شہید ہوئے مدن پورہ کے جنوبی عقب پانڈے حویلی میں کافی دکانیں جلائی گئیں اور ساڑھیاں اور سامان لوٹا گیا تقریباً ۹ بجے رات میں پورے علاقہ میں کرفیونا فذ کر دیا گیا کرفیو لگ جانے کے بعد رات میں مدن پورہ کے جنوب مشرق میں واقع دیونا تھ پورہ سے شور وغل اور اکا دکا گولیوں کے چلنے کی آوازیں دیر تک آتی رہیں۔ اس علاقہ میں اقلیتی فرقہ کے لوگوں کی تعداد کم ہے اور جون ۱۹۶۷ء کے فساد میں بھی فسادیوں کا خاص نشانہ بنے تھے لیکن حکام نے وہاں پر پولیس اور پی اے سی کا معقول انتظام نہیں کیا کیونکہ اس علاقہ میں باوجود شدید نقصان کے فسادیوں کا نقصان برائے نام ہوا اسی علاقہ کی دو مسجدوں کو بھی فسادیوں نے نشانہ بنایا اور اس کا سامان جلا دیا اور گرا بھی دیا مگر پولیس اور پی اے سی محض تماشائی بنی رہی۔ اقتباس ختم۔

اس تحریر پر حاشیہ چڑھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ فرقہ پرستوں کی درندگی اور پولیس کی وحشیانہ جانب داری کا اندازہ لگانے کے لئے یہ تحریر بجائے خود بہت کافی ہے۔ بس یہ تحریر پڑھنے کے بعد اتنا اور گوش گذار کر لیجئے کہ بعض سیاسی لیڈروں کو جب اس بات کی اطلاع ملی کہ فساد زدہ علاقہ میں پی اے سی کے نوجوان غلط رول ادا کر رہے ہیں تو انھوں نے جائے وقوع پر جانے کی ہر ممکن کوشش کی تاکہ وہ بگڑے ہوئے حالات کا جائزہ لے سکیں اور پی اے سی کے نوجوانوں کو بھی ان کی غلط کرداری پر لتاڑ سکیں لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ مقامی حکام نے سیاسی لیڈروں کو فساد زدہ علاقہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی۔ ظاہر ہے کہ مقامی حکام کچی گولیاں کھیلے ہوئے نہیں تھے اگر وہ سیاسی لیڈروں کو فساد زدہ علاقہ میں داخل ہونے کی اجازت دے دیتے تو سارا بھانڈا ہی پھوٹ جاتا اور یہ بات اظہر من الشمس ہو کر رہ جاتی کہ بنارس کی اس خونریزی اور لوٹ کھسوٹ میں شرپسند فرقہ کا ہاتھ کم پولیس اور حکمرانوں کا ہاتھ زیادہ ہے۔

لیجئے لگے ہاتھوں اب مقامی مجسٹریٹ کا یہ بیان بھی ملاحظہ فرما لیجئے جو انھوں نے ایک پریس کانفرنس کیلئے جاری کیا تھا۔

"جس وقت جلوس دشا شومیدھ سونار پورہ مرکز پر پہنچا اس وقت مکانوں کی چھتوں سے تیزی کیساتھ پتھراؤ کیا گیا، سوڈا واٹر کی بوتلیں پھینکی گئیں اور کچھ گولیاں بھی چلائی گئیں۔

اسے کہتے ہیں دیدہ دلیری اور اسی کو کہا جاتا ہے جھوٹ وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ مجسٹریٹ صاحب دنیا کو جھانسہ دیتے وقت یہ تو بھول گئے ہیں کہ جس علاقہ کے بارے میں وہ بیان دے رہے ہیں وہاں صرف ایک مکان مسلمان کا ہے باقی تمام مکانات غیر مسلموں کے ہیں اگر مجسٹریٹ صاحب کے بیان کو حرف آخر سمجھ لیا جائے تو یہ بات خود بخود پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ اس فساد میں سارا قصور غیر مسلم حضرات کا ہے انھوں نے ہی اپنی چھتوں سے مسلمانوں پر پتھروں اور گولیوں کی بوچھار کی غالباً یہ بات تو دنیا کا کوئی بھی ہوشمند آدمی ماننے کے لیے تیار نہیں ہوگا کہ فساد کے عین موقع پر اقلیتی طبقہ کے کچھ افراد غیر مسلمین کی چھتوں پر ڈیرہ جمائے ہوئے تھے اور اطمینان سے پتھر باری کرنے میں مصروف تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر مجسٹریٹ صاحب بیان دیتے وقت بوکھلاہٹ کا شکار نہ ہو جاتے تو ایسی بے تکی بات ان کی زبان سے خارج نہیں ہو سکتی تھی کہ خود بول کر یہ کہہ رہے ہیں کہ

لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

سنا ہے کہ یوپی کے وزیر اعلیٰ رام نریش یادو اس خونریزی اور لوٹ مار کی عدالتی تحقیقات کرنے سے گریز کر رہے ہیں اور مرنے والے لواحقین و پسماندگان کو پانچ پانچ ہزار روپے دیکر معاملہ کو رفع دفع کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔

خیر یہ رویّہ تو یادو صاحب کی ہوشمندی کی دلیل ہے کہ وہ اس فساد کی عدالتی تحقیقات کرانے کے لئے آمادہ نہیں اگر وہ عاقلانہ حماقت عدالتی تحقیقات کر گزریں تو ان کے کئے ہی اپنے قانون کی لپیٹ میں آ جائیں گے اور یہ بات بھی واضح ہو جائے گی کہ ہونے والے فساد میں ساری غلطی اس طبقہ کی ہے جو اکثریت پر مشتمل ہے اور پولیس کے سہاروں پر ہر طرح کی زیادتی کو سہل اور جائز تصور کرتا ہے۔

اچنبھہ رام نریش یادو کے رویہ پر نہیں بلکہ جنتا پارٹی کی غفلت پر ہے جس قسم کی کوتاہیوں نے کانگریس کا جسم گندہ کیا تھا اسی قسم کی کوتاہیوں میں جنتا پارٹی کا ملوث ہو جانا بقیہ صفحہ ۲۲

فصلِ دوم

رسالت محمدیؐ پر ایمان لانیکی دعوت

(۴)

حضورؐ پر مجنون ہونیکا الزام

جو بے سرو پا الزامات کفار قریش حضورؐ پر لگا رہے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ آپ معاذ اللہ مجنون ہیں [illegible] اس معنی میں وہ آپ کو مسحور (سحر زدہ) یا جادو کا مارا ہوا آدمی بھی کہتے تھے اور یہی ان کے اس قول کا مطلب بھی تھا کہ [illegible] ہے۔ قرآن مجید میں ان کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ۔

وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ۔ (الصّٰفّٰت ۳۶)
اور وہ کہتے ہیں کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک مجنون شاعر کی خاطر چھوڑ دیں؟

دوسری جگہ ان کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ۔

وَقَالَ الظَّالِمُونَ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا (الفرقان ۸)
اور یہ ظالم کہتے ہیں کہ تم لوگ تو ایک جادو کے مارے ہوئے آدمی کے پیچھے لگ گئے ہو۔

ایک اور جگہ فرمایا گیا ہے:

أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ (المومنون ۷۰)
کیا یہ کہتے ہیں کہ اس پر جن کا اثر ہے۔ یعنی جن کے اثر سے مجنون ہو گیا ہے۔

ان سارے اعتراضات کا مطلب ایک ہی تھا۔ کیونکہ اہل عرب کے نزدیک آدمی کی دیوانگی کے وجوہ دو ہی تھے یا تو کسی نے جادو کر کے اسے پاگل بنا دیا ہو یا کوئی جن اس پر مسلط ہو گیا ہو۔

قرآن مجید میں ان کے یہ اعتراضات دراصل یہ بتانے کے لئے نقل کئے گئے تھے کہ معترضین کس قدر عناد اور تعصب میں اندھے ہو چکے ہیں۔ ان کے جو اعتراضات یہاں اور دوسرے مقامات پر بیان کئے گئے ہیں ان میں سے کوئی بھی اس لائق نہ تھا کہ اس پر سنجیدگی کے ساتھ بحث کی جاتی ان کا بس ذکر کر دینا ہی یہ بتانے کے لئے کافی تھا کہ مخالفین کا دامن دلائل سے کس قدر خالی ہے اور وہ کیسی کیسی [illegible] باتوں سے ایک مدلل اصلاحی دعوت کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ ایک شخص کہتا ہے کہ لوگو یہ شرک جس پر تمہارے مذہب و تمدن کی بنیاد قائم ہے ایک غلط عقیدہ ہے اور اس کے غلط ہونے کے یہ اور یہ دلائل ہیں۔ جواب میں شرک کے برحق ہونے پر کوئی دلیل قائم نہیں کی جاتی بس آوازہ کس دیا جاتا ہے کہ یہ جادو کا مارا ہوا آدمی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ کائنات کا سارا نظام توحید پر [illegible] یہ حقائق ہیں جو اس کی شہادت [illegible] جواب [illegible] وہ کہتا ہے تم دنیا میں شتر بے مہار بنا کر نہیں چھوڑ دیئے گئے ہو بلکہ تمہیں اپنے رب کے پاس پلٹ کر جانا ہے اور دوسری زندگی میں اپنے اعمال کا حساب دینا ہے اور اس حقیقت پر یہ اخلاقی اور یہ تاریخی اور یہ عقلی امور دلالت کر رہے ہیں۔ جواب میں کہا جاتا ہے کہ [illegible] وہ کہتا ہے میں خدا کی طرف سے تمہارے لئے یہ تعلیم لے کر آیا ہوں اور یہ ہے وہ تعلیم۔ جواب میں اس [illegible] پر کوئی بحث و تنقید نہیں ہوتی بس بلا ثبوت ایک الزام چسپاں کر دیا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ کہیں سے نقل کر لایا ہے۔ [illegible] رسالت کے شور میں خدا

کا معجزانہ کلام پیش کرتا ہے خود اپنی زندگی اور اپنی سیرت و کردار کو پیش کرتا ہے اور اس اخلاقی انقلاب کو پیش کرتا ہے جو اس کے اثر سے اس کے پیروؤں کی زندگی میں ہو رہا ہے۔ مگر مخالفت کرنے والے ان میں سے کسی چیز کو بھی نہیں دیکھتے۔ پوچھتے ہیں تو یہ پوچھتے ہیں کہ تم کھانا کیوں کھاتے ہو؟ بازاروں میں کیوں چلتے پھرتے ہو؟ تمہاری اردلی میں کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا ہے؟ تمہارے پاس کوئی خزانہ یا باغ کیوں نہیں ہے؟ یہ باتیں خود ہی بتا رہی تھیں کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے۔ اور کون اس کے مقابلہ میں عاجز آکر بے تکی ہانک رہا ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۚ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۚ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ (سبا ۴۶)

اے نبیؐ، ان سے کہو کہ میں تمہیں بس ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں۔ خدا کے لیے تم اکیلے اکیلے اور دو دو مل کر اپنا دماغ لڑاؤ اور سوچو، تمہارے رفیق میں آخر ایسی کونسی بات ہے جو جنون کی ہو؟ وہ تو ایک سخت عذاب کی آمد سے پہلے تم کو متنبہ کرنے والا ہے۔

یعنی اغراض اور خواہشات اور تعصبات سے پاک ہو کر خالصۃً للہ غور کرو۔ ہر شخص الگ الگ بھی نیک نیتی کے ساتھ سوچے اور دو دو چار چار آدمی سر جوڑ کر بھی بے لاگ طریقے سے ایک دوسرے کے ساتھ بحث کر کے تحقیق کریں کہ آخر وہ کیا بات ہے جس کی بنا پر آج تم اس شخص کو مجنون ٹھہرا رہے ہو جسے کل تک تم اپنے درمیان نہایت دانا آدمی سمجھتے تھے؟ آخر نبوت سے تھوڑی ہی مدت پہلے کا واقعہ تھا کہ تعمیر کعبہ کے بعد حجر اسود نصب کرنے کے مسئلے پر جب قبائل قریش باہم لڑ پڑے تھے تو تم ہی لوگوں نے بالاتفاق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم تسلیم کیا تھا اور انھوں نے ایسے طریقے سے اس جھگڑے کو چکایا تھا جس پر تم سب مطمئن ہو گئے تھے۔ جس شخص کی عقل و دانش کا یہ تجربہ تمہاری ساری قوم کو ہو چکا ہے اب کیا بات ایسی ہو گئی کہ تم اسے مجنون کہنے لگے؟ ہٹ دھرمی اور ضد کی بات تو دوسری ہے مگر کیا واقعی تم اپنے دلوں میں بھی وہی کچھ سمجھتے ہو جو اپنی زبانوں سے کہتے ہو؟ وہ تمہیں ایک سخت عذاب کے آنے سے پہلے خبردار کر رہا ہے کیا یہی وہ تصور ہے جس کی بنا پر تم اسے جنون کا مریض ٹھہراتے ہو۔ کیا تمہارے نزدیک عقلمند وہ ہے جو تمہیں تباہی کے راستے پر جاتے دیکھ کر کہے شاباش بہت اچھے جا رہے ہو؟ اور مجنون وہ ہے جو تمہیں برا وقت آنے سے پہلے خبردار کر دے اور فساد کی جگہ صلاح کی راہ بتائے؟

اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ (المومنون) کیا یہ کہتے ہیں کہ اس شخص کو جنون ہے؟

یعنی کیا ان کے انکار کی وجہ یہ ہے کہ واقعی یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون سمجھتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ اس کی اصل وجہ نہیں ہے کیونکہ زبان سے چاہے وہ کچھ ہی کہتے رہیں دلوں میں تو وہ ان کی دانائی و زیرکی کے قائل ہیں علاوہ بریں ایک پاگل اور ایک ہوشمند آدمی کا فرق کوئی ایسا چھپا ہوا تو نہیں ہوتا کہ دونوں میں تمیز کرنا مشکل ہو آخر ایک ہٹ دھرم اور بے حیا آدمی کے سوا کون اس کلام کو سن کر یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ کسی دیوانے کا کلام ہے؟ اور اس شخص کی زندگی کو دیکھ کر کون یہ رائے ظاہر کر سکتا ہے کہ یہ کسی مخبوط الحواس آدمی کی زندگی ہے؟ بڑا ہی عجیب ہے وہ جنون (یا مستشرقین مغرب کی بکواس کے مطابق مرگی کا دورہ) جس میں آدمی کی زبان سے قرآن جیسا کلام نکلے اور جس میں آدمی ایک تحریک کی ایسی کامیاب رہنمائی کرے کہ اپنے ہی ملک کی نہیں دنیا بھر کی قسمت بدل ڈالے۔

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۚ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۚ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم ۲ تا ۴)

اے نبیؐ، تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہو اور یقیناً تمہارے لیے ایسا اجر ہے جس کا سلسلہ کبھی ختم ہونے والا نہیں اور بیشک تم اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہو۔

اس مقام پر یہ بات نگاہ میں رہنی چاہیے کہ یہاں خطاب بظاہر تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن اصل مقصود کفار کو ان کی تہمت کا جواب دینا تھا لہٰذا کسی شخص کو یہ شبہ نہ ہو کہ یہ آیت حضورؐ کو یہ اطمینان دلانے کے لیے نازل ہوئی تھی کہ آپ مجنون نہیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ حضورؐ کو اپنے متعلق تو کوئی ایسا شبہ نہ تھا کہ اسے دور کرنے کے لیے آپ کو یہ اطمینان دلانے کی ضرورت ہوتی۔ مدعا کفار سے یہ کہنا تھا کہ تم جس قرآن کی وجہ سے اس کے پیش کرنے والے کو مجنون کہہ رہے ہو [illegible] یہی تمہارے اس الزام کے

جھوٹے ہونے کی دلیل ہے۔ البتہ حضورؐ کو جس بات کی تسلی دی گئی تھی وہ یہ تھی کہ آپ کے لیئے بے حساب اور لازوال اجر ہے۔ کیونکہ آپ خلق خدا کی ہدایت کے لیئے جو کوششیں کر رہے ہیں ان کے جواب میں آپؐ کو ایسی ایسی اذیت ناک باتیں سننی پڑ رہی ہیں اور پھر بھی آپ اپنے اس فرض کو انجام دیئے چلے جا رہے ہیں۔

پھر یہ بتایا گیا کہ آپ کے بلند اخلاق اس بات کا صریح ثبوت ہیں کہ کفار آپؐ پر دیوانگی کی جو تہمت رکھ رہے ہیں وہ سراسر جھوٹی ہے کیونکہ اخلاق کی بلندی اور دیوانگی دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں دیوانہ وہ شخص ہوتا ہے جس کا ذہنی توازن بگڑا ہوا ہو اور جس کے مزاج میں اعتدال باقی نہ رہا ہو اس کے برعکس آدمی کے بلند اخلاق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ وہ نہایت صحیح الدماغ اور سلیم الفطرت انسان ہے اور اس کا ذہن اور مزاج غایت درجہ متوازن ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق جیسے کچھ تھے اہل مکہ اس سے ناواقف نہ تھے اس لیئے ان کی طرف محض اشارہ کر دینا ہی اس بات کے لیئے کافی تھا کہ مکہ کا ہر معقول آدمی یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا کہ وہ لوگ کس قدر بے شرم ہیں جو ایسے بلند اخلاق آدمی کو مجنون کہہ رہے ہیں ان کی یہ بیہودگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے نہیں بلکہ خود ان کے لیئے نقصان دہ تھی کہ مخالفت کے جوش میں پاگل ہو کر وہ آپ کے متعلق ایسی بات کہہ رہے تھے جسے کوئی ذی فہم آدمی قابل تصور نہ مان سکتا تھا یہی معاملہ ان مدعیان علم و تحقیق کا بھی ہے جو اس زمانے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مرگی اور جنون کی تہمت رکھ رہے ہیں قرآن پاک دنیا میں ہر جگہ مل سکتا ہے اور حضورؐ کی سیرت بھی اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ لکھی ہوئی موجود ہے ہر شخص خود دیکھ سکتا ہے کہ جو لوگ اس بے مثل کتاب کے پیش کرنے والے اور ایسے بلند اخلاق رکھنے والے انسان کو ذہنی مریض قرار دیتے ہیں وہ عداوت کے اندھے جذبے سے مغلوب ہو کر کیسی لغو بات کہہ رہے ہیں۔

اَوَلَمۡ یَتَفَکَّرُوۡا مَا بِصَاحِبِہِمۡ مِّنۡ جِنَّۃٍ ؕ اِنۡ ہُوَ اِلَّا نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ (الاعراف ۱۸۴)

کیا ان لوگوں نے کبھی سوچا نہیں ان کے رفیق پر جنون کا اثر نہیں ہے وہ ایک صاف صاف خبردار کرنے والے ہیں

رفیق سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ آپ مکہ ہی کے لوگوں میں پیدا ہوئے انہی کے درمیان رہے بسے، بچے سے جوان اور جوان سے بوڑھے ہوئے۔ نبوت سے پہلے ساری قوم آپ کو ایک نہایت سلیم الطبع اور صحیح الدماغ آدمی کی حیثیت سے جانتی تھی نبوت کے بعد جب آپ نے خدا کا پیغام پہنچانا شروع کیا تو یکایک آپ کو مجنون کہنے لگی ظاہر ہے کہ یہ حکم جنون ان باتوں پر نہ تھا جو آپ نبی ہونے سے پہلے کرتے تھے بلکہ صرف انہی باتوں پر لگایا جا رہا تھا جن کی آپ نے نبی ہونے کے بعد تبلیغ شروع کی اسی وجہ سے فرمایا جا رہا ہے کہ ان لوگوں نے کبھی سوچا بھی ہے؟ آخر ان باتوں میں سے کونسی بات جنون کی ہے؟ کونسی بات بے تکی بے اصل اور غیر معقول ہے؟ اگر یہ آسمان و زمین کے نظام پر غور کرتے یا خدا کی بنائی ہوئی کسی چیز کو بھی بہ نظر تامل دیکھتے تو انہیں خود معلوم ہو جاتا کہ شرک کی تردید توحید کے اثبات، بندگی رب کی دعوت اور انسان کی ذمہ داری و جواب دہی کے بارے میں جو کچھ ان کا بھائی انھیں سمجھا رہا ہے اس کی صداقت پر یہ پورا نظام کائنات اور خلق اللہ کا ذرہ ذرہ شہادت دے رہا ہے۔

شاعری کا الزام

کفار قریش حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر شاعر ہونے کا الزام بھی رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا ہم ایک شاعر مجنون کے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں اس کے جواب میں فرمایا گیا:

وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُہُمُ الۡغَاوٗنَ (الشعراء آیت ۲۲۴)

اور شعراء کے پیچھے تو بہکے ہوئے لوگ چلا کرتے ہیں۔

یعنی شاعروں کے ساتھ لگے رہنے والے لوگ اپنے اخلاق، عادات و خصائل اور افتاد مزاج میں ان لوگوں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمہیں نظر آتے ہیں دونوں گروہوں کا فرق ایسا کھلا ہوا فرق ہے کہ ایک نظر دیکھ کر ہی آدمی جان سکتا ہے کہ یہ کیسے لوگ ہیں اور وہ کیسے۔ ایک طرف انتہائی سنجیدگی تہذیب، شرافت، راست بازی اور خدا ترسی ہے بات بات میں ذمہ داری کا احساس ہے برتاؤ میں لوگوں کے حقوق کا پاس و لحاظ ہے۔ معاملات میں کمال درجہ کی دیانت و امانت ہے اور زبان جب کھلتی ہے خیر ہی کے لیئے کھلتی ہے۔ شر کا کلمہ اس سے کبھی ادا نہیں ہوتا سب سے زیادہ یہ کہ ان لوگوں کو دیکھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سامنے ایک بلند اور پاکیزہ نصب العین ہے جس کی دھن میں

یہ رات دن لگے رہتے ہیں اور ان کی ساری زندگی ایک مقصد عظیم کے لیئے وقف ہے۔ دوسری طرف حال یہ ہے کہ کہیں عشق بازی اور شراب نوشی کے مضامین بیان ہو رہے ہیں اور حاضرین اچھل اچھل کر ان پر داد دے رہے ہیں کہیں کسی زن بازاری یا کسی گھر کی بہو بیٹی کا حسن موضوع سخن ہے اور سننے والے اس پر مزے لے رہے ہیں۔ کہیں جنسی مواصلت کی حکایت بیان ہو رہی ہے اور پورے مجمع پر شہوانیت کا بھوت مسلط ہے کہیں ہزل بکا جا رہا ہے یا مسخرہ پن کی باتیں ہو رہی ہیں اور مجمع میں ہر طرف ٹھٹھے لگ رہے ہیں کہیں کسی کی ہجو اڑائی جا رہی ہے اور لوگ اس سے لطف لے رہے ہیں کہیں کسی کی بے جا تعریف ہو رہی ہے اور اس پر تحسین و آفریں کے ڈونگرے برسائے جا رہے ہیں اور کہیں کسی کے خلاف نفرت، عداوت اور انتقام کے جذبات بھڑکائے جا رہے ہیں اور سننے والوں کے دلوں میں ان سے آگ سی لگ جاتی ہے۔ ان مجلسوں میں شاعروں کے کلام سننے کیلئے جو ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگتے ہیں اور بڑے بڑے شاعروں کے پیچھے جو لوگ لگے پھرتے ہیں ان کو دیکھ کر کوئی شخص یہ محسوس کیئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ اخلاق کی بندشوں سے آزاد جذبات و خواہشات کی رو میں بہنے والے اور لطف و لذت کے پرستار نیم حیوان قسم کے لوگ ہیں جن کے ذہن کو کبھی یہ خیال چھو کر بھی نہیں گیا ہے کہ دنیا میں انسان کے لیئے زندگی کا کوئی بلند مقصد اور نصب العین بھی ہو سکتا ہے ان دونوں گروہوں کا کھلا کھلا فرق و امتیاز اگر کسی کو نظر نہیں آتا تو وہ اندھا ہے اور اگر سب کچھ دیکھ کر بھی کوئی محض حق کو نیچا دکھانے کے لیئے ایمان نگل کر یہ کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے گرد جمع ہونے والے اسی قبیل کے ہیں جیسے شعراء اور ان کے پیچھے لگے رہنے والے لوگ ہوتے ہیں تو وہ جھوٹ بولنے میں بے حیائی کی ساری حدیں پار کر گیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّھُمْ فِیْ کُلِّ وَادٍ یَّھِیْمُوْنَ۔ (الشعراء ۲۲۵) — کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ (یعنی شعراء) ہر وادی میں بھٹکتے ہیں؟

یعنی کوئی ایک متعین راہ نہیں ہے جس وہ سوچتے اور اپنی قوت گویائی صرف کرتے ہوں بلکہ ان کا توسن فکر ایک بے لگام گھوڑے کی طرح ہر وادی میں بھٹکتا پھرتا ہے اور جذبات و خواہشات اور اغراض و مقاصد کی ہر نئی رو ان کی زبان سے ایک نیا مضمون ادا کراتی ہے جسے سوچنے اور بیان کرنے میں اس بات کا کوئی لحاظ سرے سے ہوتا ہی نہیں کہ یہ بات حق و صدق بھی ہے؟ کبھی ایک لہر اٹھی تو حکمت و موعظت کی باتیں ہونے لگیں اور کبھی دوسری لہر آئی تو اسی زبان سے انتہائی گندے سفلی جذبات کا ترشح شروع ہو گیا کبھی کسی سے خوش ہوئے اسے آسمان پر چڑھا دیا اور کبھی بگڑ بیٹھے تو اسی کو تحت و ثری میں جا گرایا ایک بخیل کو حاتم اور بزدل کو رستم و اسفندیار پر فضیلت دینے میں انہیں ذرا تامل نہیں ہوتا اگر اس سے کوئی غرض وابستہ ہو اس کے برعکس کسی سے رنج پہنچ جائے تو اس کی پاک زندگی پر دھبہ لگانے اور اس کی عزت پر خاک پھینکنے میں، بلکہ اس کے نسب پر طعن کرنے میں بھی ان کو شرم محسوس نہیں ہوتی خدا پرستی اور دہریت، مادہ پرستی اور روحانیت، حسن اخلاق اور بد اخلاقی، پاکیزگی اور گندگی، سنجیدگی اور ہزل، قصیدہ اور ہجو سب کچھ ایک ہی شاعر کے کلام میں آپ کو پہلو بہ پہلو مل جائے گا۔ شعراء کی ان معروف خصوصیات سے جو شخص بھی واقف تھا اس کے دماغ میں یہ بے تکی بات کیسے اتر سکتی تھی کہ اس قرآن کے لانے والے پر شاعری کی تہمت رکھی جائے جس کی تقریر جچی تلی جس بات دو ٹوک جس کی راہ بالکل واضح اور متعین ہے اور جس نے حق اور راستی اور بھلائی کی دعوت سے ہٹ کر کبھی ایک کلمہ بھی زبان سے نہیں نکالا ہے۔

قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ آپ کے مزاج کو شاعری کے ساتھ سرے سے کوئی مناسبت ہی نہیں ہے

ہم نے اس کو شعر نہیں سکھایا ہے نہ یہ اس کے کرنے کا کام ہے یہ ایک ایسی حقیقت تھی کہ جو لوگ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذاتی واقفیت رکھتے تھے وہ سب اسے جانتے تھے۔ معتبر روایات میں آیا ہے کہ کوئی شعر پورا حضور کو یاد نہ تھا دوران گفتگو میں کبھی کسی شاعر کا کوئی اچھا شعر زبان مبارک پر آتا بھی تو غیر موضوع پڑھ جاتے تھے یا اس میں الفاظ کا الٹ پھیر ہو جاتا تھا۔ حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ دوران تقریر میں آپ نے شاعر کا مصرع یوں نقل کیا۔

کفی بالاسلام والشیب للمرء ناهیاً

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اصل مصرع یوں ہے:

کفی الشیب والاسلام للمرء ناھیا

ایک مرتبہ عباس بن مرداس سُلمی سے آپ نے پوچھا کیا تم ہی نے یہ شعر کہا ہے:

اتجعل نھبی ونھب العبید بین الاقرع وعیینہ

انھوں نے عرض کیا آخری فقرہ یوں نہیں ہے بلکہ یوں ہے بین عیینۃ والاقرع آپ نے فرمایا معنی میں تو دونوں یکساں ہیں۔

حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ حضور کبھی اشعار بھی اپنی تقریروں میں استعمال فرماتے تھے انھوں نے فرمایا شعر سے بڑھ کر آپ کو کسی چیز سے نفرت نہ تھی البتہ کبھی کبھار بنی قیس کے شاعر کا ایک شعر پڑھتے تھے مگر اول کو آخر اور آخر کو اول پڑھ جاتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ عرض کرتے یا رسول اللہ یوں نہیں بلکہ یوں ہے تو آپ فرماتے بھائی میں شاعر نہیں ہوں اور نہ شعر گوئی میرے کرنے کا کام ہے"، جس قسم کے مضامین سے عرب کی شاعری لبریز تھی وہ یا تو شہوانیت اور عشق بازی کے مضامین تھے۔ یا شراب نوشی کے، یا قبائلی منافرت اور جنگ و جدل کے یا نسلی فخر و غرور کے۔ نیکی اور بھلائی کی باتیں ان میں بہت ہی کم پائی جاتی تھیں پھر جھوٹ، مبالغہ، بہتان، ہجو، بے جا تعریف ڈینگیں، لعن، پھبتیاں اور مشرکانہ خرافات تو اس شاعری کی رگ رگ میں پیوست تھیں اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے اس شاعری کے متعلق یہ تھی۔ لان یمتلی جوف احدکم قیحا خیر لہ من ان یمتلی شعرا۔

تم میں سے کسی شخص کا خول پیپ سے بھر جانا اس سے زیادہ بہتر ہے کہ وہ شعر سے بھرے۔ تاہم جس شعر میں کوئی اچھی بات ہوتی تھی آپ اس کی داد بھی دیتے تھے اور آپ کا ارشاد تھا کہ ان من الشعر لحکمۃ بعض اشعار حکیمانہ ہوتے ہیں۔ امیہ بن ابی الصلت کا کلام سن کر آپ نے فرمایا امن شعرہ وکفر قلبہ اس کا شعر مومن ہے مگر اس کا دل کافر ہے۔ ایک مرتبہ ایک صحابی نے سو کے قریب عمدہ عمدہ اشعار آپؐ کو سنائے اور آپ فرماتے گئے ھیہ" اور سناؤ"

وَاَنَّھُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ (الشعراء آیت ۲۲۶) اور وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں ہیں۔

یہ شاعروں کی ایک اور خصوصیت ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کی عین ضد تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آپ کا ہر جاننے والا جانتا تھا کہ آپ جو کہتے ہیں وہی کرتے ہیں اور جو کرتے ہیں وہی کہتے ہیں آپ کے قول اور فعل کی مطابقت ایسی صریح حقیقت تھی جس سے آپ کے گرد و پیش کے معاشرے میں کوئی انکار نہ کر سکتا تھا۔ اس کے برعکس شعراء کے متعلق کس کو معلوم نہ تھا کہ ان کے ہاں کہنے کی باتیں اور ہیں اور کرنے کی اور ہیں؟ سخاوت کا مضمون اس زور شور سے بیان کریں گے کہ آدمی سمجھے کہ شاید ان سے بڑھ کر دریا دل کوئی نہ ہوگا، مگر عمل میں کوئی دیکھے تو معلوم ہوگا کہ سخت بخیل ہیں۔ بہادری کی باتیں کریں گے مگر خود بزدل ہوں گے۔ بے نیازی اور قناعت اور خودداری کے مضامین باندھیں گے مگر خود حرص و طمع میں ذلت کی آخری حد کو پار کر جائیں گے دوسروں کی ادنیٰ کمزوریوں پر گرفت کریں گے مگر خود بدترین کمزوریوں میں مبتلا ہوں گے۔

مخالفین کے الزامات کا تضاد اور اس پر قرآن کی گرفت

پچھلے صفحات میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کفار نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر متضاد الزامات لگاتے تھے اور کوئی ایک الزام یقین کے ساتھ انھوں نے کبھی نہیں لگایا قرآن مجید میں ان کی اسی کمزوری پر گرفت کر کے ان کا جھوٹا ہونا ثابت کیا گیا۔

فَذَکِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّکَ بِکَاھِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ اَمْ یَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِہٖ رَیْبَ الْمَنُوْنِ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّیْ مَعَکُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِیْنَ اَمْ تَاْمُرُھُمْ اَحْلَامُھُمْ بِھٰذَآ اَمْ ھُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ

پس اے نبیؐ تم نصیحت کیے جاؤ اپنے رب کے فضل سے نہ تم کاہن ہو اور نہ مجنون۔ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ شخص شاعر ہے جس کے حق میں ہم گردش ایام کا انتظار کر رہے ہیں ان سے کہو اچھا انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر

(الطّور ۲۹ تا ۳۲) ہوں۔ کیا ان کی عقلیں تمہیں ایسی ہی باتیں کرنے کے لیے کہتی ہیں؟ یا درحقیقت یہ عناد میں حد سے گزر گئے ہیں۔

ان چند فقروں میں مخالفین کے سارے پروپیگنڈے کی ہوا نکال کر انہیں بالکل بے نقاب کر دیا گیا ہے۔ استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ قریش کے سردار اور شیوخ بڑے عقلمند بنے پھرتے ہیں مگر کیا ان کی عقل یہی کہتی ہے کہ جو شخص شاعر نہیں ہے اسے شاعر کہو۔ جسے ساری قوم ایک دانا آدمی کی حیثیت سے جانتی ہے اسے مجنون کہو اور جس شخص کا کہانت سے کوئی دور دراز کا تعلق بھی نہیں ہے اسے خواہ مخواہ کاہن قرار دو پھر اگر عقل ہی کی بنا پر یہ لوگ حکم لگاتے تو کوئی ایک حکم لگاتے بہت سے متضاد حکم تو ایک ساتھ نہیں لگا سکتے تھے ایک شخص آخر بیک وقت شاعر، مجنون اور کاہن کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ مجنون ہے تو نہ کاہن ہو سکتا ہے نہ شاعر، کاہن ہے تو شاعر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ شعر کی زبان اور اس کے موضوعات بحث الگ ہوتے ہیں اور کہانت کی زبان اور اس کے مضامین الگ۔ ایک ہی کلام کو بیک وقت شعر بھی کہنا اور کہانت بھی قرار دینا کسی ایسے کا کام نہیں ہو سکتا جو شعر اور کہانت کا فرق جانتا ہو۔ پس یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں یہ متضاد باتیں عقل سے نہیں بلکہ سراسر ضد اور ہٹ دھرمی سے کی جا رہی ہیں اور قوم کے یہ بڑے بڑے سردار عناد کے جوش میں اندھے ہو کر محض بے تُکے الزامات لگا رہے ہیں جنھیں کوئی سنجیدہ انسان قابل اعتنا نہیں سمجھ سکتا۔

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا
(بنی اسرائیل - ۴۸)

اے نبیؐ، دیکھو، کیسی باتیں ہیں جو یہ لوگ تم پر چھانٹتے ہیں یہ بھٹک گئے ہیں انہیں راستہ نہیں ملتا

یعنی یہ تمہارے متعلق کوئی ایک رائے ظاہر نہیں کرتے بلکہ مختلف اوقات میں بالکل مختلف اور متضاد باتیں کہتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں تم خود جادوگر ہو۔ کبھی کہتے ہیں تم پر کسی اور نے جادو کر دیا ہے کبھی کہتے ہیں تم شاعر ہو۔ کبھی کہتے ہیں تم مجنون ہو اور کبھی یہ کہ کاہن ہو۔ ان کی متضاد باتیں خود اس بات کا ثبوت ہیں کہ حقیقت ان کو معلوم نہیں ہے ورنہ ظاہر ہے کہ وہ آئے دن ایک نئی بات چھانٹنے کے بجائے کوئی ایک ہی قطعی رائے ظاہر کرتے نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود اپنے کسی قول پر بھی مطمئن نہیں ہیں۔ ایک الزام رکھتے ہیں پھر آپ ہی محسوس کرتے ہیں کہ یہ چسپاں نہیں ہوتا اس کے بعد دوسرا الزام لگاتے ہیں اور اسے بھی لگتا ہوا نہ پا کر ایک تیسرا الزام تصنیف کر دیتے ہیں اس طرح ان کا ہر نیا الزام ان کے پہلے الزام کی تردید کر دیتا ہے اور اس سے پتہ چل جاتا ہے کہ صداقت سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ محض عداوت کی بنا پر ایک سے ایک بڑھ کر جھوٹ گھڑے جا رہے ہیں۔

بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَهُمْ فِي أَمْرٍ مَرِيجٍ
(قٓ ۵)

بلکہ ان لوگوں نے تو جس وقت حق ان کے پاس آیا اسی وقت اسے صاف جھٹلا دیا اسی وجہ سے اب یہ الجھن میں پڑے ہوئے ہیں۔

اس مختصر سے فقرے میں بھی ایک بہت بڑا مضمون بیان کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے صرف تعجب کرنے اور بعید از عقل ٹھیرا لینے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ جس وقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت حق پیش کی اسی وقت بلا تامل اسے قطعی جھوٹ قرار دیدیا اس کا نتیجہ لازماً یہ ہونا تھا اور یہی ہوا کہ اس دعوت اور اس کے پیش کرنے والے رسول کے معاملہ میں کسی ایک موقف پر قرار نہیں ہے کبھی اس کو شاعر کہتے ہیں تو کبھی کاہن اور کبھی مجنون کبھی کہتے ہیں کہ یہ جادوگر ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ کسی نے اس پر جادو کر دیا ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہ اپنی بڑائی قائم کرنے کے لیے خود یہ چیز بنا لایا ہے اور کبھی یہ الزام تراشتے ہیں کہ اس کے پس پشت کچھ دوسرے لوگ ہیں جو یہ کلام اسے گھڑ گھڑ کر دیتے ہیں یہ متضاد باتیں خود ظاہر کرتی ہیں کہ یہ لوگ اپنے موقف میں بالکل الجھ کر رہ گئے ہیں اس الجھن میں یہ ہرگز نہ پڑتے اگر جلد بازی کر کے نبی کو پہلے ہی قدم پر جھٹلا نہ دیتے اور بلا فکر و تامل ایک پیشگی فیصلہ صادر کر دینے سے پہلے سنجیدگی کے ساتھ غور کرتے کہ یہ دعوت کون پیش کر رہا ہے۔ کیا بات کہہ رہا ہے اور اس کے لیے دلیل کیا دے رہا ہے ظاہر ہے کہ وہ شخص ان کے

اجنبی) نہ تھا کہیں سے اچانک ان کے درمیان نہ آ کھڑا ہوا تھا ان کی اپنی ہی قوم کا فرد تھا ان کا اپنا دیکھا بھالا آدمی تھا یہ اس کی سیرت و کردار اور اس کی قابلیت سے ناواقف نہ تھے ایسے آدمی کی طرف سے جب ایک بات پیش کی گئی تھی تو چاہیے تھا کہ اسے فوراً قبول نہ کر لیا جاتا مگر وہ اس کی مستحق بھی تو نہ تھی کہ سنتے ہی اسے رد کر دیا جاتا پھر وہ بات بے دلیل بھی نہ تھی وہ اس کے لیے دلائل پیش کر رہا تھا چاہیے تھا کہ اس کے دلائل کھلے کانوں سے سنے جاتے اور تعصب کے بغیر ان کو جائزہ لے کر دیکھا جاتا کہ وہ کہاں تک معقول ہیں لیکن یہ روش اختیار کرنے کے بجائے جب ان لوگوں نے ضد میں آ کر ابتدا ہی میں اسے جھٹلا دیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک حقیقت تک پہنچنے کا دروازہ تو انھوں نے اپنے لیے خود بند کر لیا اور ہر طرف بھٹکتے پھرنے کے بہت سے راستے کھول لیے اب یہ اپنی ابتدائی غلطی کو نباہنے کے لیے دس متضاد باتیں تو بنا سکتے ہیں مگر اس ایک بات کو سوچنے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں کہ نبی سچا بھی ہو سکتا ہے اور اس کی پیش کردہ بات حقیقت بھی ہو سکتی ہے

وَإِذَا رَأَوْكَ إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا أَهَٰذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا إِن كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ آلِهَتِنَا لَوْلَا أَن صَبَرْنَا عَلَيْهَا.	اے نبیؐ، یہ لوگ جب تمہیں دیکھتے ہیں تو بس تمہارا مذاق اڑانے لگتے ہیں کہتے ہیں کیا یہ شخص ہے جسے خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ اس نے تو ہمیں گمراہ کر کے اپنے معبودوں سے برگشتہ ہی کر دیا ہوتا اگر ہم ان کی عقیدت پر جم نہ گئے ہوتے
(الفرقان ۴۱، ۴۲)	

کفار کی یہ دونوں باتیں ایک دوسرے سے متضاد ہیں پہلی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کو حقیر سمجھ رہے ہیں اور مذاق اڑا کر آپ کی قدر گرانا چاہتے ہیں۔ گویا ان کی نزدیک آنحضرتؐ نے اپنی حیثیت سے بہت اونچا دعویٰ کر دیا تھا۔ دوسری بات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کے دلائل کی قوت اور آپ کی شخصیت لوہا مان رہے ہیں اور بے ساختہ اعتراف کرتے ہیں کہ اگر ہم تعصب اور ہٹ دھرمی سے کام لے کر اپنے خداؤں کی بندگی پر جم نہ گئے ہوتے تو یہ شخص ہمارے قدم اکھاڑ چکا ہوتا۔ یہ متضاد باتیں خود بتا رہی ہیں کہ اسلامی تحریک نے ان لوگوں کو کس قدر بوکھلا دیا تھا کھسیانے ہو کر مذاق بھی اڑاتے تھے تو احساس کمتری بلا ارادہ ان کی زبان سے وہ باتیں نکلوا دیتا تھا جن سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ دلوں میں وہ اس طاقت سے کس قدر مرعوب ہیں۔

طرح طرح کے معجزات کا مطالبہ

الزامات کی بوچھار کرنے کے ساتھ کفار قریش بار بار آپؐ سے طرح طرح کے معجزات کا مطالبہ کرتے تھے چنانچہ قرآن میں جگہ جگہ ان مطالبات کا ذکر آیا ہے اور ان کا جواب دیا گیا ہے۔

وَقَالُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنبُوعًا ۝ أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا ۝ أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا ۝ أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّن زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ ط وَلَن نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرَؤُهُ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا ۝	اور انھوں نے کہا ہم تیری بات نہ مانیں گے جب تک کہ تو ہمارے لیے زمین کو پھاڑ کر ایک چشمہ جاری نہ کر دے یا تیرے لیے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ پیدا ہو اور تو اس میں نہریں رواں کر دے یا تو آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمارے اوپر گرا دے جیسا کہ تیرا دعویٰ ہے یا خدا اور فرشتوں کو رو در رو ہمارے سامنے لے آئے یا تیرے لیے سونے کا ایک گھر بن جائے یا تو آسمان پر چڑھ جائے اور تیرے چڑھنے کا بھی ہم یقین نہ کریں گے جب تک تو ہمارے اوپر ایک ایسی تحریر نہ اتار لائے جسے ہم پڑھیں۔ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے کہو پاک ہے میرا پروردگار، کیا میں ایک پیغام لانے والے انسان کے سوا اور بھی کچھ ہوں؟
(بنی اسرائیل ۹۰ تا ۹۳)	

معجزات کے مطالبے کا ایک جواب اسی سورہ کی آیت ۵۹ وَمَا مَنَعَنَا أَن نُّرْسِلَ بِالْآيَاتِ : میں گزر چکا ہے[1]۔ اب یہاں اسی مطالبے کا دوسرا جواب دیا گیا ہے اس مختصر سے جواب کی بلاغت تعریف سے بالاتر ہے۔ مخالفین کا مطالبہ یہ تھا کہ اگر تم پیغمبر ہو تو ابھی زمین کی طرف اشارہ کرو اور یکایک ایک چشمہ پھوٹ بہے یا فوراً ایک لہلہاتا باغ پیدا ہو جائے اور اس میں نہریں جاری ہو جائیں

---

[1] وہ جواب یہ تھا کہ معجزات کسی نبی کی دلیل نبوت کے طور پر پیش کئے گئے ہوں اور لوگ انکو دیکھ کر [illegible] تو اس پر لازماً خدا کا عذاب نازل ہو جاتا ہے اور اسکی بکثرت مثالیں تاریخ میں گزر چکی ہیں اب یہ سراسر اللہ کی رحمت ہے کہ وہ ایسا کوئی معجزہ نہیں بھیج رہا ہے مگر تم لوگ ایسے نادان ہو کہ اس کا مطالبہ کر رہے ہو۔

آسمان کی طرف اشارہ کرو اور تمہارے جھٹلانے والوں پر آسمان ٹکڑے ہو کر گر جائے ایک پھونک مارو اور ریشم زدان میں سونے کا ایک محل بن کر تیار ہو جائے۔ ایک آواز دو اور ہمارے سامنے خدا اور اس کے فرشتے فوراً آکھڑے ہوں اور وہ شہادت دیں کہ ہم ہی نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے یا ہماری آنکھوں کے سامنے آسمان پر چڑھ جاؤ اور اللہ میاں سے ایک خط ہمارے نام لکھوا لاؤ جسے ہم ہاتھ سے چھوئیں اور آنکھوں سے پڑھیں ــــ ان لمبے چوڑے مطالبوں کا بس یہ جواب دے کر چھوڑ دیا گیا کہ ان سے کہو۔ پاک ہے میرا پروردگار کیا میں ایک پیغام لانے والے انسان کے سوا اور بھی کچھ ہوں؟ یعنی بیوقوفو، کیا میں نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا تھا کہ تم یہ مطالبے مجھ سے کرنے لگے؟ میں نے تم سے کب کہا تھا کہ میں قادر مطلق ہوں۔ میں نے کب کہا تھا کہ زمین و آسمان پر میری حکومت چل رہی ہے میرا دعویٰ تو اول روز سے یہی تھا کہ میں خدا کی طرف سے پیغام لانے والا ایک انسان ہوں تمہیں جانچنا ہے تو میرے پیغام کو جانچو۔ ایمان لانا ہے تو اس پیغام کی صداقت و معقولیت دیکھ کر ایمان لاؤ انکار کرنا ہے تو اس پیغام میں کوئی نقص نکال کر دکھاؤ میری صداقت کا اطمینان کرنا ہے تو ایک انسان ہونے کی حیثیت سے میری زندگی کو میرے اخلاق کو میرے کام کو دیکھو یہ سب چھوڑ کر تم مجھ سے یہ کیا مطالبہ کرنے لگے کہ زمین پھاڑ دو اور آسمان گرا دو؟ آخر پیغمبری کا ان کاموں سے کیا تعلق ہے

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (العنکبوت ۵۰، ۵۱)

یہ لوگ کہتے ہیں کہ کیوں نہ اتاری گئیں اس شخص پر نشانیاں (یعنی معجزات) اس کے رب کی طرف سے؟ اے نبی کہو "نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں اور میں بس ایک خبردار کرنے والا ہوں صاف صاف۔" اور کیا ان لوگوں کے لیے یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ ہم نے تم پر کتاب نازل کی جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے درحقیقت اس میں رحمت ہے اور نصیحت ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔

یعنی امی ہونے کے باوجود تم پر قرآن جیسی کتاب کا نازل ہونا کیا یہ بجائے خود اتنا بڑا معجزہ نہیں ہے کہ تمہاری رسالت پر ایمان لانے کے لیے یہ کافی ہو کیا اس کے بعد بھی کسی اور معجزے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔ دوسرے معجزے تو جنھوں نے دیکھے ان کے لیے وہ معجزے تھے مگر یہ معجزہ تو ہر وقت تمہارے سامنے ہے تمہیں آئے دن پڑھ کر سنایا جاتا ہے تم ہر وقت اسے دیکھ سکتے ہو۔

بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ۝ كَلَّا ۭ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ۝ كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَاۗءَ ذَكَرَهٗ ۝ (المدثر ۵۲ تا ۵۵)

بلکہ ان میں سے تو ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ اس کے نام کھلے خط بھیجے جائیں ہرگز نہیں اصل بات یہ ہے کہ یہ آخرت کا خوف نہیں رکھتے۔ ہرگز نہیں یہ تو ایک نصیحت ہے اب جس کا جی چاہے اس سے سبق حاصل کر لے

یعنی یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اگر واقعی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی مقرر فرمایا ہے تو وہ مکہ کے ایک ایک سردار اور ایک ایک شیخ کے نام ایک خط لکھ کر بھیجے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے نبی ہیں تم ان کی پیروی قبول کرو اور یہ خط ایسے ہوں جنھیں دیکھ کر انھیں یقین آجائے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے یہ لکھ کر بھیجے ہیں ایک اور مقام پر قرآن مجید میں کفار مکہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ "ہم نہ مانیں گے جب تک وہ چیز خود ہم کو نہ دی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی گئی ہے[1]" (الانعام، ۱۲۴) ایک دوسری جگہ ان کا یہ مطالبہ نقل کیا گیا ہے کہ آپ ہمارے سامنے آسمان پر چڑھیں اور وہاں سے ایک لکھی لکھائی کتاب لاکر ہمیں دیں جسے ہم پڑھیں" (بنی اسرائیل ۹۳) جواب میں فرمایا گیا کہ ان کا یہ مطالبہ ہرگز پورا نہیں کیا جائے گا ان کے ایمان نہ لانے کی اصل وجہ یہ نہیں ہے کہ ان کے ایسے مطالبے پورے نہیں کیے جاتے۔ بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ یہ آخرت سے بے خوف ہیں انھوں نے سب کچھ اسی دنیا کو سمجھ رکھا ہے اور انہیں یہ خیال نہیں ہے کہ اس دنیا کی زندگی کے بعد کوئی اور زندگی بھی ہے جس میں ان کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا اسی چیز نے ان کو دنیا میں بے فکر

[1] سورۂ انعام میں اس کا مختصر جواب یہ دیا گیا ہے۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ "اللہ خود زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی پیغمبری کا کام کس سے

اور غیر ذمہ دار بنا دیا ہے یہ حق اور باطل کے سوال کو سرے سے بے معنیٰ سمجھتے ہیں کیوں کہ انہیں دنیا میں کوئی حق ایسا نظر نہیں آتا جس کی پیروی کا نتیجہ دنیا میں لازماً اچھا ہی نکلتا ہو اور نہ کوئی باطل ایسا نظر آتا ہے جس کا نتیجہ دنیا میں ضرور برا ہی نکلا کرتا ہو اس لیے یہ اس مسئلے پر غور کرنا لاحاصل سمجھتے ہیں کہ فی الواقع حق کیا ہے اور باطل کیا۔ یہ مسئلہ سنجیدگی کے ساتھ اگر قابل غور ہو سکتا ہے تو صرف اس شخص کے لیے جو دنیا کی موجودہ زندگی کو ایک عارضی زندگی سمجھتا ہو اور یہ تسلیم کرتا ہو کہ اصلی اور ابدی زندگی آخرت کی زندگی ہے جہاں حق کا انجام لازماً اچھا ہوگا اور باطل کا انجام لازماً برا ہوگا ایسا شخص تو ان معقول دلائل اور ان پاکیزہ تعلیمات کو دیکھ کر ایمان لائے گا جو قرآن میں پیش کی گئی ہیں اور اپنی عقل سے کام لے کر یہ سمجھنے کی کوشش کرے گا کہ قرآن جن عقائد اور اعمال کو غلط کہہ رہا ہے ان میں فی الواقع کیا غلطی ہے لیکن آخرت کا منکر جو سرے سے تلاش حق میں سنجیدہ ہی نہیں ہے وہ ایمان نہ لانے کے لیے آئے دن نت نئے مطالبے پیش کرے گا حالانکہ اس کا خواہ کوئی مطالبہ بھی پورا کر دیا جائے وہ انکار کرنے کے لیے کوئی دوسرا بہانہ ڈھونڈ نکالے گا یہی بات ہے جو سورۃ انعام میں فرمائی گئی ہے کہ اے نبیؐ! اگر ہم تمہارے اوپر کاغذ میں لکھی لکھائی کوئی کتاب بھی اتار دیتے اور لوگ اسے اپنے ہاتھوں سے بھی چھو کر دیکھ لیتے تو جنھوں نے حق کا انکار کیا ہے وہ یہی کہتے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔ (انعام - ۷)

وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۖ وَلَوْ أَنزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْأَمْرُ ثُمَّ لَا يُنظَرُونَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِم مَّا يَلْبِسُونَ ۝

(الانعام ۸، ۹)

وہ کہتے ہیں کہ اس نبی پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا؟ اگر کہیں ہم نے فرشتہ اتار دیا ہوتا تو اب تک کبھی کا فیصلہ ہو چکا ہوتا پھر انہیں کوئی مہلت نہ دی جاتی۔ اور اگر ہم فرشتے کو اتارتے تب بھی اسے انسانی شکل ہی میں اتارتے اور اس طرح انھیں اسی شبہ میں ڈال دیتے جس میں اب یہ مبتلا ہیں۔

ان لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ جب یہ شخص خدا کی طرف سے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہے۔ تو آسمان سے ایک فرشتہ اترنا چاہیئے تھا جو لوگوں سے کہتا کہ یہ خدا کا پیغمبر ہے اس کی بات مانو ورنہ تمہیں سزا دی جائے گی جاہل معترضین کو اس بات پر تعجب تھا کہ مالک ارض و سماء کسی کو پیغمبر مقرر کرے اور پھر اس طرح اسے بے یار و مددگار پتھر کھانے اور گالیاں سننے کے لیے چھوڑ دے اتنے بڑے بادشاہ کا سفیر اگر کسی بڑے اسٹاف کے ساتھ نہ آیا تھا تو کم از کم ایک فرشتہ تو اس کی اردلی میں دینا چاہیئے تھا تاکہ وہ اس کی حفاظت کرتا۔ اس کا رعب بٹھاتا اس کی ماموریت کا یقین دلاتا اور فوق الفطری طریقے سے اس کے کام انجام دیتا۔

اس کا پہلا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر فرشتہ اپنی اصلی صورت میں بھیج دیا جاتا تو فیصلہ چکا دینے کا وقت آ جاتا اور پھر مہلت نہ دی جاتی ایمان لانے اور اپنے طرز عمل کی اصلاح کر لینے کیلئے جو مہلت تمہیں ملی ہوئی ہے یہ اسی وقت تک ہے جب تک حقیقت پردۂ غیب میں پوشیدہ ہے ورنہ جہاں غیب کا پردہ چاک ہوا پھر مہلت کا کوئی موقعہ باقی نہ رہے گا اس کے بعد تو صرف حساب ہی لینا باقی رہ جائے گا اس لیے کہ دنیا کی زندگی تمہارے لیے ایک امتحان کا زمانہ ہے۔ اور امتحان اس امر کا ہے کہ تم حقیقت کو دیکھے بغیر عقل و فکر کے صحیح استعمال سے اس کا ادراک کرتے ہو یا نہیں اور ادراک کرنے کے بعد اپنے نفس اور اپنی خواہشات کو قابو میں لا کر اپنے عمل کو حقیقت کے مطابق درست رکھتے ہو یا نہیں اس امتحان کے لیے غیب کا غیب رہنا شرط لازم ہے اور تمہاری دنیوی زندگی جو دراصل مہلت امتحان ہے اسی وقت تک قائم رہ سکتی ہے جب تک غیب غیب ہے۔ جہاں غیب شہادت میں تبدیل ہوا یہ مہلت لازماً ختم ہو جائے گی اور امتحان کے بجائے نتیجہ امتحان نکلنے کا وقت آ پہنچے گا لہٰذا تمہارے مطالبے کے جواب میں یہ ممکن نہیں ہے کہ تمہارے سامنے فرشتے کو اس کی اصلی صورت میں نمایاں کر دیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ ابھی تمہارے امتحان کی مدت ختم نہیں کرنا چاہتا۔

اس کے بعد دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر فرشتہ انسانی صورت میں آتا تو تمہیں وہی شبہات لاحق ہوتے جواب

نبی کے بارے میں لاحق ہو رہے ہیں ظاہر ہے کہ فرشتے کے آنے کی ایک صورت یہ ہو سکتی تھی کہ وہ لوگوں کے سامنے علانیہ اپنی اصلی غیبی صورت میں ظاہر ہوتا لیکن اوپر بتایا گیا ہے کہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا اب دوسری صورت یہ باقی رہ گئی کہ وہ انسانی صورت میں آئے اس کے متعلق فرمایا جا رہا ہے کہ اگر وہ انسانی صورت میں آئے تو اس کے مامور من اللہ ہونے میں بھی تم کو وہی اشتباہ پیش آئے گا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مامور من اللہ ہونے میں پیش آ رہا ہے۔

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۚ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَن يُنَزِّلَ آيَةً وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُم ۚ مَّا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ ۚ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ ۝ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا صُمٌّ وَبُكْمٌ فِي الظُّلُمَاتِ ۗ

(الانعام ۳۷-۳۹)

یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس نبی پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی (یعنی محسوس معجزہ) کیوں نہیں اتاری گئی ان سے کہو کہ اللہ نشانی اتارنے کی پوری قدرت رکھتا ہے مگر ان میں سے اکثر لوگ نادانی میں مبتلا ہیں زمین میں چلنے والے کسی جانور اور ہوا میں پروں سے اڑنے والے کسی پرندے کو دیکھ لو یہ سب تمہاری ہی طرح کی انواع ہیں ہم نے انکی تقدیر کے نوشتے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے پھر یہ سب اپنے رب کی طرف سمیٹے جاتے ہیں مگر جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں وہ بہرے گونگے بنے تاریکیوں میں پڑے ہوئے ہیں:۔

اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ معجزہ نہ دکھانے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اللہ اس دکھانے پر قادر نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ کچھ اور ہے جسے تم لوگ اپنی نادانی کی وجہ سے نہیں سمجھ رہے ہو اگر تمہیں محض تماشا بینی کا شوق نہیں ہے بلکہ فی الواقع یہ معلوم کرنے کے لیے نشانی دیکھنا چاہتے ہو کہ یہ نبی جس چیز کی طرف بلا رہا ہے وہ امر حق ہے یا نہیں تو آنکھیں کھول کر دیکھو تمہارے گرد و پیش ہر طرف نشانیاں ہی نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں زمین کے جانوروں اور ہوا کے پرندوں کی کسی ایک نوع کو لے کر اس کی زندگی پر غور کرو کس طرح اس کی ساخت ٹھیک ٹھیک اس کے مناسب حال بنائی گئی ہے کس طرح اس کی جبلت میں اس کی فطری ضرورتوں کے عین مطابق قوتیں ودیعت کی گئی ہیں کس طرح اس کی رزق رسانی کا انتظام ہو رہا ہے کس طرح اس کی تقدیر مقرر ہے جس کے حدود سے نہ وہ آگے بڑھ سکتی ہے نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے کس طرح ان میں سے ایک ایک جانور اور ایک ایک چھوٹے سے چھوٹے کیڑے کی اسی مقام پر جہاں وہ ہے خبرگیری، نگرانی، حفاظت اور رہنمائی کی جا رہی ہے کس طرح اس سے ایک مقرر اسکیم کے مطابق کام لیا جا رہا ہے کس طرح اسے ایک ضابطہ کا پابند بنا کر رکھا گیا ہے اور کس طرح اس کی پیدائش، تناسل اور موت کا سلسلہ پوری باقاعدگی کے ساتھ چل رہا ہے اگر خدا کی بے شمار نشانیوں میں سے صرف اسی ایک نشانی پر غور کرو تو تمہیں معلوم ہو جائے کہ خدا کی توحید اور اس کی صفات کا جو تصور یہ پیغمبر تمہارے سامنے پیش کر رہا ہے اور اس تصور کے مطابق دنیا میں زندگی بسر کرنے کے لیے جس رویہ کی طرف تمہیں دعوت دے رہا ہے وہ عین حق ہے لیکن تم لوگ نہ خود اپنی آنکھیں کھول کر دیکھتے ہو نہ کسی سمجھانے والے کی بات سنتے ہو۔ جہالت کی تاریکیوں میں پڑے ہوئے ہو اور چاہتے ہو عجائب قدرت کے کرشمے دکھا کر تمہارا دل بہلایا جائے

وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْأَرْضُ أَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتَىٰ ۗ

(الرعد۔ ۳۱)

اور کیا ہو جاتا اگر کوئی قرآن ایسا اتار دیا جاتا جس کے زور سے پہاڑ چلنے لگتے، یا زمین شق ہو جاتی یا مردے قبروں سے نکل کر بولنے لگتے؟

اس آیت کو سمجھنے کے لیے یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ اس میں خطاب کفار سے نہیں بلکہ مسلمانوں سے ہے مسلمان، جب بار بار کفار کی طرف سے نشانی کا مطالبہ سنتے تھے تو ان کے دلوں میں بے چینی پیدا ہوتی تھی کہ کاش ان لوگوں کو کوئی ایسی نشانی دکھا دی جائی جس سے یہ لوگ قائل ہو جاتے پھر جب وہ محسوس کرتے تھے کہ اس طرح کسی نشانی کے نہ آنے کی وجہ سے کفار کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے متعلق لوگوں کے دلوں میں شبہات پھیلانے کا موقعہ مل رہا ہے تو ان کی یہ بے چینی اور بھی زیادہ بڑھ جاتی تھی اس پر مسلمانوں سے فرمایا گیا کہ اگر قرآن کی

کسی سورۃ کے ساتھ ایسی اور ایسی نشانیاں یکایک دکھا دی جائیں تو تم کیا واقعی یہ سمجھتے ہو کہ لوگ ایمان لے آتے؟ کیا تمہیں ان سے یہ خوش گمانی ہے کہ یہ قبول حق کے لئے بالکل تیار بیٹھے ہیں صرف ایک نشانی کے ظہور کی کسر ہے؟ جن لوگوں کو قرآن کی تعلیم میں، کائنات کے آثار میں، نبی کی پاکیزہ زندگی میں، اصحاب نبیؐ کے انقلاب حیات میں نور حق نظر نہ آیا کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ پہاڑوں کے چلنے اور زمین کے پھٹنے اور مردوں کے قبروں سے نکل آنے میں کوئی روشنی پا لیں گے؟

حضورؐ کی رسالت کا صریح ثبوت

اس طرح کفار نے جتنے بھی الزامات واعتراضات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر کئے اور اس کا ثبوت مانگنے کے لئے جتنے بھی معجزات دکھانے کے مطالبات کئے ان میں سے ایک ایک کا نہایت معقول جواب دیکر یہ گنجائش باقی نہیں رہنے دی گئی کہ کوئی شخص عقل واستدلال کی بنا پر آپ کی رسالت کو مشتبہ ثابت کرسکتا پھر بہن ایسے صریح ثبوت، آپ کی رسالت کے حق میں پیش کئے گئے جن سے مکہ اور اس کے اطراف میں رہنے والے کسی شخص کے لئے انکار ممکن نہ تھا ذیل میں ہم ان کو سلسلہ وار درج کرتے ہیں۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْ مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ (العنکبوت - ۴۸)

اے نبیؐ، تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے، اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست لوگ شک میں پڑ سکتے تھے۔

اس آیت میں استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان پڑھ تھے آپ کے اہل وطن اور رشتہ وبرادری کے لوگ جن کے درمیان روز پیدائش سے سن کہولت کو پہنچنے تک آپ کی ساری زندگی بسر ہوئی تھی اس بات سے خوب واقف تھے کہ آپ نے عمر بھر نہ کبھی کوئی کتاب پڑھی نہ قلم ہاتھ میں لیا اس امر واقعہ کو پیش کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ کتب آسمانی کی تعلیمات، انبیاء سابقین کے حالات، مذاہب وادیان کے عقائد، قدیم قوموں کی تاریخ اور تمدن واخلاق ومعیشت کے اہم مسائل پر جس وسیع اور گہرے علم کا اظہار اس امی کی زبان سے ہو رہا ہے یہ اس کو وحی کے سوا کسی دوسرے ذریعہ سے حاصل نہیں ہو سکتا اگر اس کو نوشت وخواند کا علم ہوتا اور لوگوں نے اسے کبھی کتابیں پڑھتے اور مطالعہ وتحقیق کرتے دیکھا ہوتا تو باطل پرستوں کے لئے یہ شک کرنے کی کچھ بنیاد ہو بھی سکتی تھی کہ یہ علم وحی سے نہیں بلکہ اخذ واکتساب سے حاصل کیا گیا ہے۔ لیکن اس کی امیت نے تو ایسے کسی شک کے لئے برائے نام بھی کوئی بنیاد باقی نہیں چھوڑی ہے۔ اب خالص ہٹ دھرمی کے سوا اس کی نبوت کا انکار کرنے اور کوئی وجہ نہیں ہے جسے کسی درجہ میں بھی معقول کہا جا سکتا ہو۔

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (یونس - ۱۶)

اے نبیؐ، ان سے کہو، اگر اللہ کی مشیت یہی ہوتی کہ میں نبی نہ بنایا جاؤں، تو میں یہ قرآن تمہیں کبھی نہ سناتا اور اللہ تمہیں اس کی خبر تک نہ دیتا آخر اس سے پہلے میں ایک عمر تمہارے درمیان گزار چکا ہوں کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

یہ ایک زبردست دلیل ہے کفار مکہ کے اس خیال کی تردید میں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کو خود اپنے دل سے گھڑ کر خدا کی طرف منسوب کر رہے ہیں، اور حضورؐ کے اس دعوے کی تائید میں کہ آپ خود اس کے مصنف نہیں ہیں بلکہ یہ خدا کی طرف سے بذریعہ وحی نازل ہو رہا ہے دوسرے تمام دلائل تو بہت دور کی چیز تھے۔ مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تو ان لوگوں کے سامنے کی چیز تھی۔ آپؐ نے نبوت سے پہلے پورے چالیس سال ان کے درمیان گزارے تھے ان کے شہر میں پیدا ہوئے ان کی آنکھوں کے سامنے بچپن گزارا۔ جوان ہوئے ادھیڑ عمر کو پہنچے رہنا سہنا، ملنا جلنا، لین دین شادی بیاہ غرض ہر قسم کا معاشرتی تعلق انہی کے ساتھ تھا اور آپؐ کی زندگی کا کوئی پہلو ان سے چھپا ہوا نہ تھا۔ ایسی جانی بوجھی اور دیکھی بھالی چیز سے زیادہ کھلی شہادت اور کیا ہو سکتی تھی

آپؐ کی اس زندگی میں دو باتیں بالکل عیاں تھیں جنہیں مکہ کے لوگوں میں سے ایک ایک شخص جانتا تھا۔ ایک یہ کہ نبوت

سے پہلے کی پوری چالیس سالہ زندگی میں آپؐ نے کوئی ایسی تعلیم تربیت اور صحبت نہیں پائی جس سے آپؐ کو یہ معلومات حاصل ہوتیں جن کے چشمے یکایک دعوائے نبوت کے ساتھ ہی آپؐ کی زبان سے پھوٹنے شروع ہو گئے اس سے پہلے کبھی آپ ان مسائل سے دلچسپی لیتے ہوئے، ان مباحث پر گفتگو کرتے ہوئے اور ان خیالات کا اظہار کرتے ہوئے نہیں دیکھے گئے جواب قرآن کی ان پے درپے سورتوں میں زیر بحث آ رہے تھے۔ حد یہ ہے کہ اس پورے چالیس سال کے دوران میں کبھی آپؐ کے کسی گہرے دوست اور کسی قریب ترین رشتہ دار نے بھی آپؐ کی باتوں اور آپؐ کی حرکات و سکنات میں کوئی ایسی چیز محسوس نہیں کی جسے اس عظیم الشان دعوت کی تمہید کہا جا سکتا ہو جو آپ نے اچانک چالیسویں سال کو پہنچ کر دینی شروع کر دی یہ اس بات کا صریح ثبوت تھا کہ قرآن آپؐ کے اپنے دماغ کی پیداوار نہیں ہے بلکہ خارج سے آپؐ کے اندر آئی ہوئی چیز ہے۔ اس لیے کہ انسانی دماغ اپنی عمر کے کسی مرحلے میں بھی ایسی کوئی چیز پیش نہیں کر سکتا جس کے نشوونما اور ارتقاء کے واضح نشانات اس سے پہلے کے مرحلوں میں نہ پائے جاتے ہوں یہی وجہ ہے کہ مکہ کے بعض چالاک لوگوں نے جب خود محسوس کر لیا کہ قرآن کو آپؐ کے دماغ کی پیداوار قرار دینا صریح طور پر ایک لغو الزام ہے تو آخر کو انھوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ کوئی اور شخص ہے۔ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ باتیں سکھا دیتا ہے لیکن یہ دوسری بات پہلی بات بھی زیادہ لغو تھی کیونکہ مکہ تو درکنار پورے عرب میں کوئی اس قابلیت کا آدمی نہ تھا جس پر انگلی رکھ کر کہہ دیا جاتا کہ یہ اس کلام کا مصنف ہے یا ہو سکتا ہے۔ ایسی قابلیت کا آدمی کسی سوسائٹی میں چھپا کیسے رہ سکتا ہے۔

دوسری بات جو آپ کی سابق زندگی میں بالکل نمایاں تھی۔ وہ یہ تھی کہ جھوٹ، فریب، جعل، مکاری، عیاری، اور اس قبیل کے دوسرے اوصاف میں سے کسی کا ادنیٰ شائبہ تک آپ کی سیرت میں نہ پایا جاتا تھا پوری سوسائٹی میں کوئی ایسا نہ تھا جو یہ کہہ سکتا ہو کہ اس چالیس سال کی یکجائی معاشرت میں آپ سے کسی ایسی صفت کا تجربہ اسے ہوا ہے۔ برعکس اس کے جن جن لوگوں کو بھی آپ سے سابقہ پیش آیا تھا وہ آپ کو ایک نہایت سچے بے داغ اور قابل اعتماد (امین) انسان کی حیثیت سے ہی جانتے تھے۔ اب یہ گمان کرنے کی کیا گنجائش تھی کہ جس شخص نے تمام عمر کبھی اپنی زندگی کے کسی چھوٹے سے چھوٹے معاملہ میں بھی جھوٹ، جعل اور فریب سے کام نہ لیا تھا وہ یکایک اتنا بڑا جھوٹ اور ایسا عظیم الشان جعل و فریب لے کر اٹھ کھڑا ہوا کہ اپنے ذہن سے کچھ باتیں تصنیف کیں اور ان کو پوری زور اور تحدی کے ساتھ خدا کی طرف منسوب کرنے لگا۔ اس بنا پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے اس بے ہودہ الزام کے جواب میں ان سے کہو کہ اللہ کے بندو کچھ عقل سے تو کام لو میں کوئی باہر سے آیا ہوا اجنبی آدمی تو نہیں ہوں تمہارے درمیان ایک عمر اس سے پہلے گزار چکا ہوں۔ میری سابق زندگی کو دیکھتے ہوئے تم کیسے یہ توقع مجھ سے کر سکتے ہو کہ میں خدا کی تعلیم اور اس کے حکم کے بغیر یہ قرآن تمہارے سامنے پیش کر سکتا تھا۔

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۔ (القصص۔ ۸۶)	اور اے نبیؐ، تم اس بات کے ہرگز امیدوار نہ تھے کہ تم پر کتاب نازل کی جائے گی یہ تو محض تمہارے رب کی مہربانی ہے کہ یہ تم پر نازل ہوئی ہے:۔

یہ ایک اور دلیل تھی جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ثبوت میں پیش کی گئی۔ جس طرح موسیٰ علیہ السلام بالکل بے خبر تھے کہ انھیں نبی بنایا جانے والا ہے اور ایک عظیم الشان مشن پر وہ مامور کیے جانے والے ہیں۔ ان کے حاشیہ خیال میں بھی اس کا ارادہ یا خواہش تو درکنار اس کی توقع تک کبھی نہ گزری تھی، بس یکایک راہ چلتے انھیں کھینچ بلایا گیا اور نبی بنا کر وہ حیرت انگیز کام ان سے لیا گیا جو ان کی سابق زندگی سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا تھا ٹھیک ایسا ہی معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آیا۔ مکہ کے لوگ خود جانتے تھے کہ غار حرا سے جس روز آپؐ نبوت کا پیغام لے کر اترے اس سے ایک دن پہلے تک آپ کی زندگی کیا تھی، آپ کے مشاغل کیا تھے، آپ کی بات چیت کیا تھی، آپؐ کی گفتگو کے موضوعات کیا تھے۔

آپ کی دلچسپیاں اور سرگرمیاں کس نوعیت کی تھیں یہ پوری زندگی صداقت، امانت، دیانت اور پاک بازی سے لبریز ضرور تھی اس میں انتہائی شرافت، امن پسندی، پاس عہد، ادائے حقوق، اور خدمت خلق کا رنگ بھی غیر معمولی شان کے ساتھ نمایاں تھا مگر اس میں کوئی چیز ایسی موجود نہ تھی جس کی بنا پر کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ خیال گزر سکتا ہو کہ یہ نیک بندہ کل نبوت کا دعویٰ لے کر اٹھنے والا ہے۔ آپ سے قریب ترین ربط ضبط رکھنے والوں میں، آپ کے رشتہ داروں، ہمسایوں اور دوستوں میں کوئی شخص یہ نہ کہہ سکتا تھا کہ آپ پہلے سے نبی بننے کی تیاری کر رہے تھے۔ کسی نے ان مضامین اور مسائل اور موضوعات کے متعلق کبھی ایک لفظ تک آپ زبان سے نہ سنا تھا جو غار حرا کی اس انقلابی ساعت کے بعد یکایک آپ کی زبان پر جاری ہونا شروع ہو گئے۔ کسی نے آپ کو وہ مخصوص زبان اور وہ الفاظ اور اصطلاحات استعمال کرتے نہ سنا تھا جو اچانک قرآن کی صورت میں لوگ آپ سے سننے لگے کبھی آپ وعظ کہنے کھڑے نہ ہوئے تھے۔ کبھی کوئی دعوت اور تحریک لے کر نہ اٹھے تھے بلکہ کبھی آپ کی سرگرمی سے یہ گمان تک نہ ہو سکتا تھا کہ آپ اجتماعی مسائل یا مذہبی اصلاح یا اخلاقی اصلاح کے لیے کوئی کام شروع کرنے کی فکر میں ہیں اس انقلابی ساعت سے ایک دن پہلے تک آپ کی زندگی ایک ایسے تاجر کی زندگی نظر آتی تھی جو سیدھے سادے جائز طریقوں سے اپنی روزی کماتا ہے اپنے بال بچوں کے ساتھ ہنسی خوشی رہتا ہے مہمانوں کی تواضع، غریبوں کی مدد اور رشتہ داروں سے حسن سلوک کرتا ہے اور کبھی کبھی عبادت کرنے کے لیے خلوت میں جا بیٹھتا ہے ایسے شخص کا یکایک عالمگیر زلزلہ ڈال دینے والی خطابت کے ساتھ اٹھنا ایک انقلاب انگیز دعوت شروع کر دینا ایک نرالا لٹریچر پیدا کر دینا ایک مستقل فلسفۂ حیات اور نظام فکر و اخلاق تمدن لے کر سامنے آجانا، اتنا بڑا تغیر تھا جو انسانی نفسیات کے لحاظ سے کسی بناوٹ اور تیاری اور ارادی کوشش کے نتیجے میں قطعاً رونما نہیں ہو سکتا تھا اس لیے کہ ایسی ہر کوشش اور تیاری بہر حال تدریجی ارتقاء کے مراحل سے گزرتی ہے اور یہ مراحل ان لوگوں سے کبھی مخفی نہیں رہ سکتے جن کے درمیان وہ آدمی شب و روز زندگی گزارتا ہو اگر آنحضرتؐ کی زندگی ان مراحل سے گزری ہوتی تو مکہ میں سینکڑوں زبانیں یہ کہنے والی ہوتیں کہ ہم نہ کہتے تھے کہ یہ شخص ایک دن کوئی بڑا دعویٰ لیکر اٹھنے والا ہے لیکن تاریخ شاہد ہے کہ کفار مکہ نے آپ پر ہر طرح کے اعتراضات کیے۔ مگر یہ اعتراض کرنے والا ان میں سے کوئی ایک شخص بھی نہ تھا۔

پھر یہ بات کہ آپ خود بھی نبوت کے خواہش مند یا اس کے لیے متوقع اور منتظر نہ تھے بلکہ پوری بے خبری کی حالت میں اچانک آپ کو اس معاملہ سے سابقہ پیش آگیا۔ اس کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے جو احادیث میں آغاز وحی کی کیفیت کے متعلق موجود ہے۔ چونکہ اس سے پہلے ہم "آغاز رسالت،، کے باب میں اس کی تفصیل درج کر چکے ہیں۔ اس لیے یہاں اس کے اعادے کی حاجت نہیں ہے۔

بقیہ ... ... آغاز سخن

قابل استعجاب ہی ٹھہرے گا۔

جنتا پارٹی غافل سہی لیکن جنتا پارٹی کا نامہ اعمال مرتب کرنے والے فرشتے غافل نہیں ہیں وہ ایک ایک حرکت اور ایک ایک سہو اور ایک ایک جرم کو نوٹ کر رہے ہیں اگر جنتا پارٹی نے اپنے اوپر تنی ہوئی غفلت وبے حسی کی چادر کو اتار کر نہیں پھینکا تو اس کے زعمار کا حشر بھی وہی ہوگا جو کانگریس کے اونچی کلاہ والوں کا ہوا ہے۔ اور اس پارٹی کے زعمار بھی ذلت و رسوائی کے اندھے کنویں میں اس طرح ہاتھ پیر مارتے نظر آئیں گے جس طرح آج نہرو خاندان کے وہ افراد جو گمنامی و دھتکار کی دلدل میں ہاتھ پیر مار رہے ہیں کہ جن کے مقدر کی پتنگ ابھی کچھ دن پہلے آسمان سے باتیں کیا کرتی تھی۔

بقیہ ——— مکمل تعلیمی انقلاب کی منفرد آواز

اس نظام تعلیم کا یہ مایوس کن پہلو ہے کہ وہ کوئی مقصد طلبہ کو نہیں دیتا اس طرف مولانا نے خصوصی توجہ دی ہے:۔

"مجھے بہ کثرت ایسے نوجوانوں سے ملنے کا موقعہ ملتا ہے۔ جو اعلےٰ تعلیم پا رہے ہیں، یا تازہ تازہ فارغ ہوئے ہیں........ مگر میری مایوسی کی انتہا نہیں رہتی جب میں دیکھتا ہوں کہ مشکل سے ہزار دو میں سے کوئی ایسا ملتا ہے جو اپنے سامنے زندگی کا کوئی مقصد رکھتا ہو........ اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوانوں کی یہ حالت دیکھ کر میرا سر چکرانے لگتا ہے۔ میں حیران ہو کر سوچنے لگتا ہوں کہ اس نظام تعلیم کو کس نام سے یاد کروں جو پندرہ بیس سال کی مسلسل دماغی تربیت کے بعد بھی انسان کو اس قابل نہیں بناتا کہ وہ اپنی قوتوں اور قابلیتوں کا کوئی مصرف اور اپنی کوششوں کا کوئی مقصود متعین کر سکے........ یہ انسانیت کو بنانے والی تعلیم ہے یا اس کو قتل کرنے والی ہے؟[1]"

اور اسلامی نقطۂ نگاہ سے:

کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ موجودہ نظام تعلیم میں ملت اسلام کے نونہالوں کو تعلیم و تربیت کے لئے جو انتظام کیا جاتا ہے وہ دراصل ان کو اس ملت کی پیشوائی کے لئے نہیں بلکہ غارت گری کے لئے تیار کرتا ہے[2]۔

مثبت دعوت

مولانا مودودی نے ایک صحیح اسلامی نظام تعلیم کے سلسلے میں متعدد اہم چیزیں تحریر کی ہیں۔ ان کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ یہاں اجمال سے ان کا مرکزی نقطۂ نظر عرض کیا جاتا ہے۔

"اگر فی الحقیقت ہم ایک اسلامی نظام تعلیم قائم کرنا چاہتے ہیں تو محض مرمتیں اور داغ دوز یاں کرنے سے کام نہیں چل سکتا بلکہ اس کے لئے ایک انقلابی قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ درحقیقت اب یہ ناگزیر ہو چکا ہے کہ وہ دونوں نظام تعلیم ختم کر دیئے جائیں جو اب تک ہمارے ہاں رائج رہے ہیں۔ پرانا مذہبی نظام تعلیم بھی ختم کیا جائے ...... اور یہ موجودہ نظام تعلیم بھی جو انگریز کی رہنمائی میں قائم ہوا تھا۔ ان دونوں کی جگہ ہمیں ایک نیا نظام تعلیم بنانا چاہئیے جو ان کے نقائص سے پاک ہو اور ہماری ان ضرورتوں کو پورا کر سکے جو ہمیں ایک مسلمان قوم اور ایک آزاد قوم اور ایک ترقی کی خواہش مند قوم کی حیثیت سے اس وقت لاحق ہیں[3]"

انقلاب تعلیم کا یہ پیغام دیتے ہوئے مولانا نے ایک سے زیادہ مقالات میں مطلوبہ اسلامی نظام تعلیم کا خاکہ اور اس کے اساسی اصول واضح کئے ہیں اور مزید تفاصیل کوئی دیکھنا چاہے تو اصل مقالات و مباحث میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ میرے لئے یہاں موقع کی مناسبت کے لحاظ سے مندرجہ بالا جرأت میں جانا ممکن نہیں۔ کیونکہ انتہائی طور پر کسی نظریہ و تصور یا کسی خاکہ اور اس کے اصول و مقاصد کو سامنے لانے کے لئے بیان کی وسعت دیئے بغیر چارہ نہیں اور یہ اوراق ایسی وسعت بیان کے متحمل نہیں:۔

سُرمہ دُرِّ نجف

آنکھوں کی تمام بیماریوں میں موثر اور مفید ہے نارمل حالات میں بیماریوں کی روک تھام کرنے میں بے مثال:۔

تیار کردہ:۔ دارالفیض رحمانی، دیوبند

---

[1] تعلیمات، ص ۵۹، ۶۰۔ [2] ایضاً، ص ۶۲۔ [3] ایضاً، ص ۱۴۰، ۱۴۱

بڑے حضرت احمد رضا خاں صاحب کی بازیگری

چلتے چلتے "بڑے حضرت" کی ایک فن کاری بھی ملاحظہ فرمائی جائے۔ عربی زبان میں "اخٌ" کے معنے ہیں بھائی۔ یہ لفظ واحد ہے جمع کے لئے عموماً اِخوانٌ، اِخوۃٌ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ہندوستان کے مشہور عالم نفسانیت مجدد بدعات ومحدثات، قرآن کی معنوی تحریفات کے علمبردار، احمد رضا خاں بریلوی عرف (بڑے حضرت) نے سورۂ شعراء وغیرہ کی آیات میں اَخُوْھُمْ اور اَخَاھُمْ کا ترجمہ 'ہم قوم' کیا ہے (یہ آیات ہم پیچھے ایک مقام پر درج کر آئے ہیں) بلاشبہ لفظ 'ہم قوم' سے آیات کے مفہوم میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ لیکن 'بھائی' کے لفظ کی جگہ 'ہم قوم' کا لفظ فٹ کرنا آخر کیا معنے رکھتا ہے؟ حب الٰہی خاں صاحب نے سورۂ اعراف کی آیات ۶۵ و ۷۳ و ۸۵ میں لفظ اخاھُمْ کا ترجمہ 'برادری' کیا ہے اور یقیناً لفظ برادری 'ہم قوم' ہی کا مرادف ہے۔ لیکن فارسی کا برادر اور اردو کا بھائی کیا دو مختلف چیزیں ہیں؟ پھر کیوں نہ سیدھا سادا لفظ بھائی ہی ترجمے کے اندر استعمال کر لیا گیا؟ یہ بھلا ہم کیسے کہدیں کہ "اتنے بڑے حضرت" کے دل میں کوئی چور بھی رہا ہو گا۔

قرآن اور یہ علمی خوانچہ فروش

قرآن حکیم کا اعلان ہے کہ جو شخص ایمان بالغیب رکھتا ہو عملاً قیام صلوٰۃ وادائے زکوٰۃ کا اہتمام کرتا ہو۔ تمام کتب سماویہ کے منزل من اللہ ہونے اور وقوع آخرت کا یقین رکھتا ہو، وہ متقین میں سے ہے اور ہدایت وفلاح یافتہ جماعت کے افراد میں اس کا شمار ہو گا (سورۂ بقرہ آیات ۲-۳-۴-۵)

گویا اللہ کے نزدیک ہر وہ شخص مومن ہے جو ایمان باللہ وبما جاء من عند اللہ کے اعتقاد وعمل کا حامل ہے۔ اگر کوئی بدترین قسم کا دشمن اسلام بھی ایمان وعمل کے مطلوبہ معیار پر پورا اتر جائے تو اس کی زندگی کا تمام کفر وشرک مٹ جائیگا۔ لیکن خدا کی پناہ کہ یہ بے قیمت اور بے وزن قسم کے علمی خوانچہ فروش، جن کی نظر فی الحقیقت اسلامی عقائد واعمال پر نہیں۔ بلکہ شکم اور ہضم، روٹی بوٹی حلوے اور بٹلے جیب اور تجوری پر ہے۔ چیختے اور چلاتے پھرتے ہیں کہ فلاں کافر ہے اور فلاں بدعقیدہ اور فلاں وہابی ہے اور فلاں گمراہ اور محض اس بنیاد پر کہ ان میں کا ہر فلاں اور فلاں ان شکم پرستوں کے گھڑے ہوئے خرافی اعمال وعقائد پر ان سے اتفاق نہیں کرتا۔

حسن احمد صدیقی

تجلّی کی ڈاک

طالبِ علمانہ اشکال

سوال ۱ :۔ نعمان غنی، پالی گنج ضلع پٹنہ

مولانا مودودی صاحب نے تفہیم القرآن میں سورہ النجم کی اس آیت، وَاَنْ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی، میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ "دوسری بات یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں، صالحین کی حیثیت سے مہمان ہیں ان کو تو ثواب کا ہدیہ یقیناً پہنچے گا مگر جو وہاں مجرم کی حیثیت سے حوالات میں بند ہیں انہیں کوئی ثواب پہنچنا متوقع نہیں ہے۔ اللہ کے مہمانوں کو ہدیہ تو پہنچ سکتا ہے مگر امید نہیں کہ اللہ کے مجرم کو تحفہ پہنچ سکے۔"

کیا واقعی گناہ گاروں کو ایصال ثواب کا ثواب نہیں ملے گا؟ برائے مہربانی اس پر تفصیل سے روشنی ڈالیں۔

الجواب :۔

گناہ گاروں کی دو قسمیں ہوا کرتی ہیں۔ ایک وہ کہ جن کے کسی فعل کی وجہ سے ان کے گناہوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہو۔ یا بروزِ محشر نظر انداز کر دینے کا ارادہ فرمالیا گیا ہو۔ ایسے لوگ ظاہر ہے کہ عذاب وعتاب کا شکار نہیں ہوں گے۔ گناہگاروں میں دوسری قسم ان لوگوں کی ہوتی ہے جنھیں ان کی غداریوں کی وجہ سے قہر و عذاب کی ہولناکیوں میں مبتلا کر دیا گیا ہو۔ از راہ اصول ایسے لوگوں کو ایصال ثواب کرنا ہی نہیں چاہیئے۔ اور اگر کوئی کرتا ہے تو ثواب پہنچنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لیئے کہ اللہ کا قہر اس پر پہلے ہی سے مسلّط ہے۔

والدین اگر اپنے کسی بچہ کا کھانا پینا بند کر دیں تو اس کے دوستوں کے بھیجی ہوئی چیزیں اس تک کیوں پہونچا دینگی؟ البتہ ان بچوں کے آئے ہوئے تحائف وہ پہلی فرصت میں پہونچانے کی کوشش کریں گے جن پر وہ خود بھی مہربان ہوں۔

بہرحال مولانا مودودی نے جو کچھ فرمایا ہے وہ بالکل درست ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ لوگ گناہ گاروں کو ایصال ثواب ہی کرنا چھوڑ دیں۔ ایصال ثواب سب ہی کے لیئے ہونا چاہیئے خواہ مردے نیک ہوں یا گناہگار۔ اس لیئے کہ ہم میں سے یہ بات کسی کو نہیں معلوم کہ کس گناہگار اور نیکوکار شخص کے ساتھ اللہ کا معاملہ کیا رہا۔ بعض بدترین قسم کے مسلمان اللہ کی رحمت سے بخش دیئے جاتے ہیں اور ان کو زمرۂ صالحین میں شمار کر لیا جاتا ہے۔ یہ ایک ظاہری بات ہے کہ جو لباس حرام روزی سے تیار ہوا ہو اس سے نماز نہیں ہوتی لیکن ہمارے دور کے انگنت مسلمان حرام کی روزی کماتے ہیں اور انتہائی باقاعدگی و اہتمام کے ساتھ نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور دوسرے فرائض پر بھی عمل پیرا رہتے ہیں محض اس امید پر کہ شاید اصول و آئین سے ہٹ کر۔۔۔

پروردگار اپنی بے نیازی کا مظاہرہ کر گزرے اور ہماری نمازیں نمازیں نہ ہوتے ہوئے بھی قبول ہو جائیں۔ اصول اور قانون الگ چیز ہے اور رحمت ایک الگ چیز۔ اصول تو یہی ہے کہ حرام کی کمائی سے تیار شدہ لباس سے نماز درست نہیں ہوتی لیکن اللہ تعالےٰ اپنی رحمت سے قبول ہی کرلے تو کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔

اس مثال کو ایصال ثواب پر منطبق کیجئے کہ اصول اور قانون کا تقاضہ تو یہی ہے کہ جن لوگوں نے زندگی بھر نافرمانیاں کیں، اور خدا اور اس کے رسولؐ کے بتائے ہوئے راستوں سے برگشتہ رہے انھیں ایصال ثواب نہ کیا جائے اور نہ ہی ان سے کسی قسم کی ہمدردی کی جائے۔ لیکن چونکہ ہمیں کسی کے بارے میں یہ علم نہیں ہوتا کہ مرنے کے بعد اس کے ساتھ کیا معاملہ رہا لہٰذا ہمیں ہر کس و ناکس کے لیے ایصال ثواب کرنا چاہئے اگر اللہ کو منظور ہوگا تو ثواب مردے کو پہنچ جائے گا ورنہ ایصال ثواب کرنے والے ہی کے نامۂ اعمال میں درج ہو جائیگا۔ نقصان کسی صورت میں نہیں۔

کرائے کے کواٹر میں مسئلۂ زراعت

سوال ۲:۔ نعمان غنی، پالی گنج، ضلع پٹنہ

خالد، سرکاری کوارٹر میں رہتا ہے اور کرایہ ادا کرتا ہے اس کوارٹر کے باہر کافی زمین ہے اگر خالد اس زمین پر یا کوارٹر کے اندر کھیتی کرے تو کیا وہ غلہ یا سبزی اس کے لئے جائز ہے؟

الجواب ۲:۔

اگر آپ کل احاطہ کا کرایہ ادا کرتے ہیں، تو اس میں کھیتی کی جا سکتی ہے۔ لیکن احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ آپ سرکار سے اس بات کی اجازت لے لیں، اس لئے کہ بعض چیزیں شرعاً صحیح ہوتی اور قانوناً غیر صحیح۔ لیکن اگر کوارٹر کے باہر والی زمین کرائے میں شامل نہیں ہے تو پھر اس میں کھیتی شرعاً بھی درست نہیں ہوگی۔

اپنی ہی بھول

سوال ۳:۔ عبدالحق انصاری، گونڈہ

مارچ و اپریل کے تجلّی میں صفحہ ۴۲ پر آپ نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ بیوی کے نام سے قربانی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ تو یہ بات ہمارے سمجھ میں نہیں آئی ذرا اس کی وضاحت کر دیں تو بہتر ہے۔

الجواب ۳:۔

بے خیالی میں غلط الفاظ ہمارے قلم سے نکل گئے۔ جس سے آپ کو تردد ہوا اور بھی بہت سے قارئین کو تردد ہوا ہوگا لیکن ہمارے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ بیوی کی طرف سے بھی قربانی کی جا سکتی ہے، جس طرح اپنی طرف سے کی جاتی ہے انداز بیان میں لفظوں کی جو غلطی ہم سے ہوگئی اس کے لئے ہم سب ہی قارئین سے معافی چاہتے ہیں۔

اہل بدعت سے متعلق

سوال ۴:۔ ایضاً

بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا، اس کے ساتھ کھانا کھانا ان سے رشتہ داریاں قائم کرنا اور ان کے ساتھ میل رکھنا کیسا ہے:۔

الجواب ۴:۔

بدعتی امام کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے، لیکن تنہا نماز پڑھنے سے افضل۔ اور بہتر یہ ہے کہ نماز باجماعت ادا کی جائے اور رفتہ رفتہ اس بات کی کوشش کی جائے کہ لوگ بدعتی امام سے کراہیت کرنے لگیں اور اسے ہٹا کر کسی صاحب عقیدہ شخص کو امام بنانے کی تحریک چلائیں۔

اہل بدعت کی تقریبات میں شریک ہونے اور ان کے ساتھ کھانے پینے میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ ان تقریبات میں حرام اور منجملۂ حرام جیسا کوئی کام عمل میں نہ آرہا ہو۔ اہل بدعت سے بغض وحسد رکھنا تو شرعاً غلط ہوگا، البتہ ان لوگوں سے ربط وضبط اور میل جول بس برائے نام اور برائے ضرورت ہونا چاہیئے۔ اہل بدعت کے ساتھ حد سے زیادہ تعلق تجربتاً نقصان دہ ہی ثابت ہوتا ہے۔ لیکن اگر صحیح العقیدہ مسلمان بدعتیوں کے گڑھ میں پھنس جائے تو وہاں مصلحتاً ان لوگوں کی مخالفت نہیں کرلی چاہیئے اور نہ ہی ایسے لوگوں کو نفرت وحقارت کی نظروں سے دیکھنا چاہیئے۔ البتہ ان کی حرکتوں کو غلط سمجھنا اور انکی اصلاح کا جذبہ رکھنا ہر صاحب عقیدہ مسلمان کے لیئے ضروری ہے۔

اہل بدعت سے از خود رشتے قائم کرنا درست نہیں لیکن اگر کچھ رشتے دار بدعات میں مبتلا ہوں تو انقطاعِ تعلق کرلینا بھی غلط ہے صلہ رحمی کا تقاضہ یہ ہے کہ بدعتی رشتہ داروں سے قطع تعلق نہ کیا جائے، لیکن ایسے لوگوں سے ربط ضبط معمولی درجہ سے آگے نہیں بڑھنا چاہیئے۔

ایصالِ ثواب قرآن خوانی وغیرہ

سوال ۵:۔ ایضاً

ہمارے یہاں کے غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ ایصال ثواب قرآن خوانی، میلاد وغیرہ سب بدعات ہے اور ان چیزوں سے احتراز کرنا چاہیئے تو کیا غیر مقلدین کا یہ فرمانا صحیح ہے اور کیا ہمیں مذکورہ چیزوں سے بچنا چاہیئے۔

الجواب ۵:۔

اجتماعی قرآن خوانی کو تو ہم بھی غلط سمجھتے ہیں لیکن اس حد تک نہیں کہ اس کے خلاف اعلان جنگ کردیں البتہ اس حد تک غلط سمجھتے ہیں کہ خود ایسے اجتماع میں شریک نہیں ہوتے اور اپنے قریبی لوگوں سے اس بات کی گزارش کرتے ہیں کہ وہ اجتماعی قرآن خوانی سے پرہیز کریں۔ لیکن جو لوگ اجتماعی قرآن خوانی کو فعلِ مستحسن تصور کرتے ہیں ان سے بھڑنے کی اور ان پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش ہم نے کبھی نہیں کی۔ غیر مقلدین کا اجتماعی قرآن خوانی کو بدعت قرار دینا کوئی غلط بات نہیں لیکن ایصال ثواب کو بدعت کہنا غلط ہے۔ ایصال ثواب بدعت نہیں بلکہ عین سنت ہے لیکن اس کے وہ طریقے ممنوع ہیں جو اہل بدعت نے رائج کرلئے ہیں۔ قبرستان جانا اور فاتحہ پڑھ کر ایصال ثواب کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر گھر بیٹھ کر ہی کچھ پڑھ کر بخش دیا جائے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ باقی دوسرے طریقے اہل بدعت کے گھڑے ہوئے ہیں۔ شریعت سے جن کا کوئی تعلق نہیں اور ان سے اعلان بیزاری ضروری ہے۔ مروجہ میلاد کے بدعت ہونے میں بھی کوئی کلام نہیں۔ لیکن میلاد کے نام پر اگر سیرت کا جلسہ کرلیا جائے اور اس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت وسیرت پر روشنی ڈالی جائے تو اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں، بلکہ موجودہ دور میں یہ ضروری ہے کہ وقتاً فوقتاً ایسے جلسے منعقد ہوں جو آنحضورؐ کی سیرت طیبہ کی یاد دلاتے رہیں، لیکن صرف ربیع الاول کے مہینوں میں جلسے کرنا اور اس میں قیام وسلام جیسی حرکات کا ارتکاب کرنا، اور آنحضورؐ کی تعریف میں شرعی حدود سے زیادہ مبالغہ آرائی کرنا انھیں عالم الغیب، حاضر وناظر، مختار کل اور پیکر نور قرار دینا غلط ہے اور ایسی چیزوں سے یقیناً احتراز کرنا ضروری ہے۔

جنّات اور تعویذ گنڈوں کی باتیں

سوال ۶:۔ سید احمد سرور، باراں ضلع کوٹہ (راج)

مذہب اسلام نے جنوں کے وجود کو بعینہ ایک مخلوق کے تسلیم کیا ہے اور ان کو نیک وبد ہر دو قسم پر تقسیم بھی کیا ہے مگر ان کا دائرہ کار اور بنی آدم کا دائرہ کار جدا جدا قرار دیا ہے اس کے باوجود جنات آسیب کی صورت میں انسانوں پر اندازہو کر پریشان کرتے ہیں، روحانی طور پر ان پر مسلط ہو کر طرح طرح کی اذیتوں میں مبتلا کرتے ہیں۔

کیا اس قسم کا قرآن وحدیث میں کہیں تذکرہ آیا ہے؟ یا یہ

محض واہمہ اور جعل ساز عاملوں اور عاملوں کی اختراع ہے۔

بھوت، پریت کیا ہیں؟ کیا یہ بھی بنی نوع انسان کو پریشان کرنے کی غرض سے ان کے اوپر روحانی طور پر مسلّط ہو سکتے ہیں؟ اسی طرح چڑیل کا وجود خیالی کرتے ہیں کہ وہ اکثر عورتوں کو لگ جاتی ہیں اور ان کے بدن میں آتی ہیں۔ بھوت پریت (مردہ آدمی) اور چڑیل (مردہ عورت) اصل میں کیا ہیں؟ جنات، بھوت، پریت اور چڑیل وغیرہ روحانی طور پر انسانوں پر تسلط جما سکتے ہیں؟ ان باتوں کے علاوہ جادو دنظر وغیرہ کے بارے میں بھی مشرح طور پر کلام فرمائیں۔

آپ کو یہ تکلیف اس لئے دیجا رہی ہے کہ ان اطراف میں جنات، بھوت، پریت اور چڑیل وغیرہ کو بھگانے کے نام پر علمائے بریلی اپنی عاملیت اور عملیت کا سکہ عوام پر جما کر ان کے عقائد خراب کر رہے تھے مگر اب کچھ عرصہ سے یہی کام فاضلین دیوبند بھی انجام دینے لگے ہیں۔ جس کی بنا پر لوگوں کے اعتقاد پر غلط اثر پڑ رہا ہے۔

اگر بالفرض محال جیسا کہ ان عاملین جنات، بھوت، پریت، کا طرز عمل ہے۔ اس کو مان لیا جائے تو پھر عوام تو عوام خواص کو بھی اپنے ایمان کی خیر منانا پڑے گی اور اللہ تعالیٰ کی غیبی طاقت کے علاوہ دوسروں کی غیبی طاقتوں کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا جو عقیدے کے لحاظ سے ایک زبردست صانحہ سے کم نہیں ہوگا۔

فاضلین دیوبند نے ان اطراف میں یہ بات بھی اڑا رکھی ہے کہ دارالعلوم دیوبند میں خود ایک کمرہ موجود ہے جس میں ایک جن صاحب تشریف فرما ہیں، اس کمرہ میں تالا لگا رہتا ہے۔ علمائے دیوبند یعنی اساتذہ و طلبا حسب ضرورت سمجھتے ہیں جن صاحب سے ملاقات کرتے ہیں۔ اس تخیل کی کیا حیثیت ہے؟ اس پر بھی روشنی ڈالیں۔ استفتاء کو ماہنامہ تجلی میں شائع فرمادیں۔

جس شمارے میں یہ استفتاء اور جناب کا جواب شائع ہو اس کے پانچ پرچے دی پی سے اس خاکسار کے پتہ پر بھی ارسال فرمائیں۔ نوازش ہوگی، امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

الجواب: جنات اور سحر وغیرہ کے اثرات کا کوئی ہوش مند آدمی انکار نہیں کر سکتا، اسی طرح کچھ گندی روحوں کے اثرات بھی انسانوں پر ہو جاتے ہیں جنھیں آسیبی اور ادپری اثرات وغیرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، لیکن ہمارے دور میں بات بات پر جن اور بھوت کے اثر کی بات اڑائی جاتی ہے اس کی حیثیت دھاندلی اور دہم بازی سے زیادہ نہیں، دہم کا مظاہرہ عوام کی طرف سے ہوتا ہے اور دھاندلی کا ان پیروں اور بازاری مولویوں کی طرف سے جنھوں نے تعویذ گنڈوں ہی کو اپنا پیشہ بنا رکھا ہے اور تعویذوں کی بڑی بڑی دکانیں کھول رکھی ہیں۔

یہ دبا آپ ہی طرف نہیں ہر جگہ موجود ہے کہیں کمی کے ساتھ اور کہیں زیادتی کے ساتھ۔ بریلوی طبقہ میں اس قسم کی باتیں بلاشبہ زیادہ اڑائی جاتی ہیں۔ کیونکہ ان کے پالے میں ایسے پیروں کی بہتات ہے جو تعویذ، گنڈوں ہی سہارے زندگی بسر کرتے ہیں البتہ فاضلین دیوبند کا بھی ایسی چیزوں میں الجھ کر رہ جانا اور بات بات پر جن اور بھوت کے اثرات کی بات کرنا اور اس ضمن میں بے پر کی باتیں اڑانا افسوسناک ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں جنات ضرور تعلیم پاتے ہوں گے یہ کوئی ناقابل یقین بات نہیں، نہ کوئی قابل تعجب بات ہے اس لئے کہ جنات خدا کی مخلوق ہے اور ہر جگہ پائی جاتی ہے اگر ان کے کچھ افراد کسی مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے آمد ورفت کر لیتے ہوں تو کوئی بعید از یقین بات نہیں لیکن کسی صاحب کا یہ فرمانا کہ دارالعلوم دیوبند میں ایک خاص حجرہ ان کے لئے موجود ہے اور اس میں جنات حضرات مقیم ہیں اور اساتذہ و طلبا وقتاً فوقتاً ان جنات سے ملاقات کرتے رہتے ہیں صرف من گھڑت بات ہے جس کا حقیقت و صداقت سے دور پرے کا بھی واسطہ نہیں۔

مختصر اتنی بات سے تو آپ بھی واقف ہوں گے کہ جنات کو پروردگار نے انسان کے مقابلہ میں مخصوص قوتوں اور صلاحیتوں سے نوازا ہے ان کی یہ صفت بھاری بھرکم ہے کہ وہ کسی انسان کو نظر نہیں آتے۔ اب ہوتا یہ ہے کہ بعض عامل قسم کے لوگ مخصوص قسم کے عملیات اور ریاضتیں کر کے جنوں کو اپنے تابع کر لیتے ہیں اور پھر ان جنوں سے مختلف خدمات لیتے ہیں۔ دوسروں کے راز اور پوشیدہ باتیں ان کے ذریعہ معلوم کر لیتے ہیں

اور جنات خدا کی دی ہوئی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر بعض ایسی خدمات انجام دیدیتے ہیں کہ انسان جن کا تصور بھی نہیں کر سکتا لیکن اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ جنات کی طاقت اللہ کی طاقت کی طرح غیر معمولی اور غیر محدود ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جنات کو اس قابل سمجھنے سے کہ وہ انسانی نظروں سے پوشیدہ ہو کر ہر جگہ آ جا سکتے ہیں اور مختلف جانوروں اور انسانوں کی صورت اختیار کر سکتے ہیں عقیدہ پر کوئی ضرب نہیں پڑتی۔ آپ خواہ مخواہ کسی تشویش میں مبتلا نہ ہوں البتہ ان حضرات کے رویہ سے ہم بھی کسی درجہ میں متفق نہیں جو بات بات پر جن اور آسیب کے اثر کی بات کر کے خدا کی بھولی بھالی مخلوق کو بے وقوف بناتے ہیں اور انھیں وہم و تشویش و پیچ میں مبتلا کر کے ان کی جیبیں خالی کراتے ہیں۔

اصلاحی پروگراموں میں غیر مسلمین کی شرکت کا مسئلہ

سوال ۷:- جان عالم، بیتا، مغربی چمپارن، بہار

صحن مسجد کے بغل میں اگر کوئی جگہ ہو جہاں سائیکل جوتا وغیرہ رکھا جاتا ہو اگر وقت پڑنے پر وہاں چٹائی دری بچھا کر نماز پڑھ لی جاتی ہو۔ وہاں غیر مسلم حضرات بیٹھ کر دینی و اخلاقی نیز اصلاح سماج کے پروگرام کو سن سکتے ہیں یا نہیں ؟۔

الجواب:-

یہ بات تو قابل شکر ہے کہ کسی علاقہ کی کسی مسجد میں غیر مسلم حضرات اصلاحی باتیں سننے کی غرض سے بیٹھ جائیں۔ اس میں غلط اور ناجائز ہونے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا اگر غیر مسلم حضرات تقریر سننے کی غرض سے مسجد کے اندرونی حصے میں بھی بیٹھ جائیں اور مسجد کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھیں اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

اس دور میں یہ ضروری ہے کہ ہم اسلام کے محاسن و محامد غیر مسلم حضرات کے سامنے پیش کریں تاکہ اسلام کے بارے میں جو غلط فہمیاں ان کے دلوں میں بیٹھی ہوئی ہیں وہ اس طرح رفع اور انھیں اسلام کے قریب آنے کی توفیق نصیب ہو۔

ہمیں خود غیر مسلم حضرات کے گھروں اور چوپالوں میں جا جا کر اسلام کی تبلیغ کرنی چاہئیے لیکن حسن اتفاق سے کسی مسجد وغیرہ میں غیر مسلمین خود ہی اسلامی اور اصلاحی باتیں سننے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں تو یہ بات تو قابل شکر ہے کہ گھر بیٹھے ہمیں اسلام پھیلانے کا موقع نصیب ہو۔

ایک روایت کی تحقیق

سوال ۸:- سید محبوب حسینی، مدراس ۲

گزارش یہ ہے کہ مدراس کے ایک مقامی مولوی صاحب جو کہ واعظ بھی ہیں اور خطیب بھی اور امامت بھی کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے جب کہ وہ بستر مرگ پر تھیں فرمایا کہ جب تم جنت میں جاؤ گی تو تمہاری دو سوکنوں کو ہمارا سلام کہنا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ یا رسول اللہ جنت میں میری سوکنیں کون ہوں گی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بی بی مریم والدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت آسیہ زوجہ فرعون۔ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ ہمارے حضور کا نکاح روز قیامت ان دونوں سے ہوگا۔ [illegible] اس حدیث کے ماخذ کے متعلق دریافت کیا تو مولوی صاحب نے تفسیر ابن کثیر کا حوالہ دیا ہے۔

چونکہ آج تک ہمارے مطالعے میں اس قسم کی حدیث نظر سے نہیں گزری [illegible] کسی عالم یا واعظ سے سنا ہے لہٰذا آپ سے [illegible] علم [illegible] حدیث کی صحت سے [illegible] مطلع فرمائیں [illegible]

الجواب:-

منقولہ روایت ہماری نظر سے نہیں گزری لیکن بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت آسیہ زوجہ فرعون کا نکاح جنت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگا ممکن ہے کسی روایت میں بی بی مریم کا بھی ذکر آ گیا ہو۔ اس قسم کی روایات

بہت زیادہ مضبوط نہیں لیکن یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ جو کمزور روایتیں مضبوط روایتوں سے متصادم نہ ہوں اور جن سے کسی عقیدے پر ضرب نہ پڑتی ہو ان کے مان لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ حاصل جواب یہ ہے کہ چونکہ منقولہ بالا روایت کو صحیح تسلیم کر لینے سے کوئی عقیدہ مجروح نہیں ہوتا لہٰذا آپ کو کسی الجھن میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔

حجرِ اسود کے بارے میں ایک غلط روایت

سوال ۹:- صابر علی خاں علیگڈھ بیکری۔ شاہ عالم احمد آباد

ایک حاجی صاحب نے یہ فرمایا ہے خانہ کعبہ میں جو پتھر نصب ہے حجرِ اسود کے نام سے مشہور ہے۔ حاجی صاحب کا کہنا ہے مولوی حضرات غلط سلط روایت اس پتھر کے بابت بتاتے ہیں اس کی اصل حقیقت یہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے تمام روحوں کو پیدا فرمایا ان سے اقرار لیا کہ تمہارا کون ہوں روحوں نے جواب دیا تو ہمارا رب ہے لہٰذا اس اقرار کو اللہ تعالیٰ نے پتھر رکھ دیا جنت سے جب حضرت آدم علیہ السلام کو نکالا ان کے ساتھ وہی اقرار نامہ پتھر کی شکل میں ان کو دیا گیا جس کو ابراہیم خلیل اللہ نے خانہ کعبہ میں اللہ کے حکم سے نصب کیا لہٰذا امر کی صحیح حقیقت کیا ہے۔ تفصیل سے آگاہ فرمائیے گا۔

الجواب ۹:-

حجرِ اسود کے بارے میں حقیقت صرف اتنی ہے کہ یہ جنت کے پتھروں میں سے ایک پتھر ہے اور اللہ کی ایک خاص نشانی ہے۔ باقی جتنی روایات رائج ہیں ان کی حقیقت افسانوں سے زیادہ نہیں۔ خدا جانے حاجی صاحب نے منقولہ روایت کس کتاب میں پڑھی ہے ہمارے خیال میں آپ حاجی صاحب سے ثبوت اور دلیل مانگئے تاکہ انھیں کچھ دیر کیلئے بغلیں تو جھانکنی پڑیں۔

آنحضور صلعم کے بارے میں وہی پرانا سوال

سوال ۱۰:- شبیر احمد، چانڈل،

لوگوں سے کہتے سنتے ہیں کہ آدم سے پہلے محمدؐ کا نور تھا یہ کہاں تک قرآن اور سنت سے ثابت ہے۔ جب کہ حضور صلعم بشر تھے، تو پھر بشر کی تخلیق آدم سے ہوئی اسکے پہلے حضور صلعم کیسے ہوئے اگر یہ صحیح ہے تو پھر جن لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور بشری نہیں نوری تھے تو ان کا عقیدہ بالکل صحیح ہے اسے صاف صاف مدلل جواب سے نوازیں عین نوازش ہوگی۔

الجواب ۱۰:-

یہ بات بجائے خود ثبوت طلب ہے کہ آدم سے قبل روحِ محمدؐ کی تخلیق ہو چکی تھی یا نہیں۔ لیکن اگر اسی بات کو بغیر ثبوت کے ہی صحیح تسلیم کر لیا جائے تو بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بشر نہیں نور کی مخلوق تھے۔ روح محمدؐ کی ہو یا زید و بکر کی، اللہ کا نور ہی ہوتی ہے۔ اس نور میں کمیت و کیفیت کے اعتبار سے مختلف مراتب ممکن ہی نہیں بلکہ یقینی ہے۔ اور یہ عقیدہ رکھنا بھی ضروری ہے کہ تمام ارواح کے مقابلے میں روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بہر اعتبار فوقیت و تقدس حاصل ہے لیکن یہ سمجھنا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سرتا پا نور سے بنے ہوئے تھے بدعقیدگی ہے اور یہ بدعقیدگی غلط فہمی کی کوکھ سے پیدا ہوتی ہے۔

ممکن ہے کہ پروردگار نے دنیا بنانے سے قبل ہی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو پیدا کر دیا ہو اور اسی وقت یہ ارادہ بھی فرما لیا ہو کہ تمام انبیاء کو بھیجنے کے بعد آخر میں بطور حرف آخر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر دنیا میں بھیجا جائے گا اور ممکن ہے کہ کسی روایت میں روح کی طرف اشارہ کرنے کے لئے یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہوں کہ آدم سے قبل از محمدؐ کو پیدا کر لیا گیا تھا لیکن صرف اتنی سی بات سے یہ سمجھ لینا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نور کا مجسمہ تھے جہالت بھی ہے اور نادانی بھی۔

طوائف کی بنائی ہوئی مسجد میں نماز کا مسئلہ

سوال ۱۱:- محمد شفیع الرحمٰن صدیقی،

انجمن فلاح المسلمین حاجی پور کے احاطہ میں ایک مسجد طوائف

کی بنوائی ہوئی ہے، اس کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس مسجد کو طوائف نے سرے سے اپنی زمین پر بنوائی ہے، اور دوسری روایت یہ ہے کہ مسجد قدیم (خستہ حال) کو اس نے نئے سرے سے بنوایا ہے۔

اب آپ سے گزارش یہ ہے کہ دونوں حالتوں میں تفصیلی وضاحت تجلی میں کی جائے، اس لئے کہ انجمن مذکور کا ایک دینی مدرسہ چل رہا ہے اور لوگ چاہتے ہیں کہ اس کے طلباء نماز وہیں ادا کیا کریں کیونکہ یہ اہم معاملہ ہے۔ لہٰذا اگلے ہی شمارہ میں جواب دیکر رہنمائی فرمائیں۔

الجواب ۱۱:۔

دونوں ہی صورتوں میں مسجد کا فرش اور منبر بدلوا دینا کافی ہوگا مزید توڑ پھوڑ کی قطعی کوئی ضرورت نہیں اور مذکورہ تبدیلی کے بعد اسمیں نماز پڑھنا بلا کراہیت جائز ہے۔

اور اگر یہ ثابت ہے کہ مسجد کو طوائف نے نئے سرے سے بنواتے وقت فرش کو پچھلی ہی حالت پر باقی رکھا تھا تو پھر فرش بھی بدلوانے کی کوئی ضرورت نہیں، لیکن احتیاط و مصلحت اسی میں ہے کہ فرش بدلدیا جائے اس کے بعد اسمیں بہ اطمینان نماز ادا کی جاسکتی ہے۔

قبرستان میں قربانی

سوال ۱۲:۔ مومن نورالحسن، جی ایم، تھانہ روڈ، بھیمڑی۔

قبرستان میں قربانی کرنا شرعی نقطۂ نظر سے جائز ہے یا ناجائز ہمارے شہر بھیمڑی میں کئی سالوں سے ایسا ہو رہا ہے۔ میرا اور کچھ دوستوں کا دل اس حرکت کی صداقت پر صاد نہیں کرتا۔ واللہ اعلم

الجواب ۱۲:۔

آپنے یہ تحریر نہیں کیا کہ قبرستان میں قربانی کرنے والے لوگ کس نیت اور کس جذبہ کے ساتھ قربانی کرتے ہیں، اگر قربانی بزرگوں کے نام پر کی جاتی ہے اور ان کے قربت میں قربانی کرنے کی وجہ بھی یہی ہو کہ بزرگان دین کے نام پر یہ قربانی کی جارہی ہے تو اس کے شرک ہونے میں اور اس قربانی کے گوشت کے ناجائز ہونے میں کوئی کلام نہیں ہوگا، اور اگر بلا وجہ اس کو ضروری سمجھ لیا گیا ہے تو پھر اسے بدعت کہے بغیر چارا نہیں:۔

ایک عام مسئلہ

سوال ۱۳:۔ ایضاً۔

درمیان وضو میں اگر کوئی بھی عضو، مثلاً، ہاتھ، منہ، پیر وغیرہ دھوتے وقت ریاح خارج ہوجائے تو کیا حکم ہے؟ کیا وضو پھر سے دہرانا لازمی ہے، یا اس مسئلہ میں کچھ لچک بھی ہے۔

الجواب ۱۳:۔

وضو کے ارکان چار ہیں۔ ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا، ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک منہ دھونا، چوتھائی سر کا مسح کرنا اور پاؤں دھونا، اگر ان میں سے کسی رکن کی ادائیگی کے بعد ریح خارج ہوئی ہے تو وضو دوبارہ کرنا پڑے گا، ورنہ احتیاطاً ضروری ہوگا شرعاً ضروری نہیں۔

چاند دیکھ کر بھی روزہ؟

سوال ۱۴:۔ ایضاً۔

ایک بار بھیمڑی میں مطلع انتہائی ابر آلود ہونے کی وجہ سے عیدالفطر کا ۲۹ر کا چاند نظر نہیں آسکا، اس لئے دوسرے دن بھی روزہ رکھنا پڑا۔ لیکن ۳۰ر شعبان کو کوئی چار یا پانچ بجے سہ پہر کو اچانک چاند نظر آگیا، اور کچھ لوگوں نے اسی وقت روزہ توڑ دیا۔ اور کچھ لوگوں نے روزہ شام تک پورا کیا۔ دونوں گروہوں میں سے شرعی نقطۂ نظر سے صداقت پر کونسا گروہ ہے؟ وہ گروہ جس نے فوراً روزہ توڑ دیا، یا جس نے روزہ شام تک پورا کیا؟

الجواب ۱۴:۔

اطاعت اور فرمانبرداری کا تقاضہ یہ تھا کہ چاند دیکھتے ہی روزہ توڑ دیا جائے خواہ چاند افطار سے چند منٹ پہلے ہی نظر آیا ہو۔ جن لوگوں

نے چاند دیکھ کر بھی روزہ نہیں توڑا انھوں نے بھاری غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ خدا ان کی غلطی نظر انداز کرے۔ اس تحریر سے یہ تو ثابت ہو ہی گیا کہ وہ حضرات جنھوں نے چاند دیکھتے ہی روزہ توڑ دیا تو وہ از روئے شرع حق بجانب تھے۔ ان کا عمل یقیناً قابل اجر ہے۔

مذاق بانماز

سوال ۱۵:۔ عارف علی۔ این۔ بلہاری۔

ایک روز مجھے جمعہ کی نماز کے لیئے دیر ہوگئی تھی اور حالانکہ مسجد ہمارے گھر کے بازو میں ہے۔ میں گھر میں ہی مسجد سے آواز آرہی تھی اسی آواز کے برابر پڑھتا گیا۔ جب "اللہ اکبر" کی آواز سنائی دی، میں نے بھی اپنی نماز شروع کی۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیا میری نماز قبول ہوئی؟۔

الجواب ۱۵:۔

آپ کی نماز نہیں ہوئی۔ اگر اس طرح نماز درست ہوجایا کرتی تو جو لوگ مسجد کے کمروں میں رہتے ہیں انھیں تو کمروں سے باہر نکلنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی وہ اپنی نماز اپنے کمروں میں ادا کرلیا کرتے۔ آئندہ آپ ایسی حرکت سے احتراز کریں اور نماز کو کھیل نہ سمجھیں کہ جس طرح چاہا ادا کرلی۔

حیرت تو اس بات پر ہے کہ مسجد بغل میں ہی تھی، اور تکبیر اولیٰ کی آواز بھی آپ سن رہے تھے، پھر بھی آپ نے جماعت میں شرکت کرنے کے لیئے بھاگ، دوڑ نہیں اور رہیں نماز کی نیت باندھ کر کھڑے ہوگئے حالانکہ تھوڑی سی کوشش کرنے سے آپ کو جماعت مل جاتی۔ بہرحال اس نماز کی قضا آپ کے اوپر واجب ہے اس سے سبکدوش ہونے کی فکر کریں۔ اور یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ جمعہ کی قضا نہیں ہوتی، لہٰذا اگر کسی کا جمعہ فوت ہوجائے تو اس کی جگہ چار رکعات ظہر کی بطور قضا پڑھ لینی چاہئیں۔

اب ہمیشہ کے لیئے یہ بات نوٹ کرلیجئے کہ امام کی آواز سن کر اپنے ہی گھر میں نماز کی نیت باندھ لینا صرف غلط نہیں اچھا خاصا ایک مذاق ہے۔

... ...

رجحانات کے خلاف متضاد قسم کے تہذیبی افکار و تصورات اس کے دماغ میں فاتحانہ شان سے گھس کر مستقل محاذ آرائی کی کیفیت پیدا کردیں تو اس کے عقیدے اور اقدار ہر لحظہ ایک ایسی جنگ مسلسل سے دوچار رہیں گے جس میں روز اس کے اصول و روایات میں سے کچھ موت کے گھاٹ اتر جاتے ہیں اور کچھ زخمی اور اپاہج ہو کے رہ جاتے ہیں ایسی صورت میں پراگندگی افکار اور ذہنی انتشار کے روگ سے کوئی بچاؤ نہیں۔ ایسے ہی تضادات کے غیر مختتم تصادم کی وجہ سے بسا اوقات دماغ بالکل ہی چل جاتا ہے اور پھر جسم و اعضا کی تمام حرکات لایعنی بلکہ تخریبی ہو کے رہ جاتی ہیں ٹھیک اسی طرح اگر ایک قوم کا نظام تعلیم فساد و اختلال کی کسی بھی خاص صورت کا شکار ہو جائے تو اس قوم کی تمام سیاسی، معاشی اور ثقافتی سرگرمیوں میں بگاڑ اور ضرر پیدا ہو جاتا ہے۔

نظام تعلیم جو مسلط ہے

بد قسمتی سے ہم جس نظام تعلیم سے دوچار ہیں وہ ہمارے قومی وجود اور تہذیبی تشخص سے غیر ہم آہنگ اور ہر لحظہ برسر تصادم ہے نتیجہ یہ ہے کہ معاشرے کے کسی بھی شعبے کی کل سیدھی نہیں اور جو بیماریاں کچھ سال پہلے تک کم تھیں وہ بھی روز بروز بڑھتی ہوتی جارہی ہیں لیکن کارفرما قوتوں نے کبھی تعلیم کے بنیادی نقطے پر صحیح طور پر توجہ ہی نہیں دی۔

ہماری متذکرہ بنیادی قومی کوتاہی کے نتائج بد کی فصل ہمارے چاروں طرف لہلہا رہی ہے ذہنی بانجھ پن، لامقصدیت، جعل سازی، خیانت، ضمیر فروشی، ناشائستگی، قانون شکنی، بے ضابطگی، ہوس پرستی اور نفس پرستی کے روگ کتنے عام ہیں۔ اخلاقی کوڑھ میں اضافہ کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ہر شخص کام کے بغیر یا قلیل وقت میں کم کام کرکے جلد سے جلد بہت کچھ حاصل کر لینے کے درپے ہے انفرادی اور قومی آمدنیوں کی افزائش سے پہلے معیار زندگی کو اونچا کرتے جانے کا ماحصل اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ جائز و ناجائز کی تمیز اٹھ جائے حد یہ ہے کہ لوگ قوم کو بے وقوف بنا کر اور قومی مفاد کو بیچ کر ذاتی زندگی کی جنتیں آراستہ کرتے ہیں۔ یہ خرابی احوال تعلیم کی توسیع کے ساتھ ساتھ تیزی سے بڑھ رہی ہے اس وجہ سے اس سے زیادہ تر ذمہ داری نظام تعلیم پر جاتی ہے۔ راقم کا مدعا یہ ہے کہ مسئلہ تعلیم کسی قوم کا سب سے اہم اور بالکل اہم مسئلہ ہے اور اس پر توجہ نہ دی جائے تو سارا معاشرہ چوپٹ ہو کے رہ جاتا ہے

مولانا مودودی کے تعلیمی افکار پر تحقیقی کام

ہماری تاریخ میں اپنے وقت کے حالات کو ملحوظ رکھ کر سرسید ایک تعلیمی اسکیم لے کر اٹھے تھے لیکن اس اسکیم کا جو وقتی مقصد تھا وہ اپنے اچھے اور برے پہلوؤں کے ساتھ حاصل ہو چکا اور اب دور آزادی میں ایک آزاد مسلم ریاست کے لیے وہ اسکیم ذرہ بھر کارآمد نہیں رہی۔

اس برصغیر میں آزادی ملنے سے کچھ عرصے پہلے صحیح اسلامی زاویۂ نگاہ سے پہلی بار ایک مکمل تعلیمی انقلاب کی آواز اٹھی۔ یہ مولانا مودودی کی آواز تھی صرف آواز ہی نہیں اٹھی بلکہ آہستہ آہستہ مولانا نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں ایک جامع حکمت تعلیم اس پر عمل پیرا ہونے کی اسکیم اور اس کے لیے نصابیات وغیرہ مسائل پر اتنا مواد ہمارے سامنے رکھ دیا کہ مولانا مودودی اور کوئی کام نہ کرتے تو یہی ایک کارنامہ انہیں ہماری تاریخ کی ایک عظیم شخصیت بنانے کے لئے کافی تھا

مولانا مودودی ماضی سے لے کر حال تک پھیلی ہوئی اس صف رجال میں سے ہیں جن کے ہر فرد کا سانحہ یہ ہے کہ ان کے سرچشمۂ علم سے استفادہ کرنے والے مخلصین کے مقابلے میں اس پر پتھر پھینکنے والوں کا انبوہ ہمیشہ کثیر التعداد رہا ہے۔ دراصل زمانہ ہر اس شخص سے انتقام لیتا ہے جو اس کے دھارے کا رخ بدلنے کی سعی کرے۔ مولانا مودودی نے یہ انقلابی سعی نہ صرف تعلیم کے دائرے میں کی بلکہ دینی شعور و حکمت کے دائرے میں، سیاست و اقتصادیات کے دائرے میں، معاشرت و ثقافت کے دائرے میں اور دستور و قانون کے دائرے میں بھی پرزور طریق سے جاری رکھی۔ اتنے بڑے جرم کی کچھ تو پاداش ہونی چاہیے تھی مگر معاندین حاسدین کے اٹھائے ہوئے طوفان کے درمیان قوم کے کچھ ذہین عناصر آہستہ آہستہ مولانا مودودی کے پیغام کے خد و خال کو پہچاننے لگے اور ان کے افکار سے استفادہ کرنے والوں کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا

... ...

ہے اور ان سے تعلیمی افکار میں اس اصطلاح کا مفہوم مرکزی اہمیت رکھتا ہے

تعلیمی نظام میں اسلام اور سائنس کا تعلق

نہایت اہم گفتگو

وہ ہے جو مولانا نے نظام تعلیم کی بحث میں اسلام اور سائنس کے باہمی تعلق کے بارے میں کی ہے۔ اس سے تعلیمی انقلاب کا وہ تصور اور اجاگر ہو جاتا ہے۔ جس کے علم بردار مولانا مودودی ہیں ملاحظہ ہو۔

بہت سے لوگ اس خیال کو سن کر بڑے پریشان ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سائنس کا آخر اسلام سے کیا تعلق، حالانکہ ان کے سامنے روس کی مثال موجود ہے جو سویٹ سائنس کا قائل ہے۔ کوئی کمیونسٹ اپنے اشتراکی معاشرے کے افراد کو بورژوا سائنس اور بورژوا فلسفہ وتاریخ اور معاشیات سیاسیات وغیرہ پڑھانا پسند نہیں کرتا وہ ان سب علوم کو مارکسزم کے رنگ میں رنگ کر پڑھاتا ہے تاکہ اشتراکی سائنس دان اور اشتراکی ماہر علوم پیدا ہوں بورژوا نقطۂ نظر سے مرتب کئے ہوئے علوم کو پڑھا کر کوئی اشتراکی معاشرہ نہیں بن سکتا۔

یہ کہنا کہ سائنس تو ایک عالمگیر چیز ہے اس کا کسی مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ فی الواقع بڑی ناسمجھی کی بات ہے۔ سائنس میں ایک چیز تو ہے حقائق (FACTS) اور قوانین قدرت (NATURAL LAWS) جو تجربے اور مشاہدے سے انسان کے علم میں آتے ہیں۔

بلاشبہ عالمگیر ہیں۔ دوسری چیز ہے وہ فلسفے [illegible] حقائق اور معلومات کو مرتب کر کے ان پر نظریات قائم کرتا ہے۔ اور وہ زبان جس میں وہ ان کو بیان کرتا ہے۔ جو چیز عالمگیر ہے [illegible] میں ہر تہذیب کے پیروں کا اسلوب [illegible] الگ ہونا چاہیے۔ ہم [illegible] پہلی چیز کو لہ

سائنس کے دائرے میں تجربات ومشاہدات [illegible] ساتھ مفروضات وقیاس مل کر کام کرتے ہیں۔ سائنس کے ایک ایک ذرہ حقیقت کے گرد بالعموم پورا ایک جہان مفروضات تعمیر ہو جاتا ہے۔ اور اصطلاح عام میں یہ سب کچھ سائنس کہلاتا ہے۔ مولانا نے ایک مثال دے کر مدعا کو واضح تر کر دیا ہے۔

مثال کے طور پر دیکھئے، یہ ایک سائنٹفک حقیقت ہے کہ دنیا کی تمام دوسری چیزیں تو سرد ہو کر سکڑتی چلی جاتی ہیں، مگر اس کے برعکس پانی جب سرد ہوتے ہوتے جمنے کے قریب پہنچتا ہے تو پھیل جاتا ہے اور برف بن کر ہلکا ہو جاتا ہے اسی وجہ سے برف سطح آب پر تیرنے لگتی ہے۔ یہ ایک امر واقعہ ہے اب ایک شخص اس چیز کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ یہ پانی کی خاصیت ہے اور واقعۃً ایسا ہوا کرتا ہے۔ دوسرا شخص اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ خدا نے اپنی حکمت وربوبیت سے پانی میں یہ خصوصیت اس لئے رکھی ہے کہ دریاؤں اور تالابوں اور سمندروں میں جاندار مخلوق باقی رہ سکے۔

دیکھیے ایک ہی امر واقعہ کو دو شخص اپنے اپنے طرز فکر کے مطابق دو مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں اور ہر ایک کا بیان پڑھنے سے آدمی کے ذہن پر دو مختلف اثرات مرتب ہوتے ہیں۔۔۔

ایک طریقے سے اگر سائنس کو پڑھا جائے تو اس سے ایک مادہ پرست سائنس دان تیار ہوگا اور دوسرے طریقے سے [illegible] سائنس پڑھائی جائے [illegible] مولانا کی عبارت [illegible] سائنس [illegible] مرکزی استدلال ہوا ہے۔ صدیقی [illegible] تیار ہو جائے گا[2]

موجودہ سائنس اور اسلامی نقطۂ نظر

امروز سائنس کی بنیادی

[illegible] عقلی [illegible] سائنس جہان [illegible] کے [illegible] ایک [illegible] کی کارفرمائی کو ذکر کرتا ہے۔ لیکن اتنے وسیع

لہ تعلیمات ص ۲۳۸، ۲۳۹۔ ۲ہ ایضاً ص ۲۳۹، ۲۴۰۔

سے پایاں عقلی قانونی نظام کے بارے میں وہ یہ رائے رکھتی ہے کہ اس سارے عقلی نظام قانون نے غیر عقلی "اتفاق" سے جنم لیا ہے۔ سیدھی سی بات ہے کہ جہاں قانون ہے وہاں کسی علیم و حکیم قانون ساز کے وجود کو ماننا ہوگا اور قانون کے صحیح طور پر مسلسل چلتے رہنے کے معنی یہ ہیں کہ وہ قانون ساز [illegible] اپنے لئے قانون سازی قوت کے ساتھ اقتدار بھی رکھتا ہے۔ لیکن مادہ پرستوں کی مرتب کردہ سائنس کی اتنی بڑی عقلی حماقت کو نظام تعلیم کے واسطے سے ہم مسلمانوں نے بلا کسی رد و کد کے قبول کر لیا ہے۔ فی الحقیقت سائنس نام ہے ان مساعی کا جن کے ذریعے ہم خدا کے جاری کردہ طبعی، تکوینی، جسمانی، حیوانی، نفسیاتی اور تاریخی قوانین کو دریافت کرتے ہیں۔

تعلیمی انقلاب کے داعی نے سائنس کی تعلیم کے بارے میں طرز تکمیل کے طور پر لکھا ہے کہ:

حقیقت یہ ہے کہ سائنس کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جو انسانوں کے دل میں ایمان کو گہری جڑوں سے راسخ کر دینے والا نہ ہو۔ فزکس، بیالوجی، فزیالوجی، اناٹومی، اسٹرانومی غرض جس علم کو بھی آپ دیکھیں اس میں ایسے ایسے حقائق سامنے آتے ہیں جو انسان کو [illegible] کافی ہیں یہ وہ آیات الٰہی ہیں جن کی طرف قرآن بار بار توجہ دلاتا ہے مگر بدقسمتی سے اس وجہ سے کہ کافر سائنس دانوں نے ان حقائق کو [illegible] نظریہ سے مرتب اور بیان کیا ہے۔ ان کو پڑھ کر آدمی [illegible] پرست اور ملحد بنتا ہے۔ اور خدا کے تصور [illegible] اس کا مذاق اڑاتا ہے [illegible] اور [illegible] علوم پڑھا کر [illegible] کر سکتے تھے۔

[illegible]

ہم اور مسئلہ قیادت و امامت

میں لکھا تھا کہ:

"دنیا گویا ایک ریل گاڑی ہے جس کو فکر و تحقیق کا انجن چلا رہا ہے۔"[۲]

جنوری ۱۹۴۱ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء میں انجمن اتحاد طلبہ کے سامنے جو خطبہ مولانا نے پڑھا اس میں فرمایا کہ:

"امامت کا دامن ہمیشہ علم سے وابستہ رہے گا۔"[۳]

دنیائے انسانیت کی امامت یا قیادت LEADER SHIP کے اسی تصور کی بنا پر اسلامی یونیورسٹی کا خاکہ مرتب کرتے ہوئے مولانا نے مقصد تعلیم یہ قرار دیا کہ:

"وہ ایسے صالح علما تیار کرے جو [illegible] دور جدید میں ٹھیک ٹھیک [illegible] کے مطابق دنیا کی رہنمائی کرنے کے لائق ہوں"

اگر میں یہ کہوں تو شاید بات غلط نہ ہوگی کہ تعلیم و امامت کے باہمی تعلق کی بنا پر ۱۹۴۴ء میں دار الاسلام پٹھانکوٹ کی مجلس تعلیمی کے سامنے موصوف نے صراحت سے کہا تھا کہ:

"اس وقت ہمارے ملک میں جتنے نظام ہائے تعلیم رائج ہیں ان میں سے کوئی بھی اس مقصد کے لئے آدمی تیار نہیں کرتا جو ہمارے پیش نظر ہے۔ ہمیں صرف یہی نہیں کرنا ہے کہ نوخیز نسلوں کی علمی اور ذہنی تربیت کا انتظام اپنے نصب العین کے مطابق کریں بلکہ اس کے ساتھ ان کی اخلاقی اور عملی تربیت کا بندوبست بھی کرنا ہے۔"[۵]

[illegible] بات [illegible] قدر محدود شکل میں سامنے آئی [illegible]:

"اس وقت ہم کسی ملک کے انتظام کا چارج نہیں لے رہے [illegible] نظام تعلیم [illegible] افراد تیار کرنے [illegible] تہذیب کی پوری مشینری [illegible] ہمارے سامنے اس وقت [illegible] دنیا میں اخلاقی، فکری اور تمدنی انقلاب برپا کرنے کے لئے موزوں لیڈر اور کارکن تیار [illegible]"[۶]

۱ تعلیمات ص ۱۴۴ ۲ تنقیحات [illegible] ایڈیشن ۱۹۵۰ء ص ۲۴ ۳ تعلیمات ص ۶۸ ۴ ایضاً ص [illegible] ۱۶ ۵ ایضاً ص ۱۰۴ ۶ ایضاً ص ۵

ہے اور ان کے تعلیمی افکار میں اس اصطلاح کا مفہوم مرکزی اہمیت رکھتا ہے

تعلیمی نظام میں اسلام اور سائنس کا تعلق

نہایت اہم گفتگو وہ ہے جو مولانا نے نظام تعلیم کی بحث میں اسلام اور سائنس کے باہمی تعلق کے بارے میں کی ہے۔ اس سے تعلیمی انقلاب کا وہ تصور اور اجاگر ہو جاتا ہے۔ جس کے علمبردار مولانا مودودی ہیں ملاحظہ ہو۔

بہت سے لوگ اس خیال کو سن کر بڑے پریشان ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سائنس کا آخر اسلام سے کیا تعلق، حالانکہ ان کے سامنے روس کی مثال موجود ہے جو سوویٹ سائنس کا قائل ہے۔ کوئی کمیونسٹ اپنے اشتراکی معاشرے کے افراد کو بورژوا سائنس اور بورژوا فلسفہ و تاریخ اور معاشیات سیاسیات وغیرہ پڑھانا پسند نہیں کرتا وہ ان سب علوم کو مارکسزم کے رنگ میں رنگ کر پڑھاتا ہے تاکہ اشتراکی سائنس داں اور اشتراکی ماہر علوم پیدا ہوں بورژوا نقطۂ نظر سے مرتب کئے ہوئے علوم کو پڑھا کر کوئی اشتراکی معاشرہ نہیں بن سکتا۔

یہ کہنا کہ سائنس تو ایک عالمگیر چیز ہے اس کا کسی مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ فی الواقع بڑی ناسمجھی کی بات ہے۔ سائنس میں ایک چیز تو ہے حقائق (FACTS) اور قوانین فطرت (NATURAL. LAWS) جو تجربے اور مشاہدے سے انسان کے علم میں آتے ہیں۔

بلاشبہ عالمگیر ہیں۔ دوسری چیز ہے وہ ذہن جن حقائق اور معلومات کو مرتب کر کے ان پر نظریات قائم کرتا ہے اور وہ زبان جس میں وہ ان کو بیان کرتا ہے۔ جو چیز عالمگیر نہیں ہے بلکہ اس میں ہر تہذیب کے پیروں کا اسلوب الگ الگ ہے اور فطرتاً الگ ہونا چاہیے۔ ہم اس دوسری چیز کو بدلنا چاہتے ہیں نہ کہ پہلی چیز کو[1]

سائنس کے دائرے میں تجربات و مشاہدات جو اعداد کے ساتھ مفروضات و قیاس مل کر کام کرتے ہیں۔ سائنس کے ایک ایک ذرہ حقیقت کے گرد بالعموم پورا ایک جہان مفروضات تعمیر ہو جاتا ہے۔ اور اصطلاح عام میں یہ سب کچھ سائنس کہلاتا ہے۔ مولانا نے ایک مثال دے کر مدعا کو واضح تر کر دیا ہے۔

مثال کے طور پر دیکھئے، یہ ایک سائنٹفک حقیقت ہے کہ دنیا کی تمام دوسری چیزیں تو سرد ہو کر سکڑتی چلی جاتی ہیں، مگر اس کے برعکس پانی جب سرد ہوتے ہوتے جمنے کے قریب پہنچتا ہے تو پھیل جاتا ہے اور برف بن کر ہلکا ہو جاتا ہے اسی وجہ سے برف سطح آب پر تیرنے لگتی ہے۔ یہ ایک امر واقعہ ہے اب ایک شخص اس چیز کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ یہ پانی کی خاصیت ہے اور واقعتہً ایسا ہوا کرتا ہے۔ دوسرا شخص اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ خدا نے اپنی حکمت و ربوبیت سے پانی میں یہ خصوصیت اس لئے رکھی ہے کہ دریاؤں اور تالابوں اور سمندروں میں جاندار مخلوق باقی رہ سکے۔

دیکھئے ایک ہی امر واقعہ کو دو شخص اپنے اپنے طرز فکر کے مطابق دو مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں اور ہر ایک کا بیان پڑھنے سے آدمی کے ذہن پر دو مختلف اثرات مرتب ہوتے ہیں۔۔۔

ایک طریقے سے اگر سائنس کو پڑھا جائے تو اس سے ایک مادہ پرست سائنس داں تیار ہوگا اور دوسرے طریقے سے وہی سائنس پڑھا جائے (نوٹ مولانا کی عبارت میں یہاں لفظ سائنس مذکر ہی استعمال ہوا ہے۔ صدیقی) تو ایک مسلمان سائنسداں تیار ہو جائے گا[2]

موجودہ سائنس اور اسلامی نقطۂ نظر

موجودہ سائنس جن بنیادی تصورات پر کھڑی ہے ان میں اس سے زیادہ غیر عقلی تصور شاید کوئی نہ ہو کہ سائنس جہان مادی کے ایک ایک ذرے پر ان قوانین کی کارفرمائی کا دعویٰ کرتی ہے۔ لیکن اتنے وسیع

[1] تعلیمات ص ۲۳۸، ۲۳۹۔ [2] ایضاً ص ۲۳۹، ۲۴۰۔

سے پایاں عقلی قانونی نظام کے بارے میں وہ یہ رائے رکھتی ہے کہ اس سارے عقلی نظام قانون نے غیر عقلی "اتفاق" سے جنم لیا ہے۔ سیدھی سی بات ہے کہ جہاں قانون ہے وہاں کہیں کسی حکیم و علیم قانون ساز کے وجود کو ماننا ہوگا اور قانون کے صحیح طور مسلسل چلتے رہنے کے معنی ہیں کہ وہ قانون کو چلانے کے لیے قانون ساز قوت کے ساتھ اقتدار بھی رکھتا ہے۔ لیکن مادہ پرستوں کی مرتب کردہ سائنس کی اتنی بڑی عقلی حماقت کو نظام تعلیم کے واسطے سے ہم مسلمانوں نے بلا کسی ردّ وکد کے قبول کر لیا ہے فی الحقیقت سائنس نام ہے ان مساعی کا جن کے ذریعے ہم خدا کے جاری کردہ طبعی، تکوینی، جسمانی، حیوانی، نفسیاتی اور تاریخی قوانین کو دریافت کرتے ہیں۔

تعلیمی انقلاب کے داعی نے سائنس کی تعلیم کے بارے میں کلمۂ تکمیل کے طور پر کہا ہے کہ۔

حقیقت یہ ہے کہ سائنس کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جو انسانوں کے دل میں ایمان کو گہری جڑوں سے راسخ کر دینے والا نہ ہو۔ فزکس، بیالوجی، فزیالوجی، اناٹومی، اسٹرانومی غرض جس علم کو بھی آپ دیکھیں اس میں ایسے ایسے حقائق سامنے آتے ہیں جو انسان کو پکا اور سچا مؤمن بنا دینے کے لیے کافی ہیں یہی تو وہ آیات الٰہی ہیں جن کی طرف قرآن بار بار توجہ دلاتا ہے مگر صرف اس وجہ سے کہ کافر سائنس دانوں نے ان حقائق کو اپنے نقطۂ نظر سے مرتب اور بیان کیا ہے۔ ان کو پڑھ کر آدمی الٹا مادہ پرست اور ملحد بنتا ہے۔ اور خدا کے تصور پر ہنستا ہے اور اس کا مذاق اڑاتا ہے ——— بے خدا سائنس اور بے خدا فلسفہ اور بے خدا اجتماعی علوم پڑھا کر خدا پرست انسان تیار نہیں کر سکتے۔[۱]

زیر تحقیق انقلابی نظریۂ تعلیم اسلامی فکر کے ایسے مضامین و عبارات سے جس طرح تو الب و مسائل گرد ہا جاتا ہے، اس کا اندازہ ناظرین کے متذکرہ اقتباسات سے بخوبی ہو سکتا ہے۔

نظام تعلیم اور مسئلہ قیادت وامامت

مولانا ... نے ستمبر ۱۹۲۲ء

میں لکھا تھا کہ:

دنیا گویا ایک ریل گاڑی ہے جس کو فکر و تحقیق کا انجن چلا رہا ہے"[۲]

جنوری ۱۹۴۱ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء میں انجمن اتحاد طلبہ کے سامنے جو خطبہ مولانا نے پڑھا اس میں فرمایا کہ۔

امامت کا دامن ہمیشہ علم سے وابستہ رہے گا"[۳]

دنیائے انسانیت کی امامت یا قیادت LEADER SHIP کے اسی تصور کی بنا پر اسلامی یونیورسٹی کا خاکہ مرتب کرتے ہوئے مولانا نے مقصد تعلیم یہ قرار دیا کہ۔

وہ ایسے صالح علما تیار کرے جو اس دور جدید میں ٹھیک ٹھیک دین حق کے مطابق دنیا کی رہنمائی کرنے کے لائق ہوں"[۴]

اگر میں یہ کہوں تو شاید بات غلط نہ ہوگی کہ تعلیم و امامت کے اسی تعلق کی بنا پر ۱۹۴۴ء میں دار الاسلام پٹھانکوٹ کی مجلس تعلیمی کے سامنے موصوف نے صراحت سے کہا تھا کہ:

اس وقت ہمارے ملک میں جتنے نظام ہائے تعلیم رائج ہیں ان میں سے کوئی بھی اس مقصد کے لیے آدمی تیار نہیں کرتا جو ہمارے پیش نظر ہے ——— ہمیں صرف یہی نہیں کرنا ہے کہ نوخیز نسلوں کی علمی اور ذہنی تربیت کا انتظام اپنے نصب العین کے مطابق کریں بلکہ اس کے ساتھ انکی اخلاقی اور عملی تربیت کا بندوبست بھی کرنا ہے"[۵]

یہاں اصل بات تصور سے کسی قدر محدود شکل میں سامنے آتی ہے اس کی وجہ بھی سن لیجئے:

اس وقت ہم کسی ملک کے انتظام کا چارج نہیں لے رہے ہیں کہ گویا اپنے نظام تعلیم میں ان فرزندوں کے لئے آدمی تیار کرنے ہوں جو ایک ملک کے تمدن کی پوری مشینری کو چلانے میں پیش آتی ہے۔ ہمارے سامنے اس وقت صرف ایک کام ہے اور وہ یہ ہے کہ دنیا میں اخلاقی، فکری اور تمدنی انقلاب برپا کرنے کے لیے موزوں لیڈر اور کارکن تیار کریں"[۶]

۱؎ تعلیمات ص ۱۴۲ ۲؎ تنقیحات عام لوئی ایڈیشن ۱۹۶۳ء ص ۲۳ ۳؎ تعلیمات ص ۶۸ ۴؎ ایضاً ص ۱۶۸ ۵؎ ایضاً ص ۱۰۴ ۶؎ ایضاً ص ۵۰

ہو کر اصلاحات کرنے والے کوئی موثر اقدام کر سکے۔ خرابی خود اسکیم کے اندر ایسی تھی کہ اس کے سانچے میں ڈھل کر مسلم تہذیب کی علمبرداری کرنے والے اور مغربی تہذیب کے مقابلہ کا مقابلہ کرنے والے دل و دماغ پیدا نہ ہو سکتے تھے۔

وہ صرف ابتدائی دور تھا جس کے جذباتی ماحول میں چند قابل قدر نمایاں شخصیتیں ابھریں لیکن اس کے بعد مسلم قوم میں ملحدوں اور کمیونسٹوں تک کھیپیں تیار ہونے لگیں "مسلم بنا اسلام" یا "فرنگ زدہ مسلم" کا نیا کردار بھی اس دور اسلامی.. ادارے نے ڈھالنا شروع کر دیا۔ اور یہ کردار مسلمانوں کے بیشتر رد علقوں میں آج نمایاں دکھائی دیتا ہے اور اس کے کارناموں کے برگ و بار زندگی کے ہر شعبے میں پھیلے ہوئے ملتے ہیں۔

مولانا کا مطالعہ احوال یہ تھا کہ یہ سب کچھ اتفاقی حادثے کے طور پر نہیں ہوا بلکہ علی گڑھ کی تعلیمی اسکیم سے اسی کی توقع کی جا سکتی تھی۔

علی گڑھ کے نظام تعلیم پر تبصرہ

آئیے خود مولانا کے الفاظ کے آئینے میں حقیقت کا انعکاس دیکھیے:

"علی گڑھ سے جو تعلیمی تحریک اٹھی تھی اس کا دفعی مقصد یہ تھا کہ مسلمان اس نئے دور کی ضرورت کے لحاظ سے اپنی دنیا درست کرنے کے قابل ہو جائیں..... اس وقت اس سے زیادہ کچھ کرنے کا شاید موقع نہ تھا..... اس وقت اتنی مہلت نہ تھی کہ غور و تفکر کے بعد کوئی ایسی مکمل تعلیمی پالیسی متعین کی جاتی جو نقصانات سے پاک اور فوائد سے لبریز ہوتی.... مسلمانوں کو اس طرز تعلیم کی طرف دھکیل دیا گیا جو ملک میں رائج ہو چکا تھا اور خطرات سے بچنے کے لیے کچھ تھوڑا سا عنصر اسلامی تعلیم تربیت کا بھی رکھ دیا گیا جس کو جدید تعلیم اور جدید تربیت کے ساتھ کوئی مناسبت نہ تھی..... اس تحریک نے ہماری دنیا تو ضرور بنا دی مگر جتنی دنیا بنائی اس سے زیادہ ہمارے دین کو بگاڑ دیا.... اس نے ہم میں کانے فرنگی پیدا کیے..... اس نے ہماری قوم کے طبقۂ علیا اور طبقۂ متوسط کو جو در اصل قوم کے اعضائے رئیسہ میں، باطنی اور ظاہری دونوں حیثیتوں سے یورپ کی مادی تہذیب کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ صرف اتنے معاوضے پر کہ چند عہدے، چند خطاب، چند کرسیاں ایسے لوگوں کو مل جائیں جن کے نام مسلمانوں سے ملتے جلتے ہوں....

سوال یہ ہے کہ کیا اب دائماً ہماری یہی تعلیمی پالیسی رہنی چاہیئے اگر یہی ہماری دائمی پالیسی ہے تو اس کے لیے علی گڑھ کی کوئی ضرورت اب باقی نہیں رہی۔ ہندوستان کے ہر بڑے مقام پر ایک علی گڑھ موجود ہے"[1]

اس تعلیمی پالیسی میں خرابی کی وجہ کیا ہے اس پر بھی مولانا کی رائے سنیئے۔

"..... آپ ان کو دینی نئی نسلوں کو، وہ فلسفہ پڑھاتے ہیں جو کائنات کے مسئلے کو خدا کے بغیر حل کرنا چاہتا ہے آپ ان کو وہ سائنس پڑھاتے ہیں جو معقولات سے منحرف اور محسوسات کا غلام ہے۔ آپ ان کو تاریخ، سیاسیات، معاشیات قانون اور تمام علوم عمرانی کی وہ تعلیم دیتے ہیں جو اپنے اصول سے لے کر فروع تک اور نظریات سے لے کر عملیات تک اسلام کے نظریات اور اصول عمران سے یکسر مختلف ہے۔ اس کے بعد آپ بظاہر یہ امید رکھتے ہیں کہ ان کی نظر اسلامی نظر ہوگی۔ ان کی سیرت اسلامی سیرت ہوگی۔ ان کی زندگی اسلامی زندگی ہوگی۔ قدیم طرز پر قرآن و حدیث اور فقہ کی تعلیم اس نئی تعلیم کے ساتھ بے جوڑ ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے فرنگی اسٹیمر میں پرانے بادبان محض نمائش کے لیے لگا دیئے جائیں مگر ان بادبانوں سے فرنگی اسٹیمر قیامت تک اسلامی اسٹیمر نہ بنے گا"[2]

چند سطور اور ملاحظہ کیجیے۔

"اس وقت مسلم یونیورسٹی میں جو طریق تعلیم رائج ہے۔ وہ تعلیم جدید اور اسلامی تعلیم کی ایک ایسی آمیزش پر مشتمل ہے جس میں کوئی امتزاج اور کوئی ہم آہنگی نہیں.... یہ دونوں عنصر نہ صرف ایک دوسرے سے الگ رہتے ہیں بلکہ ایک دوسرے کی

---

[1] تعلیمات، ص ۱۸، ۱۹۔ [2] ایضاً، ص ۱۹، ۲۰

مزاحمت کرکے طلبہ کے ذہن کو دو مخالف سمتوں کیطرف کھینچتے ہیں۔[1]

میری نظر میں مسلم یونیورسٹی کی دینی و دنیاوی تعلیم بحیثیت مجموعی بالکل ایسی ہے کہ آپ ایک شخص کو از سرتا پا غیر مسلم بناتے ہیں۔ پھر اس کی بغل میں دینیات کی چند کتابوں کا ایک بستہ دے دیتے ہیں۔

اگر آپ ان حالات اور طرز تعلیم کو بعینہٖ جاری رکھیں تو اس کا حاصل صرف یہ ہوگا کہ فرنگیت اور اسلامیت کی کشمکش زیادہ شدید ہو جائے گی اور ہر طالب علم کا دماغ ایک رزم گاہ بن جائے گا۔[2]

ندوہ کا نظام تعلیم

۵ جنوری ۱۹۴۱ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے مولانا نے اس تعلیمی ادارے کی اسکیم پر بھی ایک تنقیدی نگاہ ڈالی۔ فرمایا:

لوگ اس گمان میں ہیں کہ پرانی تعلیم میں خرابی صرف اتنی ہے کہ نصاب بہت پرانا ہو گیا ہے اور اس میں بعض علوم کا عنصر بعض علوم سے کم یا زیادہ ہے۔ اور جدید زمانے کے بعض علوم اس میں شامل نہیں ہیں اس لیے اصلاح کی ساری بحث اس حد تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے کہ کچھ کتابوں کو نصاب سے خارج کرکے دوسری کتابوں کو داخل کر دیا جائے ..... اور بہت زیادہ روشن خیالی پر جو لوگ اترتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ صاحب ہر مولوی کو میٹرک تک انگریزی پڑھا کر نکالو تاکہ کم از کم تار پڑھنے اور لکھنے کے قابل ہو جائے ..... اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اگر کچھ ہو سکتا ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ پہلے سے کچھ زیادہ کامیاب قسم کے مولوی پیدا ہو جائیں جو کچھ جرمنی اور امریکہ کی باتیں بھی کرنے لگیں۔ اس ذرا سی اصلاح کا نتیجہ یہ کبھی نہیں نکل سکتا کہ دنیا کی امامت و قیادت کی باگیں علمائے اسلام کے ہاتھ میں آجائیں[3]

مولانا کے نزدیک اس تعلیم کا متوقع ماحصل بس یہ ہے کہ:

آپ گھٹیا قسم کے نہ سہی۔ بڑھیا قسم کے مقتدی بنا لیں امامت بہرحال آپکو نہیں مل سکتی اس وقت تک جتنی اصلاحی تجویزیں میری نظر سے گزری ہیں۔ وہ سب کی سب بہتر مقتدی بنانے والی ہیں۔ امام بنانے والی کوئی تجویز ابھی تک سوچی نہیں گئی"[4]

عام قسم کے اسلامی کالج

انگریزی نظام تعلیم پر کام کرنے کے لیے جو اسلامی کالج قائم ہوتے رہے ان پر مولانا کی تنقید نسبتاً زیادہ سخت مگر درد بھرے انداز میں سامنے آتی ہے اور اس تنقید میں ان کا ذوق انقلابیت خوب نمایاں ہے۔ ایک ایسے ہی کالج کے جلسۂ تقسیم اسناد کا جو زلزلہ انگیز خطبہ مولانا نے دیا اس کے چند جملے پیش ہیں۔

"دراصل میں آپ کی اس مادر تعلیمی کو اور مخصوص طور پر اسی کو نہیں بلکہ ایسی تمام مادران تعلیم کو درسگاہ کے بجائے قتل گاہ سمجھتا ہوں اور میرے نزدیک آپ فی الواقع یہاں قتل کیے جا رہے ہیں اور یہ ڈگریاں جو آپ کو ملنے والی ہیں یہ دراصل موت کے صداقت نامے DEATH (CERTIFICATES) ہیں جو قاتل کی طرف سے آپ کو اس وقت دیے جاتے ہیں۔ جب کہ وہ اپنی حد تک اس بات کا اطمینان کر چکا ہے کہ اس نے آپ کی گردن کا تسمہ تک لگا رہنے نہیں دیا ہے۔ ... میری مثال اس شخص کی سی ہے جو اپنے بھائی بندوں کا قتل عام ہو چکنے کے بعد لاشوں کے ڈھیر میں یہ ڈھونڈتا پھرتا ہو کہ کہاں کوئی سخت جان بسمل ابھی سانس لے رہا ہے"[5]

اس سلسلے میں آگے چل کر مولانا نے کہا۔

"ہر قوم کے بچے دراصل اس کے مستقبل کا محضر ہوتے ہیں۔ قدرت کی طرف سے یہ محضر ایک سادہ لوح کی شکل میں آتا ہے اور قوم کو یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ خود اس پر اپنے مستقبل کا فیصلہ لکھے۔ ہم وہ دیوالیہ قوم ہیں جو اس محضر پر اپنے مستقبل کا فیصلہ خود لکھنے کے بجائے اسے دوسروں کے حوالے کر دیتے ہیں کہ وہ اس پر جاہلیت ثبت کر دیں خواہ وہ ہماری اپنی موت ہی کا فتویٰ کیوں نہ ہو۔"[6]

---

[1] تعلیمات، ص ۲۵۔ [2] ایضاً، ص ۲۷، ۲۸۔ [3] ایضاً، ص ۶۶، ۶۷۔ [4] ایضاً، ص ۷۲۔ [5] ایضاً، ص ۵۳، ۵۴۔ [6] ایضاً، ص ۵۸

تحریکِ اسلامی کی شناخت

از سید اسعد گیلانی صاحب

بنی نوع انسان کے لیئے امن وسکون اور فوز وفلاح کا واحد راستہ اللہ کا دیا ہوا نظام زندگی ہے۔ جب فلاح انسانیت کا یہ نظام قائم نہ ہو اور ابنِ آدم صراطِ مستقیم سے محروم بد نصیبی کی ٹھوکریں کھا رہا ہو تو اللہ کی مشیت کسی تحریکِ اسلامی کے برپا ہونے کا انتظام کر دیتی ہے اور جب کوئی تحریکِ اسلامی کسی قوم میں اللہ کے دین کا علم لے کر اٹھتی ہے تو وہ قوم آزمائش کی میزان میں رکھ دی جاتی ہے اس لیئے کہ اس تحریک کے ساتھ قوم کے طرزِ عمل پر ہی پھر اس قوم کے مستقبل کی درخشانی یا تاریکی کا انحصار ہو جاتا ہے تحریک اسلامی کے برپا ہو جانے کے بعد اس سے بے خبری محرومی، اس سے بے نیازی، بد نصیبی اور اس کی مخالفت بد ترین بدبختی ہوتی ہے اس لیے کسی قوم کے اندر مختلف اجتماعی تنظیموں کے مقابلے میں تحریک اسلامی کی شناخت انتہائی ضروری ہوتی ہے کیونکہ قوم کا اس تحریک کے ساتھ طرزِ عمل ہی درحقیقت اس قوم کی بلندی و پستی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ افراد کی غلطیوں سے نقصان و خسران کا دائرہ محدود ہوتا ہے لیکن قوموں کی غلطیاں ان کے لیئے عظیم خسران کا سبب بن جاتی ہیں۔ بقول علامہ اقبالؒ ۔

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
پر نہیں کرتی ہے قوموں کے گناہوں کو معاف

اس لیئے تحریک اسلامی کی شناخت کا مسئلہ ہر قوم اور اس قوم کے ہر فرد کے لیئے نہایت اہم مسئلہ ہے اگرچہ کسی معاشرے میں برپا ہونے والی ایک اسلامی تحریک کی شناخت کچھ مشکل بھی نہیں ہے جس طرح تاریکی میں چمکتی ہوئی روشنی کو اور آسمان میں درخشاں چاند کو شناخت کرنا کچھ دشوار کام نہیں ہوتا ہے۔

دنیا کی تمام نفسانی تحریکوں کے مقابلے میں اسلامی تحریک ایک روحانی اور الٰہی تحریک ہے جس کے بنیادی اصول اللہ کی بھیجی ہوئی تعلیمات پر مشتمل ہوتے ہیں۔ تاریخی لحاظ سے بھی انسانی معاشرے میں قدیم ترین تحریک ہے۔ انسانی ضمیر اس تحریک کے عمومی خدوخال سے آگاہ، اس کے اندازِ بیان سے واقف اور اس کے طرزِ عمل سے باخبر ہے۔ اس کے برپا ہوتے ہی ہر شخص اس کی انفرادیت اور اٹھان سے فوراً اسے پہچان لیتا ہے پھر یہ معاملہ توفیقِ الٰہی، فطرتِ انسانی اور افراد کی افتادِ طبع کے مجموعی طرزِ عمل پر مبنی ہوتا ہے کہ بھٹکا ہوا انسان آغوشِ مادر کی طرف لوٹتا ہے یا قسمت کے دھکے اسے کسی اور سمت دھکیل کر لے جاتے ہیں۔

دوسری تمام تحریکوں کے مقابلے میں چند پہلوؤں سے تحریک امتیازی نشانات رکھتی ہے۔ کائنات کیلئے خالق کی موجودگی کا اعتراف اور اس کی بندگی کی طرف دعوت اس تحریک کا طرۂ امتیاز ہے۔ یہ پوری انسانیت کو چاہے وہ سفید ہو یا سیاہ، سرخ ہو یا زرد، جغرافیائی حد بندیوں سے بالاتر ہو کر آدم کے بیٹوں کی حیثیت سے یکساں سطح سے مخاطب کرتی ہے اور ان میں قطعی کوئی فرق نہیں کرتی۔ یہ انسان کی فطرت کی آواز ہے اور ہر انسانی معاشرے کا پاکیزہ فطرت گروہ فوراً انس و محبت کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور بگڑی ہوئی فطرت والا بدکردار طبقہ اسے اپنے لیئے خطرہ سمجھ کر غم و غصہ سے اس کی سرگرمیوں کی طرف دیکھنے لگتا

ہے آج بھی انسانوں کی بستیوں اور آبادیوں میں نیکی، بھلائی اور شرافت کا جو بکھرا ہوا سرمایہ پایا جاتا ہے وہ تاریخ کے مختلف ادوار میں اسی تحریک کی چھوڑی ہوئی پاکیزہ میراث ہے۔ وحدت انسانیت وحدت کائنات اور وحدت الٰہ اس تحریک کا معروف نعرہ ہے یہ تحریک جس قوم میں بھی برپا ہوا اس میں اس کی حیثیت قوم میں ریڑھ کی ہڈی کی ہوتی اور دنیا کی خرابیوں کا علاج اسی کی تنظیم اور پروگرام میں پوشیدہ ہوتا ہے تحریک اسلامی کی تنظیم کے بارے میں دور حاضر میں تحریک اسلامی کے بانی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے خوب کہا ہے کہ۔

دنیا کی خرابی کا علاج یہ ہے کہ صالحین کی ایک جماعت منظم کی جائے جو خدا ترس بھی ہو، راست باز اور دیانتدار بھی۔ خدا کے پسندیدہ اوصاف و اخلاق سے آراستہ ہو اور اس کے ساتھ دنیا کے حالات کو دنیاداروں سے زیادہ اچھی طرح سمجھے اور خود دنیاداری میں اپنی مہارت و قابلیت سے ان کو شکست دے سکے۔ بداخلاق اور بے اصول لوگوں کے لیے دنیا کی چراگاہ میں بس اسی وقت تک، چرچگ لینے کی مہلت ہے۔ جب تک ایسا ایک گروہ تیار نہیں ہو جاتا!! اس کی تیاری کے بعد فساق و فجار کا چراغ اس کے سامنے جل نہ سکے گا...... یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ انقلاب کس طرح رونما ہوگا لیکن جس طرح مجھے کل سورج کے طلوع ہونے کا یقین ہے اتنا ہی اس بات کا یقین بھی ہے کہ یہ انقلاب بہرحال رونما ہو کر رہیگا۔

اب میں اس تحریک کے نمایاں ترین خدوخال ترتیب وار بیان کرتا ہوں تاکہ ایسی اہم تحریک کی شناخت کرنے میں کسی کو بھی کوئی شک وشبہ لاحق نہ ہو کیونکہ انسانیت کی فلاح اور خسران اس تحریک کی شناخت پر ہی مبنی ہے۔

حاکمیت کا تصور

ہر تحریک میں اہم ترین چیز اس کے اندر حاکمیت کا تصور ہوتا ہے کیونکہ ہر تحریک ایک ریاست کی تشکیل کی طرف اقدام کرتی ہے اور ایک ریاست اور منظم اجتماعی معاشرے میں حاکمیت تصور اس کی ساری اجتماعی زندگی تہذیب و تمدن، تعلیم و تربیت اور انفرادی و اجتماعی کردار کی صورت گری کرتا ہے۔ اسلامی تحریک دنیا کی واحد تحریک ہے جو حقیقی طور پر اپنے خالص اور بے آمیز عقیدے سے اللہ کی حاکمیت کی علمبردار ہے دنیا میں حاکمیت کے تمام تصورات میں یہ ایک انوکھا تصور ہے۔ دنیا کی تمام دوسری تحریکیں حاکمیت کو تقسیم کرتی ہیں کوئی رنگ نسل قبیلہ افراد گروہ اور خاندان میں اسے محدود کرتی ہے اور کوئی کسی خاص طبقہ کیلئے اسے مخصوص کرتی ہے لیکن اسلامی تحریک ہی وہ واحد تحریک ہے جو حاکمیت کو صرف خدا کے لئے وقف کرنے کا اعلان کرتی ہے اور سارے اختیارات کا سرچشمہ اسی کی ذات کو قرار دے کر بندوں کے لئے نیابت کا اصول پیش کرتی ہے

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ

بیشک اختیار اللہ کے سوا کسی کا نہیں خبردار خلق بھی اللہ ہی کی ہے اور حکم بھی اسی کا

یہ وہ واضح طرز عمل اور استدلال کی بنیاد ہے جس پر اسلامی تحریک میں حاکمیت کا مسئلہ طے ہوتا ہے اور اسی تصور کے اندر سے اسلامی تحریک کا نصب العین، طریق کار، پروگرام، اخلاق، نظام تربیت اور کارکنوں کے اوصاف نمودار ہوتے ہیں۔

مقام رسالت

اسلامی تحریک میں حاکمیت کا مقام ایک بالاتر ذات اور مالک الملک ہستی کے حوالے ہونے کے بعد احکام کے حصول اور اطاعت کے نظام کو مربوط کرنے کا واحد ذریعہ تحریک میں رسالت کا تصور ہے یعنی حقیقی بادشاہ اور حاکم اعلیٰ کا نمائندہ جو بندوں کے مالک اور بادشاہ کا پیغام ان تک پہنچائے اس کی مرضی سے ان کو آگاہ کرے اور یہ بتائے کہ وہ کن باتوں سے روکتا ہے اور کن باتوں پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیتا ہے۔ اس سے آگاہی کے لئے خدا کا نمائندہ رسول ہے اور وحی والہام خدائی پیغام پہنچنے کا ذریعہ ہے اسی لئے سب سے پہلے یہ بات رسول ہی جانتا ہے کہ حاکم اعلیٰ نے کیا حکم دیا ہے اور کس بات سے منع کیا ہے اور وہ اپنی رعایا سے کس طرز عمل کا طالب ہے اسی کے پیش نظر رسول کی بلاچون وچرا اطاعت ایمان کے لئے شرط اول ہے اور اس سے محبت اور اس پر مال و جان قربان کردینے کا پختہ عزم ایمان کی شرائط میں شامل ہے اس سلسلے میں حاکم اعلیٰ نے رسول کی بالاتر پوزیشن کو خود واضح کردیا ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ

ترجمہ:۔ ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اس لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے۔

اس لیے تحریک اسلامی کا حقیقی رہنما رسول ہی ہوتا ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی قیامت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہر دور کی اسلامی تحریک کے حقیقی رہنما ہیں اور انھیں کے احکام اور ارشادات، طرز عمل اور اسوۂ مبارکہ کو اسلامی تحریک کے پروگرام میں حجت اور سند کی حیثیت حاصل ہوتی ہے رسول کی شخصی غیر موجودگی میں وہی شخص ایسی تحریک کا رہنما اور قائد ہو سکتا ہے جو خدا کے احکام اور رسول کی تعلیمات پر سب سے زیادہ عمل پیرا ہو اور خدا و رسول کے دیئے ہوئے نظام زندگی کا سب سے بہتر فہم رکھتا اور دین کی حکمت اور تدبیر کار سے آگاہ ہو۔

خلافت انسانی

اسلامی تحریک میں انسان کا تصور یہ نہیں ہے کہ وہ حیوانات کی مختلف انواع میں سے بتدریج ترقی کرتا ہوا — بالآخر انسان بن گیا ہے بلکہ یہ ہے کہ انسان کو اول روز ہی انسان اور اشرف المخلوقات بنا کر پیدا کیا ہے اور اسے براہِ راست تخلیق ربانی کے ذریعے نیکی اور بدی کا علم، ذوق ضمیر اور فطرت دیکر بھیجا گیا ہے اسے زمین پر خدا کا خلیفہ مقرر کیا گیا ہے۔ اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً۔ اور اس کا مقصد زندگی یہ قرار دیا گیا ہے کہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اپنے حقیقی بادشاہ کے تمام احکام کو نافذ کرے اور ساری دنیا میں ان کے نفاذ کی جدوجہد کرے۔ یہ جدوجہد ہی اس کے ذمے اس کے خالق اور مالک کا حقِ بندگی ہے اور اسی جدوجہد میں اس کی وفاداری اور غداری کا امتحان ہے۔

تصور مملکت

اسلامی تحریک کا تصور مملکت یہ ہے کہ

— وہ خدا پرستانہ نظام زندگی کی علمبردار ہوتی ہے اور اس کا مقصد وجود ہی خدا پرستی زندگی کے تمام دائروں میں جاری و ساری کرنا ہوتا ہے

— وہ شرف انسانیت پر مبنی بین الانسانی مملکت ہوتی ہے جس میں تمام انسانوں کیلئے تمام بنیادی حقوق مساوی ہوتے ہیں اس کے ماننے والوں کے لیے بھی اور نہ ماننے والوں کیلئے بھی البتہ ریاست کو چلانے کی ذمہ داری اس کے اصولوں کے ماننے والوں پر ہی فطری طور پر ڈالی جا سکتی ہے۔

— اس کا نظام سیاست تمام تر جمہوری ہوتا ہے جس میں وہ حدود الٰہیہ کے اندر عوام کے حقوق اور ان کی رائے کو خصوصی اہمیت حاصل ہوتی ہے اور ان کی بہبود ریاست کے اولین فرائض میں شامل ہوتی ہے۔

— یہ کلیتہً خود مختار ریاست نہیں ہوتی بلکہ خدا کے بالاتر احکام کے تابع خلافت ربانی ہوتی ہے جس میں ملک کے تمام باشندے بلکہ بھی الٰہی قوانین میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتے کیونکہ اس کی حیثیت حاکم مطلق کی نہیں بلکہ خلیفہ کی ہوتی ہے اور اسی طرز عمل سے اسلامی تحریک کی قائم کردہ ریاست کی جمہوریت اور مغرب کی جمہوریت میں جوہری فرق واقع ہوتا ہے۔

تحریک کا نصب العین

ایک اسلامی تحریک کا نصب العین ہمیشہ دنیا میں اسلامی نظام کا قیام اور آخرت میں رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے اس تحریک کے نزدیک انسانی زندگی کا خاتمہ قبر کے کنارے پہ نہیں ہوتا بلکہ وہاں سے انسانی زندگی کا دوسرا مستقل دور شروع ہوتا ہے اسلامی تحریک اپنے نصب العین کی وسعت کے اعتبار سے دنیا سے آخرت تک محیط ہے اور اس کے نصب العین کا ایک حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ وہ انسان کو اطمینان قلبی سے بھر دیتی ہے

معاشرے میں تحریک کا مقام

انسانی معاشرے میں اسلامی تحریک کا مقام نقطۂ اعتدال پر ہے یہ گروہ امت وسط کہلاتا ہے اپنے پروگرام، طرز عمل، کردار اور تعلیمات کے اعتبار سے یہ تحریک انسانی ضمیر کے انتہائی معتدل اور متوسط مقام پر واقع ہے ہر معاشرے کے سعید فطرت افراد اسی کی طرف نہایت آسانی سے کھنچ کر آ جاتے ہیں جو کسی قسم کے تعصبات میں مبتلا نہیں ہوتے۔ نظام باطل کے چہیتے نہیں ہوتے۔ اپنی قوت بازو سے حلال رزق کماتے اور شریفانہ زندگی گزارتے ہیں وہ سب نہایت آسانی سے اس کی گود میں آجاتے ہیں اسی لیے ہر نظام باطل

ہے آج بھی انسانوں کی بستیوں اور آبادیوں میں نیکی، بھلائی اور شرافت کا جو کھرا ہوا سرمایہ پایا جاتا ہے وہ تاریخ کے مختلف ادوار میں اسی تحریک کی چھوڑی ہوئی پاکیزہ میراث ہے۔ وحدت انسانیت وحدت کائنات اور وحدت الٰہ اس تحریک کا معروف نعرہ ہے یہ تحریک جس قوم میں بھی برپا ہوا اس میں اس کی حیثیت قوم میں ریڑھ کی ہڈی کی ہوتی اور دنیا کی خرابیوں کا علاج اسی کی تنظیم اور پروگرام میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ تحریک اسلامی کی تنظیم کے بارے میں دور حاضر کی تحریک اسلامی کے بانی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے خوب کہا ہے کہ۔

دنیا کی خرابی کا علاج یہ ہے کہ صالحین کی ایک جماعت منظم کی جائے جو خداترس بھی ہو، راست باز اور دیانتدار بھی، خدا کے پسندیدہ اوصاف و اخلاق سے آراستہ ہو اور اس کے ساتھ دنیا کے حالات کو دنیا داروں سے زیادہ اچھی طرح سمجھے اور خود دنیا داری میں اپنی مہارت وقابلیت سے ان کو شکست دے سکے۔ بداخلاق اور بے اصول لوگوں کے لیے دنیا کی چراگاہ بس اسی وقت تک، چرلینے کی مہلت ہے۔ جب تک ایسا ایک گروہ تیار نہیں ہوجاتا۔ اس کی تیاری کے بعد فساق وفجار کا چراغ اس کے سامنے جل نہ سکے گا۔۔۔۔ یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ انقلاب کس طرح رونما ہوگا لیکن جس طرح مجھے کل سورج کے طلوع ہونے کا یقین ہے اتنا ہی اس کا یقین بھی ہے کہ یہ انقلاب بہر حال رونما ہوکر رہیگا۔

اب میں اس تحریک کے نمایاں ترین خدوخال ترتیب وار بیان کرتا ہوں تاکہ ایسی اہم تحریک کی شناخت کرنے میں کسی کو بھی کوئی شک وشبہ لاحق نہ ہو۔ کیونکہ انسانیت کی فلاح اور خسران اس تحریک کی شناخت پر ہی مبنی ہے۔

حاکمیت کا تصور

ہر تحریک میں اہم ترین چیز اس کے اندر حاکمیت کا تصور ہوتا ہے کیونکہ ہر تحریک ایک ریاست کی تشکیل کی طرف اقدام کرتی ہے اور ایک ریاست اور منظم اجتماعی معاشرے میں حاکمیت تصور اس کی ساری اجتماعی زندگی تہذیب وتمدن، تعلیم وتربیت اور انفرادی واجتماعی کردار کی صورت گری کرتا ہے۔ اسلامی تحریک دنیا کی واحد تحریک ہے جو حقیقی طور پر اپنے خالص اور بے آمیز عقیدے سے اللہ کی حاکمیت کی علمبردار ہے دنیا میں حاکمیت کے تمام تصورات میں یہ ایک انوکھا تصور ہے۔ دنیا کی تمام دوسری تحریکیں حاکمیت کو تقسیم کرتی ہیں کوئی رنگ نسل قبیلہ افراد گروہ اور خاندان میں اسے محدود کرتی ہے اور کوئی کسی خاص طبقہ کیلئے اسے مخصوص کرتی ہے لیکن اسلامی تحریک ہی وہ واحد تحریک ہے جو حاکمیت کو صرف خدا کے لئے وقف کرنے کا اعلان کرتی ہے اور سارے اختیارات کا سرچشمہ اسی کی ذات کو قرار دے کر بندوں کے لیئے نیابت کا اصول پیش کرتی ہے

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ

بیشک اختیار اللہ کے سوا کسی کا نہیں خبردار خلق بھی اللہ ہی کی ہے اور حکم بھی اسی کا

یہ وہ واضح طرز عمل اور استدلال کی بنیاد ہے جس پر اسلامی تحریک میں حاکمیت کا مسئلہ طے ہوتا ہے اور اسی تصور کے اندر سے اسلامی تحریک کا نصب العین، طریق کار، پروگرام، اخلاق، نظام تربیت اور کارکنوں کے اوصاف نمودار ہوتے ہیں۔

مقام رسالت

اسلامی تحریک میں حاکمیت کا مقام ایک بالاتر ذات اور مالک الملک ہستی کے حوالے ہونے کے بعد احکام کے حصول اور اطاعت کے نظام کو مربوط کرنے کا واحد ذریعہ تحریک میں رسالت کا تصور ہے یعنی حقیقی بادشاہ اور حاکم اعلیٰ کا نمائندہ جو بندوں کے مالک اور بادشاہ کا پیغام ان تک پہنچائے اس کی مرضی سے ان کو آگاہ کرے اور یہ بتائے کہ وہ کن باتوں سے روکتا ہے اور کن باتوں پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیتا ہے۔ اس سے آگاہی کے لئے خدا کا نمائندہ رسول ہے اور وحی والہام خدائی پیغام پہنچنے کا ذریعہ ہے اسی لئے سب سے پہلے یہ بات رسول ہی جانتا ہے کہ حاکم اعلیٰ نے کیا حکم دیا ہے اور کس بات سے منع کیا ہے اور وہ اپنی رعایا سے کس طرز عمل کا طالب ہے اسی کے پیش نظر رسول کی بلاچون وچرا اطاعت ایمان کے لئے شرط اول ہے اور اس سے محبت اور اس پر مال وجان قربان کردینے کا پختہ عزم ایمان کی شرائط میں شامل ہے اس سلسلے میں حاکم اعلیٰ نے رسول کی بالاتر پوزیشن کو خود واضح کردیا ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ

ترجمہ:۔ ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اس لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے۔

اس لیے تحریک اسلامی کا حقیقی رہنما رسول ہی ہوتا ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی قیامت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہر دور کی اسلامی تحریک کے حقیقی رہنما ہیں اور انھیں کے احکام اور ارشادات، طرز عمل اور اسوۂ مبارکہ کو اسلامی تحریک کے پروگرام میں حجت اور سند کی حیثیت حاصل ہوتی ہے رسول کی شخصی غیر موجودگی میں وہی شخص ایسی تحریک کا رہنما اور قائد ہو سکتا ہے جو خدا کے احکام اور رسول کی تعلیمات پر سب سے زیادہ عمل پیرا ہو اور خدا اور رسول کے دیئے ہوئے نظام زندگی کا سب سے بہتر فہم رکھتا اور دین کی حکمت اور تدبیر کار سے آگاہ ہو۔

خلافت انسانی

اسلامی تحریک میں انسان کا تصور یہ نہیں ہے کہ وہ حیوانات کی مختلف انواع میں سے بتدریج ترقی کرتا ہوا ــــ بالآخر انسان بن گیا ہے بلکہ یہ ہے کہ انسان کو اول روز ہی انسان اور اشرف المخلوقات بنا کر پیدا کیا ہے اور اسے براہِ راست تخلیق ربانی کے ذریعے نیکی اور بدی کا علم، ذوق ضمیر اور فطرت دیکر بھیجا گیا ہے اسے زمین پر خدا کا خلیفہ مقرر کیا گیا ہے۔ اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃ۔ اور اس کا مقصد زندگی یہ قرار دیا گیا ہے کہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اپنے حقیقی بادشاہ کے تمام احکام کو نافذ کرے اور ساری دنیا میں ان کے نفاذ کی جدوجہد کرے۔ یہ جدوجہد ہی اس کے ذمے اس کے خالق اور مالک کا حقِ بندگی ہے اور اسی جدوجہد میں اس کی وفاداری اور غداری کا امتحان ہے۔

تصور مملکت

اسلامی تحریک کا تصور مملکت یہ ہے کہ ــــ وہ خدا پرستانہ نظام زندگی کی علمبردار ہوتی ہے اور اس کا مقصد وجود ہی خدا پرستی زندگی کے تمام دائروں میں جاری و ساری کرنا ہوتا ہے

ــــ وہ شرف انسانیت پر مبنی بین الانسانی مملکت ہوتی ہے جس میں تمام انسانوں کیلئے تمام بنیادی حقوق مساوی ہوتے ہیں اس کے ماننے والوں کے لئے بھی اور نہ ماننے والوں کیلئے بھی البتہ ریاست کو چلانے کی ذمہ داری اس کے اصولوں کے ماننے والوں پر ہی فطری طور پر ڈالی جا سکتی ہے۔

ــــ اس کا نظام سیاست تمام تر جمہوری ہوتا ہے جس میں وہ حدود الٰہیہ کے اندر عوام کے حقوق اور ان کی رائے کو خصوصی اہمیت حاصل ہوتی ہے اور ان کی بہبود ریاست کے اولین فرائض میں شامل ہوتی ہے۔

ــــ یہ کلیۃً خود مختار ریاست نہیں ہوتی بلکہ خدا کے بالاتر احکام کے تابع خلافت ربانی ہوتی ہے جس میں ملک کے تمام باشندے بلکہ بھی الٰہی قوانین میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتے کیونکہ اس کی حیثیت حاکم مطلق کی نہیں بلکہ خلیفہ کی ہوتی ہے اور اسی طرز عمل سے اسلامی تحریک کی قائم کردہ ریاست کی جمہوریت اور مغرب کی جمہوریت میں جوہری فرق واقع ہوتا ہے۔

تحریک کا نصب العین

ایک اسلامی تحریک کا نصب العین ہمیشہ دنیا میں اسلامی نظام کا قیام اور آخرت میں رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے اس تحریک کے نزدیک انسانی زندگی کا خاتمہ قبر کے کنارے پر نہیں ہوتا بلکہ وہاں سے انسانی زندگی کا دوسرا مستقل دور شروع ہوتا ہے اسلامی تحریک اپنے نصب العین کی وسعت کے اعتبار سے دنیا سے آخرت تک محیط ہے اور اس کے نصب العین کا ایک حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ وہ انسان کو اطمینان قلبی سے بھر دیتی ہے

معاشرے میں تحریک کا مقام

انسانی معاشرے میں اسلامی تحریک کا مقام نقطۂ اعتدال پر ہے یہ گروہ امت وسط کہلاتا ہے اپنے پروگرام، طرز عمل، کردار اور تعلیمات کے اعتبار سے یہ تحریک انسانی ضمیر کے انتہائی معتدل اور متوسط مقام پر واقع ہے ہر معاشرے کے سعید فطرت افراد اس کی طرف نہایت آسانی سے کھنچ آتے ہیں جو کسی قسم کے تعصبات میں مبتلا نہیں ہوتے۔ نظام باطل کے چھیتے نہیں ہوتے۔ اپنی قوت بازو سے حلال رزق کماتے اور شریفانہ زندگی گزارتے ہیں وہ سب نہایت آسانی سے اس کی گود میں آجاتے ہیں اسی لیے ہر نظام باطل

اپنے دائرے میں ایسے افراد کا مسلسل قلع قمع کرتا رہتا ہے تاکہ اسلامی تحریک کو کارکن فراہم نہ ہوسکیں لیکن تخلیق کے عمل میں باطل کا کوئی دخل نہیں ہے۔

جب کسی معاشرے میں کوئی اسلامی تحریک اٹھتی ہے تو اس کی مخالفت ہر طرف سے ہوتی ہے انتہائی دنیادار اور بگڑے ہوئے افراد کی طرف سے اس کی مخالفت ایک فطری بات ہے نظام باطل کے سربراہوں کی طرف سے حملہ ہونا بھی ناگزیر ہے لیکن مذہبی طبقوں میں بھی ایک خاص تعداد اس کی مخالفت کے لیے ہمیشہ ضرور ہی نکلتی ہے اس کی ایک وجہ یہ ہوتی ہے کہ نظام باطل اپنے غلبے کے زور سے معاشرے کے ہر طبقے میں سے اپنا حصہ وصول کرتا ہے اور جب کوئی معاشرہ باطل کے سامنے گھٹنے ٹیک کر اس کی سیادت و فرمانروائی پر راضی ہوچکا ہو تو ظاہر ہے کہ باطل اپنے زور اور زر دونوں ذرائع سے ہر بستی اور معاشرے کے ہر طبقے میں سے اپنے مطلب کے آدمی برآمد کرلیتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ باطل کا غلبہ ہر طبقہ کو نقطۂ اعتدال سے ہٹا دیتا ہے چونکہ باطل، معاشرے میں بحیثیت مجموعی افراط و تفریط اور فساد پیدا کیے بغیر نہیں رہ سکتا اس لیے جب بھی ایک اسلامی تحریک نمودار ہوتی ہے۔ جو ہمیشہ نقطۂ اعتدال پر کھڑی ہوتی ہے اور اسی مقام سے اپنے کام کا آغاز کرتی ہے تو دنیاداروں سے لیکر مذہبی لوگوں تک ہر ایک اسے اپنے مقام انحراف سے ہی دیکھتا ہے اور اسے اپنے سے مختلف پاکر اختلاف کرتا ہے۔ اس کا اپنا مقام انحراف ہی اس کا نقطۂ اختلاف بن جاتا ہے اس لیے ایک تحریک کے اسلامی ہونے کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ بڑے بڑے پرانے باہمی مخالف گروہ اس کی مخالفت میں ہم آواز ہوجاتے ہیں۔ یہ حیرت انگیز تضاد کھل کر بہت جلد سامنے آجاتا ہے اور اس تضاد کو دیکھ کر ہی ہر سلیم الطبع شخص تحریک اسلامی کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے۔

نظام اطاعت

تحریک اسلامی میں جہاں اطاعتِ امر عبادت الٰہی کے دائرے میں شامل اور کار ثواب ہے وہاں اسے معروف کے ساتھ مشروط بھی کردیا گیا ہے اور معروف وہ ہے جو خدا اور رسول کے احکام سے ثابت ہو اس لیے اسلامی تحریک کا نظام جماعت جہاں بہترین مطیع فرمان کارکن فراہم کرلیتا ہے جو اپنی آخرت کے نقطۂ نظر سے سخت سے سخت احکام سنتے اور مانتے ہیں وہاں ایسے باشعور کارکن بھی تیار کرتا ہے جو تحریک کی قیادت کو راہِ مستقیم سے منحرف ہونے نہیں دیتے آنکھیں کھول کر اس کے پورے طرز عمل کا جائزہ لیتے رہتے ہیں اور اپنے علم و فراست کی روشنی میں اسے تولتے رہتے ہیں اور جہاں اسے جادہ معروف سے ذرا بھی ہٹتے ہوئے دیکھتے ہیں وہاں ایک طرف اس کی اطاعت سے انکار کردیتے ہیں اور دوسری طرف اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے سیدھے راستے پر قائم کردیتے ہیں یہ وہ خوبی اور قوت ہے جو کسی دوسری تحریک کو حاصل نہیں ہوتی کہ رہنمائی آگے سے بھی ہوتی ہے اور نگرانی پیچھے سے بھی ہوتی ہے اور مل جل کر پوری ہوشمندی کے ساتھ نصب العین کی منزل کی طرف پیش قدمی کیجاتی ہے۔

شورائی نظام

تحریک اسلامی میں سارے ہی کام مشورے سے طے کیے جاتے ہیں اور پورا نظام جماعت اس طرح مرتب کیا جاتا ہے کہ مشورے کا اہتمام نیچے سے اوپر تک برابر قائم رہتا ہے اس لیے کہ مومنین کی صفت یہی یہ بیان کی گئی ہے کہ،۔ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ اور یہ کہ أَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ۔ چنانچہ وہ اپنے سارے معاملات ہر سطح پر مشورے سے طے کرتے ہیں اسی میں وہ تائید ربانی اور برکت محسوس کرتے ہیں اور مشترکہ ذمہ داری سے ہی بہترین اجتماعی نتائج برآمد ہوتے ہیں اور مل جل کر کام کرنے کا داعیہ اور جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

معیار فضیلت

اس تحریک میں عام دنیوی تحریکوں کے معیاراتِ قیادت کے مقابلے میں افراد کی فضیلت اور رہنمائی کا معیار بالکل مختلف ہے۔ دوسروں کے ہاں جاگیر، مال، موٹر، مکانات، شہرت، سرداری، نسل، جتھہ بندی اور اقتدار بڑائی کا معیار ہے لیکن اسلامی تحریک میں یہ سارے معیار پست شمار ہوتے ہیں یہاں کا معیار ہے۔ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ۔ جو سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا دین کا خادم رسول کا سچا پیروکار اور سب سے بڑھ کر ایثار و قربانی کرنے اور اس راہ میں جان کھپانے والا ہے وہی مقام رہنمائی پر فائز ہوتا ہے اور اسی معیار سے رہنمائی کے سارے مقام

پر کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسرا ہر معیار جاہلی معیار تصور ہوتا ہے یہی سبب ہے کہ باطل میں بلند مناصب پر فائز لوگوں کیلئے بالعموم فقرا کی اس تحریک کے اندر داخل ہونے میں بڑی رکاوٹیں پیش آتی ہیں اور ہنی بنائی شخصیتوں کے بت راستہ روک کر کھڑے ہو جاتے ہیں جو شخص شخصیت کے اس بت کو خود اپنے ایثار قربانی کے گرز سے توڑ کر آگے آسکتا ہے اس کے لیے فضیلت کے راستے کھل جاتے ہیں اور جو اپنی باطل کی بنائی ہوئی شخصیت کو ہمراہ لیکر آنا چاہتا ہے وہ برسوں تحریک کے دروازے پر ہی بیٹھا رہتا ہے اور اسے دروازے کے اندر قدم رکھنے کی توفیق نصیب نہیں ہوتی

مناصب کی کشمکش سے پاک اجتماعیت

دنیا میں ایک اسلامی تحریک ہی واحد گروہ ہے جو مناصب کی کشمکش سے پاک اجتماعی نظام رکھتا ہے یہاں منصب کی طلب نااہلی کی علامت اور خدا کی تائید سے محروم کر دینے والی نحوست ہے یہاں کہنی مار کر آگے بڑھنے والوں کیلئے کوئی مقام نہیں ہے یہاں قربانی کرنے والوں اور بے لوث، بے غرض اور بے نفس لوگوں کی قدر و قیمت ہے یہاں مسجد میں خدا کے حضور صف بندی کا ماحول ہے جو پہلے آیا یا کیز گئی قلب سے آیا وہ آگے کھڑا ہوگا جو بعد میں آیا پیچھے کھڑا ہوگا پھر اپنی اپنی صفات کے زور سے ترقی کر کے وہ تحریک کی سربراہی کے مقام تک بھی پہنچ سکتا ہے یہاں وہ شخص سب سے زیادہ غیر موزوں اور تحریک کی روح کو برباد کر دینے والا ہے جو منصب کی طلب رکھے یہاں کا ماحول گروہ بندی جتھہ بندی اور جوڑ توڑ سے پاک صاف ماحول ہوتا ہے اور ایسی فضا کا ہرگز متحمل نہیں ہو سکتا۔

تحریک کا رہنما کردار

تحریک اسلامی میں محض چرب زبانی کھوکھلے دعاوی اور دعووں سے کام نہیں چلتا بلکہ ٹھوس کام مطلوب ہوتا ہے اس کا رہنما کردار ہمیشہ عزیمت کا پیکر ہوتا ہے اور اس کی نگاہ اپنے بلند ترین نصب العین کے حصول پر جمی رہتی ہے درمیانی مراحل کی کوئی مصیبت یا کسی دنیوی منصب کا لالچ نہ اسے اپنے مقام عزیمت سے ہٹا سکتا ہے اور نہ الجھا سکتا ہے حضورؐ کے پاس قریش کا وفد اقتدار، زر اور زن کی پیشکش لیکر آتا ہے تو یہ جواب پاتا ہے۔

اگر تم میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے پر سورج بھی لاکر رکھدو تو میں اس کام سے باز نہ آؤں گا یا یہ کام تکمیل کو پہنچے گا یا میری جان اس راہ میں کھپ جائے گی۔

تحریک مجاہدین کا رہنما ان الفاظ میں اپنی بے لوث فداکاری کا اظہار کرتا ہے "میں ہفت اقلیم کی سلطانی کو پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دیتا۔ جب نصرت دین کا دور شروع ہوگا اور خدا کے سرکشوں کی جڑ کٹ جائے گی تو میری سعی کا تیر خود بخود نشانہ مراد پر جا بیٹھے گا۔ میں نے خدا کے سوا ہر چیز کی طرف سے آنکھیں اور کان بند کر لیے ہیں خدا کے سوا کسی کی جستجو اور خوشنودی طلب نہیں رہی تاج فریدوں اور تخت سکندر میری نظروں میں جَو کے برابر بھی نہیں ہیں صرف یہ آرزو ہے کہ دنیا کے تمام خطوں میں رب العلمین کے احکام جاری ہو جائیں

موجودہ دور کی تحریک اسلامی کا داعی یہ کہتا ہے۔

میرے لیے تو یہ تحریک عین مقصد زندگی ہے۔ میرا مرنا اور جینا اس کیلئے ہے کوئی اس راہ پر چلنے کیلئے تیار ہو یا نہ ہو بہر حال مجھے تو اسی راہ پر چلنا اور اسی راہ میں جان دینا ہے کوئی آگے نہ بڑھے گا تو میں بڑھوں گا کوئی ساتھ نہ دیگا تو اکیلا چلوں گا ساری دنیا متحد ہو کر مخالفت کرے گی تو مجھے تن تنہا اس سے لڑنے میں بھی باک نہ ہوگا۔"

تحریک اسلامی ایک نظام اخوت

ہر اسلامی، تحریک اپنے اندر ایک ایسا نظام اخوت رکھتی ہے جو اس کے پیرووں کو ایک مضبوط بھائی چارے میں پرو کر بنیان مرصوص بنا دیتا ہے باہم ایک دوسرے پر سلامتی اور رحمت بھیجنے کا معمول ایک دوسرے کے چھینکنے پر رحمت کی دعا، باہمی دعوتیں دینا اور انھیں قبول کرنے کا اہتمام بیماری میں ایک دوسرے کی عیادت اور غمخواری۔ جنازے میں شرکت کا التزام۔ ایک دوسرے کیلئے آئینہ کی مانند ہونا اور اس کے عیبوں سے اسے پوری ہمدردی اور محبت سے آگاہ کر کے اس میں خوبیاں پیدا کرنے کی کوشش کرنا۔ ایک دوسرے کے نقصان کو رفع کرنا۔ بہترین مخلصانہ مشورہ دینا۔ کسی کی غیر حاضری میں اسکے گھر کی حفاظت اور اس کے اہل و عیال کی خبر گیری کرنا۔ اپنے ہمسایوں

اپنے دائرے میں ایسے افراد کا مسلسل قلع قمع کرتا رہتا ہے تاکہ اسلامی تحریک کو کارکن فراہم نہ ہوسکیں لیکن تخلیق کے عمل میں باطل کا کوئی دخل نہیں ہے۔

جب کسی معاشرے میں کوئی اسلامی تحریک اٹھتی ہے تو اس کی مخالفت ہر طرف سے ہوتی ہے انتہائی دنیا دار اور بگڑے ہوئے افراد کی طرف سے اس کی مخالفت ایک فطری بات ہے نظام باطل کے سربراہوں کی طرف سے حملہ ہونا بھی ناگزیر ہے لیکن مذہبی طبقوں میں بھی ایک خاص تعداد اس کی مخالفت کے لیئے ہمیشہ ضرور ہی نکلتی ہے اس کی ایک وجہ یہ ہوتی ہے کہ نظام باطل اپنے غلبے کے زور سے معاشرے کے ہر طبقے میں سے اپنا حصہ وصول کرتا ہے اور جب کوئی معاشرہ باطل کے سامنے گھٹنے ٹیک کر اس کی سیادت و فرمانروائی پر راضی ہوچکا ہو تو ظاہر ہے کہ باطل اپنے زور اور زر دونوں ذرائع سے ہر بستی اور معاشرے کے ہر طبقے میں سے اپنے مطلب کے آدمی برآمد کرلیتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ باطل کا غلبہ ہر طبقہ کو نقطۂ اعتدال سے ہٹا دیتا ہے چونکہ باطل، معاشرے میں بحیثیت مجموعی افراط و تفریط اور فساد پیدا کیئے بغیر نہیں رہ سکتا اس لیئے جب کبھی ایک اسلامی تحریک نمودار ہوتی ہے۔ جو ہمیشہ نقطۂ اعتدال پر کھڑی ہوتی ہے اور اسی مقام سے اپنے کام کا آغاز کرتی ہے تو دنیا داروں سے لیکر مذہبی لوگوں تک ہر ایک اسے اپنے مقام انحراف سے ہی دیکھتا ہے اور اسے اپنے سے مختلف پاکر اختلاف کرتا ہے۔ اس کا اپنا مقام انحراف ہی اس کا نقطۂ اختلاف بن جاتا ہے اس لیئے ایک تحریک کے اسلامی ہونے کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ بڑے بڑے پرانے باہمی مخالف گروہ اس کی مخالفت میں ہم آواز ہوجاتے ہیں۔ یہ حیرت انگیز تضاد کھل کر بہت جلد سامنے آجاتا ہے اور اس تضاد کو دیکھ کر ہی ہر سلیم الطبع شخص تحریک اسلامی کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے۔

نظام اطاعت

تحریک اسلامی میں جہاں اطاعتِ امر عبادت الٰہی کے دائرے میں شامل اور کار ثواب ہے وہاں اسے معروف کے ساتھ مشروط بھی کردیا گیا ہے اور معروف وہ ہے جو خدا اور رسول کے احکام سے ثابت ہو اس لیئے اسلامی تحریک کا نظام جماعت جہاں بہترین مطیع فرمان کارکن فراہم کرلیتا ہے جو اپنی آخرت کے نقطۂ نظر سے سخت سے سخت احکام سنتے اور مانتے ہیں وہاں ایسے باشعور کارکن بھی تیار کرتا ہے جو تحریک کی قیادت کو راہِ مستقیم سے منحرف ہونے نہیں دیتے آنکھیں کھول کر اس کے پورے طرز عمل کا جائزہ لیتے رہتے ہیں اور اپنے علم و فراست کی روشنی میں اسے تولتے رہتے ہیں اور جہاں اسے جادہ معروف سے ذرا بھی ہٹتے ہوئے دیکھتے ہیں وہاں ایک طرف اس کی اطاعت سے انکار کردیتے ہیں اور دوسری طرف اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے سیدھے راستے پر قائم کردیتے ہیں یہ وہ خوبی اور قوت ہے جو کسی دوسری تحریک کو حاصل نہیں ہوتی کہ رہنمائی آگے سے بھی ہوتی ہے اور نگرانی پیچھے سے بھی ہوتی ہے اور مل جل کر پوری ہوشمندی کے ساتھ نصب العین کی منزل کی طرف پیش قدمی کیجاتی ہے۔

شورائی نظام

تحریک اسلامی میں سارے ہی کام مشورے سے طے کیئے جاتے ہیں اور پورا نظام جماعت اس طرح مرتب کیا جاتا ہے کہ مشورے کا اہتمام نیچے سے اوپر تک برابر قائم رہتا ہے اس لیئے کہ مومنین کی صفت ہی یہ بیان کی گئی ہے کہ:۔ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ اور یہ کہ أَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ۔ چنانچہ وہ اپنے سارے معاملات ہر سطح پر مشورے سے طے کرتے ہیں اسی میں وہ تائید ربانی اور برکت محسوس کرتے ہیں اور مشترکہ ذمہ داری سے ہی بہترین اجتماعی نتائج برآمد ہوتے ہیں اور مل جل کر کام کرنیکا داعیہ اور جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

معیار فضیلت

اس تحریک میں عام دنیوی تحریکوں کے معیاراتِ قیادت کے مقابلے میں افراد کی فضیلت اور رہنمائی کا معیار بالکل مختلف ہے۔ دوسروں کے ہاں جاگیر، مال، موٹر، مکانات، شہرت، سرداری، نسل، جتھہ بندی اور اقتدار پرستی کا معیار ہے لیکن اسلامی تحریک میں یہ سارے معیار پست شمار ہوتے ہیں۔ یہاں کا معیار ہے۔ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ۔ جو سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا دین کا خادم رسول کا سچا پیروکار اور سب سے بڑھ کر ایثار و قربانی کرنے اور اس راہ میں جان کھپانے والا ہے وہی مقام رہنمائی پر فائز ہوتا ہے اور اسی معیار سے رہنمائی کے سارے مقام

پر کئے جاتے ہیں. اس کے علاوہ دوسرا ہر معیار جاہلی معیار تصور ہوتا ہے یہی سبب ہے کہ باطل میں بلند مناصب پر فائز لوگوں کیلئے بالعموم فقرا کی اس تحریک کے اندر داخل ہونے میں بڑی رکاوٹیں پیش آتی ہیں اور یہی بنائی شخصیتوں کے بت راستہ روک کر کھڑے ہو جاتے ہیں جو شخص شخصیت کے اس بت کو خود اپنے ایثار قربانی کے گرز سے توڑ کر آگے آسکتا ہے اس کے لیئے فضیلت کے راستے کھل جاتے ہیں اور جو اپنی باطل کی بنائی ہوئی شخصیت کو ہمراہ لیکر آنا چاہتا ہے وہ برسوں تحریک کے دروازے پر ہی بیٹھا رہتا ہے اور اسے دروازے کے اندر قدم رکھنے کی توفیق نصیب نہیں ہوتی

مناصب کی کشمکش سے پاک اجتماعیت

دنیا میں ایک اسلامی تحریک ہی واحد گروہ ہے جو مناصب کی کشمکش سے پاک اجتماعی نظام رکھتا ہے یہاں منصب کی طلب نا اہلی کی علامت اور خدا کی تائید سے محروم کر دینے والی نحوست ہے یہاں کہنی مار کر آگے بڑھنے والوں کیلئے کوئی مقام نہیں ہے یہاں قربانی کرنے والوں اور بے لوث، بے غرض اور بے نفس لوگوں کی قدر وقیمت ہے یہاں مسجد میں خدا کے حضور صف بندی کا ماحول ہے جو پہلے آیا یا کیز گئی قلب سے آیا وہ آگے کھڑا ہوگا جو بعد میں آیا پیچھے کھڑا ہوگا پھر اپنی اپنی صفات کے زور سے ترقی کرکے وہ تحریک کی سربراہی کے مقام تک بھی پہنچ سکتا ہے یہاں وہ شخص سب سے زیادہ غیر موزوں اور تحریک کی روح کو برباد کر دینے والا ہے جو منصب کی طلب رکھے یہاں کا ماحول گروہ بندی جتھہ بندی اور جوڑ توڑ سے پاک صاف ماحول ہوتا ہے اور ایسی فضا کا ہرگز متحمل نہیں ہو سکتا۔

تحریک کا رہنما کردار

تحریک اسلامی میں محض چرب زبانی کھوکھلے وعدوں اور دعووں سے کام نہیں چلتا بلکہ ٹھوس کام مطلوب ہوتا ہے اس کا رہنما کردار ہمیشہ عزیمت کا پیکر ہوتا ہے اور اس کی نگاہ اپنے بلند ترین نصب العین کے حصول پر جمی رہتی ہے درمیانی مراحل کی کوئی مصیبت یا کسی دنیوی منصب کا لالچ نہ اسے اپنے مقام عزیمت سے ہٹا سکتا ہے اور نہ الجھا سکتا ہے حضورؐ کے پاس قریش کا وفد اقتدار، زر اور زن کی پیشکش لیکر آتا ہے تو یہ جواب پاتا ہے۔

اگر تم میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے پر سورج بھی لاکر رکھدو تو میں اس کام سے باز نہ آؤں گا یا یہ کام تکمیل کو پہنچے گا یا میری جان اس راہ میں کھپ جائے گی.

تحریک مجاہدین کا رہنما ان الفاظ میں اپنی بے لوث فداکاری کا اظہار کرتا ہے "میں ہفت اقلیم کی سلطانی کو پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دیتا. جب نصرت دین کا دور شروع ہوگا اور خدا کے سرکشوں کی جڑ کٹ جائے گی تو میری سعی کا تیر خود بخود نشانہ مراد پر جا بیٹھے گا. میں نے خدا کے سوا ہر چیز کی طرف سے آنکھیں اور کان بند کر لیئے ہیں خدا کے سوا کسی کی جستجو اور خوشنودی طلب نہیں رہی تاج فریدوں اور تخت سکندر میری نظروں میں جو کے برابر بھی نہیں ہیں صرف یہ آرزو ہے کہ دنیا کے تمام خطوں میں رب العلمین کے احکام جاری ہو جائیں

موجودہ دور کی تحریک اسلامی کا داعی یہ کہتا ہے.

میرے لیئے تو یہ تحریک عین مقصد زندگی ہے. میرا مرنا اور جینا اس کیلئے ہے کوئی اس راہ پر چلنے کیلئے تیار ہو یا نہ ہو بہر حال مجھے تو اسی راہ پر چلنا اور اسی راہ میں جان دینا ہے کوئی آگے نہ بڑھے تو میں بڑھوں گا کوئی ساتھ نہ دیگا تو اکیلا چلوں گا ساری دنیا متحد ہوکر مخالفت کرے گی تو مجھے تن تنہا اس سے لڑنے میں بھی باک نہ ہوگا"

تحریک اسلامی ایک نظام اخوت

ہر اسلامی، تحریک اپنے اندر ایک ایسا نظام اخوت رکھتی ہے جو اس کے پیرووں کو ایک مضبوط بھائی چارے میں پرو کر بنیان مرصوص بنا دیتا ہے باہم ایک دوسرے پر سلامتی اور رحمت بھیجنے کا معمول ایک دوسرے کے چھینکنے پر رحمت کی دعا، باہمی دعوتیں دینا اور انھیں قبول کرنیکا اہتمام بیماری میں ایک دوسرے کی عیادت اور غمخواری. جنازے میں شرکت کا التزام. ایک دوسرے کیلئے آئینہ کی مانند ہونا اور اس کے عیبوں سے اسے پوری ہمدردی اور محبت سے آگاہ کرکے اس میں خوبیاں پیدا کرنے کی کوشش کرنا. ایک دوسرے کے نقصان کو رفع کرنا. بہترین مخلصانہ مشورہ دینا. کسی کی غیر حاضری میں اسکے گھر کی حفاظت اور اس کے اہل وعیال کی خبر گیری کرنا. اپنے ہمسایوں

کے حقوق کا لحاظ کرنا اور ان کی پوری پوری نگہداشت کرنا۔ اس کے مقابلے میں دوسری تحریکیں مادی مسابقت، مناصب کی کشمکش اور باہمی بے تعلقی اور بے نیازی پر مبنی ہوتی ہیں اور ان کے کارکنوں سے لے کر رہنماؤں تک کسی بھی ایک دوسرے کے ساتھ مخلصانہ تعلق نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ اسلامی تحریک ایک بدترین خودغرضانہ ماحول کے درمیان رہتے ہوئے بھی اپنے جماعتی نظام میں ایک ایسا برادرانہ خوشگوار ماحول پیدا کر دیتی ہے جو پیاسوں کیلئے چشمے کی مانند ٹھنڈا اور تپتے صحراؤں میں سایہ دار درخت کی مانند خنک، پرسکون اور روح افزا ہوتا ہے۔

تحریک کا طریق کار

اسلامی تحریک کا طریق کار پر امن جمہوری غیر خفیہ اور تدریجی ہوتا ہے وہ معاشرے میں فساد برپا نہیں کرتی بلکہ فساد کو اصلاح سے بدلتی ہے وہ عوام کو تبلیغ و تلقین سے اپنے نصب العین کی طرف بلاتی ہے اور معاشرے کے آئینی اور قانونی ڈھانچے کے اندر رہ کر علانیہ اصلاح کی دعوت دیتی ہے اس میں جبر و تشدد کا شائبہ تک بھی نہیں ہوتا ایک ایک سوال اور اعتراض کا جواب دیا جاتا ہے اور ہر شبہے کا ازالہ کیا جاتا ہے وہ ذہنوں کو مطمئن کر کے دلوں کو اپیل کرتی ہے۔ اس کا سارا کام معاشرے کی جمہوری سطح پر غیر خفیہ انداز میں کھلم کھلا انجام پاتا ہے اس میں سازش کیلئے کوئی جگہ نہیں ہوتی یہ جمہوری اور دعوتی عمل تدریجی سے آگے بڑھتا رہتا ہے یہی سبب ہے کہ افہام و تفہیم سے آئے ہوئے لوگ اپنے پورے اطمینان دل و دماغ کے ساتھ آتے ہیں اور پوری صلاحیتیں اور قوتیں اپنے ساتھ لاتے ہیں اسی طریق کار نتیجہ ہے کہ عرب میں جب یہ تحریک اپنی ۲۳ سالہ جد و جہد کے نتیجہ میں اسلامی انقلاب لائی تو اس ساری انقلابی جد و جہد کے دوران دو طرفہ جنگی کشمکشوں میں کام آنیوالے افراد کی تعداد تاریخ کے ریکارڈ کی رو سے ۱۲۰۰ سے زائد نہیں ہے جب کہ فساد، جبر و تشدد اور خفیہ سازشوں کے ذریعے فوری تبدیلی لانے کی کوشش نے انقلاب فرانس میں بیس لاکھ سے زائد افراد کی جان لی اور روس کے طبقاتی اشتراکی انقلاب میں تو ۶۰ لاکھ سے زائد مردوں کی نسل اس طرح کٹی کہ شاید پوری انسانیت کی تاریخ میں ایسا خونی انقلاب کبھی نہ آیا ہوگا اور اب بھی جہاں اشتراکیت آئے گی اپنے ساتھ خون خرابہ لائے گی۔

قوت کا سرچشمہ

تحریک اسلامی کی قوت کا سرچشمہ مادی تحریکوں کے مقابلے میں تین گنا ہوتا ہے تحریک کی مادی قوت جو افراد کے ساتھ فراہم ہوتی ہے اس کی اخلاقی قوت جو اس کے شریفانہ باوقار اور پابند اخلاق طریق کار کے سبب اور کارکنوں کے صالح اور پاکیزہ کردار کے ذریعے اسے حاصل ہوتی ہے اور اللہ پر توکل اور اس کی غیبی امداد کا زبردست اعتقاد جو مومنین کے چھوٹے سے چھوٹے گروہ کو کفار کے بڑے سے بڑے گروہ سے ٹکرا دیتا ہے اور کامیابی ان کے قدم چومتی ہے پوری اسلامی تاریخ اس پر گواہ ہے کہ مادی بے سروسامانی کے باوجود دوسری دو نوں قوتوں کا بھرپور خزانہ اسی طرح اسلامی تحریک کی پشت پر ہوتا ہے کہ اس کی قوت میدان عمل میں کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔

مثالی ریاست کا تصور

تحریک اسلامی کی مثالی ریاست قانون کے سامنے مساوات پر شدت کے ساتھ زور دیتی ہے۔ مدینہ کی اسلامی ریاست میں حضرت کوبؓ بن مالک اور حضرت عمرؓ فاروق خلیفۃ المومنین کا مقدمہ عدالت میں جاتا ہے اول تو دنیا کیلئے یہی حیران کن خبر ہے کہ صدر ریاست ایک عام شہری کے خلاف مدعی بن کر عدالت میں جاتا ہے اپنے اختیارات خصوصی سے کسی شہری سے اپنا حق خود وصول نہیں کر لیتا بلکہ قانونی طریق سے عدالتی چارہ جوئی کرتا ہے۔ عدالت کا جج (حضرت زید بن ثابتؓ) خلیفۂ راشد کے احترام میں اٹھ کر کھڑا ہوتا ہے بس یہی بات خلیفۃ المسلمین کی گرفت کیلئے کافی ہے وہ کہتے ہیں، زید یہ پہلی بے انصافی ہے جو تم نے میرے معاملے میں میرے فریق مخالف کے ساتھ کی ہے۔ ترقی کے اس دور میں بھی آج دنیا کی ساری سلطنتوں کے سربراہ قانونی چارہ جوئی اور عدالت کی حاضری سے مستثنیٰ ہیں لیکن اسلامی ریاست کا سربراہ مدعی اور مدعا علیہ دونوں حالتوں میں حاضر عدالت ہونے کا پابند ہے اور شہریوں کے درمیان قانون کی نظر میں وہ برابر ہے

شہری حقوق کی پاسبانی میں اسلامی ریاست کے صدر کی پالیسی بہت واضح ہے۔

خلیفہ منتخب ہوتے ہی حضرت ابوبکرؓ صدیق شہریوں کے ایک اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"تم میں قوی جو ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے جب تک کہ میں اس سے کمزور کا حق وصول نہ کرلوں اور تم میں سے جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے جبتک میں اسکا حق نہ اسے دلوا دوں"!

اسلامی ریاست کے صدر مملکت کا معیار زندگی حضرت عمرؓ نے خود ہی بتایا ہے۔

"میں خود بتاتا ہوں کہ مجھے مسلمانوں کے بیت المال سے کتنا لینا چاہیئے دو جوڑے کپڑے گرمی اور سردی کیلئے۔ سواری۔ متوسط گھرانے کے گھریلو اخراجات اور ایک ملازم، بس پھر میرا حال وہی ہے جو عام مسلمان کا ہے"!

حالانکہ ترقی کے اس دور میں جب مساوات کے نعرے اور انسانی حقوق کے بلند بانگ دعووں سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ انگلستان کا بادشاہ تہتر لاکھ پچاس ہزار پونڈ سالانہ کے علاوہ اور بہت سے دوسرے الاؤنس بھی حاصل کرتا ہے اور پھر بھی مزید اضافے کیلئے تجاویز بھیجتا رہتا ہے اور امریکہ کا صدر سات کروڑ ڈالر سالانہ میں بھی گزارہ نہیں کر سکتا۔

مقصدِ اقتدار

اسلامی تحریک کیلئے اقتدار تک پہنچنے کا جو مقصد خود اللہ کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے وہ یہ ہے۔ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ۔ یعنی اسلامی تحریک کے علمبردار وہ لوگ ہیں جنھیں اگر زمین میں اقتدار نصیب ہو تو وہ اللہ کا نظام۔ عبودیت قائم کرتے ہیں جس کا بہترین نمونہ نماز ہے وہ اللہ کا دیا ہوا معاشی انصاف کا نظام قائم کرتے ہیں جس کا بہترین نمونہ زکوٰۃ ہے جہاں سود کے ذریعے مال غریبوں سے امیروں کی جیبوں تک نیچے سے اوپر نہیں کھینچا جاتا جس سے معاشرے کی جڑیں ہی خشک ہو کر رہ جائیں بلکہ زکوٰۃ کے ذریعے مالداروں سے غریبوں کی طرف اوپر سے نیچے اترتا ہے وہ معاشرہ و سیاست میں نیکی کی عملداری اور معروف کی برتری قائم کرتے ہیں اور برائی کا استیصال کر دیتے ہیں یہ وہ نظام ہوتا ہے جس میں جاہلی تعصبات، علاقائی عصبیتوں، نفسانی فتنوں اور مفادات کے جھگڑوں کیلئے کوئی جگہ نہیں ہوتی اقتدار کی قوت زندگی کے ہر گوشہ میں برائی کی مزاحمت کرتی۔ اس کی پرورش کو روکتی، اس کیلئے عرصہ حیات تنگ کرتی اور اس کے امکانات کا خاتمہ کرتی ہے اور نیکی اور بھلائی کی پرورش میں اپنے سارے وسائل اور تمام تعلیمی، تربیتی، انتظامی اور قانونی اداروں کو لگا کر معاشرے میں ایک قابل قدر اور قابل فخر شے بناتی ہے۔

مخالفتوں میں طرزِ عمل

اسلامی تحریک کا اپنے مخالفین کے مقابلے میں بھی دنیا بھر سے انوکھا طرزِ عمل ہوتا ہے اور بالعموم یہ طرزِ عمل ہی لوگوں کیلئے اس کی شناخت کا بہترین ذریعہ بن جاتا ہے اس کے مخالفین اسے بدنام کرنے کیلئے الزامات، اتہامات، جھوٹ، افترا اور گالی گلوچ کا طوفان کھڑا کرتے ہیں اور اس سارے گرد وغبار میں اس کی شرافت، اس کا کردار اور اس کا عالی ظرفانہ طرزِ عمل اسکے چہرے کی چمک کو اور زیادہ نکھارتا چلا جاتا ہے۔

حضورؐ کا طرزِ عمل ہمیشہ صبر و شکر کا رہا۔ طائف میں بدترین ظلم و ستم کے مقابل بھی لبوں پر دعائے رحمت ہی رہی ظلم کی انتہا دیکھ کر پہاڑوں کے فرشتے نے اذن الٰہی سے پیش کش کی کہ اس بستی کو دونوں پہاڑوں کے درمیان پیس دیا جائے تو رحمۃ للعالمین نے زخمی اور مضمحل حالت میں بھی یہی فرمایا کہ۔ "نہیں، شاید یہ نہیں تو ان کی اولادیں ہی اللہ پر ایمان لے آئیں۔

حضورؐ ہی کے امتی اسلامی تحریک کے ایک علمبردار نے اپنے بدترین مخالفین کے روزمرہ ظلم وزیادتی کو دیکھ کر ہمارے اپنے دور میں اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا۔

"آپ کسی حال میں مشتعل نہ ہوں۔ اپنی زبان اور مزاج پر قابو رکھیں اور جب کبھی اشتعال کی کیفیت ابھرتی محسوس کریں تو اسے نزغ شیطانی سمجھ کر اللہ سے پناہ مانگیں۔ سخت سے سخت بیہودہ مخالفت میں بھی آپ حدود اللہ سے تجاوز نہ کریں ہر لفظ جو آپکی زبان سے یا قلم سے نکلے اس پر خوب سوچ لیں کہ وہ خلاف حق تو نہیں ہے اور آپ اس کا حساب خدا کے ہاں دے سکیں گے۔ آپکے مخالفین خدا سے ڈریں یا نہ ڈریں آپکو بہرحال اس سے ڈرتے رہنا چاہیئے۔

تشدد کے مقابلے میں یہ تحریک ہمیشہ پرعزیمت اور مضبوط مخالفتوں کے طوفان کے مقابلے میں ایک منظم اور با اصول گروہ حملہ آوروں کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار، خوف و ہراس کی

حالت میں نڈر اور بے خوف اور لوہے کی چٹے کی مانند دندان شکن اور مخالف اسلام قوتوں کے مقابلے میں ناقابل شکست قلعہ ہوتی ہے جسے اپنے مقام سے نہ ہٹایا جا سکتا ہے اور نہ گرایا جا سکتا ہے۔

تنظیم کے چند بنیادی اصول

اسلامی تحریک کی تنظیم کے چند بنیادی اصول ہیں جو اپنی ساری وسعتوں کے ساتھ تحریک کے اندر رواں دواں رہتے ہیں اور ان کی موجودگی میں تحریک ایک فعال اور صحت مند اجتماعی ادارہ بن جاتی ہے جو اپنی منزل کی طرف مسلسل اقدام کرتی رہتی ہے۔

۱..... سب سے پہلا اصول سمع واطاعت ہے۔ یہاں جو شخص بھی کسی ذمہ داری کے منصب پر فائز ہو وہ اپنے ساتھیوں کو خدا سے ڈرتے ہوئے حکم دیتا ہے اور ساتھی بھی اسے کار ثواب سمجھتے ہوئے ہی بجا لاتے ہیں۔

۲..... دوسرا اصول شورائیت ہے جس کے ذریعے مشورے کا اہتمام وانتظام تحریک کے ہر گوشے میں ہر سطح پر کیا جاتا ہے تاکہ اجتماعی ذمہ داری کا کام اجتماعی رائے سے سر انجام پاتا رہے۔

۳..... تیسرا اصول محاسبہ اور باہمی خیر خواہی ہے۔ ایک زندہ بیدار اور صحت مند رجحان تنقید جو تحریک کی صحت کو بحال رکھتا ہے اور اس کے تمام کارکنوں کو خوب سے خوب تر کی طرف کھینچتا رہتا ہے۔

۴..... چوتھا اصول باہمی محبت واخوت وتعاون ہے جو اسلامی تحریک کی جان ہے جس کی مدد سے غیر اپنے اور مخالف دوست بن جاتے ہیں اور انفرادی قوت ہزاروں ساتھیوں کی قوت کے ساتھ مل کر ضرب کلیمی بن جاتی ہے۔

۵..... پانچواں اصول ایثار وقربانی ہے۔ جو تحریک کیلئے، ساتھیوں کیلئے اور خدا اور رسول کی رضا کیلئے کیجاتی ہے۔ اور اسکی مقدار ہی ایک کارکن کے خلوص کا پیمانہ بن جاتی ہے۔

۶..... چھٹا اصول اکثریت کے مقابلے میں انفرادی رائے کی قربانی ہے اس سے اظہار رائے کی وہ آزادی برقرار رہتی ہے۔ جو سب سے قیمتی چیز ہے مسائل طے کرنے میں سارے دلائل سامنے آجاتے ہیں جو رائے قائم کرنے میں مدد دیتے ہیں لیکن رکاوٹ کا باعث کوئی فرد نہیں بنتا کیونکہ حق صرف کتاب سنت میں پوشیدہ ہے اور تدابیر میں اجتماعی رائے ہی مسلمہ سیدھا راستہ ہے۔

۷..... ساتواں اصول باہمی عفو ودرگزر اور وسعت قلبی ہے جس سے دوسروں کی کمزوریوں سے چشم پوشی اور دوسروں کی خوبیوں سے استفادے کا راستہ کھل جاتا ہے اور لوگ دوسروں کی غلطیاں چن چن کر مقدمہ تیار کرنے کے بجائے اپنی اپنی غلطیوں کی اصلاح پر لگ جاتے ہیں جس سے ساری تحریک میں اصلاح کا عمل کارفرما رہتا ہے اور بغض وحسد تو تکرار اور تنگدلی کے جذبات سے ماحول پاک وصاف رہتا ہے

ان اصولوں کی مدد سے تحریک اسلامی تنظیم ایک زندہ متحرک تندرست وتوانا مضبوط درخت کی طرح ہوتی ہے جس کی جڑ مضبوط جس کا تنا سربلند، جس کی شاخیں گھنی، جس کا سایہ خنک اور جس کا پھل خوشگوار ہوتا ہے اور وہ اپنے پرورش کرنے والوں کیلئے سراسر رحمت وبرکت اور منافع کا کام ہوتا ہے۔

اسلامی تحریک کی چند بیماریاں اور ان کا علاج

دنیا میں پائی جانے والی ہر چیز میں زوال وانحطاط کا عمل بھی پایا جاتا ہے جو مختلف کمزوریوں اور بیماریوں کی صورت میں نمودار ہوتا ہے اگر ان کا بر وقت تدارک کر لیا جائے تو صحت برقرار رہتی ہے اسلامی تحریک بھی اپنے مزاج کے اعتبار سے چند بیماریوں کی شکار ہو سکتی ہے اور اگر وہ زور پکڑ جائیں تو وہ تباہی وہلاکت سے بھی دوچار ہو جاتی ہے اسکی بیماریوں میں چند ایک کا تذکرہ بہت ضروری ہے۔

۱..... سب سے پہلی بدنظمی ہے بالعموم یہ بیماری تحریک میں اس وقت داخل ہوتی ہے جب افراد میں سمع واطاعت کی جگہ نفس کی سرکشی زور پکڑنے لگتی ہے اور بعض افراد کا نفس متکبر کسی اجتماعی حکم کو اپنے اوپر تازیانے کی چوٹ کے مانند محسوس کرتا ہے اور حمیت ایمانی کی جگہ کوئی جاہلی عصبیت دل میں جھانکنے لگتی ہے اس بیماری کا فوری علاج انفرادی اور اجتماعی محاسبہ ہے محاسبے کے بغیر چھپا ہوا چور برآمد نہیں

ہوتا اور اندر ہی اندر نفس انسانی میں نقب لگاتا رہتا ہے یہاں تک کہ بدترین نتائج تک جا پہنچتا ہے۔

۲...... دوسری بیماری قنوطیت ہے جو کسی کارکن میں عزم و ارادے کی کمزوری سے نمودار ہوتا ہے۔ جب راہ حق کی مشکلات سفر کی طوالت، اور منزل کی بظاہر دوری اور نظروں سے اس کا اوجھل ہونا کسی کارکن کو تھکا دیتا ہے تو وہ آگے بڑھنے کے بجائے تھک ہار کر مایوسی کی باتیں کرنے لگتا ہے۔ قنوطیت شیطان کی وہ تلوار ہے جس سے وہ بھولے بھالے مومنین کے دلوں کو مجروح کر کے انھیں منزل کی طرف بڑھنے سے روکتا ہے اور بیٹھ رہنے یا واپس ہو جانے پر آمادہ کرتا ہے اس کا پیہم اور مسلسل تحریکی کام ہے ساتھیوں کی رفاقت، ان کی باتیں ان کے عزائم اور صحابہ کرام کی پر صعوبت زندگیوں کا مطالعہ ہے۔

۳...... تیسری بیماری خوف و ہراس ہے یہ ضعف ایمانی کے باعث ہوتی ہے جبر و تشدد کے ماحول میں پرورش پاتی ہے اور ملوکیت اور آمریت کے سناٹے میں آکاس بیل کی طرح پھیل جاتی ہے اس کا تریاق پوری قوت ایمانی سے کلمۂ حق کو بلند کرنا اور آذان دعوت حق سے اس سناٹے کو توڑنا اور جو کچھ بھی راہ حق میں پیش آئے اسے جھیل جانا ہے۔

۴...... چوتھی بیماری بے حسی ہے جو کام کو سامنے دیکھتے ہوئے بھی آدمی کو حرکت میں نہیں آنے دیتی اور خطرے کو سر پر دیکھ کر بھی اپنے آپ کو بچانے کے احساس سے محروم کر دیتی ہے اس کا سبب نفس انسانی میں اسلامی شعور کی کمی اور دینی فہم و بصیرت کی کمی ہوتا ہے۔ اس کا علاج کارکنوں کی تربیت، مقصد جماعت اور اراکین جماعت کی پیہم تذکیر تنظیم کی کمزوریوں کو رفع کر کے اسے خوب کستے رہنا اور معاشرے کے سارے گوشوں کو دعوت حق سے سیراب کرنے کیلئے دعوت عام کا ایسا منصوبہ بنانا ہے جس سے ہر کارکن اس میں مصروف ہو جائے اسطرح معاشرے کا جمود بھی ٹوٹے گا اور کارکنوں کا شعور بھی بیدار ہوگا۔

۵...... پانچویں بیماری عصبیت ایمانی کی کمی ہے۔ مادہ پرستی کے اس دور میں جب چاروں طرف معیار زندگی بلند کرنے کی دوڑ لگی ہوتی ہے اس بیماری کا عام وبا کی شکل اختیار کر لینا

۵...... ایک فطری امر ہے۔ اس کا سبب حب مال اور اشیاء دنیا کی چاہت اور طلب ہے اس کا حقیقی علاج تو صدقہ و انفاق میں اضافہ کرنا ہے جس قدر صدقہ دیا جائے طلب مال اور معیار زندگی کے بلند کرنے کی حرص پر چوٹ لگتی ہے۔ اور قناعت کی طرف طبیعت راغب ہوتی ہے اس کے لئے قرآن کی آیات قیامت، احادیث میں باب الرقاق اور صحابہؓ کی پر عزیمت زندگیوں کا مطالعہ بھی مفید ہوتا ہے اس مقصد کے لیے تحریک کے ذمہ دار لوگوں کا بھی فرض ہوتا ہے کہ وہ دیکھتے رہیں کہ اس وقت تحریک میں کن کن امراض کا خطرہ پایا جاتا ہے ان کی نشاندہی اور ان کا تدارک کرتے رہنا نہایت ضروری ہوتا ہے۔

۶...... چھٹی بیماری حسد، سوء ظن اور پھر غیبت ہے جو اخلاقی ماحول میں چپکے چپکے پرورش پاتی ہے اور تنظیم کو گھن کی طرح اندر سے کھاتی چلی جاتی ہے اس سے دل پھٹ جاتے ہیں اسکا علاج بھی محاسبہ اور اپنی کمزوریوں کو سامنے رکھ کر محاسبۂ نفس ہے

کارکنوں کی صفات

اسلامی تحریک کے کارکنوں میں بعض صفات کا پایا جانا اشد ضروری ہے ورنہ وہ اس کام کو سر انجام نہیں دے سکتے جس کے لیے اسلامی تحریک برپا ہوتی ہے میں تفصیلی صفات کو نظر انداز کر کے اختصار کے ساتھ صرف چند مجمل صفات کی نشاندہی ضروری سمجھتا ہوں

۱...... سب سے پہلی محبت دین ہے جو ہر کارکن کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر خود اس بات کا جائزہ لیتا رہے کہ اسے دین اور اس کی سربلندی دنیا کی ہر شے سے زیادہ محبوب اور عزیز ہو اس کے دل میں ایک میزان عدل نصب ہو جس میں وقتاً فوقتاً وہ اپنی محبت و انس کی دعویدار ہر شے کو نکال کر تولتا رہے کہ اس کا وزن دین کے مقابلے میں کتنا ہے جس شے کو ذرا بھی دین سے بڑھتے ہوئے محسوس کرے اس کے پیچھے پڑ کر بھی اسے دین کے مقابلے میں پست کرے اس تول میں کوئی فرد، کوئی ذات اور کوئی شے بھی نہ چھوڑی جائے جو بھی محبت کا دعویدار بن کر اٹھے اسے اس ترازو میں ڈالا جائے تاکہ وہ اپنے حقیقی مقام پر رہے یہ کام

وقتاً فوقتاً ہوتا رہے اور دین کے مقابلے میں ہر دنیوی شے کی محبت کو پست رکھنے کا اہتمام جاری رہے۔

۲...... دوسری صفت معرفت دین ہے۔ یعنی جس شے سے محبت ہے اسکی شناخت اور پہچان قرآن وسنت کا علم اور اسپر عمل پیرا ہونے والوں کے طرز عمل اور کردار سے آگاہی اس معرفت کا مثبت پہلو دین کو ہمہ پہلو جاننا بھی ہے۔ اور اسکا منفی پہلو خلاف دین فکری تحریکوں اور انکی تفصیلات سے آگاہی بھی ہے تاکہ ایک طرف تحریک کا کارکن دین کی صراط مستقیم سے آگاہ ہو اور دوسری طرف دین سے دور لے جانیوالے فکری اور عملی راستوں سے بھی آگاہ رہے اور دھوکہ نہ کھا سکے۔ اس معرفت کے بغیر آدمی کی حیثیت اس رہرو کی سی ہوتی ہے جو اندھیرے میں روشنی کے بغیر چلا جا رہا ہو ہو سکتا ہے کہ وہ سیدھے راستہ پر ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کسی وقت غلط راستے پر پڑ جائے اور پھر اپنی بے خبری میں غلط راستے پر ہی آگے نکلتا چلا جائے۔

۳...... تیسری صفت حمیت دین ہے۔ یہ صفت ایک کارکن کو باہد بناتی ہے اور اسے دین کے لئے سینہ سپر ہونا سکھاتی ہے اسے نہ دین کی رسوائی گوارہ ہوتی ہے اور نہ اس کی ذلت برداشت ہوتی ہے جس طرح کوئی باغیرت بیٹا اپنے سفید ریش باپ کو سر بازار رسوا ہوتے دیکھنا پسند نہیں کرتا اسی طرح ایک باغیرت دینی کارکن اپنے دین کو بھی سر بازار رسوا اور ذلیل و خوار دیکھنا پسند نہیں کرتا دین پر حملہ ہو تو وہ اس کا دفاع کرتا ہے دین کے خلاف فتنے اٹھیں تو وہ تڑپتا ہے دین کی خلاف ورزیاں ہوں تو وہ بے چین ہوتا ہے دین کی جڑیں اکھاڑی جائیں تو وہ مضطرب ہوتا ہے اور دین کے ہمہ پہلو دفاع کیلئے وہ ہر وقت تیار رہتا ہے دین کے دشمنوں کی سرگرمیوں پر نظر رکھتا ہے۔ مخالف دین افکار و نظریات سے بھی آگاہ ہوتا ہے، اور دین کے حق میں ہر ممکن فکری ہتھیار سے لیس رہتا ہے تاکہ دین مخالفوں سے ہر ہر عملی اور فکری مورچے پر لڑ سکے۔

۴...... چوتھی صفت استقامت فی الدین ہے یعنی دین کے راستے میں پامردی، استقلال اور عزیمت کا مظاہرہ۔ یہ راستہ کٹھن بھی ہے اور دشوار گزار بھی۔ جسے ایک دیندار آدمی اقامت دین کیلئے اختیار کرتا ہے دین کے راستے پر چلنا باطل کے تحت دنیا کے بہت سے مفادات سے دست برداری کے مترادف ہے بہت سی دل پسند چیزوں سے محرومی ہے بہت سی لذات نفس سے علیحدگی ہے پھر آدمی کی دنیا سے وابستہ بہت سے ہمدرد اس کی دنیوی کامیابیوں کے لئے کوشاں ہوتے ہیں اور اسے جائز و ناجائز کی تشویش میں مبتلا دیکھ کر پریشان ہوتے اور پریشان کرتے ہیں۔ معیار زندگی کی دوڑ میں مصروف اہل خانہ اندرونی تقاضوں کا زور صرف کرتے ہیں، بیرونی دباؤ پڑتے ہیں رزق کے محدود وسائل پر بھی حملے ہوتے ہیں معاشرہ ناک میں دم کر دیتا ہے عزیز و اقربا کا دباؤ پڑتا ہے نظام باطل ہر طرف سے سکیڑتا اور کھینچتا ہے اور کارکن کے لئے اپنے مقام پر پاؤں جمائے کھڑے رہنا مشکل کر دیا جاتا ہے۔ پھر باطل کے خلاف دین کی سربلندی کی جدوجہد شیطان اور اس کے ہمنواؤں کو انتہائی ناگوار ہوتی ہے۔ وہ آزمائشیں کھڑی کر دیتے ہیں قید و بند تک نوبت آسکتی ہے آلام کے ان سب طوفانوں میں مردانہ وار ڈٹے رہنے سے وہ صفت پیدا ہوتی ہے جو دین حق کی پشت پناہی کرنے والے سپاہی کے اندر مطلوبہ صفت ہے پے در پے آزمائشوں کی لہریں آتی ہیں اور مرد حق کو پاؤں سے اکھاڑنا چاہتی ہیں لیکن دین اپنے پیروؤں سے لازماً ان قربانیوں کا مطالبہ کرتا ہے جو اس راہ میں مطلوب ہیں یہ قربانیاں استقامت اور پامردی سے ہی دی جا سکتی ہیں

۵...... پانچویں صفت مسابقت فی الدین ہے دنیوی زندگی کے کسی معاملے میں آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ رشک کے ساتھ مقابلہ اور مسابقت کرنا پسندیدہ فعل نہیں ہے سوائے دین کے راستے کے اس لئے کہ یہ خیر کا راستہ ہے۔ اور اس راستے کیلئے فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ کا حکم ہے۔ حضورؐ نے جنگ تبوک کے موقع پر مال طلب کیا تو کوئی صحابی نصف مال لے کر اور خدا و رسولؐ کا نام اہل خانہ کیلئے

... چھوڑ کر باقی سارا اثاثہ اٹھا لائے نیکی کے راستہ میں سبقت کرنے سے ہی تاریخ کی پرعزیمت مثالیں قائم ہوتی ہیں جو بعد میں آنیوالی نسلوں کے لیئے جذبہ وجوش پیدا کرنے والی جذبہ انگیز مثالوں کی حیثیت سے کام دیتی رہتی ہیں ایسی ہی مثالیں ہوتی ہیں جو صدقہ جاریہ کی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں۔ اور انھیں دیکھ دیکھ کر نیکی و ایثار و قربانی اور جہاد فی سبیل اللہ کے پرجوش جذبات بھڑکتے رہتے اور راہ حق کو درخشاں نمونوں سے پر رونق بناتے رہتے ہیں۔ یہی تو ایک راہ ہے جس میں مومن کا مومن سے مقابلہ ہونا چاہیئے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی کوشش کرنی چاہیئے اور جو جس قدر آگے بڑھ جاتا ہے اس میں اسی قدر ایک اعلیٰ کارکن کی صفت نمودار ہوتی ہے اور قافلہ تحریک میں اسکا مرتبہ اسی قدر بلند ہو جاتا ہے۔

واحد کامیاب تحریک

تاریخ کے اسٹیج پر ان خدوخال اور نشان ہائے شناخت کے ساتھ نمودار ہونے والی اسلامی تحریک کبھی ناکام نہیں ہوتی چونکہ یہ انسانیت کی فلاح کا راستہ ہے یہ بنی نوع انسان کے لیئے روشنی کا مینار ہے ہوسکتا ہے کہ کوئی مغموم فلاح کا راستہ پانے میں ناکام ہوجائے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لوگ اپنی بے بصیرتی سے روشنی کا مینار دیکھ نہ سکیں لیکن یہ دراصل اس قوم کی ناکامی ہے جو اسلامی تحریک کی راہِ فلاح کو پا نہیں سکتی اور تاریخ کی شاد راہ پر بدقسمتی کے دھکے کھاتی چلی جاتی ہے ورنہ اسلامی تحریک کیلئے تو صرف کامیابی ہی مقدر ہے۔ اس کی کامیابی کا ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ یہ ایک بے لوث اور بے غرض جدوجہد ہوتی ہے جس میں پیش نظر رضائے الٰہی کے حصول کے سوا اور کوئی دنیوی مفاد نہیں ہوتا جبکہ دوسری تحریکوں کے پیش نظر نفسانی خواہشات عہدہ منصب اور خواہش اقتدار ہوتی ہے اس کی کامیابی کا دوسرا سبب یہ ہوتا ہے کہ یہ بگاڑ کے بجائے اصلاح کی تحریک ہوتی ہے۔ اور فطرت انسانی بگاڑ کے بجائے اصلاح کو ہمیشہ پسند کرتی ہے اور اس کام میں تعاون کرنا کار خیر سمجھتی ہے تیسرا سبب یہ ہوتا ہے کہ دوسری تحریکیں صرف مادی اسباب پر بھروسہ کرتی ہیں جیسے قریش کو تھا لیکن اسلامی تحریک اللہ کی غیبی مدد بھروسہ کرتی ہے جو اس کی اخلاقی و روحانی قوت میں زبردست تقویت کا باعث ہے جیسے اصحاب بدر کو تھا وہ اپنے محدود و مختصر سامان کے ساتھ میدان میں نکل آئے تھے اور باقی جو کچھ کمی تھی اسے پر کرنے کے لیئے دست قدرت کے حوالہ کر دیا تھا ایسا ہی موقع ہوتا ہے جب مومنین کی پشت پر ایک زبردست ہاتھ ان کی ڈھال بن کر نمودار ہوتا ہے جو باطل کی کمر توڑ دیتا ہے اور خدا کی آواز پکار پکار کر مومنین سے کہتی ہے۔

لَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ

ترجمہ :۔ سست نہ پڑو غم نہ کھاؤ تم ہی غالب رہوگے۔ اگر تم مومن ہو

تحریک اسلامی کو پہچاننے اور شناخت کرنے کے لیئے میں نے اس کے یہ چند خدوخال درج کر دیئے ہیں تاکہ جاننے والے تو جانتے ہی ہیں نہ جاننے والے بھی جان لیں کہ جب تحریک اسلامی کسی معاشرے میں موجود ہوتی ہے تو اسے پہچاننا اور اپنے ایمان کے تقاضوں کے مطابق اس کے ساتھ تعاون کرنا مومنین کا اولین فریضہ ہوتا ہے۔

قرآنی مراسلاتی کورس (اردو)

بذریعہ خط وکتابت ترجمۂ قرآن سیکھئے

کم وقت، کم خرچ، اور کم محنت کے ساتھ کامیاب اور آزمودہ اسکیم

قرآن کریم کے الفاظ صرف تین ہزار بنتے ہیں جو بار بار آکر ستتر ہزار اسی ہزار شمار کیے جاتے ہیں۔ قرآن کریم کے ان تین ہزار بنیادی الفاظ میں بہت سے لفظ وہ جو اردو زبان میں کسی نہ کسی شکل میں بولے یا سمجھے جاتے ہیں اوسطاً ہر پارے میں پچاس ساٹھ نئے لفظ آتے ہیں جنکا یاد کرنا مشکل نہیں ہے۔ بلاشبہ روزانہ آدھے گھنٹہ کا وقت اگر آپ اس کام کے لئے فارغ کرلیں تو انشاء اللہ ایک قلیل مدت میں آپ قرآن کا ترجمہ سمجھنے پر قادر ہوسکتے ہیں۔ یہ قرآنی کورس چار عنوانات پر مشتمل ہے۔

(۱) قرآنی لغات (۲) قرآنی احکام (۳) قرآنی قواعد (۴) تفسیر پارہ عم۔

خط وکتابت کا طریقہ:۔ ابتدائی اسباق اور لٹریچر مع فیس داخلہ بذریعہ وی پی مبلغ ۱۰/۰۰ طلب فرمائیں اس کے بعد ہر وی پی سہ ماہی ۹/۷۵ روپے ہوگی کل چار قسطوں میں یہ مفید قرآنی نصاب مکمل ہوجائیگا۔ اس طرح بڑی آسانی کیساتھ آپ اپنے بچوں، بچیوں کو قرآن فہمی کی دولت سے بخوبی فیضیاب کرسکیں گے خود ممبر بنئے اور دوسروں کو ممبر بنا کر قرآنی خدمات انجام دیجئے۔ مکمل سیٹ تیار ہے

کبھی نہ بجھنے والی آگ سے بچو اور اپنے اہل وعیال کو بچاؤ

قرآن کریم کی ہلا دینے والی للکار

اور ساتویں صدی کے امام نووی کی دلپذیر پکار

مجموعۂ حدیث ریاض الصالحین مترجم اردو

شارح مسلم امام وقت علامہ نوویؒ کی بے نظیر تالیف ترغیب و ترتیب اور اصلاح و تربیت سے متعلق چار سو سے زائد آیات قرآنی اور دو ہزار کے قریب احادیث نبوی ﷺ کا مجموعہ الحاد و فساد کے اس دور میں پریشان دلوں کو امن وسکون اور فسق و فجور سے آلودہ زندگیوں کو تقویٰ و طہارت بخشنے والی اکسیر صفت کتاب، کسی دلگداز واعظ کے پرتاثیر وعظ کی طرح دلنشین مقدس و متبرک الفاظ احادیث خلوص و للہیت میں ڈوبی ہوئی تشریح۔ دل و دماغ کو خوف خدا اور محبت رسول سے لبریز کر دینے والا انداز بیان، الحاد و دہریت کے اس بے پناہ سیلاب سے بچنے کیلئے آج ہی اسکا مطالعہ فرمائیں دو جلدوں پر مشتمل سائز ۲۰×۳۰/۸ مجلد رنگزین جلد اول صفحات ۴۸۵ قیمت ۳۰ روپے جلد دوم صفحات ۵۰۰ ۳۰/۰۰ محصولڈاک بذمہ ادارہ دونوں جلدیں ایکساتھ منگانیوالے صاحب کو ۶۰ روپے کے ۵۵/۰۰ کا وی پی ارسال ہوگا اس مبارک مجموعہ حدیث کی اشاعت میں تعاون کر کے ہم خرما و ہم ثواب کا مصداق ہوگا آج ہی ایک کارڈ لکھ کر طلب فرمائیں۔

ادارہ درس قرآن کا ایک جدید سہ ماہی تاریخی پروگرام

علامہ جلال الدین سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ کی نہایت دلچسپ اور مستند تالیف

تاریخ الخلفاء اردو

۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ یوم وفات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ۹۰۳ھ تک تقریباً نو سو سالہ مختصر مگر جامع اور مستند تاریخ۔ تاریخ خلفاء راشدین مدینہ منورہ کوفہ خلفاء بنو امیہ (دمشق) خلفاء بنو امیہ (اسپین) خلفائے بنو عباس (بغداد) خلفائے بنو عباس (قاہرہ) عبیدی خلفاء (افریقہ) فاطمی خلفائے مصر کی مکمل تاریخ اس اہم اور نادر کتاب میں موجود ہے تاریخ اسلام کے شاندار دور کی پوری تاریخ اور اسی دور کے تمام حوادثات واقعات اور تمدنی حالات کا مجموعہ جس کے مطالعہ سے گھر گھر میں اسلامی جذبات نوجوانوں میں اعمال صالح اور بچوں میں خالد و طارق کی اسپرٹ پیدا ہوگی۔ تاریخ الخلفاء ۰۰ صفحات پر مشتمل ہے جسکو ادارہ چار حصوں میں شائع کر رہا ہے۔ پروگرام:۔ یہ عظیم تاریخ چار حصوں پر مشتمل ہوگی ہدیہ فی حصہ دس روپے ممبران کیلئے محصولڈاک بذمہ ادارہ ممبر بننے کیلئے ایک کارڈ لکھدیجئے آپکو ہر تیسرے ماہ دس روپے کی وی پی ارسال ہوگی جسکا وصول کرنا آپکا اخلاقی فرض ہوگا ایک عظیم اور مکمل اسلامی تاریخ کی اشاعت ادارہ کے ساتھ تعاون فرمائیے خود ممبر بنئے دوسروں کو ممبر بنائیے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمودہ جواہر پارے

جو امت محمدیہ کیلئے مینارۂ نور اور سرمایہ سعادت ہیں

چودہ سو برس کی مقدس تفسیر

تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ (اردو)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روح پرور تفسیر جس سے بعد کے مفسرین نے استفادہ کیا ہے۔

قرآن کریم کی وہ بنیادی تفسیر جو براہ راست ایک عظیم المرتبت صحابی سے منقول ہے ایک ایسا شرف جو کسی دوسری تفسیر کو حاصل نہیں اردو زبان میں یہ نادر تفسیر علامہ سیوطی کی مرتبہ شان نزول کے ساتھ پیش کیجا رہی ہے۔ ترتیب:۔ متن قرآن شریف، ترجمہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ، صحابی رسول کی مقدس تفسیر۔ آیات قرآنی کا دلنشین شان نزول جامع اور اثر انگیز عنوانات، طریق اشاعت ہر ماہ میں ایک پارہ شائع ہو رہا ہے ہدیہ فی پارہ ۴/۰۰ ممبران کیلئے محصولڈاک بذمہ ادارہ۔ ممبر بننے کیلئے ایک کارڈ لکھئے آپکو ہر دوسرے ماہ چار روپے کی وی پی ارسال ہوگی۔ پانچ روپے یکجا مجلد ہدیہ ۲۰/۰۰ دس پارے یکجا مجلد رنگزین ۳۵/۰۰ محصولڈاک بذمہ ادارہ۔ ایک عظیم صحابی رسول کی مقدس تفسیر کی اشاعت میں ادارہ سے تعاون فرمائیے خود ممبر بنئے دوسروں کو ممبر بنائیے۔

ادارہ درس قرآن دیوبند (یوپی)

داتا گنج بخش

روحانیت انسانی کے عظیم محسن حضرت داتا گنج صاحب کی سوانح حیات و تعلیمات:۔ قیمت
ایک روپیہ پچاس پیسے ۱/۵۰

حضرت موسیٰ علیہ السلام

عظیم المرتبت پیغمبر جن کو کلیم اللہ ہونے کا شرف حاصل ہوا آپ کی سیرت و سوانح پر بہترین کتاب:۔
قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے ۱/۵۰

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

قوم یہود کے مصلح اعظم حضرت عیسیٰ مسیح اللہ کی مکمل سیرت اور پیغمبرانہ شان قرآن کی روشنی میں:۔ قیمت ۱/۵۰

مہاتما بدھ

آپ کی ذات ایک نورانی چراغ تھی جس نے اپنے زمانہ کی تاریکی میں روحانیت کی روشنی پھیلائی۔ آپ ایک مبلغ بھی تھے اور حق کے لئے جان دے دینے کا ولولہ بھی رکھتے تھے:۔ قیمت ۱/۵۰

جہانگیر

اس انصاف پسند بادشاہ کے حالات جس نے اپنے محل کے دروازے پر زنجیر عدل لٹکا رکھی تھی اور جس نے انصاف کے معاملہ میں اپنی محبوب ملکہ کی بھی رعایت نہیں کی:۔ قیمت ۱/۲۰

نورجہاں

جہانگیر کی چہیتی ملکہ نورجہاں کی کہانی جس نے اپنی ذہانت و لیاقت کے بل بوتے پر سارے ہندوستان و پاکستان پر حکومت کی:۔ قیمت ۱/۲۰

توضیح البیان شرح حفظ الایمان

اس کتاب میں وہ سرچشمۂ ہدایت موجزن ہے جس نے اہل بدعت کو مع ان کے اوہام باطلہ کے قیامت تک کے لئے غرق کر دیا ہے۔
قیمت:۔ ایک روپیہ پچاس پیسے ۱/۵۰

درس عبرت

یہ کتاب ان اکابرین ملت کی نشاندہی کرتی ہے جو اپنی زندگی کو مجسم عبرت بنا کر سفر آخرت اختیار کر گئے۔ قیمت ۷۵ پیسے ۷۵/۰

سکھ اور جنگ آزادی

علامہ انور صابری نے اس کتاب میں ہندوستان کی آزادی کے لئے سکھوں، مسلمانوں، افغانستان کے جانبازوں کی مشترک جدوجہد کی ایک صدی سے زیادہ کی وہ تاریخ مرتب کر دی ہے جس کو صدہا کتابوں، اخباروں، تذکروں کا نچوڑ کہنا بیجا نہ ہوگا۔
قیمت:۔ مجلد چار روپے ۴/۰۰

مولانا عبید اللہ سندھی

شیخ الہند رح کے معتمد خاص اور ان کی تحریکوں کے روح رواں، اسلام کی صداقت کے علمبردار، جہاد و حریت کے ایک مشہور اور جیالے سپاہی جنھوں نے دور دراز ممالک میں بھی اسلام کی اصل روح اس کی تعلیمات کو پھیلانا اور ہندوستان کی آزادی کے لئے ایسا رول ادا کیا جس پر تاریخ قیامت تک ناز کرتی رہے گی۔ زیر نظر کتاب میں مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایم اے نے اپنے بصیرت افروز قلم سے مرحوم کی شخصیت اور عظمت کو اجاگر کیا ہے:۔ قیمت مجلد سات روپے ۷/۰۰

سوانح زرتشت

اب سے تقریباً پونے تین ہزار برس پہلے جو تاریخ کا ایک تاریک ترین دور کہلاتا ہے۔ دنیا کے اس خطے میں پیدا ہوئے جو ان دنوں تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا۔ آپ نے اس زمانے کے انسانوں کی اصلاح کے لئے ایک مذہب کی بھی بنیاد رکھی اس مذہب کے ماننے والے آج بھی دنیا میں موجود ہیں آپ کی سوانح میں اس زمانے کی مکمل تاریخ بھی موجود ہے:۔ قیمت ۱/۲۰

خالد ابن ولید رض

خالد ابن ولید رض اسلام کے نامور فاتح اور سپہ سالار ہیں آپ نے بدوی قبائل کی صحرائی زندگی ہی میں محنت، جفاکشی آزادہ روی اور بے باکی سیکھ لی تھی۔

اس کے بعد آپ کے والد نے شہسواری، شمشیر زنی اور تیر اندازی کی تعلیم دے کر فنون جنگ میں طاق کر دیا آپ کے مفصل حالات جنرل اکبر خاں کے ملاحظہ فرمائیں:۔ قیمت دو روپے پچاس پیسے ۲/۵۰

ملنے کا پتہ: مکتبہ تجلی، دیوبند یوپی

وہ کتابیں جن کی افادیت میں کلام نہیں

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے	۱۰/۰۰	بلاغ المبین	۶/۵۰
جب ایمان کی بہار آئی	۱۲/۰۰	فتوح الغیب	۹/۰۰
پرانے چراغ	۱۶/۰۰	غنیۃ الطالبین	۳۰/
نقوش اقبال	۱۰/۰۰	فاتحہ کا صحیح طریقہ	۲۰/۰۰
ارکان اربعہ	۱۲/۰۰	طب نبوی	۳/۰۰
دریائے کابل سے دریائے یرموک تک	۱۴/۰۰	انتخاب صحاح ستہ	۹/۰۰
دین و شریعت	۵/۰۰	موطا امام مالک مع اردو	۳۵/۰۰
حیاۃ الصحابہ	۵۱/۰	تعبیر نامہ خواب	۷/۰۰
سیرت رسالت مآب	۳۰/۰۰	شرک و بدعت کے چور دروازے	۴/۵۰
مخزن المعلومات	۲۰/۰۰	مثنوی مولانا روم اردو مکمل	۶۰/۰۰
تاریخ اسلام اکبر نجیب آبادی	۶۰/۰۰	بہشتی زیور اختری مکمل مجلد	۴۰/۰۰
رحمۃ للعالمین	۳۶/۰۰	بہشتی زیور قمری مجلد	۱۸/۰۰
شمائل ترمذی	۱۵/۰۰	اللہ نور السمٰوات والارض	۳۰/۰۰
امداد الفتاویٰ	۳۰/۰۰	حیات امام اعظم	۱۰/۰۰
فیوض یزدانی	۲۵/۰۰	آپ حج کیسے کریں؟	۴/۰۰
فتاویٰ رحیمیہ	۶۰/۰۰	قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟	۷/۰۰
مخزن اخلاق	۲۰/۰۰	اسلام کیا ہے؟	۴/۵۰
جنت کی کنجی	۲/۰۰	غیبت کیا ہے؟	۷/۵۰
مرنے کے بعد کیا ہوگا؟	۶/۰۰	براہین قاطعہ	۱۴/۵۰
رضیہ کا شاہی دسترخوان	۵/۰۰	انفاس عیسیٰ	۲۵/۰۰
شریعت یا جہالت	۱۲/۰۰	اعمال قرآنی	۳/۵۰
تاریخ اسلام (عاشق الٰہی)	۱۸/۰	ورق ورق روشن	۳۰/۰۰
فاروق العزیز	۲/۰۰	تاریخ دیوبند	۱۰/۰۰
الفاروق	۱۰/۰۰	تذکرۃ المصنفین	۷/۰۰

ان کتابوں کے علاوہ بھی **مکتبہ تجلّی دیوبند** (یوپی) سے رابطہ قائم کیجیے

بہ شکریہ "ایشیا"، لاہور

ایک جلسہ ایک تماشہ

پاکستان قومی اتحاد اور پیپلز پارٹی کے درمیان باہمی مسابقت کا آغاز ۱۹ اور ۲۰ ستمبر سے ہوا جب پیپلز پارٹی نے پنڈی میں اور اتحاد نے پشاور میں جلسے کیے۔ راولپنڈی میں پیپلز پارٹی کے جلسے کی کامیابی کا اس قدر پروپیگنڈہ کیا گیا کہ یوں محسوس ہوا گویا پیپلز پارٹی نے سابق خاتون اول اور حال خاتون عوام یا خاتون پاکستان نصرت بھٹو کی کمان میں راولپنڈی کو فتح ہی کر لیا ہے مگر اگلے ہی روز قومی اتحاد کے لیڈر لیاقت باغ میں پہنچے اور جلسۂ عام میں راولپنڈی کے عوام نے جس کثرت سے انبوہ در انبوہ شرکت کی اس سے وہ سارا پروپیگنڈہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا جو اس سے قبل کیا گیا تھا اگرچہ پیپلز پارٹی کے جلسے میں ایک منظم پلاننگ کے تحت دور دراز دیہات و قصبات سے سامعین درآمد کیے گئے تھے اور اتحاد کے جلسۂ عام میں خالص مقامی آبادی شریک تھی لیکن اس کے باوجود قومی اتحاد کا جلسۂ عام پیپلز پارٹی کے عوامی میلے سے کہیں زیادہ بڑا تھا۔

یہ تو راولپنڈی کی بات تھی یا یوں کہہ لیجیے ۱۹ ستمبر کی بات تھی۔ جو اخبارات اور معتبر راویوں کی مدد سے اہل لاہور تک پہنچی مگر اہل لاہور کی دلچسپی کے محور تو دو دن ۲۲ اور ۲۳ ستمبر تھے جب خود انہوں نے اپنی آنکھوں سے پہلے روز تو جلسے کا مشاہدہ کیا جس میں فرزندان اسلام اپنی تمام تر اقدار کے ساتھ جلوہ گر تھے اور دوسرے روز انہوں نے ایک ایسے "مجرے" کا نظارہ کیا جس میں شرافت اور شائستگی کا کہیں کوئی دخل نہ تھا۔ ہو سکتا ہے کہ قارئین لفظ "مجرے" پر اعتراض کریں مگر حقیقت یہ ہے کہ ۲۳ ستمبر کو پیپلز پارٹی کے اس بہ ظاہر جلسۂ عام کے لیے اس کے علاوہ کوئی اور لفظ استعمال بھی نہیں کیا جا سکتا یا پھر یوں کہہ لیجیے کہ یہ مجرا نما جلسہ تھا یا جلسہ نما مجرا تھا اس کی روداد آگے آئے گی مگر پہلے قومی اتحاد کے جلسے کا ذکر سن لیجیے۔

قومی اتحاد کا جلسہ

قومی اتحاد کا یہ جلسۂ عام ۲۲ ستمبر کو گول باغ میں ہوا اور اس کی تیاری ایک روز قبل ہی سے بڑے زور و شور سے ہو رہی تھی قومی اتحاد کے کارکن ہمہ تن اسٹیج کی تیاری میں مصروف تھے اور اس تیاری کا سارا انتظام چودھری غلام جیلانی بحیثیت صدر قومی اتحاد لاہور کے سپرد تھا جو خود بھی لاہور سے صوبائی اسمبلی کے امیدوار ہیں۔ ۲۲ ستمبر کو جمعرات کا روز تھا یعنی اس روز تعطیل نہیں تھی مگر اس کے باوجود لوگ جوق در جوق صبح ہی سے گول باغ کی طرف رواں دواں تھے گول باغ کی طرف جانے والی تمام سڑکوں یعنی لوئر مال، مال روڈ، سرکلر روڈ وغیرہ پر مسلسل عوام ٹولیوں کی شکل میں جا رہے تھے مگر قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے کثرت ہجوم کے باعث اگرچہ شکل جلوس کی بن جاتی تھی مگر جوش و خروش کا اظہار نعروں کی صورت میں قطعاً نہیں ہوتا تھا بلکہ صرف تمتمائے چہرے ہی اس جوش و خروش کے امین تھے تاہم چند ایک ٹولیاں ایسی بھی تھیں جو نہ رہ سکیں اور انہوں نے نعرے لگائے مگر اکثریت قانون کا پورا پورا احترام کر رہی تھی جلسہ گاہ کی طرف جو لوگ گامزن تھے ان کے ہاتھ میں پاکستانی قومی اتحاد کے پرچموں کے علاوہ ایسے سبز پرچم بھی تھے جن پر کلمہ طیبہ رقم تھا قومی اتحاد کے بعض پرچم بھی اسطرح

بنائے گئے تھے کمان پر کلمہ طیبہ رقم تھا ایسے پرچم سنہری زری کے کام سے بنے ہوئے تھے اور ان کے ارد گرد بھی سنہری جھالریں تھیں۔ بچوں، بوڑھوں اور جوانوں کی آمد و رفت کا سلسلہ تین بجے کے بعد تک جاری رہا مگر گول باغ میں ۲ بجے تک ہی یہ عالم ہو گیا تھا کہ تل رکھنے کو جگہ نہ تھی جن قارئین نے لاہور کا یہ گول باغ دیکھا ہے ان کو پتہ ہو گا کہ گول باغ دراصل ایک تکون کے مانند ہے جس کے بیچوں بیچ ایک روش سی ہے اور باغ کا جو حصہ مشرق کی طرف ہے اس کے اور مغربی حصہ کے درمیان ایک باڑھ لگی ہوئی ہے۔ آج تک لاہور میں جو جلسے ہوئے ہیں ان میں مشرقی حصہ اور روش کے ادپر کا شمالی حصہ حاضرین سے خالی رہتا ہے۔ جلسہ جنوبی حصہ تک ہی محدود رہتا ہے سٹیج انتہائی جنوب میں مال روڈ سے ملحقہ بنا ہوتا ہے مگر ہم جب ۲ بجے گول باغ میں پہنچے تو گو باغ کا اِدھر کے اس طرف مشرقی حصہ اور روش کے اوپر کا شمالی حصہ بھی مکمل طور پر حاضرین سے بھر چکے تھے اور گول باغ کی تینوں اطراف کی کشادہ سڑکیں یعنی لوئر مال، کچہری روڈ اور مال روڈ پر بھی بے پناہ ہجوم تھا جس کا عالم تین بجے تک یہ ہو گیا تھا کہ اس کے بیچ میں سے گزرنا محال تھا مال روڈ پر تو حاضرین عجائب گھر سے بھی آگے انارکلی تک جا پہنچے تھے۔

ہم سب کا ہادی۔ الا اللہ

دھوپ بھی اور حبس بھی تھا کپڑے پسینے سے تر ہوئے جاتے تھے مگر کسی کو اس کا احساس نہ تھا جو لوگ جلسہ گاہ میں بیٹھے تھے ان کی نظریں سٹیج پر جمی تھیں اور جو لوگ باہر تھے وہ سٹیج کو دیکھنے سے قاصر تھے وہ گوش بر آواز تھے۔ جلسہ گاہ میں مکمل سکون تھا سوائے اس کے کہ وقفے وقفے سے نعروں کی آوازیں فضا کو مرتعش کرتی تھیں کوئی ہڑبونگ نہیں تھی صرف ایک بات جو محسوس ہوتی تھی وہ سٹیج پر چڑھ دوڑنے والے کچھ ضرورت سے زیادہ پرجوش کارکنوں کی باتوں کا شور تھا جو ایک مسلسل بھنبھناہٹ کی طرح لاؤڈ اسپیکر میں سے سنائی دے رہا تھا اس کے علاوہ سامعین کی طرف سے کسی بدنظمی کا مظاہرہ نہیں کیا گیا۔

جہاں تک شائستگی اور اخلاق کا تعلق ہے کوئی ایسی بات نظر نہیں آئی تھی جس پر اعتراض کیا جا سکتا کہ نظام مصطفےٰ کے علمبرداروں کا عملی کردار کیا ہے۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ دروازے کے باہر چند اخبار فروش ایک ضمیمہ بیچتے ہوئے یہ صدا لگاتے تھے کہ گھاسی رام آٹھ آنے میں"۔ یا پھر ایک ضمیمہ تھا جس میں کوثر نیازی کی "مادر ملت" کا امریکہ کے سابق صدر فورڈ کی باہوں میں رقص کرتے ہوئے ایک پوز چھپا پایا تھا ہو سکتا ہے کہ یہ باتیں ناشائستگی ہی میں شمار ہوں مگر لوگ تو یہ کہتے تھے کسی کو اس کے اصل نام سے بلانا ناشائستگی کیسے ہو سکتا ہے اور یہ کہ ایک گورے کی باہوں میں رقص کرنا ناشائستگی ہے یا اس کی تصویر کی اشاعت؟ بہر حال اور کوئی بات ایسی نہیں تھی جہاں تک نعروں کا تعلق تھا کسی کو گالی کہیں دی جا رہی تھی نہ کسی کا نام بگاڑا جا رہا تھا کوئی مردہ باد نہیں صرف خدائے ذوالجلال کی کبریائی کے نعرے، اسلام زندہ باد کے نعرے پاکستان سے محبت کے اظہار کے نعرے اور قومی اتحاد کے رہنماؤں سے عقیدت کے اظہار کے نعرے۔ آئندہ آنے والے سنہری دور کی آمد کے نعرے یا پھر مسلسل کلمہ طیبہ کا ورد تھا سٹیج سے ایک نعرہ جو بڑا وجد آفریں تھا کچھ اس قسم کا تھا۔

ہم سب کا ہادی ــــــــ الا اللہ
ہم سب کا ملجا ــــــــ الا اللہ
ذرا زور سے بولو ــــــــ الا اللہ
ذرا جوش سے بولو ــــــــ الا اللہ
للکار کے بولو ــــــــ الا اللہ

غرض کچھ اس قسم کا سماں تھا کہ فضا میں لوئے حجاز تھی منظر میں رنگ حجاز تھا اور نغمے میں روحِ حجاز تھی آنے والے دور کی تصویر ہرگز دھندلی نہیں تھی۔

ہم بھی نظام مصطفےٰ چاہتے ہیں

جہاں تک سامعین کا تعلق ہے تو یہ پروپیگنڈہ بالکل غلط اور بے سرو پا ثابت ہو گیا کہ غریب عوام کی تائید اتحاد کو حاصل نہیں ہم نے خود دیکھا کہ پھٹے پرانے کپڑے میں ملبوس افلاس کے مارے زرد چہروں والے بے پناہ انسان اتحاد کے حق میں نعرہ زن تھے اور ان کے چہروں کی زردی کچھ نعروں کے جوش سے اور کچھ حسین مستقبل کے حسین تصور سے سرخی میں تبدیل ہو جاتی تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ قومی اتحاد

کو سب سے زیادہ تائید ہی غریب اور متوسط طبقے کی ہے غریب بھی، امیر بھی متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے سب ہی اس جلسے عام میں موجود تھے اور نظام مصطفٰے کو نافذ کرنے کا عزم لیکر اٹھنے والے رہنماؤں کی طرف عقیدت، محبت اور امید بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اقلیتوں سے تعلق رکھنے والے حضرات بھی کثرت سے جلسہ گاہ موجود تھے۔ مسیحی حضرات نے جو بینر پکڑے ہوئے تھے ان پر صلیب کا نشان کندہ تھا اور تحریر یہ درج تھی۔

ہم بھی نظام مصطفٰے چاہتے ہیں۔

یہ بینر اس جھوٹ کو بے نقاب کر رہے تھے کہ اقلیتیں، قومی اتحاد سے خائف ہیں۔

خاکساروں کے دستے بیلچے لیے موجود تھے اور جونہی رہنماؤں کی آمد شروع ہوئی تو انہوں نے گویا جھوم کر سلامی دی اور اس کے ساتھ ہی قومی اتحاد کے پرچم پتنگوں سے باندھ کر اڑائے گئے کئی پتنگ بجائے خود اتحاد کے پرچم تھے۔ رنگین غبارے جن پر نو ستارے بنے ہوئے تھے بھی چھوڑے گئے ان کے ساتھ اتحاد کے پرچم بھی تھے۔ غباروں کا ایک بڑا مجموعہ جو ایک کاروباری ادارے نے تیار کیا تھا بلند ہوا اور بلند سے بلند تر ہوتا ہوا مشرق کی طرف کافی دور نکل گیا پھر ایک خوبصورت اتفاق یہ ہوا کہ ایک پتنگ جو مشرق ہی طرف دور فضا میں اڑ رہی تھی غباروں کا یہ مجموعہ اس ڈور سے خود بخود الجھ گیا۔ پتنگ اڑانے والے صاحب نے ڈور کھینچنا شروع کی تو غباروں کا یہ مجموعہ واپس جلسہ گاہ کی طرف آنا شروع ہو گیا لوگوں کو ایسا محسوس ہوا کہ جیسے یہ غبارے از خود جلسہ گاہ کی طرف واپس آرہے ہیں۔

آسمان دور دور تک سبز پرچموں اور پتنگوں سے اٹ گیا تھا۔

سٹیج کے ساتھ ایک بہت بڑا بینر آویزاں تھا جس پر خانہ کعبہ اور مسجد نبوی کی خوبصورت تصاویر تھیں اس پر ایک فقرہ تحریر تھا

"نظام مصطفٰے ہماری منزل ہے"

تقاریر کی مختصر جھلک

یہ بے مثال جلسہ عام ساڑھے تین بجے کے لگ بھگ چودہری غلام جیلانی کی زیر صدارت شروع ہوا سب سے پہلا خطاب علامہ احسان الٰہی ظہیر کا تھا اور ان کے بعد یکے بعد دیگرے بارہ قائدین نے خطاب کیا۔

بیگم نسیم ولی خان جب اسٹیج پر تشریف لائیں تو جلسہ گاہ تالیوں اور نعروں کے ساتھ تھرتھرا اٹھی۔ یہ اہل لاہور کی طرف سے صوبہ سرحد کے لیے محبت کا شدید ترین اظہار بھی تھا اور اس پروپیگنڈے کی شدید ترین نفی بھی کہ اہل پنجاب اہل سرحد کو غدار تصور کرتے ہیں نسیم ولی خان نے بڑی خوبصورت بات کہی کہ جب نظام مصطفٰے نافذ ہو جائے گا تو کسی کو چوری کرنے کی ضرورت ہی کب ہوگی کہ ہاتھ کاٹنے کی نوبت آئے۔

خاکسار تحریک کے اشرف خان نے اپنی تقریر میں اس بات پر سخت اعتراض کیا کہ مسٹر بھٹو کو مادر وطن یا خاتون ملت کہا جائے ان کا کہنا تھا اور حقیقت بھی یہ ہے کہ بیگم بھٹو کے لیے لفظ خاتون کا استعمال اس لفظ کی شدید توہین ہے رہی یہ بات کہ بھٹو خاندان کو قائد اعظم کے خاندان سے کیا حسد ہے کہ پہلے تو مسٹر بھٹو قائد اعظم کے مقابلے "قائد عوام" بننے پر مصر رہے اور اب وہ اندر ہیں تو ان کی زوجہ صاحبہ کو مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کے مقابلے میں مادر وطن بننے کا شوق چرایا ہے۔ یہ بات اپنی جگہ ہے کہ مادر وطن کی اصطلاح صرف اپنے مجازی معنوں میں وطن کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

حلقہ نمبر ۱۱۳ سے بھٹو کا مقابلہ کرنے والے اور بھٹو کے دور میں طویل عہد اسیری کاٹنے والے چودہری ظہور الٰہی کا زبردست تالیوں اور نعروں سے استقبال کیا گیا خصوصاً اس وقت تو جلسہ گاہ میں نعروں کا طوفان سا آگیا۔ جب چودہری ظہور الٰہی نے یہ مطالبہ کیا کہ۔

"بھٹو کو پھانسی پر لٹکایا جائے"

کافی دیر تک چھ سات لاکھ کا مجمع "بھٹو کو پھانسی دو" کے فلک شگاف نعرے لگاتا رہا اس مطالبے پر مشتمل ایک اور نعرہ لگایا گیا۔

"غریبوں کی مجبوری ہے بھٹو کو پھانسی ضروری ہے"

چودہری ظہور الٰہی نے کہا کہ بھٹو کو پھانسی سے کم کوئی بات نہیں کی جائے گی اور لاہور نے فیصلہ دیدیا کہ وہ بھی یہی چاہتے ہیں

یہی فیصلہ ایک روز پہلے راولپنڈی کے عوام نے بھی دیا تھا۔

ممتاز شیعہ رہنما آقائے مرتضیٰ پویا کی قومی اتحاد کے سٹیج پر موجودگی بجائے خود اس بات کا ثبوت تھی کہ شیعہ عوام بھی اپنے سنی بھائیوں کے ساتھ اتحاد کے حامی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اب پیپلز پارٹی الیکشن کے بائیکاٹ کے راستے کی طرف بڑھ رہی ہے مگر وہ بائیکاٹ کرے یا نہ کرے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ عوام اب اس کا بائیکاٹ کر چکے ہیں۔

نواب زادہ نصر اللہ خاں جن کی تقریر نظم و نثر کا حسین مرقع ہوتی ہے کہہ رہے تھے کہ اس سے بڑا جھوٹ ہی کوئی نہیں ہے کہ دیہات میں بھٹو یا اس کا ٹولہ مقبول ہے۔ انھوں نے انکشاف کیا کہ ۱۹ر ستمبر کو جو جلسہ پیپلز پارٹی نے راولپنڈی میں کیا تھا اس کے لیے پیپلز پارٹی نے ۸۰۰ بسوں کو حاصل کیا تھا کہ دور دراز علاقوں سے عوام کو لایا جائے۔ نواب زادہ صاحب یہ بات کہہ رہے تھے کہ جلسہ گاہ سے باہر نوجوانوں کی ایک ٹولی نے یہ نعرہ لگایا۔

آج جلسہ کل مجرا

ان کا اشارہ اگلے روز نصرت بھٹو کے ہونے والے جلسے کی طرف تھا۔

نواب زادہ صاحب نے جب یہ اعلان کیا کہ قومی اتحاد برسر اقتدار آنے کے بعد تمام سرکاری زمین کاشتکاروں میں تقسیم کر دے گا تو عوام نے خوشی سے تالیاں بجائیں اس سے قبل۔ چودھری ظہور الٰہی یہ خوشخبری دے چکے تھے کہ قومی اتحاد کے مطالبے پر حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ پنجاب کی تمام کچی آبادیوں کے ۱۰ر اکتوبر سے پہلے مالکانہ حقوق دے دیئے جائیں گے۔ جو کام عوامی حکومت چھ سال کے دور حکومت میں نہ کر سکی وہ ایک غیر عوامی حکومت اتنے کم عرصہ میں کرے تو پیپلز پارٹی کے جھوٹ اور فریب کے قلعے میں باقی کیا بچے گا، اسی قسم کی خوشخبری قومی اتحاد کے جنرل سیکرٹری پروفیسر غفور احمد نے بھی اپنے خطاب میں [illegible] کہ قومی اتحاد کی حکومت میں دیہات کی کایا پلٹ دی جائے گی وہاں سڑکیں ہوں گی، ٹیلی فون ہوگا، بجلی ہوگی، اسکول ہوں گے اور اسپتال ہوں گے متمدن اور خوشحال زندگی کی تمام آسائشیں ہوں گی جب پروفیسر غفور احمد نے جو بے پناہ تالیوں کی گونج میں تشریف لائے تھے اہل لاہور کو فاتح بھٹو قرار دیا تو جلسہ گاہ ایک مرتبہ پھر تالیوں سے گونج اٹھا۔

امیر جماعت اسلامی پاکستان میاں طفیل محمد نے اپنے خطاب میں اس بات پر زور دیا کہ ظالموں اور قاتلوں کا محاسبہ کیا جائے انہوں نے کہا کہ صوبہ سرحد کے عوام نے پشاور کے جلسہ میں شمالی پنجاب کے عوام نے راولپنڈی کے جلسے میں اور اب اس خطہ کے عوام نے لاہور کے جلسہ عام میں یہ فیصلہ دیدیا ہے کہ بھٹو کو پھانسی دیجائے اب یہی فیصلہ کراچی، حیدرآباد اور کوئٹہ کے عوام بھی دے چکے ہیں۔

آخری تقریر قومی اتحاد کے صدر مولانا مفتی محمود کی تھی وہ جب تشریف لائے تو سورج غروب ہو رہا تھا ان کی آمد پر دیر تک تالیاں اور نعرے گونجتے رہے وقت کی کمی کے باعث انھوں نے مختصر خطاب کیا انھوں واشگاف الفاظ میں کہا کہ اب اس ملک میں بھٹو کی حکومت کبھی نہیں آسکتی ہم نے تیس سال تک اسلامی نظام کے لئے صبر کیا ہے اور اب ہمارا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا ہے اب یا تو اسلامی نظام نافذ ہو کر رہے گا یا ہم نہیں رہیں گے۔ اسلامی نظام نافذ ہوگا اور اگر قوم بھوکی ہوگی تو ہم بھی بھوکے رہیں گے۔

اس طرح لاہور کا یہ ہر لحاظ سے تاریخی جلسہ عام اپنے اختتام تک پہنچا اور ہر شخص نئے حوصلے اور نئے عزم کے ساتھ اپنے گھر لوٹا۔ لوگوں کے چہرے جوش و مسرت سے کھلے ہوئے تھے۔

جلسہ کے دوران میں ایک عجیب واقعہ یہ ہوا کہ ایک درخت کی ایک بلند شاخ پر بہت سارے لوگ بیٹھے تھے شاخ اتنے وزن کی تاب نہ لا سکی اور کڑکڑا کر ٹوٹ گئی مگر سینکڑوں فٹ کی بلندی سے وہ شاخ تیزی سے گرنے کے بجائے اتنی آہستگی سے نیچے آئی کہ اس پر بیٹھے ہوئے کسی شخص کو خراش تک بھی نہ آئی۔

قارئین کرام قومی اتحاد کے جلسے کی جھلک تو آپ نے ملاحظہ کی اور اب یہ لگے روز ہونے والے ۲۳ر ستمبر کے "جلسے" کی داستان بھی ملاحظہ کیجئے۔

۲۳ر ستمبر کا جلسہ

۲۳ر ستمبر کو جب بریگیڈیئر (ر) پروفیسر غفور اور مولانا جان محمد عباسی لاڑکانہ کی تاریخ کے عظیم الشان اور اتحاد کے دیگر رہنما کراچی کے نشتر پارک میں کراچی کی تاریخ کے عظیم الشان جلسہ عام سے خطاب کر رہے تھے

پیپلز پارٹی لاہور کے گول باغ میں جلسہ عام کر رہی تھی۔

گزشتہ رات جب قومی اتحاد کا جلسہ ختم ہوا اس وقت کے بعد ہی سے بیرون لاہور سے آئی ہوئی ٹولیوں نے گول باغ میں بسیرا کرنا شروع کر دیا تھا اور دن چڑھے بیرون لاہور سے آئے ہوئے یہ لوگ مقامی پیپلز پارٹی کے ورکروں کے ساتھ مل کر ایک منظم منصوبے کے تحت چھوٹے بڑے جلوسوں کی شکل میں محلوں اور گلی کوچوں کا گشت کرنے لگے ان کا انداز کچھ اس قسم کا تھا کہ لوگ یہ سمجھے گویا یہ لوگ جلسہ گاہ کی جانب جا رہے ہیں جب کہ یہ ٹولیاں دراصل ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ تک جاتی تھیں گزشتہ روز قومی اتحاد کے جلسہ میں عوام کی بڑی تعداد خاموش ٹولیوں کی شکل میں جاتی رہی تھی لیکن اس کے برعکس آج پیپلز پارٹی کے ورکر قانون کی دھجیاں اڑاتے ہوئے اور طرح طرح کے اشتعال انگیز نعرے جن میں قومی اتحاد اور فوجی حکومت کے خلاف گالیاں بھی شامل تھیں لگاتے ہوئے گشت کر رہے تھے پولیس کا رویہ ان سے تعاون پر مبنی معلوم ہوتا تھا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انتظامیہ نے مصلحتاً نرمی کا رویہ اختیار کیا ہو مگر بہر حال قانون کا احترام کہیں بھی نظر نہیں آ رہا تھا ایک بات جو تقریباً ہر جگہ نظر آئی وہ یہ تھی کہ اوسطاً ہر ٹولی میں ساٹھ سے ستر فی صد تک شرکا پانچ اور چھ سال سے لے کر دس اور پندرہ سال تک کے نابالغ بچے تھے۔ بالغ شرکاء کی تعداد بہت کم تھی۔

اسلام ہمارا دین ہے

یہ چھوٹے بڑے جلوس مختلف علاقوں سے گزرتے اور اس بات کی پروا کئے بغیر کہ ان کی آواز گھروں کے اندر جا رہی ہے انتہائی شرمناک نعرے لگاتے قومی اتحاد کے رہنماؤں کو گالیاں تو دیتے ہی تھے مگر سب سے زیادہ افسوس ناک بات یہ تھی جب کبھی جلوس کا گزر مسجد کے سامنے سے ہوتا اور یہ وقت وہ تھا جب ہر مسجد میں خطبہ ہو رہا تھا تو شرکا یہ نعرہ لگاتے۔

"داڑھیاں، جھاڑیاں"

اس کے ساتھ ساتھ انتہائی فحش زبان میں داڑھی کا مضحکہ اڑایا جاتا۔

حقیقت یہ ہے کہ بھٹو کے دیگر بڑے جرائم میں ایک بڑا اور نتائج کے اعتبار سے زیادہ خطرناک جرم یہ ہے کہ اس نے اپنے دور سیاست دور حکومت میں ایک ایسی نسل کو پیدا کیا ہے اور سے پروان چڑھایا ہے جو مذہب، اخلاق، شرافت، شائستگی اور انسانی قدروں سے باغی اور برگشتہ ہی نہیں بلکہ ان سے متنفر بھی ہے ان کی دشمن بھی ہے اور ان کے خاتمے کی خواہاں بھی ہے اور اس کے لئے عملاً جدوجہد بھی کر رہی ہے اور یہ بدقسمت نسل چند ایک افراد پر مشتمل نہیں بلکہ ان کی تعداد ایسی ہے جو معاشرے پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔ قومی اتحاد کے چارہ گروں کو کچھ علاج ان کا سوچنا چاہئے ورنہ یہ نسل اسلامی نظام کی عمارت کی تعمیر کے راستہ میں ایک اہم رکاوٹ کا روپ اختیار کر سکتی ہے۔

بہر حال یہ سارے تضاد دیکھتے ہوئے میں گول باغ کی طرف روانہ ہوا۔ لوئر مال، رائل روڈ، اور کچہری روڈ پر بہت بڑا ازدحام جمع تھا اور صاف معلوم ہوتا تھا کہ اکثریت بیرونی چہروں کی ہے۔

پیر پگاڑو یا کوثر نیازی

میں شمالی دروازے سے اندر داخل ہوا تو یہ دیکھا کہ اندر موجود لوگوں کی تعداد بہت کم ہے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ پیپلز پارٹی کا منصوبہ یہ ہے کہ حاضرین کو زیادہ تر باہر رکھا جائے اور اندر لوگ کم ہوں تاکہ تاثر یہ ملے کہ یہ جلسہ بہت بڑا ہے اندر ایک طوفان بدتمیزی برپا تھا جو لوگ بھی جلسہ گاہ میں موجود تھے وہ سب کے سب کھڑے تھے اور ان کی ہڑبونگ کے باعث ساری جلسہ گاہ میں دھول اڑ رہی تھی جگہ جگہ دیہات سے آنے والے ڈھول پیٹ رہے تھے ہر چند گز کے فاصلے پر بھنگڑے ڈالے جا رہے تھے اور تالیوں کی تھاپ پر قومی اتحاد کے لیڈروں کو ایک نئے سرے ساتھ گالیاں دی جا رہی تھیں۔ یہ سب کچھ دیکھتا ہوا میں آگے بڑھا اور باہر نکلنے کے لئے مال روڈ کے نزدیک گول باغ کے جنوبی دروازے تک پہنچا تو ایک لحیم شحیم شخص کو دیکھا جس کی چھوٹی چھوٹی داڑھی تھی اور رنگت سیاہی مائل آنکھوں سے معلوم ہوتا تھا کہ شراب پی رکھی ہے چہرے سے کراہت ٹپکتی تھی یہ شخص ایک قمیض میں ملبوس تھا اور نچلا تن برہنہ یہ شخص پیر پگاڑو صاحب کا سوانگ رچائے ہوئے تھا اس نے ہاتھ معافی مانگنے کے انداز میں جوڑے ہوئے تھے اور اس شخص کے پیچھے ایک ہجوم آوارگان تھا جو پیر پگاڑو کے متعلق ایک انتہائی ناقابل بیان فحش نعرے کی گردان کرتا آ رہا تھا۔

بریگیڈ کو اس نعرے کے علاوہ شدید فحش گالیاں بھی دی جا رہی تھیں اس شخص کے اس سوانگ کو دیکھ کر انتہائی دکھ ہوا مگر ایک حقیقت یہ بھی تھی کہ اس شخص کی شکل بریگیڈ کے بجائے کوثر نیازی سے بہت مشابہ تھی۔

یہ وہاں کی ہیں

دروازے کے ساتھ ہی خواتین کی بہت بڑی تعداد فروکش تھی۔ ان خواتین میں غریب طبقہ سے تعلق رکھنے والی کوئی خاتون نہ تھی بلکہ یہ سب جدید انداز کے قیمتی چست لباسوں میں ملبوس تھیں ان میں بہت ساری کھڑی تھیں اور ان کے ارد گرد نوجوانوں کا ہجوم تھا اور دونوں جنسوں کے درمیان پرلطف فقروں کا تبادلہ جاری تھا میرے ساتھی نے بتایا کہ یہ سب وہاں سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس قسم کی عورتیں جا بجا نظر آ رہی تھیں غریب اور نچلے طبقے کی خواتین بھی معقول تعداد میں موجود تھیں۔

میں گیٹ سے باہر نکل کر مال روڈ کی طرف بڑھا مال روڈ پرانار کلی تک لوگوں کا ہجوم تھا جلوس کی شکل میں ٹولیاں رقص کرتی ہوئی آ اور جا رہی تھیں ٹیکنک ایسی تھی کہ ایک مسلسل جلوس مال روڈ کی طرف سے گول باغ کی طرف جاتا ہوا محسوس ہوتا تھا مگر غور کرنے پر صاف پتہ چلتا تھا کہ دائیں ہاتھ پر یہ لوگ گول باغ سے جاتے ہیں اور بائیں ہاتھ سے واپس آتے ہیں۔ نعروں کا خوب شور تھا یہ نعرے جو اندر جلسہ گاہ میں لگائے جا رہے تھے یوں تھے۔

ظالموں حیا کرو

بھٹو کو رہا کرو

جیوے بھٹو، جیوے مال

دمادم مست قلندر

قومی اتحاد کے جلسے میں ایک نعرہ بڑا مقبول تھا وہ یہ تھا۔

دمادم مست قلندر۔

گیارہ دے، گیارہ اندر۔ بھٹو اور اس کے ساتھیوں کی طرف اشارہ ہے کہ گیارہ کے گیارہ اندر۔ اس کے جواب میں یہ نعرہ آج لگایا جا رہا تھا۔

سلطے باہر، بھٹو تیا اندر

دمادم مست قلندر

یہ نعرہ تو قابل تحریر ہے مگر بیشتر نعرے ایسے تھے جو قطعاً تحریر نہیں کیے جا سکتے۔ انتہائی فحش نعروں کی زد میں صرف قومی اتحاد کے رہنما ہی نہیں تھے بلکہ جنرل ضیاء الحق اور فوجی حکومت بھی تھی۔ جنرل ضیاء الحق کو نعروں کی صورت میں فحش ترین گالیاں دی جا رہی تھیں اور ہر قسم کے جانور سے ان کا رشتہ ملایا جا رہا تھا۔

منظر عبرت

گورنمنٹ کالج کے سامنے ایک دھوتی پوش شخص سفید بڑی مونچھیں داڑھی لگائے ہوئے فدائی ٹوپی پہنے ہوئے ایک سٹول پر کھڑا تھا اس نے کرتے کے نیچے پیٹ پر ایک گول پرات رکھ کر پیٹ کو بڑا کر رکھا تھا یہ شخص مفتی محمود کا بہروپ بھرے ہوئے تھا اور اس کے ارد گرد دس بارہ قسم کے نوعمر لڑکوں کا ہجوم تھا یہ شخص معافی مانگ رہا تھا لوگ اسے ایک جوتا رسید کرتے اور ایک روپے کا نوٹ اس کے ہاتھ میں دیتے یہ شخص برا انداز سے داڑھی کا مضحکہ اڑا رہا تھا رقص کرتا اور معافی مانگتا تھا اور بڑے مضحکہ خیز انداز میں ایک ہاتھ سے داڑھی کو حرکت دیتا تھا کبھی منہ کھول کر اس طرح کی آوازیں نکالتا تھا کہ لوگ کہتے حلوہ مانگتا ہے۔ لوگ اسے جوتا مارتے اور کہتے۔

پتر تینوں نہیں چھڈاں گے (بیٹا تجھے نہیں چھوڑیں گے) اور کبھی یہ شخص مارے خوف کے کانپنے لگتا مجمع میں موجود لوگوں کے لیے یہ منظر سامان تماشہ تھا لیکن میرے لیے یہ اتنا افسوس ناک منظر تھا جس کا اظہار نہیں ہو سکتا۔ یہ شخص مفتی محمود یا ایک عالم دین کی توہین کب تھی کیا اس توہین کا رشتہ داڑھی کے حوالے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں جا پہنچتا۔ کیا یہ لوگ خدا اور اس کے رسول کا مضحکہ اڑاتے ہیں اور ان کو خدائی گرفت کا خوف نہیں رہتا۔ اور کیا یہ حرکتیں ہی جس ملک میں ہو رہی ہیں اس کا نام پاکستان ہی ہے جو اسلام کے لیے خاص کیا گیا تھا۔

عجائب گھر کے سامنے دو گز کے مجسمے کے گلے میں پیپلز پارٹی کی ٹوپی کالر کی شکل ڈال دی گئی تھی اور اس کے ہاتھ میں پیپلز پارٹی کا پرچم دے دیا گیا تھا

دختر مادر

کئی شخص ایک گاڑی کو طبلے کی صورت بجاتے ہوئے جا رہے تھے اور ایک شخص

گاڑی ہارن سے مسلسل تالیوں کی شکل کی آواز پیدا کر رہا تھا جی پی او سے میں واپس جلسہ گاہ کی جانب ہوا تو مس بے نظیر بھٹو کو جلسہ گاہ کی طرف جاتے ہوئے دیکھا مس صاحبہ پیدل تھیں اور نوجوان لڑکوں کے ہجوم میں اس طرح گھری ہوئی تھیں کہ ان کو سانس لینے میں بھی دقت ہو رہی تھی بار بار ان کے چہرے پر کچھ عجیب قسم کے تاثرات ظاہر ہوتے تھے شاید اس وقت یہ نوجوان اپنی عوامیت کا مظاہرہ کرتے ہونگے۔ بہرحال نوجوان ان کو بہ ظاہر بڑی حفاظت سے جلسہ گاہ کی طرف لے گئے۔

جلسہ گاہ میں ایک بڑا بینر لگا ہوا تھا جس پر درج تھا

پریشان مت ہو

باپ جیل میں ہے تو کیا ہوا

ماں تو باہر ہے۔

ایک بینر پر بھٹو کی تصویر کے اوپر لکھا ہوا تھا

آج قائد عوام نے اپنا ایک اور وعدہ پورا کیا

اس بینر کو لوگ دیکھ کر الجھن میں تھے

مگر دراصل یہ بینر اس وقت تیار کیا گیا تھا جب　　　کی حیثیت سے گول باغ میں جلسہ کرنے کے لیے آئے تھے وعدے سے مراد انتخابات کرانے کا وعدہ تھا۔

دختر صاحبہ تو تشریف لے آئی تھیں مگر مادر صاحبہ پونے چار بجے تشریف لائیں جب کہ جلسہ کی کارروائی جاری تھی۔ سٹیج کے عقب میں سیڑھیاں بنا کر قائدین کے آنے کا راستہ بنایا گیا تھا۔ نصرت بھٹو جب سیڑھیوں کے قریب پہنچیں تو ورکروں نے ان کو ہاتھوں میں اٹھا لیا انھوں نے بہتیرا شور مچایا کہ میں خود چلی جاؤں گی مجھے چھوڑ دو مگر بیٹوں نے ماں کی ایک نہ مانی اور سر در خدمت حاصل کر کے ہی ٹلے۔

جلسہ گاہ میں بھٹو کی سینکڑوں تصویریں موجود تھیں ایک بڑی تصویر میں بھٹو کو "سلطان ٹیپو" کے روپ میں دکھایا تھا سٹیج پر ایک پرچم پاکستان کا لگا ہوا تھا پیپلز پارٹی کے پرچم کا لباس پہنے ہوئے ایک شخص نے حیران ہو کر پوچھا۔ او ئے کیہڑی پارٹی دا جھنڈا اے؟ سٹیج کے آگے ہزاروں بچے موجود تھے خواتین بھی موجود تھیں لیکن یہ خواتین تالی بجانے میں اور ہاتھ ہلانے میں مردوں سے آگے ہی تھیں جب یہ عورتیں ہاتھ اوپر کر کے تالیاں بجاتیں تو لوگ سیٹیاں بجاتے اور خوبصورت فقروں کا استعمال کرتے مگر خواتین کو ان کی کوئی پرواہ نہ تھی جلسہ کے آغاز میں ایک موٹی اور بھاری بھرکم عورت داخل ہوئی تو کارکنوں نے اسے پکڑ کر جلسہ گاہ میں موجود ایک گھوڑے پر دے مارا اس پر بھی خوب تالیاں بجیں۔

تقریریں

اصل تقاریر تو کوثر نیازی اور بیگم صاحبہ کی تھیں لیکن اس سے پہلے پیپلز پارٹی کے چھوٹے موٹے لیڈر تقریریں اور ان میں مضحکہ خیز باتیں کرتے رہے مثلاً ایک صاحب قیوم نظامی کہنے لگے کہ بھٹو کیا گرفتار ہوا ہے شاہی مسجد کے مینار اداس ہو گئے ہیں، مینار پاکستان آبدیدہ ہے ہم بیرن گئے ہیں اور ہمارا ابا ہم سے دور ہے۔

شیخ رفیق نے فرمایا کہ آج گول باغ میں بیس لاکھ افراد موجود ہیں ایک اور صاحب غالباً عارف بھٹی قسم کا نام تھا کہنے لگے کہ صرف بھٹو کو پھانسی کیا بھٹو کا سارا خاندان پھانسی پڑھ جائے گا۔

چھوٹے چھوٹے مقررین کے بعد کھر صاحب تشریف لائے میں اس وقت سٹیج کے ساتھ تھا کھر کی تقریر میں اور کی آواز میں تو کچھ جان تھی مگر چہرہ بالکل مرجھایا ہوا بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ مسیح سہرا ہوا تھا ان کا کہنا تھا کہ عوام قومی اتحاد والوں سے خوب رقم لیں لیکن صندوق پی پی کا بھریں انھوں نے کہا کہ ہم سے غلطیاں، ہوئی ہیں پھر انھوں نے عجیب انداز میں چہرے کو ایک سمت موڑا اور کہا، معافی، پھر دوسری سمت موڑا اور پھر کہا معافی۔ اس طرح تین مرتبہ کہا۔

کھر کی تقریر ختم ہوئی تو ایک مجہول قسم کا آدمی اسٹیج پر آیا اور اس نے ایک پنجابی قصیدے کو سنانا شروع کیا اس کا ٹیپ کا بند یہ تھا "بھٹو جیوے"، ساری نظم میں یہ شخص مسلسل رقص کرتا رہا اور ہجوم کا ایک بڑا حصہ بھی اس کے ساتھ رقص میں شریک ہو گیا۔

حضرت زینبؓ اور نصرت بھٹو

عوامی رقص ختم ہوا تو سٹیج سیکرٹری نے کوثر نیازی کی تقریر کا اعلان کیا سٹیج کے نزدیک نوعمر لڑکوں نے فحش زبان استعمال کرتے ہوئے نعرہ لگایا کہ۔

او نہاد نے نومولویاں واسطے ساڈا اِکو مولوی کافی اے۔

کوثر نیازی نے اس بات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا کہ آجکل عوام ان کو ملّا ڈسکی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ میں کسی کا نام نہیں بگاڑتا میں نے کبھی شاہ احمد نورانی کو مولویوں کی ملکہ ترنم نہیں کہا بلکہ میں ان کو حضرت علامہ الحاج الحافظ القاری شاہ احمد نورانی صدیقی قادری مدظلہ العالی کہتا ہوں اس سے پہلے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا نام بگاڑ کر کہا کہ میں نے کبھی ایسا نہیں کہا مفتی محمود کو ابرہہ کے لشکر کا ہاتھی قرار دیا اور حنیف رامے کی والدہ کو گالی دیتے ہوئے انکشاف کیا کہ۔

میری رگوں میں اصیل ؟ باپ کا خون دوڑ رہا ہے

یہ بھی کہا کہ اگر میں پیپلز پارٹی کو چھوڑ دوں تو اپنے باپ کا نہیں۔

بھٹو کی پھانسی کا ذکر کرتے ہوئے جذباتی ہو کر کہا کہ ہاں دیدو بھٹو کو پھانسی مگر عوام کی امنگوں کو پھانسی کیسے دوگے۔

نصرت بھٹو کے متعلق کہا کہ یہ آپ کی ماں ہے، مادر ملت ہے اس کو مایوس نہ کرنا پھر اسٹی پر بس نہیں کیا بلکہ نصرت بھٹو جیسی بدبخت عورت کو زینب رضؓ قرار دیا (نعوذ باللہ) کیا اتحاد والے نصرت کی چادر سر سے اتارنا چاہتے ہیں۔ نصرت صاحبہ اس وقت سٹیج پر ننگے سر بیٹھی تھیں۔ لیکن اب زینب رضؓ کی چادر اترنے نہیں دیجائے گی۔

ناصر یاد آتا ہے

کوثر نیازی کے بعد اعلان کیا گیا کہ اب خاتون ملت نصرت بھٹو تشریف لاتی ہیں اس سے پہلے جب نصرت صاحبہ جلسہ گاہ میں داخل ہوئی تھیں تو یہ اعلان کیا گیا تھا کہ خاتون ملت، خاتون پاکستان مادر ملت بیگم نصرت بھٹو تشریف لا چکی ہیں۔ نصرت بھٹو نے گلے میں پڑا ہوا سرخ دوپٹہ اٹھا کر سر پر ڈالا اور مائیک کے سامنے آکر سب سے پہلے یہ بتایا کہ ان کو ناصر بہت یاد آتا ہے (ناصر مصر کا متوفی سابق صدر) ان کے ہاتھ میں لکھی ہوئی تقریر تھی جسے وہ پڑھ رہی تھیں لیکن اس کے باوجود ان کی جملوں کی ادائیگی اس قدر ناقص تھی کہ گویا کوئی بچہ ہے جس نے سبق یاد نہیں کیا اور اب اٹک اٹک کر پڑھنے کی کوشش کر رہا ہے اس لکھی ہوئی تقریر میں یہ بھی درج تھا کہ لوگوں کو جلسہ گاہ آنے سے روکا جا رہا ہے اس سفید بلکہ سیاہ جھوٹ پر خود پیپلز پارٹی کے کارکن کھسیانے ہو گئے۔ کہنے لگیں کہ بھٹو جیل میں ہے تو کیا ہوا میں تو باہر ہوں۔ میں جو آپ کی ماں ہوں میرا یہ سرخ دوپٹہ دیکھتے ہو یہ انقلاب کا پرچم ہے۔ آج بھٹو اندر ہے مسجد اقصٰی کے مینار اداس ہیں، غمگین ہیں۔ یہودی خوش ہیں۔

ضیاء الحق کو خبردار کیا کہ اگر بھٹو کو اسمبلی سے باہر رکھا گیا۔ تو اسمبلی نہیں چل سکے گی۔ وادی میں انسانوں کا سیلاب آجائے گا ہم انقلاب لے آئیں گے۔ کارکنوں سے کہنے لگیں انقلاب کیلئے تیار رہو، انتخاب کیلئے بھی، تلواریں بھی چلینگی، للکار بھی چلے گی ۱۸ اکتوبر کے بعد ۱۹ اکتوبر آئے گا اپنی سائیکلوں پر پرچم لگالو۔ پگڑیوں کے پرچم بنالو۔

نصرت بھٹو کی تقریر چند منٹ ہی میں ختم ہوگئی تقریر کے دوران ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ نعروں کا شور اٹھا وہ پریشان ہوگئیں اور لوگوں کو خاموش کرانے کے بعد تقریر کا جو حصّہ وہ پڑھ چکی تھیں دوبارہ پڑھنا شروع کر دیا۔

عالم اسلام کا دوپٹہ صدر فورڈ کے بازو

نصرت نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ ان کا دوپٹہ عالم اسلام کا دوپٹہ ہے لگلے ہی روز ایک مقامی روزنامے میں امریکی سابق صدر فورڈ کے ساتھ رقص کا ایک نیا پوز شائع ہوا جس میں وہ ننگے سر نیم عریاں جیدت ساڑھی میں ملبوس فورڈ سے بغل گیر ہو کر رقص کر رہی تھیں۔

مکافات

اس تقریر کے ساتھ ہی جس بدنظمی کے ساتھ جلسہ شروع ہوا تھا اس بدنظمی کے ساتھ ہی ختم ہوگیا ابھی لوگ جلسہ گاہ سے نکل ہی رہے تھے کہ گرد وغبار کا شدید طوفان اٹھا اور لوگ کونوں کھدروں میں پناہ ڈھونڈنے لگے جب سب کے سروں میں اچھی طرح دھول رچ گئی تو بارش شروع ہوگئی۔

جلسہ سے قبل جہاں جہاں سے پیپلز پارٹی کے غول بیابانی گزرے وہاں سے قومی اتحاد کے پرچم اتارتے چلے گئے قومی اتحاد کے کارکنوں نے محض امن وامان کی خاطر کوئی جوابی کاروائی نہیں کی لیکن مکافات قدرت دیکھئے آندھی آئی تو پیپلز پارٹی کے پرچم جہاں جہاں لگے ہوئے تھے سب کے سب اڑ گئے

از :- احمد سعید ایم، اے (لکھنؤ)

مسلمانوں کی بے چینی اور اسکا مداوا

اسلام کا نصب العین اور قربانیوں کا جائزہ

کسی اعلیٰ نصب العین کے حصول کے خاطر جانی و مالی نقصانات سے بے پروا ہوکر سعی پیہم کرنے کو قربانی کہا جاتا ہے۔ اسلام کا نصب العین خالق و مخلوق کے درمیان خلا کو پر کرنا تھا اس مقصد کے حصول کی خاطر اس نے عقیدۂ توحید، عقیدۂ رسالت و عقیدۂ آخرت کا اعلان کیا۔ جن لوگوں نے ان عقائد کو فکری و عملی طور سے قبول کیا انکو مسلمان کہا گیا۔ مسلمانوں نے مخلوق کی حاکمیت سے انکار کرکے خدا وحدہٗ لاشریک کو اپنا حاکم و خالق تسلیم کیا۔ علاوہ ازیں تراشیدم پرشیدم اور شکستم کے طلسم خیال سے نکال کر اس عقیدے نے پہلی بار انسان کو خود شناسی اور خود اعتمادی کے ماحول میں آنے کی دعوت دی۔ خدا شناسی، خود شناسی اور خود اعتمادی ابنائے آدم کی وہ اعلیٰ خصوصیات ہیں جن کی بدولت خدا نے ان کو دنیا میں اپنی نیابت کا اعزاز عطا کیا ہے۔ اہل فکر و دانش جانتے ہیں کہ خود شناسی خود اعتمادی کو ختم کر دیتی ہے۔ یہ وہ خود اعتمادی ہے جس کا نتیجہ آج ہم سائنس کے محیر العقول کارناموں کی شکل میں دیکھ رہے ہیں۔ قرآن نے متعدد بار انسان کو کائنات کے نشیب و فراز پر تجسس آمیز نگاہ ڈالنے کی دعوت دی۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام نے انسان کو پہلی بار آزادیٔ فکر کی طرف مائل کیا ہے۔ تاہم ایسی فکر سے بھی منع فرمایا ہے جس سے مخلوق خالق سے جدا ہو جائے۔ اور انسانیت کے تحفظ کو خطرہ لاحق ہو۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں جب عرب کے چند لوگوں نے اس عقیدے کو فکراً و عملاً قبول کیا تو ان پر انسانیت سوز مظالم کیے گئے تاکہ وہ اپنے اس عقیدے سے منحرف ہو جائیں۔

اعلانِ نبوت کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے متبعین پر جو مظالم کیے گئے تھے ان کا سلسلہ آج تک جاری ہے اور ڈیڑھ ہزار سال کے مختصر عرصے میں مسلمانوں نے اپنے نصب العین کے تحفظ کے خاطر ہر دور میں جن قربانیوں اور مصائب و آلام کو برداشت کرنے کی جو مثال قائم کر دی ہے اس کی نظیر دوسری قوموں کی تاریخ میں نہیں ملتی ہے لہٰذا ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ مسلمانوں کی تاریخ قربانیوں کی ایک تاریخ ہے۔ غم اور خوشی، آنسوؤں اور مسکراہٹوں کے درمیان پروان چڑھنے والی اس تاریخ کا ہر واقعہ اپنی جگہ ایک سبق آموز داستان ہے جس میں بادِ نسیم کے لطیف جھونکے بھی ہیں۔ اور ہوائے تیز و تند کے تھپیڑے بھی، جن پر بے ساختہ آنکھوں سے اشک رواں ہو جاتے ہیں۔ خواہ وہ اصحاب رسول اللہ پر اسلام کی خاطر انسانیت سوز مظالم کا دور ہو یا شہادت حمزہؓ و عمرؓ ہو یا شہادت عثمانؓ و علیؓ ہو یا شہادتِ حسنؓ یا حسینؓ ہو خواہ وہ زوال بغداد ہو یا ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کا خاتمہ یا ۱۹۴۷ء میں آہوں اور سسکیوں کے درمیان ہندوستان کی آزادی اور اس کے بعد پاکستان کا قیام ہو یا مشرق وسطیٰ میں مصائب و آلام کا لامتناہی سلسلہ ہو یا بنگلہ

دشمن کا خونی انقلاب ہو۔ اخیر میں "خادم حرمین" شاہ فیصل کا دردناک قتل۔ علاوہ ازیں تاریخ عالم زمانے کو کبھی نہیں بھولے گی جب کہ قرون وسطیٰ میں عیسائی قوموں مغرب سے مسلمانوں کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لیے دنیائے اسلام کی طرف، آندھی اور طوفان کی طرح جھپٹی تھیں۔ عیسائی مورخین نے مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں کی ان متحدہ ہتھیار بند کوششوں کو "مقدس لڑائی" CRUSADE کا نام دیا ہے اور اس طرح بیسویں صدی کے اوائل اور وسط میں مسلمانوں کو ان کے عقائد کی خاطر روس، چین کے علاقوں میں ظلم و ستم کا نشانہ بنایا تھا۔ قربانیوں، کڑے مصائب و آلام کے یہ وہ مختصر عنوانات ہیں جن کو پڑھنے اور غور کرنے کے بعد دل بھر آتا ہے۔ اگر مسلمان صرف ایک واقعۂ کربلا، شہادت حمزہؓ، عثمانؓ پر اشک بہائیں گے۔ تو زبان حال سے وہ اس بات کے مدعی ہوں گے کہ مسلمانوں کی تاریخ میں قربانیوں کی تعداد بہت محدود ہے۔ جب کہ اس تاریخ میں ان گنت واقعات ایسے ہیں جن کو پڑھنے کے بعد آج بھی زہرہ آب پانی ہو جاتا ہے تاہم ایک زندہ اور متحرک قوم ماضی پر آنسو بہانے کے بجائے حال و مستقبل کو سنوارنے کے لیے ماضی کے واقعات سے سبق لیتی ہے قوموں کی تاریخ میں اس عمل کو حیات مستمر کہا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ اسلام نے موت و زندگی پر آنسو بہانے اور خوشی منانے کو جزو مذہب قرار دے کر تفوق اور برتری کا معیار نہیں بنایا ہے۔ بلکہ اس کے نزدیک تفوق و برتری کا معیار بلند کردار ہی یعنی اعمال صالحہ ہیں۔ ہر عمل میں اعتدال کی پرزور حمایت کی گئی ہے اور ان انکارِ اعمال سے مکمل طور پر اپنے متبعین کو روکا ہے جن سے اسلام کے بنیادی عقائد، توحید، رسالت و آخرت پامال ہوتے ہوں اور اس دستور کی نفی ہوتی ہے۔ جو قرآن کی شکل میں ہمارے درمیان موجود ہے۔

انحطاط کے اسباب

کسی جماعت یا ملک کے نظم و نسق اور کارکنان جماعت و باشندگان ملک کے درمیان فکری و عملی ہم آہنگی کو برقرار رکھنے کے لیے ایک دستور یا لائحہ عمل کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ کارکنان جماعت اور باشندگان ملک اپنے فردی فطری اختلافات کے باوجود جذباتی طور پر ایک دوسرے ہم آہنگ رہیں اور فکر و عمل میں ان کے درمیان یکجہتی یکسانیت رہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ افراد کے درمیان لامرکزیت کو راہ نہیں ملتی ہے بلکہ ملک اور قوم شاہراہ ترقی پر کسی مشینی انداز میں بلا روک ٹوک رواں دواں نظر آتے ہیں لیکن ان میں کچھ ایسے خود غرض افراد بھی ہوتے ہیں جن کے سیاہ ارادوں کے لیے یہ دستوری مرکزیت سم قاتل ثابت ہوتی ہے۔

خدا نے مسلمانوں کو ایک دستور حیات یا لائحہ عمل قرآن کی شکل میں ودیعت فرمایا تھا تاکہ مسلمان خواہ وہ عربی ہو۔ یا عجمی خواہ مغرب کا ہو یا مشرق کا اس قرآنی دستور کو اپنا کر ایک، دوسرے سے فکری و عملی طور پر ہم آہنگ رہے۔ بلکہ شبہ ہم قرآن مجید کو دنیا کا پہلا جدید ترین دستور العمل کہہ سکتے ہیں جس نے مخلوق پرستی سے انکار کر کے خدائے واحد کی حاکمیت کا اعلان کیا اور اپنے متبعین کے لیے بنیادی حقوق اور فرائض FUNDEMENTEL RIGHTS AND DUTIES اور اوامر و نواہی، وضع کیے تاکہ ان میں سماجی نظم و نسق، ذہنی توازن اور جذباتی ہم آہنگی برقرار رہے۔ اس دستور نے نہ صرف اپنے متبعین کو خطاب کیا ہے بلکہ اس کا روئے سخن دنیا کے تمام انسانوں کی طرف ہے جب تک کہ مسلمانوں میں قرآن کی مرکزیت کو تسلیم کیا جاتا رہا سطوت و جہانبانی ان کے قدم چومتی رہی لیکن جب ان کا عقیدہ قرآنی تعلیمات کے تئیں کمزور پڑنے لگا تو دنیا نے مقتدر قوم کے شیرازے کو مانند خس و خاشاک بکھرتے ہوئے بھی دیکھا۔

طلوع اسلام کے وقت مسلمانوں کو صرف خارجی دشمنوں یہودی، عیسائی اور دوسرے غیر مسلموں سے خطرات لاحق تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اور خلافت راشدہ کے ابتدائی برسوں تک مسلمان خارجی دشمنوں سے مقابلہ کرتے رہے اور آخر کار اسلام کے مخالفین کے عزائم کو مسلمانوں نے متحد ہو کر ناکام بنا دیا۔ جب دشمن شکست کھا گئے تو ان کے

اندر احساس شکست روز بروز بڑھتا گیا اور انتقام کی آگ ان کے سینے میں بھڑکنے لگی۔ چونکہ بزور قوت وہ مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے میں ناکام ہو چکے تھے لہٰذا انھوں نے مسلمانوں کی شکل و صورت بنا کر مسلم معاشرہ میں نفوذ کرنا شروع کر دیا۔ ان خارجی دشمنوں کو قطعی اندازہ ہو چکا تھا کہ مسلمانوں کے مقابلے میں ان کی شکست کا سب سے بڑا سبب مسلمانوں کا مضبوط فکری و عملی اتحاد ہے جس کا سرچشمہ قرآن اور سنت ہے۔ چنانچہ انھوں نے مسلمانوں میں مذہب اور عقیدے کی بنیاد پر ایسے افکار و آراء کی تبلیغ شروع کر دی جس سے قرآن اور سنت کی مرکزیت کمزور ہونے لگی اگرچہ علمائے حق مسلمانوں کے اتحاد کو کتاب اور سنت کی بنیاد پر جملہ اختلافات کے مقابل میں فوقیت دیتے تھے۔ دشمنوں کے ارادے کو سمجھ گئے اور ان کے خلاف صف آرا بھی ہوئے تاہم دشمن اپنے ارادوں میں کافی حد تک کامیاب ہو چکے تھے سادہ لوح مسلمان سہواً، عمداً، دامے، درمے، قدمے، سخنے ان کی حمایت کرنے لگے جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ ان تمام حالات کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کا دور اقتدار ختم ہو گیا۔ وحدت فکر و عمل ریزہ ریزہ ہو گئی اور اسلامی اقدار اور اخوت و بھائی چارہ کا ماحول سرد پڑ گیا۔ نظریاتی اختلافات مذہب کی صورت اختیار کرنے لگے۔ مناظروں، مناقشوں کے بازار گرم ہونے لگے اور اسلام کا بنیادی مقصد و مفہوم سے محو ہونے لگا۔ کوئی شیعہ ہو گیا کوئی سنی ہو گیا، کوئی خارجی ہو گیا، کوئی قادیانی ہو گیا تو کوئی بدعتی، کوئی اہل حدیث ہو گیا۔ کوئی اہل قرآن ہو گیا۔ افسوس یہ کہ مسلمان کوئی نہ رہا اگرچہ بزعم خود سب مسلمان ہیں۔

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو؟

قرآن نے جن عقائد و نظریات کا اعلان کیا ہے ان کے قبول کرنے والے کو مسلمان کہا جاتا ہے۔ لہٰذا وہ افکار و اعمال جو قرآنی تعلیمات کے منافی ہیں اسلام نے ان کے قبول کرنے کی قطعاً اجازت نہیں دی ہے۔ آج بھی قرآن مجید موجود ہے جس کو سننے اور سمجھنے کے بعد نہ صرف اہل عرب بلکہ دنیا کی دیگر اقوام دائرہ اسلام میں داخل ہوئی تھیں اور قرآنی عقائد نے ان کے شکوک و شبہات، ان کی نفسیاتی بے چینی کو زائل کر کے ان کی زندگیوں کو نئی آب و تاب بخشی تھی۔ آخر کیا وجہ ہے؟ کہ ہم ہندوستانی مسلمان اسلام سے وابستگی کا اعلان تو ضرور کرتے ہیں لیکن مذہب کے سلسلے میں زبردست اختلافات و ذہنی انتشار کا شکار ہیں۔ ہم ہندوستان کے مسلمان معمولی معمولی اختلافات کو مذہبی رنگ دے کر اپنی جڑوں کو خود کھوکھلا کرنے میں مصروف ہیں۔ کہیں پر شیعہ سنی اختلافات ہم کو گھن کی طرح کھائے جا رہے ہیں تو کہیں وہابی اور غیر وہابی کے مناظرے ہمارے قومی استحکام کو دیمک کی طرح چاٹے جا رہے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ صرف خود غرضی اور قرآنی تعلیمات سے ہمارا انحراف ہے۔ قرآن مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے لئے سائیکل کے اس دھرے کی طرح ہے جس کے سہارے سائیکل کا پہیہ گردش کرتا ہے اور میلوں کا سفر آدمی منٹوں میں طے کر لیتا ہے۔ آج ہم اس دھرے سے علیحدہ ہو چکے ہیں جس کا اثر یہ ہے کہ اقوام عالم آسمان کی بلندیوں کو چھو رہی ہیں اور ہم زندگی کے ہر میدان میں مضمحل اور پسماندہ واقع ہوئے ہیں۔ ہم کو راشٹریہ سیوک سنگھ کے صدر بالا صاحب دیورس کے ان بیان سے سبق لینا چاہئے۔ جس میں انھوں نے اپنی اس بات کو دہرایا ہے کہ راشٹریہ سیوک سنگھ کا بنیادی مقصد ہندوستان میں ہندوؤں کو منظم اور طاقتور بنانا ہے۔ بہرحال کسی قوم کو باوقار زندگی دینے کے لئے بنیادی اصول ہے۔ لہٰذا بالا صاحب کے ان جذبات کی قدر کرتے ہوئے ہندوستانی مسلمانوں کو بھی اپنے کو منظم کرنے کے لئے کمربستہ ہو جانا چاہئے لیکن کمزور اور نہتے انسانوں پر طاقت کا استعمال کر کے تیر و تفنگ برسا کر نہیں بلکہ اسلام کے تاریخ ساز اخوت و مساوات کے اصولوں کو اپنا کر۔

مسلمانوں میں اتحاد اور تعمیر نو کا یہ خواب اس وقت تک شرمندۂ حقیقت نہیں ہو سکتا جب تک مسلمان اپنے فکراً و عملاً قرآنی تعلیمات اور سنت نبوی سے وابستہ نہ کر لیں۔

اگرچہ اس حقیقت سے انکار نہیں ہے کہ دوسرے مذاہب کے مقدس گرنتھوں اور پوتر پستکوں کی طرح مسلمانوں کا

قرآن کو پوتر سمجھنے کا رجحان تو فرور عام ہے اور وقتاً فوقتاً
اس کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ مثلاً موت و زندگی، شادی بیاہ، کسی
کاروبار کے آغاز پر یا مکان کی تعمیر کے اختتام پر یا فال دیکھنے
کے لیے الماری سے نکال کر گرد وغیرہ جھاڑ کر لوگوں کے ہاتھ
میں تھما دیا جاتا ہے۔ تاہم اپنے جملہ اختلافات کو حل کرنے کے
لیے قرآن مجید کو مکمل ضابطہ حیات اور لائحہ عمل سمجھنے کا عقیدہ
مسلمانوں میں روز بروز کمزور ہوتا جارہا ہے جس کی وجہ سے
ان کے اندر ایک ہمہ جہتی کمزوری پیدا ہوتی جارہی ہے۔

قرآن میں اتحاد کی تلقین

قرآن بار بار مسلمانوں کو اتحاد واتفاق کی تلقین کرتا ہے۔
سماج میں فتنہ وفساد پھیلانے سے روکتا ہے ایک جگہ ارشاد
ہوتا ہے "اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو رسول کی
اطاعت کرو اور تم میں سے جو امیر ہو اس کی اطاعت کرو اگر
کسی معاملہ میں کوئی تنازعہ ہو جائے تو اسکے حل کے سلسلہ میں
اللہ اور اسکے رسول سے رجوع کرو یعنی قرآن اور سنت
سے مدد لو اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر یقین رکھتے ہو کیونکہ
تمام تنازعات سے نپٹنے کا یہی بہترین طریقہ ہے" (سورۃ
نساء پ ۵)

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے " اے ایمان والو! ان
لوگوں کی طرح مت بنو جو اللہ کی نشانیاں دیکھنے کے بعد
بھی اختلافات اور فرقہ واریت پیدا کرتے ہیں"۔ اس طرح
ایک جگہ اور ارشاد ہوتا ہے " اے ایمان والو! آپس
میں جھگڑے مت کرو اگر تم جھگڑے کو اپنے اندر قائم
کروگے تو تم ناکام ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائیگی۔
فتنہ وفساد پھیلانے کے سلسلے قرآن کی آیت اگرچہ
نہایت ہی مختصر ہے لیکن پرمعنیٰ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔
"عوام میں فتنہ وفساد پھیلانا نشانہ کے اعتبار سے انسانی
قتل سے کہیں زیادہ سخت ہے" (بقرہ پ ۲) یہ ارشادات
اسی قرآن کریم کے ہیں جس نے نسلی، علاقائی، اور خاندانی
امتیازات سے صرف نظر کرکے مسلمانوں کو ایک جامع
لائحہ عمل۔ CONSTITUTION عطا کیا جس کو اپنانے
کے بعد ایک ایسی قوم صفحۂ ارض پر ابھری تھی جس نے نہایت
قلیل عرصے میں تاریخ کے دھارے کو موڑ کر انسانی تہذیب
کے جملہ شعبوں میں ایک عظیم صحت مند انقلاب برپا کردیا۔

صحیح العقیدہ مسلم جماعتیں

جس بات کا ذکر میں اب کرنے جارہا ہوں
وہ نسبتاً زیادہ حیرت انگیز اور افسوسناک ہے مسلمانوں میں
کچھ جماعتیں ایسی ہیں جو صحیح العقیدہ ہیں اور اپنے اپنے دائرے میں
اسلام اور مسلمانوں کی اہم خدمت انجام دے رہی ہیں بہ ظاہر
اختلاف کی کوئی وجہ نہ ہونی چاہیئے۔ کیونکہ اسلام کی تبلیغ واشاعت
کتاب اور سنت کی روشنی میں ان جماعتوں کا نصب العین
ہے لیکن باوجود اس قدر مشترک کے یہ جماعتیں محض طریقۂ
کار کے اختلاف کی بنا پر ایک دوسرے کو ہمیشہ ہدف تنقید
بنائے رہتی ہیں اگر زمانے اور ماحول کو پیش نظر رکھتے ہوئے
کسی خاص نظریہ یا عقیدہ کو عام کرنے کے لیئے طریقہ کار
یا حکمت عملی وضع کرنے کا جواز نہ ہوتا تو انبیاء کی بعثت کی
کوئی ضرورت نہ ہوتی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر زمانہ میں
انبیاء کو مبعوث فرمایا اور ہر مسلمان جانتا ہے کہ انبیاء کا
ایک ہی مقصد تھا یعنی وحدانیت، آخرت کے عقیدے کو
خلق خدا میں عام کرنا۔ لیکن کیا وجہ تھی کہ ہر زمانے میں انبیاء
کو علیحدہ علیحدہ شریعت دی گئی اور زمانہ اور ماحول کے
مطابق ان کو معجزات بھی علیحدہ علیحدہ دیئے گئے۔ چونکہ نبی
آخر الزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بعد ختم نبوت کا
اعلان کیا جاچکا ہے۔ لہٰذا اب اس عقیدہ کو پھیلانے کی
ذمہ داری اس عقیدے کے حامل علماء اور مفکرین پر عائد
ہوتی ہے۔ اور اگر یہ حضرات زمانہ اور ماحول کے ذہنی
اتار چڑھاؤ کو پیش نظر رکھتے ہوئے کوئی نیا طریقہ کار یا
حکمت عملی وضع نہیں کریں گے۔ تو اندیشہ ہے کہ نبیوں کا یہ مشن
کہیں جمود کا شکار نہ ہوجائے۔ ایک ہی عقیدہ اور نصب العین
کی حامل مسلم جماعتیں اگر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے
سے معذور رہیں تو براہ کرم ان جماعتوں کو ایک دوسرے کے
خلاف محض فروعی اختلافات کی بناء پر تنقید برائے تنقیص کی

پالیسی کو ترک کرنا چاہیئے۔ تاکہ اسلام کے متعلق مسلم اور غیر مسلم عوام میں روز افزوں بڑھتے ہوئے شبہات کو رد کیا جا سکے دنیا کے بیشتر انسانوں کا انداز فکر تقابلی اور تجزیاتی بن گیا ہے اور علوم عقلیہ یعنی سائنس اور ٹکنالوجی کی بدولت آج کے انسان کا وہ مزاج نہیں رہا جو آج سے چند سو سال پہلے تھا۔

یہ خیال بہت عام ہے کہ دور جدید مذہب کے سلسلے میں سازگار نہیں ہے لیکن میرا اپنا خیال ہے کہ یہ دور اسلام کے لئے یا دوسرے الفاظ میں عقیدہ توحید و آخرت کی حقانیت و واقعیت کو ثابت کرنے کے لئے نہایت سازگار ہے۔ آج کا انسان سائنسی ترقیات اور سامان تعیش کی فراوانی کے باوجود اپنے گرد و پیش سے سخت بیزار ہے سائنسی انکشافات نے اس کے احساس مجبوری اور بے یقینی شعور کو بری طرح بڑھا دیا ہے خوبصورت شہروں کو چھوڑ کر سکون قلب کی خاطر کہستانوں اور صحراؤں کا رخ کر رہا ہے ایسے وقت میں جب کہ انسان لاشعوری طور پر تلاش حق میں تحریکوں کے مختلف ادوار سے گزر رہا ہے اور ناکامی کی صورت تشکک SCEKTICISM اور فراریت SCAKTICIS کے آسیب کی گرفت اس کے دل و دماغ پر روز بروز سخت ہوتی جا رہی ہے۔ صرف عقیدہ اسلام ہی ان تشنہ کامان حق کا مداوا بن سکتا ہے بشرطیکہ شارحین اسلام اس نفسیاتی کیفیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اسلام کے اصولوں دل تک پہونچانے کے لیے ایسی حکمت عملی وضع کریں جس کو ان کی سائنس زدہ "راشنل" عقل قبول کر لے۔

اختلافات کا سدباب

اختلافات قومی و معاشرتی استحکام کے لیے سخت خطرہ ہو گئے ہیں لیکن اختلافات کی موجودگی بجائے خود حق کی موجودگی کی دلیل ہے۔ مسلمانوں میں اختلافات ناپنے، تولنے کا آلہ قرآن مجید اور اس کے بعد سنت نبوی ہے۔ اگر اختلافات کم علمی کی بنا پر ہوں تو عوام میں علم کی ترویج و شناخت کے ذریعہ ان کی شدت کو کم کیا جا سکتا ہے۔ اور ان کے تناسب کو گھٹایا جا سکتا ہے لیکن اگر اختلافات بوجہ ہٹ دھرمی ہیں تو اس کا نتیجہ سوائے سب و شتم اور کشت و خون کے کچھ بھی نہیں جس کا مظاہرہ ملک کے اکثر حصوں میں ہوتا رہتا ہے۔ اور حال ہی میں لکھنؤ میں ہونے والا شیعہ سنی فساد اس کی ایک واضح مثال ہے اگر فریقین مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور وہ اختلافات کو کم کرنے میں واقعی سنجیدہ بھی ہیں تو ان کو چاہیئے کہ وہ دینی امور خاص طور سے عقائد کے سلسلے میں افراط و تفریط اتباع نفس اور شخصیت پرستی سے بالاتر ہو کر قرآن مجید کو حکم اور معیار حق و صداقت بنائیں جس کی تنظیم اور محکمیت دنیا کے تمام مسلمانوں کے لئے فرض کا درجہ رکھتی ہے اس عمل سے ان اختلافات کا دور ہو جانا اتنا ہی یقینی ہے جتنا کہ پانی میں نمک کا گھل جانا۔

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ مسلمان دنیا کے حصے میں خواہ حاکم ہوں یا محکوم سخت اختلافات کا شکار ہیں مخالفین کی پوری کوشش یہ ہے کہ اختلافات و خطرات روز بروز بڑھتے رہیں تاکہ دنیائے اسلام پر اتحاد و اتفاق کا ماحول طاری نہ ہو ورنہ مخالفین کے عزائم و مفادات کو سخت نقصان پہونچے گا چنانچہ کہیں مسلمان یہودیوں سے نبرد آزما ہیں تو کہیں وہ اپنے داخلی دشمنوں سے برسرپیکار ہیں قومی اور ملکی سکون درہم برہم ہو رہا ہے کہیں پر طبقاتی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ خود ہندوستان میں بلا استثنار شیعہ و سنی، وہابی اور بدعتی کی مسلم اقلیت کو بہت سے مسائل درپیش ہیں چونکہ دستور ہند نے مسلمانوں کے تمام فرقوں کو "مسلم اقلیت" کا نام دیا ہے۔ لہٰذا ان مسائل کا حل مسلمانوں کی متحدہ و مشترکہ کوششوں پر منحصر ہے اگر مسلمان آپس میں فروعی اختلافات کی بنا پر برسرپیکار رہیں گے تو ان مسائل کا حل لیت و لعل میں پڑ سکتا ہے۔ نسلی و علاقائی مذاہب کے مقابل میں اسلام کی بنیاد ایک خاص نظریہ یا عقیدے پر ہے جس سے تعلق مسلم وجود کا مترادف ہے آج مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر میں شعوری اور غیر شعوری

طور پر یہ احساس بڑھتا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کو مسلمان رہتے ہوئے ایک باعزت اور بے ہوقار زندگی گزار لی ہے لیکن دوسری طرف مسلمان ان عقائد و نظریات کو اپنانے سے کیوں گریزاں ہیں جن کا ماخذ قرآن مجید ہے جس کی صدائے بازگشت ابتدا میں ایک باعزت اور انقلاب آفریں قوم کے وجود کا موجب بنی تھی :-

صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب
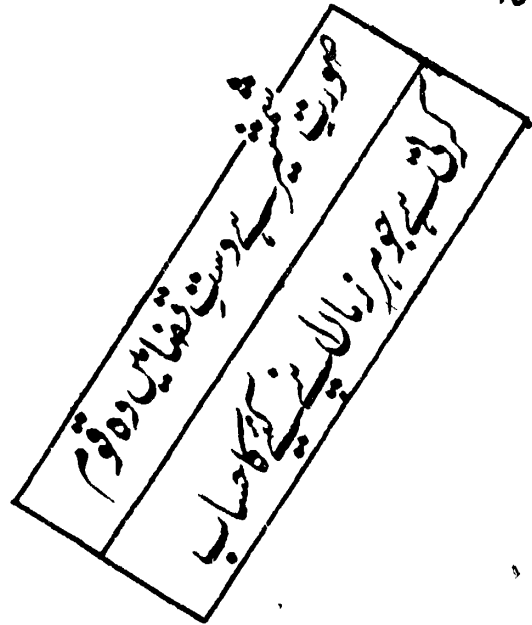
(بشکریہ "اذان" سرگودھا)

قیامت کے دن اور قیامت کی راتیں

لاہور کے شاہی قلعہ میں پولیس کے ظلم و ستم

ذوالفقار علی بھٹو کے دورِ حکومت کا سچا واقعہ

۵ جولائی سے پہلے پاکستان میں جو کچھ ہوا ہے اس کے ہیرو مسٹر ذوالفقار علی بھٹو تھے۔ زلفی صاحب کی زلفیں بھلے ہی سیاہ نہ ہوں ان کے کارنامے اتنے سیاہ ہیں کہ شیطان بھی شرما جائے۔

طارق چودھری نے بتایا ہے کہ میں ۵ اور ۶ مئی کی درمیانی رات میں معمول کے مطابق اپنے گھر پر تھا کہ ایک دوست کا فون آیا کہ شاید آج قومی اتحاد کے تمام لوگوں کو گرفتار کر لیا جائے۔ مگر میں نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی۔ میرا خالہ زاد بھائی زبیر بھی وہیں موجود تھا۔ رات قریب دو بجے دروازہ ٹوٹنے کی آواز آئی اور پھر اچانک پولیس مکان کے اندر آ گئی۔ پولیس میرے کمرے کا دروازہ توڑ کر اندر آ چکی تھی۔ پولیس والوں نے مجھے بے دردی سے گھسیٹ کر باہر نکالا اور مارنا شروع کر دیا اسی عرصہ میں پولیس نے پورے گھر کی تلاشی لی اور گھر میں موجود سارا قیمتی سامان اور میری کلائی کی گھڑی مجھ سے چھین لی...... ہمارا ٹیلی فون کاٹ دیا گیا۔ میرے سینہ پر رائفل کا کندہ مارا گیا جس کی ضرب سے میں زمین پر جا گرا سپرنٹنڈنٹ پولیس نے گندی گندی گالیاں بکنا شروع کر دیں اور مجھے اٹھوا کر پولیس کی گاڑی میں پھینک دیا گیا۔ اس گاڑی میں سپرنٹنڈنٹ پولیس و ڈپٹی تھے سپرنٹنڈنٹ نے سپاہیوں سے کہا کہ اسے مارتے رہو یہ سپاہی راستے بھر مجھے گھونسے اور تھپڑ مارتے رہے اور ایس پی مجھے اور قومی اتحاد کے لیڈروں کو فحش فاحش گالیاں دیتا رہا۔۔۔ سپرنٹنڈنٹ نے کہا کہ اب میں دیکھوں گا کہ آج کے بعد یہ تحریک کیسے چلتی ہے۔ اب تم لوگ جلوس کیسے نکال لیتے ہو۔ یہاں تک کہ سول لائنس کا تھانہ آ گیا۔ یہاں پہونچ کر میرے کپڑے پھاڑ دیئے گئے۔ میری قمیص سے میری آنکھوں کو باندھ دیا گیا اور اسی حالت میں وہ لوگ مجھے جگہ جگہ گھماتے رہے۔ پھر ایک جگہ گاڑی رکی۔ مجھے اتارا گیا اور اندھوں کی طرح چلنے پر مجبور کیا گیا۔ جس وقت میری آنکھوں کی پٹی کھولی گئی تو میں ایک دفتر میں تھا اور شاہی مسجد کے مینار مجھے نظر آ رہے تھے۔ اس وقت میں نے محسوس کیا کہ میں شاہی قلعہ میں ہوں۔ مجھے سپرنٹنڈنٹ کے سامنے بٹھا دیا گیا اس نے میری تعلیم کے بارے میں پوچھا میں نے کہا کہ میں نے تین مضامین میں ایم، اے کیا ہے اور ایل ایل بی بھی۔ اس نے کہا کہ یہ پہلا موقع ہے کہ ہم نے اتنے تعلیم یافتہ شخص کے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے۔ اس کے لئے میں اظہار افسوس کرتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہیں اور زیادہ مارا پیٹا جائے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارا تعلق قومی اتحاد کے بڑے بڑے لیڈروں سے ہے ہم بس اتنا پوچھنا چاہتے ہیں کہ "اتحاد" کا آئندہ کیا پروگرام ہے۔

میں نے کہا مجھے اس سلسلے میں کوئی معلومات نہیں ہے میرا اتحاد سے ایسا تعلق نہیں ہے کہ پروگرام کے بارے میں بتا سکوں اس پر ایس، پی نے۔ ڈی، ایس، پی کو کچھ اشارہ کیا اور اس نے ایک کاغذ نکالا۔ تمہاری گاڑی کا نمبر کے سی، سی ۱۴۳ ہے۔ "میں نے کہا" ہاں "، اس نے کہا۔ مولانا مودودی نواب نصراللہ خاں اور اتحاد کے دفتر میں تمہاری گاڑی ۱۶ بار نوٹ کی گئی ہے۔ اور تم نے دوبارہ مولانا مودودی سے ملاقات کی ہے۔ پھر اسلام آباد میں پیر پگاڑو کے مکان پر چار بار اور انٹر کانٹینیس میں پیر صاحب کی پریس کانفرنس کے موقع پر بھی گاڑی نوٹ ہوئی ہے۔ میں نے کہا کہ میں تو گزشتہ رات اسلام آباد سے آیا ہوں۔ تو انھوں نے کہا۔ تم نے رات مولانا سے ملاقات کی ہے

اور تم اسلام آباد سے مولانا کے نام کوئی بہت خاص پیغام لیکر آئے ہو جس سے تمہاری اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ میں نے کہا۔ میں نے مولانا سے ان کی خیریت معلوم کہنے کے لیے، ملاقات کی تھی میرے بارے میں اور جو کہا گیا ہے سراسر غلط ہے ایس، پی نے ڈی ایس، پی سے کہا۔ یہ شخص بہت چالاک معلوم ہوتا اور ہماری نرمی سے ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے۔ اس نے پھر۔ مجھے ماں، بہن کی گالیاں دیں اور چلایا۔ بتلاؤ دیکھتے ہی دیکھتے کوئی ایک درجن کے قریب آدمی میرے اردگرد آ کھڑے ہوئے ان میں سے ایک شخص سادہ کپڑوں میں تھا۔ میرے اوپر آٹھ آدمی کھڑے ہو گئے۔ ان کو حکم دیا گیا وہ اس حرام زادے کی ایڑیوں پر مارو، انھوں نے ایڑیوں پر چوٹیں پہنچانا شروع کر دیں۔ میری بری طرح چیخیں نکلنے لگیں۔ دو آدمی اور اندر آ گئے انھیں بھی حکم دیا گیا کہ اس کی ایڑیوں پر مارو۔ میں سخت اذیت کی وجہ سے مچھلی کی طرح تڑپنے لگا۔

سادہ لباس میں ملبوس شخص نے کہا کہ ہم سب میں کوئی اتنا تعلیم یافتہ نہیں ہے جتنا یہ شخص ہے تم اس کے ساتھ غیر ملکی جاسوسوں سے بڑھ کر سلوک کر رہے ہو یہ سراسر ظلم ہے۔ یہ کہہ کر وہ باہر چلا گیا اور دروازہ بند ہو گیا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ کرائم برانچ کا ایک انسپکٹر تھا۔ اس دوران میں کئی بار بے ہوش ہوا مجھے لگاتار الٹا لٹکائے رکھا گیا اور اوپر سے ٹھوکریں ماری جاتی رہیں۔ پھر مجھے اٹھنے کا حکم دیا گیا لیکن اٹھنا میرے بس میں نہیں رہا تھا مجھے دو آدمیوں نے سہارا دے کر اٹھایا اور چلایا۔ ایس، پی نے کہا کہ چلو ورنہ ٹانگوں میں خون جم جائے گا اور تم بیکار ہو جاؤ گے۔ پھر دو آدمیوں کو حکم دیا کہ لاٹھیاں لاؤ، وہ لوگ لاٹھیاں لائے اور بڑی بے دردی سے مجھے پیٹنا شروع کر دیا۔ میرے ننگے بدن کو روئی کی طرح دھن ڈالا۔ میری کھال ادھڑ گئی تھی اور خون چھلکنے لگا تھا۔ اسی بیچ میں ایک لاٹھی ٹوٹ گئی۔ ایس، پی نے سپاہی کے منہ پر طمانچہ مارا اور چلایا "دوسری لاٹھی لاؤ"، فوراً دوسری لاٹھی لائی گئی اور لاٹھیوں اور گالیوں سے میری مرمت ہوتی رہی۔ میں اسی دوران دوبارہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔

لاٹھیوں پر لاٹھیاں ٹوٹ چکیں تو سپرنٹنڈنٹ پولیس نے کہا۔ مجھے افسوس ہے کہ تمہارے ساتھ اتنا برا سلوک ہوا۔ لیکن"

یہ تمہاری ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہوا ہے۔ اس کے بعد مجھے بٹھا دیا گیا اور حکم ہوا۔ "تم اپنی زندگی کے بارے میں بیان لکھواؤ"

میرے دوستوں، بھائیوں، ماں، باپ کے بارے میں پوچھا گیا۔ ان کے نام، پتے اور کام، کاج کے بارے میں تفصیل لکھی گئی۔

اس کے بعد ایس، پی نے کہا۔ اب ہم تم سے ایسے مسئلہ پر بات کر رہے ہیں اور جس کے تم قائل بھی ہو اور اس کے ٹھوس ثبوت ہمارے پاس موجود ہیں۔

بھٹو صاحب نے گزشتہ دنوں ایک بین الاقوامی سازش کے اسرار پر سے پردہ ہٹایا ہے۔ پاکستان میں امریکی ڈالر کی سازش پکڑی گئی ہے۔ تم نے خود بتایا کہ تمہارا ایک بھائی، سعودی عرب میں۔ اور کہا جاتا ہے کہ مولانا کا ایک لڑکا امریکہ میں ایک ڈاکٹر ہے۔

غزل

مولانا عامر عثمانی

خرد کی پستیاں کجا جنوں کی رفعتیں کہاں
جنوں ہے مستقل یقیں خرد ہے سربسر گماں

حجاب درمیاں اٹھا تو عصمتِ نظر کہاں
نظر کی کائنات ہے یہی حجابِ درمیاں

کتابِ کفر در بغل خدا کا نام بر زباں
یہ زہد ہے تو الحذر یہ دین ہے تو الاماں

ہزار رسم و راہ تھی بتوں سے چاہ تھی مگر
خدا کا نام بھی لیا بہ طور زیبِ داستاں

یہ خانقاہ کے حرم ہیں صوفیوں کے آشرم
جہادِ زندگی ہے کیا یہ تذکرہ نہ کریہاں

بہت ستم زدہ ہوں میں خود اپنے برگ و بار سے
حقیقتاً حریف ہیں نہ بجلیاں نہ آندھیاں

میں جانتا تھا دار سے قریب ہے درِ جنوں
اسی ڈگر پہ لے چلی تڑپ مجھے کشاں کشاں

غزل

زبیر افضل عثمانی

محبت ہے کس درجہ صدموں کی عادی
کہ جس نے ستایا اسی کو دعا دی

جوابِ ستم تو ہزاروں تھے لیکن
ہمیں تو ہمارے ہی دل نے دعا دی

گلستاں ہے خاموش گل رو رہے ہیں
یہ شبنم نے کس کی کہانی سنا دی

وہ سمجھیں نہ سمجھیں یہ قسمت ہے ورنہ
نگاہوں نے روداد ساری سنا دی

ترے غم کو جانِ تمنا بنایا
تری یاد میں ساری دنیا لٹا دی

نہ پوچھو محبت کی باتیں نہ پوچھو
جوانی نے بڑھ بڑھ کے غم کو صدا دی

یہ رنگِ جہاں کیوں ہے پھیکا سا افضل
یہ کس نے جہاں کی حقیقت بتا دی

غزل

طاہر تلہری

میں کیا مری بساط ہی کیا میں بے اساس ہوں
جس کی کوئی دلیل نہیں وہ قیاس ہوں

مستقل بشر سے بڑا بد حواس ہوں
لوگو میں اس صدی کا ستارہ شناس ہوں

محروم لمس جسم ہوں، تصویر یاس ہوں
جس کو کوئی پہن نہ سکے وہ لباس ہوں

مجھ کو اگر تشنگی تو کوئی مسئلہ نہیں
مجھ پر نگاہ کر میں سمندر کی پیاس ہوں

چہرے سے کھل گیا، مرے باطن کا سارا حال
محسوس ہو رہا ہے کہ میں بے لباس ہوں

مجھ پر بھی اک نگاہ کرائے داستاں طراز
میں بھی ترے فسانے کا اک اقتباس ہوں

وہ میرا عیب پوش ہے میں اس کا پردہ دل
میرا لباس وہ ہے میں اس کا لباس ہوں

میرے بغیر نظم حیات کیا؟
دیوارِ کائنات کا سنگ اساس ہوں

طاہر مری کمی کا ہوا احساس کیوں اسے
نغموں کی چاندنی ہوں نہ پھولوں کی باس ہوں

غزل

ہمسر قادری لکھنوی

یہی نہیں کہ ہمیں زندگی کے لالے ہیں
غم حیات نے کیڑے بھی پھاڑ ڈالے ہیں

گرے نہیں ہیں جو اب تک تو اس کا راز یہ ہے
قدم قدم پہ امیدیں ہمیں سنبھالے ہیں

حقیر ہم کو سمجھ کر نہ پھیرئیے نظریں
کہ ہم بھی شہر تمدن کے رہنے والے ہیں

عمل کی آگ میں کندن جو ہم نہ بن پائے
تو حال یہ ہے کہ چہرے ہمارے کالے ہیں

تونگروں ہی کے شانہ بہ شانہ چلتے ہیں
ہمارے عہد کے مفلس بھی کیا جیالے ہیں

سوال یہ ہے کہ خوش آمدید کون کہے
سبھی نے اپنی حدوں سے قدم نکالے ہیں

بھلے برے میں سزا وجزا میں فرق نہیں
تمہارے شہر کے دستور ہی نرالے ہیں

رہِ وفا میں بجز سنگ وخشت کچھ بھی نہیں
پئے ثبوت مرے پاؤں کے یہ چھالے ہیں

نویدِ صبح مسرت کب آئے گی ہمسر
کہ شام ہونے کو ہے دیپ جلنے والے ہیں

مسجد سے میخانے تک

حالیہ فسادات کی تفصیلات ہی کچھ ایسی تھیں کہ مولوی ربیع الاول جیسے فنافی الجنتا سے بھی بات بنائے نہیں بن رہی تھی. بہتیری تاویلیں کیں. گردن سے پھیپھڑوں تک کا زور لگایا جتنی منطق دارالعلوم میں پڑھی تھی سب کی سب کھنگال کر ڈالی مگر اس کا کیا علاج کرتے کہ جس بیان کے آئینہ میں جنتا اور اس کی حکومت کے خدوخال صاف عیاں تھے وہ خود ایک ایسے شخص ــــ کا آئینہ تھا جسے آتمائے جنتا کہنے میں کسی بھی بالغ عاقل کو کوئی کلام نہیں ہو سکتا تھا۔ اور جس کے بارے میں مولوی ربیع الاول صاحب کی رائے پیدائش ہی کے وقت سے یہ تھی کہ ان سے بڑا دیش بھگت قوم پرور، جنتا نواز، وطن دوست اور نشلیسٹ مسلمان کبھی پیدا ہی نہیں ہوا اور نہ ہوگا، نہ ہو سکتا ہے پر میں نے ٹوکا تھا کہ حضرت والا آپ خدا کی قدرت پر بند باندھ رہے ہیں آنکھیں نکال کر وہ بولے تھے کہ امکان کذب کا مسئلہ پڑھا ہے ؟ میں نے عرض کیا پڑھا تھا، مگر اس طرح کہ کانوں میں انگلیاں ٹھوس لی تھیں.

کیوں ؟ وہ غرّائے

" معدے کی کمزوری تھی ــــ جب کانوں میں یہ سوال پڑا کہ خدا جھوٹ بول سکتا ہے یا نہیں تو پیٹ میں ایـ ہوا کہ بھیجا بھک سے اڑ گیا۔

لاحول ولا قوۃ ــــ ارے یہ تو منطق ـ اب بتاؤ کہ خدا جھوٹ بول سکتا ہے یا نہیں ؟ ۔

میرے فرشتے بھی نہ بتا سکیں گے ۔ ذہنی ا اور بھی موضوع ہو سکتے ہیں۔

معاذ اللہ ــــ علمی بحثوں کو ذہنی ا ہو۔ وہ بلبلائے ، پھر ہلکا سا تبسم فرماتے ہوئے لہجہ میں بولے۔

" ارے برخوردار خدا جھوٹ بول سکتا پر قادر ہے۔ یہ نہیں مانو گے تو اس کی قدرت کا مـ آئے گا۔ ہم علمائے محققین کا مسلک یہی ہے اور کہ وہ جھوٹ بول سکتا ہے مگر بولے گا نہیں۔

.... یہ تو آپ اپنے ہی خلاف مسلک ـ

.... ابھی آپ فرما رہے تھے کہ نہ پیدا ہوگا نہ ہو

ـد اور .... وہ..... ٹھیک ہے وہ او بات اور زیادہ باریک ہے، تم نہیں سمجھو گے. ان کی باریک باتیں تجھ جیسی موٹی عقل والوں کے

نہیں سماسکتیں۔ ایک اور موقعہ پر انھوں نے فرمایا تھا کہ کچھ بھی ہو جنتا بہرحال جنتا ہے۔

میں جھلا کر بولا تھا۔ کون مردود یہ کہتا ہے کہ جنتا بہرحال جنتا نہیں ہے۔

یہ مطلب نہیں ــــ وہ جھنجھلائے ،، جنتا کسی صورت میں بھی فساد کو پسند نہیں کرتی۔ یہ تو خبیث فرقہ پرستوں کی حرکتیں ہیں ،، اور غالباً فرقہ پرست آسمان سے آتے ہیں اور فساد کرا کے لوٹ جاتے ہیں ــــ مولانا حکومت تو جنتا ہی کی ہے اور وہ لوگ بھی جنتا ہی کی اولاد ہیں جنھوں نے پچھلے دنوں پولیس کے نوجوانوں کو انعامات تقسیم کیے ہیں یہ کہہ کر کہ آپ لوگوں نے ہمیشہ حسن عمل اور حسن کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اور نرنیش یادو صاحب بھی جنتا ہی کے پتر ہیں ــــ جنھوں نے عدالتی تحقیقات کو مسترد کر دیا ہے۔

تم تو یار ہر بات کا بتنگڑ بنانے پر تل جاتے ہو۔ ارے کروڑوں مسلمانوں میں اگر سو دو سو کی ہلاکت اور ہزار پانچ سو کی بربادی ہو جائے تو کونسی قیامت برپا ہو جاتی ہے اور جب برتن ایک جگہ ہوں تو کھنکتے ہی ہیں۔

بجا فرمایا ــــ اگر میں حضور کے حلقوم میں دو انچ استرا اتار کر چلو بھر پانی پی لوں تو اعتراض تو نہ ہوگا ــــ آخر اتنے بڑے ہندوستان میں آپ کی شہادت، قیامت تو نہیں لا سکتی۔

استغفر اللہ۔ وہ چھٹانک بھر بلغم تھوک کر بولے تمہیں تو بڑوں کا بھی لحاظ نہیں۔

غرض اپنی چرب زبانی کے باوجود اس مرتبہ بری طرح ذہنی قبض میں گرفتار رہے۔ لیکن اللہ بڑا کارساز ہے۔ نہین موتی کے روحانی تصرف سے دل کی گرہ کھل گئی۔ دیکھتا کیا ہوں اخبار لیے سرپٹ چلے آ رہے ہیں۔ چہرے پر وہ تمام نورانی علامات ہیں جو قبض کے بعد بسط اور بسط کے بعد اسہال میں ضروری ہوا کرتی ہیں۔

،، لو ہم نہ کہتے تھے کہ دیر آید درست آید۔ انھوں نے دعا و سلام سے قبل ہی فرمایا۔ میں سمجھا حکومت نے تحقیقات کی فرمائش منظور کر لی ہے۔

،، خیریت تو ہے ،، ؟

’’ وہ تو ہونی ہی تھی ...... وہ چہکے ..... ہم تم سے کہہ ہی رہے تھے۔ جنتا چین سے بیٹھنے والی نہیں۔ لو پڑھ لو آپ ہی سنا دیجیے۔ انھوں نے گلا صاف کر کے قاری باسط علی کے لب و لہجہ میں پڑھنا شروع کیا۔

جنتا پارٹی کی ورکنگ کمیٹی نے فسادات کے متعلق غور و فکر کر کے ان کی مذمت کی ہے

اور آگے ــــ چپ کیوں ہو گئے۔ میں نے انھیں خاموش پا کر کہا۔

کیا اتنا کافی نہیں۔

یعنی کہ آپ یہی سنانے آئے تھے۔

میرا کلیجہ شق ہو گیا۔

تو مولانا ایسا کیجیے، جہاں جہاں فساد ہوا ہے اس قرارداد کی دو چار نقلیں بھجوا دیجیے اور لکھ بھیجیے کہ شہد لگا کر چاٹیں ــــ جلدی مغفرت ہو گی۔

ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

،، تو آپ کیا چاہتے ہیں۔ جنتا ترقیاتی پروگراموں کے اہم ترین قومی کاموں کو چھوڑ چھاڑ کر بس فساد ہی کی بحث میں لگ جائے۔ ذرا اندازہ تو کیجیے کہ فسادات کی مذمت سے مسلمانوں کی پوزیشن کتنی صاف ہو جاتی ہے۔

واقعی آپ سچ کہہ رہے ہیں۔ میں اپنی اولاد کو یہ وصیت کر کے مروں گا کہ اگر پوزیشن بگڑ جائے تو مولوی ربیع الاول کی معرفت جنتا پارٹی سے رابطہ قائم کیجیے۔ چند لفظوں میں ہی پوزیشن صاف ہو جائے گی۔

بدتمیز ــــ گدھے ــــ وہ بگڑ گئے ــــ تم جیسی گندی ذہنیت رکھنے والے آدمی کو پاکستان میں پیدا ہونا چاہیے تھا۔

آپ کرائے کا بندوبست کر دیں، میں آج ہی کراچی چلا جاؤں گا۔ اس شرط کے ساتھ کہ اگر لوٹ کر آیا تو میری داڑھی مونڈھ دیجیے گا۔

ہشت۔

اچھا مولانا یہ تو بتائیے کہ کیا آپ نے کبھی بھینس کے انڈے کھائے ہیں ؟

تم نے کھائے ہونگے خبیث کہیں کے۔

میں تو روز کھاتا ہوں ـــ اگر املی کے پتے پر رکھ کر روز تین انڈے کھالیے جائیں تو بالکل گوبر کا مزہ آتا ہے۔ اور خواب بھی کھل آتے ہیں اور .... اور حیرت یہ ہے کہ آدمی بغیر سوئے خواب دیکھنے لگتا ہے۔

تمہارا دماغ خراب ہے۔ تم ہی جیسے لوگوں نے پاکستان بنایا تھا۔

اور آپ نے کیا بنوایا تھا "گورستان"۔ ارے ہاں رات میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک چھپکلی کی دُم میں دو درجن اونٹ لٹک رہے ہیں۔ خدا ہی جانے اس کی تعبیر کیا ہوگی۔

تمہیں کسی چوہے کی گردن میں لٹکا کر پھانسی دیجائے گی پاجی کہیں کے ـــ وہ پاؤں پٹختے ہوئے چل دیئے۔

"ٹھہریئے" میں نے روکنے کی کوشش کی، "ہاتھی کے انڈوں کی بات تو رہ ہی گئی۔ ابھی سے آپ کہاں چل دیئے اور ہاں بیوی نے کل شاہی ٹکڑے بنائے ہیں اور چائے بھی تیار ہوگی۔ وہ جھجکے پھر رُک گئے۔ پھر بولے۔ کھاؤ قسم ـــ قسم کی بجائے شاہی ٹکڑے ہی جو کھائیں گے۔ آ ئیے بھی۔

وہ عروس لڑکی طرح شرمائے، لجائے لوٹ ہی آئے۔

یار کبھی کبھی تمہارا مذاق بہت کھل جاتا ہے۔ انھوں نے خودداری نبھانے کی کوشش کی اور کرسی پر جم گئے۔

"آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ اور ے اسمبلی میں دیکھیئے ممبر لوگ ذرا ذرا سی باتوں پر مرغوں کی طرح لڑتے ہیں ـــ مگر باہر آتے ہی یوں معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کسی ڈرامہ کی ریہرسل کر کے آئے ہوں۔ کیا ہم اسمبلی کے ممبروں سے بھی کم درجے کے ہیں؟

خیر ہوگا تم چائے لاؤ۔ شاہی ٹکڑوں پر ذرا سی ملائی بھی لگا لینا۔ اور ہاں کچھ بازار سے مٹھائی بھی منگوا لو۔

میں گھر پہنچا۔ بیوی چولہا دھونک رہی تھی۔ یاد آگیا کہ کل سے گھر میں ایندھن نہیں ہے اور رات بھی تازہ نیم کی ٹہنیوں سے آلو ابلے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت بھی نیم ہی کی ٹہنیاں چولہا جلانے میں مدد دے سکتی تھیں۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہوں کس طرح کہوں۔ بس بے ارادہ منہ سے نکلا۔

بھاگوان سر میں درد ہو جائے گا۔ اس نے گردن موڑی ہتھیلیوں سے آنکھیں ملیں اور دھوئیں کا سینہ چیرتے ہوئے دو ایسی نظریں مجھ پر ڈالیں۔ جن میں بے بسی تھی، قناعت تھی کچھ بیزاری اور بغاوت بھی تھی۔ ایسا معلوم ہوا کہ جیسے ہندوستان کی تیرہ سالہ آزادی کی تمام تر ویرانیاں اس کی آنکھوں میں سمٹ گئی ہیں۔ گھٹی ہوئی آواز میں بولی۔

اسی لیے سوچ رہی تھی کہ سر ہی جلا دوں۔ مگر نیم اتنا گیلا ہے کہ بال بھی آگ نہیں پکڑتے۔

آہستہ ـــ بیگم آہستہ۔ میں گھبرا کر بولا، باہر مولوی ربیع الاول ہیں، اگر تھانے میں اطلاع کر دی تو اقدام خودکشی میں دھر لی جاؤ گی۔

آپ ان مولوی صاحب سے کچھ سبق نہیں لیتے ـــ کل ہی ان کے یہاں سو من لکڑی آئی ہیں۔

کیا کروں بیگم ـ کیا کروں بیگم، سی آئی ڈی کے یہاں میرا نام بلیک لسٹ میں ہے سو من لکڑی خریدنے کے لیے گورنمنٹ کا مرید ہونا بہت ضروری ہے۔ مجھ بد نصیب کا تعلق تو جمعیۃ العلماء سے بھی نہیں۔ جس کا ہر فرد بشر دونوں ہاتھوں سے چندے بٹورنے کی صلاحیتیں رکھتا ہے۔

چھوڑیئے ان لغویات کو آپ میرے بکس میں جو نیا جوڑا اوپر ہی کو رکھا ہے اسے فروخت کر آیئے تاکہ .... نہیں بیگم ـــ یہ نہیں ہو سکتا ـــ میں چھ مہینے تک لگاتار فاقے ـــ کر سکتا ہوں اور پورے دو جنم بغیر چائے کے گزار سکتا ہوں لیکن اب تمہارا کوئی جوڑا فروخت نہیں کر سکتا۔

یکایک وہ رونے لگی ـــ میں نے قریب جا کر کہا۔

بیگم ـــ تم نے سارا زیور بیچا جب نہیں روئیں، جہیز کے برتن بیچے جب نہیں روئیں، سات جوڑے نیلام کیے جب نہیں روئیں آج کیا ہو گیا ہے۔ خدا کے لیے آنسو پونچھ لو۔ میں زکوٰۃ فنڈ کھولوں گا بیت المال کی بنیاد رکھوں گا، بیواؤں کے نام پر چندہ لاؤں گا مولوی بقراط الذی کی طرح۔ مگر تمہارا آخری جوڑا نہیں بکنے دونگا ـــ حرام روزی سے تو موت بہتر ہے۔ اس نے مری ہوئی

بقیۃ گھرے کھوٹے

آواز میں کہا۔

ہائیں۔ تم بھی مودودی ہوگئیں کیا۔

بیٹے۔ مجھ بڑھیا کو اب بھر کردار جوڑے کی کونسی ضرورت پڑ رہی ہے بس جانے دیجئے۔

ماشاء اللہ تیس سال کی بڑھیا شاید لوڑھے آسمان نے پہلی ہی بار دیکھی ہوگی۔ نہیں بیگم کچھ بھی ہو جوڑا نہیں بکے گا۔ یہ میری معدے کی آواز ہے اور ہاں باہر ملک الموت بیٹھا ہے اسے چائے کی احتیاج ہے اور شاہی ٹکڑوں کی بھی۔ کیا کروں؟

اس کے چہرے پر سوچ کی علامات ظاہر ہوئیں پھر اچانک وہ مسکرا کر بولی۔

آپ چلئے میں چائے کسی نہ کسی طرح تیار کر کے بھیج ہی دونگی شاہی ٹکڑوں کا تو تصور بھی نہ کیجئے۔ لیکن ایندھن تو ہے ہی نہیں۔

آپ کو اس سے کیا مطلب، آپ جائیے۔

اور میں راضی بہ رضا ہو کر بیٹھک میں چلا آیا۔ مولانا مجھے دیکھ کر غرائے۔

اماں نیند آگئی تھی کیا۔؟

کیا بتاؤں حضرت۔ نعمت خانے کی کنجی کھوگئی ہے۔ اور شاہی ٹکڑے اسی میں ہیں

کیا ہوا چلو تالا کھول دوں۔ انھوں نے پر یقین لہجہ میں کہا۔

آپ کھولیں گے کس چیز سے؟ میں حیران ہو کر بولا۔

اس انگلی سے۔ آج آپ کو اپنا فن دکھا دوں چلو اندر

وہ با لجبر اندر چلے گئے۔ نعمت خانہ کا تالا بھی انھوں نے کھول ہی دیا لیکن شاہی ٹکڑوں کا تو وہاں نام و نشان تک موجود نہیں تھا وہ یہ ماجرا دیکھ کر بگڑے۔ لیکن پھر انھوں نے چائے ہی پر اکتفا کر لیا خدا ہی جانے کیوں؟ ممکن ہے کہ انھیں میری مجبوریوں کا احساس ہوگیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ میری اہلیہ سے خوف زدہ ہوگئے ہوں کہ اگر چائے کے ساتھ دائے کا اصرار کیا تو کہیں چائے سے بھی ہاتھ نہ دھونے پڑ جائیں۔

بہر حال انھوں نے جو کیا ٹھیک کیا۔ ان کے عقل کل ہونے میں کسی کو کوئی کلام نہیں۔

... ...

ضائع کرنے سے کیا فائدہ۔ تبصرہ کا حاصل یہ ہے کہ یہ کتابچہ ابتدائی تعلیم پانے والے بچوں کے لئے مفید ہو سکتا ہے۔ بالغوں کے لئے اس میں کشش کا کوئی سامان نہیں پایا جاتا ہے۔ ان کے لئے اس موضوع پر دوسری بہت سی کتابیں مارکیٹ میں موجود ہیں جو کشش بھی ہیں اور پر اثر بھی۔

حضرت علی رض

از:۔ سید اسحاق حسین
کتابت و طباعت گھٹیا۔ صفحات ۳۲ قیمت ۵۰ پیسے
ناشر مکتبہ اسلام۔ ۳۷، گوئن روڈ لکھنؤ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذات ہمیشہ موضوع بحث بنی رہی اور ہر دور میں ان کی شخصیت اور ان کی خصوصیات و اوصاف کو اجاگر کرنے کے لیے مختلف کتابیں منظر عام پر آتی رہیں۔ لیکن کوئی بھی بالغ نظر رکھنے والا طالب علم اس بات کا انکار نہیں کر سکتا کہ حضرت علیؓ کے بارے میں جو کچھ اب تک لکھا جا چکا ہے وہ افراط و تفریط سے منزہ نہیں ہے۔

زیر نظر کتابچہ مختلف کتابوں کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا۔ اور اس میں اسی بات کی کوشش کی گئی ہے کہ کسی بھی جگہ مبالغہ آمیزی کی حرکت سرزد نہ ہو۔ لیکن پھر بھی بعض مقامات پر ایسے جملے نقل کر دیئے گئے ہیں کہ جن کی موجودگی یہ ثابت کرتی ہے کہ شخصیت پر کتابیں ترتیب دینے والے لوگ کتنے ہی حق پرست اور محتاط کیوں نہ ہوں ان کا قلم مبالغہ آمیزی کی لپیٹ میں آئے بغیر نہیں رہتا۔ یا مبالغہ آمیزی کے بغیر تاریخ و سیر جیسے خشک موضوعات میں نمکینی پیدا نہیں ہوتی۔ بہرحال جو بھی کچھ ہو اس کتابچہ کے بارے میں بھی یہ دعویٰ تو نہیں کیا جا سکتا کہ غلو سے بالکل پاک صاف ہے البتہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مرتب نے بڑی حد تک اس بات کی کوشش کی ہے کہ قلم آوارہ نہ ہونے پائے۔ مرتب کا یہ طرز عمل فی الواقع قابل تعریف ہے۔ ہماری دعا ہے کہ مرتب کی یہ کوشش قبول عام ہے۔

پردے میں رہنے دو

از:۔ سید مظہر علی ادیب
طباعت گوارہ، کتابت دو قسم کی ہیں معیاری نہیں گھٹیا۔
صفحات ۱۲۸ قیمت چار روپے۔
ناشر مکتبہ الادیب ۱۸، فتح شیر روڈ
نیا مزنگ لاہور (پاکستان)

پردہ کے موضوع پر بہت سی کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں ان سب کتابوں میں مولانا مودودی کی پردہ بلاشبہ حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن اس موضوع پر جو نئے نئے کتابچے شائع ہوتے رہتے ہیں وہ بھی اپنی جگہ موثر اور مفید ہی ثابت ہوتے ہیں۔

مرد اور عورت کے اختلاط سے معاشرہ میں جو خرابیاں رونما ہو رہی ہے وہ کسی ناظر سے پوشیدہ نہیں۔ ہر طرف عیاشی اور آوارگی کا دور دورہ ہے۔ وہ کونسی سرزمین ہے جہاں بدکاری کے چشمے نہ پھوٹ رہے ہوں۔ بے حیائی اور بے غیرتی کے اس دور میں "پردہ" کے موضوع پر جتنا بھی لکھا جائے کم ہی کم ہے۔ زیر نظر کتابچہ

...مظہر علی صاحب نے عورت کی مغربیت پرستی پر مہذب انداز
...تھو تھو کی ہے اور مردوں کے ساتھ آزادانہ میل جول پر
...رفت کرتے ہوئے عقلاً یہ ثابت کیا ہے کہ عورت اپنی ہر ڈیوٹی
...ر ہر ذمہ داری شرعی پردہ کے حدود میں رہ کر بھی ادا کر سکتی
...ے۔ کتابچہ مفید ہے۔ لیکن تبصرہ نگار کو اسکا نام بہتر محسوس نہیں ہوا
...م اگلی اشاعت میں تبدیل ہی کر دیا جائے تو بہتر ہے۔

...سرت و غم

...ا:۔ مولوی کبیر الدین۔ فوزان
کتابت و طباعت گھٹیا صفحات ۲۲
قیمت ایک روپیہ چھ پیسے
ناشر مکتبہ عزیزیہ فقیرہ رائے پور ضلع سہارنپور

اس دنیا میں کوئی بھی انسان ایسا نہیں ہے کہ جسے خوشی
...غم کی حقیقتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ہر آدمی کی زندگی
...شی اور غم کی بہاروں اور خزاؤں سے معمور ہوتی ہے زندگی
...کے صحن میں غم کی دھوپ بھی ہوتی اور خوشی کی چھاؤں بھی۔ اسلام
...وا اپنے تمام ماننے والوں کو اس بات کی نصیحت کی ہے کہ وہ
...شی کے موقعوں پر شکر کا اور غم کے موقعوں پر صبر کا مظاہرہ کر کے
...پنے پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنے کی سعی کریں۔
زیر نظر کتابچہ میں چند قابل اعتبار واقعات نقل کر کے
...ثابت کیا گیا ہے کہ ہمارے بڑوں نے ہمیشہ مسرت کی
...ڑیوں میں شکر کے سجدے لٹائے اور حزن کے لمحات میں صبر
...کے گھونٹ پیئے اور اس طرح انھوں نے کسی بھی موڑ پر خدا کی
...رت اپنی بے بضاعتی کو نظر انداز نہیں کیا۔
کتابچہ میں کہیں کہیں کتابت کی غلطیاں موجود ہیں اور کہیں
...ں ادب و انشار کی بھی۔ اکا دکا ایسی غلطیاں بھی نظر آتی ہیں جن
...ے مرتب کے نوزائیدہ ہونے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔
مثلاً صفحہ ۳ پر یہ عبارت نظر سے گزری۔
رات تقریباً ڈھل چکی تھی چاند، ستارے آسمان
چمک دمک رہے تھے۔ شاہی محل منور اور روشن
ہو رہا تھا ہر چہار جانب سناٹا اور ہو کا عالم
تھا، چرند پرند راحت و آرام کر رہے تھے
شہنشاہ وقت گہری نیند سو رہے تھے۔ نہ کوئی
فکر تھی، نہ کوئی پرواہ۔ شب مزے میں اور دن
قہقہوں میں گزر رہے تھے

اس جملہ میں ادبی نقائص کو نظر انداز کر دینے کے باوجود
بھی ایک غلطی ایسی باقی رہ جاتی ہے جسے نظر انداز کر دینا شا...
حرام قرار پائے۔ جملہ کی ابتدا سے انتہا تک یہ ثابت ہو...
ہے کہ کسی ایک ایسی رات کا ذکر چل رہا ہے جس میں کوئی اہم واقع...
پیش آیا تھا لیکن پھر درمیان میں یہ جملہ ٹھونس دینا کہ " شب مز...
اور دن قہقہوں میں گزر رہے تھے"، بھاری غلطی ہے اس قسم
کی کچھ اور فروگذاشتیں کتابچہ میں موجود ہیں۔ ایک غلطی یہ بھی ہے کہ
چونسٹھ صفحے کے کتابچے کی قیمت ایک روپیہ چھتر پیسے ہے بہت
زیادہ رکھی گئی ہے جو اپنے ہی ساتھ زیادتی کرنے کے مترادف
ہے۔ ہم ان فراگذاشتوں سے محض اس بنا پر صرف نظر کر رہے
ہیں کہ غالباً یہ مؤلف کی پہلی کاوش ہے۔ امید ہے کہ آئندہ قلم و کاغذ
سے رشتہ قائم کرتے وقت وہ اس قسم کی غلطیوں کے مرتکب نہیں
ہوں گے۔

حضرت خالدؓ کے کارنامے

انشا:۔ سید اسحاق حسینی۔
کتابت و طباعت گھٹیا، صفحات ۲۷۔
قیمت پچھتر پیسے۔
ناشر:۔ مکتبہ ناراں دارالرحمت، ۳۶ چکمنڈی لکھنؤ۔

حضرت خالد ابن ولیدؓ پر بے شمار کتابیں قلم بند کی جا چکی ہیں
اور ان میں اکثر قابل اعتبار ہیں لہٰذا تبصرہ نگار کے نزدیک زیر نظر
کتابچہ کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اسحاق حسینی صاحب نے خواہ مخواہ
اپنا قیمتی وقت ضائع کیا ہے۔ بہتر ہو اگر آئندہ ایسے موضوعات
پر طبع آزمائی کریں کہ جن پر طبع آزمائی کرنے کی ضرورت ہے ورنہ
خواہ مخواہ اپنی صلاحیتوں اور اپنے قیمتی لمحات کو۔ بقیہ بر صفحہ ...